وَمَنْ يُطِعِ اللّٰهَ وَرَسُولَهُ وَيَخْشَ اللّٰهَ وَيَتَّقْهِ فَأُولٰئِكَ هُمُ الْفَائِزُونَ
نزہۃ القاری
شرح
صحیح البخاری
حصہ اول
تصنیف
فقیہ اعظم ہند حضرت مولانا مفتی محمد شریف الحق امجدی رحمہ اللہ تعالیٰ
فرید بک سٹال
۳۸ اردو بازار لاہور

وَمَنْ يُطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَخْشَ اللّٰهَ وَيَتَّقْهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ

اور جو شخص اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرے اور اللہ سے ڈرے اور پرہیزگار ہو تو یہی لوگ کامیاب ہیں۔ (القرآن ۵۲/۲۴)

نزہۃ القاری

شرح

صحیح البخاری

جلد نمبر ۹

فقیہ اعظم ہند حضرت مولانا مفتی محمد شریف الحق امجدی رحمہ اللہ تعالیٰ
سابق صدر شعبۂ افتاء جامعہ اشرفیہ مبارکپور (انڈیا)

فرید بک سٹال (رجسٹرڈ) ۳۸۔ اردو بازار لاہور

فہرست مضامین

نزہۃ القاری شرح صحیح البخاری (جلداول)

مضامین	صفحہ

مضامین	صفحہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

فقیہ اعظم ہند مولانا مفتی شریف الحق امجدی مدظلہ العالی کی خدمت میں

شرح بخاری کی تکمیل پر ہدیہ تبریک(۱)

زندگی اللہ تعالیٰ کا وہ عظیم عطیہ ہے کہ اگر اس کا ایک ایک لمحہ رب کریم کا شکر ادا کرنے کے لیے صرف کر دیا جائے اور ہر بن مو صد ہزار زبانوں میں تبدیل ہو کر رب کریم کی حمد اور سپاس گزاری میں محو ہو جائے تو یکے از ہزار بھی ادا نہ ہو سکے۔

اس جہان رنگ و بو میں ہزاروں افراد پیدائش کے مرحلے سے گزرتے ہیں اور ہزاروں موت کی مہیب وادیوں میں اتر جاتے ہیں۔ ان میں سے کتنے ہیں جو مقصد زندگی کو سمجھتے ہیں اور اسے پورا کرنے کے لیے اپنی سی جدوجہد کرتے ہیں؟ کہنے والے نے سچ کہا ہے۔

عمر ہا باید کہ تا یک مرد حق پیدا شود
یا جنید اندر خراساں یا اویس اندر قرن

سرزمین پاک و ہند وہ مردم خیز خطہ ہے جہاں سے ہزاروں ایسے افراد پیدا ہوئے جو نہ صرف خود صراط مستقیم پر گامزن تھے۔ بلکہ ان گنت بندگان خدا کے لیے نقوش کف پائے مصطفیٰ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) روشن کر گئے اور بقول شیخ سعدی "ویں جہدی کند کہ بگیرد غریق را" کا مصداق ثابت ہوئے۔

ایسی ہی ایک شخصیت فقیہ اعظم ہند' حضرت علامہ مولانا مفتی محمد شریف الحق امجدی مدظلہ العالی ہیں' جو بلاشبہہ نادر روزگار فقیہ اور پاک و ہند کی عظیم دینی درسگاہ جامعہ اشرفیہ' مبارک پور کے ناظم تعلیمات اور شعبہ افتاء کے صدر نشین ہیں۔ ان کے ماتحت متبحر فضلاء کی ایک جماعت ہے جو امت مسلمہ کو پیش آنے والے مسائل میں قرآن و حدیث اور فقہ حنفی کی روشنی میں راہنمائی فراہم کرتی ہے۔

(۱) یہ مقالہ حضرت فقیہ اعظم ہند کی حیات میں لکھا گیا تھا' حضرت نے ملاحظہ بھی فرمایا اور ایک مکتوب میں پسندیدگی کا اظہار بھی فرمایا' افسوس کہ ۶ صفر مطابق ۱۱ مئی ۱۴۲۱ھ / ۲۰۰۰ء بروز جمعرات صبح کی نماز کے بعد رحلت فرما گئے' رحمہ اللہ تعالیٰ۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

حضرت مفتی صاحب مدظلہ العالی موجودہ دور کے پاک و ہند کے علماء اہل سنت و جماعت کی صف اول کے ممتاز ترین عالم اور جامع الصفات شخصیت ہیں۔ وہ بیک وقت فقیہ بھی ہیں اور محدث بھی' مدرس بھی ہیں اور مناظر بھی۔ وہ خطیب بھی ہیں اور ادیب بھی۔ معقولات کے متبحر فاضل بھی ہیں اور منقولات کے بحر مواج بھی۔ غیرت ملی کا پیکر بھی ہیں اور عشق خدا و رسول (جل جلالہ و صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کا مجسمہ بھی۔ انہیں بجا طور پر امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ العزیز کے پیر خانے کے موجودہ سجادہ نشین حضرت پروفیسر ڈاکٹر سید امین میاں مدظلہ العالی نے "فقیہ اعظم ہند" ایسے پرشکوہ لقب سے نوازا ہے۔ جس پر ہندوستان کے اکابر علماء اہل سنت نے مہر تصدیق ثبت کی ہے۔ اس عظمت و جلالت کے ساتھ وہ اخلاق جمیلہ کا بہترین نمونہ ہیں۔ ان میں اسلاف کی سادگی اور اصاغر نوازی بدرجہ اتم پائی جاتی ہے۔

حضرت مفتی صاحب مدظلہ ۱۳۴۰ھ / ۱۹۲۱ء کو مردم خیز قصبہ گھوسی' ضلع اعظم گڑھ میں پیدا ہوئے۔ آپ کا سلسلہ نسب چند واسطوں سے حضرت صدر الشریعہ مولانا محمد امجد علی اعظمی رحمہ اللہ تعالیٰ (صاحب بہار شریعت) کے ساتھ جا ملتا ہے۔ آپ کی ارجمندی ہے کہ آپ کو اس وقت کے متحدہ پاک و ہند کے اساطین علم و فضل اور مقتدایان رشد و ہدایت سے اکتساب فیض کا موقع ملا۔ ابتدائی عربی کتب سے لے کر صدرا' حمد اللہ' ہدایہ اور ترمذی شریف تک کتب درس نظامی دارالعلوم اہل سنت مدرسہ اشرفیہ' مصباح العلوم' مبارک پور (جو اس وقت جامعہ اشرفیہ' مبارک پور کے نام سے شہرۂ آفاق ہے) میں پڑھنے کا موقع ملا اور جلالۃ العلم' حافظ ملت مولانا شاہ عبدالعزیز مراد آبادی کے فیض علم سے بہرہ ور ہوئے۔ شوال المکرم ۱۳۶۱ھ / ۱۹۴۲ء میں مدرسہ مظہر اسلام' مسجد بی بی جی' بریلی شریف میں محدث اعظم پاکستان مولانا ابوالفضل محمد سردار احمد چشتی قادری کے پاس صحاح ستہ پڑھ کر دورۂ حدیث کی تکمیل کی۔ حضرت صدر الشریعہ کے یہ دو شاگرد حافظ ملت اور محدث اعظم پاکستان وہ ہیں جن کا علمی اور روحانی فیض نہ صرف پاک و ہند کے گوشے گوشے میں پہنچا ہوا ہے' بلکہ دنیا کے دیگر ممالک میں بھی جلوہ گر ہے۔ مفتی صاحب ان دونوں کے فیض و برکت کے جامع ہیں۔ ان کے علاوہ بھی متعدد اکابر کے فیض یافتہ ہیں۔

حضرت مفتی صاحب مدظلہ العالی سلسلہ عالیہ قادریہ برکاتیہ رضویہ امجدیہ میں نہ صرف حضرت صدر الشریعہ' بدر الطریقہ مولانا محمد امجد علی اعظمی کے مرید ہیں بلکہ ان کے خلیفہ مجاز بھی ہیں۔ حضرت مفتی اعظم مولانا مصطفیٰ رضا خاں بریلوی اور احسن العلماء حضرت سید شاہ حسن حیدر میاں' سابق سجادہ نشین مارہرہ شریف نے بھی انہیں اجازت و خلافت سے نوازا۔ مختصر یہ کہ اکابر عصر کی عنایات اور نوازشات کا ایک ایسا مجموعہ تیار ہوا جسے آج دنیا شارح بخاری اور فقیہ اعظم ہند کے محترم القاب سے جانتی اور پہچانتی ہے۔

حضرت شارح بخاری کا خصوصی امتیاز یہ ہے کہ انہوں نے حضرت صدر الشریعہ مولانا محمد امجد علی اعظمی سے درس بخاری شریف لیا اور چودہ ماہ ان کی خدمت میں رہ کر کار افتاء کا تجربہ حاصل کیا۔ گیارہ سال دارالعلوم مظہر اسلام' بریلی شریف میں مدرس بھی رہے اور حضرت مفتی اعظم ہند مولانا مصطفیٰ رضا خاں کی راہنمائی میں فتوے بھی لکھتے رہے۔ اس دور میں تقریباً پچیس ہزار فتوے آپ کے قلم سے لکھے گئے ہوں گے۔ افسوس کہ وہ فتوے محفوظ نہیں رہ سکے۔ اس کے علاوہ

متعدد مدارس میں معقولات و منقولات کی آخری کتابیں اور دورۂ حدیث بھی پڑھاتے رہے۔ ۱۳۹۶ھ / ۱۹۷۶ء سے شہرستان علم و فن الجامعہ الاشرفیہ' مبارک پور میں تشریف فرماہیں اور اس وقت صدر مفتی بھی ہیں اور ناظم تعلیمات بھی' جدید مسائل کی تحقیق کے لیے قائم "مجلس شرعی" کے سرپرست بھی ہیں۔

حضرت فقیہ اعظم ہند نے تصانیف کا بھی اچھا ذخیرہ تیار کیا ہے۔ ان میں سرفہرست نزہتہ القاری شرح بخاری ان کا عظیم الشان کارنامہ ہے۔ جس پر وہ بلاشبہ ہدیہ تبریک کے مستحق ہیں۔ الحمدللہ! یہ شرح نو جلدوں میں مکمل ہو گئی ہے اور چھپ بھی گئی ہے۔ اس شرح کا آغاز مولانا علامہ یٰسین اختر مصباحی (دہلی) اور مولانا افتخار احمد قادری (مدینہ منورہ) کی تحریک پر ہوا۔ اختصار کے پیش نظر مکرر احادیث کا ذکر صرف ایک دفعہ کیا ہے اور بخاری شریف کے ابواب ذکر نہیں کیے ورنہ احادیث کو مکرر لانا ضروری ہوتا۔ البتہ اہم تراجم ابواب پر تفصیلی گفتگو کی گئی ہے اور ابواب کے ذکر کا فائدہ "احکام مستخرجہ" کا عنوان قائم کر کے پورا کر دیا گیا ہے۔ ہر حدیث کا نمبر لگا دیا گیا ہے اور اس کے اہم مضمون کو سامنے رکھ کر عنوان بھی قائم کر دیا ہے۔ یہ حوالہ بھی دے دیا گیا ہے کہ حدیث بخاری شریف اور صحاح ستہ کی دیگر کتب میں کہاں کہاں واقع ہے؟

مقدمہ میں دیگر ضروری معلومات کے علاوہ خاص طور پر تین عنوانوں پر بھی گفتگو کی گئی ہے۔ (۱) مسامحات بخاری (۲) امام اعظم کی مختصر سوانح اور (۳) فقہ حنفی کا تعارف۔ شرح بخاری میں حدیث کا صحیح ترجمہ اور صحیح مطلب بیان کرنے کے ساتھ ہی حضرات حنفیہ اور شافعیہ کے اختلاف کی نشاندہی بھی کی گئی ہے اور دلائل سے بتایا ہے کہ مذہب حنفی کو کیوں ترجیح ہے؟ اسی طرح اعتقادی مباحث میں مسلک اہل سنت و جماعت کی حقانیت اور برتری اس طرح بیان کی ہے کہ تسلیم کے بغیر چارہ نہیں رہتا۔

مختصر یہ کہ موجودہ دور میں اردو میں لکھی گئی یہ مکمل اور بہترین شرح ہے۔ جو علماء' وکلاء' مدرسین' طلبہ اور عوام و خواص کے لیے یکساں مفید ہے۔ اللہ تعالیٰ حضرت شارح بخاری کو دنیا اور آخرت میں اس کا بہترین اجر عطا فرمائے اور اس شرح کو ملت اسلامیہ کے لیے مفید اور مقبول بنائے۔

۱۹۹۶ء میں شارح بخاری نے حضرت ڈاکٹر سید محمد امین میاں' سجادہ نشین مارہرہ شریف کے ہمراہ زامبیا' زمبابوے' حرمین شریفین اور پاکستان کا سفر کیا۔ ۲۸/ اگست کو حضرت شارح بخاری' جناب حاجی ابوبکر (کراچی) کے ہمراہ جامعہ نظامیہ رضویہ' لاہور تشریف لائے۔ حضرت مولانا مفتی محمد عبدالقیوم ہزاروی مدظلہ' راقم الحروف اور دیگر اساتذہ و طلبہ نے ان کا پرتپاک استقبال کیا۔ ان سے پوچھا گیا کہ آپ تصویر کو جائز قرار نہیں دیتے' تو آپ کا پاسپورٹ کس طرح بن گیا؟ انہوں نے فرمایا: ہمارے ایک شاگرد نے ہمیں ناشتے کی دعوت دی۔ ان کے ہاں گئے تو ہماری تصویر بنالی گئی۔ فلیش کی چمک دیکھ کر پوچھا کہ یہ کیا کیا؟ تو انہوں نے کہا کہ آپ کو بیرونی دورے پر بھجوانے کے لیے پاسپورٹ بنوانا ہے' اس کے لیے آپ کی تصویر لی گئی ہے۔

روانہ ہونے لگے تو مجھے فرمایا کہ آپ کے پاس وقت ہو تو ہمارے ساتھ چلیں۔ مجھے کیا انکار ہو سکتا تھا؟ حاجی ابوبکر صاحب گاڑی چلا رہے تھے۔ پہلے حضرت پیر مکی رحمہ اللہ تعالیٰ کے مزار پر حاضری دی' پھر حضرت میراں حسین زنجانی کے

مزار پر حاضری کے لیے روانہ ہوئے۔ دو موریہ پل کے پاس پہنچے تو بارشوں کی وجہ سے جل تھل کا سماں تھا۔ گاڑی وہیں چھوڑی اور ٹانگے پر سوار ہو کر حضرت میراں حسین زنجانی کے مزار پر پہنچے۔ مغرب کی نماز ادا کی۔ واپسی پر ڈیفنس کی ایک کوٹھی پر لے گئے جہاں کھانا بھی کھایا اور حضرت شارح بخاری سے گھڑی کے چین کے بارے میں گفتگو ہوتی رہی۔ حضرت سٹیل کے چین کو جائز قرار دیتے ہیں۔ رات گئے واپسی ہوئی۔

۳۱/ اگست کو راقم الحروف کراچی میں حضرت سید محمد شاہ دولہا بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ کھارادر، کراچی کے عرس میں شریک ہوا۔ رات کے بارہ بجے راقم بعنوان "کرامات اولیاء اور بعد از وصال استمداد" مقالہ پیش کر رہا تھا کہ حضرت شارح بخاری، لاہور سے فیصل آباد اور ملتان ہوتے ہوئے کراچی تشریف لائے اور اسی وقت عرس کی محفل میں پہنچ گئے۔ راقم کے بعد حضرت نے پر مغز خطاب فرمایا اور ابتدا میں چند کلمات راقم کے بارے میں فرمائے۔ اگرچہ راقم اپنے آپ کو ان کا اہل نہیں سمجھتا، تاہم حضرت کے اخلاق کریمانہ اور اصاغر نوازی کی جھلک دکھانے کے لیے ذیل میں نقل کر رہا ہوں۔ حضرت نے فرمایا:

> مجھ سے پہلے رئیس القلم مولانا محمد عبدالحکیم شرف قادری تقریر کر رہے تھے، وہ تقریر کے بھی بادشاہ ہیں، تحریر کے بھی بادشاہ ہیں، تدریس کے بھی بادشاہ ہیں اور اللہ تعالیٰ نے چاہا تو روحانیت کے بھی بادشاہ ہوں گے۔ (او کما قال)

ایسے کلمات اپنے سے کم درجہ شخص کے لیے وہی کہہ سکتا ہے جس کے سینے میں سمندر کی وسعت ہو۔

راقم مقالہ پڑھ کر اپنی قیام گاہ پر چلا گیا۔ رات ڈیڑھ بجے کا وقت ہو گا کہ حضرت شارح بخاری نے ٹیلی فون کے ذریعے حکم دیا کہ میری قیام گاہ، حاجی ابوبکر صاحب برکاتی کی کوٹھی پر آ جاؤ۔ چنانچہ راقم رات کے دو بجے ان کی خدمت میں حاضر ہوا اور رات وہیں گزاری۔

۱۹۹۸ء میں راقم انڈیا گیا تو ممبئی، دہلی، بریلی شریف سے ہوتا ہوا ۱۱ نومبر کو ٹرین (کاشی) کے ذریعے چھ بجے صبح بنارس پہنچا۔ سربراہ جامعہ اشرفیہ مبارک پور، عزیز ملت حضرت مولانا عبدالحفیظ مدظلہ العالی کے ہونہار صاحبزادے مولانا نعیم الدین اور مولانا نفیس احمد استقبال کے لیے اسٹیشن پر موجود تھے۔ یہ حضرات اس فقیر کو لے کر گاڑی پر روانہ ہوئے۔ نو بجے صبح کا وقت ہو گا، جب ہم اہل سنت و جماعت کے ہندوستان میں سب سے بڑے ادارے الجامعہ الاشرفیہ، مبارک پور پہنچے اور میں یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ طلباء راستے کے دونوں طرف قطاریں بنا کر کھڑے ہیں۔ گاڑی سیدھی دارالحدیث کے عظیم الشان گنبد کے پاس جا کر کھڑی ہوئی، باہر نکلا تو سب سے پہلے حضرت شارح بخاری مدظلہ العالی سے ملاقات ہوئی۔ انہوں نے فرمایا کہ میں ممبئی کے پاس کوٹے جا رہا ہوں۔ وہاں ایک مقدمے کا فیصلہ کرنا ہے، میں چاہتا تھا کہ آپ سے ملاقات کر کے روانہ ہوں---- اللہ اکبر! یہ ہیں بڑے لوگوں کی بڑی باتیں، اس کے بعد دیگر اساتذہ اور طلباء سے ملاقات ہوئی۔ الجامعہ الاشرفیہ کی زیارت اور وہاں کے اساتذہ اور طلباء سے ملاقات کر کے جو مسرت ہوئی، اس کے بیان سے زبان و قلم عاجز ہے۔ یاد رہے کہ دہلی سے روانگی کے بعد مفکر اسلام حضرت مولانا یٰسین اختر مصباحی مدظلہ نے ٹیلی فون کے ذریعے جامعہ اشرفیہ، مبارک پور

فقیر کی آمد کی اطلاع دے دی تھی۔ اسی لیے مولانا نعیم الدین اور مولانا نفیس احمد بنارس کے اسٹیشن پر استقبال کے لیے تشریف فرما تھے۔

جامعہ اشرفیہ میں فقیر کے دیرینہ کرم فرما اور پیکر اخلاص مولانا محمد احمد مصباحی' محدث کبیر حضرت علامہ مولانا ضیاء المصطفیٰ (شیخ الحدیث) فاضل نوجوان اور محقق مولانا مفتی نظام الدین' ماہنامہ اشرفیہ کے مدیر مولانا مبارک حسین مصباحی' مولانا بدر عالم مصباحی' مولانا زاہد علی سلامی اور دیگر اساتذہ سے بھی ملاقات ہوئی جو فقیر کی یادوں کے البم کا قیمتی اثاثہ ہے۔

ہمارے ہاں یہ رسم ہے کہ کسی اہم شخصیت کی رحلت کے بعد ان کے عرس کا اہتمام کرتے ہیں' ان کی سوانح اور خدمات پر کوئی کتابچہ یا کسی ماہنامے کا نمبر شائع کر دیتے ہیں۔ اگرچہ یہ اہتمام بھی خال خال شخصیات کے لیے ہوتا ہے' لیکن زندگی میں اس بات پر توجہ نہیں دی جاتی کہ ان کی دینی' علمی اور روحانی خدمات پر خراج عقیدت پیش کیا جائے یا ان کے حالات اور علمی افادات قلم بند کیے جائیں۔

الحمدللہ! اب کسی قدر سوچ میں تبدیلی آ رہی ہے۔ حضرت شارح بخاری مولانا مفتی شریف الحق امجدی اس اعتبار سے بھی خوش قسمت ہیں کہ اہل سنت کے اصحاب فکر و دانش نے ان کی حیات مبارکہ میں انہیں خراج عقیدت پیش کرنے کا اہتمام کیا ہے۔

اس تبدیلی کی چند مثالیں ملاحظہ ہوں جو اہل سنت و جماعت کو بیداری اور کار خیر کی دعوت دیتی ہیں:

۱۔ ۱۹۹۴ء میں جامعہ اشرفیہ' مبارک پور کے طلباء نے شارح بخاری سیمینار منعقد کیا جس کے لیے دو سو کے قریب مقالات شارح بخاری پر لکھے گئے۔

۲۔ رضا اکیڈمی' ممبئی نے جولائی ۱۹۹۱ء میں ایک سیمینار منعقد کیا' جس کا عنوان تھا "امام احمد رضا کی قلمی خدمات" اس سیمینار میں علامہ یٰسین اختر مصباحی' بانی دار القلم' دہلی کو "امام احمد رضا ایوارڈ" اور گیارہ ہزار روپے نقد پیش کیے گئے۔

۳۔ رضا اکیڈمی' ممبئی ہی نے ۷/ فروری ۱۹۹۸ء کو ایک سیمینار منعقد کیا اور پانچ جلیل القدر علماء کو "امام احمد رضا ایوارڈ" اور پچیس ہزار روپے نقد پیش کیے۔ ان میں سرفہرست شارح بخاری مدظلہ العالی ہیں۔ امام احمد رضا ایوارڈ (برائے ۱۹۹۲ء) باقی ارباب فضل و کمال اور اصحاب علم و قلم کے نام یہ ہیں:

ملک التحریر: علامہ ارشد القادری مدظلہ العالی' امام احمد رضا ایوارڈ (برائے ۱۹۹۳ء)

بحر العلوم مولانا مفتی عبد المنان اعظمی مدظلہ العالی' امام احمد رضا ایوارڈ (برائے ۱۹۹۴ء)

مفتی اعظم مہاراشٹر حضرت مفتی غلام محمد خان ناگپوری' امام احمد رضا ایوارڈ (برائے ۱۹۹۵ء)

فقیہ ملت حضرت مولانا مفتی جلال الدین امجدی' امام احمد رضا ایوارڈ (برائے ۱۹۹۶ء)

ان حضرات کے حالات اور ان کی خدمات کے لیے ملاحظہ ہو "سوغات رضا" مطبوعہ رضا اکیڈمی' ممبئی۔

۴۔ ۱۴۲۰ھ / ۱۹۹۹ء میں علامہ یٰسین اختر مصباحی نے "شارح بخاری" کے نام سے ۲۸۸ صفحات پر مشتمل کتاب لکھی ہے' جسے دائرۃ البرکات' قصبہ گھوسی' ضلع مئو نے شائع کیا ہے۔

۵- ۶نومبر۱۹۹۹ء کو رضا اکیڈمی، ممبئی کے زیر اہتمام "جشن شارح بخاری" منایا گیا، جس میں شارح بخاری مدظلہ کو شرح بخاری مکمل کرنے پر ہدیہ تبریک و تہنیت پیش کیا گیا۔

یاد رہے کہ رضا اکیڈمی، ممبئی جواں سال، مجاہد سنیت جناب محمد سعید نوری اور جناب عبدالحق رضوی کی قیادت میں کام کر رہی ہے۔ رضا اکیڈمی، ممبئی نے اہل سنت و جماعت کی عام روش سے ہٹ کر لٹریچر کی اشاعت اور تقسیم پر توجہ دی ہے۔ اب تک اکیڈمی فتاویٰ رضویہ کی قدیم اشاعت کے عکس کے علاوہ امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ کے ایک سو رسائل بیک وقت حسین و جمیل ٹائٹل کے ساتھ شائع کر چکی ہے۔ درس نظامی کی کثیر التعداد کتب بھی شائع کی ہیں اور ہر سال دیدہ زیب اور حیرت انگیز حد تک خوبصورت کیلنڈر بھی شائع کرتی ہے۔

۶- ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا، کراچی / اسلام آباد بھی کئی سال سے رضویات پر کام کرنے والے محققین کو امام احمد رضا ایوارڈ (طلائی تمغہ) دیتا ہے، جامعہ ازہر شریف اور جامعہ عین شمس، قاہرہ کے تین اساتذہ کو بھی "امام احمد رضا ایوارڈ" دے چکا ہے۔

۱- بساتین الغفران (امام احمد رضا بریلوی کے عربی دیوان) کے مرتب و محقق، جناب شیخ سید حازم محمد احمد المحفوظ، استاذ کلیتہ اللغات والترجمہ، جامعہ ازہر۔

۲- ساٹھ کتابوں کے مصنف اور "سلام رضا" کا منظوم عربی ترجمہ اور ایک سو پانچ صفحات کا مقدمہ لکھنے والے ڈاکٹر حسین مجیب مصری، استاذ کلیتہ الاداب، جامعہ عین شمس، قاہرہ۔

۳- دکتور رزق مرسی ابوالعباس، استاذ اللغہ العربیہ و آدابہا، کلیہ الدراسات الاسلامیہ والعربیہ، جامعہ الازہر، جن کی نگرانی میں فاضل نوجوان ممتاز احمد سدیدی فاضل جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور نے جامعہ ازہر میں پانچ سو چھتیس صفحات پر مشتمل مقالہ برائے ایم فل لکھا، جس کا عنوان ہے

الامام احمد رضا خان البریلوی الھندی شاعراً عربیا

اور بحمدہ تعالیٰ اس میں "بتقدیر ممتاز" کامیابی حاصل کی۔

یہ صورت حال یقیناً خوش آئند ہے۔ اگر ارباب تحقیق قلم کاروں کے اعزاز و تکریم کا یہ سلسلہ جاری رہا تو ان شاء اللہ تعالیٰ وہ دن دور نہیں جب ہمارے ہاں کسی قسم کے لٹریچر کی کمی نہیں ہوگی۔

اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں بصد عجز و نیاز دعا ہے کہ حضرت شارح بخاری، فقیہ اعظم ہند حضرت علامہ مولانا مفتی محمد شریف الحق امجدی مدظلہ کا سایہ تادیر عزت و عافیت کے ساتھ سلامت رکھے، ان کے بکثرت جانشین پیدا فرمائے اور اہل سنت و جماعت کو لٹریچر کی قوت اور اہمیت کا ہمہ گیر شعور عطا فرمائے۔ آمین۔

۱۳شوال المکرم ۱۴۲۰ھ

۲۱جنوری ۲۰۰۰ء

محمد عبدالحکیم شرف قادری

شیخ الحدیث جامعہ نظامیہ رضویہ

لاہور پاکستان

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

دیباچہ

اس کتاب کو ناظرین کے ہاتھوں تک پہنچانے میں مجھے کتنی دشواریاں اٹھانی پڑیں اس کی داستان بہت طویل ہے طباعت کے سلسلے میں سب سے پہلا مرحلہ سرمایہ کا تھا۔ یہ مسئلہ سب سے زیادہ مشکل تھا۔ مگر اس سلسلے میں عزیز سعید مولانا حافظ عبدالحق صاحب سلمہٗ استاذ الجامعۃ الاشرفیہ نے ہمیشہ حوصلا افزائی کی یہاں تک کہدیا کہ آپ لکھیں تو میں چھپواؤں گا۔ پھر انہیں کی کوششوں سے سرمایہ اکٹھا ہوا۔ اور انھیں کی مسلسل انتھک محنتوں سے یہ کتاب چھپ گئی۔ اب اللہ عزوجل کی تائید سے پہلا حصہ کسی نہ کسی طرح آپ کے مطالعہ میں ہے۔ طباعت کے سلسلے میں جن حضرات نے تعاون فرمایا۔ ان کے اسمائے گرامی کی فہرست الگ صفحہ پر کردی گئی ہے۔ ان میں فخر ملت عالی جناب الحاج سیٹھ علی محمد احمد، لکی موٹر ٹریننگ اسکول ڈونگری بمبئی اور ان کے بھائی محسن ملت عالی جناب الحاج سیٹھ محمد ابراہیم احمد صاحب مالک فرینڈ اسٹورس بھنڈی بازار بمبئی نے اتنی بڑی رقم عطا فرمائی کہ ہماری جماعت میں اب تک شاید ہی کسی نے کسی مذہبی کتاب کی اشاعت کیلئے دی ہو۔ ان دونوں صاحبان نے ثابت کر دیا کہ اس دورِ الحاد میں بھی علم دین کے پرستار زندہ ہیں۔ اور زندہ رہیں گے۔ مولیٰ عزوجل انھیں اور انکی آئندہ نسل کو ہمیشہ ہمیشہ دارین میں اس کا بہترین صلہ عطا فرمائے دوسرے معاونین بھی لائق صد ستائش ہیں کہ انھوں نے بھی اللہ عزوجل کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کی نشر و اشاعت میں اپنی توفیق کے مطابق بھرپور حصہ لیا۔ میں رب العزت تبارک و تعالیٰ کی بارگاہ میں دست بدعا ہوں کہ میرے ان سرپرستوں کو دارین میں اپنے خزانۂ غیر متناہیہ سے اتنا عطا فرما، جو تیری شان وسعت کرم کے لائق ہے نیز تمام ناظرین سے بھی میری عاجزانہ التماس ہے کہ وہ ان تمام معاونین کے لئے صمیم قلب سے دعائے خیر فرماتے رہیں۔

نوٹ: عزیزی مولانا بدر عالم مدرس دارالعلوم حنفیہ غوثیہ بجرڈیہہ بنارس اور مولوی علیم الدین پورنوی نے تنہا بڑی جانفشانی سے مسودے کو صاف کیا ہے۔ نیز جناب مولانا عبدالمبین صاحب نعمانی صدر المدرسین مدرسہ قادریہ چریا کوٹ اور عزیز سعید مولانا حافظ عبدالحق، مولوی اشرف رضا، مولوی خورشید انور سلّم نے پروف ریڈنگ (کاپی کی تصحیح) بڑی عرق ریزی کے ساتھ کی۔ اللہ عزوجل ان سب لوگوں کو عالم با عمل و بافیض بنائے۔ ان سے دین کی مقبول و نمایاں خدمات لے۔ ان کے فیض کو عام کرے دارین میں جزائے خیر عطا فرمائے۔ آمین۔ سوائے جناب عبدالمبین صاحب نعمانی کے یہ لوگ نوآموز ہیں۔ ہو سکتا ہے کتابت کی غلطیاں اب بھی رہ گئی ہوں۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد لولیہ والصلوٰۃ علی حبیبہ وعلیٰ الہ وصحبہ

میں کبھی یہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ مجھ جیسا کم علم اور کاہل انسان، اصح کتب بعد کتاب اللہ کی شرح لکھ سکے گا۔ لیکن قدیر مطلق جس سے جو چاہے کام لیلے۔ ہوا یہ کہ جب الجامعۃ الاشرفیہ کے عظیم دارالافتا کی ذمہ داری مجھے سپرد کی گئی۔ اور میں اشرفیہ۔ حاضر ہو گیا تو فاضلان گرامی جناب مولانا افتخار احمد۔ اور جناب مولانا یٰسین اختر صاحب۔ استاذان ادب جامعہ اشرفیہ نے مجھے اس بات پر مجبور کیا کہ میں کوئی اہم تصنیفی کام کروں۔ میرے سامنے ناتمام اشرف السیر کا کام تھا میں نے یہ سوچا کہ اسی کو مکمل کر دوں لیکن دارالافتا سے جن کا تعلق ہے۔ وہ جانتے ہیں کہ یہ کتنا مشکل کام ہے۔ سارا وقت اسی کی نذر ہو جاتا۔ اسی اثنا میں جناب مولانا عبدالمنان صاحب کلیمی نصد ہو گئے کہ فتاوی امجدیہ پر ایک نظر ڈال لیجئے۔ چونکہ فتاوی امجدیہ مکمل پڑھکر حضرت صدر الشریعہ قدس سرہ کو سنا چکا تھا۔ اسلئے شاید مجھ سے زیادہ موزوں آدمی مل بھی نہیں سکتا تھا۔ پہلی ہی جلد پر نظر ثانی و تصحیح اور تحشیہ میں کافی وقت صرف ہو گیا پہلے حصے سے فراغت ہوئی۔ تو پھر ان دونوں حضرات کا اصرار بڑھا۔ تقریباً روزانہ یہ لوگ تقاضا کرتے پھر از راہ عنایت ان لوگوں نے اپنا تعاون بھی پیش کیا۔ ابتدا میں سوچا کہ اشرف السیر کو مکمل کر لوں۔ مگر اس میں ان لوگوں کا وقت بہت ضائع ہوتا۔ کتنی جگہ مجھے غور و خوص کرنا پڑتا۔ اس لئے انھیں حضرات کے مشورے سے یہ طے ہوا کہ بخاری شریف کا ترجمہ کر دیا جائے۔ چنانچہ یہ کام ۱۳۹۶ھ میں شروع ہوا۔ ابھی چند حدیثوں کا ترجمہ ہو پایا تھا کہ آنکھ کی تکلیف شروع ہو گئی۔ چھ ماہ تک مسلسل علاج کے بعد اطمینان ہوا تو پھر کلیمی صاحب فتاوی امجدیہ کی دوسری جلد لے کے پہنچے۔ اس میں تقریباً سال بھر گذر گیا۔ اس سے فراغت کے بعد پھر ان دونوں حضرات نے تقاضا شروع کیا۔ بالآخر ۱۸ ربیع الآخر ۱۴۰۲ھ ۱۳ فروری ۱۹۸۲ء کو پھر ترجمے کا کام شروع ہوا۔ اسی اثنا میں حضرت مولانا محمد احمد صاحب بھیروی صدر المدرسین مدرسہ عربیہ فیض العلوم محمد آباد تشریف لائے۔ انھوں نے مشورہ دیا کہ کہیں کہیں کچھ ضروری تشریحی نوٹ بھی لگا دیں تو بہتر ہوتا۔ انکے مشورے کے بعد تشریحی نوٹ جگہ جگہ لگا دیئے۔ کہ یک بیک مولانا یٰسین اختر اور مولانا افتخار احمد صاحبان ریاض چلے گئے۔ اور کام بالکل بند ہو گیا۔ اس کے بعد عزیز سعید مولانا حافظ عبدالحق اس پر ابھارتے رہے۔ روزانہ تقاضا کرتے رہے۔ آخر کار ۲۱ ذوالحجہ ۱۴۰۲ھ م ۱۰ اکتوبر ۱۹۸۲ء شب شنبہ سے کام شروع کر دیا۔ اب خیال آیا کہ ترجمے کیلئے شروح دیکھنی پڑتی ہیں اس میں سے نوٹ کے لئے انتخاب کرنا پڑتا ہے۔ لاؤ ایک متوسط درجے کی مستقل شرح ہی نہ کیوں لکھ ڈالوں۔ اس طرح میں نے یہ شرح لکھنی شروع کر دی۔ اس سلسلے میں مجھے جو جو دشواریاں اٹھانی پڑی ہیں ان کا تذکرہ فضول ہے۔ رب قدیر متعالی کا شکر ہے کہ اس کا پہلا حصہ پریس جا رہا ہے ـــــــــــ

خصوصیات (۱) کتاب کو بہت طویل ہونے سے بچانے کے لئے میں نے مکرر احادیث کو صرف ایک بار لیا ہے۔ وہ بھی جہاں میں نے مناسب جانا وہاں۔ البتہ حدیث کے مختلف الفاظ کو اکٹھا کر دیا ہے۔ ابتدا جب تک مولانا افتخار احمد اور مولانا یٰسین اختر صاحبان کا تعاون رہا تو کوشش یہ کی۔ کہ مختلف روایتوں کے مختلف الفاظ عربی متن کے ساتھ ایک ہی جگہ جمع کر دیا جائے۔ اور قوسین کے درمیان رکھ کر حوالہ دے دیا جائے۔ مگر ان حضرات کے جانے کے بعد میں یہ تو نہ کر سکا۔ البتہ شرح میں تکمیل کا عنوان قائم کر کے مختلف روایتوں کے الفاظ کے ترجمے کو جمع کر دیا ہے۔

(۲) ابواب کو بالکل ذکر نہیں کیا۔ اس لئے کہ پھر احادیث کو مکرر لانا ضروری ہو جاتا۔ مگر اہم ابواب پر شرح میں کلام پورا پورا مذکور ہے۔ نیز ابواب کے ذکر سے جو فائدہ تھا۔ وہ ایک عنوان، احکام مستخرجہ، قائم کر کے پورا کر دیا گیا ہے۔

(۳) جو حدیث جن صحابی سے مروی ہے ان کے حالات بالالتزام بیان کر دیئے ہیں۔ کہیں کہیں بعض تابعین کا بھی ذکر آگیا ہے۔

(۴) میں نے ہر حدیث پر نمبر لگا دیا ہے اور حدیث کے اہم مضمون کو سامنے رکھ کر اس کا ایک عنوان بھی قائم کر دیا ہے۔

(۵) حدیث بخاری شریف میں کہاں کہاں ہے۔ اور صحاح ستہ میں کہاں کہاں ہے۔ اس کے حوالے حاشیے میں دیدیئے ہیں۔ عینی میں اس کی تفصیل ہے۔ مگر علامہ عینی صرف کتاب کا حوالہ دیدیتے ہیں۔ یہ معلوم کر کے کہ یہ حدیث کس کتاب میں ہے۔ حدیث کی تلاش میں دشواری کم تو ہو جاتی ہے۔ مگر بہت کچھ باقی رہتی ہے۔ اس لئے میں نے باب کا بھی حوالہ دیدیا ہے۔

شروع میں صرف ابواب لکھ دیتا تھا۔ مگر بعد میں بعض اعزہ کے اصرار پر بخاری کے صفحات کا بھی اضافہ کر دیا ہے۔ لیکن دوسری کتابوں کے حوالے میں اس کا التزام نہ کر سکا۔ البتہ بعد میں "المعجم المفہرس لالفاظ الحدیث" سے حوالے نقل کر دیئے ہیں اس سلسلے میں آپ کو اعداد ملیں گے۔ ان کا حل یہ ہے کہ مسلم شریف کے حوالے میں یہ حدیث کا نمبر ہے۔ مثلاً یہ لکھا ہے۔ ایمان ۵۔ تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ کتاب الایمان کی پانچویں حدیث۔ مسلم کے علاوہ بقیہ کتابوں میں یہ ابواب کے نمبر ہیں مثلاً ابوداؤد، طہارۃ ۵۔ لکھا ہو تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ کتاب الطہارت کے پانچویں باب میں یہ حدیث ہے۔ اس سے بھی ناظرین کو بہت کچھ آسانی ہو جائیگی۔

یہ پانچ اہم خصوصیت اس شرح کی ہے۔ بقیہ وہ عام باتیں جو شرح میں ہونی چاہیئے ان سب کو بقدر ضرورت لانے کی کوشش کی ہے۔ اختلافی مباحث میں، میں نے بھرپور کوشش کی ہے کہ لب و لہجہ تلخ و ترش نہ ہو۔ انشاءاللہ تعالیٰ آپ یہی پائیں گے۔ البتہ مقدمہ میں کہیں کہیں صبر کا دامن چھوٹ گیا ہے۔ اس کے لئے میں کسی سے معذرت کی بھی ضرورت محسوس نہیں کرتا۔

ع۔ دل ہی تو ہے نہ سنگ و خشت درد سے بھر نہ آئے کیوں۔

مقدمے میں، میں نے تین باتیں بالقصد اضافہ کی ہیں۔ ایک "مسامحات بخاری" دوسری "حضرت امام اعظم کی مختصر سوانح حیات" اور تیسری "فقہ حنفی کا تعارف" اس کی کیا ضرورت تھی یہ وہیں مذکور ہے۔

اب کتاب ناظرین کے ہاتھوں میں ہے۔ اس کا مجھے احساس ہے کہ مجھ سے غلطیاں ہوئی ہونگی۔ اکابر اقران احباب سب سے درخواست ہے کہ اگر انہیں کہیں کوئی غلطی ملے تو مجھے مطلع کریں۔ اس پر پوری سنجیدگی سے غور کروں گا۔ اگر ان کی رائے درست ہوگی تو اسے تسلیم کرنے میں مجھے کوئی عار نہ ہوگا۔

رخصت ہوتے ہوئے ان حضرات سے جو اس کتاب سے فائدہ حاصل کریں۔ درخواست ہے کہ میرے لئے میرے اساتذہ میرے ماں باپ میرے تمام متعلقین اور میرے تمام معاونین کے لئے فلاح دین و دنیا کی دعا کریں۔

اے عفو و غفور، کریم و رحیم، معبود مجھے اس کا احساس ہے کہ اس کتاب میں مجھ سے ضرور غلطیاں ہوئی ہونگی ان سب کو معاف فرما۔ تو جانتا ہے کہ کوئی بھی غلطی دانستہ نہیں۔ میرے علم و فہم کی کوتاہی کی بنا پر ہے۔ آئندہ میرے دماغ میرے قلم میری زبان کو غلطی سے محفوظ فرما۔ اور اسے مکمل کرنے کی توفیق عطا فرما۔

اے بے نیاز مولیٰ تیری بارگاہِ قدس میں انتہائی عجز و الحاح کے ساتھ التجا ہے۔ کہ اپنے اس بندۂ بے نوا کی اس ناچیز کوشش کو اپنے فضل و کرم سے قبول فرما۔ اسے میری نجات اور اپنے بندوں کی ہدایت کا ذریعہ بنا۔ آمین بجاہ حبیبہ سید المرسلین علیہ وعلیہم الصلوٰۃ والتسلیم۔

ربنا تقبل منا انک انت السمیع العلیم

می توانی کہ دہی اشک مرا حسن قبول

اے کہ دُرّ ساختہ قطرۂ بارانی را!

محمد شریف الحق امجدی

خادم الافتاء الجامعۃ الاشرفیۃ مبارکپور

۸ بجے شب سہ شنبہ

۳ محرم الحرام ۱۴۰۳ھ م ۱۰ اکتوبر ۱۹۸۲ء

امتنان وتشکر

جامعہ اشرفیہ آبادی سے ایک کیلومیٹر جانب جنوب میدان میں ہے جو دیہاتی علاقہ ہے، اس میں جو بجلی ہے وہ دیہاتی لائن سے ہے جس کی وجہ سے آئے دن بجلی غائب رہتی ہے، ضعف بصارت کیوجہ سے لالٹین وغیرہ میں کام نہیں کر سکتا، دن کے اوقات دارالافتاء کی نذر ہیں، رات میں شرح کا کام ہوتا ہے اور بجلی کی غیبوبت میں کام نہیں ہوتا۔ اس کے لئے میں نے برکاتی برادران الحاج سیٹھ علی احمد والحاج سیٹھ ابراہیم احمد صاحبان کو لکھا کہ اگر ایک چھوٹا جنریٹر آجائے تو کام تسلسل سے ہوتا رہے گا، یہ سال گذشتہ کی بات ہے۔ اس وقت ہندوستانی چھوٹے جنریٹر کی قیمت چار ہزار تھی، ان دونوں مہربانوں نے چار ہزار کی رقم بلا تاخیر بھیجدی، مگر جب بنارس میں جنریٹر خریدنے کے لئے آدمی گیا تو معلوم ہوا کہ اب اس کی قیمت لگ بھگ آٹھ ہزار روپئے ہیں۔ میں نے ان حضرات کو صورت واقعہ لکھی۔ اتفاق سے حضرت عزیز ملت مولانا عبدالحفیظ صاحب مدظلہ سربراہ اعلی الجامعۃ الاشرفیہ بھی ان دنوں بمبئی تشریف رکھتے تھے۔ الحاج سیٹھ ابراہیم احمد صاحب نے حضرت سے استدعا کی کہ جناب ڈاکٹر محمد صدیق صاحب برکاتی کے فرزند رشید جناب بابو خاں سے اس کا تذکرہ کیا جائے۔ اس پر حضرت حاجی صاحب کو لے کر بابو خاں کے یہاں گئے اور ضرورت پیش فرمائی، انھوں نے بہت عمدہ ایک جاپانی جنریٹر عطا فرمایا جس سے بحمدہ تبارک وتعالیٰ میری بہت بڑی پریشانی دور ہو گئی۔ مزید یہ کہ حاجی صاحبان نے وہ چار ہزار روپے جلد ثانی کی اشاعت کیلئے دیدئے۔ میں خود بھی دعا کرتا ہوں اور تمام ناظرین سے ملتجی ہوں کہ ان تینوں کے لئے اپنے مخصوص اوقات میں دعا خیر کرتے رہیں اے ایزد متعال ان لوگوں کو اور قیامت تک آنے والی ان کی نسلوں کو شاد و آباد رکھنا، حوادث و آفات سے محفوظ رکھنا اور اپنی رحمت بے غایت سے ہمیشہ نوازتے رہنا اور ان سے راضی رہنا، آمین ثم آمین بجاہ حبیبک علیہ الصلوۃ والتسلیم۔

عزیز گرامی قدر مولانا بدر عالم سلمہ استاذ جامعہ حنفیہ غوثیہ بجرڈیہہ بنارس نے اس جلد کے تمام مسودات کو بڑی عرق ریزی محنت و جانفشانی کے ساتھ مبیضہ کیا ہے۔ اعزالاعزہ مولانا حافظ عبدالحق سلمہ استاذ جامعہ اشرفیہ مبارکپور اس تالیف کیلئے میرے دست و بازو ہیں۔ مسودے کا مبیضہ سے مقابلہ، کاپی کی تصحیح، کاتبوں کے یہاں دوڑ دھوپ، طباعت کی سرانجام دہی، یہ سب کچھ انھیں کی رہین منت ہیں۔ سچ تو یہ ہے کہ اگر یہ نہ ہوتے تو نزہۃ القاری وجود ہی میں نہ آتی۔ اللہ عزوجل ان دونوں کو اپنی شان کریمی سے دارین میں اتنا دے کہ یہ دونوں جہان میں مستغنی رہیں۔ آمین ثم آمین۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ علی تواتر آلائہ وتسلسل نعمائہ والصلوٰۃ والسلام علی سید انبیائہ واحب احبائہ وعلی آلہ وصحبہ اکرم امتہ واعزاعزائہ۔

اللہ عزوجل کا بے پایان احسان وکرم ہے اور اس کے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی عنایت بے غایت ہے کہ "نزہۃ القاری شرح بخاری" کی دوسری جلد پریس جارہی ہے اس میں کافی تاخیر ہوگئی، اس کا سبب کاتب صاحبان کی مہربانیاں ہیں۔ احادیث کے حوالہ جات کے سلسلے میں احباب کی فرمائش کی بنا پر ہم نے اس جلد میں اس کا التزام کیا تھا کہ صحاح ستہ میں جہاں جہاں حدیث مل سکے جلد، کتاب، باب، صفحات کی تفصیل کے ساتھ درج کردئیے جائیں، میں نے اس کی بھرپور کوشش کی کہ اس کی پوری پابندی کروں مگر یہ کام کتنا مشکل ہے یہ وہی سمجھ سکتا ہے جس نے اسکو کیا ہو۔ المعجم المفہرس نے اس میں بہت کچھ آسانی پیدا کردی مگر پھر بھی دشواری بہت کچھ باقی ہے، نتیجہ یہ نکلا کہ میں اسے اخیر تک نبھا نہ سکا، اخیر میں حدیث سے دیگر کتابوں کے مفصل حوالہ جات کے اندراج کو ترک کرنا پڑا۔ البتہ اس کا التزام رہا کہ بخاری شریف میں جہاں جہاں حدیث مل سکے اس کو مفصل درج کردیا جائے۔

تصحیح کے سلسلے میں اس جلد میں بھی ناظرین کو اطمینان نہیں دلا سکتا کہ کوئی غلطی نہیں رہ گئی۔ یہ میری بدقسمتی ہے کہ مجھے کوئی ایسے صاحب نہیں مل سکے جو تصحیح کا قابل اطمینان کام کرسکیں اس کے باوجود کہ میں نے خاطر خواہ معاوضہ دینے کی بھی پیشکش کی اس لئے ناظرین سے پھر وہی درخواست ہے کہ جہاں کوئی غلطی انھیں ملے مجھے مطلع کریں۔

جلد اول میں طبع ثانی کے بعد بھی بعض حضرات نے کچھ اغلاط کی نشاندہی کی ہے خصوصًا عزیز اسعد جناب مولانا رحمت اللہ صاحب بلرامپوری شیخ الحدیث دار العلوم غریب نواز الہ آباد، اس کی تصحیح حاضر ہے۔

صفحہ	سطر	اغلاط	تصحیح
۲۳۹	۸	صلبی بیٹیاں	صلبی بیٹی
۲۴۹	۴	قبیلہ اوس	قبیلہ دوس
۳۲۲	۲۶	مفعول	مفعول فیہ
۳۲۵	۷	کا	کو
۳۸۴	۱۳	اخیر کے ہمزہ کو	وہ ہمزہ جو لام کلمہ تھا اسے

احن شوقا الی دیار لقیت فیھا جمال سلمی — کرمی رساند از آں نواحی پیام وصلت بجانب ما
جمال روئے تو قبلۂ جاں حریم کوئے تو کعبۂ دل — فان سجدنا الیک نسجد وان سعینا الیک نسعی

حج وزیارت

جب سے شعور بیدار ہوا اسوقت سے اس کی تڑپ تھی کاش کبھی اللہ کے گھر اور اس کے حبیب کے در کی حاضری نصیب ہو جائے اس تمنا کی تکمیل کے لئے کتنی دعائیں کیں کتنے آنسو بہائے انکو شمار نہیں کر سکتا۔ جب حجاج اور زائرین کے قافلے حرمین طیبین جاتے دل میں ہوک اٹھتی مگر تڑپ تڑپ کر رہ جاتا۔ اب جبکہ عمر کے اخیر منزل میں ہوں اسباب و وسائل پر نظر کرتا تو سوائے مایوسی کے کچھ حاصل نہ ہوتا مگر اللہ عزوجل اور اس کے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جس پر چاہیں کرم فرمائیں، اس بے مایہ پر بھی نگاہ کرم ہوگئی اور سال گذشتہ انھوں نے مجھے بلالیا۔

ہوا یہ کہ محسن ملت الحاج سیٹھ ابراہیم احمد صاحب برکاتی مالک فرینڈ اسٹورس بھنڈی بازار بمبئی کے دل میں یہ داعیہ پیدا ہوا کہ وہ مجھے اپنے صرفے سے حج وزیارت کرائیں۔ چنانچہ بغیر میری کسی تحریک و خواہش کے مجھے خط لکھا اور ساتھ ہی تشا درخواست کے فارم بھی بھیجدئے کہ اگر آپ پسند کریں تو فارم پر دستخط کرکے بھیجدیں میں بقیہ سب کارروائی انجام دے لوں گا جب حاجی صاحب موصوف کا یہ خط ملا تو فرط مسرت سے مجھپر سکتہ طاری ہوگیا کچھ دیر تک تو ایسا محسوس ہوا گویا میں خواب دیکھ رہا ہوں لیکن بیداری پر خواب کا گمان کبتک رہتا، میں نے بلا تامل ضروری خانہ پری اور دستخط کرکے فارم ان کے پاس بھیجدیئے چونکہ حاجی صاحب موصوف نے خود ہی ہوائی جہاز سے سفر کی پیشکش کی تھی اسلئے مجھے بھی کوئی تامل نہ ہوا سابقہ گذشتہ کے ریکارڈ سے امید واثق تھی کہ درخواست منظور ہو ہی جائے گی اب میں انتظار کی گھڑیاں گننے لگا۔ لیکن امسال عازمین حج وزیارت کی کثرت کیوجہ سے ہوائی جہاز سے بھی سفر کے خواہش مند بہت سے حضرات کی درخواستیں نامنظور ہوئیں، اس میں میری بھی درخواست تھی اگر میں بغیر ان کی وساطت کے از خود براہ راست درخواست دیئے ہوتا تو شاید امسال محروم ہی رہ جاتا مگر حاجی صاحب موصوف حج وزیارت کے سلسلے کے تمام امور سے واقف تھے اس لئے انھوں نے فوراً بلا تاخیر متبادل کارروائی کی حج وزیارت کے سلسلے میں ایک ہزار ایسی محفوظ سیٹیں ہیں کہ اگر کسی کا کوئی عزیز یا شناسا سعودیہ عربیہ میں ہو، اور وہ تمام اخراجات کے لئے ڈرافٹ بھیجدے تو اسے اس ایک ہزار محفوظ نشستوں میں سے منظوری مل جاتی ہے۔ چنانچہ حاجی صاحب موصوف نے جدہ میں رہنے والے اپنے ایک شناسا سے ڈرافٹ منگالیا اور اس طرح ان ایک ہزار محفوظ نشستوں میں سے میرے لئے منظوری حاصل ہوگئی اور پہلے جہاز سے میری منظوری آگئی۔

امسال حج کمیٹی اور حکومت ہند کے مابین کچھ معاملات میں ایسا الجھاؤ پیدا ہوا جس کی وجہ سے ہوائی جہاز کے روانگی کی تاریخیں بہت تاخیر سے متعین ہوئیں اس کے نتیجے میں عازمین حج وزیارت کو بہت ذہنی کوفت بھی اٹھانی پڑی اور پریشانیاں بھی ہماری حکومت کا محکمہ ڈاک اتنا چوپٹ ہو چکا ہے کہ اس پر اعتماد ہی نہیں کیا جا سکتا نہ خطوط کا اعتبار نہ تار کا، رجسٹریاں اتنی دیر میں ملتی ہیں کہ اس کے بھروسے پر اس کا اندیشہ تھا کہ شاید جہاز کی روانگی کی تاریخ گزر جانے کے بعد امیدواروں کو ملے اسلئے اندازے سے اکثر عازمین وقت سے بہت پہلے بمبئی پہونچ گئے یہی میرا بھی حال ہوا حاجی صاحب موصوف ہی کے مشورے کے مطابق ۱۰ر جولائی بروز چہارشنبہ گھر سے بمبئی کے لئے نکل گیا اور ۲۳ر شوال ۱۲ر جولائی بروز جمعہ بعد نماز مغرب بمبئی پہنچ گیا

اسٹیشن پر لینے کے لئے خود حاجی ابراہیم احمد صاحب اور ان کے بڑے بھائی حاجی علی احمد صاحب موجود تھے بمبئی تک بھیجنے کے لئے میرے لخت جگر وحید الحق سلمہٗ اور عزیز ارشد مولینا حافظ عبد الحق زید مجدہم استاذ الجامعۃ الاشرفیہ بھی ہمراہ تھے۔ بمبئی میرا قیام عطاری مسجد پھول والی گلی بھنڈی بازار میں رہا۔ وہاں اس مسجد کے خطیب اور بمبئی میں اہلسنت کے اہم نقیب جناب قاری سراج ازہر صاحب نے سر آنکھوں پر رکھا ہر قسم کا آرام اور سہولت پہنچائی۔ ۱۲ر جولائی سے لے کر ۲۷ر جولائی تک بمبئی قیام رہا اس اثنا میں بمبئی کے کثیر احباب نے دعوت تواضع کی مثلاً حاجی علی احمد برکاتی خود حاجی ابراہیم احمد صاحب برکاتی الحاج سیٹھ احسان اللہ خانصاحب عرف پہلوان سیٹھ جناب سیٹھ مصطفےٰ خانصاحب کرلا، حافظ غلام دستگیر صاحب الحاج سیٹھ عبد المجید صاحب، جناب سیٹھ للن صاحب جمبور جناب سیٹھ ریاض الدین صاحب وغیرہم خصوصیت سے عزیزی مولنٰنا ولی اللہ سلمہٗ خطیب نورانی مسجد جمبور اور اس محلہ کے دیگر احباب اہلسنت نے۔ حضرت مولنٰنا سید شاہ حامد اشرف صاحب بانی دار العلوم محمدیہ نے دار العلوم میں مدعو کیا اور وہاں تمام طلبہ و مدرسین کے سامنے گل پوشی وضیافت فرمائی، مولیٰ عزوجل ان سب کو جزائے خیر عطا فرمائے۔

عالیجناب الحاج سیٹھ ابراہیم احمد برکاتی کے صاحبزادے الحاج سیٹھ زبیر احمد برکاتی سلمہٗ نے پاسپورٹ وڈرافٹ اور ہوائی جہاز کے ٹکٹ اور دیگر لوازمات کے لئے کافی جدوجہد کی مولیٰ عزوجل ان کو بھی ان کی خدمات کا دارین میں بہترین صلہ عطا فرمائے، بہت ہی نیک سعید خوش اخلاق صاحبزادے ہیں۔

میں گھر سے اکیلا ہی چلا تھا مناسب ساتھی کی تلاش تھی بمبئی جاکر معلوم ہوا کہ حضرت الحاج شاہ ابو الحسنین آل رسول صاحبزادہ وجانشین حضرت سید العلماء قدس سرہٗ مع اپنی والدہ ماجدہ محترمہ کے اسی جہاز سے جارہے ہیں، اس سے بے پناہ مسرت ہوئی اور حقیقت میں یہ صاحب البرکات حضرت سیدنا شاہ ابو البرکات قدس سرہٗ کا اپنے اس ناکارہ غلام پر خصوصی کرم تھا کہ اپنے صاحبزادے والا تبار کی اس عظیم سفر میں ہمرکابی کا شرف عطا فرمایا پھر بعد میں معلوم ہوا کہ جناب مولنٰنا خلیل احمد خاں پٹھان خطیب مسجد آستانہ مخدومیہ مہائم شریف اور جناب مولنٰنا قاری تراب علی صاحب خطیب مینارہ مسجد بھی اسی ہوائی جہاز سے جارہے ہیں میں نے اللہ عزوجل کا شکر ادا کیا کہ مجھے اپنے گھر اور اپنے حبیب کے در پر بلایا تو ہمراہی بھی ایسوں کی عطا فرمائی جو سب میرے حسب منشا تھے، فالحمدلہٗ

ہمارا ہوائی جہاز سات بجے شام کو قبل مغرب روانہ ہوا اور گیارہ بجکر ۲۰ منٹ پر جدہ پہنچ گیا۔ مغرب کی نماز ہوائی جہاز ہی میں پڑھی، ہوائی جہاز کے عملہ نے مغرب کے وقت اعلان کیا کہ مغرب کا وقت ہوگیا ہے حجاج نماز پڑھ لیں۔ تمام حجاج نے سیٹوں پر بیٹھے بیٹھے نماز ادا کی مگر میں نے اور حسنین میاں صاحب نے کھڑے ہوکر پورے رکوع وسجدے کے ساتھ نماز مغرب پڑھی چلتے ہوئے ہوائی جہاز میں بھی کھڑے ہونے میں کوئی دقت نہیں ہوتی اس لئے سیٹوں پر بیٹھے بیٹھے نماز پڑھنے میں نماز صحیح نہیں ہوگی اس لئے کہ قیام فرض ہے اسی طرح رکوع اور سجدہ بھی سیٹوں پر بیٹھے بیٹھے یہ تینوں فرض ادا نہیں ہوپاتے حجاج کو اس کا خیال رکھنا فرض ہے ہوائی جہاز سے نکل کر ایرپورٹ کے ہال کمرے میں آئے، اسی ہال کمرے میں باجماعت نماز عشاء ادا کی گئی، تقریباً ساری رات اسی ہال کمرے میں گزری۔ ہال کمرہ ایرکنڈیشن تھا، تمام حجاج سردی سے ٹھٹھر گئے۔ سعودی ہوائی جہاز کے عملہ نے بہت ہی

سست روی اور تاخیر سے حجاج کو باہر نکالتے تقریبًا ہوائی جہاز کے پہنچنے کے دو گھنٹے کے بعد مسافرین کو باہر نکالنا شروع کیا وہ بھی اتنی سستی کے ساتھ کہ ساڑھے چار سو حاجیوں کو نکالنے میں تین گھنٹے کا وقت لگ گیا لائن میں کھڑے کھڑے تمام حاجی تھک کر چور ہو گئے مگر عیش پرست نجدی ملازمین کو اس کی کوئی بھی پرواہ نہ ہوئی خدا خدا کرکے ایرپورٹ سے باہر نکلے تو حضرت حسنین میاں صاحب کو لینے کے لئے جدہ شہر سے ان کے رشتے دار موجود تھے، ڈرافٹ بھنانے کے بعد میں انھیں کی گاڑی میں حضرت حسنین میاں کے ساتھ مکہ معظمہ حاضر ہوا ہماری گاڑی جب مسجد حرام شریف کے پاس شارع عبداللہ بن زبیر پر پہونچی تو حرم شریف میں نماز فجر ہو چکی تھی، نمازی باہر نکل رہے تھے گاڑی وہیں ایک طرف کھڑی کر دی گئی حضرت حسنین میاں اور انکے رشتے دار شیخ جمال اللیل صاحب کے دفتر کی تلاش میں گئے مستورات موٹر ہی میں رہیں۔ میں ترساں لرزاں حرم شریف میں نماز فجر کے لئے چلا اس وقت میرا جو حال تھا اس کو الفاظ کا جامہ نہیں پہنایا جا سکتا۔ وضوخانہ وہاں سے کافی دور تھا مجبورًا زمزم شریف ہی سے وضو کیا مسجد حرام شریف میں حاضر ہوا جب کعبہ شریف پر نظر پڑی تو وفور مسرت میں بے اختیار منہ سے چیخ نکل گئی دھاڑیں مار مار کر رونے لگا کچھ دیر تک خود فراموشی کا عالم رہا مگر پھر خیال آیا کہ باہر مستورات اکیلی ہیں مجھے نماز فجر پڑھ کر جلدی پہنچنا چاہیے سسکیوں کے ساتھ نماز فجر ادا کی علاوہ رکوع اور سجدے کے نگاہ جمال کعبہ سے ہٹتی نہ تھی۔ بہت اختصار کے ساتھ نماز ادا کر کے الٹے قدم باہر آیا موٹر کے پاس پہونچا، اتنے میں حضرت حسنین میاں صاحب بھی واپس آگئے اور ہم لوگ عبدالکریم نوری صاحب کے دفتر میں پہنچے دو ایک مکان دیکھے گئے مگر وہ پسند نہ آئے میری خواہش یہ تھی کہ ایسا مکان ملتا جسمیں مستورات الگ رہتیں اور مرد الگ رہتے مگر چار آدمیوں میں اس قسم کا مکان لینا ہم لوگوں کی وسعت سے باہر تھا اسلئے میں نے حسنین میاں صاحب کو یہ مشورہ دیا کہ مولنا خلیل احمد صاحب سے ملکر مشترکہ طور پر ایسے دو مکانات لئے جائیں کہ مستورات کے لئے الگ اور مردوں کے لئے الگ رہائش ہو سکے، مگر مولانا خلیل احمد صاحب جدہ سے دوسری موٹر میں آئے تھے یہ معلوم نہیں تھا کہ وہ کہاں اترے ہیں۔ ناشتے کے بعد عمرہ کرنے کے لئے ہم لوگ حرم شریف میں حاضر ہوئے معلم صاحب نے کسی انتہائی گنوار آدمی کو ہمارے ساتھ کر دیا تھا جسے یہ تک معلوم نہ تھا کہ باب السلام کہاں ہے اور حرم میں داخلہ کے آداب کیا ہیں وہ ہملوگوں کو کسی دروازے سے اندر لے گیا اور حجر اسود کے پاس کھڑا کر کے یہ کہکر کہ آپ لوگ طواف کیجئے میں اس دروازے پر بیٹھا ہوں چلا گیا، جبکہ معلمین کے فرائض میں یہ داخل ہے کہ پہلی بار کی حاضری میں ان کا کوئی آدمی ساتھ ساتھ رہتا ہے جو عمرے کے پورے ارکان ادا کراتا ہے۔ خیر ہم لوگوں نے از خود ہی طواف کیا، بھیڑ کم تھی اس لئے بڑے اطمینان سے طواف ہوا رکن یمانی کا استلام ہر پھیرے میں نصیب ہوا البتہ حجر اسود کے بوسہ لینے میں اژدھام زیادہ تھا اور دشواری بھی تھی اس لئے صرف ایکبار نصیب ہوا، یہ بھی اللہ عزوجل کی بہت بڑی نعمت ہے ورنہ کتنے ایسے بھی حجاج ہیں جنھیں حجر اسود کی زیارت بھی نصیب نہیں ہوتی طواف سے فارغ ہو کر ہم دونوں اس شخص کے پاس آئے وہ ہم لوگوں کو لے کر صفا مروہ کی سعی کرائے بغیر دروازے سے باہر آگیا اور قیام گاہ کی طرف لے چلا۔ ہملوگ ابھی صبح ہی کو حاضر ہوئے تھے صفا مروہ کے جائے وقوع سے واقف نہ تھے اسلئے اس کے پیچھے چلے، انتظار کرتے رہے کہ وہ اب بتائے گا، یہ صفا ہے یہاں سے سعی شروع کرو، مگر وہ ہملوگوں کو لئے ہوئے معلم صاحب کے گھر پہنچ گیا، اس پر مجھے تعجب ہوا اور غصہ بھی آیا۔ میں نے اس سے کہا کہ ہم لوگوں کو صفا مروہ پر کیوں

نہیں لے گیا، سعی کیوں نہیں کرائی، تو اس نے کہا جلدی کیا ہے سعی پھر کر لیجئے گا۔ غصہ تو بہت آیا مگر ہم لوگوں نے صبر کیا میں نے کہا ہم ابھی سعی کریں گے صفا مروہ پر لے چلو، وہ ہم لوگوں کو لے کر پھر الٹے قدم چلا اور مسجد حرام شریف لایا، مجھے پھر شبہہ ہوا کہ معلوم نہیں یہ کہاں لے جا رہا ہے، میں نے پھر اس سے کہا ہم لوگوں کو صفا پر لے چلو اس نے کہا ہاں صفا ہی پر لے چل رہا ہوں۔ بہر حال وہ ہم لوگوں کو لا کر صفا پر چھوڑ کر چلا گیا اور یہ کہہ گیا کہ میں چلتا ہوں آپ لوگ آجایئے گا۔ اس کے جانے کے بعد ہم نے سعی کی، سبحان اللہ دیوانوں کی ایک بھیڑ ہے جو صفا مروہ کے درمیان انتہائی جوش و مستی کے ساتھ پروانوں کی طرح دوڑ رہی ہے ہم نے بھی نیت کی اور سعی شروع کی زندگی بھر چلتے رہے اور کبھی کبھار دوڑے بھی ہیں مگر سعی میں جو لذت تھی جو کیف تھا جو مستی تھی وہ بیان سے باہر، سعی کرنے کے درمیان ہی مولانا خلیل احمد خاں مل گئے میں نے ان سے کہا کہ میری خواہش یہ ہے کہ ہم سب ایک ساتھ رہیں اور اس طرح کا مکان لیا جائے وہ بھی ہماری اس رائے پر بہت خوش ہوئے سعی سے فارغ ہونے کے بعد ان کے ہمراہ ان کی قیامگاہ پر آئے وہیں حجامت بھی بنوائی دن بھر وہیں رہے حسنین میاں تو درمیان میں چلے آئے، بعد عصر وہ آئے اور مکان کی تلاش شروع ہوئی۔ مسفلہ میں شارع حمزہ پر ۲۶ ہزار ریال میں تین کوٹھریاں طے ہوئیں جس میں ایک بڑا ہال تھا اس میں ہم سب مرد تھے، دو کوٹھریاں تھیں ان میں مستورات رہیں۔ کمرے میں ایس، سی بھی فٹ تھا اور فرنیچر بھی تھا باورچی خانہ غسل خانہ الگ الگ تھا پانی کے لئے نل لگے ہوئے تھے کوئی دقت نہیں تھی۔
جمدہ شاہی ضلع بستی کے منشی حاجی محبت علی صاحب مع اہلیہ کے بھی ہم لوگوں کے ساتھ تھے۔

اب ہم لوگوں کا دو گروپ بن گیا، ایک مولانا خلیل احمد خانصاحب پٹھان کا دوسرے میرا اور حسنین میاں اور منشی محبت علی صاحب کا، گروپ کا مطلب صرف یہ ہے کہ کھانے پینے کے لئے دو حصے ہوگئے، ہمارا کھانا اپنے ہمراہیوں کے ساتھ الگ پکتا تھا اور مولانا خلیل احمد خانصاحب وغیرہ کا الگ، ہم لوگ سب بڑے اتفاق و اتحاد اور محبت و یگانگت کے ساتھ رہے عام طور پر حجاج کے مابین جو تم تڑاک ہو جاتا ہے اس سے ہم لوگ محفوظ رہے، میں اپنے ساتھ غلہ نہیں لے گیا وہ لوگ کچھ غلہ لے گئے تھے لیکن اپنی غایت مہربانی سے اپنے ساتھ کھلاتے پلاتے۔

زندگی کی معراج

مکہ معظمہ میں نو دن قیام کے بعد دسویں دن مدینہ طیبہ کے لئے گورنمنٹ کی بس سے ۱۱ بجکر ۴۰ منٹ پر چلے اور ساڑھے سات بجے مدینہ طیبہ حاضر ہوئے۔ بس اسٹینڈ سے سامان لکڑی کے ٹھیلے پر لدوا کر مسجد اقدس کے قریب جانب شرق ایک گلی کے نکڑ پر سامان رکھا گیا مولانا خلیل احمد خانصاحب مکان کی تلاش میں نکلے اسی اثنا میں عشاء کی نماز بھی ہوگئی قریب ہی شارع رومیہ میں دار طیبہ نام کی بلڈنگ میں دو کمرے چھتیس سو ریال میں لئے گئے ایک میں مردوں نے قیام کیا دوسرے میں عورتوں نے۔ مکان پہنچنے کے بعد جب اطمینان ہوا تو مسجد اقدس کے دروازے بند ہو چکے تھے اس لئے اس وقت حاضری نہ ہو سکی ارادہ یہی تھا کہ رات کے پچھلے پہر نہا دھو کر کپڑے بدل کر بارگاہ اقدس میں حاضری دیں گے اس اثنا میں کہیں سے گنبد خضری کی بھی زیارت نہ ہو سکی لیکن ہوا یہ کہ مجھے شدید نزلہ کی شکایت تھی، کسی چائے کی دوکان کی تلاش میں میں نکلا گلی میں سیدھے جنوب کی طرف چلا گیا اس گلی کے باہر وہ وسیع میدان ہے جو مسجد اقدس اور جنت البقیع کے درمیان ہے، میں اس میدان میں نکل گیا جب داہنی طرف مڑا نظر اٹھائی تو سامنے گنبد خضری اپنی پوری زیبائیوں اور عظمتوں

کے ساتھ جلوہ فرما تھا، نظر پڑتے ہی میں پہلے ہکا بکا رہ گیا اور صلوٰۃ وسلام بھی نہ عرض کرسکا کچھ دیر تک سکتے وخود فراموشی کا عالم رہا بدن کانپتا رہا کچھ دیر کے بعد ہوش آیا تو میں نے دست بستہ صلوٰۃ وسلام عرض کرنا شروع کیا انتہائی خوشی میں آنکھوں سے آنسوؤں کا سیلاب امنڈ پڑا، روتا جاتا صلوٰۃ وسلام عرض کئے جاتا، اس وقت کی کیفیت ایسی تھی کہ نہ وہاں سے قدم آگے بڑھانے کی جرأت ہوتی تھی اور نہ پیچھے ہٹانے کو جی چاہتا تھا میں شاید یونہی رہ جاتا کہ ایرانی غولے بیابانی کی طرح میرے قریب سے گذرے اور ان وحشیوں نے مجھے دھکا دیا اتنے زور سے کہ میں گرتے گرتے بچا اور وہ سلسلہ ٹوٹ گیا، ان ناپاکوں کے ساتھ جسم کے مس ہونے کا نتیجہ یہ نکلا کہ اس سے قبل والا رابطہ اس وقت پیدا نہ ہوسکا کچھ دیر کے بعد میں چائے کی تلاش میں چلا گیا۔ چائے پی کر قیامگاہ پر آیا اور سونے کے لئے لیٹا اس کے باوجود کہ سفر کی تکان تھی بس اسٹینڈ سے قیامگاہ تک پیدل آنے کا بھی اثر تھا مگر نیند کوسوں دور تھی، کبھی اپنی اس فیروزہ بختی پر خوشی کی لہر آتی کہ کہاں میں اور کہاں یہ ارض پاک، کبھی یہ خیال کہ اپنا یہ سیاہ منہ داغدار دامن لے کر سرکار کی بارگاہ میں کیسے حاضر ہوں انتہائی ندامت سے پسینے میں شرابور ہو ہوگیا، کبھی انکی رحمت بے پناہ کا تصور کر کے اپنے اس ہراس وندامت کو دور کرتا، اس حال میں میں کبتک رہا یاد نہیں، پھر نیند آگئی دو بجے آنکھ کھلی سب ساتھی بے خبر سو رہے تھے، میں اٹھا اور کپڑے نکالے خوب اچھی طرح غسل کیا پھر پورے جسم پر خوشبو ملی کپڑے پہنے، کپڑوں پر بھی جہانتک ہوسکا خوشبو ملی ایک نیا جوڑا خاص اسی وقت کے لئے اٹھا رکھا تھا اسے پہنا اوپر سے شیروانی پہنی۔ شیروانی پہنتے وقت یہ خیال آیا کاش کہ میں اپنے ہمراہ جبہ لایا ہوتا اور بجائے شیروانی کے جبہ پہنتا اس لئے کہ جبہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا لباس تھا اور شیروانی تو ماضی قریب کے ہندیوں کی ایجاد ہے پھر سفید رنگ کا وہ عمامہ جو نورچشم ڈاکٹر محب الحق سلمہٗ نے ساتھ کر دیا تھا باندھا۔

میں جب نہا کر غسلخانے سے نکلا تو حضرت حسنین میاں صاحب بھی بیدار ہوچکے تھے انھوں نے بھی غسل کیا کپڑے بدلے اور ہم دونوں ساتھ ساتھ بارگاہ اقدس میں حاضری کے لئے چلے، باب جبریل سے داخل ہوئے تہجد کی اذان ہوچکی تھی پوری مسجد اقدس آدمیوں سے بھر چکی تھی ہملوگ دو صفوں کے بیچ میں ہو کر باب ابوبکر صدیق تک چلے گئے کہیں کوئی گنجائش نظر نہیں آئی مجبوراً باہر نکلکر چاروں طرف نظر دوڑائی قریب ہی تھوڑی سی جگہ نظر آئی ہم دونوں وہاں پہنچے پہلے نوافل پڑھی پھر نماز فجر کی اذان کا انتظار کرتے رہے، اذان کے بعد ہم دونوں نے اپنی نماز الگ پڑھی۔ ہم ابھی فرض سے فارغ بھی نہیں ہوئے تھے کہ جماعت ہونے لگی، ہم لوگ نماز سے فارغ ہو کر اوراد و وظائف میں مشغول رہے، جب جماعت ہوچکی اور بھیڑ کم ہوئی تو ہملوگ باب السلام سے مسجد اقدس میں داخل ہوئے، بھیڑ اب بھی بہت تھی، دبتے دھکے کھاتے ہم لوگ مواجہہ اقدس کی طرف چلے تقریباً ۱۵ منٹ میں مواجہہ اقدس تک پہونچے مگر پیچھے سے لوگوں نے اتنے زور سے دھکے دئے کہ ہملوگ وہاں کھڑے نہ رہ سکے دل مسوس کر رہ گئے اور پیچھے سے جو ریلا مسلسل چلا آرہا تھا اسی کے دباؤ سے ہملوگ بلا قصد واختیار باب جبریل تک پہنچ آئے سوچا گیا کہ اب پھر واپس چلیں لیکن لوگوں کے اژدھام کیوجہ سے ہم لوگ واپس نہ ہوسکے باہر نکلے تو دیکھا کہ سیہ پوش ایرانی مرد و عورت کچھ کھڑے کچھ بیٹھے پورے میدان پر قابض ہیں زور سے سلام پڑھ رہے ہیں، ایک شور برپا تھا، بہر حال کچھ دور جاکر ہملوگوں کو کھڑے ہونے کی جگہ ملی وہیں سے کھڑے کھڑے سلام عرض کیا گیا مگر معلوم نہیں کیا بات تھی کہ ذات والا کیف وسرور

حاصل نہ ہو سکا، ہمارے چاروں طرف ایرانیوں کا غول بیابانی تھا، قریب ہی سر پر سیاہ پگڑی رکھے ان کا کوئی مجتہد تھا جو انھیں بلند آواز سے سلام پڑھوا رہا تھا ابتداءً تو اس کی طرف کوئی دھیان نہیں گیا مگر جب ہم لوگ صلوٰۃ و سلام سے فارغ ہو گئے تو میں نے سُنا وہ مجتہد حضرت سیدہ فاطمہ زہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا پر سلام پڑھوا رہا تھا جس میں اور بہت سے کلمات کے ساتھ خاص طریقے سے یہ دو کلمے بھی تھے "السلام علیك ایتھا المظلومۃ ۔ السلام علیك ایتھا الشھیدۃ ۔"

رافضیوں کا یہ عقیدہ ہے کہ حضرت سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت سیدہ فاطمہ زہرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو دروازے میں دبا دیا تھا اسوقت وہ امید سے تھیں، دبنے کے صدمے سے اسقاط ہو گیا اور اسی میں حضرت سیدہ کا وصال ہو گیا اپنے اسی جھوٹے اعتقاد کے مطابق وہ حضرت سیدہ کو مظلومہ اور شہیدہ بھی کہہ رہا تھا یہ حقیقت میں حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر تبرا ہے صرف اسی ایک موقعہ پر نہیں بلکہ میں نے بارہا ایرانی رافضیوں کے منہ سے یہ تبرا سنا ہے۔

یہ ہے نجدی حکومت کی حق پرستی کہ رافضی علانیہ مسلسل تبرا بکیں تو ان سے کوئی پرسش نہیں لیکن اگر کوئی سُنّی وارفتۂ شوق ہو کر جالیوں کو بوسہ دیدے یا منبر اقدس کو بوسہ دیدے تو اسے جھڑکتے بھی ہیں دھکے بھی دیتے ہیں اور مار بھی دیتے ہیں۔ میں نے تو حرمین طیّبین جا کر یہ محسوس کیا کہ وہاں آثار و مزارات کو ہاتھ لگانے اور بوسہ دینے کے سوا اور کوئی چیز جرم نہیں داڑھی منڈاؤ فلم دیکھو گھروں میں ٹیلی ویژن لگاؤ اس پر عریاں فحش مخرب اخلاق سین دیکھو گانے سُنو تصویریں کھنچواؤ تصویریں بیچو خریدو کوئی چیز جرم نہیں۔ میں نے معلمین کے آفسوں میں دیکھا کہ ٹیلی ویژن لگے ہوئے ہیں دن رات فلمیں چلتی رہتی ہیں۔ بازاروں میں علانیہ مصر کی مشہور مغنیہ ام کلثوم اور دنیا کے مشہور گانے والے گانے والیوں کے پاکستانی فلمی گانوں کے کیسٹ بکتے ہیں ان پر کوئی پابندی نہیں۔ میں نجدی حکومت کے طرفداروں سے سوال کرتا ہوں کہ کیا یہ سب چیزیں جائز ہیں قرآن مجید کی جو بے حرمتی میں نے وہاں آنکھوں سے دیکھی وہ کسی چیز کی نہیں دیکھی۔ حجاج بہترین سے بہترین قرآن مجید خرید کر دونوں حرم میں رکھدیتے ہیں جب ان کی تعداد زیادہ ہو جاتی ہے تو بعد عشاء کوڑا پھینکنے والے ٹرکوں میں دروازوں کے باہر پڑے ہوئے چپلوں کے ساتھ قرآن مجید کی جلدوں کو بھی ٹرک میں اس طرح بھرتے ہیں جیسے کوڑا بھرا جاتا ہے، قرآن مجید کی جلدوں کو بوروں میں کس کر گھسیٹ کرلے جاتے ہیں اور اٹھا کر ٹرک میں پھینک دیتے ہیں پھر انھیں قرآن مجید پر ٹرک میں بیٹھتے ہیں اور لے جا کر کہیں پھینک آتے ہیں۔

حجاج میں بھی ایسے ایسے گنواروں کو دیکھا کہ قرآن مجید کا تکیہ لگائے ہوئے سو رہے ہیں مگر کسی نجدی سپاہی یا مطوعی کو توفیق نہیں ہوئی کہ ان گنواروں کو ٹوکتا۔ حجاج بیٹھے تلاوت کر رہے ہیں اور گنوار قرآن کی طرف پاؤں کر کے سو رہے ہیں۔ مگر انھیں کوئی تنبیہ کرنے والا نہیں میں نے کئی حاجیوں کو اس پر ٹوکا کچھ تو مان گئے کچھ جھگڑے پر آمادہ ہو گئے، غرض کہ نجدی حکومت میں یہ سب ناکردنیاں ہوتی ہیں مگر نجدیوں کے وظیفہ خوار اس پر چوں تک نہیں کرتے، آثار و مزارات کے ہاتھ لگانے و بوسہ دینے پر نجدیوں کے بیجا تشدد کا خطبہ البتہ رات دن پڑھتے رہتے ہیں۔

بہر حال ایرانیوں کو کھلی چھٹی ہے کہ وہ جو چاہیں کریں حتی کہ انھیں تبرا بکنے کی بھی اجازت ہے۔

ایک بار ایسا ہوا کہ میں نے جالیوں میں دیکھنا شروع کیا کہ حظیرہ اقدس جالیوں سے کتنے فاصلے پر ہے اور اس کی ساخت کیسی ہے کہ مجھے نجدی سپاہی نے شرک شرک حرام حرام کہہ کے دھکا دیدیا حالانکہ میں نے جالیوں کو ہاتھ بھی نہیں لگایا تھا اپنے اسلاف کی ہدایت کے مطابق اپنے ہاتھوں کو ہرگز اس لائق نہیں سمجھتا کہ ان مقدس جالیوں کو مس کریں مجھے بہت ہی غصہ آیا میں نے اس بدبخت سے کہا النظر الی داخل الشباك شرك حرام تو اس درندے نے دونوں ہاتھوں سے میرے مونڈھوں کو پوری طاقت سے پکڑا اور اتنے زور سے دھکا دیا کہ اگر وہاں زائرین کھڑے نہ ہوتے تو میں گر پڑتا۔ جی میں تو آیا کہ اس ظالم سے دو دو ہاتھ کرلوں اگرچہ جانتا تھا کہ میرا کیا حال ہوگا مگر سرکار اپنے چشمان مبارک سے دیکھ تو لیتے کہ کفار قریش کے جانشین ان کے غلاموں کے ساتھ ان کے دربار عالیجاہ میں ان کے روبرو کتنا ستم ڈھاتے ہیں اور پھر میں جھوم جھوم کر یہ عرض کرتا ۔

بجرم عشق توام می کشند غوغائیست ؛ تونیز برسر بام آکہ خوش تماشائیست

مگر پھر خیال آیا کہ یہاں جنگ وجدال اور غوغہ حرام ہے اس لئے خون کے گھونٹ پی کر رہ گیا میں کھڑا ہو کر غصہ بھری ہوئی آنکھوں سے اس موذی کو گھور رہا تھا اور وہ مجھے گھور رہا تھا اسے اتنی تاب کہاں۔ پھر وہ لپک کر میری طرف بڑھا اور میرا ہاتھ پکڑ کر کچھ دور گھسیٹ کر لے گیا پھر پیچھے سے دھکا دے کر اپنی جگہ واپس آگیا میں نے بڑی حسرت سے بارگاہ عرش جاہ میں عرض کیا : علمك بحالی كفانی عن سوالی ۔

اس کے برخلاف ایک دن دیکھا کہ بیت فاطمہ کے پاس ایک ایرانی سر پر پگڑ رکھے بیت فاطمہ میں جالیاں پکڑے ہوئے جھانک رہا تھا اور نجدی سپاہی کھڑا دیکھ رہا تھا اسے ڈانٹا نہ پھٹکارا میں نے بھی موقعہ سے فائدہ اٹھایا اور جی بھر کے بیت فاطمہ کی زیارت کی آٹھ بجے صبح کا وقت تھا اچھی خاصی اندر روشنی تھی اندر کا سارا منظر صاف نظر آرہا تھا، آخر اس کی کیا توجیہہ ہوسکتی ہے سوائے اس کے کہ الکفر ملۃ واحدۃ۔ نجدی اپنے ایرانی بھائیوں کے ساتھ برادرانہ سلوک نہ کریں تو رشتہ اخوت کی توہین ہے ۔

دوبارہ حاضری

اس وقت تو ہم واپس آ گئے۔ پھر نو بجے حاضر ہوئے، اس وقت عام طور پر زائرین اپنی اپنی قیامگاہ پر ہوتے ہیں، مسجد اقدس اور مواجہہ مبارکہ میں بھیڑ بہت کم ہوتی ہے۔ حسب آداب زیارت باب جبریل سے داخل ہوا۔ اب کی بار حاضری کا رنگ ہی کچھ اور تھا، قدم لڑکھڑا رہے تھے، دل دھڑک رہا تھا، پورا جسم کانپ رہا تھا۔ آس و یاس، خوف ورجا، امید و بیم کی وہ کشمکش کہ میں بیان نہیں کرسکتا۔ کبھی اپنی بداعمالیوں و بدکرداریوں پر نظر جاتی تو شرم و خجالت سے قدم بندھ جاتے۔ معًا ان کی رحمت آواز دیتی، آؤ آؤ ؏

ایں درگہ ما درگہ نومیدی نیست ؛ شفاعتی لاہل الکبائر من امتی

تو ہمت بندھتی، بصد شوق یہ عرض کرتا ہوا آگے بڑھتا۔ "سلام اس پر بروں کو جس نے فرمایا یہ میرے ہیں" چاہتا یہی تھا کہ سیدھے مواجہہ اقدس میں حاضر ہوں اسی طرف مڑا بھی کہ نجدی سپاہی نے روک دیا اور اشارہ کیا کہ سیدھے مسجد اقدس میں جاؤ۔ دل پر ہاتھ رکھکر یہی کرنا پڑا۔ سامنے ہی صفہ تھا، ان کے ان دیوانوں کا ڈیرہ جو دنیا و مافیھا کو خیرآباد کہکر ان کی دیوار تلے پڑے رہتے تھے، جگہ خالی نظر آئی حاضر ہو کر دو رکعتیں بہت مختصر پڑھیں۔ اور آگے بڑھا۔ اب میرے قدم اس حصے میں تھے

جوان کے عہد مبارک میں مسجد تھے۔ سامنے ریاض الجنۃ ہے جس کی داہنی جانب منبر اقدس ہے، اور سامنے ہی محراب نبوی فرط مسرت میں اختیار سے باہر ہو ہو جاتا۔ جی چاہتا کہ میں رقص کروں مگر معاذ اللہ رقص اور یہاں ؎

بے ادب پا منہ ایں جا کہ عجب درگاہیست　　باخدا دیوانہ باشی با محمد ہوشیار

ریاض الجنۃ کے ایک ایک ستون کو دیکھا۔ جی چاہا کہ اسی وقت ہر ستون کے پاس دوگانہ شکرانہ ادا کروں مگر دل کی ہوک کچھ اور تھی اس لئے محراب نبوی میں حاضر ہو کر دوگانہ پڑھا اور پھر منزل مقصود کی طرف چلا۔ ایک منٹ بھی نہ گزرا کہ میں کعبۂ مقصود مواجہہ اقدس میں حاضر تھا۔ جالیوں اور مسجد اقدس کے مابین اب بھی زائرین کا تانتا بندھا تھا۔ اس لئے میں کترا کر مواجہہ اقدس کے مقابل ستونوں کے درمیان کھڑا ہو گیا، معًا یہ تصور بندھا کہ، سرکار، سامنے جلوہ فرما ہیں اور میں روبرو حاضر ہو کر سلام عرض کر رہا ہوں۔ اب وفور خوشی بلکہ سرخوشی میں وہ کیفیت طاری ہوئی جس کا تحمل مشکل ہو رہا تھا۔ دل کی دھڑکن اتنی تیز ہو گئی تھی کہ معلوم ہوتا تھا کہ سینے سے باہر نکل پڑے گا۔ آنکھوں سے آنسوؤں کی دھار بہ رہی تھی۔ اس بارگاہ عرش جاہ میں نذر گزارنے کے لئے ہم غرباء کے پاس سوائے آنسوؤں کی لڑی کے اور ہے ہی کیا۔

سرکار کے جتنے بھی اسماء طیبات یاد آتے گئے سب کے ساتھ سلام عرض کیا۔ پورے درود تاج کے اسماء، دلائل الخیرات کے کثیر اسماء ان کے علاوہ اور کثیر اسماء۔ مجھے یاد نہیں کتنی دیر تک کھڑا صلوٰۃ و سلام عرض کرتا رہا۔ پھر حضرت صدیق اکبر کے مواجہہ اقدس میں حاضر ہوا۔ اب عالم خیال میں سوا چودہ سو برس پہلے مکہ کی گلیوں میں پہنچ گیا اور حضرت صدیق اکبر کی ہر ہر قربانی ہر ہر ادا یاد آتی گئی، اور جب تک پوری زندگی کا ایک ایک ورق ختم نہ ہو گیا صلوٰۃ و سلام عرض کرتا رہا۔

اس کے بعد فطری طور پر حضرت فاروق کی طرف دامن دل کھینچا اور ان کے مواجہہ اقدس پر حاضر ہوا یہاں بھی وہی کیفیت پیدا ہوئی۔ گھر سے شمشیر بکف نکلنے سے لے کر قیصر و کسریٰ کی شوکت و عظمت خاک میں ملا کر عظمت اسلام کا سکہ چار دانگ عالم میں بیٹھانے ابو لؤلؤ کے حملہ اور اصحاب شوریٰ کے انتخاب تک کے سارے واقعات ذہن کے پردوں پر ابھرتے گئے پھر شہادت و تدفین پر آکر یہ سلسلہ ختم ہوا۔ اسی کے ساتھ ان پر صلوٰۃ و سلام کا بھی سلسلہ ختم ہوا پھر آداب زیارت کے مطابق دونوں حضرات کے درمیان کھڑے ہو کر مشترک سلام عرض کرنے اور بارگاہ اقدس میں سفارش کرنے کی انتہائی الحاح وزاری کے ساتھ درخواست پیش کرنے کے بعد پھر کعبۂ مقصود پر پلٹا، کچھ دیر صلوٰۃ و سلام عرض کرنے کے بعد اب درخواستیں اور احباب کے سلام پیش کرنے کی نوبت آئی۔ وفور مسرت کا طوفان تھم چکا تھا، باطمینان عرض حاجات کرنے لگا۔ چونکہ زندگی کی یہ معراج میرے محسن اعظم الحاج سیٹھ ابراہیم احمد برکاتی کی عنایت سے حاصل ہوئی تھی اس لئے سب سے پہلے ان کا اور انکے صاحبزادے الحاج زبیر احمد کا سلام عرض کیا اور جو کچھ ہو سکا مانگا۔ پھر دیگر اعزہ احباب کی باری آئی، جہانتک یادداشت نے کام کیا سوچ سوچ کر سب کا سلام اور سب کی التجائیں پیش کیں۔ اخیر میں اعلحضرت امام احمد رضا قدس سرہٗ کا مشہور و معروف سلام "مصطفٰے جان رحمت پہ لاکھوں سلام" عرض کیا اور واپس ہوا، باب جبریل سے باہر نکلا تو گیارہ بج چکے تھے۔

دس دن مدینہ طیبہ قیام رہا۔ اس اثناء میں روزانہ تقریبًا ہر نماز کے بعد حاضری دیتا نیز احد شریف، قبا، مسجد قبلتین

غزوہ خندق کے میدان میں بنی ہوئی مساجد خمسہ و دیگر مساجد مثلاً مسجد غمامہ وغیرہ کی بھی زیارت کرتا رہا۔
جنت البقیع شریف بھی روزانہ حاضر ہوتا رہا۔ یہ دس دن یوں گزر گئے جیسے چند منٹ۔

واھا لسویعات ذھبت آں عہد حضور بار گہت ؎ جب یاد آوت موہے کر نہ پرت دردا وہ مدینے کا جانا

واپسی میرا ارادہ تھا کہ شہداء بدر کی بارگاہ میں حاضری میں ضرور دوں گا۔ اس کے لئے اپنی پرائیویٹ گاڑی کی گئی۔ ۲۸ ذو قعدہ مطابق ۱۴ اگست بروز بدھ عصر کے قبل بہتے ہوئے آنسوؤں اور حسرت زدہ قلب و جگر کے ساتھ مدینہ طیبہ کو وداع کیا۔ احرام کے کپڑے قیام گاہ ہی پر پہن لئے تھے۔ ذو الحلیفہ جسے اب بیر علی کہتے ہیں آکر عصر کی نماز ادا کی گئی اور احرام کی نیت بھی۔ پھر موٹر روانہ ہوا۔ مغرب میں ابھی آدھا گھنٹہ باقی تھا کہ بدر شریف پہنچ گئے مغرب ادا کر کے احاطہ مبارکہ میں داخل ہوئے اور اسلام کے ان جاں نثاروں کی بارگاہ میں حاضر ہوئے جن کے مقدس خون نے اسلام کو اس وقت سینچا تھا جب سوائے چند نفوس قدسیہ کے کوئی اسلام کا نام لیوا نہ تھا۔ وہاں سلام و فاتحہ خوانی کے بعد عشار کی نماز پڑھی گئی اور پھر قافلہ مکہ معظمہ چلا۔ راستے میں، منزل مستورہ پر موٹر رکی ہم سب نے کھانا پیا ڈرائیوروں نے آرام کیا۔ تقریباً دو گھنٹے وہاں رُکے اس کے نتیجے میں ڈھائی بجے مکہ معظمہ پہنچے۔

حاجی عبد الستار صاحب بٹاٹے والے کے توسط سے ایک مدنی صاحب کے یہاں میلاد شریف میں بھی شرکت کی سعادت حاصل ہوئی۔ بمبئی والے حاجی بابا کی کوششوں سے حضرت مولانا فضل الرحمٰن صاحب خلف الرشید حضرت مولانا ضیاء الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے بھی نیاز حاصل ہوا۔ انھوں نے اپنی دیرینہ روایت کے مطابق ہمیں کھانے پر بھی مدعو کیا۔ اس طرح دو بار شرف ملاقات حاصل ہوئی۔ مکہ معظمہ واپسی کے بعد معلوم ہوا کہ حکومت نے امسال اپنے یہاں کے حساب سے تیس کی رویت مانی ہے اور امسال حج بتاریخ ۲۵ اگست بروز یکشنبہ ہوگا۔

جنت المعلی حاضری دے چکا تھا، ابھی تک غار حرا کی زیارت نہیں کی تھی۔ بتاریخ ۱۸ اگست بروز یکشنبہ میں اور حضرت حسنین میاں صاحب اور قاری تراب علی صاحب غار حرا کی زیارت کے لئے گئے، وہاں پہاڑ کے دامن میں نجدیوں کے مقرر کردہ افراد ہر زبان میں مسلسل لوگوں کو اوپر جانے سے منع کرتے رہتے تھے، حرام، شرک وغیرہ سناتے رہتے مگر میں نے دیکھا کہ نیچے سے لے کر جبل نور کی چوٹی تک آنے والوں اور جانے والوں کا سلسلہ بندھا ہوا ہے، ان غریبوں کی چیخ پکار کا کسی پر کوئی اثر نہیں ؏

واعظ برس رہا ہے پئے جا رہا ہوں میں

ہم تینوں نے پہاڑ پر چڑھنا شروع کیا، حضرت حسنین میاں صاحب کا چند ماہ پہلے اپنڈ سائیٹس کا آپریشن ہوا تھا وہ کچھ دور جا کر واپس آ گئے مگر میں اور قاری تراب علی صاحب غار شریف تک پہنچے یہاں بھی بھیڑ کافی تھی۔ نمبر لگایا۔ کچھ دیر کے بعد اندر جانے کا موقع مل گیا۔ غار کے اندر جاتے ہی ایسا محسوس ہوا جیسے میں اس دنیا میں نہیں بلکہ کسی اور ہی عالم میں ہوں جو سراسر نور و نکہت اور رحمت ہے دو رکعت نماز پڑھی کچھ دعائیں مانگی کہ پیچھے سے دوسرے امید واروں نے دھکا دینا شروع کیا اور دل مسوس کر یہ کہتا ہوا ؎ حیف در چشم زدن صحبت یار آخر شد

قبلے کی طرف وڑا ر میں سے باہر آگیا۔

علماء نے لکھا ہے کہ غار حرا سے کعبہ نظر آتا ہے۔ میں نے بھی نزہۃ القاری جلد اول ص۱۸۵ پر ان پر اعتماد کرتے ہوئے لکھدیا ہے مگر یہ صحیح نہیں۔ غار کا منہ کعبہ شریف کے مخالف سمت ہے۔ غالبًا جانب شرق، اور کعبہ وہاں سے جانب مغرب ہے۔ البتہ غار کی پشت سے حرم شریف نظر آتا ہے۔ میں تو ضعف بصارت کی وجہ سے نہ دیکھ سکا مگر قاری تراب علی صاحب نے دیکھا اور اشارے سے مجھے بتایا۔

منیٰ کی حاضری

سنت یہی ہے کہ آٹھ ذوالحجہ کو نماز فجر پڑھ کر منیٰ چلا جائے، لیکن حاجیوں کی کثرت کیوجہ سے معلمین آٹھویں شب کو عشاء بعد ہی سے حجاج کو منیٰ بھیجنا شروع کر دیتے ہیں اس لئے ہم لوگوں نے بھی عشاء کے بعد ہی حج کا احرام باندھا، چونکہ طواف افاضہ کے بعد، سعی صفا مروہ کے مابین بہت رش رہتا ہے اس لئے ہم سب لوگوں نے نفل طواف کرکے سعی بھی کر لی۔ بارہ بجے کے پہلے قیام گاہ پر آئے۔ دو بجے معلم صاحب کے دفتر پہنچے کچھ دیر موٹر تلاش کرنے میں لگی، بالآخر موٹر ملی اور ہم لوگ نماز فجر کے بعد منیٰ پہونچ گئے، یہ دن اور رات منیٰ میں گزری۔ نو کو آٹھ بجے کے بعد عرفات چلے اور غالبًا گیارہ بجے حاضر ہو گئے۔ منیٰ میں جب ہم موٹر میں بیٹھے تو معلوم ہوا کہ حضرت حسنین میاں صاحب کی پھوپھی غائب ہیں۔ حضرت حسنین میاں صاحب ان کی تلاش کے لئے موٹر سے اتر گئے، جب ہم ہملوگ عرفات پہنچے تو معلوم ہوا کہ وہ ایک دوسری موٹر میں یہاں آگئی ہیں ان کی طرف سے تو اطمینان ہوگیا مگر اب حضرت حسنین میاں صاحب کی فکر ہوئی کہ وہ منیٰ میں پریشان ہوں گے، ایک گھنٹہ اسی الجھن میں گزرا کہ وہ بھی بارہ بجے آگئے۔ اب اطمینان ہوا۔ تازہ وضو کیا اور اپنے کام میں لگ گئے۔

مگر پاس ہی کچھ حجاج ایسے بھی تھے جو غپ شپ ہنسی مذاق میں مصروف تھے جس کی وجہ سے حضور قلب حاصل نہ ہو سکا مگر جیسے بھی ہو سکا اپنے کو مشغول رکھا۔ میرا جی چاہتا تھا کہ مسجد نمرہ کی حاضری دوں مگر ساتھیوں نے باصرار منع کیا کہ اولاً مسجد نمرہ یہاں سے کافی فاصلے پر ہے دھوپ بھی بہت سخت ہے ثانیاً واپسی میں خیمے کی تلاش مشکل ہو گی اور اگر خیمے تک نہ پہونچ سکے تو مزدلفہ پیدل جانا پڑیگا ناچار وہیں خیمے میں نماز ظہر ادا کر لی۔ ...... پھر مشغول ہوگیا طے یہی کیا تھا کہ آج قیلولہ نہیں کرنا ہے مگر تھوڑی دیر کے بعد نیند کا ایسا غلبہ ہوا کہ میں سونے پر مجبور ہو گیا خواب میں دیکھا کہ حضرت مولانا سید حسن حیدر صاحب سجادہ نشین مارہرہ مطہرہ برادر حضرت سید العلماء احرام باندھے ہوئے تشریف لائے ہیں اور فرما رہے ہیں، مفتی صاحب آپ حج کیلئے آئے اور مجھ سے نہیں ملے میں نے عرض کیا سرکار مجھے اس کی خبر ہی نہیں تھی کہ حضور بھی حج کے لئے آئے ہوئے ہیں پھر مسکرا کر فرمایا اچھا چلتے ہیں پھر ملیں گے، میں گھبرا کر اٹھا خواب کی اس کیفیت پر خوشی بھی ہوئی اور تعجب بھی، پھر میں نے تازہ وضو کیا اور قرآن مجید کی تلاوت شروع کی، زبانی جتنی آیتیں و سورتیں یاد تھیں سب کی تلاوت کی پھر کچھ اوراد پڑھے پھر خیال آیا کہ درود رضویہ بھی پڑھوں، کھڑے ہو کر مدینہ طیبہ کی طرف منہ کرکے ان گنت درود رضویہ پڑھا اتنے میں عصر کا وقت ہوگیا ساتھیوں کو جمع کرکے باجماعت نماز عصر ادا کی پھر خیمے سے باہر نکل کر وقوف کیا کچھ دیر تک کوئی خاص کیفیت نہ پیدا ہو سکی مگر پھر رحمت ایزدی اس حقیر کی جانب متوجہ ہوئی پھر تو ایسا محسوس ہونے

لگاکہ ہیبت و جلال مجھے جلاکر خاک کر دیں گے، منہ سے چیخیں نکلنے لگیں دھاڑیں مار مار کر رونے لگا دعاؤں کا پڑھنا دوبھر ہو گیا، بہت دیر تک یہی حال رہا پھر سکون ہوا متوسط آواز سے دعائیں پڑھنے لگا اتنے میں کسی نے کان پر منہ رکھکر کہا دعائیں بلند آواز سے پڑھئے تاکہ آپ سے سن کر ہم لوگ بھی پڑھیں میں ابتداءً میدان میں اکیلا ہی کھڑا تھا اب مڑکے دیکھا تو دس بارہ آدمی میرے پیچھے کھڑے ہیں جن میں کسی سے بھی میں آشنا نہ تھا معلموں کی طرح میں بلند آواز سے دعا کا ایک ایک جز پڑھتا پھر وہ لوگ پڑھتے اس میں ایک نیا کیف نئی لذت محسوس ہوئی۔ میں اسی عالم سرشاری میں تھا کہ ساتھیوں میں سے کسی نے آواز دے کر کہا کہ چلئے ورنہ موٹر میں جگہ نہیں ملے گی میں نے دعا تقریبًا ختم کر لی تھی جو باقی تھی اسے پوری کی اخیر میں حاجی ابراہیم احمد صاحب کے لئے خصوصًا اور اپنے سب اعزہ واحباب کے لئے عمومًا مختصر دعا کرکے مڑا تو دیکھا خیمہ خالی ہے سب ساتھی موٹر پر جا چکے ہیں پیچھے کھڑے رہنے والے سب آدمیوں نے مجھسے مصافحہ کیا اور حج کی مبارکباد دی میں نے بھی ان لوگوں کو مبارکباد دی اور گیٹ کی طرف بڑھا اور سامنے کھڑی ایک موٹر میں بیٹھ گیا، بیٹھنے کے بعد مڑکے دیکھا تو سب ہمراہی اسی موٹر میں تھے غروب آفتاب میں بھی بیس پچیس منٹ باقی تھے میں نے اس وقت کو بھی رائگاں نہیں جانے دیا غروب آفتاب کے ایک گھنٹے بعد بس اسٹارٹ ہوئی، مزدلفہ پہنچے، میں اور حسنین میاں اور مستورات موٹر سے اترکر مزدلفہ کے میدان میں گئے، میں نے یہ سوچکر کہ سرکار حسن میاں صاحب مدظلہ نے ملاقات کا وعدہ کیا ہے۔ شاید وہ اپنوں کی بھیڑ میں نہ تشریف لائیں، تنہا کہیں اجنبیوں میں رہوں تو ممکن ہے کرم فرمائیں، ان لوگوں سے علیٰحدگی اختیار کرلی اور ایک نامعلوم سمت چل پڑا، ایک جگہ خالی دیکھکر چادر بچھائی، قریب ہی نل تھا وضو کرکے نماز مغرب اور عشاء پڑھی نمازوں سے فارغ ہونے کے بعد دیکھا کہ کچھ اور لوگ آگئے ہیں ان میں ایک صاحب دمہ کے مریض تھے انھیں کھانسی آئی اور بہت سا بلغم میرے قریب ہی تھوک دیا اس لئے میں وہاں سے بھی اٹھا اور کسی اور جگہ کی تلاش میں نکل پڑا کچھ دور چلنے کے بعد ایک جگہ کافی میدان خالی تھا کچھ لوگ کنکریاں چن رہے تھے میں نے بھی وہیں کنکریاں چنیں پھر چادر بچھا کر تھوڑی دیر لیٹ گیا لیکن نیند نہیں آئی، نیند آتی بھی کہاں سے ایک گنہگار سیہ کار بندہ جبار وقہار معبود کی بارگاہ میں حاضر ہے لاکھوں لاکھوں کی بھیڑ ہے معلوم نہیں کسے قبول کیا جائے گا اور کسے دھتکارا جائیگا مجھے کچھ پتہ نہیں کہ میں کس گروہ میں ہوں گھر بار چھوڑا اعزہ اقربا چھوڑے سفر کی صعوبتیں برداشت کرکے یہاں حاضر ہوں پتہ نہیں کس گروہ میں ہوں گھبراکر اٹھ بیٹھا، اللہ نے توفیق دی اس کی یاد کی اسی عالم میں ایک بار بے اختیار نگاہ اوپر کی تو کیا دیکھتا ہوں کہ حضرت مفتی اعظم ہند رحمۃ اللہ علیہ احرام باندھے قبلے کی طرف سے چلے آرہے ہیں میں اٹھ کھڑا ہوا چاہا کہ آگے بڑھ کر قدمبوسی کی سعادت حاصل کروں مگر قدم جیسے بندھ گئے تھے یہاں تک کہ آنیوالے بزرگ بہت قریب آگئے، اب یہ دیکھتا ہوں کہ وہ مفتی اعظم نہیں کوئی اور بزرگ ہیں انھوں نے آتے ہی سلام کیا میں نے سلام کا جواب دیا مگر میرے ہوش وحواس غائب تھے کہ آخر یہ کیا ماجرا ہے مجھے نہ تو ان کی دست بوسی کا خیال رہا اور نہ یہ ہو سکا کہ بیٹھنے کی درخواست پیش کرتا انھوں نے خود ہی مسکراکر فرمایا اجازت ہو تو آپ کی چادر پر بیٹھ جاؤں میں نے عرض کیا ضرور ضرور تشریف رکھیں یہ میری سعادت ہے بیٹھنے کے بعد مجھسے میرا نام، وطن، مشغلہ دریافت کیا۔ میں نے سب کچھ اختصار کے ساتھ عرض کر دیا پھر میں نے

ان سے ان کا نام وغیرہ پوچھا تو فرمایا، نام پوچھ کے کیا کیجئے گا میں سیلانی آدمی ہوں آج یہاں کل وہاں میرا کوئی ٹھکانہ نہیں میں نے دعا کی درخواست کی تو فرمایا اللہ تعالیٰ آپ کو خوش رکھے، پھر میں نے عرض کی دعاء مغفرت فرمائیں تو کہا اللھم اغفر لاخی ھذا بار بار اس کی تکرار فرمائی، پھر اچانک کھڑے ہو گئے اور فرمایا اب ہم چلتے ہیں ملنے کا وعدہ کیا تھا اس لئے آگئے، السلام علیکم ورحمۃ اللہ، اور تیزی سے جانب قبلہ بڑھے۔ مجھ پر جیسے سکتہ طاری ہو گیا تھا۔ انھیں کھڑا دیکھتا رہا یہ بھی خیال نہ ہوا کہ کب ملنے کا وعدہ فرمایا تھا یہاں تک کہ وہ غائب ہو گئے۔

بہت دیر تک غور کرتا رہا کہ یہ کون بزرگ تھے اور کیا قصہ ہے مجھے کچھ سمجھ میں نہ آیا۔ یہ میری خوش بختی تھی کہ کسی اللہ والے نے مجھ بے مایہ پر کرم فرمایا، اس خوشی میں بہت دیر تک مگن رہا پھر اپنے کام میں لگ گیا جب صبح صادق کے وقت توپ کی فیر ہوئی اور پورے میدان میں جگہ جگہ اذانیں ہونے لگیں تو پھر میں نے تازہ وضو کیا نماز فجر پڑھ کر وقوف کیلئے کھڑا ہو گیا اپنے اور اپنے اعزہ کے لئے جتنی ہو سکی دعائیں کیں پھر قریب طلوع آفتاب پیدل ہی منیٰ کی طرف چل پڑا، پیدل چلنے کا ایک فائدہ یہ ہوا کہ وادیٔ محسر میں تیز رفتاری سے چلنے کی سنت ادا ہو گئی، منیٰ پہونچکر پولیس سے پوچھ کر اپنے معلم کے خیمے میں آیا۔ جب میں خیمے میں آیا تو اپنا خیمہ تلاش کرتے ہوئے ایک طرف جا رہا تھا کہ حاجی صفدر حسین صاحب بمبئی والے نے آواز دی اور باصرار اپنے خیمے میں لے گئے پھر بہ اصرار کھانا کھلایا چائے پلائی، انھوں نے قربانی کے لئے کسی کمپنی کو پیسے دیدیئے تھے میں نے ان سے کہا کہ آپ نے یہ کیا کیا، انھوں نے مجھ سے پوچھا کہ ہم لوگ احرام کب کھولیں اور کنکری کب ماریں، میں نے اُنسے کہا کہ کنکری تو آپ ابھی جا کر مار آیئے اور احرام بعد مغرب کھولئے گا، پتہ نہیں کمپنی والے کب قربانی کریں۔ پھر میں اپنے خیمہ میں آیا، ابھی تک میرے خیمہ میں کوئی نہیں پہنچا تھا، میں چادر بچھا کر لیٹ گیا کچھ دیر کے بعد ساتھی آنے لگے۔ عصر بعد کنکری مارنے کے لئے ہم لوگ گئے اس سے فارغ ہونے کے بعد ہمارے ساتھی مذبح گئے، میں اتنا تھکا ہوا تھا کہ مذبح جانے کی ہمت نہ کر سکا۔ قاری تراب علی صاحب کو پیسے دیدیئے اور میں وہاں سے واپس ہو کر مسجد خیف میں حاضر ہوا نماز مغرب پڑھی عشاء تک حاضر رہا عشاء پڑھ کر خیمہ میں آیا، لوگ قربانی کر کے واپس آچکے تھے، احرام بھی کھول چکے تھے میں نے بھی سر منڈایا اور احرام کھول دیا نہا کر سو گیا، بہت گہری نیند آئی یہاں تک کہ صبح تک سوتا ہی رہا۔

آج گیارہ ذوالحجہ کو مکہ معظمہ حاضر ہوئے اور طواف افاضہ کیا، حرم شریف کا پورا صحن مسجد حرم کے دالان حجاج سے بھرے ہوئے تھے، آدمیوں کا موجیں مارتا ہوا سمندر کعبہ کے گرد دیوانہ وار طواف کر رہا تھا، بھیڑ دیکھکر میری ہمت جواب دے گئی مگر طواف کرنا ہی تھا، اپنے مشائخ سلسلہ سے استعانت کر کے بھیڑ میں گھس گیا اور طواف شروع کر دیا جد وجہد کر کے کعبہ شریف کے بالکل قریب پہونچ گیا یہاں تک کہ کبھی کبھی میرے اور کعبے کے درمیان کوئی حائل نہ رہتا، دو پھیرے حطیم کی دیواروں سے لگ کر کئے پچیس منٹ میں طواف سے فارغ ہو گیا، اس وقت میرے ساتھ صرف قاری تراب علی صاحب تھے، طواف کے بعد ہم دونوں مسجد حرام کی چھت پر چڑھ گئے وہاں سے طواف کرنے والوں کا منظر دیکھ دیکھ کر روح جھوم جھوم جھوم اٹھتی۔ ہم لوگ بہت دیر تک یہ منظر دیکھتے رہے پھر قیامگاہ پر آئے اور عصر کے بعد پھر منیٰ پیدل چلے اسوقت جمرات پر بھیڑ بہت کم تھی اطمینان سے بطریق مسنون ومستحب تینوں جمرات پر کنکریاں ماری گئیں اور خیمے میں واپس آئے۔

۱۲ ذی الحجہ کو سوائے کنکری مارنے کے اور کوئی کام نہیں تھا اس لئے ناشتے کے بعد مولینا افتخار احمد صاحب سابق استاذ الجامعۃ الاشرفیہ مبارکپور سے ملنے کے لئے چلا گیا یہ ریاض میں رہتے تھے مع اپنے بال بچوں کے حج کے لئے آئے تھے۔ ان سے ملاقات کے بعد الحاج سیٹھ اسماعیل جانی اور حاجی عبد الستار ٹباٹے والے سے ملنے کیلئے گئے ان سے ملاقات کر کے حضرت علامہ اختر رضا صاحب ازہری جانشین مفتی اعظم ہند کی خدمت میں حاضری کو سوچ ہی رہا تھا کہ حضرت خود ہی کرم فرماتے ہوئے تشریف لائے دوپہر کا وقت اسی میں بیت گیا، کھانا کھا کر میں چاہتا تھا کہ کچھ دیر آرام کروں کہ سب ساتھیوں نے یک بیک رمی جمرہ کا پروگرام بنالیا میں نے سب کو منع کیا مگر کوئی نہیں مانا۔ خیمے میں صرف حضرت حسنین میاں کی والدہ ماجدہ اور ان کی پھوپھی صاحبہ رہ گئیں میں نے طے کر لیا تھا کہ بعد عصر کنکری مارنے جاؤنگا پھر پیدل مکہ معظمہ واپس ہو جاؤنگا، سب لوگ چلے گئے میں بیٹھا رہا اتنے میں بریلی شریف کے کچھ حضرات ملاقات کے لئے تشریف لائے انھوں نے مفتی اعظم ہند رحمۃ اللہ علیہ کے عرس مبارک میں شرکت کی دعوت دی میں نے قبول کر لی پھر دوسری باتیں شروع ہو گئیں اتنے میں اچانک میرے کانوں میں آواز آئی، جمرہ پر آؤ مجھے پانی پلاؤ۔ آواز انتہائی دردناک تھی جیسے جاں بلب پیاسا کسی کو پکار رہا ہو۔ میں نے اس کو اپنا واہمہ سمجھا مگر تین بار یہی آواز آئی اب میں گھبرا کر اٹھ کھڑا ہوا اور بریلی والوں سے معذرت کی کہ چونکہ مجھے کل ہی جدہ جانا ہے اس لئے میں کنکری مارنے جا رہا ہوں، اور میں تیزی سے جمرہ کی طرف چلا راستے میں مولینا خلیل احمد خانصاحب کا قافلہ بھی مل گیا ساتھ ساتھ جمرہ پر پہونچے سب نے جمرۂ اولی کی رمی کسی طرح کر لی اس سے فارغ ہو کر جمرۂ ثانیہ کی طرف ہم لوگ جا رہے تھے کہ مولینا خلیل احمد خانصاحب ہکا بکا ننگے سر چشمہ غائب ننگے پاؤں چلے آرہے ہیں اور فرمایا کہ حضرت واپس چلئے اس وقت ہرگز کنکری نہ ماریئے میری جان بچ گئی، میں گر پڑا تھا سمجھے ہوئے تھا کہ اب میں گیا، کلمہ تک پڑھ لیا تھا، آپ کی زیارت مقدر تھی کہ کچھ لوگوں نے ترس کھا کر مجھے اٹھایا اور جان بچی۔ ہمارا قافلہ منتشر ہو چکا تھا قاری تراب علی، حاجی منشی محبت علی مع اہلیہ کا پتہ نہ تھا باقی ماندہ لوگ واپس ہوئے اتنے میں ایک سفید ریش بزرگ سر پر افغانیوں کی طرح عمامہ باندھے ہوئے تشریف لائے میرے پاس تھرماس تھا مجھ سے پانی مانگا میں نے تھرماس کے ڈھکنے میں بھر کر انھیں پانی پیش کیا وہ پینے کے لئے بیٹھ گئے آدھا پانی پی کر مجھے واپس کر دیا میں نے اصرار سے کہا کہ اور پی لیجئے مگر ڈھکنا انھوں نے مجھے تھما دیا اور کھڑے ہو گئے میں نے باقی ماندہ پانی پیا۔ اب دیکھتا ہوں تو ان بزرگ کا پتہ نہیں اتنے میں میرے ساتھی آگے بڑھ چکے تھے میں لپک کر ان کے ساتھ ہو گیا طے یہ ہوا کہ اس وقت واپس چلیں پھر شام کو آکر کنکری ماری جائے گی۔

چونکہ میں پہلے جہاز سے گیا تھا، واپسی کے لئے بھی میرا پہلا ہی جہاز تھا جو وہاں کی تیرہ ذی الحجہ اور ہندوستان کی بارہ م ۲۹ راگست بروز جمعرات تھا، قاعدے کے مطابق بارہ ایک بجے دن تک ایرپورٹ پہونچ کر ٹکٹ کا اوکے کرانا ضروری تھا اسلئے ہم لوگ بارہ ہی کو مکہ معظمہ آگئے۔ میں دو بجے رات کو حرم شریف میں حاضر ہوا، نماز فجر کے بعد طواف وداع کیا اور بصد حسرت یاس بیت اللہ شریف کو اخیر سلام کر کے قیامگاہ پر آیا، ۱۲ بجے جدہ پہونچے لیکن ہمارا ہوائی جہاز رات میں گیارہ بجکر بیالیس منٹ پر جدہ سے چلا واپسی میں نجدی ایرپورٹ پر وہی بدنظمی اور حاجیوں کی ایذا رسانی کی کارفرمائی تھی۔

اس کے باوجود کہ حجاج صبح ہی کو ایرپورٹ پہونچ چکے تھے اور ۱۲ بجے تک تو تمام ہی حجاج آ گئے تھے مگر حجاج کو اندر نہیں جانے دیا گیا، جہاز چھوٹنے سے کچھ پہلے سامان اندر جانے لگا تو وہ مارا ماری وہ اٹھا پٹخ کہ اگر قاری تراب علی صاحب میرے ساتھ نہ ہوتے تو شاید میں اندر مع سامان کے نہیں جا سکتا تھا، پھر اندر پہنچنے کے بعد قطار میں اتنی دیر تک کھڑا رہنا پڑا کہ سارے حاجی تھک کر چور ہو گئے، خیر خدا خدا کر کے ہوائی جہاز تک پہنچے۔ جہاز اسٹارٹ ہوا اور ۴ بجے صبح کو (بمبئی کے ٹائم سے) بمبئی پہونچ گئے۔ ایرپورٹ پر لینے کے لئے حاجی ابراہیم احمد صاحب برکاتی جناب قاری سراج ازہر صاحب رضوی عزیزم مولانا ولی اللہ صاحب مع اپنے احباب کے اور عبدالرزاق ٹباٹے والے موجود تھے۔ واپسی میں بھی عطاری مسجد ہی میں قیام رہا اب کی بار بھی ان سب احباب نے وہی کرمفرمائی فرمائی جو پہلے کر چکے تھے۔ تین دن قیام کے بعد جہانگری سے گھر واپس آ گیا، فالحمد للہ علی ذلک والصلوٰۃ والسلام علی حبیبہ وعلی آلہ وصحبہ وبارک وسلم۔

حج و زیارت سے مشرف تو ہو چکا مگر رہ رہ کر خیال آتا ہے ؎

لاکھ سکھی پی ایک ہے جو اور پی پی ہوے ناجانوں اس جھنڈ میں کون سہاگن ہوے

محمد شریف الحق امجدی
خادم الافتاء الجامعۃ الاشرفیہ مبارکپور اعظم گڈھ
۶ ربیع الآخر ۱۴۰۶ھ مطابق ۱۹ دسمبر ۱۹۸۵ء شب پنجشنبہ

مقدّمہ

حدیث کی اہمیت یہ بات ہر دیندار مسلمان کو معلوم ہے کہ دین کے اصول و فروع اعتقادیات عملیات سب کی بنیاد قرآن واحادیث ہیں۔ اجماع امت اور قیاس کی جو بھی حیثیت ہے وہ کتاب اللہ واحادیث ہی کی بارگاہ سے سند ملنے کے بعد ہے۔ اور یہ دونوں واجب الاعتقاد والعمل ہونے میں مساوی درجہ رکھتے ہیں۔ احادیث سے انکار کے بعد، قرآن پر ایمان کا دعوی باطل محض ہے۔ اس لئے کہ قرآن مجید نے ایک نہیں سیکڑوں جگہ رسول کی اطاعت واتباع کا حکم دیا ہے۔ وہ بھی اس طرح کہ رسول کی اطاعت کو اللہ کی اطاعت قرار دیا۔ ارشاد ہے۔

مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ - النساء آیت (۸۰) جس نے رسول کی اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی۔

رسول کی بعثت کا مقصد ہی یہی قرار دیا کہ اس کی اطاعت کی جائے۔ فرمایا۔

وَمَا اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ۔ النساء۔ آیت (۶۴) ہم نے رسول کو اسی لئے بھیجا ہے کہ اللہ کے اذن سے اس کی اطاعت کی جائے۔

جگہ جگہ فرمایا، اللہ کی اور اس کے رسول کی اطاعت کرو۔ کہیں فرمایا، جس نے اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کی وہ بڑا کامیاب ہوا۔ جس نے اللہ کی اور اس کے رسول کی نافرمانی کی وہ ضرور گمراہ ہوا۔ کہیں فرمایا کہ مومن کی شان یہ ہے کہ جب اللہ اور اس کے رسول کسی معاملہ میں فیصلہ کے لئے بلائیں تو بلا دریغ یہ کہے کہ ہم نے سنا اور مانا۔ ارشاد ہے۔

اِنَّمَا كَانَ قَوْلَ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذَا دُعُوْا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ اَنْ يَّقُوْلُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا۔ النور آیت (۵۱) مومنوں کو جب اللہ اور اس کے رسول کی طرف بلایا جائے تاکہ وہ ان کے مابین فیصلہ کر دیں تو ان کو سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا کہنا ہی ضروری ہے۔

جن لوگوں نے رسول کے فیصلہ کو تسلیم کرنے میں چون وچرا کیا اُن کے بارے میں صاف صاف فرمایا کہ وہ مومن نہیں۔

فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا۔ النساء آیت (۶۵) تیرے پروردگار کی قسم یہ لوگ مومن نہیں ہوسکتے جب تک کہ آپسی تنازعات میں تمھیں حکم نہ مان لیں اور پھر اس فیصلہ پر اپنے جی میں کوئی کھٹک نہ پائیں اور اسکو کما حقہ مان لیں۔

یہاں تک کہ رسول کے پکارنے کو اللہ نے اپنا پکارنا قرار دیا۔ فرمایا۔

يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَجِيْبُوْا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاكُمْ ۔ الانفال آیت (۲۴) — اے ایمان والو جب اللہ اور رسول تمھیں پکاریں تو فوراً حاضر ہو۔

رسول کی نافرمانی تو بڑی بات ہے نافرمانی کی سرگوشی پر بھی پابندی لگا دی گئی ہے۔ ارشاد ہے۔

يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اِذَا تَنَاجَيْتُمْ فَلَا تَتَنَاجَوْا بِالْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَمَعْصِيَتِ الرَّسُوْلِ ۔ المجادلہ۔ آیت (۹) — اے ایمان والو چپکے چپکے کوئی بات کرو تو گناہ سرکشی اور رسول کی نافرمانی کی بات نہ کرو۔

حتیٰ کہ رسول کی نافرمانی کو منافقین کا طریقہ بتایا۔ فرمایا۔

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا اِلٰى مَا اَنْزَلَ اللّٰهُ وَاِلَى الرَّسُوْلِ رَاَيْتَ الْمُنٰفِقِيْنَ يَصُدُّوْنَ عَنْكَ صُدُوْدًا ۔ النساء آیت (۶۱) — جب ان سے کہا جائے کہ اللہ نے جو اتارا ہے اس کی طرف اور رسول کی طرف آؤ تو آپ دیکھیں گے کہ یہ منافق آپ سے منھ موڑ لیتے ہیں۔

یہاں تک کہ دوزخی دوزخ میں حسرت سے یہ کہیں گے۔

يَوْمَ تُقَلَّبُ وُجُوْهُهُمْ فِى النَّارِ يَقُوْلُوْنَ يٰلَيْتَنَا اَطَعْنَا اللّٰهَ وَاَطَعْنَا الرَّسُوْلَا ۔ الاحزاب۔ آیت (۶۶) — جب یہ لوگ آگ میں الٹ پلٹ کر بھونے جائیں گے تو کہیں گے کاش ہم نے اللہ کی اطاعت کی ہوتی اور رسول کی اطاعت کی ہوتی۔

یہاں تک کہ رسول کے فیصلہ کے بعد ایمان والوں کا یہ اختیار اللہ عزوجل نے سلب کر لیا کہ وہ مانیں یا نہ مانیں بلکہ انھیں سر تسلیم خم کرنا ہی ہے۔ ارشاد ہے۔

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ ۔ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِيْنًا ۔ الاحزاب آیت (۳۶) — کسی مومن مرد یا عورت کو یہ گنجائش نہیں کہ اللہ و رسول کوئی فیصلہ کر دیں تو انھیں اپنے اس معاملہ میں کوئی اختیار باقی رہے۔ اور جو اللہ اور اس کے رسول کا حکم نہ مانے وہ ضرور کھلا ہوا گمراہ ہے۔

رسول کی مخالفت پر بانگ دہل عذاب کی دھمکی ارشاد ہوئی۔

وَمَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ وَسَآءَتْ مَصِيْرًا ۔ النساء۔ آیت (۱۱۵) — اس کے بعد کہ حق کا راستہ واضح ہو چکا جو بھی رسول کی مخالفت کرے اور ایمان والوں کے راستہ کو چھوڑ کر اور کوئی راستہ چلے ہم اس کو اس کے حال پر چھوڑ دیں گے اور اسے جہنم میں لے جائیں گے اور وہ برا ٹھکانہ ہے۔

فَلْيَحْذَرِ الَّذِيْنَ يُخَالِفُوْنَ عَنْ اَمْرِهٖۤ اَنْ تُصِيْبَهُمْ — جو لوگ رسول کے حکم کی مخالفت کرتے ہیں ان کو ڈرنا چاہئے کہ دنیا

فِتْنَةٌ اَوْ يُصِيْبَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ۔ النور آیت (۶۳) ہیں ان پر کوئی مصیبت نہ آن پڑے یا آخرت میں دردناک عذاب میں مبتلا نہ ہوں۔

قرآن مجید کے ان ارشادات پر غور کرو۔ قرآن مجید نے کس طرح جگہ جگہ اللہ کی اطاعت کے ساتھ رسول کی اطاعت کا حکم دیا اور اللہ کے ساتھ ساتھ رسول کی نافرمانی پر وعید ارشاد فرمائی رسول کے بلانے کو اللہ نے اپنا بلانا قرار دیا۔ رسول کی نافرمانی کے لئے سرگوشی بھی منع فرمائی رسول کے فیصلہ کو واجب التسلیم قرار دیا۔ وہ بھی اس حد تک کہ جو رسول کے فیصلے کو نہ ماننے، اس میں ذرا بھی تردد کرے وہ مومن نہیں۔ رسول کے حکم سے روگردانی کرنے والوں کو منافق فرمایا۔ رسول کے حکم کو اس درجہ واجب الاتباع قرار دیا کہ رسول کے حکم کے بعد ماننے کا کسی مومن کو حق نہ دیا۔ جو نہ مانے اس کے لئے جہنم کی وعید سنائی۔ کیا یہ سب باتیں اس کی دلیل نہیں کہ جس طرح اللہ عزوجل کا ہر ارشاد واجب التسلیم ہے اسی طرح رسول کا بھی ہر فرمان واجب الاعتقاد والعمل ہے یہی وجہ ہے کہ اللہ اور رسول کے مابین تفریق کرنے والوں کو صاف صاف سنا دیا۔

وَيُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّفَرِّقُوْا بَيْنَ اللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَيَقُوْلُوْنَ نُؤْمِنُ بِبَعْضٍ وَّنَكْفُرُ بِبَعْضٍ وَّيُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّتَّخِذُوْا بَيْنَ ذٰلِكَ سَبِيْلًا اُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ حَقًّا اَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا مُّهِيْنًا۔ النساء آیت (۱۵۱)

اور چاہتے ہیں کہ اللہ اور اس کے رسول میں تفریق کر دیں اور کہتے ہیں کچھ کو ہم مانتے ہیں اور کچھ کو ہم نہیں مانتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ اس کے بیچ میں راستہ بنالیں یہ لوگ ٹھیک کافر ہیں۔ ہم نے کافروں کے لئے ذلت کا عذاب تیار کر رکھا ہے۔

تو رسول کو واجب الاتباع نہ ماننے کا مطلب ہوا ان آیتوں کا انکار اور قرآن مجید کی کسی ایک آیت کا انکار پورے قرآن کا انکار ہے۔

اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْكِتٰبِ وَتَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ۔ البقرۃ (۸۵) کیا کچھ کتاب پر ایمان لاتے ہو اور کچھ کے ساتھ کفر کرتے ہو؟۔

غور کیجئے بہت سے وہ احکام ہیں جو قرآن مجید میں مذکور نہیں۔ صرف حضور اقدس صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمائے اور وہ بھی قرآن کی طرح واجب العمل قرار پائے مثلاً

(۱) "اذان" قرآن پاک میں کہیں مذکور نہیں کہ نماز پنج گانہ کے لئے اذان دیجائے مگر اذان عہد رسالت سے لے کر آج تک شعار اسلام رہی ہے اور رہے گی۔

(۲) نماز جنازہ، قرآن میں اس کے بارے میں کوئی حکم نہیں۔ مگر یہ بھی فرض ہے اس کی بنیاد ارشاد رسول ہی ہے۔

(۳) بیت المقدس کو قبلہ بنانے کا قرآن میں کہیں حکم نہیں۔ مگر تحویل قبلہ سے پہلے یہی نماز کا قبلہ تھا یہ بھی صرف ارشاد رسول ہی

ہی سے تھا۔

(۴) جمعہ وعیدین کے خطبے کا کہیں قرآن میں حکم نہیں مگر یہ بھی عبادت ہے اس کی بنیاد صرف ارشاد رسول ہی ہے ـــــــ اور وہ بھی اس شان سے کہ اگر اس میں کوئی کوتاہی ہوئی تو کوتاہی کرنے والوں کو تنبیہ کی گئی۔ مثلاً ایک بار جمعہ کا خطبہ ہو رہا تھا۔ اسی اثناء ایک قافلہ آگیا کچھ لوگ خطبہ چھوڑ کر چلے گئے اس پر یہ آیہ کریمہ نازل ہوئی۔

وَإِذَا رَأَوْا تِجَارَةً أَوْ لَهْوًا انْفَضُّوا إِلَيْهَا وَتَرَكُوكَ قَائِمًا ۚ قُلْ مَا عِنْدَ اللَّهِ خَيْرٌ مِنَ اللَّهْوِ وَمِنَ التِّجَارَةِ ۚ وَاللَّهُ خَيْرُ الرَّازِقِينَ ـ الجمعہ۔ آیت (۱۱)

انھوں نے جب کھیل یا تجارت کو دیکھا تو اسکی طرف دوڑ پڑے اور آپ کو خطبے میں کھڑا چھوڑ گئے۔ تم فرماؤ وہ جو اللہ کے پاس ہے کھیل اور تجارت سے بہتر ہے۔ اور اللہ کا رزق سب سے اچھا

یہ صرف اسی بنا پر ہے کہ قرآن کی طرح ارشاد رسول بھی واجب الاعتقاد والعمل ہے اس میں بھی کوتاہی کی وہی سزا ہے جو قرآن کے فرمودات میں کوتاہی کی ہے۔

علاوہ ازیں قرآن خدا کی کتاب ہے، واجب القبول ہے۔ یہ کیسے معلوم ہوا؟ اللہ عزوجل نے آسمان سے لکھی لکھائی جلد بندھی ہوئی کتاب تو نازل نہیں کی اور اگر لکھی لکھائی جلد بندھی بندھائی کتاب اتارتا تو کیسے معلوم ہوتا کہ یہ خدا کی کتاب ہے کہیں سے بھی اڑکر آسکتی ہے کوئی فریب کار کسی خفیہ طریقہ سے کہیں پہنچا سکتا ہے۔ اگر جبرئیل یا کوئی فرشتہ لے کر آتا تو کیسے پہچانتے کہ یہ جبرئیل یا فرشتہ ہے۔ کوئی جن، کوئی شیطان، کوئی شعبدہ باز یہ کہہ سکتا ہے کہ میں جبرئیل ہوں فرشتہ ہوں یہ خدا کی کتاب لایا ہوں غرضکہ رسول کے مطاع ماننے سے انکار کے بعد قرآن کے کتاب اللہ ہونے پر کوئی یقینی قطعی دلیل نہیں رہ جاتی، ساری دلیلوں کا منتہا یہ ہے کہ رسول نے فرمایا۔ یہ خدا کی کتاب ہے، یہ جبرئیل ہیں، یہ آیت لے کے آئے ہیں۔ کتاب اللہ کی معرفت اور کتاب اللہ لے کر آنے والے مَلَکِ مقرب جبرئیل کی معرفت، قول رسول ہی پر موقوف ہے۔ اگر رسول کا قول ہی ناقابل قبول ہو جائے تو کتاب اللہ کا کوئی وزن نہیں رہ جائے گا۔ غور کیجئے رسول نے لاکھوں باتیں ارشاد فرمائیں انھیں میں یہ فرمایا۔ مجھ پر یہ قرآن نازل ہوا۔ مجھ پر یہ آیت نازل ہوئی۔ مجھ پر یہ سورت نازل ہوئی سننے والے صحابۂ کرام نے ان کو کتاب اللہ جانا اور مانا اور جن ارشادات کے بارے میں یہ نہیں فرمایا، احادیث ہوئیں۔ اب کوئی بتائے ایک منہ سے دو قسم کی باتیں نکلیں ایک قسم مقبول اور دوسری مردود یہ کس منطق سے درست ہوگا ایک قسم کو مردود قرار دینے کا مطلب ہوگا دوسری قسم کو بھی مردود قرار دینا۔ غرضیکہ حدیث کے ناقابل قبول ماننے کے بعد قرآن کا بھی ناقابل قبول ہونا لازم ہے۔

علاوہ ازیں اگرچہ قرآن کریم میں تمام چیزوں کا بیان ہے۔ مگر ان میں کتنی چیزیں ایسی ہیں جو ہمارے لئے مجمل اور مبہم ہیں مثلاً عبادات اربعہ نماز روزہ زکوٰۃ حج کو لے لیجئے۔ قرآن مجید میں ان سب کا حکم ہے۔ مگر کیا قرآن مجید سے ان عبادات کی پوری تفصیل کوئی بتا سکتا ہے۔ اگر احادیث کو ناقابل اعتبار ٹھہرا دیا جائے۔ تو پھر ان عبادات پر عمل کیسے ہوگا کیونکہ ان سب کی ہیئت

ان سب کی تفصیل احادیث ہی سے معلوم ہوئی ہے۔ خود حضور اقدس صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا۔

صلوکما رأیتمونی اصلی متفق علیہ۔ اس طرح نماز پڑھو جیسے مجھے نماز پڑھتے دیکھتے ہو۔ عبادات سے قطع نظر قرآن مجید کی سیکڑوں آیات وہ ہیں کہ اگران کی توضیح احادیث میں مذکور نہ ہوتی تو وہ لاینحل رہ جاتیں مثلاً۔ ارشاد ہے۔

اِلَّا تَنْصُرُوْهُ فَقَدْ نَصَرَهُ اللّٰهُ اِذْ اَخْرَجَهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ثَانِيَ اثْنَيْنِ اِذْ هُمَا فِي الْغَارِ اِذْ يَقُوْلُ لِصَاحِبِهٖ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا۔ التوبہ آیت (۴۰)

اگر تم رسول کی مدد نہ کرو گے (تو رسول کا کچھ نہیں بگڑے گا) اللہ نے ان کی اس وقت مدد کی جب کافروں کی شرارت سے انھیں باہر تشریف لے جانا ہوا صرف دو جان سے جبکہ دونوں غار میں تھے جب رسول اپنے ساتھی سے فرماتے تھے غم نہ کھا اللہ ضرور خود ہمارے ساتھ ہے۔

احادیث سے قطع نظر کرکے کوئی بتا سکتا ہے۔ کہ کافروں نے کیا شرارت کی تھی۔ رسول کو کہاں سے باہر تشریف لے جانا پڑا یہ ساتھی کون تھے یہ غار کون تھا۔ اور کیوں ساتھی کو تسلی تشفی دینے کی حاجت پیش آئی۔ دوسری جگہ فرمایا۔

لَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ فِيْ مَوَاطِنَ كَثِيْرَةٍ۔ التوبہ آیت (۲۵)

اللہ نے بہت سی جگہوں میں تمھاری مدد فرمائی۔

یہ جگہیں کون کون ہیں صرف قرآن سے کوئی بتا سکتا ہے۔ اور فرمایا۔

وَعَلَى الثَّلٰثَةِ الَّذِيْنَ خُلِّفُوْا۔ التوبہ۔ آیت (۱۱۸)

ان تینوں پر اللہ کی مہربانی ہوئی جن کے معاملہ کو ملتوی فرمادیا گیا تھا۔

یہ تینوں کون تھے ان کا معاملہ کیا تھا۔ کیوں ان کا معاملہ ملتوی کیا گیا۔ کیا بغیر احادیث کے ان سوالوں کے جوابات دینا ممکن ہے۔ اور ارشاد ہے۔

لَمَسْجِدٌ اُسِّسَ عَلَى التَّقْوٰى مِنْ اَوَّلِ يَوْمٍ اَحَقُّ اَنْ تَقُوْمَ فِيْهِ۔ فِيْهِ رِجَالٌ يُّحِبُّوْنَ اَنْ يَّتَطَهَّرُوْا۔ التوبہ۔ آیت (۱۰۸)

جس مسجد کی بنیاد تقویٰ پر رکھی گئی ہے وہ پہلے ہی دن سے اس لائق ہے کہ آپ اس میں نماز پڑھیں اس میں ایسے لوگ ہیں جو اچھی طرح پاکی پسند کرتے ہیں۔

یہ مسجد کون ہے۔ یہ لوگ کون ہے۔ احادیث سے قطع نظر کرکے کوئی بتائے تو؟

یہ چند مثالیں ہیں ورنہ قرآن میں اس کی صدہا مثالیں موجود ہیں کہ اگر احادیث میں ان کی توضیح نہ ہوتی تو ان کا ابہام کسی طرح دور ہی نہیں ہوسکتا تھا۔

میں تو یہ سمجھتا ہوں کہ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ پر ایمان کے بعد قول رسول کو حق نہ تسلیم کرنے کی کوئی گنجائش ہی نہیں۔ اسی وجہ سے عہد صحابہ سے لے کر آج تک تمام امت بلا نکیر منکر قرآن کی طرح احادیث کو واجب الاعتقاد واجب العمل مانتی چلی آئی ہے۔ البتہ اس زمانے میں بعض کلمہ گوئی کا دعویٰ کرنے والے ایسے پیدا ہوگئے ہیں جو احادیث کو ناقابل قبول

مانتے ہیں۔لیکن دیگر مذہبوں کی طرح دامن بچاکریوں کہ قول رسول ضرور حجت ہے۔مگر آج جو احادیث کا ذخیرہ ہے وہ رسول کے اقوال واعمال کا مجموعہ نہیں۔ یہ عجمی نومسلموں نے سازش کرکے اپنی من مانی باتوں کو رسول کی طرف منسوب کردیا ہے یہ قطعاً لائق اعتبار نہیں۔

اپنے اس دعویٰ پر یہ دلیل پیش کرتے ہیں آج احادیث کے جو دفتر ملتے ہیں ان میں کوئی بھی عہد نبوی میں مرتب ہوا نہ عہد صحابہ میں حتیٰ کہ عہد تابعین میں بھی مرتب نہ ہوا یہ سب دفاتر دوسری تیسری صدی اور اس کے بعد مُدوّن کئے گئے ہیں اتنی لمبی مدت تک لاکھوں لاکھ احادیث یاد رکھنا انسان کے بس کی بات نہیں۔اور عجیب بات ہے کہ اکثر محدثین عجمی النسل ہیں۔امام بخاری بخارا کے امام مسلم نیشاپور کے امام ترمذی ترمذ کے ابوداؤد سجستان کے ابن ماجہ قزوین کے باشندے تھے۔اور یہ وہ مسلم الثبوت محدثین ہیں کہ فن حدیث میں ان کی ہر بات حرف آخر سمجھی جاتی ہے۔منکرین حدیث کے اس دعوے کی بنیاد اس پر ہے کہ دوسری صدی سے پہلے احادیث لکھی نہیں گئیں صرف زبانی یادداشت پر اعتماد رہا۔اب اگر یہ ثابت ہوجائے کہ احادیث کی کتابت کا کام عہد رسالت ہی میں شروع ہوا ہے اور ہر دور میں تسلسل کے ساتھ باقی رہا۔تو ان کے دعوے کا کوئی وزن نہیں رہ جائے گا اس لئے ہم پہلے ناظرین کو یہ بتانا چاہتے ہیں کہ کتابت حدیث کا کام عہد رسالت ہی سے شروع ہوچکا تھا۔اور ہر عہد میں تسلسل کے ساتھ باقی رہا۔

عہد رسالت میں کتابت حدیث

(۱) حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے سیکڑوں احادیث لکھیں ان کے مجموعے کا نام صادقہ تھا۔بخاری۔اصابہ۔طبقات ابن سعد۔

(۲) احادیث کا ایک مجموعہ حضرت انس نے لکھا تھا۔بخاری۔تدریب الراوی۔
قتادہ روایت کرتے ہیں۔

کان یملی الحدیث حتیٰ اذا اکثر علیہ الناس جاء بمحال من کتب القاھا ثم قال ھذہ احادیث سمعتھا وکتبتھا عن رسول اللہ وعرضتھا علیہ

تقیید العلم ص ۹۵، ۹۶۔

حضرت انس حدیث لکھوایا کرتے تھے جب لوگوں کی کثرت ہوگئی تو وہ کتابوں کا صحیفہ لے کر آئے اور لوگوں کے سامنے رکھ کر فرمایا یہ وہ احادیث ہیں جنھیں میں نے رسول اللہ سے سنکر لکھی ہیں اور آپ کو پڑھ کر سنا بھی دی ہے۔

(۳) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے بھی احادیث لکھوائی تھیں۔یہ ذخیرہ انکے صاحبزادے کے پاس تھا (جامع بیان العلم)

(۴) حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے ایک کتاب میں احادیث کو جمع فرمایا تھا جس کا نام ہی کتاب سعد بن عبادہ تھا۔یہ کئی پشتوں تک ان کے خاندان میں رہا۔(مسند امام احمد)

(۵) سعد بن ربیع رضی اللہ عنہ نے بھی ایک مجموعہ مرتب فرمایا تھا۔

(۶) حضرت ابوہریرہ نے بھی دفتر کے دفتر احادیث لکھی یا لکھوائی تھیں۔ (فتح الباری)
ہمام ابن منبہ کا صحیفہ جو حضرت ابوہریرہ رضی اللہ کے انھیں دفتروں سے نقل ہوا تھا اب چھپ بھی گیا ہے جس کی اکثر احادیث بخاری مسلم مسند امام احمد میں بعینہ بلفظہ موجود ہیں۔

(۷) سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ نے بھی ایک مجموعہ تیار کیا تھا۔ تہذیب۔ اور ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا ہے۔

بینما نحن حول رسول اللہ نکتب (دارمی) ص۶۸ — اس وقت کہ ہم لوگ حضور کے ارد گرد بیٹھے لکھ رہے تھے۔

اس سے ظاہر ہوا کہ عام طور پر کچھ صحابہ حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم کے ارشادات لکھا کرتے تھے ابن عباس اور ابن عمر کے صحائف کا ذکر ملتا ہے۔

الجامع لاخلاق الراوی وآداب السامع ص۱۰۱ پر ہے۔

یروی عن عبد اللہ بن عمر کان اذا خرج الی السوق نظر فی کتبہ وقد اکد الراوی ان کتبہ کانت فی الحدیث۔ — عبد اللہ بن عمر کے بارے میں یہ روایت ہے کہ وہ جب بازار جاتے تو اپنی کتابوں پر ایک نظر ڈال لیا کرتے۔ راوی نے بتاکید یہ بات کہی ہے کہ یہ کتابیں حدیث کی تھیں۔

حضرت ابن عباس کے چند صحیفے تھے طائف کے کچھ لوگ حضرت ابن عباس کی خدمت میں ان کے چند صحیفے لے کر حاضر ہوئے تاکہ وہ ان لوگوں کو ان میں تحریر کردہ احادیث سنا دیں اس وقت حضرت ابن عباس کی بینائی کمزور ہو چکی تھی وہ پڑھ نہ سکے فرمایا تم لوگ مجھے پڑھ کر سناؤ تمھارا سنانا اور میرا پڑھنا برابر ہے۔ طحاوی ج۲ ص۳۸۴ ترمذی ج۲ ص۲۳۸۔

ظاہر یہ ہے کہ یہ وہی صحیفے تھے جو انھوں نے عہد نبوی میں لکھا تھا۔ اور اگر مان لیا جائے کہ وصال اقدس کے بعد کے لکھے ہوئے ہیں تو یہ اس کی دلیل ہوگا کہ عہد صحابہ میں احادیث لکھی گئیں اور منکرین تو مطلقاً عہد صحابہ میں بھی کتابت حدیث کے منکر ہیں۔

نحن نکتب سے اشارہ ملتا ہے کہ اس خدمت کو ایک جماعت انجام دیتی تھی۔ اور اس کی تائید دوسری روایت سے بھی ہوتی ہے۔

کان عند رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ناس من اصحابہ وانا معھم وانا اصغر القوم فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم من کذب علی متعمدا فلیتبوأ مقعدہ من النار فلما خرج القوم قلت — خدمت اقدس میں کچھ صحابہ حاضر تھے میں بھی تھا میں سب سے کم عمر تھا۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو مجھ پر قصداً جھوٹ باندھے وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنا لے پھر جب لوگ باہر آئے تو میں نے ان سے کہا۔ حضور نے جو فرمایا وہ آپ لوگوں نے سنا اسکے باوجود

کیف تحدثون عن رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم وقد سمعتم ما قال وانتم تنہمکون فی الحدیث عن رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم فضحکوا وقالوا یا ابن اخینا ان کل ما سمعنا منہ عندنا فی کتاب

اتنی کثرت سے آپ لوگ کیسے حدیثیں بیان کرتے ہیں وہ لوگ ہنسے اور کہا اے بھتیجے جو کچھ ہم نے حضور سے سنا ہے وہ سب ہمارے پاس لکھا ہوا ہے۔

مجمع الزوائد ج۱ ص۱۵۱

اس کے علاوہ جستہ جستہ بہت سے احکام ومسائل کے بارے میں یہ ثبوت موجود ہے کہ خود آنحضرت صلی اللّٰہ علیہ وسلم نے لکھوائے۔

(۱) ۸ھ میں جب مکہ فتح ہوا تو حضور اقدس صلے اللّٰہ علیہ وسلم نے انسانی حقوق اور مکہ کی حرمت کے مسائل بیان فرمائے اس پر ایک یمن کے باشندے نے خواہش ظاہر کی یہ احکام لکھوا کر عنایت فرمائیں آپ نے فرمایا۔ اکتبوا لابی شاہ یہ احکام ابوشاہ کے لئے لکھ دو۔ بخاری ابو داؤد۔

(۲) حضور اقدس صلے اللّٰہ علیہ وسلم نے دیت (خونبہا) کے مسائل لکھوا کر بھجوائے۔ مسلم شریف ص۴۹۔

(۳) حضور اقدس صلے اللّٰہ علیہ وسلم نے قبیلہ جہینہ کے پاس مردہ جانوروں کے احکام لکھوا کر بھجوائے۔ مشکوٰۃ ابو داؤد۔

(۴) حضور اقدس صلے اللّٰہ علیہ وسلم نے زکوٰۃ کے متعلق مسائل کو ایک جگہ لکھوایا تھا۔ جس کا نام کتاب الصدقہ تھا مگر عمال وحکام تک اسے روانہ نہ فرما سکے اور وصال ہو گیا۔ حضرت ابوبکر صدیق نے اپنے عہد میں اسی کے مطابق زکوٰۃ وصول کرنے کا حکم جاری کیا اور اسی کے مطابق وصول ہوتی تھی۔ ابو داؤد۔

(۵) اسی کتاب الصدقہ کا مضمون وہ ہے۔ جو حضرت صدیق اکبر رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہ نے حضرت انس کو دیا تھا جس وقت انھیں بحرین کا عامل بنا کر بھیجا تھا۔ اس میں اونٹوں، بکریوں، اور سونے چاندی کی زکوٰۃ کے نصاب کی تفصیل تھی۔ بخاری ج۱ ص۱۹۴

(۶) حضور اقدس صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حیات مبارکہ کے آخیر ایام میں کثیر احادیث کا ایک صحیفہ لکھوا کر عمرو بن حزم رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہ کے بدست یمن بھجوایا تھا۔ موطا امام مالک ص۲۳۱ میں ہے کہ نبی صلے اللّٰہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اہل یمن کے پاس ایک مکتوب عمرو بن حزم کے ہاتھ بھیجا تھا۔ جس میں فرائض سنن اور دیات لکھے تھے۔

(۷) زکوٰۃ کے احکام پر مشتمل ایک صحیفہ ابوبکر بن حزم والیٔ بحرین کو لکھوایا تھا۔ یہ صحیفہ دیگر امراء کو بھی بھیجا گیا تھا۔ یہ مکتوب حضرت عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللّٰہ علیہ نے ابن حزم سے لے لیا تھا۔ دارقطنی، مسند امام احمد۔

(۸) زکوٰۃ وصول کرنے والے عاملین کے پاس کتاب الصدقہ کے علاوہ اور بھی تحریریں تھیں۔ دارقطنی،

(۹) عمرو بن حزم کو یمن کا حاکم بناتے وقت فرائض. صدقات. دیات. طلاق. عتاق. نماز. مصحف شریف چھونے سے متعلق احکام پر مشتمل ایک تحریر لکھائی تھی. مسند امام احمد، مستدرک، کنز العمال.

(۱۰) مختلف فرامین واحکام جو حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے قبائل کو بھیجے

(۱۱) معاہدات کی تحریریں مثلاً صلح حدیبیہ وغیرہ. ابن ماجہ، طبقات ابن سعد۔

(۱۲) وہ والانامے جو حضور اقدس صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے سلاطین وامراء کے پاس بھیجے۔

(۱۳) عبداللہ بن حکم صحابی کے پاس حضور اقدس صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ایک تحریر تھی جس میں مردہ جانوروں کے احکام مذکور تھے. معجم صغیر، طبرانی،

(۱۴) نماز، روزہ، سود، شراب وغیرہ کے مسائل وائل بن حُجر کو آنحضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے لکھوائے تھے۔

(۱۵) اُشیم نامی مقتول کی بیوی کو اپنے مقتول شوہر کی دیت دلانے کا فرمان آنحضور صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے لکھوایا تھا یہ فرمان ضحاک بن سفیان صحابی کے پاس تھا۔ ابو داؤد، دارقطنی۔

(۱۶) ترکاریوں، سبزیوں پر زکوٰۃ نہیں. یہ حکم نامہ لکھوا کر حضرت معاذ بن جبل کے پاس یمن بھجوایا تھا۔ دارقطنی۔

(۱۷) رافع بن خدیج صحابی کے پاس ایک مکتوب گرامی تھا جس میں یہ مندرج تھا کہ مدینہ بھی مثل مکہ حرم ہے. مسند امام احمد۔

(۱۸) حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو کچھ احکام لکھواکر دیئے تھے جو ان کے پاس تھا۔ بخاری ج۱ ص۲۱

(۱۹) حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے، حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو لکھا تم نے جو کچھ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے سنا ہے وہ لکھ کر بھیج دو. چنانچہ انھوں نے کچھ احادیث لکھوا کر بھیجیں۔ بخاری ج۲ ص۱۰۸۳

ایک شبہے کا ازالہ کچھ لوگوں کو حضرت ابوسعید خُدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اس حدیث سے شبہہ ہوتا ہے کہ حضور نے ارشاد فرمایا لاتکتبوا عنی من کتب عنی غیر القرآن فلیمحہ مسلم. جلد ثانی. ص۴۱۴. قرآن کے علاوہ میری کوئی حدیث نہ لکھو اگر لکھا ہو تو اسے مٹا دو۔

اولاً علماء کو اس حدیث کی صحت میں کلام ہے. امام بخاری وغیرہ نے فرمایا یہ درحقیقت حضرت ابوسعید پر موقوف ہے. یعنی ارشاد رسول نہیں، انھیں کا قول ہے۔

ثانیاً بر تقدیر صحت علامہ ابن حجر وغیرہ نے اس کے مختلف جوابات دیئے ہیں۔

(۱) یہ ممانعت نزول قرآن کے وقت کے ساتھ خاص ہے یعنی جب قرآن نازل ہو رہا ہو، یا جب میں قرآن لکھوا رہا ہوں تو اس وقت صرف قرآن ہی لکھو۔

(۲) حدیث و قرآن کو ایک ہی چیز پر مت لکھو۔ ان دونوں صورتوں میں قرآن کا حدیث کے ساتھ اختلاط کا اندیشہ قوی تھا۔

(۳) ممانعت کا حکم مقدم ہے۔ یعنی بالکل ابتدائی دور میں تھا۔ بعد میں جب قرآن کے ساتھ احادیث کے التباس کا خطرہ نہ رہا احادیث لکھنے کی اجازت دیدی۔

(۴) جن کے بارے میں یہ اندیشہ تھا کہ اگر یہ لکھ لیں گے تو زبانی یاد نہ رکھیں گے۔ صرف کتاب کے بھروسہ پہ رہ جائیں گے انھیں احادیث لکھنے سے منع فرمایا۔ اور جن کے بارے میں یہ اندیشہ نہ تھا۔ بلکہ اطمنان تھا کہ وہ لکھیں گے تو بھی زبانی یاد رکھیں گے انھیں لکھنے کی اجازت دیدی۔ فتح الباری ج۱ ص۱۸۳۔

عہد صحابہ میں کتابت حدیث یہ صحیح ہے کہ کچھ صحابہ اور کچھ تابعین احادیث لکھنے کو ناپسند کرتے تھے کہ جیسے ہم نے زبانی سنکر یاد کیا ہے اسی طرح دوسرے لوگ بھی صرف زبانی یاد رکھیں ۔ مگر یہ بات عام صحابہ میں نہ تھی۔

حضرت فاروق اعظم نے فرمایا کہ علم لکھ کر مقید کرلو۔ دارمی ص۶۸۔ مستدرک ج۱ ص۱۰۶۔ ا۔ انھیں دونوں کتابوں میں حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہی ارشاد منقول ہے۔ اور دارمی میں حضرت ابن عمر کا بھی چنانچہ ان ارشادات پر عمل ہوا۔

(۱) مسلم ج۱ ص۴۶ میں ہے کہ خود حضرت انس نے محمود بن ربیع سے حضرت عتبان کی ایک طویل حدیث سنی تو اپنے صاحبزادے کو حکم دیا اسے لکھ لو صاحبزادے نے لکھا۔ طحاوی ج۲ ص۳۸۴ میں بھی مذکور ہے۔ کہ حضرت انس نے اپنے لڑکے سے حدیث لکھوائی۔

(۲) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے اپنی احادیث لکھوا کر یا خود لکھ کر محفوظ کر دیا تھا۔ حسن بن عمرو کہتے ہیں کہ حضرت ابوہریرہ میرا ہاتھ پکڑ کر اپنے گھر لے گئے اور احادیث کی متعدد کتابیں دکھائیں اور کہا دیکھو یہ سب میرے یہاں لکھی ہوئی ہیں۔ فتح الباری ج۱ ص۱۸۴۔

(۳) بشیر بن نہیک حضرت ابوہریرہ کی کتابیں عاریۃً لے کر نقل کرتے۔ نقل کے بعد ان کو سناتے سنانے کے بعد پوچھتے میں نے آپ کو جو سنایا ہے وہ سب آپ نے رسول اللہ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے سنا ہے۔ حضرت ابوہریرہ فرماتے ہاں طحاوی ج۲ ص۳۸۵

(۴) ابان مشہور تابعی حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مجلس میں سلاگوان کی تختیوں پر حدیثیں لکھا کرتے تھے۔ دارمی ص۶۸

(۵) عبداللہ بن محمد بن عقیل کہتے ہیں کہ ہم لوگ حضرت جابر کی خدمت میں بیٹھ کر احادیث نبوی پوچھکر لکھ لیتے تھے۔

(۶) حضرت سعید بن جبیر نے فرمایا کہ میں ابن عمر سے جو احادیث سنتا ان کو لکھ لیتا۔ دارمی۔

(۷) یہی حضرت سعید بن جبیر اور دوسرے لوگ کہتے ہیں کہ ہم لوگ حضرت ابن عباس کی خدمت میں حاضر ہو کر حدیثیں لکھا کرتے تھے کاغذ بھر جاتا تو کسی اور چیز پر لکھتے۔ دارمی ص۱۶۹۔ طحاوی ج۲ ص۳۸۴۔

(۸) حضرت ابن عمر کی مرویات کو خاص طور سے نافع نے جمع کیں۔ طبقات ابن سعد وغیرہ۔

(۹) ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی احادیث کو عروہ بن زبیر نے لکھ لیا تھا۔ الکفایہ ص۱۲۹

(۱۰) حضرت جابر کی احادیث کو قتادہ بن دعامہ سدوسی نے لکھ کر جمع کر لیا تھا۔ طبقات ابن سعد ج۷ ص۲

(۱۱) حضرت ابن عباس کی مرویات کو ان کے تلمیذ کُریب نے لکھ کر محفوظ کر لیا تھا۔ طبقات ج۵ ص۲۱۶

عہد تابعین میں کتابت حدیث لیکن اب تک جو بھی ہوا۔ انفرادی طور پر اپنے شوق و ذوق کے مطابق ہوا۔ پھر ان صحائف میں کوئی ترتیب نہ تھی۔ جن بزرگ نے جن سے جو حدیث جب سنی لکھ لی۔ یہاں تک کہ اس اہم و بنیادی کام پر سب سے پہلے خلیفۂ راشد حضرت عمر بن عبد العزیز کو توجہ ہوئی۔ اور انھوں نے باقاعدہ تدوین احادیث کے لئے وقت کے ممتاز افراد کو مقرر فرمایا۔ مثلاً ابو بکر بن عمرو بن حزم قاضی مدینہ قاسم بن محمد بن ابی بکر۔ ابو بکر محمد بن مسلم بن عبید اللہ بن عبد اللہ بن شہاب زہری سعد بن ابراہیم وغیرہ۔ نیز اسی دور میں ربیع بن صبیح اور سعد بن عروبہ اور شعبی نے بھی احادیث کی تدوین شروع کر دی تھی۔

دارمی میں ہے کہ حضرت عمر بن عبد العزیز نے قاضی مدینہ ابو بکر بن حزم کو لکھا کہ احادیث رسول و احادیث عمر اور مؤطا میں اتنا زائد ہے اور ان کے مثل دیگر صحابہ کے آثار جمع کر کے لکھو کیونکہ مجھے علم کے ضائع ہونے اور علماء کے چلے جانے کا اندیشہ ہے۔ بخاری کتاب العلم میں یہ زائد ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی احادیث کے علاوہ اور کچھ نہ قبول کیا جائے۔ اور علم کو خوب پھیلاؤ۔ اور بیٹھو تاکہ جو نہیں جانتا ہے وہ سیکھے۔ اس لئے کہ علم اس وقت تک ضائع نہ ہوگا جب تک اسے راز نہ بنا لیا جائے۔ بخاری ج۱ ص۲۰

اس خادم کا خیال ہے کہ اتنا حصہ۔ رسول اللہ کی احادیث کے علاوہ اور کچھ نہ قبول کیا جائے۔ حضرت امام بخاری یا کسی راوی کا اضافہ ہے۔ امام بخاری نے تعلیقاً ذکر کیا ہے۔ اور دارمی اور موطا میں مسنداً ہے۔ اس لئے خود امام بخاری کے طور پر دارمی اور موطا کی روایت مقدم ہوگی۔ خود امام بخاری نے سند کے ساتھ جو ذکر کیا ہے۔ وہ صرف۔ ذہاب العلماء تک ہے۔

جب یہ فرمان ابو بکر بن حزم کے پاس پہنچا تو انھوں نے احادیث کے کئی مجموعے تیار کرائے۔ ان کا ارادہ تھا کہ وہ انھیں بارگاہ خلافت میں بھیجیں لیکن ابھی بھیجے نہیں پائے تھے کہ حضرت عمر بن عبد العزیز کا ۱۰۱ھ میں وصال ہو گیا۔ یہ اپنے وقت کے بہت بڑے محدث اور امام زہری کے استاذ تھے۔

احادیث میں ام المومنین حضرت عائشہ کی مرویات کو بہت بڑی اہمیت ہے۔ اس لئے کہ ان سے فقہ و عقائد کے بنیادی مسائل ماثور ہیں اس لئے حضرت عمر بن عبد العزیز نے ان کی احادیث جمع کرنے کا زیادہ اہتمام کیا تھا۔ عمرہ بنت عبد الرحمن کو حضرت عائشہ نے خاص اپنی آغوش کرم میں پالا تھا۔ یہ بہت ذہین عالمہ فاضلہ تھیں۔ تمام علماء کا اس پر اتفاق ہے۔ کہ احادیث عائشہ کی یہ سب سے بڑی حافظہ تھیں۔ حضرت عمر بن عبد العزیز نے، قاضی ابو بکر بن عمر ابن حزم کو خاص ہدایت کی کہ عمرہ کے

مسائل، اور روایات کو قلم بند کر کے بھیجا جائے۔

ابو بکر محمد بن مسلم بن عبید اللہ بن عبد اللہ بن شہاب زہری المتوفی ۱۲۴ھ جو امام زہری کے نام سے متعارف ہیں اور ان کو ابن شہاب بھی کہا جاتا تھا۔ ان کی عادت یہ تھی کہ محدثین کی حدیثیں سننے جاتے تو اپنے ساتھ تختیاں اور کاغذ لئے رہتے جتنا سنتے لکھتے جاتے۔ تذکرۃ الحفاظ ص ۱۰۶ ج ۱

صالح بن کیسان کہتے ہیں کہ میرا اور زہری کا زمانۂ طالب علمی میں ساتھ تھا۔ زہری نے مجھ سے کہا آؤ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حدیثیں لکھیں۔ چنانچہ ہم دونوں نے حدیثیں لکھیں۔ کنز العمال ص ۲۳۳ ج ۵،

حضرت عمر بن عبد العزیز نے مختلف دیار اور امصار سے احادیث کے لکھے ہوئے دفتر جمع کئے اور انھیں امام زہری کے حوالہ کیا کہ انھیں سلیقے سے مرتب کریں۔ تدریب الراوی۔

معمر کا کہنا ہے کہ امام زہری کی لکھی ہوئی احادیث کے ذخیرے کئی اونٹوں پر لادے گئے۔ امام زہری اس وقت کے اعلم علماء تھے۔ حدیث وفقہ میں ان کا کوئی مثل نہ تھا۔ تمام اجلہ محدثین اصحاب ستہ حتی کہ امام بخاری کے بھی شیخ الشیوخ ہیں۔ انھوں نے احادیث اس لگن ومحنت سے جمع کیں۔ کہ مدینہ طیبہ کے ایک ایک انصاری کے گھر جا جا کر مرد، عورت بچے، بوڑھے جو مل جاتا اس سے حتی کہ پردہ نشیں عورتوں سے بھی پوچھ پوچھ کر حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے احوال واقوال سنتے اور لکھتے۔

ان کی تصنیفات کا اتنا بڑا ذخیرہ تھا کہ جب ولید بن یزید کے قتل کے بعد روایات واحادیث کے صحائف ولید کے کتب خانے سے منتقل کئے گئے تو صرف امام زہری کی مرویات وتصانیف گھوڑوں گدھوں پر لاد کر لائی گئیں۔

امام زہری نے احادیث کے جمع کرنے کے ساتھ ان کو سند کے ساتھ بیان کرنے کا طریقہ ایجاد کیا اسی واسطے ان کو علم اسناد کا واضع کہا جاتا ہے۔

ابن شہاب زہری نے احادیث کی جمع وترتیب وتہذیب کا جو کام شروع کیا اسے انکے لائق تلامذہ ہمیشہ ترقی دیتے گئے یہاں تک کہ انھیں کے مشہور تلمیذ جلیل امام مالک بن انس متوفی ۱۷۹ھ نے موطا لکھی۔ جن میں احادیث کو فقہی ابواب کے مطابق ترتیب وار جمع کیا۔

سعد بن ابراہیم بھی بہت بڑے عالم اور محدث تھے۔ یہ مدینہ منورہ کے قاضی تھے۔ عمر بن عبد العزیز نے ان سے بھی احادیث کے دفتر لکھوائے اور تمام بلاد اسلامیہ میں بھجوائے۔

ہشام بن الغاز کا بیان ہے کہ عطا بن رباح تابعی (متوفی ۱۱۴ھ) سے لوگ حدیث پوچھ پوچھ کر انھیں کے سامنے لکھتے جاتے تھے۔ دارمی ص ۶۹،

سلمان بن موسیٰ کہتے ہیں میں نے نافع (متوفی ۱۱۷ھ) کو دیکھا کہ وہ حدیثیں بیان کرتے اور ان کے تلامذہ ان کے سامنے لکھتے جاتے۔ دارمی،

ایک شخص حضرت حسن بصری رضی اللہ تعالیٰ عنہ (متوفی ۱۱۰ھ) کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور عرض کیا میرے پاس آپ کی بیان فرمودہ کچھ حدیثیں لکھی ہوئی ہیں۔ کیا میں ان کی آپ سے روایت کرسکتا ہوں۔ انھوں نے اجازت دیدی۔ ترمذی ج۲ ص۲۳۹

حمید الطویل نے بھی حضرت حسن بصری کی کتابیں نقل کی تھیں۔ تہذیب التہذیب ج۳ ص۳۹

ابو قلابہ (متوفی ۱۰۴ھ) نے وفات کے وقت اپنی کتابیں ایوب سختیانی کو دینے کی وصیت کی تھی۔ اس وصیت کے مطابق یہ کتابیں شام سے اونٹ پر لاد کر لائی گئیں۔ ایوب نے بتایا کہ اس کا کرایہ بارہ چودہ درہم دیئے تھے۔ تذکرۃ الحفاظ ج۱ ص۸۸

ابراہیم نخعی کہتے ہیں سالم بن ابی الجزاء (متوفی ۱۰۱ھ) حدیثیں لکھا کرتے تھے۔ سالم نے بعض صحابۂ کرام سے بھی حدیثیں سنی ہیں۔ ترمذی ج۲ ص۲۳۸، دارمی ص۶۶،

تبع تابعین کے دور میں کتابت حدیث حضرات تابعین کے زمانہ میں لکھے گئے صحائف حدیث کے چند نمونے پیش کئے گئے اب اس کے بعد دور تبع تابعین کی سیر کیجئے۔ اس عہد میں اتنی کثرت سے احادیث کے صحائف لکھے گئے کہ ان سب کا استقصا بہت دشوار ہے۔

چند کے نام سنئے! محمد بن بشر کا بیان ہے کہ مسعر (متوفی ۱۵۵ھ) کے پاس ایک ہزار احادیث لکھی ہوئی تھیں دس کے سوا سب میں نے لکھ لیا۔ تذکرۃ الحفاظ ج۱ ص۱۷۱،

عبد الرزاق کہتے ہیں کہ میں نے معمر (متوفی ۱۵۳ھ) سے سن کر دس ہزار حدیثیں لکھی ہیں۔ تذکرۃ الحفاظ ج۱ ص۱۷۵،

حماد بن سلمہ کے پاس قیس بن سعد کی کتاب تھی۔ تذکرۃ ج۱ ص۱۹۸،

سفیان ثوری یمن گئے تو ایک تیز لکھنے والے کاتب کی تلاش ہوئی۔ لوگوں نے ہشام بن یوسف کو پیش کیا یہ امام ثوری کی حدیثیں لکھا کرتے تھے۔ تذکرہ ج۱ ص۲۱۶،

ابو نعیم کہتے ہیں کہ میں نے آٹھ سو مشائخ سے حدیثیں لکھی ہیں۔

شعیب بن حمزہ (متوفی ۱۶۳ھ) نے بہت زیادہ احادیث لکھیں۔ امام زہری بولتے جاتے اور شعیب لکھتے جاتے۔ امام احمد نے شعیب کی کتابیں دیکھ کر فرمایا کہ شعیب کی کتابیں بہت صحیح اور درست ہیں۔ تذکرہ ج۱ ص۲۱۰،

ابو عوانہ (متوفی ۱۶۳ھ) پڑھنا تو جانتے تھے لیکن لکھنا نہیں جانتے تھے۔ مگر جب کسی سے حدیث سنتے تو لکھوا لیتے۔ تذکرہ ج۱ ص۲۱۹

ابن لہیعہ نے حدیث کی بہت سی کتابیں لکھی تھیں۔ صالح بن کیسان کہتے ہیں۔ میں نے عمارہ بن غزیہ کی حدیثیں ابن لہیعہ

ہی کی اصل کتاب سے نقل کی تھی ۔ تذکرہ ج۱ ص۲۲

سلیمان بن بلال (متوفی ۱۷۲ھ) کی بھی کئی کتابیں تھیں۔ جن میں انھوں نے اپنی سنی ہوئی احادیث کو جمع کیا تھا۔ مرتے وقت وصیت کر گئے عبدالعزیز بن حازم کو دی جائیں ۔ تذکرہ ج۱ ص۱۴۹ ،

حضرت عبداللہ بن مبارک (متوفی ۱۸۱ھ) تلمیذ امام اعظم ابوحنیفہ نے اپنی لکھی ہوئی بیس ہزار احادیث لوگوں کو سنائیں تذکرہ ج۱ ص۲۵۴ ۔

امام غُندر (متوفی ۱۶۳ھ) کے پاس بھی اپنی مسموع احادیث کی کئی کتابیں تھیں یحیٰی بن مَعین نے کہا ان کی کتابیں سب سے زیادہ صحیح ہیں ۔ ابن مہدی نے کہا ہم حضرت شعبہ کی زندگی ہی میں غندر کی کتابوں سے فائدہ اٹھاتے تھے ۔ تذکرہ ج۱ ص۱۱۱ ،

ان شواہد سے یہ بات ثابت ہوگئی کہ محدثین کی عام عادت تھی جو سنتے تھے اسے لکھ لیتے تھے ۔ اسی دور میں باقاعدہ کتب احادیث کا سلسلہ بھی قائم ہوگیا ۔ چنانچہ مکہ معظمہ میں ابن جُریج (متوفی ۱۵۰ھ) نے ۔ بصرہ میں سعید بن ابی عروبہ (متوفی ۱۵۲ھ) نے اور ربیع بن صبیح (متوفی ۱۶۱ھ) نے یمن میں معمر بن راشد (متوفی ۱۵۳ھ) نے کتابیں لکھیں ۔ اسی عہد میں موسیٰ بن عقبہ (متوفی ۱۴۱ھ) اور محمد بن اسحٰق (متوفی ۱۵۱ھ) نے غزوات وسیر پر کتابیں لکھیں ۔

ان کے بعد امام اوزاعی (متوفی ۱۵۴ھ) نے شام میں امام ابن المبارک (متوفی ۱۸۱ھ) نے خراسان میں حماد بن سلمہ (متوفی ۱۶۷ھ) نے بصرہ میں سفیان ثوری (متوفی ۱۶۱ھ) نے کوفہ میں جریر بن عبدالحمید (متوفی ۱۸۸ھ) نے رے میں ھشیم (متوفی ۱۸۳ھ) نے واسط میں کتابیں لکھیں ۔ قریب قریب اسی دور میں امام مالک نے اپنی مشہور کتاب موطا لکھی ۔ زُرقانی نے لکھا ہے کہ امام مالک نے اپنے ہاتھ سے ایک لاکھ حدیثیں لکھیں وصال کے بعد آپ کے گھر سے بہت سے صندوق برآمد ہوئے ۔ جن میں سے سات صرف ابن شہاب کی احادیث کے تھے ۔ ابو معشر سندی (متوفی ۱۷۰ھ) نے مغازی پر ایک کتاب لکھی ۔ امام شافعی کے استاذ ، ابراہیم بن محمد اسلمی (متوفی ۱۸۴ھ) نے موطا امام کے طرز پر ایک موطا لکھی تھی ۔ ابن عدی نے کہا کہ یہ موطا امام مالک سے دگنی تھی ۔ تذکرہ ۔

امام اعظم کے تلمیذ یحیٰی بن زائدہ کوفی (متوفی ۱۸۲ھ) نے بھی احادیث کا مجموعہ تیار کیا تھا ۔ تذکرہ ج۱ ص۲۴۶ ،

عبدالرحیم بن سلمان کنانی نے بھی کئی ایک کتابیں لکھیں ۔ تہذیب ج۶ ص۳۰۶ ،

معافی بن عمران موصلی (متوفی ۱۸۶ھ) نے کتاب السنن ، کتاب الزہد ، کتاب الادب ، کتاب الفتن وغیرہ لکھیں ۔ تذکرہ ج۱ ص۲۶۵

امام ابویوسف (متوفی ۱۸۲ھ) نے کتاب الآثار ، کتاب الخراج وغیرہ تصنیف کیں ۔

امام محمد موطا ، کتاب الآثار ، کتاب الحج وغیرہ تصنیف کیں ۔

ولید بن مسلم (متوفی ۱۹۵ھ) نے مختلف ابواب پر ستر سے زائد کتابیں لکھیں۔ تذکرہ ص۲۸۴ ج۱

ابن وہب (متوفی ۱۹۷ھ) نے احوال قیامت اور جامع وغیرہ لکھیں۔ ایک ضخیم موطا بھی انھوں نے تصنیف کی تھی۔

حفظ حدیث کا شوق اور اہتمام

اس سلسلے میں سب سے پہلے یہ بات دیکھنی ہے کہ رواۃ حدیث کے ارشادات رسول اچھی طرح سننے اور کماحقہ یاد کرنے اور یاد رکھنے کی کتنی کوشش کرتے تھے۔

عہد نبوی میں حفظ احادیث خود حضور اقدس صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اس کا احساس رہتا کہ سامعین میری بات اچھی طرح سنیں۔ اور سمجھیں۔ اسی لئے ٹھہر ٹھہر کر کلام فرماتے۔ اور اہم باتوں کو تین بار دہراتے۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ انھوں نے فرمایا۔

انه كان اذا تكلم بكلمة اعادها ثلثاً حتى تفهم عنه۔ بخاری ص۲۱ ج۱ — حضور اقدس صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کچھ فرماتے تو تین بار تکرار فرماتے تاکہ اسے بخوبی سمجھ لیا جائے۔

دوسری طرف صحابہ کرام کا حال یہ تھا کہ جب مجلس اقدس میں حاضر ہوتے تو ہمہ تن گوش ہو کر اس طرح خاموش بیٹھتے گویا ان کے سروں پر پرندے بیٹھے ہیں۔

جب حضور اقدس صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اپنے ارشادات سنانے اور سننے والوں کے ذہن اور حافظہ میں بٹھانے پر اتنی توجہ تھی اور خود صحابہ کرام بھی پوری توجہ سے سنتے اور سمجھتے اور یاد رکھتے تو پھر یہ خطرہ کہ صحابہ کرام نے ارشادات رسول کماحقہ نہیں سنا یا بخوبی نہیں سمجھا یا ان کے حافظے میں نہیں آیا ساقط ہو گیا۔

صحابہ کرام نے احادیث کو اس طرح یاد رکھا تھا کہ جس ترتیب سے مختلف اشیاء کا ذکر حضور نے فرمایا ہوتا اسی ترتیب سے اپنے تلامذہ کو بھی یاد کرانے اور یاد رکھنے کی کوشش کرتے تھے۔ کسی لفظ کا رہ جانا تو بڑی بات ہے۔ اگر کسی سے تقدیم و تاخیر ہو جاتی اور وہ ترتیب بگڑ جاتی تو اس پر تنبیہ فرماتے تھے۔ مسلم[۱] میں ہے کہ ابن عمر کے سامنے کسی نے انکی روایت کردہ حدیث بنی الاسلام علی خمس کو یوں پڑھ دیا الحج وصیام رمضان یعنی حج کو صوم پر مقدم کر کے پڑھا حضرت ابن عمر نے ٹوک دیا، لا، صیام رمضان والحج۔ یوں نہیں۔ صیام رمضان پہلے اور حج بعد میں۔ اس سے ثابت ہوا کہ صحابہ کرام ارشادات

۱؎ مسلم ص۳۲ ج۱،

رسول کس اہتمام سے یاد رکھتے تھے کہ الفاظ کی تقدیم و تاخیر بھی حافظے میں محفوظ رہتی اور دوسروں کو اسی ترتیب سے یاد رکھنے کی ترغیب دیتے۔ حالانکہ اس واقعے میں الفاظ کی تقدیم و تاخیر سے معنی پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ مگر ارشادات رسول کی ترتیب بدل جاتی یہ بھی حضرت ابن عمر کو گوارا نہ ہوا۔

تو پھر اس کی کہاں گنجائش کہ وہ رسول پر جھوٹ باندھیں۔ اگر بالفرض کہیں شبہہ ہو جاتا کہ زبان وحی ترجمان سے کون سا لفظ نکلا تھا تو اس کو ظاہر کر دیتے۔ کہ یہ فرمایا تھا یا یہ۔ جس کی نظیر احادیث میں ہزاروں ہیں۔

اہل عرب کا حافظہ اس سلسلے میں صحابۂ کرام کی بات تو جانے دیجئے عام اہل عرب کو قدرت نے حافظے کی قوت اتنی دی تھی کہ حیرت ہوتی ہے۔ اس عہد اور اس سے پہلے عہد میں لغاتِ عرب، کی کوئی ڈکشنری لکھی ہوئی نہیں تھی۔ زبان کا سارا سرمایہ بدؤں کے حافظے میں محفوظ تھا۔ زبان عرب کتنی وسیع ہے اس کا اندازہ اس سے کیجئے کہ عربی زبان میں شہد کے اسّی، سانپ کے دوسو، شیر کے پانچ سو، تلوار کے ہزار نام موجود تھے۔ وغیرہ وغیرہ۔

اسی طرح اس کے برعکس متعدد معانی رکھنے والے مشترک الفاظ کے ذخائر بھی ان کے یہاں کم نہیں۔

سنئے! عَیْنٌ کے اڑتالیس ۴۸ معانی لکھنے کے بعد بھی اہل لغت نے وغیرہ وغیرہ تحریر کیا ہے۔

اسی طرح عَجُوزٌ کے ستّر اکہتر معانی معلوم ہیں۔ علیٰ ہذا القیاس۔

اب غور کیجئے جس قوم کے حافظے کا یہ حال ہو وہ اگر اپنے سب سے بڑے محسن پیشوا مقتدا رسول رب العٰلمین کی ہزارہا ہزار حدیثیں لفظ بلفظ یاد رکھیں تو اس میں کیا استبعاد ہے۔

پھر یہ لاکھوں لاکھ حدیثیں یاد کرنے والا صرف ایک شخص نہیں انھیں متفرق طور پر یاد رکھنے والے بھی ہزاروں ہزار ہیں کسی نے سو روایت کی کسی نے ہزار دو ہزار روایت کی۔ کسی نے پانچ ہزار روایت کی۔ مثلاً سب سے زیادہ کثیر الروایت حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ ہیں۔ ان کی مرویات کی تعداد صرف پانچ ہزار تین سو چوہتر ہیں[۱]۔ ان کے بعد حضرت انس رضی اللہ عنہ کا درجہ ہے۔ ان سے دو ہزار دو سو چھیاسی حدیثیں مروی ہیں[۲]۔ ان کے بعد حضرت ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ہیں۔ ان سے دو ہزار دو سو دس حدیثیں مروی ہیں[۳]۔

ایسے قوی الحافظہ افراد کا ہزار دو ہزار احادیث کا یاد رکھ لینا کون سی بڑی بات ہے۔ کیا ایسے شعرا نہیں گذرے ہیں کہ جنھیں زبانی ہزار ہا ہزار اشعار یاد ہوتے تھے۔

۱؎ عمدۃ القاری ج ۱ ص ۱۳۲۔ ۲؎ ایضاً ج ۱ ص ۱۲۱۔ ۳؎ عمدۃ القاری ج ۱ ص ۲۰۳۔

پھر یہ بھی نہیں کہ ایک دفعہ سن لیا پھر اسے یاد رکھنے کی کوشش نہیں کی یا اس پر کوئی توجہ نہ کی بلکہ صحابۂ کرام کی عادت کریمہ تھی کہ ارشادات رسول سننے کے بعد اس کی کوشش میں لگے رہتے تھے کہ سننے کے بعد بھولنے نہ پائیں سننے کے بعد اسے اچھی طرح حفظ کرتے۔ پھر بار بار اس کا دور کرتے۔ حضرت انس کا بیان ہے کہ ہم لوگ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ارشادات سنتے تھے جب حضور مجلس سے تشریف لے جاتے تو ہم لوگ آپس میں اس کا دور کرتے۔ ایک دفعہ ایک شخص کل حدیثیں بیان کرجاتا۔ سب سنتے پھر دوسرا پھر تیسرا۔ کبھی کبھی ساٹھ ساٹھ آدمی مجلس میں ہوتے اور یہ سب باری باری سناتے۔ جب ہم اٹھتے تو ہمیں حدیثیں اس طرح یاد ہوتیں گویا ہمارے دلوں میں بو دی گئی ہیں مجمع الزوائد ص ۱۶۱ ج ۱،

حضرت معاویہ اپنا چشم دید حال بیان کرتے ہیں کہ فرض نمازوں کے بعد صحابۂ کرام مسجد نبوی میں بیٹھ کر قرآن وحدیث کا مذاکرہ کرتے۔ مستدرک ص ۹۴ ج ۱،

حضرت ابوسعید خدری فرماتے ہیں کہ صحابۂ کرام کہیں بیٹھتے تو ان کی مجلس کا موضوع یا تو احادیث ہوتیں یا قرآن کا پڑھنا اور سننا ہوتا۔

اس کے باوجود کسی صاحب کا حافظہ اس بوجھ کو برداشت نہ کرتا تو خدمت اقدس میں حاضر ہو کر شکایت کرتے اور حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ان کے حافظے کو اتنا قوی بنا دیتے کہ پھر وہ کوئی بات بھول نہ پاتے۔ جیسا کہ حضرت ابوہریرہ اور حضرت انس کا واقعہ مشہور و معروف ہے۔

ظاہر ہے کہ جب انسان میں مذہبی جذبہ پیدا ہو جاتا ہے تو وہ بڑے سے بڑے حیرت انگیز محیر العقول کارنامے انجام دے لیتا ہے۔ صحابۂ کرام کی مذہبی زندگی، حضور کے ساتھ ان کی وارفتگی۔ اور دین کی نشر و اشاعت کے ساتھ کی شیفتگی، رضاء الٰہی کی طلب، اور آخرت کی سرخروئی کی تڑپ کتنی تھی۔ اس کا اندازہ آج نہیں کیا جا سکتا۔ اگر انھوں نے اس جذبہ سے متأثر ہو کر اپنے موروثی قوی حافظے میں ہزار ہا ہزار ارشادات رسول کو جمع کر لیا تو کوئی تعجب انگیز بات نہیں۔

عہد صحابہ میں حفظ حدیث کا منظر صحابۂ کرام نے جس ذوق وشوق سے احادیث کو سنا یاد کیا محفوظ رکھا، اسی ولولہ وجوش کے ساتھ پھیلایا، وہی ولولہ ذوق وشوق اپنے تلامذہ میں بھی پیدا فرما دیا تھا۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا۔ حدیثوں کا آپس میں مذاکرہ کرتے رہنا۔ دور کرتے رہنا۔ بار بار دہراتے رہنا۔ اور (ذہن میں) حاضر رکھنا۔ اگر ایسا نہ کروگے تو جاتی رہیں گی۔ دارمی، وہ یہ بھی تاکید کیا کرتے تھے۔ کہ ہر روز کچھ حدیثیں بیان کرتے رہو۔

حضرت علی اپنے اصحاب سے فرماتے۔ احادیث ایک دوسرے سے بیان کرتے رہو۔ اگر ایسا نہ کروگے تو چلی جائیں گی مستدرک ص ۹۵ ج ۱، نیز فرماتے۔ آپس میں ملتے رہو۔ احادیث کا دور کرو۔ اسے چھوڑ نہ دو۔ کنز العمال ص ۲۴۲ ج ۵،

حضرت عبداللہ بن مسعود بھی اس کی تاکید اکید کرتے رہتے۔ کہ حدیثیں ایک دوسرے سے سنتے اور ایک دوسرے کو سناتے رہو۔ اسی طرح وہ باقی رہ سکتی ہیں۔ مستدرک ص۹۵ ج ۱،

ایک دفعہ انھوں نے اپنے تلامذہ سے پوچھا کہ تم لوگ آپس میں اکٹھے بیٹھ کر احادیث سنتے سناتے ہو بھی یا نہیں۔ تلامذہ نے جواب دیا جی ہاں ہم لوگ ایسا کرتے ہیں۔ اگر ہمارا کوئی ساتھی حاضر نہ ہو تو اگر کوفے کے آخری سرے پہ ہوتا تو وہیں جاکر اس سے ملتے۔ دارمی ص۷۹،

مشہور تابعی عطاء کہتے ہیں کہ ہم لوگ حضرت جابر کی خدمت میں حدیثیں سننے کے بعد اٹھتے پھر ان کو بار بار سنتے اور سناتے انھوں نے کہا کہ ہمارے ساتھیوں میں ابو زبیر کا حافظہ سب سے اچھا تھا۔ اس لئے ان کو ہم سب سے زیادہ حدیثیں یاد تھیں مستدرک ص۹۵ ج۱

حضرت ابوسعید خدری بھی آپس میں دور احادیث کیا کرتے تھے بلکہ ان کی تاکید یہ بھی تھی۔ کہ احادیث بلفظہ یاد کی جائیں۔ دارمی مستدرک ص۹۴ ج ۱، امام زہری عشاء کی نماز کے بعد حدیث سننے سنانے کے لئے بیٹھتے تو صبح کر دیتے۔ دارمی ص۹۵۔

عہد تابعین کا حال تابعین نے احادیث یاد کرنے، یاد رکھنے زیادہ سے زیادہ پھیلانے کا جوجذبہ صحابۂ کرام سے حاصل کیا تھا۔ اسے اپنے تلامذہ میں پیدا کرنے کی ہمیشہ کوشش کرتے رہے۔ تابعین ہمیشہ اپنے تلامذہ تبع تابعین کو دور کی تاکید کرتے رہتے۔ اور ان کے تلامذہ اس پر جی جان سے عمل کرتے۔ امام زہری، علقمہ۔ عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ، سے منقول ہے کہ وہ ہمیشہ دور حدیث کی تاکید کرتے رہتے (دارمی) اس کا اثر یہ تھا کہ مشہور محدثین کے یہاں دور حدیث کی مجلس رات بھر رہتی عشاء بعد شروع ہوتی نماز صبح پر ختم ہوتی۔ دارمی ص۸۱، تہذیب ص۲۰ ج۱،

یونس کہتے ہیں کہ ہم حضرت حسن بصری کے پاس سے حدیثیں سننے کے بعد آپس میں ان کا دور کرتے۔ یہاں تک کہ اسماعیل بن رجاء کا یہ دستور تھا کہ دور کے لئے اگر کوئی نہیں ملتا۔ تو مکتب کے بچوں کو جمع کر کے ان کے آگے حدیثیں پڑھتے۔ تاکہ احادیث کی ضبط کی کوشش میں ناغہ نہ ہو۔ دارمی ص۸۰، تہذیب ص۲۹۶ ج۱،

ان شواہد سے یہ بات واضح ہوگئی کہ راویان حدیث احادیث کے محفوظ رکھنے ان کی زیادہ سے زیادہ نشر و اشاعت کے لئے کتنا اہتمام کرتے تھے۔ دنیا میں کسی فن کے حفظ وضبط، نشر واشاعت کی ایسی عظیم الشان تاریخ نہیں ملتی۔ جو احادیث کے حفظ وضبط کے ساتھ وابستہ ہے۔

عہد تبع تابعین میں چونکہ باقاعدہ تصنیف وتالیف کا سلسلہ شروع ہوگیا تھا۔ اور اس عہد کی بہت سی کتابیں آج بھی موجود ہیں۔ اس لئے ان پر تفصیلی گفتگو کی حاجت نہیں۔

روایت میں احتیاط ان سب کے باوجود ایک اور اہم بات بھی ذہن نشیں کر لینی ضروری ہے۔

کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جہاں ایک طرف اپنی احادیث سننے یاد رکھنے اور انھیں کما حقہ دوسرے تک پہونچانے کی زیادہ سے زیادہ ترغیب دی تھی مثلاً فرمایا۔

اللھم ارحم خلفائی قلنا یارسول اللہ من خلفاءک قال الذین یاتون من بعدی یروون احادیثی و یعلمونھا الناس۔[۱] نضر اللہ امرأ سمع منا حدیثا فحفظہ حتی یبلغہ غیرہ۔[۲]

اے اللہ میرے جانشینوں پر رحمت نازل فرما لوگوں نے پوچھا یا رسول اللہ آپ کے جانشین کون لوگ ہیں فرمایا وہ لوگ جو میرے بعد آئیں گے میری حدیثوں کو روایت کریں گے اور لوگوں کو اسکی تعلیم دیں گے اس شخص کو اللہ تر و تازہ رکھے جس نے میری حدیث سنی پھر اسے یاد کیا تاکہ دوسرے تک اسے پہنچائے۔

بلغوا عنی ولو آیۃ ومن کذب علی متعمداً فلیتبوأ مقعدہ من النار۔ بخاری ص۴۹۱ ج۱۔

میری ہر بات دوسروں تک پہونچاؤ اگرچہ وہ چھوٹی سی ہی کیوں نہ ہو اور جو مجھ پر بالقصد جھوٹ باندھے گا اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنائے گا۔

حدثوا عنی بما تسمعون ولا تقولوا الاحقا ومن کذب علی بنی لہ بیتا فی جھنم یرتع فیہ۔ طبرانی۔

مجھ سے جو کچھ سنو اسے بیان کرو مگر ہمیشہ سچ کہنا جو مجھ پر جھوٹ باندھے گا اس کے لئے جہنم میں گھر بنایا جائے گا جس دن وہ جائیگا۔ طبرانی۔

لئے ارشاد کا یہ اثر تھا کہ صحابہ کرام میں حدیثیں سننے اور جمع کرنے کا ایسا والہانہ جذبہ پیدا ہو گیا تھا کہ وہ جی جان سے احادیث سننے اور انھیں یاد رکھنے اوران کی اشاعت میں لگے رہتے۔ یہ جذبہ اتنا شدید تھا کہ اگر انھیں معلوم ہوتا کہ کوئی حدیث فلاں کے پاس ہے۔ تو سب کام کاج چھوڑ کر سفر کی صعوبتیں برداشت کرتے اور وہ حدیث سنتے۔

اسی بخاری کتاب العلم میں حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ واقعہ مذکور ہے کہ صرف ایک حدیث سننے کے لئے ایک مہینہ[۳] کی مسافت طے کر کے گئے۔ یہ حال حضرت جابر کا تھا۔ جو خود احادیث کے خزانہ تھے۔ ان سے ایک ہزار پانچ سو چالیس احادیث مروی ہیں۔ اس کے باوجود ان کا یہ حال تھا۔

وہیں دوسری طرف یہ فرمایا۔ میری طرف کوئی جھوٹی بات منسوب مت کرنا۔ مجھ پر جھوٹ مت باندھنا۔ جو مجھ پر جھوٹ باندھے گا وہ جہنمی ہے۔ اس کا اثر یہ تھا کہ اجلۂ صحابۂ کرام اس اندیشہ کی وجہ سے احادیث بیان کرنے سے بچتے تھے۔ کہ کہیں کوئی غلطی نہ ہو جائے۔

---

[۱] ترغیب و ترہیب ص۵۴ ج۱، [۲] ابو داؤد کتاب العلم ص۱۲۶ ج۲، ترمذی کتاب العلم ص۹۰ ج۲، [۳] عمدۃ القاری ص۶۵ ج۱۔

حواری رسول اللہ حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا۔ ارشاد اسی بخاری کتاب العلم میں مذکور ہے۔ انکے صاحبزادے حضرت عبداللہ نے عرض کیا۔ جیسے اور لوگ احادیث بیان کرتے ہیں۔ آپ کیوں نہیں بیان کرتے تو فرمایا۔ بیٹے میں ہمیشہ آنحضور کے ساتھ رہا سفر میں بھی حضر میں بھی۔ مگر چونکہ حضور نے فرمایا ہے۔

من کذب علی فلیتبوأ مقعدہ من النار[1] — جو مجھ پر جھوٹ باندھے وہ اپنا ٹھکانہ جہنم بنائے۔

مطلب یہ ہوا کہ مجھے اس کا اندیشہ ہے کہ سہواً کہیں ایسا نہ ہوجائے کہ حضور نے جو بات نہ کہی ہو وہ حضور کی طرف منسوب کردوں۔ اس لئے احتیاط کرتا ہوں۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں۔

انہ لیمنعنی ان احدثکم حدیثا کثیرا ان النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قال من تعمد علیّ کذبا فلیتبوأ مقعدہ من النار[2] — بہت زیادہ حدیثیں بیان کرنے سے مجھے یہ بات روکتی ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو مجھ پر قصداً جھوٹ باندھے اس کا ٹھکانہ جہنم ہے۔

حالانکہ یہ مکثرین حدیث میں سے ہیں۔ ان سے دو ہزار دو سو چھیاسی احادیث مروی ہیں پھر بھی یہ فرما رہے ہیں ان کا طریقہ یہ تھا۔ کہ جس حدیث کے بارے میں ذرا بھی شبہہ ہوتا۔ کہ اچھی طرح یاد نہیں اسے بیان نہیں کرتے اور فرماتے غلطی کا اندیشہ نہ ہوتا تو بیان۔ دارمی ص۲۲،

امام باقر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں۔ حضرت ابن عمر کو اس کا بہت اہتمام رہتا کہ حدیث میں ذرا بھی کوئی کمی بیشی نہ ہو۔ تذکرہ ص۳۲،

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا یہ حال تھا۔

کان ممن یتحری فی الاداء ویشدد فی الروایۃ۔ ویزجر تلامذہ عن التھاون فی ضبط الالفاظ تذکرہ ج۱ ص۱۳، — یہ ان لوگوں میں سے تھے جو حدیث بیان کرنے میں بہت احتیاط کرتے تھے۔ اور روایت میں بہت سختی برتتے اور اپنے شاگردوں کو الفاظ یاد کرنے میں سستی کرنے پر ڈانٹتے تھے۔

کان ممن یتحری سے ظاہر ہے کہ یہ عادت صرف حضرت ابن مسعود کی نہیں تھی۔ بلکہ دوسرے حضرات کی بھی تھی۔
حضرت زید بن ارقم رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب بوڑھے ہو گئے تو حدیث بیان کرنا بند کر دیا۔ اگر کوئی شخص ان سے حدیث پوچھتا

[1] بخاری ص۲۱ ج۱۔ [2] بخاری ص۲۱ ج۱،

تو فرماتے۔ اب ہم بوڑھے ہو گئے اور حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حدیث بیان کرنا بڑا مشکل کام ہے۔ (ابن ماجہ ص۴)

حضرت ابن عمر اپنے تلامذہ کو تاکید کرتے رہتے کہ جب تم حدیث بیان کرو تو پہلے تین دفعہ اسے دوہرالو۔ دارمی ص۴،

حضرت صدیق اکبر اور فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے بتاکید یہ حکم نافذ فرمایا تھا کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے وہی حدیثیں بیان کی جائیں۔ جن پر کامل یقین ہو۔

احادیث کے حفظ وضبط کے اس اہتمام اور روایت میں اس اعلیٰ درجہ کے احتیاط کے باوجود ایسا بھی ہوتا کہ اگر کوئی صحابی ایسی حدیث بیان کرتا جو مشہور و معروف نہ ہوتی تو اس کی تائید کے لئے دوسرے حضرات کو تلاش کیا جاتا اگر کوئی مل جاتا تو اسے تسلیم کیا جاتا۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد میں یہ مسئلہ۔ درپیش ہوا کہ دادی کو پوتے کی میراث سے حصہ ملے گا یا نہیں؟ ملے گا تو کتنا۔ حضرت صدیق اکبر نے صحابۂ کرام دریافت فرمایا کہ کسی کو اس بارے میں کوئی حدیث یاد ہو تو بیان کرے۔ حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دادی کو پوتے کی میراث سے چھٹا حصہ دلایا ہے۔ حضرت صدیق اکبر نے فرمایا کہ اس بات کو تمھارے سوا اور بھی کوئی جانتا ہے۔ انھوں نے بتایا محمد بن مسلم بھی یہ جانتے ہیں جب محمد بن مسلم نے آکر شہادت دی تو اس کے مطابق حضرت صدیق اکبر نے فیصلہ فرمایا[۱]

ایک بار حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت فاروق اعظم کے سامنے ایک حدیث بیان کی۔ تو حضرت فاروق اعظم نے فرمایا کہ تائید میں کوئی شاہد پیش کرو۔ حضرت ابو موسیٰ انصار کے مجمع میں گئے۔ انصار میں بہت سے حضرات کو یہ حدیث یاد تھی۔ ان میں سے ایک صاحب کو یہ ہمراہ لائے۔ حضرت عمر کے سامنے شہادت دلوائی۔ تذکرۃ الحفاظ

ایک دفعہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک حدیث بیان فرمانا شروع کیا۔ تو فرمایا کہ ڈر لگتا ہے کہ کوئی زیادتی یا کمی نہ ہو جائے۔ مگر اس حدیث کو "عمار" نے بھی سنا ہے۔ اس لئے بیان کرتا ہوں عمار کو بلوا کر ان سے پوچھ لو۔ حضرت عمار کو بلوا کر دریافت کیا گیا۔ انھوں نے اس کی تصدیق کی۔ ابو داؤد طیالسی۔

مگر چونکہ احادیث دین کی بنیاد تھیں۔ اس لئے ان کا بیان کرنا بھی ضروری تھا۔ اس لئے جن احادیث پر پختہ یقین ہوتا اسے بیان کرتے۔

حضرت ابوہریرہ نے فرمایا کہ قرآن میں یہ دو آیتیں نہ ہوتیں تو کوئی حدیث بیان نہ کرتا۔

---

[۱] مشکوٰۃ ص۲۶۳،

اِنَّ الَّذِیْنَ یَکْتُمُوْنَ مَآ اَنْزَلْنَا مِنَ الْبَیِّنٰتِ وَالْهُدٰی مِنْۢ بَعْدِ مَا بَیَّنّٰهُ لِلنَّاسِ فِی الْكِتٰبِ اُولٰٓىٕكَ یَلْعَنُهُمُ اللّٰهُ وَیَلْعَنُهُمُ اللّٰعِنُوْنَ اِلَّا الَّذِیْنَ تَابُوْا وَاَصْلَحُوْا وَبَیَّنُوْا فَاُولٰٓىٕكَ اَتُوْبُ عَلَیْهِمْ وَاَنَا التَّوَّابُ الرَّحِیْمُ ۔ بقرہ ۱۵۹ ۔ ۱۶۰ ۔

جو لوگ ہماری اتاری ہوئی روشن باتوں اور ہدایت کو چھپاتے ہیں اس کے بعد کہ ہم نے اسے لوگوں کے لئے کتاب میں واضح فرما دی، ان پر اللہ لعنت فرماتا ہے۔ اور لعنت کرنے والے لعنت کرتے ہیں۔ مگر جو توبہ کریں اور سنواریں اور بیان کریں ان کی توبہ قبول فرماؤں گا اور میں ہی بہت توبہ قبول کرنے والا مہربان ہوں

اب ان سب باتوں کو ذہن میں رکھ کر ہر عاقل فیصلہ کرے جن بزرگوں میں یہ خوف سمایا ہو کہ کوئی غلط بات رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف منسوب کرنا جہنم میں ٹھکانہ بنانے کے مرادف ہے۔ وہ کبھی بھی اس کی جرأت نہیں کر سکتے کہ جو بات حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے نہ فرمائی ہو اور یہ لوگ حضور پر جھوٹ باندھ کر یہ کہہ دیں کہ حضور نے یہ فرمایا۔ مگر چونکہ دین کی بنیاد احادیث پہ قائم ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا۔

ترکت فیکم امرین لن تضلوا ما تمسکتم بہما کتاب اللہ وسنۃ رسولہ [1]

میں نے تم میں دو چیزیں چھوڑی ہیں ان اگر دونوں کو پکڑے رہو گے تو کبھی گمراہ نہ ہو گے، کتاب اللہ اور سنت رسول۔

اس لئے دین کی بقا کے لئے احادیث کی نشر و اشاعت ضروری تھی۔ اسی بناء پر اچھی طرح یاد ہوتے ہوئے انکو چھپانا حرام بلکہ موجب لعنت ہے۔ اس لئے جن صحابہ کو جو احادیث بخوبی یاد تھیں ان کو انھوں نے بیان فرمایا۔

بخوبی اچھی طرح یاد کرنے، یاد رکھنے اور دوسروں تک پہنچانے کے ساتھ ساتھ عہد تابعین میں راویوں کی جرح تعدیل جانچ پرکھ پر محدثین کی بہت کڑی نظر تھی۔ صحابہ چونکہ باجماع امت سب کے سب عادل ثقہ ہیں۔ اس لئے ان کی ذات جرح سے بالاتر ہے۔ قرآن میں ان کے لئے فرمایا۔

وَاَلْزَمَهُمْ كَلِمَةَ التَّقْوٰی وَكَانُوْٓا اَحَقَّ بِهَا وَاَهْلَهَا [2]

اور پرہیزگاری کا کلمہ ان پر لازم فرمایا اور وہ اس کے زیادہ سزاوار اور اہل تھے۔

اور فرمایا۔

رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ [3]

اللہ ان سے راضی ہوا یہ لوگ اس سے راضی ہوئے۔

البتہ تابعین میں عادل غیر عادل سبھی ہیں۔ اس دور میں رافضی، خارجی، بلکہ معتزلی بدمذہب پیدا ہو چکے تھے اس لئے

---

[1] مشکوٰۃ ص ۳۱، [2] فتح آیت ۲۶، [3] التوبہ آیت ۱۰۰،

ضرورت ہوئی کہ راویوں پر کڑی نظر رکھی جائے۔ چنانچہ محدثین نے اس طرف توجہ کی تو راویان حدیث کے احوال پر مشتمل اسماء الرجال کا عظیم شاہکار عالم وجود میں آگیا۔ جس کے ذریعہ ہر راوی کے خدوخال آئینے کی طرح سامنے آجاتے ہیں مشہور مستشرق ڈاکٹر اسپرنگر کے بقول اس فن کی بدولت پانچ لاکھ مشہور علماء کا تذکرہ ہمیں مل جاتا ہے۔ [1]

راوی بدعقیدہ ہے تو اس کی روایت نامقبول، راوی فاسق ہے تو اس کی روایت نامقبول، راوی حدیث کے علاوہ کسی اور معاملہ میں ایک بار بھی جھوٹ بولا ہے تو اس کی روایت نامقبول اور اگر اس نے کوئی حدیث گڑھ لی ہے تو پھر اس کی روایت اتنی نامقبول کہ وہ موضوع، راوی خلاف وقار وخلاف مروت افعال کا ارتکاب کرتا ہے تو اس کی روایت نامقبول اور اگر اس کا حافظہ کمزور ہے کہ بات اچھی طرح یاد نہیں رہ سکتا تو اس کی روایت نامقبول۔ اگر کسی کی تلقین قبول کرلیتا ہے مثلاً اس نے بیان کیا کہ یہ حدیث یوں ہے کسی نے کہا یوں نہیں یوں ہے۔ اس نے مان لیا تو اس کی روایت نامقبول راوی تمام خوبیوں کا جامع ہے۔ مگر جو روایت کرتا ہے وہ ثقہ راویوں کے خلاف ہے تو اس کی روایت نامقبول۔ سب کچھ درست ہے مگر اس نے اپنی کتاب کی کماحقہ حفاظت نہیں کی تو اس کی روایت نامقبول۔ سب کچھ صحیح ہے مگر سند میں ایک راوی کا نام چھوٹ گیا ہے تو روایت نامقبول۔

دنیا میں اگر انصاف ہے تو انصاف ہی سے پوچھو کہ ان تمام پابندیوں کے بعد اور ان تمام احتیاط کے باوجود کیا اس کی گنجائش رہ سکتی ہے کہ کوئی غلط بات حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی جانب منسوب ہو جائے۔ اور وہ گرفت میں نہ آئے۔

یہی وجہ ہے کہ ناخدا ترسوں نے اپنے اغراض فاسدہ کے پیش نظر حدیثیں گڑھی ہیں۔ مگر محدثین نے پکڑلیا اور بتادیا کہ یہ موضوع ہے۔ محدثین کو اس میں اتنا ملکۂ راسخہ حاصل تھا کہ جیسے ایک ماہر صراف کھوٹے کھرے سونے چاندی پرکھ لیتا ہے۔ اسی طرح یہ حضرات صحیح حدیث کو مخدوش سے الگ کرلیتے تھے۔

ایک شخص نے بڑے فخر سے کہا کہ میں نے سیکڑوں حدیثیں گڑھ کر پھیلا دی ہیں۔ تو جواب دینے والے نے کہا۔ کوئی حرج نہیں۔ یحییٰ بن معین، اور احمد بن حنبل موجود ہیں۔ وہ چھان پھٹک کر تمہاری گڑھی ہوئی حدیث صحیح حدیث سے الگ کرلیں گے اس لئے جہاں تک عقل وانصاف اور دیانت کا تقاضہ ہے۔ یہ ماننا پڑے گا کہ آج احادیث کے جو ذخائر موجود ہیں ان میں مندرجہ جن احادیث کے بارے میں فیصلہ ہوچکا ہے کہ یہ قابل اعتبار ہیں تو وہ ازروئے عقل ونقل قابل اعتماد لائق اعتماد ہیں۔

[1] سیرت بخاری ص۲۰۔

خلاصۂ کلام

ان سب کا حاصل یہ ہوا کہ خود حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے صحابۂ کرام کو احادیث کما حقہ یاد کرنے اور دوسرے تک پہنچانے کا حکم دیا ترغیب دی۔

خود حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس طرح ارشاد فرماتے کہ حضور کی ہر بات سننے والے کے ذہن میں اچھی طرح بیٹھ جائے۔ حتی کہ اہم باتوں کو تین تین بار ارشاد فرماتے۔

صحابۂ کرام جو سنتے انھیں بلفظہٖ یاد رکھنے کی بھر پور پوری کوشش کرتے اور یہی حال بعد کے راویوں کا بھی تھا۔

صحابۂ کرام نے عہد رسالت ہی سے احادیث کو قلم بند کرنا شروع کر دیا تھا۔ اور ہر دور میں احادیث لکھ کر محفوظ رکھنے کا کام مسلسل جاری رہا۔

اور وہ احادیث بیان کرنے میں حد درجہ احتیاط کرتے تھے۔ وہی بیان کرتے۔ جن کے بارے میں اچھی طرح صحیح صحیح یاد ہونے پر اطمنان رہتا ذرا بھی شبہہ ہوتا تو ہرگز نہ بیان کرتے۔

راوی میں کوئی ایسا نقص ہوتا جس کی وجہ سے اس کی روایت مخدوش ہوتی تو اس کو بر ملا ظاہر کر دیتے تھے۔ اس بارے میں کسی کی رورعایت نہیں کرتے۔

صرف انھیں راویوں کی روایت قابلِ تسلیم ہوتیں جن میں ایسا عیب نہ ہو جس سے روایت مجروح ہو۔

ان سب پابندیوں اور احتیاط کے باوجود اگر احادیث کا ذخیرہ غیر معتبر ہے تو پھر دنیا میں کیا معتبر ہے۔ اس پر بھی غور کرنا پڑے گا۔

رہ گیا یہ کہنا کہ یہ تمام بڑے بڑے محدثین عجمی ہی کیوں ہوئے عربیوں میں ایسے کیوں نہ ہوئے میرے خیال میں اس سے زیادہ لچر پوچ بات دنیا میں کسی نے نہیں کہی ہوگی کسی بات کا صدق و کذب لائق اعتماد ہونا نہ ہونا، عجمی اور عربی ہونے پر موقوف نہیں۔ ایک عربی جھوٹا کذاب جعل ساز ہو سکتا ہے اور ایک عجمی پکا سچا راست باز دیانت دار خدا ترس ہو سکتا ہے۔ غالباً ان لوگوں کو حضرت بلال حضرت سلمان حضرت صہیب اور حضرت نجاشی پر بھی اعتراض ہوگا کہ یہ لوگ کیوں مسلمان ہوئے۔ اور غالباً ان کی مرویات پر بھی شبہہ ہوگا۔

اگر اسلام صرف اہل عرب کے لئے خاص ہوتا تو یہ سوال اپنی جگہ کچھ وزن رکھتا۔ مگر اسلام عربی، عجمی، اسود، احمر، ابیض، اسمر سب کے لئے عام ہے تو پھر محدثین کے گروہ میں عجمیوں کو دیکھ کر اچنبھا کیوں ہوتا ہے۔

یہ محدثین عجمی ہیں مگر ان تمام روایت کی بنیاد عربیوں ہی پر ہے۔ پھر آپ کو کیا اعتراض ہے اگر اعتراض ہے تو پھر اعلان کر دیجئے کہ غیر عرب کا اسلام میں کوئی حق نہیں اس کے بعد پھر آپ خود اپنا شجرۂ نسب بیان کریں۔ کہ آپ کون ہیں جب عربی

نہیں تو آپ کو احادیث پر کلام کرنے کا حق کہاں سے ملا۔ بلکہ آپ مسلمان کیسے ہیں یہ تو بقول آپ بھی عرب محفوظ ہے

مصطلحات

حدیث حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے قول و فعل حال اور تقریر کو کہتے ہیں۔ بعض حضرات اس میں تعمیم کرتے ہیں کہ صحابی اور تابعی کے اقوال وافعال احوال و تقریرات بھی، حدیث ہیں۔ لیکن عام شائع ذائع پہلا ہی محاورہ ہے۔ لفظ حدیث سے اول وہلہ میں ذہن اسی طرف جاتا ہے کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا قول یا فعل یا حال یا تقریر ہے۔

تقریر سے مراد یہ ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کسی صحابی نے کچھ کیا یا کہا۔ اور حضور نے سکوت اختیار فرمایا۔ یہ تقریر ہے۔

اثر عام طور پر صحابی یا تابعی کے قول کو کہتے ہیں۔ مگر کبھی کبھی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال وافعال کو بھی اثر کہد تے ہیں جیسے ادعیہ ماثورہ۔

خبر خبر اور حدیث اصل میں مرادف ہیں۔ مگر کچھ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ و تابعین کے اقوال وافعال ہی کو حدیث کہتے ہیں۔ اور سلاطین امراء حکام اور گذشتہ زمانے کے احوال کو خبر کہتے ہیں۔

اقسام حدیث کی تین قسمیں ہیں۔ مرفوع، موقوف، مقطوع۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے قول فعل حال اور تقریر کو مرفوع۔ اور صحابی کے قول فعل کو موقوف۔ اور تابعی کے قول فعل کو مقطوع کہتے ہیں۔

حدیث کا مرفوع ہونا کبھی صراحۃً ہوتا ہے۔ جیسے صحابی کا کہنا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا۔ یا یہ کرتے دیکھا۔ یا کسی کا یہ کہنا کہ حضور کے سامنے فلاں نے یہ کہا یا کیا اور حضور نے انکار نہیں فرمایا۔ یا کسی راوی نے یہ کہا۔ کہ فلاں نے اس کو حضور تک پہونچایا۔ یا مرفوع کیا۔

حکماً مرفوع یہ ہے کہ کوئی صحابی جو کتب سابقہ سے خبر نہ دے رہا ہو ایسی خبر جس میں عقل کو دخل نہ ہو جسے بغیر حضور سے سنے نہ جانا جا سکتا ہو مثلاً گذشتہ واقعات کی خبر دینی یا آئندہ کے حالات بتانا مثلاً قیامت کے احوال ملاحم فتن وغیرہ یا کسی فعل پر مخصوص ثواب یا عقاب کی خبر یا صحابی کا یہ کہنا کہ لوگ حضور کے زمانے میں ایسا کرتے تھے۔ یا یہ کہنا یہ سنت ہے۔

دوسری تقسیم راویوں کی کثرت اور قلت کے اعتبار سے حدیث کی چار قسمیں ہیں۔ متواتر، مشہور، عزیز، واحد،

حدیث متواتر وہ حدیث ہے جسکے راوی ہر دور میں اتنے زیادہ ہوں کہ ان سب کا جھوٹ پر متفق ہونا محال عادی ہو۔

مشہور وہ حدیث ہے جس کے راوی ہر قرن میں دو سے زائد ہوں۔

عزیز وہ حدیث ہے جس کے راوی ہر طبقے میں دو ہوں۔

غریب وہ حدیث ہے جس کے راوی کسی دور میں ۔یا ہر دور میں صرف ایک ہوں، عزیز غریب کو خبر واحد بھی کہتے ہیں۔راویوں کے احوال کے اعتبار سے حدیث کی چار قسمیں ہیں۔

صحیح لذاتہ وہ حدیث ہے جس کے تمام راوی عادل تام الضبط ہوں اور اس کی سند متصل ہو۔شذوذ و نکارت وجملہ عیوب سے خالی ہو۔

صحیح لغیرہ جس کے اندر صحت کے شرائط میں کچھ کمی ہو اور کثرت طرق سے اس کی تلافی ہو گئی ہو۔

حسن لذاتہ جس کے ضبط میں کچھ کمی ہو بقیہ صحت کے تمام شرائط پائے جاتے ہوں اور اس کی تلافی نہ ہوئی ہو۔

حسن لغیرہ وہ حدیث ضعیف ہے جس کی کثرت طرق سے تلافی ہو گئی ہو۔

حدیث ضعیف وہ حدیث ہے جس میں صحت کے تمام شرائط یا بعض نہ پائے جاتے ہوں اور اس کی تلافی بھی نہ ہوئی ہو۔اس کی چار قسمیں ہیں۔

اول ضعیف بضعف قریب یعنی ضعف اتنا کم ہے کہ اعتبار کے لائق ہے مثلاً یہ ضعف، اختلاط راوی۔سوئے حفظ۔ تدلیس کی وجہ سے ہے۔یہ متابعات و شواہد کے کام آتی ہے۔اور جابر سے قوت پاکر حسن لغیرہ بلکہ صحیح لغیرہ ہو جاتی ہے۔

دوم ضعیف بہ ضعف قوی و وہن شدید۔ جیسے وہ حدیث جو راوی کے فسق وغیرہ قوادح قویہ کے سبب متروک ہو بشرطیکہ ہنوز سرحد کذب سے جدائی ہو۔یہ احکام میں لائق احتجاج نہیں۔البتہ مذہب راجح پر فضائل میں مقبول۔ہاں تعدد مخارج و تنوع طرق سے انجبار کے بعد بالاتفاق مقبول۔

سوم وہ جس کا راوی وضاع کذاب یا متہم بالکذب ہو۔یہ حدیث ضعیف کی بد ترین قسم ہے۔بلکہ بعض محاورات کی بنا پر مطلقاً۔اور ایک اصطلاح پر اگر اس کا مدار کذاب پر ہو تو اسے بھی موضوع کہتے ہیں۔بنظر دقیق ان اصطلاحات پر یہ قسم موضوع حکمی میں داخل۔

چہارم موضوع۔یہ بالاجماع نہ قابل انجبار نہ کہیں لائق اعتبار حتی کہ فضائل میں بھی۔ بلکہ اسے حدیث کہنا بطور مجاز ہے۔ حقیقت میں یہ حدیث ہی نہیں۔

حدیث موضوع کسی حدیث کے موضوع ہونے کا ثبوت پندرہ طریقوں سے ہوتا ہے۔

اس کا مضمون قرآن عظیم یا سنت متواترہ، یا اجماع قطعی، قطعی الدلالت یا عقل صریح یا حس صریح یا تاریخ یقینی کے ایسا مخالف ہو کہ تاویل و تطبیق کا کوئی احتمال نہ رہے۔

(۷) یا اس کا معنی ایسا شنیع و قبیح ہو جس کا صدور حضور پر نور صلوات اللہ تعالیٰ علیہ سے معقول نہ ہو۔ جیسے کسی فساد یا ظلم یا عبث یا بیہودنی یا مدح باطل یا ذم حق پر مشتمل ہو۔

(۸) یا اتنی بڑی جماعت جس کا عدد حد تواتر تک پہنچا ہو اور ان میں جھوٹ کا یا ایک دوسرے کی تقلید کا احتمال نہ رہے۔ اس کے کذب و بطلان کی گواہی مستنداً الی الحس دے۔

(۹) یا خبر کسی ایسی چیز کی ہو کہ اگر وہ واقع ہوتی تو اس کی نقل و روایت مشہور و مستفیض ہو جاتی مگر اس روایت کے سوا اس کا کہیں پتہ نہیں۔

(۱۰) یا کسی حقیر فعل کی مدحت اور اس پر وعدہ و بشارت، یا صغیر امر کی مذمت اور اس پر وعید و تہدید میں ایسے لمبے چوڑے مبالغے ہوں جنھیں کلام معجز نظام نبوت سے مشابہت نہ رہے۔

(۱۱) یا اس کے الفاظ رکیک و سخیف ہوں جنھیں سمع دفع اور طبع منع کرے اور ناقل اُس کا مدعی ہو کہ یہ الفاظ بعینہا حضور افصح العرب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ہیں یا وہ محل ہی نقل بالمعنی کا نہ ہو۔

(۱۲) یا ناقل رافضی، حضرات اہل بیت کرام علی سیدہم وعلیہم الصلاۃ والسلام کے فضائل میں وہ باتیں روایت کرے جو ان کے غیر سے ثابت نہ ہوں۔ جیسے لحمک لحمی و دمک دمی یوہیں امیر معاویہ و عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے وہ مناقب جو صرف نواصب کی روایت سے آئیں۔ روافض نے مناقب امیر المومنین حضرت علی و اہل بیت طاہرین رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں تین لاکھ کے قریب حدیثیں وضع کی ہیں۔ اسی طرح نواصب نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مناقب میں حدیثیں گڑھی ہیں۔

(۱۳) یا قرائن حالیہ گواہی دے رہے ہیں کہ یہ روایت اس شخص نے کسی طمع یا غضب وغیرہما کے باعث ابھی گڑھ کر پیش کر دی ہے۔

(۱۴) یا تمام کتب و تصانیف اسلامیہ میں استقرار تام کیا جائے اور اس کا کہیں پتہ نہ چلے۔ یہ کام صرف اجلۂ حفاظ ائمۂ ذی شان کا تھا جس کی لیاقت صدہا سال سے معدوم۔

(۱۵) یا راوی خود اقرار وضع کر دے خواہ صراحۃً خواہ ایسی بات کہے جو بمنزلۂ اقرار ہو۔ مثلاً ایک شیخ سے بلاواسطہ بدعوئے سماع روایت کرے پھر اس کی تاریخ وفات وہ بتائے کہ اس کا اس سے سننا معقول نہ ہو۔

افادہ جو حدیث ان پندرہ سے خالی ہو اس پر حکم وضع کی رخصت کس حال میں ہے اس باب میں کلمات علما تین طرز پر ہیں

اول انکار محض یعنی بے امور مذکورہ کہ اصلاً حکم وضع کی راہ نہیں۔ اگرچہ راوی وضاع کذاب ہی پر مدار ہو۔ امام سخاوی نے

فتح المغیث میں اسی پر جزم فرمایا لکھتے ہیں۔

مجرد تفرد الکذاب بل الوضاع ولو کان بعد الاستقصاء فی التفتیش من حافظ متبحر تام الاستقراء غیر مستلزم لذالك بل لابد معه من انضمام شیئ مما سیاتی۔

اگر کوئی حافظ جلیل القدر کہ علم حدیث میں دریا اور اس کی تلاش کامل ومحیط ہو تفتیش حدیث میں استقصاء تام کرے اور با ایں ہمہ حدیث کا پتہ ایک کذاب بلکہ وضاع کی روایت کے علاوہ کہیں نہ ملے تاہم اس سے حدیث کا موضوع ہونا لازم نہیں آتا جب تک امور مذکورہ سے کوئی امر اس میں موجود نہ ہو۔

دوم وضاع کذاب پر تفرد ہو ایسا وضاع کذاب جس سے عمداً نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر معاذ اللہ بہتان وافترا کرنا ثابت ہو۔ وہ بھی بطریق ظن نہ بر وجہ یقین، اس لئے کہ پکا جھوٹا بھی کبھی سچ بولتا ہے اور اگر قصداً افترا اس سے ثابت نہیں تو اسکی حدیث موضوع نہیں اگرچہ متہم بکذب ہو۔ یہ علامہ ابن حجر وغیرہ علماء کا مسلک ہے۔ نخبہ ونزہہ میں ہے۔

الطعن اما ان یکون بکذب الراوی بان یروی عنه مالم یقله صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم متعمدا لذالك او تهمته بذالك الاول هو الموضوع والحکم علیه بالوضع انما هو بطریق الظن الغالب لا بالقطع اذ قد یصدق الکذوب. والثانی هو المتروك۔

حدیث میں طعن کبھی راوی کے کذب کے ساتھ ہوتا ہے۔ اس طرح کہ اس سے وہ بات مروی ہو جو رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے نہ کہی ہو۔ اور کبھی، تہمت کذب کی وجہ سے ہوتا ہے پہلی قسم موضوع ہے کسی حدیث کے موضوع ہونے کا حکم بطریق ظن ہوتا ہے نہ بر وجہ یقین۔ اس لئے کہ پکا جھوٹا بھی کبھی سچ بولتا ہے۔ دوسری قسم کو "متروک" کہتے ہیں۔

سوم بہت سے علماء جب حدیث پر حکم وضع اٹھاتے ہیں اس کی وجہ میں فرماتے ہیں یہ کیونکر موضوع ہو سکتی ہے حالانکہ اس کا کوئی راوی نہ کذاب ہے نہ متہم بالکذب کبھی فرماتے ہیں موضوع تو جب ہوتی کہ اس کا راوی متہم بالکذب ہوتا یہاں ایسا نہیں تو موضوع نہیں [1]

اس سے متبادر ہوتا ہے کہ اگر راوی متہم بالکذب ہو تو موضوع ہونے کا حکم لگایا جا سکتا ہے جو حدیث ان اٹھارہ عیوب سے پاک ہو اس کے بارے میں اجماع ہے کہ وہ موضوع نہیں۔

شرائط راوی عادل ہونا۔ عادل ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اس کو تقویٰ کی پابندی اور خلاف مروت حرکات سے بچنے کا ملکہ ہو

[1] حدیث ضعیف سے لیکر یہاں تک سب فتاویٰ رضویہ حصہ دوم رسالہ منیر العین سے لیا گیا ہے۔

تقویٰ سے مراد یہ ہے کہ شرک، کفر، فسق، بدعت سے بچتا رہے۔ گناہ صغیرہ سے بچنا عدالت کی شرط نہیں۔ البتہ صغیرہ پر اصرار سے بچنا ضروری ہے اس لئے کہ صغیرہ پر اصرار کبیرہ ہے۔

مروت سے مراد ایسے خسیس و رذیل کاموں سے بچے جو اگرچہ مباح ہیں مگر وہ وقار کے خلاف سمجھے جاتے ہیں جیسے بازاروں میں کھانا۔ صرف تہبند باندھ کر گھومنا۔

ضبط حدیث۔ یعنی حدیث کو محفوظ رکھنا۔ اس میں کمی بیشی اور کوئی خلل نہ ہونے دینا اس طرح کہ بوقت ضرورت بلاتردد بیان کر سکے۔ اس کی دو قسمیں ہیں۔ ضبط صدر۔ ضبط کتاب۔

ضبط صدر:۔ یہ ہے کہ حدیث کو اس طرح یاد رکھے کہ جب چاہے اس کو بعینہٖ بیان کر سکے۔

ضبط کتاب:۔ یہ ہے کہ جس کتاب میں حدیث لکھی ہے اس کو پورے طور سے محفوظ رکھے کہ اس میں کوئی تغیر و تبدل نہ ہونے پائے۔

اتصال سند راوی سے لے کر حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تک کوئی راوی چھوٹا نہ ہو۔

اسباب طعن دس ہیں۔ پانچ راوی کی عدالت سے متعلق ہیں اور پانچ ضبط سے۔ عدالت سے متعلق پانچ طعن یہ ہیں۔ کذب اتہام بکذب، فسق، جہالت یعنی گمنام ہونا، بدعت۔

کذب یہ ہے کہ اس راوی کے بارے میں یہ ثابت ہو جائے کہ اس نے بالقصد حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر بہتان و افترا کیا ہے۔ اگر کسی شخص کے بارے میں یہ ثابت ہو جائے کہ اس نے ایک بار بھی قصداً حدیث گڑھی ہے تو مدۃ العمر اس کی حدیث مقبول نہ ہوگی اگرچہ توبہ کرے۔ بربنائے مذہب مشہور ایسے راوی کی حدیث کو موضوع کہتے ہیں۔

اتہام بکذب یہ ہے کہ اگرچہ حدیث میں اس کا جھوٹ ثابت نہیں مگر وہ اور باتوں میں جھوٹا مشہور و معروف ہو۔ ایسے راوی کی حدیث کو متروک کہتے ہیں۔ ایسا شخص اگر جھوٹ بولنے سے توبہ کرے اور سچے ہونے کی عادت ڈال لے اور یہ ثابت ہو جائے کہ اب جھوٹ نہیں بولتا تو اس وقت اس کی روایت مقبول ہے۔

فسق سے فسق عملی مراد ہے یعنی گناہوں سے بچے۔ جھوٹ بھی گناہ ہی ہے۔ مگر حدیث کے معاملے میں یہ طعن دیگر مطاعن سے سخت ہے۔ اس لئے اس کو عام گناہوں سے علیحدہ مستقل طعن کی قسم بنایا گیا۔

جہالت یہ کہ کسی راوی کا نام نہ مذکور ہو جیسے کوئی یوں کہے مجھ سے ایک شخص نے حدیث بیان کی۔ اس سے طعن کی وجہ یہ ہے کہ جب راوی کا نام ہی معلوم نہیں تو یہ پتہ بھی نہ چل سکے گا کہ یہ عادل ہے یا غیر عادل۔ اسکی روایت قابل قبول ہے یا نہیں۔ ایسی حدیث کو مبہم کہتے ہیں۔ حدیث مبہم کے مقبول و غیر مقبول ہونے میں تفصیل ہے۔

اگر یہ ابہام صحابی میں ہے مثلاً تابعی نے کہا مجھ سے ایک صحابی نے حدیث بیان کی تو یہ بالاتفاق مقبول ہے۔ غیر صحابی میں اگر

ہے اور راوی کی عدالت وثقہ ہونے کی صراحت نہیں تو غیر مقبول ۔ جیسے کسی نے کہا ایک شخص یا شیخ نے حدیث بیان کی ۔ اور اگر صفت تعدیل و توثیق کے ساتھ ہے تو بھی عند التحقیق نامقبول ۔ ہاں اگر یہ ابہام کسی مسلم الثبوت امام حاذق کا ہے تو مقبول ہے ۔

بدعت سے مراد یہ ہے کہ جو بات دین میں مشہور و معروف ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور صحابہ کرام سے ثابت ہو اس کے خلاف اعتقاد رکھنا ۔ جب کہ کسی شبہہ اور تاویل کی بنا پر نہ ہو ۔ اور اگر یہ اعتقاد ضروریات دین کے خلاف ازراہ عناد ہو تو کفر ہے ۔ مبتدع ، بدعتی کی روایت کے مقبول و مردود ہونے میں تفصیل ہے ۔ اگر اس کی بد مذہبی حد کفر تک پہونچی ہو تو بالاتفاق مردود ۔ اور اگر حد کفر تک نہیں پہونچی ہے تو اگر اس کی یہ روایت بدعت کی طرف داعی یا اس کی مُروِج یا مُؤید ہے تو قطعاً مردود ۔ اور اگر ایسی نہیں تو بھی محتاطین کا یہی طریقہ ہے کہ مبتدعین کی حدیث نہیں قبول کرتے کبھی کبھی اس غامض طریقے سے بد مذہبی داخل کر دیتے ہیں کہ اس کی تہ تک پہونچنا بہت مشکل ہو جاتا ہے ۔

ضبط سے متعلق پانچ طعن یہ ہیں ۔ کثرت غلط ، فرط غفلت ۔ مخالفت ثقات ، وہم ، سوئے حفظ ،

کثرت غلط کے معنی ظاہر ہیں ۔

فرط غفلت کا مطلب یہ ہے کہ دوسرے کی تلقین قبول کرے یعنی دوسرا جو بتا دے کہ تو نے یہ سنا ہوگا وہی مان لے ۔

مخالفت ثقات حدیث کی سند یا متن ثقہ رُواۃ کے خلاف ہو ۔ ایسی حدیث کو شاذ کہتے ہیں ۔

وہم حدیث کے یاد ہونے کا ظن غالب نہیں پھر بھی بیان کر دیا ۔ اگر راوی کی اس حرکت پر قرائن سے اطلاع ہو جائے تو وہ حدیث معلّل ہے ۔ یہ صنف بہت دقیق اور مشکل ہے یہاں تک کہ علماء نے فرمایا دار قطنی کے بعد کوئی ان جیسا نہیں پیدا ہوا جو حدیث کے علل قادحہ کے پہچاننے کا ان جیسا ماہر ہو ۔

سوء حفظ سے یہاں مراد یہ ہے کہ راوی کو نسیان کا عارضہ ہو اور اس حد تک کہ اس کی غلطی صواب پر زائد یا برابر ہو اور اگر اس کا صواب خطاء سے زائد ہے تو اس کی روایت مقبول ہے ۔ اس لئے کہ خطاء و نسیان سے بالکلیہ کون منزہ رہا ۔ حتی کہ امام بخاری و امام مسلم بھی ۔ سوء حفظ کا عارضہ اگر مدۃ العمر رہا تو اس کی روایت معتبر نہیں ۔ بعض محدثین نے اسے بھی شاذ مانا ۔ اور اگر اخیر عمر میں اس کا یہ عارضہ کسی وجہ سے مثلاً بیماری یا کبر سنی یا ضعف بصارت یا زوال بصارت یا کتابوں کے ضائع ہونے کی وجہ سے عارض ہو گیا تو ایسی حدیث کو مُختلط کہتے ہیں ۔ ایسے راوی کی ایسی احادیث جو سوء حفظ عارض ہونے سے پہلے روایت کی ہیں اور یہ معلوم ہو تو مقبول ہیں ۔ اور زمانہ نسیان کی معتبر نہیں ۔ ہاں تعدد طرق و متابعات و شواہد سے تقویت کے بعد مقبول ہیں ۔

یہ کل دس وجوہ طعن ہوئے ۔ ان کی قوت و شدت کے اعتبار سے یہ ترتیب ہے کذب ، تہمت کذب ، کثرت غلط ،

فرط غفلت، فسق، وہم، مخالفت ثقات، جہالت، بدعت، سوء حفظ، [1]

مزید اصطلاحات

سند و اسناد طریق حدیث کو کہتے ہیں یعنی وہ راوی جنھوں نے یہ حدیث روایت کی ہے اور سند کے ذکر کو اسناد کہتے ہیں۔

مسند اس حدیث کو کہتے ہیں جو مرفوع ہو اور جس کی سند متصل ہو۔ یہی عام اصطلاح ہے۔ بعض محدثین ہر حدیث متصل کو "مسند" کہتے ہیں۔ اگرچہ وہ موقوف یا مقطوع ہو۔ بعض محدثین ہر حدیث مرفوع کو "مسند" کہتے ہیں۔ اگرچہ وہ مرسل یا منقطع یا معضل ہو۔

متن جہاں سند ختم ہوتی ہے اسے متن کہتے ہیں یعنی وہ قول یا فعل یا واقعہ جو روایت کیا گیا۔

متصل و اتصال متصل وہ حدیث ہے جس کی روایت میں کوئی راوی چھوٹا نہ ہو اور یہ عمل "اتصال" ہے۔

تعلیق و مُعلّق ابتدائے سند سے اگر راوی ساقط ہو تو اس حدیث کو مُعلّق کہتے ہیں خواہ تمام راوی ساقط ہوں یا ایک دو۔ اور اس فعل کو تعلیق کہتے ہیں۔

امام بخاری کے ابواب میں تعلیقات بکثرت ہیں۔ یہ سب حدیث متصل کے حکم میں ہیں۔ اس لئے کہ انھوں نے اس کا التزام کیا ہے کہ اس کتاب میں صرف احادیث صحیحہ ذکر کریں گے لیکن یہ ان کی احادیث مسندہ کے حکم میں نہیں۔ بعض تعلیقات کو انھوں نے اس کتاب میں دوسری جگہ مسند ذکر کر دی ہیں۔ وہ بہر حال احادیث مسندہ کے مرتبے میں ہیں لیکن صحیح یہ ہے کہ جن تعلیقات کو جزم و یقین کے کلمات کے ساتھ ذکر کیا ہے وہ اکثر صحیح ہیں۔ مثلاً یہ ذکر کیا کہ فلاں نے کہا۔ اور جنھیں شک و ضعف کے کلمات سے ذکر کیا مثلاً یوں بیان کیا گیا۔ کہا گیا۔ روایت کیا گیا۔ ان کی صحت میں کلام ہے۔ اگرچہ بعض ان میں بھی صحیح ہیں۔ بایں ہمہ جب انھوں نے اپنی صحیح میں ذکر فرمایا تو وہ بالکل بے اصل بھی نہیں مانی جائیں گی۔ ضرور ان کے علم میں ان کی کچھ اصل ہو گی۔

تفصیل یہ ہے کہ امام بخاری کی تعلیقات کی مندرجہ ذیل قسمیں ہیں۔

(۱) وہ تعلیقات جنھیں خود امام بخاری نے اپنی اسی کتاب میں کسی جگہ سند متصل کے ساتھ ذکر کیا ہے۔ خواہ انھیں صیغۂ جزم کے ساتھ ذکر کیا ہو خواہ صیغۂ تمریض کے ساتھ۔ صیغۂ جزم کی بکثرت مثالیں ہیں۔ صیغۂ تمریض کی مثال یہ ہے۔ کتاب الطب میں ہے

---

[1] نخبۃ الفکر۔

باب الرقی بفاتحۃ الکتاب ویذکر عن ابن عباس عن النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم [۱]

(۲) وہ تعلیقات جنھیں امام بخاری نے اپنی کتاب میں کہیں سند متصل کے ساتھ نہیں ذکر کیا۔ اور اسے صیغۂ جزم کے ساتھ ذکر کیا۔ مگر وہ کسی اور محدث کی شرط پر صحیح ہے جیسے وقالت عائشۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کان النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یذکر اللہ علی کل احیانہ [۲] یہ حدیث امام مسلم کی شرط پر صحیح ہے۔

(۳) ایسی تعلیق جو حسن ہو۔ جیسے قال بھز بن حکیم عن ابیہ عن جدہ اللہ احق ان یستحی منہ من الناس کتاب الطہارت [۳]

(۴) ایسی تعلیق جو ضعیف ہو۔ جیسے قال طاؤس قال معاذ بن جبل لاھل الیمن ایتونی بعرض ثیاب خمیص اولبیس فی الصدقہ مکان الشعیر والذرۃ اھون علیکم وخیر لاصحاب النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بالمدینۃ [۴] اس تعلیق کی سند طاؤس تک صحیح اور متصل ہے۔ مگر طاؤس کا حضرت معاذ سے سماع ثابت نہیں۔ اس لئے معمولی ضعف کے ساتھ ضعیف ہے۔

(۵) وہ تعلیقات جنھیں صیغۂ تمریض سے ذکر کیا۔ مگر وہ کسی اور محدث کی شرط پر صحیح ہیں۔ جیسے یہ تعلیق ویذکر عن عبداللہ بن السائب قرء النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم المومنون فی الصبح حتی اذا جاء ذکر موسیٰ وھارون او ذکر عیسیٰ اخذتہ سلعۃ [۵] اس تعلیق کو امام مسلم نے اپنی صحیح میں سند متصل کے ساتھ ذکر کیا ہے [۶]

(۶) ایسی تعلیق جو حسن ہو جیسے ویذکر عن عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قال اذا بعت فکل واذا ابتعت فاکتل [۷] اسے دارقطنی اور ابن ماجہ اور بزار نے روایت کیا۔ اور یہ حسن ہے۔

(۷) ایسی تعلیق، جو معمولی ضعف سے ضعیف ہو مگر معمول بہ ہو۔ جیسے ویذکر عن النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم انہ قضی الدین قبل الوصیۃ [۸] کتاب الوصایا۔ اسے امام ترمذی نے سند متصل کے ساتھ ذکر کیا ہے [۹]۔ مگر اس کا ایک راوی ضعیف ہے۔ مگر اہل علم کے عمل سے قوی ہو گئی۔

(۸) ایسی تعلیق جو ضعف شدید کے ساتھ ضعیف ہو۔ اور معمول بہا ہو۔ جیسے یہ تعلیق ویذکر عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ رفعہ لایتطوع الامام فی مکانہ، کتاب الصلوٰۃ [۱۰]۔ اسے ابو داؤد نے اپنی سنن میں روایت کیا مگر اس میں

---

[۱] بخاری ج ۲ ص ۸۵۴، [۲] بخاری ج ۱ ص ۴۵، [۳] بخاری ص ۴۲/۱۲، [۴] بخاری ج ۱ ص ۱۹۴، [۵] بخاری ج ۱ ص ۱۰۶، [۶] مسلم ج ۱ ص ۱۸۶، [۷] بخاری ج ۱ ص ۲۸۵، [۸] بخاری ج ۱ ص ۳۸۴، [۹] ترمذی ج ۲ ص ۲، [۱۰] بخاری ج ۱ ص ۱۱۷۔

دوسرا ضعف ہے اس کا ایک راوی، لیث ہے یہ ضعیف ہے اور اس کے شیخ الشیخ مجہول ہیں۔ مگر اس پر بھی اہل علم کا عمل ہے اس لئے یہ بھی قوی ہوگئی۔ حکم یہ ہے کہ امام وہیں نفل نہ پڑھے جہاں فرض پڑھا ہے۔ بہتر یہ ہے کہ گھر آکے پڑھے اگر مسجد ہی میں پڑھنا چاہتا ہے تو دائیں بائیں ہٹ کر پڑھے۔

مرسل وارسال اگر سند میں راوی کا سقوط آخر سند سے ہو تو اسے حدیث مرسل کہتے ہیں اور اس فعل کو ارسال جیسے کوئی تابعی کہے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا جمہور وامام اعظم اور امام مالک کے نزدیک ثقہ کی حدیث مرسل حجت ہے۔ اس لئے کہ راوی کو اپنے شیخ کے ثقہ ہونے پر اعتماد کلی نہ ہوتا تو ارسال نہ کرتا۔

منقطع وانقطاع وہ حدیث ہے جس کے درمیان سند میں کچھ راوی چھوٹ گئے ہوں۔ خواہ ایک خواہ متعدد، مگر متعدد مسلسل نہ چھوٹے ہوں۔ متفرق جگہوں سے چھوٹے ہوں تو اس حدیث کو منقطع کہتے ہیں۔ اور یہ فعل انقطاع ہے۔

معضل اگر درمیان سند میں مسلسل دو راوی چھوٹے ہوں تو وہ حدیث معضل کہلاتی ہے۔

فائدہ کبھی منقطع بول کر محدثین، غیر متصل مراد لیتے ہیں۔ اس معنی کے اعتبار سے منقطع مذکورہ بالا غیر متصل کے تمام اقسام کو شامل ہوگی۔ جس میں مرسل بھی داخل ہے۔

مدلس وتدلیس تدلیس کے لغوی معنی بیچتے وقت سامان کے عیب کو چھپانا ہے اس کا مادہ دَلَس ہے جس کے معنی فریب اور دھوکہ دینے کے ہیں۔ محدثین کی اصطلاح میں تدلیس اسے کہتے ہیں کہ راوی نے جس سے حدیث سنی ہے۔ اس کا نام نہ لے بلکہ اس سے اوپر کے راوی کا نام لے اور لفظ ایسا استعمال کرے جس سے سماع سمجھا جاسکتا ہو اور یہ یقین نہ ہو کہ یہ راوی جھوٹ بول رہا ہے۔ جیسے یوں کہے۔ فلاں سے روایت ہے۔ یا فلاں نے کہا۔ ایسی حدیث کو مدلَّس اور ایسے راوی کو مدلِّس کہتے ہیں۔ اور اس فعل کو تدلیس۔

حدیث مدلس کے مقبول و نامقبول ہونے کے سلسلے میں جمہور کا مذہب یہ ہے کہ جس محدث کی یہ عادت ہو کہ وہ صرف ثقات سے ہی تدلیس کرتا ہے۔ اس کی حدیث مقبول ہے۔ جیسے سفیان بن عیینہ اور اگر اس کی عادت یہ ہے کہ ثقہ وغیر ثقہ سب سے تدلیس کرتا ہے تو اس کی روایت نامقبول جب تک کہ اس کی روایت ایسے لفظ سے نہ کہے جو سماع پر قطعی دلالت کرے۔

مضطرب واضطراب اگر حدیث کے متن یا اسناد میں راویوں کا باہم، کمی یا زیادتی، تقدم و تاخر، تبدیل و تغیر یا تصحیف اختصار، حذف وغیرہ کی وجہ سے اختلاف ہوجائے تو یہ حدیث مضطرب کہلاتی ہے۔ اور یہ فعل اضطراب کہلاتا ہے۔ حدیث مضطرب کے اختلاف میں تطبیق ممکن ہو تو وہ مقبول ہے۔ ورنہ اس کے بارے میں توقف کیا جائے گا۔

مُدرَج اگر راوی متن میں اپنا یا کسی اور کا مثلاً صحابی یا تابعی کا کوئی کلام کسی فائدہ کے لئے ذکر کر دے مثلاً لفظ کا معنیٰ

بیان کرنے یا تفسیر کرنے یا مطلق کو مقید کرنے کے لئے ہو تو یہ حدیث مدرج ہے اور یہ فعل ادراج۔

معنعن وہ حدیث ہے جس کی سند لفظ عن فلان عن فلان سے ذکر کی جائے۔ اور اس فعل کو "عَنْعَنَہ" کہتے ہیں۔ مدلس کی حدیث معنعن مقبول نہیں۔ مگر جب کہ یہ معلوم ہو کہ یہ صرف ثقات ہی سے تدلیس کرتا ہے۔

حدیث معنعن کے مقبول ہونے کے لئے امام بخاری نے یہ شرط کی ہے۔ کہ تلمیذ و شیخ دونوں کی ملاقات کا ثبوت کسی اور طریقے سے ہو۔ کچھ لوگوں نے ملاقات کے علاوہ یہ بھی شرط کی ہے کہ یہ بھی ثابت ہو کہ راوی نے اس شیخ سے حدیث اخذ کی ہے۔ مگر امام مسلم نے ان دونوں سے اختلاف کیا اور مقدمہ مسلم میں دلائل سے ثابت کیا کہ نہ اخذ کے ثبوت کی ضرورت ہے نہ لقاء کی۔ صرف معاصرت کافی ہے۔ اس لئے کہ جب معاصرت ثابت ہے اور راوی ثقہ غیر مدلس ہے۔ اور یہ کہہ دیا ہے کہ فلاں سے روایت ہے تو یہ لقاء اور اخذ دونوں کا ثبوت ہے۔

شاذ و محفوظ کوئی ثقہ ثقات کے خلاف روایت کرے۔ اگر ان میں سے کسی کو ترجیح دی گئی ہو تو راجح کو "محفوظ" اور مرجوح کو شاذ کہتے ہیں۔

منکر و معروف اگر کوئی ضعیف راوی اپنے سے بھی اضعف کے خلاف روایت کرے تو اضعف کی روایت "منکر" اور ضعیف کی روایت کو معروف کہتے ہیں۔

بعض محدثین نے شاذ و منکر میں دوسرے راوی کی مخالفت کی قید نہیں لگائی۔ بلکہ یہ کہا کہ شاذ وہ حدیث ہے جس کو تنہا کوئی ثقہ روایت کرے۔ اور اس کے موافق یا معاضد کوئی روایت نہ ہو۔ بعض نے ثقہ کی بھی قید نہیں لگائی مطلقاً تفرد کی بنا پر شاذ کا حکم لگایا۔ اسی طرح منکر میں بھی مخالفت کی قید بعض حضرات کے یہاں معتبر نہیں۔ حدیث میں اگر فسق یا فرط غفلت و کثرت غلط کی وجہ سے طعن ہو تو اسے بھی منکر کہتے ہیں۔

مُعَلَّل جس کی اسناد میں کچھ خفی، دقیق ایسے عیوب ہوں جو اس کی صحت میں خلل انداز ہوں۔ جن پر کوئی بہت ہی متبحر، ماہر حاذق، ناقد محدث ہی مطلع ہوتا ہے۔ جیسے سند متصل بیان ہوئی مگر حقیقت میں وہ منقطع ہے۔ حدیث کو مرفوع بتایا گیا مگر وہ حقیقت میں موقوف ہے۔

متابعت دو یا چند راویوں کا کسی حدیث کو ایک دوسرے کے موافق ذکر کرنا۔ ان میں اصل کو متابَع اور دوسری کو متابِع کہتے ہیں۔ اصل سے مراد یہ ہے کہ مثلاً کسی محدث نے کوئی حدیث ذکر کی پھر کہا اس کی متابعت فلاں نے کی۔ تو اول متابَع اور ثانی متابِع کہلاتی ہے۔ یہ ہو سکتا ہے کہ کوئی محدث اس کے برعکس ذکر کرے۔ مثلاً بعد والی کو پہلے ذکر کر کے ثانی کے بارے میں کہے تابعہ فلاں۔ اب متابِع متابَع اور متابَع متابِع کہلائے گی۔ متابعت کی دو قسمیں ہیں۔ تام، ناقص۔ متابعت تام

یہ ہے کہ راوی کے شیخ ہی سے متابعت ہو۔ یعنی اول سند سے۔ ناقص یہ ہے کہ اپنے شیخ سے اوپر کسی سے ہو۔

مثلہ ونحوہ اگر متابعت لفظ و معنی دونوں میں ہو تو اس کو مثلہ سے تعبیر کرتے ہیں۔ اور اگر صرف معنی میں ہو تو نحوہ سے۔

شاہد اگر اتفاق روایت صرف ایک صحابی پر ہو تو متابعت اور اگر دو یا زیادہ پر ہو تو اسے "شاہد" کہتے ہیں۔ بعض حضرات نے کہا کہ اگر صرف معنی میں موافقت ہو تو شاہد ہے۔ اور لفظ و معنی دونوں میں ہو تو متابعت ہے خواہ ایک صحابی سے ہو خواہ متعدد صحابی سے ـــ کبھی شاہد و متابع کو ایک دوسرے کے معنی میں بھی استعمال کر دیتے ہیں۔

اعتبار متابع اور شاھد کی معرفت کے لئے حدیث کی مختلف سندوں کے تتبع اور تلاش کو "اعتبار" کہتے ہیں۔

الفاظ روایت سندوں کے ذکر میں مختلف الفاظ ذکر کئے جاتے ہیں۔ مثلاً قَالَ، اَخْبَرَ، اَنبأَ، حَدَّثَ، رَوٰی، رُوِیَ، سَمِعْتُ وغیرہ۔

امام بخاری کا مسلک یہ ہے کہ قال، سمع، اخبر، حدّث، انبأ، روی سب ہم معنی ہیں۔ اور یہی مذہب امام زہری امام مالک اور امام ابن عیینہ و یحییٰ القطان اور اکثر اہل حجاز و اہل کوفہ اور حضرت امام اعظم کا ہے۔ ابن حاجب نے اپنی مختصر میں اس کو ترجیح دی۔ امام حاکم نے فرمایا کہ یہی ائمہ اربعہ کا مذہب ہے۔ مگر امام مسلم اور ترمذی وغیرہ کے یہاں تفریق ہے۔ یہ لوگ کہتے ہیں کہ اگر شیخ قراءت کرے اور تلمیذ سنے تو اسے حدّث سے بیان کیا جاتا ہے۔ اور اگر تلمیذ قراءت کرے اور شیخ سنے تو اسے اخبر و انبأ سے بیان کیا جاتا ہے اور یہی امام ابن جریج اور امام اوزاعی اور امام شافعی اور ابن وہب اور جمہور اہل مشرق کا مسلک ہے۔ امام بخاری نے اس سلسلے میں کتاب العلم میں مستقل ابواب باندھے ہیں۔ ان کی شرح میں اس پر تفصیلی گفتگو ہوگی۔

ہم نے ان مصطلحات کو اس لئے لکھ دیا ہے کہ شرح میں یہ بار بار آئیں تاکہ ناظرین کو سمجھنے میں الجھن نہ ہو۔ علاوہ ازیں اردو میں صحیح، غلط کا مقابل ہے۔ اس لئے اگر کسی حدیث کے بارے میں محدثین نے یہ لکھا ہے کہ یہ صحیح نہیں تو آج کل کے گمراہ فرقے ناواقف عوام کو فریب دینے کے لئے یہ باور کرانا چاہتے ہیں کہ یہ حدیث غلط ہے یعنی موضوع یا باطل ہے بے اصل ہے۔ ناظرین محدثین کی اصطلاح میں ایک نظر ڈال لیں تو انھیں معلوم ہو جائے گا کہ محدثین کی زبان میں صحیح غلط کا مقابل نہیں۔ بلکہ ان کی ایک خاص اصطلاح ہے کہ وہ صحیح اس حدیث کو کہتے ہیں جو اپنے تمام اوصاف کمال میں اعلیٰ درجے پر فائز ہو۔ اس کے مقابل سات اقسام اور ہیں۔ اس لئے محدثین کے اس فرمانے کا کہ "یہ حدیث صحیح نہیں" یہ مطلب نہیں ہوتا کہ یہ موضوع یا باطل یا بے اصل ہے۔ بلکہ ان کی مراد یہ ہوتی ہے کہ وہ حدیث کی سب سے اعلیٰ قسم صحیح لذاتہ نہیں۔ ہو سکتا ہے صحیح لغیرہ ہو حسن لذاتہ ہو حسن لغیرہ ہو۔ جس کی صدہا نظیریں موجود ہیں۔ جو اس کی پوری تحقیق و تفصیل دیکھنا چاہے وہ اعلیٰ حضرت امام

احمد رضا قدس سرہ کے رسالہ منیر العین کا مطالعہ کرے جو فتاوی رضویہ جلد دوم میں چھپ چکا ہے۔

محدثین کہیں فرماتے ہیں صحیح نہیں۔ اور وہ حسن لذاتہ ہوتی ہے۔ کبھی فرماتے ہیں صحیح نہیں۔ اور وہ حدیث صحیح لغیرہ ہوتی ہے۔ کبھی فرماتے ہیں صحیح نہیں اور وہ حدیث حسن لغیرہ ہوتی ہے۔ اس لئے کسی حدیث کے بارے میں محدثین کے اس فرمانے سے کہ صحیح نہیں اس کے باطل موضوع ہونے پر دلیل لانا جہالت ہے۔

یہاں ایک اور نکتہ قابل لحاظ ہے کہ محدثین کا کسی حدیث پر جرح صرف اس سند کے ساتھ خاص ہوتی ہے جس پر جرح کی گئی ہے۔ ایسا بہت ہے کہ کسی حدیث پر اس کی ایک سند کے لحاظ سے ضعیف بلکہ موضوع تک ہونے کا حکم لگا دیا گیا۔ مگر دوسری سند سے وہ ثابت ہے۔ جیسے میزان الاعتدال میں ہے کہ امام احمد بن حنبل نے حدیث "طلب العلم فریضۃ" کو کہا یہ کذب ہے۔ مگر علامہ ذہبی نے فرمایا یہ حکم اس مخصوص سند کے اعتبار سے ہے جس میں ابراہیم بن موسیٰ المروزی ہے۔ ورنہ یہ حدیث دوسرے طرق سے ثابت ہے اگرچہ وہ سب ضعیف ہیں۔

حدیث الصلاۃ بالسواک خیر من سبعین صلوٰۃ کو علامہ ابن عبد البر نے تمہید میں باطل کہا۔ علامہ سخاوی نے فرمایا۔ یہ حکم اس سند کے لحاظ سے ہے۔ علامہ نووی فرماتے ہیں۔

ان روایات الضعیف یکون فیہ الصحیح والضعیف والباطل فیکتبونہا ثم تمییز اھل الحفظ والاتقان بعض ذلک من بعض وذلک سھل علیھم معروف عندھم ولھذا احتج السفیان الثوری حین نھی عن الروایۃ عن الکلبی فقیل لہ انت تروی عنہ فقال انا اعرف صدقہ عن کذبہ (شرح مسلم ص ۲ ج ۱)

ضعیف راوی کی روایتوں میں صحیح بھی ہوتی ہیں اور ضعیف اور باطل بھی۔ محدثین ان سب کو لکھتے ہیں۔ پھر اہل حفظ و اتقان انکو ایک دوسرے سے الگ کر دیتے ہیں۔ یہ ان کے لئے آسان ہے۔ اور ان کے نزدیک روزمرہ کا کام ہے اسی دلیل سے سفیان ثوری نے اس وقت استدلال کیا جب انھیں کلبی کی روایت قبول کرنے سے منع کیا گیا اور کہا گیا آپ اس سے روایت کرتے ہیں۔ فرمایا۔ میں اس کے سچ کو جھوٹ سے امتیاز کر لیتا ہوں۔

احادیث سے استدلال کی کیفیت

جن چیزوں کا اثبات مقصود ہوتا ہے وہ چار قسم کی ہیں۔

(۱) **عقائد قطعیہ**: جیسے توحید۔ رسالت۔ قرآن کا کتاب اللہ ہونا۔ ان کا اثبات صرف حدیث متواتر سے ہوگا خواہ اس کا تواتر لفظی ہو خواہ معنوی۔

(۲) **عقائدِ ظنیہ**:۔ جیسے قبر کے احوال، میزانِ اعمال وغیرہ۔ ان کا اثبات خبرِ واحد سے بھی ہوتا ہے۔

(۳) **احکام**:۔ ان کے اثبات کے لئے حدیث صحیح یا کم از کم حسن لغیرہ ہونی لازم ہے۔ احادیث ضعاف ان تینوں اقسام میں ناکافی ہیں۔

(۴) **فضائل ومناقب**:۔ خواہ فضائلِ اعمال ہوں خواہ فضائل اشخاص ان سب میں علماء ضعیف حدیث بالاتفاق معتبر مانتے ہیں۔

امام شیخ الاسلام ابو زکریا نفعنا اللہ تعالیٰ ببرکاتہ۔ کتاب الاذکار المنتخب من کلام سید الابرار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں فرماتے ہیں۔

قال العلماء من المحدثین والفقہاء وغیرھم یجوز ویستحب العمل فی الفضائل والترغیب والترھیب بالحدیث الضعیف مالم یکن موضوعاً۔

علمائے محدثین وفقہا وغیرہم نے فرمایا فضائل اعمال ترغیب وترہیب میں حدیث ضعیف پر عمل کرنا مستحب ہے اگر وہ موضوع نہ ہوں۔

لیکن کبھی مقام احتیاط میں احادیث ضعاف احکام میں بھی بطور سند کام آتی ہیں۔ یہی امام نووی اذکار میں بعد عبارت مذکورہ کے ارشاد فرماتے ہیں۔

واما الاحکام کالحلال والحرام والبیع والنکاح والطلاق وغیر ذلک فلا یعمل فیھا الا بالحدیث الصحیح او الحسن الا ان یکون فی احتیاط فی شئی من ذلک کما اذا ورد حدیث ضعیف بکراھیۃ بعض البیوع او الانکحۃ فان المستحب ان یتنزہ عنہ ولکن لا یجب۔ (الاذکار ص ۷)

کہ حلال وحرام بیع نکاح طلاق وغیرہا احکام کے بارے میں صرف حدیث صحیح یا حسن ہی پر عمل کیا جائے گا مگر یہ کہ ان مواقع میں کسی احتیاطی بات میں ہو جیسے کسی بیع یا نکاح کی کراہت میں حدیث ضعیف آئے تو مستحب ہے کہ ان سے بچیں ہاں واجب نہیں۔

رہ گئی حدیث موضوع یہ کسی باب میں کسی کام کی نہیں۔ حتیٰ کہ علم کے بعد اس کی موضوعیت ظاہر کئے بغیر اس کا بیان کرنا بھی جائز نہیں۔

ضعاف کی تقویت کے طرق

اوپر مذکور ہوا کہ حدیث ضعیف کبھی حسن لغیرہ بلکہ صحیح لغیرہ بھی ہو جاتی ہے تو ضروری معلوم ہوا کہ ایک مختصر سا خاکہ اس کا

بھی پیش کر دیا جائے۔

(۱) **تعدد طرق**:- جب کوئی حدیث ضعیف اگر متعدد سندوں سے مروی ہو تو وہ کبھی حسن لغیرہ اور کبھی صحیح لغیرہ ہو جاتی ہے اگرچہ وہ طرق ضعاف ہوں۔

امام عبد الوہاب شعرانی قدس سرہ النورانی میزان الشریعۃ الکبریٰ میں فرماتے ہیں۔

قد احتج جمھور المحدثین بالحدیث الضعیف اذا کثرت طرقہ والحقوہ بالصحیح تارۃ وبالحسن اخریٰ۔

حدیث ضعیف جب متعدد طریقوں سے مروی ہو تو جمہور محدثین اسے لائق استدلال جانتے ہیں اور اسے کبھی صحیح کے ساتھ اور کبھی حسن کے ساتھ لاحق کر دیتے ہیں۔

حصول قوت کے لئے یہ بھی ضروری نہیں کہ وہ طرق بہت کثیر ہوں۔ صرف دو بھی مل کر قوی ہو جاتے ہیں۔ تیسیر میں ہے

ضعیف بضعف عمرو بن الواقد لکنہ یقوی بورودہ بطریقین۔

عمرو بن واقد کی وجہ سے ضعیف ہے۔ لیکن دو طریقوں سے آنے کی وجہ سے قوت پا گئی۔

(۲) کسی حدیث ضعیف پر اہل علم کے عمل کرنے سے بھی وہ حدیث قوی ہو جاتی ہے۔ امام ترمذی نے جگہ جگہ حدیث پر کلام کرنے کے بعد فرمایا۔ والعمل علیٰ ھذا عند اھل العلم۔ ایک جگہ اس کے تحت ملا علی قاری نے لکھا۔

قال النووی واسنادہ ضعیف نقلہ میرک فکان الترمذی یرید تقویۃ الحدیث بعمل اھل العلم۔ [1]

علامہ نووی نے فرمایا اس کی سند ضعیف ہے۔ اس کو میرک نے نقل کیا۔ اس قول سے امام ترمذی کی مراد یہ ہے کہ اہل علم کے عمل سے حدیث ضعیف قوی ہو جاتی ہے۔

(۳) مجتہد کے استدلال سے بھی حدیث قوی ہو جاتی ہے۔ علامہ محمد امین بن عابدین شامی نے لکھا۔

ان المجتھد اذا استدل بحدیث کان تصحیحا لہ کما فی التحریر وغیرہ (رد المحتار)

کسی حدیث سے کسی مجتہد کا استدلال اس کے صحت کی دلیل ہے جیسا کہ تحریر وغیرہ میں ہے۔

(۴) صالحین کے عمل سے بھی حدیث کو قوت مل جاتی ہے۔ صلوٰۃ التسبیح جس روایت سے ثابت ہے وہ ضعیف ہے۔ امام حاکم اور بیہقی نے اس کے قوی ہونے کی علت حضرت عبد اللہ بن مبارک تلمیذ امام اعظم کے عمل کو بتایا۔ مولانا عبد الحی لکھنوی لکھتے ہیں۔

قال البیہقی کان عبد اللہ بن مبارک یصلیھا

امام بیہقی نے کہا عبد اللہ بن مبارک صلاۃ تسبیح پڑھا کرتے تھے۔

---

[1] مرقاۃ ج ۲ ص ۱۰۲

وتداولها الصالحون بعضهم عن بعض وفى ذلك تقوية للحديث المرفوع (الآثار المرفوعہ ص۴۲) — اور بعد کے صلحاء اس کو ایک دوسرے سے اخذ کر کے پڑھتے تھے۔ اس وجہ سے اس حدیث مرفوع کو قوت مل گئی۔

(۵) کبھی تجربہ اور کشف سے بھی حدیث کو قوت مل جاتی ہے۔ حضرت ملا علی قاری مرقاۃ شرح مشکوٰۃ اور شرح شفا ص ۲۹۹ میں تحریر کرتے ہیں۔

سید المکاشفین حضرت محی الدین ابن عربی قدس سرہ نے فرمایا مجھے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے حدیث پہنچی، کہ جو لا الٰہ الا اللہ ستر ہزار بار کہے اس کی مغفرت ہو جائے گی۔ اور جس کے لئے پڑھا جائے اس کی بھی مغفرت ہو جائے گی۔ میں نے یہ کلمہ طیبہ ستر ہزار بار پڑھا تھا مگر کسی خاص شخص کی نیت نہیں کی تھی۔ ایک دعوت میں گیا۔ اس میں ایک جوان بھی تھا جو کشف میں مشہور تھا۔ یہ جوان کھانا کھاتے کھاتے رونے لگا۔ میں نے سبب پوچھا۔ تو بتایا کہ میں اپنے والدین کو عذاب میں دیکھ رہا ہوں۔ میں نے اپنے دل میں اس کلمے کا ثواب اس کے والدین کو بخش دیا۔ فوراً وہ جوان ہنسنے لگا اور کہا اب میں اپنی ماں کو اچھی حالت میں دیکھتا ہوں۔

امام محی الدین ابن عربی نے فرمایا۔

فعرفت صحة الحديث بصحة كشفه وصحة كشفه بصحة الحديث۔ — میں نے اس حدیث کی صحت اس جوان کے کشف سے اور اس کے کشف کی صحت اس حدیث سے جانی۔

علامہ شہاب الدین خفاجی "نسیم الریاض شرح شفا" میں اور علامہ سید احمد طحطاوی "حاشیہ در مختار" میں نقل فرماتے ہیں۔ کہ بعض احادیث میں آیا ہے کہ بدھ کے دن ناخن ترشوانے سے برص ہو جاتی ہے۔ علامہ ابن الحاج صاحب مدخل نے اس خیال سے کہ یہ حدیث صحیح نہیں بدھ کے دن ناخن ترشوالیا۔ انھیں برص ہو گئی۔ خواب میں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تشریف لائے اور ابن الحاج سے فرمایا کیا تم نے نہیں سنا تھا؟ کہ میں نے اس سے منع فرمایا ہے۔ عرض کیا یارسول اللہ! وہ حدیث میرے نزدیک ثابت نہیں۔ فرمایا اتنا کافی تھا کہ وہ حدیث میرے نام سے تمہارے کان تک پہنچی۔ پھر حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنا دست مبارک ان کے بدن پر پھیرا فوراً اچھے ہو گئے اسی وقت توبہ کی کہ اب کبھی حدیث سنکر مخالفت نہ کروں گا۔ اسی قسم کا واقعہ بدھ کے دن پچھنا لگوانے کے بارے میں بھی پیش آیا ہے۔ مسند الفردوس وابن عساکر۔

البتہ اگر حدیث موضوع ہے کتنے ہی طرق سے مروی ہو اگر سب پر موضوع ہی ہو تو وہ جوں کی توں ناقابل اعتبار رہیگی۔ اس لئے کہ جھوٹ سے جھوٹ کی تقویت نہیں ہو سکتی۔ علاوہ ازیں حدیث موضوع معدوم ہے۔ اور معدوم نیست محض کو کوئی بھی قوی نہیں کر سکتا۔

کتب حدیث کے طبقات

شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے کتب حدیث کے چار طبقات قائم کئے ہیں

طبقۂ اولیٰ: وہ کتابیں جو سب سے زیادہ صحیح ومشہور ومقبول ہوں۔ جیسے صحیح بخاری، صحیح مسلم، موطا امام مالک۔

طبقۂ ثانیہ: وہ کتابیں جو قریب قریب پہلے طبقے کے صحیح ومشہور ومقبول ہوں۔ مگر ان میں ضعیف احادیث کا تناسب پہلے طبقے سے زیادہ ہو۔ جیسے جامع ترمذی، سنن ابو داؤد، سنن نسائی۔

طبقۂ ثالثہ: امام بخاری اور امام مسلم سے پہلے کے یا ان کے معاصر یا قریب قریب معاصر ایسے محدثین کی کتابیں جو مسلم الثبوت ماہر ہیں۔ مگر ان کی کتابوں میں طبقۂ ثانیہ کے اعتبار سے بھی ضعیف احادیث زیادہ ہیں۔ بلکہ ان میں ایسی احادیث بھی ہیں جنہیں موضوع تک کہا گیا ہے۔ جیسے مسند امام شافعی، سنن ابن ماجہ، مُصَنَّف عبدالرزاق، مصنف ابن ابی شیبہ، سنن دارمی، سنن دارقطنی، سنن بیہقی، طبرانی وابو داؤد طیالسی کی مُصَنَّفات۔

طبقۂ رابعہ: امام بخاری ومسلم سے متاخر محدثین کی کتابیں جن میں مذکورہ احادیث کا قرون سابقہ میں ثبوت ہیں نہیں ملتا۔ جیسے دیلمی ابونعیم اور ابن عساکر وحاکم کی تصانیف۔ ان احادیث کا قرون سابقہ میں ثبوت نہ ملنے کا سبب دو ہی ہے۔ یا تو قدماء کو یہ احادیث نہیں ملیں۔ یا انھوں نے کسی علتِ قادحہ کی بنا پر ان احادیث کو لیا ہی نہیں۔

کتب احادیث کے ان طبقات کا یہ مطلب نہیں کہ بعد کے طبقات کی خصوصًا طبقۂ رابعہ کی احادیث باطل نامقبول ہیں بلکہ اس کا ماحصل صرف کتب احادیث کا ایک اجمالی تعارف ہے۔ ورنہ طبقۂ رابعہ تک کی کتابوں میں حَسَن بلکہ صحیح احادیث بھی بکثرت موجود ہیں۔ خود شاہ ولی اللہ نے امام حاکم کی مستدرک کو طبقۂ رابعہ میں داخل مانا حالانکہ اس کی اکثر احادیث اعلیٰ درجے کی صحیح وحسن ہیں بلکہ اس میں صدہا احادیث شیخین امام بخاری ومسلم کی شرط پر ہیں۔ خود انھیں شاہ ولی اللہ نے بُستان المحدثین میں امام ذہبی سے نقل کیا۔

مستدرک میں بہت کافی احادیث ان دونوں بزرگ یعنی بخاری ومسلم دونوں کی یا ان میں سے کسی ایک کی شرط پر ہیں۔ بلکہ آدھی کے قریب ایسی ہی احادیث ہیں۔ اور چوتھائی احادیث ایسی ہیں کہ بظاہر صحیح الاسناد ہیں لیکن ان دونوں کی شرط پر نہیں۔ باقی چوتھائی واہیات ومناکیر بلکہ کچھ موضوعات بھی ہیں۔

شاہ صاحب نے بستان میں رُبع کتاب کے بارے بظاہر صحیح الاسناد لکھا۔ مگر علامہ سیوطی نے تدریب میں امام ذہبی کے یہ الفاظ نقل کئے ہیں:-

فیہ جملۃ وافرۃ علی شرطہما وجملۃ کثیرۃ علی شرط احدھما لعل مجموع ذلک نحو نصف الکتاب وفیہ نحو الربع مما صح سندہ وفیہ بعض الشئ اولہ علۃ وما بقی وھو نحو الربع فہو مناکیر وواھیات لا یصح وفی بعض ذلک موضوعات ۱؎

حاکم کی مستدرک کی احادیث بہت زیادہ شیخین کی شرط پر اور بہت سی ان دونوں میں سے کسی ایک کی شرط پر ہیں۔ چوتھائی کے قریب وہ ہیں جن کی سند صحیح ہے ان میں کچھ قدح یا علت ہے اور باقی چوتھائی مناکیر واہیات ہیں۔ ان میں موضوع بھی ہیں۔

اس کا مطلب یہ ہوا کہ حاکم کی مستدرک میں تین چوتھائی کے قریب صحیح احادیث ہیں۔ اس لئے ان طبقات کی تقسیم کا مطلب یہ لینا کہ بعد کے طبقات کی کل احادیث ناقابل قبول ہیں کسی طرح صحیح نہیں۔ یہ بات ضرور اپنی جگہ درست ہے کہ طبقۂ رابعہ ثالثہ بلکہ عند التحقیق طبقۂ ثانیہ تک میں ہر قسم کی احادیث کا اختلاط ہے ہر شخص صحیح حسن کو ضعیف سے پرکھ نہیں سکتا اس لئے ان کتابوں کے بارے میں ماہر ناقدین کی رائے معلوم ہونے کے بعد ہی اعتماد چاہیئے۔ یہ حکم صرف طبقۂ رابعہ ہی کا نہیں بلکہ طبقۂ ثالثہ بلکہ طبقۂ ثانیہ کیلئے بھی ہے۔ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ نے اس موضوع پر ایک بہت مفید و جامع و کامل رسالہ لکھا ہے۔ جس کا نام مدارج طبقات الحدیث ہے۔ اس میں ثابت فرمایا کہ شاہ ولی اللہ کی یہ طبقات اربعہ کی تحدید نہ جامع ہے نہ مانع نہ ناقد کو مفید نہ مقلد کو۔

فائدہ یہ ہم پہلے لکھ چکے ہیں کہ احادیث صحاح کا انحصار صرف صحاح ستہ میں نہیں۔ اور نہ احادیث کا حصر کتب مصنفہ میں۔ صحاح ستہ کے علاوہ دیگر کتب احادیث میں بھی صحیح احادیث ہیں۔ اس کا بھی امکان ہے کہ بہت سی صحیح احادیث تدوین سے رہ گئی ہوں۔ امام بخاری کو چھ لاکھ احادیث یاد تھیں۔ مگر ان کی جامع صحیح میں بمشکل چار ہزار ہوں گی اور احادیث کیا ہوئیں؟ اس پر دوسرے محدثین کو بھی قیاس کیا جاسکتا ہے۔ کسی محدث نے کبھی یہ دعویٰ نہیں کیا ہے کہ میں نے تمام احادیث کو کسی کتاب میں جمع کردی ہیں۔ اور نہ کسی نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ اسے تمام احادیث بالاستیعاب یاد ہیں۔ اس لئے بہرحال اس کا امکان قوی ہے کہ حضرات محدثین کی ہزار کوششوں کے باوجود لاکھوں احادیث تدوین سے رہ گئی ہوں۔

اقسام کتب

کتب حدیث کتب حدیث کی تدوین کی نوعیت کے اعتبار سے تیرہ قسمیں ہیں۔ جامع، سنن، مسند، معجم، جزء، مفرد،

۱؎ تدریب الراوی ص۵۲، ۲؎ مقدمہ فتح الباری ص۵،

غریبہ۔ مستدرک، مستخرج، رسالہ، اربعین، امالی، اطراف۔

جامع وہ کتاب ہے جس میں یہ آٹھ مضامین ہوں۔ عقائد۔ احکام۔ تفسیر۔ سیر ومغازی۔ آداب۔ مناقب۔ فتن۔ اشراط علامات قیامت جیسے بخاری وترمذی۔ مسلم شریف میں اگرچہ یہ آٹھوں باتیں ہیں مگر تفسیر برائے نام ہے اس لئے یہ جامع نہیں سنن میں داخل ہے۔

سنن جن میں ابواب فقہ کی ترتیب سے احکام سے متعلق احادیث ہوں۔ جیسے سنن ابو داؤد، نسائی، ابن ماجہ۔

مسند جس کی ترتیب صحابۂ کرام کے مراتب کے اعتبار سے ہو۔ جیسے مسند امام احمد بن حنبل۔

معجم جس کی ترتیب میں اساتذہ کے مراتب کا لحاظ ہو۔

جزء جس میں کسی ایک مسئلہ سے متعلق احادیث مذکور ہوں۔ جیسے جزء قراءت۔

مفرد جس میں صرف ایک شیخ کی مرویات جمع ہوں۔

غریبہ جس میں صرف ایک تلمیذ کے مفردات مذکور ہوں۔

مستدرک وہ کتاب جس میں ان احادیث کو درج کیا جائے جو کسی مصنف سے رہ گئی ہوں۔ جیسے حاکم کی مستدرک علی الشیخین

مستخرج وہ کتاب جس میں کسی اور کتاب کی احادیث کے ثبوت کے لئے اس کتاب کے مصنف کے شیخ یا شیخ الشیخ کی دوسری سندوں کو ذکر کیا جائے۔ جیسے مستخرج لابی نعیم علی البخاری۔

رسالہ جس میں جامع کے آٹھوں عنوانوں میں سے مخصوص عنوانوں سے متعلق احادیث مذکور ہوں۔ جیسے امام احمد کی کتاب الزہد والادب۔

اربعین جس کتاب میں چالیس احادیث ہوں۔ جیسے اربعین نووی۔

امالی جس میں کسی شیخ کی لکھائی ہوئی احادیث یا فوائد حدیث ہوں۔ جیسے امالی امام محمد۔

اطراف وہ کتاب جس میں حدیث کا کوئی ایسا جزء ذکر کیا جائے جو بقیہ حدیث پر دلالت کرتا ہو پھر اس حدیث کے تمام سندوں کو ذکر کر دیا جائے یا اس میں کچھ مخصوص کتابوں کی سندیں ذکر کی جائیں۔ جیسے اطراف الکتب الخمسہ لابی العباس اور اطراف المزی۔

کتب احادیث

محدثین نے سیکڑوں کتابیں لکھیں ان میں کچھ ناپید ہوگئیں اور کچھ گمنامی میں رہیں۔ علامہ سیوطی نے جمع الجوامع میں پچاس

سے زائد کتب احادیث کی نشاندہی کی ہے۔ان میں سب سے زیادہ شہرت اور مقبولیت ان چھ کتابوں کو حاصل ہوئی جامع صحیح بخاری، صحیح مسلم، جامع ترمذی، سنن ابو داؤد، نسائی، ابن ماجہ،

ان کو صحاح ستہ بھی کہتے ہیں۔ان پر صحاح ستہ کا اطلاق عام عرف کی بنا پر ہے۔بعض محدثین نے ابن ماجہ کے بجائے موطا امام مالک کو صحاح ستہ میں داخل مانا۔صاحب جامع الاصول نے اسی کو اختیار کیا۔بعض محدثین نے فرمایا کہ زیادہ لائق اور مناسب یہ ہے کہ دارمی کو صحاح ستہ میں داخل کیا جائے۔اس لئے کہ اس کے رُواۃ کم ضعیف ہیں اور اس میں احادیث منکرہ اور شاذہ بہت کم ہیں۔اس کی سند عالی ہے۔اس کی ثلاثیات بخاری سے زائد ہیں صحاح ستہ کا یہ مطلب نہیں کہ ان کی تمام احادیث صحیح ہیں۔ان میں ضعیف بلکہ موضوع بھی ہیں۔ان کو صحاح اس لئے کہتے ہیں کہ ان میں بہ نسبت دیگر کتابوں کے ضعیف احادیث کم ہیں۔ان کی اکثر غالب صحیح ہیں۔

صحیح بخاری

ان سب میں جس کو سب پر صحت و قوت کے اعتبار سے فوقیت ہے وہ جامع صحیح بخاری ہے۔یہی اکثر محدثین کی رائے ہے۔حتی کہ یہ مقولہ تقریباً متفق علیہ ہے۔اصح الکتب بعد کتاب اللہ الصحیح البخاری۔البتہ بعض مغاربہ صحیح مسلم کو بخاری پر فوقیت دیتے ہیں۔حافظ ابو علی نیشاپوری نے کہا کہ صحیح مسلم سے بڑھ کر آسمان کے نیچے کوئی کتاب نہیں۔اور بعض ان دونوں کو ایک درجے میں رکھتے ہیں۔مگر صحیح یہی ہے کہ بخاری کو تمام کتب حدیث پر صحت و قوت میں ترجیح ہے رہ گئی صحیح مسلم تو اس کی فوقیت، حسن بیان، جودت وضع، خوبی ترتیب اور اسناد میں دقیق اشارات اور بہترین نکات کی رعایت میں ہے۔

موازنہ باعتبار صحت کے بخاری، صحیح مسلم پر بدرجہا فائق ہے۔اس لئے کہ حدیث کے صحیح ہونے کا مدار اتصال سند، اتقان رُواۃ عدم شذوذ و نکارت و دیگر علل و سقم سے خالی ہونے پر ہے۔اور اس بنا پر صحیح بخاری، صحیح مسلم سے بہت آگے ہے۔

اتصال سند کی قوت دونوں کی شرائط سے ظاہر ہے۔امام بخاری معاصرت کے ساتھ لقا بھی شرط کرتے ہیں۔اور امام مسلم صرف معاصرت۔اگرچہ صرف معاصرت اتصال کے لئے کافی ہے مگر لقا سے جو قوت زائد ہوگی وہ کسی پر مخفی نہیں۔

اتقان رجال کی بات یہ ہے کہ اولاً امام بخاری طبقۂ ثانیہ یعنی ان تلامذہ سے جو شیخ کی خدمت میں کم رہے بہت کم روایت کرتے ہیں وہ بھی چن چن کر۔اور امام مسلم طبقۂ ثانیہ کی روایت بلاجھجک لاتے ہیں ثانیاً وہ رواۃ جن سے صرف امام بخاری روایت کرتے ہیں وہ چھ سو تیس ہیں۔ان میں صرف اسّی ضعیف ہیں۔اور جن سے صرف امام مسلم روایت کرتے ہیں وہ چھ سو بیس ہیں۔جن میں ایک سو ساٹھ ضعیف ہیں۔ثالثاً امام بخاری کے جو راوی ضعیف ہیں وہ ان کے براہ راست استاذ ہیں

جن کے حالات کو وہ خود جانتے ہیں۔ انکو اچھی طرح پرکھ سکتے ہیں۔ برخلاف امام مسلم کے، کہ ان کے جن راویوں پر حکم ضعف ہے وہ بالواسطہ شیخ ہیں۔ یہ خود ان کو اچھی طرح پرکھ نہیں سکتے تھے۔ دابعاً مجروح راویوں سے امام بخاری نے بہت کم روایت کی ہے امام مسلم نے بہت زیادہ کی ہے۔

عدم شذوذ و عدم علل قادحہ کی جہاں تک بات ہے تو اس سلسلے میں جو اعداد شمار ہیں وہ یہ ہیں بخاری کی صرف اسی احادیث میں یہ نقص نکالا گیا ہے۔ اور مسلم کی ایک سو تیس میں۔ اس لحاظ سے بھی صحیح بخاری صحیح مسلم پر فوقیت رکھتی ہے۔ یہ بات صرف موازنہ کی حد تک ہے ورنہ حقیقت یہ ہے کہ صحیحین اپنی نظیر آپ ہیں۔

امام بخاری

ولادت امام بخاری کی ولادت ماوراء النہر کے مشہور شہر بخارا میں ۱۳ شوال ۱۹۴ھ کو بروز جمعہ مبارکہ بعد عصر ہوئی۔ اس وقت سلاطین عباسیہ کی سطوت و شوکت کا سکہ چار دانگ عالم میں بیٹھا ہوا تھا۔ پورا ماوراء النہر بشمول بخارا انھیں کے زیر نگیں تھا بخارا میں ان کی طرف سے والی رہتا تھا۔ یہ عہد ہارون الرشید کے بیٹے امین کا تھا۔

نام و نسب امام بخاری کا نام محمد تھا اور کنیت ابو عبد اللہ، امیر المومنین فی الحدیث، ناصر الاحادیث النبویہ، ناشر المواریث المحمدیہ القاب ہیں۔ مگر ان سب پر بخاری ایسا غالب آیا کہ سب القاب پیچھے رہ گئے۔ ان کا سلسلہ نسب یہ ہے محمد بن اسمٰعیل بن ابراہیم بن مغیرہ بن بَردِزبہ ہے۔ بَردِزبہ کے معنی کاشتکار کے ہیں یہ مجوسی تھا اور مجوسیت ہی پر مرا۔ امام بخاری کے پردادا مغیرہ اس وقت کے والیِ بخارا یمان جُعفی کے ہاتھ پر مشرف باسلام ہوئے اور ان کے ساتھ عقد موالات کر لیا جو احناف کے مذہب میں موجب توریث ہے۔ جیسا کہ حدیث میں ہے والولاء لحمة كلحمة النسب۔ حضرت تمیم داری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے میں نے پوچھا اگر کوئی مشرک کسی مسلمان کے ہاتھ پر ایمان لائے تو سنت کیا ہے فرمایا۔ وهو اولى الناس بمحياه ومماته۔ وہ اس کی موت اور زندگی کا سب سے زیادہ حقدار ہے[1] اسی وجہ سے امام بخاری کو بھی جُعفی کہا جاتا ہے۔ یہ یمان امام بخاری کے شیخ مسندی کے پردادا ہیں۔

بَردِزبہ کے والد کے نام میں اختلاف ہے کسی نے بذذبہ، کسی نے احنف کہا کسی نے کچھ اور نام بتایا[2]

والد ماجد امام بخاری کے والد ماجد بڑے ممتاز بزرگ اور متبحر عالم تھے۔ امام بخاری کے شیخ الشیخ امام عبد اللہ بن مبارک

[1] ترمذی ابن ماجہ دارمی مشکوٰۃ ص ۲۶۲۔ [2] طبقات کبریٰ ج ۲ ص ۲۔

تلمیذ امام اعظم ابوحنیفہ کی صحبت میں رہتے تھے صاحب روایت محدث تھے۔ عبداللہ بن مبارک امام مالک اور ان کے اصحاب ومعاصرین سے روایت کرتے تھے۔ بڑے ہی مستجاب الدعوت بزرگ تھے۔ ایسے کہ بارگاہ خداوندی میں عرض کرتے کہ میری سب دعائیں دنیا ہی میں نہ قبول کر لے کچھ آخرت کے لئے رہنے دے۔ اکل حلال کے ایسے پابند تھے کہ حرام تو حرام مشتبہات سے بھی بچتے تھے۔ وصال کے وقت فرمایا: میرا مال حرام تو حرام شبہات سے بھی پاک ہے۔ اکل حلال استجابت دعا کے لئے اکسیر اعظم ہے۔

یتیمی وتربیت امام بخاری ابھی صغیر السن ہی تھے کہ ان کے والد ماجد انھیں داغ یتیمی دے گئے ان کی پرورش والدہ ماجدہ نے کی۔ عہد طفلی ہی میں امام بخاری کی بینائی جاتی رہی۔ بہت علاج کیا مگر فائدہ نہ ہوا۔ ان کی والدہ ماجدہ ان کی بینائی کے لئے ہمیشہ گریہ وزاری کے ساتھ دعائیں کرتی رہتیں۔ ایک رات خواب دیکھا کہ ابوالانبیاء سیدنا ابراہیم خلیل اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام تشریف لائے ہیں اور فرماتے ہیں۔ کہ اللہ عزوجل نے تیری دعا قبول فرمائی تیرے بچے کی بینائی واپس فرما دی۔ صبح کو امام بخاری بینا ہو کر اٹھے۔ پھر آنکھوں میں وہ روشنی آئی کہ چاندنی میں لکھا پڑھا کرتے تھے۔ خراسان میں بھی ایک دفعہ یہی حادثہ پیش آیا تو کسی نے بتایا کہ سر مونڈا کر خطمی کا لیپ سر پر کریں۔ بینائی واپس آجائے گی۔ امام بخاری نے یہی کیا اور پوری بینائی واپس آگئی۔ اور ایسی کہ پھر کبھی نہ گئی۔ [۱]

حفظ حدیث کی ابتداء حسب دستور امام بخاری مکتب میں ابتدائی تعلیم حاصل کر رہے تھے جب قریب قریب دس سال کے ہوئے۔ تو بالہام ربانی تحصیل حدیث کا شوق پیدا ہوا۔ اور امام بخاری وہاں کے مشہور محدثین کی خدمت میں اخذ حدیث کے لئے حاضر ہونے لگے۔ مثلاً سلام بن محمد بیکندی۔ محمد بن یوسف بیکندی۔ عبداللہ بن محمد مسندی۔ اور ابراہیم بن اشعث وغیرہ۔ چند مہینوں میں اتنا عبور ہو گیا کہ محدثین کو ٹوکنے لگے۔ بخارا میں ایک مشہور محدث داخلی تھے۔ امام بخاری ان کے یہاں بھی حدیث حاصل کرنے جاتے تھے۔ ایک دن انھوں نے ایک حدیث کی سند کتاب میں دیکھ کر اس طرح پڑھی۔ سفیان عن ابی الزبیر عن ابراھیم۔ امام بخاری نے بلا تاخیر ان سے کہا۔ ابوالزبیر۔ ابراہیم کے راوی نہیں۔ پھر آپ نے عن الزبیر عن ابراھیم کیسے پڑھا۔ داخلی نے نوعمر بچہ دیکھ کر جھڑک دیا۔ امام بخاری نے پھر کہا۔ کہ اصل میں دیکھ لیں کیا ہے۔ اس پر داخلی مکان میں تشریف لے گئے۔ اور کتاب کا اصل نسخہ لے کر آئے اور امام بخاری سے دریافت کیا۔ تم یہ بتاؤ صحیح نام کیا ہے؟ امام بخاری نے فرمایا کہ یہ ابوالزبیر نہیں بلکہ زبیر بن عدی ہیں۔ یہی ابراہیم کے تلمیذ ہیں۔ داخلی نے اس کے مطابق اپنی کتاب درست کر لی۔ اس وقت امام بخاری کی عمر صرف گیارہ سال تھی۔ اسی قوت حفظ کا نتیجہ تھا کہ سولہ سال کی عمر میں امام عبداللہ بن مبارک اور امام وکیع کی کتابیں

---

[۱] طبقات الکبری صـ۲۴۲، [۲] ایضاً۔

اور اصحاب امام اعظم کی کتابیں حفظ کرلیں۔[1]

تحصیل علم | سنہ ۲۱۰ھ میں امام بخاری کی عمر جب سولہ سال کی تھی۔ اپنے بڑے بھائی احمد بن اسمٰعیل اور والدہ کے ہمراہ حج کو گئے۔ والدہ اور بھائی توحج سے فارغ ہو کر وطن واپس ہو گئے مگر امام بخاری مکہ معظمہ رہ گئے۔ وہاں تحصیل علم و تصنیف و تالیف و علم دین کی نشر و اشاعت میں مصروف رہے۔ اٹھارہ سال کی عمر میں قضایا الصحابہ والتابعین لکھی اور اسی عمر میں اپنی مشہور کتاب، کتاب التاریخ مزار اقدس حضور سید عالم صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس بیٹھ کر چاندنی میں لکھی اور ابھی ڈاڑھی مونچھ بھی نہیں نکلی تھی کہ محدثین نے ان سے احادیث اخذ کرنا شروع کر دیا تھا۔[2] علامہ ابن حجر نے فرمایا۔ کہ اگر امام بخاری نے جب تحصیل حدیث شروع کی تھی اسی وقت مکہ آجاتے تو ان اونچے طبقے کے محدثین سے انھیں بھی بلا واسطہ تلمذ حاصل ہوجاتا جن سے ان کے معاصرین کو ہے۔ مگر تاخیر سے مکہ حاضری کی وجہ سے ان اونچے طبقے والوں سے تلمذ نہ ہو سکا مگر ان کے قریب العہد بزرگوں سے حاصل ہوا۔ مثلاً یزید بن ہارون ابوداؤد طیالسی۔ علامہ ابن حجر کا بیان ہدیۃ الساری مقدمہ فتح الباری میں مختلف ہے۔ ص۴۷۹ پر مبدء طلب حدیث کے باب میں یہی ہے کہ سنہ ۲۱۰ھ میں حج کیا اس حساب سے امام بخاری کی عمر اس وقت سولہ سال ہوئی۔ لیکن ثناء النّاس کے عنوان کے تحت ص۴۸۴ پر خود امام بخاری کا یہ قول نقل کیا ہے کہ میں نے اٹھارہ سال کی عمر میں پہلا حج کیا۔ اس حساب سے ثابت ہوتا ہے کہ امام بخاری نے پہلا حج سنہ ۲۱۲ھ میں کیا تھا۔ لیکن میں نے پہلا قول اختیار کیا اس لئے کہ اس میں علامہ ابن حجر کے الفاظ یہ ہیں کہ میں حمیدی کے یہاں گیا جب کہ میری عمر اٹھارہ سال کی تھی۔ یعنی اول حج کے سال، اول سنۃ حجی۔ تو دیکھا کہ ان میں اور ایک صاحب کے درمیان ایک حدیث کے بارے میں بحث ہو رہی تھی۔ حمیدی نے مجھے دیکھتے ہی کہا۔ لو وہ آگئے جو ہمارا فیصلہ کردیں گے۔ میں نے حمیدی کے حق میں فیصلہ دیا۔ کیونکہ حق ان کے ساتھ تھا۔ چونکہ حج کے بعد امام بخاری مکہ ہی میں رہ گئے تھے تو ہو سکتا ہے کہ ان کی مراد یہ ہو کہ جب پہلا حج کر کے مکے میں مقیم تھا تو یہ واقعہ پیش آیا۔ رُواۃ سے تعبیر میں کچھ ردو بدل ہو گیا۔ علامہ قسطلانی نے بھی اپنی شرح کے مقدمہ میں یہی لکھا ہے کہ سنہ ۲۱۰ھ سولہ سال کی عمر میں حج کے لئے گئے۔ طبقات کبریٰ میں بھی علامہ سبکی نے یہی لکھا ہے۔

سنہ ۲۱۰ھ میں امام عبد الرزاق یمن میں باحیات تھے۔ امام بخاری نے ان کی خدمت میں حاضری کا ارادہ کیا مگر کسی نے بتایا کہ وصال ہو گیا ہے۔ تو یمن نہیں گئے۔ ان کے تلمیذ سے اخذ حدیث فرمائی۔

امام بخاری خود فرماتے ہیں کہ میں علم حدیث کی طلب کے لئے دوبار مصر دوبار شام دوبار جزیرہ گیا۔ چار بار بصرہ، چھ

---

[1] طبقات الکبریٰ ص۲ ج۲، [2] ایضاً ص۳ ج۲،

سال حجاز میں رہا۔ کوفہ وبغداد کتنی بار گیا۔ اس کا شمار نہیں۔

اس سے ظاہر ہوا کہ اس عہد میں بغداد کی طرح کوفہ بھی علم دین خصوصاً علم حدیث کا مرکز اعظم تھا۔ آج رفاض اور غیر مقلدین کے پروپیگنڈے سے متاثر ہو کر لوگ کوفہ کو جو چاہیں کہیں ـــــ مگر واقعہ یہ ہے کہ اس عہد میں کوفے کی علمی مرکزیت دنیاء اسلام میں مسلم تھی اس کے علاوہ امام بخاری اور بھی دور دراز شہروں کے سفر کئے ہیں۔ مثلاً بلخ گئے اور حضرت امام اعظم کے تلمیذ مکی بن ابراہیم سے اخذ حدیث کیا۔ ان سے اپنی صحیح میں گیارہ ثلاثیات روایت کی ہیں۔ ان جگہوں کے علاوہ نیشاپور، مرو، رَی واسط، قیساریہ، عسقلان وغیرہ بھی گئے [۱]

قوت حافظہ وجودت ذہن تعلیم وتعلم کے لئے سب سے اہم جو چیز ہے وہ حافظہ اور جودت ذہن ہے۔ اللہ عزوجل نے امام بخاری کو یہ تمام باتیں بدرجہ اتم عطا فرمائی تھیں۔ جس کے چند واقعات گذر چکے ہیں۔ ان کے حافظے کا یہ حال تھا کہ جس بات کو ایک مرتبہ سن لیتے یا پڑھ لیتے یاد ہو جاتی پھر کبھی نہ بھولتے۔ اسماعیل بن حاشد کہتے ہیں کہ میں اور چند ساتھی امام بخاری کے ہم سبق تھے۔ ہم لوگ حدیث سننے کے لئے بصرہ کے محدثین کے پاس جایا کرتے تھے۔ ہم لوگ جو سنتے لکھ لیا کرتے۔ امام بخاری کچھ نہیں لکھتے سن کر چلے آتے۔ ہم نے ان سے بار بار کہا کہ وقت ضائع کرنے سے کیا فائدہ تم بھی جو سنو لکھ لیا کرو۔ امام بخاری پر کچھ اثر نہ ہوا۔ سولہ دن کے بعد انھوں نے کہا کہ تم لوگوں نے مجھے بہت ملامت کی۔ اور ملامت کر کے تنگ کر دیا۔ اب تک جتنی حدیثیں لکھ چکے ہو مجھے سناؤ۔ اس اثناء میں پندرہ ہزار احادیث ہم لوگوں نے لکھی تھیں۔ ہم نے اپنے نوشتوں سے دیکھ کر پڑھنا شروع کیا۔ تو یہ حال ہوا کہ ہمارے نوشتوں میں غلطی تھی ان کی یادداشت میں کوئی غلطی نہ تھی ہم نے اپنے مکتوبات کی ان کی یادداشت سے تصحیح کی۔ پورے مقابلے کے بعد فرمایا۔ تم لوگ سمجھتے ہو کہ میری سرگردانی بے کار ہے۔ میں وقت ضائع کر رہا ہوں [۲] محمد بن ازہر کہتے ہیں کہ میں محمد بن حرب کے یہاں حدیث سننے کے لئے جاتا تھا۔ امام بخاری بھی جاتے تھے۔ میں لکھتا تھا وہ نہیں لکھتے تھے۔ کسی نے کہا کہ محمد بن اسماعیل لکھتے نہیں تو میں نے کہا۔ اگر تم سے کوئی حدیث لکھنے سے رہ جائے تو ان سے پوچھ کے لکھ لینا۔ محمد بن حاتم کہتے ہیں کہ ایک دفعہ ہم لوگ، فریابی، کے حلقۂ درس میں حاضر تھے امام بخاری بھی تھے۔ فریابی نے ایک حدیث کی سندیوں بیان کی حدثنا سفیان عن ابی عروبۃ عن ابی الخطاب عن ابی حمزۃ اس سند میں حضرت فریابی نے راویوں کی کنیتیں ذکر کیں نام نہیں لیا۔ پھر پوچھا بتاؤ کہ ان تینوں کے کیا نام ہیں۔ حاضرین مجلس نہ بتا سکے۔ امام بخاری نے بتایا کہ عروبۃ معمر بن راشد ہیں اور ابوالخطاب قتادہ بن دعامہ اور ابو حمزہ حضرت انس ہیں۔ امام بخاری کے منہ سے یہ سنتے ہی حاضرین پر

---

[۱] طبقات الکبری ص۳ ج۲، [۲] ایضاً ص۳ ج۲،

سکتہ طاری ہوگیا۔[1] ایک دفعہ سمرقند میں چار سو محدثین نے متفقہ طور پر طے کیا کہ امام بخاری کو مغالطہ میں ڈال دیں اس کے لئے انھوں نے عراق کی اسناد میں شام کی، اور شام کی اسناد میں عراق کی، حرم کی اسناد میں یمن کی، اور یمن کی اسناد میں حرم کی خلط ملط کر کے سات دن تک یہ لوگ امام بخاری کو پریشان کرتے رہے مگر ان کا حربہ کارگر نہ ہوا۔ یہ لوگ ایک بار بھی امام بخاری کو مغالطہ نہ دے سکے نہ سند میں نہ متن میں۔

بغداد میں امتحان جب امام بخاری بغداد تشریف لے گئے تو وہاں کے محدثین نے ان کے حافظے و وسعت علم کا امتحان لینا چاہا۔ اس کے لئے باہمی مشورے سے یہ طے کیا۔ کہ ایک سو احادیث کے متون اور اسناد میں ردوبدل کر کے انھیں جانچا جائے چنانچہ سو احادیث میں سے ہر ایک کے متن کو دوسری سند کے ساتھ اور دوسرے کی سند کو اس کے متن کے ساتھ ملا دیا گیا۔ دس آدمی سوال کرنے کے لئے منتخب ہوئے۔ ایک ایک شخص کو دس دس حدیثیں دی گئیں۔ ایک تاریخ مقرر ہوئی۔ اس میں امام بخاری مجلس عام میں تشریف لائے اور ہزارہا ہزار محدثین، فقہا، عوام و خواص شریک ہوئے۔ جب مجمع پُرسکون ہوگیا تو حسب قرار داد ایک شخص کھڑا ہوا اس نے ایک ایک کر کے اپنی دسوں حدیثوں کو پڑھا۔ ہر حدیث کے سننے کے بعد امام بخاری یہ فرماتے تھے، "میں اسے نہیں پہچانتا"، اسی طرح دسوں آدمیوں نے باری باری کھڑے ہو کر اپنے اپنے سوال کو دہرایا۔ سب کا جواب یہ تھا کہ میں اسے نہیں جانتا۔ اس پر بے علم خوش ہوئے کہ امام بخاری واقعی ان احادیث کو نہیں جانتے مگر اہل علم جان گئے کہ معاملہ کیا ہے۔ جب دسوں آدمی بیٹھ گئے تو امام بخاری نے پہلے شخص سے فرمایا۔ آپ نے جو پہلی حدیث پڑھی تھی۔ وہ اس طرح نہیں۔ صحیح یوں ہے اس متن کی سند یہ ہے۔ جس ترتیب سے اس نے پیش کی تھی اسی ترتیب سے ہر ایک کی تصحیح کرتے گئے۔ یہاں تک کہ دسوں آدمیوں کی بیان کردہ سو احادیث پر اسی ترتیب سے کلام فرمایا جس ترتیب سے ان لوگوں نے سوال کیا تھا۔ جب امام بخاری فارغ ہوئے تو تمام مجلس سے تحسین و آفریں کا شور اٹھا۔ اور حاضرین نے امام بخاری کے خداداد فضل و کمال کا لوہا مان لیا۔ اسی موقع پر کسی زندہ دل نے کہا ھذا الکبش نطاح یہ زبردست سینگ مارنے والا مینڈھا ہے[2]

سلیم بن مجاہد کا بیان ہے کہ میں ایک دن محمد بن سلام بیکندی کے حلقۂ درس میں پہنچا تو انھوں نے فرمایا۔ تھوڑی دیر پہلے اگر آئے ہوتے تو میں تم کو وہ بچہ دکھاتا جسے ستر ہزار حدیثیں یاد ہیں۔ سلیم کہتے ہیں کہ میں یہ سنکر وہاں سے اٹھا۔ اور امام بخاری کی تلاش شروع کر دی۔ آخر کار ان کو ڈھونڈ نکالا۔ ان سے پوچھا کہ کیا تمھیں وہ صاحبزادے ہو جنھیں ستر ہزار حدیثیں یاد ہیں۔ امام بخاری نے فرمایا۔ مجھے اس سے بھی زیادہ حدیثیں یاد ہیں۔ اور میں جن جن صحابہ سے روایت کرتا ہوں ان میں سے اکثر کے مفصل حالات

---

[1] مقدمہ فتح الباری ۔ [2] طبقات الشافعیۃ الکبریٰ ج ۲ ص ۲،

جانتا ہوں۔ مجھے یہ بھی معلوم ہے کہ کہاں پیدا ہوئے کہاں کا وصال ہوا کہاں رہتے تھے میں صرف اسی حدیث کی روایت کرتا ہوں جس کی اصل کتاب وسنت میں پاتا ہوں۔ یہ واقعہ سولہ سال سے کم عمر کا ہے [۱]

تعدد طرق پر احاطہ اس عہد میں احادیث کا ایسا چرچا تھا کہ جسے بھی دین سے شغف ہوتا وہ کچھ نہ کچھ احادیث ضرور مع سند ومتن کے یاد رکھتا۔ اس کا نتیجہ تھا کہ ایک حدیث بیسوں سندوں کے ساتھ منتشر تھی۔ محدثین اپنی اپنی صواب دید پر ایک یا چند طریقہ پسند فرمالیتے۔ امام بخاری کا اس خصوص میں بھی یہ امتیاز ہے کہ اس عہد میں احادیث کے جو طرق موجود تھے ان سب پر انھیں احاطہ تھا۔ وہ بھی پوری رد وقدح، جرح وتعدیل کے ساتھ۔ اس سلسلے میں متعدد واقعات ہیں۔

یوسف بن موسیٰ مروزی کا بیان ہے کہ میں بصرے کی جامع مسجد میں بیٹھا ہوا تھا۔ منادی کی آواز سنائی دی۔ اے علم کے طلب گارو! محمد بن اسماعیل یہاں آئے ہوئے ہیں۔ جن کو ان سے حدیث سننی ہو وہ ان کی خدمت میں حاضر ہوں۔ یوسف نے بتایا کہ میں نے دیکھا ایک دبلا پتلا نوجوان ستون کے پاس حد درجہ سادگی پورے خشوع وخضوع کے ساتھ نماز پڑھ رہا ہے۔ یہی امام بخاری تھے۔ منادی کی ندا سنکر لوگ چاروں طرف سے ان کے گرد اکٹھے ہوگئے۔ لوگوں نے ان سے درخواست کی ہمیں احادیث لکھانے کے لئے کوئی مجلس منعقد کیجئے۔ امام بخاری نے دوسرے دن کے لئے وعدہ کرلیا۔ دوسرے دن صبح کو مجلس درس منعقد ہوئی۔ امام بخاری نے فرمایا اے اہل بصرہ! میں وہی احادیث لکھواؤں گا جو تمہارے شہر کے محدثین کے پاس ہے مگر ایسی سند کے ساتھ جو ان کے پاس نہیں۔

اس کے بعد امام بخاری نے منصور کی سند سے ایک حدیث لکھوائی۔ اور بصرہ میں یہ حدیث دوسری سندوں کے ساتھ مشہور تھی۔ اسی طرح امام بخاری نے کثیر احادیث لکھوائیں۔ اور سب کے بارے میں فرمایا۔ تمہارے یہاں کے لوگ اس سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں اور میں فلاں سند کے ساتھ روایت کرتا ہوں۔

علل قادحہ میں مہارت کبھی بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حدیث ہر عیب سے پاک ہے صحیح ہے جرح کی کوئی گنجائش نہیں مگر حقیقت میں کوئی ایسا سقم ہوتا ہے کہ وہ حدیث ساقط الاعتبار ہو تی ہے۔ مثلاً بظاہر متصل ہے مگر حقیقت میں متصل نہیں۔ بظاہر مرفوع ہے مگر حقیقت میں موقوف ہے یا متن میں رد وبدل ہوگیا ہے۔ یا سند میں۔ یا کسی راوی سے وہم ہوگیا ہے۔ اس کی شناخت حدیث کا بہت اہم فن ہے۔ حتیٰ کہ عبدالرحمٰن بن مہدی نے کہا کہ ان علل کی معرفت بغیر الہام کے نہیں ہوسکتی۔ محدثین نے فرمایا کہ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ محدث یہ پہچان جاتا ہے کہ یہ حدیث معلول ہے مگر علت کسی کو نہیں بتا سکتا۔ جیسے ماہر سنار

[۱] طبقات الشافعۃ الکبریٰ ص ۲۲۲،

سونے کو پرکھ کر جان جاتا ہے کہ کیسا ہے مگر دوسرے شخص کو سمجھا نہیں سکتا۔ اس فن میں بھی امام بخاری یکتا تھے۔

ایک دفعہ نیشاپور میں جو امام مسلم کا وطن تھا۔ امام بخاری تشریف فرما تھے امام مسلم امام بخاری سے ملاقات کے لئے آئے۔ اسی اثناء میں کسی نے یہ حدیث پڑھی۔

عن ابن جریج عن موسی بن عقبۃ عن سھیل بن ابی صالح عن ابیہ عن ابی ھریرۃ عن النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قال کفارۃ المجلس اذا قام العبد ان یقول سبحٰنک اللّٰھم وبحمدک اشھد ان لا الٰہ الا انت استغفرک واتوب الیک

ابن جریج موسی بن عقبہ سے روایت کرتے ہیں وہ سہیل بن ابی صالح سے وہ اپنے باپ سے وہ حضرت ابوہریرہ سے کہ نبی صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجلس کا کفارہ یہ ہے کہ جب کھڑے ہو تو یہ پڑھ لیا کرو اے اللہ ہم تیری تسبیح کرتے ہیں تیری حمد کے ساتھ میں گواہی دیتا ہوں کہ تیرے سوا کوئی معبود نہیں میں تیری طرف توبہ کرتا ہوں اور تیری بخشش کا طالب ہوں۔

اس حدیث کو سنکر امام مسلم نے کہا۔ سبحان اللہ کتنی عمدہ حدیث ہے۔ کیا اس حدیث کی سند اس سے بڑھ کر دنیا بھر میں ہے؟ امام بخاری نے فرمایا نعم لکنہ معلول۔ ہاں سند تو اچھی ہے لیکن معلول ہے۔ امام مسلم اس کو سنتے ہی کانپ اٹھے اور کہا "لا الٰہ الا اللہ" آپ مجھے اس کی علت بتا دیجئے۔ امام بخاری نے فرمایا۔ اللہ عزوجل نے جس چیز کو پوشیدہ رکھا ہے۔ اسے پوشیدہ ہی رہنے دو۔ امام مسلم نے اٹھ کر امام بخاری کے سر کو بوسہ دیا۔ اور عاجزی کے ساتھ درخواست کرتے رہے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ رو دیں گے۔ آخر کار امام بخاری نے فرمایا اتنا بضد ہو تو اس کی غیر معلول سند سنو حدثنا موسی بن اسماعیل حدثنا وھیب حدثنا موسی بن عقبۃ عن عون بن عبد اللہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کفارۃ المجلس۔ الحدیث۔ اس کو سننے کے بعد امام مسلم باغ باغ ہو گئے اور امام بخاری سے کہا۔ اے امام میں شہادت دیتا ہوں کہ دنیا میں آپ کی نظیر نہیں۔ جو آپ سے بغض رکھے وہ حاسد ہے[لہ]۔ اس قصے کو بیہقی نے مدخل میں اس طرح لکھا ہے۔ امام مسلم امام بخاری کی خدمت میں حاضر ہوئے ان کی آنکھوں کے درمیان بوسہ دیا اور عرض کیا کہ اجازت دیجئے کہ آپ کے پاؤں کو بوسہ دوں اے استاذ الاستاذین وسید المحدثین وطبیب الحدیث فی عللہ! آپ سے محمد بن سلام نے یہ حدیث بیان کی ہے:۔

حدثنا محمد بن مخلد بن یزید قال اخبرنا ابن جریج حدثنی موسیٰ بن عقبۃ عن سھیل بن ابی صالح عن ابیہ عن ابی ھریرۃ عن النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فی کفارۃ المجلس۔ الحدیث۔ یہ سنکر امام بخاری نے فرمایا یہ حدیث مجھ سے اور ایک طریقہ سے بیان کی گئی ہے۔ حدثنا احمد بن حنبل ویحیی بن معین قالا حدثنا حجاج

لہ ارشاد الساری ج ۱، ص ۳۰ وایضا مقدمہ فتح الباری، ص ۴۸۶،

بن محمد عن بن جريج قال حدثني موسى بن عقبة عن سهيل عن ابيه عن ابي هريرة ان النبي صلى الله تعالى عليه وسلم قال كفارة المجالس۔ الحديث۔ یہ حدیث سناکر امام بخاری نے فرمایاکہ یہ حدیث اچھی ہے۔اس سند کے ساتھ دنیا میں سوائے اس کے اور کوئی حدیث نہیں۔ مگر یہ معلول ہے۔ اسلئے کہ موسیٰ بن عقبہ کا سماع سہیل سے ثابت نہیں۔ پھر سابقہ مذکورہ طریقے سے حدیث بیان فرمائی اور فرمایا۔ یہ اس سے بھی بہتر ہے [۱]

نیشاپور ہی کا واقعہ ہے کہ ایک بار محمد بن یحیی ذہلی اور امام بخاری ایک جنازے میں جارہے تھے ذہلی امام بخاری سے رواۃ اور علل کے بارے میں سوالات کرتے جاتے تھے اور وہ فرفر تیر کی طرح یوں بتاتے جاتے تھے جیسے قل ھو اللہ پڑھ رہے ہوں [۲]

عادات واطوار امام بخاری کے والد نے ترکے میں بہت زیادہ مال چھوڑا تھا اور وہ اس مال کو مضاربت پر دیتے تھے۔ ایک دفعہ ایک شخص کے ذمے پچیس ہزار درہم امام بخاری کے باقی پڑ گئے۔ امام بخاری نے دس درہم ماہانہ کی قسط مقرر فرمادیا۔ مگر کچھ وصول نہ ہوا۔

ایک بار ابوحفص نے امام بخاری کے پاس کچھ سامان تجارت بھیجا کہ اسے بیچ دیں۔ تاجروں کو پتہ چلا تو امام بخاری کی خدمت میں حاضر ہوگئے اور پانچ ہزار درہم نفع دینے کو کہا۔ یہ رات کا وقت تھا۔ امام بخاری نے فرمایا، اس وقت آپ لوگ جائیں اور صبح کو آئیے گا۔ دوسرے دن صبح کو تاجروں کا دوسرا گروہ آیا اس نے دس ہزار نفع دینے کو کہا۔ امام بخاری نے فرمایا میں نے رات ہی کو نیت کرلی تھی کہ پہلے گروہ کو دوں گا۔ نیت بدلنا پسند نہیں کرتا۔

ایک بار امام بخاری لکھ رہے تھے آپ کی باندی گزری اس کے پاؤں سے دوات کو ٹھوکر لگی اور دوات گر گئی امام بخاری نے اس سے فرمایا۔ دیکھ کر چلا کرو۔ باندی نے شوخی سے جواب دیا جب راستہ نہ ہو تو کیا کروں؟ آپ نے نظر اٹھا کر اسے دیکھا اور کہا! جاؤ تم آزاد ہو۔

امام بخاری نے کبھی اپنی ذات کا کسی سے انتقام نہیں لیا۔ ان کے اساتذہ میں محمد بن یحیی ذہلی تھے۔ یہی بزرگ اس کا سبب بنے کہ امام بخاری کو نیشاپور چھوڑنا پڑا۔ مگر امام بخاری نے ان کی مرویات کو صحیح بخاری میں بھی درج فرمایا۔ البتہ بجائے محمد بن یحیی کے یا تو صرف محمد ذکر کرتے ہیں یا بجائے باپ کے ان کے دادا کی طرف نسبت کرکے محمد بن خالد لکھتے ہیں۔ لوگوں نے اس کا سبب پوچھا تو بتایا۔ کہ ذہلی مجھ پر جرح کرتا ہے۔ اگر میں اس کا نام بطرز مشہور لکھوں تو وہ متعین ہوجائے گا۔ لوگ کہیں گے کہ جو شخص ان پر جرح کرتا ہے اس کو یہ عادل جانتے ہیں۔ تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ اس کی جرح درست ہے۔ اور میں مجروح ہوں یعنی

[۱] مقدمہ فتح الباری ص ۴۸۶، [۲] ایضاً ص ۴۸۶، وارشاد الساری ج ۱، ص ۳۰،

عادل وہ ہے جو جھوٹ نہ بولے۔ اور جب ذہلی نے امام بخاری پر جرح کیا تو اگر جرح صحیح تو امام بخاری مجروح اور جرح غلط تو ذہلی کاذب اور غیر عادل۔

مگر خلجان اب بھی باقی رہتا ہے۔ کہ جب ذہلی نے امام بخاری پر جرح کی۔ تو صرف روایت میں ان کا نام بدلنے سے یہ احتمال کیسے ختم ہوگیا۔ وہ تو اب بھی اپنی جگہ باقی رہا۔ اگر ذہلی صادق تو امام بخاری مجروح اور امام بخاری بے داغ تو ذہلی غیر عادل۔

بات یہ ہے کہ معاصرین کی جرحیں قابلِ اعتنا نہیں جب کہ یہ معلوم ہو کہ یہ کسی اختلاف کی وجہ سے کر رہا ہے۔ امام بخاری اور ذہلی میں مسئلہ خلقِ قرآن پر شدید اختلاف ہوا جس کی تفصیل آگے آتی ہے۔ اس اختلاف کی وجہ سے ذہلی امام بخاری پر معاصرانہ چشمک کی وجہ سے جرح کرتے تھے۔ اس لئے وہ جرح ناقابلِ اعتبار ہے۔

اس کے باوجود کہ میراث میں کثیر دولت پائی تھی۔ چاہتے تو رئیسانہ ٹھاٹھ باٹھ سے زندگی گزارتے۔ مگر امام بخاری بہت سادہ زاہدانہ طور پر گزر بسر کرتے تھے۔ چوبیس گھنٹے میں دو تین بادام پر گزارہ کرتے کبھی صرف سوکھی گھاس پر۔ چالیس سال تک بے شوربے کے سوکھی روٹی کھائی۔ بیمار پڑے اور اطبا نے قارورہ دیکھا تو انھوں نے بتایا کہ ان کا قارورہ راہبوں کے قارورے کے مثل ہے۔ یہ صرف سوکھی روٹی کھاتے ہیں۔ جس سے آنتیں سوکھ گئی ہیں۔ لوگوں کے بہت اصرار کرنے پر بمشکل تمام شیرۂ انگور سے روٹی کھانا قبول کیا۔

محمد بن حاتم وراق کہتے ہیں کہ امام بخاری جب سفر میں رہتے تو ہم تمام خدام کو ایک کمرے میں رکھتے اور خود سب سے علٰحدہ ایک کمرے میں۔ ایک بار میں نے دیکھا کہ وہ رات میں پندرہ بیس مرتبہ اٹھے اور چقماق سے آگ جلا کر چراغ جلاتے اور احادیث کے دفاتر پڑھتے کہیں کہیں نشان لگاتے اور پھر تکیہ پر سر رکھ کر لیٹ جاتے۔ میں نے عرض کیا کہ رات کو آپ نے بار بار خود زحمت اٹھائی مجھے جگا دیتے۔ فرمایا تم ! جوان ہو اور گہری نیند سوتے ہو تمہاری نیند خراب ہوتی۔

امام بخاری بہت ماہر تیر انداز تھے۔ شاید باید ہی کوئی تیر خطا کرتا۔ ابو جعفر کہتے ہیں کہ اپنی طویل صحبت میں صرف دو بار میں نے ان کے تیر کو خطا ہوتے دیکھا۔ ایک مرتبہ فِرَبْر میں تھے۔ امام بخاری سوار ہو کر تیر اندازی کے لئے نکلے۔ خدام ساتھ تھے۔ شہر پناہ کے اس دروازے پر جس سے نہر کے دہانے تک راستہ جاتا ہے۔ ہم لوگ تیر اندازی کرنے لگے۔ امام بخاری کا ایک تیر پل کی میخ میں جا لگا جس سے میخ پھٹ گئی۔ امام بخاری نے فوراً تیر اندازی موقوف کر دی اور ہم لوگوں کو واپسی کا حکم دیا۔ اور ایک گہرا سانس لیا۔ اور ابو جعفر سے فرمایا، تم سے ایک کام ہے اس پل کے مالک کے پاس جاؤ اور کہو کہ بخاری کے تیر سے میخ پھٹ گئی ہے ۔ دو باتوں میں سے ایک کرو۔ یا تو اجازت دو ہم اس کی میخ بدل دیں۔ یا اس کی قیمت لے لو۔ اور غلطی معاف کرو۔ اس پل کے مالک حمید بن اخضر تھے میں نے جا کر امام بخاری کا پیغام انھیں پہنچایا۔ تو حمید نے کہا کہ امام بخاری سے جا کر میرا سلام کہو اور عرض

کرو۔ آپ سے مواخذہ نہیں۔ میرا تمام مال آپ پر قربان۔ میں نے واپس آکر امام بخاری کو جب ان کا جواب سنایا تو ان کا چہرہ خوشی سے چمک اٹھا اور فرط مسرت میں اس دن ہم لوگوں کو پانچ سو احادیث سنائیں اور تین سو درہم صدقہ کئے

ایک دن امام بخاری حدیث بیان کر رہے تھے ان کے ایک تلمیذ ابو معشر ضریر کو وہ حدیث بہت پسند آئی۔ وہ عالم کیف میں ہاتھ اور سر ہلانے لگے۔ ان کی اس حرکت پر امام بخاری مسکرا دیئے پھر بعد میں امام بخاری کو احساس ہوا اور ابو معشر ضریر سے معافی مانگی

امام بخاری فرماتے ہیں کہ میں نے کبھی کسی کی غیبت نہیں کی ہے۔ مجھے امید ہے کہ قیامت کے دن اللہ عزوجل مجھ سے غیبت پر مواخذہ نہیں فرمائے گا۔ اس میں اتنے محتاط تھے کہ نقد و جرح میں راویوں کے حالات بیان کرنا ضروری ہے۔ مگر آپ نے اس موقع پر بھی انتہائی احتیاط کی۔ یہاں تک بدرجۂ مجبوری اگر کسی کے کاذب ہونے کو ظاہر کیا ہے تو بطور حکایت مثلاً کذبہ فلاں ۔ رماہ بالکذب فلاں ۔

ایک بار جب کہ فربر میں قیام تھا۔ بخارا کے قریب ایک مسافر خانہ کی امام بخاری نے تعمیر شروع کی۔ خدام و معتقدین کو ساتھ لے کر کام شروع کیا کام شروع ہوا تو بہت سے لوگ رضا کارانہ طور پر کام کرنے کے لئے آگئے۔ انبوہ کثیر جمع ہوگیا۔ امام بخاری خود کام کرتے، اینٹیں اٹھاتے، دیواریں لگاتے، ایک خادم نے عرض کیا، آپ رہنے دیں ہم لوگ کافی ہیں، فرمایا یہ تکلیف آخرت میں نفع بخش ہوگی۔ کام کرنے والوں کے لئے امام بخاری نے ایک گائے ذبح کی۔ ہم فربر سے تین روپئے کی روٹیاں لائے تھے۔ ایک روپے کی پانچ من کے حساب سے۔ پندرہ من روٹیاں تھیں۔ آج کل کے حساب سے یہ کل روٹیاں چونتیس کلو گرام سے کچھ تھوڑی سی زائد تھیں۔ ابتدا میں امام بخاری کے ساتھ صرف سو آدمی تھے۔ مگر اب تعدا د بہت بڑھ گئی تھی، مگر امام بخاری کی کرامت کہ سب نے آسودہ ہو کر کھایا۔ اور روٹیاں کافی بچ گئیں۔

امام بخاری کی فیاضی کا عالم یہ تھا کہ کبھی کبھی ایک دن میں تین تین سو درہم صدقہ کر دیا کرتے۔ مضاربت سے انکی آمدنی پانسو ماہانہ تھی۔ یہ ساری رقم طلبہ پر صرف کر دیتے تھے۔ ایام تحصیل میں اپنے شیخ آدم بن ایاس کے یہاں تھے۔ کھانے پینے کا سامان و نقد سب خرچ ہوگیا گھر سے خرچ آنے میں دیر ہوگئی۔ ان دنوں انھوں نے گھاس کھا کر گزارا کیا کسی سے سوال کیا کرتے قرض بھی نہیں مانگا۔ تین دن یہی حال رہا تیسرے دن ایک اجنبی صاحب آئے جنہیں امام بخاری بھی پہچانتے نہ تھے۔ اور اشرفیوں کی تھیلی نذر کی۔

عبادت و ریاضت ان سب خوبیوں پر مستزاد یہ کہ بہت ہی زبردست عبادت گزار تھے۔ کثرت سے نوافل پڑھتے۔ شب بیداری کرتے۔ قرآن مجید کی تلاوت کا اتنا شوق تھا کہ گویا وہ روحانی غذا تھی، رمضان المبارک آجاتا تو تلاوت قرآن تقریباً

چوبیس گھنٹے جاری رہتی۔ بعد عشاء تراویح پڑھتے، اس میں ہر رکعت میں بیس آیات کی تلاوت کرتے۔ اس طرح پورا قرآن مجید پورا کرتے۔ پھر آدھی رات سے سحر تک دس پارے روز پڑھتے۔ دن میں روزانہ پورا قرآن مجید ختم کرتے۔ افطار کے وقت ختم فرماتے۔ ان کا ارشاد ہے کہ ہر قرآن مجید کے ختم کے وقت دعا قبول ہوتی ہے [۱]

اس سے ان غیر مقلدین کو ہدایت حاصل کرنی چاہئے۔ جو اپنے آپ کو امام بخاری کا کٹر مقلد ظاہر کرتے ہیں۔ مگر سیدنا امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر یہ اعتراض کرتے ہیں کہ وہ روزانہ ایک ختم قرآن مجید پڑھتے تھے یہ ناجائز و بدعت ہے۔ امام اعظم کے اس ختم کو تو بدعت کہدیا۔ امام بخاری کے اس عمل کو کیا کہیں گے کہ وہ روزانہ ایک ختم دس پارے، چار سو آیات کی تلاوت کرتے تھے۔

نیز غیر مقلدین نے آرام پسند کاہل افراد کو اپنے دام میں پھنسانے کے لئے تراویح بجائے بیس کے آٹھ رکعت کر دی ہے۔ وہ آئیں اور دیکھیں امام بخاری بھی بیس ہی رکعت تراویح پڑھتے تھے اس لئے کہ قرآن میں کم ازکم چھ ہزار آیتیں ہیں۔ اور آٹھ رکعت میں کل ایک سو ساٹھ آیتیں ہوتی ہیں اس طرح تیس رات میں کل چار ہزار ساٹھ آیتیں ہوئیں۔ اگر یہ مان لیا جائے کہ امام بخاری آٹھ رکعت تراویح پڑھتے تھے تو لازم آئے گا کہ تراویح میں پورا قرآن ختم نہ کرتے۔ یہ روایت کے خلاف ہونے کے ساتھ خلاف سنت بھی ہے — سنت یہ ہے کہ کم ازکم ایک ختم قرآن مجید پڑھا جائے۔ اور احناف کے مسلک پر بلاکسی دغدغے کے درست ہے۔ بیس رکعت میں بحساب فی رکعت بیس آیات چار سو آیتیں ہوئیں۔ اور پندرہ دن میں چھ ہزار۔ اس طرح فی رکعت بیس آیات کے حساب سے قرآن مجید رمضان میں ضرور ختم ہو جاتا ہے۔ زیادہ سے زیادہ یہ لازم آئے گا کہ امام بخاری پندرہ ہی دن میں تراویح کے اندر ختم قرآن کر لیتے تھے۔ اس لزوم میں کوئی حرج نہیں۔

اس کا امکان ہے کہ پندرہ دن قرآن مجید اور پندرہ دن سورۂ تراویح پڑھتے ہوں۔

علامہ ابن حجر عسقلانی نے ھدی الساری مقدمہ فتح الباری میں لکھا

اذا كان اول ليلة من رمضان يجتمع اليه اصحابه فيصلى بهم ويقرأ فى كل ركعة عشرين آية وكذالك الى ان يختم القرآن [۲]	جب رمضان کی پہلی رات آتی تو ان کے اصحاب ان کے پاس جمع ہوتے یہ انھیں پڑھاتے، ہر رکعت میں بیس آیتیں پڑھتے یہاں تک کہ قرآن ختم کرتے۔

یہ بھی ضروری نہیں کہ صرف ایک ہی قرآن ختم کرتے ہوں ہو سکتا ہے دو قرآن ختم کرتے ہوں۔ اس دوسرے احتمال پر یہ شبہہ

---

[۱] مقدمہ فتح الباری ص۴۸۱، وایضا طبقات الشافعیۃ الکبریٰ ج ۲ ص۹، [۲] مقدمہ فتح الباری ص۴۸۱،

وارد ہوتا ہے کہ اگر رمضان انتیس دن کا ہو تو لازم آئے گا کسی دن بیس کے بجائے چالیس آیتیں پڑھی جائیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ باعتبار اغلب اکثر کے بیس آیتوں کو ذکر کیا گیا۔ اور یہ تو اتنا اغلب واکثر ہے کہ انتیس دن میں صرف ایک دن کا تخلّف ہے۔

عبادت میں استغراق ایک دفعہ کسی باغ میں امام بخاری کی دعوت تھی۔ ظہر کی نماز کے بعد نفل پڑھنی شروع کی جب نماز سے فارغ ہوئے تو اپنے کرتے کا دامن اٹھایا۔ اور اپنے ایک ساتھی سے کہا! دیکھو تو میرے کرتے کے اندر کچھ ہے؟ انھوں نے دیکھا کہ ایک بھڑ ہے جس نے سولہ سترہ جگہ ڈنک مارا ہے۔ اور یہ سب جگہیں سوج گئی ہیں۔ کسی نے کہا کہ پہلی بار جب اس نے ڈنک مارا تھا تو نماز کیوں نہیں توڑ دی؟ فرمایا میں ایک سورہ پڑھ رہا تھا اسے پوری کئے بغیر نماز توڑنے کو جی نہیں چاہا[1]

ادب ایک دفعہ امام بخاری مسجد میں حدیثیں بیان فرما رہے تھے۔ کہ ایک شخص نے اپنی ڈاڑھی میں لگے ہوئے تنکے کو نکال کر مسجد کے فرش پر ڈال دیا۔ امام بخاری نے لوگوں کی نظریں بچا کر اس تنکے کو اٹھا کر اپنی آستین میں رکھ لیا۔ لوگوں کے چلے جانے کے بعد اس تنکے کو مسجد کے باہر پھینکا۔ ان لوگوں کو اس سے سبق حاصل کرنا چاہئے جو اپنے کپڑوں کو گرد سے بچانے کے لئے مسجد کی چٹائیاں جھاڑ کر مسجد کے فرش پر گرا دیتے ہیں۔ عالمگیری میں ہے کہ چٹائی کے گرد و غبار کو جھاڑ کر مسجد کے فرش پر کرنا منع ہے۔ یہ بالکل ایسا ہے جیسے کوئی اپنے پہنے ہوئے کپڑے سے گندگی پونچھ کر اپنے بدن میں مل لے۔ اسے کون پسند کرے گا؟ اصل مسجد فرش ہے اور چٹائی وغیرہ اس کا لباس۔

اعتراف فضل امام بخاری کے کمال کی معراج یہ ہے کہ ان کے فضائل و مناقب کا اعتراف خود ان کے عہد کے تمام اساطین ملت وائمہ حدیث وارباب فضل وکمال نے کیا۔ اور ان کے بارے میں ایسے ایسے عظیم الشان کلمات مدح وثناء کہے ہیں۔ جو امام بخاری کی جلالت شان کی دستاویز ہیں۔ اور ان میں صرف تلامذہ اصاغر ہی نہیں بلکہ اساتذہ بھی ہیں اور معاصرین بھی۔ اگر ان تمام کلمات کو جمع کیا جائے تو ہزاروں صفحات ناکافی ہیں۔ علامہ ابن حجر جیسے علم کے بحر ناپیدکنار نے یہاں تک لکھ دیا۔ کہ امام بخاری کی عظمت شان میں اتنے کلمات کہے گئے ہیں کہ اگر ان سب کو جمع کیا جائے تو کاغذ وقلم ختم ہو جائیں گے مگر کلمات ختم نہ ہونگے اس لئے کہ وہ ایسے بحر تھے جس کا کوئی ساحل نہیں۔

کلمات اساتذہ ابو مصعب احمد بن ابو بکر زہری نے کہا کہ محمد بن اسماعیل حدیث کی بصیرت اور حدیث کی سمجھ امام احمد بن حنبل سے زیادہ رکھتے ہیں۔ کسی نے اس پر تعجب کرتے ہوئے کہا آپ حد سے آگے بڑھ گئے تو ابو مصعب نے کہا اگر تم مالک کا زمانہ پاتے انھیں اور امام بخاری کو دیکھتے اور پہچانتے تو کہتے دونوں ایک ہی ہیں۔

---

[1] قسطلانی ج ۱ ص ۳۱۔

قتیبہ بن سعید نے کہا! میں فقہاء، زہاد، عباد کے پاس بیٹھا میں نے ان جیسا کسی کو نہیں دیکھا وہ اپنے زمانے میں ایسے تھے جیسے حضرت عمر رضی اللہ عنہ صحابہ میں۔ امام احمد بن حنبل نے فرمایا" سرزمین خراسان نے بخاری جیسا آج تک پیدا نہیں کیا۔ قتیبہ سے۔ شراب کے نشہ سے مست کی طلاق کے بارے میں سوال ہوا اتنے میں امام بخاری آگئے قتیبہ نے امام بخاری کی طرف اشارہ کرکے کہا۔ لو یہ احمد بن حنبل، اسحق بن راہویہ، علی بن مدینی کو اللہ تعالے نے تمھارے یہاں بھیج دیا۔ یعنی یہ تنہا ان تینوں ائمہ کے مجموعہ ہیں۔ اسحق بن راہویہ ایک مرتبہ مسجد میں منبر پر بیٹھے ہوئے حدیث بیان کر رہے تھے امام بخاری بھی موجود تھے۔ ایک حدیث پر انھیں امام بخاری نے ٹوک دیا۔ اسحق بن راہویہ نے امام بخاری کے قول کو مان لیا۔ اور حاضرین سے فرمایا۔ اے محدثین! اس جوان کو دیکھو! ان سے حدیثیں سیکھو اگر یہ امام حسن بصری کے زمانے میں ہوتے تو وہ بھی حدیث وفقہ کی معرفت میں انکے محتاج ہوتے۔

علی بن مدینی نے کہا! بخاری نے اپنے مثل کو نہیں دیکھا۔ بخاری جس کی تعریف کردیں وہ ہمارے نزدیک پسندیدہ ہے۔ حالانکہ علی بن مدینی وہ جلیل محدث ہیں کہ خود امام بخاری نے فرمایا! میں نے علی بن مدینی کے علاوہ کسی کے سامنے اپنے کو چھوٹا نہیں جانا۔ رجاء بن رجاء نے کہا! بخاری کی فضیلت علماء پر ایسی ہی ہے جیسے مردوں کی عورتوں پر۔ وہ اللہ کی آیتوں میں سے ایک آیت ہیں جو زمین پر چلتے ہیں۔

کلمات معاصرین یہ تو بہت ہوتا ہے کہ شفیق اساتذہ اپنے ہونہار تلامذہ کو نوازتے ہیں۔ مگر ایک معاصر دوسرے معاصر کے فضل وکمال کا بہت کم اعتراف کرتا ہے۔ اپنے اوپر تفوق تسلیم کرنا تو بہت دور کی بات ہے۔ معاصرانہ چشمک مشہور ہے۔ مگر امام بخاری کے فضل وکمال کا یہ زرّیں ورق ہے کہ ان کے معاصرین نے بھی نہایت صفائی اور تصریح کے ساتھ ان کے فضل وکمال بلکہ اپنے اوپر ان کی برتری کو بھی تسلیم کیا ہے۔

عبداللہ بن عبدالرحمٰن دارمی نے کہا! میں نے حرمین، حجاز، شام، عراق کے علماء کو دیکھا مگر امام بخاری جیسا جامع کسی کو نہیں پایا۔ وہ اللہ کی مخلوق میں سب سے زیادہ سمجھ والے ہیں۔

ابوالطیب حاتم بن منصور نے کہا! کہ امام بخاری علم کی بصیرت اور عبور میں اللہ کی آیتوں میں سے ایک آیت ہیں۔ امام ابوبکر محمد بن اسحق بن خزیمہ نے کہا! آسمان کے نیچے بخاری سے زیادہ حدیث جاننے والا کوئی نہیں۔ امام ترمذی نے کہا! علل واسانید کا بخاری سے زیادہ جاننے والا کوئی نہیں۔ امام مسلم نے ان سے مخاطب ہوکر کہا! آپ کے مثل دنیا میں کوئی نہیں۔ پہلے امام مسلم کا قول گزر چکا۔ مجھے اجازت دیجئے کہ میں آپ کے پاؤں کو بوسہ دوں۔ استاذ الاستاذین، سید المحدثین طبیب الحدیث فی علله۔ ابوعمرو خفاف نے کہا! بخاری نے اپنا مثل نہیں دیکھا یہ امام احمد اور اسحق وغیرہ سے بیس درجے اعلم بالحدیث

ہیں۔ جو ان کی گستاخی کرے اس پر میری طرف سے ہزار لعنت۔

عبد اللہ بن حماد آملی نے کہا! میری آرزو ہے کہ میں امام بخاری کے جسم کا ایک بال ہوتا اور جو شرف اس بال کو حاصل ہے مجھے حاصل ہوتا۔ سلیم بن مجاہد نے کہا! میں نے ساٹھ سال سے بخاری سے زیادہ فقیہہ اور پرہیزگار کسی کو نہیں دیکھا۔ موسیٰ بن ہارون حمال بغدادی نے کہا! اگر تمام اہل اسلام اکٹھے ہو کر یہ چاہیں کہ محمد بن اسماعیل جیسا کوئی اور پالیں تو یہ ناممکن ہے۔ رہ گئے تلامذہ اور بعد کے علماء نے کیا کہا؛ اس کا سلسلہ اتنا دراز ہے کہ اس کی کوئی حد نہیں۔

مشائخ اور ان کے طبقات امام بخاری کا فضل و کمال یہ بھی کچھ کم نہیں کہ انھوں نے علم حدیث کی تحصیل میں اس کا لحاظ نہیں کیا کہ ہم جس سے حدیث حاصل کر رہے ہیں یہ ہم سے بڑا ہے کہ برابر ہے کہ چھوٹا۔ انسان کے دماغ میں جب پندار کا غرور پیدا ہو جاتا ہے تو اپنے چھوٹے تو چھوٹے ہیں برابر تو برابر ہیں اپنے بڑوں کو بھی خاطر میں نہیں لاتا ہے۔ جاہل رہنا پسند کرتا ہے۔ جہل مرکب میں گرفتار رہنا قبول کرتا ہے مگر دوسرے سے کچھ پوچھنا اپنی کسر شان سمجھتا ہے۔ یہ پندار انسان کو علم سے محروم رکھتا ہے۔ کبھی بے جا حیا آڑے آتی ہے۔ مگر امام بخاری ان دونوں عیبوں سے پاک تھے۔ اس حدیث الکلمۃ الحکمۃ ضالۃ المومن حیث ما وجدھا فھو احق بھا[1] علم مومن کی گمشدہ دولت ہے جہاں بھی پائے وہ اس کا سب سے زیادہ مستحق ہے۔ کے سچے عامل تھے اسی لئے ان کے اساتذہ کی فہرست میں جہاں اس وقت کے مسلم الثبوت مشائخ محدثین ہیں وہیں ان کے معاصرین و تلامذہ بھی ہیں۔ ان کے اساتذہ پانچ طبقات کے ہیں جن کی تعداد ایک ہزار اسی ہے۔

طبقۂ اولیٰ وہ مشائخ جو ثقات تابعین سے روایت کرتے ہیں جیسے محمد بن عبد اللہ انصاری مکی بن ابراہیم ابو عاصم۔ انیس عبید اللہ بن موسیٰ اسماعیل بن ابی خالد اور نعیم صاحب حلیہ وغیرہ۔

طبقۂ ثانیہ وہ مشائخ جو طبقۂ اولیٰ کے معاصرین ہیں مگر وہ ثقات تابعین سے روایت نہیں کرتے جیسے آدم بن ابی ایاس، ابو مسہر سعید بن ابی مریم اور ایوب بن سلیمان وغیرہ۔

طبقۂ ثالثہ وہ مشائخ جو کبار تبع تابعین سے روایت کرتے ہیں جیسے سلیمان بن حرب، قتیبہ بن سعید، نعیم بن حماد، علی بن مدینی، یحیی بن معین، امام احمد بن حنبل وغیرہ۔

طبقۂ رابعہ امام بخاری کے درس کے رفقاء جنھوں نے امام بخاری سے پہلے علم حدیث کی تحصیل شروع کی تھی جیسے ابو حاتم رازی، محمد بن عبد الرحیم، حمید بن حمید، احمد بن نضر، محمد بن یحیی ذہلی وغیرہ۔ امام بخاری نے اس وقت ان لوگوں سے روایت کی

---

[1] ابن ماجہ باب الحکمۃ ص۳۱۷،

جب ان کے مشائخ وصال پاگئے اور جو احادیث ان کے پاس تھیں وہ کسی اور کے پاس نہ تھیں۔

طبقہ خامسہ اس طبقے میں وہ محدثین ہیں جو امام بخاری کے تلامذہ تھے۔ جیسے عبداللہ بن حماد آملی، عبداللہ بن عباس خوارزمی اور حسین بن محمد قبانی۔

تلامذہ اس زمانے میں حرمین طیبین کے سوا کوفہ، بصرہ، بغداد، نیشاپور، سمرقند، بخارا علوم دینیہ کے اہم مراکز تھے۔ ان شہروں میں امام بخاری بار بار گئے۔ بے شمار لوگوں کو حدیث پڑھائیں اور یہ سلسلہ ابتدا ہی سے شروع ہوگیا تھا۔ جہاں جاتے لوگوں کو حدیث پڑھاتے۔ اور ساتھ ہی ساتھ علم حدیث کی تحصیل بھی کرتے۔ کبھی کبھی ہزارہا ہزار کے مجمع میں حدیث املا کراتے۔ محمد بن صالح نے کہا! میں نے بغداد میں ان کی حدیثیں لکھنے والوں کا مجمع بیس ہزار تک دیکھا۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ان کے تلامذہ بخارا سے لے کر حجاز، شام، مصر تک پھیل گئے۔

علامہ ابن حجر عسقلانی نے لکھا کہ جن لوگوں نے ان سے صحیح بخاری سنی ان کی تعداد نوے ہزار ہے[1]۔ یہ صحیح بخاری کا حال ہے۔ اس کے علاوہ امام بخاری سے احادیث اخذ کرنے والوں کی کیا تعداد ہے؟ یہ آج کون شمار کر سکتا ہے۔ جب کہ اس عہد میں گنتی نہ ہو سکی۔

نیشاپور کا فتنہ جب ۲۵۰ھ میں بغداد سے امام بخاری نیشاپور آئے۔ اہل نیشاپور کو جب ان کی آمد کی خبر معلوم ہوئی تو انھوں نے دو تین منزل آگے بڑھ کر ان کا استقبال کیا۔ عوام و خواص، علما و صلحا رؤسا سبھی تھے۔ اور اس شان سے نیشاپور آئے کہ اس وقت تک اس شان و شوکت کا استقبال نیشاپور میں نہ کسی عالم کا ہوا تھا نہ کسی حاکم کا۔ یہ امام مسلم کا بیان ہے۔ اس وقت نیشاپور میں محمد بن یحیی ذہلی مشہور محدث عوام و خواص کے مرجع اعظم تھے یہ بھی استقبال کرنے والوں میں تھے۔ بلکہ لوگوں کو اس کی ترغیب بھی دی۔ انھوں نے لوگوں سے کہا کل میں خود ان کے استقبال کو چلوں گا جس کا جی چاہے چلے۔ نیشاپور میں آکر امام بخاری نے دار البخارین میں قیام کیا۔ امام ذہلی نے لوگوں کو تنبیہ کر دی تھی کہ امام بخاری سے علم کلام کا کوئی مسئلہ نہ پوچھنا خدانخواستہ اگر وہ ہمارے مسلمات کے خلاف کوئی بات کہدیں گے تو ہمارے اور ان کے درمیان اختلاف ہو جائے گا۔ جس پر خراسان کے رافضی ناصبی، جہمی، مرجی ہنسیں گے۔

امام بخاری نے جب احادیث کا درس دینا شروع کیا۔ تو لوگ جوق در جوق آنے لگے۔ اتنی بھیڑ ہونے لگی کہ دار ہی نہیں بام و در بھر گئے۔ دوسری درسگاہیں خالی ہوگئیں۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ معتزلہ نے خلق قرآن کا مسئلہ پوری دنیائے

[1] مقدمہ فتح الباری ص ۴۹۲

اسلام میں پھیلا رکھا تھا۔ اہلسنت کا اجماعی عقیدہ ہے کہ قرآن اللہ عزوجل کا کلام ہے۔ جس طرح اس کی ساری صفات قدیم غیر مخلوق ہیں اسی طرح قرآن بھی قدیم وغیر مخلوق ہے۔ اس کے برخلاف معتزلہ کا عقیدہ تھا کہ قرآن مخلوق ہے۔ یہ اختلاف بغداد میں اٹھا۔ اور پورے بلاد اسلامیہ میں پھیل گیا۔ اس سلسلے میں متشدد حنابلہ یہاں تک آگے بڑھ گئے کہ ہماری قرأت کو بھی غیر مخلوق کہنے لگے۔ یہ مسئلہ خواص سے بڑھ کر عوام میں بھی پھیل چکا تھا۔ معتزلی وغیر معتزلی کی علامت بن چکا تھا۔

ابھی نیشاپور میں امام بخاری کو درس حدیث دیتے ہوئے دو تین دن ہی گزرے تھے کہ کسی نے بھری مجلس میں ان سے سوال کر دیا:۔

قرآن مخلوق ہے یا غیر مخلوق؟

امام بخاری نے اس سے منھ پھیر لیا۔ کوئی جواب نہیں دیا۔ اس نے تین بار پوچھا ہر بار امام بخاری نے منھ پھیر لیا۔ اور کوئی جواب نہیں دیا۔ جب اس شخص نے بہت الحاح کے ساتھ اصرار کیا تو امام بخاری نے یہ جواب دیا، قرآن اللہ کا کلام غیر مخلوق ہے۔ اور بندوں کے افعال مخلوق ہیں اور امتحان بدعت ہے"

اس پر اس شخص نے فساد مچا دیا اور یہ کہا کہ امام بخاری نے یہ کہا ہے کہ لفظی بالقرآن مخلوق ۔ اس پر ہنگامہ کھڑا ہو گیا۔ کچھ لوگ یہ کہنے لگے کہ انھوں نے یہ کہا ہے اور کچھ یہ کہتے کہ نہیں کہا ہے۔ یہاں تک کہ آپس میں مارپیٹ کی نوبت آگئی گھر والوں نے بیچ بچاؤ کر کے مجمع کو ہٹایا۔

بعض روایتوں میں ہے کہ نیشاپور کے بعض مشائخ نے جب دیکھا کہ امام بخاری کے آتے ہی ہماری مجلسیں اجڑ گئیں تو انھوں نے اس سائل کو سکھا کر بھیجا تھا۔ چونکہ ذہلی ان بزرگوں میں سے تھے جو ہماری تلاوت کو بھی غیر مخلوق مانتے تھے۔ اس لئے انھوں نے یہ اعلان کر دیا، جو شخص لفظی بالقرآن غیر مخلوق کہتا ہے وہ بدعتی ہے۔ اس سے میل جول، سلام، کلام بند کر دیا جائے۔ اب جو محمد بن اسماعیل کے یہاں جائے اسے متہم جانو۔ کیونکہ ان کی مجلس میں وہی جائے گا جو ان کے مذہب پر ہو گا۔

امام بخاری لاکھ کہتے رہے کہ میں نے یہ نہیں کہا مگر اب ان کی یہ بات سننے والا کون تھا۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ امام مسلم اور احمد بن مسلمہ کے سوا تمام لوگوں نے امام بخاری کے یہاں جانا چھوڑ دیا۔ ایک روایت یہ بھی ہے کہ ذہلی نے یہ کہا کہ جو یہ کہے کہ ہماری مجلس میں نہ آئے۔ امام مسلم موجود تھے فوراً اٹھ کھڑے ہوئے ان کے ساتھ احمد بن مسلمہ بھی چلے آئے۔ امام مسلم نے وہاں سے آتے ہی ذہلی سے جتنی احادیث لکھی تھی سب اونٹ پر لاد کر واپس کر دی۔ امام مسلم نے اپنی صحیح میں، ذہلی کی کوئی روایت نہیں لی ہے۔ اس کی وجہ یہی ناراضگی بتائی جاتی ہے۔ مگر حیرت اس پر ہے کہ اس کے بالمقابل انھوں نے امام بخاری کی بھی کوئی روایت نہیں لی ہے۔ یہ بھی روایت ہے کہ جب امام مسلم اور احمد بن مسلمہ ذہلی کی مجلس سے چلے آئے تو ذہلی نے یہاں تک کہدیا

کہ یہ شخص (بخاری) میرے ساتھ شہر میں نہیں رہے گا۔ اس کے بعد "احمد بن مسلمہ" امام بخاری کی خدمت میں حاضر ہوئے اور یہ کہا! یہ شخص یعنی ذہلی پورے خراسان خاص کر اس شہر میں مقبول ہے۔ ہم میں سے کسی میں یہ طاقت نہیں کہ اس سے اس معاملہ میں بات کرسکے آپ نے کیا سوچا ہے؟ یہ سنکر امام بخاری نے اپنی ڈاڑھی مٹھی میں لی اور کہا!۔

وافوض امری الی اللہ ان اللہ بصیر بالعباد اللھم انک تعلم انی لما اردت المقام بنیسابور اشرا ولا بطرا ولا طلبا للریاستہ [1]

میں اپنے معاملہ کو اللہ عزوجل کے سپرد کرتا ہوں جو بندوں کو دیکھتا ہے۔ اے اللہ! تو خوب جانتا ہے کہ میں نے نیشاپور میں قیام کا ارادہ اپنی بڑائی و بزرگی ظاہر کرنے اور ریاست حاصل کرنے کے لئے نہیں کیا تھا۔

ذہلی نے حسد کی وجہ سے ایسا کیا ہے اب میں اپنے وطن چلا جاؤں گا۔ اے احمد! میں کل صبح ہی کو کوچ کردوں گا۔

بخارا کو واپسی نیشاپور سے امام بخاری اپنے وطن کی طرف چلے۔ جب بخارا والوں کو معلوم ہوا تو مسرت کی لہر دوڑ گئی تین میل دور تک شامیانے، خیمے نصب کئے گئے۔ تمام شہر والے استقبال کو نکلے۔ اور امام بخاری پر روپیوں، موتیوں کو نچھاور کرتے ہوئے بخارا لائے۔

اپنے وطن آکر امام پورے اطمنان وسکون کے ساتھ درس حدیث دینے لگے۔ تشنگانِ علم حدیث ہر چہار طرف سے ٹوٹ پڑے۔ چھ سال تک امام بخاری کا فیضان جاری رہا۔ مگر حاسدین نے یہاں بھی پیچھا نہ چھوڑا۔ اس وقت حکومت عباسیہ کی طرف سے بخارا کا والی خالد بن احمد ذہلی تھا۔ اس کو امام بخاری سے برگشتہ کرنے کے لئے حاسدین نے یہ کہا کہ آپ امام بخاری سے کہئے کہ وہ آپ کے صاحبزادوں کو آپ کے محل میں آکر اپنی جامع اور تاریخ پڑھادیں۔ خالد نے امام بخاری کے پاس یہ پیغام بھیجا۔ امام بخاری نے جواب دیا کہ یہ علم حدیث ہے۔ میں اسے ذلیل نہیں کروں گا۔ اگر آپ کو خواہش ہے کہ آپ کے بچے مجھ سے پڑھیں تو اپنے بچوں کو میری مجلس میں بھیج دیں۔ تاکہ دوسرے طلبہ کے ساتھ وہ بھی پڑھیں۔ خالد نے کہلایا کہ اگر آپ میرے محل میں نہیں آسکتے تو میں اپنے بچوں کو آپ کی خدمت میں بھیج دوں گا مگر جب یہ پڑھنے حاضر ہوں تو ان کے ساتھ کوئی دوسرا نہ ہو۔ ان کو تنہا پڑھائیں۔ میرے فرستادے چوبدار دروازے پر متعین رہیں گے کسی کو اس وقت اندر نہ جانے دینگے۔ امام بخاری نے اسے بھی پسند نہ فرمایا۔ کہلا دیا۔ کہ علم میراثِ رسول ہے۔ اس پر ہر امتی کا حق برابر ہے میں کسی کی تخصیص نہیں کروں گا۔ اس سے وہ امام بخاری پر غضبناک ہوگیا۔

[1] مقدمہ فتح الباری ص ۴۹۳،

دوسری روایت بکر بن شیبہ کی یہ ہے کہ والی بخارا خالد نے خود خواہش ظاہر کی تھی کہ میں آپ کی جامع اور تاریخ آپ سے سننا چاہتا ہوں۔ آپ میرے محل میں آکر مجھے سنا دیا کریں۔ امام بخاری نے جواب میں کہلا دیا کہ میں علم کو ذلیل کر کے سلاطین کے دروازوں پر نہیں لے جا سکتا جس کو شوق ہے وہ میرے گھر یا میری مسجد میں حاضر ہو کر سن لے۔ اور اگر یہ پسند نہ ہو تو، تو سلطان ہے مجھے درس دینے سے روک دے تاکہ قیامت کے روز اللہ عزوجل کے حضور میرے لئے عذر ہو کہ میں نے اپنی خوشی سے علم کو نہیں چھپایا ہے۔ اس جواب پر وہ بوکھلا گیا۔

اس نے رائے عامہ سے امام بخاری کو پھیرنے کے لئے بخارا کے چند افراد کو جن میں حریث بن ابو الورقاء کا نام خاص طریقے سے مشہور ہے آمادہ کیا کہ وہ اختلافی مسائل پر امام بخاری سے گفتگو کریں۔ ان لوگوں نے ایسا ہی کیا اور اسے عوام میں پھیلانا شروع کیا۔ جس سے شورش اٹھ کھڑی ہوئی۔ مشہور ہے کہ کسی نے امام بخاری سے پوچھا کہ اگر ایک لڑکا اور ایک لڑکی کسی بکری کا دودھ ایام رضاعت میں پی لیں تو حرمت رضاعت ثابت ہوگی یا نہیں؟ امام بخاری نے فرمایا۔ کہ ہاں ثابت ہو جائے گی۔ انھیں ایام میں نیشاپور کے محمد بن یحیی ذہلی کا بھی خالد کے پاس خط آگیا کہ امام بخاری کا عقیدہ یہ ہے:۔ لفظی بالقرآن مخلوق ۔ اس نے جلتی آگ پر تیل کا کام کیا۔ امام بخاری کے خلاف ایک محضرنامہ تیار ہوا جس پر بخارا کے علماء کے دستخط ہوئے۔ جب امام بخاری کے خلاف رائے عامہ ہو گئی اور محضر نامہ بھی تیار ہو گیا تو اس نے ان کو حکم دیا کہ بخارا سے نکل جائیں۔ جلاوطنی کا حکم سننے کے بعد امام بخاری اتنے کبیدہ خاطر ہوئے کہ شکستہ قلب و جگر سے اپنے ان مخالفین کے لئے یہ بددعا کی:۔

اللھم أرھم ما قصدونی بہ فی انفسھم واولادھم واھالیھم[1] — اے اللہ! جیسے انھوں نے مجھے بے عزت کیا ہے ویسے ہی ان لوگوں کو اپنی ذات اپنی اولاد اپنی اہل کی بے عزتی دکھا۔

دیر حق سے اجابت نے امام بخاری کی دعا کا استقبال کیا۔ اور ایک مہینہ بھی نہیں گزرا کہ خالد اور اس سازش کے شرکا اس کا نشانہ بنے۔ خالد کے بارے میں دار السلطنت بغداد سے سلطانِ وقت کا حکم پہنچا کہ اسے معزول کیا گیا۔ اسے گدھی پر بٹھا کر شہر میں گھمایا جائے اور اعلان کر دیا جائے کہ بدکار کی یہ سزا ہے۔ اس سزا کے بعد وہ پابجولاں بغداد بھیجا گیا وہیں جیل میں بند رہا اسی میں مرا۔ حریث بن ورقاء کے اہل کے بارے میں وہ بات مشہور ہوئی جو ناقابل ذکر ہے۔ اور دوسرے لوگوں کی اولاد پر وہ بلائیں آئیں جنہیں سنکر روح کانپ جاتی ہے ؎

دیدی کہ خون ناحق پروانہ شمع را ٭ چنداں اماں نداد کہ شب را سحر کند

---

[1] مقدمہ فتح الباری ص۴۹۴،

وفات امام بخاری جلاوطنی کا حکم سننے کے بعد بخارا سے نکلے۔ جب سمرقند والوں کو معلوم ہوا کہ امام بخاری وطن چھوڑ رہے ہیں تو انھوں نے خط لکھ کر درخواست کی کہ ہمارے یہاں تشریف لاکر ہمیں عزت بخشیں۔ امام بخاری نے سمرقند کا رخ کیا۔ جب سمرقند کے قریب ایک موضع خرتنگ پہنچے تو اطلاع ملی کہ سمرقند میں بھی ان کے بارے میں اختلاف ہوگیا ہے۔ خرتنگ میں امام بخاری کے کچھ رشتہ دار بھی تھے۔ آپ نے وہیں عارضی طور پر اس وقت کے لئے قیام فرمانے کا ارادہ کرلیا جب تک باشندگان سمرقند کوئی اخیر فیصلہ نہ کرلیں۔

پیہم حوادث و شورش نے امام بخاری کے صبر کا پیمانہ لبریز کردیا۔ دنیا سے اکتا گئے۔ ایک رات تہجد کی نماز کے بعد سوز قلب سے یہ دعا کی۔

اللھم قد ضاقت علی الارض بما رحبت فاقبضنی الیک [۱] — اے اللہ! زمین اپنی وسعت کے باوجود مجھ پر تنگ ہوگئی ہے۔ مجھے اپنی طرف اٹھالے۔

چند دن کے بعد بیمار پڑ گئے۔ اسی اثنا میں سمرقند سے قاصد آیا کہ آپ سمرقند تشریف لائیں۔ امام بخاری سمرقند جانے کے لئے آمادہ ہوگئے۔ مگر سمرقند کے قاصد کے ساتھ ساتھ پیک اجل بھی آرہا تھا۔ سمرقند جانے کے لئے اٹھے، موزے پہنے، عمامہ باندھا۔ آپ کے میزبان غالب بن جبریل بازو پکڑ کر سواری تک لے چلے بمشکل بیس قدم چلے ہوں گے کہ فرمایا مجھے چھوڑ دو مجھ پر ضعف طاری ہوگیا ہے۔ غالب کا بیان ہے ہم نے چھوڑ دیا۔ کچھ دعائیں پڑھیں اور لیٹ گئے۔ لیٹتے ہی روح جوار قدس میں پرواز کرگئی۔ وصال کے بعد جسم اقدس سے پسینہ نکلنا شروع ہوا اتنا نکلا کہ بیان نہیں کیا جاسکتا۔ کفن پہناتے وقت تک نکلتا رہا۔ وصیت فرمائی تھی کہ مجھے تین کپڑوں میں کفن دینا جن میں نہ کرتا ہو یعنی سلا ہوا نہ عمامہ۔ اسی کے مطابق عمل ہوا تیرہ دن کم باسٹھ سال کی عمر میں ہفتہ کے دن یکم شوال کی رات میں وصال ہوا۔ عیدالفطر کے دن بعد نماز ظہر اس گنجینۂ کرامت کو ہم نے دفن کیا۔

مزار پاک دفن کے بعد قبر اطہر سے مشک کی خوشبو اٹھتی تھی۔ لوگ دور، دور سے آکر مزار پاک کی مٹی لے جانے لگے جس سے گڑھا ہوگیا۔ عقیدت مندوں نے لکڑی کا احاطہ بنادیا پھر لوگ احاطے کے باہر کی مٹی لے جانے لگے۔ اس ظاہر و باہر کرامت کے بعد بہت سے مخالفین مزار اقدس پر آئے اظہار ندامت اور توبہ کیا۔[۲]

امام بخاری کی وفات کے ایک سال بعد سمرقند میں سخت قحط پڑا۔ لوگوں نے بار بار نماز استسقاء پڑھی، دعائیں مانگی، مگر بارش نہ ہوئی۔ بالآخر ایک مرد باخدا نے سمرقند کے قاضی سے جاکر کہا! تم شہر والوں کو لے کر امام بخاری کے مزار پر حاضر ہو۔

---

[۱] مقدمہ فتح الباری ص۴۹۳، [۲] ایضاً ص۴۹۴،

وہاں دعا مانگو امید ہے کہ اللہ عزوجل تمہاری دعا قبول فرمائے گا۔ قاضی شہر باشندگان سمرقند کو لے کر امام بخاری کے مزار پاک پر حاضر ہوئے۔ لوگوں نے نہایت خشوع وخضوع کے ساتھ رو رو کر بارش کے لئے دعائیں کیں۔ امام بخاری سے درخواست کی کہ دعا کے قبول کرنے کی شفارش کر دیں۔ نتیجہ یہ نکلا کہ لوگ ابھی دعا کر ہی رہے تھے کہ فضا پر بادل چھاگئے اور موسلا دھار بارش ہونے لگی مسلسل لگاتار سات دن تک ایسی بارش ہوئی کہ ان لوگوں کو اپنے گھر سمرقند جانا ممکن نہ ہوا[1]۔ اسی کو حدیث میں فرمایا۔

لن تخلوا الارض من ثلثين مثل ابراهيم بهم تغاثون وبهم ترزقون وبهم تمطرون[2] ابراہیم خلیل اللہ علیہ الصلاۃ والسلام سے خُوبُو میں مشابہت رکھنے والے تیس شخص زمین پر ضرور رہیں گے انھیں کی بدولت تمہاری فریاد سنی جائے گی اور انھیں کے سبب رزق پاؤ گے اور انھیں کی برکت سے بارش دیئے جاؤ گے۔

⁂ ⁂ ⁂

⁂ ⁂ ⁂

للہ قوم اذ احلّوا بمنزلۃ حل الرضا وسیر الجود ان ساروا

امام بخاری کی تاریخ ولادت صدق ۱۹۴ ہے اور تاریخ وفات نور ۲۵۶ اور مدت عمر کی تاریخ حمید ۶۲ ہے۔ کسی نے ان سب پر جامع ایک رباعی کہی ہے۔

کان البخاری حافظا ومحدثا جمع الصحیح مکمل التحریر

میلادہ صدق ۱۹۴ ومدۃ عمرہ فیہا حمید ۶۲ وانقضیٰ فی نور ۲۵۶

اسی قسم کی جامع تاریخ کسی نے حضور غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بھی نکالی ہے۔

ان باز اللہ اشہب جاء فی عشق ۴۷۰ ومات فی کمال ۹۱

عشق تاریخ ولادت۔ کمال مدت عمر۔ اور دونوں کا مجموعہ۔ "کمال عشق" ۵۶۱ تاریخ وصال۔

بارگاہ رسالت میں مقبولیت محبوب خدا کی محبت ایمان کی جان ہے۔ امام بخاری کو محبوب رب العالمین سے جو محبت تھی وہ اس سے ظاہر ہے کہ انھوں نے اپنی زندگی کا ایک ایک لمحہ ان کے ارشادات ان کے افعال ان کے احوال ان کے حلیۂ جمال کے ایک ایک نقش ونگار کی تلاش اور جمع اور پھر اسے پوری دنیا میں پھیلانے کی سعی پیہم میں گزارا۔ اس کے لئے انھوں نے وطن سے دوری احباب سے مفارقت سفر کی صعوبتیں۔ حریفوں کے تلخ وترش سب کچھ انتہائی خندہ پیشانی سے برداشت کئے کیا یہ سب اسیر محبت کے سوا اور کسی کے بس کی بات ہے؟۔

امام بخاری کے پاس حضور اقدس صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے کچھ موئے مبارک تھے جسے وہ اپنے ملبوسات میں رکھے

---

[1] طبقات الشافعیۃ الکبریٰ ج ۲ ص ۱۵۔ [2] ابن حبان عن ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ،

رہتے۔ جب امام بخاری کا یہ حال تھا تو رحمۃ للعالمین کی عنایتیں کرم فرمائیاں تو سب پر عام ہیں۔ امام بخاری پر کیوں نہ ہوتیں۔ وراق کا بیان ہے کہ ایک بار میں نے خواب دیکھا کہ امام الانبیاء کہیں جا رہے ہیں پیچھے امام بخاری بھی ہیں۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے قدم مبارک اٹھانے کے بعد وہیں امام بخاری بھی قدم رکھتے ہیں جہاں سے قدم مبارک اٹھا ہے۔

امام بخاری کے مشہور تلمیذ فربری کا بیان ہے میں نے خواب دیکھا کہ میں کہیں جا رہا ہوں ناگہاں حضور اقدس صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تشریف لائے۔ پوچھا کہاں جا رہے ہو؟ عرض کیا محمد بن اسماعیل کے یہاں۔ فرمایا! جاؤ ان سے میرا سلام کہنا۔

عبدالواحد بن آدم طواویسی نے بیان کیا۔ میں نے ایک رات خواب میں دیکھا کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم صحابۂ کرام کے ساتھ ایک جگہ کھڑے ہیں۔ جیسے کسی کا انتظار ہے۔ میں نے دریافت کیا حضور کس کا انتظار ہے؟ فرمایا بخاری کا۔ طواویسی کہتے ہیں کہ کچھ دنوں کے بعد خبر ملی کہ امام بخاری کا وصال ہوگیا۔ مجھے تحقیق کے بعد معلوم ہوا کہ جس رات زیارت اقدس سے مشرف ہوا تھا وہی رات امام بخاری کے وصال کی تھی۔ جس کا استقبال شہنشاہ کونین اپنے صحابہ کے ساتھ عالم بالا میں کریں اس کی عظمتوں کا اندازہ کون کرسکتا ہے [۱]

فقہی مذہب امام عبدالوہاب تقی الدین سبکی نے طبقات الشافعیہ میں امام بخاری کو ذکر کیا ہے اس سے وہ یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ وہ شافعی تھے۔ ان کی کتاب بھی اس کی ایک طرح تائید کرتی ہے۔ کیونکہ اس کی اکثر احادیث امام شافعی کے مذہب کی موید ہیں۔ وہ لکھتے ہیں:۔

ابو عاصم عبادی نے امام بخاری کو اپنی کتاب الطبقات میں ذکر کیا۔ اور لکھا ہے کہ امام بخاری نے زعفرانی، ابوثور اور کرابیسی سے حدیث سنی ہے علامہ سبکی نے اضافہ کیا کہ مکے میں حمیدی سے شافعی فقہ حاصل کیا۔ یہ چاروں حضرات امام شافعی کے اصحاب میں سے ہیں [۲]۔

امام بخاری، امام شافعی سے اپنی صحیح میں البتہ روایت نہیں کرتے اس لئے کہ امام شافعی کا ادھیڑ عمر میں وصال ہوگیا۔ امام بخاری کی ملاقات امام شافعی کے ہمعصروں سے ہوگئی تھی ان سے حدیثیں لیں اور روایت کیں۔ اگر امام شافعی سے روایت کرتے تو لامحالہ امام شافعی اور امام بخاری کے مابین ایک راوی کا اضافہ ہوجاتا۔ اور سند بڑھ جاتی جس سے تنزل ہوجاتا۔ اس سے معلوم ہوا کہ سند میں جتنا کم واسطہ ہوا تنی ہی سند عالی ہوتی ہے اور وہ قابل لحاظ ہے۔

اور یہی رائے حضرت علامہ شہاب الدین احمد خطیب قسطلانی [۳] کی بھی ہے۔ ان دونوں کی بنیاد ابو عاصم عبادی کے اوپر ہے۔

---

[۱] مقدمہ فتح الباری ص۴۹۳، [۲] الطبقات الشافعیہ۔ ج ۲ ص۲، [۳] قسطلانی ج ۱ ص۳۱،

یہ امام بخاری سے بہت قریب ہیں۔ امام بخاری کے سو سال کے بعد ان کی پیدائش ۳۵۰ھ میں ہوئی ہے۔ اس لئے اس سلسلے میں ابو عاصم کی رائے بعد والوں کے بہ نسبت زیادہ وزنی ہے۔

نواب صدیق حسن بھوپالی ابجد العلوم میں لکھتے ہیں:۔

ونذکر بعد ذلک نبذا من ائمۃ الشافعیۃ وھولاء صنفان احدھما من تشرف بصحبۃ الامام الشافعی والآخر من تلاھم من الائمۃ۔ اما الاول فنھم احمد الخلال، ابوجعفر البغدادی، واما الصنف الثانی فنھم محمد بن ادریس، ابوحاتم الرازی، محمد بن اسماعیل البخاری ومحمد بن الحکیم الترمذی۔[1]

اس کے بعد ہم کچھ ائمہ شوافع کا ذکر کرتے ہیں۔ یہ دو قسم کے ہیں، ایک وہ جنھوں نے امام شافعی کی صحبت پائی دوسرے وہ جو ان کے بعد آئے پہلی قسم میں احمد بن خلال، ابوجعفر بغدادی ہیں۔ اور دوسری قسم میں محمد بن ادریس ابو حاتم رازی، محمد بن اسماعیل بخاری، محمد بن حکیم ترمذی ہیں۔

لیکن امام بخاری جہاں اکثر احادیث امام شافعی کے مذہب کے موافق لائے ہیں وہیں بہت سے مسائل میں ان سے اختلاف بھی کیا ہے۔ اس کے برخلاف ابوالحسن بن العراقی نے کہا کہ یہ حنبلی تھے۔ امام بخاری نے خود بیان کیا میں آٹھ بار بغداد گیا اور ہر بار امام احمد کے پاس بیٹھا۔ آخری بار جب میں رخصت ہونے لگا تو فرمایا:۔ اے ابوعبداللہ! علم اور قدر داں لوگوں کو چھوڑ رہے ہو اور خراسان جا رہے ہو۔ جب بخارا سے جلاوطن ہوئے تو نہایت حسرت سے فرماتے اب امام احمد کا قول یاد آرہا ہے۔

ابو عاصم کی دلیل گزر چکی کہ انھوں نے اس بناء پر امام بخاری کو شافعی کہا کہ انھوں نے امام شافعی کے تلامذہ سے اخذ علوم کئے۔ حتی کہ فقہ شافعی بھی ان کے تلمیذ حُمیدی سے پڑھی۔ اور ابوالحسن بن العراقی نے بھی امام احمد سے تلمذ کی بناء پر ان کو حنبلی کہا۔

ظاہر ہے کہ محض تلمذ کی بنا پر کسی کو استاذ کا مقلد ہونیکا دعوی درست نہیں۔ ان کی کتاب نظر کے سامنے ہے۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ وہ مذہبا نہ شافعی ہیں۔ اور نہ حنبلی۔ بلکہ سب سے الگ ان کا ایک مذہب ہے۔ اس لئے ہم علامہ ابن عابدین شامی اور اپنے دیگر اکابر کی اس رائے سے متفق ہیں کہ وہ مجتہد مطلق تھے۔

علامہ شامی نے "عقود اللآلی فی مسند العوالی" میں امام بخاری کے مجتہد ہونے کی تصریح کی ہے۔ علاوہ ازیں حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی کے صاحبزادے حضرت شیخ نورالحق محدث جلیل نے تیسیر القاری میں بھی اس کا اشارہ دیا ہے فرماتے ہیں۔

---

[1] ص ۱۱۱،

گفتہ اندکہ وی درزمان خود درحفظ احادیث واتقان آں وفہم معانی کتاب وسنت وحدت ذہن وجودت بحث ووفور فقہ وکمال زہد وغایت ورع وکثرت اطلاع برطرق حدیث وعلل آں ودقت نظر وقوت اجتہاد واستنباط فروع از اصول نظیر نداشت

علامہ بخاری کا بھی یہی مختار ہے [۱]

صحیح البخاری

امام بخاری کی یہ کتاب اگرچہ 'بخاری' سے مشہور ہے مگر امام بخاری نے اس کا نام یہ رکھا تھا۔

"الجامع المسند الصحیح المختصر من امور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وسننہ وایامہ"

ہم پہلے بتا آئے ہیں کہ "جامع" حدیث کی اس کتاب کو کہتے ہیں جس میں ان آٹھ موضوع پر احادیث ہوں۔ ایمان، احکام، سیر، تفسیر، آداب، مناقب، فتن، اشراط الساعۃ۔

اسلامی تصنیفات میں اللہ عزوجل نے جو مقبولیت "صحیح بخاری" کو عطا فرمائی وہ کسی تصنیف کو آج تک نہ حاصل ہوسکی۔ بلکہ خود امام بخاری کی دوسری تصنیفات کو بھی نہ حاصل ہوئی جن کی تعداد بیس ہے۔ شرقاً غرباً تمام ممالک اسلامیہ میں اس کا سکہ بیٹھا ہوا ہے۔

وجہ تصنیف ہم اوپر بتا آئے ہیں کہ تابعین کے اخیر دور میں باقاعدہ مرتب مبوب احادیث کی کتابیں تصنیف ہونی شروع ہوگئی تھیں۔ تبع تابعین میں یہ کام اور زیادہ ترقی کر گیا۔ امام اعظم ابوحنیفہ کی کتاب الآثار، امام مالک کی مؤطا، جامع سفیان ثوری، مصنف ابن ابی شیبہ، مصنف عبدالرزاق، عبداللہ بن مبارک کی کتاب۔ وکیع کی کتاب، امام شافعی کی کتاب، مسند امام احمد بن حنبل وغیرہ۔ مگر اب تک جتنی کتابیں لکھی گئیں کسی میں یہ التزام نہیں تھا، کہ صرف صحیح احادیث ہی لکھی جائیں۔ مصنفین نے ہر قسم کی احادیث جمع کردی تھیں۔ اس کی شدید ضرورت تھی کہ کوئی ایسی کتاب لکھی جائے جس میں مصنف صرف انھیں حدیثوں کو جگہ دے جو صحیح ہوں۔

اس ضرورت کا احساس امام بخاری کے استاذ، اسحاق بن راہویہ کو ہوا۔ انھوں نے ایک دن اپنے تلامذہ سے فرمایا۔ اگر تم لوگوں سے ہوسکے تو کوئی ایسی کتاب مختصر لکھ دو جس میں صرف صحیح احادیث ہی ہوں۔ اس وقت امام بخاری بھی اس مجلس میں

---

[۱] تیسیر القاری فی شرح البخاری، الجزء الاول ص۳۔

حاضر تھے۔ ان کے دل میں یہ بات بیٹھ گئی اسی وقت طے کر لیا کہ میں ایسی کتاب لکھوں گا۔

اس کے علاوہ اس کا باعث امام بخاری کا ایک خواب بھی ہے۔ انھوں نے خود بیان کیا ہے کہ میں نے خواب میں حضور اقدس صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو دیکھا۔ میں خدمت اقدس میں کھڑا ہوں میرے ہاتھ میں پنکھا ہے اور میں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے جسم اقدس سے مکھیاں ہانک رہا ہوں۔ کسی معبّر سے تعبیر پوچھی تو اس نے تعبیر دی کہ آپ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذات سے جھوٹ دفع کریں گے۔ اس خواب نے مجھے اس پر ابھارا کہ ایک جامع صحیح لکھوں۔

تصنیف کی غرض احادیث صحیحہ کا جمع۔ اپنے عقائد ومعمولات کا بیان اور ان پر حتی الوسع احادیث سے استدلال۔ عقائد اعمال میں اپنے مخالفین کا رد۔ پہلا مقصد بالکل ظاہر ہے۔ دوسرا اور تیسرا مقصد احادیث کے ابواب سے ظاہر ہے اور امام بخاری کے کلمات سے بھی جو انھوں نے جگہ جگہ ارشاد فرمائے ہیں۔ کتنے ابواب ایسے ہیں جن کی تائید میں کوئی حدیث نہیں لا سکے۔ اس سے ظاہر ہے کہ امام بخاری پہلے باب قائم کرتے ہیں پھر اس کے مطابق حدیث تلاش کرتے ہیں اگر مل جاتی ہے تو لکھ لیتے ہیں نہیں ملتی تو بھی باب جوں کا توں چھوڑ دیا ہے۔ شاید اس امید پر کہ اگر کوئی حدیث مل جائے گی تو بعد میں یہاں درج کر دیں گے۔ لیکن اخیر عمر تک نہیں ملی تو باب یوں ہی رہ گیا۔

ہمارے بتائے ہوئے تیسرے مقصد پر سیکڑوں ابواب شاہد ہیں۔ خصوصیت سے کتاب الایمان کے ابواب اور کتاب الحیل پوری کی پوری۔ آپ غور کریں ابتدا ہی میں عمل کے گھٹنے۔ بڑھنے پر اور یہ کہ ایمان قول بھی ہے اور عمل بھی۔ بھرپور زور صرف فرما دیا۔ چونکہ اس مضمون کی کوئی حدیث نہیں تھی تو اقوال صحابہ وتابعین سے اس کو ثابت کرنے میں اپنی دانست میں کوئی کمی اٹھا نہیں رکھی۔ مگر اسکے بعد بھی انھوں نے اس سے متعلق دسیوں باب باندھے ہیں۔ مثلاً قیام لیلۃ القدر من الایمان، الجہاد من الایمان، تطوع قیام رمضان من الایمان، صوم رمضان احتسابا من الایمان، الصلوٰۃ من الایمان، زیادۃ الایمان ونقصہ، الزکوٰۃ من الاسلام، اتباع الجنائز من الایمان، اداء الخمس من الایمان، باب ماجاء ان الاعمال بالنیۃ والحسبۃ ولکل امرئ ما نوی فدخل فیہ الایمان والوضوء والصلوٰۃ والزکوٰۃ والحج والصوم والاحکام۔

اور کتاب الحیل کا مقصد تو بالکل کھلا ہوا ہے کہ وہ صرف امام بخاری نے اپنے غضب وجلال ظاہر کرنے کے لئے لکھی ہے لیکن بزرگوں کے ہر کام میں برکت ہی برکت ہوتی ہے۔ ان ابواب کی برکت سے ہمیں احادیث کے وہ گراں قدر تحفے ملے جو دوسری جگہ بھی ہیں مگر امام بخاری والی بات کہاں۔ رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ وجزیٰ عنی وعن جمیع اھل الاسلام خیر الجزاء۔

ادب اور اہتمام امام بخاری کو چھ لاکھ احادیث یاد تھیں۔ ان میں اچھی سے اچھی عمدہ سے عمدہ ترصحیح سے اصح اعلیٰ سے اعلیٰ تر کو منتخب کر کے اس عظیم تصنیف میں رکھی ہیں۔ اور انتخاب میں انھیں اپنی معلومات کے ایک ایک نقطے کو صرف کر کے اپنی فکر وتدبیر

کی آخری حد کو چھو کر بھی اطمنان نہ ہوتا تو اللہ عزوجل کے حضور استخارہ کرتے پھر صفحۂ قرطاس کے حوالہ کرتے۔

تصنیف و تالیف کے لئے جتنی تنہائی ہو بہتر ہے مگر امام بخاری نے اسے بھری مسجد حرام میں مسجد نبوی میں لکھا۔ ایک بار لکھا مگر مطمئن نہ ہوئے تو تین بار لکھا۔ یہ سب وہی اعلیٰ سے اعلیٰ تر صحیح سے اصح کے انتخاب کے لئے تھا۔ وہ خود فرماتے ہیں:۔

مجھے چھ لاکھ حدیثیں یاد ہیں ان میں چن چن کر سولہ سال میں اس جامع کو میں نے لکھا ہے۔ اور اسے میں نے اپنے اور اللہ عزوجل کے درمیان حجت بنایا ہے۔ میں نے اپنی اس کتاب میں صرف صحیح احادیث داخل کی ہیں۔ اور جن صحیح حدیثوں کو میں نے اس خیال سے کہ کتاب بہت طویل نہ ہو جائے ترک کر دیا ہے وہ اس سے بہت زیادہ ہیں۔

امام بخاری نے یہ کتاب کہاں لکھی اس کے بارے میں انھوں نے خود فرمایا۔ کہ میں نے اسے مسجد حرام میں اس طرح لکھا ہے کہ ہر حدیث کے لکھنے سے پہلے غسل کرتا پھر دو رکعت نفل پڑھتا پھر استخارہ کرتا۔ جب کسی حدیث کی صحت پر دل جمتا تو اسے کتاب میں درج کرتا۔

لیکن اس پر اشکال یہ ہے کہ وہ مسجد حرام میں سولہ سال کبھی نہ رہے۔ بلکہ متفرق طور پر ان کا مکہ معظمہ میں جو قیام رہا اس کی مجموعی مدت بھی سولہ سال نہیں۔

اس کا جواب علامہ ابن حجر نے یہ دیا کہ انھوں نے تصنیف کی ابتدا مسجد حرام میں کی پھر جہاں گئے اسے لکھتے رہے ——— اور ایک توجیہ یہ بھی ہے جو ہمارے مشائخ نے کی ہے کہ اس کا مسودہ مختلف بلاد میں لکھا۔ مسجد حرام میں بیٹھ کر اس کا مبیضہ کیا۔

تراجم ابواب کے لئے صرف ایک روایت ہے کہ اسے امام بخاری نے مزار اقدس و منبر مبارک کے مابین ریاض الجنہ میں بیٹھ کر اصل کتاب میں منتقل کیا ہے۔ غالباً اسی وقت کے بارے میں یہ روایت[1] ہے کہ میں اس کتاب میں کسی حدیث کے لکھنے سے پہلے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے دریافت کر لیتا ہوں کہ یہ آپ کا ارشاد ہے یا نہیں؟ جب حضور فرماتے ہاں تو لکھتا۔

اور میرے خیال میں سب سے اچھی توجیہ یہ ہے کہ امام بخاری نے پہلے مسودہ تیار کیا جن میں ابواب اور ابواب سے مناسب احادیث جمع کیں۔ یہ مختلف بلاد میں تیار کیا پھر مسجد حرام میں حاضر ہو کر اس مسودہ میں جو احادیث تھیں ان کو مبیضہ کیا۔ ابواب کی جگہ خالی رکھی اور حرم نبوی میں حاضر ہو کر ترجمے کو اصل کتاب میں منتقل کیا۔ اس لئے کہ ترجمے کے بارے میں جو لفظ وارد ہے وہ یہ ہے۔

حَوَّلَ تراجم جامعہ بین قبر النبی صلی اللہ تعالیٰ   اس کتاب کے تراجم ابواب کو نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے مزار پاک اور

[1] اشعۃ اللمعات ج ۱ ص ۱۰،

علیہ وسلم و منبرہ وکان یصلی لکل ترجمۃ رکعتین [۱] منبر اقدس کے مابین منتقل کیا اور ہر ترجمے کے لئے دو رکعت نماز پڑھتے۔

٭ ٭ ٭

حوّل کا ترجمہ سوائے منتقل ہونے کے اور کچھ نہیں بنتا۔ اس سے ظاہر ہے کہ ترجمے کا کوئی مسودہ پہلے سے تھا۔ اس سے تحویل کر کے لکھتے تھے۔ تحویل کی دوسری تعبیر یہی ہے کہ اس کو منتقل کرتے تھے۔ جس کا حاصل یہ ہوا کہ تراجم پہلے سے لکھے تھے۔ مگر جس صحیفے میں بڑھاتے تھے اس میں تراجم کی جگہ خالی تھی۔ تو لازم کہ پہلے احادیث بلا تراجم لکھی تھیں۔ اور یہ روایت کہ اس کو تین مرتبہ لکھا اس سے مراد یہی ہے کہ پہلے ایک مسودہ تیار کیا جس میں ترجمۃ الباب اور اس سے متعلق احادیث تھیں۔ پھر مسجد حرام میں اسے صاف کیا اور ترجمہ باب کی جگہ چھوڑ دی۔ اور حرم نبوی میں حاضر ہو کر مسودہ سے تراجم ابواب اصل کتاب میں اضافے کئے اور اس کے ساتھ پھر اس پر ایک تنقیحی نظر بھی ڈالی۔ والعلم عند اللہ تعالیٰ۔

کتاب کی تصنیف کے بعد امام بخاری نے اپنی یہ کتاب امام احمد بن حنبل یحییٰ بن معین اور علی بن مدینی کو دکھائی۔ ان حضرات نے اس کی بہت تحسین کی جس سے امام بخاری کو طمانیت قلب حاصل ہوئی۔ محمد بن حاتم وراق نے کہا میں نے امام بخاری سے پوچھا کہ آپ نے اپنی اس صحیح میں جتنی حدیثیں لکھی ہیں وہ سب آپ کو یاد ہیں۔ فرمایا:۔ جامع صحیح کی کوئی حدیث مجھ سے چھپی نہیں۔ اس لئے کہ میں نے اس کو تین بار لکھا ہے۔

بارگاہ رسالت میں اس کتاب کی مقبولیت صحیح بخاری کی معراج کمال یہ ہے کہ مصنف کی ذات کی طرح ان کی کتاب بھی محبوب رب العالمین کی بارگاہ میں مقبول ہوئی۔ ابو زید مروزی نے بیان کیا کہ ایک بار میں مطاف میں رکن کے مابین سویا ہوا تھا کہ میرا نصیبہ جاگا۔ سرکار ابد قرار مونس ہر بے قرار تشریف لائے۔ اور فرمایا اے ابو زید! کب تک شافعی کی کتاب پڑھوگے؟ میری کتاب کیوں نہیں پڑھتے؟ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! آپ کی کتاب کون سی ہے؟ فرمایا:۔ محمد بن اسماعیل کی جامع۔ [۲]

ہر ستم ہر جفا گوارا ہے ٭ صرف کہدے کہ تو ہمارا ہے

طرز امام بخاری کا اسلوب اس کتاب میں یہ ہے کہ وہ پہلے باب باندھتے ہیں۔ کبھی کبھی باب کے مناسب ایک یا چند آیات ذکر کرتے ہیں۔ کبھی باب سے متعلق معلق احادیث اور اقوال سلف صحابہ یا ائمہ تابعین و تبع تابعین ذکر کرتے ہیں پھر اگر باب کی مؤید کوئی ایسی حدیث ہوتی ہے جو ان کی شرائط پر پوری ہو تو اسے مع سند کے ذکر کرتے ہیں۔ کبھی ایک کبھی متعدد کبھی مفصل کبھی مختصر کبھی پوری حدیث، کبھی حدیث کا کوئی جزء

---

[۱] مقدمہ فتح الباری وغیرہ ص۴۹۔ [۲] مقدمہ فتح الباری ص۴۹۔

کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ کسی حدیث کے جزء کو باب کا عنوان بناتے ہیں کبھی کسی آیت کو۔ اس سے یہ فائدہ حاصل ہوجاتا ہے کہ یہ باب دلیل کا محتاج نہیں۔ کبھی کسی حدیث کے جزء کو باب کا عنوان بنانے سے یہ افادہ ہوتا ہے کہ یہ حدیث لائق حجت ہے۔ خواہ وہ ان کے ان شرائط پر ہو جن کا انھوں نے اس کتاب میں التزام کیا ہے۔ خواہ نہ ہو۔ کبھی باب کی تائید میں صرف قرآن مجید کی آیات ذکر کرکے چھوڑ دیتے ہیں۔ کوئی حدیث معلق یا مسند نہیں ذکر کرتے۔ کہیں کہیں صرف ابواب کے عنوان قائم کرکے چھوڑ دیئے ہیں نہ کوئی آیت ذکر کی ہے نہ حدیث۔ کہیں کہیں ائمہ مذاہب پر بہت درشت لہجے میں تعریضیں بھی کی ہیں۔ اکثر ایسا ہے کہ ایک ہی حدیث متعدد جگہ ذکر کرتے ہیں۔ اس سے دو فائدے حاصل ہوتے ہیں۔ ایک تو یہ کہ اس حدیث سے جتنے مسائل انھوں نے مستنبط کئے سب مذکور ہوجاتے ہیں۔ دوسرے تعدد طرق سے اس حدیث کی قوت بڑھ جاتی ہے۔ ایک حدیث پر مختلف چند ابواب سے کبھی یہ بھی اشارہ دیتے ہیں کہ یہ حدیث اپنے عموم پر ہے یا اس میں کوئی تخصیص ہے۔ یہ اپنے اطلاق پر ہے یا اس میں کوئی تقیید ہے۔ تخصیص اور تقیید ہے تو کیا ہے۔ کبھی مبہم معانی کی توضیح مقصود ہوتی ہے۔ کبھی آیات قرآنیہ اور احادیث کے مشکل الفاظ کی تفسیر بھی کرتے جاتے ہیں۔

شرائط امام بخاری یا امام مسلم نے اپنی ان مخصوص شرائط کا ذکر نہیں کیا جن کا ان دونوں حضرات نے اپنی اپنی کتابوں میں التزام کیا ہے۔ صرف حدیث معنعن کے سلسلے میں مقدمہ مسلم سے یہ معلوم ہوا کہ ان دونوں بزرگوں میں یہ اختلاف ہے کہ امام بخاری معاصرت کے ساتھ ثبوت لقاء کی شرط ضروری قرار دیتے ہیں۔ اور امام مسلم معاصرت کافی سمجھتے ہیں۔ امام مسلم نے لقاء کی شرط کے ضروری نہ ہونے پر بہت لمبی بحث کی ہے۔ جس کی بنیاد یہ ہے کہ گفتگو اس صورت خاص میں ہے کہ راوی ثقہ ہو مدلس نہ ہو۔ اور لقاء کی شرط اس لئے لگائی گئی ہے کہ تلمیذ کا شیخ سے سماع ثابت ہو۔ صرف لقاء سے سماع لازم نہیں ہوسکتا ہے ملاقات ہوئی ہو مگر سماع نہ ہو۔ تو یہ شرط بلا ضرورت ہے۔ جب ہم نے مان لیا کہ یہ راوی ثقہ ہے مدلس نہیں اور یہ کہہ رہا ہے کہ فلاں سے روایت ہے۔ تو یہی اس کا قول دلیل سماع ہے۔ خواہ دونوں کی ملاقات کا ثبوت ہو خواہ نہ ہو۔ پھر ملاقات کے ثبوت کی شرط سے کیا فائدہ امام مسلم کی یہ بات بہت وزنی ہے اگرچہ یہ بات ظاہر ہے کہ اگر تلمیذ و شیخ میں لقاء بھی ثابت ہو تو اس سے قوت زیادہ مل جاتی ہے۔ بخاری کے مسلم پر تفوق کی ایک وجہ یہ بھی ہے۔

اس کے علاوہ اور کیا کیا خصوصی شرائط ہیں؟ محدثین نے اس کی کھوج لگانے کی بہت کوشش کی مگر کوئی خاص شرط معلوم نہ ہوسکی۔ سوائے اس کے کہ دیگر محدثین نے حدیث کے صحیح ہونے کے لئے جن شرائط کا اعتبار کیا ہے اس پر مستزاد یہ ہے۔ کہ امام بخاری زیادہ ایسے راویوں سے حدیث لیتے ہیں جو اپنے شیخ کے ساتھ بہت زیادہ رہا ہو اس کو یہ لوگ اپنی زبان میں کثیر الملازمت ،، اور اس کے مقابل کو قلیل الملازمت ،، بولتے ہیں۔ اور کبھی جب کسی موضوع پر کثیر الملازمت تلامذہ کی روایت نہیں

ملتی تو بدرجۂ مجبوری قلیل الملازمت تلامذہ کی بھی احادیث لے لیتے ہیں مگر ایسا پہلے کے بہ نسبت کم ہے۔

قاضی ابوبکر بن عربی نے کہا کہ امام بخاری کی یہ بھی شرط ہے کہ حدیث کی روایت میں کہیں دو راوی سے کم نہ ہوں حتی کہ وہ دو صحابی سے مروی ہو۔ مگر یہ شرط بھی اکثری ہو سکتی ہے کلی نہیں۔ اس لئے کہ بخاری کی پہلی حدیث انما الاعمال بالنیات، میں مسلسل حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے لے کر یحیی بن سعید تک صرف ایک ہی راوی ہیں۔ حضرت عمر کے بعد علقمہ اور ان کے بعد محمد بن ابراھیم اور ان کے بعد یحیی بن سعید ہیں۔ ہاں امام بخاری کی ایک خاص شرط کا ذکر ملتا ہے۔ انھوں نے فرمایا۔ کہ میں صرف اس سے حدیث لیتا ہوں جو ایمان قول کو بھی مانے اور عمل کو بھی[1]۔

تکرار احادیث امام بخاری نے اکثر احادیث کو ایک سے زیادہ جگہ ذکر کیا ہے۔ حتی کہ بعض احادیث کو سولہ سولہ جگہ ذکر کیا ہے۔ یہ حقیقت میں لفظاً تکرار ہے مگر معنوی اعتبار سے تکرار نہیں۔ اس کی توضیح یہ ہے کہ تکرار کی دو صورت ہے سند میں تکرار ہو۔ متن میں تکرار ہو۔ سند کے لحاظ سے اگر دیکھیں تو شاید کوئی جگہ ایسی ہو جہاں امام بخاری نے ایک حدیث کو دو جگہ ایک ہی سند کے ساتھ ذکر کیا ہو۔ مجھے اب تک ایسی کوئی حدیث نہیں ملی۔ ہمیشہ نئی سند نئے طریقے سے بیان کرتے ہیں۔ اس کی مندرجہ ذیل صورتیں ہیں۔

(۱) وہ حدیث دو یا دو سے زائد صحابہ سے مروی ہو تو اسے مکرر لاتے ہیں (۲) وہ حدیث دو یا دو سے زائد تابعین سے مروی ہو تو مکرر لاتے ہیں (۳) وہ حدیث ایک سے زائد تبع تابعین سے مروی ہے تو مکرر لاتے ہیں (۴) کبھی امام بخاری ایک حدیث کو ایک سے زائد اساتذہ سے سنی ہے تو مکرر لاتے ہیں (۵) کبھی امام بخاری کے استاذ الاستاذ ایک سے زائد ہیں تو مکرر لاتے ہیں۔ علی ہذا القیاس۔

اس سے فائدہ یہ ہوتا ہے کہ تعدد طرق سے حدیث قوی سے قوی تر ہو جاتی ہے اگر سلسلۂ رُواۃ میں صرف ایک ہی ایک افراد ہوں تو یہ حدیث محدثین کی اصطلاح میں غریب کہلاتی ہے۔ اور جب وہ مختلف طرق سے مروی ہو گی تو غرابت سے نکل جاتی ہے۔

رہ گیا متن کی لفظی تکرار اس میں بھی متعدد فوائد ہیں۔ پہلا فائدہ مختلف ابواب پر استدلال۔ دوسرا فائدہ یہ ہے کہ راوی کبھی ایک حدیث کو مختصر ذکر کرتا ہے۔ دوسرا مفصل۔ تو مفصل ذکر کر دینے سے حدیث کی تکمیل ہو جاتی ہے۔ تیسرا فائدہ یہ ہے کہ کبھی ایک راوی کسی لفظ سے بیان کرتا ہے دوسرا راوی دوسرے لفظ سے۔ دونوں کو ذکر کرنے سے ایک معنی مقصود کی تعیین میں آسانی

---

[1] مقدمہ فتح الباری ص۴۷۹

ہوتی ہے دوسرے روایت بالمعنی کے اپنے شرائط کے ساتھ جواز کا اشارہ ہو جاتا ہے۔ چوتھا فائدہ یہ ہے کہ ایک دوسرے کی تفسیر ہو جاتی ہے۔ پانچواں فائدہ کبھی ایک حدیث کو ایک راوی بطریق ارسال ذکر کرتا ہے دوسرا بطریق اتصال۔ تو معلوم ہو جاتا ہے کہ یہ حدیث مرسل نہیں متصل ہے۔ چھٹا فائدہ کبھی ایک راوی حدیث کو موقوف کر کے چھوڑ دیتا ہے دوسرا اسے مرفوع روایت کرتا ہے تو تکرار سے معلوم ہو جاتا ہے کہ یہ حدیث موقوف نہیں مرفوع ہے۔ ساتواں فائدہ۔ یہ ہے کہ کبھی ایک حدیث کو ایک راوی عن فلاں کہہ کے معنعن روایت کرتا ہے دوسرا حدثنا، اخبرنا، سمعت کے صیغے سے جو سماع پر صراحۃً دلالت کرتے ہیں اس سے حدیث معنعن میں جو تدلیس کا ذرا سا شائبہ ہوتا تھا وہ بھی ختم ہو جاتا ہے۔

سردست تکرار کے یہ بارہ فائدے حاضر ہیں۔ پانچ سند سے متعلق اور سات متن سے متعلق۔ اگر قاری امعان نظر سے ان مکررات میں غور کرے گا تو اس کے علاوہ اور بہت سے فوائد نظر آئیں گے۔

تقطیع اس کا مطلب یہ ہے کہ کسی حدیث کے مختلف اجزاء کو مختلف جگہ ذکر کیا جائے۔ خواہ مختلف ابواب میں خواہ ایک ہی باب میں۔ تقطیع کا سبب کبھی یہ ہوتا ہے کہ حدیث کے مختلف اجزاء مختلف اسناد سے مروی ہیں۔ یہ صورۃً تقطیع ہے حقیقتاً تقطیع نہیں۔ بلکہ حقیقت میں ایک ہی حدیث ہے ایک باب میں تقطیع کی یہی صورت ہوتی ہے۔ حدیث کی تقطیع جائز ہے یا نہیں؟ یہ محدثین متقدمین میں مختلف فیہ رہا۔ امام بخاری امام مالک اکثر اجلہ محدثین تقطیع کے جواز کے قائل بھی ہیں اور اس پر عامل بھی۔ اور اب تو تقطیع حدیث کے جواز و عمل پر اجماع ہے۔

امام بخاری حدیث کی تقطیع وہیں کرتے ہیں جب حدیث چند احکام پر مشتمل ہو تو وہ حدیث کے ان اجزاء کو چند ابواب میں لاتے ہیں تاکہ کتاب بلاضرورت طویل نہ ہو پھر ان کو متعدد جگہ متعدد سند سے ذکر کر کے اس کو تعدد طرق سے قوی بنا دیتے ہیں۔

کہیں کسی طویل حدیث میں مختلف مضامین یا احکام مذکور ہوئے ہیں۔ جن میں ربط نہیں ہوتا۔ امام بخاری ان مختلف جملوں کو ان کے مناسب ابواب علٰحدہ علٰحدہ ذکر کرتے جاتے ہیں۔ پھر کہیں کوئی باب قائم کر کے مکمل حدیث یکجا بیان کر دیتے ہیں۔

ابواب امام بخاری کا جو مذہب تھا اس کی کلیات کی کلیات پھر ان کلیات کی جزئیات کو انھوں نے ہزاروں ہزار ابواب کی شکل میں جمع کر دیا ہے۔ جن کو تراجم ابواب کہا جاتا ہے۔ ترجمۂ باب پر وہ اپنی خداداد ذہانت و ذکاوت سے بعض جگہ ایسے ادق پیرائے میں استدلال کرتے ہیں کہ ذہین سے ذہین محقق مدقق بھی انگشت بدنداں رہ جاتا ہے۔

اسی وجہ سے ابن خلدون نے کہا کہ بخاری کے تراجم ابواب سے احادیث کی مطابقت امت پر قرض ہے اسی قرض کو علامہ ابن حجر عسقلانی اور علامہ بدرالدین محمود عینی نے ادا کرنے کی بھرپور کوشش کی ہے اور ایک حد تک ادا بھی کر دیا۔ مگر اب بھی بہت سا قرض امت پر باقی ہے۔ اور اندازہ یہی ہے کہ وہ قیامت تک باقی ہی رہے گا۔

ان دونوں شارحین نے ترجمۃ الباب اور حدیث میں مطابقت پیدا کرنے کے وقت یہ امور سامنے رکھے ہیں مثلاً (۱) یہ ضروری نہیں کہ حدیث کی دلالت باب پر مطابقی ہو تضمنی بھی ہو سکتی ہے التزامی بھی۔ جن کو فقہا کی زبان میں یوں کہئے حدیث سے ترجمۂ باب کا ثبوت کبھی عبارۃ النص سے ہوتا ہے کبھی دلالت النص سے کبھی اشارۃ النص کبھی اقتضاء النص سے۔ (۲) کبھی امام بخاری کا مقصود یہ ہوتا ہے کہ حدیث میں عموم ہے مگر حقیقت میں وہ مخصوص ہے۔ حدیث میں اطلاق ہے مگر وہ حقیقت میں مقید ہے۔

(۳) کبھی معاملہ اس کے برعکس ہوتا ہے ترجمۃ الباب سے وہ اس کا افادہ کرتے ہیں۔

(۴) کبھی دو مختلف احکام کی علت مشترکہ ہوتی ہے مگر اس علت میں کوئی ابہام ہوتا ہے۔ کسی حدیث میں اس ابہام کی تشریح ہوتی ہے۔ امام بخاری باب میں ایک حکم ذکر کرتے ہیں اور پھر اس کے تحت وہ حدیث ذکر کرتے ہیں جس میں اس ابہام کی تشریح ہے۔

مثلاً باب باندھا

فی کم تقصر الصلوٰۃ۔ کتنی مسافت کے سفر پر نماز میں قصر ہے۔

اور اس کے تحت حدیث یہ لائے۔

لاتسافر المرأۃ ثلثۃ ایام الامع ذی محرم کوئی عورت تین دن کی مسافت پر بغیر محرم کے سفر نہ کرے۔

دونوں میں کوئی مطابقت نہیں۔ لیکن دونوں کی علت "سفر شرعی" ہے۔ سفر شرعی کی کیا مقدار ہے نہ نامعلوم ہے۔ حدیث میں اس ابہام کی یہ تشریح ہے کہ تین دن کی مسافت پر عورت بغیر محرم کے سفر نہ کرے۔ اس سے ثابت ہوا کہ "سفر شرعی کی مقدار" تین دن ہے۔

(۵) کبھی حدیث میں مختلف معانی کا احتمال ہوتا ہے۔ ترجمہ سے کسی ایک معنی کو معین کرنا مقصود ہوتا ہے۔

(۶) کبھی بظاہر مختلف المعانی احادیث میں ترجمے سے تطبیق کی طرف رہنمائی فرماتے ہیں۔

علامہ عسقلانی اور علامہ عینی کی ہزار کد و کاوش کے باوجود کتنے ابواب ایسے ہیں جن میں مذکورا حادیث کی ابواب سے مطابقت نہیں ہو سکی۔

تعداد احادیث احادیث نبوی خصوصاً بخاری کے ساتھ امت کو کتنا شغف تھا اس کا اندازہ اس سے کریں کہ کتب احادیث میں مندرج احادیث کی گنتی بھی کر ڈالی۔ حتی کہ کس صحابی سے کتنی احادیث مروی ہیں ان کو بھی شمار کر لیا ہے۔ بخاری میں کتنی احادیث ہیں اس سلسلے میں شمار کرنے والے مختلف ہیں۔ حافظ ابن صلاح نے بتلایا۔ کہ صحیح بخاری میں کل احادیث سات ہزار دو سو پچھتر

ہیں، اور حذف مکررات کے بعد چار ہزار ۔

علامہ ابن حجر عسقلانی کے شمار کے مطابق کل احادیث مسندہ مع مکررات سات ہزار تین سو ستانوے ہیں۔ اور معلقات "ایک ہزار تین سو اکتالیس"۔ اور متابعات کی تعداد تین سو چوالیس۔ اس طرح بخاری کی کل احادیث مسندہ، معلقات متابعات ملاکر نو ہزار بیاسی ہیں[1]۔ اگر مکررات کو نکال دیں تو مرفوع احادیث کی تعداد "دو ہزار چھ سو تئیس" ہے[2]۔

بخاری میں باعتبار سند سب سے اعلیٰ وہ احادیث ہیں جو ثلاثیات کہلاتی ہیں۔ جن کی سند میں امام بخاری اور حضور اقدس صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تک بیچ میں صرف تین راوی ہیں۔ ان کی کل تعداد بائیس ہے اور حذف مکررات کے بعد سولہ۔ ان ثلاثیات میں بیس ثلاثیات وہ ہیں جو امام بخاری نے اپنے حنفی شیوخ سے لی ہیں۔ یہاں یہ بات خاص کر قابل ذکر ہے کہ یہ بائیس ثلاثیات امام بخاری کے لئے سرمایۂ افتخار ہے۔ مگر امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی عام مرویات ثلاثیات ہیں۔

بخاری کی زندہ کرامت علامہ احمد خطیب قسطلانی نے ارشاد الساری لشرح صحیح البخاری کے مقدمہ میں[3] اور حضرت شیخ عبد الحق محدث دہلوی قدس سرہ نے اشعۃ اللمعات کے مقدمہ میں اور حضرت ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ الباری نے مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں بعض عارفین کا قول نقل فرمایا ہے کہ استجابتِ دعا حل مشکلات قضاء حاجات کے لئے بخاری کا ختم بارہا کا آزمودہ ہے۔ بخاری شریف جس کشتی میں ہوگی وہ ڈوبنے سے محفوظ رہے گی۔ اور حافظ عماد الدین ابن کثیر نے کہا! اگر قحط کے وقت پڑھی جائے تو بارش ہوگی۔ یہ سب اس لئے ہے کہ امام بخاری مستجاب الدعوات تھے۔ اور انھوں نے اس کے پڑھنے والے کے لئے دعا کی ہے۔

اختلاف نسخ امام بخاری کے نسخے آپس میں بہت مختلف ہیں۔ اس کا سبب یہ ہے کہ عبد الرزاق بخاری نے کہا! میں نے امام بخاری سے پوچھا کہ آپ نے جتنی حدیثیں اپنی تصنیفات میں لکھی ہیں وہ سب آپ کو یاد ہیں۔ تو انھوں نے فرمایا ان میں کوئی حدیث مجھ پر مخفی نہیں۔ اس لئے کہ میں نے اپنی ہر کتاب کو تین مرتبہ لکھا ہے۔ اور ہر مصنف جانتا ہے کہ کتاب پر جتنی بار نظر ڈالی جائے گی تنا ہی اس میں ردوبدل ہوتا رہتا ہے۔ پھر نقل در نقل میں تفاوت ہوجانا لابدی امر ہے۔ حافظ ابواسحٰق ابراہیم بن احمد مستملی نے کہا! میں نے بخاری کو اس کی اصل سے جو محمد بن یوسف فربری کے پاس تھی نقل کیا ہے۔ میں نے اصل میں جگہ بیاض دیکھی۔ مثلاً ترجمہ باب ہے مگر اس کے تحت کچھ نہیں۔ کہیں حدیث ہے مگر ترجمہ نہیں میں نے سب کو ملاکر لکھ دیا۔

شروح بخاری کی مقبولیت کی ایک دلیل یہ ہے کہ حدیث کی کتابوں میں جتنی شرحیں اس کی ہوئیں کسی کی نہیں ہوئیں کشف الظنون میں حاجی خلیفہ نے ۱۰۱۲ھ تک پچاس شرحوں کا تذکرہ کیا ہے۔ اسکے بعد بھی یہ سلسلہ جاری رہا۔ میرا اندازہ یہ ہے کہ عربی کے علاوہ

---

[1] تلخیص از مقدمہ فتح الباری ص۴۶۵ تا ۴۷۷، [2] توجیہ النظر ص۹۴، [3] مقدمہ ارشاد الساری ص۲۵،

فارسی اردو کی شرحوں کو ملالیا جائے تو ان کی تعداد سو تک پہونچ جائے گی۔ ان پچاس شرحوں میں اللہ عزوجل نے دو شرحوں کو سب سے زیادہ مقبولیت عطا فرمائی۔ ایک فتح الباری۔ دوسرے عمدۃ القاری جو عینی کے نام سے مشہور ہے۔

فتح الباری یہ سند الحفاظ علامہ شہاب الدین ابوالفضل احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ کی ہے۔ یہ شعبان ۷۷۳ھ میں مصر میں پیدا ہوئے اور وہیں اواخر ذوالحجہ ۸۵۲ھ میں وصال فرمایا۔ وہیں دہلی کے بغل میں دفن ہیں۔ انھوں نے اگرچہ مختلف دیار کے علما سے تحصیل علم فرمایا۔ مگر ان کے خاص اساتذہ حافظ زین الدین عراقی اور حافظ سراج الدین بلقینی وغیرہ ہیں۔ ان کی مختلف علوم وفنون پر ڈیڑھ سو سے زائد تصنیفات ہیں۔ یہ بیس سال تک مصر کے قاضی القضاۃ رہے۔ انھوں نے بخاری کی شرح ۸۱۷ھ میں لکھنی شروع کی اور ۸۴۲ھ میں اس کو مکمل کیا جیسا کہ خود انتقاض الاعتراض میں لکھا ہے۔ یہ شرح سترہ جلدوں میں ہے مگر اب اس کی جلدوں کی گنتی کم کر دی گئی ہے۔ سند الحفاظ نے اس شرح میں اپنے علم کے وہ جوہر دکھائے ہیں جن سے دنیا روشن ہے اور روشن رہے گی۔ انھوں نے بخاری کی شرح کا حق ادا کر دیا۔ مشکل الفاظ کی تفسیر مغلق مقامات کی تسہیل، متعارض احادیث کی تطبیق۔ تراجم ابواب میں جو دقیق معانی ہیں ان کی تبیین۔ رجال بخاری کی جرح و تعدیل۔ بخاری پر وارد ہونے والے اعتراضات کی تردید۔ ترجمہ باب وحدیث میں تطبیق، مسائل کا استنباط، احادیث مختصرہ کی تکمیل، اسمائے مبہمہ کی تفسیر، لغات کا حل، اسمائے رجال کی تنقید، عقائد واحکام کی تفصیل اور سب پر محققانہ بحث وتمحیص، وہ کون سی اہم بات ہے جو حدیث کی شرح کے لئے ضروری ہے اور وہ اس شرح میں نہیں۔ اس لئے عام طور پر ان کی شرح کو تمام شروح پر برتری دی جاتی ہے ان سب خوبیوں کے باوجود گزشتہ تمام شرحوں کا عطر تحقیق بھی ہے۔ اس شرح میں کیا کیا ہے وہ شرح دیکھنے ہی کے بعد معلوم ہوگا۔ جس کی طرف ہماری اس شرح میں جگہ جگہ اشارے ملیں گے۔

عمدۃ القاری یہ علامہ ابن حجر کے معاصر علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد بن موسیٰ عینی کی شرح ہے۔ ان کے والد قاضی شہاب الدین احمد بن قاضی شرف الدین موسیٰ بن احمد حلب کے باشندے تھے۔ وہاں سے ترک وطن کر کے (عین تاب) آ گئے تھے۔ یہ حلب سے تین منزل کی دوری پر ہے۔ یہاں کی قضاء ان کے سپرد ہوئی۔ یہیں علامہ عینی سترہ رمضان ۷۶۲ھ میں پیدا ہوئے۔ اس کی طرف نسبت کرتے ہوئے ان کو عینی کہا جاتا ہے۔ یہ بھی حافظ زین الدین عراقی اور حافظ سراج الدین بلقینی کے تلمیذ ہیں۔ ان کے علاوہ دیگر وقت کے سربرآوردہ علماء سے بھی تلمذ کا ان کو شرف حاصل ہوا۔ مصر کے شیخ المذہب سراج قاری الہدایہ کے بھی تلمیذ ہیں۔ ۷۸۸ھ میں بیت المقدس گئے وہاں ان کی ملاقات اس وقت کے بہت ممتاز عالم علاء الدین علی بن احمد بن محمد سیرامی سے ہوئی۔ پھر انھیں کے ہو کر رہ گئے۔ انھیں کے ساتھ مصر مدرسہ برقوقیہ میں آئے۔ مدت العمر مصر ہی میں رہے۔ وہیں سہ شنبہ کی رات میں چار ذوالحجہ ۸۵۵ھ میں علامہ ابن حجر کے تین سال بعد وصال ہوا۔ جب ان کے استاذ شیخ المذہب سراج قاری الہدایہ کا وصال

ہوگیا تو ۸۲۹ھ کی ربیع الآخر میں یہ مصر کے قاضی القضاۃ بغیر کسی طلب اور خواہش کے مقرر ہوئے۔ علاوہ اس منصب جلیل کے دوسرے مناصب عالیہ پر مدت دراز تک فائز رہے۔ ۸۵۳ھ میں تمام مناصب سے الگ ہوکر جامعہ ازہر کے قریب محلہ کناسہ میں اپنا ذاتی مدرسہ قائم کرلیا۔ جس پر اپنی تمام کتابیں وقف کردی تھیں۔ علامہ ابن حجر کی طرح یہ بھی جملہ علوم وفنون میں یگانہ ویکتا تھے۔ ان دونوں میں معاصرانہ نوک جھونک بھی رہتی تھی۔ جامعہ مؤیدی کا ایک منارہ خستہ ہوکر اتر کی جانب جھک گیا تھا۔ اس کی جدید تعمیر کے لئے اسے گرادیا گیا۔ اس وقت علامہ عینی جامعہ مؤیدیہ میں شیخ الحدیث تھے۔ اس کے برج شمالی پر درس دیا کرتے تھے۔ اس پر علامہ ابن حجر نے یہ دو شعر چست کردیا۔

لجامع مولانا المؤید رونق　　　منارته تزهو بالحسن و بالزين

تقول وقد مالت عليهم تمهلوا　　　فليس على حسنى اضر من العين

جامعہ مؤیدی بڑی بارونق ہے۔ اس کا منارہ حسن وجمال میں یکتا ہے۔ گرتے وقت کہہ رہا تھا مجھے گرنے دو میرے حسن کے لئے نظر بد سے زیادہ کوئی چیز مضر نہیں۔ نظر کو عربی میں "عین" کہتے ہیں۔ اس سے علامہ عینی پر چوٹ تھی۔

علامہ عینی نے جب یہ اشعار سنے تو علامہ ابن حجر کو یہ جواب بھیجا۔

منارة كعروس الحسن قد جليت　　　وهدمها بقضاء الله والقدر

قالوا اصيبت بعين قلت ذا غلط　　　ما آفة الهدم الا خسة الحجر

منارہ دولہن کی طرح سجا ہوا تھا۔ اس کا گرنا قضا وقدر کی وجہ سے ہے۔ لوگوں نے کہا کہ اسے نظر لگ گئی ہے میں نے کہا یہ غلط ہے۔ یہ حجر (پتھر) کی خست یعنی شکستگی کی وجہ سے گرا۔

علامہ ابن حجر اور علامہ عینی دونوں نے ایک ہی زمانے میں دو چار سال آگے پیچھے بخاری کی شرحیں لکھی ہیں۔ علامہ عینی نے ۸۲۱ھ میں شروع کیا اور ۸۴۷ھ میں انتیس سال میں مکمل فرمایا۔ اور علامہ ابن حجر نے ۸۱۷ھ میں شروع فرمایا اور ۸۴۲ھ میں پچیس سال میں مکمل کیا۔

علامہ ابن حجر کا طریقہ یہ تھا کہ ہفتے میں ایک دن سنیچر کو اپنے تمام تلامذہ کو اکٹھا کرتے ہفتے بھر کا لکھا ہوا برہان بن اخضر کو دیتے۔ وہ سب کو سناتے مسودہ سے مقابلہ ہوتا لکھے ہوئے پر بحث ہوتی پھر لوگ اس کی نقلیں کرلیتے۔ اس طرح ان کی یہ شرح تکمیل سے پہلے ہی پھیل گئی۔ انھیں برہان بن اخضر سے علامہ عینی علامہ ابن حجر کی شرح عاریۃً لے کر دیکھ لیا کرتے تھے۔ اور اپنی شرح میں جابجا علامہ ابن حجر پر تعقّب بھی کیا ہے۔ چونکہ یہ دونوں وسعت علم وجودت ذہن میں ایک دوسرے کے مثل تھے۔ اس لئے دونوں کے مضامین میں کہیں کہیں توارد ہے۔ اسی کو یار لوگوں نے یہ رنگ دیدیا کہ علامہ عینی نے علامہ ابن حجر کی شرح سے مضامین نقل

کر کے اپنی شرح میں اضافہ کیا ہے۔ اس سے یہ لوگ یہ تاثر دینا چاہتے ہیں کہ علامہ عینی میں اتنی استعداد نہیں تھی کہ بخاری کی شرح لکھتے۔ علامہ ابن حجر کی شرح سے نقل اتاری ہے۔ جہاں جہاں توارد ہے وہاں تو یہ بات کہنے کی ایک گنجائش ہے۔ مگر علامہ عینی نے علامہ ابن حجر پر جو تعقبات کئے ہیں وہ کہاں سے لائے۔ پھر جو مضامین انھوں نے اضافہ فرمائے وہ کہاں سے ان کو ملے؟۔

اس سلسلے میں ایک یہ بھی روایت ہے کہ کسی نے علامہ ابن حجر سے کہا کہ علامہ عینی کی شرح آپ کی شرح پر فوقیت رکھتی ہے اس لئے کہ اس میں معانی وبیان، بدیع وغیرہ زائد ہیں۔ اس کے جواب میں علامہ ابن حجر نے فرمایا کہ یہ علامہ عینی نے شیخ رکن الدین کی شرح سے نقل کیا ہے۔ یہ شرح مجھے ملی تھی مگر ناتمام تھی اس لئے میں نے اس کے پورے حصے کو کہیں نہیں لیا تھوڑا کہیں سے لے لیا ہے[۱]۔

اس سے بھی یہ لوگ یہی باور کرانا چاہتے ہیں کہ علامہ عینی نے صرف نقل ہی کیا ہے۔ لیکن یہاں دو سوال ہے۔ ایک یہ کہ کیا علامہ حجر کی تمام باتیں طبع زاد ہیں۔ کیا انھوں نے پچھلی شرحوں سے مضامین نہیں نقل کئے ہیں۔ اگر نقل کئے ہیں اور ضرور نقل کئے ہیں تو پھر علامہ ابن حجر کے بارے میں بھی یہی رائے کیوں نہیں قائم کی جاتی۔ ورنہ بات صاف ہے کہ اسلاف کی تصنیفات سے دونوں نے مضامین نقل کئے ہیں۔ اگر علامہ ابن حجر کو نقل کا حق ہے تو علامہ عینی کو بھی ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ کیا دو شخص پر ایک ہی موضوع پر ایک ہی معنی کا توارد نہیں ہوتا؟ اگر ہوتا ہے اور ضرور ہوتا ہے۔ تو پھر جو خاص معانی علامہ ابن حجر کے ذہن میں آئے وہ علامہ عینی کے ذہن میں کیوں نہیں آسکتے؟۔ اس کی کیا وجہ ہے؟۔ ارباب علم و دانش جانتے ہیں کہ اکثر کسی خاص موضوع پر بحث کے وقت ایک ہی نکتہ بہت سے لوگوں کے ذہن میں آجایا کرتا ہے۔ پھر وہی عرض کرتا ہوں کہ اگر عینی میں صرف وہی مضامین ہوتے جو فتح الباری میں ہیں اور اس پر اضافہ نہ ہوتا وہ بھی ہزاروں ہزار۔ تو اس کی گنجائش تھی کہ ان لوگوں کی بات مان لی جاتی۔ مگر جب عینی میں فتح الباری کے مضامین کے علاوہ اور بہت سے کثیر ان مضامین کا اضافہ ہے جو فتح الباری میں نہیں تو اس کی کوئی گنجائش نہیں۔

کسی نے فتح البَاری سے متاثر ہو کر یہ کہا! لا ھجرۃ بعد الفتح۔ اگر یہ بزرگ مجھے ملتے تو عرض کرتا۔ حضرت بعد الفتح ہے مع الفتح نہیں۔ جو شخص انصاف و دیانت سے دونوں شرحوں کا مطالعہ کرے گا اس پر یہ بات واضح ہو جائے گی کہ جو کچھ فتح الباری میں ہے وہ سب عینی میں ہے اور مزید عینی میں وہ فوائد ونکات وابحاث ہیں جن سے فتح الباری خالی ہے۔

طرز تصنیف علامہ عینی کا طریقہ یہ ہے کہ وہ پہلے باب کی توضیح کرتے ہیں، پچھلے باب سے مناسبت بیان کرتے ہیں۔ پھر باب

---

[۱] الضوء اللامع ج ۱ ص ۱۳۲،

باندھنے کا جو مقصد ہوتا ہے اس کو بیان کرتے ہیں باب کی تائید میں جو آیت یا تعلیق ہوتی ہے اس کی توضیح کرتے ہیں تعلیق کی سند بیان کرتے ہیں۔ پھر حدیث کا پورا متن مع سند بیان کرتے ہیں۔ اس کے بعد راویوں کے احوال کو ضروری تفصیل کے ساتھ بیان کرتے ہیں۔ اگر راویوں کے نسب میں خفا ہوتا ہے تو اس کو واضح کرتے ہیں۔ پھر سند کے اندر جو رموز و نکات ہوتے ہیں ان کو بیان کرتے ہیں۔ یہ حدیث بخاری میں کتنی جگہ ہے اس کو اور یہ کہ صحاح ستہ میں سے کس کس میں ہے اسے بھی ظاہر کرتے ہیں۔ اس کے بعد مشکل لغات کو حل کرتے ہیں۔ پھر خاص خاص جملوں کی نحوی ترکیب لکھتے ہیں۔ اس کے بعد معانی و بیان و بدیع کے نکات بیان کرتے ہیں۔ اسکے بعد حدیث پر مفصل بحث کرتے ہیں۔ اس سے ثابت ہونے والے مضامین کو واضح کر کے اس سلسلے میں جتنے اقوال ہوتے ہیں سب کو ان کے دلائل کے ساتھ بیان کر کے جو مذہب ان کے نزدیک حق ہوتا ہے اسے عقلی نقلی دلائل سے ثابت کرتے ہیں۔ اس کے بعد حدیث سے مستخرج مسائل کی فہرست پیش کرتے ہیں پھر حدیث کے مضمون پر وارد ہونے والے سوالوں کو ذکر کر کے ان کے تسلی بخش جوابات دیتے ہیں حدیث میں مذکور اسماء و اماکن کی توضیح کرتے ہیں۔ ساتھ ہی ساتھ حدیث کی باب سے مطابقت اور متعارض احادیث میں تطبیق کو بھی واضح کرتے ہیں۔ پہلی بار جب کوئی حدیث آتی ہے تو وہیں اس پر سیر حاصل بحث کر دیتے ہیں۔ اور جب وہ دوبارہ یا سہ بارہ آتی ہے تو باب کے مناسب ضروری بات پر اختصار کرتے ہیں۔

علامہ ابن حجر کی عادت یہ ہے کہ جو حدیث جس باب کے تحت مذکور ہوتی ہے۔ اس کے مناسب گفتگو کر کے آئندہ کا حوالہ دیدیتے ہیں۔ ایسا بھی ہو گیا ہے کہ پھر آئندہ ان کو یاد نہ رہا اور بات رہ گئی۔

عمدۃ القاری کی یہی وہ خوبیاں ہیں کہ جب عمدۃ القاری مکمل ہو کر منظر عام پر آئی تو علامہ ابن حجر ششدر اور ان کے تلامذہ حیران ہو کر رہ گئے۔ علامہ ابن حجر کے تلامذہ ان کی طرف سے معذرت کرنے لگے اور علامہ عینی پر کیچڑ اچھالنے کی کوشش کی۔ اسی کا شاخسانہ برہان بن اخضر والا قصہ بھی ہے۔

علامہ عینی نے علامہ ابن حجر پر جو اعتراضات کئے تھے ان کے جوابات دینے کی انھوں نے کوشش کی پانچ سال تک زندہ رہے۔ مگر وہ علامہ عینی کے اعتراضات کا جواب نہ دے سکے۔ کچھ اعتراضات کے جوابات لکھے وہ بھی ناتمام رہے۔ اور جو لکھا وہ جواب ہوا کہ نہیں؟ اس بارے میں ہم کچھ نہیں کہہ سکتے۔

خلاصہ یہ ہے کہ بخاری کی یہ دونوں شرحیں حقیقی معنوں میں بہت کامل بہت جامع بہت مفید ہیں۔ ان دونوں کی نظیر نہ پہلے کی کوئی شرح ہے نہ بعد کی۔ مگر بوجوہ کثیرہ علامہ عینی کی شرح فتح الباری سے بڑھی ہوئی ہے۔

علامہ ابن خلدون نے کہا تھا۔ کہ بخاری کی شرح امت پر قرض ہے۔ حاجی خلیفہ نے کشف الظنون میں کہا کہ اس قرض کو ان دونوں شرحوں نے چکا دیا۔

یہ دوسری بات ہے کہ جتنی شہرت فتح الباری کی ہے وہ عینی کو نہیں حاصل ہوئی اس کا سبب خاص یہ ہے کہ فتح الباری، عمدۃ القاری کی بہ نسبت مختصر ہے۔ اس کی نقل و قرأت دونوں بہ نسبت عمدۃ القاری کے آسان ہے۔ اس لئے جو تداول فتح الباری کا ہوا وہ عینی کا نہ ہو سکا۔

ارشاد الساری یہ شرح علامہ شہاب الدین احمد بن محمد خطیب قسطلانی مصری کی ہے۔ یہ شرح حامل المتن ہے۔ اور کچھ مختصر بھی ہے۔ خاص بات یہ ہے کہ مشکل الفاظ جتنی بار آئے ہیں ہر بار اس کی شرح کرتے ہیں۔ اس کی اصل ماخذ عمدۃ القاری اور فتح الباری ہے مگر دیگر شروح کے بھی اہم مضامین کافی ہیں۔ مدرسین و طلبہ کے لئے بہت مفید ہے۔ ان کا ۸ محرم الحرام شب جمعہ ۹۲۳ھ میں وصال ہوا اور بعد نماز جمعہ جامعہ ازہر میں نماز جنازہ ہوئی۔ اور علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ کے مدرسہ میں دفن ہوئے چوہتر سال کی عمر پائی۔ ۱۲ ذوقعدہ ۸۵۱ھ میں ولادت ہوئی تھی۔

تیسیر القاری مشہور امام محدث حضرت شیخ عبد الحق محدث دہلوی قدس سرہ کے صاحبزادے حضرت شیخ نور الحق کی فارسی میں بخاری کی شرح ہے۔ شاہجہاں نے آگرے کا قاضی اور مفتی بنایا تھا۔ ان کی ۹۸۳ھ میں ولادت اور ۱۰۷۳ھ میں وصال ہوا۔ یہ شرح انھوں نے اپنے والد ماجد کی خواہش پر ان کے وصال کے بعد اشعۃ اللمعات کے طرز پر لکھی ہے۔ اس کی چھ جلدیں ہیں۔ اس کے حاشیہ پر شیخ الاسلام محمد بن فخر الدین بن محب اللہ بن نور اللہ بن نور الحق دہلوی کی بھی ناتمام شرح چھپی ہے۔ یہ بزرگ حضرت شیخ عبد الحق محدث دہلوی کے پانچویں پیڑھی میں پوتے تھے۔ محمد شاہ رنگیلے کے آخر عہد میں دہلی کے امور مذہبی کے صدر الصدور تھے۔ یہ شرح کچھ بسیط ہے۔ اس میں بہت ہی محققانہ فاضلانہ ابحاث ہیں۔ نصف اول کی تکمیل کی تاریخ آخر جمادی الآخرہ ۱۱۶۶ھ ہے۔

بخاری شریف کی سیکڑوں شرحوں میں ہم نے صرف چار کا تذکرہ اس لئے کیا کہ ہم نے صرف انھیں چاروں سے استفادہ کیا ہے۔ اس سے ایک فائدہ یہ ہوگا کہ ہماری کتاب کے کسی مضمون کا بالفرض حوالہ تلاش کرنا ہو تو تلاش کرنے والوں کو کچھ آسانی ہو ویسے ہم نے اہم مباحث کا حوالہ دیدیا ہے۔

ان کے علاوہ اردو میں بھی بخاری کے تراجم و شروح بکثرت ہو چکے ہیں۔ ان میں سے صرف تین سے ہم نے استفادہ کیا ہے۔ اردو شروح میں بشیر القاری، فیوض الباری سے، اور ترجموں میں حضرت مولانا اختر شاہجہاں پوری کے ترجمہ سے۔

بشیر القاری یہ استاذی صدر العلما علامہ غلام جیلانی صاحب میرٹھی قدس سرہٗ کی نازشرح ہے عربی فارسی اردو کسی زبان میں بخاری کی اب تک کوئی شرح اتنی تحقیق اور تفصیل سے نہیں لکھی گئی۔ اس میں حضرت نے تحقیق و تدقیق کا حق ادا کر دیا ہے الفاظ احادیث کی صرفی لغوی تحقیق جملوں کی نحوی ترکیب اور معانی و بیان و بدیع کی تکمیت کے ساتھ ساتھ معانی حدیث کے

ہر ہر پہلو پر ایسی جامع کامل بحث ہے جسے دیکھ کر کہنا پڑتا ہے کہ ترث الاولون للآخرین۔ ساتھ ہی ساتھ ہمہ دانی کا خصوصا علم حدیث میں دعوی کرنے والوں کی غلطیوں پر ایسی مضبوط گرفت فرمائی ہے۔ جس کا کسی کے پاس کوئی جواب نہیں ہے کوئی بھی عناد اور تعصب سے ہٹ کر اگر اس شرح کا مطالعہ کرے گا تو اسے کہنا پڑے گا کہ حضرت مصنف دیگر علوم کی طرح علم حدیث کے بھی اپنے وقت کے امام تھے۔ افسوس یہ ہے کہ یہ شرح صرف باب بدأ الوحی تک ہو سکی اس کے بعد حضرت دوسری تصانیف میں مشغول ہو گئے۔ حضرت دوسری تصانیف میں مشغول نہ ہوتے اور شرح بخاری ہی کو مکمل فرما دیتے۔ تو امت پر احسان عظیم ہوتا۔ میں نے ایک بار عرض کیا تھا۔ تو فرمایا میرا ارادہ اسکی تکمیل کا ہے۔ چند ضروری کاموں سے فرصت کے بعد اسے مکمل کروں گا۔ مگر عمر نے وفا نہ کی اور حضرت کا وصال ہو گیا۔

حضرت کی ولادت علی گڑھ ریاست دادوں میں گیارہ رمضان المبارک ۱۳۱۱ھ ۱۸۹۴ء کو ہوئی درجہ چہارم تک ابتدائی تعلیم حاصل کرنے کے بعد مراد آباد جامعہ نعیمیہ میں داخلہ لیا آمدنامہ سے کافیہ تک یہاں تعلیم حاصل کی پھر ۱۳۴۲ھ میں اجمیر مقدس دار العلوم معینیہ درگاہ شریف میں حضرت صدر الشریعہ قدس سرہ کے زیر عاطفت نو سال تک تعلیم حاصل کرتے رہے۔ حضرت صدر الشریعہ قدس سرہ کی ان پر خصوصی نگاہ کرم تھی درس نظامی کی منتہی کتابیں صدر الشریعہ نے پڑھائی بریلی شریف میں علاوہ دورۂ حدیث کے شرح چغمینی محقق دوانی کی شرح تجرید کے حواشی قدیمہ اور جدیدہ اشارات کی دونوں شرحیں امام رازی اور طوسی کی پڑھائیں۔ جب متولی نثار احمد کی شرارتوں سے تنگ آکر ۱۳۵۱ھ میں حضرت صدر الشریعہ بریلی شریف مدرسہ منظر اسلام میں تشریف لائے تو یہ بھی اپنے رفقاء کے ساتھ بریلی شریف آگئے۔ اور یہیں سے ۱۳۵۲ھ میں فراغت ہوئی فراغت کے بعد جائس، پانی پت، کانپور احسن المدارس قدیم میں قیام فرمایا۔ پھر میرٹھ مدرسہ اسلامیہ میں تشریف لائے اوائل ۱۳۵۴ھ ۱۹۳۵ء سے لے کر آخیر عمر مبارک تک پینتالیس سال یہیں قیام فرمایا۔ جمادی الاولی ۱۳۹۹ھ ۱۹۷۹ء میں بعارضۂ فالج میرٹھ میں وصال فرمایا۔ اور وہیں سپرد خاک فرمائے گئے۔ عمر مبارک بیاسی سال پائی۔

فیوض الباری محقق عصر حضرت مولانا محمد محمود صاحب کی لاجواب شرح ہے عربی فارسی شرحوں کی تلخیص بہت عمدگی کے ساتھ کی ہے۔ احادیث کا ترجمہ اس طرح کیا ہے کہ روح جھوم اٹھتی ہے۔ معنی لغوی کی رعایت کے ساتھ ساتھ سلاست و روانی، ترکیب کی خوبصورتی سب کچھ ترجمہ میں موجود ہے۔ ابتدا میں نہایت فاضلانہ مقدمہ ہے جو اصل میں منکرین حدیث چکڑالیوں کا رد ہے۔ جس میں احادیث کے حجت ہونے پر ایسے دلائل قاہرہ قائم فرمائے ہیں جس کے بعد کسی کو مجال دم زدن نہیں۔ احادیث کی جمع و تدوین کی مختصر مگر جامع تاریخ بھی ہے۔ طرز علامہ عینی کا ہے۔ مگر احادیث سے متعلق ابحاث کی توضیح و تشریح اس خوبی سے کرتے ہیں کہ سب کو سمجھ میں آجائے۔ اپنی تحقیقات سے بھی کتاب کو مالا مال کیا ہے۔ موصوف پاکستان کے مشہور مرجع انام، فاضلِ

یگانہ حضرت علامہ ابو البرکات سید احمد صاحب شیخ الحدیث انجمن حزب الاحناف لاہور کے وارث علم وفضل ہیں۔ انھوں نے اس کی تصنیف کب شروع کی یہ تو معلوم نہ ہو سکا البتہ پہلے پارے کے اختتام پر انھوں نے تاریخ یہ لکھی ہے۔ ۸ رجمادی الآخرہ ۱۳۷۸ھ ۳۰ر نومبر ۱۹۵۸ء۔

ترجمہ بخاری بخاری کے اردو تراجم میں ہم نے صرف فاضل جلیل مولانا عبد الحکیم خاں صاحب اختر شاہجہاں پوری کے ترجمے سے استفادہ کیا ہے اس سے ہم احادیث کے ترجمے میں کافی مدد لی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ علامہ شاہجہاں پوری نے اتنی عمدگی سے ترجمہ کیا ہے کہ عقل خود دنگ رہ گیا۔ جدید اسلوب کے ساتھ ساتھ بہت شگفتگی و معنویت کے ساتھ ترجمہ کیا ہے۔ مولانا نے یہ ترجمہ ۴ر شوال ۱۴۰۰ھ ۵ر ستمبر ۱۹۸۰ء بروز جمعہ بعد نماز عصر لکھنا شروع کیا ہے۔ اور ۲۹ر ذوالحجہ ۱۴۰۱ھ مطابق ۲۵ر اکتوبر ۱۹۸۱ء بروز یکشنبہ نو بجے مکمل کرلیا۔ ترجمے کے ساتھ باب اور احادیث کا پورا متن بھی مع اعراب چھپایا ہے۔ اس سے اس ترجمے کی افادیت بہت بڑھ گئی ہے۔

ترجمے کے پہلے حضرت مولانا غلام رسول صاحب سعیدی مدظلہ کا ایک بہت مفید مقدمہ ہے۔ جس میں ابتداءً امام بخاری کے احوال بہت جامعیت کے ساتھ لکھے گئے ہیں۔ پھر ان کی اس کتاب کے خدوخال کو بہت ہی محققانہ طریقے پر بیان کیا گیا ہے اخیر میں منکرین احادیث کے رد کے لئے حدیث کا قابل حجت ہونا بڑے ہی مدلل طور پر بیان کیا ہے۔ پھر اسی ضمن میں تدوین حدیث کی مختصر تاریخ پیش کی ہے۔ اخیر میں اصطلاحات حدیث کو درج کیا ہے۔ یہ مقدمہ بہت جامع اور اہم ہے۔ میں نے اپنی اس کتاب میں ان کے مقدمے سے بہت کچھ استفادہ کیا ہے۔ شکر اللہ مساعیہم الجمیلہ۔ وتقبل منا ومنہم۔

مسامحات بخاری

میں اس عنوان پر کچھ لکھنا نہیں چاہتا تھا مگر اس پر باعث ایک واقعہ ہے۔ میں ایک مرتبہ ڈومریا گنج ضلع بستی سے اِٹوا تھانے جا رہا تھا بس میں کچھ لوگ آپس میں بہت مزے لے لے کر یہ کہہ رہے تھے کہ بریلیوں سے زیادہ جھوٹا کوئی نہیں۔ خود کہتے ہیں کہ آسمان کے نیچے قرآن کے بعد سب سے زیادہ صحیح کتاب "بخاری" ہے مگر بخاری میں لکھا ہے کہ رفع یدین کرو۔ امام کے پیچھے سورہ فاتحہ پڑھو، آمین بلند آواز سے کہو مگر نہیں مانتے۔ میں نے ان سے پوچھا کہ بخاری میں جو کچھ لکھا ہے تم لوگ سب پر عمل کرتے ہو؟ انھوں نے کہا بالکل ہم لوگ عمل کرتے ہیں۔ میں نے پوچھا کہ آپ لوگوں نے بخاری پڑھی ہے۔ تو گھبرا گئے۔ ان میں سے ایک نے جھلا کر پڑھی نہیں مگر علماء سے سنا ہے کہ بخاری میں یہ لکھا ہے۔ میں نے پوچھا اور کیا کیا بخاری میں لکھا ہے یہ بھی ان علماء نے آپ لوگوں کو بتایا۔ اب اور گھبرائے مگر تھے دیہاتی صاف گو اقرار کرلیا کہ اور کچھ نہیں بتایا ہے۔ میں نے سوچا ان گنواروں کو اگر جامع الکتب کا مطلب سمجھاؤں تو سمجھ نہیں پائیں گے۔ ان کی سمجھ کے مطابق ایک لطیفہ ذہن میں آگیا میں نے کہا کہ امام بخاری نے بخاری میں دو

مسئلے لکھے ہیں۔ ایک یہ کہ اگر پانی میں نجاست گر جائے اور نجاست کا رنگ یا بو یا مزہ پانی میں ظاہر نہ ہو تو پانی پاک ہے اگرچہ وہ پانی تھوڑا ہی ہو۔ ان میں سے ایک شخص بولا بالکل صحیح ہے۔ میں نے کہا دوسرا بھی سنئے وہ یہ ہے کہ اگر کتا کسی برتن میں منھ ڈال دے تو برتن ایسا ناپاک ہو گیا کہ اسے سات بار دھوؤ۔ اور کم از کم ایک بار مٹی سے بھی مانجو۔ اسی شخص نے کہا یہ بھی بالکل صحیح ہے۔ اب میں نے کہا آپ نے دونوں مسئلوں کو صحیح و حق مان لیا تو سنئے اب ایک میرا سوال ہے۔ کہ کسی برتن میں پانی ہے اس میں کتے نے منھ ڈال دیا منھ ڈالتے ہی دھتکار دیا گیا تو بتائیے پانی پاک ہے کہ ناپاک ہے؟۔

وہ غریب بول اٹھا کہ پاک ہے (اس لئے کہ اس قسم کے پانی استعمال کرنے کی عادت رہی ہوگی) میں نے پوچھا اور برتن تو مبہوت ہو کر رہ گیا۔ ہو سکتا ہے کوئی صاحب کہدیں وہ جاہل اُجڈ تھے ان کی بات کا کیا۔ مگر غرض یہ ہے کہ ان کو یہ بتانے والے علماء تو مجتہد مطلق تھے ورنہ وہ کیا جانیں کہ بخاری میں آمین، رفع یدین کے بارے میں کیا لکھا ہے۔ اب میں نے للکار کے پوچھا کہ بولو تو بیچارے کو سانپ سونگھ گیا وہ سب ایک دوسرے کا منھ تکنے لگے اور بالکل خاموش ہو گئے۔

وہ بھی اِٹوا ہی جا رہے تھے جب اٹوا بس رکی میں بھی اتر پڑا وہ سب بھی اتر پڑے مجھے لینے کے لئے جو آدمی آئے تھے ان سے انھوں نے پوچھا کہ یہ کون ہیں؟ جب میرا نام سنا تو اب مجھے مزہ آگیا بالکل وہی منظر تھا۔ وان یکاد الذین کفروا لیزلقونک بابصارھم ایسا لگتا ہے کہ کافر تمہیں نظر لگا کر گرا دیں گے۔

اصح کتب کہنے سے جو غلط فہمی پھیلی ہوئی ہے اس کے ازالے کی ایک سبیل یہ بھی ہے کہ لوگوں کو اصح الکتب کا مطلب سمجھا دیا جائے۔ اس لئے اس سلسلے میں چند باتیں معروض ہیں۔ اصح کتب بعد کتاب اللہ کا مطلب یہ ہرگز نہیں کہ قرآن مجید کی طرح اس کا حرف حرف نقطہ نقطہ صحیح اور حق ہے۔ اس کا حاصل صرف یہ ہے کہ اس وقت تک بلکہ اب یوں کہئے کہ آج تک حدیث میں جتنی کتابیں لکھی گئیں بلا استثناء سب میں صحیح کے ساتھ ضعیف احادیث بھی درج ہیں۔ اس سے بخاری بھی مستثنیٰ نہیں دوسری کتابوں کے بہ نسبت اس میں ضعیف حدیثیں کم ہیں۔ دوسروں میں تناسب کے لحاظ سے زائد ہیں۔ اب اصح الکتب کا مطلب یہ ہوا کہ حدیث کی دوسری تمام کتابوں کی بہ نسبت اس میں زیادہ صحیح حدیثیں ہیں۔ ضعیف حدیثیں کم ہیں۔ نیز اسکی احادیث صحت کی قوت میں بہ نسبت دوسروی کتابوں کے زائد ہیں۔

یہ مطلب ہرگز نہیں کہ بخاری کے علاوہ یا صحاح ستہ کے علاوہ حدیث کی بقیہ کتابوں کی احادیث، احادیث نہیں باطل و موضوع ہیں۔ جس طرح بخاری اور صحاح ستہ کی احادیث صحیحہ واجب القبول ہیں اسی طرح بقیہ کتابوں کی احادیثِ صحیحہ واجب القبول ہیں۔ اصح کتب کا یہ مطلب نہیں کہ امام بخاری نے جو کچھ لکھا ہے وہ سب صحیح و حق ہے۔ جس کی تفصیل اس

کتاب میں جگہ جگہ مذکور ہوگی۔ امام بخاری سے اس کتاب میں جگہ جگہ لغزش ہوئی ہے۔ اس لئے اصح کتب کا یہ مطلب لیناکہ بخاری میں جو کچھ ہے خواہ وہ حدیث نہ ہو امام بخاری کا قول ان کی تحقیق ہو سب حق ہے۔ اصح کتب کے معنی کی تحریف ہے جس نے بھی بخاری کو اصح کتب کہا وہ صرف احادیث کے اعتبار سے کہا۔ امام بخاری کے فرمودات کو اس میں کسی نے داخل نہیں کیا۔ مگر کیا کیجئے باطل پرستوں کو جب کوئی دلیل نہیں ملتی تو اسی قسم کی فریب کاری کرتے ہیں۔ اس عنوان پر ہم جو نظیریں پیش کریں گے وہ اپنی دریافت کردہ نہیں بلکہ اکابر محدثین وناقدین کی رائے ہوگی۔

حضرت امام بخاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی عظمت وجلالت قدر میرے دل میں ہے اس کے پیش نظر مندرجہ ذیل سطور لکھتے وقت بار بار یہ خیال آتا ہے کہ نادان دوست کی طرح خود غرض دوست بھی کتنا خطرناک ہوتا ہے؟۔

انسان بہرحال انسان ہے اس سے غلطی لغزش ہو ہی جاتی ہے۔ امام بخاری نے سولہ سال شب روز کی تحقیق وتنقیح کے بعد اپنی وسعت بھر اس کی پوری کوشش کی کہ ان کی کتاب میں کوئی غیر صحیح ضعیف حدیث نہ آنے پائے اور کوئی لغزش نہ ہو۔ مدام اس کی تنقیح وتہذیب کرتے رہے۔ مگر الی اللہ العصمۃ الا لذات ولرسولہ۔ فسبحان من لاینسی۔ پوری کوشش کے باوجود امام بخاری سے اس کتاب میں بھی لغزش ہو ہی گئی۔ حتی کہ علامہ ابن حجر جیسے محقق مدقق کو بھی جنھوں نے امام بخاری پر کی گئیں تنقیدات کی جواب دہی میں اپنی ذہانت، ذکاوت کا پورا سرمایہ صرف کر ڈالا یہ کہنا ہی پڑا:۔

لکل جواد کبوۃ۔ ہر تیز رو گھوڑے کے لئے ٹھوکر ہے۔

اسی لئے علامہ ابن حجر نے لسان المیزان میں امام عبداللہ بن مبارک کا یہ قول نقل کیا:۔

من ذا سلم من الوھم۔ کون ہے جو وہم سے سلامت رہا۔

نیز امام بخاری کے استاذ یحیی بن معین کا یہ قول بھی ذکر کیا:۔

لست اعجب ممن یحدث فیخطی انی اعجب ممن یحدث فیصیب[1]۔ میں اس پر تعجب نہیں کرتا کہ کوئی حدیث بیان کرے اور خطا کر جائے مجھے اس پر تعجب ہے کہ وہ کبھی غلطی نہ کرے۔

اس قانونِ فطرت کے مطابق امام بخاری سے بھی لغزشیں ہوئی ہیں۔ جن چند یہ ہیں۔

ضعاف سے روایت | بخاری میں ایسے راویوں کی تعداد بہت ہے جو بدعقیدہ گمراہ تھے جیسے جہمی، قدری، رافضی، ناصبی، خارجی، معتزلی، اس پر مستزاد یہ کہ مطعون راوی بھی کم نہیں۔ منکر واہی اور وہمی سبھی ہیں۔ جسے اس کی تفصیل دیکھنی ہو تو علامہ ابن حجر

---

[1] لسان المیزان ج ا ص ۱۰،

کا مقدمہ فتح الباری ہدی الساری کا مطالعہ کرے۔ اور اگر مزید دیکھنا چاہیں تو اعلیحضرت امام احمد رضا قدس سرہ کا رسالہ "حاجز البحرین الواقی عن جمع الصلوتین" کا مطالعہ کریں[1] جس میں غیر مقلدین اور حقیقت میں امام بخاری کے مقلدین کے شیخ الکل میاں نذیر حسین دہلوی کی جرح کے مطابق بخاری کے مجروح راویوں کی وافر مقدار میں نشاندہی فرمائی ہے۔

براہو اندھی طرفداری کا ان راویوں کے بارے میں یہ کہہ دیا جاتا ہے۔ ان راویوں پر طعن دوسرے محدثین نے کئے ہیں۔ امام بخاری کی تحقیق میں یہ سب ثقہ ہیں۔ یہاں تک کہ یہ بھی کہہ دیا جاتا ہے کہ کسی مسلم الثبوت محدث کا کسی راوی سے روایت کرنا ہی اس کے ثقہ ہونے کی دلیل ہے۔ مگر یہی قاعدہ احناف کے مقابلے میں یہ قاعدہ بنانے والے ہی بھول جاتے ہیں۔

لیکن بخاری کے مطعون راوی صرف اسی قسم کے نہیں کہ ان پر امام بخاری کے علاوہ صرف دوسروں ہی نے جرح کی ہو۔ ایسے بھی معتدبہ مقدار میں مطعون راوی ہیں جو خود امام بخاری کے طعن کے نشانہ ہیں۔ بخاری میں ایسے بھی مجروح راوی ہیں جن پر خود امام بخاری کی تنقید موجود ہے۔ مثلاً باب الاستنجاء بالماء کے تحت امام بخاری نے ایک حدیث اس سند کے ساتھ ذکر کی ہے۔

حدثنا ابو الولید ھشام بن عبد الملک قال حدثنا شعبۃ عن ابی معاذ واسمہ عطاء بن ابی میمونۃ قال سمعت انس بن مالک یقول کان النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اذا خرج لحاجتہ۔ الحدیث[2] اس کی سند میں عطاء بن ابی میمونہ ہے۔ اس کے بارے میں کتاب الضعفاء الصغیر میں خود امام بخاری نے لکھا۔

عطاء بن ابی میمونۃ ابو معاذ مولی انس و قال یزید بن ھارون مولی عمران ابن حصین کان یری القدر[3] — یہ شخص حضرت انس کا غلام تھا یزید بن ہارون نے کہا عمران بن حصین کا غلام تھا۔ یہ قدریہ تھا۔

دوسری جلد باب بعث ابی موسی و معاذ الی الیمن میں ایک حدیث اس سند کے ساتھ ہے۔

حدثنی عباس بن الولید، قال حدثنا عبد الواحد عن ایوب بن عائذ قال حدثنا قیس بن مسلم قال سمعت طارق بن شھاب یقول حدثنی ابو موسی الاشعری قال بعثنی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ وسلم الی ارض قومی۔ الحدیث[4] اس حدیث کی سند میں ایوب بن عائذ ہے۔ اسے امام بخاری نے اسی کتاب الضعفاء میں لکھا۔

ایوب بن عائذ الطائی کان یری الارجاء[5] — یہ مرجیہ تھا۔

علامہ ذہبی اس پر تعجب کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

وکان من المرجئۃ قال لہ البخاری وادرہ فی الضعفاء — یہ مرجیہ تھا مرجئہ ہونے کی وجہ سے اسے بخاری نے ضعفاء

---

[1] یہ رسالہ فتاوی رضویہ جلد دوم میں شائع ہو چکا ہے [2] بخاری ج ۱ ص ۲۷، [3] کتاب الضعفاء ص ۲۱، [4] بخاری ج ۲ ص ۶۲۲، [5] کتاب الضعفاء الصغیر ص ۲۵۳،

لاس جائنہ والعجب من البخاری یغمزہ وقد احتج بہ۔ | میں درج کیا ہے تعجب ہے اس پر طعن بھی کرتے ہیں اور اس کی روایت بھی لیتے ہیں۔

یوں ہی ایک راوی اسماعیل بن ابان کوفی ہے اسی کتاب الضعفاء[1] میں اس کو لکھا کہ یہ متروک ہے مگر اس سے ایک نہیں متعدد احادیث لی ہیں۔ علامہ ابن حجر ہدی الساری میں لکھتے ہیں۔

اسماعیل بن ابان الوراق الکوفی احد شیوخ البخاری ولم یکثر عنہ[2] | یہ امام بخاری کے اساتذہ میں سے ہے مگر اس سے بہت زیادہ روایت نہیں کی ہے۔

ناظرین اپنی طمانیت خاطر کے لئے ایک بار امام بخاری کی کتاب الضعفاء کا مطالعہ کریں اور ان مندرجہ ذیل راویوں پر امام بخاری کی جرح دیکھ لیں۔ پھر انھیں تلاش کریں صحیح بخاری میں ان کی کتنی روایتیں ہیں۔

زبیر بن محمد تیمی، سعید بن عروبہ، عبداللہ بن لبید، عبدالملک بن ابین، عبدالوارث بن سعید، عطاء بن یزید، کہمس بن منہال، حد یہ ہے کہ مروان بن حکم جیسے مشہور زمانہ عیار شاطر سے بھی روایت لی ہے۔ جس نے اسلام میں ایسے ایسے رخنے ڈالے کہ آج تک بند نہ ہوئے۔ جس کی شرارت و دسیسہ کاری کی وجہ سے حضرت عثمان شہید ہوئے۔ جس نے حضرت طلحہ بن عبیداللہ احد العشرۃ المبشرہ کو تیر مار کر زخمی کیا جس کے صدمے سے وہ شہید ہوئے وغیرہ وغیرہ۔

سند میں تسامح ضعیف راویوں سے روایت کے علاوہ بہت سی جگہ امام بخاری سے راویوں کے نام، ان کی ولدیت میں لغزش ہو ہی گئی ہے۔ مثلاً ص۹۱ پر باب اذا اقیمت الصلوۃ فلا صلوۃ الا المکتوبۃ کے تحت جو حدیث ہے اس کی سند اس طرح بیان کی ہے حدثنا عبدالعزیز بن عبداللہ قال حدثنا ابراھیم بن سعد عن ابیہ عن جعفر بن عاصم عن عبداللہ بن مالک بن بُحَیْنَۃَ قال مر النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔ الحدیث۔

اس سند میں امام بخاری سے دو تسامح ہوا ہے۔ ایک تو یہ کہ مالک بن بحینہ کہا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بحینہ مالک کی ماں ہیں حالانکہ یہ مالک کی زوجہ ہیں اور عبداللہ کی ماں ہیں۔ دوسرے یہ کہ تحویل سند کے بعد ہے۔ سمعت رجلا من الازد یقال لہ مالک بن بحینۃ ان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم رای رجلا۔ الحدیث۔ اس سند میں امام بخاری سے دو تسامح ہوا ہے ایک تو یہ کہ مالک بن بحینہ کہا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بحینہ مالک کی ماں ہیں! حالانکہ یہ مالک کی زوجہ ہیں اور عبداللہ کی ماں ہیں دوسرے یہ کہ اس سند میں حدیث کا راوی مالک کو بتایا۔ حالانکہ اس کے راوی مالک کے بیٹے عبداللہ ہیں مالک کو تو ایمان بھی نصیب نہیں ہوا۔ یہ حدیث مسلم، نسائی، اور ابن ماجہ میں ہے مگر یہ خطا نہیں۔ علامہ ابن حجر نے لکھا۔

[1] کتاب الضعفاء الصغیر ص۲۵۲، [2] مقدمہ فتح الباری ج ۲ ص۱۵۱،

الوھم فیہ موضعین احدھما ان بحینۃ والدۃ عبداللہ لا مالک وثانیھما ان الصحبۃ والروایۃ لعبداللہ لا لمالک[1]

اس میں دو جگہ وہم ہے ایک یہ کہ بحینہ عبداللہ کی والدہ ہیں مالک کی نہیں۔ دوسرے یہ کہ صحابی اور راوی عبداللہ ہیں نہ کہ مالک۔

باب غزوۂ خیبر میں یہ حدیث ہے ان ابا ھریرۃ قال شھدنا الخیبر اس کی ایک سند امام بخاری نے یہ ذکر کی:۔ قال الزھری واخبرنی عبداللہ بن عبداللہ وسعید عن النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔ الحدیث[2] اس پر امام ابو علی جبائی نے یہ اعتراض کیا کہ صحیح عبدالرحمٰن بن عبداللہ ہے۔ مگر امام بخاری نے بجائے عبدالرحمٰن کے عبداللہ ذکر کیا ہے۔ اور یہ کاتب کی غلطی نہیں ہو سکتی۔ اس لئے کہ انھوں نے اپنی تاریخ میں بھی، بجائے عبدالرحمٰن کے عبداللہ ہی لکھا ہے۔ علامہ ابن حجر مقدمہ میں لکھتے ہیں:۔

لان عبداللہ بن عبداللہ لا یعرف والصواب انشاء اللہ عبدالرحمٰن بن عبداللہ وھو ابن کعب قال وکنت اظن ان الوھم فیہ ممن دون البخاری الی ان رأیتہ فی التاریخ قد ساقہ کما ساقہ فی الصحیح سواء[3]

جبائی نے کہا کہ عبداللہ بن عبداللہ کو پہچانا نہیں جاتا انشاء اللہ صحیح عبدالرحمٰن بن عبداللہ ہے۔ یہی ابن کعب ہیں۔ پہلے گمان کرتا تھا کہ یہ وہم کسی اور سے ہوا ہے مگر جب ان کی تاریخ میں بھی ایسا ہی دیکھا تو یہ گمان ختم ہو گیا۔

متن میں تسامح کتاب الزکوٰۃ میں ایک حدیث یہ ہے۔

عن عائشۃ ان بعض ازواج النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قلن للنبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اینا اسرع بک لحوقا، قال اطولکن یدا فاخذوا قصبۃ یذرعونھا فکانت سودۃ اطولھن یدا فعلمنا بعد انما کانت طول یدھا الصدقۃ وکانت اسرعنا لحوقا بہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وکانت تحب الصدقۃ[4]

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ حضور صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بعض ازواج نے عرض کیا کہ ہم میں سے سب سے پہلے کون حضور سے واصل ہوگی۔ فرمایا جس کا ہاتھ سب سے زیادہ لمبا ہے تو وہ ایک لکڑی لے کر اپنے اپنے ہاتھ ناپنے لگیں۔ ان میں سودہ کا ہاتھ سب سے زیادہ لمبا تھا۔ حالانکہ ہاتھ کی لمبائی سے صدقہ مراد تھا۔ سودہ ہی کا سب سے پہلے وصال ہوا۔ وہ صدقہ کو محبوب رکھتی تھیں۔

اس حدیث میں " وکانت اسرعنا لحوقا بہ" میں کانت کی ضمیر کا مرجع متعین ہے کہ سودہ ہیں۔ اس سے ثابت کہ

---

[1] فتح الباری ج ۱ ص ۴۲۹، [2] بخاری ج ۲ ص ۶۰۶۔ [3] مقدمہ فتح الباری ص ۳۶۸، [4] بخاری ج ۱ ص ۱۹۱،

ازواج مطہرات میں سب سے پہلے حضرت سودہ کا وصال ہوا۔ حالانکہ تمام ارباب سیر واصحاب تاریخ کا اس پر اجماع ہے کہ ازواج مطہرات میں سب سے پہلے حضرت زینب کا وصال ہوا۔ خود حدیث کا سیاق بھی بتا رہا ہے کہ "کانت اسرعنا لحوقا بہ" سے حضرت سودہ ہرگز مراد نہیں۔ نیز اگرچہ سبھی ازواج مطہرات بہت مخیر تھیں مگر حضرت زینب ان میں سب سے زیادہ مخیر تھیں۔ حضرت زینب بنت جحش کا وصال ۲۰ھ میں ہوا۔ اور حضرت سودہ کا ۵۴ھ میں۔

اس حدیث میں یہ جملہ یوں ہونا چاہئے تھا۔ وکانت زینب اسرعنا لحوقا بہ۔ چنانچہ مسلم شریف میں یوں ہے وکانت زینب اطول یدا لانھا کانت تعمل وتتصدق۔

باب احداد المرأۃ علی غیر زوجھا میں یہ حدیث ہے :۔

عن زینب بنت ابی سلمۃ قالت لما جاء نعی ابی سفیان من الشام دعت ام حبیبۃ بصفرۃ فی الیوم الثالث فمسحت عارضیھا وذراعیھا[1]

زینب بنت سلمہ کہتی ہیں کہ جب شام سے ابوسفیان کے وفات کی خبر آئی تو ان کی صاحبزادی ام المومنین حضرت ام حبیبہ نے تیسرے دن زرد رنگ کی خوشبو منگا کر اپنے چہرے اور دونوں کلائیوں پر ملا۔

اس حدیث میں ہے کہ حضرت ابوسفیان کے وصال کی خبر شام سے آئی۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ ان کا انتقال شام میں ہوا تھا۔ حالانکہ یہ غلط ہے۔ تمام مورخین اس پر متفق ہیں کہ ان کی وفات مدینہ طیبہ میں ہوئی ہے۔ علامہ ابن حجر لکھتے ہیں۔

اس روایت میں اس پر اعتراض ہے کہ شام سے موت کی خبر آئی۔ حالانکہ سب مورخین اس پر متفق ہیں کہ حضرت ابوسفیان کی وفات مدینہ طیبہ میں ۳۲ھ یا ۳۳ھ میں ہوئی۔

استنباط مسائل کا حال ہم پہلے بتا آئے ہیں کہ امام بخاری مجتہد مطلق تھے۔ اور صحیح بخاری کی تصنیف سے امام بخاری کا اہم مقصد احادیث سے مسائل کا استنباط ہے۔ اسی مقصد کے لئے انھوں نے ہر حدیث پر باب باندھا ہے۔ لیکن اس میں بھی ان سے لغزش ہوئی ہے۔ اور اس لغزش کی تعداد بہت زیادہ ہے جو شرح میں مفصل و مدلل بیان ہوگی۔ یہاں دو نظیریں پیش کرتے ہیں۔

اذا شرب الکلب فی الاناء کے باب میں جہاں اور حدیث ذکر کی ہیں وہیں یہ حدیث بھی ہے :۔

عن النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ان رجلا رأی کلبا

نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بیان فرمایا کہ ایک شخص نے

[1] بخاری شریف ج ۱ ص ۱۷۱

یاکل الثریٰ من العطش فاخذ الرجل خفہ فجعل یغرف لہ بہ حتی ارواہ فشکر اللہ لہ فادخلہ الجنۃ [1] — دیکھا کہ ایک پیاسا کتا کیچڑ چاٹ رہا ہے اس نے اپنا موزہ نکالا اور اس میں پانی بھر کر اسے چلو سے پلانے لگا۔ اللہ نے قبول فرمالیا۔ اور اس شخص کو جنت میں داخل فرمادیا۔

علامہ ابن حجر فرماتے ہیں:۔

استدل بہ المصنف علی طہارۃ سور الکلب [2] — امام بخاری نے اس حدیث سے یہ استدلال کیا کہ کتے کا جھوٹا پاک ہے۔

اسی باب میں ایک اور حدیث یہ ہے:۔

کانت الکلاب تقبل وتدبر فی المسجد فی زمان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فلم یکونوا یرشون شیئا من ذلک — زمانہ اقدس میں کتے مسجد میں آتے جاتے تھے۔ اس پر پانی نہیں ڈالتے تھے۔

اس حدیث کے بھی ذکر سے امام بخاری کا مقصود یہی ہے کہ کتے کا لعاب پاک ہے اور یہ مقصد بالکل ظاہر ہے۔ حالانکہ یہ بالکل ابتدائی دور کی بات ہے جب مسجد میں دروازے نہیں تھے۔ جب دروازے لگ گئے تو کتوں کا مسجد اقدس میں آنا جانا بند ہوگیا۔ جہاں تک کتوں کے آنے جانے کی بات ہے تو کوئی بھی کتوں کو نجس العین نہیں کہتا۔ اس لئے کتا اگر پاؤں رکھ دے اور پاؤں میں اور کوئی نجاست لگی نہ ہو تو وہ جگہ ناپاک نہیں ہوتی۔ رہ گیا لعاب تو ہر شخص جانتا ہے کہ لعاب، شراب، رقیق نجاست گر جائے تو سوکھنے سے زمین پاک ہوجاتی ہے۔ اس سے یہ کہاں لازم آیا کہ کتے کا لعاب پاک ہے۔

اسی طرح امام بخاری نے ایک باب باندھا ہے۔ تقضی الحائض المناسک کلہا الا الطواف اس کے تحت یہ حدیث تعلیقاً لائے ہیں۔

کان النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یذکر اللہ علی کل احیانہ [3] — نبی صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہر حال میں اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے تھے۔

اس تعلیق سے باب کا ثبوت اسی وقت ہوسکتا ہے کہ ذکر کو اپنے عموم کلی پر مانا جائے جس کا ایک فرد ادائے مناسک بھی ہے اور قرآن مجید کی تلاوت بھی۔ اسی طرح علی کل احیانہ کو بھی اپنے عموم کلی پر رکھا جائے۔ جس کا فرد جنب بھی ہے اور جنب کے حکم میں جو لوگ ہیں وہ بھی ہیں۔ مثلاً حائضہ، نفساء۔ اگر ان دونوں عموم میں کوئی بھی تخصیص کی گئی تو باب ثابت نہ ہو پائیگا۔

---

[1] بخاری ج ۱ ص ۲۹، [2] فتح الباری ج ۱ ص ۲۴۳، [3] بخاری شریف ج ۱ ص ۴۴،

اس لئے لازم آیا کہ جنب مرد ہو یا عورت اور حائضہ اور نفاس والی عورت کو اس حالت میں بھی قرآن مجید کی تلاوت کرنا جائز ہے اسی لئے علامہ ابن حجر نے اس کے تحت لکھا۔

ان مرادہ الاستدلال علی جواز قراۃ الحائض لہ — امام بخاری کا مقصد حائضہ اور جنب کے لئے قرأت یعنی قرآن مجید کی تلاوت کے جواز پر اس تعلیق سے استدلال کرنا ہے

رضاعت کا مسئلہ احوال بخاری میں گزر چکا کہ بخارا کی رائے عامہ امام بخاری کے خلاف اس وجہ سے ہوئی کہ انھوں نے اپنے مستخرج اس قسم کے مسائل عوام میں پھیلانے شروع کئے حالانکہ امام ابو حفص کبیر نے امام بخاری کو اس سے منع فرمایا تھا۔ کہ وہ مسائل نہ بتائیں احادیث کا درس دیں۔ مگر امام بخاری نہیں مانے اور انھوں نے اپنے اجتہاد سے امت کے خلاف جو مسائل استنباط فرمائے تھے ان کو بھی پھیلانا شروع کیا۔ جس سے عوام میں شورش پیدا ہو گئی۔ انھیں میں ایک مسئلہ یہ بھی ہے۔ کہ اگر کسی لڑکے اور لڑکی نے ایام رضاعت میں کسی بکری کا دودھ پی لیا تو دونوں میں رشتۂ رضاعت پیدا ہو جائے گا۔

آج کل امام بخاری کے نادان دوست اس کا انکار کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ امام بخاری کی طرف غلط منسوب ہے۔ اس مسئلہ رضاعت سے تو انکار کر دیا۔ مگر خود صحیح بخاری میں یہ جو دو مسئلے مذکور ہیں۔ ان کی نسبت کیا کہیں گے؟

امام بخاری کے ایک نادان دوست لکھتے ہیں :۔

حالانکہ اس فتوی کے ناقل بجز اہل الرائے کے اور کوئی نہیں۔ اور ان کو جو تعصب دوسروں سے ہے وہ ظاہر ہے محدثین کی ایذا رسانی میں ان کو خاص قسم کا مزہ آتا۔ اس لئے اس واقعہ کے صدق پر کیونکر اعتماد کیا جا سکتا ہے۔ سیرۃ البخاری صہ ۲۶

بکری کے دودھ والا فتوی آپ کے نزدیک اس لئے صحیح نہیں کہ اسے صرف اہل الرائے نے لکھا مگر مذکورہ بالا دونوں مسائل جو صحیح بخاری میں آج بھی ہیں ان کے بارے میں کیا ارشاد ہے؟ کیا امام بخاری کے یہ دونوں استنباط صحیح ہیں؟۔

تعصب اور ہٹ دھرمی کی یہ انتہائی حد ہے کہ چونکہ امام بخاری کا یہ فتوی احناف نے نقل کیا ہے اس لئے قابل اعتماد نہیں۔ یہ احناف کے ساتھ انتہائی بغض و عناد نہیں تو اور کیا ہے؟ اگر احناف کو یہی کرنا تھا تو صرف ایک ہی ایسا فتوی کیوں مشہور کیا وہ چاہتے تو سیکڑوں مشہور کر دیتے۔ اگر احناف کو امام بخاری سے کوئی تعصب ہوتا تو وہ امام بخاری کو امیر المومنین فی الحدیث ہرگز نہیں تسلیم کرتے۔ ان کی جامع کو اصح کتب بعد کتاب اللہ ہرگز نہ مانتے۔ خصوصاً جب کہ امام بخاری نے اسی کتاب میں احناف کی طرف غلط مسائل تک منسوب کرنے سے نہیں باز آئے۔ احناف اسے کہہ سکتے تھے کہ یہ افتراء و بہتان ہے۔ جو شخص افتراء و بہتان باندھے وہ ثقہ نہیں ہو سکتا۔ مگر احناف نے انصاف اور اعتدال کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑا۔ احناف اس کے باوجود یہی کہتے ہیں کہ امام بخاری کو غلط اطلاع ملی اس لئے انھوں نے ایسا کیا۔ غور کرنے کی بات ہے کہ جہاں گنجائش وہاں احناف نے، تعصب سے کام نہیں

لہ فتح الباری ص ۳۴۴

لیا۔ اور تعصب سے فرضی فتوی ان کی طرف منسوب کر دیا۔ امام بخاری کتنے ہی جلیل اجل عظیم اعظم ہوں مگر خطاء لغزش انسان کی فطری سرشت ہے۔ وہ بھی انسان ہی تھے۔ ان سے بھی لغزش ہوئی۔ چند لغزشوں سے ان کی عظمت و جلالت پر کوئی اثر نہیں پڑ سکتا۔

غیر مقلدین کی بخاری سے عداوت

یہ چند تسامحات اور اسی قسم کے اور بہت سے تسامحات تو واقعی بر بنا ر تحقیق امام بخاری سے ہوئے۔ اور اگر غیر مقلدین کے طور پر دیکھا جائے۔ تو پھر آدمی بخاری صاف ہو جاتی ہے۔ غیر مقلدین کے شیخ الکل میاں نذیر حسین دہلوی نے جمع بین الصلوتین کے عدم جواز پر احناف کی مستدل احادیث پر جو تنقیدیں کی ہیں اس کو سامنے رکھ کر اگر بخاری کو پرکھا جائے تو پھر بخاری کا خدا حافظ —— ہم یہاں اعلحضرت امام احمد رضا قدس سرہ کے رسالہ حاجز البحرین الواقی عن جمع الصلوتین[1] کا تھوڑا سا اقتباس پیش کرتے ہیں پہلے شیخ الکل صاحب کی ایک لن ترانی گوش گزار کرلیں۔ معیار حق میں فرمایا:۔

مؤلف نے دلائل میں وہ حدیثیں بیان کی ہیں جن کی طرف ہم کو کچھ التفات نہیں یعنی ایک روایت ابو داؤد جس کے راوی میں ضعف تھا۔ ایک روایت معجم طبرانی ایک روایت اربعین حاکم نقل کر کے ان پر طعن کر دیا۔ اور جو روایتیں صحیحہ مسند اولہ تھیں نقل کر کے ان کا جواب نہیں دیا یہ کیا دینداری ہے؟ اور کیا مردانگی کہ بخاری و مسلم چھوڑ کر اربعین حاکم اور اوسط طبرانی کو جا پکڑا۔ اور ان سے دو روایتیں ضعیف نقل کر کے ان کا جواب دیا۔

چونکہ میاں صاحب مردانگی دیکھنا چاہتے تھے اس لئے اعلحضرت امام احمد رضا قدس سرہ نے اپنی مردانگی کا تھوڑا نمونہ دکھایا ہے۔ سنئے۔

قسط اول | ابو داؤد میں یہ حدیث ہے:۔

حدثنا محمد بن عبید المحاربی حدثنا محمد بن فضیل عن ابیہ عن نافع وعبد اللہ بن واقد ان موذن ابن عمر قال الصلوۃ قال سرحتی اذا کان قبل غیوب الشفق نزل فصلی المغرب ثم انتظر حتی غاب الشفق فصلی العشاء ثم قال ان رسول اللہ

نافع اور عبد اللہ بن واقد فرماتے ہیں۔ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے موذن نے نماز کا تقاضا کیا۔ فرمایا۔ چلو۔ چلتے رہے۔ شفق ڈوبنے سے پہلے اتر کر مغرب پڑھی پھر انتظار فرمایا یہاں تک کہ شفق ڈوب گئی اس وقت عشاء پڑھی پھر فرمایا حضور سید عالم صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو جب کوئی جلدی ہوتی تو ایسا ہی کرتے جیسا میں نے کیا۔ ابن عمر نے اس رات دن میں تین

[1] یہ رسالہ مبارکہ فتاوی رضویہ جلد دوم میں شائع ہو چکا ہے۔

صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کان اذا عجل بہ امر صنع مثل الذی صنعت فسار فی ذلک الیوم واللیلۃ مسیرۃ ثلث۔ دن کی مسافت قطع کی۔

شیخ الکل صاحب نے اس حدیث پر یہ اعتراض فرمایا۔ کہ اس میں محمد بن فضیل ہے یہ ضعیف ہے۔ یہ منسوب برفض ہے اس پر اعلیحضرت قدس سرہ فرماتے ہیں:۔

اولاً یہ بھی شرم نہ آئی کہ یہ محمد بن فضیل بخاری و مسلم کے رجال سے ہیں۔

ثانیاً امام ابن معین جیسے شخص نے، ابن فضیل کو ثقہ، امام احمد نے حسن الحدیث کہا امام نسائی نے لاباس بہ کہا امام احمد نے اس سے روایت کی۔ اور وہ جسے ثقہ نہیں جانتے اس سے روایت نہیں فرماتے۔ میزان میں اصلاً کوئی جرح مفسر ان کے حق میں ذکر نہ کی۔

ثالثاً یہ بکف چراغے قابل تماشا کہ ابن فضیل کے منسوب برفض ہونے کا دعویٰ کیا اور ثبوت میں عبارت تقریب رمی بالتشیع ذکر کی۔ ملاجی کو باایں سالخوری و دعویٰ محدثی آج تک اتنی خبر نہیں کہ محاورات سلف و اصطلاح محدثین میں تشیع اور رفض میں کتنا فرق ہے۔ میزان میں امام حاکم کے بارے میں یہ قول نقل کرکے کہ کسی نے ان کو رافضی کہا تھا لکھا:۔

ما الرجل برافضی بل شیعی فقط ۔ یہ رافضی نہیں صرف شیعی ہے۔

ہاں زبان متاخرین میں، شیعہ روافض کو کہتے ہیں۔ بلکہ آج کل کے بیہودہ مہذبین روافض کو رافضی کہنا خلاف تہذیب جانتے اور انھیں شیعہ ہی کے لقب سے یاد کرنا ضروری مانتے ہیں۔ خود ملاجی کے خیال میں اپنی ملائی کے باعث یہی تازہ محاورہ تھا۔ یا عوام کو دھوکہ دینے کے لئے متشیع کو رافضی بنایا۔ حالانکہ سلف میں جو تمام خلفائے کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے ساتھ حسن عقیدت رکھتا اور حضرت امیر المومنین مولیٰ علی کرم اللہ وجہہ الکریم کو ان پر افضل جانتا، شیعی کہا جاتا۔ بلکہ جو صرف امیر المومنین عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر تفضیل دیتا اسے بھی شیعی کہتے۔ حالانکہ یہ مسلک بعض علما اہلسنت کا تھا۔ اسی بنا پر متعدد ائمہ کوفہ کو شیعہ کہا گیا۔ بلکہ کبھی محض غلبہ محبت اہل بیت کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو شیعیت سے تعبیر کرتے۔ حالانکہ یہ محض سنیت ہے۔ امام ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں خود انھیں محمد بن فضیل کی نسبت تصریح کی۔ کہ ان تشیع صرف موالات تھا۔ لکھتے ہیں:۔

محمد بن فضیل بن غزوان المحدث الحافظ کان من علماء ھذا الشان وثقہ یحیی بن معین وقال احمد حسن الحدیث شیعی قلت کان متوالیا فقط

محمد بن فضیل بن غزوان محدث حافظ اور اس صنف کے علماء میں سے تھے۔ یحیی بن معین نے ان کو ثقہ کہا۔ احمد نے کہا حسن الحدیث شیعی ہیں۔ میں کہتا ہوں کہ یہ صرف اہل بیت سے محبت کرنے والے تھے۔

رابعاً ذرا، رواۃ صحیحین دیکھ کر شیعی کو رافضی بناکر تضعیف کی ہوتی۔ کیا بخاری و مسلم سے بھی ہاتھ دھونا ہے۔ ان کے رُواۃ میں تیس سے زائد ایسے لوگ ہیں جنھیں اصطلاح قدماء پر بلفظ تشیع ذکر کیا جاتا ہے۔ یہاں تک تدریب میں حاکم سے نقل کیا،

کتاب مسلم ملآن من الشیعۃ۔ مسلم کی کتاب شیعہ سے بھری پڑی ہے۔

دور کیوں جائیے خود بھی ابن فضیل کہ واقع میں شیعی صرف بمعنی محب اہل بیت کرام اور آپ کے زعم میں معاذ اللہ رافضی، صحیحین کے راوی ہیں [1]

اس پہلی قسط میں شیخ الکل صاحب نے بخاری و مسلم کے تیس رواۃ پر ہاتھ صاف کر دیا جن میں سترہ بخاری کے ہیں۔

قسط ثانی احناف کی مؤید ایک اور حدیث ہے۔ جسے نسائی، اور امام طحاوی نے روایت کیا۔ اسکی سند یہ ہے۔

حدثنا ربیع المؤذن قال حدثنا بشر بن بکر قال حدثنی بن جابر قال حدثنی نافع قال خرجت۔ الحدیث۔

نافع نے کہا عبد اللہ بن عمر اپنی ایک زمین کو تشریف لے جاتے تھے۔ کسی نے آکر کہا! آپ کی زوجہ صفیہ بنت ابی عبید، اخت حجاج اپنے حال میں مشغول ہیں۔ شاید ہی آپ انھیں زندہ پائیں۔ یہ سنکر بہت تیز چلنے لگے۔ اور ان کے ساتھ ایک مرد قریشی تھا۔ سورج ڈوب گیا۔ اور انھوں نے نماز نہیں پڑھی۔ میں نے ہمیشہ ان کی عادت یہ پائی تھی کہ نماز کی پابندی فرماتے۔ جب انھوں نے دیر کی تو میں نے ان سے کہا نماز، خدا آپ پر رحم فرمائے۔ میری طرف پھر کے دیکھا اور آگے روانہ ہوگئے۔ جب شفق کا اخیر حصہ رہا۔ اتر کر مغرب پڑھی پھر عشاء کی تکبیر اس وقت کہی گئی جب شفق ڈوب چکی تو اس وقت عشاء پڑھی۔ پھر ہماری طرف منھ کرکے فرمایا۔ جب رسول اللہ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو سفر میں جلدی ہوتی تو ایسا ہی کرتے۔

اس حدیث پر طعن کرتے ہوئے شیخ الکل صاحب نے بشر بن بکر کے بارے میں لکھا۔

" کہ وہ غریب الحدیث ہے ایسی روایتیں لاتا ہے کہ سب کے خلاف قالہ الحافظ فی التقریب "

اس پر اعلیحضرت امام احمد رضا قدس سرہ کی تنقید سنئے۔

اولاً ذرا شرم کی ہوتی کہ یہ بشر بن بکر، رجال بخاری سے ہیں۔ صحیح حدیثیں رد کرنے بیٹھے تو اب بخاری بھی بالائے طاق۔

ثانیاً اس صریح خیانت کو دیکھئے کہ تقریب میں صاف صاف بشر کو ثقہ فرمایا تھا اسے ہضم کر گئے۔

ثالثاً محدث جی تقریب میں یہ "ثقۃ یغرب" ہے کسی ذی علم سے سیکھو کہ فلاں یغرب اور فلاں غریب الحدیث میں کتنا فرق ہے؟۔

رابعاً اغراب کی یہ تفسیر کہ ایسی روایتیں لاتا ہے کہ سب کے خلاف۔ محدث جی غریب اور منکر کا فرق کسی طالب علم سے پڑھو۔

---

[1] فتاوی رضویہ ج ۲ ص ۲۹۶-۲۹۷،

خامسًا باوصف ثقہ ہونے کے مجرد اغراب، باعث رد ہو تو صحیحین سے ہاتھ دھو لیجئے۔ یہ اپنی مبلغ علم تقریب ہی دیکھئے کہ بخاری ومسلم کے رجال میں کتنوں کی نسبت یہی لفظ کہا ہے۔ دور مت جائیے یہ بشر خود رجال بخاری سے ہیں۔

سادسًا اور امیزان تو دیکھئے لکھا ہے۔ اما بشر بن بکر التنیسی نصدوق ثقۃ لاطعن فیہ کیوں شرمائیے تو نہ ہوگے۔

ایسی ہی اندھیریاں ڈال کر جاہلوں کو بہکایا کرتے ہو کہ حنفیہ کی احادیث ضعیف ہیں۔ حاشیے میں گیارہ صحیحین کے ایسے رواۃ کی نشاندہی کی ہے۔ جن میں چھ بخاری کے ہیں اگر پورا تتبع کیا جائے تو اور نکلے گا۔[۱]

قسط ثالث نسائی میں حضرت جابر سے مروی ایک حدیث ہے اس کی سند یہ ہے:۔ اخبرنا محمود بن خالد ثنا الولید ثنا ابن جابر ثنی نافع قال خرجت۔ پھر آگے وہی مضمون ہے جو سابقہ احادیث میں گزر چکا۔ اس پر شیخ الکل صاحب نے یہ جڑ دیا۔

کہ اس میں ولید بن قاسم ہے روایت میں اس سے خطا ہوتی تھی کہا تقریب میں صدوق یخطی۔

اب اعلحضرت قدس سرہ فرماتے ہیں۔

اولاً مسلمانو! اس تحریف شدید کو دیکھنا، اسناد نسائی میں یہاں ولید غیر منسوب تھا ملاجی کو چالاکی کا موقع ملا۔ کہ تقریب میں اسی طبقہ کا ایک شخص رواۃ نسائی سے کہ نام اس کا "ولید" اور قدرے متکلم فیہ ہے چھانٹ کر اپنے دل سے ولید بن قاسم تلاش لیا حالانکہ یہ ولید بن قاسم نہیں ولید بن مسلم ہیں۔ رجال صحیح مسلم وائمہ ثقات وحفاظ اعلام سے ہیں۔

ثانیًا بفرض غلط ابن قاسم ہی سہی پھر وہ بھی کب مستحق رد ہیں۔ امام احمد نے ان کی توثیق فرمائی۔ ان سے روایت کی۔ محدثین کو حکم دیا کہ ان سے حدیث سیکھو۔ ابن عدی نے کہا جب کسی ثقہ سے روایت کریں تو ان میں کوئی عیب نہیں اور ابن جابر کا ثقہ ہونا خود ظاہر۔

ثالثًا ذرا رواۃ صحیح بخاری ومسلم پر نظر ڈالے ہوتے کہ ان میں کتنوں کی نسبت تقریب میں ہی صدوق یخطی، بلکہ اس سے زائد کہا ہے۔ کیا قسم کھائے بیٹھے ہو کہ صحیحین کا رد ہی کر دوگے؟۔

رابعًا بخاری میں حسان بن حسان بصری سے روایت کی۔ انھیں کہا صدوق یخطی۔ پھر حسان بن حسان واسطی کی نسبت لکھا خلطہ ابن مندہ بالذی قبلہ فوھم وھذا ضعیف۔ دیکھو صاف بتا دیا کہ جسے صدوق یخطی کہا وہ ضعیف نہیں۔ ملاجی اپنی جہالت سے مردود واہیات گا رہے ہیں۔

حاشیئے میں اٹھارہ ایسے بخاری ومسلم کے رواۃ کا پتہ دیا جن کے بارے میں صدوق یخطی کہا گیا اور دس ایسے جنکو صدوق

---

[۱] فتاوی رضویہ ج ۲ ص ۲۹۸، ۲۹۹

کے ساتھ کثیر الخطار یا اس کے ہم معنی کہا گیا۔ اس قسط میں شیخ الکل کی مہربانی سے، بخاری ومسلم کے اٹھائیس رواۃ ختم ہو گئے۔ جن میں تیئیس بخاری کے رواۃ ہیں۔ آگے بڑھئے[1]

قسط رابع نسائی اور طحاوی کی حدیث صحیح کو عطاف سے معلول کیا اور کہا:۔ وہ وہمی ہے۔ کہا تقریب میں "صدوق یہم"
اس کے بعد اب اعلیحضرت امام احمد رضا قدس سرہ کے ارشادات سنئے:۔

اولاً عطاف کو امام احمد اور یحییٰ بن معین نے ثقہ کہا وکفی بھما قدوۃ۔ میزان میں ان کی نسبت کوئی جرح مفسر منقول نہیں۔
ثانیاً کسی سے پڑھو کہ وہمی اور صدوق یہم میں کتنا فرق ہے
ثالثاً صحیحین سے عداوت کہاں تک بڑھے گی۔ تقریب ملاحظہ ہو کہ آپ کے وہم کے ایسے وہمی ان میں کس قدر ہیں۔
حاشیئے میں ایسے رُواۃ کے نام گنائے ہیں۔ اس قسط میں صحیحین کے بیس راوی اور گئے جن میں بخاری کے نو ہیں۔

قسط خامس حدیث ام المومنین صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا مروی امام طحاوی و امام احمد و ابن ابی شیبہ استاذ امام بخاری ومسلم کے رد کو پھر وہی شگوفہ چھوڑا:۔

"ایک راوی اس کا مغیرہ بن زیاد موصلی ہے۔ اور یہ مجروح ہے کہ وہمی تھا قالہ الحافظ فی التقریب"
اب اعلیحضرت امام احمد رضا قدس سرہ فرماتے ہیں:۔
اولاً تقریب میں صدوق کہا وہ صندوق میں رہا۔
ثانیاً وہی اپنی وہمی نزاکت کہ لہ اوہام کو وہمی کہنا سمجھ لیا۔
ثالثاً وہی صحیحین سے پرانی عداوت تقریب دور نہیں دیکھئے تو کتنے رجال بخاری ومسلم کو یہی صدوق لہ اوہام کہا ہے۔
سابعاً مغیرہ، رجال سنن اربعہ سے ہے۔ امام ابن معین و امام نسائی دونوں صاحبوں نے باآں تشدید شدید فرمایا، لیس بہ باس۔ اس میں کوئی برائی نہیں۔ سنا دیحیی لہ حدیث واحد منکر۔ اس کی صرف ایک حدیث منکر ہے۔ لاجرم وکیع نے ثقہ، ابو داؤد نے صالح، ابن عدی نے عندی لاباس بہ، کہا تو اس کی حدیث حَسَن ہونے میں کلام نہیں اگرچہ درجہ صحاح پر بالغ نہ ہو۔ جس کے سبب نسائی نے لیس بالقوی، ابو احمد حاکم نے لیس بالمتین عندھم کہا۔ لانہ لیس بقوی لیس بمتین دشتان ما بین العبارتین حافظ نے ثقہ سے درجہ صدوق میں رکھا۔ اس قسم کے رجال اسانید صحیحین میں صدہا ہیں۔
حاشیئے میں صدوق لہ اوہام صحیحین کے جن رواۃ کے بارے میں کہا گیا ان کی تعداد اٹھارہ گنائی۔ ان میں گیارہ رجال

---

[1] فتاوی رضویہ ج ۲ ص ۲۹۹ ۔ ۳۰۰

بخاری ہیں۔ اور اخیر میں فرمایا اس قسم کے رجال اسانید صحیحین میں صدہا ہیں [۱]

تعصب وعناد اس کا نام ہے کہ احناف کی ضد میں صحیح احادیث پر بلا تکلف ایسی تنقیدیں کرتے گئے کہ بخاری ومسلم کی صدہا حدیثیں صاف ہوگئیں۔ اب اس کا فیصلہ انھیں بزرگوں کو کرنا ہے کہ وہ اپنے شیخ الکل کے ہاتھ کی صفائی تسلیم کرتے ہیں یا نہیں؟۔

ذرھم فی خوضھم یلعبون

باب وحدیث میں عدم مطابقت یہ کئی جگہ بتا آیا ہوں کہ امام بخاری کا مقصد صرف صحیح احادیث کا جمع کرنا نہیں بلکہ وہ جن عقائد واعمال کو حق مانتے تھے ان کا اثبات اور جسے غلط مانتے تھے ان کا رد بھی مقصود ہے۔ بلکہ اگر میں یہ کہدوں کہ یہی مقصود بالذات ہے اور احادیث کی تدوین ثانوی درجے میں ہے تو کوئی بیجا بات نہ ہوگی۔ اس پر دو بہت ٹھوس دلیل ہے۔ ایک یہ کہ جب امام بخاری کو ایک لاکھ صحیح حدیثیں یاد تھیں اور صحیح بخاری میں بمشکل ڈھائی ہزار سے کچھ زائد احادیث ہیں۔ تو اب سوال یہ ہے کہ آخر وجہ ترجیح کیا ہے؟۔ کیوں ان ڈھائی ہزار کو درج فرمایا اور ساڑھے ستانوے ہزار احادیث کو چھوڑ دیا؟۔ اس کا جواب صرف یہ ہے کہ بقیہ ساڑھے ستانوے ہزار احادیث ان کے مسترجہ مسائل کے مطابق نہ تھیں۔ اس کے علاوہ اور کوئی وجہ نہیں ہوسکتی۔

دوسری دلیل یہ ہے کہ امام بخاری نے التزام تو اس کا کیا ہے کہ اس کتاب میں کوئی غیر صحیح حدیث نہیں لائیں گے۔ پھر کیا وجہ ہے کہ تعلیقات میں بلا دھڑک ضعاف ذکر کرتے ہیں۔ وہی باب کی تائید۔ جب تائید میں صحیح حدیث نہیں ملی تو ضعیف کو ذکر فرمادیا۔ اگرچہ تعلیقاً ہی سہی۔

کہیں کہیں تو ابواب میں یہ بھی صنعت ہے کہ حدیث کا جو ٹکڑا لائے ہیں اس سے باب کی کوئی مطابقت نہیں۔ مگر اسی حدیث کو اور کوئی محدث لایا ہے جو مفصل ہے۔ اس سے بخاری کے باب کی مطابقت ہوتی ہے۔ مثلاً امام بخاری نے ایک باب باندھا ہے:۔

طول الصلوۃ فی قیام اللیل۔ رات کی نماز میں قیام کو دراز کرنا۔

اس کے تحت حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی یہ حدیث لائے ہیں:۔

ان النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کان اذا قام للتھجد من اللیل یشوص فاہ بالسواک [۲] — نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جب تہجد کے لئے اٹھتے تو اپنا منھ مسواک سے صاف کرتے۔

اس سے باب کو کیا مطابقت۔ مگر کہا جاتا ہے کہ حضرت حذیفہ ہی سے مسلم شریف میں ایک حدیث مفصل ہے۔ اس میں

---

[۱] فتاوی رضویہ ج ۲ ص ۲۰۵، ۲۰۶، [۲] بخاری شریف ج ۱ ص ۱۵۲،

یہ ہے کہ حضور نے تہجد کی ایک رکعت میں سورہ بقرہ سورۂ نساء سورۂ آل عمران پڑھی۔ لیکن یہ حصہ چونکہ امام بخاری کی شرط پر نہیں اس لئے اس کو ذکر نہیں کیا۔ اب سوال یہ ہے کہ جب یہ حصہ امام بخاری کی شرط پر نہیں۔ تو ان کے نزدیک یہ حصہ ضعیف ہوا۔ کیا امام بخاری احکام میں احادیث ضعاف کو حجت مانتے ہیں؟۔ اگر یہ توجیہ صحیح ہے تو ماننا پڑے گا کہ امام بخاری کا مقصود اصلی اپنے عقائد و مسائل کی تدوین پھر اس کی تقویت، ہے۔ اور اس پر ان کا اتنی شدت سے عمل ہے کہ اگر حدیث صحیح سے کام نہ چلے تو ضعیف سے کام لے لیتے اگر بقول بعضے اشارۃً ہی۔

علاوہ ازیں جب کہ امام بخاری نے اپنی اس کتاب کا نام رکھا الجامع المسند الصحیح المختصر من امور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وسننہ وایامہ۔ تو پھر کوئی بتائے کہ پھر تابعین وتبع تابعین تک کے اقوال اپنے ابواب کی تائید میں کیوں لاتے ہیں؟۔ یہی وجہ ہے کہ کہیں کہیں باب اور حدیث میں وہ بھی علاقہ نہیں ہوتا جو نگس کے باغ میں جانے اور پروانے کے خون میں ہے دو نظیریں حاضر ہیں۔

امام بخاری نے باب باندھا۔ باب فضل صلوٰۃ الفجر فی جماعۃ اور حدیث لائے یہ:۔

والذی ینتظر الصلوٰۃ حتی یصلیھا مع الامام اعظم اجرا من الذی یصلی ثم ینام[1]	اس شخص کو زیادہ اجر ملے گا جو جماعت کا انتظار کرتا ہے یہاں تک کہ جماعت سے پڑھتا ہے بہ نسبت اس کے جو نماز پڑھ کر سو رہتا ہے۔

اس حدیث میں عشاء کا ذکر ہے اور جماعت سے نماز پڑھنے کی فضیلت مذکور ہے۔ فجر کی نماز سے اس حدیث کا کیا علاقہ۔

ایک باب باندھا۔ الماء الذی یغسل بہ شعر الانسان۔ اس پانی کا بیان جس سے انسان کا بال دھویا جائے۔ اور دو حدیث لائے دونوں کو باب سے کوئی تعلق نہیں۔ ایک یہ:۔

عن ابن سیرین قال قلت لِعَبِیْدَۃَ عندنا من شعر النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اصبناہ من قبل انس او من قبل اھل انس فقال لان تکون عندی شعرۃ منہ احب الیّ من الدنیا وما فیھا[2]	ابن سیرین نے کہا میں نے عبیدہ سے کہا ہمارے پاس نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے کچھ موئے مبارک ہیں یہ ہمیں انس یا انکے اہل سے ملا ہے۔ حضور کا ایک بال مجھے دنیا و مافیہا سے زیادہ عزیز ہے۔

دوسری حدیث یہ ہے:۔

عن انس ان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم لما	حضرت انس سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے

---

[1] بخاری شریف ج ۱ ص ۹۰، [2] ایضاً ج ۱ ص ۲۹،

حلق راسہ کان ابوطلحۃ اول من اخذ من شعرہ۔ جب بال اتروائے تو سب سے پہلے ابوطلحہ نے اسے لیا۔

ان دونوں حدیثوں کو باب سے کیا تعلق ہے معمولی پڑھا لکھا انسان اسے سمجھ سکتا ہے۔

تدلیس امام بخاری نے باں جلالت شان و عظمت مکان کے کہیں کہیں بالقصد یا بلا قصد تدلیس سے بھی کام لیا ہے۔ مثلاً چونکہ امام ذہلی سے یہ ناراض ہو گئے تھے۔ مگر پھر بھی ان سے روایت لی ہے تقریباً بیس جگہ ہوگی۔ مگر کہیں ان کا مشہور نام محمد بن یحیی نہیں لیا۔ کہ لوگ جان جائیں کہ یہ فلاں ہیں۔ بدل بدل کر نام لیا ہے۔ کہیں صرف محمد کہا کہیں دادا کی طرف نسبت کرکے محمد بن عبداللہ، کہیں پردادا کی طرف نسبت کرکے محمد بن خالد کہا۔ اس میں دو خرابی پیدا ہوئی۔ ایک تو اصل راوی کو سننے والے سمجھ نہیں پائے۔ دوسرے یہ وہم ہوتا ہے کہ یہ محمد۔ محمد بن عبداللہ۔ محمد بن خالد الگ الگ تین راوی ہیں۔ یہ بھی تدلیس ہے۔ کہ راوی اپنے شیخ کا وہ نام وہ کنیت وہ لقب۔ وہ نسبت نہ ذکر کرے جس سے وہ مشہور ہے۔ طبقات المدلسین و بخاری۔

علاوہ ازیں، ابوعبداللہ بن منذہ نے امام بخاری کو مدلس کہا۔ کیونکہ جب ان کا کسی سے سماع نہیں ہوتا تو قال فلاں کہتے ہیں اور سماع ہوتا ہے تو اگرچہ وہ موقوف مقطوع کچھ بھی خواہ ان کی شرط پر نہ ہو قال لنا فلاں کہتے ہیں۔

اگرچہ اتنی بات ہے کہ امام بخاری کی عظمت کے پیش نظر ہم یہی کہیں گے کہ انھوں نے تدلیس کسی مصلحت کے پیش نظر کی ہے۔ جیسا کہ امام ذہلی کے بارے میں جو مصلحت تھی اس کا ذکر اوپر ہو چکا ہے۔

جامع صحیح بخاری کا ایک مجمل تعارف ہوگیا ان سب باتوں کو ذہن میں رکھئے گا تو آپ پر یہ بات روشن ہو جائے گی کہ صحیح بخاری کی جو بھی پذیرائی ہے وہ صرف ان احادیث کی وجہ سے ہے جو اس میں درج ہیں اور انھیں احادیث کے اعتبار سے کہا گیا ہے کہ بخاری اصح کتب بعد کتاب اللہ ہے۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ اس کی کل کی کل احادیث صحیح ہیں۔ بلکہ مطلب یہ ہے کہ دیگر کتب احادیث کی بہ نسبت بخاری میں ضعاف بہت کم ہیں۔ رہ گئے ابواب اور ابواب کی تائید میں خود امام بخاری کے ارشادات تو انکو نہ کسی نے اصح کہا ہے اور نہ انکی پذیرائی ہے۔ ان ابواب پر پوری امت نے پوری گفتگو کی ہے۔ یہ ابواب نہ ارشادات رسول ہیں اور نہ شریعت کے اٹل قانون۔ وہ امام بخاری کے مستخرجہ ہیں۔ امت کے ہر ذی علم کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ امام بخاری کے استنباطات و استخراجات پر کلام کرے۔ اور کرتے آئے ہیں یہی وجہ ہے کہ امام بخاری جن مسائل میں منفرد ہیں۔ انکو تلقی بالقبول حاصل نہ ہو سکی۔

امام بخاری کی دیگر تصانیف

قضایا الصحابہ والتابعین یہ امام بخاری کی سب سے پہلی تصنیف ہے جو ۲۱۲ھ میں لکھی ہے۔ یہ اب تک طبع نہ ہو سکی۔

التاریخ الکبیر مسجد نبوی میں بیٹھ کر چاندنی راتوں میں لکھی ہے۔ اس وقت عمر مبارک سولہ سترہ سال کی تھی۔ حروف تہجی کی ترتیب پر ہے۔ دائرۃ المعارف حیدرآباد سے چھپ گئی ہے۔ اس کتاب میں امام بخاری نے حسب عادت حضرت امام اعظم پر بہت بڑی مہربانی کی ہے۔ فرمایا۔

" امام صاحب مرجی تھے اس لئے لوگوں نے ان سے ان کی رائے، ان کی حدیث سے سکوت فرمایا" اس میں کہاں تک صداقت ہے وہ آگے آرہا ہے۔ اس کے علاوہ اور بھی کثیر عنایتیں ہیں۔ اسی کتاب کے بارے اسحق بن راہویہ نے عبداللہ بن طاہر حاکم رَیُ سے کہا تھا! الا اریک سحراً۔ کیا میں تمھیں جادو نہ دکھاؤں؟ اب کتاب چھپ گئی ہے جس کا جی چاہے دیکھ لے اس میں کیا جادو ہے۔

التاریخ الاوسط یہ کتاب اب تک نہیں چھپ سکی ہے۔ اس کا کوئی قلمی نسخہ شاید جرمن میں ہے۔

التاریخ الصغیر اس کی ترتیب سنہ وار ہے۔ یہ بہت ہی مختصر ہے۔ امام بخاری کی یہ تینوں کتابیں بہت زیادہ قابل نقد ہیں۔ ان کتابوں کو دیکھ کر حیرت ہوتی ہے کہ یہ اتنے بڑے آدمی کی تصنیف ہیں۔

الجامع الکبیر اس کا قلمی نسخہ جرمن میں تھا۔

خلق افعال العباد موضوع نام سے ظاہر ہے۔ معتزلہ کہتے ہیں کہ بندے اپنے افعال کے خود خالق ہیں اس کے برخلاف اہلسنت کا عقیدہ ہے۔ کہ جس طرح اللہ تعالیٰ بندوں کا خالق ہے اسی طرح ان کے افعال کا بھی خالق ہے۔ امام بخاری نے اہلسنت کی تائید میں یہ رسالہ لکھا۔

المسند الکبیر اس کے بارے میں بھی کچھ لوگ کہتے ہیں کہ جرمن میں اس کا قلمی نسخہ موجود ہے۔

اسامی الصحابہ اس کا ذکر ابوقاسم بن مندہ اور ابوالقاسم بغوی نے کیا ہے۔ اس موضوع پر سب سے پہلی تصنیف ہے۔ بتایا جاتا ہے کہ جرمن میں اس کا بھی قلمی نسخہ موجود ہے۔

کتاب العلل علل حدیث کے موضوع پر غالباً سب سے پہلی کتاب ہے۔ اور بہت عمدہ ہے۔

کتاب الفوائد اس کا پتہ صرف اس سے چلتا ہے کہ امام ترمذی نے حضرت طلحہ کے مناقب میں تذکرہ کیا ہے۔ تفصیل کچھ معلوم نہیں۔

کتاب الوحدان یہ کتاب امام بخاری کی ہے یا امام مسلم کی دونوں قول ہیں۔ اس میں ان صحابۂ کرام کا تذکرہ ہے جن سے صرف ایک حدیث مروی ہے۔

الادب المفرد جامع صحیح کے بعد سب سے زیادہ مفید و مقبول تصنیف ہے اس میں شمائل نبوی کا بیان ہے۔ یہ کتاب مصر اور ہندوستان میں کئی بار چھپ چکی ہے۔

کتاب الضعفاء حروف تہجی کی ترتیب پر ضعیف راویوں کا ذکر ہے۔ لیکن احناف سے امام بخاری کے تعصب کی جھلک اس میں بھی ہے۔ امام ابو یوسف کو متروک لکھا۔ حالانکہ امام نسائی نے جن کا تشدد بلکہ تعصب بھی مشہور ہے کتاب الضعفاء والمتروکین میں امام ابو یوسف کو ثقہ کہا ہے۔ امام بخاری تو امام ابو یوسف کو متروک کہیں مگر ان کے اساتذہ مثلاً امام احمد، یحییٰ بن معین جیسے ائمہ

حدیث امام ابو یوسف سے حدیث اخذ کریں۔ اور انھیں صاحبِ حدیث، صاحب سنت، مصنف فی الحدیث، اثبت، اکثر حدیثا، اتبع للحدیث اور حافظ حدیث کہیں۔

غیر مقلدین کے امام ثانی نواب صدیق حسن بھوپالی نے التاج المکلل میں امام ابو یوسف کے بارے میں لکھا:۔

"قاضی ابو یوسف، کوفہ کے امام ابو حنیفہ کے شاگرد فقیہہ عالم اور حافظ حدیث تھے۔ امام احمد، یحیی بن معین، علی بن مدینی، تینوں امام ابو یوسف کے ثقہ ہونے پر متفق تھے۔ امام ابو یوسف کے اوصاف بہت ہیں۔ اکثر علما ان کی فضیلت و تعظیم کے قائل ہیں"

اور یہ بات محقق ہے کہ جن کی مدح کہنے والے زیادہ ہوں ان پر جارحین کی جرح کا کوئی اثر نہیں پڑتا۔ خصوصاجب کہ جرح متعصبین کی ہو۔ امام بخاری کا تعصب سب کو معلوم ہے۔ اور اسی صف میں دار قطنی بھی ہیں۔

کتاب المبسوط نہ اس کتاب کا کہیں وجود ہے نہ اس کے بارے میں کچھ معلوم ہو سکا کہ اس کا موضوع کیا تھا۔ خلیلی نے الارشاد میں اس کا تذکرہ کیا ہے۔ ایک غیر مقلد مجتہد صاحب کا قیاس ہے۔ کہ اس کتاب میں بسط کے ساتھ وہ فقہی مسائل ہوں گے جو احادیث سے مستنبط کئے گئے ہیں۔ اگر ان مجتہد صاحب کا اجتہاد صحیح ہے تو نتیجہ یہ نکلا کہ امام بخاری کے ساتھ امت کو والہانہ شغف ہے وہ صرف احادیث کی تدوین کی حد تک ہے۔ رہ گئے ان کے اجتہادات اسے امت نے قبول نہیں کیا۔ بلکہ ان کے تلامذہ نے بھی قبول نہیں کیا۔ ورنہ کتاب المبسوط کو بھی باقی رہنا چاہئے تھا۔ نہ صرف باقی بلکہ چار دانگ عالم میں پھیل جانا چاہئے تھا۔

الجامع الصغیر اس کا بھی کچھ حال معلوم نہیں صاحب کشف الظنون نے اس کا تذکرہ کیا ہے۔ غالبًا جرمنی میں اس کا کوئی قلمی نسخہ موجود ہے۔

کتاب الرقاق اس کا بھی کچھ حال معلوم نہیں۔ کشف الظنون میں اس کا ذکر ہے۔

برالوالدین علامہ ابن حجر نے ذکر کیا ہے اور یہ بتایا ہے کہ یہ موجود ہے۔

کتاب الاشربہ اس کا ذکر امام دار قطنی نے المؤتلف والمختلف میں، ایک کیسہ نام کے راوی کے تذکرے میں کیا ہے۔

کتاب الھبہ محمد بن حاتم وراق نے اس کا تذکرہ کیا ہے۔ اور بتایا ہے کہ اس میں پانچ سو احادیث تھیں۔ یہ کتاب ناپید ہے۔ کہیں اس کا سراغ نہیں۔

کتاب الکنی نام سے ظاہر ہے کہ اس کتاب میں رواۃ کی کنیتوں کو بتایا ہے۔ امام بخاری کی اصل کتاب میں حروف تہجی کی ترتیب نہ تھی۔ امام ذہبی نے اسے حروف تہجی کی ترتیب پر نئے سرے سے مدون کر کے اس کا نام المقتنیٰ فی سرد الکنیٰ رکھا۔

التفسیر الکبیر فربری اور وراق بخاری، محمد بن حاتم کے ذکر سے اس کا پتہ چلا۔ آج ناپید ہے۔

جزء القرأت خلف الامام قرأت خلف الامام کے اثبات میں یہ رسالہ لکھا ہے۔ اصل موضوع پر بقدر ضرورت بحث شرح میں آئے گی یہاں صرف نیاز مندانہ اتنی گزارش ہے۔ کہ اس رسالے میں امام بخاری کا سارا حزم و احتیاط رخصت ہو گیا ہے۔ ایک فرعی مسئلے پر اتنی انتہا پسندی کردی ہے کہ حیرت ہوتی ہے۔ اختلاف امتی رحمۃ حدیث بھی ان کے ذہن مبارک میں نہیں آئی۔ احناف پر ایسے غیظ و غضب کا اظہار ہے کہ افسوس ہوتا ہے۔ حد یہ ہے کہ ایسے غلط مسائل کا امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف انتساب ہے۔ جس کو سوائے افتراء اور کوئی دوسرا نام دیا ہی نہیں جا سکتا۔ مزید براں یہ کہ یہاں اپنے مطلب کی احادیث لانے میں صحیح بخاری کی شرائط رخصت ہوگئیں اس کی رمز آج تک سمجھ میں نہیں آئی۔ یہ رسالہ بار بار چھپ چکا ہے۔

جزء رفع یدین رفع یدین کے اختلاف کا حاصل یہ نہ تھا کہ رفع یدین کرنے سے نماز فاسد ہو جائے گی یا رفع یدین نہ کریں تو نماز ہی صحیح نہ ہوگی۔ مگر امام بخاری کا جلال اس مسئلہ میں بھی شباب پر ہے۔ کہیں احناف کو بے علم کہا کہیں غبی و گمراہی کی منزل تک پہونچایا۔ اس پر بھی غصہ کم نہ ہوا تو اخیر میں یہ تک طنز کر دیا۔ کہ پہلے لوگ اول فالاول کو اَعلم سمجھتے تھے اور احناف الآخر فالآخر کو اَعلم سمجھتے ہیں۔ یہ تو اپنے موقع پر آئے گا کہ اس ارشاد کے مصداق خود امام بخاری ہیں یا احناف۔ اتنی بات تو سب کو معلوم ہے کہ امام اعظم امام بخاری سے ایک صدی پہلے گزرے ہیں۔ یہ بھی طبع ہو چکا ہے۔

ایک ارشاد آج تحصیل علم میں کتنی کاہلی ہے۔ طلبہ کتنے آرام طلب ہیں۔ علماء کتنے سہل پسند ہیں وہ سب پر ظاہر ہے۔ ہم اس سلسلے میں امام بخاری کا ایک ارشاد نقل کر دینا ضروری سمجھتے ہیں شاید ہم کاہلوں کے لئے کچھ مہمیز کا کام کرے۔

تدریب الراوی و قسطلانی[له] میں مذکور ہے کہ قاضی ولید بن ابراہیم۔ رَیْ کی قضا پر فائز تھے۔ ان کا بیان ہے کہ جب مجھے علم حدیث کا شوق ہوا تو امام بخاری کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور عرض مدعا کیا تو فرمایا۔ اے بیٹے! کسی کام کو اس وقت تک شروع نہ کرو جب تک کہ اس کے حدود اور مقادیر کو نہ جان لو۔ میں نے عرض کیا۔ علم حدیث کے حدود و مقادیر کو بیان فرمائیں۔ تو ارشاد فرمایا:۔

اعلم ان الرجل لایصیر محدثا کاملا فی حدیثہ الا بعد ان یکتب اربعا مع اربع۔ کاربع مثل اربع فی اربع عند اربع باربع علی اربع عن اربع لاربع وکل ھذہ الرباعیات لاتتم الا باربع مع اربع فاذا تمت لہ کلہا ھان علیہ اربع، وابتلی باربع فاذا صبر علی ذلک اکرمہ اللہ تعالیٰ فی الدنیا باربع واثابہ فی الآخرۃ باربع۔

لہ قسطلانی ج۱ ص۱۶۔

اس کا حاصل یہ ہے کہ بغیر بارہ رباعیات کے کوئی محدث کامل نہیں ہوسکتا۔ ان بارہ رباعیات کے بعد اگر ایک اور رباعی پر صبر کرے گا تو اسے ایک رباعی دنیا میں اور ایک رباعی آخرت میں ملے گی۔ قاضی ولید کہتے ہیں کہ میں یہ سنکر گھبرا گیا۔ میں نے درخواست کی کہ اس کی شرح فرمادیں۔ تو امام بخاری نے اس کی شرح یہ کی:۔

(۱) ان یکتب اربعا۔ یعنی چار چیزیں لکھے۔ اول۔ احادیث رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم دوم۔ صحابۂ کرام کے حالات اور ان کی تعداد۔ سوم۔ تابعین کے احوال۔ چہارم۔ بعد کے علماء کے احوال اور ان کی تاریخ

(۲) مع اربع۔ چار چیزوں کے ساتھ لکھے۔ اول۔ راویوں کے نام۔ دوم۔ ان کی کنیت۔ سوم۔ ان کی سکونت۔ چہارم۔ انکی ولادت اور وفات کی تاریخ۔

(۳) کاربع۔ چار کے مثل جیسے خطیب کے لئے اللہ کی حمد اور توسل کے ساتھ دعا، اور سورتوں کے لئے بسم اللہ۔ اور نماز کے لئے تکبیر لازم ہے۔ اسی طرح راویوں کے نام کنیت، جائے سکونت ولادت ووفات کی تواریخ جاننی لازم ہے۔

(۴) مثل اربع۔ چار کے مثل۔ اول۔ مسندات۔ دوم۔ مرسلات۔ سوم۔ موقوفات۔ چہارم۔ مقطوعات۔ ہر قسم کی احادیث کا جاننا ضروری ہے۔

(۵) فی اربع۔ چار میں۔ اول کم سنی۔ دوم۔ جوانی۔ سوم ادھیڑ عمر میں۔ چہارم۔ بڑھاپے میں۔

(۶) عند اربع۔ چار حالتوں میں۔ اول۔ عدیم الفرصتی۔ دوم۔ فرصت کے وقت۔ سوم کشاکش کے وقت۔ چہارم تنگدستی کے وقت۔

(۷) باربع۔ چار جگہوں میں۔ پہاڑ۔ سمندر۔ آبادی۔ جنگل

(۸) علی اربع۔ چار چیزوں پر۔ پتھروں پر۔ ٹھیکروں پر۔ چمڑوں پر۔ ہڈیوں پر لکھے جب تک کاغذ میسر نہ ہو۔

(۹) عن اربع۔ ان میں جو عمر میں بڑے ہوں۔ جو ہم عمر ہوں۔ جو عمر میں کم ہو۔ اپنے باپ کی کتاب سے اگر یہ یقین ہے کہ یہ اسکے باپ ہی کی کتاب ہے۔

(۱۰) لاربع۔ چار مقصد کے لئے۔ اللہ کی خوشنودی کے لئے۔ اس پر عمل کرنے کے لئے بشرطیکہ جو کتاب اللہ کے موافق ہو اور طلبہ میں اسے پھیلانے کے لئے۔ تالیف کے لئے تاکہ اس کے بعد اس کا ذکر باقی رہے۔

یہ دس رباعیاں بغیر ان دو رباعیوں کے پوری نہ ہونگی۔ وہ یہ ہیں۔

(۱۱) الا باربع۔ بغیر ان چار چیزوں کے پوری نہ ہوں گی۔ لکھنے کا ڈھنگ۔ علم لغت۔ علم نحو۔ علم صرف۔

(۱۲) مع اربع۔ ان چار چیزوں کے ساتھ جو عطائی ہیں۔ صحت، قدرت، شوق۔ قوت حافظہ۔

جب یہ اڑتالیس باتیں کسی کو نصیب ہو جائیں تو پھر چار چیزیں اس کی نظروں میں ہیچ ہو جاتی ہیں۔

(۱۳) ھان علیہ اربع۔ بیوی، اولا، مال، وطن۔

(۱۴) وابتلی باربع۔ چار چیزوں میں آزمایا جاتا ہے۔ دشمنوں کے تیر ونشتر۔ دوستوں کی ملامت۔ جاہلوں کے طعن۔ علماء کے حسد سے۔

اور جب ان سب پر صبر کرے گا تو۔

(۱۵) اکرمہ اللہ فی الدنیا باربع۔ اللہ عزوجل اسے دنیا میں چار نعمتوں سے نوازے گا۔ قناعت کی عزت۔ ہیبت۔ علم کی لذت۔ اور حیاتِ ابد۔

(۱۶) واثابہ فی الآخرۃ باربع۔ اور آخرت میں چار نعمتیں عطا فرمائے گا۔ اپنے متعلقین میں سے جسے چاہے اس کی شفاعت۔ عرش کے نیچے سایہ جس دن سوائے عرش کے اور کوئی سایہ نہ ہوگا۔ نبی صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حوض کوثر سے جسے چاہے گا پلائے گا۔ اعلیٰ علیین اور جنت میں انبیاء کرام کا جوار قدس عطا فرمائے گا۔

اس کے بعد امام بخاری نے فرمایا۔ میں نے اپنے اساتذہ سے متفرق جو سنا تھا اکٹھا تم کو بتا دیا۔ اب تمہیں اختیار ہے علم حدیث حاصل کرو۔ یا یہ ارادہ ترک کر دو۔

قاضی ولید نے کہا! یہ سب سنکر مجھ پر ہول سوار ہوگیا۔ میں غور کرتا رہا مگر کچھ نہ بول سکا۔ ادب سے گردن جھکا دی۔ تو امام بخاری نے فرمایا۔ اگر ان مشقتوں کے اٹھانے کی تم میں طاقت نہیں۔ تو فقہ حاصل کرلو۔ اس لئے کہ گھر بیٹھ کر فقہ کا حاصل کرنا ممکن ہے۔ اس کے لئے لمبے لمبے سفر شہر شہر قریہ قریہ گھومنے اور سمندروں، دریاؤں کے طے کرنے کی ضرورت نہیں۔ حالانکہ فقہ بھی حدیث ہی کا ثمرہ ہے۔ اور آخرت میں فقیہ کا ثواب محدث سے کم نہیں۔ اور نہ فقیہ کی عزت محدث سے کم ہے۔ قاضی ولید کہتے ہیں کہ جب میں نے یہ سنا تو میں نے طلب حدیث کا ارادہ ختم کر دیا۔ اور فقہ حاصل کرنے لگا۔ یہاں تک کہ اس میں آگے ہوگیا۔

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اس دور میں علم حدیث کی تحصیل کے لئے یہ بارہ رباعیاں لابدی تھیں۔ مگر آج اگرچہ یہ بارہ رباعیاں ضروری نہیں۔ مگر پھر بھی ان کی غالب اکثر ضروری ہیں۔ امام بخاری نے اپنے ذوق و وجدان کے مطابق علم فقہ کو حدیث سے بہت آسان بتایا مگر جو فقہ کی تحصیل میں قدم رکھ چکا ہے وہ جانتا ہے۔ کہ فقہ کے لئے ان بارہ رباعیوں کے ساتھ اور بھی کتنی رباعیاں ضروری ہیں۔ اس لئے کہ فقہ کی بنیاد حدیث کے علاوہ تین اور چیزوں پر بھی ہے۔ کتاب اللہ۔ اجماعِ امت، قیاس۔

توحدیث کے لئے یہ رباعیاں ضروری ہیں ہی۔ کتاب اللہ کے لئے کتنی رباعیاں چاہئے ؟ ۔ اجماع امت کے لئے کتنی رباعیاں چاہئے ؟ ۔ قیاس کے لئے کتنی رباعیاں چاہئے ؟ ۔ اگر ہر ایک کی رباعیوں کی تفصیل کی جائے تو ہر ایک کے لئے بارہ بارہ رباعیاں اور ضروری نکل آئیں گی۔

اس کو اب یوں سمجھئے۔ کہ جب فقہ کی بنیاد چار چیزوں پر ہے۔ ان میں ایک حدیث ہے۔ تو علم حدیث، علم فقہ کا ¼ ایک چوتھائی ہوا۔ پھر یہ تو صرف حفظ حدیث کے لئے یہ بارہ رباعیاں ہوئیں۔ اور فقیہ کے لئے صرف حفظ حدیث کافی نہیں۔ اس کے لئے احادیث سے متعلق کتنے علوم کی حاجت ہے وہ بہت تفصیل طلب ہے۔

اس لئے علم فقہ کو علم حدیث سے آسان کہنا اس بنا پر ہے کہ امام بخاری نے اس کی چاشنی نہیں چکھی تھی۔ مگر انکو بھی اخیر میں یہ کہنا پڑا کہ :۔ فقیہ کا ثواب محدث سے کم نہیں اس کی عزت محدث سے کم نہیں۔ آخر کیوں ؟ ۔ خدا کے یہاں تو العطایا بقدر البلایا ہے۔

حضرت امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ

بخاری پڑھتے یا پڑھاتے وقت لامحالہ امام بخاری کی عنایتوں سے فقہ حنفی سے سابقہ پڑ ہی جاتا ہے۔ اس خصوص میں ایک طبقہ کو اپنے دل کے پھپھولے توڑنے کا خوب موقع ملتا ہے۔ لیکن اگر کسی حنفی سے پالا پڑ جاتا ہے تو کیا ہوتا ہے اسے شرح میں جگہ جگہ دیکھیں گے۔ چونکہ غیر مقلدین فقہ حنفی کی ایسی تصویر کشی کرتے ہیں جس سے ناواقف لوگوں پر یہ تاثر ہوتا ہے کہ فقہ حنفی کا نہ قرآن سے کوئی تعلق ہے، نہ احادیث سے، نہ اقوال سلف سے، یہ حضرت امام اعظم کی اختراعی خودساختہ رائیوں کا مجموعہ ہے جن کا قرآن و حدیث میں کوئی وجود نہیں۔ چنانچہ ایک مجتہد صاحب رقم طراز ہیں :۔

ایسی حالت میں یا تو اہل عراق کی طرح قیاسی تکے چلاتے۔ (تیسیر بخاری ص۲)

اس لئے ہم یہ ضروری جانتے ہیں کہ شرح سے پہلے ایک مختصر خاکہ فقہ حنفی کا بھی ناظرین کے سامنے پیش کریں۔ امید ہے کہ طالبان حق کے لئے ذریعہ ہدایت ہو۔ اس سلسلے میں سب سے پہلے بانی فقہ حنفی امام الائمہ، سراج الامۃ امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حالات پر خصوصاً ان کی حدیث دانی قرآن فہمی پر بقدر ضرورت روشنی ڈالدی جائے۔

مولد و مسکن حضرت امام اعظم ۸۰ھ میں کوفے میں پیدا ہوئے۔ کوفہ کا نام آتے ہی لوگ چونک جاتے ہیں۔ لیکن کوفہ کے مرکز علم ہونے کا سب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ امام بخاری نے اپنے سفر کے بارے خود فرمایا ہے۔ کہ دو بار مصر و شام جانے کا اتفاق ہوا۔ چار مرتبہ بصرہ گیا۔ کوفہ اور بغداد اتنی بار گیا کہ ان کو شمار نہیں کرسکتا۔ اگر کوفے میں کچھ نہیں تھا تو امام بخاری کی کوفہ اتنی زیادہ آمد و رفت

کیوں ہوئی ؟۔ کیا امام بخاری کوفہ صرف غلہ وبے وفائی کی تعلیم وتمرین کے لئے جاتے تھے۔ پھر یہ حالت کوفہ کی حضرت امام اعظم کے وصال کے تقریباً اسی سال بعد تھی۔ اسی سال پہلے کوفہ کا کیا حال رہا ہوگا۔ اس کا اندازہ اس سے کریں کہ وہ زمانہ تابعین کا تھا۔ بلکہ صحابۂ کرام کا اخیر دور تھا۔ خیر القرون قرنی ثم الذین یلونہم ثم الذین یلونہم کے آئینے میں اسے دیکھو تو معلوم ہوگا کہ جب اسی سال کے بعد یہ حال تھا کہ امام بخاری جیسے احادیث کے بحر ناپیدا کنار اپنی تشنگی بجھانے کے لئے اتنی بار کوفہ گئے جس کو وہ اپنے محیر العقول حافظے کے باوجود شمار نہیں کر سکے تو اسی سال پہلے دور تابعین میں کوفے کے علم وفضل کا کیا حال رہا ہوگا۔ اس اجمال کی تھوڑی سی تفصیل یہ ہے:۔

کوفہ وہ مبارک شہر ہے۔ جسے حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حکم سے ١٧ھ میں فاتح ایران حضرت سعد بن وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بسایا تھا۔ اس شہر کو حضرت عمر، راس الاسلام، راس العرب، جمجمۃ العرب۔ عرب کا سر حتی کہ رمح اللہ کنز الایمان کہا کرتے تھے۔ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسے قبۃ الاسلام واہل الاسلام کا لقب دیا۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی اسے کنز الایمان، جمجمۃ الاسلام، رمح اللہ، سیف اللہ کہا۔ کوفے کو اتنا پسند فرمایا کہ مدینہ طیبہ کے بجائے کوفے کو اپنا دار الخلافت بنایا۔ کوفے والوں نے جس خلوص وسچائی کے ساتھ تن من دھن سے حضرت علی کا ساتھ دیا۔ وہ تاریخ کے صفحات پر زریں اوراق کی طرح تاباں ہے

رہ گیا حضرت حسین اور امام زید شہید کے ساتھ جو کچھ ہوا وہ ان تقیہ باز رافضیوں نے کیا۔ جو اسی لئے کوفے میں آباد ہو گئے تھے کہ مسلمانوں کو چین نہ لینے دیں۔ جیسے مدینہ طیبہ میں منافقین تھے۔ اگر منافقین کی وجہ سے مدینہ طیبہ کی عظمت پر کوئی حرف نہیں آسکتا تو ان کے وارثین روافض کی وجہ سے کوفے پر بھی کوئی داغ نہیں آسکتا۔ کون بستی ہے جو اسلام دشمن عناصر سے پاک ہے؟۔

اس مبارک شہر میں ایک ہزار پچاس صحابۂ کرام جن میں ستر اصحاب بدر اور تین سو بیعت رضوان کے شرکا تھے آکر آباد ہوئے۔ جس برج میں یہ نجوم ہدایت اکٹھے ہوں اسکی ضو فشانیاں کہاں تک ہوں گی اس کا اندازہ ہر ذی فہم کر سکتا ہے[1]۔ اس کا نتیجہ یہ تھا کہ کوفے کا ہر گھر علم کے انوار سے جگمگا رہا تھا۔ ہر ہر گھر دار الحدیث، دار العلوم بن گیا تھا۔ حضرت امام اعظم جس عہد میں پیدا ہوئے اس وقت کوفے میں حدیث وفقہ کے وہ ائمہ مسند تدریس کی زینت تھے جن میں ہر شخص اپنی اپنی جگہ آفتاب وماہتاب تھا۔ اور کوفے کی یہ خصوصیت صحاح ستہ کے مصنفین کے عہد تک باقی رہی۔ یہی وجہ ہے کہ امام بخاری کو اتنی بار کوفہ جانا پڑا کہ وہ اسے شمار نہیں کر سکتے تھے۔ اور صحاح ستہ کے اکثر شیوخ کوفے کے ہیں۔

---

[1] طبقات ابن سعد وفتوح البلدان وغیرہ،

اس وقت کے مشاہیر حضرت امام کی ولادت کے وقت کوفے میں جو ائمہ مشاہیر و نقد اور وقت تھے ان میں چند یہ ہیں :۔

حضرت ابراہیم نخعی فقیہ عراق فقہ کے ساتھ ساتھ علم حدیث کے مسلم الثبوت امام ہیں۔ متعدد صحابۂ کرام کی زیارت سے مشرف ہوئے۔ ان کا صَیرَفیُ الحدیث خطاب تھا یعنی کھری کھوٹی احادیث کا پرکھنے والا۔ ابن شعیب نے کہا کہ بصرہ، کوفہ، حجاز، شام میں ابراہیم سے زیادہ علم والا کوئی نہ تھا۔ حسن بصری، ابن سیرین، ان سے اَعلم نہیں تھے[1] انتقال پر حضرت شعبی نے کہا کہ انھوں نے اپنے بعد کسی کو اپنے سے زیادہ علم والا نہیں چھوڑا۔ ابوالمثنیٰ نے کہا، کہ علقمہ حضرت ابن مسعود کے فضل و کمال کے نمونہ تھے اور ابراہیم نخعی تمام علوم میں علقمہ کے آئینہ ہیں[1] حضرت علقمہ کے بعد ان کے جانشین ہوئے۔ فقیہ العراق کے لقب سے مشہور ہوئے۔ ۵۰ھ میں پیدا ہوئے ۹۶ھ میں وصال فرمایا۔ حضرت امام اعظم کو چھبیس سال ان کا زمانہ نصیب ہوا۔

امام شعبی متوفی ۱۰۴ھ یا ۱۰۶ھ پانسو صحابہ کی زیارت سے مشرف ہوئے۔ ایک بار حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے مغازی کا درس دیتے ہوئے ان کو دیکھا تو فرمایا! واللہ یہ اس فن کو مجھ سے اچھا جانتے ہیں۔

سلمہ بن کہیل جندب بن عبداللہ، ابن ابی اوفیٰ، ابوالطفیل رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور بہت سے صحابہ سے حدیثیں روایت کی ہیں۔ یہ کثیر الروایت اور صحیح الروایت بھی تھے۔

ابواسحٰق سبیعی ۳۸ صحابہ سے احادیث روایت کی ہیں۔ جن میں مشاہیر یہ ہیں۔ عبداللہ بن عباس، عبداللہ بن عمر، ابن زبیر، نعمان بن بشیر، زید بن ارقم، علی بن المدینی نے کہا کہ ابواسحٰق کے شیوخ حدیث کی تعداد تین سو ہے۔

سماک بن حرب اسّی صحابہ سے ملاقات کا ان کو شرف حاصل ہے۔ امام سفیان ثوری نے کہا کہ ان سے کبھی حدیث میں غلطی نہیں ہوئی۔

محارب بن دثار متوفی ۱۱۶ھ حضرت ابن عمر اور حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے روایت کی ہے۔ یہ کوفے کے قاضی بھی تھے۔ ائمہ حدیث ان کے مداح اور ان کو ثقہ تسلیم کرتے تھے۔

عون بن عبداللہ بن عتبہ بن مسعود حضرت ابوہریرہ، حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے حدیثیں روایت کی ہیں بہایت ثقہ اور پرہیزگار تھے۔

ہشام بن عروہ بن زبیر حواری رسول اللہ حضرت زبیر کے پوتے تھے۔ سفیان ثوری، امام مالک، ابن عیینہ ان کے تلمیذ تھے۔ ان کی جلالتِ شان متفق علیہ ہے۔

---

[1] حاشیۂ خلاصۃ التہذیب، [2] تہذیب التہذیب،

سلیمان بن مہران معروف باعمش حضرت انس اور حضرت عبداللہ بن ابی اوفی رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے ملاقات کا شرف حاصل تھا۔ مؤخر الذکر سے حدیث بھی روایت کی ہے۔ شعبہ و سفیان ثوری کے استاذ ہیں۔ ان کی پیدائش ۵۹ھ یا ۶۰ھ میں ہوئی اور وصال ۱۴۵ھ یا ۱۴۷ھ یا ۱۴۸ھ میں ہوا۔

حماد بن ابی سلیمان فقیہ عراق حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے حدیث سنی تھی اور بڑے بڑے ائمہ تابعین سے ان کو تلمذ کا شرف حاصل تھا۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے جو متوارث علوم چلے آرہے تھے ان کے یہی وارث تھے۔ امام شعبہ مسعر وغیرہ انھیں کے فیض صحبت سے مستفید ہوئے تھے۔ ان کا ۱۲۰ھ میں وصال ہوا۔ حضرت ابراہیم نخعی کے بعد ان کے مسند پر یہ بیٹھے۔ انھیں بزرگوں کی وجہ سے سفیان بن عیینہ جیسے مسلم الثبوت امام المحدثین یہ فرمایا کرتے تھے مناسک کے لئے مکہ، قرأت کے لئے مدینہ، حرام وحلال کے لئے کوفہ ہے[۱]۔

حضرت عبداللہ بن ابی اوفی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ اس وقت صحابۂ کرام میں سے حضرت عبداللہ بن ابی اوفی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کوفے ہی میں تھے۔ جن کی زیارت سے حضرت امام اعظم مشرف ہوئے۔ ان کا وصال ۸۷ھ میں ہوا۔ حضرت امام اعظم کو ان کی حیات مبارکہ کے سات سال نصیب ہوئے۔

کوفے کو مرکز علم و فضل بنانے میں ان ایک ہزار پچاس صحابۂ کرام نے جو کیا وہ تو کیا ہی اصل فیض حضرت عبداللہ بن مسعود اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود وہ جلیل القدر صحابی ہیں کہ حضور اقدس صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

رضیت لامتی ما رضی لھا ابن ام عبد وسخطت لامتی ما سخط لھا ابن ام عبد یعنی ابن مسعود[۲]	میری امت کے لئے ابن مسعود جو پسند کریں وہ میں بھی پسند کرتا ہوں۔ اور جو وہ ناپسند کریں میں بھی ناپسند کرتا ہوں۔

ان کو حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کوفے کا قاضی اور وہاں کے بیت المال کا منتظم بنایا تھا۔ اسی عہد میں اُنھوں نے کوفے میں علم و فضل کے دریا بہائے۔ اسرار الانوار میں ہے:۔

کوفے میں ابن مسعود کی مجلس میں بیک وقت چار چار ہزار افراد حاضر ہوتے ایک بار حضرت علی کوفہ تشریف لے گئے اور حضرت ابن مسعود ان کے استقبال کے لئے آئے تو سارا میدان ان کے تلامذہ سے بھر گیا۔ انھیں دیکھ کر حضرت علی نے خوش ہو کر فرمایا ابن مسعود! تم نے کوفے کو علم و فقہ سے بھر دیا۔ تمھاری بدولت یہ شہر مرکز علم بن گیا۔

---

۱ معجم البلدان ج ۴ ص ۴۹۳ ذکر کوفہ۔ ۲ استیعاب

پھر اس شہر کو باب مدینۃ العلم حضرت علی نے اپنے روحانی وعرفانی فیض سے ایسا سینچا کہ تیرہ سو سال گزرنے کے باوجود پوری دنیا کے مسلمان اس سے سیراب ہورہے ہیں۔ خواہ علم حدیث ہو خواہ علم فقہ۔ اگر کوفے کے راویوں کو ساقط الاعتبار کر دیا جائے تو پھر صحاح ستہ، صحاح ستہ نہ رہ جائے گی۔

امام شعبی نے کہا کہ صحابہ میں چھ قاضی تھے۔ ان میں تین مدینے میں تھے۔ عمر، ابی بن کعب، زید۔ اور تین کوفے میں۔ علی، ابن مسعود، ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہم [۱]

امام مسروق نے کہا میں نے اصحاب رسول اللہ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو دیکھا ان میں چھ کو منبع علم پایا، عمر، علی، ابن مسعود، زید، ابوالدرداء، اور ابی بن کعب۔ اس کے بعد دیکھا تو ان چھوں کا علم ان دو میں مجتمع پایا۔ علی۔ اور ابن مسعود۔ ان دونوں کا علم مدینے سے بادل بن کے اٹھا اور کوفے کی وادیوں پر برسا۔ ان آفتاب وماہتاب نے کوفے کے ذرے ذرے کو چمکا دیا [۲]

زمانہ اوپر گزر چکا کہ حضرت امام اعظم جس زمانے میں پیدا ہوئے یہ صحابۂ کرام کا اخیر اور تابعین کا ابتدائی دور تھا۔ اس دور میں بھی قریب قریب بیس صحابۂ کرام باحیات تھے۔ جیسا کہ درمختار میں ہے۔ اسکو بعض لوگوں نے مبالغہ پر محمول کیا ہے۔ لیکن میں نے اکمال کی مدد سے جو فہرست مرتب کی ہے۔ وہ مندرجہ ذیل ہے۔

حضرت امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ولادت کس سن میں ہوئی اس بارے میں دو قول مشہور ہیں۔ ۷۰ھ یا ۸۰ھ زیادہ تر لوگ ۸۰ھ کو ترجیح دیتے ہیں۔ لیکن بہت سے محققین نے ۷۰ھ کو ترجیح دی ہے۔ اس خادم کے نزدیک بھی یہی صحیح ہے کہ حضرت امام کی ولادت ۷۰ھ میں ہوئی۔ اگر ۸۰ھ ہی میں ولادت مانیں تو اس وقت یہ مندرجہ ذیل صحابۂ کرام مختلف دیار میں باحیات تھے۔

(۱) حضرت انس بن مالک بصرہ میں متوفی ۹۲ھ یا ۹۳ھ (۲) حضرت مالک بن الحویرث بصرہ میں متوفی ۹۴ھ (۳) حضرت سہل بن سعد ساعدی مدینے میں متوفی ۸۸ھ یا ۹۱ھ مدینہ طیبہ میں وصال فرمانے والے صحابۂ کرام میں آپ سب کے اخیر ہیں۔ (۴) مالک بن اوس مدینے میں متوفی ۹۲ھ (۵) حضرت واثلہ بن الاسقع شام میں متوفی ۸۳ھ یا ۸۵ھ یا ۸۶ھ (۶) مقدام بن معدیکرب شام میں متوفی ۸۷ھ (۷) حضرت ابو امامہ باہلی حمصی، شام میں متوفی ۸۶ھ (۸) ابو الطفیل عامر بن واثلہ بروایتے مکہ میں متوفی ۱۰۲ھ یا ۱۱۰ھ (۹) حضرت عمرو بن حریث کوفے میں متوفی ۸۵ھ (۱۰) حضرت عبداللہ بن اوفی کوفے میں متوفی ۸۷ھ کوفے میں وصال فرمانے والے صحابۂ کرام میں سب سے آخر ہیں۔ (۱۱) حضرت ابو امامہ انصاری متوفی ۱۰۰ھ (۱۲) حضرت سائب بن خلاد متوفی ۹۱ھ (۱۳) حضرت ابو البداح متوفی ۱۱۰ھ (۱۴) محمود بن ربیع متوفی ۹۹ھ (۱۵) محمود بن لبید متوفی ۹۶ھ (۱۶)

---

[۱] حاکم، [۲] اعلام الموقعین لابن قیم امام غیر مقلدین ۔

قبیصہ بن ذویب متوفی ۸۶ھ (۱۷) حضرت عبدالرحمٰن بن عبدالقاری متوفی ۸۱ھ (۱۸) حضرت عبداللہ بن جز مصر میں متوفی ۸۵ھ (۱۹) سائب بن یزید متوفی ۸۰ھ یا ۸۲ھ یا ۹۱ھ یا ۹۴ھ[۱]۔

بربنائے تحقیق جب حضرت امام اعظم کی ولادت ۸۰ھ میں ہوئی ہے تو مزید ان صحابۂ کرام کا زمانہ بھی انھیں نصیب ہوا۔

(۲۰) حضرت جابر بن عبداللہ انصاری مدینے میں متوفی ۷۴ھ (۲۱) حضرت ابو سعید خدری مدینے میں متوفی ۷۴ھ (۲۲) حضرت سلمہ بن اکوع مدینے میں متوفی ۷۴ھ (۲۳) حضرت رافع بن خدیج مدینے میں متوفی ۷۳ھ (۲۴) حضرت جابر بن سمرہ کوفے میں متوفی ۷۴ھ (۲۵) حضرت ابو جحیفہ کوفے میں متوفی ۷۴ھ (۲۶) حضرت زید بن خالد کوفے میں متوفی ۷۸ھ (۲۷) حضرت محمد بن حاطب بروایتے کوفے بروایتے مکے میں متوفی ۷۴ھ (۲۸) حضرت ابو ثعلبہ خشنی متوفی ۷۵ھ (۲۹) حضرت عبداللہ بن بُسر متوفی ۷۴ھ (۳۰) سائب بن خباب متوفی ۷۴ھ[۲] اگر کچھ اور کوشش کی جاتی تو یہ تعداد اور بڑھ جاتی ان میں سے کم از کم سات صحابۂ کرام کی زیارت حضرت امام نے کی ہے۔ حضرت انس کی۔ ان کو حضرت امام نے کئی بار دیکھا ہے فرمایا کہ وہ سُرخ خضاب استعمال کرتے تھے۔ حضرت عبداللہ بن اوفی کو جن کا ۸۷ھ میں کوفے میں وصال ہوا اور سہل بن سعد ساعدی اور ابو الطفیل عامر بن واثلہ۔ اور عمرو بن حریث ان کا بھی ۸۵ھ میں کوفے میں وصال ہوا اور عبداللہ بن حارث بن جزء اور واثلہ بن اسقع رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔ بلکہ بعض محققین اس کے بھی قائل ہیں کہ حضرت جابر بن عبداللہ انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بھی زیارت کی بلکہ ان سے حضرت امام نے حدیث بھی سنی ہے اس کی کچھ لوگ اس لئے مخالفت کرتے ہیں کہ حضرت جابر کا وصال ۷۴ھ میں ہوا۔ اور حضرت امام کی ولادت ۸۰ھ میں ہوئی ہے۔ لیکن جیسا کہ ہم بتا آئے ہیں کہ بہت سے محققین نے یہ کہا ہے کہ صحیح یہ ہے کہ حضرت امام کی ولادت ۷۰ھ میں ہوئی تو کوئی اعتراض نہیں۔ اس تقدیر پر تین اور صحابہ کی زیارت سے مشرف ہوئے۔ حضرت جابر بن سمرہ، حضرت ابو جحیفہ، حضرت زید بن خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔ اور حضرت محمد بن حاطب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک قول کی بناء پر کوفے ہی وصال فرمایا اس قول کی بنا پر ان حضرات کی بھی زیارت سے مشرف ہوئے۔ اس لئے حضرت امام اعظم تابعی ہوئے۔ اور ان احادیث کے مصداق ہوئے۔

طوبیٰ لمن رأنی وآمن بی وطوبیٰ لمن رای من رأنی۔ — اے خوشی کا مژدہ ہو جس نے مجھے دیکھا اور مجھ پر ایمان لایا۔ اور اے جس نے میرے دیکھنے والوں کو دیکھا۔

لاتمس النار مسلما رانی و رای من رأنی۔ رواہ الترمذی مشکوٰۃ ص ۵۵۴۔ — اس مسلمان کو آگ نہیں چھوئے گی جس نے مجھے دیکھا یا میرے دیکھنے والوں کو دیکھا۔

---

[۱] اسد الغابہ ج ۲ ص ۲۲۲، اصابہ ج ۲ ص ۱۲۔ [۲] اسد الغابہ ج ۲ ص ۲۱۳۔

خیر امتی قرنی ثم الذین یلونھم ثم الذین یلونھم متفق علیہ۔ مشکوٰۃ ص۵۵۳۔

میری امت میں سب سے بہتر میرے زمانے والے ہیں پھر وہ جو ان کے بعد ہیں پھر وہ جو ان کے بعد ہیں۔

یہ وہ فخر ہے جو حضرت امام اعظم کے اقران میں دوسرے ائمہ کو نصیب نہ ہوا نہ امام مالک کو نہ امام اوزاعی کو نہ سفیان ثوری کو نہ لیث بن سعد کو۔ حضرت امام کا تابعی ہونا اتنا محقق ہے کہ علامہ ابن حجر عسقلانی کو بھی باوجود شافعی عصبیت کے یہ تسلیم کرنا پڑا کہ حضرت امام اعظم تابعی تھے انھوں نے کوفے میں اس وقت موجود متعدد صحابہ کی زیارت کی۔

تابعی ہونے کے لئے صحابی کی صرف رویت کافی ہے روایت شرط نہیں جیسے صحابی ہونے کے لئے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زیارت کافی ہے۔ خود امام بخاری نے صحابی کی یہ تعریف کی ہے۔

من صحب النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم او راٰہ من المسلمین فھو من اصحابہ۔ بخاری ج۱ ص۵۱۵۔

جسے نبی صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی صحبت نصیب ہوئی یا جس نے آنحضور کی زیارت کی وہ حضور کے اصحاب میں سے ہے

حضرت امام اعظم کی تابعیت سے انکار بداہت کا انکار ہے۔ ہماری تحقیق کے مطابق حضرت امام اعظم کی ولادت ۷۰ھ میں ہوئی ہے۔ اگر اسے کوئی صاحب صحیح نہ مانیں ۸۰ھ ہی سن ولادت مانیں جب بھی خود کوفے میں حضرت عبداللہ بن اوفی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور دوسرے صحابہ اور ایک قول کی بنا پر حضرت ابوالطفیل عامر بن واثلہ بھی کوفے ہی میں تشریف فرما تھے۔ تو ان حضرات کی زیارت کرنا یقینی ہے۔ اس دور میں مسلمانوں کو صحابۂ کرام کی زیارت اور ان سے حصول برکت کا کتنا شوق تھا یہ سب کو معلوم ہے۔ کیا کسی کو اس کا گمان ہو سکتا ہے کہ حضرتِ امام اعظم سترہ اٹھارہ یا کم از کم سات آٹھ سال کے ہو گئے اور ان کے شفیق والدین نے انھیں صحابی رسول اللہ کی زیارت اور دعا سے محروم رکھا ہوگا۔ اور اگر بالفرض یہی مان لیا جائے کہ مؤخر الذکر مکے ہی میں تھے تو ان کی زیارت کرنا بھی یقینی ہے۔ اس لئے کہ بربنائے قول صحیح ان کا وصال ۱۱۰ھ میں ہوا ہے۔ اس وقت تک حضرت امام کی عمر مبارک کم از کم تیس سال تھی۔ پہلا حج حضرت امام اعظم نے ۹۶ھ میں اپنے والد کے ہمراہ کیا ہے[1]۔ اور حضرت امام اعظم نے پچپن[55] حج کئے تھے۔ ۱۵۰ھ دوسری شعبان کو وصال ہوا ہے۔ اس حساب سے ظاہر کہ حضرت ابوالطفیل کی حیات میں انھوں نے پندرہ حج کئے اور اگر ان کا وصال ۱۰۰ھ میں مانا جائے تو ان کی حیات میں کم از کم پانچ حج کئے۔ کون ایسا بدبخت مسلمان ہوگا کہ اسے معلوم ہو کہ مکہ معظمہ میں صحابی رسول موجود ہیں اور ان کی زیارت کا شرف نہ حاصل کرے۔ اسی طرح بروایت صحیح ثابت ہے کہ حضرت امام نے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بھی متعدد بار زیارت کی۔ حضرت انس کوفہ تشریف لاتے رہتے تھے حضرت علامہ ابن حجر نے حضرت انس

---

[1] مناقب للموفق، کردری؛

اور حضرت عبداللہ بن اوفی کی زیارت کی تصریح کی ہے۔ تفصیل کے لیے تبییض الصحیفہ صہ کا مطالعہ کریں۔ علاوہ ازیں تہذیب التہذیب میں بھی حضرت ممدوح نے تصریح کی ہے کہ امام اعظم نے حضرت انس کو دیکھا ہے۔ علاوہ ازیں ابن سعد نے اپنے طبقات میں بھی اس کی تصریح کی ہے۔ نیز امام ذہبی، امام نووی، خطیب بغدادی، دارقطنی، ابن الجوزی، علامہ زین عراقی، علامہ سخاوی، امام یافعی، امام جزری، امام ابونعیم، علامہ ابن حجر مکی، علامہ ابن عبدالبر سمعانی، علامہ عبدالغنی مقدسی، سبط ابن الجوزی، فضل اللہ تورپشتی، ولی عراقی، ابن الوزیر علامہ خطیب قسطلانی وغیرہ نے بھی اس حقیقت کو تسلیم کیا ہے کہ امام اعظم نے حضرت انس کی زیارت کی ہے۔ ائمہ احناف میں سے جنھوں نے یہ قول کیا ہے۔ ان کی تعداد ان کے علاوہ ہے۔

صحابہ سے سماع حدیث یہ موضوع البتہ غور طلب ہے کہ حضرت امام اعظم نے کسی صحابی سے حدیث سنی ہے یا نہیں۔ جو لوگ اس کے قائل ہیں کہ حضرت امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کسی صحابی سے حدیث نہیں سنی ان کا سب سے بڑا استدلال یہ ہے کہ اگر حضرت امام اعظم نے کسی صحابی سے حدیث سنی ہوتی تو ان کے اخص الخواص تلامذہ حضرت امام ابو یوسف حضرت امام محمد اسکو ضرور روایت کرتے۔

لیکن یہ کوئی ضروری نہیں۔ امام مسلم امام بخاری کے تلمیذ ہیں اور امام بخاری کے انتہائی مداح مگر اپنی صحیح میں ان سے ایک بھی حدیث نہیں روایت کی۔ اس کے برخلاف حضرت امام ابو یوسف کے واسطے سے ایسی احادیث کی روایت بھی ثابت ہے علامہ موفق نے اپنے مناقب میں امام ابو یوسف کے واسطے سے حدیث نقل فرمائی کہ حضرت امام ابوحنیفہ نے فرمایا میں حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سنا کہ رسول اللہ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

الدال علی الخیر کفاعلہ واللہ یحب اغاثۃ اللھفان۔ نیکی کی رہنمائی کرنے والا نیکی کرنے والے کے مثل ہے اور اللہ تعالیٰ مصیبت زدہ کی دستگیری کو پسند فرماتا ہے۔

یہ ایک نظیر ہے ورنہ مناقب موفق کا مطالعہ کریں ان میں امام ابو یوسف کی متعدد ایسی روایتیں ہیں۔ جو حضرت امام اعظم نے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے براہ راست سنی ہیں۔

اسکے علاوہ مسند حصکفی میں جامع بیان العلم فتح المغیث للسخاوی۔ میں متعدد ایسی احادیث کی نشاندہی کی ہیں جنھیں حضرت امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے براہ راست صحابہ سے سنی ہیں۔

اس لئے حضرت امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا صحابہ کی زیارت اور ان سے روایت دونوں ثابت ہے اور رویت زیارت کا ثبوت ہر شک وشبہے سے بالاتر ہے۔

تعلیم حضرت امام اعظم کے بچپن کا زمانہ فتنوں سے بھرا تھا۔ شہنشاہ عبدالملک بن مروان کی طرف سے مشہور زمانہ ستمگر

حجاج بن یوسف عراق کا گورنر تھا۔ چونکہ پیشوایان مذہب اس وقت حجاج کی چیرہ دستیوں سے خوش نہیں تھے۔ اس لئے یہی لوگ اس کے مظالم کے زیادہ نشانہ تھے۔ فقہا، محدثین اگرچہ علم فقہ وعلم حدیث کی تعلیم وتدریس میں مصروف تھے۔ مگر پورا عراق حجاج کے مظالم سے بے اطمینانی کی حالت میں تھا۔ حضرت امام اعظم اپنے ابتدائی دور میں آبائی پیشہ تجارت میں مصروف رہے۔ اور کپڑے کا ایک کارخانہ قائم کرلیا تھا ـــــ مسلمانوں کی خوش بختی کہ ۹۵ھ میں حجاج اور ۹۶ھ میں ولید بن عبد الملک مرگیا۔ اور اس کی جگہ سلیمان بن عبد الملک تخت نشیں ہوا۔ سعادت ازلی نے اسکی رہنمائی کی کہ اس نے، حضرت عمر بن عبد العزیز کو اپنا مشیر خاص بنایا اور مرتے وقت اپنے بعد حضرت عمر بن عبد العزیز کو ولی عہد کرگیا۔ یہ ۹۹ھ میں مرگیا۔ اور حضرت عمر بن عبد العزیز نے اپنے مسند خلافت کو زینت بخشی تو انھوں نے جہاں ملک کی سیاسی انتظامی بدعنوانیوں کا ازالہ کیا وہیں احادیث نبویہ وقضایا صحابہ کی تلاش وجستجو اور جمع وتدوین اور نشر واشاعت پر خصوصی توجہ دی۔ جس کی قدرے تفصیل گذرچکی ہے۔

اسی دور میں حضرت امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دل میں تحصیل علم کا شوق پیدا ہوا۔ اور اس پر محرک یہ واقعہ بھی ہوا حضرت امام ایک دن بازار جارہے تھے۔ راستے میں حضرت شعبی کا گھر پڑتا تھا حضرت امام جب ان کے مکان سے گذرے تو امام شعبی نے انکو بلایا اور پوچھا کس سے پڑھتے ہو انھوں نے جواب دیا کسی سے نہیں۔ امام شعبی نے فرمایا تم میں استعداد کے جوہر نظر آرہے ہیں۔ علماء کے پاس بیٹھا کرو اس نصیحت نے ان کے دل میں گھر کرلیا پھر پوری توجہ اور اہتمام سے تحصیل علم میں مصروف ہوگئے۔

ابتداءً حضرت امام کی توجہ علم کلام پر تھی علم کلام سے مراد آج کا موجودہ علم کلام نہیں بلکہ اس عہد میں مذہبی بنیادی اختلافات پر قرآن وحدیث سے صحیح موقف کی حمایت اور غلط نظریے کی تردید مراد ہے۔ لیکن حضرت امام نے دیکھا کہ مسلمانوں کے عوام وخواص حکام قضاۃ زہاد سب کو جس چیز کی ضرورت ہے وہ فقہ ہے۔ ایک دن ایک عورت آئی اور اس نے حضرت امام اعظم سے یہ پوچھا کہ سنت کے طریقے پر طلاق دینے کی کیا صورت ہے یہ خود نہ بتاسکے اس سے کہا کہ حضرت حماد سے جاکر پوچھ لے اور وہ جو بتائیں مجھے آکر بتادینا۔ حضرت حماد کا گھر قریب ہی تھا۔ تھوڑی ہی دیر میں یہ عورت واپس آئی اور حضرت حماد کے جواب کو بتایا۔ حضرت امام اعظم فرماتے ہیں اس سے مجھے بہت غیرت ہوئی اور اٹھا حضرت حماد کے یہاں حاضر ہوا اور ان سے فقہ حاصل کرنے لگا۔

تحصیل حدیث احناف کی کتب فقہ واصول فقہ اس کی شاہد عدل ہیں کہ فقہ حنفی کی بنیاد، کتاب اللہ، احادیث رسول اللہ پھر اجماع امت پر علی الترتیب ہے۔ سب پر مقدم کتاب اللہ ہے۔ کتاب میں کوئی حکم شرعی ملتا ہے تو وہ سب پر مقدم ہے اگرچہ وہ صراحۃً نہ ملے۔ اشارۃً ملے اقتضاءً ملے۔ جب کتاب اللہ میں کوئی حکم نہیں ملتا تو دوسرے درجہ پر احادیث ہیں۔ جب احادیث میں بھی کوئی حکم نہیں ملتا تو امت کے اجماع کو دیکھتے ہیں۔ اگر اس خصوص میں امت کا اجماع نہیں ملتا تو اس کے بعد قیاس کی منزل آتی ہے۔ یہ ترتیب وہی ہے جو حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یمن جاتے وقت حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے

استفسار پر عرض کیا تھا۔ جس کو حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بیحد پسند فرمایا اس کی تفصیل یہ ہے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت معاذ کو یمن کا والی نامزد فرمایا تو پوچھا اے معاذ! فیصلہ کس بنیاد پر کرو گے انھوں نے عرض کیا اللہ کی کتاب سے فیصلہ کروں گا فرمایا اگر اس میں نہ پاؤ تو۔ عرض کیا رسول اللہ کی سنت سے۔ فرمایا اگر اس میں بھی تم نہ پاؤ تو۔ عرض کیا اجتہد برائی۔ پورا غور و خوض کر کے اپنی رائے سے فیصلہ کروں گا۔ یہ جواب سنکر حضور اقدس صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جوش مسرت میں ان کے سینے پر دست مبارک ملا اور فرمایا۔[1]

الحمد للہ الذی وفق رسول رسول اللہ لما یرضی بہ رسول اللہ[1] — اللہ کا شکر ہے کہ اس نے رسول اللہ کے فرستادہ کو اس بات کی توفیق دی جو رسول کو پسند ہے۔

اس پر احناف کے لاکھوں لاکھ مسائل کا ایک ایک جزئیہ شاہد ہے۔ احناف کو اس بارے میں اتنا اہتمام ہے کہ کتاب اللہ کے عام میں قیاس تو قیاس خبر واحد سے بھی تخصیص نہیں کرتے۔ کتاب اللہ کے مطلق کو قیاس تو بہت بعید ہے خبر واحد سے بھی مقید نہیں کرتے۔ اس پر ذیل کا واقعہ شاہد ہے۔ میزان الشریعۃ الکبریٰ میں امام عبدالوہاب شعرانی فرماتے ہیں ابو مطیع نے کہا۔ میں کوفے کی جامع مسجد میں امام ابوحنیفہ کے ساتھ تھا۔ کہ حضرت امام جعفر صادق۔ سفیان ثوری۔ مقاتل بن حیان۔ حماد بن سلمہ وغیرہ بہت سے فقہاء آئے۔ ان حضرات نے، حضرت امام ابوحنیفہ سے کہا۔ ہمیں یہ خبر ملی ہے کہ آپ دین میں قیاس بہت کرتے ہیں اس سے ہمیں اندیشہ ہے۔ اس پر حضرت امام نے ان لوگوں کے سامنے اپنے مسائل پیش کئے۔ اور صبح سے زوال کے پہلے تک ان لوگوں سے مناظرہ ہوتا رہا۔ امام نے کہا۔ میں کتاب اللہ پر عمل سب پر مقدم رکھتا ہوں۔ پھر سنت پر۔ پھر صحابہ کے متفق فیصلے پر۔ پھر ان کے مختلف فیہ فیصلوں میں جو قوی ہو اس پر۔ اس کے بعد قیاس کرتا ہوں۔ حضرت امام اعظم نے جو اصول بتائے اسی پر اپنے تمام مسائل ثابت کر دیئے جس کے نتیجے میں وہ حضرات باغ باغ ہو گئے اور سب نے ان کے ہاتھوں اور گھٹنوں کو بوسے دیئے اور فرمایا۔

انت سید العلماء فاعف عنا فیما مضی منا من وقیعتنا فیک بغیر علم فقال غفر اللہ تعالیٰ لنا ولکم اجمعین — آپ علماء کے سردار ہیں اب تک ہم نے غلط فہمی میں آپ کو جو کچھ کہا ہے اسے معاف کر دیں امام نے فرمایا۔ اللہ مجھے اور آپ سب لوگوں کو معاف فرمائے۔

چونکہ احادیث فقہ کی بھی بنیاد ہیں۔ اور کتاب اللہ کے معانی و مطالب کی بھی اساس ہیں۔ اس لئے حضرت امام اعظم نے حدیث کی تحصیل میں انتھک کوشش کی۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ حدیث کا درس شباب پر تھا۔ تمام بلاد اسلامیہ میں اس کا درس زور و شور کے ساتھ جاری تھا۔ اور کوفہ تو اس خصوص میں ممتاز تھا۔ کوفے کا اس وصف خصوصی میں امتیاز امام بخاری کے عہد تک باقی رہا۔

---

[1] مشکوٰۃ رواہ الترمذی وابوداؤد والدارمی، ص ۳۲۴،

اسی لئے موصوف کو فنا اتنی بار گئے کہ خود فرمایا شمار نہیں کر سکتا۔

امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بغض و عناد کی بنا پر کوفے سے شدید نفرت رکھنے والے ایک مجتہد صاحب نے کوفے کے ان مشاہیر کی تعداد تیرہ بتائی ہے جن سے امام بخاری کو شرف تلمذ حاصل ہے۔ جب کہ مدینہ طیبہ کے ایسے مشائخ کی تعداد صرف چھ اور مکہ معظمہ کے صرف پانچ اور بغداد کے صرف چار بتا سکے ہیں [۱]

اس سے ظاہر ہے کہ اسّی سال کے بعد جب کوفے کا یہ حال تھا تو اسی سال پہلے عہد تابعی میں کوفے کی گلیوں میں علم حدیث کا دریا کتنا موجزن رہا ہوگا۔ ظاہر ہے کہ جو شہر ایک ہزار پانچسو صحابۂ کرام کے قدوم میمنت لزوم سے فیض یاب ہو چکا ہو وہ بھی ان منتخب سابقین اولین سے جن میں ستر بدری اور تین سو اصحاب بیعت رضوان تھے۔ پھر جسے باب العلم حضرت علی حضرت سعد بن وقاص حضرت عبداللہ بن مسعود حضرت مغیرہ بن شعبہ حضرت ابو موسیٰ اشعری حضرت عبداللہ بن عباس رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے اپنے اپنے وجود با جود سے خیر و برکت کا سرچشمہ بنا دیا ہو وہ یقیناً اسی لائق ہے کہ امیر المومنین فی الحدیث ہونے کے لئے امام بخاری بھی اس شہر کے تمام بلاد اسلامیہ سے زیادہ محتاج رہے۔

حضرت امام نے حدیث کی تحصیل کی ابتدا یہیں سے کی۔ کوفے میں کوئی ایسا محدث نہ تھا جس سے آپ نے حدیث اخذ نہ کی ہو۔ ابو المحاسن شافعی ہیں مگر ان کو بھی یہ اعتراف کرنا پڑا کہ ترانوے وہ مشائخ ہیں جو کوفے کے رہنے والے تھے یا کوفے میں تشریف لائے جن سے امام اعظم نے حدیث اخذ کی۔ اور یہ تو کوئی بھی تہذیب الاسماء تذکرۃ الحفاظ وغیرہ کا مطالعہ کر کے معلوم کر سکتا ہے کہ امام صاحب نے کوفے کے ایسے ۹۳ محدثین سے حدیث حاصل کی جن میں اکثر تابعی تھے۔ جن میں چند مشاہیر کے نام ہم اوپر ذکر کر آئے ہیں۔ یہ مسلم الثبوت ائمہ محدثین ہیں کہ سفیان ثوری امام احمد بن حنبل وغیرہ کے سلسلۂ اسناد میں ان میں کے اکثر بزرگ ہیں۔ حضرت امام اعظم کے مشائخ حدیث میں، امام شعبہ بھی ہیں انھیں دو ہزار حدیثیں یاد تھیں۔ سفیان ثوری نے انھیں امیر المومنین فی الحدیث کہا ہے۔ امام شافعی نے فرمایا کہ اگر شعبہ نہ ہوتے تو عراق میں حدیث اتنی عام نہ ہوتی۔ ۱۶۰ھ میں وصال ہوا۔ جب سفیان ثوری کو ان کی وفات کی خبر ہوئی تو انھوں نے کہا کہ آج علم حدیث مرگیا۔ امام شعبہ کو حضرت امام اعظم سے قلبی لگاؤ تھا۔ غائبانہ ان کی ذہانت و نکتہ رسی کی تعریف کرتے رہتے ایک بار ذکر آیا تو شعبہ نے کہا جس طرح مجھے یقین ہے کہ آفتاب روشن ہے اسی یقین کے ساتھ کہتا ہوں کہ علم اور ابو حنیفہ ہم نشین ہیں۔ یحییٰ بن معین استاذ امام بخاری سے کسی نے امام اعظم کے بارے میں پوچھا کہ ان کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے۔ فرمایا۔ اس قدر کافی ہے کہ "شعبہ" نے انھیں حدیث روایت کرنے کی اجازت دی شعبہ آخر شعبہ ہی تھے۔ عقود الجمان باب ۲۳۔

---

[۱] سیرۃ بخاری ص ۲۵، ۲۶،

کوفے کے علاوہ حضرت امام اعظم نے بصرے کے تمام محدثین سے حدیثیں حاصل کیں۔اس وقت بصرہ بھی علم و فضل خصوصاً علم حدیث کی بہت اہم درسگاہ تھا۔یہ شہر بھی حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بسایا تھا اور یہ شہر خصوصیت سے حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وجہ مرکز حدیث بن گیا تھا۔علامہ ذہبی جیسے مبصر نے دوسرے تیسرے دور میں جن عظیم شخصیتوں کو محدث کا خطاب دیا ہے وہ بصرے یا کوفے ہی کے رہنے والے یا یہاں اکثر آمدورفت رکھنے والے تھے۔تذکرۃ الحفاظ۔

حضرت امام اعظم نے ان دونوں مراکز سے ہزاروں ہزار۔احادیث حاصل کیں۔مگر امام اعظم ہونے کے لئے ابھی اور بہت کچھ ضرورت باقی تھی یہ کمی حرمین طیبین سے پوری فرمائی۔گذر چکا کہ پہلا سفر حضرت امام نے ۹۶ھ میں کیا تھا۔اور عمر میں ۵۵ حج کئے ۱۵۰ھ میں وصال ہوا تو اس سے ثابت ہوا کہ ۹۶ھ کے بعد کسی سال حج ناغہ نہ ہوا۔اس لئے حرمین طیبین کی حاضری کم از کم ۵۵ بار ۹۶ھ کے بعد سے مسلسل بلا ناغہ ہوئی۔اس عہد میں حضرت عطا ابن رباح مکہ معظمہ میں سرتاج محدثین تھے۔یہ تابعی ہیں دو سو صحابۂ کرام کی صحبت کا ان کو شرف حاصل ہے۔خصوصاً حضرت ابن عباس،ابن عمر،اُسامہ،جابر،زید بن ارقم،عبداللہ بن سائب، عقیل بن رافع،ابوالدرداء،حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین سے بھی احادیث سنی ہیں۔یہ محدث ہونے کے ساتھ ہی ساتھ بہت عظیم مجتہد بھی تھے۔حضرت عبداللہ بن عمر فرماتے تھے کہ عطاء کے ہوتے ہوئے لوگ میرے پاس کیوں آتے ہیں۔ایام حج میں حکومت کی طرف سے اعلان عام ہوجاتا تھا کہ،عطاء کے علاوہ اور کوئی فتوی نہ دے۔اساطین محدثین۔امام اوزاعی۔امام زہری، امام عمرو بن دینار انھیں کے تلمیذ خاص تھے۔

حضرت امام اعظم جب ان کی خدمت میں تلمذ کے لئے حاضر ہوئے تو حضرت عطاء نے ان کا عقیدہ پوچھا امام اعظم نے کہا میں اسلاف کو بُرا نہیں کہتا،گنہگار کو کافر نہیں کہتا۔ایمان بالقدر رکھتا ہوں۔اس کے بعد حضرت عطاء نے داخل حلقہ درس کیا۔ دن بدن حضرت امام کی ذکاوت فطانت روشن ہوتی گئی۔جس سے حضرت عطاء ان کو قریب سے قریب تر کرتے رہے یہانتک عطاء دوسروں کو ہٹاکر امام اعظم کو اپنے پہلو میں بٹھاتے۔حضرت امام جب مکہ حاضر ہوتے تو اکثر حضرت عطاء کی خدمت میں حاضر رہتے۔ان کا وصال ۱۱۵ھ میں ہوا تو ثابت ہوا کہ تقریباً بیس سال ان سے استفادہ کرتے رہے۔

مکہ معظمہ میں حضرت امام نے ایک اور وقت کے امام حضرت عکرمہ سے اخذ علوم فرمایا عکرمہ سے کون واقف نہیں۔یہ حضرت علی ابوہریرہ،ابن عمر،عقبہ بن عمرو،صفوان،جابر،ابوقتادہ ابن عباس رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے تلمیذ ہیں۔تقریباً ستر مشاہیر ائمہ تابعین تفسیر و حدیث میں ان کے تلمیذ ہیں۔

مکہ معظمہ عام دنوں میں مرکز علم و فن تھا ہی حج کے ایام میں پوری دنیا اسلام کے ائمہ حدیث و تفسیر و فقہ حرمین طیبین میں اکٹھے ہوجاتے۔اس لئے حج کے ایام میں ان سب سے اخذ فیض کا بہت اچھا موقع ہوتا۔اور حضرت امام اس سے بھرپور فائدہ اٹھاتے

مکہ معظمہ ہی میں امام شام حضرت اوزاعی سے ملاقات ہوئی ۔ اور ان کا حضرت امام سے مشہور مناظرہ ہوا ۔ جس سے امام اوزاعی کی حضرت امام سے مکمل صفائی ہوگئی ۔ اور مکہ معظمہ ہی میں دوسرے امام شام حضرت مکحول سے بھی ملاقات ہوئی ۔

مدینہ طیبہ میں جب حضرت امام حاضر ہوئے تو فقہاء سبعہ میں سے دو بزرگ باحیات تھے ۔ ایک سلیمان جن کا دوسرا نمبر تھا ۔ یہ حضرت ام المومنین میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے غلام تھے ۔ دوسرے حضرت سالم یہ حضرت فاروق اعظم کے پوتے حضرت عبداللہ کے صاحبزادے تھے ۔ حضرت امام اعظم نے خصوصیت سے ان دونوں اماموں سے احادیث اخذ کیں ۔ ان کے علاوہ اور دوسرے حضرات سے بھی فیض پایا ۔

کہنے کو تو حضرت امام اعظم کے طلب علم کا میدان صرف کوفے سے بصرہ اور حرمین طیبین تک محدود ہے مگر اس کی وسعت اتنی ہے کہ چار ہزار شیوخ سے احادیث اخذ کیں ۔

امام اوزاعی اور امام باقر کے واقعات

امام اوزاعی ابتداءً حضرت امام اعظم سے بہت بدظن تھے ۔ حضرت عبداللہ بن مبارک جب بیروت ، امام اوزاعی کی خدمت میں علم حدیث کی تحصیل کے لئے پہونچے ۔ تو انھوں نے ان سے پوچھا کہ کوفے میں ابو حنیفہ کون ہیں ؟ جو دین میں نئی نئی باتیں پیدا کرتے رہتے ہیں ۔ عبداللہ بن مبارک نے کوئی جواب نہیں دیا ۔ واپس چلے آئے ۔ دو تین دن کے بعد گئے تو ساتھ میں کچھ لکھے ہوئے اوراق لیتے گئے ۔ امام اوزاعی نے ان کے ہاتھ سے وہ اوراق لے لئے ۔ سرورق لکھا تھا :- قال نعمان بن ثابت ۔ ان اوراق کو دیر تک بغور پڑھتے رہے ۔ پھر ان سے پوچھا یہ نعمان ، کون ہیں ۔ انھوں نے کہا عراق کے ایک صاحب ہیں ۔ جن کی صحبت میں میں رہا ہوں ۔ فرمایا ۔ یہ عظیم شخص ہے ۔ عبداللہ بن مبارک نے کہا یہ وہی ابو حنیفہ ہیں ۔ جن کو آپ نے مبتدع کہا ہے ۔ اب امام اوزاعی کو اپنی غلطی کا احساس ہوا ۔ جب حج کے لئے گئے تو مکہ میں امام اعظم سے ملاقات ہوئی ۔ اور انھیں مسائل کا ذکر آیا ۔ امام اعظم نے ان مسائل کی توضیح ایسی عمدہ کی کہ امام اوزاعی ششدر رہ گئے ۔ عبداللہ بن مبارک بھی موجود تھے ۔ امام اعظم کے جانے کے بعد ان سے کہا ۔ ان کے فضل و کمال نے ان کو محسود بنا دیا ہے ۔ مجھے یقین ہوگیا ۔ میری بدگمانی غلط تھی ۔ اس کا مجھے بے حد افسوس ہے ۔

حضرت امام کے اساتذہ میں حضرت امام باقر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی ہیں ۔ ایک بار مدینہ طیبہ کی حاضری میں جب حضرت امام باقر کی خدمت میں حاضر ہوئے ۔ تو ان کے ایک ساتھی نے تعارف کرایا ۔ کہ یہ ابو حنیفہ ہیں ! ۔ امام باقر نے ، امام اعظم سے کہا ۔ وہ تمھیں ہو جو قیاس سے میرے جد کریم کی احادیث رد کرتے ہو ۔ امام اعظم نے عرض کیا ۔ معاذاللہ ۔ حدیث کو

کون رد کرسکتا ہے۔ حضور اجازت دیں تو کچھ عرض کروں۔ اجازت کے بعد امام اعظم نے عرض کیا۔ حضور!۔ مرد ضعیف ہے یا عورت؟۔ ارشاد فرمایا۔ عورت۔ عرض کیا۔ وراثت میں مرد کا حصہ زیادہ ہے یا عورت کا؟۔ فرمایا۔ مرد کا۔ عرض کیا میں قیاس سے حکم کرتا تو عورت کو، مرد کا دونا حصہ دینے کا حکم کرتا۔ پھر عرض کیا۔ نماز افضل ہے کہ روزہ؟۔ ارشاد فرمایا۔ نماز۔ عرض کیا قیاس یہ چاہتا ہے کہ جب نماز روزہ سے افضل ہے تو حائضہ پر نماز کی قضاء بدرجۂ اولیٰ ہونی چاہئے اگر احادیث کے خلاف قیاس سے حکم کرتا تو یہ حکم دیتا کہ حائضہ نماز کی قضاء ضرور کرے!۔ اس پر امام باقر اتنا خوش ہوئے کہ اٹھ کر ان کی پیشانی چوم لی ——

—— حضرت امام اعظم نے ایک مدت تک حضرت امام باقر کی خدمت میں حاضر رہ کر فقہ و حدیث کی تعلیم حاصل کی۔

اسی طرح ان کے خلف الرشید حضرت امام جعفر صادق سے بھی اکتساب فیض فرمایا ہے۔

حضرت امام اعظم کے اساتذہ ان کا اتنا ادب کرتے تھے کہ دیکھنے والے انگشت بدنداں ہو جاتے تھے۔ محمد بن فضل کا بیان ہے کہ حضرت امام ایک بار خصیب کے پاس ایک حدیث سننے کے لئے حاضر ہوئے۔ خصیب نے آتے دیکھا تو تعظیماً کھڑے ہو گئے اور اپنے برابر بیٹھایا۔ امام صاحب نے پوچھا کہ شتر مرغ کے انڈے کے بارے میں کیا حدیث ہے؟۔ خصیب نے کہا۔ اخبرنی ابوعبیدۃ عن عبد اللہ بن مسعود، فی بیضۃ النعام یصیبھا المحرم ان فیہ قیمتھا۔

مکہ معظمہ کے مشہور امام محدث عارف باللہ حضرت عمرو بن دینار بھی تھے۔ عمر میں حضرت امام سے تیرہ سال چھوٹے تھے۔ مگر ان سے بھی استفادے میں حضرت امام کو عار نہ تھا۔ ان سے بھی حدیث حاصل کی۔ حضرت امام اعظم جب انکی مجلس میں بیٹھتے تو نہایت مؤدب بیٹھتے۔ اور ادھر حضرت عمرو بن دینار کا حال یہ تھا۔ کہ اگر امام اعظم ہوتے تو کسی اور کی طرف مخاطب نہ ہوتے۔

ابتداء میں لوگ حضرت امام اعظم کی طرف متوجہ نہ ہوئے مگر دن بدن لوگوں کا رجوع بڑھتا گیا۔ کچھ ہی دنوں میں یہ حال ہو گیا جب حج کے لئے جاتے تو اطراف واکناف میں دھوم مچ جاتی کہ، فقیہ عراق" جا رہے ہیں۔ جس شہر جس بستی پر گذر ہوتا ہزاروں ہزار کا مجمع اکٹھا ہو جاتا۔ ایک بار مکہ معظمہ حاضر ہوئے تو فقہاء، محدثین دونوں کی اتنی بھیڑ جمع ہو گئی کہ کہیں تل رکھنے کی جگہ نہ رہی۔ شوق کا یہ عالم کہ لوگ ایک پر ایک گرے پڑتے تھے۔ پریشان ہو کر حضرت امام اعظم نے کہا۔ کوئی ہمارے میزبان سے جا کر کہہ دیتا کہ وہ ان لوگوں کا انتظام کر دیتے تو اچھا تھا۔ ابو عاصم نبیل موجود تھے۔ انھوں نے کہا میں جا کر کہہ دیتا ہوں۔ یہ چند مسئلے رہ گئے ہیں ان کے جوابات ارشاد فرما دیں۔ حضرت امام اعظم نے ان کو اور نزدیک بلا کر پوری توجہ سے سوالات سنے۔ جوابات دیئے۔ ابو عاصم سے فارغ ہو کر دوسرے کی طرف متوجہ ہوئے۔ ان کے سوالات کے جوابات دینے لگے۔ کچھ دیر کے بعد خیال آیا کہ کسی شخص نے میزبان سے کہنے کا وعدہ کیا تھا۔ دریافت فرمایا وہ شخص کہاں گئے؟۔ ابو عاصم وہیں موجود تھے۔ عرض کیا۔

میں نے وعدہ کیا تھا۔ فرمایا تم گئے نہیں۔ ابو عاصم نے منھ لگے شوخ طالب علم کی طرح کہا۔ میں نے یہ کب کہا تھا۔ کہ ابھی جاؤں گا۔ امام نے فرمایا۔ عرف عام میں اس قسم کے احتمالات کی گنجائش نہیں ان الفاظ سے ہمیشہ وہی معنی مراد لئے جائیں گے جو عوام کی غرض ہوتی ہے۔ یہ ایک لطیفہ ہے مگر اس میں بھی حضرت امام نے ایک فقہی کلیہ بیان فرما دیا۔

حضرت امام اعظم نے زیادہ تر احادیث اجلۂ تابعین سے لی ہیں۔ تابعین میں انھیں سے حدیث لی جو مدت تک صحابی کی صحبت میں رہے۔ تقویٰ، علم و فضل، زہد و ورع میں جو اعلیٰ درجے پر فائز تھے۔ اگر معدودے چند ایسے نہیں تو وہ شاذ و نادر ہیں۔ حضرت امام کے وقار کو اپنے اساتذہ کے دلوں میں ان کی قوت اجتہاد نے بہت زیادہ بڑھا دیا تھا۔ یہ کبھی اپنی تحقیق پیش کرنے سے چوکتے نہیں تھے۔

ایک دفعہ حضرت حماد کے ساتھ امام اعمش کو رخصت کرنے کے لئے نکلے۔ مغرب کا وقت ہو گیا۔ پانی ساتھ نہیں تھا۔ تلاش کیا مگر نہیں ملا۔ حماد نے فتوی دیا کہ تیمم کر لیا جائے۔ امام اعظم نے کہا اخیر وقت تک پانی کا انتظار کرنا چاہئے۔ کچھ آگے بڑھے تو پانی مل گیا۔ سب نے وضو کر کے نماز پڑھی۔

امام شعبی اس کے قائل تھے۔ کہ معصیت میں کفارہ نہیں۔ ایک دفعہ یہ اور امام اعظم کہیں کشتی پر جا رہے تھے۔ یہی مسئلہ چھڑ گیا۔ امام اعظم نے فرمایا کہ گناہ میں بھی کفارہ ہے۔ ظہار کے بارے میں ارشاد ہے۔

وَاِنَّهُمْ لَيَقُوْلُوْنَ مُنْكَرًا مِّنَ الْقَوْلِ وَزُوْرًا [۱] — یقیناً یہ لوگ بری اور جھوٹی بات کہتے ہیں۔

اس سے ثابت ہوا کہ ظہار گناہ ہے اور اس پر کفارہ ہے۔ امام شعبی نے جھنجلا کر کہا:۔ اَقَيَّاسٌ اَنْتَ۔ کیا تم بہت قیاس کرنے والے ہو [۲]

عطاء بن رباح سے کسی نے اس آیت کے معنی پوچھے۔

وَاٰتَيْنَاهُ اَهْلَهٗ وَمِثْلَهُمْ مَّعَهُمْ [۳] — اور ہم نے ایوب کو اس کے گھر والے بھی دیئے اور اس کے ساتھ اتنا ہی اور۔

حضرت عطاء نے فرمایا کہ اللہ عزوجل نے حضرت ایوب کی جورو اور اولاد جو مر چکی تھی وہ زندہ کر دی۔ اور ان کے ساتھ اتنی ہی اور پیدا کر دی۔ حضرت امام اعظم نے کہا۔ جب کوئی شخص کسی کی صلب سے نہ ہو تو وہ اس کی اولاد کیسے ہوگا۔

عظیم محدث ہونے کے شواہد حضرت امام اعظم کے عظیم محدث ہونے کی سب سے بڑی۔ سب سے روشن سب سے قوی

---

[۱] مجادلہ۔ آیت (۲) [۲] عقود الجمان باب ثامن۔ [۳] انبیاء آیت (۸۴)

دلیل فقہ حنفی ہے۔ فقہ حنفی کے کلیات، جزئیات کو اٹھا کر دیکھو۔ اور دوسری طرف احادیث کی کتابیں اٹھا کر دیکھو۔ جن جن ابواب جن جن مسائل میں صحیح غیر مؤول غیر منسوخ کتاب اللہ کے غیر معارض احادیث ہیں وہ سب کے سب فقہ حنفی کے مطابق ہیں۔ اس کی تصدیق کے لئے امام طحاوی کی معانی الآثار، علامہ عینی کی بخاری کی شرح عمدۃ القاری، ابن ہمام کی فتح القدیر کا مطالعہ کرے۔ اور کچھ خلجان رہ جائے تو اعلیٰحضرت امام احمد رضا قدس سرہ کے مجموعہ فتاوی، فتاوی رضویہ کا مطالعہ کرے۔ میں نے جو کچھ کہا ہے اس کے حرف حرف کی تصدیق ہو جائے گی۔ اگر معاندین کی یہ بات مان لی جائے کہ حضرت امام اعظم حدیث نہیں جانتے تھے تو ان کا مذہب احادیث کے مطابق کیسے ہے؟

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے شرح سفر السعادت[1] میں تحریر فرمایا ہے کہ حضرت امام اعظم کے پاس بہت سے صندوق تھے جن میں ان احادیث کے صحائف تھے جنھیں حضرت امام ابو حنیفہ نے سنی تھیں۔ آپ نے تین سو تابعین سے علم حاصل کیا۔ آپ کے حدیث کے شیوخ کی تعداد چار ہزار تھی۔ امام ذہبی اور علامہ ابن حجر نے بھی یہی تعداد بتائی ہے۔ مسند خوارزمی میں سیف الائمہ سے بھی یہی تعداد منقول ہے۔

امام بخاری و مسلم وغیرہ محدثین کے استاذ حضرت یحییٰ بن معین نے فرمایا۔ امام حدیث ابو حنیفہ ثقہ تھے[2]

انھیں کا قول ہے کہ امام ابو حنیفہ میں جرح و تعدیل کی رو سے کوئی عیب نہیں۔ وہ کبھی کسی برائی سے متہم نہ ہوئے[3]

امام ابو داؤد صاحب سنن نے فرمایا۔ امام ابو حنیفہ امام شریعت تھے[4]

علامہ ابن حجر مکی ہیتمی شافعی نے لکھا کہ حضرت سفیان ثوری نے فرمایا۔ امام ابو حنیفہ حدیث و فقہ دونوں میں ثقہ اور صدوق ہیں[5]

حافظ ابن حجر مکی نے کہا کہ، علی بن مدینی نے کہا کہ امام ابو حنیفہ سے، ثوری، ابن مبارک، حماد بن زید، ہشام، وکیع، عباد بن العوام اور جعفر بن عون نے روایت کی۔ نیز فرمایا کہ امام ابو حنیفہ ثقہ ہیں ان میں کوئی عیب نہیں۔

حضرت یحییٰ بن معین نے فرمایا کہ ہمارے لوگ، امام ابو حنیفہ اور ان کے اصحاب کے بارے میں تفریط میں گرفتار ہیں۔ کسی نے پوچھا کہ امام ابو حنیفہ کی طرف حدیث یا مسائل بیان کرنے میں کسی قسم کی مسامحت یا کذب یا جھوٹ کی نسبت صحیح ہے۔ فرمایا۔ ہرگز نہیں[6]

اسرائیل بن یوسف نے کہا۔ امام ابو حنیفہ بہت اچھے شخص تھے۔ حدیث کو کما حقہ یاد رکھے۔ ان کے برابر کوئی نہیں ہوا[7]

---

[1] شرح سفر السعادت مطبوعہ پاکستان ص۱۹ [2] تہذیب التہذیب ج ۱۰ ص ۴۵۰ [3] تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۱۵۲ [4] تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۱۵۲ [5] الخیرات الحسان ص ۱۲ [6] الخیرات الحسان فصل ۲۸ [7] ایضاً۔

امام یحیٰی بن معین سے کسی نے دریافت کیا امام ابوحنیفہ کیسے ہیں؟۔ فرمایا۔ ثقہ ہیں۔ میں نے یہ نہیں سنا کہ کسی نے ان کو ضعیف کہا ہو۔[1]

شعبہ بن الحجاج امام اعظم کو لکھا کرتے ہمارے لئے احادیث کی روایت کریں اور فرماتے تھے کہ امام ابوحنیفہ ثقہ اور سچے لوگوں میں سے تھے۔ کبھی ان پر جھوٹ کی تہمت نہیں لگی۔ وہ اللہ کے دین میں مامون و معتمد تھے۔ صحیح احادیث بیان فرماتے۔

یزید بن ہارون نے کہا۔ میں لوگوں سے ملا پس کسی کو امام صاحب سے بڑھ کر عاقل و فاضل و پرہیزگار نہ پایا۔[2]

یہ امام بخاری کے استاذ ہیں۔ یہ اعظم الناس کہیں اور امام بخاری بعض الناس۔ ابو محمد بن عیاش نے کہا۔ ابوحنیفہ اپنے زمانے کے لوگوں میں افضل تھے۔ خارجہ بن مصعب نے کہا۔ میں ایک ہزار علماء سے ملا ہوں۔ مگر علم و عقل میں ابوحنیفہ جیسا کسی کو نہیں پایا۔

امیر المومنین فی الحدیث امام بخاری کے استاذ الاستاذ حضرت عبداللہ بن مبارک کے سامنے کسی نے امام اعظم نے برائی کی تو فرمایا۔ تم علماء میں ایک ان کا مثل دکھاؤ۔ ورنہ ہمارا پیچھا چھوڑ دو۔ ہمیں عذاب میں مت ڈالو۔ ان کی مجلس میں بڑوں کو چھوٹا دیکھا میں انکی مجلس میں اپنے آپکو جتنا کم رتبہ دیکھا کسی کی مجلس میں نہ دیکھا۔ اگر اس کا اندیشہ نہ ہوتا کہ لوگ یہ کہیں کہ میں افراط سے کام لے رہا ہوں تو میں ابوحنیفہ پر کسی کو مقدم نہیں کرتا۔ نیز فرمایا۔ امام اعظم کی نسبت تم لوگ کیسے کہہ سکتے ہو کہ وہ حدیث نہیں جانتے تھے۔ اور فرمایا۔ ابوحنیفہ کی رائے مت کہو حدیث کی تفسیر کہو۔ اگر ابوحنیفہ تو تابعین بھی ان کے محتاج ہوتے[3] نیز فرمایا۔ خدا کی قسم ابوحنیفہ علم حاصل کرنے میں بہت سخت تھے۔ وہی کہتے تھے۔ جو حضور اقدس صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ثابت ہے۔ احادیث ناسخ منسوخ کے بہت ماہر تھے۔ معتبر اور دوسری قسم کی احادیث کو تلاش کر لیا کرتے تھے۔ حضرت عبداللہ بن مبارک کا یہ قول مشہور ہے۔

لولا ان اللہ تعالیٰ اغاثنی بابی حنیفۃ وسفیان کنت کسائر الناس[4] — اگر اللہ تعالیٰ نے امام اعظم اور سفیان کے ذریعہ میری دستگیری نہ کی ہوتی تو میں عام آدمیوں میں سے ہوتا۔

یہ عبداللہ بن مبارک وہ مسلم الثبوت امام ہیں کہ امام بخاری نے جزء رفع یدین میں فرمایا:۔

اپنے زمانے میں سب سے بڑے عالم تھے۔ اگر لوگ دوسرے کم علم لوگوں کی اتباع کے بجائے ان کی اتباع کریں تو بہتر ہوتا۔

سفیان بن عیینہ نے کہا۔ عبداللہ بن مبارک اپنے زمانے کے اور شعبی اپنے زمانے کے اور ان کے بعد ابوحنیفہ اپنے زمانے کے سب سے بڑے عالم ہیں میری آنکھوں نے ان کا مثل نہیں دیکھا۔ مکی بن ابراھیم استاذ امام بخاری نے کہا:۔ امام ابوحنیفہ اپنے

---

[1] بنایہ شرح ہدایہ ج۱ جزء اول ص۹، [2] تبییض الصحیفہ ص۱۲، [3] موفق کردوی، [4] تہذیب التہذیب جزء عاشر ص۴۵۰، والیضا فی تبییض الصحیفہ، ص۱۶،

زمانے کے اعلم علما تھے۔

غور کریں۔ اس زمانے میں، امام مالک، امام اوزاعی، امام سفیان ثوری، امام مسعر بن کدام، امام عبد اللہ بن مبارک، وغیرہ سیکڑوں محدثین موجود تھے۔ انھوں نے امام اعظم کو سب سے زیادہ اعلم کہا۔ یہ مکی بن ابراہیم وہ جلیل القدر بزرگ ہیں۔ جن سے امام بخاری کو اا ثلاثیات نصیب ہوئیں۔[1]

امام مالک سے امام شافعی نے متعدد محدثین کا حال پوچھا۔ اخیر میں امام ابو حنیفہ کو دریافت کیا تو فرمایا۔ سبحان اللہ! وہ عجیب ہستی کے مالک تھے۔ میں نے ان کا مثل نہیں دیکھا۔[2]

سعید بن عروبہ نے کئی مسائل پر امام اعظم سے گفتگو کی۔ بالآخر یہ کہا۔ ہم نے جو متفرق طور پر مختلف مقامات سے حاصل کیا تھا وہ سب آپ میں مجتمع ہیں۔ امام ذہبی نے اس کا مطلب یہ بتایا۔ کہ انھوں نے جو مختلف دیار وامصار، کے کثیر تعداد محدثین سے احادیث حاصل کیں وہ سب امام اعظم کے پاس اکٹھی تھیں۔[3]

خلف بن ایوب نے کہا۔ ابو حنیفہ نادر الوجود شخص ہیں۔ اللہ عز وجل کی طرف سے علم حضور اقدس صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس آیا۔ پھر صحابہ میں تقسیم ہوا۔ پھر تابعین میں پھر ابو حنیفہ اور ان کے اصحاب میں۔[4]

اسرائیل بن یونس نے کہا۔ اس زمانے میں لوگ جن جن چیزوں کے محتاج ہیں۔ امام ابو حنیفہ ان سب کو سب سے زیادہ جانتے ہیں۔[5]

حفص بن غیاث نے کہا۔ امام ابو حنیفہ جیسا ان احادیث کا عالم میں نے کسی کو نہیں دیکھا جو احکام میں مفید اور صحیح ہوں۔[6]

ابو علقمہ نے بیان کیا میں نے اپنے شیوخ سے سنی ہوئی بہت سی حدیثوں کو امام اعظم ابو حنیفہ پر پیش کیں۔ تو انھوں نے ہر ایک کا ضروری حال بیان کیا۔ اب مجھے افسوس ہے کہ کل حدیثیں ان کو کیوں نہیں سنا دیں۔[7]

یہ وہ اجلہ ائمہ محدثین ہیں جن کو درمیان سے نکال دیں یا ان کو دروغ گو کہدیں تو پھر صحاح ستہ ہی ختم ہو جائے۔ انھوں نے حضرت امام اعظم کے بارے میں کیا کیا کہا وہ سن چکے۔ انصاف ودیانت کا تقاضا یہ ہے کہ جب آپ ان سب کو ثقہ معتمد متدین ہی نہیں حدیث میں امام مانتے ہیں تو جس طرح روایت احادیث میں صدوق تسلیم کر چکے ان کو ان کے ان اقوال میں بھی صدوق تسلیم کرنا ہی پڑیگا

بشارت نبوی بخاری، مسلم، ترمذی، نسائی، امام احمد بن حنبل سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اور طبرانی معجم کبیر میں،

---

[1] تبییض الصحیفہ ص۱۸، [2] الخیرات الحسان [3] مناقب کردری، [4] کردری و تبییض الصحیفہ ص۲۳، [5] ایضا، [6] موفق کردری، [7] موفق کردری،

شیرازی القاب میں، قیس بن سعد بن عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے نیز طبرانی اسی معجم میں سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت سلمان کے اوپر اپنا دست مبارک رکھا اور فرمایا:۔

لوکان الایمان عند الثریا لنالہ رجال من ھٰؤلاء۔ بخاری کتاب التفسیر سورہ جمعہ۔ مسلم فضائل صحابہ ص۳۱۲، ترمذی کتاب التفسیر سورہ جمعہ ص۱۶۴، مناقب فضل العجم ص۲۳۲،

دوسرے طریقے سے یہ الفاظ ہیں۔

لوکان الدین عند الثریا لذھب بہ رجل من فارس او قال من ابناء فارس حتی یتنا ولہ۔

(مسلم فضائل صحابہ ص۳۱۲)

تیسرے طریقے سے یوں ہے۔ کہ رسول اللہ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت سلمان کی ران پر ہاتھ مارا اور فرمایا۔ یہ اور انکے اصحاب والذی نفسی بیدہ لوکان الایمان منوطا بالثریا لتنالہ رجال من فارس (ترمذی تفسیر سورہ محمد ص۱۵۸)

قیس بن سعد بن عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی حدیث الالقاب للشیرازی میں یوں ہے:۔

لوکان العلم معلقا بالثریا لتنالہ قوم من ابناء فارس۔

معجم کبیر طبرانی میں یہ الفاظ ہیں:۔

لوکان الایمان معلقا بالثریا لاتنالہ العرب لنالہ رجال فارس۔

اسی میں حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث ان الفاظ میں ہے:۔

لوکان الدین معلقا بالثریا لتنالہ ناس من ابناء فارس

ابو نعیم نے خود حضرت سلمان فارسی سے یہ حدیث یوں تخریج کی:۔

لوکان الدین عند الثریا۔ لذھب رجال من ابناء فارس۔ یتبعون سنتی ویکثرون الصلوٰۃ علیَّ۔

چار صحابہ کرام سے اس مضمون کی حدیث تھوڑے اختلاف کے ساتھ مروی کہ اگر ایمان، دین، علم ثریا کے پاس ہوتا تو بھی فارس کے مردوں میں سے کچھ مرد یا فارس کا ایک شخص اس کو حاصل کرلیتا۔

اجلہ محدثین نے اس کی تصریح کی ہے۔ کہ اس کے مصداق حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں تبییض الصحیفہ ص۳ میں علامہ جلال الدین سیوطی قدس سرہ لکھتے ہیں:۔

قد بشر صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بالامام ابی حنیفۃ فی الحدیث الذی اخرجہ ابو نعیم فی الحلیۃ عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالیٰ	رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے امام ابو حنیفہ کی اس حدیث میں بشارت دی ہے جسے ابو نعیم نے حلیہ میں ابو ہریرہ

عنہ (الی ان قال) نھذا اصل صحیح یعتمد علیہ فی البشارۃ والفضیلۃ۔

رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیاہے پھر اس حدیث کے مختلف حوالجات دے کے فرماتے ہیں۔ یہ اصل صحیح ہے جس پر بشارت اور فضیلت میں اعتماد کیا جاسکتاہے۔

علامہ سیوطی کے شاگرد سیرت شامی کے مصنف علامہ محمد بن یوسف شامی نے بھی اس کی تائید کی۔ ردالمحتار میں علامہ ابن عابدین شامی لکھتے ہیں:۔

فی حاشیۃ الشبراملسی علی المواھب عن العلامۃ الشامی تلمیذ السیوطی قال ما جزم بہ شیخنا من ان اباحنیفۃ ھو المراد من ھذا الحدیث ظاھر لاشک فیہ لانہ لم یبلغ من ابناء فارس فی العلم مبلغہ احد۔ ردالمحتار ص ۴۲ ج۱،

مواہب کے شبراملسی کے حاشیہ میں ہے کہ علامہ سیوطی کے شاگرد علامہ شامی نے کہا وہ جس پر ہمارے شیخ نے یقین کیاہے کہ ابوحنیفہ ہی اس حدیث سے مراد ہیں۔ بالکل ظاہر ہے اس میں کچھ شک نہیں۔ اس لئے کہ ابناء فارس میں سے کوئی بھی علم میں ان کے درجے تک نہیں پہنچا۔

علامہ ابن حجر مکی شافعی الخیرات الحسان میں اس کی تائید کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

فیہ معجزۃ ظاھرۃ للنبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حیث اخبر بما سیقع ص ۱۵،

یہ نبی صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ظاہر معجزہ ہے کہ آئندہ ہونے والی بات کی خبر دی۔

تصانیف امام اعظم

فقہ اکبر اہل سنت وجماعت کے عقائد پر مشتمل ایک رسالہ ہے۔ جو بہت متداول متعارف ہے۔ اس کی متعدد شرحیں بھی لکھی گئی ہیں۔ مگر ان تمام شرحوں میں سب سے زیادہ مقبول شرح حضرت ملا علی قاری کی ہے۔ جو بآسانی ہر جگہ ملتی ہے۔ حضرت مولانا بحرالعلوم فرنگی محلی کی بھی ایک فارسی شرح ہے۔ جو چھپ گئی ہے۔

العالم والمتعلم اس کی تفصیل نہیں معلوم ہوسکی اور نہ کہیں پتہ چلتاہے کہ کہیں موجود ہے۔ ان کے علاوہ مندرجہ ذیل کتابیں بھی ہیں۔

کتاب السیر۔ الکتاب الاوسط۔ الفقہ الابسط۔ کتاب الرد علی القدریہ۔ رسالۃ الامام ابی عثمان البتی فی الارجاء۔ کتاب الرائی۔ اسے ابن ابی العوام نے ذکر کیاہے۔ کتاب اختلاف الصحابہ۔ اسے ابو عاصم عامری اور مسعود بن شیبہ نے ذکر کیاہے۔ کتاب الجامع۔ اسے عباس بن مصعب نے تاریخ مرو میں ذکر کیاہے۔ مکتوب وصایا۔

مسانید حضرت امام اعظم کے مسانید کے متعدد نسخے تھے۔ ان سب کو ابوالمؤید محمد بن محمود خوارزمی متوفی ۶۶۵ھ نے یکجا جمع کر دیا ہے۔ مقدمے میں انھوں نے ان سب کو جمع کرنے کا سبب یہ لکھا ہے۔ کہ شام میں بعض جاہلوں نے یہ مشہور کر رکھا ہے کہ امام ابوحنیفہ کو حدیث میں زیادہ دخل نہیں۔ اسی وجہ سے حدیث میں ان کی کوئی تصنیف نہیں۔ اس پر مجھے غیرت آئی اور میں نے ان تمام مسانید کو جنھیں علماء نے امام ابوحنیفہ کی حدیثوں سے جمع کئے تھے اکٹھا کر دیا۔ ان کی تفصیل یہ ہے۔

(۱) مسند حافظ ابو محمد عبداللہ بن محمد بن یعقوب الحارثی البخاری المعروف بعبداللہ الاستاذ۔

(۲) مسند امام ابوالقاسم طلحہ بن محمد بن جعفر الشاہد۔

(۳) مسند حافظ ابوالحسن محمد بن المظفر بن موسیٰ بن عیسیٰ۔

(۴) مسند حافظ ابونعیم الاصبہانی۔

(۵) مسند شیخ ابوبکر محمد بن عبدالباقی محمد الانصاری۔

(۶) مسند امام ابواحمد عبداللہ بن عدی الجرجانی۔

(۷) مسند امام حافظ عمر بن حسن الاشنانی۔

(۸) مسند ابوبکر احمد بن محمد بن خالد الکلاعی۔

(۹) مسند امام ابویوسف قاضی القضاۃ۔

(۱۰) مسند امام محمد۔

(۱۱) مسند حماد بن امام ابوحنیفہ۔

(۱۲) آثار امام محمد۔

(۱۳) مسند امام ابوالقاسم عبداللہ بن ابی العوام العدی۔

امام خوارزمی نے جن مسانید کو شمار کرائے جن کو انھوں نے یکجا کیا ہے۔ ان کے علاوہ اور بھی مسانید ہیں۔ جیسے مسند حافظ ابو عبداللہ حسین بن محمد بن خسرو البلخی المتوفی ۵۲۳ھ مسند امام حصکفی جس کی حضرت ملا علی قاری نے شرح لکھی ہے۔ مسند ماوردی مسند ابن البزاری متوفی ۴۲۰ھ۔ ان دونوں کی بھی شرحیں لکھی گئی ہیں۔

ان مسانید کی اسناد امام خوارزمی نے اپنی جامع المسانید جن محدثین سے لی ہے۔ ان لوگوں تک اپنی سندیں بھی بیان کر دی ہیں۔ اور ان کے کوائف و مناقب بھی ذکر کئے ہیں۔ تانیب الخطیب میں کوثری صاحب نے حضرت امام اعظم کے مسانید کی تعداد اکیس بتائی ہے۔ جن کی سندیں متصل ہیں۔

شاہ ولی اللہ صاحب نے "انسان العین فی مشائخ الحرمین" میں اپنے دادا استاذ علامہ عیسی جعفری مغربی متوفی ۱۰۸۰ھ کے تذکرہ میں لکھا ہے کہ انھوں نے حضرت امام اعظم کی ایک ایسی مسند تالیف کی ہے جس میں انھوں نے اپنا سلسلہ سند سیدنا حضرت امام اعظم تک متصل تحریر کیا ہے۔

مشہور حافظ حدیث محمد بن یوسف صالحی شافعی، سیرت شامیہ کبری کے مصنف علامہ سیوطی کے تلمیذ نے "عقود الجمان فی مناقب النعمان" میں حضرت امام اعظم کی سترہ مسانید کا سلسلہ روایت بالاتصال مسانید کے جامعین تک بیان کیا ہے۔

علامہ عبدالوہاب شعرانی قدس سرہ کا بیان ہے کہ میں حضرت امام اعظم کی تین مسانید کے صحیح نسخوں کے مطالعے سے مشرف ہوا۔ جن پر حفاظ احادیث کے توثیقی دستخط تھے۔ جن کی سندیں بہت عالی اور ثقہ ہیں۔

کوثری صاحب نے تانیب الخطیب میں لکھا ہے۔ کہ حضرت امام اعظم کی مسانید کو محدثین سفر، حضر میں ساتھ رکھتے تھے۔ مسانید امام اعظم میں احکام کی احادیث کا بہت عمدہ ذخیرہ ہے۔ جن کے رواۃ ثقہ، فقہاء، محدثین ہیں۔

علامہ ذہبی نے مناقب الامام الاعظم میں کہا امام الاعظم سے محدثین اور فقہاء کی اتنی بڑی جماعت نے حدیث کی روایت کی ہے۔ جن کا شمار نہیں۔

علامہ مزنی نے تہذیب الکمال میں ایک سو کے لگ بھگ ایسے کبار محدثین کو شمار کیا ہے۔ جامع المسانید دیکھیں سیکڑوں محدثین کی امام صاحب سے روایات مذکور ہیں۔ جن میں اکثر وہ ائمہ حدیث ہیں جو ائمہ ستہ اور ان کے بعد کے دوسرے محدثین کے شیوخ واساتذہ بواسطہ یا بلاواسطہ ہیں۔

خصوصیت حضرت امام اعظم کے مسانید کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ ان میں وہ احادیث بھی ہیں جو حضرت امام نے براہِ راست صحابہ کرام سے سنی ہیں۔ اور ثلاثیات تو اکثر ہیں۔ جن میں حضرت امام اور حضور اقدس صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تک درمیان میں صرف تین راوی ہیں۔ اور یہ سب کو معلوم ہے کہ یہ زمانہ خیر القرون کا تھا۔ جن میں صدق وامانت، اور ثقہ ہونا اغلب تھا۔ اور یہ بھی سب کو معلوم ہے کہ علو سند کی اس فن میں کتنی اہمیت ہے۔ امام بخاری کے تذکروں میں یہ بات بھی لکھی ہے کہ انھوں نے امام شافعی سے روایت نہیں کی اس لئے کہ ان کو امام شافعی کے معاصر محدثین کی روایت مل گئی۔ اور یہ بات بدیہی ہے کہ وسائط جتنے زیادہ ہونگے خطرات اتنے ہی زیادہ ہوں گے۔ اور وسائط جتنے کم ہوں گے توہم یا کسی اور غلطی کے احتمالات کم سے کم ہوتے جائیں گے۔

جرح وتعدیل میں حذاقت کوئی کامل محدث اس وقت تک نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ جرح وتعدیل کی دقتوں میں کامل نظر نہ رکھتا ہو۔ اس خصوص میں حضرت امام اعظم کو امتیازی کمال حاصل تھا۔ مسلم الثبوت محدثین ان کی جرح بطور سند پیش کرتے ہیں امام ترمذی کی جلالت شان سے کون انکار کرسکتا ہے؟ انھوں نے اپنی جامع کتاب العلل میں امام اعظم کا قول، عطاء بن رباح کی تعدیل

اور جابر جعفی کی جرح میں تحریر کیا۔ مدخل لمعرفۃ دلائل النبوۃ بیہقی میں ہے۔ ابو سعد سفانی نے امام اعظم کے سامنے کھڑے ہوکر پوچھا کہ سفیان ثوری سے حدیث اخذ کرنے کے متعلق آپ کیا کہتے ہیں؟ فرمایا۔ وہ ثقہ ہیں ان کی احادیث لکھو۔ البتہ جو احادیث ابو اسحق عن الحارث کے یا جابر جعفی کے واسطے سے ہوں انھیں نہ لکھو۔ امام اعظم نے فرمایا طلق بن حبیب قدری ہے۔ عیاش بن ربیعہ ضعیف ہے۔ امام سفیان بن عیینہ کا بیان ہے میں جب کوفے پہنچا۔ تو امام ابوحنیفہ نے میرا تعارف کرایا اور توثیق کی۔ تو لوگوں نے میری احادیث سنیں۔

محدث جلیل حماد بن زید نے کہا کہ عمرو بن دینار کی کنیت ابو محمد ہے۔ یہ مجھے امام ابوحنیفہ ہی نے بتائی۔ ورنہ صرف نام معلوم تھا۔ فرمایا عمرو بن عبید پر اللہ لعنت کرے اس نے کلامی مباحث سے فتنوں کے دروازے کھول دیئے۔ فرمایا۔ جہم بن صفوان۔ مقاتل بن صفوان کو اللہ عزوجل ہلاک کرے۔ ایک نے نفی میں افراط کی دوسرے نے تشبیہ میں غلو کیا۔ فرمایا۔ کسی کو حدیث کی روایت اس وقت تک درست نہیں جب تک کہ سننے کے وقت سے روایت کے وقت تک اس کو یاد نہ ہو۔ امام اعظم سے دریافت کیا گیا کہ لفظ اخبرنا وغیرہ سے روایت کیسی ہے؟ فرمایا کوئی حرج نہیں۔ ابو قطن جیسے عظیم محدث نے امام صاحب کا یہ قول بطور سند پیش کیا کہ شیخ کو حدیث سنا کر بھی حدثنی کے لفظ سے روایت کرسکتے ہیں۔ امام صاحب نے فرمایا کہ یہ روایت میرے نزدیک ثابت نہیں کہ حضور اقدس صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے پائجامہ پہنا ہے۔

قلت روایت کا سبب میں نے اختصار کے پیش نظر حضرت امام اعظم کے عظیم، جلیل، کامل، اکمل، حاذق، ماہر محدث ہونے کے ثبوت میں چند اسلاف کے گراں قدر قابل اعتماد اقوال پیش کر دیئے۔ ہم نے اپنی طرف سے ان پر کوئی توضیح و تفصیل نہیں کی۔ اس سے ہر طالب انصاف فیصلہ کرلے گا۔ کہ حضرت امام اعظم کا حدیث میں بھی اتنا بلند درجہ ہے کہ بڑے بڑے وہاں تک رسائی نہیں حاصل کرسکے۔ اس سلسلے میں حضرت امام کے معاندین اپنے ثبوت میں جو بات پیش کرتے ہیں وہ یہ ہے کہ جب اتنے بڑے محدث تھے تو ان سے روایتیں کیوں کم آئی ہیں؟۔

علماء نے اس کے مختلف جوابات دیئے ہیں۔ بعض حضرات نے فرمایا۔ کہ چونکہ شرائط بہت سخت تھے۔ مثلاً ابھی مذکور ہوا کہ حضرت امام اعظم کے نزدیک صحت روایت کی شرط یہ ہے کہ سماع کے وقت سے روایت کے وقت تک راوی کو حدیث یاد ہو۔ دوسری شرط یہ تھی حضرت امام اعظم روایت بالمعنی کے قائل نہ تھے۔ روایت باللفظ ضروری جانتے تھے۔ اس لئے روایت کم فرمائی ہے۔

ہمیں یہ تسلیم ہے کہ جس شان کے محدث تھے اس کے لحاظ سے روایت کم ہے۔ مگر یہ ایسا الزام ہے کہ امام بخاری جیسے محدث پر بھی عائد ہے۔ انھیں چھ لاکھ احادیث یاد تھیں۔ جن میں ایک لاکھ صحیح یاد تھیں۔ مگر بخاری میں کتنی احادیث ہیں۔ وہ آپ معلوم کرچکے۔ غور کیجئے ایک لاکھ صحیح احادیث میں سے صرف ڈھائی ہزار سے کچھ زیادہ ہیں۔ کیا یہ تقلیل روایت نہیں ہے؟۔

پھر ان محدثین کی کوشش صرف احادیث جمع کرنا اور پھیلانا تھا۔ مگر حضرت امام اعظم کا منصب ان سب سے بہت بلند اور بہت اہم اور بہت مشکل تھا۔ وہ امت مسلمہ کی آسانی کے لئے قرآن وحدیث واقوال صحابہ سے منقح مسائلِ اعتقادیہ وعملیہ کا استنباط اور انکو جمع کرنا تھا۔ مسائل کا استنباط کتنا مشکل ہے۔ یہ آگے آرہا ہے۔ اس میں مصروفیت اور پھر عوام وخواص کو ان کے حوادث پر احکام بتانے کی مشغولیت نے اتنا موقع ہی نہ دیا کہ وہ اپنی شان کے لائق بکثرت روایت کرتے۔

یہ صحیح ہے کہ محدثین نے بھی اپنی تصانیف میں ابواب قائم کرکے مسائل کا استنباط کیا ہے بلکہ جیسا کہ میں پہلے عرض کر آیا ہوں بعض حضرات کا مقصود اصلی اپنے مستنبط کئے ہوئے مسائل ہی کو بیان کرنا ہے۔ اور جمع احادیث کی حیثیت ثانوی مقصد ہے۔ لیکن مجھے عرض کرنے دیجئے کہ یہ بھی فیض ہے حضرت امام اعظم کا جیسا کہ حضرت امام شافعی نے فرمایا۔

الناس عیال فی الفقہ علی ابی حنیفۃ من لم ینظر فی کتبہ لم یتبحر فی العلم ولا یتفقہ[1]	سب لوگ فقہ میں امام ابوحنیفہ کے عیال ہیں۔ جس نے امام ابوحنیفہ کی کتابوں کا مطالعہ نہیں کیا اسے علم میں تبحر نہیں حاصل ہوا اور نہ وہ فقیہ ہوا۔

الاہم فالاہم کی ترتیب ہر جگہ لازم ہے۔ حضرات خلفاء راشدین سے اور دیگر اجلہ صحابۂ کرام سے روایتیں کتنی کم ہیں۔ اسکا مطلب یہ تو نہیں کہ وہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے احوال وکوائف اور ارشادات کو کم جانتے تھے۔ امت کا اس پر اتفاق ہے کہ صحابہ میں سب سے اعلم خلفاء راشدین ہیں۔ مگر ترتیب فضیلت کے برعکس روایت کا درجہ ہے۔ یہ صرف وہی الاہم فالاہم میں مصروفیت کی وجہ سے ہے۔ یہی بات یہاں بھی ہے۔ کہ استخراجِ مسائل اس وقت کی سب سے اہم ضرورت تھی۔ اس میں مصروفیت کی وجہ سے اتنا موقع نہ ملا کہ اپنی شان کے مطابق احادیث کی روایت کرتے۔

فقہ کی حقیقت

ہمارا مقصد اس مقدمہ میں حضرت امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حالات بیان کرنے سے صرف فقہ حنفی کا تعارف ہے۔ اس لئے کہ شرح میں اس سے جگہ جگہ سابقہ پڑے گا۔ جزئیات کے ضمن میں فقہ حنفی کا مفصل تعارف موجود ہے۔ مگر اس پر سب کی اس حیثیت سے نظر نہیں جائے گی۔ اس لئے بقدر ضرورت یہاں اس کا ذکر ضروری ہے۔

فضیلت فقہ جہاد کی فضیلت اور اہمیت سے کسے انکار ہے۔ مگر قرآن کریم میں فرمایا گیا۔

[1] تبییض الصحیفہ ص۱۲ والیضانی الخیرات الحسان۔

وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُوْنَ لِيَنْفِرُوْا كَافَّةً فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَائِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوْا فِي الدِّيْنِ [1]

مسلمانوں کو یہ نہیں چاہئے کہ سب کے سب نکل پڑیں ایسا کیوں نہ ہوا کہ ہر گروہ میں ایک جماعت نکلے تاکہ دین کی سمجھ حاصل کرے۔

اور ارشاد ہوا۔

وَمَنْ يُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ أُوْتِيَ خَيْرًا كَثِيْرًا [2]

جس کو حکمت دی گئی اس کو بہت بھلائی دی گئی۔

مفسرین کا اتفاق ہے کہ حکمت سے مراد احکام ہیں۔

امام بخاری نے حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا۔

من یرد اللہ بہ خیرا یفقہہ فی الدین [3]

جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ خیر کا ارادہ فرماتا ہے اسے دین میں سمجھ عطا فرماتا ہے

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا۔

نضر اللہ عبدا سمع مقالتی فحفظھا ووعاھا واداھا فرب حامل فقہ غیر فقیہ ورب حامل فقہ الی من ھو افقہ منہ۔ رواہ احمد والترمذی وابو داؤد وابن ماجۃ والدارمی عن زید بن ثابت [4]

اس بندے کو اللہ عزوجل تروتازہ رکھے جس نے میرے ارشاد کو سنا پھر یاد کیا اور محفوظ رکھا اور دوسرے تک پہونچایا کتنے فقہ کے حامل نہیں کتنے فقہ کے حامل سے زیادہ فقیہ وہ ہے جسکو اس نے پہونچایا۔

حقیقت یہ ہے کہ کسی بات کو سنکر اسے کما حقہ یاد رکھنا کمال ضرور ہے مگر کما حقہ یاد رکھنے کے ساتھ ہی ساتھ اسے بخوبی سمجھ لینا اس سے کئی گنا زیادہ کمال ہے۔ یہی وہ حد فاصل ہے جو ایک فقیہ کو ایک محدث سے ممتاز کرتی ہے۔ محدث کا کام احادیث کو صحت کے ساتھ یاد رکھنا ہے۔ اور فقیہ کا کام اس کے ساتھ ساتھ اسے شارع کے منشاء کے مطابق سمجھنا ہے۔ پھر اس سے احکام کا استخراج ہے۔ ان دونوں باتوں کے لئے کتنی وسعت علم اور ذکاوت فطانت کی ضرورت ہے۔ یہ وہی جان سکتا ہے۔ جو فقہ سے آشنا ہو۔ اسی لئے علماء نے فرمایا۔ کہ محدث ہونا علم کی پہلی منزل ہے۔ اور فقیہ ہونا آخیر منزل۔ جس کی حرف بحرف تصدیق آگے آنے والی تفصیل سے ہر منصف کو ہو جائے گی۔

قرآن مجید عربی زبان میں ہے۔ صحابہ کرام عربی ہی تھے۔ ان کے سامنے قرآن نازل ہوتا تھا۔ شان نزول سے وہ واقف تھے۔ مگر صحابہ خود اس کے محتاج تھے۔ کہ معانی قرآن رسول اللہ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے سیکھیں۔ اسی لئے قرآن کریم میں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی صفت یہ بیان فرمائی۔

---

[1] سورہ یونس آیت (۱۲۲) [2] سورہ بقرہ آیت (۲۶۹) [3] بخاری شریف ج ۱ ص ۱۶ ، [4] مشکوٰۃ شریف ص ۳۵ ب۔

يَتْلُوا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ[1] یہ رسول ان پر اللہ کی آیتیں تلاوت کرتا ہے اور انھیں پاک کرتا ہے اور انھیں کتاب و حکمت سکھاتا ہے۔

اور فرمایا:۔

وَتِلْكَ الْاَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ وَمَا يَعْقِلُهَا اِلَّا الْعٰلِمُوْنَ[2] یہ مثالیں ہم لوگوں کے لئے بیان کرتے ہیں انھیں صرف علم والے ہی سمجھتے ہیں۔

حدیث گذری کہ بہت سے حاملِ فقہ، غیر فقیہ ہوتے ہیں۔ بعض فقیہ بعض سے اعلیٰ و برتر ہوتے ہیں۔ یہ سب اسی کی طرف رہنمائی ہے کہ محض حفظ انسانی کمال کی معراج نہیں۔ بلکہ یہ خشتِ اول ہے۔ معراج علم اس کا کما حقہ سمجھنا ہے۔ اور یہ کام صرف فقیہ کا ہے۔

ضرورت فقہ انسان کی معاشرت کی وسعت نے اتنی چیزوں کا انسان کو محتاج بنا دیا ہے کہ ایک انسان اگر لاکھ کوشش کرے کہ وہ دوسرے سے مستغنی ہو جائے تو محال ہے۔ مسلمان چونکہ عبادات کے علاوہ معاملات میں بھی شریعت کا پابند ہے اس لئے اسے عبادات کے علاوہ معاملات میں بھی قدم قدم لحظہ لحظہ احکام شریعت کی ضرورت ہے۔ آپ صرف عبادات ہی کو لے لیجئے اس کے فروع و جزئیات کتنے کثیر ہیں اب ہر انسان کو اس کا مکلف کرنا کہ وہ پورا قرآن مجید مع معانی و مطالب کے حفظ رکھے۔ اور تمام احادیث کو مع سند و حالہ و ما علیہ یاد رکھے۔ تکلیف مالا یطاق ہے۔ اس لئے ضروری ہوا کہ انسان میں تقسیم کار ہو۔ اس کے نتیجے میں ضروری ہے کہ ایک طبقہ علم دین کی تحصیل اور پھر اس کی نشر و اشاعت میں مصروف ہو۔ جس کا صریح حکم سورہ یونس کی مذکورہ بالا آیت میں موجود ہے۔ کہ فرمایا:۔

ہر گروہ سے ایک جماعت فقہ حاصل کرے۔

رہ گئے عوام تو انھیں یہ حکم ہے:۔

فَاسْئَلُوْا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ[3] علم والوں سے پوچھو اگر تمھیں علم نہیں۔

عوام کو اس کا مکلف کیا گیا کہ وہ اللہ عزوجل اور رسول کے بعد علماء کی اطاعت کریں۔ ارشاد ہے:۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ[4] اے ایمان والو! اللہ کا حکم مانو اور رسول کا اور تم میں جو حکم والے ہیں ان کا حکم مانو۔

اب ایک منزل یہ آتی ہے کہ کوئی شخص ایک مسئلہ پوچھنے آیا۔ تو کیا یہ ضروری ہے کہ اسے قرآن کی وہ آیت پڑھ کے سنائی جائے یا وہ حدیث مع سند کے بیان کی جائے جس سے یہ حکم نکلتا ہے۔ اور استخراج کی وجہ بھی بیان کی جائے۔ اور اگر یہ ضروری قرار دیں تو

[1] سورہ نساء آیت (۱۶۴) [2] سورہ عنکبوت آیت (۴۳) [3] سورہ نحل آیت (۴۳) [4] سورہ نساء (۵۹)

اس میں کتنی دقت اور دشواری اور حرج ہے ۔ وہ ظاہر ہے ۔ علاوہ ازیں جن جزئیات میں کوئی آیت یا حدیث نہیں ان جزئیات کے بارے میں کیا کیا جائے ۔ جہاں تک میری معلومات کا تعلق ہے امت کا اس پر عملی طور پر اجماع ہے کہ عوام کو اتنا بتا دینا کافی ہے کہ اس صورت کا یہ حکم ہے ۔

اس لئے ضروری ہوا کہ امت کے جن علماء کو اللہ عزوجل نے یہ صلاحیت واستعداد دی ہے کہ وہ قرآن واحادیث کے حفظ و ضبط کے ساتھ ساتھ ان کے معانی ومطالب سے کما حقہ واقف ہیں ۔ اور ان کے ناسخ ومنسوخ کو جانتے ہیں ۔ جن میں اجتہاد واستنباط کی پوری قوت ہے ۔ وہ خداداد قوت اجتہاد سے احکام شرعیہ کا ایسا مجموعہ تیار کر دیں جن میں منقح احکام مذکور ہوں ۔

اس ضرورت کو سب سے پہلے حضرت امام الائمہ ، سراج الامۃ ، امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے محسوس کیا ۔ اور آپ نے اپنی خداداد پوری صلاحیت کو قرآن واحادیث واقوال صحابہ سے مسائل کے استخراج واستنباط میں صرف فرما دیا جسکے احسان سے امت مرحومہ عہدہ برآ نہیں ہو سکتی ۔ خصوصاً جب کہ دور وہ شروع ہو چکا تھا ۔ کہ سیکڑوں نت نئے فتنے اٹھ رہے تھے ۔ بدمذہب اسلام دشمن عناصر مسلمانوں میں گھل مل کر ہزار ہا ہزار احادیث گڑھ کر پھیلا چکے تھے ۔ اگر فقہ مرتب نہ ہوتی تو امت کا کیا حال ہوتا وہ کسی عاقل سے پوشیدہ نہیں ۔

بنیاد ہم پہلے خود حضرت امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول ذکر کر آئے ہیں ۔ کہ جب کوفے کے علماء حضرت امام جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو لے کر امام صاحب کی خدمت میں گئے اور ان سے کہا کہ آپ بہت زیادہ قیاس کرتے ہیں تو فرمایا ۔

انی اقدم العمل بالکتاب ثم بالسنۃ ثم باقضیۃ الصحابۃ مقدما ما اتفقوا علی ما اختلفوا وحینئذ اقیس [1]

میں کتاب اللہ پر عمل سب سے مقدم رکھتا ہوں اس کے بعد احادیث پر پھر صحابۂ کرام کے متفقہ فیصلے پر اس کے بعد ان کے ان اقوال پر جو مختلف فیہ ہوں (اور ان میں جو قوی ہوں) پھر قیاس کرتا ہوں :

علامہ عینی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں :

ان ابا حنیفۃ قال لا اتبع الرائ والقیاس الا اذا لم اظفر بشئ من الکتاب او السنۃ او الصحابۃ رضی اللہ عنھم [2]

یعنی امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں رائے اور قیاس کی پیروی نہیں کرتا مگر اس وقت جب کہ حدیث یا صحابہ رضی اللہ عنہم سے کچھ نہ ملے ۔

[1] میزان الشریعۃ الکبریٰ اور شیخ ابن حجر مکی نے بھی اس عبارت سے ملتی جلتی عبارت خیرات الحسان ص ۲۹ میں تحریر فرمائی ہے من شاء فلیرجع الیہ [2] عمدۃ القاری فی شرح بخاری ج ۴ ص ۱۲ ۔

فقہ حنفی اس اجمال کی پوری تفصیل ہے۔ عمل بالحدیث کا یہ حال ہے کہ حضرت امام نے اپنا یہ بنیادی دستور بنالیا تھا۔

اذا صح الحدیث فھو مذھبی۔ ہر حدیث صحیح میرا مذہب ہے۔

ابو حمزہ سکری جو مسلم الثبوت محدث ہیں بیان کرتے ہیں کہ میں نے امام ابوحنیفہ کو یہ فرماتے ہوئے سنا۔ کہ مجھے جب کوئی صحیح حدیث مل جاتی ہے تو اسی کو لیتا ہوں۔ اور جب صحابہ کے اقوال مل جاتے ہیں تو ان میں سے کسی ایک کو لیتا ہوں۔ البتہ تابعین کا جب کوئی قول ملتا ہے اور وہ میرے فیصلے کے خلاف ہوتا ہے تو میں اس کی مخالفت کرتا ہوں۔

نیز انھیں سے منقول ہے۔ کہ میں نے صحابہ کرام کے بارے میں امام ابوحنیفہ سے زیادہ بہتر اور انسب طریقے پر کلام کرنے والا نہیں دیکھا۔ وہ ہر ایک صاحب کمال کے حق کو پورا پورا ادا کرتے تھے۔

اس سے بھی بڑی بات یہ ہے کہ وفات کے وقت انھوں نے کسی صاحب فضیلت کی تنقیص یا برائی نہیں کی۔ امام بخاری کے سلسلہ اساتذہ کے مسلم الثبوت محدث بلکہ امیر المومنین فی الحدیث حضرت عبداللہ بن مبارک فرمایا کرتے۔ امام ابوحنیفہ کے ارشاد کو رائے مت کہو۔ حدیث کی تفسیر کہو۔ (مناقب موفق کردری)

اس سلسلے میں یہ واقعہ گوش گزار کرنا ضروری ہے۔ کہ امام ابو یوسف، قاضی القضاۃ، جنھیں امام بخاری کے استاذ حضرت یحیی بن معین نے صاحب الحدیث مانا۔ علامہ ذہبی نے حفاظ حدیث میں شمار کیا۔ فرماتے ہیں کہ ہم لوگ حضرت امام ابوحنیفہ سے مسائل پر بحث کرلیتے، اور جب کوئی منقح فیصلہ ہوجاتا تو میں وہاں سے اٹھ کر، کوفے کے محدثین کے پاس جاتا ان سے اس مسئلے کے متعلق احادیث پوچھتا پھر امام اعظم کی خدمت میں واپس آکر ان احادیث کو سناتا۔ حضرت امام ان سے کچھ حدیثوں کو قبول فرماتے۔ اور کچھ کے بارے میں فرماتے یہ صحیح نہیں۔ میں حیرت سے پوچھتا کہ آپ کو کیسے معلوم ہوا تو فرماتے۔

کوفے میں جو علم ہے اس کا میں عالم ہوں [1]

اس سے جہاں یہ ثابت ہوتا ہے کہ حضرت امام اعظم اتنے بڑے محدث تھے کہ اس وقت کوفے جیسے علم حدیث کے مرکز میں ان کے برابر کوئی نہیں تھا۔ وہیں یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ امام اعظم کسی مسئلے پر اسی وقت کوئی اخیر رائے قائم کرتے تھے جب کہ اس پر ان کے تلامذہ جی کھول کر مکمل بحث کرلیں۔ جس کو اس مسئلہ کے متعلق جو کچھ کہنا ہوتا کہہ لیتا پھر فیصلہ ہوتا۔ اور سب سے بڑی بات یہ ثابت ہوئی کہ حضرت امام اعظم جو فیصلہ فرماتے وہ قیاس سے نہیں ہوتا تھا۔ بلکہ احادیث صحیحہ کی روشنی میں احادیث صحیحہ کے مطابق ہوتا۔

چونکہ فقہ کی بنیاد کتاب اللہ پر ہے اس کے بعد احادیث پر۔ نیز نظم قرآن اور الفاظ احادیث کے معنی پر دلالت کبھی صریح ہوتی ہے

---

[1] عقود الجمان فی مناقب النعمان۔

کبھی خفی۔ اور کبھی خفی تر۔ نیز صریح دلالت کے بھی مختلف مدارج ہیں۔ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ مقصود اسی معنی کا بیان ہوتا ہے۔ کبھی وہ معنی صریح مقصود بیان نہیں۔ مگر ہوتا صریح ہے۔ جیسے ارشاد ہے۔

لِلْفُقَرَاءِ الْمُهَاجِرِينَ الَّذِينَ أُخْرِجُوا مِنْ دِيَارِهِمْ وَأَمْوَالِهِمْ[1] مال غنیمت ان محتاج مہاجرین کے لئے ہے جو اپنے گھروں اور مالوں سے نکالے گئے۔

اس آیت میں دو باتیں صریح ہیں ایک یہ کہ، فقرا مہاجرین، مال غنیمت کے مستحق ہیں۔ دوسرے یہ کہ اس کے باوجود کہ مکے میں ان کے گھربار، مال تھے۔ پھر بھی فقیر ہیں۔

اس آیت سے مقصود بیان مال غنیمت کا استحقاق ہے۔ اور فقیر ہونا بھی صریح مذکور ہے۔ مگر یہ مقصود بیان نہیں۔ نیز اسی آیت سے ثابت ہوا کہ اگر کفار مسلمانوں کے مال پر قبضہ کر کے اس کو دار الحرب میں محفوظ کر لیں۔ تو وہ کفار کی ملک ہو جاتا ہے۔ یہ دلالت خفی ہے۔

ظاہر ہے جو بات قرآن و حدیث سے صریح طور پر ثابت ہو اس کی حیثیت اور ہوگی۔ اور جو خفی طور پر ثابت ہوگی اسکی حیثیت اور ہوگی۔ یہیں دیکھ لیجئے اس آیت سے ثابت کہ مہاجرین مال غنیمت کے مستحق ہیں۔ یہ ہر شبہے سے بالاتر ہے۔ لیکن اسی سے یہ بھی ثابت ہے کہ استیلاء کفار سبب ملک ہے۔ اس میں وہ قوت نہیں جو پہلے میں ہے۔ اس کو آپ دوسری مثال سے سمجھیں۔ قرآن مجید میں ہے کہ طلاق کی عدت تین قروء ہے۔ قروء کے معنی حیض کے بھی ہیں اور طہر کے بھی۔ احناف کہتے ہیں کہ یہاں حیض کے معنی میں ہے اس لئے عدت کا شمار حیض سے ہوگا۔ شوافع کہتے ہیں کہ یہاں طہر مراد ہے۔ عدت کا شمار طہر سے ہوگا۔ قرآن مجید دونوں کا مستدل ہے۔ کیا کوئی بھی کہہ سکتا ہے کہ جیسے آیت اول سے مہاجرین کے مال غنیمت کے استحقاق کا ثبوت ہے اسی طریقے سے عدت طلاق کا حیض یا طہر ہونا بھی ثابت ہے؟۔ احادیث کی ان سب احتمالات کے ساتھ ساتھ، رواۃ کی قلت و کثرت کے اعتبار سے تین قسمیں ہیں۔ متواتر، مشہور، خبر واحد۔ اب یہ بالکل بدیہی ہے کہ قرآن مجید کی ایک ایک آیت کا ثبوت ایسا یقینی و قطعی ہے کہ اس میں کسی شبہے کی گنجائش نہیں۔ اور یہی حال حدیث متواتر کا ہے۔ حدیث مشہور کا ثبوت بھی یقینی ہے مگر متواتر کی طرح نہیں۔ اور خبر واحد میں یہ یقین اور کم درجہ کا ہو جاتا ہے۔ اس لئے کہ راوی لاکھ قوی الحافظہ سہی۔ لاکھ متدین سہی، لاکھ محتاط اور متیقظ سہی۔ مگر ہے تو انسان ہی۔ بہر حال اس سے سہو۔ نسیان، خطا، بھول چوک مستبعد نہیں۔ اس لئے جو درجہ دو اور دو سے زائد راویوں کا ہے وہ تنہا ایک کا نہیں ہو سکتا۔ اور یہ تعداد جتنی بڑھتی جائے گی قوت بڑھتی جائے گی۔ اور تعداد گھٹنے میں قوت گھٹتی جائے گی۔ اگرچہ راوی قوی الحافظہ، صدوق، ثقہ، تام الضبط، وغیرہ جامع شرائط ہو۔ اب چونکہ

---

[1] سورہ حشر آیت (۸)

فقہ کی بنیاد جن پر تھی وہ سب ایک درجے کے نہیں۔ اس لئے ضروری ہوا کہ ان سے ثابت ہونے والے امور بھی ایک درجے کے نہ ہوں۔ بلکہ ان میں بھی مختلف مدارج ہوں۔ اس لئے احناف کے یہاں احکام کی ابتدائی تین قسمیں ہوئیں۔ مامور بہ۔ منہی عنہ۔ مباح۔ پھر مامور بہ کی سات قسمیں ہیں۔ فرض اعتقادی، فرض عملی، واجب اعتقادی، واجب عملی، سنت موکدہ، سنت غیر موکدہ، مستحب۔

منہی عنہ کی بھی پانچ قسمیں ہیں۔ حرام قطعی، مکروہ تحریمی، اساءت، مکروہ تنزیہی، خلاف اولیٰ۔

یہ سب صرف اس لئے ہوا کہ قرآن کی عظمت اور قطعیت اپنی جگہ رہے اور احادیث کی عظمت اپنی جگہ۔ اور ثابت ہونے والے امور کی ان کے ثبوت کی نوعیت کے اعتبار سے حیثیت اپنی جگہ رہے۔

احکام کے ان فرق مراتب کے موجد حضرت امام اعظم ہیں۔ فرق مراتب کو سبھی مجتہدین نے قبول کیا ہے۔ اس تقسیم سے بہت سے وہ خلجان جو قرآن واحادیث میں بظاہر نظر آتے ہیں۔ خود بخود ختم ہو جاتے ہیں۔ مثلاً قرآن مجید میں نماز کے سلسلے میں صرف قیام، قراءت، رکوع، سجود کا حکم ہے۔ احادیث میں ان کی تفصیل ہے۔ مثلاً قیام میں قراءت ہو۔ اور قراءت میں سورہ فاتحہ ہو۔ رکوع، سجود میں تسبیح پڑھی جائے۔ فقہا نے جتنی باتیں قرآن مجید یا احادیث متواترہ سے ثابت ہوئی ان کو فرض قرار دیا۔ بقیہ باتوں کو احادیث کی نوعیت کے لحاظ سے واجب، سنت، مستحب قرار دیا۔ اس کو آپ ایک جزئی مثال سے ذہن نشیں کیجئے۔ قرآن مجید میں ہے:۔

فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْآنِ [1] جتنا تم پر آسان ہو قرآن پڑھو۔

اس آیت کا عموم اس کا مقتضی ہے کہ نمازی قرآن کی جو بھی سورہ، آیت پڑھ لے نماز ہو جائے گی مگر احادیث میں ہے کہ لاصلوٰۃ الا بفاتحۃ الکتاب اور کثیر احادیث سے ثابت کہ حضور اقدس صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سورہ فاتحہ کے بعد اور بھی قرآن مجید کچھ نہ کچھ پڑھا کرتے تھے۔ جو باعتبار معنی حد شہرت تک پہنچی ہیں۔ ان احادیث کا مفاد یہ ہوا کہ بغیر سورۂ فاتحہ اور ضم سورت کے نماز نہیں ہوگی فقہاء نے فرق مراتب سے فائدہ اٹھا کر اس تعارض کو دور فرمایا۔ کہ مطلق قراءت فرض۔ اور خاص سورۂ فاتحہ پڑھنا اور ضم سورت واجب۔ اگر معاذ اللہ احناف احادیث کو قابل عمل نہ جانتے تو بہت آسانی کے ساتھ کہہ سکتے تھے کہ چونکہ یہ احادیث قرآن کے معارض ہے لہذا متروک العمل ہے۔

اس لئے احناف کے اصول فقہ کا مسلمہ کلیہ مشہور ہے۔ کہ جب قرآن و حدیث میں تعارض ہو تو پہلے تطبیق کی کوشش کی جائے۔ تطبیق ہو جائے فبہا ورنہ بدرجۂ مجبوری کتاب اللہ کے مقابلے میں خبر آحاد ضرور متروک ہوں گی۔ کیا کوئی اسے عمل بالحدیث کا ترک کہہ سکتا ہے۔ لیکن عناد کا کوئی علاج نہیں۔ ورنہ بات ظاہر ہے کہ جب قرآن مجید کے قطعی الدلالت معنی کے معارض کوئی روایت ہے تو

---

[1] سورہ مزمل آیت (۲۰)

وہ حدیث ہی نہیں۔ اگرچہ وہ سب طرح سے درست ہو۔ یہ قاعدہ بھی احناف کا تراشیدہ نہیں۔ صحابہ کرام سے منقول ہے۔

حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی خدمت میں کسی نے کہا کہ ابن عمر کہتے ہیں کہ:۔

ان المیت یعذب ببکاء الحی [1] زندہ کے رونے سے میت پر عذاب ہوتا ہے۔

ام المومنین نے فرمایا اللہ عزوجل ابو عبدالرحمن پر رحم فرمائے۔ یہ یقین ہے کہ وہ جھوٹ نہیں بولے مگر بھول گئے یا چوک گئے۔ قصہ یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سامنے ایک یہودی عورت کا جنازہ گزرا اس پر لوگ رو رہے تھے۔ فرمایا۔ یہ لوگ اس پر رو رہے ہیں حالانکہ اس پر قبر میں عذاب ہو رہا ہے۔ حضرت ام المومنین کی یہ تنقید اس حدیث کے قرآن کی اس آیت کے معارض ہونے کی وجہ سے تھی کہ فرمایا:۔

لَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰی [2] کوئی دوسرے کا وبال نہیں اٹھائے گا۔

قرآن و احادیث دونوں پر احناف کبھی کبھی ایسے اہم نازک موقعوں پر عمل کر لیتے ہیں کہ ہر منصف، دیانتدار، ذی فہم داد دیئے بغیر نہیں رہ سکے گا۔ اس کی مثال قرات خلف امام ہے۔ جس کی قدرے تفصیل یہ ہے۔

احناف کا مسلک یہ ہے کہ جب جماعت سے نماز پڑھی جائے تو مقتدی قرات نہیں کرے گا۔ خاموش رہے گا۔ خواہ نماز سری ہو یا جہری۔

غیر مقلدین یہ کہتے ہیں کہ مقتدی سورہ فاتحہ ضرور پڑھے گا۔ ان کی دلیل یہ حدیث ہے لاصلوٰۃ الا بفاتحۃ الکتاب۔ او کما قال۔

احناف کی دلیل قرآن مجید کا یہ ارشاد ہے:۔

وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ [3] اور جب قرآن پڑھا جائے تو اسے کان لگا کر سنو۔ اور خاموش رہو تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔

یہ آیت نماز ہی میں قرآن مجید پڑھنے کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ اس لئے یہ اپنے مورد کے اعتبار سے نماز میں قرآن پڑھے جانے کے بارے میں اور قطعی ہو جاتی ہے۔ اور اگر نماز کے بارے میں نہ بھی ہوتی جیسا کہ معاندین احناف کی ضد ہے تو بھی اذا قرئ القرآن کا عموم نماز میں قرآن پڑھے جانے کو بھی بلاشبہہ شامل۔ اس لئے نماز میں قرآن مجید پڑھے جانے کے وقت استماع اور سکوت بنص قرآنی ثابت۔ اور حکم صرف بغور سننے کا نہیں بلکہ خاموش رہنے کا بھی ہے۔ حالانکہ بغور سننے کے لئے خاموش رہنا لازم ہے۔ جو خاموش

---

[1] مشکوٰۃ ص ۱۵۱ پر پوری حدیث مذکور ہے، [2] سورہ النجم آیت ۳۸ [3] س اعراف (۲۰۴)

نہ رہے خود بولے جائے وہ کیا سنے گا۔ بغور سننے کے بعد خاموش رہنے کو علاحدہ ذکر کرنے کا سبب یہ ہے کہ کچھ نمازوں میں قرآن مجید بلند آواز سے پڑھا جاتا ہے۔ اور کچھ میں آہستہ۔ جن میں بلند آواز سے پڑھا جاتا ہے۔ ان میں بغور سننے کے ساتھ خاموش رہنا پایا جائے گا۔ جن نمازوں میں آہستہ پڑھا جاتا ہے ان میں چونکہ سنائی نہیں دیتا تو بغور سننا تو نہ ہوگا مگر چپ رہنا ضروری ہوا۔ اس لئے نماز خواہ سری ہو خواہ جہری امام جب قرات کرے تو مقتدی پر چپ رہنا بہر حال ضروری ہے۔ کچھ پڑھنے کی اجازت نہیں۔

اس پر ایک اعتراض امام بخاری نے جزاالقراۃ میں یہ کیا کہ یہ آیت خطبے کے وقت نماز پڑھنے کے بارے میں نازل ہوئی یعنی جب خطبہ ہورہا ہو اور کوئی آئے تو دو رکعت نماز پڑھے۔ اس نماز میں یہ قرآن پڑھ رہا ہے۔ اور حاضرین خاموش ہیں۔ مگر اس وہ کوئی سند نہیں پیش کرسکے ان کے برخلاف امام بخاری کے استاذ امام احمد نے فرمایا۔ کہ اس پر اجماع ہے کہ یہ آیت مطلقا نماز میں قرات کے بارے میں نازل ہوئی۔ اسی بنا پر وہ جہری نمازوں میں مقتدی کو قرات کی اجازت نہیں دیتے۔ اس سے قطع نظر نص جب عام ہو تو حکم مورد کیساتھ خاص نہیں رہتا۔ عام ہی رہتا ہے۔ جب آیت کا صریح مفہوم یہ ہے کہ جب کوئی قرآن پڑھے تو تم لوگ بغور سنو اور خاموش رہو۔ قرات اور خاموش رہنے کی تاویل تو امام بخاری نے کرلی۔ کہ آنے والا قرات کررہا ہے لوگ چپ ہیں۔ اگرچہ یہاں حاضرین کا چپ رہنا اس کی قرات کی وجہ سے نہیں بلکہ خطبہ کی وجہ سے ہے۔ مگر بغور سننے کا یہاں کیا محل ؟۔ اسے امام بخاری نے نہیں بتایا۔ یہ اشکال لاینحل ہے۔ لہذا اگر اس آیت کو خطبے کی حالت کے ساتھ خاص کریں تو لازم آئے گا کہ "فاستمعوا لہ" کا ارشاد حشو اور بے معنی ہو جائے۔

دوسرا اعتراض امام بخاری نے یہ کیا ہے کہ احناف خود اسے عام نہیں مانتے۔ سنت فجر میں کہتے ہیں کہ اگر جماعت ہورہی ہو اور کوئی آئے اور اسے یقین ہو کہ سنت فجر پڑھ کر شریک جماعت ہوسکتا ہے تو پہلے سنت فجر پڑھے۔ امام بخاری تو معذور تھے انھیں احناف کے مذہب سے پوری واقفیت نہیں تھی۔ مگر حیرت امام بخاری کے ان مقلدین معاندین پر ہے جنھیں بار بار بتایا جاچکا پھر بھی اسی راگ کو الاپتے رہتے ہیں۔ احناف نے یہ تصریح کی ہے کہ ایسی حالت میں سنت فجر پڑھے مگر جہاں جماعت ہورہی ہو وہاں سے ہٹ کر پڑھے مثلاً اگر جماعت اندر ہورہی ہے تو باہر پڑھے تاکہ مکان بدل جائے۔ اور یہ حکم اسی بنیاد پر ہے کہ آیت کریمہ کا حکم عام ہے۔ غرضکہ احناف قرآن کو احادیث آحاد پر بہر حال مقدم رکھتے ہیں۔ یہ اختیار اپنی سرشت کے مطابق ہر شخص کو ہے کہ اسے جو چاہے نام دے۔

ویسے قرات خلف امام کے سلسلے میں احناف کے پاس احادیث بھی ہیں۔ جو اپنے موقع پر مذکور ہوں گی یہاں صرف ایک حدیث ذکر کرتا ہوں۔ مؤطا امام محمد میں بسند صحیح متصل غیر مقدوح غیر معلل یہ حدیث حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضور اقدس صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

من صلی خلف الامام فان قراۃ الامام لہ قراۃ لہ [1] ۔۔۔ جو کسی امام کے پیچھے نماز پڑھے تو امام کی قرات اس کی قرات ہے۔

[1] موطا امام محمد ص ۹۸،

واضح ہو کہ اس حدیث کے تمام رواۃ صحاح ستہ کے ہیں۔ اس حدیث کی روشنی میں معاندین کی پیش کردہ حدیث اور قرآن کی آیت میں تعارض بھی نہ رہا۔ اس حدیث نے بتادیا کہ قراءت دو ہے حقیقی اور حکمی۔ جب مقتدی امام کے پیچھے ہے تو اس نے بھی حکماً سورہ فاتحہ پڑھ لی۔ تو حدیث لاصلوٰۃ الابفاتحۃ الکتاب پر بھی عمل ہو گیا۔ اس سلسلے میں حضرت امام اعظم کا ایک بہت مشہور مناظرہ ہے کچھ لوگ حضرت امام اعظم کی خدمت میں آئے کہ ہم آپ سے قراءت خلف امام پر مناظرہ کریں گے۔ امام نے فرمایا۔ کہ تم لوگ کئی ایک ہو میں اکیلا میں ہر ایک سے کیسے گفتگو کروں گا۔ تم لوگ کسی کو بات کرنے کے لئے چن لو کہ اس کی کہی ہوئی بات تم سب کی ہو۔ اس کا اقرار سب کا اقرار، اس کا انکار سب کا انکار ہو۔ ان لوگوں نے حضرت امام کی اس تجویز کو مان لیا اور ایک شخص کو منتخب کر لیا کہ یہ بات کرے گا۔ اس پر حضرت امام نے فرمایا یہی تو میں بھی کہتا ہوں کہ جب مقتدی نے ایک کو امام مان لیا تو اس کی قراءت مقتدی کی بھی قراءت ہے۔ اس پر وہ لوگ خاموش ہو گئے۔

اس پر ایک معاند بہت خفا ہیں کہ حدیث کے مقابلے میں قیاس سے کام لیا۔ لیکن افسوس کہ یہ صاحب زندہ نہیں رہے۔ ورنہ ہم ان سے کہتے کہ یہ قیاس عقلی نہیں قیاس حدیثی ہے جس کے آپ بھی قائل ہیں اور امام بخاری کو اس میں دنیا کا سب سے بڑا امام مانتے ہیں۔ حضرت امام اعظم نے مذکورہ بالا حدیث کی شرح کی ہے۔ جو فرمایا۔ کہ امام کی قراءت مقتدی کی قراءت ہے۔ افسوس کہ احناف کی مخالفت میں عمل بالحدیث کا دعویٰ اور ایسے گونگے اندھے کہ صحیح حدیث بھی نظر نہیں آئی۔ اور اگر نظر آئی تو اسے کچھ بھی نہیں سکتے

عمل بالحدیث احناف عمل بالحدیث میں اتنے آگے ہیں کہ دنیا کا کوئی طبقہ اس میں ان کی ہمسری نہیں کر سکتا۔ علامہ خوارزمی نے معاندین کا جواب دیتے ہوئے، جامع المسانید کے مقدمے میں لکھا ہے:۔ امام اعظم کو حدیث کے مقابلے میں قیاس پر عمل کرنے کا طعن وہی دے گا جو فقہ حنفی سے جاہل ہو گا۔ جسے فقہ حنفی سے کچھ بھی واقفیت ہو گی اور وہ منصف ہو گا تو اس کو یہ اعتراف کرنا ہی پڑیگا کہ امام اعظم سب سے زیادہ حدیث کے عالم اور حدیث کی اتباع کرنے والے تھے۔ اس کے دلائل یہ ہیں۔

(۱) امام اعظم حدیث مرسل کو حجت مانتے ہیں۔ اور اسے قیاس پر مقدم جانتے ہیں۔ جب کہ امام شافعی کا عمل اس کے برعکس ہے۔ کہ وہ حدیث مرسل کے بالمقابل قیاس کو ترجیح دیتے ہیں۔

(۲) قیاس کی چار قسمیں ہیں۔ قیاس موثر۔ قیاس مناسب، قیاس شبہہ، قیاس طرد۔ امام اعظم اور ان کے اصحاب کا اس پر اتفاق ہے کہ قیاس مناسب اور قیاس شبہہ بالکل بے اعتبار ہیں۔ رہ گیا قیاس طرد تو یہ بھی مختلف فیہ ہے البتہ قیاس موثر کو حجت مانتے ہیں۔ مگر امام شافعی قیاس کی ان چار قسموں کو حجت مانتے ہیں۔ اور قیاس شبہہ کا تو ان کے یہاں عام استعمال ہے۔

(۳) امام اعظم کے احادیث پر عمل کا یہ حال ہے کہ ضعیف احادیث پر بھی قیاس کے مقابلے میں عمل فرماتے ہیں۔ جیسے نماز میں قہقہہ سے وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ یہ بالکل خلاف قیاس بات ہے۔ مگر ایک حدیث ضعیف میں آیا ہے۔ لہٰذا امام اعظم نماز میں قہقہہ کو

ناقض وضو مانتے ہیں۔

یہ وہ نظائر ہیں جو امام خوارزمی نے پیش کئے۔ اس قسم کے نظائر اتنے زیادہ ہیں کہ اگر ان سب کا استقصاء کیا جائے تو دفتر تیار ہو جائے۔ اس کی دوسری نظیر یہ ہے۔ غیر مقلدین منی کو پاک کہتے ہیں۔ احناف کے نزدیک یہ ناپاک ہے۔ غیر مقلدین کا استدلال قیاس ہے کہ اصل اشیاء میں طہارت ہے۔ منی کو ناپاک ہونے کی کوئی دلیل نہیں اس لئے وہ پاک ہے۔ رہ گئی ام المومنین کی وہ حدیث جو بخاری اور مسلم نے روایت کی ہے وہ فرماتی ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے کپڑے سے منی دھوتی تھی دھونے کا نشان ہوتا اور حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اسی کپڑے کو پہنے نماز کو جاتے تھے۔ اس کے بالمعارض مسلم کی دوسری حدیث ہے کہ وہ فرماتی ہیں کہ میں رسول اللہ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے کپڑے سے منی مل دیتی اور حضور اسی کپڑے میں نماز پڑھتے تھے۔

غیر مقلدین کہتے ہیں کہ اولاً یہ ثابت نہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے انھیں دھونے کا حکم دیا ہو۔ یہ ام المومنین کا اپنا فعل ہے۔ ثانیاً دیا بھی ہو تو یہ تھوک اور کھنکار کی طرح گھناؤنی چیز ہے۔ اس لئے دھونے کا حکم دیا۔ ثالثاً اگر یہ ناپاک ہوتی تو مل دینے سے کیسے پاک ہوتی۔ کپڑے پر لگنے والی کوئی نجاست محض مل دینے سے پاک نہیں ہوتی۔

ہر منصف دیکھے کہ حدیث صحیح کو غیر مقلدین قیاس سے رد کر رہے ہیں۔ اور احناف حدیث پر عمل کرتے ہیں جیسا کہ وارد ہے اسی کے مطابق عمل کرتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ دوسری نجاستوں کے مقابلے میں منی کی یہ خصوصیت ہے کہ جب سوکھ جائے تو ملنے سے پاک ہو جاتی ہے۔ جیسا کہ اس حدیث میں ہے۔ نجاست سے پاکی کیسے ہوگی یہ قیاس نہیں بالکلیہ سماعی ہے۔ علاوہ ازیں منی کے نجس ہونے کے بارے میں حدیث میں صراحت ہے۔ امام ابن ہمام نے دارقطنی کے حوالے سے یہ حدیث ذکر کی کہ حضور اقدس صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت عمار سے فرمایا:۔

انما یغسل الثوب من خمس من الغائط والبول والقئ والدم والمنی۔ کپڑا پانچ چیزوں سے دھویا جاتا ہے۔ پاخانہ، پیشاب، قی اور خون اور منی سے۔

اس حدیث کی سند پر کلام کیا گیا ہے کہ اس میں ایک ر۔ ی ثابت بن حماد ہے اور یہ ضعیف ہے۔ حالانکہ یہی حدیث ثابت بن حماد کے بغیر واسطہ طبرانی میں مذکور ہے تو جو ضعف ثابت بن حماد کی وجہ سے تھا وہ دور ہو گیا۔ اسی طرح خود ایک دوسرے راوی علی بن زید پر یہ جرح ہے کہ یہ قابل احتجاج نہیں۔ مگر معترض کو یہ معلوم نہیں کہ یہ مسلم کے رجال سے ہیں۔ علاوہ ازیں عجلی نے کہا لا باس بہ ہے۔ امام ترمذی نے اسے صدوق کہا۔ اسی طرح ایک اور راوی ابراہیم بن زکریا کو بھی کچھ لوگوں نے ضعیف کہا۔ مگر بزار نے اسے ثقہ کہا۔ چلئے یہ حدیث دونوں سند کے اعتبار سے ضعیف ہے۔ مگر دو طریقے سے مروی ہونے کی وجہ سے حسن لغیرہ ضرور ہوئی۔ اور احکام میں یہ بھی حجت۔ اور آگے چلئے ہم مان لیتے ہیں کہ یہ اب بھی ضعیف ہی رہی۔ مگر احناف کا اس پر عمل ہے۔ اور یہی ہمارا مقصد ہے

کہ احناف ضعیف حدیث کے ہوتے ہوئے بھی قیاس کے قریب نہیں جاتے اور اہل حدیث بننے کے مدعی صحیح حدیث کے مقابلے میں قیاس پر عمل کرتے ہیں۔

(۴) جب صحیح اور ضعیف حدیث متعارض ہوں تو احناف حدیث صحیح پر عمل کرتے ہیں۔ بخلاف غیر مقلدین وغیرہ کے کہ وہ ضعیف ہی پر عمل کرتے ہیں۔ اس کی مثال یہ مسئلہ ہے کہ ماءِ قلیل غیر جاری میں نجاست پڑ جائے تو وہ پاک ہے یا ناپاک؟۔

احناف کہتے ہیں کہ وہ مطلقاً ناپاک ہے، خواہ نجاست کا کوئی اثر رنگ، بو، مزہ پانی میں آئے یا نہ آئے۔

امام زہری کہتے ہیں کہ جب تک پانی میں نجاست کا اثر رنگ یا بو یا مزہ ظاہر نہ ہو پانی پاک ہے۔ امام بخاری کا بھی مذہب معلوم ہوتا ہے۔ ان کی دلیل یہ حدیث ہے۔ کہ رسول اللہ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے سوال ہوا کہ چوہا اگر گھی میں گر جائے تو کیا کیا جائے فرمایا۔ چوہے اور چوہے کے اردگرد کو پھینک دو اور بقیہ گھی کھاؤ۔[1]

اس حدیث سے ان لوگوں کا مدعا کیسے ثابت ہوتا ہے۔ یہ خود محل نظر ہے۔ کہ حدیث سے ظاہر ہے کہ یہ جمے ہوئے گھی کے بارے ہے۔ نیز چوہے کے اردگرد کو پھینکنے کا حکم صاف بتا رہا ہے کہ چوہے کے گرنے سے گھی کا کچھ حصہ ناپاک ہوا۔ یہ لوگ یہ کہیں گے کہ یہی ہمارا مستدل ہے۔ چونکہ چوہے کا اردگرد چوہے سے متاثر ہوگا اس لئے اردگرد ناپاک ہوگیا۔ لیکن اثر کا مطلب اگر رنگ یا بو یا مزہ کا گھی میں آجانا مراد ہے تو یہ مسلم نہیں یہ ضروری نہیں کہ چوہے کے مرتے ہی اس کا رنگ، یا مزہ یا بو گھی میں آجائے۔ ہاں اگر دیر تک رہے گا تو آسکتا ہے۔ مگر پھر اردگرد کی تخصیص نہ ہوگی۔ جہاں تک اثر پہونچے سب کو ناپاک ہو جانا چاہئے۔ اور اگر اثر سے نجس ہونا مراد ہے۔ تو ہمارا مدعا ثابت کہ نجاست کے گرنے سے کسی چیز کے ناپاک ہونے کے لئے رنگ یا بو یا مزہ کا سرایت کرنا ضروری نہیں۔ محض نجاست کے گرنے ہی سے وہ چیز ناپاک ہو جائے گی۔ پھر یہ حکم منجمد کا ہے۔ اور پانی رقیق ہے تو منجمد پر رقیق کو قیاس کرنا قیاس مع الفارق ہے۔ پھر آخر یہ قیاس ہی تو ہے۔ لہذا آپ نے عمل قیاس پر کیا۔

امام شافعی وغیرہ یہ تفریق کرتے ہیں کہ اگر وہ پانی دو قلے ہے یعنی دو مٹکے ہے تو پاک ہے۔ اس سے کم ہے تو ناپاک۔ انکی دلیل یہ حدیث ہے۔

اذا کان الماء قلتین لایحمل الخبث[2] جب پانی دو مٹکے ہو تو وہ نجاست سے متاثر نہیں ہوتا یعنی ناپاک نہیں ہوتا

حالانکہ یہ حدیث ضعیف ہے۔ پھر مٹکے کی تعیین بہت مشکل ہے۔ مٹکا چھوٹا بھی ہوتا ہے اور بڑا بھی۔ کس مقدار کا مٹکا ہوگا؟۔

دونوں فریق کے بالمقابل احناف کی دلیل یہ حدیث صحیح ہے۔ جسے امام بخاری، امام مسلم، امام ابوداؤد، امام نسائی، امام ترمذی، امام

---

[1] بخاری صـ۳۷، [2] مشکوٰۃ صـ۵۱،

ابن ماجہ وغیرہ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے کہ فرمایا:۔

لا یبولن احدکم فی الماء الراکد الذی لایجری ثم یغتسل فیہ [1] اس پانی میں جو ٹھہرا ہوا ہو بہتا نہ ہو ہرگز پیشاب مت کرو۔ پھر اسی میں غسل کرو۔

اب انصاف کرنے والے انصاف کریں کہ حدیث صحیح پر احناف عمل کر رہے ہیں۔ امام شافعی اس کے بالمقابل حدیث ضعیف پر اور امام بخاری قیاس پر پھر بھی احناف تارک حدیث اور عامل بالقیاس ہیں؟۔

(۵) اگر دو مضمون کی احادیث متعارض ہوں اور دونوں صحیح ہوں تو احناف ترجیح اس روایت کو دیتے ہیں جس کے راوی زیادہ فقیہ ہوں۔ اس کی نظیر رفع یدین کا مسئلہ ہے۔ امام اوزاعی اور حضرت امام اعظم سے مکہ معظمہ میں دار الحناطین میں ملاقات ہوئی۔ امام اوزاعی نے امام اعظم سے کہا۔ کیا بات ہے کہ آپ لوگ رکوع میں جاتے ہوئے اور رکوع سے اٹھتے ہوئے رفع یدین نہیں کرتے۔ امام صاحب نے فرمایا کہ اس بارے میں رسول اللہ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے کوئی صحیح روایت نہیں۔ امام اوزاعی نے کہا کیسے نہیں۔ حالانکہ مجھ سے زہری نے حدیث بیان کی وہ سالم سے، سالم اپنے والد ابن عمر سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جب نماز شروع کرتے جب رکوع میں جاتے جب رکوع سے اٹھتے تو رفع یدین کیا کرتے تھے۔ اس کے جواب میں حضرت امام اعظم نے فرمایا۔ ہم سے حماد نے حدیث بیان کی وہ ابراہیم نخعی سے وہ علقمہ سے وہ اسود سے وہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم صرف افتتاح نماز کے وقت رفع یدین کرتے تھے۔ اس کے بعد پھر نہیں کرتے تھے۔ اس پر امام اوزاعی نے کہا کہ میں عن الزھری عن سالم عن ابیہ حدیث بیان کرتا ہوں۔ اور آپ کہتے ہیں حدثنی حماد عن ابراھیم عن علقمۃ حضرت امام اعظم نے فرمایا۔ حماد، زہری سے افقہ ہیں۔ اور ابراھیم، سالم سے افقہ ہیں اور علقمہ فقہ میں ابن عمر سے کم نہیں۔ اگرچہ صحابی ہونے کی وجہ سے علقمہ سے افضل ہیں۔ اسود اور حضرت عبداللہ ابن مسعود کی فقہ میں برتری سب کو معلوم ہے۔ امام اوزاعی نے حدیث کو علو سند سے ترجیح دی۔ اور امام اعظم نے راویوں کے افقہ ہونے کی بنیاد پر۔ یہ بات بالکل واضح ہے کہ اگر دو متضاد باتیں دو فریق سے مروی ہوں۔ دونوں ثقہ ہوں مگر ایک فریق کے راوی زیادہ عالم زیادہ ذہین زیادہ سمجھ دار ہوں تو ہر دیانت دار عاقل اسی بات کو ترجیح دے گا جو فریق ثانی سے مروی ہو۔

اس سلسلے میں ایک لطیفہ بھی سنتے چلئے۔ غیر مقلدیت کے معلم اول میاں اسماعیل دہلوی جب رفع یدین کرنے لگے تو کسی نے انھیں ٹوکا تو فرمایا۔ کہ یہ سنت مردہ ہو چکی تھی۔ میں اس کو زندہ کر رہا ہوں۔ اور حدیث میں مردہ سنت زندہ کرنے پر سو شہید دں کے

---

[1] بخاری شریف ج ۱ ص ۳۷،

ثواب کی بشارت ہے۔ ٹوکنے والے تو چُپ رہے۔ مگر جب یہ بات شاہ عبدالقادر نے سنی تو کہا۔ میں تو سمجھا تھا کہ پڑھنے لکھنے کے بعد اسماعیل کو کچھ آتا ہوگا۔ مگر اسے کچھ نہیں آیا۔ حدیث میں یہ بشارت اس وقت ہے جب سنت کے مقابلے میں بدعت ہو سنت نہ ہو یہاں تو دونوں سنت ہیں [1]

شُبہات اور جوابات

اگر ہم چاہیں تو اس قسم کی صدہا نظیریں پیش کر دیں مگر مقدمہ طویل سے طویل تر ہوتا جا رہا ہے۔ اس قسم کے ابحاث کے لئے پوری کتاب آپ کے ہاتھ میں ہے۔ بات اس وقت تک مکمل نہ ہوگی جب کہ معاندین کے اعتراضات میں سے چند نقل کر کے انکی قلعی نہ کھول دی جائے۔ اس لئے اب ہم چند اعتراضات کو پیش کر کے اس کے جوابات ہدیۂ ناظرین کر رہے ہیں۔

پہلا اعتراض حدیث مُصَـرَّاۃ کی خلاف ورزی کا ہے۔ اس کی حقیقت یہ ہے۔ ایک حدیث ہے۔ کہ حضور اقدس صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا۔

لا تصَرُّوا الابل والغنم فمن ابتاعها بعد ذلك فانه بخير النظرين بعد ان يحلبها ان شاء امسك وان شاء ردها وصاع من تمر [2]

بیچنے کے لئے اونٹ اور بکری وغیرہ کا دودھ دوہنا نہ چھوڑو۔ جس نے اس کے بعد خریدا تو دوہنے کے بعد اسے اختیار ہے اگر راضی ہے تو جانور روک لے ورنہ جانور واپس کر دے اور ایک صاع کھجور بھی دے۔

٭ ٭ ٭

یہ بخاری کی روایت ہے۔ مسلم شریف میں یہ زائد ہے کہ اسے تین دن تک خیار حاصل ہے اگر لوٹائے تو ایک صاع طعام دے گیہوں نہیں۔ اُس عہد میں طعام کا اطلاق جَو پر ہوتا تھا۔ جیسا کہ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اسی بخاری میں مروی ہے کہ انھوں نے فرمایا:۔

كان طعامنا يومئذ الشعير — ان دنوں ہمارا کھانا جو تھا۔

لوگوں کی عادت تھی کہ جب جانور بیچنا ہوتا تو کچھ دن پہلے ہی سے اس کا دودھ دوہنا بند کر دیتے۔ تاکہ خریدار جب دوہے تو سمجھے کہ یہ جانور اتنا زیادہ دودھ والا ہے۔ تاکہ قیمت زیادہ سے زیادہ دے۔ یہ ایک طرح کا دھوکہ تھا۔ اس لئے منع فرمایا گیا۔ اور چونکہ اس میں

---

[2] بخاری شریف ج ۱ ص ۲۸۸ ۔ [1] ارواح ثلثہ ص ۹۴۔

تنازع بھی امکان قوی ہے اس لئے اس کا حل ارشاد ہوا۔

اس خصوص میں امام شافعی کا مسلک وہی ہے جو اس حدیث میں مذکور ہے مگر امام اعظم کا مذہب یہ ہے کہ۔ اس صورت میں خیار نہیں۔ بظاہر یہ حدیث کے صریح منطوق کے خلاف ہے۔ مگر حقیقت کچھ اور ہے۔ امام طحاوی نے شرح معانی الآثار میں اس پر بہت محققانہ مفصل بحث کی ہے۔ کہ امام اعظم کی تحقیق یہ ہے کہ یہ حدیث منسوخ ہے۔ لکھتے ہیں۔

ذھبوا الیٰ ان ما روی عن رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فی ذلک مما تقدم ذکرنا لہ فی ھذا الباب منسوخ۔

یعنی امام اعظم کی تحقیق یہ ہے کہ اس بارے میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے جو کچھ مروی ہے وہ منسوخ ہے۔

اور اس پر اجماع ہے کہ حدیث منسوخ پر عمل جائز نہیں۔ اور ثابت فرمایا کہ یہ اس حدیث سے منسوخ ہے جو حضرت ابن عمر سے مروی ہے کہ فرمایا۔

نھی النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم عن بیع الکالی بالکالی۔

نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایسی بیع سے منع فرمایا جس میں مبیع اور ثمن دونوں ادھار ہوں۔

اور یہاں ایک عوض دودھ ہے جو ادھار ہے کہ ابھی وہ موجود ہی نہیں۔ اور دوسرا عوض ایک صاع کھجور یا جو ہے۔ وہ بھی مشتری ابھی نہیں دے رہا ہے۔ اس لئے یہ اگر بیع ہے تو یہ بیع الدّین بالدّین ہوئی۔ اور فرمایا۔ نیز اس کا نسخ اس حدیث سے بھی ہے۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

الخراج بالضمان۔

مبیع سے مشتری جو فائدہ حاصل کرے وہ مشتری ہی کا ہے۔

اس حدیث کو تمام امت نے قبول کیا حتی کہ امام شافعی نے بھی۔ وہ بھی یہ فرماتے ہیں کہ اگر بیع کے بعد مشتری مبیع میں کسی عیب پر مطلع ہو جس کی وجہ سے اسے واپس کر دیا تو مشتری نے مبیع سے جو فائدہ حاصل کیا اس کا کوئی عوض نہیں۔ مثلاً بکری خریدی۔ تین چار دن اس کا دودھ کھایا پھر کسی عیب پر واقف ہوا اور اسے واپس کر دیا تو جو دودھ کھایا ہے اس کا کوئی عوض مشتری نہیں دے گا۔ دلیل یہی حدیث ہے۔ اسی طرح مُصَرّاۃ میں بھی کوئی ضمان نہیں ہونا چاہئے۔ اگر بالفرض تاریخ نہ معلوم ہونے سے نسخ کا دعویٰ نہ بھی درست ہو تو اتنا تو ظاہر ہے کہ یہ حدیث مصراۃ، دوسری حدیثوں کے معارض ہے۔ تو ایک حدیث کا ترک دوسری حدیثوں پر عمل کرنے کے لئے ہوا۔ تو یہ الزام کہ قیاس سے حدیث کو ترک کیا سراسر غلط ہے۔

یہ حدیث امت کے کئی مسلمات کے خلاف ہے۔ اولاً یہ بات پوری امت کو مسلم ہے کہ جب کسی چیز کو کسی کا عوض قرار دیا جائے تو عوضین کی مقدار اور کم از کم جنس معلوم ہونی ضروری ہے۔ یہاں دودھ کی جنس تو معلوم ہے مگر مقدار معلوم نہیں۔ ظاہر ہے کہ ہر جانور

ایک ہی مقدار میں دودھ نہیں دیتا۔ سوچئے اونٹ اور بھیڑ بکری برابر ہی دودھ دیتے ہیں؟۔ پھر جانور کی واپسی ایک دن کے بعد بھی ہو سکتی ہے اور تین دن کے بعد بھی۔ ایک دن اور تین دن میں دودھ کی کتنی مقدار بڑھ جائے گی۔ گھٹ جائے گی۔ اور معاوضہ صرف ایک صاع کھجور یا جو ہے۔ خواہ اونٹ خواہ بھیڑ، بکری، گائے، بھینس۔ ایک دن میں واپس کرے خواہ تین دن کے بعد۔

ثانیاً یہ ایک صاع کھجور یا جو اس دودھ کا ضمان ہے جو مشتری نے کھایا ہے۔ اور ضمان کی شارع نے صرف دو ہی صورت رکھی ہے۔ مثلی چیزوں میں مثل اور غیر مثلی میں قیمت۔ ظاہر ہے کہ اگر دودھ کو مثلی مانو جیسا کہ حقیقت ہے تو اس کا ضمان اتنا دودھ لازم تھا نہ کھجور یا جو۔ اور اگر اسے مثلی نہ مانیں ذوات القیم سے مانیں تو ظاہر ہے کہ اس قضیئے کی مختلف صورتوں میں دودھ کی قیمت ہمیشہ ایک صاع کھجور یا جو نہ ہوگی کم و بیش ہوگی۔ فرض کرو یہ جانور اونٹ ہے اور تین دن کے بعد واپس کیا تو ظاہر ہے کہ دودھ کی مقدار زیادہ ہوگی۔ اور اگر فرض کرو یہ جانور بکری ہے اور اسے دوسرے ہی دن واپس کیا تو دودھ کی مقدار بہت کم ہوگی۔ پھر بہر صورت ہر جانور میں ایک صاع کھجور یا جو ضمان دینا کیسے درست ہوگا۔

ثالثاً اس قسم کے عقد کی ممانعت فریقین کے نزدیک مسلم الثبوت احادیث سے ثابت ہے۔ مثلاً فرمایا۔ کہ جو کھجور درخت پر ہو اسے کسی مقررہ مقدار کھجور سے نہ بیچو۔ کھیتی کو مقررہ غلے کے عوض نہ بیچو۔ اگرچہ یہاں کھیتی سامنے ہے۔ کھجور نظر کے سامنے ہے ایک ماہر قریب قریب صحیح اندازہ لگا سکتا ہے۔ مگر چونکہ کھیتی میں کتنا غلہ ہے۔ درخت پر کتنی کھجوریں ہیں۔ ان کی صحیح مقدار معلوم نہیں اس لئے منع فرما دیا۔ یہاں بھی جہالت ہے۔ دودھ کی مقدار کیا ہے یہ معلوم نہیں۔ حدیث مُصَرّاۃ عند الفریقین مسلم احادیث کے معارض ہے۔ اسلئے اس کی صحت میں شبہ ہے۔ لطف کی بات یہ ہے کہ اگر مزابنت اور محاقلت میں سود کا اندیشہ ہے تو یہاں بھی ہے اس لئے کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک سود کی بنیاد طعم اور ثمنیت ہے۔ دودھ اور کھجور یا جو میں دونوں باتیں مشترک ہیں۔ یہ حدیث کا قیاس سے ترک نہ ہوا۔ بلکہ حدیث کا حدیث مسلم عند الکل کے ساتھ معارض ہونے کی وجہ سے ترک ہوا۔ اور اس کی کثیر نظیریں عہد صحابہ میں موجود ہیں۔

(۱) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور اقدس صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف یہ منسوب کیا کہ حضور نے فرمایا۔

الوضوء مما مست النار۔ جسے آگ نے چھویا ہو اس سے وضو ہے۔

مثلاً آگ پر پکی ہوئی کوئی چیز کھائی تو وضو ٹوٹ جائے گا۔ اسی بنا پر بعض ائمہ اس کے قائل ہیں کہ گوشت کھانے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے یہ حدیث بیان کی تو وہاں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما بھی موجود تھے۔ انھوں نے حضرت ابو ہریرہ کے سامنے یہ معارضہ پیش کیا۔

انتوضأ من الدھن انتوضأ من الحمیم کیا تیل کے استعمال سے یا گرم پانی کے استعمال سے وضو ٹوٹ جائے گا۔

اس کے جواب میں حضرت ابو ہریرہ نے فرمایا۔ اے بھتیجے! جب حدیث رسول بیان کروں تو مثالیں نہ دیا کرو۔ مگر حضرت ابن

عباس اپنی رائے پر قائم رہے۔ اور یہی جمہور کا مذہب ہے کہ آگ پر پکی ہوئی چیزوں کے کھانے سے وضو نہیں جاتا۔ کیا جمہور امت کو یہ الزام دیا جا سکتا ہے کہ انھوں نے قیاس کی بنا پر حدیث کو ترک کر دیا۔

(۲) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہی نے، حضرت ابن عباس کے یہ حدیث بیان کی۔ کہ جو جنازہ اوٹھائے وضو کرے۔ اس پر حضرت ابن عباس نے کہا:۔

ھل یلزمنا الوضوء من حمل عیدان یابسة [۱] کیا سوکھی لکڑیاں اٹھانے سے ہم پر وضو لازم ہے۔

بعض حضرات نے ابو ہریرہ کی اس حدیث کی یہ تاویل کی ہے کہ ان کی مراد یہ تھی کہ جنازہ اوٹھانے والا وضو کر کے جنازہ اوٹھائے تاکہ نماز جنازہ پڑھنے میں تاخیر نہ ہو۔ لیکن اگر حضرت ابو ہریرہ کی مراد یہ تھی تو انھیں جواب دینا چاہئے تھا۔ کہ میری مراد یہ ہے۔ اپنی بیان کردہ حدیث کے مفہوم کو وہ بہتر سمجھتے تھے۔ حضرت ابن عباس کے مواخذہ پر خاموشی اس کی دلیل ہے کہ ان کی مراد یہی تھی کہ جنازہ اٹھانے سے وضو، ٹوٹ جاتا ہے۔ معاندین احناف ابن عباس کو کیا کہیں گے؟۔

(۳) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ مسئلہ پوچھا گیا۔ کہ ایک شخص نے نکاح کیا اور مہر کچھ مقرر نہیں کیا۔ پھر مر گیا۔ اس کی یہ زوجہ مہر پائے گی یا نہیں؟۔ پائے گی تو کتنی؟۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک مہینہ تک غور و خوض کیا پھر یہ فتویٰ دیا۔ میں نے اس بارے میں رسول اللہ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے کچھ نہیں سنا۔ میں اپنی رائے بتاتا ہوں اگر درست ہے تو اللہ کی طرف سے ہے اور اگر درست نہیں تو میری طرف سے اور شیطان کی طرف سے۔ اس عورت کو مہر مثل دیا جائے نہ کم نہ زیادہ۔ اسی مجمع میں معقل بن سنان رضی اللہ تعالیٰ عنہ موجود تھے۔ کھڑے ہوئے اور کہا۔ میں اس کی گواہی دیتا ہوں کہ بروع بنت واشق کے بارے میں حضور اقدس صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یہی حکم دیا تھا۔ یہ سنکر حضرت ابن مسعود اتنے خوش ہوئے کہ کبھی اتنے مسرور نہیں دیکھے گئے تھے۔ لیکن حضرت علی نے معقل بن سنان کی یہ حدیث نہیں تسلیم کی اور یہ کہہ کر اسے مسترد کر دیا۔

مانصنع بقول اعرابی بوال علی عقبیه وحسبها المیراث ولا مھر لھا۔ [۲] اپنی ایڑیوں پر پیشاب کرنے والے گنوار کی بات پر ہم کان نہیں دھرتے۔ اس عورت کو صرف میراث ملے گی۔ مہر اسکے لئے نہیں۔

حضرت علی کا یہ قول نہ بھی ثابت ہو تو اتنا تو طے ہے کہ حضرت علی کا قول یہی ہے کہ ایسی عورت کو صرف میراث ملے گی۔ اور کچھ بھی نہیں ملے گا۔ اور یہی حضرت زید بن ثابت اور ابن عباس اور ابن عمر کا بھی مذہب ہے۔ اب بتائیے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ، [۱] ترمذی صہ۱۲، ابن ماجہ صہ۳۸، [۱] نور الانوار صہ۱۸۸، [۲] ترمذی شریف ج ۱ صہ۱۳۶۔

عنہ اور ان تینوں فقہا صحابہ کے بارے میں کیا فتویٰ ہے؟۔ یہ اہل رائے تھے یا اہل حدیث؟۔

(۴) ترمذی[1] میں ہے کہ فاطمہ بنت قیس نے یہ حدیث بیان کی۔ کہ میرے شوہر نے مجھے تین طلاقیں دیں۔ اس پر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کے شوہر سے انھیں نہ عدت کا نفقہ دلایا اور نہ رہنے کے لئے مکان دلایا۔ راوی حدیث مغیرہ کا بیان ہے کہ میں نے جب یہ حدیث ابراھیم سے ذکر کی تو انھوں نے کہا اس پر حضرت عمر نے یہ فرمایا:۔

لاندع کتاب اللہ و سنۃ نبینا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بقول امرأۃ لاندری احفظت ام نسیت فکان عمر جعل لھا السکنیٰ والنفقۃ۔

ہم اللہ کی کتاب اور اپنے نبی صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سنت کو ایک عورت کے کہنے سے نہیں چھوڑ سکتے۔ پتہ نہیں اس نے یاد رکھا یا بھول گئی۔ حضرت عمر نے ایسی عورت کو نفقہ بھی دلایا اور مکان بھی۔

شارحین نے کہا کہ کتاب اللہ سے مراد سورۂ طلاق کی یہ دونوں آیتیں ہیں۔

(۱) وَلَا تُخْرِجُوْهُنَّ مِنْ بُيُوْتِهِنَّ۔ وَلَا يَخْرُجْنَ۔ انھیں (عدت کے دوران) انکے گھروں سے نہ نکالو۔ اور نہ وہ خود نکلیں

(۲) أَسْكِنُوْهُنَّ مِنْ حَيْثُ سَكَنْتُمْ۔ مِنْ وُجْدِكُمْ۔ جہاں خود رہتے ہو وہیں انھیں رکھو اپنی طاقت بھر۔

لیکن گزارش یہ ہے کہ ان آیتوں میں یہ تصریح نہیں ہے کہ طلاق والی کے لئے ہے۔ اور آپ کے نزدیک خبر واحد سے کتاب اللہ کی تخصیص جائز تو کیوں نہ اسے فاطمہ بنت قیس کی حدیث سے حضرت عمر نے خاص فرمایا۔ آپ لوگوں کی زبان میں یہ حضرت عمر کا قیاس تھا۔ کہ انھوں نے ان آیتوں کو اپنے عموم میں رکھا۔ تو یہ قیاس سے حدیث کا رد کرنا ہوا۔ بولئے حضرت عمر کے بارے میں کیا تحقیق ہے۔ لطف کی بات یہ ہے کہ حضرت عمر نے صحابۂ کرام کے مجمع عام میں یہ فیصلہ فرمایا۔ سب نے سکوت کیا۔ کیا سب صحابۂ کرام قیاس تھے؟۔

رہ گئی وہ حدیث جو اس کے معارض ہے۔ وہ ترمذی میں مذکور نہیں۔ البتہ احناف کے اصول فقہ میں مذکور ہے۔ کہ حضرت عمر نے فرمایا۔ کہ میں نے رسول صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو فرماتے سنا ایسی عورت کے لئے نفقہ اور سکنی ہے۔ یہاں بھی احتمال ہے کہ کہیں جو حضرت عمر نے سنا وہ مطلق مطلقہ کے لئے ہو۔ اور اسی پر مطلقہ ثلثہ کو قیاس فرمایا۔ جیسا کہ کتاب اللہ کے سلسلے میں ظاہر ہو گیا۔ اور اگر بالفرض یہ ارشاد خاص مطلقہ ثلثہ کے بارے میں ہی ہو۔ تو ایک حدیث کی دوسرے پر ترجیح کی وجہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا افقہ ہونا ہے۔ اور یہی احناف بھی کہتے ہیں۔ کہ تعارض کے وقت ترجیح اس روایت کو ہوگی جس کے راوی زیادہ فقیہ ہوں۔ لیکن اب ہمیں یہ بتائیے کہ

---

[1] ترمذی جلد اول صفحہ ۱۴۱،

حضرت امام مالک امام شافعی لیث بن سعد کا مذہب یہ ہے کہ اسے رہنے کے لئے مکان ملے گا مگر نفقہ نہیں ملے گا۔ ترمذی میں ہے۔

قال بعض العلم لھا السکنیٰ ولا نفقۃ لھا وھو قول مالک بن انس واللیث بن سعد والشافعی
بعض اہل علم نے کہا۔ اسے رہنے کے لئے مکان ملے گا نفقہ نہیں ملے گا۔ یہ مالک بن انس، لیث بن سعد اور شافعی کا مذہب ہے۔

ان تینوں ائمہ کو کس زمرے میں داخل مانتے ہو۔ اہل رائے کے یا اہل حدیث کے؟

ایک اور الزام حدیث مُصَرَّاۃ کی طرح احناف کو حدیث کے بالمقابل قیاس پر عمل کرنے کا بہت زیادہ طعن، اِشعار کی کراہت کے قول سے دیا جاتا ہے۔ اس کا قصہ یہ ہے کہ ایام حج میں جو جانور مکہ معظمہ قربانی کے لئے لے جائے جاتے ہیں جنھیں ہَدی کہتے ہیں۔ انھیں شناخت کے لئے یا تو گردن میں کچھ پہنا دیا جاتا ہے۔ یا پھر ان کے کوہان میں معمولی سا زخم لگا دیا جاتا ہے۔ اُسے اِشعار کہتے ہیں۔ احادیث میں ہے کہ خود رسول اللہ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اشعار کیا۔ حضرت امام اعظم نے اشعار کو منع فرمایا۔ اس پر قیامت سر پر اٹھالی گئی۔ حالانکہ ہم اس کی بھی بکثرت نظیریں پیش کر سکتے ہیں۔ کہ احادیث کی صحت تسلیم کرتے ہوئے صحابہ کرام نے حدیث کے صریح منطوق کے خلاف اپنی رائے دی۔ مثلاً صحیح حدیث میں ہے کہ فرمایا:۔

لا تمنعوا آماء اللہ مساجد اللہ
اللہ کی کنیزوں کو اللہ کی مسجدوں میں حاضر ہونے سے مت روکو۔

اور عیدین کی حاضری کے لئے فرمایا:۔

ولیشھدن الخیر ودعوۃ المسلمین۔
بھلائی اور مسلمانوں کی دعاء میں حاضر ہوں۔

لیکن ام المومنین حضرت صدیقہ نے فرمایا:۔

لو رأی النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ما احدثت النساء لمنعھن کما منعت نساء بنی اسرائیل۔
آج عورتوں نے جو بنا رکھا ہے اگر نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم دیکھتے انھیں مسجدوں سے روک دیتے جیسے بنی اسرائیل کی عورتیں روک دی گئیں۔

اور بالآخر آج پوری امت نے بالاتفاق عورتوں کو مسجد میں جانے سے روک دیا ہے۔ بولئے پوری امت نے بھی وہی جرم کیا یا نہیں جو جرم ابوحنیفہ نے کیا۔ جو اس کا جواب ہے وہی ہمارا جواب ہے۔

اشعار کے کراہت کی وجہ اشعار جو مسنون تھا وہ صرف یہ تھا کہ اونٹ کے دائیں یا بائیں کوہان کے نیچے تھوڑا سا چمڑے میں شگاف لگا دیں کہ کچھ خون بہہ جائے لیکن جب لوگوں نے اسمیں تعدی کی اور گہرے گہرے زخم لگانے لگے جو گوشت پر پہنچ جاتا۔ اس میں بلا ضرورت شرعیہ جانور کو ایذا بھی دینی تھی اور یہ بھی خطرہ تھا کہ یہ زخم بڑھ کر جانور کے ہلاک ہونے کا سبب نہ بن جائے تو امام اعظم نے اپنے زمانے کے اشعار کو مکروہ بتایا۔ مذہبی ارکان کی ادا میں کبھی کبھی عوام کا جوش تعدی کی حد تک بڑھ جاتا ہے۔ یہی حال اشعار میں بھی ہونے لگا تھا۔ اس لئے سد اَبواب الفتنہ امام اعظم نے اسے مکروہ بتایا۔ جیسے عورتوں کو اس زمانے میں مسجد میں نماز کے لئے جانے سے

روکنا حدیث لاتمنعوا آماء اللہ مساجد اللہ۔ کے منافی نہیں۔ اسی طرح اشعار میں تعدی کی بنا پر اشعار کو مکروہ کہنا، حدیث کے منافی نہیں۔ یہ لوگوں کے احوال کے اعتبار سے ہے۔

اس قسم کے الزامات حضرت امام اعظم کے عہد میں بھی لگائے گئے جس سے بڑے بڑے ائمہ متاثر بھی ہوئے۔ مگر جب روبرو گفتگو ہوئی تو لوگوں کے شکوک و شبہات دور ہو گئے۔ جس کی مثالیں اوپر گزر چکی ہیں۔

زیادہ غلط فہمی اس وجہ سے ہوئی کہ اصول فقہ میں ایک قاعدہ عام طور پر لکھا ہے کہ اگر راوی فقیہ ہے تو اس کی حدیث قیاس کے بالمقابل راجح ہوگی۔ اور اگر فقیہ نہیں تو قیاس کو ترجیح ہوگی۔ لیکن کوئی یہ ثابت نہیں کر سکتا کہ یہ حضرت امام اعظم نے کہیں بھی فرمایا ہو۔ نقد، اصول فقہ کے لاکھوں صفحات میں نے دیکھ ڈالے مگر کہیں یہ نہیں ملا کہ یہ امام اعظم نے فرمایا ہے۔ اصول فقہ میں یہ تصریح ہے کہ یہ صرف عیسی بن ابان اور ان کے کچھ متبعین کی ذاتی رائے ہے۔ امام ابوالحسن کرخی وغیرہ اس کے مخالف ہیں۔ مسلم الثبوت اٹھا کر دیکھو انھوں نے امام ابوالحسن کرخی ہی کے قول کو ترجیح دی ہے۔ یہ کتنی بڑی جرأت ہے کہ اگر کوئی بات کسی ایک یا چند حنفی عالم نے کہہ دی تو بلا ثبوت اس کو امام اعظم کے سر تھوپ دیا گیا۔ جب کہ خود احناف اس کے مخالف ہوں اور اسے غیر صحیح کہہ رہے ہوں

(۱) پھر احناف کے نزدیک اس قاعدے کے ناقابل اعتبار ہونے کے نظائر بھی بکثرت ہیں۔ مثلاً نماز میں قہقہہ سے وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ یہ قیاس کے خلاف ہے۔ اور یہی امام مالک وغیرہ کا مذہب بھی ہے کہ یہ ناقض وضو نہیں۔ امام محمد اس پر کلام کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

لولا ما جاء من الآثار کان القیاس علی ما قال اھل المدینۃ لکن لا قیاس مع الاثر ولا ینبغی الا ان ینقاد الآثار۔

اگر حدیث نہ ہوتی تو قیاس وہی تھا جو اہل مدینہ کہتے ہیں۔ لیکن حدیث کے ہوتے ہوئے قیاس کچھ نہیں۔ صرف احادیث ہی کی اتباع کرنی چاہئے

(۲) رمضان میں بھول کر کھانے پینے سے روزہ نہیں ٹوٹتا۔ یہ حدیث سے ثابت ہے۔ قیاس چاہتا ہے کہ جب کھا پی لیا تو روزہ ختم۔ مگر امام اعظم نے فرمایا۔

لولا ما جاء فی ھذا من الآثار لامرت بالقضاء۔ اگر اس بارے میں احادیث نہ ہوتیں تو میں ایسے روزے کی قضا کا حکم دیتا

احادیث کے علل قادحہ خفیہ یہاں ایک نکتہ یہ قابل لحاظ ہے۔ کہ احادیث کی صحت و عدم صحت میں بھی اختلاف رائے ہوا ہے۔ ایک ہی حدیث دسیوں محدثین کے نزدیک صحیح ہے مگر دوسرے محدثین اس کو ضعیف کہتے ہیں یہ ضروری نہیں کہ جس حدیث کو صحیح کہتے ہوں وہ واقع میں بھی صحیح ہو۔ یا وہ دوسرے محدثین کے نزدیک بھی صحیح ہو۔ اور جسے آپ ضعیف کہتے ہوں وہ واقع میں ضعیف ہی ہو۔ یا دوسرے محدثین کے نزدیک ضعیف ہی ہو۔ اسکی ایک مثال وہ احادیث ہیں کہ جن سے آمین بالجہر ثابت کیا جاتا ہے۔ ان میں کوئی حدیث امام بخاری کے نزدیک صحیح نہیں اسلئے کہ اگر ان

میں ایک بھی ان کے نزدیک صحیح ہوتی تو جب کہ امام بخاری نے آمین بالجہر کا باب باندھا ہے تو اسے ضرور ذکر فرماتے آمین بالجہر کا باب باندھنے کے باوجود بھی ان حدیثوں میں سے کسی حدیث کو ذکر نہ کرنا اسکی دلیل ہے کہ یہ احادیث امام بخاری کے نزدیک صحیح نہیں۔ مگر دوسرے محدثین اسے صحیح مانتے ہیں۔

دوسری مثال یہ حدیث ہے:۔

من صلی خلف الامام فان قراءۃ الامام لہ قراءۃ۔ جو کسی امام کے پیچھے نماز پڑھے تو امام کی قرأت اسکی قرأت ہے۔

معاندین اس حدیث میں طرح طرح کے کیڑے نکالتے ہیں مگر یہ حدیث صحیح پر قدح ہر علت سے پاک ہے۔ امام محمد نے موطا[1] میں ایسی سند کے ساتھ جس کے تمام رجال صحاح ستہ کے رجال ہیں۔ روایت کیا۔ امام ابن ہمام[2] نے فرمایا۔ یہ حدیث شیخین کی شرط پر صحیح ہے۔ اس کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ محدثین نے صحت کے معیار الگ الگ قائم کئے ہیں۔ مثلاً حضرت امام اعظم کے نزدیک دیگر اور شرط کے ساتھ یہ شرط بھی ہے کہ راوی حدیث کو سننے کے وقت سے لے کر اداء کے وقت تک یاد رکھے ہو۔ یہ کڑی شرط امام بخاری اور مسلم کے یہاں بھی نہیں۔ امام بخاری کے یہاں حدیث مُعَنْعَن میں معاصرت کے ساتھ لقاء شرط ہے۔ امام مسلم کے یہاں لقاء کی شرط نہیں صرف معاصرت کافی ہے۔ جو یہ کہتے ہیں کہ ایمان قول وفعل نہیں۔ امام بخاری اس کی حدیث نہیں لیتے۔ بقیہ تمام محدثین لیتے ہیں۔ احناف اور جمہور محدثین کے یہاں حدیث مرسل حجت ہے۔ کچھ محدثین کے یہاں حجت نہیں۔ ان شرائط کے اختلاف سے احادیث کی صحت اور عدم صحت میں اختلاف ہوسکتا ہے بلکہ ہوا ہے۔ اس کے علاوہ رواۃ کے بارے میں مختلف نظریات ہیں۔ ان کی وجہ سے بھی اختلاف پیدا ہوا ہے۔ پھر ان ظاہر وجوہ سے ہٹ کر کبھی بظاہر حدیث صحیح ہے۔ متصل السند ہے۔ تمام راوی ثقہ ہیں۔ کوئی خرابی نہیں نظر آتی مگر ایک ماہر حدیث کا نقاد، حاذق اسے کسی خفی علت کی بنا پر ضعیف کہہ دیتا ہے۔ پھر لطف یہ کہ محدثین خود ہی تصریح کرتے ہیں۔ کہ کبھی خود ناقد وہ وجہ نہیں بیان کرسکتا جو اس کے مُعَلَّل ہونے کی ہے۔ جیسے ایک صرّاف سونے چاندی کو پرکھ کے خود جان لیتا ہے کہ کھری ہے کہ کھوٹی مگر دوسرے کو بتا نہیں پاتا۔ مشہور محدث ابوحاتم سے کسی نے چند حدیثوں کے بارے میں سوال کیا۔ انھوں نے بعض کو صحیح بعض کو مُدرَج بعض کو مُنکَر، بتایا۔ سائل نے عرض کیا آپ کو کیسے معلوم ہوا؟ کیا راویوں نے آپ کو یہ تفصیل بتائی ہے؟۔ ابوحاتم نے کہا۔ نہیں۔ مجھے ایسا ہی معلوم ہوتا ہے۔ اس نے کہا۔ کیا آپ غیب جانتے ہیں؟۔ فرمایا تم دوسرے ماہرین سے پوچھ لو اگر وہ میری موافقت کریں تو مانو۔ اس نے جاکر انھیں کے معاصر دوسرے محدث ابوزرعہ سے پوچھا۔ انھوں نے بھی وہی کہا جو ابوحاتم نے کہا تھا۔ اب اسکو اطمینان ہوا[3]۔ امام بخاری کے استاذ اور مسلم الثبوت محدث علی بن مدینی نے کہا:۔

---

[1] ص۹۵، [2] فتح القدیر ص۲۳۶، [3] فتح المغیث،

ھی الھام ولو قلت للقیم بالعلل من این لک ھذا لم یکن لہ حجۃ لہ

یہ الہام ہے۔ اگر علل کے ماہر سے پوچھو کہ تم نے کس بنا پر اسے معلل کہا تو وہ کوئی دلیل نہیں پیش کر سکتا۔

بعض محدثین نے اسی کو یوں کہا ہے۔

اثر یھجم علی قلوبھم لا یمکنھم ردہ وھیئۃ نفسانیۃ لا معدل لھم۔

یہ ایک اثر ہے جو محدثین کے دل میں وارد ہوتا ہے۔ جسے وہ رد نہیں کر سکتے اور ایک نفسیاتی تاثر ہے جس سے وہ صرف نظر نہیں کر سکتے۔

اور کچھ حضرات نے یہ کہا۔ کہ صحیح احادیث میں ایک خاص نورانیت ہوتی ہے۔ وہ جب کسی میں نہیں ملتی تو محدث جان جاتا ہے کہ یہ حدیث صحیح نہیں۔

محدثین کو من جانب اللہ ایسا ملکہ حاصل ہونا بعید از قیاس نہیں۔ کہ وہ اپنی فراست ایمانی سے یہ فرق کر سکیں کہ یہ رسول اللہ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد ہے یا نہیں۔ یہ حضور اقدس صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا فعل ہے یا نہیں۔ حضرت امام اعظم اپنے وقت کے ہی نہیں بلکہ بعد کے اعتبار سے بھی ایک عظیم ہی نہیں اعظم جلیل ہی نہیں اجل کبیر ہی نہیں اکبر محدث بھی تھے۔ اور ایسے ماہر حاذق کہ احادیث سے متعلق تمام اسرار و رموز سے کما حقہ واقف تھے۔ اور ساتھ ساتھ بے مثال مجتہد بھی۔ انھوں نے اپنے اس خداداد ملکہ سے کام لیکر کچھ احادیث علل خفیہ قادحہ کی بنا پر معلل ہونے کی وجہ سے ترک کر دیا۔ تو یہ حقیقت میں عمل بالحدیث کا ترک نہ ہوا۔ لیکن معاندین کا کوئی علاج نہیں۔

معانی حدیث کی فہم

پھر قرآن و حدیث کے معانی کا سمجھنا ہر شخص کا کام نہیں۔ حدیث گزر چکی کہ حضور اقدس صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اللہ عزوجل جس کے ساتھ خیر کا ارادہ فرماتا ہے اسے دین میں سمجھ عطا فرماتا ہے۔ اسی بخاری کتاب العلم میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ارشاد مذکور ہے۔

فھم اُعطیہ رجل مسلم[2]

سمجھ جو کسی مسلمان کو دی گئی ہو۔

پھر سمجھنے والے بھی مختلف مدارج کے ہوتے ہیں۔ ایک چیز سے ایک بات ایک کے سمجھ میں آتی ہے۔ اور دوسرے لوگ اسے نہیں سمجھ پاتے ہیں۔

(۱) حضور اقدس صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اخیر عمر مبارک دوران خطبہ فرمایا۔

---

[1] فتح المغیث ص[؟] [2] بخاری شریف ج ۱ ص ۲۱

ان اللہ خیر عبدا بین الدنیا وبین ما عندہ ٭ اللہ نے ایک بندے کو یہ اختیار دیا کہ دنیا پسند کرے یا حضوری بارگاہ اس

فاختار ذلک العبد ما عندہ۔ بندے نے حضوری بارگاہ پسند کیا۔

یہ سنکر حضرت ابوبکر رونے لگے۔ حضرت ابوسعید خدری راوی حدیث کہتے ہیں کہ ہم لوگوں کو اس پر تعجب ہوا۔ رو کیوں رہے ہیں مگر بعد میں معلوم ہوا کہ وہ بندۂ مختار خود حضور اقدس صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تھے۔ اور ابوبکر ہم سب سے زیادہ علم والے تھے۔[1]

(۲) حضرت فاروق اعظم، ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو اپنے قریب رکھتے تھے۔ یہ بات دوسرے بزرگوں کو ناپسند ہوئی کہ ہمارے لڑکوں کو اتنا قریب کیوں نہیں کرتے۔ خدمت میں عرض کیا۔ حضرت عمر نے سب کے صاحبزادوں کو اور ابن عباس کو بھی بلایا۔ اور دریافت کیا۔ کہ سورۂ نصر اِذَا جَاءَ سے کیا سمجھتے ہو۔ کچھ صاحبزادے تو بالکل خاموش رہے۔ کچھ نے عرض کیا۔ ہمیں یہ حکم دیا گیا ہے کہ جب ہماری مدد ہوئی، ہمیں فتح نصیب ہوئی تو ہم اللہ کی تسبیح و تحمید کریں۔ استغفار کریں۔ یعنی اس کا شکر کریں۔ حضرت عمر نے حضرت ابن عباس سے پوچھا کہ تم کیا کہتے ہو تو انھوں نے عرض کیا۔ اس میں حضور اقدس صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے وصال کے قرب کی خبر دی جارہی ہے۔

کچھ اسی قسم کا معاملہ حضرت امام اعظم اور ان کے معاصرین و معاندین کا بھی ہے۔ حضرت امام اعظم کو اللہ عزوجل نے قرآن و احادیث کے معانی کے سمجھنے کی ایسی قوت و صلاحیت عطا فرمائی تھی۔ جو دوسروں میں نہ تھی۔ دوسروں کی نظریں الفاظ کی سطح تک رہتیں۔ اور حضرت امام اعظم کی نکتہ رس فہم معانی کے دقیق سے دقیق ادق سے ادق بطون تک پہونچ جاتی۔ جس پر یہ لوگ خود حیران رہ جاتے۔ ان میں جنھیں اللہ چاہتا۔ امام کی جلالت کو تسلیم کرلیتا۔ ورنہ وہ معاندانہ روش پر اڑا رہتا۔

علامہ ابن حجر مکی شافعی نے الخیرات الحسان میں خطیب کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ حضرت امام ابو یوسف نے فرمایا ــــ حدیث کی تفسیر اور حدیث میں جہاں جہاں فقہی نکات ہیں ان کا جاننے والا میں نے امام ابو حنیفہ سے زیادہ کسی کو نہیں دیکھا۔ میں نے جب کبھی ان کا خلاف کیا پھر غور کیا تو ان کا مذہب آخرت میں زیادہ نجات دہندہ نظر آیا۔ ایک بار حضرت امام اعظم، حضرت سلیمان اعمش کے یہاں تھے۔ امام اعمش سے کسی نے کچھ مسائل دریافت کئے۔ انھوں نے امام اعظم سے پوچھا۔ آپ کیا کہتے ہیں؟ حضرت امام اعظم نے ان سب کے حکم بیان فرمائے۔ امام اعمش نے پوچھا کہاں سے یہ کہتے ہو۔ فرمایا۔ آپ ہی کی بیان کردہ ان احادیث سے اور ان احادیث کو مع سندوں کے بیان کردیا۔ امام اعمش نے فرمایا۔ بس بس، میں نے آپ سے جتنی حدیثیں سو دن میں بیان کیں آپ نے وہ سب ایک دن میں سناڈالی۔ میں نہیں جانتا تھا کہ آپ ان احادیث پر عمل کرتے ہیں۔

یا معشر الفقھاء انتم الاطباء ونحن الصیادلۃ اے گروہ فقہاء! تم طبیب ہو اور ہم محدثین عطار اور آپ نے دونوں کو

---

[1] بخاری ج ۱ صلاا۔

وانت ایھا الرجل اخذت بکلا الطرفین [1] حاصل کرلیا۔

اللہ عزوجل حضرت سلیمان اعمش کو جزائے خیر عطا فرمائے۔ انھوں نے ان تمام مباحث کو جو آج تک محدثین اور فقہا کے مراتب کی تعیین میں چلی آرہی ہے۔ ان چند لفظوں میں سمیٹ کے رکھدیا ہے۔ اب ہم بھی اس گفت گو کو انھیں الفاظ پر ختم کرتے ہیں۔

ایک لطیفہ حضرت امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی جلالت شان گھٹانے کے لئے ایک جاہلانہ سوال بہت اچھالا جاتا ہے۔ آجکل کے غیر مقلدین اسے بطور وظیفہ پڑھتے بھی ہیں اور اپنے غیر مقلد طلبہ کو پڑھاتے بھی ہیں۔ اس کا خاص سبب یہ ہے کہ حضرت امام بخاری سے باآں جلالت شان کہیں کہیں لغوی، صرفی لغزشس ہوگئی ہے۔ جن پر شارحین نے کلام کیا ہے۔ علامہ عینی نے بھی ان لغزشوں کا تذکرہ اپنی شرح میں کر دیا ہے۔ بس کیا تھا بھڑکے چھتے میں لکڑی چلی گئی۔ ساری دنیا امام بخاری پر اعتراض کرے تو کرے ایک حنفی کیوں کچھ کہے۔ دیانت خدا ترسی سب کو بالائے طاق رکھ کر امام اعظم پر لعن طعن سب وشتم پر اتر آئے۔ امام بخاری سے بڑی عقیدت تھی۔ تو ان لغزشوں کی تصحیح کرتے۔ یہ تو ان سے ہو نہ سکا۔ کیا یہ کہ حضرت امام اعظم کا ایک قول ڈھونڈ نکالا۔ جو ان معاندین کی پڑھی ہوئی نحو کے خلاف ہے۔ قصہ یہ ہے۔ کہ ابو عمرو علاء نحوی مقری نے حضرت امام اعظم سے پوچھا کہ قتل بالمُثَقَّل سے قصاص واجب ہے یا نہیں؟ فرمایا۔ نہیں۔ اس پر ابو عمرو نے کہا اگر وہ منجنیق کے پتھر سے مارے پھر بھی نہیں فرمایا۔

لو قتلہ باباقبیس اگرچہ (جبل) ابی قبیس سے قتل کرے۔

چونکہ ابو قبیس پر ،با، حرف جار داخل ہے۔ اس لئے اس کو یا کے ساتھ "بابی قبیس" ہونا چاہئے تھا۔ اور حضرت امام اعظم نے اسے الف کے ساتھ فرمایا۔ یہ نحو کے قاعدے سے ناواقفی کی دلیل ہے۔

حالانکہ حقیقت اس کے برعکس ہے۔ اس سے ایک طرف حضرت امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا نحوی تبحر ثابت ہوتا ہے تو دوسری طرف معاندین کی جہالت اور علم نحو میں ان کی بے مائگی ثابت ہوتی ہے۔ اور حد یہ ہے کہ بخاری سے بھی واقفیت نہیں۔ بخاری قتل ابی جہل میں ہے۔ کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ ابو جہل کا سر قلم کرنے گئے تو اس سے کہا۔ انت اباجہل۔ جو روایت بطریق محمد بن مثنیٰ ہے۔ اس میں معتمد روایت یہی ہے۔ جیسا کہ فتح الباری میں ہے۔ حالانکہ ہونا چاہئے ابوجہل۔ اپنے مخالف پر اعتراض کرنے چلے تھے۔ اور وہ ان کے ہی امام پر لوٹ آیا۔ اولیاء اللہ کے ساتھ عداوت کا یہی حال ہوتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ نہ "باباقبیس" غلط ہے۔ اور نہ "انت اباجہل"، غلط۔ اسمائے ستہ مکبرہ میں ایک لغت یہ بھی ہے کہ "جب غیر یائے متکلم کی جانب مضاف ہو تو ہر حالت میں الف کے ساتھ ان کا اعراب ہوگا" چنانچہ اسی لغت پر مندرجہ ذیل شعر ہے ؎

---

[1] الخیرات الحسان ص۶۶،

ان اباھا وابا اباھا ؛ قد بلغا فی المجد غایتاھا

مگران غریبوں کو یہی معلوم ہے کہ چونکہ نحو میر میں اسمائے ستہ مکبرہ کا اعراب یہ لکھا ہے۔ کہ حالت جر میں "یا" کے ساتھ اور حالت رفع میں "واؤ" کے ساتھ اس لئے "انت اباجھل" "ولو قتلہ باباقبیس" غلط ہے۔

ایک اور طعن اور اس کے جوابات

فقہ حنفی ہی نہیں مطلقاً فقہ پر امام بخاری کا ایک طعن برابر چلا آرہا ہے۔ اور آج کل کے معاندین امام بخاری کے کاندھے پر بندوق رکھ کر اس کا احناف کو نشانہ بناتے ہیں۔ وہ یہ کہ فقہاء احادیث کو چھوڑ کر اقوال رجال سے احکام نکالتے ہیں اسی میں پھنسے رہتے ہیں۔

پہلا جواب: اس کا یہ ہے کہ خود امام بخاری نے بھی اقوال رجال سے احکام استنباط فرمایا۔ اور انھیں دلیل بنایا۔ بلکہ کہیں کہیں صرف اقوال رجال ہی کو دلیل بنایا۔ ان کے ابواب کو اٹھا کر دیکھئے کہ کتنے ابواب میں حدیث سے پہلے اقوال رجال ذکر کرتے ہیں پھر حدیث اور کہیں کہیں تو باب کے تحت کوئی حدیث نہیں صرف اقوال رجال ہی ہے۔ بلکہ ایک عامی کو امام بخاری کی طرز سے یہ شبہ ہو سکتا ہے کہ ان کے نزدیک اقوال رجال کی حیثیت حدیث سے زائد ہے۔ اس لئے کہ امام بخاری کی ترتیب یہ ہے کہ وہ باب کی تائید میں پہلے آیت ذکر کرتے ہیں۔ اگر اس کی مؤید کوئی آیت ہو۔ پھر اقوال رجال پھر حدیث اگر کوئی ان کے پاس ہوتی ہے۔ تو ظاہر ہے کہ قرآن مجید سب پر مقدم۔ اس سے کسی کا ذہن اس طرف جا سکتا ہے کہ یہ ترتیب الاہم فالاہم کی ہے۔

دوسرا جواب: جن امور کے بارے میں قرآن و حدیث میں کوئی حکم نہ ملے تو غیر مجتہد کیا کرے اسے آپ بتائیں۔

تیسرا جواب: یہ بات بتحقیق ثابت ہو چکی کہ فقہ کی اصل بنیاد قرآن و احادیث ہیں۔ اور یہ بھی ثابت ہو چکا کہ فقہاء نے احکام کو قرآن و احادیث ہی سے استخراج فرمایا ہے۔ جو احکام قرآن و حدیث میں نہ مل سکے ان میں انھوں نے قرآن و احادیث سے مستخرج احکام کو سامنے رکھ کر اجتہاد سے احکام معلوم کئے ہیں۔ تو آپ بتائیں کہ پھر فقہاء کے اقوال کیوں قابل قبول نہ ہوں گے۔ اور یہ حقیقت میں اقوال فقہاء پر اعتماد کرنا نہیں۔ بلکہ اصل اعتماد قرآن و حدیث پر ہے۔ یہ اقوال فقہاء قرآن و احادیث سے ماخوذ ہیں۔ اس لئے یہ قابل اعتماد ہیں۔ جیسے آپ لوگ بھی ایک ہی صدی میں غیر مقلدیت کو اپنے لئے سرمایۂ افتخار جانتے ہوئے بھی فتاوی نذیریہ، فتاوی ثنائیہ پر اعتماد کرتے ہیں اور وہی آپ لوگوں کا معمول بہ ہے۔ کیا امام اعظم، امام مالک، امام شافعی، امام احمد بن حنبل کے اقوال پر اعتماد جائز نہیں۔ اور میاں نذیر حسین دہلوی اور مولوی ثناء اللہ امرتسری کے اقوال کا درجہ قرآن و احادیث کے برابر ہے۔ کہ ان پر اعتماد درست ہے۔

اقوال فقہاء پر اعتماد یقیناً اس وقت ناجائز و حرام ہوتا جب یہ ان کی ذاتی رائے ہوتی۔ اور قرآن و احادیث کے معارض ہوتی۔

مگر جب ان کے اقوال قرآن وحدیث کے مطابق ہیں تو ان پر اعتماد اصل میں قرآن واحادیث ہی پر اعتماد ہے۔

چوتھا جواب:- اصل معاملہ یہ ہے کہ جو مجتہد نہیں اسے کسی نہ کسی مجتہد کی تقلید کرنی فرض ہے۔ اس قدر پر امت کا اجماع ہے۔ اور یہ قرآن واحادیث سے بھی ثابت ہے۔ مجتہد کون ہے یا کون ہو سکتا ہے۔ اس کو آپ اس سے سمجھ لیں کہ ایک لاکھ چوبیس ہزار صحابۂ کرام میں سے مجتہد کتنے ہوئے ان کو انگلیوں پر گنا جا سکتا ہے۔ یہ تفصیل کا موقع نہیں۔ اب جو مجتہد نہیں۔ لامحالہ اسے کسی نہ کسی مجتہد کی تقلید کرنی ہے۔ اور جب وہ مقلد ہے تو اسے اس امام کے اقوال پر اعتماد کرنا لازم ہے جس کا وہ مقلد ہے۔ اسے براہ راست قرآن واحادیث سے مسائل کے استخراج کی کوشش جائز نہیں۔ امت کی اکثریت بلکہ غالب اکثریت غیر مجتہد ہے۔ اس لئے وہ لوگ اقوال فقہاء سے احکام تلاش کرتے ہیں۔ اور اسی پر اعتماد کرتے ہیں۔ اور یہ عمل خود اجلۂ محدثین مصنفین صحاح ستہ حتی کہ شیخین کے اساتذہ کا تھا کہ اگر ان کے پاس کوئی مسئلہ پوچھنے آتا تو اسے فقہاء کی طرف رجوع کا حکم دیتے یا یہ خود فقہاء کی طرف رجوع کرتے۔

ابھی گزرا کہ ایک سائل حضرت سلیمان اعمش کی خدمت میں آیا انھوں نے امام اعظم سے فرمایا کہ آپ اسے مسئلہ بتائیے۔

حضرت سفیان ثوری سے جب کوئی دقیق مسئلہ پوچھا جاتا تو فرماتے اس مسئلہ پر سوائے اس شخص کے جس سے لوگ حسد کرتے ہیں۔ کوئی اچھی تقریر نہیں کر سکتا یعنی امام اعظم۔ پھر حضرت امام اعظم کے شاگردوں سے پوچھتے کہ اس بارے میں تمھارے شیخ کا کیا قول ہے؟ یہ لوگ بتاتے اسی کے مطابق فتوی دیتے۔ اگر کبھی حضرت امام کے ساتھ ہوتے تو ہمیشہ امام صاحب کو آگے بڑھاتے۔ اگر ان لوگوں کی رائے امام اعظم کی رائے کے متصادم ہوئی تو ہمیشہ یہی ثابت ہوا کہ امام صاحب کی رائے صحیح ہے۔

ایک دفعہ ایک شخص سے اس کی بیوی کا جھگڑا ہوا شوہر یہ قسم کھا بیٹھا کہ جب تک تو نہیں بولے گی میں بھی نہیں بولوں گا۔ بیوی کیوں پیچھے رہتی۔ اس نے بھی برابر کی قسم کھائی جب تک تو نہیں بولے گا۔ میں بھی نہیں بولوں گی۔ جب غصہ ٹھنڈا ہوا تو اب دونوں پریشان شوہر حضرت سفیان ثوری کے پاس گیا کہ اس کا حل کیا ہے۔ فرمایا کہ بیوی سے بات کر وہ تم سے بات کرے اور قسم کا کفارہ دیدو۔ شوہر حضرت امام اعظم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ نے فرمایا۔ جاؤ تم دونوں ایک دوسرے سے باتیں کرو۔ کفارہ کی ضرورت نہیں۔ جب سفیان ثوری کو یہ معلوم ہوا تو بہت خفا ہوئے۔ امام اعظم کے پاس جاکر یہاں تک کہہ دیا کہ تم لوگوں کو غلط مسئلہ بتاتے ہو۔ امام صاحب نے اسے بلوایا اور اس سے دوبارہ پورا قصہ بیان کرنے کو کہا۔ جب وہ بیان کر چکا تو امام صاحب نے حضرت سفیان ثوری سے کہا۔ جب شوہر کے قسم کے بعد عورت نے شوہر کو مخاطب کر کے وہ جملہ کہا تو عورت کی طرف سے بولنے کی ابتداء ہوگئی۔ اب قسم کہاں رہی۔ اس پر حضرت سفیان ثوری نے کہا۔ واقعی مین موقع پر آپ کی فہم وہاں تک پہونچ جاتی ہے جہاں ہم لوگوں کا خیال نہیں جاتا۔

ایک دفعہ کوفے کے ایک شخص نے اپنے دو بیٹیوں کی شادی کی اور کوفے کے تمام علماء فقہاء کو بھی مدعو کیا۔ امام اعظم،

سفیان ثوری، مسعر بن کدام، حسن بن صباح سبھی دعوت میں شریک تھے۔ لوگ ابھی کھانا کھا ہی رہے تھے کہ میزبان پریشاں حال آیا۔ اور کہا بڑی مشکل ہوگئی۔ عورتوں کی غلطی سے زفاف میں دو بہنیں بدل گئیں۔ اب کیا کیا جائے؟۔ حضرت سفیان نے کہا۔ حضرت معاویہ کے زمانے بھی ایسا ہی ہوا تھا۔ اس سے نکاح پر کوئی اثر نہیں پڑا۔ ہر ایک کی زوجہ اس کے پاس بھیج دی جائے۔ البتہ دونوں کو مہر دینا پڑے گا۔ مسعر بن کدام نے حضرت امام اعظم سے عرض کیا آپ کیا کہتے ہیں؟۔ امام صاحب نے فرمایا۔ کہ دونوں لڑکوں کو بلاؤ۔ دونوں لڑکے آئے تو امام صاحب نے ہر ایک سے پوچھا کہ جو لڑکی رات تمھارے ساتھ تھی وہ تم کو پسند ہے۔ ہر ایک نے پسندیدگی کا اظہار کیا۔ امام صاحب نے فرمایا۔ کہ اب ایسا کرو کہ تم دونوں ان لڑکیوں کو جن سے تمھارا نکاح ہوا تھا طلاق دیدو۔ اور جس کے ساتھ رات گزاری تھی اس سے نکاح کرلو۔ حضرت سفیان کا جواب بھی اپنی جگہ درست تھا اس لئے کہ وطی بالشبہہ سے نکاح نہیں ٹوٹتا امام صاحب بھی اس کو جانتے تھے۔ مگر سوال یہ تھا کہ کیا دونوں شوہر اسے پسند کرتے؟ کیا یہ غیرت کے منافی نہ تھا؟

مخالفت کے اسباب ایک تو وہی حسد چونکہ جب امام صاحب کے فضل و کمال کی شہرت ہوئی تو ساری مجلسیں سونی ہوگئیں۔ عوام و خواص سب کے مرجع اعظم، حضرت امام ہی ہوگئے۔ یہ بات معاصرین کے لئے بہت تکلیف دہ تھی۔ اس سے لوگ امام کا وقار گرانے کیلئے ان پر بے جا تنقیدات کرنے لگے۔

دوسرا سبب معاصرین سے اگر کوئی لغزش ہوتی تو اظہار حق کے لئے حضرت امام اس کو ظاہر کرتے۔ اس سے لوگ چڑھ جاتے۔ محمد بن عبدالرحمٰن جو قاضی ابن ابی لیلیٰ کے نام سے مشہور ہیں۔ کوفے کے بہت بڑے فقیہ تھے۔ تینیس برس کوفے کے قاضی رہے۔ ان سے کبھی کبھی فیصلوں میں غلطی ہو جاتی تھی۔ حضرت امام ان کی اصلاح کے لئے انھیں تنبیہ فرمایا کرتے تھے۔ انھیں یہ بات ناپسند تھی۔ اس لئے وہ حضرت امام سے ایک خلش رکھتے تھے۔ وہ مسجد میں بیٹھ کر مقدمات دیکھتے تھے۔ ایک دن مجلس قضا سے فارغ ہو کر کہیں جارہے تھے۔ راستے میں ایک عورت کا کسی سے جھگڑا ہو رہا تھا۔ عورت نے اس شخص کو یا ابن الزانیین کہدیا۔ (یعنی اے زانی اور زانیہ کے بیٹے) قاضی صاحب نے حکم دیا کہ عورت کو پکڑ کر مجلس قضا میں لے چلو! یہ بھی واپس آئے اور حکم دیا کہ عورت کو کھڑی کرکے قذف کی دوہری سزا دی جائے۔ اسّی اسّی یعنی ایک سو ساٹھ کوڑے مارے جائیں۔ جب امام صاحب کو اس کی اطلاع ملی تو فرمایا۔ ابن ابی لیلیٰ نے اس میں چھ غلطیاں کی ہیں۔ مجلس قضا سے اٹھنے کے بعد دوبارہ فوراً واپس آکر فیصلے کے لئے بیٹھے۔ مسجد میں حد مارنے کا حکم دیا۔ حالانکہ رسول اللہ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مسجد میں حد جاری کرنے سے منع فرمایا ہے۔ عورت کو بٹھا کر حد مارنی چاہئے۔ انھوں نے کھڑے کراکر دُرّے لگوائے۔ ایک ہی حد لازم تھی انھوں نے دو جاری کیں۔ ایک ہی ساتھ دو حدیں لگوائیں۔ حالانکہ اگر کسی پر دو حد لازم بھی ہو تو ایک حد کے بعد مجرم کو چھوڑ دینا چاہئے جب اس کے زخم اچھے ہو جائیں تو دوسری حد لگانی چاہئے۔ جسے

عورت نے ابن المزانیین کہا تھا اس نے جب مطالبہ نہیں کیا تھا۔ تو قاضی صاحب کو مقدمہ قائم کرنے کا حق نہ تھا۔ اس تنقید کی اطلاع جب قاضی صاحب کو ہوئی تو سخت ناراض ہوئے۔ کوفہ کے گورنر سے شکایت کی کہ ابوحنیفہ نے مجھے پریشان کر رکھا ہے۔ گورنر نے حضرت امام پر پابندی لگادی کہ امام ابوحنیفہ فتوی نہیں دے سکتے۔ کوفہ میں اور بہت سے فقہاء تھے۔ اس صورت میں فتوی دینا فرض کفایہ تھا۔ امام صاحب نے فتوی دینا بند کر دیا۔ اسی اثنا ایک دن گھر میں تشریف رکھتے تھے۔ کہ ان کی صاحبزادی نے پوچھا کہ آج میں روزے سے ہوں۔ دانت سے خون نکلا اور میں نے بار بار تھوکا یہاں تک کہ تھوک بالکل سفید ہو گیا اس میں خون کا اثر بالکل ظاہر نہیں ہوتا اب اگر میں تھوک گھونٹ لوں تو میرا روزہ رہے گا یا جاتا رہے گا۔ تو امام صاحب نے فرمایا۔ بیٹی۔ تم اپنے بھائی حماد سے پوچھ لو۔ مجھے آج کل فتوی دینے سے روک دیا گیا ہے۔ ابن خلکان نے اس پر لکھا ہے کہ اطاعت امیر اور دیانت و امانت کی اس سے بڑھ کر اور کوئی مثال نہیں ہو سکتی [1] لیکن جب مسائل میں خود کوفہ کے گورنر کو دشواریاں پیش آنی شروع ہوئیں اور کوئی حل نہ کر سکا تو اسے بھی مجبور ہو کر حضرت امام کی طرف رجوع کرنا پڑا۔ اور حکم امتناعی اٹھالینا پڑا۔ امام عبد الوہاب شعرانی فرماتے ہیں

وکان ھذا المنع للامام رضی اللہ تعالیٰ عنہ قبل اجتماعہ بہ ومعرفتہ بمقام الامام فی العلم [2]

یعنی امام صاحب کو فتوی دینے سے منع کرنا آپ کی ملاقات اور آپ کے پایۂ علمی کی معرفت سے پیشتر تھا۔

اور جب امام صاحب کے پایۂ علمی کا علم ہوا تو پکار اٹھا۔

ھذا عالم الدنیا الیوم [3]

یعنی یہ آج دنیا کے عالم ہیں۔

یحیی بن سعید، شہنشاہ منصور عباسی کے یہاں بہت رسوخ رکھتے تھے۔ کوفے کے قاضی تھے۔ مگر کوفے میں ان کو وہ قبول عام نہ حاصل ہو سکا جو حضرت امام اعظم کا تھا۔ اس پر ان کو بہت تعجب ہوتا تھا۔ کہا کرتے تھے کہ کوفے والے عجیب کم عقل ہیں۔ تمام شہر ایک شخص یعنی امام ابوحنیفہ کی مٹھی میں ہے۔ اس پر امام اعظم نے امام ابویوسف امام زفر اور چند اور شاگردوں کو بھیجا کہ قاضی صاحب سے مناظرہ کریں۔ امام ابویوسف نے قاضی یحیی سے پوچھا۔ ایک غلام دو آدمیوں میں شریک ہے۔ ان میں سے ایک شخص آزاد کرنا چاہتا ہے۔ تو آزاد کر سکتا ہے یا نہیں؟۔ قاضی صاحب نے کہا کہ نہیں کر سکتا۔ اس میں دوسرے حصہ والے کا نقصان ہے۔ حدیث میں ہے لاضرر ولاضرار۔ جس کام سے دوسرے کو ضرر پہونچے جائز نہیں۔ امام ابویوسف نے پوچھا اگر دوسرا آزاد کر دے تو؟۔ اس پر قاضی صاحب نے کہا اب آزاد ہو جائے گا۔ امام ابویوسف نے کہا۔ آپ نے اپنے قول کا رد کر دیا۔ پہلے نے جب غلام آزاد کیا تو اس کا آزاد کرنا بے اثر رہا۔ یہ غلام، پورا کا پورا غلام ہی رہا۔ اب دوسرے نے آزاد کیا تو وہی پہلی پوزیشن لوٹ آئی۔ اب کیسے آزاد ہو گیا؟۔

---

[1] ترجمہ ابن ابی لیلی ج ۱ صفحہ ۱۹۲، [2] کتاب المیزان ج ۱ صفحہ ۶۲، [3] تبییض الصحیفہ صفحہ ۲۰،

تیسرا سبب یہ ہے کہ کچھ ناخدا ترس ایسے بھی تھے جو حضرت امام کے خلاف جھوٹے قصے وضع کرکے منسوب کرتے تھے۔ مثلاً نعیم بن حماد، یہ وہ بزرگ ہیں جنھیں امام نسائی نے، ضعیف کہا۔ ابوالفتح ازدی وغیرہ نے کہا کہ یہ وضاع کذاب تھا۔ امام ابوحنیفہ کی تنقیص کے لئے جھوٹی روایتیں گڑھا کرتا تھا۔ اور حدیثیں بھی وضع کرتا تھا۔ اور بہانہ یہ بناتا کہ میں ایسا تقویت سنت کے لئے کرتا ہوں ایسے لوگوں پر حیرت نہیں۔ حیرت امام بخاری پر ہے کہ انھوں نے ایسے کذاب وضاع کی حدیثوں پر اعتماد کرکے اپنی کتابوں میں اسے جگہ دی۔ اس سلسلے میں علامہ سخاوی کا فیصلہ نقل کرکے ہم اس بحث کو ختم کرتے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں:۔

حافظ ابوالشیخ بن حبان نے کتاب السنہ میں، یا حافظ ابن عدی نے کامل میں، یا ابوبکر خطیب نے تاریخ بغداد میں، یا ابن ابی شیبہ نے اپنے مُصَنَّف میں، یا بخاری اور نسائی نے، بعض ائمہ کے بارے میں جو لکھا۔ یہ ان کی شان علم واتقان سے بعید ہے۔ ان باتوں میں ان کی پیروی نہ کی جائے۔ اس سے احتراز کیا جائے۔ بحمدہ تعالیٰ ہمارے مشائخ کا یہی طریقہ تھا۔ کہ اسلاف کی اس قسم کی باتوں کو مشاجراتِ صحابہ کی قبیل سے مانتے تھے۔ اور سب کا ذکر خیر سے کرتے تھے۔

تلامذہ حضرت امام اعظم کے تلامذہ کی صحیح تعداد معین کرنا مشکل ہے۔ یہ تلامذہ تین قسم کے تھے۔ ایک وہ جن کی شہرت صرف فقہ میں ہوئی ان کی تعداد اتنی زیادہ ہے کہ ان کا کوئی شمار نہیں۔ دوسرے وہ جن کی شہرت بحیثیت محدث ہوئی ان کی بھی تعداد ہزاروں ہے۔ تیسرے وہ جو دونوں حیثیت سے ممتاز ہوئے۔ ان سب کی تفصیلی بحث تو دفتر چاہتی ہے۔ صرف اسماء کی فہرست تیار کرنے کے لئے سیکڑوں صفحات چاہئے۔ ناظرین کی طمانیت خاطر کے لئے اتنا ہی ذکر کافی ہے کہ امام اعظم کے تلامذہ میں ایک بہت بڑی تعداد ان محدثین کی ہے۔ جو اصحاب صحاح ستہ اور امام احمد یحییٰ بن معین وغیرہ کے بھی شیخ یا شیخ الشیخ ہیں۔ ان میں خصوصیت سے قابل ذکر مکی بن ابراہیم بلخی ہیں۔ جو امام بخاری کی بائیس ثلاثیات میں سے گیارہ ثلاثیات کے شیخ ہیں۔ بلخ کے امام ہیں۔ ان کا قول ہے امام ابوحنیفہ اپنے زمانے میں سب سے بڑے عالم سب سے بڑے زاہد سب سے بڑے حافظ تھے۔ حافظ اُس عہد میں محدث کو کہتے تھے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ ان کے نزدیک امام صاحب سب سے بڑے محدث تھے۔ مشہور محدثین نے خاص اس سند سے بھی احادیث اپنی تصنیفات میں لی ہیں۔ جن کے راویوں میں حضرت امام اعظم بھی ہیں۔ امام دارقطنی نے اس کے باوجود کہ امام اعظم سے تعصب رکھتے تھے۔ اپنی سنن میں ۳۳ جگہ ایسی روایت لی ہیں۔ حاکم کی مستدرک، طبرانی کی معجم صغیر، مسند ابوداؤد طیالسی میں امام اعظم کے واسطے سے مروی حدیثیں موجود ہیں۔ حتیٰ کہ صاحب خلاصہ نے امام اعظم کے ترجمے میں، ترمذی، نسائی، جزء البخاری کی علامت لگائی ہے۔ مجمع البحار میں ہے کہ ترمذی اور نسائی نے بھی امام صاحب کی روایت لی ہے۔ علامہ ابن حجر نے تقریب میں امام اعظم کے حالات میں نسائی اور ترمذی کی علامت لگائی اور تہذیب التہذیب میں ان روایتوں کا ذکر کیا۔ اس کا حاصل یہ ہوا کہ امام بخاری امام ترمذی، ابوداؤد طیالسی، طبرانی، حاکم حتیٰ کہ دارقطنی تک، امام صاحب کے تلامذہ میں سے ہیں۔ اگرچہ کچھ درجے نیچے اگر حضرت

امام اعظم کی حدیث دانی پر کچھ معاندین نے نکتہ چینی کی ہے مگر حضرت امام اعظم کے تلامذہ میں ایسے ایسے جلیل القدر محدث گزرے ہیں کہ ان کی حدیث دانی میں کسی شبہ کی گنجائش نہیں ۔خصوصیت سے حضرت امام ابویوسف، حضرت امام محمد، حضرت عبداللہ بن مبارک حضرت فضیل بن عیاض، حفص بن غیاث، ابوعاصم النبیل، داؤد طائی، مسعر بن کدام، یزید بن ہارون، یحیی بن القطان، ہشام بن عروہ، یحیی بن زکریا بن زائدہ وغیرہ وغیرہ۔ کیا کوئی عقل والا یہ مان سکتا ہے کہ یہ اجلۂ محدثین نے کسی ایسے ہی شخص کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کیا ہے۔ جو حدیث سے نابلد ہو۔ اور تنگ بندی کو احکام شریعت بتا کر دنیا کو گمراہ کر گیا ہو۔ ع

آواز دو انصاف کو، انصاف کہاں ہے

وفات

بنی امیہ کے خاتمے کے بعد سفاح پھر منصور نے اپنی حکومت جمانے اور لوگوں کے دلوں میں اپنی ہیبت بٹھانے کے لئے وہ وہ مظالم کئے جو تاریخ کے خونی اوراق میں کسی سے کم نہیں۔ منصور نے خصوصیت کے ساتھ سادات پر جو مظالم ڈھائے ہیں وہ سلاطینِ عباسیہ کی پیشانی کا بہت بڑا بدنما داغ ہیں۔ اسی خونخوار نے حضرت محمد بن ابراہیم دیباج کو دیوار میں زندہ چنوا دیا۔ آخر تنگ آمد بجنگ آمد۔ ان مظلوموں میں سے حضرت محمد نفس ذکیہ نے مدینہ طیبہ میں خروج کیا۔ ابتداءً ان کے ساتھ بہت تھوڑے لوگ تھے۔ بعد میں بہت بڑی فوج تیار کرلی۔ حضرت امام مالک نے بھی ان کی حمایت کا فتوی دے دیا۔ نفس ذکیہ بہت شجاع فن جنگ کے ماہر قوی طاقتور تھے۔ مگر اللہ عزوجل کی شان بے نیازی کہ جب منصور سے مقابلہ ہوا تو ۱۴۵ھ میں داد مردانگی دیتے ہوئے شہید ہو گئے۔

ان کے بعد ان کے بھائی ابراھیم نے خلافت کا دعوی کیا۔ ہر طرف سے ان کی حمایت ہوئی۔ خاص کوفے میں لگ بھگ لاکھ آدمی ان کے جھنڈے کے نیچے جمع ہو گئے۔ بڑے بڑے ائمہ علماء فقہاء نے ان کا ساتھ دیا۔ حتی کہ حضرت امام اعظم نے بھی ان کی حمایت کی بعض مجبوریوں کی وجہ سے جنگ میں شریک نہ ہوسکے جس کا ان کو مرتے دم تک افسوس رہا۔ مگر مالی امداد کی۔ لیکن نوشتۂ تقدیر کون بدلے۔ ابراہیم کو بھی منصور کے مقابلے میں شکست ہوئی اور ابراہیم بھی شہید ہو گئے۔

ابراھیم سے فارغ ہو کر منصور نے ان لوگوں کی طرف توجہ کی جن لوگوں نے ان کا ساتھ دیا تھا۔ ۱۴۶ھ میں بغداد کو دارالسلطنت بنانے کے بعد منصور نے حضرت امام اعظم کو بغداد بلوایا۔ منصور انھیں شہید کرنا چاہتا تھا۔ مگر جواز قتل کے لئے بہانہ کی تلاش تھی۔ اسے معلوم تھا کہ حضرت امام میری حکومت کے کسی عہدے کو قبول نہ کریں گے۔ اس نے حضرت امام کی خدمت میں عہدۂ قضا پیش کیا۔ امام صاحب نے یہ کہہ کر انکار فرمادیا کہ میں اس کے لائق نہیں۔ منصور نے جھنجھلا کر کہا تم جھوٹے ہو۔ امام صاحب نے فرمایا۔ کہ اگر میں سچا ہوں تو ثابت کہ میں عہدۂ قضا کے لائق نہیں، جھوٹا ہوں تو بھی عہدۂ قضا کے لائق نہیں اس لئے کہ جھوٹے کو قاضی

بنانا جائز نہیں۔ اس پر بھی منصور نہ مانا اور قسم کھا کر کہا کہ تم کو قبول کرنا پڑے گا۔ امام صاحب نے بھی قسم کھائی کہ ہرگز نہیں قبول کروں گا۔ ربیع نے غصے سے کہا ابوحنیفہ تم امیرالمومنین کے مقابلے میں قسم کھاتے ہو۔ امام صاحب نے فرمایا۔ ہاں یہ اس لئے کہ امیرالمومنین کو قسم کا کفارہ ادا کرنا بہ نسبت میرے زیادہ آسان ہے۔ اس پر منصور نے جز بز ہو کر حضرت امام کو قید خانے میں بھیج دیا۔ اس مدت میں منصور حضرت امام کو بلا کر اکثر علمی مذاکرات کرتا رہتا تھا۔ منصور نے حضرت امام کو قید تو کر دیا مگر وہ ان کی طرف سے مطمئن ہرگز نہ تھا۔ بغداد چونکہ دارالسلطنت تھا۔ اس لئے تمام دنیائے اسلام کے علماء، فقہاء، امراء، تجار، عوام، خواص بغداد آتے تھے حضرت امام کا غلغلہ پوری دنیا میں گھر گھر پہنچ چکا تھا۔ قید نے انکی عظمت اور اثر کو بجائے کم کرنے اور زیادہ بڑھا دیا۔ جیل خانے ہی میں لوگ جاتے اور ان سے فیض حاصل کرتے۔ حضرت امام محمد اخیر وقت تک قید خانے میں تعلیم حاصل کرتے رہے۔ منصور نے جب دیکھا کہ یوں کام نہیں بنا تو خفیہ زہر دلا دیا۔ جب حضرت امام کو زہر کا اثر محسوس ہوا تو خالق بے نیاز کی بارگاہ میں سجدہ کیا سجدے ہی کی حالت میں روح پرواز کر گئی۔ ع

جتنی ہو قضا ایک ہی سجدے میں ادا ہو۔

تجہیز و تدفین وصال کی خبر بجلی کی طرح پورے بغداد میں پھیل گئی۔ جو سنتا بھاگا ہوا چلا آتا۔ قاضی بغداد عمارہ بن حسن نے غسل دیا۔ غسل دیتے جاتے اور یہ کہتے جاتے تھے واللہ! تم سب سے بڑے فقیہ سب سے بڑے عابد سب سے بڑے زاہد تھے۔ تم میں تمام خوبیاں جمع تھیں۔ تم نے اپنے جانشینوں کو مایوس کر دیا ہے کہ وہ تمہارے مرتبے کو پہنچ سکیں۔ غسل سے فارغ ہوتے ہوتے جم غفیر اکٹھا ہو گیا۔ پہلی بار نماز جنازے میں پچاس ہزار کا مجمع شریک تھا۔ اس پر بھی آنے والوں کا تانتا بندھا ہوا تھا چھ بار نماز جنازہ ہوئی۔ اخیر میں حضرت امام کے صاحبزادے، حضرت حماد نے نماز جنازہ پڑھائی۔ عصر کے قریب دفن کی نوبت آئی۔

حضرت امام نے وصیت کی تھی کہ انھیں خیزران کے قبرستان میں دفن کیا جائے اس لئے کہ یہ جگہ غصب کردہ نہیں تھی۔ اسی کے مطابق اس کے مشرقی حصے میں مدفون ہوئے۔ دفن کے بعد بھی بیس دن تک لوگ حضرت امام کی نماز جنازہ پڑھتے رہے۔ ایسے قبول عام کی مثال پیش کرنے سے دنیا عاجز ہے۔

اس وقت ائمہ محدثین و فقہاء موجود تھے۔ جن میں بعض حضرات امام کے استاذ بھی تھے سب کو حضرت امام کے وصال کا بے اندازہ غم ہوا۔ مکہ معظمہ میں ابن جریج تھے۔ انھوں نے وصال کی خبر سنکر انا للہ پڑھا اور کہا۔ بہت بڑا عالم چلا گیا۔ بصرہ کے امام اور خود حضرت امام کے استاذ امام شعبہ نے بہت افسوس کیا اور فرمایا۔ کوفے میں اندھیرا ہو گیا۔ امیرالمومنین فی الحدیث حضرت عبداللہ بن مبارک وصال کی خبر سنکر بغداد حاضر ہوئے۔ جب امام کے مزار پر پہونچے۔ روتے جاتے تھے اور کہتے جاتے تھے۔ ابوحنیفہ! اللہ عزوجل تم پر رحمت برسائے۔ ابراہیم گئے تو اپنا جانشین چھوڑ گئے۔ حماد نے وصال کیا تو تمہیں اپنا جانشین

چھوڑا۔ تم گئے تو پوری دنیا میں کسی کو اپنا جانشین نہیں چھوڑا۔

حضرت امام کا مزار پرانوار اس وقت سے لے کر آج تک مرجع عوام و خواص ہے۔ حضرت امام شافعی نے فرمایا۔ میں امام ابوحنیفہ کے توسل سے برکت حاصل کرتا ہوں۔ روزانہ ان کے مزار کی زیارت کو جاتا ہوں۔ جب کوئی حاجت پیش آتی ہے تو ان کے مزار کے پاس دو رکعت نماز پڑھ کر دعا کرتا ہوں تو مراد پوری ہونے میں دیر نہیں لگتی۔ جیسا کہ شیخ ابن حجر مکی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

اعلم انہ لم یزل العلماء وذوو الحاجات یزورون قبرہ ویتوسلون عندہ فی قضاء حوائجھم ویرون نجح ذلک منھم الامام الشافعی رحمۃ اللہ علیہ انتہی[1]

یعنی جان لے کہ علماء و اصحاب حاجات امام صاحب کی قبر کی زیارت کرتے رہے اور قضاء حاجات کے لئے آپ کو وسیلہ پکڑتے رہے اور ان حاجتوں کا پورا ہونا دیکھتے رہے ہیں ان علماء میں سے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ بھی ہیں۔

سلطان الپ ارسلان سلجوقی نے ۴۵۹ھ میں مزار پاک پر ایک عالیشان قبہ بنوایا۔ اور اس کے قریب ہی ایک مدرسہ بھی بنوایا۔ یہ بغداد کا پہلا مدرسہ تھا۔ نہایت شاندار لاجواب عمارت بنوائی۔ اس کے افتتاح کے موقع پر بغداد کے تمام علماء و عمائد کو مدعو کیا۔ یہ مدرسہ "مشہد ابوحنیفہ" کے نام سے مشہور ہے۔ مدت تک قائم رہا۔ اس مدرسہ سے متعلق ایک مسافر خانہ بھی تھا جس میں قیام کرنے والوں کو علاوہ اور سہولتوں کے کھانا بھی ملتا تھا۔ بغداد کا مشہور دارالعلوم نظامیہ اس کے بعد قائم ہوا۔ حضرت امام کا وصال نوے سال کی عمر میں شعبان کی دوسری تاریخ کو ۱۵۰ھ میں ہوا۔

---

[1] خیرات الحسان صـ۶۹،

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ؀

الحمد للہ ھو الفقہ الاکبر؛ والصلوٰۃ علی حبیبہ وھی الحدیث الازھر؛

وعلی الہ وصحبہ سفن النجاۃ و مصابیح الغرر؛

حضرت امام بخاری نے اپنی اس عظیم الشان تصنیف کو بسم اللہ سے تو شروع فرمایا مگر اللہ عزوجل کی حمد اور شہادتین سے شروع نہیں فرمایا۔ حالانکہ حدیث میں ہے:۔

(۱) کل امرذی بال لم یبدأ بحمد اللہ فھو اقطع۔ ہر عظیم الشان کام اللہ کی حمد سے نہ شروع کیا جائے وہ بے برکت ہے۔

(۲) کل خطبۃ لیس فیھا شھادۃ کالید الجذعاء۔ جس خطبے میں شہادت نہ ہو وہ کٹے ہوئے ہاتھ کے مثل ہے۔

ان دونوں حدیثوں کو امام ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ وغیرہ نے حضرت ابوہریرہ سے روایت کی ہیں۔ اس کا سب سے صحیح اور تحقیقی جواب صرف یہ ہے کہ ان دونوں حدیثوں میں یہ نہیں کہ جب کچھ لکھنا چاہو تو حمد و شہادت کو پہلے لکھو بھی۔ صرف ابتداء کا حکم ہے۔ ہو سکتا ہے کہ امام بخاری نے حمد اور شہادتین لکھنے سے پہلے زبان سے ادا کر لئے ہوں۔

دوسرا جواب بھی ایک وزن رکھتا ہے کہ ہو سکتا ہے کہ یہ دونوں احادیث امام بخاری کی شرط پر نہ ہوں۔ تو ان پر ضروری نہیں ہوا کہ وہ اس پر عمل کرتے۔ جیسا کہ اس کے ایک راوی قرہ بن عبدالرحمٰن کو ضعیف کہا گیا ہے۔ اگرچہ یہ حدیث صحیح ہے جیسا کہ ابن حبان اور ابوعوانہ نے تصریح کی ہے۔ نیز یہ حدیث نسائی میں سعید بن عبدالعزیز سے بھی مروی ہے۔ اس متابعت سے قرہ کی وجہ سے جو ضعف تھا ختم ہو گیا۔ لیکن واقع میں کسی حدیث کا صحیح ہونا اور بات ہے اور امام بخاری کے نزدیک صحیح ہونا اور بات ہے۔

اس کے چند اور بھی جوابات دیئے گئے ہیں۔ مگر وہ صحیح نہیں۔ مثلاً یہ کہ یہ ارشاد خطبوں اور تقریروں کے ساتھ خاص ہے چونکہ زمانہ جاہلیت میں یہ دستور تھا کہ اپنے خطبوں کو وہ کسی شعر سے شروع کرتے تھے۔ اس کے رد کے لئے فرمایا۔ اس پر دلیل یہ ہے کہ ایک گنوار آیا اور بغیر حمد کے تقریر شروع کر دی تو حضور نے فرمایا۔ بئس الخطیب انت۔ کل امر الحدیث اس سے ظاہر ہے کہ خطبوں کے لئے ہے۔ یہ جواب اس لئے صحیح نہیں۔ کہ اعتبار لفظ کے عموم کا ہوتا ہے واقعہ کی خصوصیت کا نہیں ہوتا۔ جب ارشاد عام ہے کہ فرمایا۔ کل امرذی بال۔ ہر شاندار کام۔ تو اسے عام ہی رکھنا ضروری ہے۔

دوسرا جواب یہ دیا گیا۔ کہ یہ حدیث منسوخ ہے۔ اس لئے کہ صلح حدیبیہ کے موقعہ پر جو صلح نامہ لکھا گیا اس میں صرف

بسم اللہ ہے۔ علاوہ ازیں سلاطین کے نام حضور اقدس صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جو والا نامے بھیجے تھے ان میں صرف تسمیہ ہے حمد نہیں۔ اس جواب میں یہ خامی ہے کہ چونکہ تاریخ معلوم نہیں۔ اس لئے دعوی نسخ درست نہیں۔ ثانیاً اگر یہ ثابت بھی ہو جائے کہ صلح حدیبیہ وغیرہ سے پہلے کا یہ ارشاد ہے تو بھی نسخ کا دعوی درست نہیں۔ اس لئے کہ نسخ کے لئے ضروری ہے کہ ایسا تعارض ہو جو اٹھ نہ سکے۔ اور یہاں ایسا نہیں یہ کہا جا سکتا ہے کہ ان مکتوبات میں حمد کا ترک بیان جواز کے لئے ہے۔

تیسرا جواب یہ دیا گیا۔ امام بخاری نے یہ نہیں پسند فرمایا کہ ارشاد رسول پر اپنے کلام کو مقدم کریں۔ باب اور سند کا مقدم ہونا باعتبار ظاہر کے ہے حقیقت میں یہ دونوں مؤخر ہیں۔ اس لئے کہ یہ دونوں حدیث کے توابع میں سے ہیں۔ یہ جواب اس لئے درست نہیں چونکہ تقدیم ہوتی ہے حمد الٰہی کی۔ حمد الٰہی کی تقدیم میں کوئی حرج نہیں۔ پھر چونکہ یہ مامور ہے اور مامور بہ پر عمل ویسے ہی ہوگا جیسے حکم کیا گیا ہے۔ اور اس میں کوئی سوء ادب نہیں ترجمہ باب اور سند کی تقدیم کا یہ عذر کہ حقیقۃً مؤخر ہے بے معنی ہے۔ اس لئے کہ اعتبار ظاہر کا ہے۔ اور ظاہر میں یہ مقدم ہیں۔ ایک یہ بھی جواب دیا گیا ہے کہ چونکہ سب سے پہلے سورۂ اقرأ ہوئی اس میں صرف بسم اللہ ہے۔ حمد نہیں۔ یہ جواب یوں ساقط ہے کہ اولاً سورۂ اقراء کے نزول کے وقت بسم اللہ کا نزول ثابت نہیں۔ ابھی تیسری حدیث آتی ہے۔ اس میں بسم اللہ کا ذکر نہیں۔ ثانیاً اعتبار قرآن مجید کا ترتیب عثمانی کا ہے۔ جو منزل من اللہ ہے۔ اس میں بسم اللہ کے بعد حمد بھی ہے۔ اور یہ کہنا کہ یہ حمد وثنا حمد نہیں تعلیم کے لئے ہے ادعاء بے دلیل ہے۔ الغرض اس قسم کے اور بھی جوابات دیئے گئے ہیں۔ مگر وہ سب بے وزن ہیں۔ یہاں یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ ابتدا میں حمد واجب نہیں۔ مستحب ہے۔ مستحب پر ثواب ضرور ملتا ہے۔ لیکن ترک پر کوئی مواخذہ نہیں۔ اگر امام بخاری نے ترک کر دیا تو ان پر کیوں مواخذہ ہوتا ہے۔ اس لئے یہ سوال ہی سرے سے اس لائق نہیں کہ اس کو ذکر کیا جائے۔ عہد قدیم میں یہی طریقہ تھا کہ مصنفین صرف بسم اللہ پر اکتفا کرتے تھے۔ موطا امام مالک۔ مصنف ابن عبد الرزاق وغیرہ کا یہی حال ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

بَابُ كَيْفَ كَانَ بَدْءُ الْوَحْيِ

اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ

(۱) حدیث اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ

سَمِعْتُ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ عَلَی الْمِنْبَرِ یَقُوْلُ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ

علقمہ بن وقاص لیثی کہتے ہیں کہ میں نے عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ ف سے ممبر پر یہ کہتے سنا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا

تشریحات ①

ف سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ (۱) یہ عام الفیل کے تیرہ سال بعد پیدا ہوئے انتالیس مردوں کے بعد، حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی دعا سے ۶ سنہ نبوی میں ایمان لائے۔ ۱۳ سنہ ۲۲ جمادی الآخرہ بروز سہ شنبہ مسند خلافت پر متمکن ہوئے۔ حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے غلام ابو لؤلؤ فیروز مجوسی نے نماز فجر میں زخمی کیا۔ تین دن کے بعد ۲۸۔ ذوالحجہ بروز دوشنبہ شہید ہوئے۔ روضۂ پاک میں حضرت صدیق اکبر کے پہلو میں دفن ہوئے۔ عمر مبارک ۶۳ سال ہوئی۔ دس سال چھ مہینے پانچ دن بڑی شان و شوکت کے ساتھ نیابت رسول کا حق ادا کیا۔ انھیں کے عہد خلافت میں وقت کے دو عظیم فرعون، قیصر روم و کسریٰ ایران کی ہزار ہا سالہ جابرانہ ظالمانہ سلطنتیں پاش پاش ہوئیں۔ عراق، ایران، مکران (بلوچستان) شام فلسطین

مصر وغیرہ وغیرہ بڑے ممالک اسلام کے زیرنگیں ہوئے۔ چار دانگ عالم میں اسلام کی ہیبت وشوکت بیٹھ گئی۔ جیساکہ خود حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس کی خبر دی تھی۔ عـلـہ

ابو حفص کنیت، فاروق اعظم لقب ہے۔ ان سے ۵۳۷ حدیثیں مروی ہیں۔ صحابہ میں عمر بن خطاب نام کے اور کوئی صاحب نہیں البتہ راویان حدیث میں اس نام کے چھ حضرات ہیں۔ صحابہ کرام میں عُمر نام کے ۲۲ اور حضرات ہیں۔ اور عمرو نام کے دو سو سے زائد صحابہ کرام ہیں۔ عُمر اور عمرو لکھنے میں یکساں ہی ہے اس لئے امتیاز کیلئے عمرو کے ساتھ واو لکھا جاتا ہے اور عُمر بغیر واو کے۔ جو واو کے ساتھ لکھا ہو وہ عَمرو ہے عین کے فتحہ اور میم کے جزم کے ساتھ اور جو عُمر بغیر واو کے ہے یہ عین کے ضمہ اور میم کے فتحہ کے ساتھ ہے ــــ اس پر اہلسنت کا اجماع ہے کہ تمام امت سے افضل صدیق اکبر ہیں پھر فاروق اعظم پھر عثمان غنی پھر علی مرتضیٰ پھر عشرہ مبشرہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین۔

ف ۲ اس حدیث کی حیثیت ابن مندہ کی تصریح کے مطابق یہ حدیث علاوہ حضرت عمر کے، حضرت علی و حضرت سعد و حضرت ابو سعید خدری و عبداللہ بن مسعود و عبداللہ بن عمر و انس و ابن عباس و معاویہ و ابوہریرہ و عُبادہ بن صامت و عتبہ بن عبدالاسلمی و ہُزال بن سُوید و عُقبہ بن عامر و جابر و ابوذر و عُتبہ ابن منذر و عُقبہ بن مسلم رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے بھی مروی ہے۔

ابن مندہ کا یہ قول اگر صحیح ہے تو یہ حدیث متواتر ہے۔ مگر اکثر محدثین کی رائے یہ ہے کہ یہ حدیث صرف حضرت عمر ہی سے مروی ہے۔ اور ان کے بعد یحییٰ بن سعید انصاری تک اس کے راوی ایک ایک رہے۔ یحییٰ بن سعید کے بعد یہ حدیث پھیلی ابو سعید محمد بن علی قشاب نے کہا کہ ڈیڑھ سو اور ابن مندہ نے کہا کہ تین سو سے زائد۔ حافظ ابو موسیٰ مدینی اور ابو اسماعیل ہروی نے کہا کہ سات سو حضرات نے یحییٰ بن سعید سے اس حدیث کو روایت کیا۔ اس پر کچھ کلام بھی کیا گیا ہے۔ مگر عند التحقیق یہ حدیث صحیح غریب مشہور ہے۔

یہ اُم الاحادیث ہے حضرت امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے صاحبزادے حضرت حماد کو بیس باتوں کی نصیحت فرمائی تھی ان میں انیسویں یہ تھی کہ میں نے پانچ لاکھ حدیثوں میں سے پانچ حدیثیں منتخب کی ہیں ان پر اعتماد کرنا۔ پھر انھیں پانچوں حدیثوں کو ذکر فرمایا عـ۵

سببِ ارشاد حضرت عبداللہ بن مسعود فرماتے ہیں۔ کہ میں ایک شخص نے، ام قیس نامی ایک عورت کو نکاح کا پیغام دیا۔ ام قیس نے یہ شرط رکھی اگر تم مدینہ ہجرت کرکے چلو تو تم سے نکاح کرلوں گی۔ انھوں نے ہجرت کی اور ان دونوں کا نکاح ہوگیا۔ ان کو ہم لوگ مہاجر ام قیس کہتے تھے (طبرانی معجم کبیر) اس پر علامہ ابن حجر نے اعتراض فرمایا۔ کہ یہ محض قیاس ہے۔ اس واقعہ کو سبب ارشاد ٹھہرانا درست نہیں اس لئے کہ روایتاً ثبوت ضروری ہے۔ اور روایت سے اس کا کوئی ثبوت نہیں۔

عـلـہ الاعلام۔ عـ۵ متممات جامع الاصول للشیخ احمد گمشخانوی۔

(یا ایھا الناس) اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ

اے لوگو! ـــــ اعمال[1] نیت ہی پر ہیں

اسی طرح ابن بطال مشہور محدث نے بحوالہ ابن سراج یہ بتایا کہ اسلام سے پہلے عربی اپنی لڑکیوں کا نکاح عجمی نسل کے لوگوں سے نہیں کرتے تھے۔ اسلام میں ایسے نکاح ہونے لگے تو بہت سے عجمی النسل ہجرت کر کے مدینہ پہونچے کہ ہمارا نکاح عربی عورتوں سے ہو جائے۔ اس پر یہ ارشاد فرمایا ـــ اس پر وہی ایراد ہے کہ اس کا کیا ثبوت کہ اسی وجہ سے یہ ارشاد فرمایا ـــــ یہ کہنا کہ ان لوگوں نے ایسی روایت پر اطلاع پائی جبھی تو اسے سبب ٹھہرایا ـــ یہ جواب پہلی وجہ میں بھی چل سکتا ہے کہ جن لوگوں نے مہاجر ام قیس کے واقعہ کو سبب ٹھہرایا۔ انھیں بھی کوئی روایت معتمد ملی ہوگی واللہ

الاعمال یہ عمل کی جمع ہے یہ اور فعل مرادف ہیں۔ مگر عند الاطلاق افعال سے مراد افعال جوارح ہی ہوتے ہیں۔ اور اعمال عام ہے افعال جوارح افعال لسان افعال قلب سب پر اس کا اطلاق ہوتا ہے[1] جس کی دلیل بخاری شریف کی یہ حدیث ہے۔ جو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے سوال ہوا۔ کونسا عمل افضل ہے۔ فرمایا۔ اللہ اور رسول پر ایمان، پوچھا گیا پھر کون تو فرمایا۔ جہاد۔ پھر دریافت کیا گیا پھر کون فرمایا حج مقبول۔ یہ عبادات، محرمات، مکروہات، مباحات سب کو شامل ہے۔ مگر یہاں مراد صرف،، اعمالِ صالحہ ہیں۔ اور بنظر دقیق مباحات بھی

نیات نیت کی جمع ہے۔ نیت، دل کے پختہ ارادے کو کہتے ہیں خواہ وہ کسی چیز کا ہو۔ اور شریعت میں عبادت کے ارادے کو کہتے ہیں۔ (تلویح)

ارادہ، عزم، قصد محققین کے نزدیک ارادہ اس صفت کو کہتے ہیں جس سے دو متساوی چیزوں میں ایک کو ترجیح دی جائے خواہ قدیم ہو خواہ حادث نیت، عزم قصد تینوں میں ارادہ حادث مراد ہے۔ اسی لئے ان کا اطلاق باری تعالیٰ پر نہیں ہوتا بخلاف ارادے کے کہ اس کا اطلاق اللہ تعالیٰ پر بھی ہوتا ہے۔

عزم، وہ ارادہ ہے جو فعل پر مقدم ہو۔

قصد، وہ ارادہ ہے جو فعل سے متصل اور فعل کے ساتھ پایا جاتا ہو۔

نیت، وہ ارادہ ہے جو عمل سے متصل و مقترن ہونے کے ساتھ ساتھ اسمیں عمل کی غایت بھی ملحوظ ہو۔

[1] حاشیہ خیالی ملا عبد الحکیم۔

مثلاً ایک شخص نے حج کا ارادہ کیا۔ سفر شروع کرنے تک عزم ہے۔ سفر شروع ہونے کے بعد قصد۔ اور اگر اسمیں یہ بھی ملحوظ ہے کہ یہ حج کا سفر ہے تو نیت

امام شافعی کا مذہب وضو میں نیت شرط ہے یا نہیں۔ امام شافعی وغیرہ کے نزدیک وضو میں نیت شرط ہے اس لئے اگر کسی نے وضو بغیر نیت کیا تو اس کا وضو صحیح نہ ہوا۔ اس وضو سے نماز نہ ہوگی۔ ان کے استدلال کا خلاصہ یہ ہے۔

امام شافعی کا استدلال اس پر سب کا اتفاق ہے کہ الاعمال سے مراد عبادات ہیں۔ مطلقاً ہر عمل نہیں مثلاً مباح یا گناہ مراد نہیں۔ الاعمال پر الف لام استغراق کے لئے ہے۔ اس لئے اسمیں تمام عبادات داخل ہیں۔ خواہ وہ مقصودہ ہوں خواہ غیر مقصودہ۔ اور اگر الف لام جنس کے لئے مانیں تو بھی یہی حاصل۔ اس لئے کہ "انّما" حصر کے لئے ہے۔ نیز مسند الیہ کا معرفہ ہونا بھی مفید حصر ہے۔ اور جنس کا حصر اُسی وقت ہوگا جبکہ اس کے تمام افراد کا حصر ہو۔ اگر ایک فرد بھی خارج ہوگا تو جنس کا حصر نہ ہوگا۔

باتفاق فریقین الاعمال کا مضاف محذوف ہے۔

کسی خاص مضاف کے حذف پر کوئی قرینہ نہیں۔ اس لئے مضاف محذوف عام ہوگا۔ یعنی وجود، حصول وغیرہ۔

تو اب مطلب یہ ہوا کہ کوئی عمل بغیر نیت کے موجود نہیں ہوتا۔ یہ باطل۔ اس لئے کہ اذان، قرات، ذکر وغیرہ بہت سی عبادتوں کا وجود باتفاق فریقین ہوجاتا ہے۔

تو اب اس حدیث کے صدق کے لئے یہاں معنی مجازی مراد لینا لازم ہوا اور یہ معنی مجازی حکم ہے۔ اور حکم دو ہیں، دنیوی یعنی صحت وفساد۔ اور اخروی یعنی ثواب۔

امام شافعی کے یہاں عموم مجاز مراد لینا جائز نہیں۔ اس لئے بیک وقت دونوں مراد نہیں ہوسکتے ان دونوں میں صرف ایک ہی مراد ہوگا۔ بہ نسبت ثواب کے صحت، عمل سے قریب تر ہے۔ اس لئے کہ صحت عمل پر مرتب ہوتی ہے اور ثواب صحتِ عمل پر یعنی صحت کا ترتب عمل پر بلا واسطہ ہے۔ اور ثواب کا بواسطہ۔ اس لئے صحت مراد لینے کو۔ ثواب پر ترجیح ہوئی ـــــــ اب حدیث کا مطلب یہ ہوا کہ جتنے بھی اعمال ہیں۔ خواہ مقصودہ ہوں خواہ غیر مقصودہ سب کی صحت نیت پر ہے۔ اگر نیت ہے تو صحیح ورنہ فاسد۔ اس لئے وضو بھی بلا نیت صحیح نہیں

جواب اس استدلال سے یہ ثابت ہوا کہ کوئی عبادت نیت کے بغیر عبادت نہیں۔ اس سے ہمیں انکار نہیں

ہم بھی یہ مانتے ہیں کہ بلانیت کوئی بھی عمل عبادت نہیں۔ حتیٰ کہ وضو و غسل بھی بغیر نیت عبادت نہ ہوں گے۔ مگر کسی عمل کا صحیح ہونا اور بات ہے اور اس کا عبادت ہونا اور بات۔ یہ ہو سکتا ہے کہ ایک شے فی نفسہ صحیح ہو مگر عبادت نہ ہو۔ جیسے نکاح۔ اگر بلانیت طاعت کیا عبادت نہ ہوا۔ مگر شرعاً صحیح ہے۔ اسی طرح ہم کہتے ہیں۔ اگر کسی نے بغیر نیت وضو کیا تو یہ وضو صحیح اگرچہ عبادت نہ ہوگا اس پر ثواب نہ ملے گا۔

اس کی توضیح یہ ہے کہ عبادت کی دو قسمیں ہیں۔ مقصودہ جیسے نماز روزے۔ ان سے مقصود حصول ثواب ہے۔ انہیں اگر بغیر نیت ادا کیا جائے تو یہ صحیح نہ ہوں گے اس لئے کہ ان سے مقصود ثواب تھا اور جب ثواب مفقود تو فوات مقصود کی وجہ سے اصل شے مفقود۔

دوسری عبادت غیر مقصودہ جو دوسری عبادتوں کے لئے ذریعہ ہوں جیسے نماز کے لئے چلنا، وضو غسل وغیرہ۔

ان عبادات غیر مقصودہ کو اگر کوئی بہ نیت طاعت کرے گا تو اسے ثواب ملے گا۔ اور اگر بلانیت کرے تو ثواب نہیں ملے گا۔ مگر یہ ذریعہ وسیلہ ہونے کے اعتبار سے شرعاً صحیح ہوں گی اور ان سے نماز صحیح ہو جائے گی۔ اور شوافع کے استدلال سے ثابت ہوا تو یہ کہ بغیر نیت وضو عبادت نہیں۔ یہ ثابت نہ ہوا کہ وہ اس معنی کر صحیح بھی نہ ہوا کہ نماز کے لئے ذریعہ بن سکے۔ یہ اگر عبادت نہ رہا تو کوئی خرابی نہیں۔ ان کا دوسرا اور اہم مقصد ذریعہ عبادت ہونا باقی رہا۔ جیسے چلنا کہ بے نیت طاعت مسجد کی طرف چلا تو یہ عبادت نہ ہوا مگر ذریعہ نماز تو ہو گیا۔ اسی طرح غسل طہارت ظاہری جس میں وضو بھی داخل ہے۔ بے نیت صحیح اگرچہ عبادت نہیں۔

احناف کا استدلال

شوافع کے استدلال سے ثابت ہوا کہ چند باتیں انہیں بھی تسلیم ہیں (۱) اعمال سے مراد عبادات ہیں (۲) نیت سے مراد نیت کا شرعی معنی۔ ارادہ طاعت ہے (۳) اور یہاں "الاعمال" کا مضاف محذوف ہے۔ (۴) اور یہ ضرورۃً محذوف مانا گیا ہے ــــ اب احناف کہتے ہیں :۔ جو چیز ضرورۃً مقدر مانی جاتی ہے وہ بقدر ضرورت ہوگی ضرورت سے زیادہ ماننے میں مفاسد کا فتح باب ہے۔

نیز اس کے حذف پر قرینہ بھی ہونا ضروری ہے۔ خواہ عقلی خواہ لفظی خواہ معنوی۔ تمام امت کا اس پر اجماع ہے کہ کسی بھی عبادت کا ثواب بغیر نیت نہیں ــــ نیز اس حدیث کا اخیر حصہ :۔

"جس کی ہجرت اللہ اور رسول کی طرف ہو اس کی ہجرت اللہ اور رسول کی طرف ہے اور جس کی ہجرت عورت یا دنیا کے لئے ہو

اس کی ہجرت اسی کی طرف ہے جس کی طرف اس نے ہجرت کی"۔

اس پر قرینہ ہے کہ کسی بھی عمل خیر پر ثواب نیت ہی سے ملیگا۔ بغیر نیت کوئی ثواب نہیں ملے گا ــــ ان دو عقلی اور لفظی قرائن کی وجہ سے یہاں ثواب کا محذوف ماننا ضروری ہے ــ اور اتنے سے حذف کی ضرورت پوری ہوگئی اور ثواب حکم اخروی ہے تو حکم دنیوی یعنی صحت مراد لینا ساقط۔ نیز اگر حکم کو محذوف مانیں اور مراد لیں دنیوی حکم یعنی صحت۔ تو حدیث کا اخیر حصہ اوّل کے معارض ہوگا۔ کیونکہ، انما الاعمال بالنیات کا مطلب یہ ہوا کہ بغیر نیت عمل صحیح نہیں۔ یعنی اس کا وجود ہی نہیں۔ اور عامل بریٔ الذمہ نہیں ــــ حالانکہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بلا نیت طاعت صرف حصول دنیا یا حصول عورت کے لئے ہجرت کرنے والے کی ہجرت کو ہجرت فرمایا۔ اور ان کو ادائے فرض سے بری الذمہ مانا۔ ورنہ لازم آئے گا کہ یہ صحابہ تارک فرض ہوکر فاسق ہوئے۔ کیونکہ قبل فتح مکہ ہجرت فرض تھی۔ اور صحابہ کل عادل۔ تو ماننا پڑے گا کہ یہ ہجرت صحیح اور ایسے مہاجر بھی ہجرت کے فرض سے سبکدوش ہوگئے۔ اس لئے حدیث کے اول و آخر کو تعارض سے بچانے کے لئے ثواب کو محذوف ماننا لازم۔ اب جبکہ ثابت ہوگیا کہ یہاں محذوف ثواب ہے۔ تو حدیث کا یہ مطلب ہوا کہ ــــ

ــــ اعمال کا ثواب نیت ہی پر ہے۔ بغیر نیت کسی عمل پر ثواب کا استحقاق نہیں۔

ــــ بلکہ اب اسکی بھی حاجت نہ رہی کہ اعمال کو عبادات کے ساتھ خاص رکھا جائے۔ مباحات بھی اگر بہ نیت طاعت کئے جائیں تو ان پر بھی ثواب ملے گا۔ یہ دوسری بات ہے کہ اب یہ مباحات عبادات ہوجائیں گے۔ مگر یہاں بحث یہ نہیں کہ کیا چیز مآل کے اعتبار سے عبادت ہوسکتی ہے۔ بلکہ گفتگو اس میں ہے کہ جو چیز فی الحال عبادت ہے وہی مراد ہے، یا جو فی الحال مباح ہے اور مآل کار عبادت ہو وہ بھی مراد ہے۔

وَإِنَّمَا لِكُلِّ امْرِئٍ مَّا نَوَىٰ

ہر شخص کیلئے وہی ہے جو اس نے نیت کی[۱]

صرف نیت پر ثواب اول حصے میں "اعمال" افعال جوارح و افعال قلب کو شامل تھا جس میں نیت بھی داخل ہے۔ مگر نیت کے لئے نیت ضروری قرار دینے میں تسلسل لازم آتا ہے کہ پھر اس نیت کے لئے بھی نیت ضروری ہوگی۔ اسی طرح یہ سلسلہ غیر متناہی چلے گا۔ اس لئے ماننا پڑے گا کہ "وہاں اعمال" سے نیت خارج ہے "اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ" سے نیت کے سوا جملہ اعمال کا حکم بیان فرمانے کے بعد نیت کا حکم ارشاد فرمایا:۔

———— کہ ہر شخص کو اس کی نیت ہی کا ثواب ملے گا ————

اس کی تشریح اس حدیث قدسی میں ہے کہ اللہ عزوجل نے فرمایا:۔

اذا ھمّ عبدی بسیئۃ فلا تکتبوھا واذا ھمّ بحسنۃ فلم یعملھا فاکتبوھا حسنۃ فان عملھا فاکتبوھا عشراً

جب کوئی بندہ برائی کا ارادہ کرے تو اسے مت لکھنا جب بندہ کسی نیکی کرنے کا ارادہ کرے اور نہ کر سکے تو "ایک نیکی لکھو" اور اگر اسے کر لے تو دس لکھو

(بخاری کتاب التوحید۔ مسلم کتاب الایمان)

غزوۂ تبوک میں ارشاد فرمایا۔ مدینہ طیبہ میں کچھ لوگ اپنی مجبوریوں کی وجہ سے رہ گئے۔ ہمارے ساتھ نہیں آسکے وہ بھی ثواب میں ہمارے شریک ہیں۔ صحابہ نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! جب وہ ہمارے ساتھ شریک نہیں تو ثواب میں کیسے شریک ہوگئے۔ فرمایا اپنی سچی نیت کی بدولت۔

حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت رقیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی تیمارداری کی وجہ سے غزوۂ بدر میں شریک نہ ہو سکے مگر اپنی نیت کی بدولت ثواب میں شریک ہیں۔ اور مال غنیمت میں بھی انھیں حصہ ملا۔

اس سے صاف ظاہر ہوگیا کہ آدمی اگر کسی نیک کام کرنے کا ارادہ کرے اور نہ کر سکے تو اس پر بھی ثواب ملے گا اسی کو دوسری حدیث میں فرمایا:۔ "نیۃ المؤمن خیر من عملہ" مومن کی نیت اس کے عمل سے بہتر ہے۔

[۱] فی نسخۃ اخریٰ۔

فمن کانت ھجرتہ الی اللہ ورسولہ فھجرتہ الی اللہ ورسولہ ومن

لہذا جس کی ہجرت اللہ اور اس کے رسول کی طرف ہو اس کی ہجرت اللہ اور اس کے رسول ہی کی طرف ہے اور جسکی ہجرت

کانت ھجرتہ الی دنیا یصیبھا او الی امرأۃ ینکحھا فھجرتہ الی ما ھاجر الیہ

دنیا کی طرف ہو تاکہ اسے حاصل کرے یا کسی عورت کی جانب ہو کہ اس سے شادی کرے تو اسکی ہجرت اسی کیطرف ہے جسکی طرف اُسنے ہجرت کی

اس طرح کہ نیت پر ثواب بلا شرط ہے۔ اور عمل پر بشرط نیت ہے۔ نیز نیت میں کوئی مشقت نہیں۔ اور عمل میں مشقت ہے

تفریع دو حکم کلی بیان فرمانے کے بعد اس پر دو جزیئے کی تفریع فرمائی۔ حصر کے دو جز ہوتے ہیں۔ وجودی۔ عدمی۔ اسی طرح یہاں بھی ہیں ایک وجودی یعنی تمام اعمال کا ثواب نیت ہی سے حاصل ہوتا ہے۔ اسپر ارشاد فرمایا:۔

"جس کی ہجرت اللہ اور اس کے رسول کی طرف ہو، اس کی ہجرت اللہ اور اس کے رسول ہی کی طرف ہے"

دوسرے عدمی یعنی کسی عمل پر بغیر نیت ثواب نہیں۔ اس پر فرمایا:۔

"اور جس کی ہجرت دنیا حاصل کرنے یا کسی عورت سے شادی کرنیکے لیے ہو اسکی ہجرت اسی کی طرف ہے جس کی طرف اسنے ہجرت کی"

ہجرت کے معنی (۱) ہجرت، کے معنی لغوی۔ چھوڑنے کے ہیں۔ حدیث میں ہے:۔

المھاجر من ھجر ما نھی اللہ عنہ مہاجر وہ ہے جو چھوڑ دے جن سے اللہ نے منع فرمایا۔

شریعت میں۔ ہجرت، دین بچانے کے لئے ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہونے کو کہتے ہیں۔ ہجرت کبھی فرض ہوتی ہے کبھی واجب کبھی سنت کبھی مستحب۔ کبھی حرام کبھی مکروہ کبھی خلاف اولیٰ۔

دنیا (۲) دُنُوٌّ سے مشتق ہے، "فُعْلیٰ" کے وزن پر اسم تفضیل مؤنث ہے۔ دُنُوٌّ کے معنی قریب ہونا۔ دنیا کے معنی لغوی بہت زیادہ قریب ہونے والی ـــــ اور معنی عرفی سے مناسبت یہ ہے کہ دنیا زوال و فنا کے بہت قریب ہے۔

شریعت میں دنیا کسے کہتے ہیں۔ اس بارے میں دو قول ہیں۔ ایک یہ کہ جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے دنیا ہے۔ دوسرے یہ کہ تمام مخلوقات خواہ اعراض ہوں خواہ جواہر دنیا ہیں۔

ہجرت کے اقسام (۳) حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں چار قسم کی ہجرت ہوئی:۔

حبشہ کی ہجرت اولیٰ۔ حبشہ کی ہجرت ثانیہ۔ قبل فتح، مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت۔

ؑہ بخاری۔ کتاب الایمان۔ عتق۔ ہجرت۔ کتاب النکاح۔ ایمان والنذر۔ کتاب الحیل۔ اکراہ۔ طلاق ـــ مسلم باب الامارۃ ـــ ابوداؤد طلاق۔ نسائی طہارت۔ طلاق۔ ایمان ـــ ابن ماجہ زہد ـــ ترمذی مسند امام احمد دارقطنی ابن حبان بیہقی۔

② حدیث، وحی کے اقسام

عَنْ عَائِشَةَ اُمِّ الْمُؤْمِنِیْنَ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہَا

ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے،

قبائل عرب کی مدینہ کی طرف ھجرت ــــ احادیث میں جہاں کہیں ہجرت کا لفظ مطلق آیا ہے اس سے مراد مدینے کی طرف ہجرت ہے ۔ اس کے علاوہ احادیث میں ہجرت کا اطلاق ان معانی پر بھی آیا ہے ① شرعی وجوہ کی بنا پر ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہونا جیسا کہ بعض احادیث میں آیا ہے جب تک توبہ منقطع نہ ہوگی ہجرت بھی منقطع نہ ہوگی۔ اور توبہ سورج کے مغرب سے طلوع ہونے کے بعد منقطع ہوگی (ابوداؤد ۔ نسائی) اور فرمایا جب تک جہاد ہے ہجرت ہے جب تک دشمن لڑتا رہے گا ہجرت ہے (مسند امام احمد) اسی میں ایک حدیث یہ بھی ہے :۔ ہجرت کے بعد ہجرت ہوگی ۔ زمین کے اچھے لوگ حضرت ابراہیم کی ہجرت کی جگہ (شام) میں منتقل ہوجائیں گے اور بقیہ زمین پر بدترین لوگ رہ جائیں گے ② منہیات شرعیہ چھوڑنا۔

اس حدیث سے کتاب کے آغاز کا مقصد ہر کام پر ثواب چونکہ حسن نیت ہی پر مبنی ہے ۔ اور نیت بد سے اچھے سے اچھا کام بیکار ہے ۔ اس لئے امام بخاری نے اس حدیث سے کتاب کا آغاز کیا کہ قاری ومقری، شیخ و تلمیذ، تعلیم و تعلم بہ نیت خیر کریں کسی فاسد نیت سے نہ کریں ورنہ سب محنت اکارت اور رائگاں ہے۔

تشریحات ②

عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نام نامی ہے ۔ ام المومنین ۔ صدیقہ ۔ خطابات اور ام عبداللہ کنیت ۔ آپ کی بطن سے کوئی اولاد نہیں ہوئی ۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کے بھانجے حضرت اسماء کے صاحبزادے حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے اعتبار سے ام عبداللہ کنیت رکھی ۔

ام المومنین خاص انھیں کے لئے نہیں ۔ بلکہ تمام ازواج مطہرات کو کہا جاتا ہے ۔ جیسا کہ قرآن مجید میں فرمایا گیا ہے

اَزْوَاجُهٗۤ اُمَّهٰتُهُمْ ۔ نبی کی بیویاں مومنین کی مائیں ہیں

یہ خلیفہ اول حضرت صدیق اکبر کی صاحبزادی ہیں ۔ ماں کا نام ام رومان ہے جن کا وصال سنہ ۶ھ میں ہوا۔

حضرت صدیقہ ۴ سنہ نبوی میں پیدا ہوئیں ۱۰ سنہ میں حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی وفات کے بعد حبالہ عقد میں آئیں دیگر ازواج مطہرات کے برابر چار سو درہم مہر مقرر رہوا۔ نکاح کے بعد تین سال تک مکہ معظمہ رہیں۔ ہجرت کے بعد جب یہ بھی مدینہ طیبہ آگئیں۔ تو نو سال کی عمر میں رخصتی ہوئی۔ نو سال خدمت اقدس میں رہیں۔ بعد وصال ۴۸ سال زندہ رہیں ۵۸ھ بماہ رمضان بتاریخ ۱۷ شب سہ شنبہ میں بعمر ۶۶ سال مدینہ منورہ میں وصال فرمایا۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نماز جنازہ پڑھائی۔ وصیت کے مطابق دیگر ازواج مطہرات کے ساتھ جنت البقیع میں بعد نماز وتر دفن ہوئیں۔

یہ تمام فضائل و کمالات میں جملہ ازواج مطہرات سے ممتاز ہوتے ہوئے تین ایسی خصوصیات رکھتی ہیں جو کسی میں نہ تھیں۔

(۱) حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو آپ کے ساتھ بہ نسبت دیگر ازواج کے سب سے زیادہ محبت تھی۔

(۲) علم، اجتہاد میں سب سے زیادہ بڑھی ہوئی تھیں۔ حضرات خلفاء راشدین کے عہد ہی سے فتویٰ دیتی تھیں۔

(۳) جتنی احادیث ان سے مروی ہیں، ازواج مطہرات میں سے کسی سے مروی نہیں ــــ اسی وجہ سے ایک قول یہ ہے کہ یہ دنیا کی تمام عورتوں سے مطلقاً حتی کہ حضرت سیدہ اور حضرت خدیجہ سے بھی افضل ہیں۔

بعض حضرات نے فرمایا کہ چونکہ حضرت سیدہ صاحبزادی ہیں۔ جزئیت رسول کی وجہ سے یہ سب سے یہاں تک کہ حضرت صدیقہ سے بھی افضل ہیں۔

ایک فاسد استدلال لیکن یہ استدلال بے وزن ہے اس لئے کہ پھر لازم آئے گا کہ حضرت قاسم حضرت طیب حضرت طاہر حضرت زینب حضرت رقیہ حضرت ام کلثوم حضرت ابراہیم رضی اللہ تعالیٰ عنہم حضرت سیدہ کی فضیلت میں مساوی اور حضرت صدیقہ بلکہ خلفائے راشدین سے بھی افضل ہوں ــــ اور اس کی جرأت کوئی نہیں کر سکتا نہ اہلسنت نہ روافض۔

ایک لطیفہ ایک دفعہ حضرات خلفائے ثلٰثہ کی حضرت علی پر افضلیت کی گفتگو ہو رہی تھی کہ ایک صاحب نے بڑے جذباتی لہجے میں کہا۔ جگر جگر ہے۔ دِگر دِگر ہے۔

اس پر میں نے بیاختہ کہا کہ حضرت علی جگر ہیں کہاں ؟ پھر لازم کہ حضرت زینب رقیہ و ام کلثوم و سیدہ حضرت علی سے بھی افضل ہوں ــ بلکہ حضرات حسنین اور ان کے صاحبزادگان کا بھی حضرت علی سے افضل ہونا لازم آئے گا کہ یہ سب جگر ہیں اور حضرت علی جگر نہیں ــ اس پر وہ بہت جھلائے ــ

یہ تو محض نقل اقوال و استدلال فاسد کا جواب تھا۔ ورنہ اپنا ذوق، توقف ہے ــ ہاں یہ تفصیل کی جا سکتی ہے کہ حضرت خدیجہ و

اَنَّهَا قَالَتْ اِنَّ الْحَارِثَ بْنَ هِشَامٍ سَأَلَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

کہ حارث بن ہشام ۱ نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ۲ سے پوچھا

صدیقہ اور حضرت سیدہ تمام دنیا کی عورتوں سے افضل ازواج مطہرات میں سب سے افضل۔ حضرت خدیجہ اور حضرت صدیقہ اور بنات کرام میں سب سے افضل حضرت سیدہ ہیں۔

ان سے ۲۲۱۰ حدیثیں مروی ہیں۔ ۱۷۴، متفق علیہ ۵۴ صرف بخاری ۶۸ صرف مسلم نے روایت کیں۔

علماء فرماتے ہیں کہ دین کا چوتھائی حصہ آپ سے مروی ہے۔ اجلہ صحابہ کرام دقیق سے دقیق مشکل سے مشکل مسائل میں آپ کی طرف رجوع کرتے اور تسلی بخش جواب پاتے۔ تفسیر حدیث فقہ انساب۔ اسرار شریعت کی ماہر تھیں۔ خطابت میں بھی کمال حاصل تھا۔

حارث بن ہشام حضرت سیف اللہ خالد بن ولید کے چچا زاد اور ابوجہل لعین کے حقیقی بھائی تھے۔ جنگ بدر و احد میں قریش کے ساتھ تھے۔ فتح مکہ کے دن ایمان لائے۔ یہ پہلے گھبرائے ہوئے حضرت ام ہانی کے پاس آکر ان سے پناہ لی لی۔ حضرت علی چاہتے تھے کہ قتل کر ڈالیں۔ حضرت ام ہانی آڑے آئیں۔ مقدمہ دربار اقدس میں پیش ہوا۔ ام ہانی نے عرض کیا یا رسول اللہ میں نے جسے پناہ دی ہے علی اُسے قتل کرنا چاہتے ہیں۔ فرمایا! اے ام ہانی جسے تم نے پناہ دی اسی میں نے بھی پناہ دی۔

حضرت حارث کے بتیس ۳۲ صاحبزادے تھے۔ جن میں ابوبکر مدینے کے مشہور فقہائے سبعہ میں ہیں۔ خلافت فاروقی میں مکہ معظمہ سے شام اس عزم سے نکلے کہ اب گھر واپس نہیں آنا ہے بقیہ عمر جہاد ہی میں بسر کرنی ہے۔ اللہ عزوجل نے یہ خواہش پوری فرمائی ۱۵ھ ماہ رجب میں جنگ یرموک میں شہید ہوئے۔

نبی اور رسول کی تحقیق علماء کا اس میں اختلاف ہے کہ نبی اور رسول ہم معنیٰ ہیں یا ان میں کچھ فرق ہے۔

اس بارے میں علماء کے چار اقوال ہیں:۔

دونوں ہم معنیٰ ہیں۔ دونوں مغائر ہیں۔ ان میں عام خاص مطلق کی نسبت ہے۔ ان میں عام خاص من وجہ کی نسبت ہے۔ جو لوگ ہم معنیٰ کہتے ہیں ان کی دلیل یہ ہے کہ قرآن کریم میں متعدد جگہ رسول بولا گیا ہے اور مراد انبیاء ہیں۔ مثلاً فرمایا:۔

وَقَفَّيْنَا مِنْۢ بَعْدِهٖ بِالرُّسُلِ موسیٰ کے بعد ہم نے مسلسل رسول بھیجے

حالانکہ فرق کرنے والے جو معنیٰ رسول کے بتاتے ہیں اس معنیٰ کر ان میں کوئی رسول نہ تھا۔ فرمایا:۔

لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ ان رسولوں کے مابین ہم تفریق نہیں کرتے۔

اور فرمایا

وَرُسُلًا قَدْ قَصَصْنٰهُمْ عَلَيْكَ مِنْ قَبْلُ ان سے پہلے کچھ رسولوں کے واقعات ہم نے بیان فرمائے

وَرُسُلًا لَّمْ نَقْصُصْهُمْ عَلَيْكَ کچھ کے ابھی نہیں بیان فرمائے۔

ان دونوں آیتوں میں اور ان کے علاوہ کثیر آیتوں میں " رسول " سے مراد تمام انبیاء کرام ہیں خواہ بمعنی مصطلح رسول ہوں خواہ نہوں

جو لوگ دونوں کے معنی میں مغایرت کے قائل ہیں ان کی دلیل یہ ہے کہ ارشاد فرمایا

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ وَّلَا نَبِيٍّ اِلَّآ تم سے پہلے جتنے نبی اور رسول بھیجے سب کا حال یہ ہوا

اِذَا تَمَنّٰٓى اَلْقَى الشَّيْطٰنُ فِيْٓ اُمْنِيَّتِهٖ ۔ کہ ان کی تلاوت میں کبھی کبھی شیطان نے کچھ دخل دیا۔

اس آیت میں نبی پر رسول کا عطف ہے اور عطف دلیل مغایرت ہے ۔ جو لوگ عموم وخصوص کے قائل ہیں۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ حضرت اسماعیل اور حضرت موسیٰ کے لئے فرمایا۔

وَكَانَ رَسُوْلًا نَّبِيًّا یہ نبی رسول تھے

اگر ترادف ہوتا تو دونوں کا ذکر بے فائدہ ہوتا۔ تغایر ہوتا تو اجتماع محال۔ تو معلوم ہوا کہ عموم وخصوص ہے۔

نبی اور رسول کی تعداد علاوہ ازیں حدیث میں ہے۔ کہ حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دریافت کیا کہ انبیاء کی تعداد کتنی ہے فرمایا۔ ایک لاکھ چوبیس ہزار۔ عرض کیا ان میں رسول کتنے ہیں۔ ارشاد فرمایا تین سو دس سے کچھ زائد۔ اور ایک روایت میں ہے تین سو پندرہ۔ تیسری روایت میں ہے تین سو تیرہ۔ اس سے ثابت ہوا کہ ہر رسول نبی ہے۔ مگر ہر نبی رسول نہیں۔ یہ دلیل ہے عموم خصوص مطلق کی

جو لوگ کہتے ہیں کہ عموم خصوص من وجہ ہے ان کی دلیل یہ ہے کہ فرشتوں پر قرآن مجید واحادیث میں رسول کا اطلاق آیا ہے۔ مگر ان پر نبی کا اطلاق کہیں نہیں۔ تو معلوم ہوا کہ فرشتے رسول ہیں مگر نبی نہیں۔ حضرت زکریا، یحییٰ، شعیا وغیرہ نبی ہیں مگر رسول نہیں۔ حضرت ابراہیم حضرت موسیٰ وغیرہ رسول بھی ہیں نبی بھی ہیں۔ تو ثابت ہوا کہ عموم خصوص من وجہ ہے

جو لوگ نبی اور رسول میں عموم خصوص مطلق مانتے ہیں وہ نبی کی یہ تعریف کرتے ہیں :۔ نبی، وہ بشر ہے جس کے پاس من جانب اللہ وحی آتی ہو خواہ صاحب شریعت جدیدہ ودین جدید ہو خواہ نہ ہو ۔ رسول وہ نبی ہے جو صاحب شریعت جدیدہ ودین جدید ہو۔

اس تعریف پر فرشتے بمعنی مصطلح رسول نہ ہوں گے۔ اطلاق کا جواب یہ لوگ یہ دیتے ہیں۔ یہ بمعنی لغوی ہے۔

ع۵ مشکوۃ بحوالہ مسند امام احمد

فَقَالَ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ کَیْفَ یَاْتِیْکَ الْوَحْیُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ

حضور کے پاس وحی کیسے آتی ہے تو فرمایا! ف۲ کبھی گھنٹی کی آواز کے مثل

مگر اس تعریف پر یہ اعتراض پڑتا ہے کہ ابھی گزرا کہ حضرت اسماعیل رسول تھے مگر یہ شریعت جدیدہ لیکر نہیں آئے حضرت ابراہیم کی شریعت کے پابند تھے عہ۔

صحف انبیار کی تعداد نیز گزرا کہ رسولوں کی تعداد تین سو تیرہ یا پندرہ تھی اور صحیفے کل ایک سو چار نازل ہوئے۔ وہ بھی اس تفصیل سے۔ دس صحیفے حضرت آدم پر۔ پچاس حضرت شیث پر۔ تیس حضرت ادریس پر۔ دس حضرت ابراہیم پر۔ توریت حضرت موسیٰ پر۔ زبور حضرت داؤد پر۔ انجیل حضرت عیسیٰ پر۔ قرآن ہمارے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وبارک وسلم پر عہ۔

اس کے مطابق صاحب کتاب صرف نو انبیار کرام ہوئے ۔ اس لئے محققین نے یہی اختیار فرمایا کہ نبی اور رسول کی یہ تعریف جامع نہیں۔ اور جامع مانع تعریف یہ ہے:۔

نبی وہ بشر ہے جس کی طرف وحی ربانی آتی ہو وہ تبلیغ کا مامور ہو یا نہ ہو۔ رسول وہ ہے جس کے پاس وحی بھی آئے اور وہ تبلیغ کا بھی مامور ہو عہ۔

رسول کی یہ تعریف فرشتوں پر بھی بلا تکلف صادق ہے۔ فرشتوں پر جو رسول کا اطلاق ہوا ہے اسے معنی لغوی کی طرف پھیرنا ظاہر کے خلاف ہے۔ اس لئے نبی اور رسول میں عموم خصوص من وجہ کی نسبت ہوئی۔

وحی کے معانی (۱) وحی کے لغوی معنی چھ ہیں۔ اشارہ کرنا۔ لکھنا۔ پیغام بھیجنا۔ دل میں بات ڈالنا۔ خفیہ بات کرنا۔ کسی جلدی کرنا۔ اصطلاح شرع میں، وحی اس کلام کو کہتے ہیں جو کسی نبی پر اللہ کی طرف سے نازل ہوا ہو۔

اقسام وحی (۲) انبیار کے حق میں وحی تین قسم پر ہے (۱) بلا واسطہ ملک بنفس نفیس باری عز اسمہ کا کلام قدیم سننا جیسے شب معراج ہمارے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے سُنا۔ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کوہ طور پر سُنا۔ (۲) فرشتے کی وساطت سے کلام ربانی آئے (۳) انبیار کرام کے قلوب میں معانی کا القار کیا جائے۔ جیسا کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:۔

اِنَّ رُوْحَ الْاَمِیْنِ نَفَثَ فِیْ رُوْعِیْ جبریل امین نے میرے قلب میں القا فرمایا۔

وحی کی صورتیں (۳) یہ تینوں قسمیں سات صورتوں میں منحصر ہیں جیسا کہ سہیلی نے ذکر فرمایا (عینی) (۱) خواب میں ہو جیسا کہ

عہ بیضاوی لله بشیر القاری للعہ جلالین۔ المعتقد المنتقد۔ وحاشیہ المستند المعتمد۔

أَحْيَانًا يَأْتِينِي مِثْلَ صَلْصَلَةِ الْجَرَسِ وَهُوَ أَشَدُّهُ عَلَيَّ فَيُفْصَمُ عَنِّي وَقَدْ وَعَيْتُ

آتی ہے اور یہ مجھ پر سب سے زیادہ سخت ہے فرشتہ جو کچھ کہتا ہے اس کو میں یاد کر لیتا ہوں تو یہ کیفیت دور ہو جاتی ہے

عَنْهُ قَالَ وَأَحْيَانًا يَتَمَثَّلُ لِيَ الْمَلَكُ رَجُلًا فَيُكَلِّمُنِي فَأَعِي مَا يَقُولُ. قَالَتْ

اور کبھی فرشتہ مرد کی شکل میں آکر مجھ سے کلام کرتا ہے جو کچھ وہ کہتا ہے اسے یاد کر لیتا ہوں

عَائِشَةُ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهَا وَلَقَدْ رَأَيْتُهُ يَنْزِلُ عَلَيْهِ الْوَحْيُ فِي الْيَوْمِ الشَّدِيْدِ

حضرت عائشہ نے بتایا کہ میں نے رسول اللہ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو دیکھا کہ سخت جاڑے کے دن میں وحی اترتی

الْبَرْدِ فَيُفْصَمُ عَنْهُ وَإِنَّ جَبِيْنَهُ لَيَتَفَصَّدُ عَرَقًا ٭

تو نزول وحی کے اختتام پر جبین اقدس پسینہ پسینہ رہتی ۔ لـه

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خواب میں، حضرت اسماعیل کی قربانی کا حکم ہوا (۲) قلب میں القا ہو (۳) جرس (گھنٹی) کی آواز کی صورت میں آئے جیسا کہ حدیث زیر بحث میں ہے (۴) فرشتہ کسی مرد کی شکل میں آکر کلام ربانی پیش کرے۔ جیسا کہ جبریل امین حضرت دحیہ کلبی کی شکل میں حاضر ہوتے (۵) جبریل امین اپنی ملکوتی شکل میں حاضر ہوں کہ ان کے چھ سو بازو ہوں جن سے یاقوت اور موتی جھڑتے ہیں (۶) اسرافیل وحی لیکر حاضر ہوں جیسا کہ امام شعبی نے فرمایا کہ ابتداءً تین سال حضرت اسرافیل وحی پر مقرر تھے۔ پھر جبریل امین کے سپرد یہ خدمت ہوئی۔ انھیں کی وساطت سے پورا قرآن نازل ہوا (۷) اللہ عزوجل کا کلام قدیم سُنیں خواہ بیداری میں جیسا کہ شب معراج ہمارے حضور نے سُنا اور کوہ طور پر حضرت موسیٰ نے خواہ خواب میں جیسا کہ ترمذی شریف کی حدیث میں ہے:۔

أَتَانِي رَبِّي فِي أَحْسَنِ صُوْرَةٍ فَقَالَ فِيْمَا يَخْتَصِمُ الْمَلَأُ الْأَعْلٰى

میرے پروردگار نے مجھ پر بہترین تجلی فرمائی پھر پوچھا ملأ اعلیٰ کس بارے میں بحث کر رہے ہیں۔

پھر یہ سماع حجاب کے ساتھ ہو یا بلا حجاب

اس حدیث میں صرف دو مذکور ہیں

(۳) وحی کی سات صورتوں میں سے اس حدیث میں صرف دو صورتوں کا بیان ہے:۔ ایک جرس کی آواز کے مثل۔ دوسرے فرشتہ مرد کی شکل میں آکر کلام کرے۔ پہلی صورت کو فرمایا کہ یہ وحی آنے کی بقیہ صورتوں میں مجھ پر سب سے زیادہ سخت ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ نزول وحی کی تمام صورتیں سخت تھیں۔ مگر یہ سب سے زیادہ سخت تھی۔ اسکی اصل وجہ تو اللہ عزوجل اور اس کے رسول کو معلوم ہے۔

لـه بخاری بدء الوحی و بدء الخلق مسلم فضائل۔ ترمذی مناقب۔ نسائی افتتاح۔ موطا امام مالک مس قرآن۔ مسند امام احمد لـه مسند امام احمد

دوسری صورت کی تفصیل میں حضرت اسرافیل کی بھی حاضری شامل ہو سکتی ہے۔ رہ گئے حضرت جبریل تو ان کا مراد ہونا ظاہر ہے۔ زیادہ تر یہ حضرت دحیہ کلبی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شکل میں حاضر ہوتے تھے۔ اور کبھی اجنبی اعرابی کی بھی شکل میں جیسا کہ حدیث ۲۸ میں مفصل مذکور ہے

فرشتے مستقل نوع ہیں ⑤ اس حدیث سے بصراحت ثابت ہوا کہ فرشتے ایک الگ مخلوق ہیں۔ انکی مخصوص نوع ہے ایسا نہیں کہ عناصر اور عناصر سے پیدا ہونے والی اشیاء کی فطری قوتوں کا نام فرشتہ ہے۔ جو شخص مخلوقات کی فطری قوتوں کا نام فرشتہ رکھے وہ کافر ہے۔

فرشتوں کی شکل ⑥ ہر فرشتے کی ایک اپنی نوعی صورت ہے جیسا کہ احادیث میں آیا ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جبرئیل امین کو دیکھا کہ پورے اُفق کو گھیرے ہوئے ہیں اور ان کے چھ سو بازو ہیں جن سے موتی اور یاقوت جھڑتے ہیں۔

مگر بایں ہمہ یہ قوت حاصل کہ جو شکل چاہیں اختیار کریں۔ جیسا کہ حضرت جبرئیل دحیہ کلبی یا اعرابی کی شکل اختیار کر لیتے تھے۔ جیسا کہ متعدد احادیث میں وارد ہے کہ فرشتہ انسانی شکل میں کسی کے سامنے نمودار ہوا۔

نزول وحی کے وقت کی حالت ⑦ حضرت ام المومنین کا یہ ارشاد :۔ "میں نے دیکھا کہ سخت جاڑے کے دن میں نزولِ وحی کے اختتام پر جبین اقدس پسینہ پسینہ رہتی۔ یہ عام ہے ہر وحی کے لئے خواہ جرس کی آواز کے مثل ہو یا انسانی پیکر میں فرشتے کا آکر کلام کرنے کی حالت ہو۔ اس کا سبب یہ ہے کہ نزول وحی سے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر بہت زیادہ بوجھ پڑتا تھا اس کے اثر سے چہرہ مبارک کا رنگ متغیر ہو جاتا کبھی سُرخ ہو جاتا۔ جیسے بخار سے بے چینی پیدا ہوتی ہے۔ ویسی بے چینی پیدا ہو جاتی۔ تنفس تیز ہو جاتا۔ ناک سے خراٹے کی آواز نکلتی۔ جاڑوں میں چہرے سے پسینے کے قطرات یوں گرتے جیسے چاندی کے موتی جھڑ رہے ہوں۔ حدیث میں ہے کہ نزول وحی کے وقت اگر سوار ہوتے تو اونٹنی بیٹھ جاتی۔

زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میری ران پر سر رکھکر لیٹے تھے کہ یہ آیہ کریمہ "غَیْرُ اُولِی الضَّرَرِ" نازل ہوئی۔ معلوم ہوتا تھا کہ ران ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیگی۔

میں کہتا ہوں مہبط وحی کی وساطت نہ ہوتی تو ران اور اونٹنی کیا ہے، پہاڑ باقی نہ رہتے۔ فرمایا گیا :۔

لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ عَلٰى جَبَلٍ لَّرَاَیْتَهٗ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْیَةِ اللّٰهِ — اگر ہم یہ قرآن پہاڑ پر اتارتے تو تم اسے اللہ کے خوف سے جُھکا ہوا، پاش پاش دیکھتے۔

اللہ اکبر جس سے پہاڑ ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں۔ اس کے ثقل کا جو تحمل کرے اس کی قوت کا کیا ٹھکانا۔

رہ گئی یہ بات صَلْصَلَةُ الجَرَسْ والی کیفیت میں سب سے زیادہ شدت کیوں تھی، اس کو اللہ جانے اور اس کے رسول جانیں۔ شراح حدیث نے مختلف نکات بیان کئے ہیں مگر سب اپنا اپنا ذوق ہے۔ اصل راز کسے معلوم ؟

صلصلة الجرس کا مطلب ⑧ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جب کسی کو ایسی بات بتانا چاہتے جو عقل سے ماوراء ہو تو اس کے سمجھانے کے لئے عالم شہادت کی کوئی مناسب مثال ذکر فرماتے۔ یہاں جب حضرت حارث نے وحی کی کیفیت پوچھی اور اسکی یہ کیفیت عام عقول کی دسترس سے باہر تھی تو اس کو یوں سمجھایا کہ تم لوگ گھنٹے کی آواز سنتے ہو جو تسلسل کے ساتھ آتی رہتی ہے مگر اس سے کوئی مفہوم نہیں اخذ کر سکتے۔ اسی طرح وحی کبھی اتنے جلال کے ساتھ آتی ہے کہ خطاب کی ہیبت اور ارشاد کا وزن دل پر ایسا چھا جاتا ہے جیسے الفاظ کا جامہ نہیں پہنایا جا سکتا۔ مگر اس کے باوجود جب یہ کیفیت فرو ہو جاتی ہے تو پوری وحی محفوظ ہوتی ہے جیسے مسموع محفوظ ہوتی ہے

یہ کیفیت فرشتوں پر وحی کے مثل ہے۔ جیسا کہ قرآن مجید اور احادیث میں وارد ہے کہ جب اللہ تعالیٰ فرشتوں پر کوئی حکم نازل فرماتا ہے تو ہیبت سے فرشتے اپنے بازوؤں کو سمیٹ لیتے ہیں جن سے ایسی آواز نکلتی ہے جیسے پتھر پر لوہے کی زنجیر گری ہو۔ جب ان کے دلوں سے ہیبت کا یہ اثر دور ہو جاتا ہے تو ایک دوسرے سے پوچھتے ہیں کہ کیا ارشاد ہوا ؟

ان دو صورتوں میں کیا راز ہے ⑨ ان دو قسموں میں راز یہ ہے کہ متکلم اور سامع میں یک گونہ مناسبت ضروری ہے اور حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی دو حیثیتیں ہیں۔ ایک ظاہری جو بشری ہے۔ دوسری باطنی جسے سوائے ان کے رب کے کسی نے نہیں جانا۔ ان دونوں حیثیتوں میں کبھی کسی کو غلبہ ہوتا کبھی کسی کو۔ جب بشری حیثیت کے غلبہ کا وقت ہوتا تو فرشتہ بشکل بشر آکر کلام کرتا ہے اور جب باطنی حیثیت کا غلبہ ہوتا تو باطنی حیثیت کے مطابق صلصلة الجرس والی کیفیت کے ساتھ وحی آتی۔ والعلم بالحق

عند ربی جل مجدہ

(۳) حدیث حراء

عَنْ عَائِشَةَ أُمِّ الْمُؤْمِنِيْنَ رَضِيَ اللهُ تَعَالٰى عَنْهَا أَنَّهَا قَالَتْ، أَوَّلُ مَا بُدِئَ

ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ انھوں نے فرمایا۔ رسول اللہ

بِهٖ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنَ الْوَحْيِ الرُّؤْيَا الصَّالِحَةُ

صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر وحی کی ابتدار اچھے خوابوں سے ہوئی

فِي النَّوْمِ فَكَانَ لَا يَرٰى رُؤْيَا إِلَّا جَاءَتْ مِثْلَ فَلَقِ الصُّبْحِ

فلہ جو خواب بھی حضور دیکھتے اس کی تعبیر صبح روشن

کیفیت وحی سے کتاب کے آغاز کا نکتہ ✪ چونکہ تمام شرائع خواہ عقائد ہوں خواہ اعمال واقوال، سب کی بنیاد وحی پر ہے۔ اللہ کی ذات وجملہ صفات، رسول اور رسول کے تمام اوصاف۔ ایمانیات کی پوری تفصیل۔ عملیات کی جزئیات سب کا منبع وحی ہی ہے۔ اس لئے امام بخاری نے وحی سے اپنی معرکۃ الآرا کتاب کا آغاز کیا۔ وحی کی حقانیت پر ایمان کے بعد جملہ اصول وفروع پر ایمان بمنزلہ لازم غیر منفک کے ہے۔

تشریحات

رؤیا کی تحقیق (۱) رویا کے معنی خواب ہیں۔ یہاں الصالحہ ہے۔ کتاب التعبیر میں الصادقہ ہے رویائے صادقہ یا صالحہ (سچے یا اچھے خواب) وہ ہیں جو انتشار اور شیطان کے دخل سے پاک ہوں۔ یا جو اپنی تعبیر خود ہوں۔

ہر رویائے صادقہ انبیاء کے حق میں صالحہ ہیں۔ مگر دیگر لوگوں کے اعتبار سے صادقہ کبھی صالحہ ہوتے ہیں کبھی نہیں ۔۔ رویا کا اطلاق کبھی مجازاً، آنکھ سے دیکھنے پر بھی آتا ہے۔ آیہ کریمہ

وَمَا جَعَلْنَا الرُّؤْيَا الَّتِيْ أَرَيْنٰكَ إِلَّا فِتْنَةً لِّلنَّاسِ — ہم نے تم کو جو جلوہ دکھایا اسے لوگوں کے لئے امتحان بنا دیا

کی تفسیر میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا:۔

رُؤْيَا عَيْنٍ أُرِيَهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْلَةَ أُسْرِيَ بِهٖ — یہ آنکھ سے دیکھنا تھا جیسے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو شب معراج دکھایا گیا

ثُمَّ حُبِّبَ إِلَيْهِ الْخَلَاءُ وَكَانَ يَخْلُو بِغَارِ حِرَاءٍ

پھر آپ کے دل میں خلوت گزینی کی محبت ڈالدی گئی ؎ اور آپ غار حرا میں خلوت اختیار فرمانے لگے

اسلئے ام المومنین نے فی النوم کا اضافہ کیا تاکہ یہ متعین ہو جائے کہ یہاں مراد خواب ہی ہے۔

انبیاء کے خواب بھی وحی ہیں (۲) "من الوحی" کی قید اس لئے لگائی کہ معلوم ہو جائے کہ خواب بھی وحی کے اقسام میں سے ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا

رُؤْيَا الْأَنْبِيَاءِ عَلَيْهِمُ السَّلَامُ وَحْيٌ انبیاء کرام کے خواب بھی وحی ہیں

وہ دلائل نبوت جو وحی سے قبل ظاہر ہوئے۔ جیسے دھوپ میں ابر کا سایہ کرنا۔ درخت کے سایے کا آنحضور کی طرف جھک جانا۔ بحیرا راہب کا واقعہ۔ شجر و حجر کا سلام کرنا۔ غیبی آوازیں سننا۔ روشنی دیکھنا۔ اس میں داخل نہیں۔

مقدمات وحی کی حکمت (۳) سچے خواب دیکھنا۔ غیبی آواز سننا۔ روشنی دیکھنا، قوائے بشری کو غیبی باتوں سے مانوس کرنے اور ان کے تحمل کی تمرین کے لئے تھا۔ کہ جب اچانک فرشتہ آجائے تو قوائے بشری جواب نہ دے جائیں۔

ظہور نبوت کی ابتدار (۴) ان رویائے صادقہ کی مدت چھ ماہ تھی۔ جب یہ طے ہے کہ سورہ اقرأ کا نزول رمضان میں ہوا تو معلوم ہوا کہ رؤیائے صالحہ کی ابتدار ربیع الاول شریف سے ہوئی۔ اسی طرح ربیع الاول شریف کو حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذات سے چار خصوصیات وابستہ ہوئیں۔ ولادت۔ وصال۔ تکمیل ہجرت۔ ظہور نبوت

حرار میں خلوت کی ابتدار (۵) ثُمَّ ترتیب کے ساتھ تاخیر پر بھی دلالت کرتا ہے۔ اس سے مستفاد ہوا کہ بذریعہ خواب وحی کی آمد کے کچھ بعد حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے قلب مبارک میں اس مخصوص خلوت نشینی کی محبت پیدا ہوئی۔

"حُبِّبَ إِلَيْهِ الْخَلَاءُ" اس بات پر قرینہ ہے کہ اس کا القار بذریعہ وحی ہی ہوا۔ اس لئے اس سے ثابت ہوا کہ اہل وعیال سے الگ تھلگ رہ کر پہاڑ کے غار میں یا کسی بھی جگہ خلوت نشینی، سنت ہے۔ خلوت نشینی کو سادھو پن، جوگی پن کہنا، سنت پر طنز ہے۔

لفظ حرار کی تحقیق (۶) "حَرار" حار کے زبر کے ساتھ بھی ہے اور زیر کے ساتھ بھی۔ حَرا بغیر ہمزہ کے اور حَرار ہمزہ کے ساتھ بھی ہے۔ یہ منصرف بھی ہے جبکہ اسکی تاویل کی جائے اسم مکان کے ساتھ تو مذکر ہوگا سوائے علمیت کے اسباب منع صرف میں سے کوئی اور سبب نہ ہوگا اور غیر منصرف بھی جبکہ اس کی تاویل یوں ہو "اسمُ بقعۃ" تو اب مؤنث معنوی ہوگا۔ اور علم ہے ہی۔

"حِرار" حار کے زیر اور ہمزہ کے ساتھ روایت ہے۔ دوسرے اصیلی کی روایت "حَرا" حار کے زبر اور بغیر ہمزے کے ہے۔

؎ سفر السعادت، فتح الباری، عینی، بحوالہ بیہقی،

فَيَتَحَنَّثُ فِيْهِ وَهُوَ التَّعَبُّدُ اللَّيَالِيَ ذَوَاتِ الْعَدَدِ قَبْلَ اَنْ

آپ وہاں متعدد دنوں تک عبادت کرتے رہتے ۹ جب تک اپنے

حراء کی مقدار اور جگہ (۷) حراء۔ مکہ معظمہ سے شمال مشرق میں منیٰ جاتے ہوئے بائیں جانب ایک پہاڑ ہے جس کو اب جبل نور کہتے ہیں۔ اس میں تین چٹانیں اسطرح مل گئی ہیں کہ ایک چھوٹا سا حجرہ بن گیا جس میں دو آدمی تنگی کیساتھ نماز پڑھ سکتے ہیں۔ اسمیں جانے کا ایک ہی راستہ ہے وہ بھی دشوار گزار سکڑ سمٹ کر آدمی پہنچتا ہے اس کی لمبائی چار ہاتھ اور چوڑائی کہیں ۱؍۲ ہاتھ اور کہیں اس سے بھی کم ہے۔

حراء میں خلوت کی حکمت (۸) یہاں خلوت گزینی میں دو حکمت تھی ایک تو یہ کہ یہاں سے کعبہ مقدسہ صاف نظر آتا ہے۔ کعبے کو صرف دیکھنا بھی عبادت ہے۔ اس طرح تین عبادتیں جمع ہوگئیں۔ خلوت، عبادت، کعبہ کی زیارت۔ دوسرے یہ کہ "دیوان صالحین" اسی غار میں ہمیشہ سے قائم ہوتا چلا آرہا ہے جس میں امور عالم طے ہوتے ہیں۔ بعثت نبوی سے پہلے فرشتوں کا دیوان قائم ہوتا تھا۔ بعثت کے بعد دیوان اولیاء اسی میں قائم ہوتا ہے۔ [عہ]

ایک روایت کے مطابق حضرت عبد المطلب نے اسمیں خلوت گزینی کی تھی۔ ان کی اس خلوت گزینی کی وجہ سے قریش غار حرا کو بابرکت جانتے تھے۔ واقعہ فیل کے وقت بھی عبد المطلب نے اسمیں ابرہہ سے نجات کے لئے دعا کی تھی۔ اسی لئے آنحضور نے بھی اس کو اختیار فرمایا۔ یہ پہلی خلوت گزینی نہیں تھی بلکہ عادت کریمہ تھی کہ ہر سال رمضان میں ایک ماہ اسمیں اعتکاف فرماتے تھے جیسا کہ مرقاۃ میں ہے

تحنث کے معنیٰ (۹) "يَتَحَنَّثُ" باب تفعّل سے مضارع ہے۔ اس کا مادہ حِنث ہے۔ اس کے معنی گناہ کے ہیں۔ باب تفعّل کی خاصیت "تجنُّب" ہے یعنی فاعل کا مادہ سے پہلو بچانا۔ اس طرح تحنث کے معنی گناہ سے بچنے کے ہوئے۔ عبادت گناہ سے بچنے کا سبب ہے۔ اس لئے اطلاق سبب علی المسبب کے علاقے سے مجازاً عبادت کے معنی میں ہوگیا۔

یا اصل میں یہ "يَتَحَنَّفُ" ثا کے بجائے فا کے ساتھ تھا۔ خلاف قاعدہ فا کو ثا سے بدل دیا جیسے جدف اصل میں جدث تھا تحنف کے معنی ہوئے دین حنیفیہ (ابراہیمی) کی اتباع کرنا تحنث بمعنی تعبّد عرب میں رائج تھا۔ حکیم بن حزام رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا اشیاءَ كُنْتُ اَتَحَنَّثُ کچھ کام میں عبادت کے طور پر کرتا تھا۔ یہ اضداد میں سے بھی ہے۔ ارتکاب گناہ کے معنیٰ میں بھی آیا ہے۔ ام المومنین کا ارشاد ہے:۔ لَا اَتَحَنَّثُ اِلىٰ نَذْرِيْ میں اپنی نذر نہ ادا کر کے گناہ نہ کروں گی۔ اسی وجہ سے یہاں تفسیر کی حاجت پیش آئی۔

عہ سفر السعادت عہ دیوان اولیاء کی پوری تفصیل بشیر القاری میں ملاحظہ کریں۔

تحنث کی یہ تفسیر ام المومنین کی نہیں بلکہ حضرت عروہ یا امام زہری وغیرہ کسی راوی کی طرف سے ہے۔ علامہ طیبی نے فرمایا کہ یہ زہری کی تفسیر ہے مگر انھوں نے اس پر کوئی نقل نہیں پیش کی۔

حرا میں کس شریعت کے مطابق عبادت کرتے تھے

(۱۰) غار حرا میں کس شریعت کے مطابق عبادت کرتے تھے۔ اس بارے میں آٹھ اقوال۔ (۱) کسی شریعت کے تابع نہ تھے، یہ جمہور کا قول ہے (۲) حضرت آدم کی (۳) حضرت نوح کی (۴) حضرت ابراہیم کی (۵) حضرت موسیٰ کی (۶) حضرت عیسیٰ کی (۷) کسی معین شریعت کے تابع نہ تھے بلکہ شرائع سابقہ میں سے جو جو باتیں پسند آتیں ان پر عمل پیرا تھے اس لیے یہ عبادت انھیں میں سے کسی کے مطابق تھی (۸) اس بارے میں توقف کیا جائے۔ امام غزالی نے اسی کو اختیار فرمایا۔ اس لئے کہ کسی شریعت کی اتباع پر دلیل نہیں۔

لیکن احناف کا مختار یہ ہے کہ کسی سابقہ شریعت کے پابند نہ تھے کشف صادق سے آپ کے نزدیک جو طریقہ ثابت ہوا اسی طرح عبادت فرماتے۔ یہ دوسری بات ہے کہ اس عبادت کو شریعت ابراہیمی یا کسی اور نبی کی شریعت کے ساتھ مطابقت رہی ہو (در مختار) اس لئے کہ ثابت ہے کہ آپ قبل بعثت بھی نبی تھے کبھی کسی نبی کے امتی نہ رہے۔ اس لئے کسی نبی کی متابعت کا سوال ہی نہیں[عہ]۔ مگر دوسری روایت میں یتحنف وارد ہے یہ اس کی دلیل ہے کہ اس عبادت کو شریعت ابراہیمی سے مطابقت تھی کیونکہ اس کے معنی ہیں طریق ابراہیمی کے مطابق عبادت کرنے کے اور ایک روایت دوسرے کی تفسیر ہوتی ہے۔

یہ طریقہ بذریعہ وحی القا ہوا

(۱۱) یہ عبادت جس طریقے سے بھی کرتے تھے۔ اس طریقے کی دریافت حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے اجتہاد سے کی تھی یا من جانب اللہ اس کی تعلیم دی گئی تھی۔ دونوں قول ہیں۔ مگر جب آغاز وحی ہو چکا تھا تو ظاہر یہی ہے کہ بذریعہ وحی اسکی تلقین ہوئی تھی۔

طریقۂ عبادت

(۱۲) یہ عبادت بالارکان یا صرف باللسان، یا صرف بالقلب تھی۔ یعنی کچھ مخصوص اعمال ادا فرماتے تھے جیسے قیام، سجود، یا صرف زبان سے کچھ کلمات پڑھتے تھے، یا صرف مراقبہ فرماتے تھے، یا سب کچھ تھا ـــ علما نے الگ الگ رائیں قائم کی ہیں ـــ مواہب اللدنیہ میں ہے کہ ابن مرابط وغیرہ کا قول ہے کہ یہ عبادت صرف بالتفکر تھی۔ علامہ مجدالدین شیرازی و حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی قدس سرہ کا فیصلہ یہ ہے کہ بالذکر تھی۔ اخیر کی تائید میں حضرت شیخ محدث دہلوی قدس سرہ نے شرح سفر السعادت میں یہ فرمایا کہ ذکر، فکر سے افضل ہے۔ مگر اتنے سے دلیل تام نہیں ہوئی اس کے ساتھ یہ مقدمہ بھی لگانا پڑیگا "اور نبی کی یہ شان نہیں کہ مفضول پر عمل کرے۔ لیکن ہر ذی علم جانتا ہے کہ یہ مقدمہ کلیۃً تسلیم نہیں کیا جاسکتا۔ علاوہ ازیں کبھی نبوت

عہ شامی ص۲۲۹ ج ۱۔ اول کتاب الصلوٰۃ

داعی ہوتی ہے تفکر کی۔ اس وقت تفکر ذکر سے افضل ہوتا ہے ۔ بہر حال جس نے بھی ترجیح دی، قیاس سے دی اور یہاں قیاس کو دخل نہیں۔ روایت ضروری ہے۔

لیکن کسی بزرگ نے اس کے ثبوت میں کوئی روایت پیش نہیں فرمائی۔ اور یہ حسن ظن کہ جب قول کیا ہے تو کوئی نہ کوئی دلیل ضروری ہوگی۔ سبھی کے ساتھ ہونا چاہئے کسی ایک بزرگ کے ساتھ مخصوص کیوں ہے۔ اسی لئے سبھی قول مساوی درجے میں ہو ئے۔ اس لئے خادم کا مختار یہ ہے کہ یہاں بھی توقف ہی مناسب ہے واللہ تعالیٰ و رسولہ اعلم

کس ندانست کہ منزل گہ آں یار کجاست ایں قدر ہست کہ بانگ جرسے می آید

خلوت کے فوائد (۱۳) جب آدمی علائق دنیویہ سے الگ ہو کر ایک گوشے میں رہنا اختیار کرتا ہے تو ہزاروں لایعنی باتوں سے نجات پا جاتا ہے۔ اور دل ایک طرف متوجہ ہوتا ہے۔ اب آدمی اگر متوجہ الی اللہ ہے تو یہ قوی سے قوی تر ہوگی اسمیں ثبات و استحکام ہوگا اس تعلق میں جتنی قوت اور استمرار ہوگا اسی قدر انوار الٰہی و اسرار الٰہی کا انکشاف ہوگا۔ جس سے تحمل وحی میں آسانی پیدا ہوگی۔

آدمی جب لوگوں سے اختلاط رکھتا ہے تو لامحالہ ہزاروں طرح کے معاملات درپیش ہوتے ہیں۔ کسی کی محبت کسی سے عداوت کسی سے لڑائی کسی سے کبھی خوش کبھی کسی سے ناراض کبھی غم کبھی فکر نان و خورش۔ لباس و سکنیٰ وغیرہ وغیرہ خصوصاً متعلقین سے روابط اور ان روابط کے اثرات دل پر پڑتے ہیں جس سے دل کی توجہ بٹتی ہے۔ پھر جذبات کی تکمیل کی خواہش اور اس خواہش کے لئے جد و جہد۔ اسمیں معرکہ آرائیاں۔ ہیجانِ نفس کا باعث ہو سکتے ہیں اور پھر اس سے جو مفاسد پیدا ہو سکتے ہیں وہ سب کو معلوم ہے۔

کتنے گناہوں سے آدمی خود بخود خلوت میں جا کر محفوظ ہو جاتا ہے۔ اسے ہر شخص جانتا ہے۔ اور گناہ اللہ عز و جل کے ساتھ تعلق میں کتنے حارج ہیں یہ کسی سے مخفی نہیں۔ اس لئے خلوت سے بڑھ کر گناہوں سے روکنے والی کوئی چیز نہیں۔

خلاصہ یہ کہ تحمل وحی کے لئے جس صفاء قلب اور جس درجہ توجہ الی اللہ درکار تھی اس کے لئے یہ خلوت نشینی اختیار فرمائی

عبادت کا فائدہ (۱۴) یہ اسلئے نہیں کہ حصول نبوت میں کسب کو دخل ہے کیونکہ اس پر اتفاق ہے کہ نبوت کسب و ریاضت و مجاہدے سے نہیں ملتی۔ صرف فضل ایزدی سے ملتی ہے۔ اسمیں کسب کو اصلاً دخل نہیں یہ دوسری بات ہے کہ جب کوئی اس منصب پر فائز ہو جاتا ہے تو عبادت و ریاضت جو نبوت کے لوازم ہیں سب پائے جاتے ہیں۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تو حضرت آدم کی تخلیق سے پہلے ہی منصب نبوت پر فائز تھے پھر حصول نبوت کے لئے کسب و ریاضت کے کیا معنیٰ؟

حرا میں کتنے دن خلوت فرمائی (۱۵) غار حرا میں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کل کتنے دنوں عبادت کی۔

يَنْزِعَ إِلٰى أَهْلِهِ وَيَتَزَوَّدُ لِذَالِكَ ثُمَّ يَرْجِعُ إِلٰى خَدِيْجَةَ

اہل کا اشتیاق نہ ہوتا ف۱۵ اور اس کے لئے توشہ لے جاتے تھے۔ پھر خدیجہ ف۱۶ کے پاس تشریف لاتے

اور کتنے دنوں کے بعد واپس ہوتے تھے۔ اس بارے میں کچھ معلوم نہ ہوسکا۔ قیاس سے کہا گیا کہ کم از کم تین دن کے بعد واپس آتے تھے اور زیادہ سے زیادہ ایک مہینے پر یا چالیس دن پر۔

غار حرا میں عبادت کی کل مدت بعض حضرات نے ایک مہینہ بتائی ہے اس پر مسلم شریف کی اس حدیث سے استدلال کیا جو حضرت جابر سے مروی ہے:۔

جَاوَرْتُ حِرَاءَ شَهْرًا کہ میں حرا میں ایک مہینہ رہا

لیکن سب کو معلوم ہے کہ یہ نزول وحی کے بعد فترہ وحی کے ایام کی بات ہے۔ اور یہاں گفتگو نزول اقرأ سے پہلے والی خلوت میں ہے۔ اس سے اگر ثابت ہوتا ہے تو یہ ثابت ہوتا ہے کہ اس کے بعد بھی حرا میں خلوت فرمائی جیسا کہ پہلے فرمایا کرتے تھے۔

اہل کی تحقیق (۱۶) اھل۔ آل اور اہل ہم معنی ہیں دونوں کے معنی گھر کے لوگ۔ البتہ آل کا اطلاق معززین پر ہوتا ہے۔ عام اس سے کہ ان کو اعزاز دینی و دنیوی دونوں حاصل ہو یا صرف ایک جیسے آل نبی و آل فرعون۔ آل کے معنی متبع و پیروکار کے بھی ہیں۔ اس معنی کر آل فرعون، فرعون کے تمام پیروں کو کہا گیا۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے پوچھا گیا مَنْ اٰلُ مُحَمَّدٍ۔ ارشاد فرمایا كُلُّ تَقِيٍّ اور دوسری حدیث میں ہے مَنْ تَبِعَنِيْ فَهُوَ اٰلِيْ جو میری پیروی کرے میری آل ہے یہاں اہل سے مراد گھر کے لوگ بیوی بچے ہیں جن میں حضرت خدیجہ بھی داخل ہیں۔ جب یہاں اہل میں بیوی داخل ہے تو اہل بیت میں ازواج مطہرات بھی داخل ہیں گھر والوں کے اشتیاق میں خلوت چھوڑ کر گھر تشریف لانے سے ثابت ہوا کہ بال بچوں کی محبت، ان کی خبر گیری، عبادت کم نہیں

ام المومنین حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا (۱۷) وہ خوش نصیب فخر کائنات خاتون ہیں جنھیں سب سے پہلے سید الانبیا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زوجیت کا شرف حاصل ہوا۔ جب تک یہ زندہ رہیں۔ کسی اور سے نکاح نہیں فرمایا انھیں کے بطن سے اولاد ہوئیں۔ ایک قول پر یہی سب سے پہلے ایمان لائیں۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے پہلے ان کا نکاح ابوہالہ ہند بن زرارہ سے ہوا تھا۔ اس سے دو فرزند ہالہ اور ہند پیدا ہوئے۔ دونوں ایمان سے مشرف ہوئے۔ ہند واقعہ جمل میں حضرت علی کے ساتھ تھے اسی میں شہید ہوئے۔ ان کے صاحبزادے کا بھی نام ہند تھا۔ ان کا بصرہ کے طاعون میں وصال ہوا جس دن

عہ زرقانی جلد اول

ان کا وصال ہوا تھا۔ ستر ہزار موتیں ہوئی تھیں۔ سب لوگ اپنے اپنے جنازوں میں مصروف تھے۔ ان کا جنازہ مبارکہ اٹھانے والا کوئی نہیں تھا۔ یہ دیکھ کر ایک عورت نے چلا کر کہا۔ وَاُھِنْدَاہ بِنْ ھِنْدَاہ وَ ابْنُ رَبِیْبِ رَسُوْلِ اللہِ۔ فوراً تمام جنازے چھوڑ کر لوگ ان کے جنازے پر ٹوٹ پڑے۔ حال یہ ہوا کہ انگلیوں کے پوروں پر ان کا جنازہ لے جایا گیا۔

اصابہ میں ہے کہ جب آیہ کریمہ فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ نازل ہوئی تو حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مسجد حرام میں تشریف لے گئے اور فرمایا اے لوگو! لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہُ کہو سب یکبارگی ٹوٹ پڑے۔ گھر خبر پہنچی تو حارث بن ابوہالہ آئے، حضور کو بچانے کی کوشش کی تو ظالموں نے انھیں شہید کر ڈالا۔ راہ خدا میں یہ پہلے شہید ہیں۔ یہ حارث بھی حضرت خدیجہ کے بطن سے تھے یا ابو ہالہ کی کسی اور زوجہ کے بطن سے تھے۔ اس کی تفصیل نہیں مل سکی

ابوہالہ کی موت کے بعد حضرت خدیجہ کا نکاح عتیق بن عائذ سے ہوا اس سے بھی ایک لڑکی ہند پیدا ہوئی عتیق بن عائذ کے مرنے کے بعد حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجیت میں واقعہ حرا سے پندرہ سال پہلے آئیں۔ بوقت عقد انکی عمر چالیس سال اور حضور اقدس کی پچیس سال تھی ـــــ نکاح پر باعث جو واقعہ ہوا وہ کتب سیر میں مذکور و مشہور و معروف ہے ـــــ مکہ معظمہ ہی نہیں عرب کی دولت مند ترین خاتون تھیں۔ اپنا سب مال قربان فرمایا اور ہر حال میں ہر مشکل میں سرکار کی مونس و ہمدم و ہم ساز رہیں۔

پینسٹھ سال کی عمر میں تقریباً پچیس سال رفاقت کر کے ۱۰ سنہ نبوت عام الحزن میں بماہ رمضان وصال فرمایا۔ اور حجون مکہ معظمہ کے قبرستان میں جسے اب جنت المعلی کہا جاتا ہے۔ مدفون ہوئیں۔ حضور اقدس خود ان کی قبر میں اترے ان کے لئے دعائے خیر کی ـــ اس وقت تک نماز جنازہ مشروع نہیں ہوئی تھی

اولاد (۱۸) ان کے بطن سے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی چار صاحبزادیاں۔ حضرت رقیہ۔ حضرت زینب۔ حضرت ام کلثوم۔ حضرت فاطمہ اور تین صاحبزادے۔ حضرت قاسم۔ حضرت طیب۔ حضرت طاہر تولد ہوئے

صاحبزادگان قبل بعثت ہی داغ مفارقت دے گئے۔ چاروں صاحبزادیاں اسلام سے مشرف ہوئیں۔ کتخدا ہوئیں۔ اور عہد مبارک میں تین اول الذکر وفات پا گئیں۔ حضرت سیدہ بعد وصال چھ ماہ کے بعد راہی جنت ہوئیں۔

نسب، لقب، کنیت (۱۹) ان کا لقب طاہرہ، کنیت ام ہند ہے۔ باپ کا نام خویلد بن اسد بن عبد العزیٰ بن قصی بن کلاب اور ماں کا نام طمہ بنت زائدہ بن الاصم ہے۔ ماں عامر بن لؤی سے ہیں ـــ حضرت خدیجہ کا نسب قصی پر جا کر آنحضرت

عہ زرقانی جلد اول، عہ الاستیعاب، اصابہ۔

فَيَتَزَوَّدُ لِمِثْلِهَا حَتّٰى جَاءَهُ الْحَقُّ وَهُوَ فِي غَارِ حِرَاءٍ فَجَاءَهُ الْمَلَكُ

اور اتنا ہی توشہ پھر لے جاتے ف۱۹ یہاں تک کہ آپ پر وحی آئی جبکہ آپ غار حرا ہی میں تھے ف۲۰ اس طرح کہ فرشتہ

صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے مل جاتا ہے۔ ان سے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو بہت زیادہ محبت تھی۔ ان کی وفات کے بعد عادت کریمہ تھی کہ بکری ذبح کرکے حضرت خدیجہ کی سہیلیوں کے پاس گوشت بھجواتے۔

حضرت عائشہ فرماتی ہیں مجھے ازواج میں کسی پر اتنا رشک نہ ہوتا جتنا حضرت خدیجہ پر ہوتا۔ حضور ان کا اکثر تذکرہ فرماتے۔ کہتی ہیں کہ ایک بار میں نے کہدیا، آپ تو ان کا تذکرہ ایسا کرتے ہیں گویا دنیا میں خدیجہ کے سوا کوئی عورت ہی نہیں۔ فرمایا۔ ہاں ہاں وہ ایسی ہی تھیں وہ ایسی ہی تھیں۔ ان سے مجھے اولاد ہوئی۔

فرماتی ہیں۔ ایک مرتبہ ان کے تذکرے پر میں نے کہدیا۔ آپ ایک بڑھیا کی یاد کرتے ہیں جو مرچکی۔ فرمایا۔ بات یہ ہے کہ جب لوگوں نے مجھے جھٹلایا اس وقت انھوں نے میری تصدیق کی۔ لوگ کافر تھے وہ مسلمان ہوئیں۔ جب میرا کوئی حامی نہ تھا انھوں نے میری حمایت کی۔

ایام وحی میں حضور کی خلوت

(۲۰) غار حرا میں خلوت کے ایام میں کبھی کبھی کھانا لیکر حاضر ہوتیں۔ ایک بار جبرئیل آئے اور فرمایا۔ خدیجہ سالن یا کھانا (راوی کو شک ہوگیا) لیکر آرہی ہیں وہ آجائیں تو اللہ عزوجل کا اور میرا سلام کہئے۔ اور یہ بشارت دیجئے کہ جنت میں ان کے لئے موتی کا محل ہے جس میں نہ شور ہوگا نہ کوئی تکلیف۔

اس سے ظاہر ہوتا ہے۔ نزول اقرا کے بعد بھی کبھی کبھی غار حرا میں خلوت گزینی کے لئے تشریف لے جاتے۔ ایک قول یہ ہے کہ تمام عورتوں میں یہ افضل ہیں۔ جیسا کہ حدیث میں آیا ہے :۔

خَيْرُ نِسَائِهَا مَرْيَمُ بِنْتُ عِمْرَانَ وَخَيْرُ نِسَائِهَا خَدِيجَةُ بِنْتُ خُوَيْلِدٍ قَالَ أَبُو كُرَيْبٍ وَأَشَارَ وَكِيعٌ إِلَى السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ

(بخاری ومسلم)

زمین و آسمان کی سب عورتوں سے بہتر مریم بنت عمران ہیں اور زمین و آسمان کی سب عورتوں سے بہتر خدیجہ بنت خویلد ہیں۔

مراد یہ ہے کہ مریم اپنے زمانہ کی سب عورتوں سے بہتر اور خدیجہ اپنے زمانہ کی سب عورتوں سے بہتر ہیں۔ یہ امت تمام امتوں سے افضل تو جبکہ خدیجہ اس امت کی عورتوں سے بہتر تو مریم سے بھی افضل۔ لیکن ہم اوپر ذکر کر آئے ہیں کہ اس باب میں توقف ہی اسلم ہے

ضروریات زندگی جمع کرنا منافی توکل نہیں

(۲۱) اس سے دو باتیں ثابت ہوئیں ایک یہ کہ اللہ عزوجل کے ساتھ تعلق اہل

عیال کے سلوک کے منافی نہیں۔ بلکہ کمال یہی ہے کہ دونوں سے تعلق رہے۔ بلکہ اہل و عیال کے ہوتے ہوئے ان سے ایکدم بے تعلق ہو کر گوشہ نشینی خلافِ سنت ہے۔

دوسرے یہ کہ بقدر ضرورت کھانے پینے کے سامان آئندہ کے لئے پاس رکھنا توکل کے منافی نہیں۔

نزول اقرأ کی تاریخ اسوقت عمر مبارک اور مَلَک کی تحقیق

(۲۲) حدیث میں لفظ "الحق" ہے۔ اس سے بالاتفاق مراد وحی ہے۔ یہ واقعہ بروز دوشنبہ ۱۷ رمضان المبارک ہوا۔ جبکہ آپ کی عمر مبارک چالیس سال تھی۔

مَلَکٌ اصل میں مَلْأَکٌ تھا۔ یَسَلُ کے قاعدے سے ہمزہ گر کر مَلَکٌ ہوگیا۔ اسی لئے اس کی جمع ملائکہ آتی ہے ساقط شدہ ہمزہ جمع میں واپس آگیا اور تاء جمع کی تانیث کے لئے ہے۔ مَلْأَکٌ اصل میں مَأْلَک تھا اُلوکہ سے جس کے معنی پیغام رسانی کے ہیں۔ خلاف قیاس قلب کرکے مَلْأَک ہوا۔

فرشتوں کی حقیقت

(۲۳) فرشتے اللہ عزوجل اور اسکے بندوں کے مابین واسطہ ہیں۔ یہی پیغام لاتے ہیں یہی تمام نعمتیں پہنچاتے ہیں اسی مناسبت سے ان کو ملک کہا جاتا ہے — ملک۔ فرشتہ، جسم نوری علوی رکھتے ہیں۔ انھیں یہ قدرت ہے کہ جو شکل چاہیں اختیار کریں۔ یہ مختلف کاموں پہ مامور ہیں۔ کچھ معرفتِ الٰہی میں مستغرق ہیں۔ کچھ عالم کا نظام چلانے پر۔ ان میں سے کچھ وہ ہیں جو رسول ہیں جنہیں جبرئیل امین بھی ہیں۔ قرآن مجید میں ہے :۔

اَللّٰهُ يَصْطَفِيْ مِنَ الْمَلٰٓئِكَةِ رُسُلًا ۔ اللہ فرشتوں میں سے رسول منتخب فرمالیتا ہے۔

رُسُل ملائکہ سارے فرشتوں سے افضل ہیں اور انبیاء کرام کے علاوہ تمام انسانوں سے بھی حتیٰ کہ صحابہ کرام حتیٰ کہ صدیق اکبر سے بھی۔ بلا استثناء سب فرشتوں سے افضل جبرئیل امین ہیں۔

حرا میں جبرئیل آئے تھے

(۲۵) صحیح یہ ہے کہ یہاں فرشتے سے مراد حضرت جبرئیل امین ہیں۔ اس لئے کہ پورا قرآن یہی لیکر آئے ہیں۔ ان کے علاوہ کوئی دوسرا ایک کلمہ نہیں لایا ہے۔ قرآن مجید میں ہے :۔

نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِيْنُ ۔ اسے روح امین نے اُتارا ہے۔

جبرئیل کی انبیاء کی بارگاہوں میں حاضری کی تعداد

(۲۶) حضرت جبرئیل حضرت آدم کی خدمت میں بارہ مرتبہ۔ حضرت ادریس کی خدمت میں چار مرتبہ۔ حضرت نوح کی خدمت میں پچاس مرتبہ اور حضرت ابراہیم کی خدمت میں بیالیس مرتبہ حضرت عیسیٰ کی خدمت میں دس مرتبہ تین بار بچپنے میں سات بار بڑے ہونے کے بعد۔ حضرت یعقوب کی خدمت میں چار بار۔ حضرت

فَقَالَ اِقْرَأْ فَقَالَ فَقُلْتُ مَا اَنَا بِقَارِیٍٔ قَالَ فَاَخَذَنِیْ فَغَطَّنِیْ حَتّٰی بَلَغَ مِنِّی الْجَهْدُ

حاضر ہوا اور اس نے عرض کیا پڑھئے آپ نے فرمایا۔ میں نہیں پڑھتا فرمایا حضور نے پھر فرشتے نے مجھے پکڑ کر دبایا یہاں تک کہ میری طاقت بھر دبوچا

ایوب کی خدمت میں تین بار۔ اور سید الانبیاء صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں چوبیس ہزار مرتبہ باریابی سے مشرف ہوئے (زرقانی ص ۲۲۴)

حرا میں نزول وحی کی صورت

(۲۷) پہلی والی حدیث میں وحی کی دو صورتیں بیان ہوئیں۔ ایک صلصلۃ الجرس کے مثل۔ دوسرے فرشتے کا انسانی شکل میں حاضر ہو کر کلام کرنا۔ حدیث کا سیاق و سباق اس پر نص ہے کہ نزول وحی دوسری ہی صورت میں تھی۔ مثلاً یہ کہنا، پڑھو پھر بار بار دبانا، چھوڑنا، پھر یہ کہنا پڑھو۔

تفصیلی کیفیت

(۲۸) غار حرا سے آتے جاتے راستے میں سنتے کوئی کہتا ہے السلام علیك یا رسول اللہ۔ ادھر ادھر دیکھتے۔ کون ہے؟ مگر سوائے شجر و حجر کے کوئی نظر نہ آتا۔ غار حرا میں خلوت اور آنا جانا اسی طرح جاری رہا کہ ایک بار کوہ حرا پر تشریف فرما تھے کہ ایک باعظمت شخص ظاہر ہوئے اور عرض کیا: اے محمد! آپ کو بشارت ہو۔ میں جبرئیل ہوں۔ آپ کے پاس اس لئے بھیجا گیا ہوں کہ خدا کا پیغام آپ تک پہنچا دوں اور آپ کو بتا دوں کہ آپ خدا کے رسول ہیں (شرح سفر السعادت)

وجد آفریں معنیٰ

(۲۹) مَا اَنَا بِقَارِیٍٔ کا ترجمہ عام طور پر یہ کیا جاتا ہے کہ میں پڑھا ہوا نہیں۔ لیکن ہمارے مشائخ نے یہ ترجمہ کرایا "میں نہیں پڑھتا" یہ ترجمہ زیادہ انسب وارجح ہے اسلئے کہ غار حرا میں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مشاہدۂ ذات و صفات الٰہی میں اتنے مستغرق تھے کہ وہاں کسی کی گنجائش ہی نہیں تھی جیسا کہ ایک حدیث میں فرمایا لِیْ مَعَ اللّٰهِ وَقْتٌ لَا یَسَعُنِیْ فِیْهِ مَلَكٌ مُقَرَّبٌ وَلَا نَبِیٌّ مُرْسَلٌ۔ اللہ کے ساتھ میرا ایک وقت ہوتا ہے کہ اس میں ملک مقرب اور نبی مرسل کی بھی گنجائش نہیں ہوتی۔ مشاہدہ ذات و صفات میں استغراق تام کی وجہ سے قرات کی استدعا کا جواب یہی بنتا ہے "میں نہیں پڑھتا"

نیز یہ ترجمہ محاورۂ عرب کے مطابق بھی ہے کہ یہ ترکیب حال یا استقبال کے لئے استعمال کرتے ہیں جیسا کہ قبل فتح مکہ حضرت ابو سفیان تجدید صلح کے لئے مدینہ طیبہ حاضر ہوئے اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس پہنچکر ان سے درخواست کی کہ آنحضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں سفارش کر دیں تو حضرت صدیق اکبر نے فرمایا مَا اَنَا بِفَاعِلٍ (سیرۃ ابن ہشام) میں نہیں کروں گا۔

خود قرآن مجید میں برادران یوسف کا قول مذکور ہے وَمَا اَنْتَ بِمُؤْمِنٍ لَّنَا۔ آپ ہمارا یقین نہیں کرینگے۔

بار بار سینے سے لگا کر دبانے سے اس استغراق میں کمی ہوئی۔ تو جبرئیل نے عرض کیا:-

اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ اپنے رب کے نام سے پڑھئے۔

ثُمَّ اَرْسَلَنِیْ فَقَالَ اِقْرَأْ فَقُلْتُ مَا اَنَا بِقَارِیٍٔ فَاَخَذَنِیْ فَغَطَّنِی الثَّانِیَۃَ حَتّٰی

پھر مجھے چھوڑ دیا۔ اور کہا پڑھیے تو میں نے کہا میں نہیں پڑھتا تو اس نے مجھے پھر پکڑا اور دوسری بار طاقت بھر بھینچا

جب یہ سنا کہ میں جس عالم میں تھا اسی کی بات یہ بھی کر رہے ہیں جس کے شہود میں مستغرق تھا اسی کا ذکر کرانا چاہتے ہیں تو بلا تامل پڑھا
کسی کے استغراق کو ختم کرنے کا یہی طریقہ ہے کہ اسے جھنجھوڑا جائے۔ ایک بار میں استغراق ختم نہ ہو تو بار بار جھنجھوڑا جائے۔ یہاں
جھنجھوڑنا منافی ادب تھا۔ اسلئے سینے سے لگا کر تین بار قوت بھر دبایا۔ یہاں تک کہ وہ کیفیت خاص فرو ہوئی اور آپ نے بلا تکلف پڑھا۔

الجُھْد کی تحقیق (۳۰) یہاں الجھد کا لفظ جیم کے فتحے کے ساتھ بھی ہے جَھْدُ اور جیم کے ضمے کے ساتھ بھی جُھْدُ
قاموس میں جَھْدٌ بمعنی طاقت اور جُھْدٌ کے معنی مشقت مذکور ہے اور دونوں کے معنی غایت بھی ۔ عینی میں بتایا کہ دونوں کے
معنی غایت اور مشقت کے ہیں۔ اور اسی میں محکم کے حوالے سے کہا کہ دونوں کے معنی طاقت کے ہیں۔ ایک قول یہ نقل کیا ہے کہ دونوں کے
معنی مشقت کے ہیں اور ایک قول یہ ہے کہ جُھْد کے معنی مشقت اور جَھْد کے معنی طاقت۔

قرآن مجید میں دونوں لفظ وارد ہیں۔ سورہ توبہ میں ہے۔ وَالَّذِیْنَ لَا یَجِدُوْنَ اِلَّا جُھْدَھُمْ (آیت ۷۹ ع ۱۰)
اور ان کو جو نہیں پاتے مگر اپنی محنت سے۔ سورہ نور اور سورہ فاطر میں ہے۔ وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰہِ جَھْدَ اَیْمَانِھِمْ اور انھوں نے اللہ کی
قسم کھائی اور اپنی قسموں میں حد کی کوشش کی ۔

جلالین میں جُھْدَھُمْ کی تفسیر طاقتہم اور جَھْدَ اَیْمَانِھِمْ کی تفسیر غایۃ اجتہادہم فیہا کی ہے۔ اس سے ظاہر کہ قرآن
مجید میں جُھْد بمعنی طاقت اور جَھْد بمعنی غایت اجتہاد وارد ہے۔ مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ یہ دونوں انھیں معنوں میں منحصر ہیں کہ جُھْد کا معنی
طاقت ہی ہے۔ غایت اجتہاد نہیں۔ یا جَھْد کا معنی غایت اجتہاد ہی ہے طاقت نہیں۔ اس کا احتمال بھی ہے کہ دونوں کے معنی طاقت ہوں
یا دونوں کے معنی غایت اجتہاد ہوں۔ دونوں کے معنی طاقت ہیں یہ خود قرآن مجید سے ثابت ہے کہ لَا یَجِدُوْنَ اِلَّا جُھْدَھُمْ
میں دونوں قرأت ہے یعنی جیم کے فتحے کے ساتھ بھی اور ضمے کے ساتھ بھی ۔ اور دونوں بمعنی غایت اجتہاد ہیں یہ قاموس سے ظاہر۔
ہندوستانی مطبوعہ بخاری کے حاشیے پر کرمانی کے حوالے سے دونوں کے تین معنی:۔ طاقت، مشقت، غایت لکھے ہیں۔

اب یہاں چار احتمال ہیں۔ الجُھْدُ، الجَھْدُ دال کے ضمے کے ساتھ۔ اس بنا پر یہ بَلَغَ کا فاعل ہے۔ اور بَلَغَ کا مفعول مَبْلَغَہٗ
محذوف ہے۔ اب ترجمہ یہ ہوگا:۔ فرشتے نے مجھے دبوچا یہاں تک کہ میری طاقت یا میری مشقت اپنی حد کو پہونچ گئی یعنی اس سے زیادہ
کی قوت نہ رہی اور الجُھْدَ الجَھْدَ دال کے فتحے کے ساتھ اس تقدیر پر کہ یہ بَلَغَ کا مفعول بہ ہے۔ اور بَلَغَ کا فاعل ضمیر مستتر ہے جس کا مرجع

بَلَغَ مِنِّی الْجُھْدُ ثُمَّ اَرْسَلَنِی فَقَالَ اِقْرَأْ فَقُلْتُ مَا اَنَا بِقَارِیٍٔ قَالَ فَاَخَذَنِی فَغَطَّنِی الثَّالِثَۃَ

دبوچا۔ پھر چھوڑ کر کہا۔ پڑھئے تو میں نے کہا میں نہیں پڑھتا۔ حضور نے فرمایا پھر مجھے پکڑا اور تیسری

حَتّٰی بَلَغَ مِنِّی الْجُھْدُ ثُمَّ اَرْسَلَنِی فَقَالَ اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّکَ الَّذِی خَلَقَ خَلَقَ الْاِنْسَانَ

بار مجھے طاقت بھر دبوچا۔ پھر چھوڑ دیا اور کہا اپنے اس پروردگار کے نام کے ساتھ پڑھئے جس نے انسان کو

مِنْ عَلَقٍ۔ اِقْرَأْ وَرَبُّکَ الْاَکْرَمُ حَتّٰی بَلَغَ مَا لَمْ یَعْلَمْ ———

بستہ خون سے پیدا کیا (سورہ علق کی ابتدائی پانچ آیتیں مالم یعلم تک) ف۱۵

الغطؔ ہے۔ جس پر فَغَطَّنِیْ دلالت کرتا ہے۔ اب معنی یہ ہوں گے۔ کہ فرشتے نے مجھے دبوچا یہاں تک کہ اس کا دبوچنا میری وسعت کو پہنچ گیا۔ مگر فتح الباری سے ظاہر ہے کہ روایت صرف دو ہے۔ الجھد بالفتح والنصب۔ ای بَلَغَ الغطُّ مِنِّی غایۃ الوسع۔ وروی بالرفع والضم ای بَلَغَ مِنِّی الجُھْدُ مَبْلَغَہٗ۔ جب بَلَغَ کی ضمیر فاعل کا مرجع (الغط) ٹھہرایا۔ تو دونوں روایتوں کا حاصل ایک ہوا کہ فرشتے نے آنحضور کو آنحضور کی طاقت بھر دبوچا

ایمان افروز توجیہ (۳۱) یہاں ایک توجیہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ "مِنِّی" کے مِنْ کو تعلیل کے لئے لیں۔ اور چونکہ نفس ذات کسی چیز کی علت نہیں ہو سکتی۔ اس لئے "غط" مضاف محذوف ہوگا۔ یعنی لاجل غطی۔ معنی یہ ہوئے میرے دبوچنے کی وجہ سے۔ الجھد پر عہد کے الف لام سے، جہد ملک مراد ہوگی۔ اب الجھدُ کی روایت پر معنی یہ ہوئے۔ میرے دبوچنے کی وجہ سے فرشتے کی طاقت یا مشقت اپنی حد کو پہنچ گئی۔ الجھدَ کی روایت پر "بلغ" کی ضمیر فاعل کا مرجع ملک ہوگا۔ بلغ سے پہلے بھی دو فعل ہیں اَخَذَ۔ غَطَّ۔ اور بَلَغَ کے بعد بھی دو فعل ہیں۔ اَرْسَلَ۔ قَالَ۔ ان چاروں فعلوں کی ضمیر فاعل کا مرجع ملک ہے۔ اب اگر درمیانی فعل۔ بلغ۔ کی ضمیر فاعل کا مرجع "غط" کو بنایا جائے تو انتشار مرجع لازم آئے گا۔ اور اگر "بلغ" کی ضمیر فاعل کا مرجع بھی ملک ہی کو ٹھہرایا جائے تو انتشار مرجع نہ ہوگا اسلئے بہتر یہی ہے کہ "بلغ" کی ضمیر فاعل کا مرجع بھی ملک کو بنایا جائے۔ اب معنی یہ ہوئے۔ مجھے دبوچنے کی وجہ سے فرشتہ اپنی کوشش کی انتہا کو پہنچ گیا۔ ان دونوں کا حاصل ایک ہی ہے۔ یعنی فرشتے نے اپنی قوت بھر مجھے دبوچا۔

میں نے ان چاروں احتمالوں کا لحاظ کر کے اختصار و جامعیت کے ساتھ یہاں ترجمہ یہ کیا۔ طاقت بھر دبوچا۔ یہاں طاقت عام ہے۔ خواہ حضور کی طاقت ہو خواہ جبرئیل کی۔ دونوں کو شامل ہے۔

تسمیہ کسی سورہ کا جز نہیں (۳۲) سورۂ اقرأ کے ساتھ بسم اللہ نازل نہ ہوئی۔ یہ دلیل ہے اس بات کی کہ بسم اللہ سورۂ اقرأ

فَرَجَعَ بِهَا رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالَىٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَرْجُفُ فُؤَادُهٗ

اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ان آیتوں کے ساتھ اس حالت میں لوٹے کہ

(تَرْجُفُ بَوَادِرُهٗ) فَدَخَلَ عَلٰى خَدِيجَةَ بِنْتِ خُوَيْلِدٍ فَقَالَ زَمِّلُونِي

آپ کا دل دھڑک رہا تھا (دونوں شانوں اور گردن کا درمیانی حصہ کانپ رہا تھا ف۲) اور خدیجہ بنت خویلد کے

زَمِّلُونِي فَزَمَّلُوهُ حَتّٰى ذَهَبَ عَنْهُ الرَّوْعُ فَقَالَ لِخَدِيجَةَ

پاس پہنچکر فرمایا مجھے کپڑا اڑھاؤ مجھے کپڑا اڑھاؤ تو لوگوں نے حضور کو کپڑا اڑھا دیا ف۳ یہاں تک کہ آنحضور کی گھبراہٹ دور ہوگئی

وَاَخْبَرَهَا الْخَبَرَ لَقَدْ خَشِيتُ عَلٰى نَفْسِي

ف۴ اسکے بعد خدیجہ کو پورا واقعہ بتا کر اُن سے کہا میں اپنی جان کو ڈر گیا ہوں ف۵

کا جز نہیں اور جب سورہ اقرا کا جز نہیں تو کسی سورہ کا جز نہیں لعدم القائل بالفصل۔

ف۲ چونکہ یہ نزولِ وحی کا پہلا سابقہ تھا اس لئے قوائے بشری پر یہ اثر پڑا کہ دل لرزنے لگا اس حالت میں آپ غار حرا سے چلے تین میل کا فاصلہ طے کر کے گھر پہونچے تو بھی دل لرز رہا تھا۔ دونوں شانوں اور گردن کے درمیان کا گوشت کانپ رہا تھا۔

یہاں دو روایتیں ہیں:۔ فُؤَادُهٗ۔ بَوَادِرُهٗ۔ فواد، دل کو کہتے ہیں۔ بوادر۔ بادرۃ کی جمع ہے دونوں شانوں اور گردن کے درمیانی گوشت کو کہتے ہیں۔ یہ انتہائی خوف کے وقت کانپا کرتا ہے۔ عموماً ذبح کے وقت جانور کا یہ حصہ کانپتا ہے۔ دونوں میں منافات نہیں۔ شدت خوف کی دونوں تعبیر ہے۔

ف۳ اور ٹھنڈا پانی ڈالا ف۴ اور سکون حاصل ہوگیا۔

خشیت کی توجیہ ف۵ (۳۳) خشیت کا مفعول بہ محذوف ہے یعنی یہ نہیں ظاہر فرمایا کہ، ڈر کس بات کا تھا۔ شارحین نے بارہ اقوال نقل کئے ان میں بعض ایسے رکیک ہیں کہ میرا ایمان ان کے تحریر کرنے کی اجازت نہیں دیتا ـــ استاذی صدر العلماء نے "بشیر القاری" میں ان سب کو نقل فرمایا ہے اور ان میں جو مجروح ہیں ان کا رد فرما کر تین قول کو راجح فرمایا۔ اوّل مجھے اندیشہ پیدا ہوگیا ہے کہ بارِ نبوت کو برداشت نہ کر سکوں۔ دوّم اس کا اندیشہ کہ مخالفین کے ایذا پر صبر نہ ہو سکے۔ سوّم اس کا اندیشہ ہوگیا کہ کہیں شہید نہ کر دیا جاؤں۔ اس قول

فَقَالَتْ خَدِيجَةُ كَلَّا (اَبْشِرْ) وَاللّٰهِ مَا يُخْزِيكَ اللّٰهُ اَبَدًا۔ اِنَّكَ لَتَصِلُ الرَّحِمَ (وَتَصْدُقُ

اس پر خدیجہ نے عرض کیا۔ ایسا ہرگز نہ ہوگا ف۵ (آپ کو بشارت ہو) بخدا اللہ آپ کو ہرگز رسوا نہ کریگا آپ صلہ رحمی فرماتے ہیں ف۵

الْحَدِيثَ) وَتَحْمِلُ الْكَلَّ وَتَكْسِبُ الْمَعْدُومَ وَتَقْرِي الضَّيْفَ وَتُعِينُ عَلٰى نَوَائِبِ الْحَقِّ

اور سچ بولتے ہیں (اور لوگوں کا بار اٹھاتے ہیں، اور لوگوں کو وہ چیز (مال، اخلاق وغیرہ) عطا فرماتے ہیں جو انکے پاس نہیں اور مہمان نوازی کرتے ہیں

اور راہِ حق میں پیش آنیوالے مصائب میں مدد فرماتے ہیں ف۵

سوم پر یہ شبہہ ہوتا ہے کہ مردانِ خدا، راہ خدا میں جان دینے سے نہیں ڈرتے پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ سید الانبیا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ڈر جائیں۔ اسکا جواب یہ دیا کہ ڈر جان جانیکا نہیں تھا بلکہ یہ تھا کہ شہادت سے پیغامِ ربانی کی تکمیل نہ ہو پائیگی۔ جیسے حضرت موسیٰ نے عرض کیا تھا۔ وَلَهُمْ عَلَيَّ ذَنْبٌ فَاَخَافُ اَنْ يَّقْتُلُوْنِ قَالَ كَلَّا (شعراء، ع ۲، آیت ۱۴-۱۵) ان کا مجھ پر الزام ہے۔ اسلئے ڈرتا ہوں کہ کہیں قتل کر دیں۔ فرمایا۔ ایسا ہرگز نہ ہوگا"۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا یہ خوف صرف اس بنا پر تھا کہ جو خدمت سپرد کی جا رہی ہے وہ انجام نہ دے پاؤں گا۔ مگر اس خادم کا ذوق اسطرف رہنمائی کرتا ہے کہ گزر چکا کہ مدت العمر نزولِ وحی کا بار کتنا محسوس ہوتا تھا۔ یہ نزول وحی کا پہلا موقع تھا۔ اس کا جسم اقدس پر کتنا شدید اثر پڑا، وہ بھی ظاہر ہے کہ تین میل کا راستہ طے کر کے دولت کدہ پر تشریف لائے تو بھی اتنا اثر تھا کہ دل لرز رہا تھا اور بدن کانپ رہا تھا۔ پہلی بار جو گزرا اُسکے پیش نظر فرمایا کہ میں اپنی جان کو ڈر گیا ہوں کہ جب ایک بار کے نزول وحی سے یہ حالت ہے تو اندیشہ ہے کہ مسلسل نزول وحی کی تاب لا سکوں گا۔ یہ کہنا کہ نبی ہونے کے یقین کے بعد یہ اندیشہ متصور نہیں ہو سکتا صحیح نہیں، اسلئے کہ روزمرہ ہوتا رہتا ہے کہ سخت مشقت کے کام کو جان لیوا بولتے ہیں۔ اسی طرح اس عظیم بار کے تحمل کو جو خرق عادت سے کم نہیں، یہ کہنا کہ میں اپنی جان کو ڈر گیا، نبی ہونیکے منافی نہیں اسلئے کہ مراد اسکی ناقابل برداشت ظاہر کرنا ہے۔ ف۵ کہ آپ نزول وحی کے بار کا تحمل یا مخالفین کی ایذا پر صبر نہ کر سکیں یا شہید کر دیئے جائیں اسلئے کہ یہ رسوائی ہے اور اللہ عزوجل آپ کو کبھی بھی رسوا نہ کریگا — ف۵ صلہ رحمی۔ اپنے رشتہ داروں کیساتھ احسان اور اچھے سلوک کو کہتے ہیں الکَلّ بوجھ کے معنی میں بھی ہے اور ایسے شخص کو بھی کہتے ہیں جو اپنی کفالت سے عاجز ہو۔ یہاں دونوں معنیٰ درست ہیں۔ یعنی آپ لوگوں کا بار اٹھاتے ہیں یا یہ کہ عاجز کی دستگیری کرتے ہیں۔ تَكْسِبُ میں ایک روایت تُكْسِبُ بھی ہے۔ معدوم کے معنی ہیں وہ چیز جو موجود نہ ہو خواہ مال ہو یا اور کوئی چیز۔ پہلی تقدیر پر یہ معنی ہوئے کہ آپ معدوم کماتے ہیں۔ یعنی جو مال آپکے پاس نہیں اسے کما کر حاصل کرتے ہیں کسی پر بار یا کسی کے محتاج نہیں۔ نہ کسی سے سوال کرتے ہیں۔ دوسری تقدیر پر معنی یہ ہوں گے کہ آپ ناداروں کو کام سے لگا دیتے ہیں۔ یعنی ناداروں کو مال دیکر مثلاً تجارت میں — بعض شارحین نے فرمایا۔ کسب مجرد بھی متعدی بدو مفعول آتا ہے اور المعدوم مال اور غیر مال مثلاً عمدہ اخلاق وغیرہ سب کو شامل۔ اب دونوں روایتوں کا معنی ایک ہوا یعنی آپ لوگوں کو وہ چیز عطا فرماتے ہیں جو ان کے پاس نہیں خواہ وہ مال ہو یا کچھ اور مثلاً عمدہ اخلاق کی تعلیم۔ وہ لوگ اقارب ہوں یا اجانب، سب پر جود و نوال عام ہے۔ حضرت خدیجہ کی عرض کا مطلب یہ ہے کہ "آپ رشتہ داروں پر ہر طرح کا احسان کرتے ہیں بلکہ آپکا احسان رشتہ داروں کیساتھ خاص نہیں۔ ہر شخص کو عام ہے اور یہی نہیں کہ آپ صرف داد و دہش کرتے ہیں بلکہ لوگوں

فَانْطَلَقَتْ بِهٖ خَدِيجَةُ حَتّٰى اَتَتْ بِهٖ وَرَقَةَ بْنَ نَوْفَلِ بْنِ اَسَدِ بْنِ

اس کے بعد حضور کو خدیجہ اپنے ساتھ لیکر اپنے چچازاد بھائی ورقہ بن نوفل بن اسد بن عبد العزیٰ

عَبْدِ الْعُزّٰى بْنِ قُصَيٍّ اِبْنَ عَمِّ خَدِيجَةَ ـ وَكَانَ امْرَأً تَنَصَّرَ فِي الْجَاهِلِيَّةِ

بن قصی کے پاس گئیں وٹ۔ ورقہ زمانہ جاہلیت میں نصرانی ہو گئے تھے

کو عمدہ تعلیم اور اچھے اخلاق کی تلقین بھی کرتے ہیں ۔

وٹ اصل غمگسار وہ ہے جو ابتدائی مرحلے میں انتہائی ٹھوس طریقے سے ہراساں کو تسکین دے ۔ حضرت خدیجہ یہ خدمت انجام دینے کے بعد، حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ورقہ بن نوفل کے پاس اس غرض سے لے گئیں کہ ان کی تائید حاصل کریں کہ وہ عرب کے مسلّم الثبوت عاقل، عالم، شاعر تھے ان کو قس کہا جاتا تھا۔ عمر میں بھی بڑے تھے ۔ تاکہ ان کی تائید سے ان کے موقف کو اور قوت مل جائے ۔ اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو مزید سکون ۔

وَرَقَہ (۳۴) عرب کے ان چند نفوس میں تھے ۔ جو اپنی عقل سے بت پرستی کو ناپسند کرتے تھے اور دین حق کے جویاں تھے یہ اور زید بن نفیل وغیرہ نے دین حق کی تلاش میں شام وغیرہ کا سفر کیا ۔ بعض ایسے راہبوں سے جو غیر متبدل دین عیسوی پر تھے، ورقہ کی ملاقات ہوئی اُن کے اثر سے اصل دین عیسوی کو قبول کر کے عیسائی ہو گئے ۔ ان نصاریٰ کی طرح نہیں تھے جو محرّف دین عیسوی علیہ السلام کے پابند تھے ۔ یہ عربی اور عبرانی، سُریانی تینوں زبانوں کے ماہر تھے ۔ انجیل کو عربی میں بھی اور عبرانی میں بھی لکھا کرتے تھے ۔ ان کا بعد بعثت سنہ نبوی میں انتقال ہوا ۔ ایمان لانے کے جُرم میں جب حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ایذائیں دی جانے لگیں ۔ ان کو چلچلاتی دھوپ سے تپتی ہوئی سنگلاخ زمین پر لٹا کر مجبور کیا جاتا کہ ایمان سے پھر جائیں ۔ شدت تکلیف سے بیہوش ہو جاتے ۔ مگر جب ہوش آتا تو فرماتے ۔ اَحَد اَحَد ۔ ایک بار اسی حالت میں ورقہ کا گزر حضرت بلال پر ہوا ۔ ان سے کہا ۔ اَحَدٌ ، اَحَدٌ ۔ ایک ہی کہنا ۔ ایک ہی کہنا ۔ یہ روایت اس کے منافی نہیں جو اس حدیث کے اخیر میں ہے کہ امّ المومنین نے فرمایا ۔ ورقہ اس کے کچھ ہی دنوں کے بعد انتقال کر گئے ۔ حضرت امّ المومنین کی مراد یہ ہے ۔ کہ اسلام کی شہرت عام اور جہاد کے فرض ہونے سے پہلے ہی ان کا انتقال ہو گیا ۔

(۳۵) حضرت وَرَقہ کی صحابیت

علماء سیر اور محدثین میں اس پر بڑے زور کی معرکہ آرائی ہے ۔ کہ یہ صحابی تھے یا بُحیرا راہب کی طرح تھے ۔ یا اخیر وقت تک نصرانی تھے ۔ نصرانیت ہی پر مرے ۔ اس کے ثبوت میں یہ روایت پیش کی جاتی ہے :۔

مغازی محمد بن عائذ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ ورقہ نصرانیت پر مرے۔ اس کا ایک راوی، عثمان بن عطا خراسانی ہے۔ اصابہ میں فرمایا۔ یہ ضعیف ہے۔ اس لئے یہ قول ساقط ہوگیا۔ رہ گیا یہ قول کہ یہ صحابی تھے یا بُحیرا راہب کے مثل تھے۔ اس کا تصفیہ صحابی کی تعریف پر موقوف ہے۔

صحابی کی تعریف (۳۶)

علامہ ابن حجر نے نخبہ میں صحابی کی تعریف یہ کی ہے:۔

مَنْ لَقِیَ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مُؤْمِنًا بِہٖ وَمَاتَ عَلَی الْاِسْلَامِ وَلَوْ تَخَلَّلَتْ مَرَّۃٌ فِی الْاَصَحِّ (ص۱۲۵)

جو نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر ایمان لایا ہو اور اسی حالت میں ملاقات کی ہو اور اسلام پر مرا ہو۔ اگرچہ درمیان میں مرتد ہوگیا ہو۔ یہی اصح ہے

اس میں ملاقات سے مراد معنی عام ہے جو ملاقات اور دیکھنے دونوں کو شامل ہے۔ یعنی واقعی ملاقات ہوئی۔ اگرچہ دیکھا نہ ہو جیسے نابینا صحابہ۔ یا صرف دیکھا ہو اگرچہ ملاقات نہ ہوئی ہو جیسے دور سے دیکھا ہو یا عہد طفلی میں شعور آنے سے پہلے دیکھا ہو۔

صحابی کی تعریف کے معیار سے حضرت ورقہ کو جانچئے تو بلاشبہ ثابت ہوتا ہے کہ یہ صحابی تھے۔ انھوں نے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو دیکھا بھی اور آپ کی تصدیق بھی کی اور آپ پر ایمان بھی لائے اور زمانہ دعوت بھی پایا۔ اور اپنے ایمان پر آخر دم تک قائم رہے۔ ابھی گزرا کہ ۴ سنہ نبوی میں وصال ہوا۔ ۳ سنہ نبوی میں عام دعوت کا حکم آچکا تھا۔ (مدارج النبوۃ ص۵۲ ج ۲) پر ہے:۔

تا سہ سال حال بریں منوالے بود و مامور بود، آنحضرت باخفاء ایں امر و صبر براں، پس آنحضرت بخفیہ دعوت می کرد تا نازل شد فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ وَاَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِکِیْنَ۔ ایں در سال چہارم بود۔

تین سال تک اسی طرح حال رہا۔ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس کے چھپانے اور اسی پر اکتفا کرنے کے مامور تھے۔ اس لئے خفیہ دعوتِ اسلام دیتے یہاں تک کہ یہ آیت کریمہ نازل ہوئی، "تم کو جو حکم ہے اُسے علانیہ بیان کرو اور مشرکوں سے منہ پھیر لو" یہ چوتھے سال ہوا

جب ورقہ کا وصال ۴ سنہ نبوی میں ہوا تو ثابت کہ انھوں نے خفیہ دعوت کا زمانہ ضرور پایا۔ بلکہ اوپر حضرت بلال والے واقعے سے یہ بھی ثابت کہ دعوت عام کا بھی زمانہ پایا۔ اس لئے کہ یہ طے ہے کہ مسلمانوں کی ایذا رسانی، اعلان عام کے بعد شروع ہوئی ہے۔

زیادات المغازی اور دلائل النبوۃ بیہقی میں ہے۔ کہ ابتدائے وحی کے کوائف سننے کے بعد ورقہ نے کہا:۔

اَبْشِرْ، اَبْشِرْ، فَاِنِّیْ اَشْهَدُ اَنَّكَ الَّذِیْ بَشَّرَ بِهٖ ابْنُ مَرْیَمَ۔ اِنَّكَ عَلٰی مِثْلِ نَامُوْسِ مُوْسٰی وَاِنَّكَ نَبِیٌّ مُّرْسَلٌ۔ اِنَّكَ سَوْفَ تُؤْمَرُ بِالْجِهَادِ بَعْدَ یَوْمِكَ هٰذَا وَاِنْ یُّدْرِكْنِیْ ذَالِكَ لَاُجَاهِدَنَّ مَعَكَ۔ فَلَمَّا تُوُفِّیَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَقَدْ رَأَیْتُ الْقَسَّ فِی الْجَنَّةِ وَعَلَیْهِ ثِیَابُ الْحَرِیْرِ لِاَنَّهٗ اٰمَنَ بِیْ وَصَدَّقَنِیْ۔

(اصابہ ص ۶۳۴ ج ۳)

آپ کو بشارت ہو بشارت ہو۔ میں اس بات کی گواہی دیتا ہوں کہ آپ وہی نبی ہیں جن کی ابن مریم نے بشارت دی تھی۔ اور آپ موسیٰ علیہ السلام کے ناموس کے مثل ہیں اور بلا شبہہ آپ نبی مرسل ہیں۔ کچھ دنوں کے بعد آپ کو جہاد کا حکم ہوگا۔ اگر اس وقت تک رہا تو آپ کے ساتھ رہ کر ضرور ضرور جہاد کروں گا۔ انکی وفات کے بعد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا میں نے قس (ورقہ) کو جنت میں ریشمی لباس میں دیکھا۔ اسلئے کہ وہ مجھپر ایمان لایا اور میری تصدیق کی تھی۔

جب حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس کی تصدیق فرمادی کہ ورقہ مومن تھے۔ مومن مرے۔ تو اب تفصیل بالا کی روشنی میں کوئی شک نہیں رہنا چاہیے کہ ورقہ صحابی تھے رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

اس روایت کے بارے میں بیہقی نے کہا کہ یہ منقطع ہے۔ مگر سب کو معلوم ہے کہ ہمارے ائمہ اور جمہور کے نزدیک منقطع حدیث کے راوی اگر ثقہ ہیں تو وہ لائق حجت ہے ــــ مرقاۃ میں ملا علی قاری فرماتے ہیں :۔

قَالَ اَبُوْدَاؤُدَ، مُرْسَلٌ اَیْ نَوْعُ مُرْسَلٍ وَهُوَ الْمُنْقَطِعُ۔ وَلٰكِنَّ الْمُرْسَلَ حُجَّةٌ عِنْدَنَا وَعِنْدَ الْجُمْهُوْرِ۔

ابوداؤد نے کہا کہ یہ حدیث مرسل ہے یعنی اس کی ایک قسم یعنی منقطع ہے۔ اور مرسل ہمارے اور جمہور کے نزدیک حجت ہے

علاوہ ازیں اس کی مؤید کثیر روایتیں ہیں۔ جو اصابہ وغیرہ میں مذکور ہیں۔ کسی میں فرمایا۔ میں نے اُن کو جنت میں کریپ پہنے دیکھا۔ کسی میں ہے کہ وہ جنت کی نہروں میں ہیں۔ کسی میں ہے۔ ایک ہی نہیں دو جنت میں ہیں۔ انھیں بُرا مت کہو۔ کہیں یہ آیا کہ میں نے ان کو سفید کپڑے میں دیکھا۔ اگر جنتی نہ ہوتے تو ان پر سفید کپڑے نہ ہوتے۔

ان سب سے یہ بات بطور قدر مشترک ثابت ہوتی ہے کہ وہ ضرور مومن تھے۔ اور جب یہ ثابت ہوگیا کہ وہ زمانہ دعوت پا چکے تھے۔ تو اب ان کے صحابی ہونے میں کیا شبہہ۔ یہی کثیر محدثین، علماء سیر کا مذہب ہے۔ مثلاً برہان بقاعی، علامہ برماوی۔ عراقی۔ اور ابن مندہ، طبری بغوی ابن نافع ابن السکن وغیرہ نے ان کو صحابہ میں شمار کیا ہے۔

عہ زرقانی ص ۲۴۳ ج ۱ عہ اصابہ ص ۶۳۳ ج ۳

وَكَانَ يَكْتُبُ الْكِتَابَ الْعِبْرَانِيَّ (الْعَرَبِيَّ) فَيَكْتُبُ مِنَ الْإِنْجِيلِ بِالْعِبْرَانِيَّةِ
عبرانی اور (عربی) لکھنا جانتے تھے اور انجیل کو عبرانی اور (عربی) میں لکھا کرتے تھے ف۱

(بِالْعَرَبِيَّةِ) مَا شَاءَ اللّٰهُ أَنْ يَكْتُبَ وَكَانَ شَيْخًا كَبِيرًا قَدْ عَمِيَ فَقَالَتْ لَهُ
جتنا اللہ کو منظور ہوتا اور اس وقت بہت بوڑھے نابینا ہو گئے تھے۔ اُن سے خدیجہ نے کہا

ف۱ عربی، عبرانی، سُریانی

(۳۷) یہاں روایتیں مختلف ہیں۔ یہاں یہ ہے

كَانَ يَكْتُبُ الْكِتَابَ الْعِبْرَانِيَّ فَيَكْتُبُ مِنَ الْإِنْجِيلِ عبرانی لکھنا جانتے تھے۔ انجیل کو عبرانی بِالْعِبْرَانِيَّةِ۔ میں لکھتے تھے۔

اور تفسیر سورۂ علق میں بطریق یونس اور کتاب التعبیر میں بطریق معمر۔ العبرانی کی جگہ العربي اور بالعبرانیۃ کی جگہ بالعربیۃ ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ عربی لکھنا جانتے تھے اور انجیل کو عربی میں لکھا کرتے تھے۔

انجیل کی زبان

(۳۸) انجیل سُریانی زبان میں تھی۔ ان روایات کی روشنی میں مطلب یہ ہوا کہ ورقہ ان تینوں زبانوں کے ماہر تھے۔ سُریانی کا ترجمہ عربی میں بھی کر لیتے تھے اور عبرانی میں بھی۔ انجیل کو کبھی عربی میں لکھتے کبھی عبرانی میں۔

زبان کی ابتدار

(۳۹) سُریانی زبان حضرت آدم علیہ السلام کے زمانے سے چلی آرہی ہے۔ ان کی اور ان کی اولاد اور جملہ انبیار کی زبان سُریانی ہی تھی۔ اللہ عز وجل نے حضرت آدم کو تمام چیزوں کا نام سُریانی ہی میں سکھایا تھا تاکہ فرشتے نہ سمجھ سکیں۔ لفظ سُریانی "سِرّ" سے بنا ہے۔

حضرت ابراہیم کی زبان

(۴۰) حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زبان سریانی تھی۔ جب نمرود کے شر کی وجہ سے بحکم الٰہی فرات عبور کر کے شام میں تشریف لائے تو قدرتِ الٰہی سے زبان بدل گئی۔ دوسری زبان بولنے لگے۔ سبب یہ ہوا کہ نمرود نے حضرت ابراہیم کی تلاش میں ہرکارے بھیجے تھے اور حکم دیدیا تھا کہ جو شخص بھی سُریانی میں کلام کرتا ہوا لے تو اُسے گرفتار کرلاؤ۔ جب نمرود کے آدمی حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس پہونچے اور انھیں دیکھا کہ وہ سُریانی کے بجائے اور کوئی زبان بولتے ہیں۔ تو کوئی تعرض نہ کیا۔ چونکہ بالہام الٰہی اس زبان کی تعلیم حضرت ابراہیم کو فرات عبور کرنے کے بعد ہوئی تھی۔ اور فرات پار والوں کی بھی یہی زبان ہو گئی اس لئے اسکو عبرانی کہتے ہیں۔ الف نون کی زیادتی خلاف قیاس ہے۔

عربی زبان کی ابتدا

(۴۱) عربی زبان بھی حضرت آدم علیہ السلام ہی کے وقت سے ہے۔ وہ جنت میں عربی بولتے تھے۔ زمین پر تشریف لانے کے بعد سُریانی بولنے لگے۔ پھر قبولِ توبہ کے بعد عربی بولنے لگے۔ سفیان نے فرمایا۔ ہر وحیِ آسمانی عربی ہی میں نازل ہوتی تھی۔ انبیار کرام قوم کی زبان میں اس کا ترجمہ فرمادیا کرتے تھے۔

؏ فتح الباری وغیرہ

خَدِیْجَةُ یَا ابْنَ عَمِّ اِسْمَعْ مِنِ ابْنِ اَخِیْكَ فَقَالَ لَهٗ وَرَقَةُ یَا ابْنَ اَخِیْ مَاذَا

اے میرے چچا کے بیٹے، اپنے برادرزادے کی بات سُننے وا تو حضور سے ورقہ نے پوچھا۔ اے برادرزادے

تَرٰی۔ فَاَخْبَرَهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ خَبَرَ مَا رَاٰی۔ فَقَالَ لَهٗ

آپ نے کیا دیکھا تو رسول اللہ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جو کچھ دیکھا تھا بتایا۔ اسے ورقہ نے حضور سے کہا

وَرَقَةُ هٰذَا النَّامُوْسُ الَّذِیْ نَزَّلَ اللّٰهُ عَلٰی مُوْسٰی۔ یَا لَیْتَنِیْ فِیْهَا جَذَعًا یَا لَیْتَنِیْ اَكُوْنُ حَیًّا

یہ وہی فرشتہ ہے جسے اللہ تعالےٰ نے موسیٰ پر اُتارا تھا ف۲ کاش کہ ان دنوں میں طاقتور جوان ہوتا۔ کاش کہ اس

لیکن عام طور پر یہی مشہور ہے کہ عربی زبان، حضرت اسماعیل علیہ السلام سے ظاہر ہوئی۔ انھوں نے بنی جُرہُم سے سیکھی تھی۔ اسلئے ان کی اولاد کو مستعربہ کہا جاتا ہے۔ اسی سے معلوم ہوا کہ بنی جُرہُم میں یہ زبان پہلے سے رائج تھی۔ اسی لئے بنی جُرہُم کو ”عاربہ“ کہا جاتا ہے اس روایت کی بنا پر حضرت اسماعیل کو اس زبان کا موجد نہیں کہا جا سکتا۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ عربی زبان کو جو بقا حاصل ہے۔ یہ حضرت اسماعیل کی رہین منت ہے۔

ابن اخیک ف۲ (۴۲) حضرت خدیجہ کے والد، خُویلد اور ورقہ کے والد، نوفل دونوں، اسد بن عبد العُزّیٰ کے بیٹے اور حقیقی بھائی تھے۔ اور حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے والد ماجد کے پردادا، عبد مناف، اور ان دونوں کے پردادا عبد العُزّیٰ حقیقی بھائی، قُصَیّ کے بیٹے تھے۔ اس لحاظ سے حضرت عبد اللہ اور ورقہ خاندانی اعتبار سے بھائی ہوئے۔ اس رشتے کی بنا پر حضرت خدیجہ نے، ورقہ سے یہ کہا۔ اپنے برادرزادے کی بات سنو۔ اور اسی خاندانی رشتے سے انھوں نے ورقہ کو ابن عم کہا۔ علاوہ ازیں عرب ہی نہیں ہمارے یہاں بھی سن رسیدہ آدمی کو چچا کہتے ہیں۔ اس عُرف کے پیش نظر ”اِبْنَ اَخِیْکَ“ کہا۔ مقصود یہ تھا کہ پوری توجہ سے ان کی بات سُنیں۔

ناموس ف۲ (۴۳) ناموس کے معنی صاحب سر ہے یعنی راز کی باتیں بتانے والا۔ خواہ یہ راز خیر ہو خواہ شر۔ امام بخاری نے کتاب الانبیاء میں باب وَاذْکُرْ فِی الْکِتَابِ مُوْسٰی میں فرمایا:۔

اَلنَّامُوْسُ، صَاحِبُ السِّرِّ الَّذِیْ یُطْلِعُهٗ بِمَا یَسْتُرُهٗ عَنْ غَیْرِهٖ۔ وہ رازدار جو ان باتوں کو بتائے جنھیں غیر سے چھپائے۔

اور جاسوس، اُسے کہتے ہیں جو شر کی پوشیدہ باتیں پہنچائے۔ ان دونوں میں عموم و خصوص مطلق کی نسبت ہوئی یہاں ناموس موسیٰ سے مراد حضرت جبرئیل ہیں۔

حضرت ورقہ نے ناموس موسیٰ کہا۔ حالانکہ یہ نصرانی تھے۔ اس لئے اور چونکہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

اِذْ یُخْرِجُكَ قَوْمُكَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَوَ مُخْرِجِيَّ هُمْ

وقت میں زندہ رہتا جب آپ کی قوم آپ کو نکالے گی۔ یہ سنکر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا

قَالَ نَعَمْ لَمْ يَاْتِ رَجُلٌ قَطُّ بِمِثْلِ مَا جِئْتَ بِهٖ اِلَّا عُوْدِيَ (اُوْذِيَ) وَاِنْ يُّدْرِكْنِيْ

کیا میری قوم مجھے نکالے گی؟ ورقہ نے کہا جی ہاں! جب بھی کوئی شخص آپ کی طرح شریعت لیکر آیا تو اس سے دشمنی کی گئی۔ اسے

يَوْمُكَ (حَيًّا) اَنْصُرْكَ نَصْرًا مُّؤَزَّرًا۔ ثُمَّ لَمْ يَنْشَبْ وَرَقَةُ اَنْ تُوُفِّيَ وَفَتَرَ

ستایا گیا، اگر مجھے آپ کا زمانہ ملا تو آپ کی بھرپور مدد کروں گا ۴۳ اس کے کچھ ہی دنوں بعد ورقہ کی وفات ہوگئی۔ اور وحی

الْوَحْیُ فَتْرَةً حَتّٰى حَزِنَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْمَا بَلَغَنَا حُزْنًا

رک گئی۔ پھر ایک عرصہ تک سلسلۂ وحی منقطع رہا ۴۴ جس سے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اتنا غم لاحق ہوا جیسا کہ ہمیں خبر پہونچی

باعتبار زمانہ، بہ نسبت موسیٰ علیہ السلام کے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے قریب تھے۔ اس لئے بھی ان کو ناموس عیسیٰ کہنا چاہئے تھا۔ اس کا سبب یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی رسالت متفق علیہ ہے نصاریٰ بھی انھیں نبی مانتے تھے بخلاف حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے کہ انھیں یہود نبی نہیں مانتے۔ بلکہ اسوقت کے نصاریٰ بھی اُن کو اقانیم ثلثہ میں سے ایک مانتے تھے۔ ان پر بذریعہ جبرئیل نزول وحی کے قائل نہیں تھے۔ اسلئے تعارف کے موقع پر ناموس موسیٰ ہی کہنا موزوں تھا

ابونعیم نے دلائل النبوۃ میں ایک روایت ذکر کی ہے۔ اسمیں یہ ہے کہ پہلے حضرت خدیجہ تنہا ورقہ کے پاس گئیں تو انھوں نے کہا۔ اگر تم سچ کہتی ہو تو اُن کے پاس ناموس عیسیٰ آئیں گے۔ جنھیں بنی اسرائیل یعنی یہود نہیں مانتے۔ پھر جب حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ساتھ لیکر گئیں تو ورقہ نے ناموس موسیٰ کہا۔ پہلی بار اپنے اعتقاد اور قرب کی بنا پر ناموس عیسیٰ کہا۔ اور دوبارہ ناموس موسیٰ کہا بلکہ سیرت حلبی میں یوں ہے۔ انك علی مثل ناموس موسیٰ وعیسیٰ حضرت موسیٰ کا ذکر اتفاق فریقین کی بنا پر کیا۔ اور حضرت عیسیٰ کا اپنے اعتقاد اور قرب زمانہ کی بنا پر

یومک سے کیا مراد ہے ۴۳ ورقہ نے فرمایا اگر مجھے آپ کا زمانہ ملا تو آپ کی بھرپور مدد کرونگا۔ اس سے مراد دعوت عام کے بعد ابتلا کا دور ہے۔ یا وہ زمانہ مراد ہے جب جہاد کا حکم ہوگا ــــ اور گزر چکا کہ جہاد کے زمانے سے بہت پہلے ان کا وصال ہوگیا۔ بلکہ ظالموں کے ذات اقدس کو نشانہ ستم بنانے سے بھی پہلے ۳ سنہ نبوی میں وصال فرماگئے۔

حضرت بلال کو ستاتے ہوئے دیکھا تو باوجود کبر سنی اور آنکھوں سے معذور ہونے کے بڑی جرأت کے ساتھ حضرت بلال سے فرمایا۔ ایک ہی کہنا، ایک ہی کہنا۔

فترت کی تحقیق (۴۳) وفتر الوحی۔ فتر یفتر فتورا وفتارا کے اصل معنی۔ تیزی کے بعد رک جانا۔ سختی کے بعد نرم ہوجانا۔ اور کمزور اور سست ہونا ہیں۔ نیز باری کے بخار میں ناغے کے دن کو فترت کہتے ہیں

قرآن وحدیث میں اس زمانے کو کہتے ہیں جو حضرت عیسیٰ اور ہمارے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے درمیان ہے جس میں کوئی نبی مبعوث نہ ہوا۔ اور یہاں رکنے کے معنی میں ہے۔ سورہ اقرأ کے نزول کے بعد ایک عرصے تک نزول قرآن نہیں ہوا۔

اس مدت کو فترت وحی کا زمانہ کہتے ہیں۔ یہ مدت کتنی تھی اس میں دس اقوال ہیں۔ تین سال۔ ڈھائی سال۔ کچھ دن[۱] بلاتعیین دو سال[۲] چھ مہینے۔ چالیس دن۔ پندرہ دن۔ تین دن۔ بارہ دن[۳]۔ ایک مہینہ[۴]۔

مدت فترت کی تحقیق (۴۴) عام طور پر ارباب سیر تین سال کو اختیار کرتے ہیں۔ علامہ عینی نے صرف اسی کو لیا۔ مغلطائی نے تیسرے قول یعنی یہ مدت بلاتعیین چند دن تھی کو اشبہ بتایا یعنی اشبہ بالحق دلیل میں فرمایا۔ کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ان کے رب سے جو تعلق تھا وہ اسی کا مقتضی ہے۔ علامہ زرقانی نے بھی اسی کی تائید کی ہے۔ یہ حضرت ابن عباس کا قول ہے۔ فتح الباری وغیرہ میں اسی طرح نقل فرمایا۔ مگر زرقانی میں مغلطائی کے حوالے سے تفسیر ابن عباس سے اسکی تعداد چالیس دن بتائی۔ خادم کا رجحان بھی یہی ہے کہ فترت وحی کی مدت چالیس دن تھی کیونکہ ڈھائی سال اور تین سال مدت ماننے کی صورت میں یہ ماننا پڑے گا کہ سورہ "مدثر" اقرأ کی ابتدائی پانچ آیتوں کے بعد تین یا ڈھائی سال پر نازل ہوئی۔ اور یہ بات اپنی جگہ طے ہے کہ دعوت کا حکم سورہ مدثر سے ہوا ہے

مواہب اور زرقانی میں ہے۔

قال النووی اول ما وجب الانذار والدعاء الی التوحید لقولہ تعالیٰ یٰاَیُّہَا الْمُدَّثِّرُ قُمْ فَاَنْذِرْ۔ ج ۱ ص ۱۳۵

نووی نے کہا کہ سب سے پہلے انذار اور توحید کی دعوت اللہ تعالیٰ کے اس قول سے واجب ہوئی کہ فرمایا۔ اے چادر اوڑھنے والے اٹھو اور ڈراؤ۔

تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ ان تین سال میں دعوت کا کام بند رہا۔ شروع ہی نہ ہوا۔ نیز ایام فترت میں خود حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا جو حال تھا وہ خود اس حدیث میں آگے مذکور ہے۔ وہ بتا رہا ہے کہ حضور کی حالت ایسی نہ تھی کہ وہ کسی کو دعوت دیتے۔

حالانکہ ثابت ہے کہ ان تین سال میں کثیر حضرات ایمان لا چکے تھے۔ یہی علامہ قسطلانی اور علامہ زرقانی نے کثیر صحابہ وصحابیات کے اسماء گنائے ہیں جو ان تین سال میں ایمان لائے۔ اور اجمالی طور پر یہ فرمایا کہ ان تین سال میں مردوں عورتوں کی متعدد جماعت نے پے در پے اسلام قبول کیا

---

[۱] فتح الباری ج ۱ ص ۹۷۔ [۲] اشعۃ اللمعات ج ۴ ص ۵۰۹ [۳] زرقانی علی المواہب ص ۲۳۶ [۴] مرقات ص ۲۱۲

علامہ زرقانی نے فرمایا کہ عراقی وغیرہ نے ایک معتد بہ مقدار کے نام گنائے ہیں۔ اس کا صاف مطلب یہ ہوا کہ اس اثنا میں رازداری کے ساتھ اسلام کا کام جاری رہا یہاں تک کہ آیت کریمہ

فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ وَاَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِيْنَ تم کو جو حکم ہے اب اسے علانیہ بیان کرو اور مشرکوں سے منہ پھیر لو۔

نازل ہوئی۔ تو علانیہ اسلام کی اشاعت اور تبلیغ و دعوت کا کام شروع فرمایا ــــ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کا قول، ورقہ کی تذکرے میں گذر چکا ــ مواہب اور زرقانی میں ہے۔

قالوا وکان ذالك بعد ثلاث سنين من النبوة تبرأ منه لجزم الحافظ فی سیرته بان نزول الاٰیة کان فی السنة الثالثة (وهی المدة التی اخفی رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم امره الیٰ ان امره الله تعالیٰ باظهاره فنادی قومه بالاسلام و) لم یقتصر علی مجرد المجاهرة بالدعوة بل کرر ذالك واکد وبالغ فی اظهار الحجة حتیٰ کانه (صدع به کما امره الله تعالیٰ) ــــ

ص ۲۴۷ و ۲۴۸ ج ۱

لوگوں نے کہا اس آیت کا نزول نبوت کے تین سال بعد ہوا۔ حافظ نے اپنی سیرت میں فرمایا کہ تین سال کے بعد نہیں، تیسرے سال میں ہوا۔ یہ وہ زمانہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے حال کو چھپائے رکھا، یہاں تک کہ اللہ عزوجل نے اس کے کھلم کھلا بیان کرنے کا حکم دیا۔ اسکے بعد حضور نے اپنی قوم پر اسلام کو ظاہر فرمایا اور علانیہ اشاعت کرنے لگے اور صرف اعلان دعوت پر اکتفا نہیں کیا بلکہ بار بار دعوت دی اور تاکید دی اور اسمیں مبالغہ کیا گویا کہ اسلام کو بالکل آشکارا کر دیا جیسا کہ حکم تھا۔

غرضیکہ اس سے انکار کی گنجائش نہیں کہ تین سال کے اندر اندر بھی اسلام کی دعوت کا کام ہوتا رہا مگر احتیاط اور رازداری کے ساتھ ــــ علاوہ ازیں یہ بات طے ہے کہ فترتِ وحی کے بعد سب سے پہلے "یَاَیُّهَا الْمُدَّثِّرُ" نازل ہوئی۔ یہ مدت تین سال ماننے کا مطلب یہ ہوا کہ سورۂ مدثر تین سال پر نازل ہوئی۔ اب اگر حافظ عراقی کی بات صحیح ہے کہ آیت "فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ" تین سال کے اندر نازل ہوئی تو لازم کہ سورۂ مدثر بعد میں اور یہ آیت اس کے پہلے نازل ہوئی۔ اور یہ کسی طرح درست نہیں۔

پھر یہ کہ علامہ عسقلانی وغیرہ نے اس تاخیر کی علت یہ بتائی کہ حرا میں نزول وحی سے قوی پر اثر جو پڑا وہ دور ہو جائے اور شوق زیادہ سے زیادہ ہو جائے۔ اس کے لئے تین سال کی مدت کی کوئی ضرورت نہیں۔ چند دن کافی ہیں۔ پھر سوچئے اللہ عزوجل نے سارے عالم میں، اسلام کی دعوت کے لئے جسے منتخب فرمایا۔ اپنا حبیب بنایا اسے تین سال تک اتنی سخت کشمکش میں مبتلا کرے کہ بار بار جان سے عاجز آجائے، ذرا

غدا منه مرارا كي يتردى من رؤس شواهق الجبال فكلما اوفى بذروة جبل

ہے کہ کئی بار پہاڑ کی چوٹیوں پر چڑھے تاکہ اپنے کو وہاں سے گرادیں وہ پس جب کبھی چاہا کہ

لكي يلقي نفسه منه تبدى له جبريل فقال يا محمد انك رسول الله حقا

پہاڑ کی بلندی سے اپنے کو گرائیں جبریل وہ ظاہر ہو جاتے اور عرض کرتے اے محمد! آپ بلاشبہ اللہ کے رسول برحق ہیں

مشکل سے سمجھ میں آنے کی بات ہے۔ جیسا کہ مغلطائی نے کہا۔

لعل هذا هو الاشبه بحاله عند ربه — امید ہے کہ یہی حق سے زیادہ مشابہ ہو، اسکو دیکھتے ہوئے جو آپکا مرتبہ خدا کی بارگاہ میں تھا۔ (زرقانی ص ۲۳۶)

میں حضرت ابن عباس کے دونوں قول کو راجح سمجھتا ہوں۔ یعنی یہ مدت چند دن تھی اور یہ چند دن چالیس دن تھے۔ اسوجہ سے کہ مسلم شریف میں حضرت جابر کی فترت وحی کے ایام کے احوال میں یہ روایت مذکور ہے۔

جاورت بحراء شهرا (کتاب الایمان) — میں نے حرا میں ایک مہینے مجاورت کی۔

تو ثابت کہ یہ مدت ایک ماہ سے کم نہ تھی، زیادہ تھی۔ اور ایک ماہ سے زائد کے اقوال میں ایک ماہ سے قریب تر چالیس دن کا قول ہے۔ اس لئے یہ راجح ہے۔ اس کے علاوہ جتنے اقوال ہیں ان میں کسی کا قول حضرت ابن عباس کے مرتبے کا نہیں۔ اور جب یہ قول از روئے درایت بھی مرجح۔ تو اسی کو راجح ماننا انسب ہے۔

بالکل فطری بات ہے کہ جب وحی رُکنے کی وجہ سے قلق واضطراب ہوتا۔ جبریل آتے تسکین دیتے۔ کچھ سکون ملتا۔ مگر چونکہ وحی بدستور رُکی رہتی اس لئے پھر وہی حال ہوتا۔ مسلسل اس کیفیت کا حل یہ سمجھ میں آیا کہ چلو پھر وہیں حرا میں جہاں پہلی بار شاہد مقصود جلوہ گر ہوا تھا۔ تو حرا میں مجاورت فرمائی۔ اور جو علاج سوچا تھا وہ شافی ہوا۔ پیک ربانی پیغام لے کے آگیا۔ هذا ما عندي والعلم بالحق عند ربي وعلمه جل مجده اتم واحكم۔

ایام فترت وحی میں اضطراب (۴۶) عرصے تک وحی رُک جانے سے حزن و ملال اور اضطراب کا پیدا ہو جانا فطری بات ہے۔ اتنا عظیم منصب ملنے کے بعد عرصے تک وحی نہ آنے سے یہ اندیشہ سامنے کی بات ہے کہ کہیں ناراضگی کی بنا پر تو یہ رکاوٹ نہیں۔ اور محبوب کی ناراضگی کتنی جان لیوا ہوتی ہے۔ یہ صرف ارباب محبت جانتے ہیں۔ پھر جب کہ محبوب حقیقی ہو تو اس کا ردّ عمل کتنا شدید ہوگا۔ ظاہر ہے۔ اسی طرح کسی بڑے منصب ملنے کے بعد اس کے زوال کا خیال کتنا سوہان روح ہوتا ہے سب کو معلوم ہے وہ بھی نبوت جیسے عظیم منصب کے بارے میں یہ تصور کتنا الم انگیز ہوگا۔

اس جان لیوا تصور کی وجہ سے قلق و اضطراب، اضطرار کی حد تک اگر پہونچ گیا تو کیا تعجب کی بات ہے اور ایسے اضطرار کی حالت میں جو فعل سرزد ہو اس پر کوئی دار و گیر نہیں وہ بھی اس وقت جب کہ احکام کا نزول ابھی نہیں ہوا تھا۔ اور اگر بالفرض احکام کا نزول ہوتا بھی تو احکام ہی میں یہ بھی ہے۔ ارشاد ہے فَمَنِ اضْطُرَّ غَیْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَلَا اِثْمَ عَلَیْهِ ؕ۔ تو جو شخص کوئی ایسا کام اضطرار کی حالت میں کر بیٹھے۔ جو منع ہوا اور وہ خواہش سے نہ کرے اور حد سے آگے نہ بڑھے تو اس پر کوئی گناہ نہیں ۔ یہاں یہ کہنا کہ چونکہ یہ حدیث بلاغات زہری سے ہے اس لئے قابل قبول نہیں۔ اصول حدیث کی خلاف ورزی ہے ۔ اسمیں اس کا امکان ہے کہ حدیث کا اول حصہ جس سند سے مروی اسی سے یہ بھی مروی ہو۔ ثانیاً اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ امام زہری پر موقوف ہے ۔ چونکہ یہ بھی ثقہ ہیں اور معمر بھی ثقہ ہیں۔ اسلئے اس کے قابل قبول ہونے میں کوئی تردد نہیں ہو سکتا۔ قسطلانی

جبرئیل (۴۷) یہ عبرانی لفظ ہے۔ ایل کے معنی خدا۔ اور جبر کے معنی عبد۔ جبرئیل کے معنی عبداللہ۔ اور ان کا اصل نام عبدالجلیل اور کنیت ابوالفتوح ہے۔ انبیاء کرام کے پاس پیغام خداوندی لانے کی خدمت انھیں کے سپرد تھی۔ اسکے علاوہ اور بھی خدمات انجام دیتے تھے اور اب بھی دیتے ہیں۔

جبرئیل کی ملکوتی صورت (۴۸) جبرئیل امین کی ملکوتی شکل یہ تھی کہ ان کے چھ سو بازو ہیں جن سے موتی اور یاقوت جھڑتے ہیں اتنے عظیم ہیں کہ پورے افق کو بھر دیتے ہیں۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کو دو مرتبہ ان کی ملکوتی شکل میں دیکھا۔

جبرئیل ابتداء ہی سے مامور ہیں (۴۹) وحی کے اقسام میں گزرا کہ ابتداء میں تین سال تک اسرافیل وحی پر مقرر تھے۔ پھر جبرئیل امین کی تقرری ہوئی۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے۔ ابتداءً تین سال جبرئیل امین خدمت اقدس میں حاضر نہیں ہوئے۔

مگر یہ صحیح نہیں۔ اولاً گزر چکا کہ فترت وحی کی مدت زیادہ سے زیادہ چالیس دن تھی۔ تین سال نہ تھی۔ تو واقعہ حراء کے چالیس دن کے بعد سورۂ مدثر کا نزول ہوا۔ اور یہ جبرئیل امین لیکر حاضر ہوئے۔ علاوہ ازیں اس حدیث میں جو واقعہ ہے۔ یہ فترت وحی ہی کے ایام کا ہے۔ تو معلوم ہوا کہ ان ایام میں بھی جبرئیل، حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت پر مامور تھے اور خدمت بھی کرتے تھے۔ کچھ کلام بھی کرتے تھے البتہ ان ایام میں قرآن لیکر نہیں آئے۔

فتح الباری میں ہے :۔ یہ مراد نہیں کہ ایام فترت وحی میں جبرئیل حاضر ہی نہ ہوئے بلکہ مراد یہ ہے کہ قرآن لیکر نہیں آئے۔ پھر یہ مسلم کہ مستدرک حاکم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں جبرئیل حاضر تھے کہ اچانک اوپر آسمان سے چرچراہٹ سنی۔ جبرئیل نے آسمان کی طرف نظر اٹھائی اور عرض کیا۔ یارسول اللہ یہ ایک فرشتہ ہے جو آج تک نہیں اترا تھا۔ یہ فرشتہ خدمت اقدس

فَيَسْكُنُ لِذٰلِكَ جَاشُهٗ وَتَقِرُّ نَفْسُهٗ فَيَرْجِعُ فَإِذَا طَالَتْ عَلَيْهِ فَتْرَةُ الْوَحْيِ غَدَا

اس سے حضور کی بے چینی دور ہو جاتی اور قرار آجاتا پھر لوٹتے۔ پھر وحی کے انقطاع کی مدت دراز ہونے کی وجہ

لِمِثْلِ ذٰلِكَ فَإِذَا أَوْفٰى بِذِرْوَةِ الْجَبَلِ تَبَدّٰى لَهٗ جِبْرِيْلُ فَقَالَ لَهٗ مِثْلَ ذٰلِكَ[1]

سے ویسا ہی کرتے پھر جب پہاڑ کی بلندی سے گرانا چاہتے۔ تو جبریل وہی کہتے

میں حاضر ہوا سلام عرض کرنے کے بعد کہا۔ آپ کو دو ایسے نور کی بشارت ہو جو کسی نبی کو نہیں ملے۔ سورہ فاتحہ اور اواخر سورہ بقرہ۔ علماء کی ایک جماعت نے فرمایا کہ یہ اسرافیل تھے۔

لیکن یہ کہا جاسکتا ہے کہ حدیث میں نام نہیں۔ صرف علماء کی رائے ہے کہ یہ اسرافیل تھے۔ اس کا بھی احتمال ہے کہ اسرافیل نہ ہوں کوئی اور ہوں۔ مگر طبرانی، حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے راوی کہ میں نے سنا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے پاس ایک فرشتہ آیا جو مجھ سے پہلے کسی نبی کے پاس نہیں آیا تھا۔ اور نہ آئندہ کبھی کسی کے پاس آئے گا یہ "اسرافیل" ہیں۔ اسرافیل نے کہا کہ میں اپنے پروردگار کا یہ پیغام لیکر آیا ہوں کہ اللہ عزوجل نے آپ کو اختیار دیدیا ہے اگر آپ چاہیں تو نبی عبد رہیں۔ چاہیں تو نبی ملِک۔ حضور نے فرمایا کہ میں نے جبرئیل کی طرف دیکھا کہ وہ کیا مشورہ دیتے ہیں انھوں نے اشارہ کیا۔ تواضع کیجئے۔ اگر میں کہدیتا کہ نبی ملِک رہوں گا تو پہاڑ سونا بن کر میرے ساتھ چلتے۔

اس حدیث سے ظاہر ہے کہ اسرافیل اس دن سے پہلے کبھی نہیں حاضر خدمت ہوئے۔ امام شعبی کے قول کے مقابلے میں جب حدیث مرفوع ہے تو ظاہر ہے کہ امام شعبی کا قول مرجوح ہوگا۔

علاوہ ازیں امام شعبی کے مذکورہ بالا قول سے ظاہر ہوتا ہے کہ ایام فترتِ وحی تین سال تھے اور ہم ثابت کر آئے کہ تین سال نہیں صرف چالیس دن تھے اس لئے یہ کہنا کہ ابتداءً تین سال اسرافیل وحی لانے پر مامور تھے صحیح نہیں۔

اسرافیل بھی وحی لاتے تھے (۵) مگر ان باتوں سے صرف یہ ثابت ہوتا ہے کہ ایام فترت میں اسرافیل وحی لیکر نہیں آئے۔ مگر اصل مدعیٰ ثابت کہ کبھی کبھی اسرافیل بھی وحی لیکر آتے تھے۔ زیادہ سے زیادہ اسمیں بحث ہوسکتی ہے کہ ابتدا میں وحی لائے یا نہیں لائے۔ چلئے بعد ہی میں وحی لائے۔ سوئے وحی کی سات صورتیں اپنی جگہ باقی رہیں

[1] ایضا، تفسیر سورۂ علق و کتاب التعبیر، کتاب الانبیاء۔ باب واذکر فی الکتاب موسیٰ۔ اس کے علاوہ مسلم کتاب الایمان مسند امام احمد بن حنبل میں بھی یہ حدیث ہے۔ ع۵ زرقانی ص۲۳۷ ج۱۔

۴ حدیث فترۃ وحی

قَالَ ابْنُ شِهَابٍ وَأَخْبَرَنِي أَبُو سَلَمَةَ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ اَنَّ جَابِرَ ابْنَ عَبْدِ اللّٰهِ

ابن شہاب ؀۱ نے کہا اور مجھے ابو سلمہ بن عبد الرحمن ؀۲ نے خبر دی کہ جابر ابن عبد اللہ

الْأَنْصَارِيَّ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا. قَالَ وَهُوَ يُحَدِّثُ عَنْ فَتْرَةِ الْوَحْيِ فَقَالَ فِي

انصاری رضی اللہ تعالٰی عنہما ؀۳ نے فترتِ وحی کی حدیث بیان کرتے ہوئے کہا کہ رسول اللہ

تشریحات

ابن شہاب ؀۱ (۱) یہ زہری سے زیادہ مشہور ہیں پورا نام یہ ہے محمد بن مسلم بن عبداللہ بن عبدالرحمٰن بن شہاب بن عبداللہ بن حارث بن زہرہ بن کلاب ۔کنیت ابوبکر ہے۔ تیسرے دادا شہاب کی طرف منسوب کرکے ان کو ابن شہاب کہتے ہیں اور جداعلیٰ زہرہ کی طرف نسبت سے زہری یہ حضرت سیدہ خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے قبیلے سے ہیں اور کلاب میں جا کر ان کا نسب شجرۂ نبوی سے متصل ہو جاتا ہے۔ صغار تابعین میں سے ہیں۔ حضرت انس اور حضرت ربیعہ بن عباد اور کثیر صحابہ سے حدیثیں سنی ہیں ۔متفق علیہ امام ثقہ معتمد علیہ ہیں ۔ ان سے کثیر تابعین نے احادیث سنیں بہتر سال کی عمر میں بماہ رمضان المبارک ۱۲۴ھ میں وصال فرمایا ۔ وصیت کے مطابق موضع شغب میں لب سڑک مدفون ہوئے ۔

اموی شہنشاہ عبدالملک بن مروان بہت عزت کرتا تھا ۔ ایک دفعہ اس نے سات سو اشرفیاں نذر کیں مگر اسکی کوئی پرواہ نہ کی ۔ احادیث کی تدوین کا کام انھوں نے شروع کیا ۔ مطالعہ کے بہت شوقین تھے ۔ جب مکان میں بیٹھتے تو کتابوں کا انبار لگ جاتا ۔ انہماک میں دنیوی امور کی جانب توجہ نہ ہوئی ۔ زوجہ محترمہ یہ دیکھتے دیکھتے ایک دن کہہ اٹھیں ۔ یہ کتابیں مجھ پر تین سو سوکنوں سے زیادہ شاق ہیں ۔

ابو سلمہ ؀۲ (۲) یہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے اکلوتے صاحبزادے ہیں ۔ ان کا اصل نام تو عبداللہ ہے یا اسماعیل یا ابو سلمہ ہے ۔ یہ اس پائے کے تابعی ہیں کہ ایک قول کی بنا پر مدینے کے فقہاء سبعہ میں یہ بھی ہیں ۔ کثیر صحابہ و تابعین سے حدیثیں سنیں اور ان سے تابعین کی جماعت کثیر نے ۔ مشہور محدث امام شعبی ان کے تلمیذ ہیں ۔ ۹۴ھ میں بہتر سال کے ہو کے مدینہ طیبہ میں ولید بن عبدالملک کے ایام سلطنت میں وصال فرمایا ۔

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما (۳) جابر نام ہے یہ بھی صحابی ہیں ۔ ان کے والد بھی صحابی ہیں ۔ ان کے والد غزوۂ اُحد میں

حَدِیثِہٖ بَیْنَا اَنَا اَمْشِیْ اِذْ سَمِعْتُ صَوْتًا مِّنَ السَّمَاءِ فَرَفَعْتُ بَصَرِیْ فَاِذَا الْمَلَکُ الَّذِیْ

صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنی گفتگو میں فرمایا میں چلا جا رہا تھا کہ اچانک آسمان کی طرف سے ایک آواز سنی میں نے نگاہ اٹھا کر

جَاءَنِیْ بِحِرَاءٍ جَالِسٌ عَلٰی کُرْسِیٍّ بَیْنَ السَّمَاءِ وَالْاَرْضِ فَرُعِبْتُ مِنْہُ فَرَجَعْتُ فَقُلْتُ

دیکھا تو وہی فرشتہ جو میرے پاس غار حرا میں آیا تھا آسمان و زمین کے درمیان کرسی پر بیٹھا ہوا ہے جس سے مجھ پر رعب طاری ہو گیا اور میں

زَمِّلُوْنِیْ، زَمِّلُوْنِیْ (فَدَثَّرُوْہُ) فَاَنْزَلَ اللّٰہُ تَعَالٰی. یٰاَیُّھَا الْمُدَّثِّرُ ۙ قُمْ فَاَنْذِرْ وَرَبَّکَ فَکَبِّرْ

لوٹ کر گھر آیا تو میں نے کہا مجھے کپڑا اڑھاؤ مجھے کپڑا اڑھاؤ (لوگوں نے اڑھا دیا) پھر اللہ تعالیٰ نے یہ آیتیں نازل فرمائیں اے بالا پوش اوڑھنے والے

وَثِیَابَکَ فَطَھِّرْ. وَالرُّجْزَ فَاھْجُرْ. فَحَمِیَ الْوَحْیُ وَتَتَابَعَ [1]

اٹھیے (اور) ڈرائیے اور اپنے پروردگار کی بڑائی بیان کیجئے۔ اور اپنے کپڑے کو پاک رکھئے اور بت سے دور رہیے اسکے بعد وحی میں گرمی اور تسلسل پیدا ہو گیا

شہید ہوئے۔ ان پر بہت زیادہ نگاہ کرم تھی۔ احادیث میں ان کے بہت دلچسپ واقعات مذکور ہیں ۔ یہ انصاری خزرجی سلمی ہیں ان سے

ایک ہزار پانچ سو چالیس احادیث مروی ہیں۔ ۲۶ صرف بخاری میں۔ ایک سو چھبیس صرف مسلم میں۔ اور اٹھاون وہ احادیث ہیں جو دونوں

میں جسے متفق علیہ کہتے ہیں۔ اس طرح شیخین امام بخاری امام مسلم نے دو سو دس حدیث ان کی درج کیں۔

بروایت مختلف سن ۶۹ یا چوہتر یا اٹھتر میں مدینہ طیبہ میں وصال فرمایا۔ وصال کے وقت عمر مبارک چورانوے سال کی تھی۔ جابر بن عبد اللہ

صحابہ میں دو اور صاحبان ہیں۔ جابر بن عبد اللہ راسبی۔ جابر بن عبد اللہ بن رباب۔ اور یہ جابر بن عبد اللہ بن حرام ہیں۔ صرف جابر نام کے

تیئس صحابہ کرام ہیں

سب سے پہلے کیا نازل ہوا ف۴ علماء کا اس میں اختلاف ہے کہ سب سے پہلے کیا نازل ہوا۔ جمہور کا قول ہے کہ مطلقاً سب سے پہلے سورہ اقرا کی ابتدائی

پانچ مذکورہ بالا آیتیں نازل ہوئیں۔ بعض حضرات کا قول یہ ہے کہ سورہ مدثر کی ابتدائی چار آیتیں نازل ہوئیں۔ اور ایک قول یہ ہے کہ سب سے

پہلے سورہ فاتحہ نازل ہوئی۔ یہ حدیث اسکی دلیل ہے کہ مطلقاً سب سے پہلے سورہ اقرا کی ابتدائی پانچ آیتیں نازل ہوئیں۔ اس حدیث کا یہ حصہ کہ اچانک میں نے

یہ دیکھا کہ وہ فرشتہ جو حرا میں آیا تھا۔ زمین و آسمان کے مابین کرسی پر بیٹھا ہے ۔ اسکی دلیل ہے کہ سورہ مدثر کی یہ آیتیں واقعہ حرا کے بعد نازل ہوئیں

اور اس پر سب کا اتفاق ہے کہ سورہ اقرا کی ابتدائی آیتیں حرا میں نازل ہوئیں۔

نیز اس حدیث میں تصریح ہے کہ فترت وحی کے بعد سورہ مدثر کی یہ آیتیں نازل ہوئیں۔ اور اس پر اتفاق ہے کہ سورہ اقرا کی ابتدائی

آیتوں کا نزول فترت وحی کے قبل ہوا۔ اس لئے ماننا پڑے گا کہ سورہ اقرا کی ابتدائی آیتوں کا نزول سورہ مدثر کی ابتدائی آیتوں سے پہلے ہوا۔

رہ گیا سورہ فاتحہ کی روایت تو اس کا جواب یہ ہے کہ وہ روایت خبر واحد ہے اور حدیث حرا مشہور۔ ظاہر ہے کہ خبر واحد کے مقابلے میں

خبر مشہور کو بہر حال ترجیح ہوگی۔

[1] ایضا کتاب التفسیر سورہ مدثر۔ سورہ علق۔ کتاب التعبیر۔ اسکے علاوہ مسلم کتاب الایمان۔ ترمذی شریف میں بھی یہ حدیث ہے۔

⑤ حدیث مسلسل بالشفتین

عن ابن عباس رضی اللہ تعالی عنہما فی قولہ تعالی "لا تحرک بہ لسانک
ابن عباس رضی اللہ تعالی عنہما سے مروی ہے اللہ تعالی کے اس ارشاد کی تفسیر میں (تم جلدی یاد کرنے کی خواہش

لتعجل بہ — قال کان رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم
میں نزول قرآن کیساتھ اپنی زبان کو حرکت نہ دو۔ ابن عباس رضی اللہ تعالی عنہما نے کہا کہ حضور صلی اللہ تعالی علیہ وسلم

ان سب اقوال میں یوں تطبیق دی جاسکتی ہے کہ مطلقاً سب سے پہلے سورہ اقرأ کی ابتدائی آیتیں نازل ہوئیں۔ فترت وحی کے بعد سب سے پہلے سورہ مدثر کی ابتدائی آیتیں۔ اور مکمل سورہ سب سے پہلے سورہ فاتحہ نازل ہوئی۔

تشریحات ⑤

ابن عباس: ۱ عبداللہ نام ہے حضور اقدس صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کے چچا حضرت عباس کے صاحبزادے ہیں ان کی والدہ ام الفضل لبابہ بنت الحارث ہیں۔ جو ام المؤمنین حضرت میمونہ کی حقیقی بہن ہیں۔ کنیت ابو العباس۔ ابو الخلفا ہے۔ اور حبر اُمّت۔ ترجمان القرآن القاب ہیں۔ شاہان عباسیہ سب آپ ہی کی نسل سے ہیں۔ اس لئے ابو الخلفا کنیت ہوئی۔ ہجرت سے تین سال قبل شعب ابی طالب میں پیدا ہوئے حضور اقدس صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کے وصال کے وقت تیرہ سال کی عمر تھی ۶۸ھ میں اکہتر سال کے ہو کر حضرت عبداللہ بن زبیر کے ایام خلافت میں طائف شریف میں انتقال فرمایا۔ محمد بن حنفیہ حضرت علی کے صاحبزادے نے نماز جنازہ پڑھائی۔ نماز کے لئے جب جنازہ رکھا گیا تو ایک سفید پرندہ آکر کفن میں گھس گیا۔ بہتیرا تلاش کیا گیا نہ ملا۔ دفن کے بعد ایک غیبی آواز آئی۔ کوئی کہہ رہا ہے:-

یٰاَیَّتُھَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّۃُ ارْجِعِیْ اِلٰی رَبِّکِ رَاضِیَۃً مَّرْضِیَّۃً فَادْخُلِیْ فِیْ عِبَادِیْ وَادْخُلِیْ جَنَّتِیْ۔	اے اطمینان والی جان اپنے رب کی طرف واپس ہو اس حالت میں کہ تو اس سے راضی وہ تجھ سے راضی پھر میرے خاص بندوں میں داخل ہو اور میری جنت میں آ

چار وہ صحابہ جن کے نام عبداللہ ہیں جنھیں عبادلہ اربعہ کہتے ہیں ان میں یہ بھی ہیں۔ بقیہ تین یہ ہیں۔ عبداللہ بن عمر، عبداللہ بن زبیر، عبداللہ بن عمرو بن العاص۔ لیکن احناف کے نزدیک عبادلہ اربعہ میں عبداللہ بن عمرو بن العاص کے بجائے عبداللہ بن مسعود ہیں [له] امام احمد نے فرمایا۔ چھ صحابہ سے کثیر تعداد میں احادیث مروی ہیں۔ ان میں ایک یہ بھی ہیں — اور بقیہ مندرجہ ذیل حضرات ہیں:-

له فواتح الرحموت

يُعَالِجُ مِنَ التَّنْزِيْلِ شِدَّةً (إِذَا نَزَلَ جِبْرِيْلُ بِالْوَحْيِ) وَكَانَ مِمَّا يُحَرِّكُ

قرآن کے نازل ہونے سے شدت محسوس فرماتے تھے۔ جب جبریل وحی لیکر اترتے اور اپنی زبان

(بِهِ لِسَانَهُ وَ) شَفَتَيْهِ (فَيَشْتَدُّ عَلَيْهِ وَكَانَ يُعْرَفُ مِنْهُ) فَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ

اور ہونٹوں کو حرکت دیتے (ساتھ ساتھ پڑھنے کی کوشش کرتے) حضور پر شدت طاری ہوتی جسے جان لیا جاتا۔ ابن عباس رضی اللہ

رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا۔ فَأَنَا أُحَرِّكُهُمَا لَكَ كَمَا كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُحَرِّكُهُمَا

تعالیٰ عنہما نے فرمایا۔ میں تمھیں سمجھانے کے لئے اپنے ہونٹوں کو ہلاتا ہوں جیسے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہلاتے تھے

حضرت ابوہریرہ ان کی تعداد سب سے زیادہ ہے۔ عبداللہ بن عمر۔ ام المؤمنین عائشہ۔ جابر بن عبداللہ۔ انس رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔

ابن عباس سے ایک ہزار چھ سو ساٹھ احادیث مروی ہیں۔ ان میں پچانوے متفق علیہ اور ایک سو بیس افراد بخاری اور انچاس افراد مسلم سے ہیں ــــ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کے لئے دعا کی تھی "اے اللہ انھیں حکمت فقہ تاویل عطا فرما" اسکی برکت سے کم سنی ہی میں ان کے علم وفضل کا سکہ سب پر بیٹھ گیا تھا۔ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بہت قریب تھے۔ اہم سے اہم امور میں اجلہ صحابہ کرام کے ساتھ مشورہ میں شرکت فرماتے تھے۔

امام مسروق نے فرمایا حضرت ابن عباس اجمل الناس افصح الناس اعلم الناس تھے۔ اسی لئے ان کو حبر امت بھی کہا جاتا ہے۔ اخیر عمر مبارک میں آنکھوں میں موتیابند اتر آیا تھا۔ معالجین نے عرض کیا ہم موتیابند نکال دیں گے۔ لیکن پانچ دن آپ کھڑے ہو کر نماز نہیں پڑھ سکتے۔ فرمایا۔ خدا کی قسم میں موتیابند نہیں نکلواؤں گا۔ پانچ دن تو بڑی بات ہے۔ ایک رکعت بھی نہیں چھوڑ سکتا۔ جب آنکھیں سفید ہوگئیں تو یہ شعر پڑھا کرتے :۔

إِنْ يَأْخُذِ اللّٰهُ مِنْ عَيْنَيَّ نُوْرَهُمَا — اللہ نے میری آنکھوں سے روشنی لے لی تو کیا ہوا۔

فَفِيْ لِسَانِيْ وَقَلْبِيْ مِنْهُمَا نُوْرٌ — اسکے عوض میری زبان میرا دل روشن ہے

قَلْبِيْ ذَكِيٌّ وَذِهْنِيْ غَيْرُ ذِيْ دَخَلٍ — میرا دل صاف ستھرا اور میرا دماغ فساد سے خالی ہے

وَفِيْ فَمِيْ صَارِمٌ كَالسَّيْفِ مَطْرُوْرٌ — میرے منھ میں ایسی زبان ہے جو تلوار کی طرح تیز طرار مقابل پر غالب ہے

خلاصہ ۲ اس حدیث کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا۔ کہ قرآن کے نزول کے وقت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم شدت اور سختی محسوس فرماتے تھے۔ جیسا کہ مفصل گذرا۔ جب جبریل قرآن سناتے تو حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

وَقَالَ سَعِيدٌ أَنَا أُحَرِّكُهُمَا كَمَا رَأَيْتُ ابْنَ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالَىٰ عَنْهُمَا يُحَرِّكُهُمَا

سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ (تلمیذ ابن عباس) نے کہا میں تم لوگوں کے لئے اپنے ہونٹوں کو ہلاتا ہوں جیسے ابن عباس ہلاتے تھے تو انھوں نے اپنے

فَحَرَّكَ شَفَتَيْهِ فَأَنْزَلَ اللّٰهُ تَعَالَىٰ (الْآيَةَ الَّتِي فِي لَا أُقْسِمُ بِيَوْمِ الْقِيَامَةِ) لَا تُحَرِّكْ

ہونٹوں کو ہلایا۔ تو اللہ تعالیٰ نے سورہ قیامہ کی اس آیت کو اُتارا (جلد یاد کرنے کی کوشش میں (نزول)

ان کے ساتھ ساتھ قرآن مجید پڑھتے۔ حاضرین پڑھنے کی وجہ سے ہونٹوں کی حرکت کو دیکھتے۔ مقصود یہ تھا کہ کوئی لفظ یاد سے رہ نہ جائے۔ جس طرح جبریل لیکر آئے ہیں بعینہ اسی طرح محفوظ کر لوں۔ جیسے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس وقت اپنے ہونٹوں کو حرکت دیتے۔ ابن عباس نے اسی طرح ہونٹ ہلا کر اپنے تلامذہ کو دکھایا جن میں سعید بن جبیر شہید بھی تھے۔ جیسے ابن عباس نے اپنے ہونٹوں کو ہلایا ویسے ہی سعید بن جبیر نے بھی ہونٹ ہلا کر اپنے تلامذہ کو دکھایا۔

اس میں شدت در شدت تھی۔ ایک تو نزول وحی کی شدت دوسرے بغور سُننا اور ساتھ ساتھ پڑھنا۔ اس پر سورہ قیامہ کی یہ آیت نازل ہوئی۔ لَا تُحَرِّكْ بِهِ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهِ ۔ ثُمَّ إِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهُ تک۔ یعنی قرآن نازل ہونے کی حالت میں آپ یاد کرنے کی کوشش میں پڑھا نہ کریں۔ پورے قرآن کا آپ کے سینے میں جمع فرما دینا محفوظ کر دینا تاکہ آپ اسے بآسانی پڑھ لیں ہمارے ذمے ہے۔ جب ہم قرآن بواسطہ جبریل پڑھیں نازل فرمائیں تو خاموشی سے بغور سُنا کریں۔ اس کے بعد اسکے مطابق پڑھیں۔ پھر اس کا بیان یعنی آپ کو یہ قدرت دینا کہ اسے بآسانی پڑھیں، ہمارے ذمے ہے۔

ان آیات کے نزول کے بعد جب قرآن نازل ہوتا تو حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سر جھکا کر بغور سنتے۔ جب جبریل چلے جاتے تو پڑھتے۔

سعید بن جُبیر رضی اللہ عنہ (۳) سعید بن جبیر۔ کنیت ابو محمد ہے۔ مشاہیر تابعین میں ہیں۔ بہت بڑے فقیہ محدث، مفسر تھے۔ اسی وجہ سے آپکا لقب جَہْبَذُ العُلَماء ہے۔ جہبذ پرکھنے والا۔ دانا، کے معنی میں ہے۔ ان کے تبحر علمی اور جلالت شان پر اتفاق ہے۔ بڑے عابد زاہد شب زندہ دار تھے۔ ہر سال دو بار مکہ معظمہ حاضر ہوتے۔ ایک بار حج کے لئے ایک بار عمرہ کے لئے۔ دو رات میں پورا قرآن مجید ختم فرما لیتے۔ رات میں خشیت خداوندی سے مسلسل رونے کی وجہ سے بینائی کمزور ہو گئی تھی۔ زبردست مستجاب الدعوات تھے۔ ان کے گھر میں ایک مرغ تھا جس کی آواز پر رات میں اُٹھ بیٹھتے۔ ایک رات مرغ کسی وجہ سے نہ بول سکا۔ آنکھ نہیں کھلی، نماز فجر قضا ہو گئی۔ نماز کے قضا ہونے کی اذیت پر زبان سے مرغ کے بارے میں یہ کلمات نکل گئے۔ اسے کیا ہو گیا تھا کہ آج نہیں بولا۔ اللہ اسکی آواز ختم کر دے۔ وہ مرغ پھر زندگی بھر نہ بول سکا۔ یہ دیکھ کر والدہ ماجدہ نے کسی کے لئے بددعا کرنے سے منع فرمایا۔ والدہ ماجدہ کے بہت فرمانبردار تھے۔

بِهٖ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهٖ - اِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهٗ وَ قُرْاٰنَهٗ - قَالَ جَمْعَهٗ

قرآن کے ساتھ اپنی زبان نہ ہلاؤ ۔ بیشک ہمارے ذمے ہے اس کا محفوظ کرنا اور پڑھنا ہمارے ذمے ہے

لَكَ صَدْرَكَ وَ تَقْرَأَهٗ - فَاِذَا قَرَاْنٰهُ فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَهٗ قَالَ (فَاِذَا اَنْزَلْنَا)

اس کا آپ کے سینے میں جمع کرنا اور اس کا بیان کرنا تو جب ہم پڑھ چکیں تو اس پڑھے ہوئے کی اتباع کریں تو جب

ایک مرتبہ بچھو نے ہاتھ میں ڈنک مار دیا۔ والدہ نے حکم دیا کہ کسی سے جھڑوالیں۔ سخت کشمکش میں پڑ گئے۔ جھاڑ پھونک کو وہ اپنے اعلیٰ توکل کے خلاف جانتے تھے۔ اور ادھر والدہ کی اطاعت فرض۔ بالآخر یہ ایک جھاڑنے والے کے پاس پہنچے۔ نیش زدہ ہاتھ اسکے سامنے کر دیا — مشہور ثقفی ظالم حجاج نے شعبان ۹۵ھ میں شہید کیا۔ مزار پاک واسط میں ہے۔ ننانوے سال کی عمر مبارک ہوئی

سعید بن جبیر کی شہادت (۴) واقعہ شہادت کی تفصیل یہ ہے کہ حجاج کے مظالم اور خلاف شرع کاموں پر علانیہ تنقید فرماتے تھے۔ اسلئے اس ظالم نے انھیں گرفتار کرایا۔ مکہ معظمہ میں گرفتار ہوئے۔ راستے بھر دن میں روزہ رکھتے تھے اور رات میں نوافل پڑھتے۔ گرفتار کر کے لیجانے والے سپاہی نے جب یہ دیکھا تو تین دن کے بعد کہا۔ بخدا مجھے یقین ہے کہ میں آپکو ایسے شخص کے پاس لے جا رہا ہوں جو آپ کو ضرور بالضرور قتل کریگا۔ میں آپ کو چھوڑ تا ہوں کہیں چلے جایئے۔ فرمایا کہ حجاج کو جب پتہ چلے گا کہ تم نے مجھکو گرفتار کر کے چھوڑ دیا ہے تو تمھارے لئے خطرہ ہے کہیں تم کو قتل کر دے۔ میں یہ نہیں پسند کرتا کہ میری وجہ سے تم بلاگناہ قتل کئے جاؤ۔

دعا میں حلاوت قبول ہونیکی علامت ہے (۵) جب حجاج کے روبرو تشریف لے گئے تو فرمایا۔ ایک بار مجھے اور میرے دو ساتھیوں کو دعا میں حلاوت محسوس ہوئی تو ہم تینوں نے شہادت کی دعا مانگی تھی۔ دعا میں حلاوت اس کے مقبول ہونیکی نشانی ہے۔ میرے ان دونوں ساتھیوں کو شہادت نصیب ہو چکی۔ میں منتظر ہوں۔ حجاج نے پوچھا تمھارا کیا نام ہے۔ فرمایا، سعید بن جبیر۔ حجاج نے کہا نہیں شقی بن کسیر فرمایا، والد نے یہی نام رکھا ہے۔ میں شقی ہوں کہ سعید یہ اللہ عز وجل خوب جانتا ہے۔ حجاج نے کہا نہیں تم شقی ہو۔ فرمایا غیب کا جاننے والا کوئی اور ہے۔ حجاج نے کہا، سُن لو! میں تمھاری دنیا کو بھڑکتی ہوئی آگ سے بدل دوں گا۔ فرمایا۔ اگر میں جانتا کہ یہ تمھارے اختیار میں ہے تو تیرے سوا کسی اور کو معبود نہ بناتا۔ پھر اس نے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور حضرت معاویہ تک خلفاء راشدین کے بارے میں الگ الگ سوال کئے۔ سب کے اہل سنت کے عقیدے کے مطابق جوابات ارشاد فرمائے۔ پھر حجاج نے پوچھا۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے جو خلفاء ہوئے ان کے بارے میں کیا کہتے ہو؟ فرمایا۔ ان کو اپنے اپنے اعمال کی جزا ملے گی۔ کچھ جزا پا کر مسرور ہوں گے۔ کچھ ہلاک میں ان کا ذمہ دار نہیں۔ حجاج نے پوچھا۔ عبد الملک بن مروان کے بارے میں کیا کہتے ہو؟ فرمایا اگر صالح نیک تھا۔ تو اپنی نیکی کا بدلہ پائے گا۔

اور اگر بدکار تھا تو اللہ کے قابو سے نکل نہ سکے گا۔ حجاج نے پوچھا۔ میرے بارے میں کیا کہتے ہو؟ فرمایا۔ تم خود اپنے آپ کو خوب جانتے ہو حجاج نے کہا میرے بارے میں اپنا علم ظاہر کرو۔ فرمایا، میری بات تم کو بُری لگے گی پسند نہ آئے گی۔ حجاج نے کہا۔ جو کچھ بھی ہو اس کو ظاہر کرو۔ فرمایا، اچھا تو سنو۔ تم نے حدود الٰہی کو پامال کیا۔ ظلم و ستم کئے۔ کتنے اللہ کے ولیوں کے قتل جیسی معصیت پر جرأت کی۔ حجاج بولا۔ میں تمھارے ٹکڑے ٹکڑے کر کے عضو عضو کاٹ ڈالوں گا۔ فرمایا۔ تم میری دنیا بگاڑو گے میں تمھاری آخرت بگاڑ دوں گا۔ حجاج نے پوچھا کس طرح قتل ہونا پسند کرتے ہو؟ بتاؤ۔ فرمایا۔ تم پسند کرو جس طرح مجھے قتل کرو گے اسی طرح میں آخرت میں تمھیں قتل کروںگا۔ پوچھا۔ کیا تمھاری یہ خواہش ہے کہ تم کو معاف کر دوں۔ فرمایا۔ عفو اللہ کی طرف سے ہے۔ رہ گیا تو۔ نہ تو تیرے لئے برأت ہے نہ عفو۔ اب غصے میں جل بھُن کر جلاّدوں کو حکم دیا۔ انھیں لیجا کر قتل کر دو۔ جب جلاّد مقتل میں لے چلے تو آپ ہنسے۔ حجاج نے حکم دیا کہ واپس لاؤ۔ اس نے پوچھا۔ ہنسے کیوں۔ فرمایا۔ اللہ کے حضور تیری جرأت پر اور اللہ کے حلم پر۔ انتہائی طیش میں آکر حکم دیا۔ میرے سامنے دربار میں قتل کرو۔ جب قتل کے لئے لٹایا تو آپ نے پڑھا اِنِّیْ وَجَّھْتُ وَجْھِیَ لِلَّذِیْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِیْفًا وَّمَا اَنَا مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ۔ حکم دیا قبلہ سے مُنہ پھیر دو۔ آپ نے تلاوت کی۔ فَاَیْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْہُ اللّٰہِ۔ کُڑھ کر حکم دیا کہ مُنھ کے بل لٹا دو۔ آپ نے پڑھا مِنْھَا خَلَقْنٰکُمْ وَفِیْھَا نُعِیْدُکُمْ وَمِنْھَا نُخْرِجُکُمْ تَارَۃً اُخْرٰی۔ جھلاّ کر حکم دیا ذبح کر دو۔ حضرت سعید نے فرمایا۔ میں اس بات کی گواہی دیتا ہوں کہ سوائے اللہ کے کوئی معبود نہیں۔ اور محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں۔ اسے یاد رکھنا یہاں تک کہ قیامت کے دن میری تیری ملاقات ہو۔ پھر دعا فرمائی۔ اے اللہ میرے بعد اسے کسی پر قابو نہ دینا کہ اُسے قتل کر سکے۔ اس کے بعد شہید کر دیئے گئے۔ تن اقدس سے سر جدا ہونے کے بعد تین بار کلمہ پڑھا جو تیسری بار پورا سُنا گیا۔ ذبح کے وقت بہت زیادہ خون نکلا۔ اس پر ظالم کو حیرت ہوئی۔ طبیب کو بُلا کر پوچھا۔ طبیب نے بتایا کہ اور قتل کئے جانے والوں کا خون خوف سے سوکھ جاتا تھا اور ان پر خوف کا اثر بالکل نہ تھا۔ ہنسی خوشی جان دی اس لئے خون زیادہ نکلا اس کے تین دن کے بعد حجاج کے پیٹ میں پھوڑا ہوگیا۔ لاکھ علاج کیا کوئی فائدہ نہ ہوا۔ سولہ دن کے بعد یا چھ مہینے کے بعد انتہائی اذیت اٹھا کر مرا۔ حجاج کہتا تھا کہ جب میں سوتا ہوں تو سعید آکر میرے پاؤں پکڑ کر کھینچتے ہیں اور فرماتے ہیں۔ اے خدا کے دشمن تو نے مجھے کیوں قتل کیا۔ چیختا کہ میں نے سعید کو کیوں قتل کر دیا۔ حجاج کے مرنے کے بعد کسی نے اسکو خواب میں دیکھا۔ پوچھا کیسی گزری۔ بتایا کہ اور قتل کے عوض میں ایک بار قتل کیا گیا۔ اور سعید کے عوض ستر بار قتل کیا گیا۔ ۵

خوش رسمے بنا کردند بخاک و خون غلطیدن　　خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را

فَاسْتَمِعْ لَهٗ وَ اَنْصِتْ - ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهٗ، ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا اَنْ تَقْرَأَهٗ - فَكَانَ

ہم اُسے نازل کر چکیں تو اُسے غور سے سنئے اور خاموش رہیے۔ پھر اُس کا بیان ہمارے ذمہ ہے یعنی یہ ہمارے ذمہ ہے کہ آپ

رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعْدَ ذٰلِكَ اِذَا اَتَاهُ جِبْرِيْلُ اِسْتَمَعَ (الحق) فَاِذَا

اسکو پڑھتے رہیں گے اس کے بعد جب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں جبریل حاضر ہوتے تو آپ بغور سنتے رہتے

ایک تطبیق ⑤ اس آیت میں قرآن۔ مصدر قرأت پڑھنے کے معنی میں ہے۔ قرآن جو کلام پاک کا علم ہے، مراد نہیں عَلَيْنَا بَيَانَهٗ کی تفسیر یہاں اَنْ تَقْرَأَهٗ منقول ہے۔ اور کتاب التفسیر میں اَنْ نُبَيِّنَهٗ عَلٰى لِسَانِكَ اور ابن جریر نے اَنْ نُبَيِّنَكَ بِلِسَانِكَ نقل کی۔ یہ صرف الفاظ کا اختلاف ہے معنی تینوں کے ایک ہیں۔ اَنْ تَقْرَأَهٗ کے معنی ہیں آپ کا اُسے پڑھنا۔ اَنْ نُبَيِّنَهٗ عَلٰى لِسَانِكَ یا بِلِسَانِكَ کا ظاہر معنی یہی ہے کہ قرآن مجید کا زبان پر جاری کرنا۔ اور یہی فَاسْتَمِعْ وَ اَنْصِتْ لَهٗ کے مناسب بھی ہے۔ ورنہ تناسب معنوی باقی نہیں رہیگا۔

بعض مفسرین نے "ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهٗ" کی یہ تفسیر کی ہے کہ معانی کا بیان کرنا مراد ہے۔ اس تقدیر پر "فَاتَّبِعْ" کی تفسیر "فَاسْتَمِعْ وَ اَنْصِتْ" مناسب نہ ہوگی۔ بلکہ یہ ہوگی۔ فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَهٗ بِقِرَاٰتِكَ۔ ان کے پڑھنے کے بعد پڑھئے

تعلیم معانی خطاب سے مؤخر ہوسکتی ہے یا نہیں ⑥ چونکہ عَلَيْنَا بَيَانَهٗ سے پہلے "ثُمَّ" ہے جو تراخی کے لئے آتا ہے۔ تو اس سے ظاہر ہوا کہ یہ ممکن ہے کہ معانی قرآن کی تعلیم خطاب کے بعد ہو۔ اور یہی اکثر علماء کا مذہب ہے۔ مگر اس پر اتفاق ہے کہ وقت حاجت سے تاخیر جائز نہیں۔ اسکی پوری تفصیل کتب اصول میں موجود ہے۔

جبریل صرف واسطہ نزول تھے ⑦ اس آیت سے ظاہر ہوا۔ کہ جبریل امین علیہ السلام صرف نزول کے واسطہ تھے۔ رہ گیا قرآن کا پڑھانا اس کے معانی کی تعلیم، یہ اللہ عزوجل نے خود اپنے ذمہ کرم پر لے لیا تھا۔

اس حدیث کو امام بخاری یہ بتانے کے لئے لائے ہیں۔ کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو قرآن مجید کے لفظ، لفظ کے یاد کرنے کا کتنا اہتمام تھا۔

ایک اشکال کا جواب ⑧ یہ سورہ مکی ہے۔ اور ابن عباس ہجرت سے تین سال پہلے پیدا ہوئے۔ اور امام بخاری کا اسے بدء الوحی کے باب میں لانا بتا رہا ہے کہ ابتدار کا واقعہ ہے۔ اس وقت ابن عباس پیدا بھی نہیں ہوئے تھے۔ پھر وہ کیسے فرماتے ہیں کہ میں یوں اپنے ہونٹوں کو ہلاتا ہوں جیسے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہلایا کرتے تھے۔ اس کے دو جواب شارحین نے دیئے ہیں۔ ایک یہ کہ ہوسکتا ہے کہ کسی صحابی نے ان کو بتایا ہو۔ دوسرا یہ کہ ہوسکتا ہے کہ کبھی حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہی نے ہونٹ ہلا کر دکھایا ہو۔ ابو داؤد طیالسی کی ایک روایت اسی کی مؤید ہے۔

اِنْطَلَقَ جِبْرِيْلُ قَرَأَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَمَا قَرَأَهُ

گردن جھکائے رہتے۔ جب جبرئیل چلے جاتے تو نبی صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ویسا ہی پڑھ لیتے جیسا جبرئیل نے پڑھا

⑥ حدیث دورۂ قرآن

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَجْوَدَ النَّاسِ

ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سب لوگوں سے زیادہ سخی تھے ف۱

حدیث مسلسل کا مطلب (۹) اس حدیث کا نام مسلسل بتحریک الشفتین ہے۔ حدیث مسلسل کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ بوقت ارشاد حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کوئی خاص کام کیا ہو۔ اور ہر راوی الیٰ یومنا ہٰذا۔ بوقت روایت اس کام کو کرے۔ اس کام کے نام پر اس حدیث کا نام مسلسل بفلاں رکھدیا جاتا ہے۔ جیسے حدیث مسلسل بالمصافحہ ہے۔ کہ بوقت ارشاد حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے صحابی سے مصافحہ کیا۔ اور یہ سلسلہ آج تک جاری ہے۔ یہاں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ہونٹ ہلایا۔ ابن عباس نے اپنے تلامذہ کے سامنے ہونٹ ہلایا۔ سعید بن جبیر نے اپنے تلامذہ کے سامنے۔ اور یہ سلسلہ چلتا رہا۔ لیکن علامہ عینی نے فرمایا۔ اس کا تسلسل متصل نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

اللہ عزوجل پر کچھ واجب نہیں (۱۰) عَلَيْنَا میں عَلیٰ ہے اور عَلیٰ وجوب کے لئے آتا ہے۔ اور اللہ عزوجل پر کوئی چیز واجب نہیں۔ وجوب کبھی بمعنی ضرور آتا ہے۔ اور یہی یہاں مراد ہے۔ اور یہ ضرورت وعدے کی بنا پر ہے کہ جب یہ فرمادیا کہ یہ ہمارے ذمے ہے تو چونکہ خلفِ وعدہ محال بالذات ہے۔ اس لئے ضروری ہوا۔

⑥ تشریحات

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اجود الناس ہیں ف۱ (۱) اَجْوَدُ النَّاس۔ اَجْوَدُ جود کا اسم تفضیل ہے۔ جُود کے معنی۔ اعطاء ماینبغی لمن ینبغی کسی کو اس کے لائق کوئی چیز دینی۔ اسی کو سخاوت بھی کہتے ہیں۔ ۲؎ اجود الناس۔ کے معنی ہوئے۔ سب لوگوں سے زیادہ سخی۔ اس حدیث میں اَجْوَدُ النَّاس فرمایا۔ اور ناس اگرچہ انسان کے ساتھ مخصوص ہے۔ مگر اسے لازم ہے پوری مخلوق سے زیادہ سخی ہونا۔ جب تمام انسانوں سے زیادہ سخی ہیں تو تمام مخلوقات سے بدرجہ اولیٰ زیادہ سخی ہوئے۔ جیسا کہ ایک حدیث میں خود ارشاد فرمایا۔ اللہ عزوجل سب سے بڑا اجواد ہے۔ پھر انسانوں

ف۱ ایضاً سورہ قیامہ۔ فضائل قرآن۔ کتاب التوحید۔ ومسند امام احمد بن حنبل باختلاف الفاظ۔ ترمذی سورہ قیامہ۔ نسائی افتتاح مسلم کتاب الصلوٰۃ۔

بِالْخَيْرِ وَكَانَ أَجْوَدُ مَا يَكُونُ فِي رَمَضَانَ حِيْنَ يَلْقَاهُ جِبْرِيْلُ وَكَانَ يَلْقَاهُ

اور آپ کی سخاوت سب سے زیادہ رمضان میں ہوتی تھی ف۲ جب جبرئیل ملاقات کرتے اور وہ رمضان کی ہر رات میں آپ سے ملاقات

فِي كُلِّ لَيْلَةٍ مِنْ رَمَضَانَ (فَيَنْسَلِخُ) فَيُدَارِسُهُ الْقُرْآنَ (فَإِذَا لَقِيَهُ)

کرکے قرآن کا دور کیا کرتے ۔ یہ سلسلہ رمضان کے ختم ہونے تک رہتا ۔ جب جبرئیل رسول اللہ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ملاقات کرتے

میں سب سے بڑا سخی میں ہوں۔ پھر میرے بعد وہ سب سے زیادہ سخی ہے۔ جو علم حاصل کرکے اسکو پھیلائے۔

رمضان میں زیادہ فیاضی کی وجہ (۲) رمضان میں بہ نسبت اور دنوں کے آپ کی سخاوت اور بڑھ جاتی تھی۔ یعنی آپ ہمیشہ بلا استثنا سارے جہاں سے زیادہ سخی تھے۔ مگر رمضان میں دوسرے دنوں کے بہ نسبت اور زیادہ سخاوت فرماتے تھے۔ اس کا سبب یہ ہے کہ رمضان موسم رحمت ہے۔ ان دنوں رحمتِ الٰہی کا نزول بہ نسبت دوسرے دنوں کے زیادہ ہوتا ہے۔ جیسا کہ حدیث میں فرمایا:۔ اس کا اول رحمت اور اوسط مغفرت اور آخر جہنم سے آزادی ہے۔ اور فرمایا:۔ رمضان میں ایک فرض کا ثواب ستر فرض کے برابر۔ اور نفل کا ثواب فرض کے برابر۔ امام زہری نے فرمایا:۔ رمضان میں ایک تسبیح دوسرے دنوں کی ستر تسبیح کے برابر ہے۔ ایک حدیث میں فرمایا:۔ رمضان کی ہر رات میں دس لاکھ جہنم سے آزاد ہوتے ہیں

رمضان میں سخاوت کی یہ زیادتی اس وقت اور زیادہ بڑھ جاتی جب جبرئیل ملاقات کرتے۔ جبرئیل رمضان کی ہر رات میں ملاقات کرتے اور حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور وہ قرآن مجید کا دور کرتے۔ یعنی کبھی حضور پڑھتے اور جبرئیل سنتے۔ کبھی جبرئیل پڑھتے اور حضور سنتے۔ عمر مبارک کے اخیر سال قرآن مجید کا دو مرتبہ دور فرمایا۔ بقیہ سال ایک بار ہوتا۔ اسوقت جود و نوال کی زیادتی کی وجہ یہ تھی۔ کہ جبرئیل کی تین خصوصیت تھی۔ ایک تو آنحضور کے محب خاص تھے۔ دوسرے فرشتہ مقرب بلکہ سید الملائکہ تھے۔ تیسرے یہ کہ رب العلمین کے فرستادہ تھے۔ یہ تین خصوصیات تو وہ ہیں جو جبرئیل میں ہمیشہ پائی جاتی تھیں۔ مگر اس وقت خاص خصوصیت یہ ہوتی کہ کلام ربانی قرآن مجید کا دور کرنے آتے۔ ان وجوہ کی بنا پر مسرت در مسرت جتنی حاصل ہوتی رہی ہوگی وہ حضور ہی جانیں۔ اس سبب سے دریائے کرم پورے جوش پر ہوتا۔

غور کریں تو یہاں تین سبب اس کے محرک تھے۔ ایک رمضان۔ جو اللہ عزوجل کی ان گنت نعمتوں کی برسات کا موسم ہے۔ دوسرے جبرئیل کی ملاقات کہ یہ مزید نعمت ہے خصوصاً جبرئیل کی ان خصوصیات کی وجہ سے جو اوپر مذکور ہوئیں۔ خاصکر رب العالمین کے فرستادہ ہونے کی حیثیت سے۔ تیسرے قرآن کا دور جس سے قرآن کریم کے نئے نئے اسرار و معارف کا فتح باب ہوتا۔ ان نعمتوں کے شکریے میں زیادہ سے زیادہ جود و کرم فرماتے۔

ہر سال رمضان میں یہ دور اسلئے ہوتا کہ رمضان المبارک ہی کی سب سے متبرک رات شب قدر میں پورا قرآن جبرئیل امین لوح محفوظ سے اخذ کرکے آسمان دنیا کیطرف یعنی پہلے آسمان پر لائے وہاں فرشتوں کو لکھا دیا فرشتوں نے قرآن کو موجودہ ترتیب کے ساتھ لکھ کر بیت العزت میں محفوظ کردیا

جبریل کان اجود بالخیر من الریح المرسلۃ[1]

اس وقت آپ بہتی ہوا سے بھی زیادہ خیر رساں ہوتے تھے۔

یہ پہلے آسمان میں ایک متبرک جگہ کا نام ہے۔ پھر حسب اقتضاء حکمت وحکم ربانی وہاں سے جبریل علیہ السلام تھوڑا تھوڑا تیئس سال کی مدت میں لیکر خدمت اقدس میں حاضر ہوئے۔ علاوہ ازیں یہ بیان گزرا کہ قرآن مجید کے نزول کی ابتداء رمضان کو ہوئی۔ اس پر مستزاد یہ کہ رحمت الٰہی رمضان میں بہ نسبت اور دنوں کے زیادہ متوجہ رہتی ہے۔

رات کے انتخاب کی حکمت سب پر ظاہر ہے کہ جو سکون اور یکسوئی رات میں ہوتی ہے وہ دن میں واردین صادرین کی وجہ سے کہاں نصیب۔ علاوہ ازیں محب ومحبوب کی ملاقات کے لئے رات ہی منتخب ہے۔

اس حدیث کا حسن ترتیب ملاحظہ کریں۔ پہلے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سارے جہاں سے بڑھکر جواد تھے۔ پھر ترقی کر کے فرمایا کہ رمضان میں جود ونوال دوسرے ایام کے بہ نسبت زیادہ ہوتا۔ پھر اور آگے بڑھے۔ اور فرمایا کہ جب جبریل امین رمضان کی رات میں آکر دورہ قرآن کرتے تو پھر جود ونوال کا کوئی ٹھکانا نہ تھا۔

فیاضی کی حد (۳) اخیر میں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سخاوت کے بارے میں فرمایا کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بہتی ہوئی ہوا سے بھی زیادہ سخی تھے۔ ہوا کتنی فراواں اور کتنی ضروری ہے۔ یہ سب کو معلوم ہے کہ ہر منٹ ہوا کی احتیاج ہے۔ اور فراواں اتنی کہ کہیں بھی ہو بقدر ضرورت موجود۔ بلکہ ضرورت سے زیادہ موجود مگر کوئی کمی نہیں۔ تو ہوا سے بڑھکر کون سخی۔ فرماتے ہیں ہوا کی سخاوت تمھیں معلوم ہے۔ مگر حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بہتی ہوئی ہوا سے بھی زیادہ سخی تھے۔ رکی ہوئی ہوا میں وہ بات کہاں جو بہتی ہوا میں ہے۔ مگر قربان اس جواد اعظم کے کہ بہتی ہوا بھی اسکی دریوزہ گر۔

ریاح اور ریح کے استعمال کا فرق (۴) عام طور پر مشہور ہے کہ ریاح جمع ہو تو اس سے اچھی اور نفع بخش ہوا مراد ہوتی ہے۔ قرآن مجید میں ہے ھُوَ الَّذِیْ اَرْسَلَ الرِّیَاحَ بُشْرًا بَیْنَ یَدَیْ رَحْمَتِہٖ۔ اور ریح واحد کا اطلاق نقصان رساں تباہ کن ہوا کے لئے ہوتا ہے۔ قرآن مجید میں ہے۔ اَمَّا ثَمُوْدُ فَاُھْلِکُوْا بِرِیْحٍ صَرْصَرٍ۔ خود حدیث میں ہے۔ کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اَللّٰھُمَّ اجْعَلْھَا رِیَاحًا وَلَا تَجْعَلْھَا رِیْحًا۔

مگر یہ قاعدہ کلیہ نہیں۔ اکثری ہے۔ ورنہ قرآن مجید میں ریح واحد اچھی ہوا کے معنی میں موجود ہے۔ ارشاد ہے:۔

وَجَرَیْنَ بِھِمْ بِرِیْحٍ طَیِّبَۃٍ

---

[1] ایضاً کتاب الصوم، مناقب، بدء الخلق۔ فضائل قرآن وادب۔ مسلم فضائل۔ ترمذی جہاد۔ نسائی صیام۔ دارمی مقدمہ۔ مسند امام احمد

⑦ حدیث ہرقل

أَخْبَرَنِیْ عُبَیْدُ اللّٰہِ بْنُ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ عُتْبَۃَ بْنِ مَسْعُوْدٍ أَنَّ عَبْدَ اللّٰہِ بْنَ

امام زہری نے فرمایا مجھے عبید اللہ بن عبد اللہ بن عتبہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خبر دی کہ عبد اللہ بن عباس رضی اللہ

عَبَّاسٍ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْھُمَا أَخْبَرَہٗ أَنَّ أَبَا سُفْیَانَ بْنَ حَرْبٍ أَخْبَرَہٗ۔ أَنَّ

تعالیٰ عنہما نے انھیں خبر دی کہ ابو سفیان بن حرب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے انھیں خبر دی کہ

فوائد ⑤ اس حدیث سے مندرجہ ذیل فوائد حاصل ہوئے :۔

(۱) سخاوت بہترین وصف ہے۔ مومن کو سخی وجواد ہونا چاہئے (۲) رمضان میں حتی المقدور زیادہ سے زیادہ سخاوت کرنی چاہئے۔ (۳) لزوماً یہ بھی ثابت کہ جن ایام کو کوئی شرعی خصوصیت حاصل ہو اُن میں سخاوت زیادہ پسندیدہ ہے کہ جن ایام میں کوئی نعمت ملے اُن ایام میں سخاوت عند اللہ بھی محبوب ہے۔ سب سے بڑی نعمت ربیع الاول شریف وہ بھی بارہ ربیع الاول میں ملی ہے۔ اسلئے اس دن زیادہ سے زیادہ سخاوت کرنی چاہئے (۴) رمضان شریف میں خصوصیت سے قرآن مجید کی تلاوت زیادہ کرنی چاہئے (۵) قرآن مجید کی تلاوت تمام اذکار مستحبہ سے افضل ہے۔ ورنہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور جبرئیل امین اسی کو کرتے جو تلاوت سے افضل ہوتا (۶) قرآن مجید کا بکثرت ورد کرنا چاہئے۔ حفاظ کو چاہئے کہ دوسرے سے سنیں بھی اور دوسرے کو سنائیں بھی (۷) رات میں قرآن مجید پڑھنا زیادہ بہتر ہے۔ اس پر تجربہ شاہد ہے کہ رات میں بہت جلد یاد ہوتا ہے صلحاء، علماء، مشائخ کی بار بار زیارت کرنی چاہئے اگر انھیں گراں نہ ہو۔ وغیر ذالک۔

دیگر کتب الٰہیہ کے نزول کی تواریخ ⑥ علماء فرماتے ہیں کہ صحف ابراہیم پہلی رمضان کو نازل ہوئے۔ تورات ۶ رمضان کو۔ انجیل ۱۳ رمضان کو۔ قرآن کے نزول کی ابتداء ۱۷ رمضان ہے

⑦ تشریحات

امام بخاری نزول وحی کی ابتدائی بلکہ انتہائی کیفیت بھی بیان کر چکے — اور جس پر وحی آتی ہے وہ نبی ہوتا ہے اور جسے تبلیغ احکام کا حکم ہوتا ہے وہ رسول بھی ہوتا ہے۔ تواز روئے روایت مہبط وحی کی رسالت ثابت کرنے کے بعد انکی رسالت کیلئے ایک اور مستحکم ثبوت پیش کرتے ہیں جو ایک نصرانی کی شہادت ہے۔ وہ بھی وقت کے سب سے بڑے فرعون کی۔ جو بوس اقتدار جسکے مسلمان ہونے میں آڑے آئی الفضل ما شھدت بہ الاعداء

عبید اللہ بن عبد اللہ بن عتبہ بن مسعود ① بن غافل جلیل القدر تابعی امام مدینہ کے فقہائے سبعہ میں سے ہیں۔ ابن عباس، ابن عمر اور ابو ہریرہ وغیرہ کثیر صحابہ سے حدیثیں سنیں۔ اور ان سے کثیر تابعین نے۔ خلیفہ ارشد عمر بن عبد العزیز کے استاذ تھے۔ نابینا ہو گئے تھے ۹۸ھ کے بعد وصال ہوا۔ **ابو سفیان** ② انکا نام صخر

ھِرَقْلَ اَرْسَلَ اِلَیْہِ فِیْ

ہرقل نے ان کے پاس قاصد بھیجکر ابوسفیان کو مع اُن کے

نسب نامہ یہ ہے :۔ صخر بن حرب بن عبد شمس بن امیہ بن عبد مناف بن قُصَیّ ۔ ابوسفیان کُنیت ہے ۔اسی کے ساتھ مشہور ہیں دوسری کنیت ابوحَنْظَلَہ ہے ۔ واقعہ فیل سے دس سال پہلے پیدا ہوئے ۔فتح مکہ کی رات میں ایمان لائے ۔اور مومنین مخلصین میں ہوگئے غزوۂ طائف میں شریک ہوئے ۔تیر سے ایک آنکھ نکل گئی ۔حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو خبر ملی تو اُن کے پاس تشریف لائے دیکھا کہ ڈھیلا ہاتھ میں لئے ہیں ۔فرمایا ۔یہ آنکھ راہِ خدا میں گئی ہے ۔اگر کہو تو دعا کر دوں آنکھ ٹھیک ہوجائے ۔یا کہو تو دعا کر دوں اس کے عوض جنت ملے ۔عرض کیا ۔جنت اختیار کرتا ہوں ۔ دوسری آنکھ جنگ یرموک میں جو حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ خلافت میں رومیوں سے ہونے والی لڑائیوں میں سب سے بڑی اور فیصلہ کُن ہوئی پتھر لگنے سے راہ خدا میں قربان ہوگئی ۔اس کے بعد مدینہ میں آکر رہائش اختیار کرلی ۔باقی ماندہ زندگی یہیں گزاری ۳۳ھ میں اٹھاسی سال کی عمر پاکر یہیں وصال فرمایا ۔حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نماز جنازہ پڑھائی ۔جنت البقیع میں دفن نصیب ہوا ۔یہ ام المومنین حضرت ام حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے والد ہیں ۔ایمان لانے کے بعد ان کو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے "قدید" کے مشہور بُت مَناۃ کے برباد کرنے کی مُہم پر بھیجا تھا ۔

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ایک عطا (۳) غزوۂ حُنین کے مال غنیمت میں سے ان کو سو اونٹ اور چالیس اُوقیہ چاندی عطا فرمایا ۔ابوسفیان نے کہا ۔یہ میرا بیٹا یزید بن معاویہ ہے اس کو بھی کچھ دیجئے ۔ان کو بھی سو اونٹ اور چالیس اُوقیہ چاندی عطا فرمایا ۔ ایک اوقیہ چالیس درم کا اور ایک درم تین ماشے ۱⅕ رتی اور روپیہ سوا گیارہ ماشے کا ۔تو چالیس اُوقیے لگ بھگ ساڑھے چار سو روپے بھر چاندی ہوتی ہے ۔

یزید بن ابوسفیان (۴) یہ یزید ۔رضی اللہ تعالیٰ عنہ ابوسفیان کے سب سے بڑے صاحبزادے تھے ۔اپنے چچا معاویہ بن حرب کی طرف نسبت کر کے پکارے جاتے تھے ۔جنگ یرموک میں ایک دستے کے سپہ سالار تھے ۔ان کے باپ ابوسفیان اسی دستے میں تھے ۔کہ اسی وقت ابوسفیان کی آنکھ شہید ہوگئی ۔بہت صلاحیتوں کے مالک تھے ۔حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کو شام پر حاکم بنایا تھا ۔مدت العمر بڑے حسن و خوبی سے حکمرانی فرمائی ۔ ابوسفیان نام کے صحابہ میں متعدد حضرات ہیں ۔مگر ابوسفیان بن حرب صرف یہی ہیں ۔ان سے حضرت ابن عباس اور معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے روایت کی ہے ۔

ہِرَقْل (۵) ہِرَقْل بر وزن دِمَشْق ۔ ہا کو کسرہ را کو فتحہ قاف ساکن ۔

اس کے معنی غربال چھلنی کے ہیں۔ عہد رسالت میں روم کا جو شہنشاہ تھا اس کا نام ہے۔ قیصر اس کا لقب ہے۔ اس زمانے میں ہر ملک کے بادشاہوں کے الگ الگ لقب تھے۔ جیسے روم کے بادشاہ کا قیصر۔ ایران کا کسریٰ۔ ترک کا خاقان۔ حبشہ کا نجاشی۔ قبط کا فرعون۔ مصر کا عزیز۔ اسکندریہ کا مقوقس۔ یمن کا تبع۔ ہندوستان کا رائے۔ چین کا فغفور۔ یونان کا بطلمیوس۔

غالباً روم کے بادشاہ کا قیصر کہلانا ہرقل ہی سے شروع ہوا ہے۔ شارحین حدیث نے وجہ تسمیہ یہ بتائی ہے کہ قیصر کے معنی چیرنے کے ہیں۔ چونکہ اس کی پیدائش کے وقت اس کی ماں دردِ زہ میں انتقال کر گئی تھی۔ اس لئے اس کو ماں کا پیٹ چیر کر نکالا گیا تھا۔ اس لئے قیصر کہلانے لگا۔ اس پر یہ بددماغ فخر کرتا کہ میں پیشاب کے مقام سے نہیں پیدا ہوا۔ ہرقل ہی دنیا کا وہ پہلا بادشاہ ہے جس نے دینار ایجاد کیا۔ اور گرجا بنوایا۔

والا نامہ کی برکت ⑥ عینی میں ہے کہ ہرقل نے نامہ والا کو بحفاظت تام سونے کی ڈبیہ میں رکھا۔ یہ اور اسکی نسل ہمیشہ اس کا بہت اعزاز و اکرام کرتے۔ ملک منصور قلاون کے عہد میں شاہ فرنگ نے سیف الدین طلح منصوری کو یہ والا نامہ دکھایا تھا۔ اس وقت اس کے کچھ حروف اُڑ گئے تھے۔ یہ خط اس کے پاس ایک زریں صندوق میں سونے کے قلم دان میں محفوظ تھا۔ اس بادشاہ نے بتایا کہ یہ وہ خط ہے جو تمہارے نبی نے ہمارے دادا کے پاس بھیجا تھا۔ ہمارے خاندان میں یہ والا نامہ ہے۔ ہمارے بزرگ ہمیشہ ایک دوسرے کو وصیت کرتے چلے آئے ہیں۔ کہ اس کی بہت حفاظت کرنا، تعظیم و تکریم کرنا۔ جب تک یہ ہمارے خاندان کے قبضے میں ہے سلطنت ہمارے خاندان میں باقی رہے گی۔

ہرقل کافر مرا ⑦ صحیح یہی ہے کہ اسے ایمان نصیب نہ ہوا۔ اس نے ۳۱ سال حکومت کی۔ علما کا اس میں اختلاف ہے کہ حضرات شیخین نے جس قیصر کے قبضے سے ملک شام آزاد کیا تھا۔ وہ یہی قیصر تھا یا دوسرا۔ علامہ عینی فرماتے ہیں کہ یہ مر گیا تھا۔ حضرت صدیق اکبر کے عہد میں اس کا بیٹا حکمراں تھا۔ اور عہد فاروقی میں اس کا پوتا۔ اس کے پوتے ہی کو مجاہدین اسلام نے شام سے نکالا تھا۔ جو قسطنطنیہ بھاگ کر گیا۔ وہاں سیکڑوں برس اسکی نسل حکمراں رہی۔

فتح قسطنطنیہ ⑧ یہاں تک کہ ۸۵۷ھ میں محمد فاتح عثمانی المتوفی ۸۸۶ھ رحمۃ اللہ علیہ نے قسطنطنیہ فتح فرمایا۔ قیصر کل چالیس ہوئے اور ان کی سلطنت کی مدت پانچسو سات سال رہی۔ لیکن علامہ ابن حجر نے اس کو اظہر فرمایا۔ کہ عہد فاروق تک یہی ہرقل تھا جو قسطنطنیہ بھاگا۔

تعظیم و توہین کے اثرات ⑨ جب حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو یہ اطلاع ملی کہ قیصر نے کوئی گستاخی نہیں کی۔ والا نامہ کی

رَكْبٍ مِّنْ قُرَيْشٍ وَكَانُوْا تُجَّارًا بِالشَّامِ

ساتھیوں کے جو قریش کے شتر سوار ف۹ تھے بلایا جبکہ یہ لوگ شام میں بغرض تجارت موجود تھے۔ اس زمانے میں

تعظیم و تکریم کی۔ تو فرمایا۔ اس نے اپنا ملک بچالیا۔ اسی کا نتیجہ تھا کہ اس کی نسل میں صدہا سال حکومت باقی رہی۔ اور ایران کے مغرور خسرو پرویز نے والا نامہ پھاڑ کر پھینک دیا۔ اور گستاخی کی تو فرمایا۔ مَزَّقَ اللّٰهُ مُلْكَهٗ۔ اللہ اس کے ملک کو برباد فرمادے، نتیجہ یہ نکلا کہ عہد فاروقی میں کسریٰ کا پورا ملک نگین اسلام کے تحت آگیا۔ اور عہد عثمانی میں خاندان کسریٰ کا آخری تاجدار "یزدجرد"، مار ڈالا گیا

ع۔ غضب سے ان کے خدا بچائے جلال باری عتاب میں ہے

ف۱۰ قریش (۱۰) قریش کس کا لقب ہے اس میں اختلاف ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ قریش نضر بن کنانہ کا لقب ہے۔ کثیر علماء سیر و نسب نے اسی کو صحیح کہا۔ یہی امام شافعی کا قول ہے امام نووی نے فرمایا۔ یہ صحیح اور مشہور ہے۔ حافظ عراقی نے کہا یہ اکثر کا قول ہے۔ حافظ صلاح علائی نے اس کو صحیح کہا اور محققین کا مذہب بتایا۔

دوسرا قول یہ ہے کہ قریش فہر بن مالک کا لقب ہے۔ امام زہری نے فرمایا۔ یہی سارے نساب کہتے ہیں۔ علامہ زرقانی نے فرمایا اسے بھی اکثر کا قول کہا گیا ہے۔ دمیاطی حافظ عراقی علامہ احمد خطیب قسطلانی نے اسکو صحیح کہا۔ عراقی کی سیرت منظوم میں۔ ے

اما قریش فالاصح فهر   جماعها والاكثرون النضر

لیکن ایک بزرگ نے ان دونوں قولوں میں یہ تطبیق دی کہ نضر کے اگرچہ تین لڑکے تھے۔ مالک۔ صلت۔ مخلد۔ مگر نسل صرف مالک سے چلی۔ یونہی مالک کی نسل صرف فہر سے باقی رہی۔ تو جو بھی نضر بن کنانہ کی نسل ہے وہ فہر کی بھی نسل ہے۔ قریش خواہ نضر کا لقب ہو خواہ فہر کا۔ حاصل ایک ہی ہوا۔ کہ سارے قریش کا نسب فہر کے واسطے سے نضر بن کنانہ تک پہونچتا ہے۔ چند اور اقوال ہیں مگر لائق توجہ نہیں۔

قُصَیّ کا لقب قریش نہیں (۱۱) تیسرا قول باطل یہ ہے کہ قصی بن کلاب کا لقب قریش ہے مگر یہ اس لائق نہیں کہ اس پر کان دھرا جائے یہ روافض نے اس لئے گھڑا ہے کہ حضرت صدیق اکبر اور فاروق اعظم قریشی ہونے سے نکل جائیں تاکہ ان کی خلافت اہلسنت کے مسلمات کے مطابق بھی صحیح نہ رہے۔ اس لئے کہ یہ حضرات قصی کی اولاد نہیں۔ حضرت صدیق اکبر کا نسب نامہ یہ ہے۔

شجرہ صدیقی (۱۲) ابوبکر بن ابی قحافہ عثمان بن عامر بن عمرو بن کعب بن سعد بن تیم بن مُرّۃ بن کعب بن لُوی ساتویں پشت میں مُرّۃ بن کعب بن لُوی پر جاکر حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے مل جاتا ہے ـــــ اور حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا نسب نامہ یہ ہے:-

شجرہ فاروقی (۱۳) عمر بن خطاب بن نفیل بن عبد العزیٰ بن رباح بن عبداللہ بن قرط بن رزاح بن عدی بن کعب بن لوی۔ ان کا نسب

فِی الْمُدَّۃِ الَّتِیْ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَادَّ فِیْھَا اَبَا سُفْیَانَ وَ

جب کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ابوسفیان اور کفار قریش سے صلح فرمائی تھی (یعنی صلح حدیبیہ کے زمانے میں ف۱۵)

کُفَّارَ قُرَیْشٍ فَاَتَوْہُ وَھُمْ بِاِیْلِیَاءَ فَدَعَاھُمْ فِیْ مَجْلِسِہٖ وَحَوْلَہٗ عُظَمَاءُ الرُّوْمِ

یہ لوگ ہرقل کے پاس پہنچے اور ہرقل مع اپنی جماعت کے ایلیا (بیت المقدس ف۱۶) میں تھا ہرقل نے ان لوگوں کو اپنے اجلاس میں بلایا اور اس کے آس پاس عمائد روم بیٹھے تھے۔ پھر ان کو اپنے قریب بلایا

نویں پشت میں کعب بن لوی پر شجرہ نبوی سے مل جاتا ہے۔

جب قصی بن مالک کی نسل سے یہ حضرات نہیں۔ تو اگر یہ مان لیا جائے کہ قریش قصی کا لقب ہے۔ تو یہ دونوں حضرات قریشی ہونگے اور خلیفہ کے لئے قریشی ہونا باتفاق اہلسنت شرط۔ تو اہلسنت کے مسلّمہ شرط پر بھی یہ حضرات خلیفہ نہ ہوں گے۔

ابوسفیان کے ساتھ کتنے آدمی تھے (۱۴) ترکُبٌ۔ راجح یہ ہے کہ رکبٌ کی اسم جمع ہے۔ جیسے رجل کی اسم جمع قومٌ ہے۔ دس اور دس سے زیادہ سواروں کو رَکْبٌ کہتے ہیں جو سفر میں ہوں۔ اس قافلے میں تیس افراد تھے۔ یہ لوگ شام کے مشہور شہر غزہ سے ملائے گئے تھے۔ ان میں حضرت مغیرہ بن شعبہ بھی تھے۔

صلح حدیبیہ ف۱۵ (۱۵) اس سے مراد صلح حدیبیہ کا زمانہ ہے۔ یہ صلح ۶ھ میں ہوئی تھی۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اواخر ۶ھ میں والا نامہ بھیجا تھا اور اوائل محرم ۷ھ میں ہرقل کو ملا تھا

بایلیاء ف۱۶ (۱۶) اس میں چھ لغات ہیں۔ اِیْلِیَاء بروزن کبریاء۔ اِیلِیَّا۔ بغیر ہمزہ کے۔ اِلْیَاء۔ ایلاء اعطاء کے وزن پر۔ الایلیا۔ معرف بلام۔ یہ عبرانی لفظ ہے بیت اللہ کے معنی میں۔ اور بیت المقدس کا علم ہے۔

دعوت اسلام کے مکتوب (۱۷) صلح حدیبیہ کے بعد جب اہل مکہ کی طرف سے اطمینان ہوا تو حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارد گرد کے بادشاہوں، رئیسوں کے نام اسلام لانے کی دعوت بصورت مکتوب بھیجی۔ شاہ ایران خسرو پرویز کے نام، شاہ روم ہرقل کے نام، نجاشی شاہ حبشہ کے نام، مقوقس شاہ اسکندریہ کے نام وغیرہ وغیرہ۔ ہرقل کے پاس والا نامہ لیکر حضرت دحیہ کلبی رضی اللہ تعالیٰ عنہ تشریف لے گئے تھے۔ یہ والا نامہ لیکر پہلے بصریٰ کے حاکم حارث بن ابی شمر غسانی کے پاس گئے۔ اس نے عدی بن حاتم کے کردیا حضرت دحیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ عدی بن حاتم کے ساتھ ہرقل کے پاس بیت المقدس پہونچے۔ اور والا نامہ دیا۔

ہرقل اس وقت بیت المقدس میں آیا ہوا تھا۔ اس کا سبب یہ تھا۔ کہ ایران اور روم میں برسہا برس سے بہت خونریز تباہ کن جنگ جاری تھی۔ ٹھیک اسدن جسدن بدر میں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو کفار قریش پر فتح عظیم حاصل ہوئی

ثُمَّ دَعَاهُمْ تَرْجُمَانَهُ فَقَالَ اَيُّكُمْ اَقْرَبُ نَسَبًا بِهٰذَا الرَّجُلِ الَّذِي يَزْعَمُ اَنَّهُ نَبِيٌّ

اور اپنے ترجمان ف۱۸ کو بلایا۔ تو ترجمان نے ان سے پوچھا تم میں کون شخص ان سے نسب میں زیادہ قریب ہے جو اپنے کو نبی گمان کرتے

قَالَ اَبُوسُفْيَانَ فَقُلْتُ اَنَا اَقْرَبُهُمْ نَسَبًا، فَقَالَ اَدْنُوْهُ مِنِّيْ وَقَرِّبُوْا اَصْحَابَهُ

ہیں۔ ابوسفیان نے کہا میں ان سب سے زیادہ اُن سے نسب میں قریب ہوں۔ اس کے بعد ہرقل نے کہا ان (ابوسفیان) کو مجھ کو قریب

فَاجْعَلُوْهُمْ عِنْدَ ظَهْرِهٖ، ثُمَّ قَالَ لِتَرْجُمَانِهٖ، قُلْ لَهُمْ اِنِّيْ سَائِلٌ هٰذَا

کردو۔ اور ان کے ساتھیوں کو ان کے قریب کرکے پس پشت بٹھادو۔ پھر ہرقل نے اپنے ترجمان سے کہا۔ ان کے ساتھیوں سے کہو میں اس شخص

عَنْ هٰذَا الرَّجُلِ (الَّذِي يَزْعَمُ اَنَّهُ نَبِيٌّ) فَاِنْ كَذَبَنِيْ فَكَذِّبُوْهُ، فَوَاللّٰهِ

(ابوسفیان) سے اُن مدعی نبوت کے بارے میں سوال کرتا ہوں۔ اگر یہ مجھ سے غلط بیانی کریں تو تم ان کی تکذیب کردینا (ابوسفیان) نے کہا

لَوْلَا الْحَيَاءُ مِنْ اَنْ يَّاْثِرُوْا عَلَيَّ كَذِبًا لَكَذَبْتُ عَنْهُ ثُمَّ كَانَ اَوَّلُ

بخدا اگر مجھکو اس بات کی شرم نہ ہوتی کہ ساتھی واپس ہوکر میرے جھوٹ کو نقل کرینگے تو میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بارے میں

مَا سَاَلَنِيْ عَنْهُ اَنْ قَالَ كَيْفَ نَسَبُهٗ فِيْكُمْ قُلْتُ هُوَ فِيْنَا ذُوْنَسَبٍ۔ قَالَ

ضرور جھوٹ بولتا۔ سب سے پہلی بات آپ کے متعلق اس نے مجھ سے جو پوچھی یہ تھی۔ تمہارے یہاں اس کا نسب کیسا ہے؟ میں نے کہا وہ ہم میں

فَهَلْ قَالَ هٰذَا الْقَوْلَ مِنْكُمْ اَحَدٌ قَطُّ قَبْلَهٗ؟ قُلْتُ لَا۔ قَالَ فَهَلْ كَانَ

عالی نسب ہیں۔ پھر ہرقل نے پوچھا کیا یہ بات (دعویٰ نبوت) تم میں سے کسی نے اُن سے پہلے کبھی کہی ہے؟ میں نے جواب دیا نہیں۔ ہرقل نے

مِنْ اٰبَائِهٖ مِنْ مَلِكٍ؟ قُلْتُ لَا۔ قَالَ فَاَشْرَافُ النَّاسِ اِتَّبَعُوْهُ اَمْ ضُعَفَاءُهُمْ

پوچھا کیا ان کے باپ دادا میں کوئی بادشاہ گذرا ہے؟ میں نے کہا نہیں۔ ہرقل نے پوچھا ان کی اتباع اونچے طبقے کے لوگوں نے کی ہے یا

قُلْتُ بَلْ ضُعَفَاءُهُمْ قَالَ اَيَزِيْدُوْنَ اَمْ يَنْقُصُوْنَ؟ قُلْتُ بَلْ يَزِيْدُوْنَ

دبے ہوئے لوگوں نے۔ میں نے کہا دبے ہوئے لوگوں نے۔ ہرقل نے پوچھا بڑھتے جارہے ہیں یا کم ہو رہے ہیں؟ میں نے کہا کم نہیں ہورہے ہیں

ہرقل کو ایرانیوں پر مکمل فتح حاصل ہوئی۔ ہرقل اس کی خوشی میں شکرانہ ادا کرنے حمص سے پیدل چلکر بیت المقدس آیا تھا۔ اس شان سے کہ راستے بھر فرش اور فرش پر پھول بچھائے گئے۔

ترجمان ف۱۸ اس میں چار لغت ہے۔ تا اور جیم کو زبر۔ دونوں کو پیش۔ تا کو زبر جیم کو پیش۔ تا کو پیش جیم کو زبر۔ ترجمان کے معنیٰ ہیں

قَالَ فَهَلْ يَرْتَدُّ اَحَدٌ مِّنْهُمْ سُخْطَةً لِدِيْنِهٖ بَعْدَ اَنْ يَدْخُلَ فِيْهِ - قُلْتُ لَا - قَالَ

بلکہ بڑھتے جارہے ہیں۔ ہرقل نے پوچھا کیا ان میں سے کوئی ان کے دین کو ناپسند کرکے اسمیں داخل ہونے کے بعد پھرا بھی ہے؟ میں نے کہا

فَهَلْ كُنْتُمْ تَتَّهِمُوْنَهٗ بِالْكَذِبِ اَنْ يَّقُوْلَ مَا قَالَ، قُلْتُ لَا - قَالَ فَهَلْ يَغْدِرُ ؟

نہیں۔ ہرقل نے پوچھا اس بات (دعوئ نبوت) کرنے سے پہلے تم لوگ ان کو جھوٹ سے متہم کرتے تھے؟ میں نے کہا نہیں۔ ہرقل نے پوچھا

قُلْتُ لَا - وَنَحْنُ مِنْهُ فِيْ مُدَّةٍ لَا نَدْرِيْ مَا هُوَ فَاعِلٌ فِيْهَا قَالَ وَلَمْ تُمْكِنِّيْ كَلِمَةٌ

کیا وہ عہد شکنی کرتے ہیں؟ میں نے کہا نہیں۔ لیکن ہم زمانہ مصالحت میں آئے ہیں خبر نہیں کہ وہ اب کیا کررہے ہیں۔ ابوسفیان نے کہا

اُدْخِلُ فِيْهَا شَيْئًا غَيْرُ هٰذِهِ الْكَلِمَةِ قَالَ فَهَلْ قَاتَلْتُمُوْهُ ؟ قُلْتُ نَعَمْ قَالَ فَكَيْفَ

مجھے اس کے سوا کسی ایسی بات کے ملانے پر قدرت نہیں ہوئی جسمیں تنقیص کا پہلو ہو۔ ہرقل نے پوچھا تم نے ان سے جنگ کی ہے؟ میں نے

كَانَ قِتَالُكُمْ اِيَّاهُ ؟ قُلْتُ الْحَرْبُ بَيْنَنَا وَبَيْنَهٗ سِجَالٌ يَّنَالُ مِنَّا وَنَنَالُ مِنْهُ

کہا ہاں۔ اس نے پوچھا جنگ کا نتیجہ کیا نکلا۔ میں نے کہا جنگ ہمارے ان کے درمیان ڈول کے مانند رہی کبھی ان کے ہاتھ میں کبھی ہمارے

قَالَ مَاذَا يَاْمُرُكُمْ ؟ قُلْتُ يَقُوْلُ اُعْبُدُوا اللّٰهَ وَحْدَهٗ وَلَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْئًا وَّ

ہاتھ میں (کبھی وہ فتح پاتے ہیں کبھی ہم) ہرقل نے پوچھا وہ تم کو کیا حکم دیتے ہیں؟ میں نے کہا وہ فرماتے ہیں صرف ایک اللہ کی عبادت

اتْرُكُوْا مَا يَقُوْلُ اٰبَاؤُكُمْ وَيَاْمُرُنَا بِالصَّلٰوةِ وَالصِّدْقِ وَالْعَفَافِ وَالصِّلَةِ فَقَالَ

کرو اور اسکے ساتھ کسی کو شریک نہ بناؤ۔ اور اپنے باپ دادا کی باتیں چھوڑ دو اور ہمیں نماز کا اور سچ بولنے کا اور پاکدامنی اور صلہ رحمی کا حکم دیتے

لِلتَّرْجُمَانِ قُلْ لَهٗ سَاَلْتُكَ عَنْ نَسَبِهٖ فَذَكَرْتَ اَنَّهٗ فِيْكُمْ ذُوْ نَسَبٍ وَّكَذٰلِكَ الرُّسُلُ

ہیں۔ تو اسنے ترجمان سے کہا۔ کہ ابوسفیان سے کہو۔ کہ میں نے تم سے انکے نسب کے بارے میں پوچھا تو تم نے بتایا کہ وہ تم میں عالی نسب ہیں اور رسول

تُبْعَثُ فِيْ نَسَبِ قَوْمِهَا وَسَاَلْتُكَ هَلْ قَالَ اَحَدٌ مِّنْكُمْ هٰذَا الْقَوْلَ فَذَكَرْتَ

اسی طرح اپنی قوم کے اعلیٰ نسب میں بھیجے جاتے ہیں۔ میں نے تم سے سوال کیا تھا۔ کہ یہ بات تم میں سے کسی نے ان سے پہلے بھی کہی ہے۔ تو تم نے

اَنْ لَا قُلْتُ لَوْ كَانَ اَحَدٌ قَالَ هٰذَا الْقَوْلَ قَبْلَهٗ لَقُلْتُ رَجُلٌ يَّاْتَسِيْ بِقَوْلٍ قِيْلَ

بتایا کہ نہیں۔ میں نے کہا اگر کسی نے یہ بات ان سے پہلے کہی ہوتی۔ تو میں کہدیتا۔ یہ پہلے کی کہی ہوئی بات کے پیچھے پڑے ہیں۔ اور میں نے

قَبْلَهٗ وَسَاَلْتُكَ هَلْ كَانَ مِنْ اٰبَائِهٖ مِنْ مَّلِكٍ، فَذَكَرْتَ اَنْ لَّا فَقُلْتُ فَلَوْ

تم سے دریافت کیا تھا۔ کیا ان کے باپ دادا میں کوئی بادشاہ گزرا ہے۔ تو تم نے بتایا کہ نہیں - میں نے کہا اگر ان کی

فصیح، تیز زبان، خوش بیان اور ناداں وہ شخص جو ایک زبان کا ترجمہ دوسری زبان میں کرنے پر قادر ہو۔ یہاں یہی مراد ہے۔

كَانَ مِنْ آبَائِهِ مِنْ مَلِكٍ قُلْتُ رَجُلٌ يَطْلُبُ مُلْكَ أَبِيهِ۔ وَسَأَلْتُكَ هَلْ كُنْتُمْ

باپ دادا میں کوئی بادشاہ ہوا ہوتا تو میں کہہ دیتا کہ یہ شخص اپنا آبائی ملک چاہتے ہیں۔ اور میں نے تم سے سوال کیا تھا۔ کہ اس بات کے

تَتَّهِمُونَهُ بِالْكَذِبِ قَبْلَ أَنْ يَقُولَ مَا قَالَ۔ فَذَكَرْتَ أَنْ لَا۔ فَقَدْ أَعْرِفُ أَنَّهُ لَمْ

کہنے سے پہلے تم ان کو جھوٹ کے ساتھ متہم کرتے تھے؟ تو تم نے بیان کیا کہ نہیں ۔ میں اتنی بات یقینی طور پر جانتا

يَكُنْ لِيَذَرَ الْكَذِبَ عَلَى النَّاسِ وَيَكْذِبَ عَلَى اللّٰهِ وَسَأَلْتُكَ أَشْرَافُ النَّاسِ اتَّبَعُوهُ

ہوں کہ یہ جب انسان پر جھوٹ نہیں باندھتے تو اللہ پر ہرگز جھوٹ نہیں باندھیں گے۔ میں نے تم سے پوچھا تھا کہ اونچے طبقے کے

أَمْ ضُعَفَاؤُهُمْ۔ فَذَكَرْتَ أَنَّ ضُعَفَاءَهُمُ اتَّبَعُوهُ، وَهُمْ أَتْبَاعُ الرُّسُلِ۔ وَسَأَلْتُكَ

لوگوں نے ان کی اتباع کی ہے یا دبے ہوئے لوگوں نے؟ تو تم نے بتایا کہ دبے ہوئے لوگوں نے انکی اتباع کی ہے۔ (ابتداءً) یہی لوگ

أَيَزِيدُونَ أَمْ يَنْقُصُونَ فَذَكَرْتَ أَنَّهُمْ يَزِيدُونَ وَكَذَالِكَ أَمْرُ الْإِيمَانِ حَتّٰى يَتِمَّ

رسولوں کے متبع ہوتے ہیں اور میں نے تم سے پوچھا تھا۔ کہ بڑھتے جاتے ہیں یا کم ہوتے ہیں۔ تو تم نے بیان کیا کہ بڑھتے جاتے ہیں۔ اور یہی

وَسَأَلْتُكَ أَيَرْتَدُّ (مِنْهُمْ) أَحَدٌ سُخْطَةً لِدِينِهِ بَعْدَ أَنْ يَدْخُلَ فِيهِ۔ فَذَكَرْتَ أَنْ لَا

ایمان کا حال ہے یہاں تک کہ کامل ہو جائے۔ اور میں نے تم سے دریافت کیا تھا ان کے دین میں داخل ہونے کے بعد اسے ناپسند سمجھکر

وَكَذَالِكَ الْإِيمَانُ حِينَ تُخَالِطُ بَشَاشَتُهُ الْقُلُوبَ۔ وَسَأَلْتُكَ هَلْ يَغْدِرُ۔ فَذَكَرْتَ

کوئی پھرا بھی ہے۔ تو تم نے بتایا کہ نہیں۔ اور یہی حال ایمان کا ہے جب اسکی تازگی دلوں میں رچ بس جائے (تو پھر نکلا نہیں کرتا) اور میں نے

أَنْ لَا۔ وَكَذَالِكَ الرُّسُلُ لَا تَغْدِرُ۔ وَسَأَلْتُكَ بِمَا يَأْمُرُكُمْ فَذَكَرْتَ أَنَّهُ يَأْمُرُكُمْ أَنْ

تم سے سوال کیا تھا وہ عہد شکنی کرتے ہیں؟ تو تم نے بیان کیا کہ نہیں اور رسولوں کی یہی شان ہے کہ وہ عہد شکنی نہیں کرتے۔ اور میں نے

تَعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُوا بِهِ شَيْئًا وَيَنْهَاكُمْ عَنْ عِبَادَةِ الْأَوْثَانِ وَيَأْمُرُكُمْ بِالصَّلٰوةِ

تم سے سوال کیا تھا کہ تم کو کیا حکم دیتے ہیں تو تم نے بیان کیا کہ وہ تم کو یہ حکم دیتے ہیں کہ اللہ کی عبادت کرو اسکے ساتھ کسی کو شریک نہ بناؤ اور

وَالصِّدْقِ وَالْعَفَافِ۔ فَإِنْ كَانَ مَا تَقُولُ حَقًّا (فَإِنَّهُ نَبِيٌّ) فَسَيَمْلِكُ مَوْضِعَ قَدَمَيَّ

بت پرستی سے منع کرتے ہیں اور نماز اور سچ اور پاکدامنی کا حکم دیتے ہیں۔ اگر تمہاری یہ باتیں سچی ہیں تو وہ بلاشبہ نبی ہیں۔ بہت جلد وہ میرے

هَاتَيْنِ وَقَدْ كُنْتُ أَعْلَمُ أَنَّهُ خَارِجٌ وَلَمْ أَكُنْ أَظُنُّ أَنَّهُ مِنْكُمْ۔ فَلَوْ أَنِّي أَعْلَمُ أَنِّي

پاؤں تلے کی زمین (بیت المقدس) کے مالک ہو جائیں گے اور مجھے یقین تھا کہ وہ ظاہر ہونے والے ہیں مگر یہ خیال نہ تھا کہ تم (قریش) میں سے ہونگے

أَخْلُصُ إِلَيْهِ لَتَجَشَّمْتُ لِقَائَهُ - وَلَوْ كُنْتُ عِنْدَهُ لَغَسَلْتُ عَنْ قَدَمَيْهِ ثُمَّ دَعَا

کاش مجھے یقین ہوتا کہ ان تک پہنچ سکوں وہ تو سفر کی صعوبت برداشت کر کے وہ ان سے ملاقات کرتا۔ کاش میں ان کے پاس

بِكِتَابِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الَّذِي بَعَثَ بِهِ مَعَ دِحْيَةَ الْكَلْبِي

ہوتا تو میں انکے پاؤں دھوتا رہتا۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا وہ خط منگایا جو حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے

إِلَى عَظِيمِ بُصْرَى فَدَفَعَهُ عَظِيمُ بُصْرَى إِلَى هِرَقْلَ فَقَرَأَهُ

دحیہ کلبی وہ کے بدست بصریٰ وہ کے حاکم کے پاس بھیجا تھا تو اس نے اس والا نامہ کو ہرقل کے پاس پہنچایا تھا اسکے بعد اس کو پڑھا وہ

أَخْلُصُ إِلَيْهِ وہ (۱۹) اسکا مصدر خلوص یا اخلاص ہے۔ یہ متعدد معنی میں آتا ہے۔ نجات پانا۔ الگ تھلگ ہونا۔ خالص ہونا۔ اور جب اس کا صلہ "الٰی یا باء" آتا ہے تو اس کا معنی "پہنچنا" ہوتا ہے۔

تَجَشَّمْتُ وہ (۲۰) تجشم کے معنی ریت کے بڑے ٹیلے پر چڑھنا۔ چن لینا۔ قصد کرنا۔ اور مشقت اٹھا کر کوئی کام کرنا۔ یہاں یہی معنی ہے اور مراد ہجرت ہے یعنی اگر مجھے یہ یقین ہوتا کہ میں ان تک پہونچ جاؤں تو ہجرت کر کے ان کی خدمت میں حاضر ہوتا۔

دِحْيَةَ كَلْبِي وہ (۲۱) دحیہ بن خلیفہ قدیم الاسلام کبار صحابہ میں نہایت حسین وجمیل تھے۔ جب شام میں والا نامہ لیکر گئے تو ان کو دیکھنے کے لئے عورتیں نکل پڑیں۔ بدر کے علاوہ تمام غزوات میں شریک ہوئے۔ حضرت جبرئیل زیادہ تر انھیں کی شکل میں حاضر ہوتے۔ جنگ یرموک میں بھی شرکت کی تھی۔ اخیر میں دمشق کے قریب "مزہ" نامی ایک گاؤں میں آبسے تھے۔ حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت تک بقید حیات رہے۔ ابو داؤد چھوڑ کر صحاح ستہ میں ان سے کوئی حدیث مروی نہیں۔ صحابہ میں دحیہ نام کے صرف یہی ایک ہیں۔

عَظِيمِ بُصْرَى وہ (۲۲) حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنا والا نامہ بصریٰ کے حاکم "حارث بن شمر غسانی" کے ذریعے ہرقل کے پاس بھیجا تھا حضرت دحیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ والا نامہ پہلے حارث کے پاس لیگئے۔ حارث نے "عدی بن حاتم" کے ہمراہ انھیں، بیت المقدس بھیجا جہاں ہرقل "ایرانیوں پر مکمل فتح کی خوشی منانے کے لئے گیا تھا ـــ حارث بن شمر غسانی عربی النسل تھا۔ دنیوی طمع میں نصرانی ہو گیا تھا۔ اور ہرقل کا باجگذار بصریٰ کا حاکم تھا

عدی بن حاتم (۲۳) عدی بن حاتم بھی اس وقت نصرانی تھے۔ فتح مکہ کے بعد ایمان سے مشرف ہوئے اور راسخ الاعتقاد مخلص صحابی ہوئے۔ اوائل عہد صدیقی میں جب عرب کے قبائل میں ردت پھیلی تو یہ مع اپنے قبیلے طے کے ایمان پر ثابت رہے۔ اس زمانے میں بھی زکوٰۃ لیکر بارگاہ صدیقی میں حاضر ہوئے۔ دوسروں کو ردت سے بچنے کی تلقین فرماتے رہتے۔ بصریٰ مدینہ ودمشق کے مابین شام کا سرحدی شہر ہے۔ جسے حوران بھی کہتے ہیں۔

فَقَرَأَهُ وہ (۲۴) جب میر منشی نے والا نامہ پڑھنا شروع کیا اور یہ پڑھا۔

فَاِذَا فِیْهِ بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ مِنْ مُحَمَّدٍ عَبْدِ اللهِ وَرَسُوْلِهٖ اِلٰی

اس میں لکھا تھا اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو نہایت مہربان رحم والا ہے۔ یہ دعوت نامہ اللہ کے بندے اور اسکے رسول محمد

هِرَقْلَ عَظِیْمِ الرُّوْمِ سَلَامٌ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰی۔ اَمَّا بَعْدُ فَاِنِّیْ اَدْعُوْكَ

صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی جانب سے روم کے شہنشاہ ہرقل کے پاس بھیجا جاتا ہے جو ہدایت کی اتباع کرے اس پر سلام۔ اس

بِدِعَایَةِ الْاِسْلَامِ۔ اَسْلِمْ تَسْلَمْ (اَسْلِمْ) یُؤْتِكَ اللهُ اَجْرَكَ مَرَّتَیْنِ

کے بعد میں تم کو اسلام کی دعوت ۲۵ دیتا ہوں۔ مسلمان ہو جاؤ سلامت رہو گے اسلام قبول کرو اللہ تجھے دوگنا اجر عطا

فَاِنْ تَوَلَّیْتَ فَاِنَّ عَلَیْكَ اِثْمَ الْاَرِیْسِیِّیْنَ وَ یَا اَهْلَ الْكِتَابِ تَعَالَوْا اِلٰی كَلِمَةٍ

فرمائے گا ـــ اور اگر تم نے روگردانی کی تو تجھ پر رعایا ۲۶ کا بھی گناہ ہوگا۔ اور اے اہل کتاب ایسے کلمے کی طرف آؤ جو ہم

سَوَاءٍ بَیْنَنَا وَبَیْنَكُمْ اَنْ لَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهٖ شَیْئًا وَّلَا یَتَّخِذَ بَعْضُنَا

اور تم میں مشترک ہے۔ وہ یہ ہے کہ سوائے خدا کے کسی کی عبادت نہ کریں کسی کو اس کا شریک نہ کریں اور ہم میں کوئی ایک دوسرے

مِنْ مُحَمَّدٍ رَّسُوْلِ اللهِ اِلٰی هِرَقْلَ عَظِیْمِ الرُّوْمِ۔

تو ہرقل کے بھائی نے غصے میں آکر دعوت نامہ میر منشی کے ہاتھ سے چھین لیا۔ ہرقل نے پوچھا یہ تم نے کیا کیا؟۔ اس کے بھائی نے کہا انہوں نے اپنے نام سے خط کی ابتدا کی اور آپ کو عظیم الروم، صاحب الروم لکھا۔ ملک الروم نہیں لکھا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ بہت متکبر ہے اپنے کو بڑا، اور آپ کو حقیر و ذلیل جانتا ہے۔ ہرقل نے اپنے بھائی سے کہا۔ تم کم عقل ہو۔ کیا تم یہ چاہتے ہو کہ اس خط کے مضمون پر مطلع ہونے سے پہلے اسکو پھینک دیا جائے۔ اگر وہ اللہ کے رسول ہیں تو ان کو ضرور اپنے نام سے شروع کرنا چاہیے اور اپنے نام کو میرے نام سے پہلے لکھنا چاہیے یہ بالکل صحیح لکھا کہ میں صاحب الروم ہوں میں مالک روم نہیں مالک روم صرف اللہ تعالیٰ ہے۔

بدعایۃ الاسلام ف۲۵ (۲۵) اس میں با معنی میں اِلٰی کے ہے اور دِعَایَۃ مصدر مفعول کے معنی میں ہے یعنی مَدْعُوٌّ۔ اور اضافت، اضافت بیانیہ ہے۔ تقدیر عبارت یہ ہوگی "اَدْعُوْكَ اِلَی الْمَدْعُوِّ الَّذِیْ ہوالاسلام" ایک روایت میں ہے "بداعیۃ الاسلام"، اب یہ صفت ہے کلمہ محذوف کی اب تقدیر عبارت یہ ہوگی اَدْعُوْكَ اِلٰی كَلِمَۃٍ دَاعِیَۃٍ اِلَی الْاِسْلَامِ۔ وہ کلمہ کلمہ طیبہ ہے۔

الیریسیین ف۲۶ (۲۶) یہاں چار روایت ہے اَلْیَرِیْسِیِّیْنَ۔ اَلْاَرِیْسِیْنَ۔ اَلْیَرِیْسِیْنَ۔ اَلْاَرِیْسِیِّیْنَ۔ اخیر کی دو روایتوں میں یائے نسبت کے ساتھ ہے۔ اول یریسی کی اور دوم اریسی کی جمع ہے ـــ ابن فارس نے کہا یہ لفظ عربی نہیں۔ جوہری نے کہا کہ شامی ہے۔ اس کے یہ معانی ہیں۔ امرار، ٹیکس وصول کرنے والے خدام و متعلقین، متکبرین۔

بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُوْلُوا اشْهَدُوْا بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ" قَالَ اَبُوْسُفْيَانَ

کو رب نہ بنائے اللہ کے سوا - اس کے بعد اگر وہ نہ مانیں تو تم لوگ کہدو (اے اہل کتاب) گواہ رہو کہ ہم مسلمان ہیں۔ ابوسفیان

فَلَمَّا قَالَ مَا قَالَ وَفَرَغَ مِنْ قِرَاءَةِ الْكِتَابِ كَثُرَ عِنْدَهُ الصَّخَبُ فَارْتَفَعَتِ الْاَصْوَاتُ

نے کہا جب ہرقل سوال وجواب کر چکا اور خط پڑھنے سے فارغ ہوا تو اس کے بعد شور وشغب ہونے لگا۔ یہاں تک کہ آوازیں

وَاُمِرَ بِنَا اُخْرِجْنَا فَقُلْتُ لِاَصْحَابِيْ حِيْنَ اُخْرِجْنَا لَقَدْ اَمِرَ اَمْرُ ابْنِ اَبِيْ كَبْشَةَ

بلند ہوگئیں۔ اور ہمارے بارے میں حکم دیا گیا۔ ہم باہر نکال دیئے گئے۔ باہر نکل کر میں نے اپنے ساتھیوں سے کہا۔ بخدا ابوکبشہ

اِنَّهُ يَخَافُهُ مَلِكُ بَنِي الْاَصْفَرِ فَمَا زِلْتُ مُوْقِنًا اَنَّهُ سَيَظْهَرُ حَتّٰى اَدْخَلَ اللّٰهُ عَلَيَّ

وفہ کے بیٹے (نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کی شان بہت بڑھ گئی اتنی کہ ان سے شہنشاہ روم وفہ ڈرنے لگا۔ اسوقت سے مجھے اس

بات کا یقین رہا کہ آنحضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بہت جلد غالب ہونگے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے میرے دل میں اسلام داخل فرما دیا

کاشتکار یہاں یہی معنی ہے اس لئے کہ ابن اسحٰق نے بروایت زہری اکارین اور مدائنی نے الفلاحین تخریج کیا ہے۔ برقانی نے اپنی روایت میں اکارین کی تفسیر حراثین کی ہے۔ حراث اور فلاح کے معنی کاشتکار کے ہیں۔ چونکہ رعایا میں کثرت کاشتکاروں کی تھی اسلئے تغلیباً تسمیۃ الکل باسم الجزء پوری رعایا مراد ہے۔ اور اگر اس روایت میں یریسین بمعنی متعلقین لیا جائے تو بھی رعایا کا مراد ہونا ظاہر ہے۔

عبد اللہ بن اریس (۲۶) عبد اللہ بن اریس کے متبع یہود ونصاریٰ ہیں یہ بنی اسرائیل میں بہت ظالم گذرا ہے اپنے نبی کو شہید کیا۔

ابن ابی کبشہ وفہ (۲۷) ابن ابی کبشہ سے مراد ابوسفیان کی، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہیں۔ ابوکبشہ کون تھا؟ شراح نے مختلف توجیہیں کی ہیں۔ ایک یہ کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے اجداد میں کوئی گمنام شخص ابوکبشہ تھا اہل عرب کی عادت تھی جب کسی سے ناراض ہوتے تو اسے اس کے کسی گمنام دادا کی طرف منسوب کرتے۔ دوسری وجہ یہ بتائی کہ عرب میں بنی خزاعہ سے ایک شخص تھا جس کا نام رجز بن عامر بن کعب تھا۔ اس کو ابوکبشہ کہتے تھے۔ اس نے قریش کے عقیدے کے خلاف بت پرستی کی مخالفت کی تھی۔ اور مشہور ستارہ شعریٰ کی پرستش کی دعوت دیتا تھا۔ قریش بت پرستی کی مخالفت میں اشتراک کی وجہ سے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ابن ابی کبشہ کہتے تھے اس کے علاوہ اور مختلف توجیہات کی ہیں۔ ابوسفیان کا مقصود صرف تحقیر تھی۔ اس لئے والد ماجد یا دادا صاحبان کی طرف منسوب کر کے ابن عبد اللہ یا ابن عبد المطلب نہیں کہا۔ حالانکہ حضور عام طور پر ابن عبد المطلب سے مشہور بھی تھے۔ عبد المطلب کی عظمت کی پورے عرب پر دھاک بیٹھی ہوئی تھی۔ ان کی جانب نسبت کرنے میں عظمت کا اظہار تھا۔ اس لئے بجائے ابن عبد المطلب کے ابن ابی کبشہ کہا۔

بنی الاصفر وفہ (۲۸) سے مراد رومی ہیں۔ اصفر کے معنی "پیلے رنگ والے" کے ہیں۔ رومیوں کو بنی الاصفر اس لئے کہا جاتا ہے۔ یہ اصفر

الاِسْلَامَ (وَاَنَا کَارِہٌ) ـــــــ وَکَانَ ابْنُ النَّاطُوْرِ صَاحِبَ اِیْلِیَاءَ وَھِرَقْلَ

اور میں اس کے پہلے اسلام کو ناپسند کرتا تھا۔ (امام زہری ہی سے مروی ہے) کہ ابن ناطور جو ہرقل کا دوست اور ایلیاء کا

سُقِّفَ عَلٰی نَصَارٰی الشَّامِ یُحَدِّثُ اَنَّ ھِرَقْلَ حِیْنَ قَدِمَ اِیْلِیَاءَ اَصْبَحَ یَوْمًا

حاکم اور شام کے نصرانیوں کا مخدوم تھا۔ بیان کرتا ہے کہ ہرقل جب ایلیاء (بیت المقدس) آیا تو ایک دن صبح پریشان نظر

خَبِیْثَ النَّفْسِ فَقَالَ بَعْضُ

آیا اس پر اس کے بعض

بن روم بن عیص بن اسحاق بن ابراہیم علیہ السلام کی اولاد ہیں۔ اصفر کا نام اصفر اس لئے پڑا کہ ان کے باپ روم بن عیص نے شاہ حبشہ کی لڑکی سے شادی کی تھی۔ اس سے یہ پیدا ہوا۔ اس کا رنگ زردی مائل تھا۔ اس لئے اس کو اصفر کہنے لگے۔ ابن الانباری نے کتاب التیجان میں یہ وجہ بیان کی۔ اصفر کی پردادی، حضرت سارہ نے بچپن میں اس کو سونے کے اتنے زیورات پہنا دیئے کہ اس کی جھلک سے، زرد دکھائی دیتا تھا۔ اس لئے اس کو اصفر کہنے لگے۔

ف ابن الناطور (۲۹) تین طرح منقول ہے۔ ناطور طائے مہملہ کے ساتھ۔ ناظور ظاء معجمہ کے ساتھ۔ ناطورا طاء مہملہ اور اخیر میں الف کے ساتھ۔ اس کے معنی باغبان کے ہیں۔ ناطور اور ناظور کو کسی نے کہا عربی ہے۔ کسی نے عجمی بتایا۔ مگر ناطورا عجمی ہے۔

امام زہری کی ابن ناطور سے، عبدالملک بن مروان کے زمانے میں، دمشق میں، ملاقات ہوئی۔ اس سے انھوں نے خود یہ باتیں سنی ہیں۔ اس لئے "وکان ابن الناطور"۔ امام زہری کا قول ہے۔ امام زہری کے آگے، حدیث ابوسفیان میں جو راوی ہیں وہ یہاں نہیں۔ یعنی عبیداللہ بن عبداللہ بن عتبہ بن مسعود عن ابن عباس سے یہ روایت نہیں۔ بلکہ امام زہری نے بلاواسطہ ابن ناطور سے یہ سنا ہے۔

ف اسقفا (۳۰) یہاں سات طرح روایت ہے اُسْقُفًّا الف کو پیش سین ساکن قاف کو پیش فاء مشدد دوزبر الف کے ساتھ۔ اُسْقُفًا فاء کی تشدید کے بغیر۔ سُقِفًّا سین سے شروع جسے پیش ہے قاف کو زیر فاء مشدد دو زبر کے ساتھ سُقُفًّا سین اور قاف کو پیش فاء کو دوزبر الف کے ساتھ۔ معنی ان چاروں کے ایک ہیں۔ دینی پیشوا جو عیسائیوں میں پادری ہوتا ہے۔ اُسْقِفَ باب افعال سے فعل ماضی مجہول۔ سُقِّفَ باب تفعیل سے فعل ماضی مجہول۔ سُقِفَ نَصَرَ کا فعل ماضی مجہول ان تینوں کے معنی یہ ہوئے کہ یہ شام کے نصرانیوں کا پادری بنایا گیا۔

ف خبیث النفس (۳۱) ردی النفس، متفکر، سست، کسی مسلمان کو خبیث النفس کہنے کی حدیث میں ممانعت ہے مسلمان اپنے

بَطَارِقَتِهٖ قَدِ اسْتَنْكَرْنَا هَيْئَتَكَ قَالَ ابْنُ النَّاطُوْرِ وَكَانَ هِرَقْلُ حَزَّاءً يَنْظُرُ

ارا کین سلطنت ؎۱ نے پوچھا (کیا بات ہے) آپ کا مزاج ہم خلاف معمول پا رہے ہیں۔ ابن ناطور نے کہا ہرقل

فِي النُّجُوْمِ فَقَالَ لَهُمْ حِيْنَ سَأَلُوْهُ إِنِّيْ رَأَيْتُ اللَّيْلَةَ حِيْنَ نَظَرْتُ فِي النُّجُوْمِ

کاہن ؎۲ تھا علم نجوم میں نظر رکھتا تھا۔ ارا کین کے سوال کرنے پر اس نے بتایا کہ میں نے آج رات جب ستارون

مَلِكُ الْخِتَانِ قَدْ ظَهَرَ

میں نظر کی تو یہ دیکھا کہ ختنہ کرنیوالوں کا بادشاہ غالب ہوگیا ؎۳

آپ کو بھی نہ کہیں۔ غیروں کو کہہ سکتے ہیں۔

؎۱ بطارقتہ (۳۲) یہ بطریق کی جمع ہے۔ اس کے معنی مشیر کار۔ رکن سلطنت کے ہیں

؎۲ حزّاءً (۳۲) کاہن کے معنی میں ہے۔ کاہن اسکو کہتے ہیں جو شیاطین کے القا سے آئندہ کے حالات بتائے۔ یا علم نجوم کے ذریعے۔ یا اعضاء کے خطوط اور ساخت اور چہرے کے تل دیکھ کر گذشتہ اور آئندہ کے احوال کی خبر دے۔ آگے ہے:۔

ینظر فی النجوم۔ اور ستاروں میں نظر رکھتا تھا۔ اگر اسے حزّاء کی تفسیر ٹھہرائیں تو مطلب یہ ہوگا کہ ہرقل نجومی تھا۔ اور اگر اسے کَانَ کی خبر ثانی بنائیں تو مطلب یہ ہوگا کہ ہرقل کاہن بھی تھا۔ اور نجومی بھی۔ اس تقدیر پر کاہن کے صرف دو معنیٰ ہوں گے۔ علم نجوم حق ہے۔ مگر اب اس پر عمل منسوخ ہوگیا ہے۔ اور کہانت بقیہ دو معنوں کے اعتبار سے لغو و مہمل ہے۔ اسپر اعتماد جائز نہیں۔ حدیث میں ہے

مَنْ اَتٰى كَاهِنًا فَصَدَّقَهٗ بِمَا يَقُوْلُ فَقَدْ بَرِئَ مِمَّا اُنْزِلَ عَلٰى مُحَمَّدٍ۔ (ابن ماجۃ)

جو کسی کاہن کے پاس گیا اور اس کی تصدیق کی وہ اس سے بیزار ہوگیا جو محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر اتارا گیا۔

؎۳ ملک الختان قد ظہر (۳۲) جس بادشاہ کے ملک میں ختنوں کا دستور ہے وہ غالب آگیا۔

یہاں دو روایت ہے مُلْكُ اور مَلِكُ۔ دونوں کا حاصل وہی ہے۔ یہ صلح حدیبیہ کے بعد کا واقعہ ہے۔ صلح حدیبیہ کو قرآن نے فتح مبین فرمایا۔ اور یہی صلح حدیبیہ ہی اسلام کے غلبہ کا سبب بنی۔ زمانۂ جنگ میں لوگ ڈر سے مدینہ آتے جاتے نہیں تھے مسلمانوں سے تعلقات نہیں تھے۔ جب صلح کی وجہ سے تمام خطرات مٹ گئے اور اہل عرب آزادی کے ساتھ مسلمانوں سے ملنے جلنے لگے ان پر اسلام کی حقانیت اور صداقت آشکارا ہونے لگی۔ اور اسلام پھیلتا گیا۔ مضبوط سے مضبوط تر ہونے لگا۔ سبب غلبہ کو، غلبہ سے تعبیر کرنا عام محاورہ ہے۔

فَمَن يَّخْتَتِنُ مِنْ هٰذِهِ الْاُمَّةِ؟ قَالُوا لَيْسَ يَخْتَتِنُ اِلَّا الْيَهُوْدُ فَلَا يُهِمَّنَّكَ شَأْنُهُمْ

اس زمانے میں کون لوگ ختنہ کراتے ہیں؟ لوگوں نے جواب دیا صرف یہود ختنہ کراتے ہیں آپ ان کی فکر نہ کریں اپنے

وَاكْتُبْ اِلٰى مَدَائِنِ مُلْكِكَ فَلْيَقْتُلُوْا مَنْ فِيْهِمْ مِنَ الْيَهُوْدِ فَبَيْنَاهُمْ عَلٰى اَمْرِهِمْ

حدود مملکت کے شہروں میں فرمان بھیجد یجئے کہ یہاں جتنے یہودی ہوں قتل کر دیے جائیں۔ اسی اثنا میں ہرقل کے پاس

اُتِیَ هِرَقْلُ بِرَجُلٍ اَرْسَلَ بِهٖ مَلِكُ غَسَّانَ يُخْبِرُ عَنْ خَبَرِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى

ایک آدمی لایا گیا جسے غسان کے بادشاہ نے بھیجا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خبر ہرقل کو پہنچا دو ف

ایک عجیب و غریب بات

(۳۵) شراح حدیث نے یہاں ایک عجیب و غریب بات لکھی ہے۔ کہ ہرقل نے یہ بات اس طرح جانی کہ علوئین (زحل و مشتری) کا برج عقرب میں قران ہر بیس سال پر ہوتا ہے۔ اس طرح عہد نبوی میں تین قران ہوئے۔ پہلے قران کی ابتدا میں ولادت ہوئی۔ دوسرے قران کے اختتام پر نزول قرآن کا غار حرا سے آغاز ہوا۔ تیسرے قران کے اختتام کے قریب صلح حدیبیہ ہوئی۔ انھیں ایام میں ہرقل نے ستاروں میں دیکھ کر یہ کہا تھا۔ پھر وجہ استدلال میں تحریر فرمایا۔ کہ چونکہ برج عقرب مائی ہے علوئین کا اس میں قران اس کی دلیل ہے کہ ملک الختان کا ظہور ہو گیا۔

میں علم نجوم سے واقف نہیں۔ اس لئے کچھ نہیں عرض کر سکتا۔ مگر ہر ناظر پر ظاہر ہے کہ یہ استدلال دو طرح سمجھ میں نہیں آتا۔ اولاً یہ کہ جب علوئین کا برج عقرب میں قران مطلقاً ملک الختان کے غلبہ کی علامت تھی تو یہ غلبہ پہلے قران یا اس کے پہلے والے قران میں کیوں نہیں ہو سکتا۔ دوسرے برج عقرب کے مائی اور اس میں علوئین کا قران ملک الختان کے ظہور کی دلیل کس طرح ہے۔ یہ سمجھ میں نہیں آئی۔ اب یا تو یہ کہئے کہ کچھ مقدمات محذوف ہیں۔ تو ان کو مذکور ہونا چاہئے۔ یا پھر یہ کہئے کہ کتب سابقہ میں یہ علامت مذکور تھی کہ جب فلاں صدی میں اور صدی کے فلاں حصے میں علوئین کا قران برج عقرب میں ہوگا تو یہ ظہور ہوگا۔ علوئین کے برج عقرب میں مطلقاً قران کو دلیل بتانا کسی طرح درست نہیں اور بہتر تو یہ ہے کہ شروح احادیث کو ایسی باتوں سے خالی رکھیں تو اچھا ہے۔

ف یخبر عن خبر

(۳۶) اس شخص کے الفاظ ابن اسحاق نے یوں روایت کیا کہ ہم میں ایک شخص ظاہر ہوئے ہیں جو نبوت کا دعویٰ کرتے ہیں کچھ لوگ ان کے تابع ہو گئے ہیں اور کچھ لوگوں نے ان کی مخالفت کی ہے۔ ان میں بہت سی لڑائیاں ہوئیں۔ میں انھیں اسی حال پر چھوڑ آیا ہوں۔

عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَلَمَّا اسْتَخْبَرَہٗ ھِرَقْلُ قَالَ اِذْھَبُوْا فَانْظُرُوْا اَمُخْتَتِنٌ ھُوَ اَمْ لَا۔

ہرقل نے اس شخص سے حال معلوم کیا۔ پھر حکم دیا لے جاؤ دیکھو یہ ختنہ شدہ ہے یا نہیں ؟

فَنَظَرُوْا اِلَیْہِ فَحَدَّثُوْہُ اَنَّہٗ مُخْتَتِنٌ وَسَئَلَہٗ عَنِ الْعَرَبِ فَقَالَ ھُمْ یَخْتَتِنُوْنَ

لوگوں نے اسے دیکھا اور ہرقل کو بتایا کہ یہ ختنہ شدہ ہے ہرقل نے اس سے عرب کے بارے میں پوچھا کیا اہل عرب

فَقَالَ ھِرَقْلُ ھٰذَا مُلْکُ ھٰذِہِ الْاُمَّۃِ قَدْ ظَھَرَ ثُمَّ کَتَبَ ھِرَقْلُ اِلٰی صَاحِبٍ لَّہٗ بِرُوْمِیَۃَ

ختنہ کراتے ہیں) اس نے بتایا عرب والے ختنہ کراتے ہیں۔ اب ہرقل نے کہا یہی اس زمانے کا بادشاہ ہے جو غالب آگیا۔ پھر ہرقل نے رومیہ کے اپنے ایک دوست

ولہ رُومیۃ (۳۷) یہ ملک روم کا ایک بہت عظیم شہر تھا۔ اس کی شہر پناہ بیس میل لمبی تھی۔ وسط شہر میں صغرنامی نہر بہتی تھی۔ اس پر کئی ایک پل تھے۔ "باب" نصاریٰ کا سب سے بڑا پیشوا یہیں رہتا تھا۔ یہاں چھ سو گز مربع زمین پر ایک گرجا تھا۔ جس کی چھتیس رانگے کی اور فرش سنگ مرمر کا تھا۔ اس گرجے کے تہ نشین میں ایک سونے کی کرسی تھی جس پر "باب" بیٹھ کر دربار کیا کرتا تھا۔ اس کے پیچھے چاندی منڈھا ہوا ایک دروازہ تھا جو تہ خانے میں جانے کے راستے پر تھا۔ اس تہ خانے میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواری "پطرس" کی قبر تھی۔ اس شہر کے دوسرے گرجا میں دوسرے حواری "بولس" کی قبر تھی۔

رومیہ میں ہرقل کے جو دوست تھے جن کو ہرقل نے خط لکھا تھا۔ ان کا نام ضغاطر تھا۔ مدارج النبوت میں ہے کہ ہرقل نے والا نامہ پڑھو لنے کے بعد جب شور شغب ختم ہوا۔ تو حضرت دحیہ کلبی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو "رومیہ" اپنے جیسے عالم فاضل اپنے دوست ضغاطر کے پاس بھیجا۔ یہ معلوم کرنے کے لئے کہ ان کی رائے کیا ہے۔ ضغاطر نے جب نامہ مبارک پڑھا اور حضرت دحیہ سے اوصاف مبارکہ سنے تو اس نے کہا۔ ان کے یہ اوصاف ہماری کتابوں میں ہیں۔ اور ہمیں ان کی نبوت میں ذرہ برابر شک و شبہہ نہیں۔ اسکے بعد باہر نکلا اور نصرانیوں کو مخاطب کرکے کہا۔ اے رومیو! احمد عربی کی جانب سے دعوت نامہ آیا ہے۔ اس میں دین کی ہدایت کی گئی ہے۔ آفتاب کی طرح ان کا نبی ہونا ہر شک سے بالاتر ہے۔ تم سب اللہ عزوجل کی الوہیت اور ان کی رسالت کی تصدیق کرو۔ یہ سنتے ہی وہ ظالم ان پر ٹوٹ پڑے اور شہید کر ڈالا۔

حضرت دحیہ نے واپس آکر سارا ماجرا ہرقل سے بیان کیا۔ اس روایت کی بنا پر یہ ماننا پڑے گا کہ ہرقل نے حضرت دحیہ یا ان کے کسی ہمراہی کو کوئی خط بھی دیا تھا۔ اور حضرت دحیہ کو "رومیہ" بھیجنے کے بعد بیت المقدس سے حمص چلا آیا۔ اور ضغاطر نے باہر نکلنے سے پہلے ہرقل کے خط کا جواب بھی لکھ کر حضرت دحیہ یا انکے کسی ہمراہی کو دیدیا تھا۔ اسکا بھی احتمال ہے کہ رومیہ کا یہ ہرقل کا دوست

وَكَانَ نَظِيرَهُ فِي الْعِلْمِ وَصَارَ هِرَقْلُ إِلَى حِمْصَ فَلَمْ يَرِمْ حِمْصَ حَتَّى أَتَاهُ كِتَابٌ

کے پاس لکھا اور یہ ہرقل کا علم میں ہم پلہ تھا اور ہرقل حمص ف جو (دار السلطنت تھا) چلا آیا اور وہیں رہا یہاں تک کہ ہرقل کے

مِّنْ صَاحِبِهِ يُوَافِقُ رَأْيَ هِرَقْلَ عَلَى خُرُوجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ

دوست کا جواب آیا وہ بھی ہرقل کے ساتھ اس بات پر متفق تھا کہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ظہور ہو چکا ہے اور یہ کہ وہ بلاشبہ

أَنَّهُ نَبِيٌّ. فَأَذِنَ هِرَقْلُ لِعُظَمَاءِ الرُّومِ فِي دَسْكَرَةٍ لَهُ بِحِمْصَ ثُمَّ أَمَرَ بِأَبْوَابِهَا

نبی ہیں پھر ہرقل نے روم کے عمائد کو حمص کے محل میں جمع ہونے کی اجازت دی جب سب جمع ہو گئے تو محل کے دروازوں کو بند

فَغُلِّقَتْ ثُمَّ اطَّلَعَ فَقَالَ يَا مَعْشَرَ الرُّومِ هَلْ لَكُمْ فِي الْفَلَاحِ وَالرُّشْدِ وَأَنْ يَثْبُتَ

کرا دیا۔ پھر ان کے سامنے آکر بولا۔ اے رومیوں کیا تم کو کامیابی اور ہدایت کی خواہش ہے اور کیا تم یہ چاہتے ہو کہ تمہارا ملک

مُلْكُكُمْ فَتُبَايِعُوا هٰذَا النَّبِيَّ فَحَاصُوا حَيْصَةَ حُمُرِ الْوَحْشِ إِلَى الْأَبْوَابِ فَوَجَدُوهَا

باقی رہے ؟ (اگر ہے) تو اس نبی سے بیعت کر و اس پر وہ سب جنگلی گدھوں کی طرح بھڑک کر دروازوں کی طرف بھاگے مگر دروازوں

قَدْ غُلِّقَتْ فَلَمَّا رَأَى هِرَقْلُ نَفْرَتَهُمْ وَأَيِسَ مِنَ الْإِيْمَانِ قَالَ رُدُّوهُمْ

کو بند پایا جب ہرقل نے ان کی نفرت دیکھی اور ان کے ایمان لانے سے مایوس ہو گیا تو کہا ان لوگوں کو میرے پاس واپس لاؤ جب

عَلَيَّ وَقَالَ إِنِّي قُلْتُ مَقَالَتِي آنِفًا أَخْتَبِرُ بِهَا شِدَّتَكُمْ عَلَى دِيْنِكُمْ فَقَدْ رَأَيْتُ

سب واپس ہو گئے تو) ہرقل نے کہا۔ میں نے ابھی جو بات کہی تھی اس لئے کہی تھی کہ دین پر تمہاری پختگی کو آزما رہا تھا وہ میں نے

فَسَجَدُوا لَهُ وَرَضُوا عَنْهُ فَكَانَ ذٰلِكَ آخِرَ شَأْنِ هِرَقْلَ ف

... دیکھ لی اس کے بعد سب نے اسکو سجدہ کیا اور اس سے راضی ہو گئے ہرقل کا آخر وقت تک یہی حال رہا ف (یعنی وہ نصرانی ہی مرا،

ضغاطر کے علاوہ کوئی اور ہو۔

ف حمص (۳۸) یہ اس زمانے میں ہرقل کا دار السلطنت تھا۔ یہ عالقہ میں ایک شخص "حمص بن مہران بن حاف" کے نام پر ہے امام ثعلبی نے فرمایا۔ اس شہر میں نو سو صحابہ کرام رونق افروز ہوئے۔ اس واقعہ کے دس سال بعد، عہد فاروق میں ۱۶ھ میں حضرت ابو عبیدہ بن جراح رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسے فتح فرمایا۔ یہ وباؤں سے پاک شہر ہے۔ یہاں سانپ بچھو نہیں ہوتے۔

ف فکان ذالک آخر شان ہرقل (۳۹) اس حدیث میں ہرقل کے کلمات اس قسم کے ہیں جن سے اس کا فیصلہ نہیں ہو سکا کہ وہ کافر مرا یا مسلمان۔ اس کا بھی احتمال ہے کہ اخیر وقت تک شک و تردد میں رہا ہو۔ اس لئے راوی نے وضاحت کر دی کہ ہرقل کا اخیر

ل بالفاظ مختلفہ یہ حدیث ان ابواب میں بھی ہے۔ کتاب الجہاد۔ کتاب التفسیر (دو مقامات پر) کتاب الشہادات۔ جزیہ۔ ادب (دو مقامات پر) ایمان۔ احکام۔ مغازی۔ خبر واحد۔ استیذان۔ دعاء النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم الی الاسلام والنبوۃ۔ علاوہ ازیں امام مسلم نے مغازی میں اور ترمذی نے استیذان میں ابو داؤد نے ادب میں اور نسائی نے تفسیر میں بھی ذکر کیا ہے۔

کتاب الایمان

بسم اللہ الرحمن الرحیم

دم تک یہی حال رہا۔ اور وہ ایمان سے محروم رہا۔ یہی صحیح ہے۔ اس پر دلیل یہ ہے کہ اس واقعہ کے بعد ۸ ھ میں دو ہی سال کے اندر اندر ایک لاکھ فوج لیکر "جنگ مُوتہ کے موقع پر صحابۂ کرام سے جنگ کرنے کے لئے مآرب تک آیا تھا۔ پھر اسی کی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے خلاف فوجی تیاریوں کی اطلاع پر "غزوہ تبوک" واقع ہوا۔ علاوہ ازیں حضرت صدیق اکبر اور فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے ایام میں اسی نے پوری طاقت اور قوت سے مسلمانوں کا مقابلہ کیا۔ پھر کیسے یہ مان لیا جائے کہ یہ مسلمان ہو ہوگیا تھا۔

علاوہ ازیں غزوۂ تبوک کے موقع پر حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو لکھا۔ میں مسلمان ہوں۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا۔ خدا کا دشمن جھوٹا ہے مسلمان نہیں۔ وہ اپنی نصرانیت پر باقی ہے۔

فتح الباری میں ہے کہ ہرقل جب شام سے قسطنطنیہ جانے لگا تو اس نے رومیوں کے سامنے تین باتیں رکھیں۔ یا تو مسلمان ہو جاؤ یا مسلمانوں کو جزیہ دو۔ یا صلح کرلو۔ انھیں درب تک دیدو۔ رومیوں نے قبول نہیں کیا۔ اس کے بعد وہ شام سے نکلا۔ جب دَرْب پہنچا تو سرزمین شام کو رخصتی سلام کرتے ہوئے کہا اے سرزمین سوریۃ تجھے سلام پھر گھوڑے کو ایڑ لگائی۔ اور قسطنطنیہ چلا گیا۔

ان سب سے ظاہر ہے کہ اس کے ضمیر کی آواز کچھ بھی رہی ہو۔ مگر سلطنت کی حرص نے اُسے ایمان سے محروم رکھا۔

ایمان بنیاد ہے ① انسان جن چیزوں کا شرعاً مکلف ہے۔ اس کی دو قسمیں ہیں۔ یا تو اس کا صدور دل سے ہوگا۔ یا اس کا صدور دیگر اعضاء سے۔ اول ایمان ہے ثانی اعمال یا اقوال۔ سارے اعمال واقوال کی بنیاد ایمان ہے۔ اگر ایمان نہ ہو تو سارے اعمال حسنہ واقوال صالحہ کالعدم۔ ارشاد ہے

وَقَدِمْنَا اِلٰی مَا عَمِلُوْا مِنْ عَمَلٍ فَجَعَلْنَاہُ ھَبَاءً مَّنْثُوْرًا۔ عَامِلَۃٌ نَّاصِبَۃٌ تَصْلٰی نَارًا حَامِیَۃً

کافروں نے جو کچھ کیا تھا ہم نے ان سب کو بکھرے ہوئے ذرّے بنایا۔ کام کریں مشقتیں جھیلیں۔ بھڑکتی آگ میں بھُنیں۔

اس لئے امام بخاری نے کتاب الایمان کو سب پر مقدم فرمایا۔

ایمان کی تعریف ② ایمان کے لغوی معنی کسی بات کو سچ ماننے کے ہیں۔ قرآن کریم میں برادران یوسف علیہ السلام کا قول مذکور ہے۔ وَمَا اَنْتَ بِمُؤْمِنٍ لَّنَا۔ آپ ہمارا یقین نہیں کریں گے ۔ اصطلاح شریعت میں تمام ضروریات دین کو دل سے سچ ماننے اور زبان سے ان کی سچائی کے اقرار کرنے کو ایمان کہتے ہیں یہ تصدیق و اقرار تحقیقاً ہو خواہ تقلیداً (عینی) زبان سے اقرار ایمان کا رکن ہے۔ یا اجرار احکام کے لئے شرط۔ دونوں قول ہیں۔ اور اس خادم کے نزدیک دونوں درست ہیں۔ تصدیق قلبی کسی حال میں ساقط نہیں البتہ اقرار باللسان بعض صورتوں میں معاف ہے جیسے حالت اکراہ میں یا ایسی حالت میں ایمان نصیب ہوا کہ اقرار کا وقت نہ مل سکا۔ مگر اس کے رکن ہونے پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ جیسے قرأت۔ قیام، رکوع، سجود، نماز کے ارکان ہیں۔ مگر عاجز سے ساقط ہو جاتی ہیں (المستند المعتمد) اصل ایمان تصدیق قلبی ہے۔ مگر دنیا میں مومن ہونے کا حکم لگانے کے لئے اقرار باللسان ضروری بھی ہے، اور کافی بھی۔ اگر کوئی زبان سے تمام ضروریات کی تصدیق کرے تو اس کو مسلمان ہی کہیں گے۔ باطن کا حال اللہ عز وجل کے سپرد ہے (فتح الباری)

③ ایمان گھٹتا بڑھتا ہے یا نہیں ۔ اعمال ایمان کے جز ہیں یا نہیں ③

ایمان کے سلسلے میں کثیر اختلافات ہیں۔ ان میں بنیادی اختلاف دو ہیں۔ اعمال و اقوال ایمان کے جز ہیں یا نہیں ؟ ایمان گھٹتا بڑھتا ہے یا نہیں ؟۔ امام مالک، امام شافعی امام احمد و جمہور محدثین اعمال و اقوال کو ایمان کا جز مانتے ہیں۔ اور امام اعظم و جمہور متکلمین و محققین محدثین اعمال و اقوال کو ایمان کا جز نہیں مانتے۔ اسی کی فرع ایمان کے گھٹنے بڑھنے کا بھی مسئلہ ہے۔ فریق اول کے نزدیک اعمال و اقوال کی زیادتی سے ایمان بڑھتا ہے اور کمی سے گھٹتا ہے۔ اور فریق ثانی کے نزدیک ایمان، نہ گھٹتا ہے نہ بڑھتا ہے۔ صحیح و راجح یہی ہے کہ اعمال و اقوال ایمان کے جز نہیں۔ اور ایمان نہ گھٹتا ہے نہ بڑھتا ہے۔

دلائل ④ اس کی تحقیق یہ ہے کہ اس پر فریقین کا اتفاق ہے کہ فرائض و واجبات کا تارک یا گناہوں کا مرتکب کافر نہیں۔ مومن ہے۔ اب اگر اعمال اقوال کو ایمان کا جز قرار دیں تو لازم آئے گا کہ کسی گناہ کا مرتکب، مسلمان نہ رہے۔ اس لئے کہ انتفاء جز مستلزم ہے انتفاء کل کو۔ اس لئے ماننا پڑے گا کہ اعمال و اقوال، ایمان کے جز نہیں۔ اور جب اعمال و اقوال، ایمان کے جز نہیں تو ایمان نہ گھٹے گا نہ بڑھیگا۔

قرآن کریم کی متعدد آیتوں میں ایمان کا محل قلب کو بتایا گیا ہے۔ فرمایا اُولٰٓئِكَ كَتَبَ فِیْ قُلُوْبِهِمُ الْاِیْمَانَ ان کے دلوں میں اللہ تعالیٰ نے ایمان نقش فرمادیا۔ اور ارشاد ہے مِنَ الَّذِیْنَ قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِاَفْوَاهِهِمْ وَلَمْ تُؤْمِنْ قُلُوْبُهُمْ کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے مگر ان کے دل نے ایمان نہیں قبول کیا۔ جب ایمان کا محل دل ہے اور دل کا

کام تصدیق ہے نہ کہ عمل کرنا تو ثابت کہ ایمان تصدیق کا نام ہے۔ اعمال و اقوال اس کے جز نہیں۔

نیز قرآن مجید میں جگہ جگہ ایمان پر عمل کا عطف ہے، اور عطف میں اصل یہ ہے کہ معطوف، معطوف علیہ کا مغائر ہو۔ تو ثابت کہ ایمان عمل مغائر ہیں ۔۔۔ نیز آیت کریمہ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ مِنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ۔ جو بھی مرد و عورت نیک کام کرے اور وہ مومن ہو۔ اس میں ایمان کو اعمال صالحہ کی شرط قرار دیا ہے کسی چیز کی شرط اس سے خارج ہوتی ہے اس کا جز نہیں ہوتی۔ تو ثابت کہ اعمال، ایمان کا جز نہیں۔ مزید یہ کہ آیہ کریمہ وَاِنْ طَآئِفَتٰنِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اقْتَتَلُوْا میں لڑنے والے مسلمانوں کو مومن فرمایا۔ حالانکہ قتال میں دونوں یا ایک فریق ضرور گناہ کبیرہ کا مرتکب ہے۔ اس سے ثابت کہ گناہ کبیرہ کا مرتکب مومن ہے۔ کافر نہیں۔ اور اگر اعمال کو ایمان کا جز مانیں تو لازم آئے گا کہ کبیرہ کرنے والا مومن نہ ہو کافر ہو جائے۔

علاوہ ازیں منافقین کے بارے میں فرمایا کہ وہ مومن نہیں۔ حالانکہ وہ ایمان کا اقرار کرتے تھے۔ یہ اسی بنا پر ہے کہ وہ تصدیق نہیں کرتے تھے تو ثابت کہ ایمان تصدیق ہی کا نام ہے۔ ایک جگہ فرمایا اِلَّا مَنْ اُكْرِهَ وَقَلْبُهٗ مُطْمَئِنٌّۢ بِالْاِيْمَانِ۔ مگر وہ جو مجبور کیا جائے اور اس کا دل ایمان پر جما ہو (وہ مومن ہے) اس سے صاف ظاہر کہ ایمان صرف تصدیق قلبی ہی کا نام ہے۔

جب یہ بات قرآن کریم کی ان نصوص سے ثابت ہو گئی کہ ایمان تصدیق قلبی کا نام ہے۔ اعمال اس کے اجزا نہیں۔ اور تصدیق نہ گھٹتی ہے نہ بڑھتی ہے تو ثابت کہ ایمان نہ گھٹتا ہے نہ بڑھتا ہے۔

اس کی تحقیق یہ ہے کہ تصدیق، کسی بات کو اس طرح سچ جاننے کو کہتے ہیں کہ اسکے خلاف کا ذرہ برابر شائبہ بھی دل میں باقی نہ رہے اگر یہاں جانب مخالف کا کوئی شائبہ ہوتا تو اس کے وجود و عدم سے تصدیق گھٹتی یا بڑھتی۔ مثلاً ایک درجہ وہ ہوتا ہے جسمیں جانب مخالف کا کوئی شائبہ نہ ہوتا یہ سب سے اعلیٰ تصدیق ہوتی۔ دوسرے وہ کہ جسمیں جانب مخالف کا شائبہ ہے یہ پہلے سے کمتر درجہ کی ہوتی۔ پھر جسمیں جانب مخالف کچھ زیادہ ہے یہ دوسرے سے بھی کمتر درجے کی ہوتی ہے مگر چونکہ تصدیق اس اذعانی کیفیت کا نام ہے جسمیں جانب مخالف کا ادنیٰ سا بھی شائبہ نہ ہو اس لئے نہ یہ گھٹ سکتی ہے نہ بڑھ سکتی ہے۔

ان سب دلائل کے جواب میں امام شافعی وغیرہ کے حامی یہ کہتے ہیں کہ ہم جو اعمال کو داخل ایمان مانتے ہیں یا ایمان کی زیادتی و نقصان کے قائل ہیں۔ اس سے مراد وہ ایمان کامل ہے جو دخول فی النار سے بچانے والا ہو۔ رہ گیا نفس ایمان جو خلود فی النار سے منجی ہو اور مآل کار موجب جنت ہو اس کے بارے میں ہم بھی یہی کہتے ہیں کہ وہ صرف تصدیق قلبی ہے۔ مگر چونکہ متعدد احادیث و آیات میں ایمان کی زیادتی کا صراحۃً ذکر ہے اور بہت سی ایسی ہیں جن سے ایمان کی زیادتی و نقصان ثابت ہوتا ہے اس لئے ہم نصوص

کی تصحیح کے لئے کہتے ہیں۔ کہ ایمان زیادتی ونقص قبول کرتا ہے۔ اس کے جواب میں احناف یہ تسلیم کرتے ہیں کہ ایمان بمعنی مذکور، ضرور زیادتی ونقصان قبول کرتا ہے۔ اس سے ہمیں بھی انکار نہیں۔ اس تقدیر پر یہ نزاع لفظی ہوگئی۔ کہ احناف جو کہتے ہیں کہ ایمان زائد و ناقص نہیں ہوتا۔ ان کی مراد وہ ایمان ہے جو خلود فی النار سے منجی ہو۔ اور شوافع وغیرہ جو کہتے ہیں کہ ایمان گھٹتا اور بڑھتا ہے۔ اس سے ان کی مراد وہ ایمان کامل ہے جو دخول فی النار سے محفوظ رکھنے والا ہے۔ نیز احناف اور ان کے ہمنوا یہ کہتے ہیں۔ کہ زبان عربی میں زیادتی ونقصان مقدار کی صفت ہے۔ اور ایمان چونکہ مقولہ کیف سے ہے اس لئے وہ زائد وناقص نہیں ہوتا البتہ شدید اشد، ضعیف اضعف ہوتا ہے۔ جن آیات واحادیث سے ایمان کے زائد وناقص ہونے پر استدلال کیا جاتا ہے ان میں یہی شدت وضعف مراد ہے۔ جسکو یوں سمجھئے کہ ایمان گز، فٹ، انچ، سے نہ ناپا جا سکتا ہے نہ رتی، تونے، سیر سے تولا جا سکتا ہے۔ اگر وہ گز فٹ انچ سے ناپا جا سکتا یا تولا جا سکتا مثلاً تو ضرور زائد وناقص ہوتا۔ کسی کا ایمان گز بھر کسی کا انچ بھر ہوتا یا کسی کا تولے بھر کسی کا چھٹانک بھر۔ مگر چونکہ نہ یہ ناپا جا سکتا نہ تولا جا سکتا ہے۔ اس لئے زیادت ونقصان سے متصف نہ ہوگا البتہ قوی، اقوی ضعیف اضعف ہوگا۔ مثلاً حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے عرض کیا۔ بَلٰى وَلٰكِنْ لِّيَطْمَئِنَّ قَلْبِىْ۔ ایمان تو ہے مگر چاہتا ہوں کہ اطمینان ہو جائے۔ طمانیت تصدیق سے زائد کوئی چیز نہیں تصدیق ہی کی اعلیٰ ترین قسم ہے۔ مثل مشہور ہے شنیدہ کے بود مانند دیدہ۔ ہمیں حرمین طیبین کے وجود کا یقین کامل ہے۔ مگر دیکھنے پر جو بات ہوگی وہ اس وقت نہیں۔ یہ صرف کیفیت کی زیادتی ہے مقدار کی نہیں۔

اقول۔ مگر اردو زبان عربی کے مثل اتنی وسیع نہیں کہ مقدار کے لئے الگ لفظ ہو اور کیفیت کے لئے الگ۔ گھٹنا بڑھنا کم زیادہ ہونا۔ اردو میں مقدار کی بھی صفت ہے اور کیفیت کی بھی اس لئے اگر اردو میں کوئی یہ کہے کہ ایمان گھٹتا ہے یا بڑھتا ہے کم یا زیادہ ہوتا ہے تو کوئی حرج نہیں ہونا چاہئے۔ فَلْيَتَاَمَّلْ۔

علاوہ ازیں احناف یہ بھی فرماتے ہیں کہ ایک ایمان اجمالی ہے مثلاً اجمالی طور پر یہ یقین کرنا کہ مذہب اسلام حق ہے دوسرے تفصیلی یعنی تمام ضروریات دین کو مفصلاً حق ماننا۔ مثلاً اللہ ایک ہے وحدہٗ لاشریک ہے حیّ وقیوم ہے اور خالق ورزاق ہے وغیرہ وغیرہ۔ یہ بدیہی بات ہے کہ ایمان اجمالی میں گھٹنے بڑھنے کا سوال ہی نہیں۔ ایمان تفصیلی ضرور گھٹتا بڑھتا ہے اس سے انکار بداہت کا انکار ہے۔

اقول۔ یہ بنظر دقیق ایمان کی کمی زیادتی نہیں بلکہ متعلق ایمان کی کمی زیادتی ہے۔ یعنی ان باتوں کی کمی زیادتی جن پر ایمان لایا گیا یعنی مومن بہ کی۔ اور یہی مراد ان آیتوں اور احادیث سے ہے جن سے صراحۃً یا کسی طرح ایمان کی کمی زیادتی سمجھی جاتی ہے۔

مثلاً آیہ کریمہ وَإِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ آيَاتُنَا زَادَتْهُمْ إِيمَانًا۔ جب ان پر ہماری آیتوں کی تلاوت کی جاتی ہے تو ان کا ایمان زائد ہوجاتا ہے۔ ظاہر ہے کہ آیات خود ایمان نہیں۔ مومن بہا ہیں یعنی ایمان کی متعلق ہیں ان پر ایمان لایا گیا ہے اس لئے یہاں زیادتی سے مراد وہی مومن بہ کی زیادتی ہے۔ مصدر بمعنیٰ مفعول بہ شائع ذائع ہے۔

ضروریات دین ایمان کی تعریف میں جو ضروریات دین کا لفظ آیا ہے اس سے مراد وہ دینی باتیں ہیں جن کا دین سے ہونا ایسی قطعی یقینی دلیل سے ثابت ہو جس میں ذرہ برابر شبہہ نہ ہو اور ان کا دینی بات ہونا ہر عام و خاص کو معلوم ہو۔ خواص سے مراد علماء ہیں اور عوام سے مراد وہ لوگ ہیں جو عالم نہیں مگر علماء کی صحبت میں رہتے ہوں۔ اس بنا پر وہ دینی باتیں جن کا دینی بات ہونا سب کو معلوم ہے مگر ان کا ثبوت قطعی نہیں تو وہ ضروریات دین سے نہیں مثلاً عذاب قبر، اعمال کا وزن۔ یونہی وہ باتیں جن کا ثبوت قطعی ہے مگر ان کا دین سے ہونا عوام و خواص سب کو معلوم نہیں تو وہ بھی ضروریات دین سے نہیں جیسے صلبی بیٹیوں کے ساتھ اگر پوتی ہو تو پوتی کو چھٹا حصہ ملیگا۔

جن دینی باتوں کا ثبوت قطعی ہو اور وہ ضروریات دین سے نہ ہوں ان کا منکر اگر اس کے ثبوت کے قطعی ہونے کو جانتا ہو تو کافر ہے۔ اور اگر نہ جانتا ہو تو اسے بتایا جائے بتانے پر اگر حق مانے تو مسلمان اور بتلانے کے بعد بھی اگر انکار کرے تو کافر۔ (شامی ج ۳ ص ۳۰۹)

وہ باتیں جن کا دین سے ہونا سب کو معلوم ہے مگر ان کا ثبوت قطعی نہیں ان کا منکر کافر نہیں اگر یہ باتیں ضروریات مذہب اہلسنت سے ہوں تو گمراہ اور اگر اس سے بھی نہ ہوں تو خاطی۔

ضروریات مذہب اہلسنّت مذہب اہلسنّت کی ضروریات کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اس کا مذہب اہلسنت سے ہونا سب عوام و خواص اہلسنت کو معلوم ہو جیسے یہی عذاب قبر، اعمال کا وزن۔

تعلیقات امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کہیں کہیں بلاسند کچھ احادیث و اقوال صحابہ و اسلاف نقل کرتے ہیں جیسے کہتے ہیں "ابن عمر نے کہا ابن اسحٰق نے کہا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے مروی ہے انکو تعلیقات کہا جاتا ہے چونکہ ان کی سندیں مذکور نہیں تو کسی کو شبہ کی گنجائش تھی کہ یہ صحیح یا معتبر ہیں یا نہیں۔ اس لئے شراح بخاری نے اس پر خصوصیت کے ساتھ تنبیہ کی ہے کہ چونکہ امام بخاری نے اس کا التزام کیا ہے کہ اپنی اس کتاب میں صرف صحیح و مستند ہی احادیث درج کریں گے اس لئے تعلیقات کے اس کتاب میں درج ہونیکا مطلب یہ ہے کہ یہ سب امام بخاری کے نزدیک صحیح و مستند ہیں۔ بعض حضرات نے یہ تفصیل کی ہے کہ امام بخاری کا کسی تعلیق کو صیغہ جزم (یعنی یقین) کے ساتھ ذکر کرنا ان کی جانب سے اس کے صحیح ہونے کا حکم کرنا ہے اور صیغہ تمریض سے ذکر کرنا اس کی تصحیح کا حکم نہیں۔ لیکن اس کو واہی بھی نہیں کہا جاسکتا اس لئے کہ اگر وہ واہی ہوتی تو اس کتاب میں نہ درج کرتے۔ اسکی تفصیل مقدمہ میں گزر چکی۔

ت (۱) وَالْحُبُّ فِی اللّٰہِ وَالْبُغْضُ فِی اللّٰہِ مِنَ الْاِیْمَانِ لہ۔ ت (۲) وَکَتَبَ عُمَرُ

اللہ کے لئے محبت اللہ کے لئے بغض ایمان سے ہے ف لہ ——— حضرت عمر

قرطبی نے کہا کہ بخاری کی تمام تعلیقات صحیح و مسند ہیں۔ سند اس لئے نہیں ذکر کی تاکہ اصل کتاب میں جن سخت شرائط کی پابندی کی ہے۔ ان میں اور جو ان شرائط پر نہیں ہیں دونوں میں فرق کر دیں۔ یعنی جن احادیث کو سند کے ساتھ ذکر کی ہیں انہیں میں جن شرائط کا لحاظ کیا ہے۔ ان شرائط پر تعلیقات پوری نہیں اترتیں۔

ف لہ ① ان الفاظ کے ساتھ یہ تعلیق کہیں نہیں ملی۔ کتب حدیث میں بالفاظ مختلفہ اس معنی کی احادیث ہیں مثلاً ابو داؤد میں حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا :۔

افضل الاعمال الحب فی اللہ والبغض فی اللہ — تمام اعمال سے افضل اللہ کیلئے محبت کرنا اور اللہ کیلئے عداوت کرنا

مصنف ابن ابی شیبہ میں حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہے کہ فرمایا

اوثق عری الایمان الحب فی اللہ والبغض فی اللہ — ایمان کی سب سے مضبوط گرہ اللہ کیلئے محبت کرنا اللہ کیلئے عداوت کرنا ہے

ابو داؤد میں حضرت ابو امامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ فرمایا :۔

من احب للہ وابغض للہ واعطی للہ ومنع للہ فقد استکمل الایمان — جس نے اللہ کے لئے محبت کی اللہ کے لئے عداوت کی اللہ کے لئے دیا اللہ کے لئے منع کیا۔ اس نے ایمان کامل کر لیا۔

اللہ کے لئے محبت و عداوت کا مطلب

② اللہ کے لئے محبت کا مطلب یہ ہے کہ کسی سے اس لئے محبت کی جائے کہ وہ دیندار ہے اور اللہ کیلئے عداوت کا مطلب یہ ہے کہ کسی سے عداوت ہو تو اس بنا پر ہو کہ وہ دین کا دشمن ہے یا دیندار نہیں اسی طرح اللہ کے لئے دینے اور منع کرنے کا بھی مطلب یہ ہے کہ کسی کو کچھ دے تو اللہ کی رضا مطلوب ہو اور کسی کو کچھ دینے سے انکار کرے تو اس سے بھی اللہ کی خوشنودی مقصود ہو۔

امام بخاری کا مقصود یہ ہے کہ محبت و عداوت گھٹتی بڑھتی ہے اور جب یہ ایمان سے ہے تو ثابت کہ ایمان بھی گھٹتا بڑھتا ہے ——— ہمارا جواب یہ ہے کہ محبت و عداوت بھی کیفیات نفسانیہ سے ہیں۔ تو لازم یہ آیا کہ ایمان باعتبار کیف گھٹتا بڑھتا ہے۔ اسکے ہم منکر نہیں۔

لہ ابو داؤد۔ مصنف ابن ابی شیبہ

بْنُ عَبْدِ الْعَزِيزِ إِلَى عَدِيِّ بْنِ عَدِيٍّ إِنَّ لِلْإِيمَانِ فَرَائِضَ وَشَرَائِعَ وَحُدُودًا

بن عبدالعزیز نے عدی بن عدی کو لکھا کہ ایمان کے لئے فرائض و عقائد و حدود ہیں

عمر بن عبدالعزیز (۳) بن مروان بن الحکم بن العاص بن امیہ۔ خلفائے راشدین میں سے ایک ہیں۔ جلیل القدر تابعی اپنے وقت کے امام عادل زاہد متورع ہیں۔ ان کی والدہ ام عاصم لیلیٰ بنت عاصم بن فاروق ہیں ۶۱ھ میں حُلوان مصر کے ایک شہر میں اسی سال پیدا ہوئے جس سال حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ شہید ہوئے یعنی ۶۱ھ میں اور ۱۰۱ھ ۲۰ یا ۲۵ تاریخ کو رجب کے مہینے میں پنجشنبہ یا جمعہ کو لگ بھگ چالیس سال کی عمر میں وصال ہوا۔ ان کا لقب اشج بھی ہے۔ اشج کے معنی ہیں سر یا چہرے کے زخم والا۔ بچپن میں گھوڑے نے پیشانی پر مار دیا تھا۔ اس کا نشان رہ گیا۔

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا۔ میری نسل میں ایک لڑکا ہوگا جس کے چہرے پر زخم کا نشان ہوگا۔ وہ خلیفہ ہوگا۔ زمین کو عدل سے بھر دے گا۔ جیسا کہ ظلم سے بھری ہوگی۔

یہ ولید بن عبدالملک کے زمانے میں مدینہ طیبہ کے ۸۶ھ لغایت ۹۳ھ سات سال والی رہے۔ اسی زمانے ولید بن عبدالملک کے حکم سے مسجد نبوی کی توسیع کی۔ ازواج مطہرات کے حجروں کو مسجد میں داخل کیا۔ جب سے روضۂ اقدس بھی اندرون مسجد آگیا۔

سلیمان بن عبدالملک نے ان کو اپنا ولیعہد بنایا تھا۔ دس صفر ۹۹ھ کو مرا۔ اس کے مرنے کے بعد خلیفہ ہوئے۔ چونکہ یہ بنی امیہ کی چیرہ دستیوں پر سخت پابندی لگائے ہوئے تھے اس لئے وہ ان کے دشمن ہو گئے تھے۔ ان کے ایک غلام کو ایک ہزار دینار کی لالچ دیکر زہر دلایا۔ اسی کے اثر سے بیس دن بیمار رہ کر دیرِ سمعان میں حلب کے قریب وصال فرمایا۔ وہیں دفن ہوئے۔

بعض حضرات نے فرمایا کہ ان کی مدت خلافت وہی تھی جو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تھی۔ حضرت صدیق اکبر کی مدت خلافت دو سال تین مہینے دس دن تھی۔ ۱۳ ربیع الاول کو بیعت ہوئی۔ اور خلافت کے تیسرے سال ۲۲ جمادی الآخرہ کو وصال فرمایا۔ لیکن یہ صحیح نہیں۔ اس لئے کہ ان کی مدتِ خلافت دو سال پانچ مہینے دس یا پندرہ دن تھی۔

ان کے پاس حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے کچھ موئے مبارک اور مقدس ناخن کے تراشے تھے۔ وصیت فرما گئے تھے کہ انھیں میرے کفن میں رکھ دیا جائے۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کے پیچھے اس وقت نماز پڑھی جب یہ مدینے کے حاکم تھے۔ فرمایا:- میں نے کسی کو ان سے زیادہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مشابہ نماز پڑھنے والا نہ دیکھا۔ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ یہ امت

وَسُنَنًا۔ فَمَنِ اسْتَكْمَلَهَا اِسْتَكْمَلَ الْإِيمَانَ وَمَنْ لَمْ يَسْتَكْمِلْهَا لَمْ يَسْتَكْمِلِ الْإِيمَانَ

اور سنن ہیں جس نے ان سب کو پورا کیا اس نے ایمان کو کامل کر لیا اور جس نے ان کو پورا نہیں کیا۔ اس نے اپنا ایمان کامل

فَإِنْ أَعِشْ فَسَأُبَيِّنُهَا لَكُمْ حَتَّى تَعْمَلُوا بِهَا وَإِنْ أَمُتْ فَمَا أَنَا عَلَى صُحْبَتِكُمْ بِحَرِيصٍ

نہ کیا۔ اگر میں زندہ رہا تو تم سے ان سب کو بیان کروں گا تاکہ تم اس پر عمل کرو اور اگر میں وفات پا گیا تو مجھے تمہارے ساتھ رہنے

کے پہلے مجدد ہیں۔ امام نووی نے فرمایا کہ کثیر علماء نے بھی یہی فرمایا ہے۔ اتنے زبردست عالم تھے کہ مشہور تھا کہ اس وقت کے علماء ان کے تلامذہ ہیں۔ انھوں نے حضرت عبداللہ بن جعفر اور حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے حدیث سنی ہے۔ ان کے عہد میں صحابہ کرام کے وجود سے دنیا خالی ہو چکی تھی جیسا کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایک صدی گزرنے پر آج کا کوئی جاندار زندہ نہ رہے گا۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز سے بخاری میں صرف ایک حدیث مروی ہے۔ رُواۃ میں ایک اور صاحب عمر بن عبدالعزیز بن عمران ہیں۔ جن کی حدیث نسائی نے لی ہے۔

عدی بن عدی بن عُمیر (۴) یہ تابعی ہیں۔ یہ اپنے باپ اور چچا عرس بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کرتے ہیں۔ یہ دونوں صحابی ہیں۔ اور ان سے کثیر تابعین نے روایت کی۔ امام بخاری نے فرمایا یہ اہل جزیرہ کے سردار ہیں۔ یہ حضرت عمر بن عبدالعزیز کی جانب سے جزیرہ اور موصل کے عامل تھے۔ اسی زمانے میں ان کو یہ لکھا تھا۔ ۱۲۰ھ میں ان کی وفات ہوئی۔ صحیحین میں ان کی کوئی روایت نہیں اور نہ ترمذی میں۔ البتہ ابوداؤد اور نسائی و ابن ماجہ میں ہے

لہ ان للایمان فرائض (۵) شراح حدیث نے اپنے وجدان کے مطابق یہ تفسیر کی ہے کہ فرائض سے مراد اس کا معنی فقہی ہے یعنی جو عبادتیں فرض ہیں۔ جیسے نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج، جہاد علم دین کی تحصیل وغیرہ وغیرہ شرائع سے مراد اعتقادات ہیں۔ حدود سے مراد منہیات شرعیہ ہیں اور سنن سے مراد مستحبات ہیں۔ اس سے بھی امام بخاری کی غرض یہی ہے کہ اعمال جزء ایمان ہیں اور یہ گھٹتے بڑھتے ہیں حضرت عمر بن عبدالعزیز کا مذہب یہی تھا۔

جواب یہ ہے کہ انھوں نے اخیر میں فرمایا۔ جس نے ان کو کامل طور پر ادا کیا اس نے ایمان کامل کر لیا۔ تو معلوم ہوا کہ یہ ایمان کامل کے اجزاء ہیں۔

ولہ معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ (۶) انصاری خزرجی۔ فقہاء و عُباد صحابہ میں بہت ممتاز حیثیت رکھتے ہیں۔ ان کی کنیت ابو عبداللہ ہے۔ بہت حسین وجمیل۔ شجاع سخی تھے ۱۸ سال کی عمر میں ایمان لائے۔ عقبہ ثانیہ میں شریک ہوئے۔ سب سے پہلے اجتہاد کی اجازت

لہ ابوالحسین عبدالرحمٰن ابن عمر بن یزید ، رستہ کتاب ایمان میں۔ و مصنف ابن ابی شیبہ

ت (۳) وَقَالَ مُعَاذٌ اِجْلِسْ بِنَا نُؤْمِنْ سَاعَةً ؎ ۔ ت (۴) وَقَالَ ابْنُ مَسْعُوْدٍ

کی آرزو نہیں ۔۔ اور حضرت معاذ ف۶ نے فرمایا ہمارے ساتھ بیٹھو تا کہ تھوڑی دیر ایمان کی باتیں کریں ف۷ ۔ حضرت ابن مسعود

اَلْیَقِیْنُ الْاِیْمَانُ کُلُّہٗ ؎

ف۸ نے فرمایا یقین پورا ایمان ہے ف۹

انھیں کو ملی ۔ جب ان کو یمن کا حاکم بنا کر بھیج رہے تھے ۔ تو ان سے دریافت فرمایا ۔ اے معاذ فیصلہ کیسے کروگے ۔ عرض کیا کتاب اللہ سے ۔ فرمایا اگر اس میں نہ پاؤ تو ، فرمایا رسول اللہ کی سنت سے ۔ فرمایا ۔ اس میں بھی نہ ملے تو ۔ عرض کیا کامل غور وخوض کے بعد اپنی رائے (قیاس) سے ۔ فرمایا ۔ اس اللہ کا شکر ہے جس نے اللہ کے رسول کے فرستادے کو خیر کی توفیق دی ۔

ان سے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بہت محبت فرماتے تھے ۔ کبھی کبھی اپنے ساتھ سواری پر بھی بٹھا لیتے ۔ ان کے بارے میں فرمایا ۔ قرآن چار آدمیوں سے سیکھو "ابن مسعود ، سالم مولیٰ ابوحذیفہ ۔ ابی بن کعب ۔ معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے ۔

اس کے علاوہ یہ ملکی سیاست وجنگی مہمات میں بھی صائب رائے رکھتے تھے ۔ حضرت صدیق اکبر و فاروق اعظم ان سے تمام مشکلات میں مشورہ لیتے ۔ ایک بار حضرت فاروق اعظم نے فرمایا ۔ اگر معاذ نہ ہوتے تو عمر ہلاک ہوجاتا ۔ امین امت حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے وصال کے بعد شام کی پوری افواج کے سپہ سالار اعظم مقرر ہوئے ۔ مگر "عمواس" کے طاعون نے انھیں بھی نہیں چھوڑا ۔ حضرت ابوعبیدہ کے چند ہی دن بعد ۱۷ھ یا ۱۸ھ میں وصال فرمایا ۔ اس وقت عمر مبارک چونتیس سال کی تھی ۔ ان سے ۱۵۷ ۔ احادیث مروی ہیں ۲۰ حدیثیں بخاری ومسلم دونوں میں ہیں ۔ تین صرف بخاری نے ۔ ایک صرف مسلم نے روایت کی ہے ۔

ف۷ اِجْلِسْ بِنَا ۷ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ بلا شبہ مومن تھے اس لئے ان کے اس فرمانے کا مطلب یہ ہے کہ آؤ تھوڑی دیر بیٹھ ایمان کی باتیں کریں ۔ یا یہ مطلب ہے کہ دلائل وآیات میں غور وخوض کرکے ایمان کو اور مضبوط بنائیں ۔ یا یہ مطلب ہے کہ تجدید ایمان کریں جیسا کہ ایک حدیث میں فرمایا ۔

جَدِّدُوْا اِیْمَانَکُمْ ۔ قِیْلَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ کَیْفَ نُجَدِّدُ اِیْمَانَنَا قَالَ اَکْثِرُوْا مِنْ قَوْلِ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ

اپنے ایمان کو تازہ کرتے رہو ۔ عرض کیا گیا یا رسول اللہ کیسے ایمان تازہ کریں فرمایا لا الٰہ الا اللہ پڑھ کر (احمد وطبرانی)

پہلے معنی کی تائید اس تعلیق کی دوسری روایت سے ہوتی ہے جیسے ابن ابی شیبہ نے اسود بن ہلال سے روایت کیا ۔ کہ

قَالَ لِیْ مُعَاذٌ اجلس بنا نؤمن ساعۃ یعنی نذکر اللہ

مجھ سے معاذ نے کہا آؤ کچھ دیر بیٹھ کر مومن ہولیں یعنی اللہ کا ذکر کریں

نیز اسی میں اسود بن ہلال ہی سے ہے کہ حضرت معاذ نے اپنے ساتھیوں میں سے ایک سے فرمایا ۔ اسکے بعد دونوں بیٹھ کر اللہ

؎ مصنف ابن ابی شیبہ ؎۲ رستہ وابونعیم حلیہ میں ۔ بیہقی زہد میں ۔

ت (۵) وَقَالَ ابْنُ عُمَرَ لَا يَبْلُغُ الْعَبْدُ حَقِيْقَةَ التَّقْوٰى حَتّٰى يَدَعَ مَا حَاكَ

اور حضرت ابن عمر نے فرمایا انسان تقویٰ کی حقیقت تک نہیں پہونچ سکتا جبتک اس بات کو نہ چھوڑ دے

فِي الصَّدْرِ

جو دل میں کھٹکے

کا ذکر کرتے اور اس کی حمد کرتے۔

ابن مسعود (۸) ان کا نام عبد اللہ ہے کنیت ابو عبد الرحمٰن ہے یہ سابقین اولین میں سے ہیں۔ ابتداہی میں حضرت عمر سے بھی پہلے ایمان لائے۔ بعض لوگوں نے کہا یہ چھٹے مسلمان ہیں۔ ان کی والدہ ام عبد بھی ایمان سے مشرف ہوئیں۔ بعض احادیث میں انکو ابن ام عبد بھی فرمایا گیا ہے۔ انھوں نے حبشہ بھی ہجرت کی اور مدینے بھی۔ تمام غزوات میں شریک ہوئے۔ خادم خاص، صاحب سر تھے جب حضور نعلین مبارک اتارتے تو یہ انھیں اپنی آستین میں رکھ لیتے۔ اسی لئے ان کو صاحب سر و صاحب نعلین و صاحب سواک اور صاحب وسادہ کہا جاتا ہے ــــ ان کے بارے میں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: میری امت کے لئے ابن ام عبد جو پسند کریں مجھے بھی پسند ہے اور جسے یہ ناپسند کریں میں بھی ناپسند کرتا ہوں۔ بہت دبلے پتلے تھے۔ قد بھی بہت مختصر تھا۔ لمبے آدمی بیٹھے ہوتے اور یہ کھڑے ہوتے تو برابر ہی رہتے ــــ غزوہ بدر میں ابوجہل کا سر انھوں نے ہی تن سے جدا کیا۔ مجتہدین صحابہ کی صف اول میں ہیں۔ فقہ حنفی کی زیادہ تر بنیاد انھیں پر ہے فقہ حنفی ہی کیا، مطلق فقہ کے بارے میں یہ کہا گیا ہے۔ کہ اسے بویا عبد اللہ بن مسعود نے سینچا علقمہ نے اور کاٹا ابراہیم نخعی نے اور اسے گاہا حماد نے اور اسے پیسا ابو حنیفہ نے اور گوندھا ابو یوسف نے اور روٹی پکائی امام محمد نے اور ساری دنیا ان کی روٹی کھاتی ہے۔

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کو کوفے کا قاضی اور بیت المال کا خازن بنایا تھا۔ ابتداء خلافت عثمانی تک اسی منصب پر رہے۔ پھر مدینہ طیبہ واپس آئے وہیں ۳۲ سنہ میں وصال فرمایا۔ وصال کے وقت عمر مبارک ساٹھ سے کچھ اوپر تھی ــــ جنت البقیع میں مدفون ہوئے۔ یہ اس درجے کے صحابی ہیں کہ ان سے چاروں خلفاء راشدین اور کثیر صحابہ نے حدیث روایت کی۔ تابعین انکے علاوہ ہیں۔ عبادلہ اربعہ میں یہ بھی ہیں۔ عبادلہ اربعہ سے مراد چار وہ علم و فضل میں ممتاز صحابہ کرام ہیں جن کے نام عبد اللہ ہیں۔ جمہور کے نزدیک وہ چار حضرات یہ ہیں:۔ عبد اللہ بن عمر، عبد اللہ بن زبیر، عبد اللہ بن عباس، عبد اللہ بن عمرو بن العاص۔ لیکن فقہاء کے نزدیک عبادلہ اربعہ میں، حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاص کے بجائے حضرت عبد اللہ بن مسعود داخل ہیں۔ اسمیں یہ تطبیق ہے کہ پہلی محدثین کی اصطلاح ہے اور دوسری فقہاء کی۔

ان سے ۲۸۰۹ حدیثیں مروی ہیں ۴۷ بخاری اور مسلم نے ۱۲ صرف بخاری نے ۲۵ صرف مسلم نے روایت کی ہیں۔

یہ تعلیق پوری یوں ہے۔

ف۴ اَلصَّبْرُ نِصْفُ الْاِیْمَانِ ○ الصبر نصف الایمان والیقین کلہ۔ صبر آدھا ایمان ہے اور یقین پورا۔ یقین اس علم کو کہتے ہیں جس میں کسی قسم کا تردد وشک کا شائبہ نہ ہو۔ یہی ہم بھی کہتے ہیں کہ ایمان صرف یقین اور تصدیق کا نام ہے

ف۵ ابن عمر ○ یہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے صاحبزادے ہیں نام عبداللہ ہے ام المومنین حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے حقیقی بھائی ہیں۔ ان کی ماں زینب بنت مظعون حضرت عثمان بن مظعون کی بہن تھیں۔ یہ اپنے والد ماجد کے ساتھ مکہ میں بچپنے میں مشرف باسلام ہوئے اپنے والد ہی کے ساتھ ہجرت کی۔ کم سنی کی وجہ سے غزوہ بدر و غزوہ احد میں شریک نہ ہوئے۔ جنگ احد میں شرکت کرنی چاہتے تھے مگر واپس کر دیئے گئے۔ اس کے بعد یہ تمام غزوات میں شریک ہوئے۔ عبادلہ اربعہ میں سے ہیں۔ بہت بڑے عابد وزاہد محتاط متقی تھے۔ حضرت جابر نے فرمایا۔ ہم میں سے ہر ایک کچھ نہ کچھ دنیا کی طرف جھکا سوائے ابن عمر اور عمر کے۔ میمون بن مہران نے کہا۔ میں نے ابن عمر سے زیادہ پرہیزگار کسی کو نہیں دیکھا۔

ہمیشہ حق پر ثابت قدم رہے کلمہ حق کہنے میں کسی کی پرواہ نہ کرتے۔ ان بزرگوں میں سے ایک یہ بھی ہیں جنھوں نے یزید کی بیعت نہیں کی۔ حجاج ایک بار دیر تک خطبہ دیتا رہا۔ اور نماز کا وقت تنگ ہو گیا۔ فرمایا۔ اے حجاج سورج تیرا انتظار نہیں کرے گا۔ عرفات مزدلفہ وغیرہ میں جہاں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے قیام فرمایا تھا۔ حجاج سے آگے بڑھکر قیام فرماتے اس وجہ سے حجاج ان سے چڑھا رہتا۔ حجاج نے ایک شخص کو انھیں شہید کرنے پر مقرر کر دیا۔ اس شخص نے نیزے کی انی زہر میں بجھالی۔ عرفات سے واپسی میں راستے میں بھیڑ کر کے یہ شخص ان سے چپک گیا۔ اور یہ زہر آلود انی ان کے قدم کی پشت میں چبھا دی اس کے صدمے سے چند دن بیمار رہ کر واصل بحق ہوئے۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ذوالحجہ میں وصال ہوا۔

حجاج نے نماز جنازہ پڑھائی مکہ معظمہ کے قریب "فخ" میں یا ذو طوی میں مہاجرین کے قبرستان میں دفن ہوئے۔

نزول وحی سے ایک سال قبل پیدا ہوئے اور حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی شہادت کے چھ ماہ بعد ۷۳ھ میں وصال ہوا۔ ۸۶ سال کی عمر پائی۔

ان سے ۲ ہزار ۶ سو تیس حدیثیں مروی ہیں۔ ایک سو ستر امام بخاری اور مسلم دونوں نے اور اکاسی صرف بخاری نے اور امام مسلم نے اکتیس لیں۔

⑧ حدیث ارکان اسلام

عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی

حضرت ابن عمر سے روایت ہے رسول اللہ صلے اللہ تعالٰے علیہ وسلم نے فرمایا —— اسلام کی بنیاد

عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بُنِیَ الْاِسْلَامُ عَلٰی خَمْسٍ شَھَادَۃِ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاَنَّ

پانچ چیزوں پر ہے وہ اس بات کی گواہی دینی کہ اللہ کے سوا کوئی

مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰہِ وَاِقَامُ الصَّلٰوۃِ وَاِیْتَاءُ الزَّکٰوۃِ وَالْحَجُّ وَصَوْمُ رَمَضَانَ ؏

معبود نہیں اور محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں۔ اور نماز پڑھنا۔ زکوٰۃ دینا۔ حج کرنا۔ اور رمضان کے روزے رکھنا

صحابہ میں ایک بزرگ اور عبداللہ بن عمر حرمی ہیں۔ ان سے وضو کے بارے میں ایک حدیث مروی ہے۔ بعض لوگوں نے ان کے صحابی ہونے میں کلام بھی کیا ہے

ف۵ لا یبلغ العبد الخ ⑪ تقویٰ کے اصل معنی ہیں کسی چیز سے مکمل طور پر بچنا۔ اور شریعت میں شرک، کفر، گناہ سے بچنے کو کہتے ہیں۔ اس کے تین درجے ہیں۔ اول کفر و شرک سے بچنا۔ دوم گناہ سے بچنا۔ تیسرے شبہات سے بچنا۔ ایک چوتھا درجہ صوفیاء کرام کے نزدیک ہے یعنی ماسوی اللہ سے بچنا۔

تقویٰ کے تینوں مدارج کی بنیاد، خشیتِ خداوندی ہے اس لئے تقویٰ کے معنی خشیت خداوندی کے آتا ہے۔ قرآن مجید کی متعدد آیتوں میں تقویٰ اس معنی میں وارد ہے جیسے

اِیَّایَ فَاتَّقُوْنِ ۝ صرف مجھی سے ڈرو۔ یٰاَیُّھَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّکُمْ۔ اے لوگو! اللہ سے ڈرو۔

حاک ⑫ کے معنی کھٹکنے اور تردد کے ہیں۔ یہاں مراد وہ باتیں ہیں جن کے حلال و حرام ہونے میں تردد ہو اس کے مباح ہونے پر ظن غالب نہ ہو۔ اس اثر کا مطلب یہ ہوا کہ بندہ صحیح معنی میں متقی اس وقت تک نہیں ہو سکتا جب تک ایسی باتوں سے بھی نہ بچے جن کی حلت و حرمت مشکوک ہو۔

یہی مضمون مسلم شریف کی ایک حدیث میں یوں مذکور ہے جو نواس بن سمعان رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے پوچھا۔ نیکی اور برائی کیا ہے؟ فرمایا

؏ بخاری تفسیر۔ مسلم ایمان۔ ترمذی ایمان۔ نسائی ایمان۔ مسند امام احمد۔ بیہقی۔

⑨ حدیث شعب الایمان

عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ

حضرت ابوہریرہ وہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا

اَلْبِرُّ حُسْنُ الْخُلُقِ وَالْاِثْمُ مَاحَاكَ فِیْ نَفْسِكَ وَكَرِهْتَ اَنْ يَطَّلِعَ عَلَيْهِ النَّاسُ۔ نیکی، خوش اخلاقی ہے اور برائی ایسا کام کرنا ہے جو تیرے دل میں کھٹکے اور تجھے یہ پسند نہ ہو کہ لوگ اس سے باخبر ہوں۔

اسی کو عطیہ سعدی کی حدیث میں جسے امام احمد نے اپنی مسند میں روایت کیا ہے۔ یوں بیان فرمایا۔

لا یکون الرجل من المتقین حتیٰ یدع مالا باس بہ حذرا لما باس بہ۔ کوئی اس وقت تک متقی نہیں ہوگا جب تک اس کام سے بھی نہ بچے جس میں کوئی حرج نہ ہو اس سے بچنے کیلئے جس میں حرج ہے۔

اور حضرت ابو الدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کو یوں بیان فرمایا:۔

تمام التقویٰ ان تتقی اللہ حتیٰ تترك مایری انہ حلال خشیۃ ان یکون حرامًا۔ پورا تقویٰ یہ ہے کہ تو اللہ سے ڈرے۔ یہاں تک کہ جسے مباح جانتا ہو۔ اُسے بھی نہ کرے اس اندیشے سے کہ کہیں حرام نہ ہو۔

ان سب کا حاصل یہ ہے کہ جن باتوں کی حلت و حرمت کے بارے میں شرع سے واضح نص موجود نہ ہو اور اُنکی حلت و حرمت کے بارے میں دلائل شرعیہ متعارض ہوں۔ اس سے بچا جائے۔ اسی بنا پر فقہ کا یہ قاعدہ مسلّمہ ہے کہ جن چیزوں کے بارے میں علمائے اہلسنّت اختلاف رائے رکھتے ہوں ان سے بچا جائے بشرطیکہ اپنے مذہب کی بنا پر کسی محظور و ممنوع کا ارتکاب نہ لازم آتا ہو۔

تشریحات ⑤

وہ بُنِیَ الاسلام ⑩ صلاۃ کے سولہ معانی ہیں۔ قرآن و حدیث میں زیادہ تر اس کے ۵ معانی آتے ہیں۔ مطلق دُعا۔ نماز۔ طلب رحمت کی دعا (درود) انزال رحمت۔ استغفار۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ جب اس کا فاعل بندہ ہو۔ اور متعلق انبیاء نہ ہوں تو مطلق دعا۔ یا نماز مراد ہوگی۔ اور اگر اسکے متعلق انبیاء ہوں۔ تو طلب رحمت (درود) اور اگر اس کا فاعل اللہ ہو تو مراد انزال رحمت اور جب فرشتے ہو تو استغفار۔ یہاں نماز مراد ہے۔ اقامت صلوٰۃ سے مراد یہ ہے کہ پابندی کے ساتھ صحیح طریقے سے پڑھے۔ زکوٰۃ کے معنی پاکیزگی و پاکی کے بھی ہیں اور اچھی طرح بڑھنے کے بھی۔ یہاں فقہی زکوٰۃ مراد ہے ۔ صیام صوم۔ کے معنی رکنے کے ہیں

یہاں مراد یہ ہے کہ عبادت کی نیت سے صبح صادق سے لیکر غروب آفتاب تک کھانے پینے جماع سے رکا جائے۔
حج کے لغوی معنی قصد وارادے کے ہیں۔ یہاں مراد، حج فقہی ہے۔

بنی الاسلام علی خمس ○ کا مطلب یہ ہے کہ اسلام کی بنیاد پانچ ستونوں پر ہے۔ جیسا کہ عبدالرزاق کی روایت میں تصریح ہے۔ یا یہ مطلب ہے کہ پانچ ارکان پر ہے جیسا کہ مسلم میں ہے:۔

صرف ان پانچ چیزوں پر اسلام کی بنیاد اس لئے قائم ہے کہ عبادت مفروضہ منحصر ہے بدنی اور مالی میں۔ اگر محض مالی ہے۔ تو یہ زکوٰۃ ہے اور بدنی کی دو صورتیں ہیں۔ صرف قولی ہے یا صرف بدنی۔ صرف بدنی روزہ۔ صرف قولی توحید و رسالت کی شہادت۔ یا قولی بدنی دونوں ہے۔ یہ نماز ہے۔ اور مالی بدنی دونوں ہے تو حج ہے۔

اس حدیث میں حج صیام سے پہلے مذکور ہے حالانکہ روزہ ۲ھ میں اور حج ۹ھ میں فرض ہوا۔ نیز روزہ ہر عاقل و بالغ پر فرض ہے اور حج صرف مالداروں پر۔ روزہ ہر سال فرض ہے اور حج عمر میں صرف ایک بار اس کا مقتضی تھا کہ صیام حج پر مقدم ہوتا۔ اور مسلم میں بطریق سعد بن عُبیدہ صیام، حج پر مقدم ہے۔ اس میں یہ بھی ہے کہ ایک شخص نے کہا والحج وصیام رمضان۔ تو حضرت ابن عمر نے فرمایا نہیں۔ صیام رمضان والحج۔ میں نے اس طرح رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے سنا ہے۔ نیز مسلم میں بطریق حنظلہ جو روایت ہے۔ اس میں صیام حج پر مقدم ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں بخاری میں روایت بالمعنی ہے۔ اور واو چونکہ مطلق جمع کے لئے آتا ہے۔ ترتیب نہیں چاہتا اس لئے کوئی حرج نہیں۔ خود کتاب التفسیر میں امام بخاری نے جو حدیث ذکر کی ہے اس میں صیام حج پر مقدم ہے۔

یہاں ایک شبہہ یہ بھی پیدا ہوتا ہے کہ جب یہ پانچوں چیزیں اسلام کی بنیاد ہیں تو لازم آئے گا کہ ان میں سے کسی ایک کا تارک مسلمان نہ رہے۔ یہ اجماع امت کے خلاف ہے۔ اس کا جواب علامہ کرمانی نے یہ دیا۔ کہ یہاں اسلام سے مراد کمال اسلام ہے۔ اور یہ طے ہے کہ ان میں سے کسی ایک کا تارک کامل مومن نہیں۔ جیسے کسی مکان کا کوئی ستون یا کونہ گر جائے تو وہ مکان ناقص ضرور ہوگا۔ مگر مکان رہے گا۔

تشریحات ⑨

۱ ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ① اپنی اس کنیت کے ساتھ اتنے مشہور ہوئے کہ نام گمنام ہوگیا۔ جتنا ان کے نام کے بارے میں اختلافات ہیں کسی کے نام کے بارے میں اتنا اختلاف نہیں۔ علامہ عبدالبر نے فرمایا بیس قول ہیں۔ اور علامہ نووی نے فرمایا کہ تیس سے زیادہ اقوال ہیں۔ ایک روایت ہے کہ ان کا نام جاہلیت میں عبد شمس تھا۔ اور مسلمان ہونے کے بعد

قَالَ اَلْاِیْمَانُ بِضْعٌ وَّسِتُّوْنَ

ایمان کے ساٹھ سے کچھ زائد شعبے

عبد الرحمن رکھا گیا۔ علامہ عینی نے فرمایا سب سے قریب تر یہ قول ہے کہ ان کا نام عبد اللہ یا عبد الرحمن تھا۔ اور باپ کا صخر قبیلہ اَوس کے فرد تھے۔ اپنی کنیت کے بارے میں خود بتایا کہ میں بکریاں چراتا تھا۔ میری ایک چھوٹی بلی تھی۔ اس سے دل بہلاتا تھا۔ تو لوگوں نے ابو ہریرہ کہنا شروع کر دیا۔ اور ایک روایت یہ ہے کہ اس بلی کو آستین میں رکھے رہتے۔ ایکبار حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دیکھ لیا۔ فرمایا۔ اے ابو ہریرہ۔ اب یہی عام وخاص کے زبان زد ہو گیا۔ ھُرَیْرَۃ ھِرَّۃ کی تصغیر ہے ھِرَّہ کے معنی بلی ھُرَیْرَۃٌ کے بلیّا اور ابو ہریرہ کے معنی بلیّا کے باپ۔

ان کی ماں کا نام میمونہ یا امینہ تھا۔ زمانے تک اسلام سے مشرف نہ ہوئیں۔ ابو ہریرہ کی درخواست پر حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دعا فرمائی۔ اور وہ مسلمان ہو گئیں۔

خیبر کے سال ایمان لائے۔ اصحاب صفہ کے نقیب تھے۔ ان کی دیکھ بھال تعلیم وتربیت ان کے سپرد تھی۔ مسلمان ہونے کے بعد ہمیشہ خدمت اقدس میں حاضر رہے۔

تمام غزوات میں ہمرکاب رہے۔ صحابہ کرام میں سب سے زیادہ حدیثیں انھیں سے مروی ہیں۔ اجلہ صحابہ کرام ان سے حدیثیں پوچھتے۔ اور لوگوں کو ان کے پاس بھیجتے۔ خود فرمایا تم لوگ کہتے ہو۔ ابو ہریرہ بہت زیادہ حدیثیں بیان کرتا ہے۔ اللہ کے یہاں جانا ہے۔ میں مسکین تھا کھانے کو مل جاتا اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر رہتا۔ مہاجرین بازاروں میں تجارت میں رہتے انصار اپنے کام میں۔ میں ان موقعوں پر موجود رہتا کہ یہ لوگ نہ ہوتے۔ میں ان باتوں کو یاد رکھتا جو یہ لوگ یاد نہیں رکھتے۔ پہلے ان کا حافظہ اتنا قوی نہ تھا۔ ایک بار خدمت اقدس میں حاضر ہوئے۔ ضُعف حافظہ کی شکایت کی فرمایا۔ اپنی چادر پھیلا۔ انھوں نے چادر پھیلا دی۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دو چلو اس میں ڈالا پھر حکم دیا کہ چادر سینے سے لگالو۔ انھوں نے ایسا ہی کیا۔ فرماتے ہیں۔ پھر میرا حافظہ اتنا قوی ہو گیا کہ اس کے بعد پھر کچھ نہیں بھولا۔ [۱]

یہ بھی فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مجھے علم کا دو برتن عطا فرمایا ہے۔ ایک تو لوگوں میں پھیلاتا ہوں۔ اگر دوسرے کو ظاہر کروں تو یہ ٹیٹھا کاٹ ڈالا جائے۔ [۲]

ان سے پانچ ہزار تین سو چوہتر احادیث مروی ہیں۔ تین سو پانچ امام بخاری وامام مسلم دونوں نے۔ ترانوے صرف بخاری

---

۱ بخاری کتاب العلم ص ۲۲، ۲ ایضاً ص ۲۳۔

شُعْبَةً وَّالْحَيَاءُ شُعْبَةٌ مِّنَ الْاِيْمَانِ ۱؎

شعبے ہیں ۱؎ اور حیا ۲؎ بھی ایمان کا ایک شعبہ ہے

نے اور ایک سو نوے صرف مسلم نے روایت کی ہیں۔

ان سے آٹھ سو حضرات نے روایت کی ہیں جن میں صحابی بھی ہیں اور تابعی بھی۔ اجلہ صحابہ مثلاً حضرت ابن عمر حضرت جابر حضرت انس حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے ان سے حدیث اخذ کیں۔

اللہ کے اس فضل پر یوں شکر ادا کرتے۔ یتیمی میں پلا مسکینی کی حالت میں ہجرت کی۔ بُسرہ بن غزوان کا نوکر بنا۔ انھوں نے میری شادی بھی کر دی۔ اس اللہ کا شکر جس نے دین کو پشت پناہ۔ اور ابوہریرہ کو امام بنا دیا۔ اتنی کثرت کے ساتھ حدیثیں بیان کرنے کے باوجود روزانہ ہزار رکعت نفل پڑھتے۔ ۵۹ھ میں ۸۰ سال کی عمر پاکر مدینہ طیبہ میں وصال فرمایا۔ یہ دعا مانگا کرتے اے اللہ ۶۰ھ اور چھوکروں کی حکومت سے پناہ مانگتا ہوں۔ دعا قبول ہوئی۔ یزید پلید کے تسلط سے سال بھر پہلے واصل بحق ہوئے۔

۱؎ بِضْعٌ ② باکے کسرے اور فتحے کے ساتھ، دونوں لغت ہے۔ اہل لغت کا اس کے بارے میں سخت اختلاف ہے کہ اس کا اطلاق کتنے عدد سے لیکر کتنے تک ہوتا ہے۔ قزاز نے کہا کہ تین سے اوپر نو تک اس کا اطلاق ہوتا ہے۔ ابن سیدہ نے کہا تین کے اوپر دس تک۔ کسی نے کہا ایک سے نو تک۔ کسی نے کہا دو سے دس تک۔ کسی نے کہا چار سے نو تک۔ خلیل نے کہا بِضْعٌ کے معنی سات ہے۔ صحیح وہی ہے جو قزاز نے کہا۔ کہ بِضْع تین کے اوپر نو تک بولا جاتا ہے۔ ترمذی میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے، غلبہ روم والی حدیث میں خود حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا یہ ارشاد منقول ہے۔

یا ابا بکر البضع ما بین الثلث الیٰ تسع اے ابوبکر بِضْع تین اور نو کے مابین کو کہتے ہیں۔

مسلم کی ایک روایت نیز ابو داؤد و ترمذی وغیرہ کی روایت میں بِضْع وَسَبْعُون ہے۔ نیز علامہ عینی نے لکھا کہ بخاری میں بھی ابوذر ہروی کے طریقہ سے یہی ہے۔ امام قاضی عیاض نے فرمایا کہ یہی صواب ہے اس کو حلیمی اور نووی نے ترجیح دی اس لئے کہ یہ ثقہ کی زیادتی ہے۔ اور ثقہ کی زیادتی مقبول ہے۔ اور اقل کی روایت میں کوئی لفظ اس کے مخالف نہیں۔ (عمدۃ القاری)

شُعْبَة ③ کے معنی ٹکڑے اور گروہ کے ہیں۔ اور درخت کی شاخ کو بھی کہتے ہیں۔ یہاں ایمان سے مراد ایمان کامل اور شعبوں سے مراد وہ اعمال ہیں جو ایمان کی علامت ہیں۔ جیسا کہ انھیں، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ایک حدیث میں ہے۔ ایمان کی ستر سے اوپر کچھ شاخیں ہیں۔ ان میں سب سے اعلیٰ، لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ کا پڑھنا۔ اور ادنیٰ تکلیف دہ چیز کا راستے

۱؎ مسلم ایمان۔ نسائی ایمان۔ ابو داؤد و ابن ماجہ۔ سنت۔ ترمذی ایمان

سے ہٹانا۔ ظاہر ہے کہ کلمہ طیبہ کا پڑھنا اور موذی چیزوں کا راستے سے ہٹانا اصل ایمان نہیں، ایمان کی علامت ہے۔

حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کہیں یکجائی طور پر ان تمام شعبوں کو بیان نہیں فرمایا۔ اعلیٰ اور ادنیٰ کو بیان فرمادیا۔ بقیہ کو مبہم رکھا۔ وہ کیا کیا ہیں۔ شراح حدیث نے بڑی جد وجہد کر کے یہ گنتی پوری کی ہے۔ لیکن اسلم طریقہ یہ ہے کہ اس کی کوشش نہ کی جائے تو اچھا ہے۔ اولاً تو حدیث میں تعیین عدد نہیں۔ ستر سے اوپر کتنے شعبے ہیں، مذکور نہیں۔ ثانیاً احتمال ہے کہ یہ مبالغہ کے لئے ہو۔ اس لئے اجمالی طور پر ایمان رکھا جائے کہ ایمان کے ستر سے زائد شعبے ہیں۔ جیسے انبیاء کرام و ملائکہ پر اجمالی ایمان ہے کہ سب برحق ہیں۔ تعداد کتنی ہے، کسے معلوم ؟

اور حق تو یہ ہے کہ پورا دین اور دین کے سارے اصول و فروع سارے فرائض و واجبات، مستحبات کے ہر ہر فرد ایمان کے شعبے ہیں۔

ف الحیاء (۴) حیاء کو اردو میں شرم کہتے ہیں۔ حیاء کے لغوی معنی ہیں عیب لگائے جانے کے اندیشے سے چھپنا شریعت میں حیاء کے معنی۔ انسان کا وہ وصف جو اسے برائی سے بچنے پر ابھارے اور اہل حقوق کے حقوق کی ادائیگی میں کوتاہی سے روکے۔ اسکی قدرے تفصیل ترمذی کی اس حدیث میں ہے :۔

الاستحیاء من اللہ حق الحیاء ان تحفظ الراس وما وعیٰ والبطن وما حوی وتذکر الموت والبلیٰ — اللہ عزوجل سے کما حقہ حیاء کرنے کے معنی یہ ہیں کہ سر اور سر میں جتنے اعضاء ہیں ان کی اور پیٹ کی اور پیٹ جن اعضاء کو گھیرے ہے ان کی برائیوں سے حفاظت کرے اور موت اور مٹی میں ملنے کو یاد کرے۔

یہاں ایک شبہہ یہ ہے کہ حیاء انسان کو کبھی حق کہنے سے امر بالمعروف نہی عن المنکر سے۔ کبھی بعض مسائل شرعیہ کی دریافت سے روک دیتی ہے۔ پھر یہ ایمان کا شعبہ کیسے ہوئی ؟ جواب یہ ہے کہ یہاں حیاء کے شرعی معنی مراد ہیں۔ اور حیاء شرعی کبھی ان چیزوں سے نہیں روکے گی۔ بلکہ اس پر ابھارے گی۔ اس لئے کہ عند الضرورت حق بات نہ کہنا امر بالمعروف و نہی عن المنکر نہ کرنا۔ جو حکم شرعی نہ معلوم ہو ان کو پوچھنا واجب ہے۔ اسے جاننے کی کوشش نہ کرنا شرعاً قبیح و گناہ ہے۔ جو حیاء ان چیزوں سے روکے وہ شرعی حیاء نہیں۔ عرف میں اسے حیاء کہتے ہیں وہ مراد نہیں۔

اسی سے یہ شبہہ بھی دور ہو گیا کہ حیا فطری ہوتی ہے۔ پیدائشی طور پر آدمی میں پائی جاتی ہے۔ پھر یہ ایمان کی شاخ کیسے؟ جواب ظاہر ہے کہ، جب یہاں شرعی حیا مراد ہے اور شرعی حیاء کے حصول میں کچھ کوشش اور کسب کو بھی دخل ضرور ہے۔

۱۰ حدیث من سلم المسلمون

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُمَا عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے

عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اَلْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُوْنَ

فرمایا مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے مسلمان سلامت

ف۱ عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہما۔ سہمی قرشی صحابی ابن صحابی ہیں۔ ان کے والد حضرت عمرو بن العاص فاتح مصر رضی اللہ تعالیٰ عنہ مشہور و معروف صحابی ہیں۔ یہ اپنے باپ سے پہلے ایمان لائے۔ ان کے والد ان سے بارہ یا گیارہ سال بڑے تھے۔ عبادلہ اربعہ میں ان کا بھی نام ہے اور یہ ان چھ صحابہ میں سے ایک ہیں جن سے بہت زیادہ حدیثیں مروی ہیں بہت زیادہ عابد زاہد شب زندہ دار بزرگ تھے۔ راتوں کو خلوت میں روتے روتے پلکیں خراب ہو گئی تھیں۔ غالباً اسی کے اثر سے اخیر عمر میں نابینا ہو گئے تھے اس کے باوجود بہت پائے کے عالم بھی تھے۔ انھیں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حدیثیں لکھنے کی اجازت دیدی تھی۔ اس لئے ان کے پاس تمام صحابہ کرام سے زیادہ احادیث کا خزانہ تھا۔ اگرچہ روایت میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان سے بھی آگے ہیں۔ ان کی لکھی ہوئی حدیثوں کی تعداد سات سو ہے۔ بخاری اور مسلم کے علاوہ حدیث کی کتابوں میں ایک مشہور سند ہے۔ عن عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ۔ یہ آپ ہی کے سلسلے کی ایک سند ہے۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ عبداللہ بن عمرو کے بیٹے محمد اور ان کے بیٹے شعیب اور ان کے بیٹے عمرو ہیں۔ اس سند میں ایک ابہام ہے۔ اگر ابیہ وجدہ دونوں ضمیروں کا مرجع عمرو کو بنایا جائے تو مطلب یہ ہوا۔ عمرو نے اپنے باپ شعیب سے اور شعیب نے عمرو کے دادا یعنی محمد سے روایت کی۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا۔ تو نقص یہ لازم آتا ہے کہ محمد کی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ملاقات نہیں ہوئی۔ اور نہ زمانہ پایا۔ تو حدیث مرسل ہو گئی۔ اور اگر عن ابیہ عن جدہ میں ابیہ کی ضمیر عمرو کی طرف اور جدہ کی ضمیر شعیب کی طرف راجع مانی جائے تو یہ مطلب ہوا۔ کہ عمرو نے اپنے باپ شعیب سے اور شعیب نے اپنے دادا حضرت عبداللہ بن عمرو سے روایت کیا تو حدیث منقطع ہے۔ اس لئے کہ شعیب کی اپنے دادا حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے ملاقات نہیں ہوئی۔ اسی نقص کی وجہ سے امام بخاری اور امام مسلم نے عمرو بن شعیب کی کوئی حدیث صحیحین میں نہیں لی۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ شعیب کی ان کے دادا حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے ملاقات ہوئی ہے۔

عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے سات سو حدیثیں مروی ہیں، سترہ پر شیخین بخاری و مسلم متفق ہیں۔ آٹھ صرف

مِنْ لِّسَانِهٖ وَيَدِهٖ وَالْمُهَاجِرُ مَنْ هَجَرَ مَا نَهَى اللّٰهُ عَنْهُ ؎

رہے اور مہاجر وہ ہے جو ان باتوں کو چھوڑ دے جن سے اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا ہے

بخاری نے اور ہیں مسلم نے تنہا لی ہیں۔ کے یا طائف یا مصر میں بماہ ذوالحجہ، سن ترسٹھ یا پینسٹھ یا سرسٹھ یا بہتر یا تہتر میں، بہتر سال کی عمر پاکر وصال فرمایا۔ صحابہ میں عمرو نام کے اٹھارہ حضرات ہیں

اسلام کے ارکان بیان کرنے کے بعد وہ حدیث ذکر کی جس میں اجمالی طور پر یہ مذکور ہے کہ ایمان کے ستر سے زائد شعبے ہیں۔ اس کے بعد اب ان احادیث کو تحریر کر رہے ہیں جن میں ان شعبوں کا فرداً فرداً تذکرہ ہے۔

المسلم سے مراد ② مسلمان کامل ہے۔ اس لئے کہ سیبویہ نے تصریح کی ہے کہ جب جنس مطلق بولتے ہیں تو اس سے مراد فرد کامل ہوتا ہے جیسے بولتے ہیں الرجل زید۔ مرد تو زید ہے۔ ابن جنی نے کہا کہ عرب کا طریقہ ہے کہ جب کسی کی مدح کرنی چاہتے ہیں تو اسپر اسم جنس کا اطلاق کرتے ہیں جیسے کعبے کو البیت کہتے ہیں اسی طرح ذم بھی۔

یہاں یَدْ (ہاتھ) سے بطور عموم مجاز۔ ظاہری اور باطنی دونوں مراد ہیں۔ باطنی سے مراد، قوت وقبضہ وغلبہ وتصرف ہے۔ زبان اور ہاتھ کی تخصیص اس لئے کی کہ زیادہ ایذائیں انھیں سے دی جاتی ہیں۔ زبان کو مقدم اس لئے کیا کہ زبان کی ایذارسانی بہ نسبت ہاتھ کے زیادہ ہے۔ ہاتھ سے صرف موجودین کو ایذا پہونچائی جاسکتی ہے۔ مگر زبان سے حاضر غائب زندہ مردہ سبھی کو ایذا دی جاسکتی ہے نیز زبان کی ایذا بہ نسبت ہاتھ کے زیادہ اذیت ناک ہوتی ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے، حضرت حسان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا۔ مشرکین کی ہجو کرو۔ یہ انھیں تیر سے زیادہ سخت ہے۔ اسی کو کسی شاعر نے کہا ہے

جراحات السنان لها التيام ولا يلتام ما جرح اللسان

(ترجمہ) نیزے کے زخم اچھے ہو جاتے ہیں (لیکن) زبان کا زخم نہیں اچھا ہوتا

ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ ہاتھ سے لکھ کر کسی غائب کو ایذا پہنچائی جائے۔ مگر زبان کی برابری تحریر کہاں کر سکتی ہے

مہاجر ③ مہاجر کے شرعی معنی، مراد ہیں۔ یعنی وہ جس نے دین بچانے کے لئے اپنا وطن چھوڑا۔ اور ہجر سے اس کا لغوی معنی مراد ہے یعنی چھوڑنا۔ اب یہ خطاب یا تو مہاجرین سے ہے کہ صرف ہجرت پر بھروسہ نہ کر لینا۔ دیگر ماموات ومنہیات سے غافل مت ہو جانا۔ مہاجر کامل وہ ہے جو تمام منہیات شرعیہ سے دور رہے یا جب فتح مکہ کے بعد ہجرت بند کر دی گئی۔ تو ایک فطری بات ہے کہ فتح مکہ کے بعد ایمان لانے والے جب ہجرت کے فضائل سنتے ہوں گے تو ان کے دل میں حسرت پیدا ہوئی ہوگی۔ کاشکہ ہم لوگ بھی فتح مکہ سے پہلے مسلمان ہوئے ہوتے اور ہجرت کر لئے ہوتے۔ ! رحمت عالم نے ان کے زخم پر مرہم رکھتے ہوئے ارشاد فرمایا۔

؎ بخاری رقاق۔ مسلم۔ ابوداؤد۔ نسائی

⑪ حَدِیْثُ اَیُّ الْاِسْلَامِ اَفْضَلُ

عَنْ اَبِیْ مُوْسٰی رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ

حضرت ابوموسیٰ اشعری ف۱ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے

یا یہ کہ اگرچہ مدینہ طیبہ کی جانب وہ مخصوص ہجرت جو عہد نبوی میں تھی اب نہیں مگر زمانے کے انقلاب سے ہجرت قیامت تک جاری رہے گی۔ قیامت تک کے تمام مہاجرین کو ہدایت فرمائی کہ تم نے دین بچانے کے لئے ہجرت کی ہے تو اس کا پاس کرتے رہنا اور تمام منہیات شرعیہ سے بچتے رہنا۔ یا مراد یہ ہے کہ جو مسلمان بھی منہیات شرعیہ سے بچتا رہے گا وہ ایک مہاجر سے کم نہیں

یہ حدیث بھی جوامع الکلم سے ہے ③ یہ حدیث بھی ان جوامع الکلم میں سے ہے جنھیں محدثین نے امّ الاحادیث میں شمار کیا ہے۔ غور کیجئے چند الفاظ ہیں مگر ان میں معانی کے سمندر موجزن ہیں۔ پہلا حصہ بندوں کی تمام حق تلفیوں سے بچنے اور تمام حقوق کی ادائیگی کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔ اور دوسرا حصہ حقوق اللہ کی بجا آوری میں ہر قسم کی کوتاہی پر قدغن لگا رہا ہے۔ اب ذرا سا غور کرنے پر اسکی شرح میں ہر ذی علم دفتر بر دفتر تیار کر سکتا ہے۔ اگر مسلمان ان دونوں حصوں پر عمل پیرا ہو جائیں تو ہمارا سماج امن کا گہوارہ بن جائے۔ اور انسان کا بھی ظاہر و باطن کُندن ہو جائے۔

تشریحات ⑪

ف۱ ابوموسیٰ اشعری ① رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ ان کا نام عبداللہ ہے۔ یمن کے باشندے اور قبیلہ اشعر کے فرد ہیں۔ قبل ہجرت مکے میں حاضر ہو کر ایمان لائے اور حبشہ کی جانب ہجرت کی۔ وہاں سے غزوۂ خیبر کے موقع پر واپس آکر مدینہ طیبہ میں رہائش اختیار کی۔ یہ صحابۂ کرام میں زبردست عالم اور مفتی تھے۔ حکمرانی اور سیاست کا خاص ملکہ تھا۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کو زبید عدن سواحل یمن کا حاکم بنایا تھا۔ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کو بصرہ اور کوفہ کا گورنر بنایا۔ فارس کا مشہور شہر اہواز انھوں نے فتح فرمایا۔ شام کے جہاد میں شریک ہوئے۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے معتمد خاص تھے۔ اخیر عمر میں مکہ کی سکونت اختیار کر لی تھی۔ وہیں ۴۲ھ یا ۴۴ھ یا ۴۹ھ میں یا ۵۲ھ میں تریسٹھ سال کی عمر میں وصال فرمایا۔

ان سے تین سو احادیث مروی ہیں۔ پچاس پر بخاری اور مسلم کا اتفاق ہے۔ تنہا بخاری نے چار اور تنہا مسلم نے پندرہ حدیثیں روایت کی ہیں۔ صحابہ کرام میں حضرت انس اور طارق بن شہاب نے ان سے حدیث لی۔ صحابہ کرام میں ابوموسیٰ نام کے چار حضرات ہیں۔ ایک یہ۔ دوسرے ابوموسیٰ انصاری۔ تیسرے غافقی۔ چوتھے الحکمی۔ رواۃ حدیث میں ابوموسیٰ نام کے بہت ہیں۔ ابوداؤد میں دو

قَالَ. قَالُوْا یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ اَیُّ الْاِسْلَامِ اَفْضَلُ. قَالَ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُوْنَ

صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ کون سا مسلمان افضل ہے۔ فرمایا جس کے ہاتھ اور زبان سے

مِنْ لِسَانِہٖ وَیَدِہٖ

مسلمان سلامت رہے

اور بقیہ نسائی میں ہیں۔

سائل کون تھا (۲) اس حدیث میں قائل کا نام نہیں۔ مگر اسی سند کے ساتھ مسلم میں یہ ہے کہ "قلنا" اور ابن مندہ میں قلتُ ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ یہ سوال کرنے والے ابو موسیٰ اشعری اور ان کے رفقاء تھے۔ سب کی طرف سے انھوں نے سوال کیا۔ جب کسی بات کے پوچھنے پر چند اشخاص راضی ہوں۔ اور ان میں سے کوئی ایک شخص سوال کرے تو یہ سب کا سوال ہوتا ہے۔ اس صورت میں اسکی تعبیر تینوں درست ہے۔ خواہ یوں کہیں میں نے پوچھا۔ خواہ یوں کہیں ہم لوگوں نے پوچھا۔ خواہ یوں کہیں لوگوں نے پوچھا سب صحیح ہے

اَیُّ الْاِسْلَامِ (۳) اَیّ ہمیشہ ایسی چیزوں پر داخل ہوتا ہے جو متعدد ہوں۔ اور اسلام ایک ہی چیز ہے اس میں تعدد نہیں اس لئے شراح نے تاویل کی۔ کہ یہاں مضاف محذوف ہے۔ یعنی اصحاب۔ تقدیر عبارت یوں ہوگی۔ ای اصحاب الاسلام افضل۔ کون مسلمان افضل ہے۔ اس کی تائید مسلم شریف کی حدیث سے ہوتی ہے جس میں " ای الاسلام کے بجائے ای المسلمین ہے۔ یا اعمال محذوف ہے یعنی " ای اعمال الاسلام " ہے۔ اس تقدیر پر یہ جواب علی اسلوب الحکیم ہے۔ سائلین نے پوچھا۔ کہ کونسا اسلام کا عمل افضل۔ جواب دیا وہ مسلمان جس کی زبان اور ہاتھ سے مسلمان سلامت رہے۔ جواب سے یہ اشارہ فرمایا کہ تم کو یہ پوچھنا چاہیئے کون مسلمان افضل ہے۔ جیسا کہ قرآن کریم میں ہے:-

یَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْاَهِلَّةِ قُلْ هِیَ مَوَاقِیْتُ لِلنَّاسِ وَالْحَجِّ۔ لوگوں نے پوچھا یہ تھا کہ چاند کیوں چھوٹا بڑا ہوتا ہے۔ کیوں ڈوبتا نکلتا ہے۔ اس کا سبب کیا ہے۔ جواب یہ دیا گیا۔ کہ اس سے لوگوں کو مہینے کی گنتی معلوم ہوتی ہے اور حج کا وقت۔ مطلب یہ ہوا کہ تمھیں پوچھنا یہ چاہیئے کہ اس سے فائدہ کیا ہے یہ مت پوچھو کیوں ایسا ہوتا ہے۔

تشریحات (۱۲)

ولہ سائل کون ہے (۱) تحقیقی طور پر ان کا نام نہیں معلوم ہو سکا (آئندہ صفحہ)۔ بعض لوگوں نے کہا یہ سائل حضرت ابو ذر غفاری ہیں ابن حبان کی ایک حدیث ہے کہ ہانی بن عروہ شریح کے والد نے اس کے ہم معنی سوال کیا تھا۔ ان کو اسی قسم کا جواب ملا تھا۔

لہ مسلم و نسائی کتاب الایمان۔ ترمذی کتاب الزہد

⑫ حدیث أیُّ الاسلام خیرٌ

عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ عَمْرٍو رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْھُمَا اَنَّ رَجُلًا سَاَلَ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی

حضرت عبد اللہ بن عمرو سے روایت ہے کہ ایک شخص ؎ نے نبی صلی اللہ تعالے علیہ وسلم سے

عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَیُّ الْاِسْلَامِ خَیْرٌ قَالَ تُطْعِمُ الطَّعَامَ وَتَقْرَأُ السَّلَامَ عَلٰی مَنْ عَرَفْتَ وَمَنْ لَمْ تَعْرِفْ

سوال کیا اسلام کا کون سا عمل بہتر ہے ؎ فرمایا کھانا کھلانا ؎ اور ہر مسلمان کو سلام کرنا ؎ خواہ اسے پہچانو یا نہ پہچانو۔

ہو سکتا ہے کہ وہی یہاں بھی مراد ہوں۔ چونکہ روایت بالمعنیٰ جائز ہے اس لئے الفاظ بدل گئے۔

اَیُّ الاسلام خیرٌ ؎ ② یہاں اَیُّ کے بعد اعمال مضاف محذوف ہے۔ اب سوال یہ ہوا کہ اسلام کا کون سا عمل بہتر ہے۔ پہلی حدیث میں افضلُ ہے اور اس میں خیرٌ ہے۔ یہ دونوں ہی اسم تفضیل ہیں۔ مگر افضل کا مادہ فضل ہے جو قلت کا مقابل ہے۔ اس لئے افضل سے مراد کثرت ثواب ہے اور خیر کا مادہ خَیر ہے جو نفع کے معنی میں شرٌّ کا مقابل ہے۔ اب پہلی حدیث کا مطلب یہ ہوا۔ کون سا مسلمان زیادہ ثواب والا ہے۔ اور اس حدیث کے سوال کا مطلب ہوا اسلام کے کس عمل میں زیادہ نفع ہے۔

کھانا کھلانا ؎ ③ تطعم دو مفعول چاہتا ہے۔ مفعول اول کا حذف عموم کے لئے ہے۔ یعنی سب مخلوق کو کھانا کھلاؤ۔ خواہ وہ مالدار ہو خواہ وہ غریب ہو خواہ وہ شناسا ہو خواہ غیر شناسا۔ انسان ہو یا حیوان سب کو کھلاؤ۔

سلام کرنا ؎ ④ عادت یہ ہے کہ انسان عموماً انھیں کو سلام کرتا ہے جنھیں پہچانتا ہے۔ لوگ اجنبی کو سلام نہیں کرتے۔ اس پر تنبیہ فرمائی کہ ہر مسلمان کو سلام کرو خواہ اسے پہچانتے ہو خواہ نہ پہچانتے ہو۔

کسے سلام کرنا چاہئے البتہ غیر مسلم کو سلام کرنا جائز نہیں۔ حدیث میں ہے

ولا تبدأوا الیھود والنصاریٰ بالسلام — یہود و نصاریٰ کو سلام نہ کرو۔

یہود و نصاریٰ کے حکم میں تمام غیر مسلم ہیں۔ اور وہ مذہب جنکی بدمذہبی حد کفر تک پہونچی ہو مثلاً قادیانی رافضی وہابی دیوبندی غیر مقلد مودودی نیچری وغیرہ۔ اسی طرح ان بدمذہبوں کو بھی سلام کرنا جائز نہیں جو گمراہ ہیں۔ اگرچہ ان کی گمراہی حد کفر تک نہ پہونچی ہو جیسے تفضیلی۔ حدیث میں ہے۔

لا تجالسوا اھل القدر ولا تفاتحوھم — تقدیر کے منکرین کے ساتھ نہ بیٹھو اور نہ انھیں سلام کرو (ابوداؤد)

؎ بخاری، استیذان، مسلم ایمان، ابوداؤد ادب، ابن ماجہ اطعمہ، مسند امام احمد بن حنبل،

بلکہ بد مذہبوں کے سلام کا جواب بھی دینا جائز نہیں۔ ترمذی ابوداؤد ابن ماجہ نافع سے راوی کہ ایک شخص حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی خدمت میں آیا اور عرض کیا فلاں آپ کو سلام کہتا ہے۔ فرمایا۔ میں نے سنا ہے وہ بد مذہب قدریہ ہوگیا ہے۔ اگر یہ صحیح ہے تو میرا سلام اس سے مت کہنا۔ اس کے تحت مرقات میں ہے

فانہ ببدعتہ لا یستحق جواب السلام وان کان من اھل الاسلام	بد مذہبی کی وجہ سے وہ سلام کے جواب کا مستحق نہ رہا اگرچہ اہل اسلام میں سے ہے۔

اسی طرح فاسق معلن کو بھی سلام کرنا منع ہے۔ درمختار میں ہے۔

یکرہ السلام علی الفاسق لو معلناً	فاسق معلن کو سلام کرنا مکروہ ہے۔

غیر اسلامی سلام آپس میں یا غیروں کو وہ سلام ہرگز نہ کرے جو غیر اسلامی ہو۔ رام رام [illegible] نستے۔ اس لئے کہ یہ مذہبی شعار ہے۔ کوئی اگر کسی کو کہے السلام علیکم تو ہر شخص جان جاتا ہے کہ یہ مسلمان ہے۔ او [illegible] ن جے رام جی کی نمستے کہے تو سب کو معلوم ہو جاتا ہے کہ یہ ہندو ہے۔

اسی طرح گڈ مارننگ، گڈ نائٹ وغیرہ نہ کہے۔ حدیث میں ہے۔

لیس منا من تشبہ بغیرنا لا تشبھوا بالیھود ولا بالنصاریٰ فان تسلیم الیھود الاشارۃ بالید وتسلیم النصاریٰ الاشارۃ بالکف	ہم میں سے وہ نہیں جو غیروں کا شعار اختیار کرے۔ یہود و نصاریٰ کا شعار نہ اختیار کرو۔ یہود کا سلام ہاتھ سے اشارہ اور نصاریٰ کا سلام ہتھیلی سے اشارہ کرنا

یعنی یہود و نصاریٰ کچھ بولتے نہیں۔ صرف ہاتھ اور ہتھیلی سے اشارہ کر دیتے ہیں۔ مسلمانوں میں بھی یہ عادت ہوگئی ہے کہ سلام کے وقت اشارہ کرتے ہیں۔ اگرچہ زبان سے بھی کہتے ہیں۔ مگر السلام علیکم ہی کہنا کافی ہے۔ ہاتھ سے اشارہ نہ کرے

کون عمل افضل ہے (۵) پہلی حدیث میں مسلمان کو زبان اور ہاتھ سے محفوظ رکھنے اور منہیات کے ترک کو افضل الاسلام فرمایا۔ اس حدیث میں کھانا کھلانے اور سلام کرنے کو خیر الاسلام فرمایا۔ اس سے ظاہر کہ نہ اُس حدیث میں حصر مقصود ہے نہ اس حدیث میں۔ بلکہ سائلین اور وقت کے لحاظ سے جس کی ضرورت زائد تھی اس کو بیان فرمایا۔ جب پہلی حدیث کے سائلین یا حاضرین میں ان دو باتوں کی ضرورت تھی تو اسے بیان فرمایا۔ اور اس حدیث کے سائلین یا حاضرین میں یہ کمی دیکھی تو انھیں بیان فرمایا۔ اس میں ایک دقیق اشارہ اس بات کی جانب ہے۔ کہ اگرچہ بعض اعمال بعض سے فی نفسہ افضل ہیں۔ مگر کبھی خاص وجہ سے کوئی خاص عمل افضل اور بہتر ہو جاتا ہے۔ اسی سے ان تمام احادیث میں تطبیق ہوگئی کہ کسی میں جہاد کو افضل الاعمال بتایا کسی میں کلمہ طیبہ کے پڑھنے کو وغیرہ وغیرہ۔

(۱۳) حدیث حُبّ مؤمن

عَنْ اَنَسٍ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے

مثلاً کسی عالم سے پوچھئے کہ کس صدقہ نافلہ میں زیادہ ثواب ہے تو یہ جواب دے گا کہ دینی مدرّس کی امداد۔ لیکن اسی عالم سے پوچھئے کہ کسی کے پاس پانچ روپے ہیں اس کا کوئی پڑوسی بھوکوں مرر ہاہے تو اب کس میں ثواب زیادہ ہے تو یہی عالم جواب دے گا کہ اس بھوکے مسلمان پڑوسی کی جان بچانے میں۔

حدیث زیر بحث کے بارے میں ایک اندازہ یہ ہے کہ مدینہ طیبہ میں تشریف لاتے ہی فرمایا تھا۔ جیسا کہ حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے جب سُنا کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تشریف لا چکے ہیں تو میں حاضر ہوا۔ میں نے جب بغور روئے انور دیکھا تو کہہ اٹھا کہ یہ جھوٹے کا چہرہ نہیں۔ پہلا ارشاد جو سنا۔ یہ تھا۔

اَیُّھَا النَّاس اَفْشُوا السَّلَامَ وَاَطْعِمُوا الطَّعَامَ وَصَلُّوْا بِاللَّیْلِ وَالنَّاسُ نِیَامٌ تَدْخُلُوا الْجَنَّۃَ بِسَلَامٍ

اے لوگو! سلام پھیلاؤ۔ کھانا کھلاؤ۔ رات میں جب لوگ سورہے ہوں نماز پڑھو سلامتی کے ساتھ جنت میں چلے جاؤ

ظاہر ہے کہ ایسے وقت جب مکہ سے لٹے پٹے خانماں برباد مہاجرین مدینہ طیبہ آرہے ہیں۔ ان کی کوئی یہاں سناشائی نہیں۔ اجنبی ہیں۔ اس کی ضرورت تھی کہ ان کو اپنایا جائے ان کو بھوکا نہ رہنے دیا جائے۔ خود جنگ بُعاث کی وجہ سے انصار میں کافی تناؤ تھا۔ اس وقت افشاء سلام، اطعام طعام کی حاجت شدید تھی۔ لوگ نماز کے عادی نہ تھے وہ بھی تہجد سے اس وقت واقف بھی نہ ہوں گے۔ انھیں رجوع الی اللہ کے لئے نماز کی کتنی شدید ضرورت تھی اس لئے ان تین چیزوں کو اس موقع پر خصوصیت سے بیان فرمایا

پھر سلام وطعام ایسی چیزیں ہیں کہ ان کی افادیت سے کسی عاقل کو انکار ہو ہی نہیں سکتا۔ یہ دونوں چیزیں آپس میں محبت یگانگت پیدا کرنے کے لئے مجرب تیر بہدف عمل ہیں۔

تشریحات (۱۳)

(۱) انس بن مالک انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نجّاری خزرجی رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ ان کی والدہ مشہور صحابیہ ام سلیم رضی اللہ تعالیٰ عنہا ہیں یہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے خادم خاص ہیں۔ دس سال تک خدمت اقدس میں حاضر رہے۔ جب حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مدینہ طیبہ تشریف لائے تو حضرت انس دس سال کے تھے۔ ان کی والدہ نے خدمت میں لاکر پیش کر دیا۔ پھر وصال کے

قَالَ لَا یُؤْمِنُ اَحَدُکُمْ حَتّٰی یُحِبَّ لِاَخِیْہِ مَا یُحِبُّ لِنَفْسِہٖ[1]

تم میں سے کوئی مومن نہیں[2] جب تک کہ اپنے مسلمان بھائی کے لئے وہی نہ پسند کرے جو اپنے لئے پسند کرتا ہے

بعد ہی ساتھ چھوڑا۔ غزوۂ بدر جیسے خطرناک موقع پر بھی ساتھ ساتھ تھے مگر لڑنے کے لائق نہ تھے۔ کسی نے ان سے پوچھا۔ غزوۂ بدر میں شریک تھے۔ فرمایا۔ میں کہاں رہتا ساتھ ہی تھا۔ خدمت کرتا تھا۔

حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کی کنیت ابو حمزہ رکھی۔ حمزہ ایک ساگ ہے جسے فارسی میں ترہ تیزک اور اردو میں چنسر کہتے ہیں۔ عربی میں اس کا دوسرا نام جرجیر ہے۔ جو انھیں مرغوب تھا یہ چن چن کر لایا کرتے۔ ایک دفعہ ذوالاذنین کہہ کے اذان۔ ایک بار کنواں کھدوایا پانی کھاری تھا۔ خدمت اقدس میں عرض کیا۔ سرکار تشریف لے گئے۔ اس کنوئیں میں لعاب دہن ڈالا اس کنوئیں کا پانی مدینے کے تمام کنوؤں سے زیادہ میٹھا ہو گیا۔ ان سے بے پناہ محبت فرماتے۔ احادیث میں بڑے دلچسپ قصے مذکور ہیں ایک دفعہ ام سلیم حاضر ہوئیں۔ عرض کیا یا رسول اللہ! یہ انس آپ کا خادم ہے اس کے لئے دعا فرمائیں۔ یہ دعا کی۔ اے اللہ! اس کے مال اس کی اولاد میں برکت دے۔ اس کی عمر دراز فرما۔ اسے بخش دے۔ اس دعا کی برکت یہ ہوئی کہ فرماتے ہیں میں نے اپنی صلبی اولاد دو کم دو سو کو اپنے ہاتھ سے دفن کیا ہے۔ صرف ان کی اسّی بلکہ اس سے بھی زائد اولاد ہوئی جن میں دو بیٹیاں بقیہ سب بیٹے۔ ان کا باغ ہر سال دو بار پھل دیتا۔ ایک پھول کا درخت تھا جس سے مشک کی خوشبو آتی تھی۔ سو سال سے زائد عمر پائی۔ خود فرماتے ہیں کہ زندگی سے اکتا گیا ہوں۔

حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ آٹھ غزوات میں جنگ کی۔ وصال کے بعد زمانے تک جہاد کرتے رہے۔ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد میں بصرہ آئے تاکہ یہاں کے لوگوں کو دین کی تعلیم دیں۔ بصرہ کے ساکن صحابہ کرام میں سب کے بعد ان کا وصال ہوا محمد بن سیرین نے غسل دیا ۹۳ھ میں واصل بحق ہوئے۔ بصرہ کے قریب اپنے محل میں جو طف میں تھا دفن ہوئے۔

حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا موئے مبارک پاس تھا وصیت فرما گئے تھے کہ اسے میری زبان کے نیچے رکھ دینا۔ ایسا ہی کیا گیا۔

ان سے دو ہزار دو سو چھیاسی حدیثیں مروی۔ ایک سو اڑسٹھ متفق علیہ ہیں اور تراسی افراد بخاری سے اور اکانوے افراد مسلم سے ہیں۔ اس پائے کے صحابی ہیں کہ حضرت ابو ہریرہ جیسے کنز الاحادیث نے بھی ان سے حدیث اخذ کی ہے۔

مومن کامل (۲) اس حدیث میں ایمان سے مراد ایمان کامل ہے۔ محبت کسی کی طرف دل کے میلان کو کہتے ہیں۔ یہاں محبت سے مراد پسندیدگی ہے مراد یہ ہے کہ کامل مومن وہی ہے جو اپنے مسلمان بھائی کے لئے وہی پسند کرے جو اپنے لئے پسند کرتا ہے۔

[1] مسلم ایمان، ابن ماجہ مقدمہ، دارمی رقاق، نسائی ایمان، ترمذی، مسند امام احمد۔

(۱۴) حدیث حُبّ رسول

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ

حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا اس ذات کی قسم جس کے

قَالَ وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِهٖ

قبضۂ قدرت میں میری جان ہے

اس کو لازم ہے کہ جو بات اپنے لئے ناگوار جانے وہ دوسروں کے لئے بھی ناپسند کرے۔ یعنی آدمی یہ چاہتا ہے کہ ہم آرام، اعزاز کے ساتھ خوش وخرم رہیں۔ کوئی ہماری توہین وتذلیل نہ کرے کوئی ہمیں ایذا نہ پہنچائے۔ کوئی ہمارا حق غصب نہ کرے اسی طرح یہ بھی چاہے کہ میرا بھائی اعزاز واکرام کے ساتھ خوش وخرم رہے۔ نہ اس کی توہین وتذلیل ہو نہ اس کا حق غصب کیا جائے اس سے بطور لزوم یہ بھی سمجھ میں آیا کہ ہر شخص اگر اس کا عادی ہو جائے تو معاشرہ صاف ستھرا رہے گا اور زندگی چین و اطمینان سے گذرے گی۔ ظاہر ہے کہ لڑائی جھگڑا کی بنیاد یہی ہوتی ہے کہ انسان تنگدلی سے یہ چاہنے لگتا ہے کہ سب کچھ ہمیں میسر ہو دوسرے محروم رہیں۔ اس حدیث میں تواضع مروّت، امداد باہمی ایک دوسرے کے کام آنے اور دوسرے کے ساتھ اچھا سلوک کرنے کی بلیغ ترین ترغیب ہے۔ حسد کینہ عداوت، بغض ایذا رسانی حق تلفی تفوق ترفع تحقیر وتذلیل سے دور رہنے کی انتہائی دلنشین پیرائے میں تلقین ہے۔ اسی لئے علماء نے اس حدیث کو بھی جوامع الکلم اور ام الاحادیث میں سے شمار فرمایا ہے۔

تشریحات (۱۴) و (۱۵)

قسم کا فائدہ اور متشابہات کا حکم (۱) یہ قسم صرف بعد میں مذکور شئی کی اہمیت بتانے کے لئے ہے۔ اللہ عزوجل پر "ید" کا اطلاق متشابہات سے ہے۔ متشابہات میں تین مذہب ہیں۔ اس کی کوئی تاویل نہ کی جائے۔ یہ مذہب اسلم ہے۔ تاویل کی جائے مگر ایسی جو محکمات کے معارض نہ ہو۔ مطابق ہو۔ یہ مذہب سالم ہے۔ اور متاخرین کا یہی طریقہ ہے۔ ایسی تاویل کی جائے جو محکمات کے معارض ہو یہ زائغین کا مذہب ہے جیسا کہ مجسمہ کرتے ہیں۔ یہ حرام وگناہ بلکہ بعض صورتوں میں کفر ہے۔ اس اختلاف مذاہب کی بنیاد یہ آیہ کریمہ ہے:۔

اَمَّا الَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِهِمْ زَیْغٌ فَیَتَّبِعُوْنَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ — جن کے دلوں میں کجی ہے وہ متشابہات کے پیچھے پڑتے ہیں گمراہی

لَا یُؤْمِنُ اَحَدُکُمْ حَتّٰی اَکُوْنَ اَحَبَّ اِلَیْہِ مِنْ وَّالِدِہٖ وَ وَلَدِہٖ ۔

تم میں سے کوئی مومن نہیں جب تک میں اس کے نزدیک باپ اور اولاد سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں ۔

۱۵ حدیث حُبّ رسول

عَنْ اَنَسٍ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ

انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا

وَسَلَّمَ لَا یُؤْمِنُ اَحَدُکُمْ حَتّٰی اَکُوْنَ اَحَبَّ اِلَیْہِ مِنْ وَّالِدِہٖ وَوَلَدِہٖ وَالنَّاسِ اَجْمَعِیْنَ

تم میں سے کوئی مومن نہیں جب تک کہ میں اس کے نزدیک اسکے باپ اور اسکی اولاد اور سب لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں

اِبْتِغَاءَ الْفِتْنَۃِ وَابْتِغَاءَ تَاْوِیْلِہٖ وَمَا یَعْلَمُ تَاْوِیْلَہٗ اِلَّا — اور تاویل ڈھونڈنے کے لئے۔ اور ان کا صحیح معنی اللہ ہی جانتا ہے

اللّٰہُ وَالرّٰسِخُوْنَ فِی الْعِلْمِ یَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِہٖ کُلٌّ مِّنْ — اور پختہ علم والے کہتے ہیں کہ ہم اس پر ایمان لائے۔ سب ہمارے

عِنْدِ رَبِّنَا (آل عمران پ ۳) — رب کے پاس سے ہے۔

اس آیت میں اگر "اِلَّا اللّٰہ" پر وقف کیا جائے تو معنیٰ یہ ہوں گے کہ متشابہات کے معنی سوائے اللہ کے کوئی نہیں جانتا۔ اور اگر "اللّٰہ" کو معطوف علیہ اور "الراسخون فی العلم" کو معطوف مانا جائے تو آیت کے معنیٰ یہ ہوں گے کہ متشابہات کے معنی اللہ اور پختہ علم والے جانتے ہیں۔ اب اس سے مستفاد ہوا کہ پختہ علم والے بھی متشابہات کے معنی جانتے ہیں۔ یہی مذہب سالم ہے۔ اور پہلے والا اسلم ہے۔

متشابہات کے معنی حضور جانتے ہیں ۲ اس سلسلے میں ایک بحث یہاں یہ پیدا ہوتی ہے کہ متشابہات کے معنی حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جانتے ہیں یا نہیں۔ صحیح یہی ہے کہ جانتے ہیں۔ ورنہ خطاب لغو ہوجائے گا۔ لازم آئے گا کہ اللہ عز وجل نے رسول سے خطاب ایسا کیا جو رسول سمجھ نہ پائے۔ اب پہلی تفسیر کی بنا پر حصر اضافی ہوگا۔ یعنی حصر امتی کے اعتبار سے ہے۔ یا حصر حقیقی ہے اور مراد علم ذاتی ہے رہ گیا علم عطائی وہ بعطاء الٰہی دوسروں کو بھی حاصل ہوسکتا ہے۔ اب مذہب اسلم و سالم کی تقسیم وقوع کے اعتبار سے ہوگی۔

مذہب سالم پر یہاں "ید" سے مراد قدرت و اختیار ہے۔ ید بمعنی قدرت و اختیار عرب میں شائع و ذائع ہے۔ جیسے ہاتھ ہمارے عرف میں عام طور پر بولتے ہیں یہ بات ہمارے ہاتھ میں ہے۔ یعنی اختیار میں ہے۔ اب اس جملے کا مطلب یہ ہوا کہ قسم ہے

علہ علہ یہ دونوں حدیثیں مسلم اور نسائی ایمان میں بھی ہیں۔

اس ذات کی جس کے اختیار میں میری جان ہے۔

محبت کے اسباب و اغراض (۳) احب، محبۃ سے اسم تفضیل ہے۔ محبت کسی کی جانب دل کے میلان، جھکاؤ کو کہتے ہیں شراح حدیث نے فرمایا۔ محبت کی دو قسمیں ہیں۔ طبعی اور جبلی جس میں آدمی کو اختیار نہیں ہوتا۔ وہ مراد نہیں اس لئے کہ محبت کو ایمان فرمایا۔ اور ایمان اختیاری شئی ہے۔ دوسرے عقلی کہ انسان اسے اپنی عقل کے تقاضا سے اختیار کرتا ہے۔ اس حدیث میں یہی مراد ہے۔ حب عقلی کے اسباب تین ہیں۔ حسن وجمال۔ جود ونوال۔ فضل وکمال۔ یہ تینوں اسباب حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذات اقدس میں اتنے اعلیٰ درجۂ کمال پر موجود ہیں کہ کسی مخلوق میں اس درجے تو کیا؟ اس کا عشر عشیر بھی پایا جانا محال ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنے ہر وصف میں بھی ممتنع النظیر ہیں۔ اس معنی کر کہ آنحضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے کسی وصف میں کسی مخلوق کی تمامہ شرکت محال ہے۔ علامہ بوصیری نے فرمایا۔

منزہ عن شریک فی محاسنہ فجوھر الحسن فیہ غیر منقسم

حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنی خوبیوں میں شریک سے منزہ ہیں۔ حضور میں جو جوہر حسن ہے وہ غیر منقسم ہے۔ حتی کہ حضرت شیخ عبد الحق محدث دہلوی نے فرمایا۔ آنحضرت مرأت جمال وکمال اوستﷺ، آنحضرت، اللہ عز وجل کے جمال وکمال کا آئینہ ہیں تو جب کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تمام اسباب محبت کے جامع اتم ہیں اس طرح کہ دوسرا اس میں آپ کا شریک نہیں۔ تو عقلاً یہ لازم ہوا کہ آنحضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی محبت دنیا کی تمام چیزوں سے زیادہ ہو۔ اور آپ تمام جہان سے زیادہ محبوب ہوں شراح عام طور پر یہاں "لا یومن" سے ایمان کامل مراد لیتے ہیں۔ اور توجیہ میں یہ کہتے ہیں۔ کہ اصل ایمان حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو سارے جہاں سے افضل واجل ماننا ہے۔ رہ گئی محبت تو یہ ممکن ہے کہ کسی کی عظمت دل میں بہت زیادہ ہو۔ اور محبت کم ہو۔ جیسے ایک باپ کے دل میں بیٹے کی محبت استاذ سے زیادہ ہوسکتی ہے۔ اور استاذ کی عظمت بیٹے سے زیادہ۔ لیکن یہ توجیہ اصل میں محبت کی دونوں قسموں میں فرق سے ذہول کی وجہ سے ہے۔ ورنہ جب محبت سے مراد عقلی واختیاری مراد لیں تو پھر ماننا پڑے گا کہ اصل ایمان ہی یہ ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو سارے جہاں سے زیادہ محبوب مانیں۔ اس لئے، اس حدیث میں "لا یومن" میں ایمان کامل کی تخصیص بلا مخصص ہے۔ اور مراد مطلق ایمان ہے۔ اور وہ جو محبت وعظمت کا فرق ہے۔ وہ محبت طبعی اور عظمت کے مابین ہے۔ محبت عقلی اور اعتقاد عظمت میں تلازم حقیقی ہے۔

اور وہ جو حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث میں آیا ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان سے دریافت

ﷺ اشعۃ اللمعات ج ۱ ص ۴۲،

(۱۶) حدیث حلاوت ایمان

عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا جس میں تین چیزیں

ثَلَاثٌ مَنْ كُنَّ فِيهِ وَجَدَ حَلَاوَةَ الْإِيمَانِ. أَنْ يَكُونَ اللّٰهُ وَرَسُولُهُ أَحَبَّ

ہوں وہ ایمان کی چاشنی پائے گا وہ جس کو اللہ اور رسول ساری دنیا سے زیادہ پیارے ہوں

إِلَيْهِ مِمَّا سِوَاهُمَا وَأَنْ يُحِبَّ الْمَرْءَ لَا يُحِبُّهُ إِلَّا لِلّٰهِ وَأَنْ يَكْرَهَ أَنْ يَعُودَ فِي الْكُفْرِ كَمَا

اور کسی سے محبت کرے تو صرف اللہ ہی کے لئے کرے۔ جو مسلمان ہونے کے بعد

يَكْرَهُ أَنْ يُقْذَفَ فِي النَّارِ

کفر میں لوٹنے کو ایسا ناپسند کرے جیسے آگ میں ڈالے جانیکو

فرمایا۔ اے عمر! تمہارا کیا حال ہے۔ صرف مجھ سے محبت رکھتے ہو یا اور کسی چیز سے؟ عرض کیا۔ حضور سے بھی محبت رکھتا ہوں اور مال و اولاد سے بھی۔ آنحضرت نے حضرت عمر کے سینے پر دست مبارک مارا۔ اور پوچھا اب کیا حال ہے؟ عرض کیا۔ مال اولاد کی محبت ساقط ہوگئی مگر اپنی محبت باقی ہے۔ پھر دوبارہ دست اقدس ان کے سینے پر مارا۔ پوچھا اب؟ عرض کیا یا رسول اللہ سب کی محبت نکل گئی۔ صرف آپ کی محبت باقی ہے۔ فرمایا اب تمہارا ایمان تام ہوا۔ اس میں محبت سے مراد، محبت طبعی ہے۔ کہ وہ ابتداءً حضرت عمر کے دل میں تھی مگر حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنی شفقت بے غایت سے توجہ فرما کر اپنے ماسوا سب کی محبت ان کے دل سے نکال دی۔ اور ان کو اپنی ذات میں فانی اور اپنی ذات کے ساتھ باقی بنا دیا۔ محبت طبعی بھی ماسوا رسول کی، ان کے دل سے نکال دی۔

خلاصہ یہ ہوا کہ اگر اس حدیث میں محبت سے مطلق محبت مراد لیا جائے۔ تو، ضرور ایمان سے ایمان کامل مراد لینا ضروری ہوگا۔

مگر اس پر یہ اعتراض پڑے گا کہ محبت طبعی اختیاری نہیں اور ایمان اختیاری ہے۔ اس کے جواب میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ مراد یہ ہے کہ مومن حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذات وصفات ان کے انعام و احسان کو مسلسل یاد کر کے کوشش کرے کہ اس کے دل میں غیر رسول کی محبت طبعی بھی رسول سے زیادہ نہ رہنے پائے۔ یہ کمال ایمان ہے۔

اور اگر اس حدیث میں محبت سے حب عقلی و اختیاری مراد لی جائے تو، لا یومن، سے مطلق ایمان مراد ہونا ظاہر ہے۔

تشریحات (۱۶)

حلاوت ایمان (۱) امام نووی نے فرمایا کہ حلاوت سے مراد یہاں استلذاذ ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جس میں یہ تین باتیں ہوں گی وہ ایمان

(۱۷) حدیث حب انصار

عَنْ اَنَسٍ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ آیَۃُ

حضرت انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا انصار

اَلْاِیْمَانِ حُبُّ الْاَنْصَارِ

کی محبت ایمان کی علامت ہے

کے مقتضیات پر لذت پائے گا۔ یعنی عبادت و طاعت کرنے میں اور اس سلسلے میں مشقت اٹھانے میں اسے لذت ملیگی۔
اس تشبیہ میں اشارہ ہے کہ جیسے شہد ایک میٹھی اور لذیذ چیز ہے۔ لیکن صفراوی مریض کو کڑوی معلوم ہوتی ہے۔
اسی طرح ایمان کا حال ہے۔ جو کفر و ضلالت کے بیمار نہیں ان کے لئے لذیذ اور میٹھی شئے ہے اور جو گمراہی کے مریض ہیں ان کے نزدیک ناگوار و ناپسندیدہ ہے۔

یہ اہم الاحادیث میں سے ہے (۲) امام نووی نے فرمایا کہ یہ حدیث اسلام کے اصول میں اصل عظیم ہے۔ اس لئے کہ جمیع ماسوی سے زیادہ اللہ اور رسول کی محبت اور اللہ ہی کے لئے محبت اور اللہ ہی کے لئے بغض۔ اور کفر کی طرف واپس ہونے سے خوف اسی کو ہوگا جس کا ایمان قوی سے قوی تر ہوگا۔

جب کسی کا ایمان پختہ ہوگا تو اس کو اس بات پر یقین کامل ہوگا کہ ہمیں جو کچھ ملا ہے یا ملتا ہے یا ملے گا سب کا دینے والا اللہ ہی ہے اور سب کچھ رسول کے واسطے ہی سے ملا ہے اور ملے گا۔ رسول ہی وہ واسطہ عظمٰی ہیں جنھوں نے اللہ کی معرفت کرائی۔ انھیں کے ذریعہ ہمیں اسلام جیسا سچا دین ملا۔ تو لامحالہ اس کے دل میں اللہ عزوجل اور اس کے رسول صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی محبت سب سے زیادہ پیدا ہوگی اور جب اللہ اور رسول کی اس درجہ اعلٰی محبت پیدا ہو جائے گی۔ تو لامحالہ اگر کسی سے محبت کرے گا تو اللہ ہی کے لئے کرے گا یعنی اسلئے کریگا کہ اس کے ساتھ محبت کرنے سے اللہ راضی ہوگا۔ اس لئے کہ یہ اللہ کا محبوب و مقبول بندہ ہے۔ اور جب اللہ اور رسول کی محبت رگ و پے میں رچ بس جائے گی تو اس کا یہ لازمی اثر ہوگا کہ کفر سے نفرت پیدا ہو جائے گی۔ اس سے ظاہر ہو گیا کہ ایمان اور ان تینوں چیزوں میں تلازم ہے۔ جب ایمان پایا جائے گا تو یہ تینوں باتیں بھی پائی جائیں گی۔ اور جب یہ تینوں باتیں پائی جائیں گی تو ایمان بھی ضرور پایا جائیگا۔

تشریحات (۱۷)

وقولہ انصار (۱) ناصر کی جمع ہے جیسے صاحب کی جمع اصحاب۔ یہ بھی لکھا گیا کہ نصیر کی جمع ہے جیسے شریف کی جمع اشراف۔ ہر

وَاٰیَۃُ النِّفَاقِ بُغْضُ الْاَنْصَارِ ؎۱

انصار سے بغض نفاق ؎۲ کی علامت ہے۔

(۱۸) حدیث عقوبات گناہ کا کفارہ ہیں

اَخْبَرَنِیْ اَبُوْ اِدْرِیْسَ عَائِذُ اللّٰہِ بْنُ عَبْدِ اللّٰہِ

حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ ؎۱

تقدیر پر اس کے معنی "مدد کرنے والوں" کے ہیں۔ ان کا نام انصار اس لئے پڑا کہ انھوں نے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مدد کی۔ یہ اوس و خزرج کی اولاد اور ان کے حُلَفَاء و موالی کا نام ہے۔

اوس خزرج (۲) دونوں بھائی تھے۔ ان کے باپ کا نام حارثہ یا ثعلبہ، العنقار تھا اس کی گردن بہت لمبی تھی اس لئے اسکو عنقار کہتے تھے۔ یہ لوگ اصل میں یمن کے باشندے تھے سَدِّ مَارِب کے ٹوٹنے سے جب یمن تباہ ہوگیا تو یہ لوگ مدینہ طیبہ آکر بس گئے۔ یمن میں ان کے مورث اعلیٰ کا نام قحطان تھا۔ کلبی نے کہا کہ قحطان حضرت اسماعیل کی اولاد سے ہے۔ اس تقدیر پر کل عرب اولاد اسمٰعیل علیہ السلام ہوئے۔

بعضوں نے کہا نہیں قحطان حضرت اسماعیل کی اولاد نہیں۔ اس تقدیر پر عرب کی اصل دو ہوئی۔ آل اسماعیل۔ آل قحطان۔ (عینی) ویسے بعض لوگوں نے اس پر بہت لمبی بحث کی ہے کہ انصار آل اسماعیل ہیں یا نہیں۔ بخاری شریف کتاب الانبیاء میں حضرت ابوہریرہ کا قول مذکور ہے۔ کہ انھوں نے حضرت ہاجرہ کے بارے میں فرمایا۔

فتلك أمكم یا بنی ماء السماء — یہ تمھاری ماں ہیں اے بارش کے بیٹو

اس سے مراد اہل عرب ہیں۔ اس لئے کہ ان کی زندگی بارش کے ہی پانی پر ہے۔ اس سے ظاہر ہوا کہ پورے عرب بنی اسمٰعیل ہیں اوس و خزرج پہلے بنی قیلہ کہے جاتے تھے۔ قیلہ ان کی ماں کا نام تھا۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کا نام "انصار" رکھا۔ قرآن مجید میں ان کے بارے میں فرمایا۔

وَالَّذِیْنَ اٰوَوْا وَّنَصَرُوْٓا اُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا ۔ لَھُمْ مَّغْفِرَۃٌ وَّرِزْقٌ کَرِیْمٌ

اور جنھوں نے جگہ دی اور مدد کی۔ وہی سچے ایمان والے ہیں ان کے لئے بخشش ہے اور عزت کی روزی۔

؎۲ نفاق (۲) باب مفاعلت کا مصدر ہے۔ لِزام، قِتال کے وزن پر۔ اس کے معنی دورخی کرنے کے ہیں۔ اور شریعت میں زبان سے اسلام کے اقرار اور دل میں کفر چھپائے رکھنے کے ہیں۔

أَنَّ عُبَادَةَ بْنَ الصَّامِتِ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ وَكَانَ شَهِدَ بَدْرًا وَهُوَ أَحَدُ النُّقَبَاءِ لَيْلَةَ الْعَقَبَةِ

جنگ بدر ۲ھ میں شریک ہوئے تھے ـــــ اور لیلۃ العقبہ کے نقیب بنائے گئے تھے۔

حدیث کا مطلب بالکل ظاہر ہے کہ انصار کرام جنھوں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور خانما برباد مہاجرین کو جگہ دی۔ ان کی ہر طرح مدد کی۔ سارا عرب اسی وجہ سے انصار کا مخالف ہوگیا۔ مگر اس کی انھوں نے پرواہ نہ کی۔ ان سے ہر ایمان والے کو لازمی طور پر محبت ہوگی۔ ان سے عداوت وہی رکھے گا جس کے دل میں چور ہوگا۔

توجیہ ۳ مبتدا اور خبر جب دونوں معرفہ ہو تو حصر کا افادہ کرتے ہیں اس لئے اس کا مطلب یہ ہوا کہ ایمان کی علامت صرف انصار کی محبت ہے اور منافق کی علامت صرف انصار سے عداوت ہے ـــــ حالانکہ ایمان کی متعدد نشانیاں بتائی گئی ہیں۔ یوں ہی منافق کی بھی۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ حصر ادعائی ہے حقیقی نہیں۔ انصار کی عظمت شان ظاہر کرنے کے لئے فرمایا گیا ہے کہ ان کی شان ایسی ہے کہ یہ ایمان صادق اور نفاق کے معیار ہیں کہ ان سے محبت کرنے والا صادق الایمان ہی ہوگا اور ان سے عداوت رکھنے والا منافق ہی ہوگا مراد یہ ہے کہ جو انصار سے انصار ہونے کی وجہ سے عداوت رکھے۔ یعنی اس بنا پر کہ انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور مہاجرین کو جگہ دی ان کی ہر طرح مدد کی ان کے لئے سارے عرب کی عداوت مول لی۔ وہ کبھی مومن نہیں ہوسکتا۔ وہ ایمان کا لاکھ دعوی کرے وہ منافق ہوگا۔ جیسا کہ دوسری حدیث میں تصریح ہے۔ لَا يُحِبُّهُمْ إِلَّا مُؤْمِنٌ۔ انصار سے صرف مومن ہی محبت رکھے گا۔

تشریحات (۱۸)

عبادہ بن صامت انصاری خزرجی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ۱ دونوں عقبہ میں اور سارے غزوات میں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ہمرکاب رہے۔ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سب سے پہلے انھیں کو فلسطین کا قاضی بنایا تھا۔ پھر ان کو پورے شام کا قاضی بنایا۔ اس وقت یہ حمص میں مقیم رہے۔ طویل جسیم، خوبصورت، عالم فاضل بزرگ تھے۔ اخیر عمر میں فلسطین منتقل ہوگئے۔ وہیں یا رملہ میں ۳۴ھ میں وصال ہوا۔ مزار مقدس بیت المقدس میں مشہور و معروف ہے۔ ان سے ایک سو اسی حدیثیں مروی ہیں چھ متفق علیہ ہیں اور دو، دو بخاری و مسلم کے افراد سے ہیں۔ عبادہ بن صامت صحابہ میں صرف ایک یہی ہیں اور عبادہ نام کے بارہ حضرات ہیں۔

پہلی حدیث میں فرمایا انصار کی محبت ایمان کی نشانی ہے۔ اب یہ حدیث اس دعویٰ کے لئے بمنزلہ دلیل کے ذکر کی یعنی انصار کی

محبت کیوں ایمان کی علامت ہے۔ اس لئے کہ انھوں نے انتہائی نازک وقت میں اپنا تن من دھن اسلام پر قربان کرنے کی بیعت کی۔ اور جو بیعت کی وہ کرکے دکھا بھی دیا۔ اسی سبب سے ان کا نام انصار رکھا گیا۔

شہد کے معنی ۲ شہد کے معنی حضر کے ہے اسی سے شاہد بمعنی حاضر ہے۔ جیسا کہ حدیث مشہور، فلیبلغ الشاھد الغائب میں اور نماز جنازہ کی دعا، وشاھدنا وغائبنا، میں ہے۔ ان دونوں جگہوں میں غائب کے تقابل سے شاہد کے معنی حاضر متعین ہیں اور جب شاہد کے معنی حاضر احادیث سے ثابت اور احادیث قرآن کی تفسیر تو آیہ کریمہ اِنَّا اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا میں شاہد بمعنی حاضر لینے پر کوئی قباحت نہیں۔

بدر ۳ اس مشہور جگہ کا نام ہے جہاں، ار رمضان ۲ھ میں حق و باطل کے درمیان فیصلہ کن مشہور غزوہ ہوا تھا۔ یہ مدینہ طیبہ سے چار منزل تقریباً اسّی میل کے فاصلے پر مکہ معظمہ کے راستے میں ہے۔ یہاں سال بسال میلہ لگتا تھا۔ بدر نامی ایک شخص نے یہاں کنواں کھدوایا تھا۔ اسی کے نام پر کنویں کا پھر اس جگہ کا نام پڑ گیا۔ اسے منصرف اور غیر منصرف دونوں پڑھنا جائز ہے۔ ایک سبب علمیت ہے اور دوسرے تانیث اگر اسے بئر، کا علم مانیں۔ اور اگر قلیب کا علم مانیں تو مذکر ہوگا اور منصرف۔

نقبا ۴ نقبا، نقیب کی جمع ہے جس کے معنی سردار، ذمہ دار نگہبان کے ہیں۔ عقبہ پہاڑ کی گھاٹی کو کہتے ہیں۔ یہ وہی عقبہ ہے جہاں اب مسجد عقبہ ہے۔ اس کے قریب جمرۃ العقبہ ہے۔ جسے جمرہ کبری۔ جمرہ اخیرہ اور عوام بڑا شیطان کہتے ہیں۔

بیعت عقبہ ۵ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی عادت کریمہ تھی کہ ہر سال ایام حج میں مختلف قبائل کے پاس جا کر ان کو اسلام کی دعوت دیا کرتے تھے۔ ۱۰ نبوی جب آپ اسی غرض سے اِس عقبہ کے پاس پہونچے تو یہاں انصار کے قبیلہ خزرج کے چند اشخاص موجود ملے جو مکہ معظمہ اس غرض سے آئے تھے۔ کہ قریش سے امداد باہمی کا معاہدہ کرکے ان کے حلیف بن جائیں۔ انھیں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اسلام کی دعوت دی۔ ان لوگوں نے مدینے کے یہود سے نبی آخر الزماں کی آمد کی خبر سُن رکھی تھی اسلام کی دعوت سُنکر انھوں نے ایک دوسرے کو دیکھا۔ اور کہا یہ وہی نبی ہیں کہیں یہود ایمان لانے میں تم پر سبقت نہ کر جائیں۔ اور کہا ہم جس کے لئے آئے ہیں۔ اس سے یہ بہتر ہے۔ ان لوگوں نے اسلام قبول کر لیا۔ یہ چھ حضرات تھے۔

ابو الھیثم بن تیہان۔ اسعد بن زرارہ (متوفی ۱ھ) عوف بن حارث۔ رافع بن مالک بن حارث۔ جنگ احد میں شہید ہوئے۔ قطبہ بن عامر جنگ یمامہ میں شہید ہوئے۔ جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔

اسلام قبول کرنے کے بعد یہ لوگ مدینہ طیبہ واپس گئے اور آئندہ سال پھر آنے کا وعدہ کر گئے۔ مدینہ پہنچ کر وہاں اسلام

اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ وَحَوْلَہٗ عِصَابَۃٌ مِّنْ
یہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایسے وقت فرمایا جب آپ کے گرد صحابہ کی ایک
اَصْحَابِہٖ بَایِعُوْنِیْ عَلٰی اَنْ لَّا تُشْرِکُوْا بِاللّٰہِ شَیْئًا وَّلَا تَسْرِقُوْا وَلَا تَزْنُوْا وَلَا
جماعت تھی والہ (ان باتوں پر) مجھ سے بیعت کرو ولہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کروگے چوری نہ کروگے زنا نہ کروگے

کی تبلیغ کی۔ جس سے متعدد سعادتمندوں نے اسلام قبول کرلیا۔ حسب وعدہ دوسرے سال بارہ حضرات مدینے سے آئے انہیں حضرت عبادہ بن صامت بھی تھے۔ اور حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے بیعت کی۔ یہ بیعت عقبہ اولیٰ ہے۔

مصعب بن عمیر کی مدینہ روانگی (۶) ان لوگوں نے درخواست کی کہ مدینے کے نومسلموں کو دین سکھانے اور تبلیغ کے لئے کوئی صاحب ہمارے ساتھ کردیئے جائیں۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے سیدنا مصعب بن عمیر شہید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو انکے ساتھ کردیا۔

تیسرے سال سیدنا مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہمراہ بہتر افراد خدمت اقدس میں حاضر ہوئے۔ سب نے اسی عقبہ میں بیعت کی۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان میں سے بارہ حضرات کو ان کا نقیب بنایا۔ نو قبیلہ خزرج کے اور تین اوس کے انھیں میں ایک نقیب عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی ہیں۔ یہ بیعت عقبہ ثانیہ ہے۔

اسلام کی تاریخ میں ان دونوں خصوصاً بیعت عقبۂ ثانیہ کی بڑی اہمیت ہے۔ اسی دوسری ہی بیعت کے موقع پر مدینہ طیبہ ہجرت کرنا طے ہوا تھا۔ انصار کرام نے اپنا سب کچھ قربان کرنے کا عہد کیا۔ اور رحمت عالم نے ان میں ہمیشہ رہنے کا وعدہ فرمایا ــــ بعد میں ہونے والی ساری فتوحات اور کامیابیوں کی یہ بیعت مقدمہ تھی۔ حضرت کعب بن مالک انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فخریہ فرمایا۔ کہ میں لیلۃ العقبہ میں حاضر تھا۔ جب ہم نے اسلام پر میثاق کیا تھا۔ میں بدر کی شرکت سے بڑھکر اس کو اہم سمجھتا ہوں اگرچہ لوگوں میں بدر کا چرچا زیادہ ہے۔

عصابۃ (۷) عصابہ۔ یہ دس سے لیکر چالیس آدمیوں کی جماعت کو کہتے ہیں۔ اس کے لئے واحد نہیں۔ اسکی جمع عصائب اور عُصُب بھی آتی ہے۔

بیعت (۸) بایعونی۔ اس کا مادہ بَیْعٌ ہے جس کے معنی بیچنے کے ہیں۔ مبایعت کا معنی آپسمیں خرید و فروخت کرنا ہے مگر یہاں مبایعت کا معنی آپسمیں عہد و پیمان کرنے کے ہیں۔ گویا جس کے پاس جو تھا اس نے دوسرے کو بیچا۔ صحابہ کرام کے پاس جان و مال، آل و اولاد تھی وہ بیچا۔ اور حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کے ہاتھ جنت بیچا۔ ارشاد ہے اِنَّ اللّٰہَ

تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ وَلَا تَاْتُوْا بِبُهْتَانٍ تَفْتَرُوْنَهٗ بَيْنَ اَيْدِيْكُمْ وَاَرْجُلِكُمْ وَلَا تَعْصُوْا
اپنی اولاد کو قتل نہیں کروگے ف۹ اور خود گڑھ کر کسی پر بہتان نہ باندھو گے ف۱۰ اچھی بات میں نافرمانی نہ کروگے
فِیْ مَعْرُوْفٍ فَمَنْ وَفٰى مِنْكُمْ فَاَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ وَمَنْ اَصَابَ مِنْ ذٰلِكَ
جس نے اس کو پورا کیا اس کا ثواب اللہ کے ذمہ کرم پر ہے ف۱۳ اور جو ان گناہوں میں کسی کا ارتکاب کر بیٹھے
شَیْئًا فَعُوْقِبَ فِی الدُّنْیَا فَهُوَ كَفَّارَةٌ لَّهٗ وَطَهُوْرٌ
اور اس کو دنیا میں سزا دیدی جائے ف۱۴ تو یہ اسکے لئے کفارہ اور پاک کرنے والی ہے

اِشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ۔ بیشک اللہ نے مومنوں سے ان کے جان ان کے مال خرید لئے ہیں اس بدلے پر کہ ان کے لئے جنت ہے (سورہ توبہ۔ آیت ۱۱۰)

قتل اولاد ف۹ (۹) اپنی اولاد کو قتل نہ کرو۔ اس کی تخصیص اس لئے ہے کہ یہ عرب میں رائج تھا کہ لڑکیوں کو زندہ درگور کر دیتے تھے اور لڑکوں کو بھی فقر و فاقہ کے اندیشے سے مار ڈالتے تھے۔ یہ بہت ہی وحشیانہ بہیمانہ فعل ہے۔ خون ناحق کے ساتھ قطع رحم و درندگی بھی ہے۔

بہتان ف۱۰ (۱۰) بہتان اس جھوٹ کو کہتے ہیں جسے سنکر آدمی مبہوت ہو جائے۔ مثلاً جھوٹا الزام رکھنا۔ کسی پر جھوٹ باندھنا۔ اس کی نہ کہی ہوئی بات اس کے سر منڈھنا۔ اس کا بھی احتمال ہے کہ یہاں خاص زنا کی تہمت مراد ہو۔

افترار (۱۱) افترار کا مادہ فریۃ ہے جس کے معنی جھوٹ کے ہیں۔ افترار کے معنی جھوٹ گڑھنا ہے۔ ہر بہتان گڑھا ہوا ہوتا ہے۔ اب افترا اسکی صفت یا تو، توضیح کے لئے ہے۔ یا اس میں تجرید ہے ــــ بین ایدیکم وارجلکم سے مراد یا تو دل ہے کہ یہ ہاتھ و پاؤں کے درمیان ہے یا انسان کی ذات مراد ہے۔

گناہ میں کسی کی اطاعت نہیں (۱۲) اچھے کام میں نافرمانی نہیں کروگے۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جس کام کا بھی حکم دینگے وہ اچھا ہی ہوگا۔ اس لئے، ، فی معروف، ، کی قید بیعت کرنے والوں کی تطییب کے لئے تھی۔ اور یہ بتانے کے لئے کہ میں جو بھی حکم دوں گا وہ اچھا ہی ہوگا۔ یا مراد عموم ہے یعنی میری اور میرے بعد جو بھی تم پر حاکم ہو اس کی ہر اچھی بات میں اطاعت کروگے اشارہ فرما دیا کہ معصیت میں کسی مخلوق کی اطاعت جائز نہیں، لاطاعة للمخلوق فی معصية الخالق

بیعت کا بدلہ ف۱۳ (۱۳) مبایعت میں طرفین کی جانب سے عوض ہوتا ہے صحابہ کرام نے اپنی جانب کا عوض پیش کر دیا۔ اب حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنی جانب سے عوض پیش فرما رہے ہیں کہ جو اس بیعت پر ثابت قدم رہا۔ اسے اللہ عزوجل ضرور بالضرور اجر

وَمَنْ اَصَابَ مِنْ ذَالِكَ شَيْئًا ثُمَّ سَتَرَهُ اللّٰهُ فَهُوَ اِلَى اللّٰهِ اِنْ شَاءَ عَفَا عَنْهُ

اور جو ان گناہوں میں سے کچھ کرے اور اللہ عزوجل اس کو چھپائے رکھے تو یہ اللہ کے سپرد ہے چاہے اسے

وَاِنْ شَاءَ عَاقَبَهُ. فَبَايَعْنَاهُ عَلٰى ذَالِكَ ۔ [1]

معاف فرمادے چاہے (آخرت میں) سزا دے۔ تو ہم نے ان سب پر حضور سے بیعت کی۔

عطا فرمائے گا۔ یہ اجر کیا ہے؟ اس روایت میں اس کی توضیح نہیں۔ مگر صنابحی کی روایت میں "بالجنۃ" ہے۔

حدود وکفارہ ہیں یا نہیں (۱۴) ان گناہوں میں سے کسی کا اگر کسی نے ارتکاب کیا۔ اور اسے اس پر سزا دیدی گئی۔ تو وہ اسکا کفارہ ہے۔ عام طور پر "سزا" سے حدود اور تعزیر مراد لیا جاتا ہے۔ کہ گناہ کے ارتکاب کے بعد اگر اس مرتکب پر حد جاری ہوگئی اس کی تعزیر ہوگئی تو اس کا وہ گناہ معاف ہوگیا۔ یہی جمہور کا مسلک ہے۔ ان کی دلیل یہ حدیث بھی ہے دوسری احادیث بھی ہیں مثلاً وہ حدیث جو ترمذی اور حاکم نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی

من اصاب ذنبا فعوقب به فی الدنیا فاللہ اکرم من ان یثنی العقوبۃ علی عبدہ فی الآخرۃ۔

جس نے کوئی گناہ کیا اور اس کو دنیا میں اس کی سزا دیدی گئی تو اللہ اس سے زیادہ کریم ہے کہ اسے آخرت میں دوبارہ سزا دے۔

دوم۔ جو حضرت خزیمہ بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے امام احمد نے روایت کی۔

من اصاب ذنبا اقیم علیه ذالك الذنب فهو كفارة له

جس سے کسی گناہ کا صدور ہوا اور اس گناہ کی سزا اسے دیدی گئی تو وہ اس کے لئے کفارہ ہے۔

سوم۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے طبرانی نے روایت کی۔

ما عوقب رجل علی ذنب الا جعله الله كفارة لما اصاب من ذالك الذنب

کسی کو گناہ پر سزا دیدی گئی تو اللہ تعالیٰ اس سزا کو اس گناہ کفارہ کیلئے کفارہ بنادیتا ہے۔

احناف کا مسلک اور دلیل (۱۵) احناف کا مسلک یہ ہے کہ حدود وتعزیر گناہوں کے لئے کفارہ نہیں۔ احناف کی دلیل میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وہ حدیث پیش کی جاتی ہے۔ جسے حاکم نے مستدرک میں اور بزار اور امام احمد نے اور عبدالرزاق نے روایت کیا جسے سند الحفاظ علامہ ابن حجر نے صحیح مانا۔ کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا

[1] مغازی۔ حدود۔ احکام۔ مناقب انصار۔ بخاری۔ مسلم حدود۔ ترمذی۔ نسائی۔ دارمی۔

لا ادری، الحدود کفارۃ لاھلھا ام لا — میں نہیں جانتا کہ حدود کفارہ ہیں یا نہیں۔

یہ حدیث مثبت مدعی نہیں (١٦) اگر ہمارا مسلک توقف ہوتا۔ جب تو اس سے استدلال صحیح ہوتا ہمارا مسلک تو یہ ہے کہ کفارہ نہیں۔ اور عدم علم، علم عدم نہیں۔ ہو سکتا ہے کہ اس ارشاد کے وقت معلوم نہیں تھا۔ بعد میں بتا دیا گیا۔ علاوہ ازیں اصول حدیث کا یہ قاعدہ مسلم ہے کہ مثبت نافی پر مقدم ہوتا ہے۔ حدود کے کفارہ ہونے کو ثابت کرنے والی احادیث مثبت ہیں۔ اور یہ نافی۔ اس لیے اس پر وہ احادیث راجح ہوں گی۔

احناف کا استدلال (١٧) اول۔ قرآن مجید میں ڈاکوؤں کی سزا ذکر کرنے کے بعد فرمایا گیا۔

ذَالِكَ لَهُمْ خِزْيٌ فِي الدُّنْيَا وَلَهُمْ فِي الْآخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيمٌ۔ — یہ سزا ان ڈاکوؤں کے لئے دنیا میں رسوائی ہے اور ان کے لئے آخرت میں بھاری عذاب ہے۔

یہ آیت اس پر نص ہے کہ سزا صرف دنیا میں ان کی رسوائی کے لئے ہے۔ اس سزا کے بعد بھی آخرت کا عذاب عظیم ان کے لئے ہے۔ تو ثابت ہو گیا کہ حدود کفارہ نہیں ورنہ آخرت کا عذاب ان کے لئے نہ ہوتا۔

دوم۔ نیز اس پر اجماع ہے کہ توبہ سے حد ساقط نہیں ہوتی۔ حالانکہ حدیث میں فرمایا گیا۔ گناہ سے توبہ کرنے والا ایسا ہے کہ گویا آج ہی ماں کے پیٹ سے پیدا ہوا۔ یا ایسا ہے گویا اس نے گناہ کیا ہی نہیں۔ تو جب توبہ کر لینے سے گناہ باقی نہ رہے تو حد کو بھی ساقط ہو جانا چاہئے۔ کہ جب گناہ ہے ہی نہیں تو پاک کس سے کرینگے۔

سوم۔ کافر پر بھی حد ہے۔ اور کافر کے گناہوں سے پاک ہونے کا کوئی سوال ہی نہیں، پھر اُن پر حد کیوں؟ —

چہارم۔ حضرت ماعز اسلمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں فرمایا۔

استغفروا لماعز بن مالك لقد تاب توبة لو قسمت بين امة لوسعتهم۔ — ماعز کے لئے مغفرت چاہو۔ اس نے ایسی توبہ کی ہے کہ اگر ایک امت پر تقسیم کی جائے تو سب کو کفایت کرے۔

سوال یہ ہے کہ حد جاری ہو گئی۔ گناہوں سے پاک ہو گئے۔ پھر استغفار کی کیا ضرورت۔ معلوم ہوا کہ حد گناہوں کا کفارہ نہیں۔ رہ گئی یہ بات کہ انھوں نے توبہ بھی کر لی تھی۔ پھر استغفار کی کیا حاجت۔ ضرور انھوں نے توبہ کر لی تھی۔ مگر توبہ قبول بھی ہوئی یا نہیں۔ یہ کیسے معلوم۔ تو ہدایت فرمائی کہ تم لوگ بھی استغفار کرو۔ یا یہ کہ استغفار سے مراد یہ ہے کہ ان کی توبہ قبول ہونے کی دعا کرو۔

تطبیق (١٨) اول اب جب کہ قرآن مجید کی نص قطعی اور حدیث اور قیاس تینوں سے ثابت ہو گیا کہ حدود نہ گناہوں کے لئے کفارہ ہیں نہ مطہر۔ اور حدیث بھی نص قرآنی کی مؤید ہے تو لامحالہ ان احادیث کی تخصیص کرنی پڑے گی جن کے ظاہر سے، حدود کے کفارہ ہونے پر

۱۹ حدیث دین کی حفاظت واھمیت

عَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ الْخُدْرِیْ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ اَنَّہٗ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے

استدلال کیا جاتا ہے۔ اوّل یہ کہ عموماً یہی ہوتا ہے کہ آدمی جب سزا پاتا ہے تو توبہ ضرور کرتا ہے جیسا کہ حضرت ماعز اسلمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں گذرا۔ اور غامدیہ خاتون کے بارے میں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا۔

والذی نفسی بیدہ لقد تابت توبۃ لوتابہا صاحب مکس لغفر لہ

قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے اس عورت نے ایسی توبہ کی کہ اگر ناجائز ٹیکس لینے والا بھی کرتا تو اسے بخش دیا جاتا

چونکہ یہ سزائیں توبہ کے لئے سبب ہیں اور سبب بول کر مسبب مراد لینا عرف عام ہے۔ اس لئے ان تمام احادیث میں مراد یہ ہے کہ وہ حدود وتعزیر کے ساتھ توبہ بھی کرے تو کفارہ ہیں۔

تعارض کے وقت بجائے قرآن مجید کے احادیث ہی میں تقیید کی جائے گی۔

دوم ایک تاویل یہ ہے کہ ان سب میں عوقب، وغیرہ سے مراد مصائب وآلام وتکالیف ہیں۔ جیسا کہ احادیث میں وارد ہے کہ، اگر مسلمان کے پاؤں میں کانٹا بھی چبھتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے اسکے گناہوں کا کفارہ کر دیتا ہے۔ اس سلسلے کی چند احادیث درج ہیں۔

ہر تکلیف مسلمان کے لئے سیئات کا کفارہ ہے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا۔

ما یصیب المسلم من نصب ولا وصب ولا ھم ولا حزن ولا غم حتی الشوکۃ یشاکہا الا کفر اللہ بہا من خطایاہ۔

مسلمان کو جو تکلیف، اذیت، اندوہ، حزن، غم پہنچتے ہیں یہاں تک کہ اگر کانٹا بھی چبھتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے اسکے گناہوں کا کفارہ بنا دیتا ہے (بخاری ومسلم)

مسلم شریف میں حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ فرمایا

لا تسبوا الحمی فانہا تذھب خطایا بنی آدم کما یذھب الکیر خبث الحدید

بخار کو برا مت کہو یہ بنی آدم کے گناہوں کو ایسا دور کرتا ہے جیسے بھٹی لوہے کی میل کو۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ اللہ عزوجل نے فرمایا۔

اذا ابتلیت عبدی بحبیتیہ ثم صبر عوضتھما الجنۃ یرید بہ عینیہ (بخاری)

جب میں اپنے کسی بندے کی دونوں آنکھیں لے لوں اور وہ صبر کرے تو اس کے عوض اسے جنت دوں گا

نیز سب کو معلوم ہے کہ ارشاد فرمایا۔ بخاری میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے

الشھداء خمسۃ المطعون والمبطون والغریق وصاحب الھدم والشھید فی سبیل اللہ۔ وزاد ابوداؤد والنسائی سبع وصاحب ذات الجنب والمرأۃ تموت بجمع عن جابر بن عتیک۔

شہید پانچ ہیں۔ جو طاعون میں مرا جو پیٹ کی بیماری میں مرا جو ڈوب کر مرا۔ جس پر دیوار گری اس سے دب کر مرا۔ اور اللہ کے راستے میں شہید۔ ابوداؤد اور نسائی میں جابر بن عتیک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے۔ شہید سات ہیں پانچ یہ اور جو نمونیہ میں مرا اور جو عورت بچہ پیدا ہونے کے صدمے سے مرے۔

اسی قسم کی احادیث کا پورا دفتر ہے۔ ان چند احادیث سے ظاہر کہ امراض، آلام، تکالیف، اذیتیں، غم واندوہ، حزن وملال، یہ سب گناہوں کے کفارہ ہیں۔ حتیٰ کہ ان میں بعض ایسے اہم ہیں کہ ان میں مرنے والا شہید ہوتا ہے۔ حدیث عبادہ اور بقیہ ان سب احادیث میں جو اوپر گذری اس کا بھی احتمال ہے کہ یہی سزائیں مراد ہوں۔ اگرچہ یہاں علماء نے عام طور پر صغائر کی تخصیص کی ہے۔ لیکن یہ ارشاد کہ اللہ تعالیٰ انھیں گناہوں کا کفارہ کر دے گا۔ بتا رہا ہے کہ اللہ عزوجل کی شان کریمی سے کیا بعید کہ وہ مصائب وآلام کو کبائر کا بھی کفارہ بنا دے۔ حضرت علی کی حدیث میں اس کا ارشاد واضحہ موجود ہے اس میں فرمایا۔ فاللہ اکرم ان یثنی العقوبۃ علی عبدہ فی الاخرۃ۔ میں اَن یثنی کا فاعل اللہ عزوجل ہی ہے۔

اس سے ظاہر کہ دنیا میں جو سزائیں ملیں وہ بھی اللہ عزوجل ہی نے دیں۔ حدود وتعزیر کو کوئی نہیں کہتا کہ اللہ نے حد جاری کی۔ اگرچہ سب کچھ اسی کی طرف سے ہے مگر یہاں گفتگو عُرف کی ہے۔ پھر روزمرّہ کا تجربہ ہے کہ جب انسان کسی بیماری یا مصیبت میں پھنستا ہے تو بہت صدق دل سے توبہ کرنے لگتا ہے وہی تادیل یہاں بھی ہو سکتی ہے کہ مراد یہ ہے کہ ان مصائب وآلام کے ساتھ توبہ کرے۔ اور چونکہ یہ مصائب وآلام توبہ کے اسباب ہیں اس لئے اسی پر اکتفا فرمایا۔

یہ بیعت کب ہوئی تھی (۱۹) علاوہ ازیں حدیث زیر بحث میں ایک اختلاف یہ ہے کہ یہ بیعت کب ہوئی تھی۔ علامہ ابن حجر کی تحقیق یہ ہے کہ یہ بیعت فتح مکہ کے بعد ہوئی تھی اور علامہ عینی کی تحقیق یہ ہے کہ یہ بیعت بیعۃ العقبۃ الاولیٰ کے وقت ہوئی اور یہی امام قاضی عیاض اور دوسرے ائمۂ اعلام کی رائے ہے۔ اس تقدیر پر اس حدیث زیر بحث میں۔ فعوقب،، سے حدود وتعزیر مراد ہو ہی نہیں سکتے۔

صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یُوْشِکُ اَنْ یَّکُوْنَ خَیْرَ مَالِ الْمُسْلِمِ غَنَمٌ یَّتْبَعُ

فرمایا۔ بہت جلد وہ وقت آنے والا ہے کہ مسلمان کا بہترین مال، بکریاں اور بھیڑیں ہوں گی اپنے

بِھَا شَعَفَ الْجِبَالِ وَمَوَاقِعَ الْقَطْرِ یَفِرُّ بِدِیْنِہٖ مِنَ الْفِتَنِ [۱]

دین کو بچانے کے لئے جنھیں لیکر وہ پہاڑ کی چوٹیوں اور بارش کی جگہوں پر چلا جائے گا

اس لئے کہ اس وقت تک حدود و تعزیر نازل ہی نہیں ہوئے تھے

شرک مستثنیٰ ہے (۲۰) وَمن اصاب من ذالک میں ذالک کا اشارہ مذکور کی طرف ہے اور مذکور میں شرک بھی ہے۔ اب یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر معاذ اللہ کوئی اسلام لانے کے بعد مرتد ہو جائے اور اسی حالت میں قتل کیا جائے تو اس پر فریقین کا اجماع ہے کہ یہ جہنمی ہے۔ جواب یہ ہے کہ اس حدیث کے عموم سے کفر و شرک خارج ہیں اس لئے کہ فرمایا گیا۔ اِنَّ اللّٰہَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَکَ بِہٖ۔ اللہ تعالیٰ شرک کو ہرگز نہیں معاف فرمائے گا۔ جب کتاب اللہ سے کتاب اللہ کی تخصیص درست۔ تو حدیث کی بدرجہ اولیٰ درست۔

تشریحات (۱۹)

حضرت ابو سعید خدری الخزرجی الانصاری [۱] (۱) رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ ابو سعید کنیت ہے۔ نام سعد بن مالک بن سنان بن عبید یا عبد بن ثعلبہ بن عبید۔ عبید کے باپ کا نام اَبجَر ہے اور انھیں کو خُدرہ بھی کہتے ہیں۔ اور بعض لوگوں کا خیال ہے کہ خُدرہ اَبجَر کی ماں کا نام ہے۔ غزوۂ اُحُد کے موقع پر باوجود صغر سنی کے جوش جہاد میں لشکر میں شامل ہو گئے مگر بعد میں کم سنی کی وجہ سے لوٹا دیئے گئے اس کے بعد بارہ غزوات میں ہمرکاب سعادت رہے ان کے والد نے غزوۂ اُحُد میں جام شہادت نوش فرمایا تھا۔ یہ صحابہ میں بہت عالم فاضل مشہور تھے۔

نہایت جری حق گو بزرگ تھے۔ چونکہ اوائل عہد میں جو حاکم تھا وہی نماز بھی پڑھاتا تھا۔ مروان بن الحکم جب مدینے کا حاکم تھا۔ نماز عیدین بھی پڑھاتا تھا۔ لوگ نماز پڑھ کر بغیر خطبہ سنے ہوئے چل دیتے تھے۔ یہ خطبے میں بہت دل آزار باتیں کہتا تھا جو سنی نہیں جاتی تھیں۔ یہ دیکھ کر مروان نے چاہا کہ نماز عید کے پہلے خطبہ پڑھے۔ مروان منبر کی طرف بڑھا کہ خطبہ پڑھے۔ حضرت ابو سعید نے اس کے کپڑے پکڑ کر گھسیٹا کہ منبر پر نہ چڑھ جائے۔ مگر وہ منبر پر چڑھ گیا اور خطبہ پڑھا۔ اس پر حضرت ابو سعید نے فرمایا تم لوگوں نے سنت بدل ڈالی [۲]

واقعہ حرہ میں یزیدی ظالموں نے ریش مبارک نوچ ڈالی تھی۔ غالباً یہ مروان والے واقعہ کا انتقام تھا مکثرین حدیث میں یہ بھی ہیں ان سے گیارہ سو ستر احادیث مروی ہیں۔ چھیالیس امام بخاری اور مسلم دونوں نے۔ سولہ تنہا بخاری نے اور باون مسلم نے تنہا روایت کی۔

اجلّۂ صحابہ مثلاً خلفائے راشدین، اپنے والد، مالک اور اپنے ماجائی بھائی قتادہ بن نعمان سے احادیث روایت کرتے ہیں۔ ان کی جلالت شان اس سے ظاہر ہے۔ حضرت ابن عمر و ابن عباس نے بھی ان سے حدیث روایت کی ہے۔ تابعین کی گنتی نہیں بسنہ ۶۴ یا ۷۴ سنہ میں مدینہ طیبہ میں وصال فرمایا۔ اور وہیں جنت البقیع میں آرام فرما ہیں۔

[۱] علوم کا کفارہ سے متن طلاقت ۔ نسائی ۔ ابوداؤد ۔ ابن ماجہ ۔ مسند امام احمد ۔ [۲] بخاری عیدین ۱۳۱

(۲۰) حدیث، قد غفرلک ما تقدم من ذنبک

عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهَا قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے رسول اللہ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم صحابہ کو جب

وَسَلَّمَ إِذَا أَمَرَهُمْ، أَمَرَهُمْ مِنَ الْأَعْمَالِ بِمَا يُطِيقُوْنَ قَالُوْا إِنَّا لَسْنَا كَهَيْئَتِكَ

کوئی حکم دیتے تو انھیں کاموں کا حکم دیتے جن کی انھیں طاقت ہوتی۔ اس پر صحابہ عرض کرتے

يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ، إِنَّ اللّٰهَ قَدْ غَفَرَ لَكَ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ فَيَغْضَبُ حَتّٰى

یارسول اللہ ہم آپ کی طرح نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو آج سے پہلے اور آج کے بھی بعد بھی گناہ سے محفوظ

يُعْرَفَ الْغَضَبُ فِيْ وَجْهِهٖ. ثُمَّ يَقُوْلُ إِنَّ أَتْقَاكُمْ وَأَعْلَمَكُمْ بِاللّٰهِ أَنَا[1]

رکھا اس پر حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بہت ناراض ہوتے کہ اس کا اثر آپ کے چہرہ مبارک پر ظاہر ہوجاتا۔ پھر فرماتے میں تم

میں سب سے زیادہ اللہ سے ڈرتا ہوں اور اس کی معرفت رکھتا ہوں۔

صحابہ کرام میں سعد بن مالک وقاص اور سعید بن مالک عذری ان کے ہم نام ہیں

تشریحات (۱۹)

لغات (۲) اَوْشَكَ کے معنی، سرعت، تیزی۔ جلدی کے ہیں کہا جاتا ہے اوشك فلان ای اسرع جلدی کی۔ اوشك یہاں افعال مقاربہ میں سے ہے اسکے معنی ہیں،، قریب ہے، غنم، لفظ مونث اور اسم جنس ہے۔ قلیل، کثیر سب پر بولا جاتا ہے۔ نر پر بھی اور مادہ پر بھی۔ یہ بکری اور بھیڑ دونوں کے لئے آتا ہے۔ شعف۔ شعاف۔ پہاڑ کی چوٹی کو کہتے ہیں فِتَن فتنہ کی جمع ہے یہ عموماً ناپسند چیزوں کیلئے بولا جاتا ہے۔ لفظی ترجمہ آزمائش ہے۔

حدیث کا مفاد (۳) حدیث کا مطلب یہ ہوا کہ ایک ایسا زمانہ آئے گا کہ کفر و معاصی کا اتنا غلبہ ہوجائے گا کہ دینداروں کو آبادی میں رہنا سخت دشوار ہوگا۔ مجبور ہوکر اس زمانے میں دیندار۔ گوشہ نشینی اختیار کرلیں گے۔ یہ گوشہ نشینی کہیں بھی ہو۔ پہاڑ کی چوٹیوں کا ذکر بطور تمثیل ہے۔ یوں ہی غنم کا بھی۔ مراد یہ ہے کہ دیندار دین بچانے کے لئے کہیں بھی گوشہ نشین ہوجائینگے۔ اور قوت لایموت کے لئے حلال وطیب مال پر قناعت کرینگے۔

(۴) انسان تین قسم کے ہیں۔ مفید۔ مستفید۔ منفرد۔ مفید وہ ہے کہ دوسرے کو فائدہ پہونچائے۔ مستفید۔ وہ کہ خود دوسروں سے فائدہ حاصل کرے۔ منفرد وہ کہ دوسرے سے اسے فائدہ لینے کی حاجت نہ ہو اور نہ دوسرے کو فائدہ پہنچا سکتا ہے۔ مفید اور مستفید کو عزلت گزینی حرام ہے اور منفرد کو جائز۔

تشریحات (۲۰)

حدیث کا مطلب (۱) حدیث کا مطلب یہ ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی عادت کریمہ تھی کہ لوگوں کو ایسے ہی اعمال

[1] یہ حدیث افراد بخاری سے ہے مسند امام احمد

(۲۱) حدیث۔ نجات مومن

عَنْ اَبِیْ سَعِیْدِنِ الْخُدْرِیْ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا۔

عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ یَدْخُلُ اَھْلُ الْجَنَّۃِ الْجَنَّۃَ وَاَھْلُ النَّارِ النَّارَ ثُمَّ یَقُوْلُ اللّٰہُ

جنتی جنت میں اور دوزخی دوزخ میں داخل ہو چکیں گے تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا

کا حکم دیتے جس کو لوگ آسانی کے ساتھ پابندی سے کرسکیں۔ ایسے اعمال کا حکم نہیں دیتے کہ آدمی کچھ دن جوش میں کرے پھر چھوڑ دے اور صحابہ کرام کو شوق تھا کہ ہم زیادہ سے زیادہ اعمال صالحہ کریں۔ اس پر صحابہ نے عرض کیا۔ یارسول اللہ آپ معصوم ہیں ہم معصوم نہیں ہیں زیادہ سے زیادہ عمل کرنا لازم ہے۔ اس پر غضب طاری ہوگیا۔ فرمایا۔ میں تم سب لوگوں سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والا ہوں۔ اور اللہ کا علم رکھنے والا ہوں۔ مراد یہ ہے کہ اعمال صالحہ کی محرک دو چیزیں ہیں۔ خشیت خداوندی اور اس کی معرفت۔ جتنی زیادہ اس کی معرفت ہوگی اتنی ہی زیادہ اس کی خشیت ہوگی۔ چونکہ میری معرفت تم سب لوگوں سے زائد ہے اس لئے میرے اندر خشیت الٰہی بھی تم سب لوگوں سے زائد ہے۔

اتقاکم، قوت عملیہ میں اعلیٰ سے اعلیٰ درجے پر فائز ہونے کی جانب اشارہ ہے اور اعلمکم قوت علمیہ میں۔

حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم معصوم ہیں

ذنب کے معنی کی تحقیق (۲) ان اللہ قد غفر لک کا مطلب ہم نے یہ بتایا کہ آپ معصوم ہیں ــــ اس کی وجہ یہ کہ ذنب کے معنی گناہ کو بھی ہیں اور الزام کے بھی۔ قرآن مجید میں، حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قول مذکور ہے لھم علی ذنب فاخاف ان یقتلون۔ ان کا مجھ پر الزام ہے مجھے اندیشہ ہے کہیں قتل نہ کردیں۔ غفر کے معنی چھپانے کے ہیں۔ عباب میں ہے الغفر تَغْطِیَۃ۔ اور اس کے معنی مٹانے کے بھی ہیں اب قد غفر اللہ الخ کا مطلب یہ ہوا کہ آپ پر جتنے بھی الزامات لگے یا لگائے جائیں گے سب کو اللہ تعالیٰ نے مٹادیا۔ ماضی کے کا مٹایا جانا ظاہر ہے اور آئندہ کے الزاموں پر ماضی کا اطلاق اس لئے ہے کہ ان کا مٹایا جانا یقینی ہے۔ عرض کا مطلب یہ ہے کہ آپ کو اللہ عزوجل نے گناہوں سے پاک اور معصوم رکھا ہے حتیٰ کہ دشمنوں نے جو الزام لگائے ان کو بھی محو فرمادیا اور آئندہ بھی جو لگائے جائینگے کالعدم ہیں۔

عام طور پر ذنب کے معنی گناہ کے کئے جاتے ہیں اور غفر کے معنی بخشنے کے اس سے شبہہ ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے گناہ کا صدور ہوا مگر اللہ تعالیٰ نے اسے معاف فرمایا۔ اب اگر کسی کو یہی اصرار ہو کہ ذنب کے معنی گناہ ہی کے ہیں تو اسکی توجیہ

اَخْرِجُوْا مَنْ كَانَ فِیْ قَلْبِهٖ مِثْقَالُ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ مِّنْ اِیْمَانٍ فَیُخْرَجُوْنَ مِنْهَا

جس کے دل میں رائی کے دانے کے برابر ایمان ہو اسے دوزخ سے نکالو اس پر ایسے بھی لوگ نکالے جائیں گے جو

قَدِ اسْوَدُّوْا فَیُلْقَوْنَ فِیْ نَهْرِ الْحَیَاءِ اَوِ الْحَیَاةِ شَكَّ مَالِكٌ فَیَنْبُتُوْنَ

جل کر کوئلہ کی طرح کالے ہو چکے ہوں گے۔ پھر ان کو نہر حیا ر یا نہر حیات میں ڈالا جائے گا راوی حدیث مالک کو شک

كَمَا تَنْبُتُ الْحِبَّةُ فِیْ جَانِبِ السَّیْلِ۔ اَلَمْ تَرَ اَنَّهَا تَخْرُجُ صَفْرَاءَ

اس سے ان کے جسم سے اس طرح (تیزی) سے گوشت اٹھیگا جیسے بہتے پانی کے کنارے سبزہ۔ کیا تمھیں معلوم نہیں کہ وہ

مُلْتَوِیَةً قَالَ وُهَیْبٌ حَدَّثَنَا عَمْرٌو اَلْحَیَاةِ وَقَالَ خَرْدَلٍ مِّنْ خَیْرٍ

زرد لپٹا ہوا نکلتا ہے۔ وھیب نے کہا ہم سے مالک نے جو حدیث بیان کی اس میں نہر الحیاۃ کہا اور خردل من خیر ع ۱۵

۲۲ حدیث فضیلت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ عَنْ اَبِیْ اُمَامَةَ

حضرت ابو سعید

بْنِ سَهْلٍ اَنَّهٗ سَمِعَ اَبَا سَعِیْدِنِ الْخُدْرِیَّ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ یَقُوْلُ قَالَ

خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا۔ خواب کی حالت

رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ بَیْنَا اَنَا نَائِمٌ رَاَیْتُ النَّاسَ

میں کچھ لوگ میرے سامنے پیش کیے گئے وہ لوگ کرتا پہنے

یُعْرَضُوْنَ عَلَیَّ وَعَلَیْهِمْ قُمُصٌ مِّنْهَا مَا یَبْلُغُ الثُّدِیَّ وَمِنْهَا مَادُوْنَ

ہوئے تھے کسی کا کرتا سینے تک کسی کا اس سے کم

یہ ہے کہ غفر کے اصل معنیٰ چھپانا اور ڈھانکنا ہے۔ عینی میں ہے۔

الغفر فی اللغۃ الستر و فی العباب الغفر التغطیۃ (ص ۱۶۶ ج اول) غفر کا معنیٰ لغت میں چھپانا ہے عباب میں غفر کا معنیٰ ڈھانکنا ہے۔ اس تقدیر پر اس کا معنیٰ وہی ہوگا جو ہم نے کیا یعنی گناہوں سے محفوظ رکھا۔ قسطلانی میں ہے ۔ ای حال بینک و بین الذنوب فلا تاتیہا لان الغفر الستر۔ یعنی اللہ تعالیٰ آپ کے اور گناہوں کے درمیان حائل ہو گیا اس لئے آپ سے گناہ صادر نہ ہوا

تشریحات (۲۱)

لغات (۱) مثقال کا مصدر ثقل ہے۔ یہ اصل میں اسم آلہ ہے اور یہاں مطلق وزن اور مقدار مراد ہے۔ مثقال شرعی سو عدد جو

ذَالِكَ وَعُرِضَ عَلَیَّ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ وَعَلَیْهِ قَمِیْصٌ یَجُرُّہٗ قَالُوْا فَمَا اَوَّلْتَ

اور عمر بن خطاب میرے سامنے لائے گئے وہ ایسا لمبا کرتا پہنے ہوئے تھے جس کو گھسیٹ رہے تھے لوگوں

ذٰلِكَ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ قَالَ الدِّیْنَ ۱

نے عرض کیا۔ یارسول اللہ۔ حضور نے اس کی کیا تعبیر فرمائی۔ فرمایا۔ دین۔

۲۲ حدیث۔ حیاء ایمان سے ہے

عَنْ سَالِمِ بْنِ عَبْدِ اللّٰہِ عَنْ

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے

اَبِیْهِ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالیٰ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَرَّ عَلیٰ رَجُلٍ مِّنَ

روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ایک انصاری کے قریب سے گذرے

الْاَنْصَارِ وَھُوَ یَعِظُ اَخَاہُ فِی الْحَیَاءِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْهِ

جو اپنے بھائی کو حیاء سے (بچنے کی) نصیحت کر رہے تھے اس پر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے

وَسَلَّمَ دَعْهُ فَاِنَّ الْحَیَاءَ مِنَ الْاِیْمَانِ ۲

فرمایا اسے چھوڑ دو اسلئے کہ حیاء ایمان (کی علامت) ہے

دُم بریدہ متوسط کے ہم وزن ہوتا ہے اور سابق مروجہ وزن سے چار ماشے چار رتی ہے۔ حیاء کے معنی شرمندگی ہے اور حیا بغیر ہمزہ کے معنیٰ بارش کے ہیں بعض روایت میں حیاء ہے مگر یہ صحیح نہیں۔ صحیح حیا بغیر مد کے ہے۔ حِبَّۃٌ کی جمع حِبَبٌ بمعنی بیج کے ہے خواہ کسی چیز کی ہو۔ اور گیہوں کا دانہ

مومن انجام کار نجات پائے گا (۲) اس حدیث کا مطلب یہ ہے کچھ مومن گنہ گار ایسے بھی ہوں گے جو جہنم میں ڈالے جائیں گے۔ لیکن ایمان کی بدولت پھر جہنم سے نکالے جائیں گے۔ جہنم میں رہنے کی وجہ سے یہ کالے ہوجائیں گے ان کو نہر حیات یا نہر حیا میں غوطہ دیا جائیگا جس سے یہ اپنی حالت پر آکر تر و تازہ ہوجائیں گے۔

تشریحات (۲۲)

حدیث کی توجیہ اس حدیث سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ تمام صحابہ حتیٰ کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ

۱ تعبیر۔ فضل عمر۔ تعبیر بخاری۔ مسلم فضائل۔ ترمذی۔ نسائی۔ دارمی۔ مسند امام احمد۔ ۲ کتاب الادب باب الحیاء بخاری۔ مسلم ایمان ترمذی بر۔ نسائی ایمان۔ ابوداؤد سنت۔ ابن ماجہ مقدمہ و زہد۔ موطا امام مالک، حسن الخلق مسند امام احمد۔

(۲۴) حدیث قتال کی حد

عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا

وَسَلَّمَ قَالَ اُمِرْتُ اَنْ اُقَاتِلَ النَّاسَ حَتّٰى يَشْهَدُوْا اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ

مجھے حکم دیا گیا کہ لوگوں سے لڑوں یہاں تک کہ وہ اس بات کی گواہی دیں کہ اللہ کے سوا کوئی

وَاَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَيُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوا الزَّكٰوةَ فَاِذَا فَعَلُوْا

معبود نہیں اور محمد اللہ کے رسول ہیں اور نماز پڑھیں۔ اور زکوٰۃ دیں۔ تو جب وہ ایسا کریں تو ان لوگوں

تعالیٰ عنہ سے بھی افضل ہوں۔ یہ اہلسنت کے اجماعی عقیدے کے خلاف بھی ہے اور اس کا کوئی قائل بھی نہیں۔ مگر حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تمام صحابہ پر فضیلت مطلقہ احادیث متواتر المعنی سے ثابت ہے اسلئے وہ احادیث اس کی مخصص ہیں۔ اور مراد یہ ہے کہ صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سوا اور سب لوگوں سے حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا دین زائد ہے اور وہ ان لوگوں سے افضل ہیں

تشریحات (۲۳)

حیا ایمان سے ہے اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ ایک انصاری کے بھائی بہت شرمیلے تھے ان کے بھائی ان کو سمجھا رہے تھے کہ حیا مت کرو اتفاق سے رسول اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا وہاں گذر ہوا تو فرمایا۔ اسے اپنے حال پر چھوڑ دو حیا ایمان سے ہے یعنی ایمان کے آثار میں سے ہے حیا کبھی واجب و فرض ہوتی ہے جیسے کسی ناجائز و حرام کے ارتکاب سے حیا، کبھی مندوب جیسے مکروہ سے بچنے میں حیا، کبھی مباح کسی مباح شرعی کے کرنے سے حیا۔

تشریحات (۲۴)

الناس سے کیا مراد ہے (۱) الناس سے مراد تمام کفار ہیں بعض حضرات نے فرمایا کہ صرف مشرکین مراد ہیں جیسا کہ نسائی کی روایت میں بجائے الناس کے المشرکین وارد ہے۔ مگر یہ تخصیص درست نہیں۔ اس لئے کہ حدیث میں جو حکم مذکور ہے وہ تمام کفار کو عام ہے خواہ وہ مشرک ہوں خواہ نہ ہوں۔ اور نسائی کی روایت کی توجیہ یہ ہے۔ کہ جب یہ حکم تمام کفار کے لئے ہے۔ تو مشرکین کے لئے بھی ہے۔ تو اس کہنے میں کوئی حرج نہیں کہ مجھے مشرکین سے لڑنے کا حکم دیا گیا یہاں تک کہ وہ ایمان کی شہادت دیں۔

اقرار ایمان دنیوی احکام کے اجرا کیلئے کافی ہے (۲) حَتّٰى يَشْهَدُوْا سے ظاہر ہو گیا کہ اقرار ایمان کے بعد مومن ہونے کا حکم لگا دینگے

ذٰلِكَ عَصَمُوا مِنِّیْ دِمَاءَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ اِلَّا بِحَقِّ الْاِسْلَامِ وَحِسَابُهُمْ

اپنی جان و مال کو مجھ سے محفوظ کرلیا مگر اسلام کے حق سے اور ان کا حساب

عَلَى اللّٰهِ

اللہ پر ہے

حدیث (۲۵) ایمان عمل ہے

عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰی

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

اگر ظاہر اس اقرار کی تکذیب نہ کرتا ہو مثلاً ایک شخص کلمہ پڑھتا ہے اور رسول اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی توہین کرتا ہے، بت پوجتا ہے یا ضروریات دین میں سے کسی کا انکار کرتا ہے تو وہ ہرگز مومن نہیں۔

بے نمازی کا حکم (۳) امام شافعی اس حدیث سے اس بات پر استدلال کرتے ہیں کہ بے نمازی کا قتل کرنا واجب ہے۔ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اسے قتل نہ کیا جائے بلکہ قید رکھا جائے یہاں تک کہ نماز پڑھنے لگے۔ امام شافعی پر دو طرح نقض ہے ایک یہ کہ بے نمازی کو قتل کا حکم دیتے ہیں اور تارک زکوٰۃ کے قتل کو جائز نہیں رکھتے۔ اس کے بارے میں یہ فرماتے ہیں کہ اس سے جبراً زکوٰۃ وصول کی جائے گی۔ دوسرے یہ کہ حدیث میں اقاتل وارد ہے۔ یہ باب مفاعلت سے ہے جس کی خاصیت مشارکت ہے قتال کے حکم سے قتل پر استدلال درست نہیں۔

حق اسلام کی توضیح (۴) مراد یہ ہے کہ اسلام لانے کے بعد انھیں بے مہار نہ چھوڑ دیا جائے گا بلکہ اگر کوئی ایسا جرم کرینگے جو موجب قتل ہوگا۔ تو انھیں بطور سزا قتل کیا جائے گا۔ مثلاً کسی کو قتل کریں گے تو قصاص واجب ہوگا، زنا کریں گے تو اس کی سزا ان کو دی جائے گی۔

حسابهم على الله کا مفاد (۵) اقرار ایمان کے بعد اس پر مومن کے احکام جاری ہوں گے اور اگر اس کے دل میں کھوٹ ہے تو اللہ عزوجل خوب جانتا ہے اس کا حساب کرے گا۔

تشریحات (۲۵)

لغات (۱) جہاد کا مادہ جُہد ہے اس کے لغوی معنی مشقت کے ہیں اصطلاح شرع میں جہاد کے معنی ہیں اسلام کی حفاظت

علہ مسلم۔

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سُئِلَ اَيُّ الْعَمَلِ اَفْضَلُ فَقَالَ اِيْمَانٌ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ قِيْلَ

سے سوال کیا گیا کون سا عمل افضل ہے؟ فرمایا اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لانا پھر پوچھا گیا

ثُمَّ مَاذَا؟ قَالَ الْجِهَادُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ قِيْلَ ثُمَّ مَاذَا؟ قَالَ حَجٌّ مَّبْرُوْرٌ ؎

اس کے بعد فرمایا اللہ کے راستے میں جہاد کرنا پھر پوچھا گیا اس کے بعد؟ فرمایا حج مبرور

واشاعت وسربلندی کے لئے مخالفین اسلام سے جنگ کرنا۔ مبرور۔ بِرٌّ سے ہے یہاں مَبْرُوْر سے مراد مقبول ہے۔ بِرّ کے لغوی معنی خیر جمع کرنے کے ہیں۔ اور محاورہ میں مختلف معانی کے لئے آتا ہے نیکی۔ وہ کام جس میں گناہ نہ ہو۔ قسم پوری کرنا۔ ریار سے خالی کوئی نیک عمل کرنا۔ رشتہ داروں کے ساتھ احسان کرنا۔ مطلق احسان۔

حج مبرور کی علامت (۲) حج مبرور کی علامت یہ ہے کہ آدمی حج کے بعد پہلے سے زیادہ دیندار ہو جائے۔

ایمان عمل قلب ہے (۳) حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے سوال یہ ہوا تھا کہ کون سا عمل سب سے افضل ہے جواب میں ارشاد فرمایا۔ اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لانا۔ جو لوگ عمل کو ایمان کا جزء مانتے ہیں۔ وہ اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں لیکن ان کا یہ استدلال درست نہیں۔ عمل افعال جوارح کے ساتھ خاص نہیں۔ قلب کے فعل کو بھی عمل کہتے ہیں۔ بلکہ فعل بھی کہتے ہیں۔ اس سے دو باب پہلے خود امام بخاری نے فرمایا ان المعرفۃ فعل القلب۔ اسی باب میں قول پر عمل کا اطلاق تسلیم کیا۔ عما کانو یعملون کی تفسیر فرمائی عن لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه۔ اس کے پہلے والی آیت میں بما کنتم تعملون کے عموم میں تصدیق داخل ہے۔ اگر دل کے افعال پر عمل کا اطلاق درست نہ ہوتا تو تعملون میں تصدیق قلبی کیسے داخل ہوتی۔ اس لئے اس سے اعمال کے داخلِ ایمان ہونے پر استدلال تام نہیں۔ ہاں اس حدیث میں اگر عمل سے مراد اقرار باللسان لیں تو معاملہ بے غبار ہے۔

افضل الاعمال کا مطلب (۴) گزر چکا کہ مختلف احادیث میں افضل الاعمال کا اطلاق مختلف عبادات پر آیا ہے۔ وہیں یہ توجیہ بھی گذری کہ سائلین یا سامعین یا وقت کے لحاظ سے فرمایا۔ یا ہر جگہ مِنْ محذوف مانا جائے۔ مراد یہ ہے کہ افضل الاعمال میں سے یہ بھی ہے اور فلاں عمل بھی فلاں عمل بھی۔

حج افضل ہے یا جہاد (۵) اس حدیث کے سیاق سے ثابت کہ جہاد حج سے افضل ہے لیکن یہ بھی مطلقاً نہیں جہاد اگر فرض عین ہو جائے مثلاً دشمن ہجوم کرکے کسی آبادی کو گھیر لیں تو بلاشبہ حج سے افضل ہے۔ اس عہد مبارک کی عمومی حالت یہی تھی۔ ورنہ کبھی ایسا بھی ہو سکتا ہے۔ کہ حج جہاد سے افضل ہو مثلاً جہاد فرض عین نہیں یا ایسی صورت پیدا ہو جائے کہ جہاد فرض ہی نہ ہو اور ایک شخص پر حج فرض ہو چکا ہے

؎ مسلم ترمذی نسائی کتاب الایمان۔

(۲۶) حدیث مؤمنا او مسلما

عَنْ سَعْدٍ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ

حضرت سعد بن وقاص رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

تو اس کے لئے حج ہی افضل ہوگا۔ مختصر یہ کہ اعمال میں فضیلت کی ترتیب کلی اور قطعی نہیں مقرر کی جا سکتی۔

تشریحات (۲۶)

سعد بن وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ (۱) وقص کے معنی توڑنے کے ہیں۔ وقّاص مبالغہ کا صیغہ ہے۔ بہت توڑنے والا۔ ان کا نام مالک ہے اور کنیت ابو اسحٰق۔ نسب نامہ یہ ہے :- مالک بن وُہیب یا اُہیب بن عبد مناف بن زہرہ بن کلاب۔ کلاب تک پہنچ کر شجرۂ نبوی سے مل جاتا ہے۔ یہ وُہیب حضرت آمنہ کے چچا تھے۔ اور بروایتے انھیں نے حضرت آمنہ کا عقد، حضرت عبد اللہ سے کیا تھا۔ حضرت سعد ایک بار خدمت اقدس میں حاضر ہوئے۔ جب سامنے آئے تو حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا۔ یہ میرے ماموں ہیں کوئی مجھے ایسا ماموں دکھائے۔

آپ اسلام قبول کرنے والوں میں پانچویں یا ساتویں فرد ہیں۔ اسلام قبول کرتے وقت ان کی عمر مبارک چودہ یا سترہ سال کی تھی۔ عشرۂ مبشرہ اور مہاجرین اولین میں سے ہیں۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے پہلے ہجرت کی۔ تمام غزوات میں شریک ہوئے۔ غزوۂ احد میں جب عام انتشار پھیل گیا۔ یہ ان چودہ جاں نثار بہادروں میں سے تھے جو حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لئے سپر بنے ہوئے تھے۔ بہت ماہر تیر انداز تھے۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اٹھا اٹھا کر تیر دیتے تھے اور فرماتے۔

ارم یاسعد فداک ابی وامی — اے سعد تیر چلائے جاؤ تم پر میرے ماں باپ قربان ــــ

یہ محبت بھرا جملہ سوائے ان کے اور حضرت طلحہ و حضرت زبیر کے کسی کے لئے کبھی نہیں فرمایا۔

ان کا خطاب فارسِ اسلام، فاتحِ ایران بھی ہے۔ سب سے پہلے راہ خدا میں انھوں نے تیر چلایا۔ اور سب سے پہلے انھوں نے دشمنِ اسلام کو جہنم رسید کیا۔ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں ایران کے فاتح۔ لشکر کے سپہ سالار بھی تھے۔ کوفہ کو انھوں نے بسایا۔ عرصے تک کوفے کے حاکم رہے۔ اخیر عمر میں گوشہ نشین ہو گئے تھے۔ حضرت عثمان کی شہادت کے بعد جو فتنے اٹھے سب سے الگ تھلگ رہے۔ مدینے سے دس میل کی دوری پر عقیق میں ایک عالیشان مکان بنوایا تھا اسی میں رہتے تھے۔ یہیں ۵۵ھ یا ۵۸ھ میں ستر سے زائد عمر پاکر وصال فرمایا۔ جنازہ مبارکہ وہاں سے اٹھا کر مدینے لایا گیا۔ مروان نے نماز جنازہ پڑھائی۔ جنت البقیع میں آسودہ ہیں۔ عشرۂ مبشرہ میں سب کے بعد یہ

اَعْطٰی رَهْطًا وَّسَعْدٌ جَالِسٌ فَتَرَكَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ

نے ایک جماعت کو کچھ مال دیا اور سعد وہاں بیٹھا ہوا تھا اور انھیں میں سے ایک ایسے شخص کو کچھ نہیں دیا جو مجھے بہت پسندیدہ

وَسَلَّمَ رَجُلًا فِيْهِمْ هُوَ اَعْجَبُهُمْ اِلَيَّ فَقُمْتُ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ

تھا۔ (میں اٹھ کر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے قریب گیا اور رازدارانہ لہجے میں) میں نے عرض کیا

واصل بحق ہوئے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ان کے لئے دعا فرمائی تھی۔

اَللّٰهُمَّ سَدِّدْ سَهْمَهٗ وَاَجِبْ دَعْوَتَهٗ اے اللہ ان کا تیر بے خطا بنا اور ان کی دعا قبول فرما۔

اس کے اثر سے صحابہ کرام میں سب سے زیادہ قدر انداز تھے۔ اور ان کی دعا ہمیشہ قبول ہوئی۔ لوگ ان کی دعائے خیر کی امید رکھتے اور ان کی بد دعا سے ڈرتے تھے۔

ان سے دو سو ستر احادیث مروی ہیں۔ پندرہ پر بخاری اور مسلم کا اتفاق ہے اور پانچ افراد بخاری سے اور اٹھارہ افراد مسلم سے ہیں۔ صحابہ کرام میں سعد نام کے سو سے زائد ہیں۔

لغات (۱) رَهْط۔ اس جماعت کو کہتے ہیں جو دس سے کم ہو۔ یعنی کم از کم تین سے لیکر نو تک۔ جو سب کے سب مرد ہوں کوئی عورت نہ ہو۔ بعضوں نے کہا سات سے دس تک کو رَہط اور سات سے کم تین تک کو نفر کہتے ہیں۔ نو سے اگر کچھ زائد ہو جائے تب بھی رہط کا اطلاق درست ہے۔ نیز اس کے معنی اپنے قبیلے والوں کے بھی ہیں۔ نیز قریبی مورث کی اولاد کو بھی کہتے ہیں۔ یہ اسم جمع ہے اس کے لئے واحد نہیں۔ ان تکبہ اللہ۔ اوندھے منہ گرنے کے معنی میں ہے۔ یہ ان چند عجیب وغریب افعال میں سے ہے کہ مجرد سے متعدی آتا ہے۔ اور باب افعال سے لازم۔ اس کے مثل اور چند افعال ہیں۔ جیسے اَجْحَمَ۔ جحم۔ اَنْسَلَ۔ نسل۔ اَمْرَیٰ۔ مَرَیٰ۔ اَنْزَفَ۔ نَزَفَ۔ اَشْنَقَ البعیر رفع راسہا۔ شَنَقَ۔ اَقْشَعَ۔ قَشَعَ۔ رَجُلًا۔ واقدی میں ہے ان کا نام جعیل بن سراقہ ضمری تھا۔ اُرَاهُ۔ مشہور ومعروف روایت ہمزہ کے ضمہ کے ساتھ ہے جس کے معنی ہیں۔ میں گمان کرتا ہوں۔ مگر امام نووی نے فرمایا کہ صحیح ہمزے کے فتحے کیساتھ ہے معنی میں اَعْلَمُ کے یعنی میں یقینی طور پر اسے مسلمان جانتا ہوں۔ اس لئے کہ اگر یقین نہ ہوتا تو حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تلقین کے باوجود بار بار تکرار نہ کرتے۔ اَوْ مُسْلِمًا واؤ کے سکون کے ساتھ۔ اَوْ تقسیم یا تنویع یا شک اور شریک کرنے کے لئے آتا ہے امام قاضی عیاض نے فرمایا اسے واو کے فتحے کے ساتھ پڑھنا خطا ہے تحقیق یہ ہے کہ یہ اضراب کے لئے ہے جس پر قرینہ ابن اعرابی کی یہ روایت ہے جو ان کی معجم میں ہے۔ لَا تَقُلْ مومن قل مسلمٌ مومن مت کہہ مسلمان کہہ۔

تالیف قلب کے لئے عطا (۲) حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی عادت کریمہ تھی کہ نئے اسلام لانے والوں کو تالیف قلب کے لئے کچھ

تعالٰی علیہ وسلم فساررتہ فقلت یارسول اللہ مالک عن فلان فواللہ

یارسول اللہ آپ نے فلاں کو کچھ نہیں دیا بخدا میں اسے مومن جانتا ہوں فرمایا۔ یا مسلمان۔ پھر میں تھوڑی دیر

انی لاراہ مومنا فقال اومسلما فسکت قلیلا ثم غلبنی ما اعلم منہ فعدت

خاموش رہا مجھے اس کا جو حال معلوم تھا اس نے پھر مجھے سوال کرنے پر مجبور کیا میں نے عرض کیا حضور نے اس کو

لمقالتی فقلت مالک عن فلان فواللہ انی لاراہ مومنا فقال اومسلما فسکت

کیوں نہیں عطا فرمایا؟ بخدا میں اس کو مومن جانتا ہوں ارشاد فرمایا۔ یا مسلمان۔ پھر میں تھوڑی دیر خاموش رہا۔ لیکن

قلیلا ثم غلبنی ما اعلم منہ فعدت لمقالتی وعاد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی

اس کا حال جو مجھے معلوم تھا اس نے مجھے پھر سوال کرنے پر مجبور کیا میں نے وہی سوال دہرایا اور رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ

علیہ وسلم ثم قال انی لاعطی الرجل وغیرہ احب الی منہ خشیۃ ان

وسلم نے وہی جواب ارشاد فرمایا۔ پھر فرمایا میں ایک شخص کو دیتا ہوں حالانکہ دوسرا وہ شخص جس کو کچھ نہیں دیتا مجھے زیادہ

یکبہ اللہ فی النار ۔

پیارا ہوتا ہے۔ ایسے شخص کو اس لئے دیتا ہوں کہ کہیں اللہ تعالٰی اس کو اوندھا جہنم میں نہ گرادے

عطا فرمادیا کرتے تھے ایسے ہی افراد میں سے کچھ لوگوں کو عطا فرمایا اور ایک صاحب کو کچھ نہیں دیا اس پر حضرت سعد نے وہ عرض کیا جو حدیث میں مذکور ہے۔

تلقین کی وجہ (۳) ایمان اور اسلام حقیقی معنی کے اعتبار سے ایک ہی ہیں مگر اسلام کا اطلاق بسا اوقات ظاہری اطاعت و فرمانبرداری پر ہوتا ہے۔ چونکہ مومن ہونے کی بنیاد تصدیق قلبی پر ہے اور یہ باطنی چیز ہے اور مسلمان ہونے کا مدار اطاعت پر ہے یہ ظاہری چیز ہے۔ باطنی چیز پر اطلاع عوام کا کام نہیں۔ اور ظاہری حالت کو ہر شخص جان سکتا ہے جب حضرت سعد نے اس کے مومن ہونے کا یقین کرکے قسم کے ساتھ بیان کیا تو حضور نے اس پر تنبیہ فرمائی۔ کہ باطنی چیز پر کیسے اتنا یقین کرتے ہو کہ اس پر قسم کھا بیٹھے۔ یہ کہو کہ اس کو مسلمان جانتا ہوں یہ احتیاط عہد رسالت تک محدود تھی اس لیے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم دلوں کا حال جانتے تھے اور مومن و منافق کو خوب پہچانتے تھے عہد رسالت کے بعد چونکہ کسی پر منافق ہونے کا حکم لگانا منع ہے۔ اس لئے اگر کوئی اسلام کا اقرار کرتا ہے تو اسے بلا دریغ مومن کہیں گے۔ اسلئے کہ اب باطنی حال جاننے کا یقینی ذریعہ نہیں۔ اب مدار اقرار پر ہے

یہ صاحب مومن مخلص تھے (۴) یہ شخص مومن مخلص تھے جیسا کہ بعد کے حصے سے ظاہر ہے کہ فرمایا جسے میں نہیں دیتا وہ مجھے زیادہ عزیز ہوتا ہے

کمالِ ایمان

ت ۶

وَقَالَ عَمَّارٌ رَضِيَ اللهُ تَعَالَىٰ عَنْهُ ثَلَاثٌ مَنْ جَمَعَهُنَّ فَقَدْ جَمَعَ الْإِيْمَانَ

حضرت عمار[۱] نے فرمایا جس نے تین چیزوں کو جمع کر لیا اس نے ایمان (کی علامتوں) کو جمع کر لیا

اَلْإِنْصَافُ مِنْ نَفْسِكَ - وَبَذْلُ السَّلَامِ لِلْعَالَمِ وَالْإِنْفَاقُ مِنَ الْإِقْتَارِ

اپنے نفس سے انصاف کرنا۔ اور سب کو سلام کرنا۔ اور تنگ دستی میں خرچ کرنا۔

اور حضرت سعد سے جو فرمایا اس سے صرف انھیں ایک اصولی بات کی تعلیم دینی مقصود تھی اس شخص کے بارے میں شبہہ کا اظہار مقصود نہ تھا۔

عمار بن یاسر رضی اللہ تعالیٰ عنہما (۱) یہ اولاد قحطان سے یمن کے باشندے تھے۔ ان کے والد یاسر یمن سے مکہ آئے اور ابوحذیفہ بن مغیرہ مخزومی کے حلیف بنے۔ اس نے اپنی کنیز سُمَیَّہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے یاسر کا نکاح کر دیا جن سے حضرت عمار پیدا ہوئے۔ ابوحذیفہ نے حضرتِ عمار کو آزاد کر دیا۔ یہ اور ان کے والدین قدیم الاسلام ہیں۔ ان کی والدہ کو اسلام قبول کرنے کے جرم میں ابوجہل نے شہید کر دیا۔ یہ اسلام کی پہلی شہیدہ ہیں۔ حضرت عمار اور ان کے والد کو ظالم طرح طرح سے ستاتے تپتی ہوئی پتھریلی زمین پر لٹا دیتے۔ تکلیف کی شدت کی وجہ سے حواس مختل ہو جاتے۔ ایک بار اسی عالم میں رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا گذر ہوا تو فرمایا۔

اصبروا یا آل یاسر فان موعدکم الجنۃ — اے آل یاسر صبر کرو۔ تمھارے وعدے کی جگہ جنت ہے۔

ایک بار ستم شعاروں نے انھیں آگ میں ڈال دیا۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے شفقت سے ان کے آبلوں پر ہاتھ پھیرا اور دعا فرمائی۔

یا نار کونی بردا وسلامًا علیٰ عمار کما کنتِ علیٰ ابراھیم تقتلک الفئۃ الباغیۃ — اے آگ عمار پر ٹھنڈی اور سلامت ہو جا جیسا کہ ابراہیم پر ہوئی تھی۔ اے عمار تمھیں باغی گروہ قتل کرے گا۔

بعض حضرات نے لکھا ہے کہ یہ شرف صرف ان کو اور حضرت صدیق اکبر کو ملا۔ کہ ان کے والدین بھی مسلمان ہوئے۔ مگر یہ حصر صحیح نہیں۔ حضرت نعمان بن بشیر اور حضرت معاویہ کو بھی یہ شرف ملا ہے۔

یہ تیس سے کچھ اوپر اسلام لانے والوں میں سے ہیں۔ پہلے حبشہ ہجرت کی پھر مدینہ طیبہ۔ تمام غزوات میں شرکت کی سعادت حاصل کی

[۱] ابوالقاسم للکائی، امام احمد کتاب الایمان، یعقوب ابن شیبہ، مسند، جامع معمر، مصنف عبدالرزاق، مسند بزار، بغوی شرح السنۃ، ابن الاعرابی معجم و طبرانی کبیر۔

۲۷ حدیث ۔ کفران العشیر

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا قَالَ قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم

عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اُرِیْتُ النَّارَ فَاِذَا اَکْثَرُ اَھْلِھَا النِّسَاءُ یَکْفُرْنَ ۔ قِیْلَ اَیَکْفُرْنَ

نے فرمایا ۔ مجھے جہنم دکھائی گئی میں نے جہنم میں زیادہ تر عورتوں کو دیکھا کفر (ناشکری) کرتی ہیں ۔ عرض

بِاللّٰہِ ؟ قَالَ یَکْفُرْنَ الْعَشِیْرَ وَیَکْفُرْنَ الْاِحْسَانَ لَوْ اَحْسَنْتَ اِلٰی اِحْدٰھُنَّ

کیا گیا کیا اللہ کے ساتھ کفر کرتی ہیں ارشاد فرمایا نہیں ۔ وہ شوہروں کی ناشکری کرتی ہیں اور احسان نہیں مانتی اگر تم ان میں

جنگ صفین میں حضرت علی رضی اللہ تعالٰی عنہ کے ساتھ تھے ۔ اسی میں ۳۷ھ میں ترانوے یا چورانوے سال کی عمر پاکر شہید ہوئے ۔ اور وہیں دفن ہوئے ۔ حضرت علی نے نماز جنازہ پڑھائی ۔ اور شہادت کے وقت جسم پر جو کپڑے تھے اسی میں ان کی وصیت کے مطابق دفن فرمایا ۔ ان سے دو سو ساٹھ حدیثیں مروی ہیں ۔ دو بخاری اور مسلم دونوں نے ، تین صرف بخاری نے اور ایک صرف مسلم نے روایت کی ۔

ایمان سے مراد کمال ایمان (۲) فقد جمع الایمان سے مراد یہ ہے کہ اس نے کمال ایمان جمع کر لیا جیسا کہ شعبہ کی روایت میں یوں ہے فقد استکمل الایمان ۔ العالم اگرچہ ماسوی اللہ کو کہتے ہیں مگر یہ اپنے عموم کلی پر نہیں ۔ اولاً عالم میں حیوانات ، نباتات ، جمادات بھی داخل ہیں ۔ وہ ہرگز مراد نہیں ۔ مراد یہ ہے جو سلام کرنے کے اہل ہوں خواہ اس سے تعارف ورشتہ ہو خواہ نہ ہو ۔ اس لئے کافر بدمذہب فساق نکل گئے اس لئے کہ سلام کے اہل نہیں جیسا کہ حدیث ۱۲ میں دلائل مذکور ہوئے ۔

حدیث کا مطلب (۳) حدیث کا مطلب یہ ہے جس مسلمان میں یہ تین باتیں ہوں گی وہ کامل الایمان ہے ۔ ایک یہ کہ اپنے ساتھ انصاف کرتا ہو ۔ اپنے ساتھ انصاف کا مطلب یہ ہے کہ تمام مامورات کو ادا کرتا ہو اور تمام منہیات سے بچتا ہو ۔ انصاف کی ضد ظلم ہے اور کفر وشرک اور معصیت کا ارتکاب نفس پر ظلم ہے اس لئے انصاف کا مطلب ہوا تمام معاصی سے اجتناب ۔ دوسرے ہر مسلمان غیر فاسق کو سلام کرنا خواہ اس سے اس کی جان پہچان ہو خواہ نہ ہو کوئی تعلق ہو خواہ نہ ہو ۔ تیسرے تنگدستی کے باوجود راہ خدا میں خرچ کرتا ہو ۔

تشریحات ۲۷

(۱) دھر کے معنی زمانہ ۔ ابد ۔ دنیا کی پوری مدت ۔ کسی قوم کی پوری مدت ۔ آتا ہے ۔ کفر کے اصل معنی چھپانے کے ہیں ۔ یہاں احسان

الدَّهْرَ ثُمَّ رَأَتْ مِنْكَ شَيْئًا قَالَتْ مَا رَأَيْتُ مِنْكَ خَيْرًا قَطُّ[۱]

سے کسی کے ساتھ زمانہ بھر احسان کرو پھر اگر تم سے کوئی بات ناپسند دیکھے تو کہدیگی میں نے تم سے کبھی کوئی بھلائی نہیں دیکھی۔

(۲۸) حدیث۔ آپس میں قتال کا حکم

عَنِ الْاَحْنَفِ بْنِ قَيْسٍ[۱] **قَالَ ذَهَبْتُ لِاَنْصُرَ هٰذَا الرَّجُلَ فَلَقِيَنِيْ اَبُوْبَكْرَةَ**[۲]

حضرت احنف بن قیس نے فرمایا میں اس شخص[۳] (حضرت علی) کی مدد کے لئے چلا۔ مجھ سے ابو بکرہ ملے اور

چھپانا مراد ہے۔ یعنی ناشکری۔ نیز کفر کے معنی برارت اور بیزاری کے بھی ہیں۔ یہاں مراد ناشکری ہے۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ناشکری گناہ ہے۔ نیز ثابت ہوا کہ احسان شناسی واجب ہے۔ نیز ثابت ہوا کہ جس طرح اعمال صالحہ پر ایمان کا اطلاق آتا ہے اسی طرح معاصی پر کفر کا اطلاق وارد ہے۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ جہنم اسوقت مخلوق اور موجود ہے۔ جہنم امور غیبیہ میں ہے۔ اسے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ملاحظہ فرمایا۔ اس سے ثابت کہ حضور غیب جانتے تھے۔ عورتوں کے جہنم میں زیادہ ہونے کا سبب یہ ہے کہ بقیہ گناہوں میں مرد اور عورت دونوں شریک ہیں۔ اور یہ گناہ، شوہر کی ناشکری احسان فراموشی چونکہ عورتوں میں بہ نسبت مردوں کے زیادہ ہے۔ اس لئے یہ جہنم میں زیادہ نظر آئیں۔ پھر شوہر کی ناشکری تو صرف عورتوں کے ساتھ خاص ہے۔ عورتوں کو ناقصات عقل باعتبار اکثر کے فرمایا گیا۔ کہ ان میں زیادہ تر کم عقل ہوتی ہیں۔ ورنہ بعض بعض تو مردوں سے بھی زیادہ عاقل ہوتی ہیں۔ یہ حدیث یہاں مختصر ہے۔ مفصل باب الکسوف میں آئے گی۔

تشریحات (۲۸)

احنف بن قیس[۱] (۱) تابعی ہیں ان کا اصل نام ضحاک یا صخرہ ہے اور کنیت ابو بحر ہے۔ مشہور احنف کے ساتھ ہیں۔ احنف کے معنی ٹیڑھے پاؤں والا یا وہ شخص جس کا پاؤں مڑا ہوا اور وہ پاؤں کی پیٹھ کے بل چلتا ہو۔ انھیں زمانہ اقدس ملا۔ اسی عہد میں مسلمان بھی ہوئے لیکن زیارت سے محروم رہے۔ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بارگاہ میں حاضر ہوئے۔ مرو الروذ انھوں نے فتح کیا۔ اس لشکر میں ان کے جھنڈے کے نیچے امام حسن بصری اور امام محمد بن سیرین بھی تھے۔ حضرت عمر و علی و عباس وغیرہ صحابہ سے حدیث سنی ان سے امام حسن بصری وغیرہ نے۔ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت میں ۶۷ھ میں کوفے میں وصال ہوا۔

حضرت ابوبکرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ[۲] (۲) ان کا نام نفیع ہے یا مسروح۔ یہ طائف کے باشندے تھے۔ حارث بن کلدہ کے غلام۔ ان کی ماں وہی سمیہ ہے جو زیاد کی ماں ہے۔ جب حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے طائف کا محاصرہ فرمایا اور یہ اعلان کر دیا۔ کہ جو غلام میرے

[۱] ایضاً کتاب النکاح۔ کفران العشیر کتاب الصلوۃ صلوۃ الکسوف جماعۃ من صلی وقد استنار کتاب الاذان باب، فی الیمین الامام فی الصلوۃ ... العلق ... باب فی صفۃ الشمس والقمر مسلم عن ...

فَقَالَ اَیْنَ تُرِیْدُ. قُلْتُ اَنْصُرُ هٰذَا الرَّجُلَ. قَالَ اِرْجِعْ فَاِنِّیْ سَمِعْتُ

انھوں نے پوچھا کہاں کا ارادہ ہے؟ میں نے بتایا اس شخص کی مدد کے لئے جا رہا ہوں۔ انھوں نے کہا واپس ہو جاؤ

رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اِذَا الْتَقَا الْمُسْلِمَانِ

اس لئے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو فرماتے سنا جب دو مسلمان اپنی اپنی تلواریں لیکر

بِسَيْفَيْهِمَا فَالْقَاتِلُ وَالْمَقْتُوْلُ فِى النَّارِ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ هٰذَا الْقَاتِلُ

لڑیں تو قاتل اور مقتول دونوں جہنمی ہیں میں نے عرض کیا قاتل تو جہنمی ہوگا مگر مقتول کیسے ہوگا؟

فَمَا بَالُ الْمَقْتُوْلِ؟ قَالَ اِنَّهٗ كَانَ حَرِيْصًا عَلٰى قَتْلِ صَاحِبِهٖ

فرمایا مقتول اس لئے ہوگا کہ وہ اپنے مدمقابل کو قتل کرنے کا عزم مصمم رکھتا تھا ف٥

پاس آجائے گا وہ آزاد ہے۔ تو یہ چرخی کے ذریعہ فصیل سے اترے۔ چرخی کو عربی میں بکرہ کہتے ہیں۔ اسی بنا پر حضور نے ان کی کنیت ابوبکرہ رکھی۔ اور حسب اعلان انھیں آزاد کر دیا۔ انھیں آزادی تو مل گئی۔ لیکن محبوب خدا کی غلامی میں وہ مزہ آیا کہ عمر بھر خدمت ہی میں رہے۔ یہ فضلاء صحابہ اور ان کے عابدین میں ہیں ۵۲ھ میں وفات پائی۔ ان سے ایک سو بتیس حدیثیں مروی ہیں۔ آٹھ پر شیخین متفق ہیں۔ اور پانچ تنہا امام بخاری نے اور ایک امام مسلم نے تنہا روایت کی ہے۔

ف۳ اس حدیث میں هٰذا الرجل سے مراد حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں جیسا کہ خود بخاری کتاب الفتن میں بجائے هٰذا الرجل کے ابن عم رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وارد ہے۔ نیز اسماعیل کی روایت میں یعنی علیاً موجود ہے۔

یہ واقعہ جنگ جمل کا ہے حضرت ابوبکرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا روکنا اس بنا پر تھا کہ ظاہر حدیث کے اعتبار سے انھوں نے یہی سمجھا تھا کہ جب دو مسلمان لڑیں تو کسی کا ساتھ نہیں دینا چاہئے یا اس بنا پر تھا کہ حضرت ابوبکرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نزدیک یہ ظاہر نہ ہو سکا تھا کہ حق پر کون ہے۔ حضرت احنف جنگ جمل میں شریک نہ ہوئے مگر پھر حضرت علی کا حق پر ہونا ان پر ظاہر ہو گیا۔ اور جنگ صفین میں حضرت علی کے

ف۴ اس سے مراد جب دو مسلمان ناحق لڑیں آپس میں لڑنے کا کوئی شرعی جواز نہ ہو نہ قاتل کے پاس نہ مقتول کے پاس۔ اور اگر لڑائی کی کوئی شرعی وجہ ہو تو یہ حکم نہیں۔ اگر شرعی جواز کی وجہ کسی کے پاس ہو تو اسے لڑنا جائز بلکہ باعث اجر۔ گنہگار وہ ہوگا جس کے پاس کوئی وجہ

ع۲ کتاب الفتن۔ نسائی تحریم۔ ابن ماجہ فتن۔ مسلم و ابوداؤد۔

(۲۹) حدیث۔ گالی دینی جاہلیت ہے

عَنِ الْمَعْرُوْرِ قَالَ لَقِيْتُ اَبَاذَرٍّ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ

حضرت معرور نے کہا میں نے مقام ربذہ پر حضرت ابو ذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ملاقات کی

جواز نہیں اور اگر دونوں کے پاس شرعی جواز کی وجہ ہو تو کوئی گنہ گار نہ ہوگا جیسا کہ جنگ جمل اور صفین میں تھا۔ حضرت عائشہ و حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے اپنے اجتہاد سے لڑائی کو ضروری جانا اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے اجتہاد پر عمل فرمایا۔ اگرچہ باجماع اہلسنت حضرت علی حق پر تھے اور ان کے محاربین سے خطاء اجتہادی ہوئی۔ اور مجتہد سے اگر خطاء اجتہادی واقع ہو تو بھی اسے اور اسکے مقلدین کو ایک ثواب ملتا ہے۔ صحابہ کرام کے آپس میں مشاجرات میں کلام منع ہے۔ اللہ عزوجل نے تمام صحابہ کرام کے لئے فرمایا وَكُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى (نساء (۹۵) حدید (۱۰)) اور اللہ نے سب سے بھلائی کا وعدہ فرمالیا ہے اور ارشاد ہے رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ (توبہ (۱۰۰)) اللہ ان سے راضی ہوا اور وہ اللہ سے راضی ہوئے۔ وجہ یہی ہے کہ صحابہ کرام کے باہمی اختلافات نفسانیت و دنیاداری کی وجہ سے نہیں۔ جو اختلاف ہوا۔ اجتہاد میں خطا کی وجہ سے ہوا۔

ف۵ صحیح و محقق مذہب یہ ہے کہ گناہ کا محض ارادہ گناہ نہیں۔ مگر جب گناہ کا اتنا پختہ عزم کرلے جتنا گناہ کے ارتکاب کے وقت ہوتا ہے تو گناہ کا ایسا پختہ ارادہ و عزم گناہ ہے۔ یہ حدیث اس پر دلیل ہے۔ اگرچہ یہاں مقتول نے مسلمان کو قتل کرنے کے لئے ہاتھ پاؤں چلائے مگر حدیث میں موجب نار اس کی قتل کی حرص کو بتایا۔ اور حرص فعل قلب ہے فعل جوارح نہیں۔

تشریحات (۲۹)

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ (۱) یہ بنی غفار بدوی قبیلے کے فرد ہیں۔ بنی غفار، بنی کنانہ کی ایک شاخ ہے۔ ان کا اصل نام جُنْدُبْ یا جُنْدَبْ ہے یا جِنْدَبْ تھا۔ ایک قول یہ ہے کہ ان کا نام بُرَیر ہے۔ یہ بھی سابقین الی الاسلام میں سے ہیں۔ خود فرمایا میں چوتھا یا پانچواں مسلمان ہوں۔ مکہ معظمہ میں حاضر ہو کر اسلام سے مشرف ہوئے۔ پھر اپنے قبیلے میں واپس چلے گئے غزوۂ خندق کے بعد مدینہ طیبہ حاضر ہوئے اور پھر وصال اقدس تک حاضر رہے۔ غزوۂ تبوک میں ابتداءً نہ شریک ہوئے۔ بعد میں اکیلے چلے راستے میں اونٹ مرگیا۔ اپنا سامان لادے ہوئے بالکل یکہ و تنہا اس وقت خدمت اقدس میں حاضر ہوئے۔ کہ سرکار تبوک میں قیام فرما تھے۔ ان کو تن تنہا آتا دیکھکر فرمایا اللہ! ابوذر پر رحم فرمائے۔ تنہا آیا ہے۔ تنہائی میں مرے گا اور تنہا ہی قبر سے اٹھے گا۔ یہ غیب کی خبر حرف بحرف پوری ہوئی۔ ان کا مسلک یہ تھا۔ کہ حاجت سے زیادہ مال جمع کرنا حرام ہے۔ اپنے اس اجتہاد پر بہت سخت تھے۔ لوگوں پر اس سلسلے میں بہت سخت تنقید فرماتے

بِالرَّبَذَةِ وَعَلَيْهِ حُلَّةٌ وَّعَلٰى غُلَامِهٖ حُلَّةٌ۔ فَسَأَلْتُهٗ عَنْ ذٰلِكَ فَقَالَ

جو لباس ان پر تھا ویسا ہی لباس ان کے غلام پر تھا۔ میں نے ان سے اس بارے میں دریافت کیا تو انھوں نے بتایا میں نے

اِنِّيْ سَابَبْتُ رَجُلًا فَعَيَّرْتُهٗ بِاُمِّهٖ فَقَالَ لِيَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ

ایک شخص (غلام) کو ماں کی گالی دی تھی۔ (اس نے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے شکایت کی) اس پر حضور نے فرمایا۔ اے

وَسَلَّمَ يَا اَبَا ذَرٍّ اَعَيَّرْتَهٗ بِاُمِّهٖ اِنَّكَ امْرُءٌ فِيْكَ جَاهِلِيَّةٌ اِخْوَانُكُمْ

ابو ذر تم نے اس کو ماں کی گالی دی ہے۔ تم میں کچھ جاہلیت ہے تمھارے خدام

خَوَلُكُمْ جَعَلَهُمُ اللّٰهُ تَحْتَ اَيْدِيْكُمْ فَمَنْ كَانَ اَخُوْهُ تَحْتَ يَدِهٖ فَلْيُطْعِمْهُ

تمھارے بھائی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو تمھارے ماتحت کر دیا۔ جس کے ماتحت اس کا کوئی بھائی ہو۔ تو اسے

مِمَّا يَاْكُلُ وَلْيُلْبِسْهُ مِمَّا يَلْبَسُ۔ وَلَا تُكَلِّفُوْهُمْ مَا يَغْلِبُهُمْ۔ فَاِنْ كَلَّفْتُمُوْهُمْ

چاہئے کہ جو خود کھائے ویسا ہی اسے کھلائے اور جیسا پہنے ویسا ہی اسے بھی پہنائے۔ ان کو ایسا کام نہ دو جو

فَاَعِيْنُوْهُمْ

ان کی طاقت سے زیادہ ہو۔ اور اگر ایسا کام دو تو انکی مدد کرو۔

تھے۔ جس سے خلفشار مچا رہتا۔ عاجز آکر حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کو حکم دیدیا کہ ربذہ میں جاکر رہو۔ وہیں اکیلے رہتے وہیں تنہائی میں وصال فرمایا۔ اتفاق سے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ پہونچ گئے انھوں نے اپنے ہمراہیوں کے ساتھ نماز جنازہ پڑھائی۔ اور وہیں دفن فرمایا۔ ۳۲ھ میں وصال فرمایا۔ ان سے دو سو اکاسی حدیثیں مروی ہیں۔ بارہ متفق علیہ، دو افراد بخاری سے اور ستر افراد مسلم سے ہیں۔

لغات (۲) ربذۃ۔ مدینہ طیبہ سے تین منزل کے فاصلے پر عراق کی طرف ذات عرق کے قریب ایک چھوٹا سا گاؤں تھا۔ حُلّۃ۔ چادر اور تہبند دونوں کے مجموعے کو حلہ کہتے ہیں۔ سابَبْتُ معنی میں سَبَبْتُ کے ہے۔ یعنی میں نے برا کہا۔

تکمیل (۳) کتاب الادب باب ماینھی عن السباب واللعن میں اس حدیث کا اگلا حصہ یوں ہے۔ معرور نے کہا۔ میں نے دیکھا ان پر ایک چادر تھی اور ان کے غلام پر ایک چادر تھی۔ تو میں نے کہا اگر آپ غلام کی چادر لیکر پہن لیتے تو پورا جوڑا ہو جاتا۔ اور غلام کو کوئی اور کپڑا دیدیتے تو حضرت ابوذر نے فرمایا۔ میرے اور ایک شخص (غلام) کے درمیان تیز کلامی ہوگئی۔ اس کی ماں عجمیہ تھی۔ میں نے اس کی ماں کو کچھ کہدیا۔ اس نے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے اس کا ذکر کیا اس پر حضور نے مجھ سے پوچھا۔ کیا تم نے فلاں کو گالی دی ہے۔ میں نے عرض کیا ہاں۔ فرمایا اسکی

(۳۰) حدیث - شرک ظلم عظیم ہے

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ لَمَّا نَزَلَتْ

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی۔ وہ

"اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ یَلْبِسُوْا اِیْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ۔ قَالَ اَصْحَابُ رَسُوْلِ اللّٰهِ

لوگ جو ایمان لائے اور اپنے ایمان میں کسی ناحق کی آمیزش نہ کی۔ انھیں کے لئے امن ہے (یہ صحابہ

ماں کو کچھ کہا ہے میں نے عرض کیا ہاں فرمایا تم میں کچھ جاہلیت ہے۔ میں نے عرض کیا۔ اس وقت تک بڑھاپے کے باوجود حضور نے فرمایا۔ ہاں [۱]

تطبیق (۴) کتاب الایمان اور کتاب العتق میں "علیہ حلۃ" آیا ہے اور کتاب الادب میں "برد"۔ حُلَّہ۔ پورے جوڑے چادر اور تہبند کے مجموعے کو کہتے ہیں۔ علامہ عینی نے یہ فرمایا کہ صحیح یہی ہے کہ حضرت ابوذر صرف چادر اوڑھے ہوئے تھے۔ اور ان کے غلام بھی سابقہ روایت میں "حلۃ" کا ذکر بطور مجاز ہے۔

اس حدیث میں سابت رجلا سے مراد غلام ہے جس پر حدیث کا سیاق وسباق دلالت کرتا ہے اس لئے کہ حضرت ابوذر نے غلام کے ساتھ لباس میں مساوات کی بلفظ اس واقعہ کو بتایا ہے۔ مطابقت اسی صورت میں ہوگی کہ جس شخص کو حضرت ابوذر نے گالی دی تھی وہ غلام ہو۔

کسے برا کہا تھا (۵) یہ قصہ حضرت بلال کے ساتھ پیش آیا تھا۔ حضرت ابوذر نے ان کو یہ کہدیا تھا، او کالی عورت کے بچے۔ انھوں نے دربار نبوی میں شکایت کردی۔ اس پر حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت ابوذر سے فرمایا۔ تم میں جاہلیت ہے۔ اس ارشاد کے سننے کے بعد حضرت ابوذر نے اپنا رخسار زمین پر رکھکر حضرت بلال سے فرمایا۔ میں زمین سے اپنا رخسار اس وقت تک نہیں اٹھاؤں گا جب تک تم میرے رخسار کو قدم سے نہ روندو۔ بالآخر حضرت بلال کو ان کی ضد پوری کرنی پڑی۔ (قسطلانی)

یہ واقعہ اس وقت کا ہے جبکہ ان کو یہ معلوم نہ تھا کہ کسی مسلمان کو برا کہنا حرام ہے۔

(۳۰) تشریحات

(۱) ظلم کے لغوی معنی۔ وضع الشیٔ فی غیر محلہ۔ یعنی جس چیز کی جگہ جو ہو اس کے بجائے دوسری جگہ رکھدینا۔ عرف میں ظلم کا اطلاق ستانے اور ناحق مال لینے پر ہوتا ہے۔ قرآن وحدیث میں اس کا اطلاق ہر گناہ پر ہوا ہے اور کفر وشرک پر بھی۔

توضیح (۲) جب سورۂ انعام کی یہ آیت نازل ہوئی :۔

[۱] بخاری کتاب العتق وکتاب الادب، مسلم کتاب الایمان والنذور، ابوداؤد۔

صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَيُّنَا لَمْ يَظْلِمْ. فَاَنْزَلَ اللّٰهُ اِنَّ

کرام پر شاق ہوا) اس پر صحابہ نے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے عرض کیا. ہم میں کون ایسا ہے جس نے ظلم (گناہ) نہیں کیا

الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ ؏ ۱

اس پر اللہ عزوجل نے یہ آیت نازل فرمائی ۔ بیشک شرک ظلم عظیم ہے

اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ يَلْبِسُوْا اِيْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ — جو ایمان لائے اور اپنے ایمان کی ظلم سے آمیزش نہیں کی ۔

اُولٰٓئِكَ لَهُمُ الْاَمْنُ وَهُمْ مُّهْتَدُوْنَ ۝ — انھیں لوگوں کے لئے امن ہے اور وہی ہدایت یافتہ ہیں ۔

بظلمٍ نکرہ تحت النفی مفید عموم ہے ۔ الامن کے متعلق لھم کی تقدیم مفید حصر تو آیت کا ظاہر مطلب یہ ہوا کہ جن کے ایمان کے ساتھ کسی بھی ظلم کی آمیزش نہ ہوئی اگرچہ وہ کوئی گناہ ہی کیوں نہ ہو ۔ صرف انھیں کے لئے امن و ہدایت ہے ۔ اور جن کے ایمان سے کسی ظلم کی اگرچہ وہ کوئی گناہ ہی کیوں نہ ہو ۔ آمیزش ہوئی نہ ان کے لئے امن ہے اور نہ ہدایت ۔ اس پر صحابہ کرام نے عرض کیا ہم میں کون ایسا ہے جس نے کوئی نہ کوئی ظلم نہ کیا ہو تو حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا یہاں ظلم سے مراد اس کی اعلیٰ قسم شرک ہے کیا تم نے لقمان کا یہ قول نہیں سنا ۔

اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ — بیشک شرک ظلم عظیم ہے ۔

اشارہ فرمایا کہ "بظلمٍ" کی تنوین تعظیم کے لئے ہے اس جگہ یہ ہے کہ صحابہ کے سوال پر سورہ لقمان کی یہ آیت نازل ہوئی اور کتاب التفسیر میں وہ ہے جو ہم نے لکھا ۔ علامہ ابن حجر نے یہ تطبیق دی ۔ کہ ہو سکتا ہے کہ سورہ لقمان کی یہ آیت جلدی نازل ہوئی ہو ۔ راوی کو اس کا علم نہ رہا ہو حضور نے اس کی نشاندہی کی تو راوی نے یہ سمجھا کہ اسی وقت نازل ہوئی ہے ۔

(۳) اس حدیث پر اشکال یہ ہے کہ صحابہ کرام نے عرض کیا ہم میں کون ہے جس نے ظلم نہ کیا ہو ۔ اور ظلم سے مراد ان کی گناہ ہے تو صحابہ اقراری گنہ گار ہوئے ۔ حالانکہ اہل سنت کا اجماعی عقیدہ ہے کہ صحابہ کرام سب کے سب عادل گناہ سے محفوظ ہیں ۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ اقرار یا تو بر سبیل تواضع ہے یا یہ کہ ان کی مراد وہ افعال ہیں جن کی حرمت کا انھیں علم نہ تھا یا ابھی اس کی حرمت نازل نہیں ہوئی تھی ۔ انکا ارتکاب وہ کرتے تھے ۔ بعد میں حرمت نازل ہوئی یا بعد میں حرمت کا علم ہوا ایسے افعال کو انھوں نے ظلم سے تعبیر کیا ۔ یا غایت کرم سے اپنے بعد آنے والوں کے لئے سوال کر لیا اور بر بنائے کُلُّ مُؤْمِنٍ اِخْوَةٌ ان کو اَیُّنَا سے تعبیر فرمایا ۔ یا گناہ سے مراد وہ صغائر ہیں جو بلا قصد و اختیار سرزد ہو جائیں ۔

؏ ۱ کتاب الانبیاء ۔ کتاب التفسیر ۔ استتابۃ المرتدین بخاری ۔ مسلم ۔ ترمذی

(۳۱) حدیث - نفاق کی علامت

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّم

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

قَالَ آیَةُ الْمُنَافِقِ ثَلَاثٌ اِذَا حَدَّثَ كَذَبَ وَاِذَا وَعَدَ اَخْلَفَ وَاِذَا اؤْتُمِنَ خَانَ[1]

منافق کی نشانیاں تین ہیں جب بات کرے جھوٹ بولے۔ جب وعدہ کرے وعدہ خلافی کرے اور جب اسکے پاس امانت رکھی جائے

(۴) ایمان کے ساتھ کفر و شرک کی آمیزش سے مراد یہ ہے کہ وہ منافق نہیں۔ کہ ظاہر میں ایمان کا اقرار اور اندر کافر ہے یا مراد یہ ہے کہ وہ ایمان کا مدعی ہے۔ اور اپنے کو مومن مخلص یقین کئے ہوئے ہے۔ مگر اس سے کفر کا صدور ہو گیا۔ اور وہ اپنی جہالت سے کفر کو کفر نہیں جانتا۔ جیسے اس زمانے کے قادیانی نیچری وہابی رافضی وغیرہ ہیں

تشریحات (۳۱)

(۱) اس حدیث میں منافق کی تین ایسی علامتیں بیان فرمائیں جن کا تعلق قول عمل نیت میں سے ایک ایک سے ہے۔ کذب فساد قولی ہے۔ خیانت فساد عمل ہے۔ اور وعدہ خلافی فساد نیت ہے۔

آیت کے معنی علامت کے ہیں۔ اور علامت کبھی شی کے لوازم سے ہوتی ہے اور لوازم کبھی ملزوم سے اعم ہوتے ہیں۔ لازم اعم کا وجود ملزوم کے وجود کو مستلزم نہیں۔ جیسے ماشی انسان کے لوازم میں سے ہے مگر چونکہ یہ لازم اعم ہے اس لئے ماشی کے وجود سے انسان کا وجود لازم نہیں۔ تمام چوپائے ماشی ہیں مگر انسان نہیں۔ اسی طرح یہ علامتیں منافق کے لوازم عامہ میں سے ہیں کہ جو منافق ہوگا اس میں یہ تینوں باتیں ضرور ہوں گی۔ لیکن یہ ضروری نہیں کہ جس میں یہ باتیں پائی جائیں وہ منافق بھی ضرور ہو جیسے کفار مشرکین۔ اس لئے اگر کسی مسلمان میں یہ باتیں پائی جائیں تو اسے منافق کہنا جائز نہیں۔ ہاں یہ کہہ سکتے ہیں کہ اس میں نفاق کی علامت ہے۔

علامہ قرطبی نے فرمایا کہ نفاق کی دو قسمیں ہیں۔ ایک نفاق فی الاعتقاد کہ جو زبان سے اپنے کو مسلمان کہے اور دل میں کفر رکھے۔ دوسرے نفاق فی العمل اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ وہ کام کرے جو مسلمانوں کے شایانِ شان نہ ہو منافقین کے کرتوت ہوں جیسے یہ تینوں عیوب۔ جو مسلمان اس کا مرتکب ہو وہ نفاق فی العمل کا مرتکب ہے۔

[1] شہادات - وصیت - ادب - مسلم ایمان - ترمذی - نسائی

(۳۲) حدیث۔ گالی بکنا نفاق کی علامت ہے

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے نبی صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا

اَرْبَعٌ مَّنْ كُنَّ فِيْهِ كَانَ مُنَافِقًا خَالِصًا وَّمَنْ كَانَ فِيْهِ خَصْلَةٌ

جس میں یہ چاروں باتیں ہوں گی وہ خالص منافق ہے اور جس میں ان میں سے ایک ہوگی اس میں

مِّنْهُنَّ كَانَتْ فِيْهِ خَصْلَةٌ مِّنَ النِّفَاقِ حَتّٰى يَدَعَهَا اِذَا اؤْتُمِنَ

نفاق کی ایک خصلت پائی جائے گی یہاں تک کہ اس کو چھوڑ دے جب اس کے پاس امانت رکھی جائے

خَانَ وَاِذَا حَدَّثَ كَذَبَ وَاِذَا عَاهَدَ غَدَرَ وَاِذَا خَاصَمَ فَجَرَ

خیانت کرے جب بات کرے جھوٹ بولے جب عہد کرے تو دغا کرے جب جھگڑا کرے تو گالی دے۔

تشریحات (۳۲)

(۱) اس میں ان تین کے علاوہ چوتھی علامت یہ بتائی جب جھگڑے تو گالی دے۔ نیز اس حدیث میں صاف صاف فرمایا کہ جس میں یہ چاروں باتیں ہوں گی وہ خالص منافق ہوگا۔

اب یہاں بھی یہی کہنا پڑے گا کہ، منافق خالص سے منافق فی العمل مراد ہے۔ یا کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے زمانے کے منافقین کے بارے میں فرمایا کہ ہمارے زمانے میں جس کلمہ گو میں یہ چاروں برائیاں اکٹھی ہوں تو سمجھ لو کہ وہ پکا منافق ہے۔

(۲) نفاق کی علامتیں انھیں چاروں میں منحصر نہیں۔ اس کے علاوہ بھی دوسری احادیث میں اور قرآن کریم میں نفاق کی اور بھی علامتیں مذکور ہیں۔ جیسے گذر چکا کہ انصار سے بغض نفاق کی علامت ہے۔ اور بقیہ احادیث میں متفرق طور سے مذکور ہیں۔ مثلاً:۔

جس نے جہاد نہ کیا اور نہ کبھی اس کے دل میں جہاد کا شوق پیدا ہوا وہ اسی حالت میں مرا۔ نماز میں سستی کرنا۔ نماز کو مکروہ وقت میں پڑھنے کی عادت ڈال لینی۔ اذان کے بعد مسجد سے بے نماز پڑھے بلا ضرورت چلا جانا جب کہ لوٹنے کی نیت نہ ہو۔ وغیرہ وغیرہ

عہ جزیہ، مظالم بخاری۔ مسلم ایمان۔ ابو داؤد سنت۔ ترمذی ایمان نسائی ایمان۔ مسند امام احمد

حدیث (۳۴) - جہاد کی اہمیت

سَمِعْتُ اَبَاھُرَیْرَۃَ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آنحضور

عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنْتَدَبَ اللّٰہُ عَزَّوَجَلَّ لِمَنْ خَرَجَ فِیْ سَبِیْلِہٖ لَا

نے فرمایا اس شخص کے لئے جو جہاد فی سبیل اللہ کے لئے نکلے اور اس کو جہاد کے لئے صرف مجھ پر

یُخْرِجُہٗ اِلَّا اِیْمَانٌ بِیْ اَوْتَصْدِیْقٌ بِرُسُلِیْ اَنْ اُرْجِعَہٗ بِمَانَالَ مِنْ

ایمان نے اور تمام پیغمبروں کی تصدیق نے نکالا ہو اللہ نے اپنے ذمہ کرم پر لے لیا ہے یا تو اسے

اَجْرٍ اَوْغَنِیْمَۃٍ اَوْ اُدْخِلَہُ الْجَنَّۃَ وَلَوْلَا اَنْ اَشُقَّ عَلٰی اُمَّتِیْ مَاقَعَدْتُ

ثواب یا مال غنیمت کے ساتھ گھر واپس کرے یا اس کو شہید کرا کے جنت میں داخل کرے۔ اگر میں یہ نہ سمجھتا کہ

خَلْفَ سَرِیَّۃٍ وَّلَوَدِدْتُ اَنِّیْ اُقْتَلُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ ثُمَّ اُحْیٰی ثُمَّ اُقْتَلُ

میری امت پر یہ شاق ہوگا تو کسی سریہ کے پیچھے نہ رہتا اور میں اس بات کو پسند رکھتا ہوں کہ اللہ کی راہ

ثُمَّ اُحْیٰی ثُمَّ اُقْتَلُ[۱]

میں مارا جاؤں پھر زندہ کیا جاؤں؛ پھر شہید کیا جاؤں پھر زندہ کیا جاؤں پھر شہید کیا جاؤں

تشریحات (۳۴)

ف۱ انتدب کا مادہ ندب ہے۔ اس کا صلہ جب لام یا الیٰ آتا ہے تو اس کے معنیٰ بلانے اور اکسانے کے ہوتے ہیں (قاموس)

اُنْتُدِبَ کے معنی قبول کرنا۔ بہت جلد اچھی جزا دینا۔ کفیل ہونا ہے۔ یہاں ارجح یہ ہے کہ ذمہ دار اور کفیل ہونے کے معنیٰ میں ہے۔ اسی لئے کتاب الجہاد میں بجائے اُنْتُدِبَ کے تکفّل ہے۔

ف۲ مراد یہ ہے کہ اگر اس جہاد میں، مال غنیمت ہاتھ نہیں آیا تو جہاد کا ثواب ضرور ملے گا یا پھر ثواب اور مال غنیمت دونوں ملیگا۔ اور ایک توجیہ یہ ہے کہ یہ "او" واؤ کے معنیٰ میں ہے اس کی تائید ابوداؤد کی روایت سے ہوتی ہے جس میں واؤ ہی ہے اور اُدْخِلَہُ الْجَنَّۃ سے مراد یہ ہے کہ مقربین کے ساتھ بلاحساب و کتاب جنت میں داخل فرماؤں گا۔ اور اس کے تمام گناہوں کو معاف کر دونگا۔

[۱] کتاب الجہاد بخاری۔ مسلم امارۃ۔ نسائی ابن ماجہ۔ مسند امام احمد۔

(۳۴) حدیث۔ من صام رمضان ایمانا

عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالی عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے، نبی صلے اللہ تعالی علیہ وسلم نے فرمایا

تعالی علیہ وسلم من قام لیلۃ القدر ایمانا واحتسابا غفر لہ ما

جس نے شب قدر میں عبادت کی ایمان کے ساتھ اور ثواب کی نیت سے اس کے گذشتہ

تقدم من ذنبہ ومن صام رمضان ایمانا واحتسابا غفر لہ ما

گناہ معاف کردیئے جائیں گے اور جس نے رمضان کا روزہ ایمان کے ساتھ اور ثواب کی نیت سے

تقدم من ذنبہ

رکھا اس کے گذشتہ گناہ بخشدیئے جائینگے

سریہ چھوٹے لشکر کو کہتے ہیں عرب کا مقولہ یہ ہے کہ خیر السرایا اربعۃ مائۃ رجل۔ بہترین سریہ وہ ہے جس میں چار سو مرد ہوں۔ کتب حدیث وسیر میں، سریہ سے مراد مجاہدین کی وہ جماعت ہے جس میں حضور اقدس صلی اللہ تعالی علیہ وسلم شریک نہوں حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ جہاد ایسی بہترین عبادت ہے کہ جو شخص اللہ کی رضا کے لئے صحیح ایمان کے ساتھ جہاد میں نکلے گا تو وہ بہرحال نفع میں رہے گا یا تو اسے مال غنیمت اور ثواب دونوں ملے گا یا نہیں تو ثواب کہیں نہیں گیا اور کام آگیا تو بلا حساب وکتاب جنت میں جائے گا۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالی علیہ وسلم بآں فضل وکمال وعظمت وجلال فرماتے ہیں۔ اگر تم لوگوں پر شاق نہ ہوتا تو میں ہر چھوٹے سے چھوٹے لشکر کے ساتھ بھی ضرور جاتا۔ لیکن چونکہ میرے ساتھ تم سب لوگ نکل پڑتے اس سے تمہیں دشواری ہوتی اسلئے میں ہر سریہ کے ساتھ نہیں جاتا۔ میری آرزو ہے کہ راہ خدا میں بار بار شہید کیا جاؤں زندہ کیا جاؤں پھر شہید کیا جاؤں۔

تشریحات (۳۴)

(۱) ف۱ اس سے ثابت ہوا کہ بغیر ایمان بڑا سے بڑا عمل بیکار ہے ف۲ معلوم ہوا کہ بے نیت ثواب کسی عمل صالح پر ثواب نہیں۔

ف۳ مراد گناہ صغیرہ ہیں۔

م ۱ کتاب الصوم۔ ایمان بخاری۔ ابو داؤد۔ ترمذی۔ نسائی۔ موطا امام مالک۔

ت : ـ ۔ اَحَبُّ الدِّیْنِ اِلَی اللّٰہِ الْحَنِیْفِیَّۃُ السَّمْحَۃُ

حق اور آسان دین ہی خدا کو سب سے زیادہ پسند ہے

(۳۵) حدیث ۔ دین آسان ھے

عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت ہے ۔ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا ۔

وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ الدِّیْنَ یُسْرٌ وَّلَنْ یُّشَادَّ الدِّیْنَ اَحَدٌ اِلَّا غَلَبَہٗ فَسَدِّدُوْا

بیشک یہ دین آسان ہے اور جو بھی دین میں سختی اختیار کرے گا دین اس پر غالب آجائے گا

وَقَارِبُوْا وَاَبْشِرُوْا وَاسْتَعِیْنُوْا بِالْغُدْوَۃِ وَالرَّوْحَۃِ وَشَیْءٍ مِّنَ الدُّلْجَۃِ

اس لئے میانہ روی اختیار کرو اور قریب قریب رہو اور بشارت دیتے رہو اور صبح و شام اور کچھ آخر شب میں چل کر سفر میں مدد لو

اس حدیث سے ثابت کہ جہاد فرض عین نہیں، فرض کفایہ ہے ۔ فرض عین ہوتا تو حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ہر سریہ میں ضرور شریک ہوتے ۔

تشریحات (۰)

الحنیفیۃ ۔ حنیف کا مصدر حنفی ہے حنیف اسے کہتے ہیں جو باطل سے منہ موڑ کر حق کا پابند ہو ۔ الحنیفیہ کے معنی ہوئے حق ۔ السمحۃ کے معنی ۔ سہل ۔ آسان ہے مراد یہ ہے کہ اللہ عزوجل کو دین اسلام سب سے زیادہ پسند ہے جس میں ہر باطل سے روگردانی کرکے حق کی پابندی ہے اور جس پر عمل سہل و آسان ہے ۔ پسندیدگی کی زیادتی ادیان سابقہ کے اعتبار سے ہے ۔ مطلب یہ ہے کہ حضرت آدم سے لیکر اب تک جتنے دین اللہ کے نازل ہوئے ہیں وہ سب اپنی اپنی جگہ پسندیدہ تھے مگر یہ دین، دینِ اسلام سب سے زیادہ پسند ہے ۔

تشریحات (۳۵)

لغات (۱) یشاد کا مصدر مشادۃ ہے جس کے معنی ہیں آپس میں دوسرے پر غلبہ حاصل کرنے کی کوشش کرنا ۔ سددوا کے معنی ہیں صحیح طریقے سے کام کرو یا میانہ روی اختیار کرو ۔ قاربوا کے معنی ہیں قریب قریب رہو ۔

[illegible]

23

ت: ۸ إِنَّ أَبَا سَعِيدٍ الْخُدْرِيَّ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ

أَخْبَرَهُ أَنَّهُ سَمِعَ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ إِذَا

تعالیٰ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا جب کوئی بندہ

أَسْلَمَ الْعَبْدُ فَحَسُنَ إِسْلَامُهُ يُكَفِّرُ اللَّهُ عَنْهُ كُلَّ سَيِّئَةٍ كَانَ زَلَفَهَا

اسلام لائے اور اس کا اسلام اچھا ہو تو اللہ تعالیٰ اس کے ہر اس گناہ کو جو اس نے اسلام لانے سے پہلے

(۲) حدیث کا مطلب یہ ہے کہ دین اسلام آسان دین ہے لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ اگر کوئی یہ چاہے کہ اسلام میں جتنے اعمال صالحہ ہیں ہم سب کرلیں یہاں تک کہ اعمال صالحہ کی فہرست ختم ہوجائے تو ایسا نہیں ہوسکتا آدمی عمل کرتے کرتے تھک جائے گا مگر اعمال صالحہ ختم نہ ہوں گے۔

یا مراد یہ ہے کہ جو شخص اعمال دینیہ میں تعمق و تقشف کی وجہ سے سخت سے سخت پر عمل کرنے کی کوشش کریگا وہ ایک نہ ایک دن تھک ہار کر بیٹھ جائیگا۔ یہ غیب کی خبر ہے۔ ابن منیر نے کہا ہم نے بھی اور لوگوں نے بھی دیکھا کہ جو سخت سے سخت تر پر کاربند ہونے کا کوشاں ہوا وہ رہ گیا۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ اکمل و افضل اعمال کی طلب نامحمود ہے بلکہ مقصد یہ ہے کہ نوافل و مستحبات میں حد سے زیادہ بڑھکر مبالغہ نہ کرو کہ اس سے افضل ترک ہوجائے گا فرض و واجب قضا ہوجائے جیسے کوئی رات بھر عبادت کرتا رہا صبح کو نیند نے اپنی آغوش میں لے لیا اور نتیجے میں نماز فجر فوت ہوگئی یا جماعت نہ ملی اس قسم کا افراط و غلو منع ہے میانہ روی اختیار کرو اور اعلیٰ و افضل کی استطاعت نہیں تو اس سے قریب کی جتنی استطاعت ہو اس کو کرو۔ لوگوں کو بشارت دو ہر نیک عمل پر ثواب ملے گا اگرچہ وہ قلیل ہی ہو جیسے مسافر اگر رات دن چلتا رہے تو منزل تک شاید ہی پہنچ پائے اور جو مناسب وقت میں سفر کرے وقفہ وقفہ میں آرام کرتا جائے تو آسانی سے منزل تک پہنچ جائیگا۔ یا استعینوا بالغدوۃ خاص مسافروں کے لئے ارشاد ہے۔ اس حدیث سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ جہاں رخصت ہے رخصت پر عمل کرے مثلاً بیمار کو بجائے غسل کے تیمم کی اجازت ہے تو خواہ مخواہ غسل نہ کرے اس سے ضرر کا اندیشہ ہے۔

تشریحات (۸) و (۳۶)

(۱) اسلام کے اچھے ہونے سے مراد یہ ہے کہ ظاہر باطن ہر طرح مسلمان رہے اس کے دل میں نفاق اور کھوٹ نہ رہے۔

وَكَانَ بَعْدَ ذَالِكَ الْقِصَاصُ الْحَسَنَةُ بِعَشْرِ اَمْثَالِهَا اِلٰى سَبْعِ مِائَةِ

کئے تھے معاف فرما دے گا اور اس کے بعد حساب شروع ہو گا ایک نیکی کے عوض دس نیکیوں سے سات سو

ضِعْفٍ وَّالسَّيِّئَةُ بِمِثْلِهَا اِلَّا اَنْ يَّتَجَاوَزَ اللّٰهُ عَنْهَا۔

تک لکھی جائیں گی اور ایک برائی کے بدلے ایک۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے معاف فرما دے۔

(۳۶) حدیث - اذا احسن احدکم اسلامہ

عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اَحْسَنَ اَحَدُكُمْ اِسْلَامَهٗ فَكُلُّ حَسَنَةٍ يَعْمَلُهَا

نے فرمایا جب کوئی شخص اپنا اسلام اچھا کر لے تو جو نیکی بھی کرے گا دس گنے سے

تُكْتَبُ لَهٗ بِعَشْرِ اَمْثَالِهَا اِلٰى سَبْعِمِائَةِ ضِعْفٍ وَّكُلُّ سَيِّئَةٍ يَعْمَلُهَا

سات سو گنے تک لکھی جائیگی اور برائی صرف

تُكْتَبُ لَهٗ بِمِثْلِهَا

ایک لکھی جائے گی

(۲) یکفر اللہ۔ تکفیر کے لغوی معنی چھپانے کے ہیں مراد یہ ہے کہ گناہوں کو مٹا دیتا ہے۔ ان پر کوئی مواخذہ نہیں فرمائیگا کان زلفھا۔ زلف کے معنی آگے کرنے کے ہیں۔ مراد یہ ہے کہ جو اس نے پہلے حالت کفر میں کئے تھے۔ القصاص کے معنی کسی چیز کا کسی سے مقابلہ کرنا۔ مراد یہ ہے کہ ہر عمل کی اس کے مناسب جزا ملے گی۔ ضعف کے معنی کم از کم دگنے کے ہیں اور زیادہ کی کوئی حد نہیں۔

(۳) اس حدیث سے ثابت کہ اسلام اپنے ماقبل کے تمام گناہوں کو مٹا دیتا ہے اور مومن جو نیک عمل کرتا ہے اس پر کم از کم دس گنا اور زیادہ سے زیادہ جتنا اللہ عزوجل چاہے ثواب عطا فرمائے گا۔ اور گناہ کرنے پر چاہے معاف فرما دے کوئی سزا نہ دے اور اگر معاف نہ فرمائے گا تو صرف ایک ہی گناہ کی سزا دے گا۔ حدیث میں ہے: دس گنے سے سات سو گنے تک۔ مگر یہ تحدید کے لئے نہیں قرآن مجید میں ہے وَاللّٰهُ يُضَاعِفُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ اور اللہ جسکے لئے چاہے اس (سات سو گنے) سے زیادہ بڑھائے اللہ وسعت والا علیم ہے

(۳۷) حدیث۔ اعمال پر پابندی پسندیدہ ہے

عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهَا اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ نبی صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ان کے پاس

دَخَلَ عَلَيْهَا وَعِنْدَهَا امْرَأَةٌ قَالَ مَنْ هٰذِهٖ قَالَتْ فُلَانَةُ (لَا تَنَامُ بِاللَّيْلِ)

تشریف لائے اس وقت ان کے پاس ایک عورت بیٹھی ہوئی تھی حضور نے دریافت فرمایا یہ کون ہے؟ عرض

تَذْكُرُ مِنْ صَلَاتِهَا قَالَ مَهْ عَلَيْكُمْ بِمَا تُطِيْقُوْنَ (مِنَ الْاَعْمَالِ) فَوَاللّٰهِ لَا

کیا یہ فلاں عورت ہے جو رات میں نہیں سوتی ام المومنین نے اس عورت کی نماز کا حال بیان کیا (یہ رات بھر نوافل پڑھتی رہتی

يَمَلُّ اللّٰهُ حَتّٰى تَمَلُّوْا وَكَانَ اَحَبُّ الدِّيْنِ اِلَيْهِ مَادَامَ عَلَيْهِ صَاحِبُهُ

ہے) اس پر ارشاد فرمایا۔ چھوڑو اتنا ہی عمل کرو جس کی طاقت تم رکھتے ہو بخدا اللہ تعالیٰ نہیں تھکیگا تم خود ہی تھک جاؤ گی اور رسول اللہ صلے اللہ

علیہ وسلم کو وہ عمل بہت پسند تھا جسے آدمی ہمیشہ کرے

تشریحات (۳۷)

لغات | مَهْ ۔ اسم فعل معنی میں چھوڑ دے کے ہے ۔ یَمَلُّ کا مصدر ملال اور مَلٌّ ہے جس کے معنی گھبرانے، اکتانے اور تھکنے کے ہیں ۔ یہاں اخیر معنی مراد ہے (۱) ان کا نام خولار بنت تویت تھا (۲) مطلب یہ ہے کہ یہ بات پسندیدہ نہیں کہ نوافل بکثرت پڑھنا شروع کر دیا جائے پھر چھوڑ دیا جائے ۔ بہت زیادہ پسندیدہ وہ کام ہے جو آدمی پابندی کے ساتھ بلاناغہ ہمیشہ کرے اگرچہ وہ تھوڑا ہی ہو ۔ یہ مت وہم کرو کہ اللہ عزوجل کے خزانے میں کوئی کمی ہے یا وہ اعمال کا ثواب دیتے دیتے تھک سکتا ہے یا گھبرا سکتا ہے وہ ملال سے منزہ ہے تم جتنا زیادہ عمل کروگے اللہ عزوجل اس کا تم کو ثواب دے گا ۔

(۳) اس حدیث سے ثابت ہوا کہ نوافل و مستحبات پر بھی پابندی اور مداومت اللہ عزوجل کو پسند ہے اس لئے میلاد مع قیام، فاتحہ، عرس وغیرہ امور خیر اگر کوئی بلاناغہ پابندی سے کرتا ہے تو یہ پابندی اسے ناجائز وحرام نہیں کر دے گی بلکہ یہ مزید پسندیدگی کی باعث ہوگی ۔

اَحَبُّ الدِّيْن میں مضاف محذوف ہے یعنی دین کے اعمال میں سب سے زیادہ وہ عمل پسندیدہ ہے جو ناغہ کے ساتھ نہ ہو ۔

(۳۸) حدیث۔ مؤمن بالآخر نجات پائیگا

عَنْ اَنَسٍ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ یَخْرُجُ مِنَ

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا وہ سب لوگ جہنم سے نکالے

النَّارِ مَنْ قَالَ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَفِیْ قَلْبِہٖ وَزْنُ شَعِیْرَۃٍ مِّنْ خَیْرٍ

جائیں گے جنھوں نے لا الہ الا اللہ کہا اور ان کے دل میں جو کے برابر بھی خیر (ایمان) ہوگا اور

وَیَخْرُجُ مِنَ النَّارِ مَنْ قَالَ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَفِیْ قَلْبِہٖ وَزْنُ بُرَّۃٍ مِّنْ

وہ لوگ بھی جہنم سے نکالے جائیں گے جنھوں نے لا الہ الا اللہ کہا اور ان کے دل میں گیہوں کے برابر خیر (ایمان) ہوگا

خَیْرٍ وَیَخْرُجُ مِنَ النَّارِ مَنْ قَالَ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَفِیْ قَلْبِہٖ وَزْنُ ذَرَّۃٍ

اور وہ لوگ بھی جہنم سے نکالے جائیں گے جنھوں نے لا الہ الا اللہ کہا اور ان کے دل میں ذرہ کے برابر خیر (ایمان) ہوگا۔

تشریحات (۳۸)

لغات اس حدیث میں تین لفظ یکے بعد دیگرے آئے ہیں شعیرۃ، جو۔ بُرَّۃ، گیہوں۔ ذَرَّہ۔ ذرّے ان چھوٹے چھوٹے غبار کے ریزوں کو کہتے ہیں جو دھوپ میں اس وقت نظر آتے ہیں جب دھوپ مکان کے اندر پڑ رہی ہو۔

(۱) اس حدیث کے ظاہر سے ثابت ہو رہا ہے کہ ایمان باعتبار مقدار کے بھی چھوٹا بڑا ہوتا ہے مثلاً کسی کا جو کے برابر کسی کا گیہوں کے برابر کسی کا ذرے کے برابر۔ لیکن حقیقت میں یہ ایمان کی مقدار کو بیان فرمانا نہیں بلکہ غیر محسوس کو بطور تمثیل محسوس فرض کر کے سمجھانے کے لئے ارشاد ہوا یا یہ کہ مؤمن بہ کے اجمال و تفصیل کے اعتبار سے یہ فرمایا گیا۔ اس کو یوں سمجھئے مثلاً زمانہ فترت کے موحدین کی نجات کیلئے کفر و شرک سے تبرّی اور اعتقاد توحید کافی ہے ابتدائے بعثت میں توحید کیساتھ رسالت اور جتنا قرآن نازل ہوتا گیا اسکی تصدیق ضروری تھی۔ علیٰ ہذا القیاس ایمان تفصیل کے مقابلہ میں صرف اعتقاد توحید کو مثقال ذرہ سے تعبیر فرمایا اور اس سے کچھ زیادہ کو بُرّہ سے اور اس سے زیادہ کو شعیرہ سے اور اس میں کسی کو اختلاف نہیں کہ مؤمن بہ کی مقدار

(۲) یہاں "من خیر" ہے اور خیر عمل صالح کو بھی عام مگر مراد ایمان ہے۔ قرینہ عقلیہ بھی اس کا مقتضی ہے اور دوسری روایت میں خیر کے بجائے ایمان وارد ہے۔ قرینہ عقلیہ یہ ہے کہ اس خیر کا محل قلب کو بتایا اور قلب محل ایمان ہے نہ محل اعمال نیز یہ مدار نجات ہے اور مدار نجات ایمان ہی ہے۔ نہ کہ صرف اعمال۔

(۳) من قال لا الہ الا اللہ کے ساتھ یہ فرمایا کہ اس کے دل میں ایمان ہو، یہ اس کی دلیل ہے کہ اقرار اور شی ہے اور ایمان

مِنْ خَيْرٍ (وَفِيْ رِوَايَةٍ) مِنْ إِيْمَانٍ مَكَانَ خَيْرٍ

(اور دوسری روایت میں) خیر کے بجائے ایمان آیا ہے

(۳۹) حدیث جس دن کوئی نعمت خاص ملی اس دن عید منانا مشروع

عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ أَنَّ رَجُلًا مِّنَ الْيَهُوْدِ قَالَ لَهُ يَا

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ ایک یہودی (کعب احبار) نے آپ سے کہا

أَمِيْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ آيَةٌ فِيْ كِتَابِكُمْ تَقْرَأُوْنَهَا. لَوْ عَلَيْنَا مَعْشَرَ الْيَهُوْدِ نَزَلَتْ

اے امیر المومنین آپ لوگوں کی کتاب میں ایک آیت ہے جسے آپ لوگ پڑھتے ہیں اگر یہ آیت ہم یہودیوں پر نازل

لَاتَّخَذْنَا ذٰلِكَ الْيَوْمَ عِيْدًا. قَالَ أَيُّ آيَةٍ؟ قَالَ اَلْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ

ہوئی ہوتی تو ہم اس کے نازل ہونے کے دن کو عید بنا لیتے۔ حضرت عمر نے پوچھا وہ کونسی آیت ہے؟ اسنے کہا اَلْيَوْمَ أَكْمَلْتُ

وَأَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِيْنًا. قَالَ عُمَرُ قَدْ عَرَفْنَا

لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَأَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ الآیۃ — حضرت عمر نے فرمایا ہم اس دن کو جانتے ہیں۔

شئ آخر۔ نیز یہ کہ نجات کے لئے اقرار باللسان شرط ہے۔ بشرطیکہ کوئی مانع نہ ہو۔

(۴) لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ پورے کلمہ طیبہ کا علم اور نام ہے۔ جیسے قرآن مجید کی سورتوں کا نام رکھتے ہیں سورۃ الحمد، سورۃ قُلْ يٰأَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ وغیرہ۔ ابتدائی جز پر کل کا نام رکھدیتے ہیں۔ یہاں اس سے کم کی تخفیف ممکن نہ تھی۔ صرف "لا" نام رکھتے تو سمجھ میں نہ آتا۔ اور "اللہ" بھی ملاتے تو کفر صریح ہوتا۔ اس لئے پورا لا الٰہ الا اللہ کلمہ طیبہ کا نام ہوا۔

تشریحات (۳۹)

(۱) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جس دن اللہ عزوجل کی کوئی خاص نعمت ملے اس دن عید منانا جائز ہے وہ اس طرح کہ اگر یہ بات ناجائز و حرام ہوتی تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کعب احبار کو یہ جواب دیتے کہ وہ تمہارا دین ہے کہ جس دن اللہ تعالیٰ کی کوئی نعمت ملے اس دن عید مناؤ ہمارے مذہب میں یہ سب ناجائز و حرام ہے۔ مگر حضرت عمر نے یہ نہیں فرمایا بلکہ کعب احبار کو مذکورہ بالا جواب دے کر مطمئن کر دیا کہ ہم اس دن پہلے ہی سے عید مناتے ہیں اور وہ بھی اس تفصیل سے کہ وہ جگہ بھی ہمارے لئے عید کی جگہ ہے وہ تاریخ بھی عید کی تاریخ ہے وہ دن بھی عید کا دن ہے۔ اور ظاہر ہے کہ اللہ عزوجل کی سب سے بڑی نعمت حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہیں۔ تو

ذٰلِكَ الْيَوْمَ وَالْمَكَانَ الَّذِىْ نَزَلَتْ فِيْهِ عَلَى النَّبِىِّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ

اور اس جگہ کو بھی جہاں یہ آیت نازل ہوئی تھی وہ جگہ عرفات تھی اور وہ دن جمعہ تھا اور

وَسَلَّمَ وَهُوَ قَائِمٌ بِعَرَفَةَ يَوْمَ جُمُعَةٍ[عنہ]

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس وقت کھڑے تھے

حدیث (۴۰) - ارکان اسلام

عَنْ طَلْحَةَ بْنِ عُبَيْدِ اللّٰهِ رَضِىَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ يَقُوْلُ جَاءَ رَجُلٌ اِلٰى رَسُوْلِ

حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ

جس دن یہ نعمت ملی۔ یعنی یوم ولادت کو عید منانا بلاشبہ جائز و مستحسن ہوگا۔ اسی لئے جمہور امت کا معمول ہے۔ بارہ ربیع الاول کو بڑے دھوم دھام سے عید میلاد النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تقریب مناتے ہیں۔

تشریحات (۴۰)

طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ (۱) ان کی کنیت ابو محمد ہے یہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قبیلے کے ہیں اور ان چھ بزرگوں میں سے ہیں جو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھ پر مشرف باسلام ہوئے اور ان آٹھ فیروز بختوں میں سے ہیں جو سابقین اسلام میں سر فہرست ہیں۔ ان سب پر مزید کہ عشرہ مبشرہ میں سے ہیں۔ نیز حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے بعد خلیفہ منتخب کرنے کی ذمہ داری جن چھ اساطین امت کے سپرد کی تھی ان میں یہ بھی تھے۔ ان کی والدہ بھی مشرف باسلام ہوئیں اور ان کے ساتھ ہجرت کی۔ غزوۂ بدر کے موقع پر ان کو اور سعید بن زید بن نُفَیل کو مشرکین کے کارواں کے تجسس میں بھیجا تھا اسی اثنا میں بدر کا معرکہ ہوگیا۔ یہ دونوں جنگ میں شریک نہ ہوسکے۔ لیکن شرکاء بدر کی فہرست میں داخل ہیں۔ اسی وجہ سے ان کو مال غنیمت سے حصہ بھی ملا۔ اس کے علاوہ تمام مشاہد میں ہمرکاب رہے۔ احد کی قیامت خیز گھڑی میں یہ بھی ثابت قدم رہے اور ذات اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لئے سپر بن گئے جو حملہ ذات والا پر ہوتا ان کو اپنے ہاتھ پر روکتے۔ اسی میں ہاتھ شل ہوگیا تھا۔ اس دن پچھتر زخم کھائے تھے۔ انکو بارگاہ نبوت سے طلحۃ الخیر اور طلحۃ الجواد کے خطابات ملے تھے۔ ۱۰ رجمادی الاولیٰ ۳۶ھ کے افسوسناک فوجی معرکۂ جمل میں ناگہانی کسی طرف سے ایک تیر آلگا اور یہی تیر، تیر قضا بن گیا۔ بعض لوگوں کا گمان ہے کہ یہ تیر مشہور فسادی مروان نے چلایا تھا۔ شہادت کے وقت عمر مبارک چونسٹھ ۶۴ باسٹھ ۶۲ یا اٹھاون ۵۸ سال کی تھی۔ پہلے قنطرہ قرہ میں مدفون تھے۔ تیس سال کے بعد اپنی صاحبزادی کو خواب میں

اللہِ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مِنْ اَھْلِ نَجْدٍ ثَائِرَ الرَّاْسِ نَسْمَعُ دَوِیَّ

علیہ وسلم کی خدمت میں اہل نجد سے ایک صاحب حاضر ہوئے ان کے بال

صَوْتِہٖ وَلَا نَفْقَہُ مَا یَقُوْلُ حَتّٰی دَنَا فَاِذَا ھُوَ یَسْئَلُ عَنِ الْاِسْلَامِ فَقَالَ رَسُوْلُ

پراگندہ تھے ہم ان کی آواز کی گونج کو سنتے تھے مگر وہ کیا کہہ رہے ہیں ہم سمجھ نہیں پاتے تھے یہاں تک کہ وہ قریب آئے

اللہِ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ خَمْسُ صَلَوٰتٍ فِی الْیَوْمِ وَاللَّیْلَۃِ فَقَالَ ھَلْ

اب سمجھ میں آیا کہ وہ اسلام کے بارے میں سوال کر رہے ہیں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا دن رات میں پانچ

عَلَیَّ غَیْرُھَا. قَالَ لَا اِلَّا اَنْ تَطَوَّعَ. قَالَ رَسُوْلُ اللہِ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ

نمازیں۔ انھوں نے کہا ان کے علاوہ بھی کچھ نمازیں ہیں فرمایا نہیں۔ مگر یہ کہ نفل پڑھے تو۔ اسکے بعد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

دکھایا کہ قبر میں تری آگئی ہے۔ قبر انور سے نکالے گئے اور بصرہ دار الہجرتین میں دفن ہوئے۔ اور یہیں مزار اقدس زیارت گاہ خلائق ہے[۵]۔ ان سے اڑتیس حدیثیں مروی ہیں۔ دو پر شیخین متفق ہیں اور دو صرف بخاری نے اور تین صرف مسلم نے لی ہیں۔

یہ صاحب کون تھے | (۲) فتح الباری میں ہے کہ ابن بطال نے کہا کہ یہ ضمام بن ثعلبہ تھے جو بنی سعد بن بکر کے قاصد و وفد تھے اسی پر قسطلانی اور مرقاۃ میں اقتصار کیا۔ لیکن یہ یقینی نہیں اس کا بھی احتمال ہے کہ کوئی اور صاحب رہے ہوں۔

توجیہات | (۳) انھوں نے سوال کیا تھا اسلام کے بارے میں۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے صرف فرائض کی تلقین فرمائی۔ مگر اسلام کے بنیادی رکن شہادتین کو ذکر نہیں فرمایا۔ اس کا سبب یہ ہے کہ یہ معلوم تھا کہ یہ مسلمان ہو چکے ہیں انھیں صرف فرائض کی تعلیم کی حاجت ہے۔ لیکن کتاب الصوم میں ان کا سوال یہ ہے۔

اخبرنی ماذا فرض اللہ علیَّ من الصلوٰۃ ۔ مجھے بتائیے کہ اللہ نے مجھ پر کتنی نمازیں فرض کی ہے۔

ایک روایت دوسری کی تفسیر ہوتی ہے اور روایت بالمعنی شائع و ذائع ہے تو ظاہر ہوا کہ سوال فرائض ہی کے بارے میں تھا اس لئے جواب میں نماز روزہ وغیرہ پر اکتفا فرمایا

ارکان اربعہ میں حج بھی ہے اس کا اس میں ذکر نہیں اس کا جواب یہ ہے کہ ہو سکتا ہے کہ اس وقت تک حج فرض نہ ہوا ہو۔ دوسرے یہ کہ یہاں روایت میں کمی ہے۔ کتاب الصوم میں اتنا زائد ہے۔

فَاَخْبَرَہٗ رَسُوْلُ اللہِ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ انھیں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اسلام کے

بِشَرَائِعِ الْاِسْلَامِ تمام احکام بتائے۔

وَصِیَامُ رَمَضَانَ قَالَ ھَلْ عَلَیَّ غَیْرُہٗ قَالَ لَا اِلَّا اَنْ تَطَوَّعَ قَالَ وَذَکَرَ لَہٗ

نے فرمایا اور رمضان کے روزے انھوں نے عرض کیا اس کے علاوہ بھی کچھ اور ہے ارشاد فرمایا نہیں مگر یہ کہ نفلی روزے

رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَلزَّکٰوۃَ قَالَ ھَلْ عَلَیَّ غَیْرُھَا قَالَ لَا اِلَّا

رکھے پھر حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کے سامنے زکوٰۃ کو ذکر فرمایا۔ انھوں نے پوچھا اس کے سوا اور

اَنْ تَطَوَّعَ قَالَ فَاَدْبَرَ الرَّجُلُ وَھُوَ یَقُوْلُ وَاللّٰہِ لَا اَزِیْدُ عَلٰی ھٰذَا وَلَا اَنْقُصُ

کچھ؟ ارشاد فرمایا نہیں ہاں تو چاہے تو صدقہ نافلہ دے۔ اس کے بعد یہ شخص واپس ہوئے اور یہ کہتے جاتے تھے خدا کی قسم

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَفْلَحَ اِنْ صَدَقَ

نہ اس پر زیادہ کروں گا نہ کمی کروں گا اس پر حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا۔ یہ شخص فلاح پا گیا اگر سچا ہے۔

اسی سے یہ بات بھی صاف ہوگئی کہ اس حدیث میں صرف ان فرائض کی ادائیگی پر فلاح کی خبر دی۔ حالانکہ اگر کوئی تمام فرائض کا پابند ہو اور منہیات سے نہ بچے تو مستحقِ فلاح نہیں۔ پھر صرف فرائض کی ادائیگی پر فلاح کی کیوں خبر دی گئی۔ ظاہر ہے کہ شرائعِ اسلام فرائض واجبات محرمات سب کو شامل ہے۔ مطلب یہ ہوا کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے انھیں اس وقت تک جتنے احکام نازل ہو چکے تھے خواہ از قسم مامورات ہوں خواہ از قسم منہیات، سب بتائے۔

مگر یہ کہ نفل ادا کرے یہ استثنا متصل ہے یا منقطع دونوں قول ہیں۔ احناف اس کے قائل ہیں کہ یہ استثنا متصل ہے اور شوافع اس کے قائل ہیں کہ یہ استثنا منقطع ہے۔ اگر یہ استثنا متصل مانا جائے تو حدیث کا مطلب یہ ہوگا کہ ان کے علاوہ اور کچھ فرض نہیں مگر یہ کہ نفل پڑھو تو شروع کرتے ہی واجب ہو جائے گی اس لئے کہ استثنا متصل میں مستثنیٰ کا مستثنیٰ منہ کی جنس سے ہونا ضروری ہے ــــــ اور اگر یہ استثنا منقطع ہے تو چونکہ اس میں مستثنیٰ مستثنیٰ منہ میں داخل نہیں ہوتا۔ اس لئے مطلب یہ ہوگا کہ فرائض یہی ہیں۔ ان کے علاوہ نوافل ہیں پڑھو گے تو ثواب پاؤ گے نہیں پڑھو گے تو کوئی گناہ نہیں۔

اسکی بنیاد ایک دوسرے اختلاف پر مبنی ہے۔ احناف کے نزدیک نفل شروع کرنے سے واجب ہو جاتی ہے۔ یہاں تک کہ اگر کوئی نفل نماز یا روزہ شروع کرکے توڑ دے تو اس کا پورا کرنا واجب ہے۔ قرآن مجید میں فرمایا:۔

وَلَا تُبْطِلُوْا اَعْمَالَکُمْ (آیت ۳۳ - محمد ۲۶) اپنے اعمال باطل مت کرو۔

امام احمد اپنی مسند میں ام المومنین عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ انھوں نے فرمایا:

اصبحت انا وحفصۃ صائمتین فاُھدیت لنا میں نے اور حفصہ نے روزہ رکھا اسی دن ایک بکری ہدیے میں

شاۃ فاکلنا۔ فدخل علینا النبی صلی اللہ تعالی علیہ وسلم فاخبرناہ فقال صُوْمَا یوما مکانہ (قسطلانی)

ہمارے پاس آئی ہم نے کھالیا اس کے بعد نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جب تشریف لائے تو ہم نے بتایا۔ فرمایا اس روزے کے عوض ایک اور روزہ رکھو۔

دارقطنی میں ہے کہ حضرت جُوَیْرِیَہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے روزہ رکھکر توڑ دیا حضور نے اس کی قضا کا حکم دیا۔

آیت میں لاتبطلوا نھی ہے اور نہی میں اصل تحریم اور حدیث میں صُوْمَا۔ امر ہے اور امر میں اصل وجوب۔ اس سے ثابت ہو گیا کہ نفل شروع کر کے اسے پورا کرنا واجب توڑنا گناہ۔ توڑ دیا تو اسے دوبارہ ادا کرنا واجب۔ نیز اس پر صحابہ کرام کا اجماع بھی ہے کہ نفل شروع کرنے کے بعد اس کا پورا کرنا واجب ہے۔ نیز حج نفل کے بارے میں شوافع بھی اسی کے قائل ہیں کہ اگر شروع کر کے توڑ دیا۔ تو اس کی قضا واجب ہے۔ بلکہ اگر بلا قصد فاسد ہو جائے تو بھی بقیہ ارکان کی ادائگی واجب ہے اور پھر اس کی قضا بھی۔ اور یہ جو احادیث میں وارد ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے روزہ رکھکر توڑ دیا۔ اس کا محمل عذر ہے یعنی کسی عذر کی بنا پر ایسا کیا۔ اور عذر کیوجہ سے احناف کے نزدیک بھی نفل روزہ کی وجہ سے توڑنا منع نہیں مگر قضا واجب ہے۔ کسی حدیث میں یہ وارد نہیں کہ اس کے بعد قضا نہیں فرمایا۔ عذر سے گناہ ساقط ہو جاتا ہے۔ مگر قضا نہیں ساقط ہو گی۔

اس حدیث میں صرف پانچ ہی نمازوں کو فرض بتایا۔ اس سے شبہہ ہوتا ہے کہ وتر اور عیدین واجب نہیں۔ اور احناف اسے واجب کہتے ہیں تشریح سوم میں گذر چکا ہے کہ یہ حدیث یہاں مختصر ہے کتاب الصوم میں اتنا زائد ہے "کہ اسلام کے تمام احکام کی تعلیم دی" اس عموم میں وتر اور عیدین بھی آ گئے

(۵) ان صاحب نے واپس ہوتے وقت کہا تھا میں اس پر نہ زیادہ کروں گا اور نہ کم کروں گا۔ حالانکہ زیادتی بہر حال محمود ہے اس کا پہلا[۱] جواب یہ ہے کہ۔ بلاشبہہ کوئی فرائض و واجبات پر عمل کرے اور محرمات سے بچے تو فلاح کا مستحق ہے۔ دوسرا[۲] یہ کہ یہ اپنی قوم کے نمائندے تھے۔ ان کی مراد یہ ہے کہ قوم تک آپ کا پیغام پہنچانے میں نہ کمی کروں گا نہ زیادتی۔ جتنا حضور نے ارشاد فرمایا اس کو بلاکم و بیش قوم کو بتا دوں گا کہ یہ ارشاد فرمایا۔

تیسرے[۳] یہ کہ قبول و تسلیم کے موقع پر یہی نیازمندی کی دلیل ہوتی ہے کہ یوں کہا جائے کہ آپ کے حکم پر بلاکم و بیش عمل کرونگا اور یہ موقع قبول و تسلیم ہی کا تھا۔ انھوں نے اپنی کمال نیازمندی کو ظاہر فرمایا۔

تشریحات (۴۱)

(۱) اس حدیث سے ثابت ہوا کہ افضل یہی ہے کہ جنازے کے پیچھے پیچھے چلے۔ اس لئے اس میں اِتَّبَعَ کا لفظ وارد ہے۔ اِتَّبَعَ

(۱۴) حدیث۔ نماز جنازہ کی فضیلت

عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

وسلم قال من اتبع جنازۃ ایمانا واحتسابا وکان معہ حتی یصلی

نے فرمایا جو شخص ایمان کے ساتھ ثواب کی نیت سے جنازے کے پیچھے رہے یہاں تک کہ اس پر نماز پڑھ لی

علیھا ویفرغ من دفنھا فانہ یرجع من الاجر بقیراطین کل قیراط

جائے اُسے دفن کر لیا جائے تو وہ دو قیراط کے برابر ثواب لے کر لوٹے اور ہر قیراط اُحد کے برابر

مثل احد ومن صلی علیھا ثم رجع قبل ان تدفن فانہ یرجع

ہو گا اور صرف نماز جنازہ پڑھ کر میت کے دفن سے پہلے ہی لوٹ آیا وہ صرف ایک

من الاجر بقیراط[1]

قیراط لے کر لوٹا

ت: ح ۹۔ قال ابراھیم التیمی ما عرضت قولی علی عملی

ابراہیم تیمی نے کہا میں نے جب اپنے قول کا عمل سے موازنہ کیا

کے معنی پیچھے پیچھے چلنے کے۔ یہی احناف کا مذہب ہے۔ امام شافعی کے نزدیک آگے آگے چلنا بہتر ہے

(۲) نیز یہ ثابت ہوا کہ صرف نماز جنازہ ہی پڑھکر دفن میں شرکت کے بغیر نہ آئے اور اگر کسی ضرورت سے واپس ہونے کی جلدی ہو تو ولی سے اجازت لیکر واپس ہو۔

(۹) تشریحات

ابراہیم تیمی (۱) تابعین کے فقہاء وعباد میں سے ہیں۔ بہت عمدہ واعظ تھے۔ مشہور ظالم حجاج بن یوسف نے ابراہیم نخعی کی گرفتاری کا حکم دیا سپاہی ہم نام ہونے کی وجہ سے غلطی سے انھیں پکڑ لے گئے۔ اور جیل میں بند کر دیا۔ کچھ لوگوں نے کہا آپ کو غلطی سے پکڑا گیا ہے آپ اُسے ظاہر کر دیں۔ فرمایا۔ مجھے یہ پسند نہیں کہ اپنے کو بچا لوں اور ایک بے گناہ سزا پائے۔ اسی

[1] نسائی۔ جنائز (۷۹)

إِلَّا خَشِيتُ أَنْ أَكُونَ مُكَذَّبًا
تو مجھے اندیشہ ہوا کہ کہیں میں جھوٹا تو نہیں۔
ت: ۱۰۔ وَقَالَ ابْنُ أَبِي مُلَيْكَةَ أَدْرَكْتُ ثَلٰثِينَ مِنْ أَصْحَابِ
عبد اللہ بن ابی ملیکہ[۱] نے کہا۔ میں نے تیس صحابہ سے ملاقات کی وہ سب
النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كُلُّهُمْ يَخَافُ النِّفَاقَ عَلَى نَفْسِهِ
کے سب اپنے اوپر نفاق سے ڈرتے تھے۔ ان میں کوئی ایسا نہیں تھا
مَا مِنْهُمْ أَحَدٌ يَقُولُ إِنَّهُ عَلَى إِيمَانِ جِبْرِيلَ وَمِيكَائِيلَ[۲]
جو یہ کہتا کہ میں جبریل[۳] و میکائیل کے ایمان پر ہوں۔

قید کی حالت میں سنہ ۹۲ھ میں وصال فرمایا۔ ان کی حیرت انگیز باتوں میں سے یہ ہے کہ ایک ایک مہینے تک کھانا نہیں کھاتے تھے ــــ اس تعلیق میں "مُکَذَّبًا" ذال کے فتحے کے ساتھ بھی ہے اور کسرے کے ساتھ بھی۔

توجیہ (۲) یہ ان کا ارشاد بطور تواضع ہے کہ میں وعظ کہتا ہوں لوگوں کو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرتا ہوں اور خود میرا کیا حال ہے میں جانتا ہوں۔ میرا عمل میرے قول کے مطابق بھی ہے یا نہیں، اللہ جانے۔

تشریحات (۱۰)

ابن ابی ملیکہ (۱) ان کا پورا نام عبداللہ بن عبیداللہ بن ابی ملیکہ ہے۔ تابعین کے علما مشاہیر میں سے ہیں حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قاضی اور موذن تھے۔ عبادلہ اربعہ اور ام المومنین عائشہ صدیقہ اور ام سلمہ اور اسماء بنت الصدیق اور حضرت ابوہریرہ اور عقبہ بن حارث اور مسور بن مخرمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے احادیث سنیں اور حضرت علی اور سعد بن وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا زمانہ پایا مگر ان سے روایت نہیں کی۔ ان سے ایک مخلوق نے اخذ احادیث کی سعادت حاصل کی اور ان کے تلامذہ میں مشہور محدث ابن جریج ہیں۔ سنہ ۱۱۷ھ میں وفات پائی۔

توجیہ (۲) ابن ابی ملیکہ نے تیس صحابہ کرام کا جو یہ قول نقل فرمایا۔ اس کی توضیح ایک دوسری حدیث سے ہوتی ہے۔ جو امام ترمذی نے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی وہ فرماتے ہیں:۔

لما کان الیوم الذی دخل فیہ رسول اللہ صلی اللہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جس دن مدینہ تشریف

[۱] بخاری فی التاریخ۔ امام احمد بن حنبل کتاب الزہد۔ ابو القاسم لالکائی فی سنۃ۔

[۲] تاریخ ابن خیثمہ صحابہ کی تعداد کے بغیر۔ محمد بن نصر مروزی، کتاب الایمان میں تفصیل کے ساتھ۔

تعالیٰ علیہ وسلم المدینۃ اضاء منھا کل شئ فلما کان الیوم الذی مات فیہ اظلم منھا کل شی وما نفضنا اید ینا عن التراب وانا لفی دفنہ حتی انکرنا قلوبنا۔ (مشکوٰۃ ص۵۴۷)

لائے ہر چیز روشن ہو گئی اور جب وفات پائی تو ہر چیز پر تاریکی چھا گئی۔ ہم ابھی آنحضور کو دفن ہی کر رہے تھے۔ ہاتھوں سے مٹی بھی نہیں جھاڑی تھی کہ ہم نے اپنے دلوں کو بدلا ہوا پایا۔

یعنی حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی صحبت اور مشاہدے سے جو ایمانی طمانیت تو یہ حاصل تھی وہ باقی نہ رہی جب اسقدر قریب زمانے میں یہ حال تھا۔ تو برسہا برس گذرنے کے بعد جو دلوں کا حال ہوا اس کا جب عہدِ رسالت سے موازنہ کرتے اور بین فرق محسوس کرتے تو گھبرا کر یہ اندیشہ ظاہر کرتے کہ اعمال میں جو اخلاص اور عبادت میں جو حضور وشہود تھا۔ اس میں کمی ہو گئی کہیں ایسا تو نہیں یہ نفاق ہو۔ یہ حسنات الابرار سیئات المقربین کے قبیل سے ہے۔

یا ان حضرات کی مراد یہ ہے کہ اس دور میں جو خرابیاں پیدا ہو گئی ہیں ان کا ازالہ ضروری ہے۔ جیسا کہ ارشاد ہوا:

من رای منکم منکرا فلیغیرہ بیدہ فان لم یستطع فبلسانہ وان لم یستطع فبقلبہ وذالک اضعف الایمان۔ (مشکوٰۃ ص۴۳۶)

جو شخص کسی بری بات کو دیکھے تو اسے اپنے ہاتھ سے بدلدے۔ اگر اس کی قوت نہ ہو تو اپنی زبان سے۔ اگر اس کی بھی قوت نہ ہو تو اپنے دل سے ناپسند کرے۔ یہ ایمان کا کمزور درجہ ہے۔

صحابہ کرام کی جو حیثیت تھی اس کے پیش نظر ان کو اپنے ہاتھ سے ان خرابیوں کو دور کرنا چاہئے تھا۔ مگر اپنے اندر اسکی استطاعت نہ پا کر اسے دور نہ کر پائے۔ اسی کے بارے میں ان کو اندیشہ ہوا کہیں یہ نفاق تو نہیں۔

اقول۔ ان پر پیچ راہوں سے ہٹ کر سیدھی سادی بات یہ ہے کہ خوف کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ۔ آئندہ کسی خطرے کا احساس۔ یہ حضرات ایمان کی قیمت جانتے تھے۔ اور کوئی بھی قیمتی چیز رکھتا ہے اس کی کماحقہ حفاظت اسی وقت کر سکتا ہے جب ہر وقت اس سے ڈرتا رہتا ہے۔ کہ کہیں یہ ضائع نہ ہو جائے۔

وہ ہوشیار تھیلی میں اپنی موتی محفوظ رکھتا ہے جو ہر شخص کو جیب تراش گمان کرے۔

اسی کے مطابق صحابہ کرام ہر وقت اس ڈرتے رہتے تھے کہ کہیں ہمارا ایمان سلب نہ ہو جائے۔ کیونکہ وہ معصوم نہیں تھے۔ جیسے فرشتے معصوم ہیں۔ اسی لئے وہ یہ نہیں کہتے تھے کہ ہمارا ایمان جبرئیل اور میکائیل کے ایمان کے مثل ہے۔ کہ جیسے انھیں سلب ایمان کا اندیشہ نہیں یہیں نہ ہو۔ وہ فرشتے ہیں اور معصوم ہیں۔ ان کو زوال ایمان کا کوئی خطرہ نہیں۔ یہ اُن حضرات کے کمال ایمان کی دلیل ہے۔

ت :۔ ۲۲ ۔ وَيُذْكَرُ عَنِ الْحَسَنِ مَا خَافَهُ إِلَّا مُؤْمِنٌ وَّلَا أَمِنَهُ

حضرت حسن بصری نے فرمایا اللہ سے مومن ہی ڈرتا ہے اور اللہ سے منافق

إِلَّا مُنَافِقٌ

ہی نڈر ہوتا ہے

۴۲ حدیث

عَنْ زُبَيْدٍ سَأَلْتُ أَبَا وَائِلٍ عَنِ الْمُرْجِئَةِ فَقَالَ حَدَّثَنِي عَبْدُ اللّٰهِ

زبید نے کہا میں نے ابووائل سے مرجئہ کے بارے میں پوچھا تو انھوں نے کہا مجھ سے عبداللہ

أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ سِبَابُ الْمُسْلِمِ فُسُوقٌ وَّ

بن مسعود نے حدیث بیان کی نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا مسلمان کو گالی دینا فسق اور

قِتَالُهُ كُفْرٌ ۔ عله

اس سے لڑنا کفر ہے ۔ عله

ایمانی کایمان جبرئیل کا مطلب (۳) اس تعلیق کے نقل کرنے سے امام بخاری کی غرض، امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر تعریض ہے۔ اس لئے کہ امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ انھوں نے فرمایا۔

اقول ایمانی کایمان جبرئیل ولا اقول — میں کہتا ہوں میرا ایمان جبرئیل کے ایمان کی طرح ہے۔

مثل ایمان جبرئیل۔ — یہ نہیں کہتا جبرئیل کے ایمان کے مثل ہے۔

امام ابن ہمام نے مسایرہ میں اس کی توجیہ یہ فرمائی۔ کہ تشبیہ کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ تمام صفات میں مساوات ہو۔ اور تشبیہ صرف ایک صفت میں قدرے اشتراک پر بھی درست ہے۔ مطلب یہ ہوا کہ میں یہ نہیں کہتا کہ میرا ایمان تمام صفات میں جبرئیل کے ایمان کے برابر ہے۔ ہاں میں یہ کہتا ہوں کہ میرا ایمان جبرئیل کے ایمان کی طرح ہے اس معنی کر کہ اس میں ادنی سا شک و شبہ کا شائبہ نہیں۔ مثل کے معنی برابری کے۔ خود حدیث میں وارد ہے۔ حدیث ربا میں ہے :-

عله فریابی۔ امام احمد بن حنبل فی کتاب الایمان بمعناہ عله بخاری ایمان ۲۶ اور ۱۰۲۳ و ۲ نمبر ۸۹۳ نمبر مسلم ایمان ۵۸، ترمذی بر ۲ ایمان ۵۱ نمبر ۹۵ نسائی تحریم ۳۲، ابن ماجہ فتن ۸۲ مقدمہ ۸، ۹، مسند امام احمد۔

مِثلاً بمِثلٍ یَداً بیَدٍ والفضل ربًا برابر، برابر۔ دست بدست اور زیادتی سود ہے۔

اور امام بخاری نے جو فرمایا۔ وہاں تشبیہ کی نفی تھی۔ ممکن الزوال نہ ہونے میں اور امام صاحب کے قول میں تشبیہ ہے عدم شک وشبہ میں۔ اور اس میں کوئی حرج نہیں کہ ایک چیز کو کسی چیز کے ساتھ ایک وصف میں اشتراک کی بنا پر تشبیہ دی جائے اور دوسرے وصف کے اعتبار سے نفی کی جائے جیسے زید، شیر کی طرح ہے یعنی بہادری میں۔ زید شیر کی طرح نہیں۔ درندگی میں۔

دوسرے علماء نے اس کی اور بھی توجیہیں کی ہیں۔ مگر میرے نزدیک یہ خود محلِ نظر ہے کہ حضرت امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ فرمایا بھی ہے یا نہیں۔ شامی میں خلاصہ سے حضرت امام کا یہ قول نقل فرمایا۔

اکرہ ان یقول الرجل ایمانی کایمان جبرئیل میں اس کو پسند نہیں کرتا کہ کوئی یہ کہے میرا ایمان جبرئیل کے ایمان کی طرح ہے۔ ہاں یہ کہے میں اس پر ایمان لایا جس پر جبرئیل ایمان لائے۔ ولکن یقول آمنت بما آمن بہٖ جبرئیل (علیہ السلام)

تشریحات (۴۲)

ابو وائل (۱) یہ تابعی اور کوفہ کے باشندے حضرت عبداللہ بن مسعود کے ارشد تلامذہ میں سے ہیں۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان کی بہت تعریف کرتے تھے۔ ان کے علاوہ فاروق اعظم، حضرت علی، حضرت عمار و دیگر صحابہ سے روایت کی ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا زمانہ پایا مگر زیارت نہ کر سکے بعثت کے وقت دس سال کے تھے۔ ۸۲ھ میں وصال ہوا۔ ایک قول یہ ہے کہ ڈیڑھ سو سال سے زیادہ عمر پائی ۔۔۔ ابو سعید بن صالح کہتے ہیں کہ ابو وائل ہمارے جنازوں کی نماز پڑھاتے تھے۔ اور ان کی عمر ڈیڑھ سو سال کی تھی۔

مرجیہ (۲) گمراہ فرقوں میں سے ایک فرقہ ہے جس کا بنیادی عقیدہ یہ ہے کہ ایمان کے ساتھ گناہ کوئی ضرر نہیں پہنچا سکتا۔ جس نے دل سے ضروریات دین کی تصدیق کر لی وہ جہنم سے آزاد ہے۔ ایک آن کے لئے بھی جہنم میں نہیں جائے گا۔ ان کے پانچ فرقے ہوئے جو ایک دوسرے کی تکفیر کرتے تھے۔

مرجیہ یا تو رجاء سے ہے جس کے معنیٰ پیچھے کرنے کے ہیں یا رجاء بمعنی امید سے بنا ہے۔ سباب کے معنی ہیں کسی کو عیب لگانا خواہ وہ عیب اس میں ہو خواہ نہ ہو اس میں سب سے زیادہ قباحت ہے۔ فسوق کے معنیٰ نکلنے کے ہیں۔ اور شرع میں اللہ عزوجل کی نافرمانی کرنے کے ہیں۔ یہ مرادف ہے گناہ کے۔ کفر و شرک تک کو عام ہے۔ کفر کے لغوی معنیٰ چھپانے کے ہیں۔ اور شریعت میں مذہب اسلام سے نکل جانے کو کہتے ہیں۔

(۳) اس پر اجماع ہے کہ مسلمان سے لڑنا کفر نہیں اور قرآن کی اس آیت سے کہ فرمایا:۔

(۴۳) حدیث جبرئیل

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالے عنہ سے مروی ہے کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

وَاِنْ طَائِفَتَانِ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اقْتَتَلُوْا فَاَصْلِحُوْا بَیْنَهُمَا - سورۂ حجرات آیت ۹

اگر مسلمان کے دو گروہ آپس میں لڑیں، توان کے مابین صلح کرادو۔ سورہ حجرات آیت ۹

اس سے بھی یہی ثابت ہے کہ مسلمان سے لڑنا کفر نہیں۔ پھر اس حدیث میں اسے کفر کیوں کہا گیا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اس حدیث میں مسلمان سے لڑنے پر کفر کا اطلاق تغلیظاً ہے یا کفر سے مراد ناحق شناسی ہے۔ ایک مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے۔ بھائی کو لازم ہے کہ بھائی کے ساتھ مل جل کر رہے۔ لڑے بھڑے نہیں۔ جب کوئی مسلمان کسی مسلمان سے لڑا تو اس کی حق تلفی کی۔ یا اس بنا پر مسلمان سے لڑنے کو کفر کہا گیا ہے یہ کفار کے فعل کے مشابہ ہے کہ مسلمان سے لڑنا مسلمان کا کام نہیں، کافر کا کام ہے۔ یا یہاں کفر کے لغوی معنیٰ مراد ہیں یعنی چھپانا۔ مطلب یہ ہے کہ ایک مسلمان کی شان یہ ہے کہ دوسرے مسلمان کی مدد کرے اس پر آنچ نہ آنے دے اور جب اس سے لڑا تو اس کے حق کو چھپایا۔

اقول: ۔ مشتق پر حکم اس بات کی دلیل ہے کہ اس کا ماخذ اس کی علت ہے۔ اس لئے حدیث کا صاف مطلب یہ ہے کہ کسی مسلمان سے محض مسلمان ہونے کی وجہ سے لڑنا کفر ہے۔ کسی مسلمان سے مسلمان ہونے کی وجہ سے لڑنا ضرور کفر ہے۔

مرجیہ کا عقیدہ تھا کہ ایمان کے ساتھ گناہ سے کوئی ضرر نہیں ہوتا۔ یہ حدیث ان کے اس عقیدے کا رد ہے۔ صاف صریح ارشاد ہے کہ مسلمان کو گالی دینا فسق وگناہ ہے اور ان سے لڑنا کفر ہے۔

تشریحات (۴۳)

تکمیل (۱) اپنی طرز کے خلاف ہم نے یہ حدیث کتاب التفسیر کی لی ہے۔ اس لئے کہ اس میں فی خمس لایعلمھن الا اللہ اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ کا اضافہ تھا مسئلہ علوم خمسہ پر بحث کی تکمیل کے لئے اس آیت پر بھی بحث ضروری تھی۔ قرطبی نے کہا۔ یہ حدیث اس لائق ہے کہ اس کو ام السنہ کہا جائے۔ اس لئے کہ یہ احادیث کے جملہ علوم کو متضمن ہے اسی لئے امام بغوی نے مصابیح اور شرح السنہ دونوں کتابوں کو اسی حدیث سے شروع کیا جیسے قرآن کریم سورۂ فاتحہ سے شروع کیا گیا۔ کہ وہ ام الکتاب ہے۔ اجمالی طور سے قرآن کریم کے جملہ علوم پر مشتمل ہے۔

وَسَلَّمَ كَانَ يَوْمًا بَارِزًا لِلنَّاسِ إِذْ أَتَاهُ رَجُلٌ

مجمع عام میں تشریف فرما تھے کہ ایک شخص پیدل چلتا ہوا

امام قاضی عیاض نے فرمایا کہ یہ حدیث تمام ظاہری باطنی عبادات کے وظائف پر مشتمل ہے خواہ ایمان ہو خواہ جوارح کے اعمال ہوں خواہ دلوں کا اخلاص ہو۔ یہاں تک کہ شریعت کے کل علوم اس کی طرف راجع ہیں اور اس سے نکلتے ہیں۔ اسی اہمیت کے پیش نظر ہم اس مبارک حدیث کے جو مختلف حصے مختلف صحابۂ کرام یا مختلف طرق یا مختلف کتابوں میں ہیں سب کو یکجا کر کے اپنے الفاظ میں ذکر کرتے ہیں۔

بخاری و مسلم کے علاوہ یہ حدیث بالفاظ مختلفہ کچھ زیادتی کی قدرے تقدیم و تاخیر کے ساتھ خود حضرت ابوہریرہ نیز حضرت عمر حضرت انس حضرت جریر بن عبداللہ بجلی، حضرت ابن عباس حضرت ابو عامر اشعری اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے ابوداؤد، نسائی، ترمذی، ابن ماجہ، مسند امام احمد بن حنبل، بزار صحیح ابوعوانہ طبرانی وغیرہ میں مذکور ہے۔

حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بغیر کسی امتیاز کے صحابۂ کرام کے ساتھ بیٹھا کرتے تھے اگر کوئی ناآشنا اجنبی حاضر ہوتا، پہچان نہیں سکتا تھا۔ اسے پوچھنا پڑتا رسول اللہ کون ہیں؛ صحابہ نے عرض کیا اگر اجازت ہو تو ہم حضور کے بیٹھنے کے لئے کوئی جگہ بنا دیں جس پر تشریف رکھیں تاکہ اجنبیوں کو پوچھنا نہ پڑے۔ اجازت ملنے پر صحابہ نے ایک چبوترہ بنا دیا۔ جس پر حضور تشریف رکھا کرتے۔ اور صحابہ اس کے پہلو میں بیٹھتے۔ ایک دن مجمع عام میں حضور، اسی چبوترے پر اخیر عمر مبارک میں خطبہ دے رہے تھے۔ فرمایا۔ مجھ سے جو چاہو پوچھو: حاضرین پر ہیبت طاری ہو گئی جس کی وجہ سے کوئی کچھ دریافت نہ کر سکا۔ کہ اچانک ایک صاحب پیدل چلتے ہوئے نمودار ہوئے۔ نہایت خوبصورت، انتہائی سفید و شفاف کپڑے پہنے ہوئے جس پر نام کو بھی میل نہ تھا۔ ان کے بدن سے بہترین خوشبو اٹھ رہی تھی۔ داڑھی اور بال بالکل سیاہ۔ نہ تو ان کی ہیئت مسافروں جیسی تھی۔ نہ ان پر سفر کا کوئی اثر تھا۔ تعجب یہ ہے کہ ہم میں سے کوئی انھیں پہچانتا بھی نہ تھا۔ حاضرین نے حیرت سے ایک دوسرے کو دیکھ کر کہا ہم پہچانتے نہیں یہ کون ہے؟

انھوں نے فرش کے کنارے پہونچ کر عرض کیا۔ السلام علیك یا رسول الله۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے۔ سلام کا جواب دیا۔ اس نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! آپ کے نزدیک آجاؤں۔ فرمایا۔

آجاؤ۔ کئی بار نزدیک آنے کا اذن طلب کیا۔ ہر بار اجازت ملی۔ وہ لوگوں کی گردنیں پھلانگتے ہوئے آنحضور کے بالکل نزدیک آکر آنحضور کے گھٹنوں سے گھٹنے ملاکر اور اپنا ہاتھ حضور کے زانو پر رکھ کر بیٹھ گئے۔ اور مندرجہ ذیل سوالات کئے۔

یا رسول اللہ ایمان کیا ہے؟ ارشاد فرمایا۔ ایمان یہ ہے کہ تم اللہ اور اس کے سب فرشتوں، اس کی تمام کتابوں اور اس کے کل رسولوں جملہ نبیوں پر اور اس کی ملاقات پر اور موت پر اور قیامت کے دن قبروں سے زندہ ہوکر اٹھنے پر ایمان لاؤ۔ حساب۔ میزان۔ جنت دوزخ پر ایمان لاؤ۔ اور تقدیر پر ایمان لاؤ۔ کہ اس کا اچھا برا میٹھا کڑوا سب خدا کی طرف سے ہے۔

یہ جواب سنکر اس نے کہا۔ آپ نے سچ فرمایا۔ حاضرین کو حیرت ہوئی سوال بھی کرتے ہیں اور تصدیق بھی کرتے ہیں۔

پھر انھوں نے پوچھا۔ یا رسول اللہ اسلام کیا ہے؟ ارشاد فرمایا۔ اسلام یہ ہے کہ تم اس کی گواہی دو۔ سوائے اللہ کے کوئی معبود نہیں۔ اور محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) یقیناً اللہ کے رسول ہیں۔ اور فرض نماز پابندی کے ساتھ ادا کرو اور فرض زکوٰۃ دو۔ رمضان کے روزے رکھو۔ اگر بیت اللہ جانے کی استطاعت ہو تو حج کرو۔ عمرہ کرو۔ جنابت سے غسل کرو۔ کامل طریقے سے وضو کرو۔ اس نے عرض کیا۔ آپ نے سچ فرمایا۔

پھر پوچھا یا رسول اللہ مجھے احسان کے بارے میں بتائیے؟ فرمایا احسان یہ ہے کہ اللہ کی عبادت اس طرح کرو اس طرح اس کی خشیت رکھو گویا اسے دیکھ رہے ہو۔ اگر تم اسے نہیں دیکھ رہے ہو تو وہ تمھیں دیکھ رہا ہے۔ انھوں نے عرض کیا آپ نے سچ فرمایا۔ پھر دریافت کیا، قیامت کب آئے گی۔ اس سوال پر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے گردن جھکالی کوئی جواب نہ دیا۔ یہاں تک کہ انھوں نے تین بار یہی سوال دہرایا۔ تو سر اقدس اٹھاکر فرمایا۔

قیامت کے بارے میں جس سے سوال کیا گیا وہ سائل سے زیادہ نہیں جانتا۔

اس کے بعد انھوں نے قیامت کی نشانیاں پوچھیں۔ یا یہ کہ آنحضور نے از خود فرمایا۔ میں تمھیں قیامت کی کچھ نشانیاں بتاتا ہوں۔ فرمایا۔ قیامت کی نشانیاں یہ ہیں کہ، باندی اپنے آقا کو جنے گی۔ ننگے بدن ننگے پاؤں رہنے والے گونگے، بہرے حکومت کریں گے۔ بھیک منگے۔ بکریوں، کالے اونٹوں کے چرواہے محلوں میں فخر کریں گے۔

قیامت کب آئے گی یہ ان پانچ چیزوں میں سے ہے جن کا علم اللہ کے سوا کسی کو نہیں۔ پھر آنحضور نے سورۂ لقمان کی یہ اخیر آیت تلاوت فرمائی۔

يَمْشِي فَقَالَ يَا رَسُولَ اللهِ مَا الْإِيْمَانُ؟ قَالَ الْإِيْمَانُ أَنْ تُؤْمِنَ بِاللهِ وَ

خدمت اقدس میں حاضر ہوا اور کہا یا رسول اللہ، ایمان کیا ہے؟ فرمایا ایمان یہ ہے کہ اللہ پر اور اس کے سب

اللہ کے پاس قیامت کا علم ہے۔ وہ بارش برساتا ہے۔ اور ماؤں کے پیٹ میں کیا ہے، جانتا ہے، اور کوئی نہیں جانتا کل کیا کمائے گا۔ کسی کو نہیں معلوم کہ کہاں مرے گا اس میں کوئی شک نہیں اللہ جاننے والا بتانے والا ہے[ع] اس کے بعد یہ شخص چلے گئے۔ جب چلے گئے تو حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا۔ انھیں واپس لاؤ۔ صحابۂ کرام نے ہر طرف تلاش کیا مگر وہ نہیں ملے۔ اب حضور نے فرمایا۔ تم لوگ جانتے ہو یہ کون تھے۔ یہ جبرئیل تھے۔ تم لوگوں نے اس وقت کچھ نہیں پوچھا تو یہ آئے تھے کہ تم کو دین سکھائیں۔ اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے۔ جب بھی جبرئیل آئے میں نے پہچان لیا۔ مگر اب کی بار نہ پہچان سکا۔ یہ واپس ہونے کے لئے جب مڑ چکے تھے جب پہچانا۔ حضرت عمر نے فرمایا کہ تین دن کے بعد حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مجھ سے ملاقات کی اور دریافت فرمایا تمھیں معلوم ہے وہ سائل کون تھے۔ میں نے عرض کیا۔ اللہ اور اس کے رسول خوب جانتے ہیں۔ فرمایا۔ وہ جبرئیل تھے تمھیں دین سکھانے آئے تھے۔

نکات (۲) بخاری میں جتنا حدیث کا متن ہے۔ اس پر وارد بہت سے شبہات اس حدیث کے متفرق متون کو جمع کر دینے سے دور ہو گئے۔ اسی سے یہ بھی ظاہر ہو گیا۔ روایتوں میں جو تقدیم و تاخیر کی زیادتی ہے۔ وہ راویوں کی طرف سے ہے کہ انھوں نے اپنی یادداشت یا ضرورت کے مطابق ذکر کیا۔

اب چند ضروری گوشوں کی توضیح باقی رہ گئی ہے وہ حاضر ہیں۔

(الف) جبرئیل اس خاص ہیئت کے ساتھ اجنبی بن کر کیوں حاضر ہوئے؟ مسلم میں حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ ہم لوگوں کو اس بات سے روک دیا گیا تھا کہ ہم حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے سوالات کریں اس لئے ہم لوگوں کی خواہش رہتی تھی کہ کوئی ذہین دیہاتی آکر کچھ پوچھے اور ہم سنیں۔ اسی حدیث کا ابتدائی حصہ یہ ہے کہ اس کے باوجود حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اذنِ عام دے دیا تھا۔ کہ جو پوچھنا چاہو پوچھو مگر ہیبت کی وجہ سے کوئی کچھ نہ پوچھ سکا ــــ اس لئے جبرئیل امین اجنبی بن کے حاضر ہوئے۔ کہ صحابہ یہی سمجھیں کہ یہ کوئی دیہاتی ہیں۔ اگر صحابۂ کرام

ع سورۂ لقمان،

مَلَائِكَتِهٖ وَرُسُلِهٖ وَلِقَائِهٖ وَتُؤْمِنَ بِالْبَعْثِ الْآخِرِ قَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ

فرشتوں پر اور اس کے سب رسولوں پر اور اسکی ملاقات پر اور آخر ۔ قبر سے اٹھنے پر ایمان لائے اس نے کہا یا رسول اللہ

کو یہ معلوم ہو جاتا کہ یہ جبرئیل ہیں ۔ تو اس کا امکان تھا کہ صحابہ پر ان کی بھی ہیبت طاری ہو جاتی ۔ ہو سکتا ہے انکی زیارت میں انہماک ہو جاتا اور ان کے سوالات و جوابات کو کما حقہ مستحضر نہ رکھ پاتے ۔

(ب) بچھونے کے کنارے ہی سلام کرنے کے بعد بار بار نزدیک آنے کا اذن مانگنا اس لئے تھا کہ تمام حاضرین ان کی طرف متوجہ ہو جائیں ۔ نیز یہ بتانا تھا کہ بزرگوں کے بہت نزدیک بلا ان کی اجازت کے نہیں ہونا چاہیئے ۔ خصوصاً جب مجلس بھری ہوئی ہو ۔

(ج) گردنیں پھلانگتے اس لئے آئے ۔ کہ ہو سکتا ہے کہ بغیر اس کے قریب آنا ممکن نہ ہو نیز یہ بدویانہ طریقہ اس لئے اختیار کیا کہ لوگ یہی سمجھیں کہ واقعی یہ کوئی بدوی ہیں ۔

(د) گھٹنے سے گھٹنے ملاکر ، زانو اقدس پر ہاتھ رکھ کر بیٹھے یہ بتانے کے لئے کہ تلمیذ و استاذ میں جتنی موانست ہوگی قرب ہوگا ، اتنا ہی زیادہ فیض ہوگا ۔ حدیث کے الفاظ یہ ہیں فوضع یدیہ علی فخذیہ ۔ اس میں یدیہ کی ضمیر کا مرجع متعین ہے کہ رجل ہے ۔ البتہ فخذیہ کی ضمیر میں دو احتمال ہیں ۔ ایک یہ کہ اس کا مرجع حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہوں ۔ تو وہ معنی ہوں گے جو ہم نے بیان کیا دوسرے یہ کہ اس کا مرجع بھی رجل ہو تو معنی یہ ہوں گے کہ آنے والے نے اپنے دونوں ہاتھ اپنے زانو پر رکھے ۔ اسی میں ادب زیادہ ہے ۔ اور پہلے میں یگانگت کا بہت زیادہ اظہار نیز بدویت کا بھی ۔ ہم نے پہلی شق اس لئے اختیار کی ، کہ سلیمان تیمی کی روایت میں یہ تصریح ہے ۔ وضع یدہ علی رکبتی النبی صلے اللہ تعالیٰ علیہ وَسَلَّمَ ۔ ایک روایت دوسرے کی تفسیر ہوتی ہے ۔ نیز بغوی اور اسماعیل تیمی نے اسی پر جزم فرمایا ۔ اور طیبی نے اسی کو ترجیح دی ۔

(ھ) سفید شفاف بے داغ لباس پہن کر حاضر ہوئے اس میں اشارہ ہے کہ تلمیذ کو استاذ کے سامنے اس طرح حاضر ہونا چاہیئے کہ اس کا ذہن پندار کے داغ سے ملوث نہ ہو ۔

(و) سیاہ بال جوانی کی نشانی ہے ۔ اس میں اشارہ ہے کہ طلب علم کا بہترین زمانہ جوانی ہے ۔

(ز) انتہائی خوبصورت بہترین خوشبو کے ساتھ آنے میں یہ تلقین ہے کہ تلمیذ کو استاذ کے حضور اچھی سے اچھی ہیئت میں حاضر ہونا چاہیئے ۔ جس سے اسکی طرف میلان قلب ہو ایسی ہیئت سے نہ حاضر ہو کہ لے تکدر یا نفرت ہو ۔

مَا الْاِسْلَامُ؟ قَالَ الْاِسْلَامُ اَنْ تَعْبُدَ اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكَ بِهٖ شَيْئًا وَّ

اسلام کیا ہے؟ فرمایا۔ اسلام یہ ہے کہ تو اللہ کی عبادت کرے اس طرح کہ اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائے

(۳) ایمان باللہ۔ ایمان بالرسول۔ ایمان بالملئکہ وایمان بالکتب کی تشریح۔ ہر مسلمان جانتا ہے۔ اور اس کی تفصیل کتاب میں متعدد جگہ آئے گی۔ توضیح طلب باتیں تین ہیں۔ موت پر ایمان، اور اس کی ملاقات پر ایمان۔ اور بعثِ آخر یا یوم آخر پر ایمان۔

(الف) موت ایسی چیز ہے کہ اس کا سبھی کو یقین ہے۔ پھر اس پر خصوصیت سے ایمان لانے کا ذکر غالباً اس بنا پر ہے کہ موت کا یقین سب کو ضرور ہے۔ مگر اس سے غفلت عام ہے۔ مراد یہ ہے کہ موت سے غفلت نہ برتی جائے اسے یاد رکھا جائے۔ یا اس سے پوری دنیا کا کلیۃً فنا ہو جانا مراد ہے۔

(ب) بعث سے مراد، قیامت کے دن قبروں سے زندہ ہو کر اٹھنا ہے۔ اور یہ بہرحال آخر ہے۔ اب آخر صرف توضیح و تاکید کے لئے ہے۔ جیسے کہتے ہیں کا مس الذاھب۔ حالانکہ اَمْسِ کا معنی ہے کل گذشتہ کے۔ یا اس بنا پر کہ بعث دو ہیں۔ ایک عدم سے وجود میں آنا۔ یا ماں کے پیٹ سے دنیا میں آنا۔ دوسرے قیامت کے دن۔ یہ دوسرا پہلے کی بہ نسبت آخر ہوا۔

(ج) یوم آخر سے مراد قیامت ہے اس کو یوم آخر۔ اس لئے کہتے ہیں کہ جن ایام کی حد ہمیں معلوم ہے۔ ان میں سب سے آخری دن ہے۔ یوم آخر پر ایمان لانے سے مراد یہ ہے کہ قیامت کے دن جو احوال و اہوال اور معاملات پیش آئیں گے۔ ان سب پر ایمان لانا۔ مثلاً حساب کتاب، وزنِ اعمال، پُل صراط پر گذر، جنت دوزخ۔ جیسا کہ حضرت ابن عباس کی روایت میں اس کی تصریح موجود ہے۔

(د) اللہ کی ملاقات سے مراد یہ ہے کہ اس کی بارگاہ میں حاضری ضروری ہے۔ یا یہ کہ اس کی رویت مراد ہے کہ مومنین کو اس کی زیارت ہوگی۔ جیسا کہ اس کے بارے میں احادیث مشہورہ وارد ہیں، یہ اگرچہ یوم آخر کے احوال میں داخل ہے۔ مگر اہمیت کی وجہ سے اس کو علیحدہ بھی ذکر کیا۔

(۴) اس حدیث سے صاف ظاہر ہے کہ ایمان و اسلام دونوں الگ الگ چیزیں ہیں۔ لیکن یہ کلیۃً صحیح نہیں۔ یہاں جن امور کو اسلام بتایا۔ وفد عبد القیس کی حدیث میں انھیں کو ایمان بتایا۔ نیز قرآن مجید میں ہے۔

فَاَخْرَجْنَا مَنْ كَانَ فِيْهَا مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ فَمَا اس بستی میں جتنے مومن تھے ہم نے سب کو باہر کیا ہم نے اس بستی

وَجَدْنَا فِيهَا غَيْرَ بَيْتٍ مِّنَ الْمُسْلِمِينَ ۔ ذٰریٰت آیت ۳۵، ۳۶۔ میں صرف ایک گھر مسلمان کا پایا ۔

یہاں حضرت لوط علیہ السلام کے گھر والوں کو مومن بھی فرمایا ۔ اور مسلمان بھی ۔ اس سے ظاہر کہ مومن اور مسلمان مرادف ہیں ۔ تو ثابت کہ ایمان اور اسلام بھی مرادف ہیں ۔

لیکن اس حدیثِ جبرئیل اور دیگر احادیث سے ظاہر ہوتا ہے کہ ایمان اور اسلام متغائر ہیں ۔ نیز قرآن مجید ہی میں ہے ۔

قَالَتِ الْاَعْرَابُ اٰمَنَّا ۔ قُلْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا وَلٰكِنْ قُوْلُوْا اَسْلَمْنَا وَلَمَّا يَدْخُلِ الْاِيْمَانُ فِىْ قُلُوْبِكُمْ ۔ گنواروں نے کہا ہم ایمان لے آئے آپ فرمادو ایمان نہیں لائے ہاں یہ کہو ہم تابع ہو گئے ۔ ابھی تمہارے دلوں میں ایمان کہاں داخل ہوا

اس آیت میں ایمان کی نفی کر کے ۔ اسلام کا اثبات ہے ۔ اس سے ظاہر کہ ایمان اور اسلام دو الگ الگ چیزیں ہیں ۔ مگر حقیقت میں ایسا نہیں ۔ اس سے صرف یہ ثابت ہوا کہ اطلاق میں کہیں کہیں تغایر کی بو آتی ہے ۔ ورنہ مفہوم دونوں کا ایک ہے ۔

ہم کتاب الایمان کی ابتداء میں یہ ثابت کر آئے ہیں کہ ایمان ، تصدیق اور اقرار باللسان دونوں کا نام ہے ۔ ایمان کے لغوی معنی تصدیق کے ہیں ۔ اور اسلام کے لغوی معنی تابعدار ہونے کے ہیں ۔ شرع میں اسلام کے معنی ہیں ۔ اس دین کا پابند ہونا جو خدا کی طرف سے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم لائے ۔ ظاہر ہے کہ انسان کسی دین کا پابند اسی وقت ہوگا جب اس کے اصول کو سچ جانے ۔ اور اس کے صحیح ہونے کا اقرار کرے ۔ اور یہی جاننا ایمان ہے ۔ اور جب انسان کسی کے اصول کو سچ جان لے گا ۔ اور اس کا اقرار بھی کرے گا ۔ تو اس کا پابند بھی ہوگا ۔ لہٰذا ایمان و اسلام ایک ہوئے ۔

ہاں اطلاق میں کہیں کہیں اسلام ظاہری اعمال کی ادائےگی پر بولا گیا ہے ۔ اس لحاظ سے فرق صرف اعتباری ہوگا ۔ اس سے کسی کو انکار نہیں ۔ حدیثِ جبرئیل اور سورۂ حجرات کی اس آیت میں یہی اطلاق ہے ۔ ورنہ حدیث جبرئیل کا اخیر اس کا رد ہے ۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان سب کو دین فرمایا جس میں ایمان بھی داخل ہے ۔ اور خود قرآن مجید میں ہے ۔

مَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ ۔ جو اسلام کے علاوہ کسی دین کو قبول کرے اسے ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا

اور ارشاد ہوا وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا ۔ تمہارے لئے دینِ اسلام کو میں نے پسند کیا ۔

ان آیات میں صرف اسلام کو دین بتایا۔ کیا ایمان دین سے خارج ہے؟ اگر اس کا جواب نفی میں ہے۔ اور ضرور صرف نفی میں ہے۔ تو ثابت کہ ایمان اور اسلام دو متضاد چیزیں نہیں مسلمانوں کے عرف میں بولتے ہیں۔ فلاں ایمان لایا۔ یا بولتے ہیں فلاں اسلام لایا۔ دونوں کے معنی بلا کسی دغدغہ کے ایک ہیں۔ ہاں اطلاق کے اعتبار سے شریعت میں اس کے مابین عموم خصوص مطلق کی نسبت ہوگی۔ ایمان اور اسلام دونوں کا ایک مفہوم پر اطلاق جیسے وفد عبد القیس والی حدیث اور سورۂ ذٰریٰت کی مذکورہ آیت میں۔ اسلام کا اور ایمان کا الگ الگ معنوں میں اطلاق جیسے سورۂ حجرات کی آیت میں

تقدیر کا مطلب یہ ہے کہ ہر بھلائی برائی اللہ عزوجل نے اپنے علم ازلی کے موافق مقدر کر دی ہے جو بات جیسے ہونے والی تھی۔ اور جو شخص جو کچھ کرنے والا تھا۔ اللہ عزوجل اسے ازل سے جانتا تھا۔ اسی کے مطابق لکھ لیا۔ اب اس کے خلاف نہیں ہوسکتا، محال ہے۔ یہ نہیں کہ اللہ عزوجل نے لوگوں کے احوال جانے بغیر جو چاہا لکھ دیا۔ اور اب ہم اس لکھنے کی وجہ سے ویسا ہی کرنے پر مجبور رہیں۔ بلکہ مثلاً زید کے ذمے برائی لکھی۔ اس لئے کہ اللہ عزوجل کو معلوم تھا کہ برائی کرے گا اگر زید بھلائی کرنے والا ہوتا تو اس کے ذمے بھلائی لکھتا۔ اس کو یوں سمجھئے کہ اللہ عزوجل نے انسان کو جمادات پتھر کنکر کی طرح بے حس و حرکت بے اختیار نہیں بنایا۔ بلکہ ایک نوعِ اختیار بھی دیا ہے کہ کسی کام کو چاہے تو کرے۔ چاہے تو نہ کرے۔ اسی کے ساتھ عقل بھی دی کہ وہ بھلے برے نفع، نقصان کو پہچان سکے۔ اور ہر قسم کے سامان و اسباب مہیا فرما دئے کہ جب کوئی کام کرنا چاہتا ہے تو ان سامان سے کام لے۔ اسی اختیار پر مواخذہ ہے۔ اپنے آپ کو جمادات کی طرح مجبورِ محض سمجھنا۔ یا بالکل مختار سمجھنا دونوں گمراہی ہے۔

تقدیر کے منکرین کو نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس امت کا مجوس فرمایا۔ وجہ شبہ یہ ہے کہ مجوس دو خالق مانتے ہیں خالقِ خیر یزداں۔ خالقِ شر اَہرمَن۔ اور قدریہ یعنی تقدیر کے منکرین انسانوں کو اپنے افعال کا خالق مانتے ہیں۔ انھوں نے دو ہی نہیں کروڑوں خالق مانے۔

تقدیر و قضا ہم معنی ہیں۔ قضا کی تین قسمیں ہیں۔ مُبرَم حقیقی۔ جو علم الٰہی میں کسی چیز پر مُعلّق نہیں۔ مُعلّق محض۔ ملائکہ کے صحیفوں میں جس کا معلق ہونا ظاہر فرما دیا گیا ہو۔ مُعلّق شبیہ مبرم۔ صحف ملائکہ میں جس کی تعلیق مذکور نہیں۔ مگر وہ علم الٰہی میں معلق ہے۔

مبرم حقیقی کی تبدیل محال ہے۔ اگر محبوبانِ بارگاہ اس بارے میں کچھ عرض کرتے ہیں تو انھیں اس سے روک دیا جاتا ہے۔ مثلاً فرشتے قوم لوط پر عذاب لے کے آئے۔ حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بآں قرب

تُقِيمَ الصَّلٰوةَ وَتُؤْتِيَ الزَّكٰوةَ الْمَفْرُوْضَةَ وَتَصُوْمَ رَمَضَانَ

اور نماز ادا کرے اور فرض زکوٰۃ دے اور رمضان کا روزہ رکھے۔

واختصاص بہت کچھ عرض و معروض کی۔ یہاں تک کہ ان کی عرض و معروض کو قرآن کریم نے مجادلے سے تعبیر فرمایا۔ ارشاد ہے۔

يُجَادِلُنَا فِي قَوْمِ لُوْطٍ۔ ابراہیم ہم سے قوم لوط کے بارے میں جھگڑنے لگا۔

مگر چونکہ یہ عذاب مبرم حقیقی تھا۔ اس لئے نہ رُکا۔

قضا معلق۔ اولیاء کرام کی دعاؤں ان کی توجہ، اعمال حسنہ سے ٹل جاتی ہے۔

معلق شبیہ مبرم تک عامۂ اولیاء کرام کی رسائی نہیں۔ اکابر کی ہے۔ جو ان کی دعا، توجہ سے ٹل جاتی ہے حضور سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسی کو فرمایا۔

إِنِّي أَرُدُّ الْقَضَاءَ بَعْدَ مَا أُبْرِمَ میں قضاء مبرم کو بدل دیتا ہوں۔

اور اسی کو حدیث میں فرمایا گیا۔

إِنَّ الدُّعَاءَ يَرُدُّ الْقَضَاءَ بَعْدَ مَا أُبْرِمَ۔ دعا قضاء مبرم کو ٹال دیتی ہے۔

تقدیر کے مسائل عقول متوسطہ کی دسترس سے باہر ہیں۔ ما و شما کس گنتی میں ہیں۔ حضرت صدیق اکبر و فاروق اعظم کو اس میں بحث کرنے سے روک دیا گیا۔ اس میں زیادہ غور و خوض بحث و تمحیص بہت نقصان دہ ہے۔ اور حقیقت یہ ہے کہ یہ مسئلہ استدلالی نہیں۔ صرف کشفی ہے۔ لیکن مشکل یہ ہے کہ یہ مسئلہ جتنا ہی دقیق اور عام عقلوں کی دسترس سے بالاتر ہے۔ اُتنا ہی لوگ اس میں کرید کی کوشش کرتے ہیں۔ اسے عام فہم اسے قریب کرنے کے لئے زیادہ سے زیادہ جو کہا جا سکتا ہے وہ یہ ہے۔ ہم چلتے ہیں پھرتے ہیں اٹھتے ہیں بیٹھتے ہیں کھاتے ہیں پیتے ہیں زندگی کے روزمرہ کے معمولات میں مشغول رہتے ہیں۔ یہ ہم اپنے ارادے اور اختیار سے کرتے ہیں۔ ہم جو چاہتے ہیں کھاتے پیتے ہیں جو نہیں چاہتے ہیں نہیں کھاتے پیتے۔ ہم جہاں چاہتے ہیں جاتے ہیں اور جہاں نہیں چاہتے ہیں نہیں جاتے ہیں وغیرہ وغیرہ۔

اس کے برخلاف رعشے کی بیماری والا ہے۔ کہ وہ لاکھ چاہے کہ اس کا سر اور اس کا ہاتھ اس کا پاؤں نہ ہلے۔ مگر وہ روک نہیں سکتا۔ فالج زدہ، مفلوج عضو کو لاکھ چاہے حرکت نہیں دے سکتا۔ اس کے برخلاف ایک تندرست انسان جب چاہے جس عضو کو چاہے حرکت دے سکتا ہے حرکت سے روک سکتا ہے تندرست کی حرکات وسکنات

قَالَ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ مَا الْاِحْسَانُ

اس نے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ احسان کیا ہے؟

رعشہ اور فالج زدہ کی طرح بے اختیاری نہیں ــــ مگر اس اختیار کے باوجود روزمرہ ایسا ہوتا رہتا ہے۔ کہ ایک انسان ایک بات کو چاہتا ہے اس کے لئے لاکھ جتن کرتا ہے۔ سب تدبیریں کر ڈالتا ہے۔ مگر وہ کامیاب نہیں ہوتا۔ اس سے سمجھ میں آیا۔ کہ ہمیں اختیار بھی ہے قدرت بھی ہے۔ مگر بالکلیہ نہیں۔ ہمارا اختیار ہماری قدرت کسی اور قدرت والے اختیار والے کے ماتحت ہے۔ یہی تقدیر ہے۔

(۵) احسان باب افعال کا مصدر ہے۔ اس کا مادہ حُسْنٌ ہے۔ جب اس کا مفعول بغیر حرف جر کے آتا ہے۔ تو اس کے معنی اچھا کرنے کے آتے ہیں۔ اور جب الیٰ کے ساتھ آتا ہے تو اس کے معنی ہوتے ہیں کسی کو نفع پہنچانے کے۔ یہاں پہلا معنی مراد ہے۔ عبادت کے اندر احسان کیا ہے۔ اسے یوں فرمایا۔

اَنْ تَعْبُدَ اللّٰہَ کَاَنَّکَ تَرَاہُ فَاِنْ لَّمْ تَکُنْ تَرَاہُ فَاِنَّہٗ یَرَاکَ۔ اللہ کی یوں عبادت کرو گویا اسے دیکھ رہے ہو پس اگر تم اسے نہیں دیکھ رہے ہو تو وہ تمھیں دیکھ رہا ہے۔

اس تقدیر پر مطلب یہ ہوگا۔ کہ تم عبادت میں یہ تصور رکھو گویا کہ اللہ عزوجل کو تم دیکھ رہے ہو۔ کیونکہ تم اسے نہیں دیکھتے اور نہ دیکھ سکتے ہو۔ مگر وہ تمھیں دیکھ رہا ہے۔ اسی کو دوسری حدیث میں یوں فرمایا۔

اُعْبُدْ رَبَّکَ فِیْ جَمِیْعِ الْاَحْوَالِ کَعِبَادَتِکَ فِیْ حَالِ الْعِیَانِ۔ ہر حالت میں اپنے رب کی یوں عبادت کرو جیسے حالت مشاہدہ میں کرتے

اس تقدیر پر احسان کا صرف ایک درجہ ہوا۔ وہ یہ کہ اللہ کی عبادت یوں کریں گویا ہم اسے دیکھ رہے ہیں۔ دوسرا معنی یہ ہے کہ اللہ کی اس طرح عبادت کرو گویا اسے دیکھ رہے ہو اگر یہ نہ ہو سکے تو یوں عبادت کرو کہ گویا تم کو وہ دیکھ رہا ہے

اب احسان کے دو درجے ہوئے۔ ایک یہ کہ عبادت کے وقت یہ خیال جما رہے کہ اللہ عزوجل کو ہم دیکھ رہے ہیں۔ دوسرے یہ کہ یہ نہ ہو سکے تو یہ خیال جما رہے کہ وہ ہم کو دیکھ رہا ہے۔

ظاہر ہے کہ جب بندے کو یہ حضور حاصل ہو کہ۔ اللہ عزوجل ہم کو ہمارے ظاہر و باطن کو دیکھ رہا ہے تو پھر نہ کوئی طاعت چھوٹے گی نہ اس کے آداب و شرائط میں کوئی کمی ہوگی۔ اور نہ کوئی گناہ پر جرأت ہوگی۔ اس کی مثال یہ ہے کہ

مالک دروازے پر بیٹھا ہوا نوکروں سے کام لے رہا ہے۔ نوکر اپنے کام میں لگے ہیں۔ مالک کو نہیں دیکھتے مگر یہ جانتے ہیں کہ مالک ہم کو دیکھ رہا ہے۔ تو کام میں نہ کمی کریں گے نہ قصداً کام بگاڑیں گے۔ بخلاف اس کے کہ مالک موجود نہ ہو۔

لیکن اگر دربار شاہی میں کوئی شہنشاہ کے روبرو موجود ہو شہنشاہ کے چہرے پر اس کی نظر ہو تو اس کا کیا حال ہوگا۔ ظاہر ہے۔ کیا وہاں حکم عدولی کی جرأت ہوگی تعمیل حکم میں تاخیر کی مجال ہوگی۔ کیا آداب دربار کی خلاف ورزی ہوگی۔ کیا کوئی اپنے کو لایعنی باتوں میں مشغول رکھے گا۔ خصوصاً جبکہ شہنشاہ ایسا ہو۔ جو ظاہر و باطن سب اس پر منکشف ہوں۔ آنکھوں کی چوری سے لے کر سینے کے اندر تک مطلع ہو۔ دل کی دھڑکنوں کے ساتھ خطرات بھی اس سے پوشیدہ نہ ہوں عمداً تو بہت دور ہے کیا دل میں بغاوت سرکشی حکم عدولی کا وہم بھی آسکے گا؟۔

اور سوچو! جبکہ شہنشاہ مالک حقیقی ذوالجلال والجبروت ہو۔ اور اس کے ساتھ حسن و جمال میں بھی لاشریک لہ تو حاضر باش کا کیا حال ہوگا۔ ع ذوق ایں مے نشناسی بخدا تا نہ چشی۔

یہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ان جوامع کلم میں سے ہے کہ اس کی تشریح سے دفتر کے دفتر تیار ہو سکتے ہیں۔ یہی تصوف کی اصل ہے۔ جس کی شرح میں ہزاروں کتابیں لکھی گئیں اور ہزاروں لکھی جائیں گی۔ اور جو لکھی گئیں یا جو لکھی جائیں گی۔ وہ ایک قطرہ بھی اس بحر ناپیدا کنار کا نہیں۔ ان سب کی تفصیل یہ ہے کہ ایمان اصل الاصول ہے۔ اس کی فرع اعمال ہیں۔ اعمال کے ادائے کے اعتبار سے تین درجے ہیں۔

اول :- حسب تفصیل فقہ، شرائط کے ساتھ ارکان ادا کرلئے جائیں۔ اس سے آدمی فرض سے سبکدوش ہو جاتا ہے۔ یہ عوام کے لئے ہے۔

دوم :- عبادت میں کم از کم یہ تصور ہو کہ معبود ہمیں دیکھ رہا ہے۔ یہ خواص کا مقام ہے۔

سوم :- عبادت میں یہ حضور و شہود ہو گویا عابد معبود کو دیکھ رہا ہے۔ یہ اخص الخواص کا مقام ہے۔

عمارہ بن قعقاع کی روایت اور حضرت انس کی حدیث میں "ان تعبد اللہ" کے بجائے ان تخشی اللہ ہے اب احسان سے مراد عبادت کا احسان نہیں ہوگا۔ بلکہ اسلام کا احسان ہوگا۔ اب سوال یہ ہوا کہ اسلام کا احسان کیا ہے؟۔

جواب ارشاد ہوا۔

اللہ سے یوں ڈرتے رہو گویا تم اسے دیکھ رہے ہو۔ اگر یہ نہ ہو سکے تو یوں ڈرتے رہو کہ وہ تمھیں دیکھ رہا ہے۔ یہاں تخشی اللہ کا مفعول محذوف ہے۔ جو عموم کا افادہ کرتا ہے۔ کہ ہر وقت اللہ سے ان دونوں تصور میں سے

قَالَ اَلْاِحْسَانُ اَنْ تَعْبُدَ اللّٰهَ كَاَنَّكَ تَرَاهُ فَاِنْ لَّمْ تَكُنْ

فرمایا۔ احسان یہ ہے کہ اللہ کی اس طرح عبادت کرو گویا تم اس کو دیکھ رہا ہے پھر اس طرح کہ

ایک کے ساتھ ڈرتے رہو۔ خواہ حالت عبادت میں ہو خواہ کسی حالت میں۔ یہ دوام اپنے دونوں مدارج میں سے کسی ایک درجے میں جسے بھی نصیب ہو جائے اس کے مدارج کا اندازہ کون لگا سکے گا۔ وَاللّٰهُ يَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهٖ مَنْ يَّشَاءُ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ۔

کانک تراہ میں، اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ دنیا میں بیداری کے ساتھ چشم سر سے دیدار الٰہی ممکن نہیں۔ ورنہ کَاَنَّکَ (گویا دیکھ رہے ہو) نہ فرماتے۔ بلکہ یہ فرماتے یوں عبادت کرو کہ اسے دیکھو اس پر مسلم شریف کی یہ حدیث دلیل ہے کہ فرمایا۔

واعلموا انکم لن تروا ربکم حتی تموتوا جان لو! موت سے پہلے اپنے رب کا دیدار ہرگز نہ کرو گے۔

حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا دیدار الٰہی کرنا احادیث صحیحہ سے ثابت ہے۔ یہ احادیث اس کے لئے مخصص ہیں۔ رہ گیا خواب میں وہ صحابۂ کرام، اولیاء کرام کے لئے حاصل ہے۔ حضرت ابوہریرہ نے فرمایا رأیت ربی فی سکک المدینۃ میں نے اپنے رب کو مدینے کی گلیوں میں دیکھا۔ اس سے مراد یہی خواب میں دیکھنا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ مدینے کی گلیوں میں رہتے ہوئے میں نے رب کا جلوہ دیکھا۔ حضرت امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو سو مرتبہ اور غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو کئی مرتبہ خواب میں زیارت ہوئی۔

(۶) عبادت کے معنی قاضی بیضاوی علامہ نسفی وغیرہ مفسرین نے عبادت کے یہ معنی بتائے ہیں۔

اقصی غایۃ الخضوع والتذلل۔ کسی کے لئے انتہائی حد تک عاجزی و فروتنی کرنا۔

اقصی غایت تذلل، عبادت، اور اس سے کم درجہ تعظیم ہے۔

اقصی غایت کی حد کیا ہے۔ اس کا دار و مدار نیت پر ہے۔ اسکی قدرے توضیح یہ ہے۔ کہ انسان مختلف اشخاص و ہستی کے سامنے تذلل ظاہر کرتا ہے۔ مثلاً چھوٹا بھائی بڑے بھائی کے سامنے۔ بیٹا باپ کے سامنے۔ شاگرد استاذ کے سامنے۔ مرید شیخ کے سامنے۔ امتی نبی کے روبرو۔ اور ایک عابد معبود کے حضور۔

ہر شخص پر ظاہر ہے۔ کہ تذلل کے یہ سب مدارج یکساں نہیں۔ ایک دوسرے سے بڑھ کر ہیں۔ ان میں سب سے اعلیٰ اقصیٰ غایت تذلل عبادت۔ اس سے فروتر تعظیم۔ جیسا کہ ہم پہلے بتا آئے کہ اس کا دار و مدار نیت پر ہے۔

تَرَاهُ فَإِنَّهُ يَرَاكَ. قَالَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ؟

اگر تم اس کو نہیں دیکھ رہے ہو تو وہ تجھے دیکھ رہا ہے۔ اس نے عرض کیا۔

کسی ہستی کو واجب الوجود اعتقاد کرکے یا واجب الوجود کے خواص ولوازم میں سے کسی ہستی کے لئے ثابت مان کر یا کائنات عالم کی تدبیر میں کسی کے لئے ایسا دخل ماننا کہ اس کے بغیر نظام نہیں چل سکتا یا نفع وضرر پہونچانے یا تخلیق و ایجاد میں کسی کو مستقل بالذات ماننا اس معنی کر کہ وہ بے اذن الٰہی کے جو چاہے کرے یا تحلیل و تحریم کا اختیار مستقل ماننا یا کسی کی ذات وصفات کو ذاتی مان کر تذلل کرنا غایت تعظیم اور عبادت ہے اور ان مذکورہ تصورات کے بغیر کسی کے لئے تذلل کرنا عبادت نہیں۔

اور صحیح بات تو یہ ہے۔ عبادت اور تعظیم کی حد فاصل ہر عاقل جانتا ہے۔ یہ دوسری بات ہے کہ اسے الفاظ کا جامہ پہنانا ذرا مشکل ہے۔ سجدہ ایک فعل ہے۔ دو زانو بیٹھنا ایک فعل ہے۔ یہی کبھی عبادت ہے کبھی تعظیم۔ حضرت آدم علیہ السّلام کو فرشتوں نے اور حضرت یوسف علیہ السّلام کو ان کے ماں باپ اور بھائیوں نے جو سجدہ کیا یہ تعظیم تھا۔ اور نماز کا سجدہ، عبادت۔ جبرئیل امین خدمت اقدس میں باادب تلمیذ کی طرح دو زانو بیٹھے یہ تعظیم۔ اور قعدہ میں عبادت روضۂ اقدس کی حاضری کے وقت دست بستہ کھڑا ہونا، تعظیم۔ اور نماز میں عبادت۔ ہر عام حالات میں ہاتھ چھوڑ کر کھڑے رہتے ہیں۔ یہ نہ تعظیم ہے نہ عبادت۔ اور کسی مقتداء دین کے لئے کھڑے ہو گئے یا اس کے سامنے کھڑے ہیں تو یہ تعظیم۔ اور مالکیہ کے یہاں مطلقاً نماز میں اور احناف وشوافع کے یہاں رکوع کے بعد سجدے سے پہلے کھڑا ہونا عبادت اس لئے ماننا پڑے گا کہ تعظیم وغیر تعظیم عبادت وغیر عبادت میں سب کو امتیاز آتا ہے۔ البتہ الفاظ کے قالب میں اسے ڈھالنا ذرا متعذر ہے۔ اور یہ صرف عبادت اور تعظیم ہی کی بات نہیں۔ بہت سی چیزیں ایسی ہیں جن کو سب جانتے ہیں۔ مگر اس کی تعریف پوچھو تو کم ہی لوگ بتا پائیں گے۔ مکان وزمان، حرکت وسکون، کون نہیں جانتا مگر ذرا اس کی تعریف پوچھ کر دیکھو، اور ان کی جو تعریفیں کی جاتی ہیں کتنی آسان ہیں۔ وہ فلسفے کے متعلم اور معلم سے پوچھو۔ آج کل کچھ لوگوں نے عبادت کی تعریف یہ گڑھ لی ہے۔ کسی کو مافوق الفطری قوت کا مالک، اعتقاد کر کے اسکی قربت ونزدیکی حاصل کرنے کے لئے کوئی کام کرناعـہ۔ یہ تعریف نہ قرآن میں ہے نہ حدیث میں نہ صحابہ سے منقول ہے نہ علمائے سلف سے نہ علماء خلف سے۔ انعامی اعلان کے باوجود آج تک نہیں بتایا گیا۔ اور نہ قیامت تک کوئی بتا سکتا ہے۔

عـہ روداد مناظرہ بجرڈیہہ۔

مَتَی السَّاعَۃُ قَالَ مَا الْمَسْئُوْلُ عَنْھَا بِاَعْلَمَ مِنَ السَّائِلِ وَلٰکِنْ

قیامت کب آئے گی؟ فرمایا جس سے اس کے بارے میں سوال کیا گیا ہے وہ سائل سے زیادہ نہیں جانتا۔

اور بداہۃً باطل ہے۔ ورنہ لازم کہ ساری امت ہی نہیں انبیاء کرام خود اللہ عزوجل، مشرک ہو۔ وہ یوں کہ بنص قرآنی ثابت کہ انبیاء کرام میں فوق الفطری قوتیں تھیں بلکہ یہ بھی ثابت کہ امتیوں میں بھی تھیں۔ حضرت داؤد کے ہاتھ میں لوہے کا نرم ہونا حضرت سلیمان علیہ السلام کے لئے وحوش وطیور جنات کا تابع ہونا ہوا کا ان کے قابو میں ہونا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ید بیضا اور عصا۔ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا مٹی کی مورت میں جان ڈالنا اور مادر زاد اندھے اور برص والے کو شفا دینا مردے جلانا۔ حضرت آصف بن برخیا کا سیکڑوں میل کی دوری سے بلقیس کا منوں وزنی تخت پلک جھپکنے کے اندر لانے کی قوت۔ یہ سب مافوق الفطری قوتیں ہی تو ہیں۔ پھر یہ تعریف بالمجہول۔ فوق الفطری کی تحدید کیا ہے۔ اسکو کوئی صاحب متعین کر دیں۔ اور تعریف بالمجہول تجہیل محض و باطل۔ اس لئے یہ تعریف من گڑھت ہونے کے ساتھ ساتھ لایعنی بلکہ منجر الی الکفر ہے[عہ]۔

(۷) ما المسئول عنھا باعلم من السائل۔ قیامت کے بارے میں جس سے سوال کیا گیا وہ سائل سے زیادہ نہیں جانتا۔

یہاں نفی اسم تفضیل پر داخل ہوئی۔ جو صرف معنی تفضیل کی نفی کرتی ہے۔ بالکلیہ مشتق منہ کی نفی نہیں کرتی۔ جس کا مفاد یہ ہوا۔ کہ قیامت کے بارے میں، میں تم سے زیادہ نہیں جانتا۔ جس کا واضح مطلب یہ ہوا کہ قیامت کے بارے میں جتنا تم جانتے ہو اتنا میں بھی جانتا ہوں اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا۔ کہ قیامت کا علم نہ تجھے ہے نہ مجھے۔ بلکہ صرف یہ ثابت ہوتا ہے کہ قیامت کے علم میں ہم اور تم برابر ہیں۔ اس قدر پر علامہ ابن حجر عسقلانی اور علامہ بدر الدین عینی دونوں شارحین کا اتفاق ہے کہ یہ..... تساوی فی العلم پر دلالت کرتا ہے۔ عینی میں ہے۔

مشعرۃ بوقوع الاشتراک فی العلم۔ والنفی توجہ الی الزیادۃ فیلزم ان یکون معناہ انھما متساویان فی العلم بہ [۲۹۳/۱]

یہ علم میں اشتراک کو بتا رہا ہے۔ اور نفی زیادت کی طرف متوجہ ہے۔ اس لئے لازم ہے کہ اس کے معنی یہی ہیں کہ دونوں اس کو جاننے میں برابر ہیں کہ قیامت کب آئے گی۔

اس سے صاف ظاہر ہو گیا۔ قیامت کب آئے گی یہ جبرئیل بھی جانتے تھے اور حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بھی جانتے تھے اس پر قرینہ تو یہ ہی نہیں بلکہ بڑی مضبوط دلیل ابو فروہ کی روایت کے یہ الفاظ ہیں۔

عہ پوری تفصیل کے لئے بحر ڈیہہ کی روداد مناظرہ کا مطالعہ کریں۔

فنکس فلم یجبہ ثم اعاد فلم یجبہ ثلاثا ثم رفع راسہ وقال ما المسئول عنھا الحدیث فتح ص۱۱۵ ج۱ عینی ص۲۸۴ ج۱۔

اس سوال پر حضور نے سر جھکا لیا کوئی جواب نہیں دیا۔ تین بار یہی ہوا۔ تو سر اقدس اٹھایا۔ اور فرمایا۔ مسئول عنھا سائل سے زیادہ نہیں جانتا۔

اگر حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو قیامت کا علم نہ تھا۔ اور اس جملے کا یہی مطلب ہے کہ تمھاری طرح میں بھی نہیں جانتا تو دیگر سوالات کے جوابوں کی طرح بلا توقف کیوں نہیں فرمادیا۔ اتنے غور کی کیا حاجت تھی۔ کہ انھیں تین بار سوال دہرانا پڑا۔ بات بالکل صاف ہے۔ کہ اگر نہ جانتے ہوتے تو بلا توقف فرمادیا ہوتا۔ لیکن بات یہ ہے نہیں جانتے تھے مگر بتانے کی اجازت نہ تھی۔ تو اگر فرماتے کہ میں نہیں بتاؤں گا تو جو اس سوال سے مقصود تھا وہ حاصل نہ ہوتا۔ اور اگر فرماتے کہ میں نہیں جانتا تو جھوٹ ہوتا۔ اس لئے غور فرماکر ایسا جواب دیا۔ کہ نکتہ شناس سمجھ جائیں اور راز، راز رہے۔

اس سوال کی وجہ علامہ قرطبی نے یہ بتائی ہے۔

المقصود من ھذا السوال کف السامعین عن السوال عن وقت الساعۃ لانھم کانوا قد اکثروا السوال عنھا فلما حصل الجواب بما ذکر حصل الیاس من معرفتھا۔ عینی ص۲۹۱ ج۱

اس سے مقصود سامعین کو قیامت کے وقت کے بارے میں سوال سے روکنا تھا۔ کیونکہ اکثر لوگ اس کے بارے میں سوال کیا کرتے تھے۔ جب یہ جواب مل گیا۔ تو سامعین کو اس کے جاننے سے مایوسی ہوگئی۔

اور اگر بالفرض یہی مراد لے لیا جائے کہ نہ جاننے میں مساوات مراد ہے۔ تو اس حدیث کا حاصل یہ ہوا کہ اس وقت نہیں جانتے تھے۔ یہ اہل سنت کے عقیدے کے معارض نہیں۔ ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ نزول قرآن کی تکمیل کے ساتھ۔ جمیع ما کان و ما یکون حتی کہ غیوب خمسہ کا بھی علم آپ کو عطا فرمایا گیا۔ اس لئے تکمیل قرآن کے پہلے اگر کچھ غیوب آپ پر مخفی رہے تو یہ اس عقیدے کے معارض نہیں۔ اس پر کوئی دلیل نہیں کہ یہ حدیث تکمیل قرآن کے بعد کی ہے۔

اس کی توضیح یہ ہے کہ علم غیب کے سلسلے میں دو مرتبے ہیں۔ ایک یہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم غیب جانتے تھے یعنی قدر معتدبہ۔ یہ ابتداء ہی سے ہے۔ اس لئے کہ نبی کے معنی ہیں، غیب کی خبر دینے والے کے۔ المنجد میں ہے۔

النبوۃ۔ الاخبار عن الغیب او المستقبل بالھام اللہ۔ النبی۔ المخبر عن الغیب او المستقبل بالھام اللہ۔

اس کے ترجمے مصباح اللغات میں ہے جو ایک فاضل دیوبندی کا ہے۔ اللہ کے الہام سے غیب کی خبریں بتانے والا۔ آئندہ کی پیشین گوئی کرنے والا۔ علاوہ ازیں نبی کے خواص لازمہ میں غیب دانی ہے۔ علامہ عبدالباقی زرقانی

علی المواہب، میں لکھتے ہیں۔

قال الغزالی، النبوۃ عبارۃ عما یختص به النبی ویفارق به غیرہ وھو یختص بانواع من الخواص۔ احدھا انه یعرف حقائق الامور المتعلقة بالله وصفاته وملائکته والدار الآخرۃ علما مخالفا لعلم غیرہ بکثرۃ المعلومات وزیادۃ الکشف والتحقیق۔ ثانیھا ان له فی نفسه صفة بھا تتم الافعال الخارقة للعادۃ کما ان لنا صفة تتم بھا الحرکات المقرونة بارادتنا وھی القدرۃ۔ ثالثھا ان له صفة بھا یبصر الملائکة ویشاھدھم کما ان للبصیر صفة بھا یفارق الاعمٰی رابعھا ان له صفة بھا یدرک ماسیکون فی الغیب۔ ص ۱۹-۲۰ ج ۱

نبوت وہ وصف ہے جو نبی کے ساتھ خاص ہے جسکی وجہ سے غیر سے ممتاز ہوتا ہے۔ نبی چند قسم کے خواص کے ساتھ مختص ہوتا ہے۔ اول یہ کہ نبی اللہ عزوجل اور اس کی صفات اور فرشتوں اور دار آخرت سے متعلق امور کی حقیقت جانتا ہے۔ کثرت معلومات کشف وتحقیق کی زیادتی کی وجہ سے نبی کا یہ علم دوسروں کے علم سے ممتاز ہوتا ہے۔ ثانی۔ نبی میں ایک صفت (قوت) ہوتی ہے جسکی وجہ سے وہ معجزات دکھاتا ہے جیسے ہمیں یہ قوت ہے کہ ہم اپنے ارادے سے جو چاہتے ہیں کرتے ہیں یہی قدرت ہے۔ ثالث۔ نبی میں ایک قوت ہوتی ہے جس سے وہ فرشتوں کو دیکھتا ہے۔ جیسے بینا کے اندر ایک قوت ہے۔ جسکی وجہ سے وہ اندھے سے علیحدہ ہے۔ رابع۔ اسے ایک ایسی قوت ہوتی ہے۔ جس سے یہ جان لیا کرتا ہے کہ غیب میں کیا ہوگا۔

اسی لئے نبی اس وقت نبی نہوگا۔ جب تک غیب داں نہ ہو۔ اسے غیب دانی پر قدرت نہ ہو۔ اس مرتبے میں جمیع علم ماکان ومایکون کا علم داخل نہیں۔ قدر معتد بہ لازم ہے۔ جیسے ہر مسلمان کو دینی باتوں کا علم ہے مگر ہر مسلمان عالم نہیں کہلاتا۔ عالم وہ ہے جو دین کے معتد بہ علم سے مشرف ہو۔ اس درجے میں دس بیس بلکہ سو دوسو باتوں کا نہ جاننا عالم ہونے کے منافی نہیں۔ سیدنا امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں منقول ہے کہ انھوں نے بھی بعض سوالوں کے جواب میں فرمایا۔ لاادری۔ میں نہیں جانتا۔ حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے کتنے سوالوں کے جواب میں فرمایا لاادری اسی طرح جب نبی علم غیب قدر معتد بہ جانتا ہے۔ بلکہ اسے یہ قوت ہے کہ غیب جان لیا کرے تو دس بیس یا بالفرض سو دوسو غیب کی باتوں پر اگر اطلاع اس درجے میں نہ ہوئی۔ تو یہ نبی کے غیب داں ہونے کے منافی نہیں۔ جیسے سیدنا امام اعظم اور امام مالک کا چند مسائل کا نہ جاننا ان کے امام اعظم اور امام مجتہد ہونے کے منافی نہیں۔

دوسرا مرتبہ یہ ہے جمیع ماکان ومایکون اور علوم خمسہ بشمول علم قیامت جاننے کا۔ یہ مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ

سَاُحَدِّثُكَ عَنْ اَشْرَاطِهَا۔ اِذَا وَلَدَتِ الْمَرْأَةُ رَبَّتَهَا فَذَاكَ مِنْ

اس کی نشانیوں کو بتاتا ہوں جب عورت اپنے آقا کو جنے یہ اس کی نشانیوں میں سے

اَشْرَاطِهَا وَاِذَا كَانَ الْحُفَاةُ الْعُرَاةُ رُءُوسَ النَّاسِ فَذَاكَ مِنْ اَشْرَاطِهَا

ہے اور جب ننگے پاؤں ننگے بدن رہنے والے، لوگوں کے سردار ہو جائیں۔ یہ اسکی نشانیوں میں سے ہے۔

علیہ وسلم کو نزول قرآن کی تکمیل کے ساتھ حاصل ہوا تکمیل قرآن کے بعد کوئی ایسا واقعہ نہیں۔ جو اس دعوی کے منافی ہو۔

جب حدیث جبرئیل کے بارے میں اس کا کوئی ثبوت نہیں کہ یہ نزول قرآن کی تمامیت کے بعد کی ہے۔ تو یہ حدیث اہل سنت کے عقیدے کے مزاحم نہیں۔

رہ گیا اس کا ثبوت کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو قیام قیامت کا علم تھا۔ اس کے لئے الدولۃ المکیہ الفیوض الملکیہ، الکلمۃ العلیا کا مطالعہ کریں۔ سردست صرف علامہ ابراہیم بیجوری قدس سرہ کے شرح قصیدہ بردہ کی ایک عبارت پیش کرنے پر اکتفا کرتا ہوں۔

ولم یخرج صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم من الدنیا الا بعد ان اعلمه اللہ تعالیٰ بهذه الامور الخمسة ص۴

اور حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم دنیا سے تشریف نہیں لے گئے مگر اس کے بعد کہ آپ کو اللہ تعالیٰ نے ان پانچوں باتوں کا علم عطا فرما دیا۔

علامات قیامت

(۸) علامات قیامت کثیر ہیں۔ مگر اس حدیث میں صرف تین بیان فرمائیں۔ اول۔ لونڈی اپنے آقا کو جنے گی۔ اس حدیث میں "ربتها" کا لفظ آیا ہے۔ یہ "رب" کی تانیث ہے۔ رب کے معنی پالنے والے کے ہیں۔ اضافت کے ساتھ اس کا اطلاق ہر پالنے والے پر آتا ہے۔ قرآن مجید میں ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے عزیز مصر کو فرمایا۔

اِنَّهٗ رَبِّيْٓ اَحْسَنَ مَثْوَايَ۔ یہ تو میری پرورش کرنے والا ہے اس نے مجھکو اچھی طرح رکھا۔

عرف میں اس کے معنی آقا اور مالک کے بھی آتے ہیں۔ بیع سلم میں "رب المال" کا لفظ عام ہے۔ اس حدیث میں آقا ہی کے معنی میں ہے۔ بلا اضافت "رب" کا اطلاق اللہ عزوجل کے علاوہ دوسرے پر جائز نہیں۔ بلکہ کفر ہے۔ غیر خدا پر اضافت کے ساتھ اس کا اطلاق یہ عربی کے ساتھ خاص ہے۔ ہمارے عرف میں اضافت

فِیْ خَمْسٍ لَا یَعْلَمُھُنَّ اِلَّا اللّٰہُ اِنَّ اللّٰہَ عِنْدَہٗ عِلْمُ السَّاعَۃِ وَیُنَزِّلُ الْغَیْثَ

(قیام قیامت کا وقت) اُن پانچ چیزوں میں سے ہے جنھیں اللہ کے سوا بے اسکے بتائے) کوئی نہیں جانتا (جیساکہ قرآن مجید

کے ساتھ بھی غیر خدا پر اس کا اطلاق جائز نہیں۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ روسا رمعززین بلکہ بادشاہانِ وقت بھی لونڈیوں کو بیبیوں کی طرح رکھیں گے۔ ان سے اولاد ہوگی۔ یہ اولاد اپنی ان ماؤں کے ساتھ وہی برتاؤ کریں گے جو آقا لونڈی کے ساتھ کرتا ہے۔ بلکہ بادشاہ وقت کی لونڈی کے بطن سے جو اولاد ہوگی ان میں بادشاہ ہوں گے۔ اور یہ مائیں ان کی رعایا۔

یا مراد یہ ہے کہ لونڈیوں کی بہت زیادہ کثرت ہوگی۔ خدا ناترس لوگ ام الولد کو بھی بیچ ڈالیں گے اور وہ پھر دست بدست بکتی ہوئی اپنی اولاد کی ملکیت ہوگی۔

یہ دونوں علامتیں ظاہر ہو چکیں۔ شاہان بنی عباس میں سوائے امین کے سب لونڈی زاد تھے۔

یا یہ کنایہ ہے اس بات سے کہ لوگ اپنی حقیقی ماں کے ساتھ لونڈی جیسا برتاؤ کریں گے۔ ماں کو لونڈیوں کی طرح رکھیں گے۔ ان کی حق تلفی، نافرمانی کریں گے۔ ایذا پہنچائیں گے۔ یعنی اولاد اپنی ماں کے ساتھ آقا کی طرح برتاؤ کرے گی۔ یہ تاویل مذکورہ متن پر بالکل چسپاں ہے کہ فرمایا۔

عورت اپنے آقا کو جنے گی۔

یہ اس طرح کہ عورت کا لفظ عام ہے۔ آزاد اور لونڈی دونوں کو۔ بلکہ عربی میں "اِمْرَأَۃٌ" لفظ قریب آزاد عورت کے ساتھ خاص ہے۔

یہاں حدیث دو لفظوں کے ساتھ مروی ہے۔ رَبَّھَا۔ اور رَبَّتَھَا۔ رَبَّتَھَا کے معنی مالکہ کے ہیں۔ اس کا بھی وہی حاصل کچھ مبالغہ کے ساتھ۔ لڑکیاں بہ نسبت لڑکوں کے ماں کی زیادہ اطاعت شعار ہوتی ہیں۔ اب حدیث کا یہ مفہوم ہوا کہ لڑکے تو لڑکے، لڑکیاں اپنی ماؤں کے ساتھ مالکہ جیسا برتاؤ کریں گی۔

دوم ننگے بدن ننگے پاؤں رہنے والے، گونگے، بہرے، سردار اور حکمراں ہوں گے۔

سوم بھک منگے کالے اونٹوں اور بکریوں کے چرانے والے محل میں فخر کریں گے۔

آج جو دنیا کا حال ہے۔ اس کو دیکھو! چودہ سو برس کی یہ غیب کی خبر کس طرح حرف بحرف ثابت ہو رہی ہے۔

علوم خمسہ کی بحث

وَيَعْلَمُ مَا فِي الْأَرْحَامِ ثُمَّ انْصَرَفَ الرَّجُلُ فَقَالَ رُدُّوا عَلَيَّ

میں ہے) بیشک اللہ ہی کے پاس قیامت کا علم ہے اور بارش برساتا ہے۔ مادہ کے پیٹوں میں کیا ہے جانتا ہے۔ پھر وہ شخص

لوٹ گیا۔ آنحضور نے فرمایا۔ اُسے واپس لاؤ۔

(۹) ارشاد فرمایا۔ قیامت کا علم ان پانچ باتوں میں ہے۔ جنھیں اللہ عزوجل کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ جیسا کہ سورۂ لقمان کی اس آیت میں ہے۔

"بیشک اللہ ہی کے پاس۔ قیامت کا علم ہے۔ اور وہ بارش برساتا ہے۔ اور مادہ کے پیٹ میں کیا ہے جانتا ہے۔ کل کیا ہوگا کوئی نہیں جانتا اور کوئی اپنے اٹکل سے نہیں جانتا کہ کہاں مرے گا۔ بیشک اللہ جاننے والا بتانے والا ہے۔

اب یہاں سوال یہ ہے کہ اللہ عزوجل نے یہ علوم خمسہ اپنے محبوب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو بتائے یا نہیں۔ احادیث میں بکثرت ایسے واقعات ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان باتوں کی خبر دی۔

حضرت امام حسن کی ولادت سے پہلے، حضرت عباس کی اہلیہ ام الفضل سے فرمایا۔ فاطمہ کے ایک بچہ ہوگا۔ اس کی پرورش تم کروگی۔

جنگ بدر کے ایک دن قبل فرمایا۔ یہ فلاں کے مرنے کی جگہ ہے۔ یہ فلاں کے مرنے کی جگہ ہے۔ ویسا ہی ہوا۔

جنگ احزاب کے خاتمہ پر فرمایا۔ اب ہم ان پر چڑھائی کریں گے وہ ہم پر حملہ نہیں کر سکتے۔

جنگ خیبر کے موقع پر فرمایا۔ کل جھنڈا ایسے شخص کو دوں گا جو اللہ اور رسول سے محبت کرتا ہے۔ اور اللہ رسول اس سے محبت کرتے ہیں اللہ اس کے ہاتھ پر فتح عطا فرمائے گا۔ دوسرے دن جھنڈا حضرت علی کو دیا۔ اور فتح حاصل ہوئی۔

فتح مکہ سے پہلے حضرت علی اور حضرت زبیر کو بھیجا کہ "خاخ" تک چلے جاؤ۔ وہاں ایک عورت ملے گی اس کے پاس خط ہے اسے مع خط پکڑ کر لاؤ۔

ایک حدیث[۱] میں ہے۔ کہ فرمایا۔ جب سب لوگ مرجائیں گے بارش ہوگی۔ جس سے سب کے جسم اپنی حالت پر ہوجائیں گے

حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اپنی وفات اور مدفن کی خبر دی فرمایا۔

[۱] مشکوٰۃ صفحہ ۴۸۱۔

عسیٰ ان لا تلقانی بعد عامی ھذا العلک اَنْ تمُرَّ بمسجدی وقبری ۔ اس سال کے بعد مجھ تمہاری ملاقات نہ ہو سکے گی ۔ اب تم میری مسجد اور میری قبر سے گذرو گے ۔

توجب ان علوم خمسہ میں سے اتنے امور کو حضور جانتے تھے ۔ تو معلوم ہوا کہ حدیث کے اس ارشاد اور آیہ کریمہ میں حصر صرف علم ذاتی واجب قدیم غیر مخلوق ممتنع الزوال کے اعتبار سے ہے ۔ یعنی ان چیزوں کا علم ذاتی ازلی واجب قدیم صرف اللہ عزوجل کو ہے ۔ ان چیزوں کا علم ذاتی ازلی واجب قدیم اللہ عزوجل کے سوا کسی کو نہیں ۔

رہ گیا ۔ علم عطائی حادث ممکن ۔ یہ ، نہ اللہ عزوجل کی صفت اور نہ شرعاً عقلاً جائز ۔ کہ ان امور کا علم ، بلکہ مطلق علم بلکہ باری عزاسمہٗ کی کوئی صفت ، عطائی حادث ممکن ہو ۔ اس پر اجماع امت کہ جو شخص باری تعالیٰ کی کسی بھی صفت کو عطائی یا حادث یا ممکن مانے وہ کافر ۔ تو پھر یہ کہنا کہ علم عطائی حادث ممکن بھی باری تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے ۔ اپنے ایمان سے ہاتھ دھونا ہے ۔

اس کو دوسرے الفاظ میں یوں سمجھئے کہ ہم پوچھتے ہیں کہ ۔ ۔ فی خمس لا یعلمھن الا اللہ اور آیہ کریمہ ان اللہ عندہ علم الساعۃ ۔ میں علم سے مراد علم ذاتی واجب قدیم ہے ۔ یا علم عطائی حادث ممکن یا مطلق علم ۔ اب اگر کہیں کہ علم عطائی حادث مراد ہے ۔ تو لازم کہ باری تعالیٰ کا علم ، عطائی حادث ممکن ہو ۔ اور یہ کفر بلکہ مجموعہ کفریات ۔ اور اگر کہیں کہ مطلق علم مراد ہے خواہ ذاتی واجب قدیم خواہ عطائی حادث ممکن ۔ تو بھی محذور مذکور اپنی جگہ ۔ کہ پھر بھی لازم آئیگا ۔ کہ باری تعالیٰ کا کچھ علم عطائی حادث ممکن ہے ۔ اور اللہ عزوجل کی کسی بھی صفت کو عطائی حادث ممکن ماننا بالاتفاق کفر ہے ۔

اس لئے شقِ اول متعین کہ مراد یہ ہے کہ ان چیزوں کا علم ذاتی قدیم واجب باری تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے ۔ ان چیزوں کا علم ذاتی واجب قدیم اللہ عزوجل کے سوا کسی کو نہیں ۔

ہم اہلِ سنت ۔ انبیائے کرام یا ان کے توسط سے اولیاءِ کرام کے لئے ان علوم خمسہ کا یا دیگر غیوب کا علم مانتے ہیں تو بعطائے الٰہی مانتے ہیں ۔ ان کے علم کو علم عطائی حادث ممکن مانتے ہیں ۔ ہماری اس تقریر کی تائید میں چند علماء معتمدین کے ارشادات سنیئے ۔ اشعۃ اللمعات میں حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی تحریر فرماتے ہیں ۔

مراد آنست کہ بے تعلیم الٰہی ۔ بحساب عقل کس اینہا را نداند ۔ از امور غیب اند کہ جز خدا ۔ کسے آں را نداند ۔ مگر آنکہ وے تعالیٰ از نزد خود کسے را بوحی والہام بداند ۔ مراد یہ ہے ان امور غیبیہ کو اللہ عزوجل کے بتائے بغیر عقل کے حساب سے کوئی نہیں جانتا ۔ سوائے اس کے جسے اللہ تعالیٰ وحی یا الہام کے ذریعہ بتا دے ۔

عارف باللہ ملا احمد جیون، استاذ، سلطان محی الدین اورنگ زیب عالمگیر قدس سرہما نے تفسیرات احمدیہ میں فرمایا

ولك أن تقول إنَّ علم هذه الخمسة وان كان لا يعلمه الا الله. لكن يجوز ان يُعلّمها من يشاء من محبيه واوليائه بقرينة قوله تعالى إنَّ اللهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ على ان يكونَ الخبير بمعنى المخبر۔ ص۴۵

تم کو چاہئے کہ یہ کہو کہ ان پانچوں کا علم صرف اللہ کو ہے۔ لیکن جائز ہے کہ اللہ عزوجل اپنے محبین۔ اولیاء میں سے جسے چاہے بتادے اس پر قرینہ اللہ عزوجل کا یہ ارشاد ہے۔ بیشک اللہ جاننے والا بتانے والا ہے۔ اس طرح کہ خبیر معنی میں مخبر کے ہے۔

⁂ ⁂ ⁂ ⁂ ⁂ ⁂ ⁂ ⁂

تفسیر صاوی میں ہے۔

اى من حيث ذاتها۔ واما باعلام الله العبد فلا مانع منه كالانبياء وبعض الاولياء قال تعالى۔ وَلَا يُحِيطُونَ بِشَيْءٍ مِنْ عِلْمِهِ إِلَّا بِمَا شَاءَ۔ وقال تعالى۔ عَالِمُ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلَى غَيْبِهِ أَحَدًا إِلَّا مَنِ ارْتَضَى مِنْ رَسُولٍ۔ قال العلماء الحق انه لم يخرج نبينا من الدنيا حتى اطلعه الله تعالى۔ ص۲۶۰ ج۳

یہاں مراد علم ذاتی ہے۔ رہ گئی یہ بات کہ اللہ تعالیٰ کسی بندے کو عطا فرمائے اس سے کچھ مانع نہیں جیسے انبیاء اولیاء اللہ تعالیٰ نے فرمایا اللہ کے علم میں سے لوگ اتنا ہی پاتے ہیں جتنا وہ چاہتا ہے۔ا۔ فرمایا۔ عالم الغیب اپنے پسندیدہ رسولوں کے سوا کسی کو اپنے غیب پر مسلط نہیں فرماتا۔ علماء نے فرمایا حق یہ ہے کہ ہمارے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم دنیا سے تشریف نہیں لے گئے یہاں تک اللہ تعالیٰ نے انھیں مطلع فرما دیا (ان پانچوں پر بھی)

بحث کے اختتام پر بخاری کے شارحین جلیلین اجلین، علامہ عینی وعلامہ قسطلانی کے ارشاد کو جو انھوں نے اسی حدیث جبرئیل کے تحت ارقام فرمائے ہیں۔ ہدیۂ ناظرین کرتے ہوئے۔ رخصت ہوتا ہوں۔

فمن ادعى علم شئ منها غير مستند الى رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم كان كاذبا فى دعواه۔ عینی ص۳۳۰ ج۱ فتح الباری ص۱۱۴ ج۱

جو شخص حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف نسبت کئے بغیر ان پانچ چیزوں سے کسی ایک کا دعویٰ کرے کہ میں جانتا ہوں) وہ جھوٹا ہے۔

یعنی اگر کوئی یہ کہے کہ مجھے ان پانچوں میں سے سب کا یا کسی ایک کا مثلاً قیام قیامت کا علم، حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بلا واسطہ حاصل ہے۔ وہ جھوٹا ہے۔ اس کا صاف صاف مطلب یہ نکلا کہ اگر کوئی یہ کہے کہ مجھے ان پانچوں کا علم حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے واسطے سے ان کے بتانے سے حاصل ہوا۔ وہ سچا ہے

فَاَخَذُوْا لِیَرُدُّوْا۔ فَلَمْ یَرَوْا شَیْئًا فَقَالَ ھٰذَا جِبْرَئِیْلُ جَاءَ لِیُعَلِّمَ النَّاسَ دِیْنَھُمْ[1]

لوگوں نے لوٹانے کی کوشش کی مگر (جب باہر جاکر دیکھا) تو وہ غائب تھے۔ فرمایا یہ جبرئیل تھے لوگوں کو دین سکھانے آئے تھے

اس سے صاف ظاہر کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ان پانچ چیزوں کا جن میں قیام قیامت کا وقت بھی داخل ہے۔ حاصل ہے۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اللہ عزوجل کی ہر صفت ذاتی واجب قدیم ہے۔ پھر اس آیت میں پانچ کی تخصیص کیوں ہے۔ اس کا ایک جواب تو ملا احمد جیون قدس سرہ نے دیا ہے۔

(الف) فائدتہ ان ھذہ الخمسۃ معظم الغیوبات لان مفاتیحھا فانہ ان وقف مثلاً علی ما فی غدٍ۔ وقف علی موت زید و تولد عمرو و فتح بکر و مقھوریۃ خالد و قدوم بشر وغیر ذالک مما فی الغد علی ھذا القیاس۔ وھکذا القیاس۔ تفسیرات احمدیہ ص۴۰۵

اس کا فائدہ یہ ہے کہ یہ معظم غیوب اور ان کی کنجیاں ہیں اس لئے کہ مثلاً اگر کوئی یہ جان گیا کہ کل کیا ہوگا تو وہ کل رونما ہونے والی ساری باتوں کو) مثلاً زید کی موت عمر کی پیدائش۔ بکر کی فتح۔ خالد کی مغلوبیت۔ بشر کی آمد وغیرہ کو جان جائے گا۔

اس جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ ان کی اہمیت کی وجہ سے ان پانچوں کو خصوصیت کے ساتھ ذکر فرمایا۔

(ب) دوسری وجہ ان پانچ چیزوں میں علم قیامت بھی ہے۔ اوپر گذر چکا علم قیامت کے بارے میں بکثرت سوالات ہوتے تھے۔ اور خود جبرئیل امین نے قیامت کے بارے میں سوال کیا اس لئے اس کی تخصیص فرمائی۔

(ج) عرب کے کاہن، نجومی، علم ما فی الغد وغیرہ جاننے کے مدعی تھے۔ ان کی تکذیب کے لئے بالخصوص ان کو ذکر فرمایا

○ بعض منکرین علم رسول۔ نے ذاتی اور عطائی کی تقسیم کو تدقیقات فلسفیانہ[2] کہہ کر مسترد کرنے کی ناکام کوشش کی ہے۔

اس پر گذارش ہے کہ اگر اس فرق کو تسلیم نہ کیا جائے۔ تو قرآن مجید۔ احادیث کریمہ میں اتنا زبردست تعارض پڑے گا کہ اٹھائے نہ اٹھے گا۔ مثلاً ارشاد ہے۔

---

[2] بوارق۔ منظور سنبھلی۔ [1] کتاب التفسیر سورۂ لقمان۔ مسلم ایمان ۵ ابن ماجہ مقدمہ ۹ فتن ۲۵ مسند امام احمد ۲۔ ۲۶۔

قُلْ لَا یَعْلَمُ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَیْبَ اِلَّا اللّٰہُ۔ فرمادو کہ زمین و آسمان کے رہنے والوں میں کوئی غیب نہیں جانتا ہے سوائے اللہ کے۔

اور فرمایا۔

مَا کَانَ اللّٰہُ لِیُطْلِعَکُمْ عَلَی الْغَیْبِ وَلٰکِنَّ اللّٰہَ یَجْتَبِیْ مِنْ رُّسُلِہٖ مَنْ یَّشَاءُ۔ سورہ آل عمران آیت ۱۷۹ اللہ کی یہ شان نہیں اے عام لوگو کہ تمہیں علم غیب دیدے۔ ہاں اپنے رسولوں میں سے جسے چاہے اس کے لئے چن لیتا ہے

عَالِمُ الْغَیْبِ فَلَا یُظْھِرُ عَلٰی غَیْبِہٖ اَحَدًا اِلَّا مَنِ ارْتَضٰی مِنْ رَّسُوْلٍ۔ سورہ جن آیت ۲۶۔ عالم الغیب اپنے علم غیب پر اپنے پسندیدہ رسولوں کے سوا کسی کو مسلط نہیں فرماتا۔

بولئے اس تعارض کا کیا جواب ہے۔ علاوہ ازیں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بارے میں فرمایا وَ

بِالْمُؤْمِنِیْنَ رَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ سورہ توبہ آیت ۱۲۸ مسلمانوں پر بہت مہربان، رحم فرمانے والے ہیں۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے بارے میں فرمایا۔

اِنِّیْ حَفِیْظٌ عَلِیْمٌ۔ سورہ یوسف آیت ۵۵۔ میں حفاظت کرنے والا، علم والا ہوں۔

انسان کے بارے میں ارشاد فرمایا۔

فَجَعَلْنٰہُ سَمِیْعًا بَصِیْرًا۔ سورہ دہر آیت ۲۔ ہم نے انسان کو سننے والا، دیکھنے والا بنا دیا۔

اور خود قرآن مجید میں اللہ عزوجل نے اپنے آپ کو رؤف، رحیم، حفیظ، علیم، سمیع، بصیر فرمایا۔ اس تعارض کا کیا جواب ہوگا۔

اس لئے اس فرق کو ماننا ناگزیر ہے۔ کہ اللہ عزوجل کی ہر صفت ذاتی، واجب، قدیم، غیر متناہی غیر مخلوق۔ اور انبیاء اولیاء اور تمام مخلوقات کی ہر صفت عطائی حادث ممکن متناہی مخلوق۔ اور یہی فرق علم غیب میں بھی ہے۔ آیات نفی میں مراد علم ذاتی۔ قدیم، واجب غیر متناہی غیر مخلوق۔ اور آیات اثبات میں علم عطائی ممکن حادث متناہی مخلوق۔

اس بحث کو اگر تمام دیکھنا ہو تو الدولۃ المکیۃ، الفیوض الملکیہ، خالص الاعتقاد، ادخال السنان، الکلمۃ العلیا کا مطالعہ کریں۔ اس حدیث پر کلام کچھ تفصیلی ہوگیا۔ ع لذیذ بود حکایت دراز تر گفتم۔

(۴۴) حدیث۔ مشتبہات سے بچنا دین کی حفاظت ہے۔

عَنْ عَامِرٍ قَالَ سَمِعْتُ النُّعْمَانَ بْنَ بَشِيْرٍ يَقُوْلُ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى

عامر سے روایت ہے کہ انھوں نے کہا میں نے نعمان بن بشیر سے سنا وہ کہتے تھے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ

تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ الْحَلَالُ بَيِّنٌ وَالْحَرَامُ بَيِّنٌ وَبَيْنَهُمَا مُشْتَبِهَاتٌ

علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا حلال و حرام دونوں الگ الگ ممتاز ہیں ان دونوں کے درمیان کچھ مشتبہ چیزیں ہیں

تشریحات (۴۴)

عامر (۱) یہ شعبی ۔ سے مشہور ہیں ۔ ان کی کنیت ابو عمرو نام عامر تھا ۔ اجل تابعین میں ہیں ان کے معتمد اور ثقہ ہونے پر اتفاق ہے ۔ سیکڑوں صحابہ کی زیارت کا شرف حاصل کیا ۔ خود فرمایا ۔ میں نے پانچ سو صحابہ سے ملاقات کی ہے ۔ یہ کوفے کے قاضی تھے ۔ خلافتِ عثمان کے چھٹے سال پیدا ہوئے ۔ اور پہلی صدی گذرنے کے بعد ۱۰۳ھ لغایت ۱۰۶ھ میں اسی سے زاید عمر پاکر وصال فرمایا ۔ مزاج میں خوش طبعی تھی ۔

نعمان بن بشیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ (۲) یہ بھی صحابی ہیں ۔ اور ان کے والد اور والدہ بھی ۔ ہجرت کے بعد انصار میں سب سے پہلے جو بچہ پیدا ہوا ۔ یہ نعمان بن بشیر ہیں ۔ جب کوفہ ، حضرت مسلم ، امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بیعت لینے گئے تو یہ کوفے کے گورنر تھے ۔ یہ بظاہر لوگوں کو بیعت سے منع کرتے تھے ۔ اور اندر ترغیب دیتے تھے ۔ اور تباہ کاروان اہلِ بیت کو یزید پلید نے انھیں کی سپردگی میں مدینہ واپس کیا تھا ۔ یہ حضرت عبداللہ بن زبیر کی طرف سے حمص ۔ کے والی تھے جب اہل حمص نے بغاوت کر دی ۔ تو یہ حمص سے نکل کر ، دمشق یا کہیں اور جا رہے تھے ۔ خالد بن خلی کلاعی نے ، دمشق اور حمص کے مابین ، یوم واسط ، کے معرکے میں انھیں گھیر کر ۶۵ھ یا ۶۶ھ میں شہید کر دیا نعمان نام کے تیس سے زائد صحابہ ہیں ۔ مگر نعمان بن بشیر صرف یہی ہیں ۔ ان کی ماں مشہور صحابی حضرت عبداللہ بن رواحہ کی بہن تھیں ۔ ان سے ایک سو چودہ حدیثیں مروی ہیں ۔

(۳) **مشتبہات** سے کیا مراد ہے ۔ اس بارے میں چار اقوال ہیں ۔ (۱) وہ چیزیں جن کا حلال یا حرام ہونا قرآن حدیث میں صراحۃً مذکور نہ ہو ۔ اور حلت و حرمت کے دلائل کے تعارض کی وجہ سے کوئی فیصلہ نہ ہو پاتا ہو ۔ کہ یہ حلال ہیں یا حرام ۔ (۲) علما کے مابین مختلف فیہ چیزیں ۔ یہ بھی دلائل میں تعارض ہی کی وجہ سے ہوگا ۔ اس لئے یہ بھی اول ہی میں داخل ہو گئیں ۔ لیکن یہ ممکن ہے کہ قسم اول سے مراد وہ چیزیں ہوں کہ جس کے بارے میں کسی نے بھی کوئی

لَا يَعْلَمُهَا كَثِيْرٌ مِّنَ النَّاسِ فَمَنِ اتَّقَى الْمُشَبَّهَاتِ اِسْتَبْرَأَ لِدِيْنِهٖ وَعِرْضِهٖ وَ

جن کو اکثر لوگ نہیں جانتے جو مشتبہ چیزوں سے بھی بچے اس نے اپنے دین اپنی عزت کو بچالیا۔ اور جو ان مشتبہ

مَنْ وَقَعَ فِي الشُّبُهَاتِ كَرَاعٍ يَّرْعٰى حَوْلَ الْحِمٰى يُوْشِكُ اَنْ يُّوَاقِعَهُ اَلَا وَ

چیزوں میں پڑا۔ وہ اس چرواہے کی طرح ہے جو شاہی چراگاہ کے ارد گرد اپنے جانور چرائے اس کا خطرہ قوی ہے کہ یہ جانور

ایک رائے نہ قائم کی ہو۔ اور کبھی مجتہدین متردد ہوں۔ یقیناً ایسی چیزوں سے بچنے ہی میں دین اور آبرو کی حفاظت ہے۔ رہ گئیں وہ چیزیں جن کے بارے میں مجتہدین نے کوئی رائے قائم کر لی جیسے کہ ہزارہا مسائل ایسے ہیں۔ ان سے بچنے کے حکم کا یہ مطلب ہوگا کہ ان تمام کو ترک کر دیا جائے۔ ان سب کے ترک میں کتنی قباحت ہے۔ وہ علماء سے پوشیدہ نہیں۔ امت کا اس پر عملاً اجماع مولف ہے کہ جو شخص جس مجتہد کا مقلد ہے۔ اس کے فیصلے پر عمل کرے۔ اس میں کوئی شرعی خرابی نہیں۔ ہاں جہاں تک ہو سکے اختلاف علماء سے بچے۔ (۳) اس سے مراد مکروہات ہیں۔ (۴) خلاف اولیٰ مراد ہیں۔

ابن منیر اپنے شیخ قباری سے ناقل ہیں وہ فرماتے ہیں۔ کہ مکروہ حلال و حرام کے مابین ایک گھاٹی کے مثل ہے جو بے باکی سے مکروہات کا ارتکاب کرتا رہے گا۔ اس کے لئے خطرہ ہے کہ حرام کا بھی ارتکاب کر بیٹھے۔ یوں ہی جرأت کے ساتھ جو بے دغدغہ خلاف اولیٰ پر عمل کرتا رہے گا اس کے لئے خطرہ ہے کہ مکروہ کا ارتکاب کرنے لگے اور پھر حرام تک پہونچ جائے۔

اس کی تائید ابن حبان کی اس روایت سے ہوتی ہے جس میں یہ زائد ہے۔

اجعلوا بين الحلال والحرام سترة من الحلال من فعل ذالك استبرأ لعرضه ودينه ومن ارتع فيه كان كالمرتع فى جنب الحمى يوشك ان يقع فيه۔	حلال و حرام کے درمیان حلال کا پردہ رکھو جس نے یہ کیا اس نے اپنی آبرو اور دین کو بچالیا اور جس نے اس میں (یعنی حلال و حرام کی درمیانی چیزمیں) منہ مارا وہ شاہی چراگاہ کے پہلو میں چرنے والے کے مثل ہے۔ خطرہ ہے کہ شاہی چراگاہ میں جا پڑے

حلال و حرام کے مابین مکروہات و خلاف اولیٰ ہی ہیں۔ تو متعین کہ یہی دونوں مراد ہیں۔ مگر اس تقدیر پر حلال سے حلال قطعی اور حرام سے حرام قطعی مراد ہوں گے ورنہ مکروہات اور خلاف اولیٰ درمیانی چیز نہ ہو سکیں گے۔ لیکن حدیث میں ایک لفظ ہے لا يعلمها كثير من الناس اسے بہت لوگ نہیں جانتے۔ یعنی یہ کہ یہ حلال ہے یا حرام

إِنَّ لِكُلِّ مَلِكٍ حِمًى أَلَا إِنَّ حِمَى اللهِ فِي أَرْضِهِ مَحَارِمُهُ أَلَا وَإِنَّ فِي الْجَسَدِ

شاہی چراگاہ میں چلے جائیں سن لو ہر بادشاہ کی محفوظ شاہی چراگاہ ہوتی ہے سن لو اللہ کی زمین میں اس کی شاہی چراگاہ اس کی حرام

اس سے مستفاد ہوتا ہے کہ کچھ لوگ ایسے ہیں جو جانتے ہیں کہ یہ حلال ہے یا حرام اگرچہ وہ تھوڑے لوگ ہیں۔ یہ متعین کر رہا ہے کہ اس سے مراد مجتہد فیہ امور ہیں۔

اب ضروری ہے کہ یہ حکم ان لوگوں کے ساتھ خاص کیا جائے جن پر تحقیقاً یا تقلیداً اس کا حکم منکشف نہیں ہوا۔ مطلب یہ ہوا کہ جن باتوں کے بارے میں تمہیں یہ نہ معلوم ہو۔ کہ یہ حلال ہے یا حرام ان سے بچو۔ ہو سکتا ہے کہ وہ حرام ہی ہوں۔ کہ مشکوک کے استعمال کی عادت پڑی رہے گی تو حرام کا بھی ارتکاب کر بیٹھو گے۔ اس کی تائید خود امام بخاری کی اس روایت سے ہوتی ہے جو کتاب البیوع میں ان الفاظ کے ساتھ ہے۔

فمن ترک ما شبه علیه من الاثم کان لما استبان اترک و من اجترأ علی ما یشك فیه من الاثم اوشك ان یواقع ما استبان۔ بخاری صفحہ ۲۷۵ ج ۱

جب آدمی ایسی چیزوں کے قریب نہیں جائے گا جس میں گناہ کا شبہ ہے تو جس کا گناہ ہونا ظاہر ہو اس سے اور زیادہ دور رہے گا۔ اور جو ایسی چیزوں پر جرأت کرے گا جس کے گناہ ہونے نہ ہونے کا پہلو برابر ہے تو اس سے کیا بعید کہ کھلے ہوئے گناہ کا ارتکاب کر بیٹھے۔

اس سے ظاہر ہے کہ مشتبہات سے وہی چیزیں مراد ہیں۔ جن کے حلال یا حرام ہونے کا فیصلہ نہ ہوا ہو۔ فیصلے کے بعد وہ مشتبہات میں داخل ہی نہیں ہیں۔ حلال بیّن یا حرام بیّن میں داخل ہو گئیں۔

رہ گئیں وہ چیزیں جن کے بارے میں کوئی بھی فیصلہ نہ ہو سکا کہ یہ حلال ہیں یا حرام یا جس مجتہد کا مقلد ہے اس نے کوئی فیصلہ نہیں کیا ہے۔ وہ مشتبہات میں داخل ہیں ان سے اجتناب ہی کرنا چاہئے۔ جیسے نبیذ تمر کے بارے میں امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا۔ اگر ہفت اقلیم کی سلطنت بھی دیدی جائے تو اسے حرام نہیں کہوں گا۔ مگر خود استعمال نہیں کرتا۔ مشہور مثال خچر کا جھوٹا پاک ہے کہ ناپاک یہ مشکوک ہے اسے استعمال نہیں کرنا چاہئے

ان دقیق باتوں سے قطع نظر ایک تفسیر وہ بھی ہے۔ خود امام بخاری نے کتاب البیوع میں کی ہے۔ کہ کسی مخصوص جزئی واقعہ میں کسی چیز کے بارے میں شک ہو جائے۔ تو اس سے بچا جائے۔ مثلاً ایک عورت نے دعویٰ کیا کہ میں نے اس مرد اور عورت کو دودھ پلایا ہے تو ان کی آپس میں شادی نہ کی جائے۔ یا جیسے

مُضْغَةً إِذَا صَلَحَتْ صَلَحَ الْجَسَدُ كُلُّهُ، وَإِذَا فَسَدَتْ فَسَدَ الْجَسَدُ كُلُّهُ أَلَا وَهِيَ الْقَلْبُ [عله]

کی ہوئی چیزیں ہیں۔ سن لو جسم میں گوشت کا ایک لوتھڑا ہے اگر یہ ٹھیک ہے تو پورا جسم ٹھیک ہے اگر یہ بگڑ گیا تو سارا جسم بگڑ گیا سن لو وہ دل ہے

خود حدیث میں ہے کہ گھر میں ایک کھجور تھی۔ حضور نے اسے نہیں تناول فرمایا۔ کہ شاید یہ صدقہ کی ہو۔ یا جیسے شکار کے لئے اپنے شکاری کتے کو بسم اللہ پڑھ کر شکار پر چھوڑا کسی طرف سے کسی غیر مسلم نے بھی چھوڑا تھا۔ شکار پر دونوں کتے ملے یہ معلوم نہیں کس نے پکڑا تھا تو نہ کھایا جائے۔

اس سلسلے کی ایک کڑی یہ بھی ہے کہ حضرت بشر حافی کی بہن امام احمد بن حنبل کی خدمت میں حاضر ہوئیں۔ دریافت فرمایا۔ ہم اپنی چھتوں پر سوت کاتتے ہیں۔ حکام کی مشعلیں جب نکلتی ہیں تو ہم پر روشنی پڑتی ہے۔ اس روشنی میں کاتیں یا بند کر دیں۔ دریافت فرمایا کون ہو، بتایا کہ بشر حافی کی بہن ہوں۔ رونے لگے۔ فرمایا ورع تمہارے گھر سے نکلا ہے تم اس روشنی میں مت کاتو۔

حضرت مالک بن دینار چالیس سال تک بصرہ میں رہے اخیر دم تک وہاں کی کھجور نہیں کھائی۔

حدیث کا مطلب یہ ہوا کہ شاہی چراگاہ ظاہر ہے کہ عمدہ سے عمدہ ہوگی سرسبز شاداب ہوگی۔ جانور جب اس کے قریب رہے گا۔ تو یہ خطرہ بالکل سامنے ہے کہ جانور اس میں جا پڑے۔ نفس امارہ کی نظر میں حرام چیزوں میں بہت کشش ہوتی ہے جب کوئی ان مشتبہ چیزوں پر عمل کرلے گا۔ جن کا سرا حرام چیزوں سے ملا ہوا ہے تو اندیشہ ہے کہ نفس امارہ انسان کو گناہوں میں مبتلا نہ کر دے۔ اس لئے اپنی آبرو اور دین بچانے کے لئے ضروری ہے کہ مشتبہ باتوں سے بھی دور رہیں۔

(۴) سلسلہ اسباب کی رو سے دل ہی کا نشان سب سے پہلے ماں کے پیٹ میں بنتا ہے اور خلقت تام ہونے اور نفخ روح کے بعد ہی سب سے پہلے حرکت میں آتا ہے اور مرنے کے وقت سارے اعضا بیکار ہو جانے کے بعد ہی سب کے بعد بند ہوتا ہے۔ اور یہی روح کا مرکز ہے۔ اسی کی حرکت پر حیات کا مدار ہے۔ جس طرح ظاہر جسم میں اس کی حیثیت حاکم کی ہے۔ اسی طرح باطن میں بھی یہی حکم راں ہے۔ یہ اگر درست ہے تو سب درست یہ اگر بگڑا تو سب بگڑے۔ خیالات دل ہی میں پیدا ہوتے ہیں وہیں جڑ پکڑتے ہیں۔ پھر دل ہی حکم کرتا ہے۔ تو اعضا اسے عملی جامہ پہناتے ہیں اسی لئے قرآن مجید میں بکی

عله بخاری ایمان ۳۹ بیوع ۲۔ مساقاۃ ۷۔ ۱۰۸۔ ۱۔ مسلم بیوع ۱۔ ترمذی بیوع ۱۔ نسائی بیوع ۱۔ قفاۃ ۱۱۔ ابن ماجہ فتن ۱۴۔ ابوداؤد بیوع ۲۔ ۲۔ دارمی بیوع ۱۔ مسند امام احمد ۱۔ وغیرہ۔

۴۵ حدیث وفد عبد القیس

عَنْ اَبِیْ جَمْرَۃَ قَالَ کُنْتُ اَقْعُدُ مَعَ ابْنِ عَبَّاسٍ فَیُجْلِسُنِیْ عَلٰی سَرِیْرِہٖ فَقَالَ

ابو جمرہؓ سے روایت ہے۔ انھوں نے کہا میں ابن عباس کے ساتھ بیٹھتا تھا وہ مجھے اپنے تخت پر بٹھایا کرتے مجھ سے

اور احادیث میں بھی مختلف عنوانوں سے دل کی نگہداشت اور تصفیہ کی تاکید فرمائی گئی ہے۔ اور صوفیا رکرام اپنے سارے اعمال ومشاغل پر دل کا تصفیہ مقدم رکھتے ہیں۔ اور اس چیز سے بچتے ہیں۔ جو اس میں مخل ہو۔ حضرت ابراہیم ادہم کے صاحبزادے چھت سے گر کر جان بحق ہو گئے۔ اطلاع ملی تو فرمایا۔ اللہ کا شکر ہے کہ جو مجھے اس کی طرف سے غافل کرتا اس کو لے لیا۔ خود حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی عادت تھی کہ کہیں سے مال آتا تو جب تک سب تقسیم نہ فرما لیتے کاشانے میں تشریف نہ لے جاتے۔ یہ سب وہی دل کی حفاظت ہے کہ دل میں غیر کا گذر نہ ہونے پائے۔ اور اگر کوئی گذر کرنے کی کوشش کرے تو بار نہ پائے۔

اس حدیث کے بارے میں محدثین نے لکھا ہے یہ ان تین یا چار حدیثوں میں ہے جو مدار اسلام ہیں۔ یہ ثلث اسلام ہے۔ ابن عربی نے کہا کہ اس سے تمام احکام کا استخراج ہو سکتا ہے۔ اور جو بھی عاقل فہیم اس کے معانی پر غور کرے گا اس پر یہ صداقت واضح ہو جائے گی۔

تشریحات ۴۵

ابو جمرہ ① ان کا نام نصر بن عمران یا عاصم بن واسع ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے خاص تلمیذ اور عظیم المرتبت تابعی ہیں۔ حضرت ابن عباس وابن عمر اور کثیر صحابۂ کرام سے احادیث سنی۔ یہ نیشاپور میں رہتے تھے پھر "سرخس" چلے گئے اور وہیں ۱۲۸ھ میں وفات پائی۔ ابن قتیبہ نے کہا کہ بصرہ میں فوت ہوئے۔ اس کنیت یا جمرہ نام کے صحاح ستہ اور موطا میں کوئی راوی نہیں۔ ابو جمرہ کے جد حضرت نوح بن مخلد صحابی تھے۔ جب یہ خدمت اقدس میں حاضر ہوئے تو دریافت فرمایا کس قبیلے سے ہو۔ عرض کیا ضبیعہ ربیعہ سے۔ فرمایا ربیعہ کی شاخوں میں سب سے اچھے عبد القیس ہیں اور عبد القیس میں تمہارا قبیلہ۔

یہ حضرت ابن عباس کی خدمت میں اس وقت حاضر تھے جب ابن عباس حضرت علی کی جانب سے بصرہ کے گورنر تھے۔ حضرت ابن عباس ان کو تخت پر بٹھاتے تھے۔ یہ عوام اور حضرت ابن عباس کے مابین ترجمانی کا کام انجام دیتے تھے۔

أَقِمْ عِنْدِي حَتَّى أَجْعَلَ لَكَ سَهْمًا مِنْ مَالِي فَأَقَمْتُ مَعَهُ شَهْرَيْنِ ثُمَّ قَالَ إِنَّ

انھوں نے کہا کہ میرے پاس رہو تاکہ جب (میرا وظیفہ) آجائے تو تمھیں کچھ دوں۔ میں انکے پاس دو مہینے رہا پھر ابن عباس نے مجھے

وَفْدَ عَبْدِ الْقَيْسِ لَمَّا أَتَوُا النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنِ الْقَوْمُ

بتایا، عبد القیس کا وفد[2] جب خدمت اقدس میں حاضر ہوا۔ تو دریافت فرمایا کون لوگ ہیں۔

لغات سریر کی جمع اَسِرَّہ و سُرُرٌ ہے اس کے مندرجہ ذیل معانی ہیں۔ تخت۔ زیادہ تر تخت شاہی کے لئے آتا ہے سر اور گردن کے ملنے کا جوڑ۔ خوابگاہ۔ مالک۔ نعمت۔ خوش حالی۔ ٹیلے کی اوپر کی ریت۔ وفد وہ منتخب لوگ جو مہمات کے سرانجام کرنے کیلئے بادشاہوں، حکام، رؤسا کے یہاں بھیجے جائیں۔ بعض نے کہا وفد کے لئے سوار ہونا ضروری ہے۔ یہ جمع ہے یا اسم جمع دونوں قول ہیں۔ وفود اس کی ہنیں اند کی جمع ہے۔ ربیعہ۔ یہ نزار بن معد بن عدنان کے بیٹے ہیں۔ نزار کے دو بیٹے تھے۔ ربیعہ اور مضر۔ عبد القیس ربیعہ کی پانچویں پشت میں بیٹے ہیں۔ یہ لوگ بحرین۔ قطیف۔ ہجر میں رہتے تھے غیر خزایا ولا ندامی۔ خزایا۔ خزیان کی جمع ہے اس کا مصدر خزیٌ ہے جس کے معنی رسوا ہونے ذلیل ہونے کے ہیں۔ ندامی ندمان کی جمع ہے جو نادم کے معنی میں ہے۔ یا نادم ہی کی جمع ہے الشھر الحرام اس سے یہ چار مہینے مراد ہیں۔ رجب۔ ذوالقعدہ۔ ذوالحجہ۔ محرم۔ محرم میں الف لام آتا ہے رجب پر نہیں۔ یہاں حرام کے معنی۔ عزت واحترام والے کے ہیں۔ اہل عرب ان مہینوں میں لڑائی بند رکھتے تھے۔ مضر۔ یہ ربیعہ کا حقیقی بھائی تھا۔ یہاں مراد اس کی نسل کے لوگ ہیں۔ جو بنی مضر کہلاتے تھے۔ اس وقت تک ایمان نہیں لائے تھے۔ حنتم۔ سبز رنگ کا گھڑا مراد مٹی کے ایسے گھڑے ہیں جس میں پالش لگا کر چکنا کر دیا گیا ہو۔ اس میں یہ لوگ شراب بناتے تھے یا دوسری جگہوں سے اس میں شراب آتی تھی۔ دُبَّاء پکا ہوا سوکھا کھو کھلا کدو۔ نقیر۔ درخت کے تنے کا گودا نکال کر بناتے تھے۔ مُزَفَّت۔ وہ گھڑا جس پر رال، پوت دیا گیا ہو۔ مُقَیَّر بھی اسی کو کہتے ہیں۔

وفد عبد القیس ② یہ وفد ۸ھ میں فتح مکہ سے پہلے خدمت اقدس میں حاضر ہوا تھا۔ حاضری سے پہلے ہی یہ لوگ مسلمان ہو چکے تھے۔ یہ کل پینتالیس افراد[1] تھے۔ ان کے امیر حضرت اشج تھے۔ ان کا نام منذر تھا۔ اس وفد کی حاضری کی اطلاع پہلے ہی ہو چکی تھی۔ حضور نے ارشاد فرمایا۔ تمھارے پاس عبد القیس کا وفد آرہا ہے جو اہل مشرق کے بہترین لوگ ہیں۔ ان میں اشج عصری بھی ہیں۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آگے بڑھ کر ان کا استقبال کیا۔ اس وفد کے لوگ جب مدینہ حاضر ہوئے تو سواریوں سے اتر کر تیزی سے خدمت اقدس میں حاضر ہوئے۔ اور دست اقدس و پائے مبارک

[1] ابو داؤد

أَوْ مَنِ الْوَفْدُ. قَالُوْا رَبِيْعَةُ قَالَ مَرْحَبًا بِالْقَوْمِ أَوْ بِالْوَفْدِ غَيْرَ خَزَايَا وَلَا نَدَامٰى،

یا فرمایا کون وفد ہے؟ انھوں نے عرض کیا۔ ربیعہ فرمایا قوم یا وفد کو مرحبا۔ نہ رسوا ہوئے نہ شرمندہ

فَقَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ إِنَّا لَا نَسْتَطِيْعُ أَنْ نَأْتِيَكَ إِلَّا فِيْ شَهْرِ الْحَرَامِ وَبَيْنَنَا وَبَيْنَكَ

انھوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! شہر حرام کے علاوہ اور کسی مہینے میں ہم حاضر نہیں ہو سکتے۔ ہمارے اور حضور

هٰذَا الْحَيُّ مِنْ كُفَّارِ مُضَرَ فَمُرْنَا بِأَمْرٍ فَصْلٍ نُخْبِرْ بِهِ مَنْ وَّرَاءَنَا وَنَدْخُلْ بِهِ الْجَنَّةَ

کے مابین کفار مضر کا قبیلہ ہے۔ ہم کو واضح حکم دیں جو ہم اپنے پیچھے والوں کو بتا دیں اور جسکی وجہ سے ہم جنت میں داخل

ہو جائیں۔

کو بوسے دیئے۔ اور اشج نے اتر کر اونٹ کو باندھا۔ سب سامان اکٹھا کیا غسل کیا۔ سب سے عمدہ کپڑا پہنا مسجد میں آئے دو رکعت نماز پڑھی۔ پھر حاضر ہوئے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کو اپنے قریب داہنی طرف بٹھایا۔ اور فرمایا۔ تم میں دو عادتیں ایسی ہیں جو اللہ کو پسند ہیں۔ عقل۔ اور وقار۔ [1]

اس قبیلے کے ایمان لانے کا قصہ یہ ہے کہ اس قبیلے کے ایک فرد منقذ بن حبان مدینہ طیبہ تجارت کے لئے آتے جاتے تھے۔ ہجرت کے بعد ایک بار جب یہ مدینہ طیبہ میں تھے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم منقذ کے قریب سے گذرے منقذ پڑھ کر ملے حضور نے ان کے قبیلے اور ممتاز لوگوں کے احوال نام بنام دریافت فرمائے۔ منقذ مسلمان ہو گئے سورہ فاتحہ وغیرہ یاد کر کے اپنے وطن ہجر واپس گئے۔ چھپ چھپا کر نماز پڑھتے تھے۔ حضور نے ایک والا نامہ، بنی عبد القیس کے کچھ لوگوں کے پاس بھیجا مگر منقذ نے کسی سے ظاہر نہیں کیا۔ ان کی زوجہ کو اس کی خبر لگ گئی۔ یہ اشج کی لڑکی تھیں۔ لڑکی نے باپ کو بتا دیا منقذ اور اشج کی ملاقات ہوئی تو اشج بھی مسلمان ہو گئے پھر اشج اپنی قوم عصر اور محارب کے پاس جا کر والا نامہ پڑھ کر سنایا۔ اس کے نتیجے میں سب کے دلوں میں اسلام گھر کر گیا اور یہ لوگ خدمت اقدس میں حاضر ہوئے۔

یہاں اختصار ہے مسلم شریف میں ہے کہ ایک عورت حاضر ہوئی اور اس نے پوچھا کہ گھڑے میں نبیذ بنانے کا کیا حکم ہے حضرت ابن عباس نے منع فرمایا۔ تو ابو جمرہ نے کہا۔ میں بھی سبز گھڑے میں میٹھی نبیذ بنا کر پیتا ہوں۔ اس سے طبیعت کو قرار حاصل ہوتا ہے۔ فرمایا مت پی۔ اگرچہ شہد سے زیادہ میٹھی ہو پھر یہ حدیث بیان فرمائی۔

کھجور، منقی وغیرہ کو پانی میں بھگو دیتے ہیں جب اس کا اثر پانی میں آجاتا ہے تو اس کا پھوکس پھینک کر صاف پانی پیتے تھے۔ اسی کو نبیذ کہتے ہیں جب تک اس میں نشہ نہ آئے۔ اس کا بالاتفاق پینا جائز ہے۔ اور نشہ آور ہونے کے بعد حرام

[1] ابو داؤد [2] اشعۃ اللمعات جلد چہارم باب المصافحہ والمعانقہ۔

وَسَأَلُوْهُ عَنِ الْأَشْرِبَةِ فَأَمَرَهُمْ بِأَرْبَعٍ وَّنَهَاهُمْ عَنْ أَرْبَعٍ أَمَرَهُمْ بِالْإِيْمَانِ

ہو جائیں انھوں نے پینے والی چیزوں کو بھی پوچھا حضور نے ان کو چار چیزوں کا حکم دیا اور چار چیزوں سے منع فرمایا صرف

بِاللهِ وَحْدَهٗ قَالَ أَتَدْرُوْنَ مَا الْإِيْمَانُ بِاللهِ وَحْدَهٗ، قَالُوا اللهُ وَرَسُوْلُهٗ أَعْلَمُ قَالَ

اللہ پر ایمان لانے کا حکم دیا دریافت کیا۔ کیا جانتے ہو صرف اللہ پر ایمان لانے کا کیا مطلب ہے؟ انھوں نے کہا اللہ اور

شَهَادَةُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللهِ، وَإِقَامُ الصَّلٰوةِ وَإِيْتَاءُ الزَّكٰوةِ

اس رسول خوب جانتے ہیں فرمایا اس بات کی گواہی دینی کہ سوائے اللہ کے کوئی معبود نہیں اور محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اللہ

وَصِيَامُ رَمَضَانَ وَأَنْ تُعْطُوْا مِنَ الْمَغْنَمِ الْخُمُسَ وَنَهَاهُمْ عَنْ أَرْبَعٍ عَنِ الْحَنْتَمِ

کے رسول ہیں نماز کی پابندی کرنی اور زکوٰۃ دینی۔ اور رمضان کا روزہ رکھنا اور تم لوگ غنیمت سے پانچواں حصہ دیا کرو۔ اور انھیں

③ کہ بغیر لڑائی کے اسلام قبول کر لیا۔ نہ تم میں کوئی قتل ہوا نہ قیدی بنا یا گیا جس سے تمھیں شرمندگی اور رسوائی ہوتی۔

④ یعنی ایسے اعمال و عقائد بتا دیں جن کی پابندی سے اللہ عزوجل راضی ہو جائے اور ہمیں جنت عطا فرمائے۔ اس لئے کہ جنت کا حصول محض اس کے فضل و کرم سے ہے۔ عقائد و اعمال اس کے فضل کے لئے ذریعہ و واسطہ ہیں۔

⑤ یہ لوگ مسلمان تھے۔ ایمان باللہ کے معنی خوب جانتے تھے۔ یہ عرض لاعلمی ظاہر کرنے کے نہیں۔ بلکہ ادباً ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اللہ عزوجل اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لئے ایک ہی صیغہ استعمال کرنا ممنوع نہیں صحابہ کی سنت ہے۔ نیز یہ بھی ثابت ہوا کہ ایمان باللہ میں ایمان بالرسول بھی داخل ہے۔ رسول کا انکار اور اللہ پر ایمان کا ادعا حقیقت میں اللہ کا انکار ہے۔ شہادت سے مراد یہ ہے کہ اسے دل سے سچ مانے اور زبان سے ظاہر کرے ورنہ محض اقرار بلا تصدیق بیکار ہے بلکہ یہی نفاق ہے۔

⑥ اس حدیث میں الایمان باللہ پر اقام الصلوٰۃ وغیرہ کا عطف اسکی دلیل ہے کہ اعمال ایمان کے اجزاء نہیں۔ ورنہ عطف صحیح نہ ہوگا۔ اقام الصلوٰۃ سے مراد یہ کہ نماز کی پابندی کریں اور جملہ شرائط کے ساتھ اچھی طرح ادا کریں۔ یہاں حج مذکور نہیں اس لئے کہ اس وقت حج فرض نہ ہوا تھا یہ واقعہ ۵ھ کا ہے اور حج ۹ھ میں فرض ہوا۔

⑦ چونکہ جہاد فرض ہو چکا تھا اور مال غنیمت میں خمس بیت المال کے لئے منجانب اللہ متعین ہے اس لئے انھیں خمس ادا کرنے کی خصوصیت سے ہدایت فرمائی۔ ان کی کفار مضر سے ہمیشہ لڑائی رہتی تھی۔

اشکال اور جواب اس حدیث پر ایک مشہور اعتراض یہ ہے کہ پہلے چار چیزوں کا حکم دیا۔ اور بیان فرمایا۔ پانچ۔

وَالدُّبَّاءِ وَالنَّقِيرِ وَالْمُزَفَّتِ وَرُبَّمَا قَالَ الْمُقَيَّرِ وَقَالَ احْفَظُوهُنَّ وَاَخْبِرُوا بِهِنَّ

چار چیزوں سے منع فرمایا۔ حنتم، اور دبارا اور نقیرا اور مزفت سے۔ کبھی مقیر کہتے اور فرمایا اپنے پیچھے رہ جانے والوں کو

مَنْ وَّرَاءَكُمْ - ت قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلٰكِنْ جِهَادٌ وَّنِيَّةٌ عه .

بتادینا۔ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا! ہاں جہاد اور نیت باقی ہے۔

شہادت، نماز، زکوٰۃ، روزہ، خمس کی ادائے گی۔ اور اگر اقام الصلوٰۃ وغیرہ کو شہادۃ پر عطف مانیں تو یہ سب ایمان باللہ کی تفسیر ہوں گے۔ اور سب مل کر ایک ہوں گے۔ پھر تین رہ گئے۔ علامہ نووی نے یہ جواب دیا کہ اصل مقصود چار ہی ہیں یہ لحاظ فرماکر کہ یہ قوم مجاہد ہے۔ ادائے گی خمس کا مزید حکم دیا۔ اور اس میں کوئی قباحت نہیں۔

⑧ ان چار برتنوں کے استعمال سے منع فرمانے کی وجہ یہ ہے کہ ان میں شرابیں بناتے تھے اور دوسری جگہوں سے ان میں شراب لاتے تھے ان برتنوں کے استعمال کرنے سے شراب کی یاد آتی ۔ اندیشہ تھا پھر کہیں شراب نہ پینے لگیں لہذا حکم دیا کہ ان برتنوں کو کبھی استعمال نہ کرو جن سے شراب کا لگاؤ تھا۔

⑨ اس سے معلوم ہوا کہ حکم شرعی بتانے کے لئے ضروری نہیں کہ انسان پورا عالم ہو جس کو جو حکم شرعی یا دینی بات معتمد طریقے سے معلوم ہوا اور اچھی طرح یاد ہو تو دوسروں کو بتا سکتا ہے۔

تشریحات ⑫

پوری حدیث یوں ہے لا ھجرۃ بعد الفتح الخ فتح مکہ کے بعد ہجرت نہیں ہاں جہاد اور نیت باقی ہے۔ جب تم جہاد کے لئے بلائے جاؤ تو گھر سے نکلو۔ پوری حدیث بخاری کے حج، جہاد، جزیہ وغیرہ میں موجود ہے۔ مراد یہ ہے کہ اب جبکہ مکہ فتح ہوگیا۔ اور دارالاسلام ہوگیا۔ تو مکہ سے ہجرت کر کے حصول خیر کا دروازہ بند۔ ہاں جہاد اور نیت حسنہ کے ساتھ اعمال خیر کر کے جتنا چاہو ثواب حاصل کرو۔ اس سے خاص وہ ہجرت جو اس عہد میں تھی، مراد ہے یعنی مدینہ طیبہ ہجرت کرنا۔

عه کتاب العلم۔ باب تحریض النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وفد عبدالقیس۔ کتاب الصلوٰۃ۔ باب قول اللہ منیبین الیہ۔ کتاب الزکوٰۃ۔ باب وجوب الزکوٰۃ۔ کتاب الجہاد باب فرض الخمس، باب مناقب قریش۔ کتاب المغازی۔ باب وفد عبدالقیس۔ کتاب الادب۔ باب قول الرجل مرحبا۔ کتاب خبر الاحد۔ باب وصاۃ النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وفود العرب۔ کتاب التوحید باب قول اللہ بل ہو قرآن مجید مسلم کتاب الایمان۔ کتاب الاشربہ۔ ابوداؤد۔ اشربہ۔ سنت۔ ترمذی۔ سیر۔ ایمان۔ نسائی۔ علم۔ ایمان۔ اشربہ۔ صلاۃ۔ مسند امام احمد۔

عه مسلم اور ابوداؤد نے جہاد اور حج میں۔ ترمذی نے سیرہ میں نسائی نے حج اور بیعت میں۔ دارمی نے سیر میں اور امام احمد نے اپنی مسند میں بھی ذکر کیا ہے۔

حدیث (۴۶)

عَنْ أَبِي مَسْعُودٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالَىٰ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالَىٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَا أَنْفَقَ الرَّجُلُ عَلَىٰ أَهْلِهِ يَحْتَسِبُهَا فَهِيَ لَهُ صَدَقَةٌ[1]

ابو مسعود رضی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا جب کوئی شخص اپنے اہل وعیال پر خرچ کرے اور نیت ثواب کی ہو تو یہ اس کے لئے صدقہ (کار ثواب) ہے۔

حدیث (۴۷)

عَنْ سَعْدِ بْنِ وَقَّاصٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالَىٰ عَنْهُ أَنَّهُ أَخْبَرَهُ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالَىٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِنَّكَ لَنْ تُنْفِقَ نَفَقَةً تَبْتَغِيْ بِهَا وَجْهَ اللّٰهِ إِلَّا أُجِرْتَ عَلَيْهَا حَتّٰى مَا تَجْعَلُ فِيْ فَمِ امْرَأَتِكَ[2]

سعد بن وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا۔ تم جو بھی خرچ کرو اور اس سے تمہاری نیت رضاء الٰہی ہے تو تم کو اس پر ثواب ملے گا یہاں تک کہ اپنی زوجہ کے منہ میں جو لقمہ ڈالو۔ اس کا بھی ثواب ملے گا۔

ورنہ گذر چکا کہ ہجرت مطلقہ قیامت تک باقی رہے گی۔

تشریحات (۴۶) (۴۷)

ابو مسعود انصاری (۱) ان کا نام عقبہ ہے۔ یہ بنی خزرج کے فرد جلیل القدر انصاری صحابی ہیں۔ عقبہ ثانیہ اور تمام بدر کے علاوہ، مشاہد میں شریک رہے۔ امام بخاری وابن اسحاق وغیرہ کہتے ہیں کہ بدر میں بھی شریک رہے۔ یہ بدری کے ساتھ مشہور ہیں۔ لیکن ایک فریق یہ کہتا ہے کہ مقام بدر میں اقامت پذیر ہونے کی وجہ سے بدری کہلاتے ہیں۔ ان سے ایک سو دو حدیث مروی ہیں۔ نو متفق علیہ اور ایک افراد بخاری اور سات افراد مسلم سے ہیں۔ کوفے میں سکونت اختیار کرلی تھی۔ وہیں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد خلافت میں ۴۰ھ سے قبل وصال فرمایا۔ صحابہ میں ایک یہ ابو مسعود نام کے اور دوسرے صاحب، غفاری ہیں۔

(۲) ان دونوں احادیث کا حاصل یہ ہے کہ کوئی مباح کام بھی بہ نیت خیر کیا جائے۔ تو اس پر بھی ثواب ہے۔ اہل وعیال کی پرورش انسان، کرتا ہی ہے۔ لیکن اگر ان کی پرورش رضاء الٰہی کے لئے ہو تو اس پر بھی ثواب ہے۔

---

[1] بخاری کتاب النفقات، فضل النفقہ علی الاہل ص۸۰۵۔ مسلم زکوٰۃ ۴۰، نسائی زکوٰۃ ۶۰، دارمی زکوٰۃ۔ استیذان ۳۵، مسند امام احمد ص۲، جنائز مفصل، رثاء النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سعد بن خولہ ص۱۷۳، کتاب المغازی، حجۃ الوداع ص۶۳۲، کتاب المرضی، قول المریض انی وجع ص۸۴۶، کتاب الدعوات، الدعاء برفع الوباء ص۹۴۲، کتاب الفرائض میراث البنات، مسلم وصیت ۵، ابوداؤد وصایا

۱۳ ت ۔ اَلدِّیْنُ النَّصِیْحَۃُ لِلّٰہِ وَلِرَسُوْلِہٖ وَلِاَئِمَّۃِ الْمُسْلِمِیْنَ وَعَامَّتِہِمْ علہ ۔

دین خیر خواہی ہے اللہ اور اس کے رسول اور مسلمان حاکموں اور عام مسلمانوں کے لئے ۔

لغات (۱) اَلنَّصِیْحَۃُ ۔ نصحتُ العسلَ سے ماخوذ ہے یعنی میں نے شہد کو آلائش وگندگی سے پاک صاف کیا کسی کے ساتھ سچی خیر خواہی جس میں کوئی فریب نہ ہو ۔ نصیحت ہے ۔ اَئِمَّۃ ۔ امام کی جمع ہے ۔ اس کے معنی پیشوا کے ہیں ۔ خواہ دینی پیشوا ہو جیسے سلف صالحین وائمہ مجتہدین یا دنیوی جیسے سلطان اسلام اور حکام اسلام یا دونوں جیسے خلفاء راشدین ۔

تشریح (۲) یہ حدیث بھی جوامع الکلم میں ہے ۔ اپنے اندر معانی کا بے پایاں خزانہ رکھتی ہے یہاں تک کہ پورے دین کو محیط ہے مثلاً اللہ کے ساتھ نصیحت کا معنی یہ ہے کہ اسکی ذات وصفات پر ایمان لائیں ۔ اور اس کا کسی کو شریک نہ بنائیں نہ ذات نہ صفات نہ عبادت میں ۔ اسے صفات جلال وکمال کے ساتھ متصف مانیں ، ہر عیب ونقص سے اسے مُنزہ مانیں ۔ اسکی کتاب کو حق مانیں اس کی کما حقہ تلاوت کریں اس پر عمل کریں اس کی نشر واشاعت کریں ۔ رسول کے ساتھ نصیحت کا مطلب یہ ہے کہ ان کی رسالت کی تصدیق کریں ۔ سارے جہاں سے زیادہ ان سے محبت رکھیں ۔ سارے جہاں سے بڑھ کر ان کی تعظیم کریں ۔ ان کی شان میں ادنیٰ سی گستاخی برداشت نہ کریں ۔ ان کے احکام کی پابندی کریں ۔ جن چیزوں سے منع فرمایا ہے ۔ اس کے قریب نہ جائیں ۔ ان کی ہمیشہ حمایت کریں ان کی سنت زندہ رکھیں ان کے آداب واخلاق کو عادت بنائیں ان کے اصحاب واہل بیت سے محبت کریں ۔ اللہ اور رسول کے ساتھ نصیحت ، حقیقت میں بندے اور امتی کی طرف راجع ہے ۔ اللہ اور رسول ناصح کی نصیحت سے مستغنی ہیں ۔ سلاطین وحکام کے لئے نصیحت یہ ہے کہ ہر جائز حکم میں ان کی اطاعت کریں ۔ اور ہر حق بات میں ان کی مدد کریں ۔ غلطی پر نرمی سے سمجھائیں بلا ضرورت شرعیہ ان کے خلاف تلوار نہ اٹھائیں ۔ وغیرہ وغیرہ ۔ ائمہ مجتہدین کے لئے نصیحت یہ ہے کہ ہے کہ انکی روایت قبول کریں احکام میں ان کی تقلید کریں ۔ ان کے ساتھ حسن ظن رکھیں ۔ عامۂ مسلین کے لئے نصیحت یہ ہے کہ ان کی دنیا و آخرت کے مصالح میں رہنمائی کریں ۔ خیر کی تلقین کریں برائی سے روکیں انھیں دین کی تعلیم دیں نیکی میں ان کی مدد کریں ۔ ان کے عیوب چھپائیں ان پر شفقت کریں ۔ وغیرہ وغیرہ

علہ مسلم کتاب الایمان میں ابو داؤد نے ادب میں ، نسائی نے بیعت میں ، محمد ابن اسحٰق بن خزیمہ نے کتاب السیاست تھوڑے تغیر والفاظ کی زیادتی کے ساتھ ذکر کیا ہے

۴۸ حدیث - ہر مسلمان کی خیر خواہی دین ہے

عَنْ جَرِيْرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ الْبَجَلِيِّ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ بَايَعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلٰى إِقَامِ الصَّلٰوةِ وَإِيْتَاءِ الزَّكٰوةِ وَالنُّصْحِ لِكُلِّ مُسْلِمٍ علہ

جریر بن عبداللہ بجلی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے بیعت کی نماز کی پابندی زکوٰۃ کی ادائے گی اور ہر مسلمان کے ساتھ خیر خواہی کرنے پر۔

۴۹ حدیث

عَنْ زِيَادِ بْنِ عِلَاقَةَ قَالَ سَمِعْتُ جَرِيْرَ بْنَ عَبْدِ اللّٰهِ يَوْمَ مَاتَ الْمُغِيْرَةُ بْنُ شُعْبَةَ

زیاد بن علاقہ کہتے ہیں کہ میں نے جریر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سنا جس دن حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ نصیحت فرض کفایہ ہے۔ جب معلوم ہو کہ اس کی نصیحت قبول ہوگی اور اسے کوئی ضرر نہیں پہنچایا جائے گا اور اگر اسے اس کا اندیشہ ہو تو اسے اختیار ہے نصیحت کرے تو بہتر نہ کرے تو کوئی حرج نہیں۔ عامۂ مسلمین میں یہ بھی داخل ہے۔ اپنے لئے نصیحت یہ ہے کہ ہر وقت خوف خدا رکھے اور شریعت کا پابند رہے۔

تشریحات ۴۸

جریر بن عبداللہ بجلی احمسی ① رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ بنی کہلان سے تھے۔ یہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے وصال سے قبل والے رمضان یعنی ۱۰ھ میں خدمت اقدس میں حاضر ہو کر مشرف باسلام ہوئے۔ اور مذکورہ بیعت کی اس بیعت کو اتنا نبھایا کہ ایام فتنہ میں الگ تھلگ رہے۔ ایک بار ان کا غلام ایک گھوڑا تین سو میں خرید کر لایا گھوڑا بہت عمدہ تھا۔ دیکھ کر مالک کے پاس تشریف لائے فرمایا۔ یہ گھوڑا تین سو سے زیادہ کا ہے۔ اسے آٹھ سو دیا۔ اور فرمایا میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ہر مسلمان کے ساتھ خیر خواہی کرنے کی بیعت کی ہے۔ نہایت حسین و جمیل تھے اس لئے ان کو اس امت کا یوسف کہتے تھے۔ کوفے میں سکونت اختیار کر لی تھی۔ پھر قرقیسیا رہنے لگے تھے وہیں ۵۱ھ میں وصال فرمایا۔ ان سے سو حدیثیں مروی ہیں۔ آٹھ بخاری اور مسلم دونوں نے۔ تنہا بخاری نے ایک اور مسلم نے چھ لی ہیں۔

تشریح ۴۹

علہ بخاری نے مواقیت الصلوٰۃ البیعۃ علی الصلوٰۃ، کتاب الزکوٰۃ۔ باب البیعۃ علیٰ ایتاء الزکوٰۃ۔ کتاب البیوع باب ہل یبیع حاضر لباد۔ کتاب الشروط باب اول۔ مسلم نے ایمان میں۔ نسائی نے بیعت میں۔ دارمی نے بیوع میں۔ امام احمد نے اپنی مسند میں بھی ذکر کیا ہے۔

قَامَ فَحَمِدَ اللّٰهَ وَاَثْنٰى عَلَيْهِ وَقَالَ عَلَيْكُمْ بِاتِّقَاءِ اللّٰهِ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَالْوَقَارِ

تعالیٰ عنہ کا وصال ہوا۔ یہ (منبر) پر کھڑے ہوئے پہلے اللہ عزوجل کی حمد وثنا کی پھر فرمایا تم لوگوں پر لازم ہے کہ صرف اللہ

وَالسَّكِيْنَةِ حَتّٰى يَاْتِيَكُمْ اَمِيْرٌ۔ فَاِنَّمَا يَاْتِيْكُمُ الْآنَ ثُمَّ قَالَ اِسْتَعْفُوْا لِاَمِيْرِكُمْ فَاِنَّهٗ كَانَ

سے ڈرو جس کا کوئی شریک نہیں اور وقار وسکون کے ساتھ رہو۔ یہاں تک کہ تمہارا کوئی حاکم آجائے اور وہ ابھی آئے گا۔ پھر کہا

يُحِبُّ الْعَفْوَ ثُمَّ قَالَ۔ اَمَّا بَعْدُ فَاِنِّيْ اَتَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قُلْتُ

اپنے متوفی امیر کے لئے دعائے مغفرت کرو۔ اس لئے کہ وہ معاف کرنے کو پسند کرتے تھے۔ ان سب کے بعد سنو! میں

اُبَايِعُكَ عَلَى الْاِسْلَامِ فَشَرَطَ عَلَيَّ وَالنُّصْحِ لِكُلِّ مُسْلِمٍ فَبَايَعْتُهٗ عَلٰى هٰذَا وَرَبِّ

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں اسلام کی بیعت کرنے کی غرض سے حاضر ہوا تو حضور نے یہ بھی شرط لگائی اور

هٰذَا الْمَسْجِدِ اِنِّيْ لَنَاصِحٌ لَكُمْ ثُمَّ اسْتَغْفَرَ وَنَزَلَ عله

ہر مسلمان کی خیرخواہی کرتے رہنا میں نے اس پر بیعت کی اس مسجد کے رب کی قسم میں تمہارا خیرخواہ ہوں پھر استغفار کیا اور اتر آئے

(۱) حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت معاویہ کی جانب سے کوفے کے حاکم تھے ۵۰ھ میں ان کا وصال ہوگیا۔ چونکہ کوفے والوں میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ کے حامیوں کی بہت غالب اکثریت تھی حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان کو اپنی حسن تدبیر سے رام کئے ہوئے تھے۔ ان کے وصال کے بعد اندیشہ تھا کہ کوئی شورش نہ ہو جائے۔ اس لئے حضرت جریر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ خطبہ دیا اور انھیں وقار وسکون کے ساتھ رہنے اور شورش وانتشار سے باز رہنے کی تلقین فرمائی حضرت مغیرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے وصال کے وقت حضرت جریر کو اپنا نائب بنا دیا تھا۔ اس لئے انھوں نے یہ خطبہ دیا تھا۔ جب حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو، حضرت مغیرہ کے وصال کی خبر ملی تو انھوں نے زیاد بن سمیہ کو، کوفے کا گورنر بنا دیا۔

(۲) اس حدیث میں خیرخواہی کے لئے مسلمان کی قید احترازی نہیں۔ کافر کے ساتھ بھی خیرخواہی لازم ہے۔ کافر کے ساتھ خیرخواہی یہ ہے کہ اسلام کی دعوت دے۔

عله ایضا۔ الشروط، اول باب الاحکام، کیف یبایع الامام۔ مسلم ایمان۔ نسائی بیعت۔

کتاب العلم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

۵۰ حدیث تضییع امانت قیامت کی علامت ہے

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ بَیْنَمَا النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا ۔ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

کتاب العلم

علم کی تعریف ① صحیح یہ ہے کہ علم اجلی بدیہیات سے ہے ہر خاص و عام جانتا ہے کہ علم کیا چیز ہے اسلئے یہ اصطلاحی تعریف سے مستغنی ہے نیز اسکی تعریف بہت زیادہ مشکل ہے ۔ ہزار ہا سال غور و خوض بحث و تمحیص کے بعد بھی آج تک منقح نہ ہو سکی ہمارے حضرات ماتریدیہ نے علم کی تعریف یہ کی ۔ علم ایک ایسا نور ہے جو اللہ عز و جل نے انسان کے قلب میں پیدا فرمایا ہے کہ اس سے جس چیز کا تعلق ہوتا ہے وہ منکشف ہو جاتی ہے ۔ جیسے آنکھ میں دیکھنے کی قوت ہے ۔

علم کی تقسیم ② یہاں امام بخاری کا مقصود علم کی ماہیت اور حقیقت بیان کرنا نہیں بلکہ علم کے متعلقات بیان کرنا ہے ۔ انکی علم سے مراد علم دین ہے جو اللہ عز و جل کی رضا کا موجب ہے ۔ علم کی اپنے متعلقات کے اعتبار سے دو قسم ہے علم ظاہر ۔ علم باطن ۔ علم ظاہر علم شریعت ہے ۔ تفسیر ۔ حدیث ۔ فقہ اور اس کے ذرائع علم صرف و نحو لغت معانی بیان وغیرہ ۔ علم باطن کی دو قسمیں ہیں ۔ علم معاملہ یعنی دل اور نفس کو پاک صاف ستھرا بنانا اخلاق بد و محرمات سے اجتناب اور اخلاق حسنہ خلوص صبر شکر زہد تقویٰ قناعت وغیرہ کا حصول ۔ دوسرے علم مکاشفہ ۔ یہ وہ علم ہے جو تزکیۂ نفس کے بعد من جانب اللہ تعالیٰ عطا ہوتا ہے جو باتیں عقول متوسطہ کی دسترس سے باہر ہیں ۔ ان کا ان کے ذریعہ انکشاف ہوتا ہے مثلاً ذات و صفات باری تعالیٰ وغیرہ (قسطلانی) علم مکاشفہ سے ہی حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذات و صفات کی کچھ حقیقت واضح ہوتی ہے ۔

③ عمل بغیر علم کے ناممکن ہے ۔ اسلئے امام بخاری نے اعمال پر علم کو مقدم کیا اور چونکہ عمل ہو یا علم بغیر ایمان کے عند اللہ کالعدم ، ایمان ان سب کی بنیاد ہے ۔ اسلئے ایمان کو علم سے بھی پہلے ذکر فرمایا ۔ اگرچہ ایک وجہ سے علم کو ایمان پر بھی مقدم ہونا چاہیئے ۔ اسلئے کہ علم کے بغیر ایمان لانا بھی ممکن نہیں مگر چونکہ مقصود یہاں وہی علم ہے جسکا خدا کی بارگاہ میں اعتبار ہے اور وہ بغیر ایمان معتبر نہیں اسلئے ایمان کو علم پر مقدم کیا ۔

فِی مَجْلِسٍ یُحَدِّثُ الْقَوْمَ ، جَاءَهُ اَعْرَابِیٌّ فَقَالَ مَتَی السَّاعَةُ فَمَضٰی رَسُوْلُ

صحابہ کے ساتھ بیٹھے ہوئے بات کر رہے تھے۔ کہ ایک دیہاتی وہاں آئے اور پوچھا! قیامت کب آئے گی؟ رسول اللہ صلی اللہ

اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یُحَدِّثُ فَقَالَ بَعْضُ الْقَوْمِ سَمِعَ مَا قَالَ فَکَرِہَ

تعالیٰ علیہ وسلم بات کرتے رہے وہ حاضرین میں سے کچھ لوگوں نے کہا حضور نے اس کا

مَا قَالَ وَقَالَ بَعْضُھُمْ بَلْ لَمْ یَسْمَعْ حَتّٰی اِذَا قَضٰی حَدِیْثَہٗ قَالَ اَیْنَ اُرَاہُ السَّائِلُ

سوال سنا مگر ناپسند فرمایا (اسلئے جواب نہیں دیا) کچھ لوگوں نے کہا سنا ہی نہیں جب آنحضور بات پوری کر چکے تو فرمایا قیامت کے بارے میں

عَنِ السَّاعَةِ قَالَ ھَا اَنَا یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ قَالَ فَاِذَا ضُیِّعَتِ الْاَمَانَةُ فَانْتَظِرِ السَّاعَةَ

سوال کرنے والا کہاں ہے وہ ان دیہاتی نے عرض کیا یا رسول اللہ میں حاضر ہوں ارشاد فرمایا جب امانت ضائع کیجائے قیامت کا انتظار

فَقَالَ کَیْفَ اِضَاعَتُھَا قَالَ اِذَا وُسِّدَ الْاَمْرُ اِلٰی غَیْرِ اَھْلِہٖ فَانْتَظِرِ السَّاعَةَ[۱]

کرو وہ انہوں نے عرض کیا امانت ضائع کرنے کا کیا مطلب فرمایا جب نا اہل کو کام سپرد کیا جائے تو قیامت کا انتظار کرو۔

تشریحات ۵۰

اعرابی (۱) عرب کے دیہاتوں میں رہنے والوں کو اعرابی کہتے ہیں۔ اعرابی اگر صحابی ہے تو اسکا ترجمہ گنوار نہیں کرنا چاہیے۔ گنوار تحقیر کیلئے بولا جاتا ہے۔ اور صحابہ کی تحقیر جائز نہیں۔ (۲) اس سے دو باتیں معلوم ہوئیں۔ ایک یہ کہ سائل کو لازم ہے کہ جب شیخ یا مفتی کسی بات میں مشغول ہو تو اس وقت سوال نہ کرے جب بات پوری کرلے تو سوال کرے اور زیادہ ادب یہ ہے کہ جب وہ متوجہ ہو تو سوال کرے دوسرے یہ کہ قاضی مفتی مدرس کو چاہئیے کہ حاضر ہونے والوں میں اقدم فالاقدم کی ترتیب کا لحاظ رکھے۔ (۳) اس سے ثابت ہوا کہ عالم شیخ کو چاہئیے کہ عوام کی غیر مناسب باتوں پر صبر کرے بلکہ انکی ایذاؤں پر بھی۔ سب کے ساتھ اخلاق سے پیش آئے اور سب کی حاجت پوری کرے۔ (۴) ان دیہاتی نے قیامت قائم ہونے کا وقت پوچھا تھا مگر جواب میں علامت ارشاد فرما کر یہ تلقین کی کہ اگر کوئی سائل اپنی حیثیت سے زائد کا سوال کرے۔ یا ایسی بات پوچھے جسے ظاہر کرنا مناسب نہ ہو تو اسے کوئی تسلی بخش جواب دیدے۔ (۵) یہاں امانت سے صرف مال کی امانت مراد نہیں بلکہ عام ہے خواہ وہ علم ہو خواہ کوئی دینی یا دنیوی عہدہ مثلاً قضا حکومت افتاء تدریس۔ تقریر وغیرہ۔ مراد یہ ہے کہ زمانہ ایسا آئے گا کہ اہل موجود ہی نہ ہوں گے۔ ناچار نا اہل کو کام دیا جائے گا۔ یہ بھی مراد ہے کہ دیانت اٹھ جائے گی۔ اہلیت پر کوئی عہدہ نہ دیا جائے گا۔ بلکہ خوشامد چاپلوسی ورشوت، رشتہ وغیرہ پر۔

[۱] اسے امام بخاری نے کتاب الرقاق باب رفع الامانت میں اقتصار کیساتھ ذکر فرمایا ہے۔ مسند امام احمد میں بھی ہے۔

حَدَّثَ واَخْبَرَ کے مابین فرق

متاخرین محدثین اَخْبَرَنَا اور حَدَّثَنَا کے درمیان یہ فرق کرتے ہیں کہ اگر شیخ قرأت کرے اور تلمیذ سنے تو اسے حَدَّثَنِی سے تعبیر کرتے ہیں ۔ اور اگر تلمیذ قرأت کرے شیخ سنے تو اَخْبَرَنِی سے ۔ پھر اگر تلامذہ دو یا دو سے زائد ہوں تو بجائے یائے متکلم کے صیغہ جمع متکلم لاتے ہیں یعنی حَدَّثَنَا اور اَخْبَرَنَا ۔ امام ترمذی کا یہی مسلک ہے ۔ جیسا کہ انھوں ترمذی کے ابتدا میں فرمایا ہے قرأۃً علیہ وانا اسمع ۔

حَدَّثَ واَخْبَرَ میں امام بخاری کے یہاں فرق نہیں

بلکہ متقدمین کے یہاں بھی حَدَّثَ، واَخْبَرَ میں کوئی فرق نہیں ۔ یہی امام بخاری کا مسلک ہے ۔ اپنے مسلک کی تائید میں فرمایا ۔

(۱) ت ۔ مجھ سے حمیدی نے کہا سفیان بن عیینہ کے نزدیک ،، حَدَّثَنَا اور اَخْبَرَنَا اور سمعتُ ایک تھا ۔

(۲) ت ۔ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول ہے ہم سے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حدیث بیان فرمائی اور وہ سچے ہیں اور سچے مانے ہوئے ہیں ۔

(۳) ت ۔ شقیق نے کہا عبداللہ سے روایت ہے انھوں نے کہا میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے یہ بات سنی ۔

(۴) ت ۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا ہم سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو حدیثیں بیان فرمائیں ۔

(۵) ت ۔ ابوالعالیہ نے کہا، ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے وہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں اس میں جو اپنے رب سے روایت کرتے ہیں ۔

(۶) ت ۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا ۔ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے روایت ہے وہ اپنے رب سے روایت کرتے ہیں ۔

(۷) ت ۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے روایت ہے وہ تمھارے رب تبارک تعالیٰ سے روایت کرتے ہیں ۔

پہلی چار تعلیقوں سے یہ بتانا مقصود ہے کہ راویان حدیث کبھی حَدَّثَنَا بولتے ہیں کبھی سمعت اور دونوں کے معنی ایک ہیں ۔ اور بعد کی تین تعلیقوں سے یہ بتانا ہے کہ سند میں بجائے حَدَّثَنَا یا سمعت عن فلان عن فلان بھی کہنا درست ہے ۔ اسکا حکم بھی وہی ہے ۔ جو حَدَّثَنَا یا سمعت کا ہے ۔

(۵۱) حدیث نخلہ

عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے کہا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا

اِنَّ مِنَ الشَّجَرِ شَجَرَةً لَا يَسْقُطُ وَرَقُهَا وَاِنَّهَا مَثَلُ الْمُسْلِمِ حَدِّثُوْنِيْ مَا هِيَ قَالَ

درختوں میں ایک درخت ہے جسکے پتے نہیں گرتے اور وہ مسلمان کے مثل والہ ہے مجھے بتاؤ وہ کون درخت ہے۔

حدیث معنعن جس حدیث کی پوری سند لفظ "عن" کے ساتھ مذکور ہو اس کو معنعن کہتے ہیں۔ اس کے صحیح ہونے کے لئے امام بخاری کے یہاں یہ شرط ہے کہ تلمیذ اور شیخ میں کسی اور دلیل سے ملاقات ثابت ہو۔ امام مسلم اور دیگر محدثین لقاء ضروری نہیں جانتے صرف معاصرت یعنی دونوں کا ایک زمانے میں ہونا ضروری قرار دیتے ہیں۔ مزید توضیح مقدمہ میں دیکھیں۔ ان ساتوں تعلیقوں کو امام بخاری نے دوسرے مقامات پر سند کیساتھ ذکر فرمایا ہے۔

حَدَّثَ اور اَخْبَرَ کے معنی ایک ہی ہیں۔ اس کی دلیل میں امام بخاری نے یہ حدیث پیش فرمائی۔

تشریحات (۵۱)

لغات شَجَر: تنہ دار درخت کو کہتے ہیں۔ مِثْل اور مَثَل دونوں روایت ہے۔ یہ کلمۂ تشبیہ ہے۔ مثل کے لغوی معنی، نظیر کے ہیں اور عرفی معنی کہاوت کے ہیں اور مجازی معنی عجیب وغریب حال کے ہیں۔ یہاں یہی معنی مراد ہیں۔

وجہ شبہ (۱) مطلب یہ ہے کہ اس درخت کا عجیب وغریب حال مومن کے حال کے مثل ہے۔ یہ عجیب وغریب حال یہ ہے کہ کھجور کا درخت جتنا نفع بخش ہے اور کوئی درخت نہیں۔ اس کا پھل نہایت شیریں لذیذ مفید ہے۔ اور پھل آتے ہی اسے کھانا شروع کرتے ہیں پھر پکنے کے بعد سکھا کر رکھ لیتے ہیں۔ سال بھر کھاتے ہیں۔ اس کی گٹھلی چوپائے کی غذا ہے۔ یہ ہمیشہ ہرا بھرا رہتا ہے اور بہت بڑی عمر رکھتا ہے جب سوکھ جاتا ہے تو بھی نفع بخش۔ اس کی پتیوں سے چٹائی ٹوکری بناتے ہیں۔ تنے کا ستون لگاتے ہیں۔ اس کے ریشوں کو گدوں میں بھرتے ہیں۔ ایسے ہی مومن ہمیشہ تروتازہ راضی برضائے الٰہی رہتا ہے زندگی میں دوسروں کے کام آتا ہے لوگوں کے دکھ سکھ میں شریک ہوتا ہے اور مرنے کے بعد بھی نفع پہونچاتا ہے۔

استدلال (اول)۔ اَخْبَرَ اور حَدَّثَ ایک ہی ہے۔ یہ اسی روایت سے ثابت ہے اس لئے کہ حَدَّثَ اور اَخْبَرَ میں فرق کرنے والے کہتے ہیں کہ اگر تلمیذ پڑھے اور شیخ سنے تو اس کی تعبیر اَخْبَرَ ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

فَوَقَعَ النَّاسُ فِی شَجَرِ الْبَوَادِیْ قَالَ عَبْدُ اللّٰهِ وَقَعَ فِی نَفْسِیْ اَنَّهَا النَّخْلَةُ،

ابن عمر نے کہا لوگوں کا خیال جنگلی درختوں کی طرف گیا اور میرے جی میں آیا کہ یہ کھجور کا درخت ہے

فَاسْتَحْيَيْتُ. ثُمَّ قَالُوْا حَدِّثْنَا مَا هِیَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ هِیَ النَّخْلَةُ عله

مگر میں شرم کی وجہ سے نہ بولا ۔ پھر لوگوں نے عرض کیا ۔ حضور بتائیں ۔ فرمایا ۔ یہ کھجور ہے ۔

نے صحابہ سے فرمایا ۔ حَدِّثونی مَاھِیَ ۔ حالانکہ صحابہ عرض کرتے تو اس اصطلاح کے مطابق اِخبار ہوتا ۔ تلمیذ کے پڑھنے کو حضور نے تحدیث سے تعبیر فرمایا ۔ تو معلوم ہوا کہ حَدَّثنا اور اخبرنا ایک ہی ہے ۔ فرق کرنے والے اَخبرنا اور انبئنا کو ایک مانتے ہیں ۔ تو جب اَخبَرَ اور حَدَّثَ ایک ۔ تو انبَأَ و حَدَّثَ بھی ایک ۔

(دوم) اس حدیث کے مختلف طرق اور روایات میں الفاظ مختلف ہیں ۔ یہاں حَدِّثونی ہے اور کتاب التفسیر میں بروایت نافع اَخبِرُونی ، ہے اور نافع سے اسماعیل کی روایت میں اَنبِئُونی ، ہے خود اسی کتاب العلم میں باب الحیاء من العلم میں بروایت اسماعیل یہ ہے کہ لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہ ! اَخبِرنا بِھا ۔ تو ثابت کہ حَدَّثَ اَخبَرَ اور انبأَ ایک ہی ہیں ۔

تکمیل (۲) مختلف روایات بخاری یکجا کرنے سے یہ حدیث پوری یوں ہے ۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کہتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں ہم لوگ حاضر تھے کھجور کی گوند پیش کی گئی ۔ آنحضور نے اسے تناول فرمایا ۔ اور فرمایا ایک ایسا درخت ہے ۔ جو مسلمان کی طرح بابرکت ہے ۔ سدا بہار ہے ۔ بتاؤ وہ کون ہے ؟ لوگوں کا ذہن جنگلی درختوں کی طرف گیا ۔ لوگوں نے کہا فلاں درخت ہے ۔ میری سمجھ میں آگیا کہ یہ کھجور ہے ۔ جی میں آیا عرض کر دوں لیکن سب سے چھوٹا تو عمر دس سال کا تھا اور حاضرین میں ابوبکر و عمر بھی تھے وہ چپ تھے ۔ شرم کی وجہ سے میں چپ رہا ۔ پھر حاضرین نے عرض کیا حضور ہی بتائیں ۔ فرمایا یہ کھجور ہے ۔ میں نے اپنے والد سے عرض کیا تو فرمایا ۔ اگر تم بتا دیتے تو مجھے وہ خوشی حاصل ہوتی جو اتنے سے نہ ہوتی

فوائد (۱) اس حدیث سے ثابت ہوا کہ استاذ طلبہ کے امتحان کے لئے سوال کر سکتا ہے ۔

(۲) علمی چیستاں اس نیت سے پوچھنا کہ تلامذہ کے ذہن میں تیزی پیدا ہو ، جائز ہے ۔ لیکن علماء کا امتحان لینے یا انھیں ذلیل کرنے کی نیت سے پوچھنا حرام ۔

(۳) حیاء اچھی چیز ہے ۔ اگر اس سے کوئی نقصان نہ ہو یا کسی فائدے سے محرومی نہ ہو ۔

عله امام بخاری نے بالفاظ مختلفہ اس حدیث کو یہاں کے علاوہ کتاب العلم میں دو جگہ مزید اور کتاب البیوع بیع الجمار میں اطعمہ میں کتاب الادب باب لایستحی من الحق میں اور امام مسلم نے منافقین میں ذکر فرمایا ۔ اور مسند امام احمد میں بھی ۔ اور ترمذی اور نسائی نے بھی کچھ رد و بدل کیساتھ ذکر کیا ہے ۔

(۴) اپنے بزرگوں کا ادب کرنا چاہیئے۔ اور ان کے سامنے بلاضرورت بات نہیں کرنا چاہیئے۔ (۵) یہ ہوسکتا ہے کبھی کبھار کوئی نکتہ اجلۂ علماء کے ذہن میں نہ آئے اور کسی بچے کے ذہن میں آجائے۔ (۶) اگر کوئی بزرگ امتحاناً کوئی سوال کرے اور اسکا جواب ذہن میں آجائے تو عرض کردینا چاہیئے۔

اخذ حدیث کے طریقے

اول شیخ خود پڑھے شاگرد سنیں ۔ دوم شاگرد قرأت کرے استاذ سنے ۔ جیسا کہ زمانۂ دراز سے یہی طریقہ رائج ہے اسے عرض بھی کہتے ہیں۔ سوم شیخ اپنی کوئی کتاب تلمیذ کو دے اسے مناولت کہتے ہیں۔ چہارم تلمیذ کوئی کتاب استاذ کی خدمت میں پیش کرکے درخواست کرے کہ اس کی مجھے اجازت دیدیں۔ استاذ اس کتاب پر اطمینان کرکے شاگرد کو اجازت دیدے اسے بھی عرض کہتے ہیں ــــ اور حقیقت میں مناولت ہی کی ایک قسم ہے۔ اسی لئے علامہ ابن حجر نے اسے عرض مناولت کہا ہے ۔

چونکہ بعض متشدد محدثین اس کے قائل تھے۔ کہ روایت اسی وقت صحیح ہے جبکہ استاذ خود پڑھے اور تلمیذ سنے اس لئے امام بخاری نے اسپر بہت زور دیا کہ استاذ کی قرأت تلمیذ پر، اور تلمیذ کی استاذ پر دونوں صحیح ہیں ۔ اور بعد میں اسی پر اتفاق ہوگیا۔ اب اسکے بعد یہ اختلاف ہے کہ دونوں برابر ہیں یا ان میں کچھ فرق ہے اس سلسلے میں تین مذہب ہیں ۔

اوّل تلمیذ کا استاذ کے سامنے پڑھنا زیادہ راجح ہے یہ امام اعظم ابوحنیفہ اور ابو ذئب وغیرہ ۔ اور ایک روایت کے مطابق امام مالک کا بھی مذہب ہے ۔

دوّم استاذ کا پڑھکر تلمیذ کو سنانا یہ ارجح ہے یہی جمہور کا مذہب ہے بعض لوگوں نے کہا یہ صرف اہل مشرق کے جمہور کا مذہب ہے ۔

سوّم دونوں مساوی ہیں یہی اکثر علماء حجاز و کوفہ اور امام مالک اور ان کے متبعین اہل مدینہ کا اور کثیر جماعت کا مذہب ہے۔ امام بخاری کا بھی یہی مذہب ہے ۔ امام بخاری نے اپنی تائید میں اسلاف کے یہ اقوال نقل فرمائے ۔

(۱) امام بخاری کے استاذ مشہور محدث ، حمیدی ، نے اسے ضمام بن ثعلبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث سے ثابت کیا یہ حدیث مفصل آرہی ہے ۔ جس میں یہ ہے کہ حضرت ضمام نے یہ عرض کیا ۔ کیا اللہ نے آپ کو حکم دیا ہے کہ ہم نماز پڑھیں ۔ حضور نے فرمایا ۔ ہاں ۔ یہ استاذ پر قرأت ہوئی ۔ پھر حضرت ضمام نے اپنی قوم کو اس کی خبر دی تو ان کی قوم نے اسے تسلیم کیا تو معلوم ہوا کہ یہ طریقہ بھی درست ہے

(۲) امام مالک نے دستاویز سے استدلال کیا کہ جب دستاویز میں کسی مُقِر کا اقرار لکھا گیا اور اسے پڑھ کر سنایا گیا ۔ اس نے ہاں کرلیا ۔ تو یہ اسکا اقرار ہوگیا ۔ حالانکہ اس نے زبان سے صراحۃً اقرار نہیں کیا ہے صرف ہاں کہا ہے ۔ جن لوگوں نے یہ دستاویز سنا انھیں اسی کے مطابق گواہی دینی جائز ہے ۔ اسی طرح جب قاری مقری کو سنا دے تو اسے جائز ہے کہ یہ کہے مجھے فلاں نے پڑھایا ۔ نیز امام مالک نے اسپر یہ دلیل بھی بیان فرمائی ہے لوگ قرآن مجید کسی کے سامنے پڑھتے ہیں اور کہتے ہیں مجھے فلاں نے پڑھایا ۔

(۵۲) حدیث ضمام ابن ثعلبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

عَنْ شَرِيْكِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ نَمِرٍ اَنَّهٗ سَمِعَ اَنَسَ بْنَ مَالِكٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ

حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ ہم لوگ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

يَقُوْلُ بَيْنَمَا نَحْنُ جُلُوْسٌ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْمَسْجِدِ

کے ساتھ مسجد نبوی میں بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک شخص اونٹ پر سوار آیا۔ اونٹ کو مسجد کے

دَخَلَ رَجُلٌ عَلٰى جَمَلٍ فَاَنَاخَهٗ فِي الْمَسْجِدِ ثُمَّ عَقَلَهٗ ثُمَّ قَالَ لَهُمْ اَيُّكُمْ مُحَمَّدٌ وَالنَّبِيُّ

قریب بٹھایا اور اس کی ران کو پنڈلی سے باندھا اس کے بعد پوچھا تم میں، محمد، کون ہے اور نبی

صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُتَّكِئٌ بَيْنَ ظَهْرَانَيْهِمْ فَقُلْنَا هٰذَا الرَّجُلُ الْاَبْيَضُ

صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تکیہ لگائے سب کے ساتھ وہیں بیٹھے تھے۔ ہم نے بتایا یہ گورے تکیہ لگائے ہوئے ہیں۔

اسی طرح استاذ پر تلمیذ اگر پڑھے تو تلمیذ کو یہ جائز ہے کہ اسے روایت کرے۔ امام حاکم نے علوم الحدیث میں بطریق مطرف لکھا ہے کہ انھوں نے بتایا کہ میں سات سال امام مالک کی خدمت میں رہا۔ میں نے یہ کبھی نہیں دیکھا۔ کہ اپنا موطا انھوں نے پڑھا ہو۔ ہمیشہ تلامذہ پڑھتے اور یہ سنتے۔ امام مالک اس پر شدید انکار فرماتے جو یہ کہتا کہ روایت اسی وقت صحیح ہے جبکہ شیخ پڑھکر سنائے فرماتے یہ حدیث میں کیوں نہیں کافی ہوگا جبکہ قرآن میں کافی ہے حالانکہ قرآن کا رتبہ حدیث سے زائد ہے۔

(۳) امام حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا۔ تلمیذ پڑھکر شیخ کو سنائے تو کوئی حرج نہیں۔

(۴) امام مالک اور سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہما نے فرمایا۔ تلمیذ کا پڑھ کر شیخ کو سنانا اور شیخ کا پڑھ کر تلمیذ کو سنانا برابر ہے۔

تشریحات (۵۲)

لغات عَقَلَهٗ۔ اس کا مصدر عقل ہے یہاں اس کے یہ معنی ہیں کہ اونٹ کی ران پنڈلی سے ملا کر باندھنا۔ بین ظھرانیھم کے معنی ہیں، ان کے درمیان۔ فلا تجد علی۔ وجد یجد وجدا کا صلہ جب علی آتا ہے تو اس کے معنی غصہ ہونے۔ خفا ہونے کے آتے ہیں اور جب اس کا صلہ "با" آتا ہے تو اس کے معنی بہت محبت کرنے کے اور جب اسکا صلہ "لام" آتا ہے تو اس کے معنی غمگین ہونے کے آتے ہیں۔

① مسجد میں بٹھانے سے مراد مسجد کے باہر صحن میں بٹھانا ہے جیساکہ ابن عباس کی روایت میں جسے امام احمد اور حاکم نے روایت کیا یہ تصریح ہے کہ اونٹ کو مسجد کے دروازے پر بٹھایا۔ پھر اندر آیا۔ اور حضرت انس ہی کی حدیث ابونعیم سے یوں ہے۔

المتکیٔ فقال لہ الرجل یا ابن عبد المطلب فقال لہ النبی صلی اللہ تعالی علیہ وسلم

حضور سے مخاطب ہو کر اس شخص نے کہا اے عبد المطلب کے بیٹے ۔ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا۔

قد اجبتک فقال لہ الرجل انی سائلک فمشدد علیک فی المسألۃ فلا تجد علی فی نفسک

تیری بات سن رہا ہوں ۔ اس شخص نے کہا میں آپ سے سوال کرنا چاہتا ہوں اور میں بڑی سختی سے سوال کرونگا۔ آپ اپنے جی

فقال سل عما بدا لک فقال اسألک بربک ورب من قبلک آللہ ارسلک

میں مجھ پر خفا نہ ہوں ۔ فرمایا جو تیرا جی چاہے پوچھ ۔ اسنے کہا آپ کے پروردگار اور آپ سے پہلے والونکے پروردگار کی قسم دیکر پوچھتا ہوں کیا اللہ نے

حتی اتی المسجد فاناخہ ثم عقلہ فدخل المسجد۔ جب مسجد کے قریب آیا تو اسکی ران کو پنڈلی سے باندھا پھر مسجد میں آیا۔ اس میں اتی المسجد سے قریب المسجد سے مراد ہونا متیقن ہے ورنہ فدخل المسجد کے کیا معنی ہوں گے اسی طرح یہاں بھی فی المسجد سے مراد مسجد کے قریب ہے ۔ (۲) چونکہ ابھی ایمان نہیں لائے تھے آداب نبوت سے واقف نہیں تھے اسی لئے یوں پوچھا (۳) اس سے معلوم ہوا کہ معززین مجمع میں تکیہ لگا کر بیٹھ سکتے ہیں۔ (۴) حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو نام لیکر یا یوں کہے کہ اے عبد اللہ یا عبد المطلب کے بیٹے ۔ ممنوع ہے قرآن کریم میں ہے لا تجعلوا دعاء الرسول بینکم کدعاء بعضکم بعضا سورۂ نور رکوع اخیر رسول کے پکارنے کو آپس میں ایسا نہ ٹھہرالو جیسے تم میں بعض بعض کو پکارتا ہے ۔ اصلی تفسیر صاوی میں یہ ہے ۔

لا تنادوا باسمہ فتقولوا یا محمد ولا بکنیتہ فتقولوا یا ابا القاسم بل نادوا وخاطبوا بالتعظیم والتکریم والتوقیر بان تقولوا یا رسول اللہ یا نبی اللہ یا امام المرسلین یا رسول اللہ رب العلمین یا خاتم النبیین وغیر ذالک واستفید من الآیۃ انہ لا یجوز نداء النبی بغیر ما یفید التعظیم لا فی حیاتہ ولا بعد وفاتہ فبھذا یعلم ان من استخف بجنابہ فھو کافر ملعون فی الدنیا والآخرۃ۔

ان کا نام لیکر مت پکارو یعنی یا محمد نہ کہو اور نہ کنیت سے بلاؤ یعنی اے ابو القاسم نہ کہو ۔ انھیں تعظیم تکریم اور توقیر کیساتھ بلاؤ اور مخاطب کرو۔ یوں کہو یا رسول اللہ یا نبی اللہ یا امام المرسلین ۔ یا رسول رب العلمین یا خاتم النبیین وغیرہ ۔ اور اس آیت سے معلوم ہوا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسے لفظ سے پکارنا جائز نہیں جسمیں تعظیم نہ ہو ۔ نیز معلوم ہوا کہ جو ان کی تخفیف شان کرے وہ کافر، اور دنیا و آخرت میں ملعون ہے ۔

مگر چونکہ ضمام ابھی ایمان نہیں لائے تھے اور نہ اس ادب سے واقف تھے اس لئے انہوں نے عام دیہاتیوں کا طریقہ اختیار کیا۔ چونکہ والد ماجد کا ولادت سے پہلے ہی وصال ہو گیا تھا ۔ پرورش عبد المطلب نے کی تھی اس لئے عام طور پر لوگ ابن عبد المطلب کہتے تھے خود غزوۂ حنین کے موقع پر حضور نے اپنے کو ابن عبد المطلب کہا ۔ (۵) اس سے آزمائش مقصود تھی ۔ اسلئے کہ بادشاہ اسکو

إِلَى النَّاسِ كُلِّهِمْ؟ فَقَالَ اللّٰهُمَّ نَعَمْ ۵ فَقَالَ أَنْشُدُكَ بِاللّٰهِ آللّٰهُ أَمَرَكَ أَنْ

آپ کو سب لوگوں کی جانب رسول بنا کر بھیجا ہے؟ فرمایا؟ ہاں ۵ پھر اس نے کہا میں آپ کو اللہ کی قسم دے کر پوچھتا ہوں کیا اللہ نے

تُصَلِّيَ الصَّلَوَاتِ الْخَمْسَ فِي الْيَوْمِ وَاللَّيْلَةِ قَالَ اللّٰهُمَّ نَعَمْ فَقَالَ أَنْشُدُكَ

آپ کو حکم دیا ہے کہ دن رات میں پانچ نمازیں پڑھیں؟ ۔ فرمایا۔ ہاں ۔ اس کے بعد اس نے کہا آپ کو اللہ

بِاللّٰهِ آللّٰهُ أَمَرَكَ أَنْ تَصُومَ هٰذَا الشَّهْرَ مِنَ السَّنَةِ؟ قَالَ اللّٰهُمَّ نَعَمْ فَقَالَ

کی قسم ہے کیا اللہ نے آپ کو حکم دیا ہے کہ سال میں اس مہینے کا روزہ رکھیں؟ فرمایا۔ ہاں۔ اس نے کہا آپ

أَنْشُدُكَ بِاللّٰهِ آللّٰهُ أَمَرَكَ أَنْ تَأْخُذَ هٰذِهِ الصَّدَقَةَ مِنْ أَغْنِيَائِنَا فَتَقْسِمَهَا

کو اللہ کی قسم ہے۔ کیا اللہ نے آپ کو حکم دیا ہے کہ ہمارے مالداروں سے زکوٰۃ لے کر ہمارے محتاجوں میں تقسیم کریں؟ ۔

عَلَى فُقَرَائِنَا؟ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اللّٰهُمَّ نَعَمْ فَقَالَ الرَّجُلُ

نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ہاں ۵ اس کے بعد اس شخص

آمَنْتُ بِمَا جِئْتَ بِهِ وَأَنَا رَسُولُ مَنْ وَرَائِي مِنْ قَوْمِي وَأَنَا ضِمَامُ بْنُ ثَعْلَبَةَ أَخُو بَنِي سَعْدِ

نے کہا۔ آپ جو کچھ لائے ہیں سب پر میں ایمان ۸ لایا۔ میں اپنی قوم کا قاصد ہوں۔ اور میں ضمام بن ثعلبہ۔ سعد بن ۹ بکر

بْنِ بَكْرٍ ؏۱

کا فرد ہوں۔

برداشت نہیں کرتے اور رسول اس کا تحمل کرتے ہیں۔ (۶) اکثر اہل عرب اللہ عزوجل کے وجود کے قائل تھے۔ ان کا عقیدہ تھا کہ زمین و آسمان اور ساری خلقت کا پیدا کرنے والا اللہ ہے بتوں کی پرستش کیلئے بھی یہ بہانہ کرتے تھے۔ کہ ہم انھیں اسلئے پوجتے ہیں کہ اللہ کی بارگاہ میں ہماری شفاعت کریں گے۔ (۷) یہاں اللّٰھم برکت کیلئے ہے یہاں اختصار ہے اسلئے حج کا ذکر نہیں۔ ورنہ مسلم وغیرہ کی روایت میں یونہی حضرت ابن عباس اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی حدیث میں بھی حج کا ذکر ہے۔ اگرچہ ان میں جزئی اختلافات ہیں۔

(۸) یہ انشاء ایمان ہے اخبار نہیں۔ اسلئے کہ ضمام بن ثعلبہ اسکے پہلے ایمان نہیں لائے تھے۔ یہی تحقیق ہے۔ انکے قبیلے والوں کے پاس حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا قاصد، اسلام کی دعوت لیکر پہنچا تو انکے قبیلے والوں نے انھیں تحقیق حال کیلئے بھیجا تھا۔ یہ جب خدمت اقدس سے واپس ہوئے اور اپنی قوم کو سب کچھ بتا دیا۔ تو پورا قبیلہ مسلمان ہوگیا اسی سے معلوم ہوا کہ ضمام بن ثعلبہ، غزوۂ حنین کے بعد حاضر خدمت ہوئے تھے اسلئے کہ بنو سعد اسکے بعد مشرف باسلام ہوئے ہیں۔ (۹) یہ حلیمہ سعدیہ کا قبیلہ ہے جسمیں حضور نے پرورش پائی۔

؏۱ اسے ابوداؤد نے صلاۃ میں اور نسائی نے صوم میں ابن ماجہ نے صلاۃ میں ذکر کیا ہے۔

۵۲ ایضا بالفاظ اخر

عَنْ اَنَسٍ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ نُهِیْنَا فِی الْقُرْآنِ، اَنْ نَسْاَلَ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَکَانَ یُعْجِبُنَا اَنْ یَّجِیْءَ الرَّجُلُ مِنْ اَهْلِ الْبَادِیَةِ الْعَاقِلُ فَیَسْاَلَهُ وَنَحْنُ نَسْمَعُ. فَجَاءَ رَجُلٌ مِّنْ اَهْلِ الْبَادِیَةِ فَقَالَ اَتَانَا رَسُوْلُكَ فَاَخْبَرَنَا اَنَّكَ تَزْعُمُ اَنَّ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ اَرْسَلَكَ. قَالَ صَدَقَ فَقَالَ فَمَنْ خَلَقَ السَّمَاءَ قَالَ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ قَالَ فَمَنْ خَلَقَ الْاَرْضَ وَالْجِبَالَ قَالَ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ قَالَ فَمَنْ جَعَلَ فِیْهَا الْمَنَافِعَ قَالَ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ قَالَ فَبِالَّذِیْ خَلَقَ السَّمَاءَ وَخَلَقَ الْاَرْضَ وَنَصَبَ الْجِبَالَ وَجَعَلَ فِیْهَا الْمَنَافِعَ آللّٰهُ اَرْسَلَكَ قَالَ نَعَمْ قَالَ زَعَمَ رَسُوْلُكَ اَنَّ عَلَیْنَا خَمْسَ صَلَوَاتٍ وَزَكٰوةً

انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا۔ ہمیں قرآن میں منع فرمادیا گیا۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے سوال کریں، وہ ہم کو یہ بات پسند تھی کہ دیہات سے کوئی ہوشیار شخص آئے اور حضور سے پوچھے اور ہم سنیں۔ ایک دیہاتی آئے حضور سے کہا۔ آپ کا قاصد ہمارے پاس آیا اور اس نے بتایا کہ آپ گمان کرتے ہیں کہ اللہ عزوجل نے آپ کو رسول بنا کر بھیجا ہے۔ فرمایا اس نے سچ کہا اسکے بعد اس نے کہا کس نے آسمان پیدا کیا؟ فرمایا اللہ عزوجل نے اس نے کہا کس نے زمین اور پہاڑوں کو پیدا کیا؟ فرمایا اللہ عزوجل نے اس نے کہا کس نے ان میں منفعتیں رکھیں۔ فرمایا اللہ عزوجل نے اس نے کہا اسکی قسم جس نے آسمان پیدا کیا اور زمین پیدا کی اور پہاڑوں کو کھڑا کیا اور ان میں منفعتیں رکھیں؛ کیا اللہ نے آپ کو بھیجا ہے؟ فرمایا۔ ہاں۔ اس نے کہا آپ کے قاصد نے گمان کیا کہ ہم پر پانچ نمازیں ہیں اور ہمارے مالوں میں زکوٰۃ ہے

تشریحات ۵۲

یہ آنیوالے دیہاتی، ضمام بن ثعلبہ ہی ہیں۔ یہ اور پہلی والی حدیث ایک ہی ہے۔ لیکن روایت بالمعنی کی وجہ سے الفاظ مختلف ہیں۔ اور دونوں میں کچھ نہ کچھ اختصار اور تفصیل ہے۔ اسلئے ہم نے اسکو الگ ذکر کیا۔ (۱) جب لوگ بکثرت سوال کرنے لگے اور سوال کرنے والے ہر قسم کے لوگ تھے۔ مخلص بھی معاند بھی۔ معاندین استہزاءً بھی سوال کرتے۔ کوئی پوچھتا میرا باپ کون ہے؟۔ کوئی پوچھتا میری اونٹنی غائب ہے۔ کہاں ہے؟۔ نیز چونکہ اصل اشیاء میں اباحت ہے۔ جب تک کسی چیز سے ممانعت نہ ہو۔ وہ مباح ہے سوال پر حکم نازل ہو جاتا اور بہت سی چیزیں مباح ہوتیں۔ وہ حرام ہو جاتیں۔ اس پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔

یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَسْئَلُوْا عَنْ اَشْیَاءَ اِنْ تُبْدَ لَكُمْ اے ایمان والو۔ ایسی باتیں نہ پوچھو کہ اگر ظاہر کر دی جائیں تو تمہیں

فِیْ اَمْوَالِنَا، قَالَ صَدَقَ، قَالَ فَبِالَّذِیْ اَرْسَلَکَ، آللّٰہُ اَمَرَکَ بِھٰذَا قَالَ نَعَمْ قَالَ وَ

فرمایا۔ اس نے سچ کہا اس نے کہا اس کی قسم جس نے آپ کو رسول بنایا! کیا اللہ نے آپ کو اس کا حکم دیا ہے؟ فرمایا۔ ہاں

زَعَمَ رَسُوْلُکَ اَنَّ عَلَیْنَا صَوْمَ شَھْرٍ فِیْ سَنَتِنَا قَالَ صَدَقَ، قَالَ فَبِالَّذِیْ اَرْسَلَکَ آللّٰہُ

اس نے کہا اور آپ کے قاصد نے گمان کیا کہ ہم پر سال میں ایک مہینے کا روزہ ہے فرمایا قاصد نے سچ کہا۔ اس نے کہا اس کی قسم جس نے آپکو رسول

اَمَرَکَ بِھٰذَا قَالَ نَعَمْ قَالَ وَزَعَمَ رَسُوْلُکَ اَنَّ عَلَیْنَا حَجَّ الْبَیْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَیْہِ

بنایا۔ کیا اللہ نے آپ کو اسکا حکم دیا ہے؟ فرمایا ہاں۔ اس نے کہا آپکے قاصد نے گمان کیا کہ ہم پر بیت اللہ کا حج ہے جسے وہاں تک جانے کی

سَبِیْلًا، قَالَ صَدَقَ قَالَ فَبِالَّذِیْ اَرْسَلَکَ آللّٰہُ اَمَرَکَ بِھٰذَا، قَالَ نَعَمْ قَالَ وَالَّذِیْ

استطاعت ہو فرمایا قاصد نے سچ کہا اس نے کہا اس کی قسم جس نے آپکو رسول بنایا کیا اللہ نے آپکو اسکا حکم دیا ہے؟ فرمایا۔ ہاں۔ اس نے کہا

تَسُؤْکُمْ وَاِنْ تَسْئَلُوْا عَنْھَا حِیْنَ یُنَزَّلُ الْقُرْاٰنُ تُبْدَلَکُمْ بری لگیں اور اس وقت پوچھوگے کہ قرآن اتر رہا ہو تو تم پر ظاہر کر

حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا۔

اِنَّ اعظم المسلمین جرمًا من سأل عن شئ لم یحرم فحرم من اجل مسئلتہ۔ مسلمانوں میں سب سے بڑا مجرم وہ ہے کہ ایک چیز حرام نہیں تھی اس کے سوال کرنے کی وجہ سے اسکی حرمت بیان کردی گئی۔

اصل اشیاء میں اباحت ہے (۲) یہ آیت اور حدیث اس کی دلیل ہے کہ اصل اشیاء میں اباحت ہے۔ یعنی جس چیز سے منع نہ کیا گیا ہو وہ حلال ہے کسی چیز کے حرام ہونے کیلئے دلیل کی ضرورت ہے۔

زیادہ اور کم نہ کرنے کا مطلب (۳) یعنی آپ نے جو کچھ ارشاد فرمایا۔ اسے من وعن اپنی قوم تک پہونچا دونگا نہ اس میں اپنی طرف سے کچھ زیادہ کروں گا اور نہ کچھ گھٹاؤں گا۔

مناولت و مکاتبت

مناولت (۱) گذر چکا کہ مناولت کا یہ مطلب ہے کہ شیخ اپنی کتاب تلمیذ کو دے کر یہ کہے کہ اس میں وہ حدیثیں ہیں جو میں نے فلاں سے سنی ہیں یا لی ہیں۔ تم کو اجازت دیتا ہوں کہ اس کتاب کی حدیثوں کو روایت کرو۔

مکاتبت (۲) یہ ہے کہ شیخ احادیث خود لکھ کر یا کسی سے لکھوا کر کسی کے پاس بھیج دے اور اسے اجازت دیدے کہ ان احادیث کی تم روایت کرسکتے ہو۔ اس کے قابل اعتبار ہونے کی شرط یہ ہے کہ کتاب مہر بند ہو اور جن کے ہاتھ بھیجے وہ ثقہ، عادل ہوں۔ اگر لے جانے والے ثقہ نہیں تو ناقابل اعتبار ہے اگرچہ مکتوب مہر بند ہو۔ امام بخاری کا مذہب یہ ہے کہ مناولت اور مکاتبت

بَعَثَكَ بِالْحَقِّ، لَا أَزِيدُ عَلَيْهِنَّ شَيْئًا وَلَا أَنْقُصُ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

اس کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ان پر نہ کچھ زیادہ کرونگا اور نہ ان میں کچھ کم کروں گا اس پر نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے

إِنْ صَدَقَ لَيَدْخُلَنَّ الْجَنَّةَ. (۵۴) حدیث کسریٰ کی جانب والانامہ أَنَّ عَبْدَ اللَّهِ بْنَ عَبَّاسٍ رَضِيَ

فرمایا۔ اگر یہ سچا ہے تو بلا شبہ ضرور جنت میں داخل ہوگا۔ عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے خبر

اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُمَا أَخْبَرَهُ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعَثَ بِكِتَابِهِ

دی کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک خط بحرین کے حاکم کے پاس ایک شخص کے بدست بھجوایا۔

دونوں یکساں معتبر ہیں۔ دونوں میں کوئی فرق نہیں۔ دیگر علماء فرماتے ہیں کہ چونکہ مناولت میں استاذ، تلمیذ کو اپنے سامنے کتاب دیتا ہے اس لئے اس میں بہ نسبت مکاتبت کے قوت زیادہ ہے۔ دونوں کو معتمد بھی مانتے ہیں۔ ان دونوں کے معتمد ہونے پر امام بخاری نے مندرجہ ذیل دلائل قائم کئے ہیں۔

ت۔ اول۔ حضرت انس نے فرمایا۔ کہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے قرآن مجید کے متعدد نسخے لکھوا کر مختلف شہروں میں بھجوائے ان سب پر اصل کی طرح سب نے اعتماد کیا۔

حضرت عثمان نے کتنے مصاحف لکھوائے

(۳) ابو حاتم نے کہا کہ حضرت عثمان نے سات عدد لکھوائے تھے جنھیں شام عراق، بصرہ، کوفہ، بحرین، مکہ، یمن بھیجا تھا۔ ایک قول یہ ہے کہ پانچ نسخے لکھوائے تھے۔ ایک اپنے پاس رکھا اور چار مختلف ممالک میں بھجوائے۔ ابو عمرو دانی نے کہا چار لکھوائے تھے ایک اپنے پاس رکھا اور بقیہ دیگر ممالک میں بھیجا۔ ابو حاتم سجستانی نے کہا سات لکھوائے تھے۔ تعداد میں اختلاف ہے مگر اس پر اتفاق ہے کہ حضرت عثمان نے حضرت حفصہ کے یہاں سے حضرت صدیق اکبر کا جمع فرمودہ صحیفہ منگایا۔ اور اس سے متعدد نسخے لکھوائے۔ اور مختلف ممالک میں بھجوائے۔

ت۔ دوم۔ عبداللہ بن عمر بن عاصم بن عمر الفاروق اور یحییٰ بن سعید انصاری اور امام مالک نے اسے جائز بتایا۔

ت۔ سوم۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دس یا بارہ مہاجرین کے ساتھ حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مکہ کی طرف بھیجا۔ ان کو ایک خط دیا۔ کہ دو دن سفر کرنے کے بعد اسے پڑھنا اور اس میں جو لکھا ہے اس پر عمل کرنا۔ انہوں نے دو دن کے بعد اسے پڑھا۔ تو اس میں یہ تھا۔ کہ بطن نخلہ تک جاؤ اور قریش کے تجارتی قافلے کی گھات میں رہنا۔ ہمراہی خوشی سے جائیں تو بہتر۔ کسی کو مجبور مت کرنا۔ یہ جب بطن نخلہ پہنچے تو قافلہ سامنے آگیا یہ رجب کی پہلی تاریخ تھی۔ انتیس جمادی الآخرہ کو چاند ہو چکا تھا۔ انھیں ۲۹ کے چاند کی خبر نہ تھی تیس جمادی الآخرہ سمجھ کر قافلے پر حملہ کر دیا عمرو بن الحضرمی کو قتل کیا۔ اور حکم بن کعب اور

رَجُلًا وَّأَمَرَهٗ أَنْ يَّدْفَعَهٗ إِلَى عَظِيمِ الْبَحْرَيْنِ فَدَفَعَهٗ عَظِيمُ الْبَحْرَيْنِ إِلَى كِسْرٰى فَلَمَّا

بحرین کے مالک نے یہ خط کسریٰ کے پاس بھجوا دیا۔ جب کسریٰ نے یہ خط پڑھا تو پھاڑ ڈالا ۔ (ابن شہاب نے کہا)

قَرَأَهٗ مَزَّقَهٗ فَحَسِبْتُ أَنَّ ابْنَ الْمُسَيَّبِ قَالَ فَدَعَا عَلَيْهِمْ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى

میرا گمان ہے کہ ابن مسیب نے یہ کہا اس پر حضور نے ایرانیوں کی ہلاکت کی دعا کی ،

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ يُّمَزَّقُوا كُلَّ مُمَزَّقٍ ﴿۵۵﴾ حدیث خاتم عَنْ أَنَسِ ابْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللّٰهُ

کہ وہ پاش پاش ہو جائیں ۔ انس ابن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا۔

تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ كَتَبَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كِتَابًا أَوْ أَرَادَ أَنْ يَّكْتُبَ،

نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے خط لکھا ۔ یا خط لکھوانے کا ارادہ فرمایا ۔

فَقِيلَ لَهٗ إِنَّهُمْ لَا يَقْرَؤُنَ كِتَابًا إِلَّا مَخْتُومًا فَاتَّخَذَ خَاتَمًا مِّنْ فِضَّةٍ نَقْشُهٗ مُحَمَّدٌ

تو عرض کیا گیا یہ لوگ صرف مہر بند ہی خط پڑھتے ہیں ۔ تو حضور نے چاندی کی انگوٹھی بنائی جس پر "محمد رسول اللہ"

رَّسُولُ اللّٰهِ ، كَأَنِّي أَنْظُرُ إِلٰى بَيَاضِهٖ فِي يَدِهٖ فَقُلْتُ لِقَتَادَةَ مَنْ قَالَ نَقْشُهٗ

کندہ تھا۔ گویا میں دست مبارک میں انگوٹھی کی سفیدی دیکھ رہا ہوں۔ (شعبہ نے کہا) میں نے قتادہ سے پوچھا کس نے کہا،

مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللّٰهِ ، قَالَ أَنَسٌ ۔ ﴿۵۶﴾ حدیث ثلثۃ نفر عَنْ أَبِي وَاقِدِ اللَّيْثِيِّ رَضِيَ

کہ اس کا نقش "محمد رسول اللہ" تھا تو انہوں نے بتایا ، انس نے ابو واقد لیثی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَيْنَمَا هُوَ جَالِسٌ فِي الْمَسْجِدِ

سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مسجد میں بیٹھے ہوئے تھے ۔

عثمان بن عبداللہ کو قید کرلیا ۔ امام بخاری کا استدلال یہ ہے کہ اگر خط لائق اعتبار نہیں ہوتا ۔ تو حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یہ حکم لکھ کر نہ دیتے۔

تشریح ﴿۵۴﴾

چہارم یہ حدیث ذکر فرمائی ۔

یہاں بھی وہی استدلال کیا ہے کہ اگر مکتوب حجت نہیں ہوتا تو حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کیوں بھیجتے ۔ اور جب کسریٰ نے اسے پھاڑ ڈالا ۔ تو اس پر اتنا جلال کیوں فرمایا ۔

تشریح ﴿۵۵﴾

یہاں بھی وہی استنباط ہے کہ اگر مکتوب مسموع کے مثل واجب التسلیم نہیں تھا ۔ تو خط کیوں لکھا ۔

وَالنَّاسُ مَعَهُ، إِذَا أَقْبَلَ ثَلٰثَةُ نَفَرٍ فَأَقْبَلَ اِثْنَانِ إِلَى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

اور لوگ بھی حضور کے ساتھ تھے کہ تین شخص سامنے سے گذرے۔ دو شخص تو خدمت میں حاضر ہوئے ۲ے

وَذَهَبَ وَاحِدٌ قَالَ فَوَقَفَا عَلَى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَمَّا أَحَدُهُمَا

اور ایک چلا گیا۔ یہ دونوں آکر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ کے سامنے کھڑے ہوئے ان میں سے ایک نے

فَرَأَى فُرْجَةً فِي الْحَلْقَةِ فَجَلَسَ فِيهَا وَأَمَّا الْآخَرُ فَجَلَسَ خَلْفَهُمْ وَأَمَّا الثَّالِثُ

حلقہ میں گنجائش دیکھی وہاں بیٹھ گیا ۳ے اور دوسرا لوگوں کے پیچھے بیٹھ گیا ۴ے اور تیسرا چلا گیا۔

فَأَدْبَرَ ذَاهِبًا فَلَمَّا فَرَغَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ أَلَا أُخْبِرُكُمْ

جب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فارغ ہوئے ۵ے تو فرمایا کیا میں تینوں کے بارے

عَنِ النَّفَرِ الثَّلٰثَةِ، أَمَّا أَحَدُهُمْ فَأَوَى إِلَى اللّٰهِ فَآوَاهُ اللّٰهُ وَأَمَّا الْآخَرُ فَاسْتَحْيَى فَاسْتَحْيَى

میں نہ بتاؤں۔ ایک نے اللہ کی طرف پناہ لی ۶ے تو اللہ نے اسے پناہ دی۔ دوسرے نے حیا کی۔ تو اللہ نے بھی

اللّٰهُ مِنْهُ وَأَمَّا الْآخَرُ فَأَعْرَضَ، فَأَعْرَضَ اللّٰهُ عَنْهُ۔ لہ

اس سے حیا فرمائی ۷ے اور ایک نے منہ پھیرا تو اللہ نے بھی اس سے نظر رحمت پھیر لی ۸ے۔

تشریحات (۵۶)

ابو واقد لیثی رضی اللہ تعالیٰ عنہ (۱) یہ اپنی کنیت کیساتھ مشہور ہیں۔ صحیح یہ ہے کہ ان کا نام حارث بن عوف ہے۔ بنی کنانہ سے ہیں راجح یہ ہے کہ فتح مکہ کے موقع پر ایمان لائے انہوں نے خود فرمایا کہ میں غزوہ حنین میں شریک ہوا۔ نیا نیا مسلمان تھا۔ جنگ یرموک میں شریک رہے۔ اخیر عمر میں مکہ معظمہ کی سکونت اختیار کر لی تھی۔ سال بھر رہنے پلئے تھے۔ کہ وصال ہو گیا۔ وہیں مہاجرین کے قبرستان میں آسودہ ہیں۔ ہجرت سے تین سال قبل پیدا ہوئے ۶۸ھ میں پچہتر سال کی عمر پا کر واصل بحق ہوئے۔ ان سے چوبیس احادیث مروی ہیں۔ یہ ایک حدیث متفق علیہ ہے۔ صحابہ میں ابو واقد دو ادر ہیں۔ ایک ابو واقد مولیٰ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم دوسرے ابو واقد نمیری۔

تکمیل (۲) یہ تینوں کہیں جا رہے تھے راستے میں مسجد اقدس پڑی دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مسجد میں موجود ہیں۔ ایک بلا توقف حاضر ہوئے اور ایک کچھ دور آگے بڑھ کر پھر واپس ہوئے۔ دو مجلس میں حاضر ہوئے۔ ایک نہیں آیا دونوں نے حاضر ہو کر سلام کیا۔ پھر بیٹھے۔ (۳) اس سے معلوم ہوا کہ مجلس میں اگر جگہ خالی ہو تو اسے پُر کر دینا اچھا ہے۔ بشرطیکہ کسی کو ایذا نہ دینی پڑے۔

لہ یہ حدیث امام بخاری نے کتاب الصلاۃ میں بھی ذکر کی ہے اور امام مسلم و ترمذی نے استیذان میں اور نسائی نے کتاب العلم میں۔ امام مالک نے مؤطا باب السلام میں

(۵۷) حدیث "لیبلغ الشاھد الغائب"

عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ اَبِیْ بَکْرَۃَ عَنْ اَبِیْہِ قَالَ ذَکَرَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ

عبدالرحمن ابن ابی بکرہ ولد اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا تذکرہ کیا۔

قَعَدَ عَلٰی بَعِیْرِہٖ وَاَمْسَکَ اِنْسَانٌ بِخِطَامِہٖ اَوْ بِزِمَامِہٖ قَالَ اَیُّ یَوْمٍ ھٰذَا فَسَکَتْنَا

کہ حضور (حجۃ الوداع) میں اونٹ پر جلوہ فرما تھے ایک صاحب نے نکیل تھامی پھر حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا۔ آج کون دن ہے؟ ہم لوگ خاموش رہے۔

(۴) مجلس بھیر کر جانے میں ضرور کچھ انتشار کا اندیشہ ہوتا ہے۔ اسلئے جگہ خالی ہوتے ہوئے بھی کنارے بیٹھنا پسندیدہ ہے۔ یا یہ کہ جگہ اب خالی نہ تھی۔ اسلئے یہ کنارے بیٹھ گئے اس تقدیر پر مستفاد ہوا کہ اگر مجلس میں جگہ نہ ہو تو زبردستی گھسنا لوگوں کو اٹھا کر یا دبا کر بیٹھنا منع ہے۔

(۵) کسی کام میں مصروف تھے اس سے فارغ ہوئے۔ مثلاً صحابہ کو کوئی مسئلہ تعلیم فرمارہے تھے۔ وعظ کہہ رہے تھے اس سے فارغ ہوئے۔

(۶) یہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے۔ اسے اللہ کی پناہ سے تعبیر فرمایا۔ تو معلوم ہوا کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا قرب، قرب الٰہی اور ان کے دامن میں پناہ لینی حفظ الٰہی میں پناہ لینی ہے نیز معلوم ہوا کہ علم دین کی مجلس والے اللہ کے حفظ اور اسکی رحمت تلے ہوتے ہیں۔

(۷) اللہ عزوجل کے حیا فرمانے سے مراد یہ ہے کہ درگذر فرمائے۔ رحمت سے حصہ دے۔ عذاب سے محفوظ رکھے۔

(۸) ثابت ہوا کہ حضور سے اعراض۔ اللہ سے اعراض ہے۔ نیز معلوم ہوا کہ مجلس خیر ہو رہی ہو اور کوئی عذر نہ ہو تو اس میں ضرور شریک ہو جانا چاہیئے۔ نیز کسی دینی مقتدا کے سامنے سے گذر ہو تو ان کی مجلس میں ضرور حاضر ہو۔ اور اگر کوئی عذر ہو تو نہ حاضر ہونے میں کوئی حرج نہیں اس سے ظاہر ہے کہ یہ تیسرا شخص جو چلا گیا۔ اسے کوئی عذر نہ تھا۔ یا یہ کہ وہ منافق رہا ہو۔ یا اللہ کے اعراض فرمانے سے مراد یہ ہے کہ ثواب سے محروم فرمایا۔

تشریحات (۵۷)

عبدالرحمٰن بن ابوبکرہ

(۱) تابعی، حضرت ابوبکرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ مشہور صحابی کے فرزند ہیں ۱۴ سنہ میں پیدا ہوئے۔ یہ سب سے پہلے مولود ہیں۔ جو بصرہ میں مسلمانوں میں پیدا ہوئے اپنے والد اور حضرت علی وغیرہ سے حدیث سنی ۹۹ سنہ میں وفات پائی۔

(۲) یہ حدیث امام بخاری نے حضرت ابن عباس و حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے بھی باختلاف الفاظ ذکر کی ہے۔ ابن مندہ نے

حَتّٰی ظَنَنَّا اَنَّہٗ سَیُسَمِّیْہِ سِوَی اسْمِہٖ قَالَ اَلَیْسَ یَوْمَ النَّحْرِ قُلْنَا بَلٰی قَالَ فَاَیُّ شَہْرٍ

یہاں تک کہ ہم نے گمان کیا کہ اس دن کا اور کوئی نام رکھیں گے ۔ فرمایا کیا آج یوم النحر نہیں ہے ۔ ہم نے عرض کیا ہاں ہے پھر فرمایا یہ کون مہینہ ہے

ھٰذَا فَسَکَتْنَا حَتّٰی ظَنَنَّا اَنَّہٗ سَیُسَمِّیْہِ بِغَیْرِ اسْمِہٖ قَالَ اَلَیْسَ بِذِی الْحِجَّۃِ

ہم لوگ چپ رہے یہاں تک کہ ہمیں گمان ہوا کہ اسکا اور کوئی نام رکھیں گے پھر فرمایا کیا یہ ذوالحجہ کا مہینہ نہیں ہے ؟ ۔

اپنے مستخرج میں سترہ صحابہ سے یہ حدیث روایت کی ہے ۔ (۳) یہی دلیل ہے کہ یہ خطبہ دس ذوالحجہ کو ارشاد فرمایا تھا ۔

(۴) یہ صاحب کون تھے ؟ تین قول ہیں ۔ ایک یہ کہ حضرت بلال تھے ۔ اس کی تائید نسائی کی ام الحصین رضی اللہ تعالیٰ عنہا، کی حدیث سے ہوتی ہے ۔ انھوں نے کہا کہ میں نے حج کیا اور دیکھا کہ بلال آنحضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سواری کی نکیل پکڑے اسے کھینچ رہے ہیں، دوسرا قول یہ ہے کہ یہ صاحب، عمرو بن خارجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے ۔ جیسا کہ سنن میں خود ان سے مروی ہے کہ انھوں نے کہا اس موقع پر میں ناقہ مبارکہ کی نکیل پکڑے رہتا پھر انھوں نے اس خطبے کا کچھ حصہ ذکر کیا ۔ تیسرے یہ کہ یہ حضرت ابوبکرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہی تھے ۔ اس کی تائید بطریق ابن مبارک عن عون، اسمٰعیلی کی روایت سے ہوتی ہے ۔ جسکے الفاظ یہ ہیں ۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سواری پر بیٹھے بیٹھے یوم النحر میں خطبہ دیا ۔ اور میں سواری کی نکیل تھامے ہوئے تھا ۔ علامہ ابن حجر نے فرمایا یہی صواب ہے ۔

(۵) یہ خطبہ یوم النحر دسویں ذوالحجہ کو ارشاد فرمایا تھا ۔ جس پر حدیث کا یہ حصہ، کیا یہ یوم النحر نہیں، دلالت کرتا ہے ۔ نیز کتاب الحج میں اس کی تصریح ہے ۔ کہ یہ خطبہ یوم النحر کو دیا تھا ۔ اور خطبہ منیٰ میں ارشاد فرمایا تھا ۔ جیسا کہ کتاب الحج میں ابن عمر کی حدیث میں تصریح ہے کہ جمرات کے درمیان ارشاد فرمایا تھا ۔

(۶) خود امام بخاری نے کتاب الحج اور اضاحی میں اور امام مسلم وغیرہ نے جو روایات ذکر کی ان میں یہ ہے ۔ ہم لوگوں نے عرض کیا ۔ اللہ اور اس کے رسول خوب جانتے ہیں ۔ حضور خاموش رہے یہاں تک کہ ہم نے گمان کیا کہ اس کا کچھ اور نام رکھیں گے ۔ اب اس روایت میں جو ،، فسکتنا ،، ہے اس کا مطلب یہ ہوا کہ ،، اللہ ورسولہ اعلم ،، کہہ کر ہم خاموش ہوگئے ۔ اور حضور نے بھی کچھ دیر خاموشی اختیار فرمائی ۔ پھر دوسرا سوال کیا ۔

تکمیل (۷) ۔ یہاں کی روایت میں اختصار ہے ۔ سوال صرف دو ہے ۔ مگر کتاب الحج، کتاب الاضاحی کی روایت میں یہ سوال زائد ہے ای بلد ھٰذا ۔ یہ کون شہر ہے ؟ اسی وجہ سے اخیر میں فی بلدکم ھٰذا ۔ اتنا اور زائد ہے کہ فرمایا ۔ تم بہت جلد اپنے پروردگار سے ملوگے وہ تم سے تمہارے اعمال کے بارے میں پوچھے گا ۔ میرے بعد گمراہ نہ ہوجانا ۔ کہ ایک دوسرے کی گردن مارے ۔ اور اخیر میں فرمایا ۔ سنو ! کیا میں نے پہونچا دیا ۔ سنو ! کیا میں نے پہونچا دیا ۔ لوگوں نے عرض کیا ۔ ہاں ۔ فرمایا اے اللہ گواہ رہ ۔ اور لوٹتوں

قُلْنَا بَلٰی۔ قَالَ فَاِنَّ دِمَائَكُمْ وَاَمْوَالَكُمْ وَاَعْرَاضَكُمْ بَيْنَكُمْ حَرَامٌ كَحُرْمَةِ يَوْمِكُمْ

ہم نے عرض کیا جی ہاں۔ پھر فرمایا بے شک تمھارے خون تمھارے مال تمھاری آبرو ایک دوسرے پر ایسے ہی حرام ہیں جیسے اس دن کی حرمت

هٰذَا فِیْ شَهْرِكُمْ هٰذَا فِیْ بَلَدِكُمْ هٰذَا لِيُبَلِّغِ الشَّاهِدُ الْغَائِبَ فَاِنَّ الشَّاهِدَ

اس مہینے میں تمھارے اس شہر میں ہے حاضر کو لازم ہے کہ غائب کو میرا یہ ارشاد پہونچا دیں۔ کہ یہ ہو سکتا ہے کہ حاضر کے

عَسٰی اَنْ يُّبَلِّغَ مَنْ هُوَ اَوْعٰی لَهٗ مِنْهُ[1]۔

بہ نسبت غائب میرے ارشاد کو زیادہ یاد رکھنے والا ہو۔

میں تقدیم و تاخیر ہے۔

شاہد کے معنی "حاضر" ہیں (۸) یہاں شاہد کے معنی حاضر متعین ہے۔ اور اس پر اجماع ہے۔ یہ حدیث دلیل ہے کہ "شاہد" کے معنی "حاضر" ہیں اور حاضر اگر اندھا نہیں تو اسے ناظر ہونا لازم۔ اسلئے آیت کریمہ "اِنَّا اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا" میں شاہد کا ترجمہ حاضر و ناظر کرنا اس حدیث کے مطابق ہے۔

فوائد (۹) حدیث کا یہ حصہ دلالت کرتا ہے کہ ایسا ہو سکتا ہے کہ بعد میں آنے والا بہ نسبت اگلے کے حدیث کو زیادہ یاد کرلے۔ اور زیادہ اچھی طرح سمجھ لے۔ اگرچہ بہت کم ہی سہی۔ اسلئے کہ اوعیٰ کے معنی زیادہ یاد رکھنے والا ہے اور زیادہ سمجھنے والا ہے۔ عینی میں ہے۔ من الوعی وھو الحفظ والفھم۔

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ خطیب عند الضرورت جانور پر سوار ہو کر خطبہ دے سکتا ہے۔ یہ بھی ثابت ہوا کہ خطیب کو سامعین سے بلند مقام پر ہو تو بھی کوئی حرج نہیں۔ بلکہ مجمع اگر زیادہ ہو تو ایسا بہتر ہے تاکہ آواز دور تک پہونچے اور لوگ خطیب کو دیکھ سکیں۔

ان العلماء ھم ورثۃ الانبیاء ورثوا العلم من اخذہ اخذ بحظ وافر ومن — بیشک علما ہی انبیاء کے وارث ہیں انبیاء نے علم ہی میراث چھوڑی جسنے علم حاصل کیا اس

سلک طریقا یطلب العلم سھل اللہ لہ طریقا الی الجنۃ۔ — نے پورا حصہ پالیا جو علم طلب کرنے کیلئے کوئی راستہ طے کرتا ہے تو اللہ اسکیلئے جنت کا راستہ آسان

یہ حدیث کا جز ہے پوری حدیث حضرت ابو الدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یوں مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو علم دین کی تحصیل کے لئے سفر کرے۔ اللہ تعالیٰ اسے جنت کے راستے پر چلا دیتا ہے۔ طالب علم کی رضا کے لئے فرشتے اپنے بازو بچھا دیتے ہیں اور عالم کے لئے آسمان والے اور زمین والے اور مچھلیاں پانی کے اندر دعائے مغفرت کرتی ہیں۔ بیشک عالم کی فضیلت عابد (غیر عالم) پر ایسی ہے جیسے بدر کامل کی تمام ستاروں پر۔ اور بلا شبہ علماء انبیاء کے وارث ہیں۔ انبیاء نے درہم و دینار میراث نہیں چھوڑا بلکہ علم چھوڑا۔ جس نے علم حاصل کیا اس نے انبیاء کی میراث سے پورا حصہ لیا۔

[1] امام بخاری نے یہ حدیث کتاب الحج اور تفسیر اور بدء الخلق اور اضاحی اور فتن میں بھی ذکر فرمایا اور امام مسلم نے دیات میں اور نسائی نے حج اور علم میں ابو داؤد نے تطوع میں ابن ماجہ نے مقدمہ میں دارمی نے مناسک میں اور امام احمد نے مسند میں بھی ذکر کیا ہے۔

ت ⑭ قَالَ اَبُوْذَرٍ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ لَوْ وَضَعْتُمُ الصَّمْصَامَۃَ عَلٰی ھٰذِہٖ وَ

ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا۔ اگر تم تیز تلوار، میری گدی پر رکھ دو

اَشَارَ اِلٰی قَفَاہُ ثُمَّ ظَنَنْتُ اَنِّیْ اُنْفِذُ کَلِمَۃً سَمِعْتُھَا مِنَ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی

پھر مجھے یہ گمان ہو کہ تلوار کے کام کرنے سے پہلے وہ ایک کلمہ جو نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے سنا ہے کہہ

عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَبْلَ اَنْ تُجِیْزُوْا عَلَیَّ لَاَنْفَذْتُھَا۔ سکوں گا تو بھی اسے ضرور کہوں گا۔

اس حدیث کو ابو داؤد، ترمذی، ابن حبان اور حاکم نے بافادۂ تصحیح روایت کیا حمزہ کنانی نے حسن کہا۔ کچھ لوگوں نے اضطراب کی بنا پر ضعیف کہا ہے۔ مگر علامہ ابن حجر نے فرمایا۔ جو اس کے شواہد ہیں اس سے یہ قوی ہوگئی۔ امام بخاری نے صاف صاف نہیں فرمایا کہ یہ حدیث ہے۔ اسی لئے تعلیقات میں بھی نہیں گنی جاتی مگر جب یہاں ذکر کیا تو معلوم ہوا اس کی کچھ اصل ان کے یہاں بھی ہے۔ پھر اسکے مضمون کی تائید قرآن مجید سے بھی ہوتی ہے۔ ارشاد باری ہے۔ ثُمَّ اَوْرَثْنَا الْکِتٰبَ الَّذِیْنَ اصْطَفَیْنَا مِنْ عِبَادِنَا۔ ہم نے اپنے منتخب بندوں کو کتاب کا وارث بنایا۔ میراث پانے والا وارث کہلاتا ہے۔ تو ثابت ہوا کہ یہ برگزیدہ بندے انبیاء کے وارث ہیں۔

تشریحات ⑭

① مسند دارمی اور حلیہ میں اس کی پوری تفصیل یہ ہے کہ حضرت ابوذر، جمرۂ وسطی کے قریب بیٹھے تھے اور لوگ ان کے ارد گرد اکٹھے ہو کر مسائل پوچھ رہے تھے۔ اتنے میں ایک قریشی صاحب آگئے اور کہا۔ کیا تم کو فتوی دینے سے روک نہیں دیا گیا ہے۔ ہ حضرت ابوذر نے سر اٹھا کر کہا۔ کیا تم میرے نگہبان ہو ؟ اگر تم میری گردن پر تیز تلوار رکھ دو۔ الخ۔

قصہ یہ ہے کہ حضرت ابوذر کا مسلک یہ تھا کہ مال جمع کرنا حرام ہے جو ملے خرچ کر ڈالو۔ اس پر اس آیت کریمہ سے استدلال کرتے تھے۔

اِنَّ الَّذِیْنَ یَکْنِزُوْنَ الذَّھَبَ وَالْفِضَّۃَ، الاٰیَۃَ ـــ جو لوگ سونا چاندی جمع کرتے ہیں۔ پھر اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے عنقریب یہ سونا چاندی ان کے گلے میں طوق بنا کر ڈال دیا جائے گا اور ان کے لئے دردناک عذاب ہے۔

حضرت ابوذر پہلے دمشق میں رہتے تھے۔ اور علانیہ ہر جگہ اپنے اس خیال کی تبلیغ فرماتے تھے۔ اس معاملہ میں ان کا معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے جھگڑا تھا۔ معاویہ نے حضرت عثمان کو لکھا انہوں نے حضرت ابوذر کو مدینہ بلالیا۔ انکو سمجھایا بجھایا مگر یہ نہ مانے۔ اور لوگوں سے اس مسئلے میں جھگڑتے رہے۔ اس وجہ سے حضرت عثمان نے فتوی دینے سے روک دیا اور انھیں ربذہ بھیجدیا اور وہیں ان کا وصال ہوا۔

علم دین چھپانے کی وعید | ② حدیث میں ہے کہ فرمایا۔ من سُئِلَ عن علم ھو یعلمہ فلیقل لہ جب کسی کوئی علمی سوال کیا گیا اور

حدیث (۵۸) یسروا ولا تعسروا

عَنْ اَنَسٍ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ یَسِّرُوْا وَلَا تُعَسِّرُوْا وَبَشِّرُوْا وَلَا تُنَفِّرُوْا[1]

انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا لوگوں پر آسانی کرو اور سختی مت کرو۔ خوشخبری سناؤ نفرت مت دلاؤ۔

حدیث (۵۹) وعظ کے لئے دن مقرر کرنا

عَنْ اَبِیْ وَائِلٍ قَالَ کَانَ عَبْدُ اللّٰہِ یُذَکِّرُ النَّاسَ فِیْ کُلِّ خَمِیْسٍ، فَقَالَ لَہٗ رَجُلٌ یَا اَبَا عَبْدِ الرَّحْمٰنِ لَوَدِدْتُ اَنَّکَ ذَکَّرْتَنَا کُلَّ یَوْمٍ، قَالَ اَمَا اِنَّہٗ یَمْنَعُنِیْ مِنْ ذٰلِکَ اِنِّیْ اَکْرَہُ اَنْ اُمِلَّکُمْ وَاِنِّیْ اَتَخَوَّلُکُمْ بِالْمَوْعِظَۃِ کَمَا کَانَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَتَخَوَّلُنَا بِھَا مَخَافَۃَ السَّاٰمَۃِ عَلَیْنَا[2]

ابو وائل نے کہا عبد اللہ بن مسعود ہر جمعرات کو لوگوں کے سامنے وعظ کرتے۔ ایک شخص نے کہا اے ابو عبد الرحمٰن میں چاہتا ہوں کہ آپ ہمارے سامنے روزانہ وعظ کہیں۔ فرمایا سنو! مجھے اس سے یہ بات روکتی ہے میں یہ پسند نہیں کرتا کہ تم لوگ اکتا جاؤ۔ وعظ کے لئے تمہارے نشاط اور توجہ کا لحاظ رکھتا ہوں جیسا کہ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہمارے اکتانے کے اندیشے سے ہمارا لحاظ فرماتے تھے۔

وہ جانتا ہے تو اسے بتائے۔ ایک دوسری حدیث میں ہے من سئل عن علم فکتمہ الجم یوم القیام بلجام من النار جس سے کوئی دین کی بات پوچھی گئی اور اس نے نہیں بتایا تو اسے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن آگ کی لگام لگائے گا۔ دوسری حدیث میں فرمایا حق چھپانے والا گونگا شیطان ہے۔

ان احادیث کی وجہ سے کلمۂ حق نہ بیان کرنے اور وہ بھی سوال کے بعد نہ بتانے کو حضرت ابوذر گناہ جانتے تھے۔ اور خلیفۂ وقت کی اطاعت معصیت میں نہیں۔ اسلئے حضرت ابوذر باوجود ممانعت کے احادیث بیان کرنے اور فتویٰ دینے سے باز نہیں آئے۔

تشریح (۵۸)

بشارت کے معنی اچھی خبر دینا۔ مطلب یہ ہے کہ جو لوگ نومسلم ہیں یا جو بچے قریب البلوغ ہیں انھیں دین کا رفتہ رفتہ پابند بناؤ۔ والیان مملکت اور حکام پر لازم ہے کہ لوگوں پر شفقت و مہربانی رکھیں ان پر انکی طاقت سے زیادہ بوجھ نہ ڈالیں۔ لوگوں کو اللہ کی رحمت اس کے فضل و کرم کی امید دلائیں لوگوں کے سامنے اسکے وسعت کرم رحم کو بیان کریں صرف اسکی شان قہر و جلال نہ بیان کریں ایسا نہ کریں کہ لوگ

[1] امام بخاری نے ادب میں امام مسلم نے مغازی میں نسائی نے علم میں ذکر کیا ہے۔ [2] ایضاً علم میں دو جگہ۔ اور دعوت میں امام مسلم نے توبہ میں ترمذی نے استیذان میں بھی ذکر کیا ہے۔

(۶۰) حدیث: إنما انا قاسم واللہ یعطی

قَالَ حُمَيْدُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ سَمِعْتُ مُعَاوِيَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ خَطِيْبًا يَقُوْلُ

حمید بن عبدالرحمن نے کہا میں نے معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خطبہ دیتے ہوئے سنا وہ کہہ رہے تھے۔

تشریحات (۵۹)

کسی کار خیر کے لئے دن مقرر کرنا (۱) اس سے ثابت ہوا کہ اگر کسی اچھے کام کیلئے شرعًا وقت مقرر نہ ہو تو اس کے لئے از خود، دن مقرر کرنا صحابہ کی سنت ہے۔ اسی کے پیش نظر اہلسنت، میلاد شریف، عرس، فاتحہ کے لئے دن تاریخ مقرر کرتے ہیں ــــ اس سے ایک فائدہ یہ ہے کہ جب کسی کام کیلئے دن وقت مقرر ہوتا ہے تو لوگ پہلے سے اپنے ضروری کام انجام دیکر اس وقت کو محفوظ رکھتے ہیں۔

اتنا لمبا وعظ نہ کہا جائے کہ لوگ اکتا جائیں (۲) اس سے معلوم ہوا کہ وعظ تقریر اتنی لمبی نہ کی جائے کہ سننے والے اکتا جائیں۔ اعتبار صرف ان لوگوں کے اکتانے نہ اکتانے کا ہے جو دینی ذوق رکھتے ہیں۔ ہر کس وناکس عوام کالانعام کا نہیں۔

تشریحات (۶۰)

حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ (۱) یہ حضرت ابوسفیان کے صاحبزادے بہت مشہور و معروف صحابی ہیں۔ اور اول ملوک اسلام ہیں۔ انکی ولادت ہجرت سے آٹھ سال پہلے ہوئی۔ یہ بھی ان چند صحابہ میں سے ہیں جن کے والدین کو بھی دولت اسلام نصیب ہوئی۔ مشہور یہ ہے کہ یہ فتح مکہ کے دن ایمان لائے۔ لیکن انھوں نے خود یہ بتایا کہ میں عمرۃ القضاء کے پہلے مسلمان ہو گیا تھا۔ مگر ماں کے ڈر سے ظاہر نہ کر سکا۔[ع۱]

غنائم حنین سے ان کو بھی سو اونٹ اور چالیس اوقیے چاندی مرحمت فرمایا تھا۔ یہ اسلام لانے کے بعد مقرب بارگاہ ہو گئے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے کاتبین میں یہ بھی ہیں۔ بلکہ بہت سے حضرات اس کے بھی قائل ہیں کہ یہ کاتب وحی بھی تھے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لئے دعائیں دی ہیں۔

اَللّٰهُمَّ اجْعَلْهُ هَادِيًا وَّ مَهْدِيًّا وَاهْدِ بِهٖ[ع۲]۔ اے اللہ معاویہ کو ہدایت دینے والا ہدایت یافتہ بنا اور اسکے ذریعے سے ہدایت دے۔ اور ارشاد فرمایا۔

اَللّٰهُمَّ عَلِّمِ الْمُعَاوِيَةَ الْكِتَابَ وَالْحِسَابَ وَقِهِ الْعَذَابَ[ع۳]۔ اے اللہ معاویہ کو کتاب اللہ اور حساب سکھا اور اسے عذاب سے بچا۔
ایک بار حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو وضو کرایا۔ تو فرمایا۔ اے معاویہ، اگر تم اس چیز یعنی حکومت کو پاؤ تو اللہ سے ڈرنا

ع۱ اصابہ وغیرہ۔ ع۲ ترمذی۔ ع۳ اسد الغابہ۔

سَمِعْتُ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ مَنْ یُّرِدِ اللّٰہُ بِہٖ خَیْرًا یُّفَقِّھْہُ فِی

میں نے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے سنا۔ حضور فرماتے تھے۔ اللہ جس کے ساتھ بہت زیادہ بھلائی کا ارادہ کرتا ہے اسے دین میں سمجھ

اور انصاف کرنا حضرت معاویہ کہتے ہیں کہ اس سے مجھے یقین تھا کہ مجھے حکومت ملے گی۔ انھیں ۱۹ھ میں حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ نے ان کے بھائی یزید بن سفیان کے وصال کے بعد شام کا والی بنایا۔ اس وقت سے لیکر حسن مجتبیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مصالحت کے وقت تک بیس سال شام کے والی رہے۔ پھر بیس سال پورے مملکت اسلامیہ کے بادشاہ رہے۔ ۱۵ رجب ۶۰ھ میں وصال فرمایا اخیر عمر میں لقوہ ہو گیا تھا یہی پیام اجل ثابت ہوا۔ ان کے پاس تبرکات نبوی میں، کرتا، چادر، تہبند اور ناخن مبارک کے کچھ تراشے اور موئے مبارک تھے۔ وصیت کر گئے تھے کہ مجھے انھیں متبرک کپڑوں میں کفن دینا۔ اور ناخن اقدس کے تراشے اور موئے مبارک میری آنکھ ناک، منھ اور سجدہ کے اعضاء میں رکھ دینا۔ اور مجھے ارحم الراحمین کے سپرد کر دینا۔ اسی کے مطابق کیا گیا۔ وصال کے وقت عمر ۷۸ سال کی تھی۔

ان سے ایک سو تریسٹھ احادیث مروی ہیں۔ بخاری و مسلم نے چار اور صرف بخاری نے آٹھ اور صرف مسلم نے پانچ روایت کی ہیں ان سے اجلہ صحابہ مثلاً ابن عباس و ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے حدیث لی ہیں۔

ان کے عہد میں جب اندرونی طور پر اطمینان ہو گیا تو پھر فتوحات کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ سجستان۔ سوڈان وغیرہ کے کثیر بلاد اور قوہستان وغیرہ فتح ہوئے۔ اور قسطنطنیہ پر پہلا حملہ انھیں کے عہد میں ہوا۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ اختلافات کی وجہ سے کچھ لوگ ان پر طعن کرتے ہیں۔ لیکن کسی صحابی پر طعن کرنا جائز نہیں۔ قرآن مجید میں نص صریح ہے کہ اللہ عز و جل تمام صحابہ سے راضی ہے۔ ان سب سے جنت کا وعدہ فرمالیا ہے۔ ان سب پر کلمہ تقویٰ لازم فرمادیا ہے۔

ارشاد ہے۔

اَلسَّابِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهَاجِرِیْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِیْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ رَّضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ وَاَعَدَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ تَحْتَهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا اَبَدًا۔ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ عہ

سب میں اگلے پہلے مہاجر اور انصار اور جو بھلائی کے ساتھ انکے پیرو ہوئے۔ اللہ ان سے راضی وہ اللہ سے راضی اور ان کے لئے ایسے باغ تیار کر رکھے ہیں۔ جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں، جنمیں یہ لوگ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔ یہی بڑی کامیابی ہے۔

عہ مرقاۃ، اسد الغابہ وغیرہ عہ سورہ توبہ آیت ۱۰۰۔

اور فرمایا۔

وَاَلْزَمَهُمْ كَلِمَةَ التَّقْوٰى وَكَانُوْٓا اَحَقَّ بِهَا وَاَهْلَهَا سه — اور ان پر کلمہ تقوٰی لازم فرمادیا اور یہ اس کے مستحق اور اہل تھے

اور ارشاد ہے۔

كُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى للعه تمام صحابہ سے خواہ فتح مکہ سے پہلے کے ہوں یا بعد کے ہوں سب سے اللہ نے جنت کا وعدہ فرمالیا ہے یہ قرآن مجید کے نصوص قطعیہ ہیں ۔ اور جن واقعات پر طعن کیا جاتا ہے ۔ وہ سب خبر واحد اور اکثر ضعاف و مجروح ۔ ظاہر ہے کہ قرآن مجید کے مقابلے میں اخبار آحاد وہ بھی کتب تواریخ وہ بھی ضعاف کی کوئی حیثیت نہیں اس لئے ایمان کی سلامتی اسی میں ہے کہ قرآن مجید کے ارشادات پر ایمان رکھیں اور تواریخ کی لغو مہمل روایات کو سنیں بھی نہیں۔

لغات ② يُفَقِّهْهُ، باب تفعیل کا مضارع ہے ۔ اس کے معنی یہ ہیں ۔ اس کو فقیہ بنا دیتا ہے ۔ اس کا مادہ فِقْہٌ ہے جسکے معنی جاننے اور سمجھنے اور حذاقت و زیرکی کے ہیں ۔ اور شرعی معنی یہ ہیں ۔ احکام شرعیہ فرعیہ کو انکے تفصیلی دلائل سے جاننا۔ لاتزال اس کا مصدر زوال ہے سمع یسمع سے زَالَ يَزَالُ بھی آتا ہے اور نصر ينصر سے زَالَ يَزُوْلُ بھی دونوں میں فرق یہ ہے کہ ۔ زال یزال افعال ناقصہ سے ہے اور اسے حرف نفی لازم ہے ۔ زال یزول فعل تام ہے اور اسے حرف نفی لازم نہیں ۔ اُمَّۃٌ ، اس کے متعدد معانی ہیں ۔ جماعت ۔ طریقہ ۔ مدت ۔ پیشوا ۔ مالک ۔ مرد جامع خیر ۔ وہ شخص جو تنہا اپنی رائے پر چلنے کا عادی ہو ۔ انبیاء کے پیرو یہاں یہی اخیر معنیٰ مراد ہے

فضیلت فقہ ③ خیراً نکرہ سیاق شرط میں ہونے کی وجہ سے عموم کا افادہ کرتا ہے تو معنی یہ ہوئے کہ اللہ عزوجل جسے تمام دنیا و آخرت کی بھلائی عطا فرمانا چاہتا ہے اسے فقیہ بناتا ہے ۔ خیرٌ کی تنوین کو یہاں عظمت کے لئے لیں تو معنیٰ ہوں گے ۔ بہت زیادہ بھلائی عطا فرمانا چاہتا ہے ۔ اس سے ثابت ہوا کہ امت کے افراد میں سب سے افضل فقیہ ہے ۔ اسی لئے ایک حدیث میں فرمایا

فقيهٌ واحد اشد على الشيطان من الف عابدٍ عه ۔ ایک فقیہ ، ہزار عابد غیر فقیہ سے زیادہ شیطان پر بھاری ہے ۔

نیز ایک لمبی حدیث میں فرمایا ۔

خيارکم فی الجاهلية خيارکم فی الاسلام اذا فقهوا عه ۔ زمانہ جاہلیت میں جو لوگ تم میں سب سے بہتر تھے وہ اسلام میں بھی سب سے بہتر ہیں جبکہ فقیہ ہوں۔

یہ افضلیت اس فقیہ کے لئے ہے جو اپنے علم سے رضائے الٰہی کا طالب ہو اور دنیا دار فقیہ بدترین خلق ہے ۔ جیسا کہ ایک حدیث میں فرمایا

سه سورہ فتح آیت ۲۶ ۔ للعه حدید آیت ۱۰ ۔ عه ترمذی ابن ماجہ مشکوٰۃ ۔ عه مسلم ، مشکوٰۃ ۔

الدِّیْنِ ۔ وَاِنَّمَا اَنَا قَاسِمٌ وَاللّٰہُ یُعْطِیْ وَلَنْ تَزَالَ ھٰذِہِ الْاُمَّۃُ قَائِمَۃً عَلٰی اَمْرِ اللّٰہِ

عطا فرماتا ہے ۔ میں صرف بانٹنے والا ہوں اور اللہ دیتا ہے ۔ یہ امت ہمیشہ اللہ کے دین پر قائم

اِنَّ شَرَّ الشَّرِّ شِرَارُ الْعُلَمَاءِ وَاِنَّ خَیْرَ الْخَیْرِ خِیَارُ الْعُلَمَاءِ[۱] سب سے بدتر برے علماء ہیں ۔ اور سب سے اچھے اچھے علماء ہیں ۔

ایک اور حدیث میں فرمایا ۔

مَنْ طَلَبَ الْعِلْمَ لِیُجَارِیَ بِہِ الْعُلَمَاءَ اَوْ لِیُمَارِیَ بِہِ السُّفَھَاءَ اَوْ یَصْرِفَ وُجُوْہَ النَّاسِ اِلَیْہِ اَدْخَلَہُ اللّٰہُ النَّارَ[۲] ۔ جو اس لئے علم طلب کرے کہ علماء سے مقابلہ کرے گا یا جاہلوں سے جھگڑے گا یا لوگوں کو اپنی طرف مائل کرے گا ۔ اسکو اللہ تعالیٰ جہنم میں داخل فرمائے گا ۔

امام حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ۔ فقیہ ؛ وہ ہے جو دنیا سے بے تعلق ہو آخرت کی رغبت رکھتا ہو دین کے معاملے میں بصیرت رکھتا ہو ۔ اللہ کی عبادت کا پابند ہو ۔

حضور قاسم بھی ہیں اور خازن بھی

(۲) یہاں صرف قاسم ہے اور بخاری کتاب الجہاد میں تعلیقاً قاسم کے ساتھ خازن[۳] بھی ہے ۔ معانی کا قاعدہ ہے کہ فعل یا شبہ فعل کا متعلق یعنی اس کا مفعول وغیرہ جب محذوف ہوتا ہے ۔ تو وہ عموم کا افادہ کرتا ہے ۔ یہاں قاسمٌ، خازنٌ، یعطی تینوں کے مفعول محذوف ہیں ۔ تو اس سے عموم پر دلالت ہوئی ۔ معنیٰ یہ ہوئے کہ مخلوقات میں سے جس کسی کو اب تک جو کچھ ملا ۔ یا آئندہ ملے گا ان سب کا دینے والا اللہ ہے ۔ اور ان سب کا خازن میں ہوں ۔ اور ان سب کا بانٹنے والا میں ہوں ۔ جس طرح اللہ کے معطی ہونے میں کسی قسم کی کوئی تخصیص جائز نہیں ۔ اسی طرح حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے قاسم و خازن ہونے میں کسی قسم کی تخصیص جائز نہیں جسطرح تمام مسلمانوں کا اعتقاد ہے کہ عالم کی ہر نوع ہر فرد خواہ وہ فرشتے ہوں خواہ وہ انسان خواہ جن ہوں خواہ اور کچھ سب کو سب کچھ اللہ کی عطاء سے ملا ۔ اور ملے گا ۔ اسی طرح یہ اعتقاد بھی واجب کہ سب کو بلا استثناء جو کچھ ملا یا ملے گا وہ سب حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دئے سے ملا ۔ اس لئے جن لوگوں نے اسے علم کے ساتھ خاص کیا یہ درست نہیں ۔

حیات بھی از قسم عطا ہے تو سب کو حیات بھی حضور ہی کے ہاتھوں ملی ۔ تو ثابت ہوا کہ ہر ذی حیات سے پہلے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم موجود تھے ۔ اور آپکی تخلیق سارے عالم سے پہلے ہوئی ۔ خواہ وہ آدم علیہ السلام ہوں خواہ وہ جبرئیل امین و دیگر ملائکہ جسکی تائید اس مشہور حدیث سے ہوتی ہے جسے امام عبدالرزاق استاذ امام احمد بن حنبل نے حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ۔ فرمایا ۔
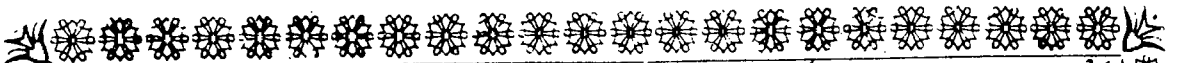
---

[۱] دارمی مشکوٰۃ ۔ [۲] ترمذی ابن ماجہ مشکوٰۃ ۔ [۳] بخاری صفحہ ۴۳۹ ج ۱ ۔

لَا یَضُرُّھُمْ مَنْ خَالَفَھُمْ حَتّٰی یَاْتِیَ اَمْرُ اللّٰہِ ع۵ ت (١۵) وَقَالَ عُمَرُ رَضِیَ اللّٰہُ

رہے گی۔ مخالفین ان کو ضرر نہیں پہونچا سکیں گے یہاں تک کہ قیامت آ جائے — حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ

عَنْہُ تَفَقَّھُوْا قَبْلَ اَنْ تُسَوَّدُوْا۔ ع١

نے فرمایا۔ سردار بنائے جانے سے پہلے علم حاصل کرو۔

یاجابر اِنَّ اللّٰہ تعالیٰ قد خلق قبل الاشیاء نُوْرَ نَبِیِّکَ مِنْ نُوْرِہٖ ع۲ — اے جابر! اللہ عز و جل نے تمام چیزوں سے پہلے تیرے نبی کے نور کو اپنے نور سے پیدا فرمایا

۵ یہاں قائمین علی امر اللہ ہے اور کتاب الجہاد میں ظَاھِرِیْنَ عَلٰی مَنْ خَالَفَھُمْ ہے۔ مراد یہ ہے کہ قیامت تک میری امت میں کچھ لوگ حق پر قائم رہیں گے۔ اور اپنے مخالفین پر ہمیشہ غالب رہیں گے۔ انکے مخالف ان پر کبھی فتح نہ پائیں گے۔ قیامت تک یہ حق پرست غالب رہیں گے۔ اور غلبے سے مراد دلیل و برہان سے غلبہ ہے۔ رہ گیا غلبہ بالسیف یہ ضروری نہیں کبھی ہوگا کبھی نہیں۔ گذر چکا اَلْحَرْبُ سِجَالٌ ینال منا ننال منہ " لڑائی ڈول ہے کبھی وہ ہم سے لے لیتے ہیں کبھی ہم ان سے لے لیتے ہیں۔

قرآن مجید میں ہے۔

تِلْکَ الْاَیَّامُ نُدَاوِلُھَا بَیْنَ النَّاسِ۔ — ان دنوں میں ہم نے لوگوں کی باری رکھی ہے۔

اسی طرح لا یضرھم سے مراد یہ ہے کہ ان کی برہان اور دلیل کو توڑ نہیں سکتے۔

تمام کلمہ گو حق پر نہیں

۶ ھٰذِہِ الْاُمَّۃ سے مراد پوری امت نہیں بلکہ اس کا بعض حصہ مراد ہے۔ جیسا کہ کتاب الاعتصام میں، حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے جو حدیث مروی ہے۔ اس میں طَائِفَۃٌ مِّنْ اُمَّتِیْ ہے یعنی میری امت کا ایک گروہ۔ اس سے ثابت ہوا کہ تمام کلمہ گو مدعی اسلام حق پر نہیں۔ حق پر صرف ایک فرقہ ہے۔

تشریح (١۵)

اس ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ انسان جب سردار ہو جاتا ہے تو حیا طلب علم سے مانع ہوتی ہے۔ اسلئے سردار بنائے جانے سے پہلے علم حاصل کر لینا چاہیئے۔ یا مراد یہ ہے کہ سردار کے لئے عالم ہونا ضروری ہے۔ تاکہ علم کی روشنی میں اپنے متعلقین پر سرداری کرے۔ امام بخاری نے فرمایا کہ سردار بنائے جانے کے بعد بھی علم حاصل کرتے رہو۔ مطلب یہ ہوا کہ تحصیل علم کی کوئی حد نہیں۔

ع١ اسے امام بخاری نے کتاب الجہاد باب فان للہ خمسہ اور اعتصام لا تزال طائفۃ من امتی میں بھی۔ اور امام مسلم نے امارت اور زکوٰۃ میں۔ ترمذی نے علم میں۔ ابن ماجہ اور دارمی نے مقدمہ میں نیز دارمی نے رقاق میں بھی۔ امام مالک نے موطا قدر میں۔ امام احمد نے مسند میں بھی ذکر کیا ہے۔

ع۲ مواہب لدنیہ و زرقانی اول ص۴۶ ع۵ بیہقی نے مدخل میں ابن شیبہ وغیرہ نے تخریج کی۔
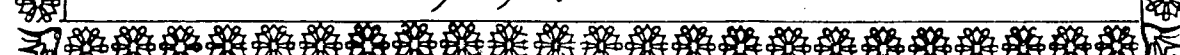
(۶۱) حدیث لا حسد الا فی اثنین

سَمِعْتُ عَبْدَ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ، قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا۔

عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَا حَسَدَ اِلَّا فِیْ اِثْنَتَیْنِ رَجُلٌ آتَاهُ اللّٰهُ مَالًا فَسَلَّطَهٗ عَلٰی هَلَکَتِهٖ

حسد نہیں مگر دو میں ۔ ایک وہ شخص جسے اللہ نے مال دیا اور اسے راہ حق میں خرچ کرنے کی

فِی الْحَقِّ، وَرَجُلٌ آتَاهُ اللّٰهُ الْحِکْمَةَ فَهُوَ یَقْضِیْ بِهَا وَیُعَلِّمُهَا علہ

توفیق دی اور دوسرا وہ شخص جسے اللہ نے دین کا علم عطا فرمایا ۔ اور وہ اس کے مطابق فیصلہ کرتا ہے اور اسکی تعلیم دیتا ہے ۔

(۶۲) حدیث "اللّٰهُمَّ عَلِّمْهُ الْکِتَابَ"

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُمَا قَالَ ضَمَّنِیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مجھے اپنے سینے سے لگایا ۔ اور یہ

عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اللّٰهُمَّ عَلِّمْهُ الْکِتَابَ علہ

دعا دی کہ ۔ اے اللہ اسے کتاب کا علم عطا فرما ۔

تشریحات (۶۱)

لغات (۱) حسد کے معنی ہیں، یہ آرزو کرنا کہ کسی کی نعمت یا فضیلت اس سے زائل ہو کر مجھے ملے ۔ یہ مذموم ہے ۔ یہاں تجریداً صرف اس نعمت کے حصول کی آرزو مراد ہے ۔ بغیر اس کے کہ دوسرے سے زائل ہو جسے غبطہ کہتے ہیں ۔ یہ محمود ہے سلطہ علیہ کے معنی غلبہ دینا قابض بنانا ۔ اختیار دینا ۔ یہاں سیاق و سباق کے لحاظ سے اس کے معنی توفیق دینے کے ہیں ھلکۃ کے معنی خرچ کرنے کے ہیں، حِکمۃ کے معنی سمجھدار ہونا ۔ دور اندیش ہونا ۔ یہاں قرآن مجید کے معانی کا سمجھنا مراد ہے ۔ یا مطلقاً جملہ علوم دین ۔

مال اور علم دین (۲) اللہ عزوجل کسی کو مال عطا فرمائے یہ اسکا فضل ہے ۔ اور اسے اپنی راہ میں خرچ کرنے کی توفیق عطا فرمائے ۔ یہ

علہ ایضاً بخاری ۔ کتاب الزکوٰۃ ۔ انفاق المال فی حقہ، کتاب الاحکام اجر من قضی بالحکمۃ کتاب الاعتصام ، اجتہاد القضا مسلم کتاب الصلوٰۃ ۔ نسائی علم ۔ ابن ماجہ ۔ زہد ۔ علہ بخاری کتاب المناقب ۔ فضل ابن عباس مسلم فضائل ابن عباس، نسائی، ترمذی ۔ مناقب ابن ماجہ سنت مسند امام احمد ۔

دوسرا افضل ہے۔ اسی طرح علم دین اس کا فضل عظیم ہے۔ اور علم پر عمل اور اس کے مطابق فیصلہ کرنے اور اس کے نشر و اشاعت کی توفیق یہ بڑا فضل ہے۔ مراد یہ ہے کہ لوگ طرح طرح کی آرزو کرتے ہیں۔ مگر آرزو کرنے کے لائق صرف یہ دو نعمتیں ہیں۔ اس سے ان دونوں نعمتوں کی عظمت ظاہر کرنا مقصود ہے۔

تشریحات ۶۲

الکتاب (۱) الکتاب سے مراد قرآن مجید ہے۔ تعلیم سے مراد اس کا حفظ کرنا اور اس کے معانی کا سمجھنا ہے۔

تکمیل (۲) پورا واقعہ یہ ہے کہ ایک رات ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا شانہ اقدس میں رات کو رہے۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم رات میں اٹھے۔ استنجا کیلئے تشریف لے گئے انھوں نے وضو کے لئے پانی رکھدیا حضور نے پوچھا یہ کس نے رکھا ہے انکی خالہ ام المؤمنین حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے بتایا۔ اس پر ان کے سر پر دست اقدس پھیرا اور سینے سے چمٹا کر یہ دعا فرمائی اسی دعا کی برکت ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو وہ علم عطا ہوا کہ ان کو حبر امت، بحر العلوم، رئیس المفسرین، ترجمان القرآن کہا جاتا ہے۔

معانقہ (۳) اس حدیث سے ثابت ہوا کہ معانقہ جائز ہے۔ فقہا نے تصریح کی ہے کہ اگر شہوت کا اندیشہ نہ ہو تو مستحب ہے (عینی)

۶۳ حدیث عقلت من النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مجۃ

عَنْ مَحْمُوْدِ بْنِ الرَّبِيْعِ رَضِيَ اللهُ تَعَالٰى عَنْهُ، قَالَ عَقَلْتُ مِنَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ تَعَالٰى

حضرت محمود بن ربیع رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ مجھے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی یہ ادا یاد ہے۔

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَجَّةً مَجَّهَا فِيْ وَجْهِيْ وَاَنَا ابْنُ خَمْسِ سِنِيْنَ مِنْ دَلْوٍ۔ ؁۱

کہ حضور نے ایک ڈول سے پانی لے کر میرے منھ پر کلی فرمائی تھی اور اس وقت میں پانچ برس کا تھا۔

تشریحات ۶۳

محمود بن ربیع (۱) یہ صغار صحابہ میں سے ہیں۔ وصال اقدس کے وقت یہ پانچ سال کے تھے۔ اسی سن میں ان کو یہ شرف حاصل ہوا کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کے منھ پر کلی فرمائی۔ یہ مدنی خزرجی انصاری ہیں۔ حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے داماد ہیں۔ دمشق میں قیام پذیر تھے وہیں ۹۹ھ میں ترانوے سال کی عمر پاکر وصال فرمایا۔

تطبیق (۲) یہاں صرف "من دلو" ہے اور کتاب الطہارۃ میں "من بئرھم" ہے یعنی ان کے کنوئیں سے پانی لیکر

؁۱ علاوہ بخاری نے طہارت، استعمال فضل وضوء الناس میں اور دعوات الصبیان بالبرکۃ میں اور اسکا یہ حصہ وھوالذی مج رسول اللہ فی وجھہ متعدد مقامات پر ذکر کیا گیا ہے۔ اور نسائی نے العلم۔ الیوم واللیلۃ میں اور ابن ماجہ نے طہارت میں بھی ذکر کیا ہے۔

ت (۱۶) رَحَلَ جَابِرُ بْنُ عَبْدِاللّٰهِ مَسِيْرَةَ شَهْرٍ اِلٰى عَبْدِاللّٰهِ بْنِ اُنَيْسٍ فِي حَدِيْثٍ

حضرت جابر بن عبداللہ ایک حدیث کے لئے عبداللہ بن انیس کے پاس ایک مہینے کی مسافت کا سفر کیا

مراد ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جس ڈول سے پانی لیا تھا اس میں پانی ان کے کنوئیں سے لیا گیا تھا۔

فوائد (۳) امام بخاری کا مقصود یہ ہے کہ پانچ سال کے بچے کا سماع درست ہے اور اس کی روایت مقبول ہے مگر یہ تحدید درست نہیں اس لئے کہ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی یہ روایت کہ انھوں نے اپنے والد کو غزوۂ خندق کے موقع پر دیکھا کہ وہ گھوڑے پر سوار ہو کر بنی قریظہ کے محلے میں دو یا تین بار گئے اور آئے۔ میں نے پوچھا تو بتایا کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کا حال معلوم کرنے کے لئے بھیجا تھا حالانکہ حضرت عبداللہ کی عمر اس وقت چار سال بھی پوری نہ تھی۔ یہ روایت خود امام بخاری نے مناقب زبیر میں ذکر کی ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ پانچ سال سے کم عمر میں سماع درست ہے۔ لیکن یہی غلط ہے کہ امام بخاری کا یہی مقصود ہے کہ پانچ سال سے کم عمر میں سماع صحیح نہیں۔ انہوں نے باب باندھا ہے "بچے کا سماع کب صحیح ہے"۔ اس کے تحت یہ حدیث ذکر فرمائی۔

اس سے جہاں یہ صراحۃً ثابت ہوتا ہے کہ پانچ سال کے باشعور بچے کا سماع صحیح ہے۔ وہیں بنظر دقیق، عقلت، سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ سن کی قید نہیں بلکہ شعور و سمجھ کی شرط ہے اگر کوئی بچہ پانچ سال سے کم عمر میں باشعور ہو اور کسی بات کو سمجھ کر یاد رکھے ہو تو اس کی یہ روایت صحیح ہے اور اگر زیادہ عمر کا ہو مگر باشعور نہ ہو تو اس کا سماع صحیح نہیں۔

اس سے ثابت ہوا کہ چھوٹے بچوں کے ساتھ خوش طبعی مسنون ہے۔ نیز یہ بھی ثابت ہوا کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لعاب مبارک اور پس خوردہ سے برکت حاصل کرنا بھی مسنون ہے۔

ت (۱۶)

فی تعلیلیہ ہے (۱) فی حدیث میں فی تعلیل کیلئے ہے جیسے آیۂ کریمہ " فذٰلکن الذی لمتننی فیہ " اور حدیث " ان امرأۃ دخلت فی النار فی ہرۃ "۔

احادیث سننے کا شوق (۲) یہ جگہ شام تھی یا مصر۔ پورا واقعہ یہ ہے حضرت جابر نے فرمایا کہ مجھے یہ خبر ملی کہ ایک صاحب کے پاس ایک حدیث ہے میں نے اونٹ خریدا اور کجاوہ کسا اور شام آیا۔ عبداللہ بن انیس کے گھر پہونچا۔ دربان سے کہا کہ اطلاع کردو، جابر دروازے پر کھڑا ہے۔ انہوں نے پوچھا ابن عبداللہ! میں نے کہا ہاں۔ وہ باہر آئے اور مجھ سے معانقہ کیا۔ میں نے کہا مجھے خبر ملی ہے کہ آپ نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ایک حدیث سنی ہے۔ میں ڈرا کہ کہیں یہ حدیث سننے سے پہلے مر نہ جاؤں انھوں نے کہا۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ لوگ قیامت کے دن ننگے غیر مختون اکٹھے کئے جائیں گے انھیں اللہ عزوجل ندا دے گا۔ جو دور و نزدیک سے یکساں سنائی دیگی۔ فرمائے گا۔ میں بادشاہ ہوں میں بدلہ دینے والا ہوں

(۶۴) حدیث ”العلم کمثل الغیث الکثیر“

عَنْ أَبِي مُوسَى رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالَى عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَثَلُ

حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے روایت کیا کہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اللہ تعالیٰ نے جو

مَا بَعَثَنِيَ اللّٰهُ بِهِ مِنَ الْهُدَى وَالْعِلْمِ كَمَثَلِ الْغَيْثِ الْكَثِيرِ أَصَابَ أَرْضًا فَكَانَ

ہدایت اور علم دے کر مجھے مبعوث فرمایا ہے۔ اس کی مثال زوردار بارش کی ہے جو زمین پر برسی۔

مِنْهَا نَقِيَّةٌ قَبِلَتِ الْمَاءَ فَأَنْبَتَتِ الْكَلَأَ وَالْعُشْبَ الْكَثِيرَ وَكَانَتْ مِنْهَا أَجَادِبُ أَمْسَكَتِ

کچھ زمین عمدہ ہیں جس نے پانی جذب کرلیا۔ اور گھاس اور سبزی خوب اگائیں۔ اور کچھ زمین سخت ہیں جسنے پانی جمع کرلیا۔

کوئی مستحق جنت، جنت میں نہیں جائے گا۔ اگر جہنم میں جانے والوں میں سے کوئی اس کے ظلم پر دادرس ہوگا جبتک اس کا بدلہ نہ لیلے یہاں تک کہ ایک تھپڑ کا بھی۔ پوچھا کہ لوگ ننگے غیر مختون کیوں ہوں گے فرمایا حسنات وسیئات کی بدولت۔ طبرانی نے مسند الشامیین اور تمام نے اپنے فوائد میں اور خطیب نے کتاب الرحلت میں بجائے شام کے مصر کہا ہے۔ امام بخاری نے الرد علی الجہمیہ کے اخیر میں اس کا ابتدائی حصہ ”انا الملک الدیان“ تک تعلیقاً ذکر کیا ہے۔

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ صحابہ کرام کو احادیث یاد کرنے اور اسے پھیلانے کا کتنا شوق تھا کہ حضرت جابر بن عبد اللہ جیسے احادیث کے خزانے نے صرف ایک حدیث سننے کیلئے اتنا لمبا سفر کیا۔ اور آج کیا حال ہے۔ اہل علم کو خصوصاً اس سے سبق حاصل کرنا چاہیئے۔

عبد اللہ بن اُنیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ (۳) جہنی انصار کے حلیف تھے۔ عقبہ ثانیہ بدر اور احد کے بعد تمام مشاہد میں شرکت کی۔ ایک بار تنہا ان کو ایک مہم پر روانہ فرمایا۔ حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد سلطنت میں ۵۴ھ میں شام ہی وفات ہوئی۔ ان سے پچیس حدیثیں مروی ہیں۔ جن میں مسلم نے صرف ایک ذکر کی۔ سنن اربعہ میں ان کی احادیث ہیں۔ بخاری میں صرف مذکورہ بالا ایک تعلیقاً مذکور ہے۔

تشریحات (۶۴)

لغات (۱) ھدیٰ راستہ دکھانا۔ قرآن وحدیث میں کبھی اس کے معنیٰ مطلوب تک پہونچانے کے آتے ہیں۔ کبھی مطلوب تک پہونچانے والے راستے کو دکھانے کے معنیٰ میں۔ غیث۔ بارش۔ بادل۔ بارش سے اگی ہوئی گھاس۔ بارش کا برسنا یہاں بارش مراد ہے۔ نقیۃ۔ عمدہ۔ کلأ۔ گھاس خواہ ہری ہو خواہ سوکھی۔ عُشب۔ ہری گھاس۔ اجادب جدب کی جمع ہے جس کے

الماءَ فَنَفَعَ اللّٰهُ بِهَا النَّاسَ فَشَرِبُوا وَسَقَوْا وَزَرَعُوا وَاَصَابَ مِنْهَا طَائِفَةً

اس سے اللہ نے لوگوں کو نفع دیا لوگوں نے پیا، پلایا۔ اور کھیتی کی اور یہی بارش زمین کے کچھ ایسے

اُخْرٰی اِنَّمَا هِیَ قِیْعَانٌ لَا تُمْسِكُ مَاءً وَلَا تُنْبِتُ كَلَاءً فَذَالِكَ مَثَلُ مَنْ فَقُهَ فِی

ٹکڑے پر پڑی جو سپاٹ تھی نہ اس نے پانی جمع کیا اور نہ گھاس اگایا۔ یہی مثال اس کی ہے جس نے

دِیْنِ اللّٰهِ وَنَفَعَهٗ بِمَا بَعَثَنِیَ اللّٰهُ بِهٖ فَعَلِمَ وَعَلَّمَ وَمَثَلُ مَنْ لَّمْ یَرْفَعْ بِذَالِكَ رَاْسًا

اللہ کے دین میں تفقہ حاصل کیا اور اللہ نے جو کچھ مجھے دے کر بھیجا ہے اس سے اس کو نفع پہونچایا اس نے علم حاصل کیا اور

وَلَمْ یَقْبَلْ هُدَى اللّٰهِ الَّذِیْ اُرْسِلْتُ بِهٖ قَالَ اَبُوْ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ اِسْحٰقُ وَكَانَ مِنْهَا

دوسروں کو تعلیم دی اور اسکی ہے جس نے اس طرف سر ہی نہیں اٹھایا اور اللہ کی اس ہدایت کو جسکے ساتھ میں بھیجا گیا،

طَائِفَةٌ قَیَّلَتِ الْمَاءَ

قبول نہیں کیا۔ ابو عبداللہ یعنی امام بخاری نے کہا۔ اسحٰق نے قبلت الماء کی جگہ قیلت الماء کہا ہے

معنی قحط کے ہیں۔ نیز اس زمین کو بھی کہتے ہیں جو قحط کی وجہ سے سُوکھ جائے۔ نیز بنجر زمین کے معنی میں بھی آتا ہے۔ اور ایسی زمین کو بھی کہتے ہیں جو سخت ہو اور پانی جذب نہ کرے۔ اور یہی یہاں مراد ہے۔ قیعان۔ قاع کی جمع ہے جسکے معنی چٹیل زمین جو چکنی برابر ہو جس پر پانی نہ رک سکے۔ قیلت یار سے اس کے معنی دوپہر میں پینے کے ہیں۔ یہاں تجریداً صرف پینا یعنی جذب کرنا مراد ہے۔

تطبیق (۲) حضور اقدس صلی تعالیٰ علیہ وسلم کے دین کی مثال، زور دار بارش سے دی۔ کہ جیسے ہر جگہ برستی ہے مگر زمین کی صلاحیت کے اعتبار سے اس کا نتیجہ مختلف۔ ایک زمین عمدہ زرخیز ہے پانی اپنے اندر جذب کرکے اپنے خزانے اگل دیتی ہے غلے سونے سبزیاں اگاتی ہے جو جاندار کی خوراک ہیں۔ یہی حال ایسے افراد کا ہے جو دین قبول کرکے اسے سیکھ کرکے دوسروں کو بھی تعلیم دیتے ہیں۔ خود عمل کرتے ہیں دوسروں سے عمل کراتے ہیں۔ دوسری وہ زمین جو پانی جمع کرلیتی ہے۔ کچھ اگاتی نہیں، مگر اس جمع شدہ پانی سے دوسروں کو طرح طرح سے فائدہ پہونچتا ہے۔ یہ حال ان لوگوں کا ہے جو دین قبول کرکے دین سیکھتے ہیں مگر کما حقہ اس پر عمل نہیں کرتے۔ مگر اس کے علم سے **دوسروں کو فائدہ پہونچتا ہے**۔ یا مراد وہ محدثین ہیں جو احادیث حفظ کرلیتے ہیں مگر تفقہ نہ ہونے کی وجہ سے خود احکام کا استنباط نہیں کرسکتے۔ مگر ان سے احادیث سنکر دوسرے لوگ جو فقیہ ہیں احکام کا استخراج کرتے ہیں۔ تیسری وہ چٹیل بنجر زمین جو نہ پانی جمع کرتی ہے اور نہ کچھ اگاتی ہے۔ اسکا پانی آیا بہہ گیا، یہ حال ان لوگوں کا ہے جنھوں نے دین قبول ہی نہیں کیا، اس پر کوئی توجہ نہ دی۔

(۳) قال اسحٰق میں، اسحٰق سے کون مراد ہے۔ یہ طے کرنا مشکل ہے۔ علامہ عسقلانی نے فرمایا۔ یہ اسحٰق بن راہویہ ہیں۔

ﻟﮫ مسلم نے فضائل النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں اور نسائی نے علم میں ذکر کیا ہے۔

ت (۱۷) قَالَ رَبِیْعَةُ لَا یَنْبَغِیْ لِاَحَدٍ عِنْدَہٗ شَیْئٌ مِّنَ الْعِلْمِ اَنْ یُّضَیِّعَ نَفْسَہٗ عـ۱

ربیعہ نے کہا جس کے پاس کچھ بھی علم ہو اسے اپنے آپ کو ضائع نہیں کرنا چاہیئے۔

حدیث (۹۵) یقل العلم و یظھر الجھل

عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ لَاُحَدِّثَنَّکُمْ حَدِیْثًا لَا یُحَدِّثُکُمْ اَحَدٌ بَعْدِیْ سَمِعْتُ

حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا میں تم سے ایک حدیث بیان کر رہا ہوں کہ میرے بعد کوئی بیان نہ کرے گا

رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ اِنَّ مِنْ اَشْرَاطِ السَّاعَةِ اَنْ

میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا۔ قیامت کی نشانیوں میں سے یہ ہیں کہ علم ختم

یَقِلَّ الْعِلْمُ وَیَظْھَرَ الْجَھْلُ وَیَظْھَرَ الزِّنَا وَتَکْثُرَ النِّسَاءُ وَیَقِلَّ الرِّجَالُ حَتّٰی یَکُوْنَ

ہو جائے گا۔ جہالت غالب ہوگی زنا عام ہوگا عورت کی کثرت ہوگی مرد کم ہو جائیں گے یہاں تک

لِخَمْسِیْنَ اِمْرَأَةً اَلْقَیِّمُ الْوَاحِدُ عـ۲

کہ پچاس عورت کا نگہباں صرف ایک (مرد) ہوگا۔

اس لئے کہ امام بخاری زیادہ تر انھیں سے روایت کرتے ہیں۔ علامہ عینی کی رائے یہ ہے کہ یہ ان تینوں اسحٰق میں سے کوئی ایک ہیں اسحٰق بن راہویہ، اسحٰق بن ابراہیم بن نصر السعدی البخاری اسحٰق بن منصور بن بہرام الکوسج المروزی اسلئے امام بخاری اپنی اس کتاب میں ابو اسامہ حماد بن سلمہ سے انھیں تینوں کے واسطے سے روایت کرتے ہیں۔ اس سے ظاہر ہو گیا کہ بالیقین یہ فیصلہ کرنا کہ یہ اسحٰق بن راہویہ ہی ہیں درست نہیں۔ یہی امام نسائی کی بھی رائے ہے۔ انہوں نے تقیید المھمل میں تصریح کی ہے کہ امام بخاری جب بغیر نسبت کے یوں کہیں حدثنا اسحٰق حدثنا ابو اسامہ تو انھیں تین میں سے کوئی ایک مراد لیتے ہیں۔

تشریح (۱۷)

حضرت ربیعہ بن عبد الرحمٰن مدنی تابعی ہیں۔ اور حضرت مالک کے استاذ۔ ان کے اس ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ جسے قرآن، حدیث، تفسیر، فقہ کا تھوڑا سا بھی علم ہو۔ اسے چاہیئے کہ خود اس پر عمل کرے اور دوسروں کو اس کی تعلیم دے۔ بے فیض نہ رہے اور یہ بھی مطلب ہو سکتا ہے کہ علم کے وقار کو محفوظ رکھے۔ اسے حصول دنیا کا ذریعہ نہ بنائے جو لوگ علماء کی عزت نہ کرتے ہوں انکے پاس نہ جائے۔ غیر اہل کو تعلیم نہ دے۔

تشریحات (۹۵)

یہی حدیث بطریق عمران بن میسرہ یوں مروی ہے۔

عـ۱ الخطیب فی الجامع والبیہقی فی المدخل ۔ عـ۲ مسلم قدر۔ ترمذی نسائی۔ ابن ماجہ فتن

۶ حدیث فضیلت علم

أَنَّ ابْنَ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالَى عَنْهُمَا قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالَى عَلَيْهِ

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے کہا۔ میں نے سنا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا

وَسَلَّمَ قَالَ بَيْنَمَا أَنَا نَائِمٌ أُوتِيتُ بِقَدَحِ لَبَنٍ فَشَرِبْتُ حَتَّى إِنِّي لَأَرَى الرِّيَّ

میں سورہا تھا کہ مجھے دودھ کا پیالہ دیا گیا یہاں تک پیا کہ آسودگی ناخنوں سے نکلنے لگی۔

يَخْرُجُ فِي أَظْفَارِي ثُمَّ أَعْطَيْتُ فَضْلِي عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ، قَالُوا فَمَا أَوَّلْتَهُ يَا رَسُولَ

پھر میں نے اپنا جھوٹا عمر بن خطاب کو دیا لوگوں نے پوچھا یا رسول اللہ! حضور نے اسکی کیا

اللّٰهِ قَالَ الْعِلْمَ[1]

تعبیر کی، فرمایا "علم"۔

ان یرفع العلم ویثبت الجھل وتشرب الخمر ویظھر الزنا۔ علم اٹھا لیا جائے گا اسکی جگہ جہالت لے لیگی۔ شراب پی جائیگی زنا پھیل جائے گا۔

لغات (۱) یقل۔ قلّت کا مضارع ہے۔ اور یہاں مراد عدم ہے اس پر دلیل دوسری حدیث ہے جس میں فرمایا کہ علم اٹھ جائے گا۔ اسکی جگہ جہالت لے لیگی۔ القیّم۔ کسی کا ذمہ دار، متولی۔ شوہر، سید، ھامعاملہ یہاں مراد ذمہ دار نگہبان ہے۔

(۲) جب بصرہ میں تمام سکونت پذیر صحابہ کا وصال ہوگیا اور تنہا حضرت انس ہی رہ گئے تو فرمایا۔

(۳) قیامت کی نشانیاں بہت ہیں۔ انھیں پانچوں میں انحصار نہیں۔ البتہ یہ پانچوں بہت اہم ہیں۔ دین و دنیا کی درستگی پانچ چیزوں پر مبنی ہے۔ دین، عقل، نفس، نسب، مال۔ اور یہ پانچوں ان کو تباہ کرنے والی ہیں۔ رفع علم اور جہالت دین کو، شراب عقل اور مال کو۔ مردوں کی قلت، نفس کو۔ زنا نسب اور مال کو۔ اسی حدیث میں ان پانچوں کو خصوصیت سے اکٹھا ذکر فرمایا

رفع علم سے کیا مراد ہے؟ (۴) علم اٹھانے سے یہ مراد نہیں کہ علماء ہوں گے اور علم ان کے سینوں سے مٹا دیا جائے گا۔ بلکہ مراد یہ ہے کہ علماء باقی نہ رہیں گے۔ جیسا کہ آگے مفصل آرہا ہے۔

تشریحات (۶۶)

[1] بخاری مناقب عمر۔ تعبیر الرؤیا۔ باب اللبن۔ باب اذا جری اللبن فی اطرافہ واظفارہ۔ مسلم فضائل۔ ترمذی رؤیا، مناقب۔ نسائی مناقب۔ علم

28

۶۷ حدیث۔ یظھر الفتن ویکثر الھرج

عَنْ سَالِمٍ قَالَ سَمِعْتُ اَبَا هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ

سالم نے کہا میں نے ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سنا کہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا علم اٹھالیا جائے گا

تَعَالٰی عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يُقْبَضُ الْعِلْمُ وَيَظْهَرُ الْجَهْلُ وَالْفِتَنُ وَيَكْثُرُ الْهَرْجُ قِيلَ

اور جہالت غالب ہوگی اور فتنے پھیل جائیں گے اور ہرج بکثرت ہوگا

يَا رَسُولَ اللّٰهِ وَمَا الْهَرْجُ فَقَالَ هٰكَذَا بِيَدِهٖ فَحَرَّفَهَا كَاَنَّهٗ يُرِيدُ الْقَتْلَ ۔

پوچھا کہ یا رسول! ہرج کیا چیز ہے؟ تو اپنے ہاتھ کے اشارے سے بتایا اور ہاتھ ایسے خم کیا جیسے قتل کا اشارہ کیا جاتا ہے حضور کی مراد قتل تھی۔

۶۸ حدیث ما من شئ لم اکن اریته الا رایته فی مقامی ھذا

عَنْ اَسْمَاءَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهَا قَالَتْ اَتَيْتُ عَائِشَةَ وَهِيَ تُصَلِّي فَقُلْتُ مَا شَانُ

حضرت اسماء بنت الصدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے کہا۔ میں عائشہ کے پاس آئی وہ نماز پڑھ رہی تھیں میں نے پوچھا لوگوں کا

لغات ① اولته ۔ یہ باب تفعیل کا ماضی مخاطب ہے اس کا مادہ اَوْل اسکے معنی لوٹنا پھرنا ہے تاویل کے معنی لوٹانا پھیرنا ہے۔ کلام کو ظاہری معنی سے پھیر کر خفی معنی پر حمل کرنے کو تاویل کہتے ہیں۔ اسی کی نوع خواب کی تعبیر ہے۔ یہاں یہی مراد ہے

دودھ اور علم میں مناسبت ② دودھ کی تعبیر علم کے ساتھ اس مناسبت سے ہے کہ دونوں کثیر النفع اور مفید ہونے میں مشترک ہیں دودھ انسان کی بہترین غذا اور بدن کیلئے مقوی ہے۔ اور علم سے دین و دنیا سنورتی ہے اور علم روح کی غذا اور اس کے لئے مقوی ہے اس حدیث سے علم کی فضیلت یوں ثابت ہوتی ہے کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا عطا فرمودہ فضلہ مبارکہ ہے۔

تشریح (۶۷)

لغات ① ھرج کے معنی فتنے۔ اور اختلاط کے ہیں مجازاً قتل کے معنی میں مستعمل ہے البتہ حبشہ کی زبان میں ہرج کے معنی قتل کے ہیں۔ اسی وجہ سے صحابہ سمجھ نہیں پائے اور دریافت کرنا پڑا۔ قال کے معنی یہاں اشارہ کے ہیں۔ اس معنی میں متعدد احادیث وارد ہیں ایک حدیث میں ہے۔ قال باصبعه السبابه والوسطی اس کے علاوہ اور معنوں میں آیا ہے مثلاً رفع تناول۔ غلب وغیرہ۔

تشریحات (۶۸)

حضرت اسماء رضی اللہ تعالیٰ عنہا ① یہ حضرت ابوبکر صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی صاحبزادی اور حواری رسول اللہ حضرت زبیر بن عوام کی زوجہ اور حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی والدہ ماجدہ ہیں۔ ہجرت سے ستائیس سال پہلے ان کی ولادت ہوئی۔ اور مکے ہی میں سترہ نفوس قدسیہ کے بعد مشرف بایمان ہوئیں۔ شب ہجرت توشہ دان

باندھنے کو کچھ نہ ملا تو اپنی کمر کا پٹکا پھاڑ کر ایک حصہ سے توشہ دان باندھ دیا۔ اس پر حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ذات النطاقین کا خطاب عطا فرمایا۔ اور ارشاد فرمایا اللہ عز وجل تجھے اس کے عوض جنت میں دو نطاق عطا فرمائے گا۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بعد ہجرت کی۔ اس وقت حمل سے تھیں قبا پہنچیں تو حضرت عبد اللہ پیدا ہوئے۔ بہت شجاع حاضر جواب جری، صبر واستقامت کی پہاڑ تھیں۔ جب حضرت عبد اللہ کے تمام ساتھی انھیں چھوڑ کر حجاج سے مل گئے اور حجاج نے حضرت عبد اللہ کے سامنے تین باتیں پیش کیں یا تو کہیں چلے جاؤ۔ یا پھر ہتھیار ڈال دو تمھیں پابجولاں عبد الملک کے پاس لے چلیں یا لڑنے کے لئے تیار رہو۔ حضرت عبد اللہ نے اپنی ماں سے مشورہ کیا حضرت اسماء نے اخیر وقت تک لڑنے کا مشورہ دیا۔ پھر کفن لیا دھونی دے کر خوشبو لگا کر حضرت عبد اللہ کو پہنایا اور مقابلے کے لئے بھیجا جب حضرت عبد اللہ بن زبیر شہید ہو گئے اور حجاج نے انکی نعش مبارک کو سولی پر چڑھایا۔ تو اپنے لخت جگر کے نعشے پر تشریف لائیں۔ اور فرمایا۔ ابھی وقت نہیں آیا کہ یہ شہسوار سواری سے اترے[۱] ۔ اتنے دردناک منظر کو دیکھ کر بھی آنکھ سے آنسو تک نہیں نکلا۔ حجاج نے ان کو بلوایا۔ انکار کر دیا۔ حجاج نے کہا۔ سیدھی طرح سے آجا۔ ورنہ بال پکڑ کر گھسٹوا منگاؤں گا۔ یہ سن کر اس شیر دل خاتون نے کہا۔ بخدا میں اس کے پاس نہیں جاؤں گی جب تک کہ وہ بال پکڑ واکر نہ گھسٹوائے حجاج خود آیا۔ اور کہا تو نے دیکھا میں نے اللہ کے دشمن کے ساتھ کیا کیا۔ حضرت اسماء نے کہا میں نے دیکھا تو نے اسکی دنیا برباد کی اس نے تیری آخرت خراب کر دی۔ میں نے سنا ہے تو انھیں طعن کے طور پر ابن ذات النطاقین کہتا ہے میں ذات النطاقین ہوں۔ ایک میرا وہ نطاق ہے جس میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور صدیق اکبر کا کھانا لے جاتی تھی۔ اور ایک وہ جو ہر عورت کیلئے ہوتا ہے۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ ثقیف میں ایک کذاب ہوگا اور سفاک۔ کذاب تو ہم نے دیکھا اور سفاک تیرے سوا اور کوئی نہیں۔[۲]

عبد الملک بن مروان کے حکم سے جب حضرت عبد اللہ کا لاشہ مبارک سولی سے اتارا گیا اور اسے دفن فرمالیا تو کچھ ہی دنوں کے بعد ۷۳ھ میں بماہ جمادی الآخرہ وصال فرمایا۔ سو سال کی عمر پائی۔ مگر نہ ایک دانت گرا تھا اور نہ دماغی توازن میں فرق آیا تھا اور نہ بینائی زائل ہوئی تھی[۳] ان سے چھپن احادیث مروی ہیں۔ چودہ متفق علیہ چار افراد بخاری اور چار افراد مسلم سے ہیں۔

---

[۱] اصابہ وغیرہ [۲] مسلم شریف [۳] ہدایہ نہایہ ج ۸ ص ۳۴۶

النَّاسِ فَأَشَارَتْ إِلَى السَّمَاءِ فَإِذَنِ النَّاسُ قِيَامٌ فَقَالَتْ سُبْحَانَ اللّٰهِ قُلْتُ

کیا حال ہے تو انھوں نے آسمان کی طرف اشارہ کیا لوگ نماز پڑھ رہے ہیں حضرت عائشہ نے کہا سبحان اللہ

آيَةٌ فَأَشَارَتْ بِرَأْسِهَا أَيْ نَعَمْ، فَقُمْتُ حَتَّى عَلَانِيَ الْغَشْيُ فَجَعَلْتُ أَصُبُّ

میں نے پھر پوچھا کوئی نشانی ہے۔ تو انھوں نے اپنے سر سے اشارہ کیا۔ ہاں اسکے بعد میں بھی نماز کیلئے کھڑی ہوگئی اتنی دیر

عَلَى رَأْسِي الْمَاءَ فَحَمِدَ اللّٰهَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَثْنَى عَلَيْهِ

تک کہ مجھ پر بیہوشی طاری ہونے لگی اور میں اپنے سر پر پانی ڈالنے لگی۔ نماز کے بعد نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اللہ کی حمد وثنا کی

لغات ② عَلَانِی۔ علوٌّ سے ماضی ہے۔ عام معنی بلند ہونے کے ہیں۔ اور غلب کے معنی میں ہے غشیٌ، غشیٌ، غشیٌ کے اصل معنی ڈھکنے کے ہیں۔ یہاں عقل کا ڈھکنا یعنی بیہوشی مراد ہے۔ مطلب یہ ہے کہ گرمی اور بہت دیر تک کھڑے رہنے کیوجہ سے مجھ پر غشی طاری ہونے لگی تھی۔ تفتنون۔ فتنۃ۔ سے مضارع مجہول کا صیغہ ہے۔ فتنے کے معنی آزمائش، امتحان ہے۔ قرآن مجید میں ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا۔ ان ھی الافتنتك یہ سب تیری آزمائش ہے۔ جوہری نے کہا الفتنۃ، الامتحان، اہل عرب سونے کو پگھلا کر جب پرکھتے ہیں تو کہتے ہیں۔ فتنت الذھب۔ اردو میں البتہ فتنہ بمعنی فساد مستعمل ہے۔ مسیح کے معنی سفر کرنے والا، شہر شہر گھومنے والا۔ دجال دجل سے اسم مبالغہ ہے۔ دجل کے معنی جھوٹ بولنا فریب دینا، حق کو باطل کے ساتھ ملانا۔ باطل سے حق کو چھپانا دجال کے معنی یہاں بہت بڑا جھوٹا فریبی ہے اور یہ بہت بڑے جادوگر کے بھی ہو سکتے ہیں۔ مسیح دجال سے مراد قرب قیامت میں آنیوالا، دجال ہے۔

تکمیل ③ پوری تفصیل باب الکسوف میں آئے گی۔ صرف مضمون کو ذہن نشین کرنے کے لئے بالاختصار درج ہے ۱۰ھ میں سورج میں گہن لگا۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے نماز کسوف کی منادی کرائی۔ صحابہ کرام نماز کیلئے جمع ہوگئے سورج گہن کی نماز حضور نے باجماعت پڑھائی۔ اسی اثنار میں حضرت اسمار ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے ملاقات کیلئے آئیں کہ سب لوگوں کو دیکھا کہ نماز پڑھ رہے ہیں اور یہ بھی نماز میں ہیں پوچھا کیا بات ہے؛ ام المؤمنین نے سر سے آسمان کی طرف اشارہ کیا کہ گہن ہے۔ اس لئے نماز پڑھی جارہی ہے حضرت اسمار بھی نماز میں شریک ہوگئیں چونکہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس نماز میں قیام بہت زیادہ طویل کیا تھا حضرت اسمار پر گرمی اور دیر تک کھڑے رہنے کی وجہ سے غشی طاری ہونے لگی انھوں نے بار بار اپنے سر پر پانی ڈالا کہ بیہوش نہ ہو جائیں۔ نماز کے بعد حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے خطبہ ارشاد فرمایا۔ حمد وثنا کے بعد ارشاد فرمایا جن جن چیزوں کو میں نے اب تک نہیں دیکھا تھا سب کی سب اس جگہ مجھے دکھا دی گئیں یہاں تک کہ میں نے جنت اور دوزخ بھی دیکھی۔ جس طرح دجال کے ذریعہ تمہارے ایمان و ثبات قدمی کی آزمائش ہوگی اسی کے قریب

ثُمَّ قَالَ مَا مِنْ شَیْءٍ لَمْ اَکُنْ اُرِیْتُهُ اِلَّا رَاَیْتُهُ فِیْ مَقَامِیْ هٰذَا حَتَّی الْجَنَّةَ وَالنَّارَ

پھر فرمایا جو چیز بھی مجھے اب تک نہیں دکھائی گئی تھی ان سب کو میں نے اپنی اس جگہ دیکھ لیا یہاں تک کہ جنت اور

فَاُوْحِیَ اِلَیَّ اَنَّکُمْ تُفْتَنُوْنَ فِیْ قُبُوْرِکُمْ مِثْلَ اَوْ قَرِیْبَ لَا اَدْرِیْ اَیَّ ذٰلِكَ قَالَتْ

دوزخ بھی پھر مجھے وحی کی گئی کہ تم لوگ اپنی قبروں میں آزمائے جاؤ گے مسیح دجال کے فتنے کے قریب یا مثل مجھے یاد نہیں۔

اَسْمَاءُ مِنْ فِتْنَةِ الْمَسِیْحِ الدَّجَّالِ۔ یُقَالُ مَا عِلْمُكَ بِهٰذَا الرَّجُلِ فَاَمَّا الْمُؤْمِنُ

اسماء نے ان دونوں میں سے کون سا لفظ کہا تھا (قبر میں) پوچھا جائے گا اس مرد کے بارے میں کیا جانتے ہو۔ مومن یا موقن

اَوِ الْمُوْقِنُ، لَا اَدْرِیْ اَیُّهُمَا قَالَتْ اَسْمَاءُ فَیَقُوْلُ هُوَ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ جَاءَنَا بِالْبَیِّنَاتِ

یاد نہیں رہا اسماء نے کیا کہا تھا کہے گا یہ محمد ہیں رسول اللہ ہیں ہمارے پاس معجزات اور ہدایت لیکر

وَالْهُدٰی، فَاَجَبْنَاهُ وَاتَّبَعْنَاهُ هُوَ مُحَمَّدٌ ثَلٰثًا فَیُقَالُ نَمْ صَالِحًا قَدْ عَلِمْنَا اِنْ کُنْتَ

تشریف لائے ہم نے ان کا پیغام قبول کیا انکی پیروی کی یہ محمد ہیں تین بار یہی کہے گا اس سے کہا جائیگا آرام سے سوجا ہم جانتے

قریب قبر میں بھی امتحان ہوگا۔ تم سے قبر میں سوال کیا جائے گا۔ مومن صحیح جواب دیگا۔ منافق یہ کہے گا۔ لوگوں کو میں نے کچھ کہتے سنا تھا۔ وہی میں نے بھی کہا تھا۔

حضور نے جمیع ماکان ومایکون کو دیکھا

(۴) حدیث کا یہ حصہ مامن شئ لم اکن اریتہ الا رایتہ فی مقامی ھذا حتی الجنۃ والنار میں نے اب تک جن جن چیزوں کو نہیں دیکھا تھا۔ ان سب کو آج اس جگہ دیکھ لیا۔ اور یہ دیکھنا صرف عالم زیریں کے ساتھ خاص نہیں۔ عالم بالا کی بھی تمام موجودات کو دیکھا یہاں تک کہ جنت اور دوزخ میں جانے والوں کو بالتفصیل دیکھا یہ حدیث اس پر نص صریح ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو جمیع ماکان ومایکون کا علم عطا فرمایا گیا۔ خواہ رویت سے مراد رویت بصری دیکھنا مراد لیا جائے۔ خواہ رویت قلبی علم مراد لیا جائے دونوں تقدیر پر جمیع ماکان ومایکون کے علم کا حصول ثابت اس کی قدرے توضیح یہ ہے۔

شئ سے مراد موجود ہے۔ شرح عقائد میں ہے الشئ عندنا الموجود۔ اس لئے شئ تمام موجودات کو عام مامن شئ میں نکرہ تحت نفی ہے جو عموم پر دلالت کرتا ہے۔ اس لئے اس کا معنی یہ ہوا۔ ہر وہ موجود جو میں نے اب تک نہیں دیکھی تھی سب دیکھ لیا۔ بلکہ علامہ عینی نے فرمایا۔

والشئ فی قولہ مامن شئ اعم العام وقد وقع نکرۃ تحت النفی۔ مامن شئ میں شئ اعم العام ہے۔ اور نکرہ ہوتے ہوئے نفی کے تحت واقع ہے۔

لَمُوْقِنَّا بِهٖ ۔ وَاَمَّا الْمُنَافِقُ اَوِالْمُرْتَابُ لَا اَدْرِيْ اَيَّ ذَالِكَ قَالَتْ اَسْمَاءُ فَيَقُوْلُ

تھے کہ تو ان پر یقین رکھتا تھا۔ لیکن منافق یا مرتاب، اسمار نے کیا کہا تھا یاد نہیں۔ کہے گا میں نہیں جانتا

لَا اَدْرِيْ سَمِعْتُ النَّاسَ يَقُوْلُوْنَ شَيْئًا فَقُلْتُهٗ [1]

میں نے لوگوں کو جو کچھ کہتے سنا تھا۔ وہی میں نے بھی کہا۔

یعنی اس طرح عموم ہو گیا کہ تخصیص کی گنجائش نہ رہی۔ اس لئے یہ تمام موجودات ماضیہ و آئندہ کو عام ہے۔ یہاں تک علامہ عینی فرماتے ہیں۔ کہ اس کے عموم میں باری تعالیٰ کا مشاہدہ بھی داخل ہے۔ فرماتے ہیں۔

نعم اذا الشی یتناوله والعقل لا یمنعه والعرف لا یقتضی اخراجه [2] — ہاں اس لئے کہ شی بمعنیٰ موجود باری تعالیٰ کو بھی شامل ہے۔ عقلاً محال نہیں۔ عرفاً ذات باری تعالیٰ کو اس عموم میں داخل نہ ماننے کی کوئی وجہ نہیں۔

جب یہاں اتنا عموم ہے کہ اس میں ذات باری تعالیٰ بھی داخل ہے تو جمیع ماکان وما یکون بدرجہ اولیٰ داخل۔

اور کوئی غیب کیا تم سے نہاں ہو بھلا ؛ جب خدا ہی نہ چھپا، تم پہ کروروں درود

ہم نے بالتفصیل کی قید اس لئے لگائی کہ اس حدیث کے دوسرے طرق میں جو الفاظ ہیں وہ تفصیل پر صراحۃً دال ہیں۔ مثلاً یہ کہ میں نے جہنم میں زیادہ عورتوں کو دیکھا۔ اسی لئے علامہ عینی نے فرمایا

وحی بالاطلاع وتعریفه من امورها تفصیلا مالم تعرفه قبل ذالك [3] — ان سب پر بذریعہ وحی آپ کو مطلع فرمایا۔ جن کو اس کے پہلے نہیں جانتے تھے۔

احکام

(۵) اس حدیث سے مندرجہ ذیل مسائل ثابت ہوئے۔

(۱) سورج گہن کی نماز باجماعت مشروع ہے (۲) سورج گہن کی نماز کے بعد خطبہ مسنون ہے (۳) خطبے کی ابتدا میں حمد وثنا ہونی چاہیئے۔ (۴) نماز میں ضرورت کے وقت اشارہ کی اجازت ہے۔ (۵) جب تک بیہوشی طاری نہ ہو جائے وضو نہیں ٹوٹتا۔ (۵) عمل قلیل سے نماز فاسد نہیں ہوتی۔ (۶) جنت دوزخ مخلوق اور موجود ہیں۔ (۷) نماز میں عورتوں کو کسی ضرورت کیلئے بھی بلند آواز سے تسبیح منع ہے۔ لیکن اگر سننے والی عورت ہو تو جائز ہے۔ (۸) اللہ عزوجل کو حضور نے بیداری میں دیکھا۔ (۹) حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو جمیع ماکان وما یکون کا علم حاصل ہوا ہے۔

[1] ایضاً بخاری کتاب الطہارۃ من لم یتوضا الا من الغشی المثقل۔ کسوف خسوف، کتاب الجمعہ۔ من قال فی الخطبۃ اما بعد۔ کتاب السہو الاشارۃ فی الصلوٰۃ۔ کتاب الاعتصام۔ الاقتداء بسنن النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔ امام مسلم نے خسوف میں ذکر کیا۔ [2] عینی ص ۹۷ ج ۲ [3] ایضاً ص ۹۸ ج ۲

۶۹) حدیث. سلونی عما شئتم

عَنْ اَبِی مُوسٰی رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ قَالَ سُئِلَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ

حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے بہت سی چیزوں کے بارے میں سوال

وَسَلَّمَ عَنْ اَشْیَاءَ کَرِھَھَا فَلَمَّا اُکْثِرَ عَلَیْہِ غَضِبَ ثُمَّ قَالَ لِلنَّاسِ سَلُوْنِی عَمَّا شِئْتُمْ

کیا گیا جو ناگوار ہوا جب سوالات کی اور کثرت ہوئی تو جلال آگیا پھر فرمایا۔ تم لوگوں کا جو جی چاہے

فَقَالَ رَجُلٌ مَنْ اَبِی قَالَ اَبُوْکَ حُذَافَۃُ فَقَامَ اٰخَرُ فَقَالَ مَنْ اَبِی یَا رَسُوْلَ

پوچھو اس پر ایک صاحب نے پوچھا میرا باپ کون ہے؟ فرمایا تیرا باپ حذافہ ہے اسکے بعد دوسرے شخص اٹھے اور پوچھا

اللّٰہِ قَالَ اَبُوْکَ سَالِمٌ مَوْلٰی شَیْبَۃَ فَلَمَّا رَاٰی عُمَرُ مَا فِی وَجْہِہٖ قَالَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ

یا رسول اللہ میرا باپ کون ہے؟ فرمایا سالم شیبہ کا آزاد کردہ غلام ہے جب حضرت عمر نے روئے انور میں غضب کے آثار دیکھے

تشریحات (۶۹)

لغات (۱) اشیاء۔ الف تانیث ممدودہ کی وجہ سے غیر منصرف ہے۔ اور یہ شی کی جمع نہیں اسم جمع ہے۔ اس میں الف ممدودہ زائد ہے۔ ورنہ الف تانیث نہ ہوگا۔ الف تانیث زائدہ ہے۔ الف ممدودہ اصلی علامت تانیث نہیں جیسے انبیاء ادلیل اشیاء اصل میں شیئاء تھا نعماء کے وزن پر۔ خلاف قیاس قلب کرکے آخر کے ہمزہ کو ابتداء میں لائے علہ

سائلین میں کون تھے؟ (۲) ان کا نام عبداللہ تھا۔ جیسا کہ اس کے بعد والی حدیث میں تصریح ہے۔ اس سوال کی وجہ یہ تھی کہ لوگ ان کے نسب میں شک کرتے تھے۔ کبھی جھگڑے میں دوسرے کی طرف منسوب کر دیتے تھے۔ حضور کے ارشاد کے بعد لوگوں کا شک و شبہہ دور ہوگیا۔ دوسرے صاحب کا نام سعد بن سالم مولی شیبہ تھا۔ ان کا بھی یہی حال تھا۔

(۳) اس سے مراد ایسے سوالات ہیں۔ جن سے کوئی دینی یا دنیوی فائدہ وابستہ نہ ہو۔ مثلاً نہ اس کا اعتقاد ضروری ہو نہ عمل۔ ایسے سوالات ممنوع ہیں۔ مثلاً یہ سوال کہ حضرت آدم نے سب سے پہلے کیا کھایا تھا۔ فدیۂ اسماعیل کا ذبح کیا ہوا۔ یا یہ کہ سوالات آزمانے کیلئے کئے جائیں۔ یا عاجز کرنے کی نیت سے کئے جائیں۔ ایسے سوالات ممنوع ہیں۔ ورنہ اگر علم نہیں تو کفر و ایمان فرائض کا پوچھنا فرض واجبات کا واجب مستحبات کا مستحب۔ ارشاد ہے۔

فَاسْئَلُوْا اَھْلَ الذِّکْرِ اِنْ کُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ۔ اہل ذکر (علم) سے پوچھو جو تم نہ جانتے ہو۔

علہ علم الصیغہ۔

اِنَّا نَتُوْبُ اِلَى اللهِ عَزَّوَجَلَّ عله

تو عرض کیا یا رسول اللہ! ہم سب اللہ عزوجل سے توبہ کرتے ہیں

۷۰ حدیث - اذا تکلم اعادھا ثلثا

عَنْ اَنَسٍ رَضِیَ اللهُ تَعَالٰی عَنْهُ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّى اللهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهٗ كَانَ

انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بارے میں روایت کرتے ہیں کہ حضور جب کوئی بات عله

اِذَا تَكَلَّمَ بِكَلِمَةٍ اَعَادَهَا ثَلٰثًا حَتّٰى تُفْهَمَ عَنْهُ وَاِذَا اَتٰى عَلٰى قَوْمٍ فَسَلَّمَ عَلَيْهِمْ سَلَّمَ عَلَيْهِمْ ثَلٰثًا

فرماتے تو اسے تین بار فرماتے تاکہ وہ بات سمجھ لی جائے اور جب کسی قوم کے پاس تشریف لاتے اور سلام کرتے تو ان پر تین بار سلام کرتے

سَلُوْنِیْ عَمَّا شِئْتُمْ ① مَا عموم کے لئے۔ دین دنیا سب کو شامل ہے۔ نیز اس کے عموم پر یہ دلیل ہے کہ حضرت عبد اللہ اور حضرت سعد نے اپنے اپنے باپ کا نام پوچھا۔ یہ دنیوی سوال ہے۔

اس لئے اس ارشاد کا مطلب یہ ہوا کہ تم لوگوں کا جو جی چاہے پوچھو خواہ وہ دنیا کی بات ہو یا دین کی۔ میں سب بتاؤں گا۔ یہ وہی کہہ سکتا ہے جو دین و دنیا کے تمام علوم رکھتا ہو تو اس حدیث سے بھی ثابت کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو دین اور دنیا کے جملہ علوم حاصل تھے اسی سے ان لوگوں کی غلطی واضح ہوگئی جو یہ کہتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم صرف دین کے جملہ علوم رکھتے تھے دنیا کے علوم میں یہ حال تھا کہ دیوار کے پیچھے کی بھی خبر نہ تھی۔

تشریحات ۷۰

تین بار تکرار ہمیشہ نہیں تھی جب ضرورت ہوتی مثلاً بات عام فہم سے بالاتر ہوتی یا یہ اندازہ ہوتا کہ لوگوں کے ذہن میں اچھی طرح نہیں آئی ہے۔ اس وقت تکرار فرماتے۔ تین بار سلام کی توجیہ دو ہے۔ ایک یہ کہ کسی کے گھر تشریف لے جاتے اور اذن کے لئے سلام کرتے تو اگر پہلی بار یا دوسری بار سلام پر اذن نہ ملتا تو تین بار سلام کرتے۔ اگر اذن ملتا تو اندر تشریف لے جاتے ورنہ واپس ہو جاتے جیسا کہ دوسری حدیث میں بالتصریح مذکور ہے کہ فرمایا۔

اذا استاذن احدکم ثلثا فلم یوذن له فلیرجع ۔ جب تین بار اذن چاہو اور اذن نہ ملے تو لوٹ آؤ

دوسری توجیہ یہ ہے کہ۔ ایک سلام اذن کے لئے کرتے دوسرا سلام اندر جا کر تحیت کا کرتے اور تیسرا سلام واپسی کے وقت۔

عله ایضاً کتاب الاعتصام باب مایکرہ من کثرۃ السوال ۔ عله ایضاً بخاری کتاب الاستیذان اذا سلم ثلاثا۔ ترمذی۔ استیذان۔ مناقب۔

(۷۱) حدیث. ثلثۃ لھم اجران

حَدَّثَنِیْ اَبُوْبُرْدَۃَ عَنْ اَبِیْہِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ

ابو بردہ عامر اپنے باپ حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا

ثَلٰثَۃٌ لَھُمْ اَجْرَانِ رَجُلٌ مِّنْ اَھْلِ الْکِتَابِ اٰمَنَ بِنَبِیِّہٖ وَاٰمَنَ بِمُحَمَّدٍ وَالْعَبْدُ

تین شخصوں کے لئے دو اجر ہے ایک وہ اہل کتاب[۲] جو اپنے نبی پر ایمان لایا اور محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر بھی ایمان لایا

الْمَمْلُوْکُ اِذَا اَدّٰی حَقَّ اللّٰہِ وَحَقَّ مَوَالِیْہِ وَرَجُلٌ کَانَتْ عِنْدَہٗ اَمَۃٌ یَطَاُھَا فَاَدَّبَھَا

اور وہ غلام جو اللہ کا بھی حق ادا کرتا ہو۔ اور اپنے آقاؤں[۳] کا بھی اور وہ مرد جس کی کوئی لونڈی ہو جس سے ہم بستری کرتا تھا اور

تشریحات (۷۱)

لغات (۱) موالی۔ مولیٰ کی جمع ہے۔ مولیٰ، ولی یلی کا اسم مفعول ہے۔ اس کے متعدد معانی ہیں۔ مالک۔ آقا۔ احسان کرنے والا۔ جس پر احسان کیا جائے۔ مددگار۔ محب۔ حلیف۔ داماد۔ چچازاد بھائی۔ پڑوسی۔ جس نے غلام آزاد کیا ہو۔ آزاد شدہ[۱] غلام ۔ یہاں مراد آقا ہے۔

(۲) یہاں کتاب سے مراد توراۃ اور انجیل دونوں ہیں۔ بعض حضرات نے فرمایا کہ صرف انجیل مراد ہے۔ یہ اس تقدیر پر کہ دین عیسوی، دینِ موسوی کا ناسخ ہے۔ مگر صحیح تعمیم ہے۔ اس وجہ سے کہ بہت سے یہودی وہ تھے جنھیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی دعوت نہیں پہونچی جیسے مدینہ طیبہ و یمن وغیرہ کے یہود، وہ بھی اس میں داخل ہیں۔ نیز اہل الکتاب سے وہ تمام یہود و نصاریٰ مراد ہیں جو اپنے کو یہودی یا نصرانی کہتے ہیں۔ اگرچہ وہ تحریف شدہ یہودیت و نصرانیت کے پابند ہوں۔ اس لئے ہرقل کو حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے لکھا تھا۔ اسلام قبول کر تجھے دہرا اجر ملے گا۔ حالانکہ یہ محرف نصرانیت کا پابند تھا مراد خاص یہ جزئی نضیلت ہے۔ اسلئے اب یہ نہیں کہا جاسکتا کہ اس سے لازم آتا ہے کہ جو یہود و نصاریٰ ایمان لائے وہ تمام صحابہ سے افضل ہیں۔ کہ انھیں دہرا اجر ہے۔ اور بقیہ صحابہ کو ایک اجر۔ کیونکہ یہ صحابہ قوت ایمان، زیادتی معرفت و دیگر عظیم طاعات کی وجہ سے افضل ہیں۔

(۳) جمع اس لئے فرمایا کہ العبد پر الف لام جنس کا ہے۔ اس جنس سے مراد جمع ہے۔ اور جمع کا جب جمع یا قائم مقام جمع کے ساتھ تقابل ہو تو آحاد کی آحاد پر تقسیم ہوتی ہے۔ اب مطلب یہ ہوا کہ ہر وہ غلام جو اپنے آقا کا حق ادا کرے۔ ایسا بھی ہوتا ہے کہ ایک غلام متعدد مالکوں کے مابین مشترک ہوتا ہے تو مطلب یہ ہوا کہ اپنے تمام مالکوں کا حق ادا کرے۔ ایسا بھی ہوتا ہے کہ ایک غلام

[۱] مرقات۔

فَاَحْسَنَ تَادِيبَهَا وَعَلَّمَهَا فَاَحْسَنَ تَعْلِيمَهَا ثُمَّ اَعْتَقَهَا فَتَزَوَّجَهَا فَلَهُ اَجْرَانِ

اسے اچھی طرح ادب سکھایا اور عمدہ تعلیم دی پھر اسے آزاد کردیا اس کے بعد اس سے نکاح کرلیا تو اس کے لئے دو اجر ہیں

ثُمَّ قَالَ عَامِرٌ اَعْطَيْنَاكَهَا بِغَيْرِ شَيْءٍ قَدْ كَانَ يُرْكَبُ فِيمَا دُونَهَا اِلَى الْمَدِينَةِ ؎

یہ حدیث بیان کرنے کے بعد عامر یعنی امام شعبی نے کہا ہم نے تم کو یہ حدیث بلا کسی عوض کے دیدی اس سے کم حاصل کرنے کیلئے مدینہ تک سفر کرنا پڑتا تھا۔

یکے بعد دیگرے متعدد مالکوں کی ملکیت میں ہوتا ہے تو مراد یہ ہوئی کہ جن مالکوں کے ماتحت رہا۔ سب کا پورا حق ادا کیا۔

(۴) ایک لونڈی کے آزاد کرنے پر۔ دوسرا اس سے نکاح کرنے پر۔ لونڈی سے نکاح کرنے پر مزید ثواب کی وجہ یہ ہے۔ کہ عام طور پر لونڈیوں سے نکاح ناپسند سمجھا جاتا ہے اگرچہ وہ آزاد شدہ ہوں۔ اگر یہ نکاح نہ کرتا تو اندیشہ تھا کہ اس لونڈی کی زندگی برباد ہو جاتی۔ اس نے نکاح کر کے صرف بربادی ہی سے نہیں بچایا بلکہ اسے عزت بھی بخش دی یہ موجب اجر ہے۔ نیز جب تعلیم یافتہ اور سلیقہ مند ہے تو اپنے شوہر کو بھی نیکیوں پر آمادہ رکھے گی برائیوں سے بچائے گی۔ تو یہ لونڈی اس کے لئے باعث خیر ہوئی۔ اس شخص نے کئی موجب ثواب کام کئے۔ اسے تعلیم دی۔ تربیت دی۔ آزاد کیا پھر نکاح کیا۔ اس اعتبار سے وہ کئی اجر کا مستحق ہے لیکن ذکر دو ہی اجر فرمایا۔ یہ لونڈی کی خصوصیت کے اعتبار سے ہے کہ بقیہ باتوں میں لونڈی کی تخصیص نہیں۔ کسی کو بھی تعلیم دیگا۔ کسی کی بھی تربیت کرے گا۔ ثواب پائے گا۔ تعلیم سے مراد علم دین سکھانا ہے۔ اور تربیت سے مراد دوسری باتوں کا سلیقہ اور ہنرمندی اچھی عادت سکھانا مراد ہے۔

(۵) اس حدیث کا ابتدائی حصہ یہ ہے کہ ایک خراسانی امام شعبی کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس نے عرض کیا۔ ہمارے خراسان کے پہلے لوگوں کا کہنا ہے کہ جو شخص اپنی لونڈی کو آزاد کر کے اس سے نکاح کرے گویا وہ اپنی ھدی پر سوار ہے۔ ھدی۔ اس جانور کو کہتے ہیں جو حاجی اپنے ساتھ ایام حج میں قربانی کیلئے لے جائے۔ اور ہدی پر سواری منع ہے۔ اس پر امام شعبی نے یہ حدیث بیان فرمائی۔ ؎ کہ یہ معیوب نہیں ایسا شخص دوہرے ثواب کا مستحق ہے پھر امام شعبی نے اس خراسانی سے فرمایا ہم نے بلا کسی عوض کے مفت میں یہ حدیث تم کو بتا دی حالانکہ اس سے کم کے لئے لوگوں کو مدینہ طیبہ جانا پڑتا تھا۔ یہ حال عہد نبوت اور خلفائے راشدین کے زمانے تک رہا۔ بعد میں صحابۂ کرام تمام بلاد میں پھیل گئے اور اس کی ضرورت نہ رہی کہ حدیث معلوم

؎ مسلم کتاب الایمان ؎ ایضا بخاری، نکاح، اتخاذ السراری الانبیاء۔ واذکر فی الکتاب مریم۔ عتق۔ العبد اذا احسن عبادة ربہ۔ جہاد، فضل من اسلم من اہل الکتابین۔ مسلم ایمان ابو داؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ، دارمی نکاح، مسند امام احمد۔

حدیث ۷۲ عظۃ النساء

سَمِعْتُ ابْنَ عَبَّاسٍ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا قَالَ اَشْہَدُ عَلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی

ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا میں گواہی دیتا ہوں کہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَوْ قَالَ عَطَاءٌ اَشْہَدُ عَلَی ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ

یا عطاء نے کہا۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ ابن عباس نے کہا کہ حضور (مردوں کی مجلس) سے باہر تشریف لائے۔

وَسَلَّمَ خَرَجَ وَمَعَہٗ بِلَالٌ فَظَنَّ اَنَّہٗ لَمْ یُسْمِعِ النِّسَاءَ فَوَعَظَہُنَّ وَاَمَرَہُنَّ بِالصَّدَقَۃِ

اور حضور کے ساتھ بلال تھے۔ حضور کو گمان ہوا کہ میری بات عورتوں تک نہیں پہنچی (حضور عورتوں کے قریب آئے)

فَجَعَلَتِ الْمَرْاَۃُ تُلْقِی الْقُرْطَ وَالْخَاتَمَ وَبِلَالٌ یَاْخُذُ فِیْ طَرَفِ ثَوْبِہٖ[۱]

اور انھیں وعظ فرمایا اور حکم دیا کہ صدقہ کریں (اس کا اثر یہ ہوا کہ) عورتیں اپنی بالیاں اور انگوٹھیاں اتار اتار کر دینے لگیں۔ جنھیں بلال اپنے کرتے کے دامن میں جمع کرنے لگے

کرنے کیلئے مدینہ طیبہ ہی جانا ضرور ہو۔ بلکہ کبھی کبھی ایسا بھی ہوا کہ مدینہ طیبہ کے لوگ دوسرے بلاد میں حدیث حاصل کرنے تشریف لے گئے جیسا کہ ت ۲۶ کے تحت گذرا۔

(۶) دہرا ثواب کا استحقاق انھیں تینوں قسم کے لوگوں کے ساتھ خاص نہیں۔ کوئی بھی شخص ایسا کام کرے جو دہرے ثواب کا موجب ہو تو وہ دہرا ثواب پائے گا۔ مثلاً بیٹا، ماں، باپ کی بھی کما حقہ خدمت کرتا ہے۔ اور حقوق اللہ بھی ادا کرتا ہے۔ یوہیں وہ حاکم جو رعایا کی بھی سچائی کے ساتھ پوری دیکھ بھال کرتا ہے اور اللہ عز وجل کے بھی تمام حقوق ادا کرتا ہے تو یہ لوگ بھی دہرے ثواب کے مستحق ہیں۔

تشریحات (۷۲)

عورتوں کے مجمع میں وعظ ممنوع ہے

(۱) اس سے ثابت ہوا کہ خاص عورتوں کے مجمع میں جاکر مرد کو وعظ کہنا جائز ہے امام نووی نے فرمایا یہ اس وقت ہے کہ کسی طرف فتنے کا اندیشہ نہ ہو۔ اس زمانہ پرفتن میں چونکہ خشیت خداوندی نا درہے۔ اور ہوا وہوس غالب ہے۔ اس لئے اس کی اجازت نہیں۔

عورت بلا اذن شوہر صدقہ کرسکتی ہے

(۲) اس حدیث سے ثابت ہوا کہ عورت اپنا مال شوہر کی بلا اجازت صدقہ کرسکتی ہے۔ اور جن بعض احادیث سے ظاہر ہوتا ہے کہ عورت کو شوہر کی اجازت کے بغیر صرف کرنا جائز نہیں۔ اس سے مراد یہ ہے کہ شوہر کے مال میں، شوہر کی بلا اجازت تصرف جائز نہیں۔

[۱] ایضا مسلم، ابو داؤد، ابن ماجہ صلوٰۃ، نسائی صلوٰۃ۔ علم۔

حدیث۔ اسعد الناس بالشفاعۃ (۴۳)

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالَىٰ عَنْهُ، أَنَّهُ قَالَ، قِيلَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ مَنْ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے پوچھا ملہ یارسول اللہ

أَسْعَدُ النَّاسِ بِشَفَاعَتِكَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالَىٰ عَلَيْهِ

قیامت کے دن آپ کی شفاعت کے ساتھ سب سے زیادہ سعادت اندوز کون ہوگا؟ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا

وَسَلَّمَ لَقَدْ ظَنَنْتُ يَا أَبَا هُرَيْرَةَ أَنْ لَا يَسْأَلَنِي عَنْ هٰذَا الْحَدِيثِ أَحَدٌ أَوَّلُ

اے ابوہریرہ میں جانتا تھا کہ تم سے پہلے یہ بات کوئی نہیں پوچھے گا۔ کیونکہ تمہارے حدیث کے شوق کو جانتا ہوں

مِنْكَ لِمَا رَأَيْتُ مِنْ حِرْصِكَ عَلَى الْحَدِيثِ أَسْعَدُ النَّاسِ بِشَفَاعَتِي يَوْمَ

قیامت کے دن میری شفاعت کے ساتھ

الْقِيَامَةِ مَنْ قَالَ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ خَالِصًا مِنْ قَلْبِهِ أَوْ نَفْسِهِ ؏

سب سے زیادہ سعادت اندوز وہ ہے جس نے سچے دل سے لا الہ الا اللہ کہا۔

تشریحات (۴۳)

(۱) یہاں قیل، ہے جس سے معلوم ہوتا کہ پوچھنے والے کوئی اور صاحب ہیں۔ حالانکہ اس حدیث کے پچھلے حصے سے ظاہر ہے کہ پوچھنے والے حضرت ابوہریرہ ہی ہیں۔ اسی لئے امام قاضی عیاض نے فرمایا یہ تصحیف ہے صحیح "قیل" کے بجائے قلت ہے جیسا کہ صفۃ الجنۃ والنار میں خود امام بخاری نے قیل کے بجائے قلت روایت کیا ہے۔

شفاعت کے مدارج

(۲) یہ اس لئے فرمایا کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شفاعت کے مختلف مدارج ہیں۔ پہلا درجہ میدان محشر کی ہولناکی میں تخفیف۔ یہ سب کے لئے ہوگی۔ دوسرے بعض کفار کے عذاب میں تخفیف جیسا کہ ابو طالب کے بارے میں وارد ہے۔ تیسرے بلا حساب وکتاب کچھ لوگوں کو جنت میں داخل کرنا چوتھے کچھ لوگ مستحق نار ہوں گے انھیں جہنم سے بچا کر جنت میں داخل کرنا پانچویں جو جہنم میں جاچکے ہونگے انھیں سزا کی میعاد سے پہلے جہنم سے نکال کر جنت میں داخل کرنا چھٹے کچھ جنتیوں کے درجات بلند کرنا۔ ان میں دو پہلی والی شفاعت سے مومن اور کافر بھی بہرہ ور ہوں گے۔ اور بقیہ چار خاص مؤمنین کا حصہ ہے۔ ان چاروں میں کفار کا کوئی حصہ نہیں۔ تو ظاہر ہوگیا کہ مومنین کو کفار کی بہ نسبت کفار کے زیادہ حصہ ملا۔ اس لئے فرمایا۔ سب سے زیادہ میری شفاعت سے سعادت اندوز سچے دل سے ایمان قبول کرنیوالا ہے۔

؏ بخاری کتاب الرقاق باب صفۃ الجنۃ والنار۔ مسند امام احمد

ت ⑱ وَكَتَبَ عُمَرُ بْنُ عَبْدِ الْعَزِيزِ إِلَى أَبِي بَكْرِ بْنِ حَزْمٍ أُنْظُرْ مَا كَانَ مِنْ

اور عمر بن عبد العزیز نے ، ابو بکر بن حزم کو لکھا کہ دیکھو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی جو

حَدِيثِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاكْتُبْهُ فَإِنِّي خِفْتُ

حدیث ہو اسے لکھ لو۔ اس لئے کہ مجھے علم مٹ جانے اور علماء کے اٹھ جانے کا اندیشہ ہے

دُرُوسَ الْعِلْمِ وَذَهَابَ الْعُلَمَاءِ وَلَا يُقْبَلُ إِلَّا حَدِيثُ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالَى

اور نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حدیث کے سوا اور کچھ نہ قبول کی جائے۔

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلْيُفْشُوا الْعِلْمَ وَلْيَجْلِسُوا حَتَّى يُعَلَّمَ مَنْ لَا يَعْلَمُ فَإِنَّ الْعِلْمَ

اور علم کو خوب پھیلاؤ۔ اور (عوام میں) بیٹھو۔ تاکہ بے علم، علم حاصل کریں کیونکہ جب تک علم کو راز

لَا يَهْلِكُ حَتَّى يَكُونَ سِرًّا

نہیں بنایا جائے گا علم اٹھے گا نہیں

اقرار باللسان کی اہمیت ③ یعنی صدق دل سے مسلمان ہوا ہو، منافق نہ ہو، من قال سے ثابت کہ جسے اقرار باللسان سے کوئی مانع نہ ہو اس پر اقرار باللسان لازم ہے۔

فوائد اس حدیث سے ثابت ہوا کہ علم دین کا شوق پسندیدہ ہے۔ اور ثابت ہوا کہ استاذ اپنے ذہین اور شوقین تلمیذ کی حوصلہ افزائی کرے۔ نیز ثابت ہوا کہ مومنین کے لئے شفاعت حق ہے۔

تشریحات ⑱

ابو بکر بن حزم مدنی انصاری ① ان کا نام ابو بکر اور کنیت ابو محمد۔ یہ حضرت عمر بن عبد العزیز کی جانب سے مدینہ طیبہ کے حاکم تھے۔ اسی وجہ سے انھیں خصوصیت سے احادیث جمع کرنے کا حکم دیا۔ ان کا وصال ۱۲۰ھ میں ہشام بن عبد الملک کے عہد میں ہوا۔ چوراسی سال کی عمر پائی۔

② تدوین حدیث کی مختصر تاریخ مقدمہ میں مذکور ہے۔ اسی کی ایک کڑی یہ حکم بھی ہے۔ چونکہ حکم صرف احادیث جمع کرنے کا ہے۔ اسی لئے تاکید کر دی کہ اس میں دوسروں کے اقوال نہ لکھے جائیں۔ تاکہ التباس نہ ہو۔ اس عہد خیر القرون میں جب علم کے اٹھ جانے کا خطرہ تھا تو آج بدرجہ اولیٰ ہے۔ اس لئے علمائے دین کی ذمہ داری ہے کہ علم کی حتی الوسع خوب اشاعت کریں۔

حضرت عمر بن عبد العزیز کا یہ حکم ابو بکر بن حزم کو صرف نہ تھا۔ بلکہ تمام آفاق کے لوگوں کو بھی تھا۔ جیسا کہ ابو نعیم

(۸۴) حدیث قبض العلم

عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ ابْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی

عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے کہا میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے سنا فرماتے

عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ اِنَّ اللّٰہَ لَا یَقْبِضُ الْعِلْمَ اِنْتِزَاعًا یَّنْتَزِعُہٗ مِنَ الْعِبَادِ

تھے کہ اللہ عزوجل علم کو یوں نہیں اٹھائے گا کہ بندوں کے سینوں سے چھین لے ۔ ہاں علما کو

وَلٰکِنْ یَّقْبِضُ الْعِلْمَ بِقَبْضِ الْعُلَمَاءِ حَتّٰی اِذَا لَمْ یُبْقِ عَالِمًا اِتَّخَذَ النَّاسُ رُؤُسًا

اٹھا کر علم بھی اٹھالے گا یہاں تک کہ جب کوئی عالم باقی نہ رہے گا تو لوگ جاہلوں کو اپنا پیشوا بنالیں گے ان

جُہَّالًا فَسُئِلُوْا فَاَفْتَوْا بِغَیْرِ عِلْمٍ فَضَلُّوْا وَاَضَلُّوْا ع۱

سے مسئلہ پوچھا جائے گا یہ بے علم کے فتویٰ دیں گے خود بھی گمراہ ہوں گے لوگوں کو بھی گمراہ کریں گے ۔

نے تاریخ اصفہان میں ذکر کیا ہے ۔

بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ "حتی یکون سرا" تک عمر بن عبد العزیز کا قول ہے ۔ اس کا احتمال ضرور ہے ۔ مگر اظہر یہ ہے کہ "ذھاب العلماء" تک، حضرت عمر بن عبد العزیز کا قول ہے ۔ اور بقیہ امام بخاری کا اضافہ ہے جیسا کہ بعد میں اس کے متصل ہی امام بخاری نے سند کے ساتھ صرف "ذھاب العلماء" تک ذکر کیا ہے ۔

تشریحات (۸۴)

تکمیل (۱) یہ حدیث حجۃ الوداع کے موقع پر ارشاد فرمایا تھا اس کا ابتدائی حصہ یہ ہے ارشاد فرمایا علم کو حاصل کرو قبل اس کے کہ اٹھا لیا جائے اس پر ایک اعرابی نے عرض کیا کیسے اٹھایا جائے گا فرمایا ۔ علم کا اٹھنا حاملین علم کی وفات ہے ۔ تین بار فرمایا

فوائد (۲) اس حدیث سے مندرجہ ذیل باتیں ثابت ہوئیں ۔

(۱) ایسا زمانہ آسکتا ہے کہ کوئی مجتہد نہ رہے ۔ (۲) جاہل کو مذہبی پیشوا یا مفتی بنانا حرام ۔ (۳) افتاء دینی ریاست اور مفتی دینی رئیس ہے ۔

ع۱ ایضا ۔ الاعتصام ۔ ما یذکر من ذم الرای ۔ مسلم علم ۱۳-۱۴ ۔ ترمذی علم ۵۰ ۔ ابن ماجہ نے مقدمہ ۸ ۔ دارمی نے مقدمہ ۲۶ ۔ مسند امام احمد ۔ علاوہ ازیں نسائی نے علم ۔ ابن ماجہ سنت ۔

حدیث (۷۵) تعیین الیوم للوعظ

عَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ الْخُدْرِیِّ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ قَالَ قَالَتِ النِّسَاءُ لِلنَّبِیِّ

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے عورتوں نے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے عرض کیا

صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ غَلَبَنَا عَلَیْکَ الرِّجَالُ فَاجْعَلْ لَنَا یَوْمًا مِّنْ

آپ کی بارگاہ میں مرد ہم پر غالب ہیں حضور اپنی طرف سے ایک دن ہمارے لئے

نَفْسِکَ فَوَعَدَهُنَّ یَوْمًا لَقِیَهُنَّ فِیْهِ فَوَعَظَهُنَّ وَاَمَرَهُنَّ فَکَانَ فِیْمَا قَالَ

مقرر فرما دیں حضور نے عورتوں سے ایک دن ملاقات مقرر کرکے وعدہ فرما لیا اس دن عورتوں کے پاس تشریف لے گئے انھیں

لَهُنَّ مَا مِنْکُنَّ امْرَاَۃٌ تُقَدِّمُ ثَلٰثَۃً مِّنْ وَّلَدِهَا اِلَّا کَانَ لَهَا حِجَابًا مِّنَ النَّارِ

وعظ فرمایا انھیں جو احکام دیے ان ارشادات میں یہ تھا تم میں سے جو عورت تین بچے آگے بھیج دے یہ بچے اس کیلئے

فَقَالَتِ امْرَاَۃٌ وَّاثْنَیْنِ فَقَالَ وَاثْنَیْنِ [1]

آگ سے آڑ ہو نگے اس پر ایک عورت نے عرض کیا اور جس نے دو بھیجا ہو فرمایا دو کا بھی یہی حکم ہے۔

تشریحات (۷۵)

ذکر خیر کی مجلس کے لئے دن معین کرنا سنت ہے (۱) حضرت ابو ہریرہ کی حدیث میں ہے کہ عورتوں کی درخواست پر فرمایا فلاں عورت کے گھر جمع ہو جانا اس دن گھر میں تشریف لے گئے اور انھیں وعظ فرمایا۔

اس سے ثابت ہوا کہ ذکر خیر یا کار خیر کیلئے دن اور جگہ مقرر کرنا سنت ہے جیسے وعظ، میلاد شریف، نیاز، فاتحہ، عرس وغیرہ

نابالغ بچوں کے فوت ہونیکا ثواب (۲) اس کے بعد والی حضرت ابو ہریرہ کی حدیث میں ہے کہ ایسے بچے جو بالغ نہ ہوئے ہوں۔ مراد یہ ہے کہ جس عورت کے تین نابالغ بچے فوت ہو گئے ہوں اور اس نے صبر کیا۔ اسے جہنم سے نجات ہے یا تو یوں کہ یہ بچے شفاعت کرکے جہنم سے بچائیں گے۔ یا اللہ عزوجل انکی مصیبت پر رحم فرما کر بخش دیگا۔ عورت کی تخصیص نہیں۔ مرد بھی اس میں داخل ہیں۔ جیسا کہ کتاب الجنائز میں حضرت انس کی حدیث میں ہے مَا مِنَ النَّاسِ مُسْلِمٍ کسی بھی مسلمان مرد کے تین بچے فوت ہوں اور ترمذی شریف میں حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث مَا مِنْ مُسْلِمَیْنِ یَتَوَفّٰی لَهُمَا یعنی جن دو مسلمان کے تین بچے فوت ہو جائیں۔ تین اور دو کی بھی تخصیص نہیں بلکہ ایک

[1] اسے امام بخاری نے جنائز فضل من مات لہ ولد۔ اعتصام تعلیم الرجل امتہ۔ میں اور امام مسلم نے مساوین میں (۳۱۴) ابو داؤد وترمذی (۱۱) نسائی نے قبلہ میں (۱۸۱) ابن ماجہ نے اقامت میں (۴۶) اور امام احمد نے اپنی مسند میں بھی ذکر کیا ہے۔

(۷۶) حدیث ۔ مَنْ کَذَبَ عَلَیَّ

سَمِعْتُ رِبْعِیَّ بْنَ حِرَاشٍ یَقُوْلُ سَمِعْتُ عَلِیًّا یَقُوْلُ قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی

ربعی بن حراش کہتے ہیں میں نے علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سنا وہ فرماتے تھے کہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا ۔

بچے کے بھی فوت پر یہ ثواب ہے ۔ جیساکہ ترمذی کی متعدد احادیث میں تصریح ہے ۔ کہ عرض کیا گیا ۔ دو ، تو فرمایا دو بھی ، پھر عرض کیا گیا ایک ، تو فرمایا ایک بھی نابالغ کی تخصیص اس لئے ہے کہ ماں باپ کے چھوٹے بچوں سے زیادہ محبت ہوتی ہے

(۳) یہ عرض کرنیوالی یا تو ام سلیم تھیں یا ام ایمن یا ام مبشر ، تینوں روایتیں ہیں ۔

تشریحات (۷۶)

ربعی بن حراش (۱) تابعی ثقہ ہیں ۔ زندگی بھر کبھی جھوٹ نہیں بولے ۔ ان کے دو بیٹے حجاج کے باغی تھے ۔ حجاج نے ان کے پاس آدمی بھیجا ۔ حجاج کے فرستادے نے ان سے پوچھا کہ تمھارے بیٹے کہاں ہیں ۔ بتا دیا گھر میں ہیں ۔ حجاج نے جب سنا تو یہ کہہ کر معاف کر دیا ۔ تم دونوں کے باپ کے سچ بولنے کی وجہ سے معاف کر دیا ۔ یہ قسم کھائی کہ اس وقت تک نہ ہنسونگا جب تک یہ معلوم نہ ہو جائے کہ میرا ٹھکانہ جنت میں ہے یا دوزخ میں ۔ عمر بھر کبھی نہ ہنسے موت کے بعد مسکرا رہے تھے ۔ ربعی کا حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے صرف اس ایک حدیث کا سننا ثابت ہے ۔ عمر بن عبد العزیز کی خلافت یا سنہ میں وفات پائی ۔

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ (۲) نام علی ہے کنیت ابو الحسن ابو تراب ہے ۔ حیدر ، اسد اللہ خطابات ہیں ۔ انھیں اپنی کنیت ابو تراب بہت پسند تھی ۔ اس لئے کہ یہ کنیت خود حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے رکھی تھی ان میں اور سیدہ میں کچھ شکر رنجی ہوگئی یہ مسجد میں فرش پر جا سو رہے ۔ آنحضور تشریف لائے ۔ انھیں اٹھایا پیٹھ پر گرد لگی تھی ۔ فرمایا ۔ قم یا ابا تراب ۔ اے ابو تراب اٹھو ۔

اعلان نبوت سے دس سال پہلے پیدا ہوئے ۔ بچوں میں سب سے پہلے ایمان لائے ان کی تربیت آغوش نبوی میں ہوئی ۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنی سب سے چہیتی صاحبزادی حضرت فاطمہ کے ساتھ انکی شادی فرمائی ۔ تمام غزوات میں شریک ہوئے اور حق جاں نثاری ادا کیا سوائے غزوۂ تبوک کے ۔ اس موقع پر مدینہ طیبہ میں ان کو اپنا نائب بنا کے رکھا تھا ۔ ان کے فضائل و مناقب بے شمار ہیں ۔ یہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے چچا کے صاحبزادے اور حضور کے محبوب داماد اور پروردہ ہیں ۔ مدینہ طیبہ میں جب رشتہ مواخات قائم فرمایا ۔ تو از راہ کرم ان سے فرمایا ۔ انت اخی فی الدنیا والآخرۃ ۔ سابقین اولین خلفائے راشدین عشرہ مبشرہ اور

اللہ تعالیٰ علیہ وسلم لا تکذبوا علی فانہ من کذب علی فلیلج النار علہ

مجھ پر جھوٹ مت باندھو کیونکہ جو مجھ پر جھوٹ باندھے گا جہنم میں جائے گا ۔

ان چھ افراد خاص میں ہیں جن سے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم دنیا سے راضی گئے صحابہ کرام کی صف اول کے علماء ربانیین اور دنیا کے بہادروں میں سب سے یکتا ہیں ۔ یہی وہ بطل جلیل ہیں جنھوں نے عمرو بن عبد ودّ کو قتل کیا اور خیبر میں مرحب کو خاک و خون میں ملا کر خیبر فتح فرمایا ۔ جنگ اُحد میں انتہائی نازک وقت میں بھی ساتھ ساتھ رہے اس غزوہ میں سولہ زخم کھائے مگر قدم میں لغزش نہ ہوئی ۔ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کے بعد باتفاق تمام اہل حل وعقد ۳۵ھ میں ذو الحجہ میں خلیفہ منتخب ہوئے ۔ تین ماہ کچھ دن کم پانچ سال تک مسند آرائے خلافت رہے ۔ اٹھارہ رمضان المبارک ۴۰ھ میں نماز فجر کیلئے جاتے ہوئے مسجد کوفہ میں عبد الرحمن بن ملجم نے سر اقدس پر زہر آلود تلوار ایسی ماری کہ دماغ تک پہونچ گئی ۔ تیسرے دن بیس رمضان کو اسی صدمے سے وصال فرمایا ۔ سبطین کریمین اور عبد اللہ بن جعفر طیار نے غسل دیا ۔ حضرت امام حسن نے نماز جنازہ پڑھائی ۔ بر روایت صحیح کوفے ہی میں مدفون ہوئے ۔ عمر مبارک تریسٹھ سال کی ہوئی ۔ حضرت علی سے پانچ سو چھیاسی حدیثیں مروی ہیں ۔ بخاری اور مسلم دونوں نے بائیس ۔ اور نو تنہا بخاری نے اور پندرہ صرف مسلم نے ذکر کی

(۳) علم دین اور اسکی نشر و اشاعت کے فضائل بیان کرنے کے بعد ضروری تھا کہ جہل بنام علم کے مفاسد اور اس پر جو وعیدیں وارد ہیں ان کو بھی بیان کر دیا جائے ۔ اس لئے کہ علم سے جتنا نفع نہیں ہوتا ، جہل بصورت علم سے کہیں زیادہ نقصان پہونچتا ہے ۔

اس سلسلے میں سب زیادہ اہمیت احادیث کی ہے جو حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ارشادات ، دین ہیں اب اگر کوئی فتنہ پرور اپنی کسی بات کو حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف منسوب کرکے یہ کہے کہ یہ حضور اقدس کا ارشاد ہے ۔ تو اس سے دین میں کتنا بڑا رخنہ پیدا ہو سکتا ہے ۔ ظاہر ہے ۔ اس لئے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جہاں احادیث کے یاد کرنے ، انکی نشر و اشاعت کی زیادہ سے زیادہ ترغیب دی ہے وہیں حدیثیں گڑھ کر آنحضور کی طرف منسوب کرنے کی بشدت ممانعت فرمائی ہے ۔ اور اس پر سب سے بڑے عذاب جہنم کی وعید فرمائی ہے اس اہمیت کے پیش نظر امام بخاری نے اس مضمون کی پانچ احادیث پانچ صحابہ سے مروی یہاں ذکر کیں ۔

حدیث گڑھنا بہر حال حرام ہے (۴) جھوٹی حدیثیں وضع کرنی بہر حال حرام قطعی واشد کبیرہ ہے ۔ خواہ وہ عقائد

علہ یہ حدیث امام مسلم نے مقدمہ، ترمذی نے علم میں (۸) مناقب میں نسائی نے علم میں ابن ماجہ نے سنت میں امام احمد نے مسند میں بھی ذکر کیا ہے ۔

۷۷ حدیث ایضًا

عَنْ عَامِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ الزُّبَیْرِ عَنْ اَبِیْہِ قَالَ قُلْتُ لِلزُّبَیْرِ اِنِّیْ لَا

حضرت عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے کہا میں نے (اپنے والد) زبیر سے کہا

کی ہوں خواہ احکام کی خواہ وہ فضائل ومناقب کی ہوں، خواہ ترغیب وترہیب کی ، یہ علم ہوتے ہوئے کہ یہ حدیث موضوع ہے اس کے موضوع ہونے کو ظاہر کئے بغیر اسے بیان کرنا بھی حرام ہے۔

وضع کا حکم لگانے میں احتیاط لازم ہے ⑤ جس طرح حدیث گڑھنا حرام ہے اسی طرح کسی حدیث کا انکار بھی گمراہی ہے۔ اس لئے اس معاملے میں دونوں طرف کافی احتیاط کی ضرورت ہے۔ علمائے سلف ان تمام کاموں سے فارغ ہو چکے اب ہم پر ان کی اتباع لازم ہے۔ علامہ عینی نے یہاں یہ بھی تاکید فرمائی ہے۔ احادیث پوری صحت کیساتھ پڑھی جائیں ان میں نحوی صرفی لغوی غلطی نہ ہو جتنے نام ہوں صحیح پڑھے جائیں ورنہ اندیشہ ہے کہ وہ بھی اس وعید میں داخل نہ ہو جائے۔ اسی طرح حرف کو صحیح تلفظ کے ساتھ ادا کرے ورنہ اس وعید میں ضرور داخل ہوگا اگر معنی فاسد ہو گئے ورنہ اندیشہ بہرحال ضرور ہے۔

فَلْیَلِجِ النَّارَ کی توجیہ ⑥ فلیلج النار صیغۂ امر خبر کے معنی میں ہے یعنی اس کے معنی یہ ہیں کہ وہ جہنم میں جائے گا اس کی موید مسلم شریف کی روایت بطریق غندر عن شعبہ ہے جس میں فرمایا۔

مَنْ یَکْذِبْ عَلَیَّ یَلِجِ النَّارَ۔ جو مجھ پر جھوٹ باندھے گا جہنم میں جائیگا۔

نیز ابن ماجہ بطریق شریک عن منصور کی روایت بھی اس کی تائید کرتی ہے جس میں یوں ہے کہ فرمایا۔

اَلْکِذْبُ عَلَیَّ یُوْلِجُ النَّارَ۔ مجھ پر جھوٹ باندھنا جہنم میں داخل کرے گا۔

یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ یہ بد دعا ہے۔

تشریحات ۷۷

زبیر بن عوام رضی اللہ تعالیٰ عنہ ① یہ حضرت خدیجہ کے چچا عوام کے بیٹے اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی حضرت صفیہ بنت عبد المطلب کے صاحبزادے سابقین اولین اور عشرہ مبشرہ اور ان چھ نفوس قدسیہ میں سے ہیں جن سے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم راضی رہتے ہوئے دنیا سے تشریف لے گئے۔ سولہ سال کی عمر میں حضرت صدیق اکبر رضی اللہ کے ہاتھ پر بالکل ابتداء میں جب کہ تین یا چار حضرات مشرف باسلام ہوئے تھے۔ ایمان قبول فرمایا۔

اُبیّہ ان کے چچا چٹائی میں لپیٹ کر دھونی دیتے۔ مگر یہ فرماتے میں ہرگز کافر نہ ہوں گا۔ سب سے پہلے راہ خدا میں انھوں نے اپنی تلوار نیام سے نکالی۔ ہوا یہ کہ ایک بار مکے میں دشمنوں نے مشہور کر دیا کہ رسول اللہ گرفتار کر لئے گئے یہ سنتے ہی تلوار نیام سے کھینچ کر لوگوں کی بھیڑ چیرتے ہوئے نکلے اور حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مکے کے بالائی حصے میں تھے۔ جب حاضر خدمت ہوئے پوچھا کیا بات ہے؟ واقعہ عرض کیا حضور نے ان کے لئے اور ان کی تلوار کے لئے دعا فرمائی دونوں ہجرتیں کیں۔ تمام غزوات میں شریک ہوئے اور بہت نمایاں معرکے سر کئے۔ غزوۂ خندق میں ایک رات سخت سردی میں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کوئی ہے جو دشمنوں کا حال معلوم کر کے آئے۔ تین بار فرمایا۔ مگر کوئی تیار نہیں ہوا۔ تیسری بار یہ آمادہ ہوگئے۔ اور دشمن کے کیمپ میں جا کر حال معلوم کر کے آئے اس وقت ارشاد فرمایا۔

لکل نبی حواری وحواری الزبیر۔ ہر نبی کے کچھ خاص معتمد مددگار ہوتے ہیں اور میرا خاص معتمد مددگار زبیر ہے۔

غزوۂ اُحد میں یہ بھی ان چودہ جاں نثاروں میں تھے جو شمع رسالت کے لئے حصار بنے رہے۔

جنگ جمل میں حضرت علی کے مقابل تھے ایک بار آمنا سامنا ہوا تو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کو حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا وہ ارشاد یاد دلایا۔ اے زبیر تم ایک دن علی سے لڑو گے اور تم ظالم ہو گے یہ سنتے ہی میدان جنگ سے چل پڑے۔ بصرہ کے قریب ہی وادی سباع کے ایک گاؤں سفوان میں پہونچ کر نماز پڑھ رہے تھے کہ عمرو بن جرموز التیمی نے چپکے سے پیچھے سے نیزہ مار کر شہید کر دیا۔ حضرت علی کی خدمت میں عمرو ان کی تلوار لے کر حاضر ہوا اور کہا میں نے زبیر کو قتل کر دیا حضرت علی نے فرمایا یہ تلوار مدت دراز تک رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے مصائب دور کرتی رہی۔ ابن صفیہ کے قاتل کو جہنم کی بشارت ہو۔[علہ] عمرو نے کہا اے علی آپ کی ذات مسلمانوں میں عجب وغریب ہے آپ کا دوست بھی جہنمی اور دشمن بھی جہنمی۔ اس وقت وہیں دفن کر دیئے گئے۔ بعد میں منتقل کر دیے گئے۔ بصرہ میں مزار مبارک مشہور ومعروف ہے ۳۶ھ میں شہادت ہوئی۔ باسٹھ سال کی عمر پائی۔

اغنیاء صحابہ میں سے تھے۔ وفات کے وقت کروڑوں نقد ترکہ چھوڑا تھا۔ ان سے اڑتیس حدیثیں مروی ہیں۔ دو متفق علیہ اور سات افراد بخاری سے ہیں۔

(۲) ابن ماجہ میں خاص عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا نام مذکور ہے۔

علہ اسد الغابہ

أَسْمَعُكَ تُحَدِّثُ عَنْ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَمَا

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے حدیث بیان کرتے ہوئے آپ کو نہیں سنتا جیساکہ

يُحَدِّثُ فُلَانٌ وَفُلَانٌ قَالَ أَمَا إِنِّي لَمْ أُفَارِقْهُ وَلٰكِنْ سَمِعْتُهُ يَقُولُ

فلاں اور فلاں بیان کرتے ہیں زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا سنو! میں رسول اللہ سے (سفر حضر میں) جدا نہ رہا لیکن

مَنْ كَذَبَ عَلَيَّ فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ عه ۷۸ حدیث۔ ایضاً۔ قَالَ

میں نے حضور کو یہ فرماتے سنا جو مجھ پر جھوٹ باندھے وہ اپنا ٹھکانہ جہنم بنالے۔

أَنَسٌ إِنَّهُ لَيَمْنَعُنِي أَنْ أُحَدِّثَكُمْ حَدِيثًا كَثِيرًا أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالَى عَلَيْهِ

انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا مجھے بہت زیادہ حدیثیں بیان کرنے سے یہ بات روکتی ہے کہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ

وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ تَعَمَّدَ عَلَيَّ كَذِبًا فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ عه

وسلم نے فرمایا جو قصداً مجھ پر جھوٹ باندھے وہ اپنا ٹھکانہ جہنم بنالے۔

حضرت زبیر کے حضور سے رشتے (۳) زبیر بن بکار نے کتاب النسب میں اسے یوں روایت کیا ہے کہ عبداللہ بن زبیر نے فرمایا مجھے اپنے والد حضرت زبیر کے حدیث کم بیان کرنے سے تکلیف تھی اس کو میں نے ان سے پوچھا تو فرمایا۔ اے بیٹے میرے اور حضور کے مابین جو رشتہ ہے وہ تم جانتے ہو۔ انکی پھوپھی (صفیہ) میری ماں ہیں اور انکی زوجہ خدیجہ میری پھوپھی اور ان کی والدہ آمنہ اور میری دادی ہالہ بنت وہیب بہن ہیں۔ تمہاری ماں اور ان کی اہلیہ عائشہ بہن ہیں لیکن چونکہ میں نے حضور سے ایسا سنا ہے اس لئے حدیث کم بیان کرتا ہوں

حضرت زبیر کی احتیاط کا نکتہ (۴) حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مقصد یہ ہے کہ کثرت سے حدیثیں بیان کرنے میں خطا کا اندیشہ ہے اس لئے میں احتیاط کرتا ہوں۔ اگرچہ حرام و گناہ بالقصد جھوٹ باندھنا ہے اور سہواً یا خطاً اگر جھوٹ صادر ہو جائے تو معاف ہے مگر جب کسی کو کثرت سے حدیث بیان کرنے میں خطا کا اندیشہ ہو تو مزور بکثرت احادیث بیان کرنا ممنوع ہے۔ اس میں بڑا فساد یہ ہے کہ لوگ ثقہ کی روایت پر اعتماد کر کے اسے قبول کریں گے اس کے مطابق اعتقاد رکھیں گے اس پر عمل کریں گے حالانکہ یہ اعتقاد و عمل ایسی بات پر ہوگا جو شارع نے نہیں فرمایا۔ اسی لئے محتاط صحابہ نے کثرت سے احادیث بیان کرنے سے پرہیز فرمایا رہ گئے مکثرین تو انھیں اپنے حافظہ پر اعتماد

عه اسے ابوداؤد اور نسائی نے علم میں اور ابن ماجہ نے سنت میں ذکر کیا ہے عه اسے امام مسلم اور نسائی نے بھی علم میں ذکر کیا ہے۔

(۷۹) حدیث ۔ ایضاً

عَنْ سَلَمَةَ هُوَ ابْنُ الْاَكْوَعِ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

سلمہ بن اکوع رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا میں نے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا

يَقُوْلُ، مَنْ يَّقُلْ عَلَيَّ مَا لَمْ اَقُلْ فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهٗ مِنَ النَّارِ۔

جس نے میری طرف منسوب کر کے وہ بات کہی جو میں نے نہیں کہی وہ اپنا ٹھکانہ جہنم بنا لے

اور وثوق تھا بیان کرنے میں انھیں خطا کا اندیشہ نہ تھا۔ اس لئے بیان فرمایا۔ یا یہ کہ انکی عمریں زیادہ ہوئیں نئے نئے حوادث اور واقعات پیدا ہوئے۔ اور لوگوں نے ان سے سوالات کئے اور زعذ السوال کتمان علم حرام۔ اس سے بچنے کے لئے انھوں نے جو یاد تھا فرمادیا۔

حضور پر بالقصد جھوٹ باندھنا حرام ہے (۵) یہاں متعمداً نہیں لیکن ابن ماجہ اور اسماعیلی کی روایت میں متعمداً ہے۔ اور یہ طے ہے کہ وعید اسی صورت میں ہے جبکہ تعمداً جھوٹ باندھا جائے۔ اس پر اجماع امت ہے کہ اس بارے میں بھی خطا و سہو معاف ہے۔

تشریحات (۷۵)

سلمہ بن اکوع رضی اللہ تعالیٰ عنہ (۱) یہ بہت مخیر بہادر ماہر تیرانداز اور فاضل تھے۔ بیعۃ الرضوان میں شریک ہوئے انہوں نے تین بار بیعت کی۔ شروع میں۔ درمیان میں۔ اخیر میں۔ یہی وہ بزرگ ہیں کہ ان سے بھیڑیئے نے کلام کیا۔ ہوا یہ کہ انھوں نے ایک بھیڑیئے کو دیکھا کہ وہ ایک ہرن پکڑے ہوئے ہے۔ انھوں نے بھیڑیے کا پیچھا کیا۔ اور اس سے ہرن چھین لیا۔ اس پر بھیڑیئے نے کہا۔ تجھے خرابی ہو میرا اور تیرا کیا حال ہے۔ اللہ نے مجھے رزق دیا تو نے اسے چھین لیا۔ حالانکہ وہ تیرا مال نہیں۔ یہ سن کر انھوں نے کہا اے اللہ کے بندو یہ کتنی عجیب بات ہے کہ بھیڑیا کلام کررہا ہے۔ اس پر بھیڑیئے نے کہا اس سے حیرت انگیز بات یہ ہے کہ کھجوروں میں اللہ کے رسول ہیں جو تم کو اللہ کی عبادت کی طرف بلاتے ہیں اور تم بتوں کی عبادت پر مُصِر ہو۔ یہ سن کر سلمہ خدمت اقدس میں حاضر ہو کر مشرف باسلام ہو گئے۔

مشکوٰۃ میں بھی ایک بھیڑیے کے کلام کرنیکا واقعہ ہے جسمیں یہ ہے کہ ایک یہودی چرواہے کیساتھ یہ واقعہ پیش آیا۔ اور بھیڑیے نے یہ کہا اس سے زیادہ حیرت انگیز یہ ہے کہ ایک صاحب ان دونوں سنگستانوں کے درمیان نخلستان میں ہیں۔ جو تم کو ان تمام باتوں کی خبر دیتے ہیں جو گذر چکا اور ان تمام باتوں کی بھی جو تمہارے بعد ہوں گی اس یہودی نے خدمت میں آکر بتا دیا اور مسلمان ہو گیا۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس کی تصدیق کی اور

⑧⓪ حدیث ایضاً

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ، عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا

وَسَلَّمَ قَالَ تَسَمَّوْا بِاسْمِیْ وَلَا تَكْتَنُوْا بِكُنْیَتِیْ وَ مَنْ رَاٰنِیْ فِی الْمَنَامِ فَقَدْ رَاٰنِیْ

میرے نام پر نام رکھو اور میری کنیت پر کنیت نہ رکھو جس نے مجھے خواب میں دیکھا اس نے بلاشبہ مجھے

فرمایا۔ یہ قیامت کی نشانیوں میں سے ہے۔ بہت جلد وہ وقت آنے والا ہے کہ انسان جب اپنے گھر واپس ہوگا تو اس کے جوتے اور اس کا کوڑا بتائے گا کہ تمہارے گھر سے جانے کے بعد گھر والوں نے کیا کیا علہ۔

حضرت سلمہ نے مدینہ طیبہ میں ۷۴ھ میں اسی سال کی عمر پاکر وصال فرمایا۔ ان سے ستہتر حدیثیں مروی ہیں۔ سولہ متفق علیہ پانچ افراد بخاری اور نو افراد مسلم سے ہیں۔

② بخاری میں بیس سے زائد ایسی احادیث ہیں جن کو ثلاثیات کہتے ہیں یعنی ان کی سندیں بہت مختصر ہیں۔ امام بخاری اور حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مابین صرف تین راوی ہیں۔ یہ حدیث ثلاثیات میں سب سے اعلیٰ ہے۔

روایت بالمعنی ③ جو لوگ روایت بالمعنی جائز نہیں مانتے وہ لوگ اسی حدیث سے استدلال کرتے ہیں اسلئے کہ قول لفظ و معنی کے مجموعے کو کہتے ہیں اگر لفظ بدل گیا تو بعینہ وہی قول نہ رہا لیکن جمہور روایت بالمعنی کو جائز مانتے ہیں۔ اور یہی صحیح ہے۔ اور اس حدیث کی توجیہ یہ کرتے ہیں کہ مراد یہ ہے کہ لفظ ایسا بدل دے کہ معنی کچھ کے کچھ ہو جائیں یہ حرام ہے اس اختلاف کے باوجود سب کا اس پر اتفاق ہے کہ روایت باللفظ اولیٰ ہے۔

تشریحات ⑧⓪

لغات ① کسی چیز کے خاص نام سے اگر تعریف یا برائی ظاہر ہو تو اسے لقب کہتے ہیں جیسے صدر الشریعہ مفتی اعظم ہند ورنہ اگر اس کے شروع میں اب یا ام ہو تو کنیت ہے۔ جیسے ابوبکر ابو حفص۔ ورنہ نام ہے جیسے عمر، عثمان، شیطان یا تو شاط بمعنی ھلک سے مشتق ہے اس تقدیر پر یہ فعلان کے وزن پر ہوگا اس میں الف نون زائدتان ہوں گے اور یہ غیر منصرف ہوگا یا شیطن بمعنی بعد سے مشتق ہے تو یہ فیعال کے وزن پر ہوگا اسکا نون اصلی ہوگا اس تقدیر پر یہ منصرف ہوگا۔ جن، انسان، جانوروں میں جو سرکش متمرد موذی ہو اسے شیطان کہتے ہیں۔ یہاں مراد مشہور و معروف شیطان ہے۔

علہ مشکوٰۃ، معجزات، فصل ثانی ط ۵۴۲

فَاِنَّ الشَّیْطَانَ لَا یَتَمَثَّلُ فِیْ صُوْرَتِیْ ۔ وَمَنْ کَذَبَ عَلَیَّ مُتَعَمِّدًا فَلْیَتَبَوَّأْ

دیکھا۔ اس لئے کہ شیطان میری صورت اختیار نہیں کر سکتا اور جو مجھ پر قصداً جھوٹ باندھے وہ اپنا

مَقْعَدَہٗ مِنَ النَّارِ ۔ علہ

ٹھکانا جہنم بنالے

نام نامی اور کنیت کا حکم

(۲) حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حیات مبارکہ تک یہ حکم تھا کہ نام نامی اور کنیت مبارکہ ابو القاسم کسی کی رکھنی جائز نہیں اس کا سبب یہ تھا کہ یہود ابو القاسم کنیت رکھتے تھے۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو دیکھتے تو پکارتے "اے ابو القاسم" جب متوجہ ہوتے تو کہتے آپ کو نہیں بلایا ہے۔ چنانچہ صحیحین اور ترمذی میں ہے کہ ایک شخص نے آنحضور کو دیکھ کر کہا۔ اے ابو القاسم۔ جب حضور متوجہ ہوئے تو اس گستاخ نے کہا۔ آپ کو نہیں۔ فلاں کو بلایا تھا۔ اس پر فرمایا میرے نام پر نام رکھو کنیت نہ رکھو اس لئے منع کر دیا گیا۔ نام نامی پر نام رکھنے کی حیات مبارکہ میں بھی اجازت تھی مگر ابوداؤد شریف میں ہے کہ فرمایا

مَنْ تَسَمّٰی بِاسْمِیْ فَلَا یَتَکَنّٰی بِکُنْیَتِیْ وَمَنْ تَکَنّٰی بِکُنْیَتِیْ فَلَا تَسَمّٰی بِاسْمِیْ ۔
اگر میرا نام رکھو تو میری کنیت مت رکھنا اور اگر میری کنیت رکھو تو میرا نام مت رکھنا۔

نیز ترمذی میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے۔

اِنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نَھٰی اَنْ یَّجْمَعَ اَحَدٌ بَیْنَ اِسْمِہٖ وَکُنْیَتِہٖ وَیُسَمّٰی مُحَمَّدًا اَبَا الْقَاسِمِ ۔
نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا نام اور کنیت جمع کرنے سے منع فرمایا اور اس سے بھی کہ جس کا نام محمد ہو اس کی کنیت ابو القاسم رکھی جائے

اس سے ظاہر ہے کہ دونوں جمع کرنا ممنوع تھا صرف محمد نام رکھنا یا صرف ابو القاسم کنیت رکھنے کی ممانعت نہ تھی۔ اور بخاری کی اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ نام رکھنے کی اجازت تھی اور ممانعت کنیت رکھنے کے ساتھ خاص تھی۔ اس قسم کا جو بھی حکم تھا یہ صرف حیات مبارکہ ہی تک محدود تھا بعد وصال نام نامی اور کنیت مبارکہ دونوں کو جمع کرنا خود حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اجازت سے ثابت ہے جیسا کہ ابوداؤد میں ہے کہ حضرت علی نے عرض کیا یارسول اللہ اگر حضور کے بعد میرے لڑکا پیدا ہو تو اس کا نام حضور کے نام پر اور اس کی کنیت حضور کی کنیت پر رکھوں۔ فرمایا۔ اجازت

علہ اسے امام بخاری نے ادب، باب من سمی باسماء الانبیاء میں بھی اور امام مسلم نے مقدمہ میں صرف اخیر کا حصہ ذکر کیا ہے

سلہ بخاری، مناقب کنیۃ النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔ مسلم النھی عن التکنی بابی القاسم۔ ترمذی کراھیۃ الجمع بین اسم النبی وکنیتہ سلہ کراھیۃ الجمع بین اسم النبی وکنیتہ۔ سلہ ادب۔ من رای لا یجمع بینھما۔ ھہ ادب الرخصۃ فی الجمع بینھما۔

ہے۔ چنانچہ حضرت علی نے محمد بن حنفیہ کا نام محمد اور کنیت ابو القاسم رکھی۔

خواب میں زیارت (۳) یہ حدیث اس کی دلیل ہے جو بیدار بخت خواب میں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زیارت سے مشرف ہوا اس نے حضور ہی کی زیارت کی۔ حضور کی زیارت کا مطلب یہ ہے کہ جو حلیۂ مبارکہ منقول ہے اس کے مطابق دیکھے۔ اس لئے شائقین زیارت کو لازم ہے کہ حلیہ مبارکہ یاد رکھیں۔ جس طرح شیطان حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی صورت نہیں بنا سکتا اسی طرح کسی نبی کی شکل اختیار نہیں کر سکتا۔ اس لئے خواب میں اگر کسی نبی کی زیارت ہو اور ان کے منقول حلیے کے مطابق تو اس نے واقعی اس نبی کی ہی زیارت کی۔ یہ حدیث مَن کذب عَلَیَّ الخ صحیح یہ ہے کہ متواتر ہے۔ علامہ عینی اور علامہ ابن حجر نے فرمایا کہ یہ سو صحابہ سے مروی ہے۔ امام نووی سے منقول ہے کہ دو سو صحابہ سے مروی ہے۔ اگرچہ بعض میں یہ خاص وعید نہیں۔ امام بخاری نے یہاں پانچ صحابہ سے روایت کی ان کے علاوہ جنائز میں مغیرہ بن شعبہ سے اخبار بنی اسرائیل میں، عبد اللہ بن عمرو سے مناقب میں واثلہ بن اسقع رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے بھی روایت کی۔

علامہ ابن حجر کی تحقیق کے مطابق مندرجہ ذیل احادیث بھی متواتر ہیں۔ (۱) من بنی للہ مسجداً بنی اللہ لہ بیتاً فی الجنۃ۔ (۲) مسح خفین (۳) رفع یدین۔ (۴) حدیث شفاعت (۵) حدیث حوض (۶) حدیث رویت باری (۷) الائمۃ من قریش (۸) حدیث مسواک۔ مگر ان میں حصر نہیں۔ اسکے علاوہ اور بھی احادیث متواتر ہیں۔

حسن ترتیب امام بخاری نے پہلے حضرت علی کی حدیث ذکر کی جو مقصود باب ہے پھر حضرت زبیر کی جس سے معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ کرام حضور کی طرف غلط بات منسوب کرنے سے کتنا ڈرتے تھے۔ اور کتنا بچتے تھے۔ مگر اس سے بظاہر یہ شبہہ ہوتا تھا کہ بکثرت احادیث بیان کرنا مذموم ہے اس کے ازالے کے لئے حضرت انس کی حدیث ذکر کی جو مکثرین حدیث میں سے ہیں۔ جس سے یہ بات صاف ہو گئی کہ تکثیر حدیث اس وقت ممنوع ہے۔ جب کہ خطا کا احتمال ہو ورنہ محمود و مامور ہے۔ پھر ختم حضرت ابوہریرہ کی حدیث پر فرمایا جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ حضور پر جھوٹ باندھنا بہر حال منع ہے۔ خواہ جھوٹ یوں ہی باندھے کہ بیداری میں فرمایا خواہ یوں کہ خواب میں فرمایا۔ التزاماً یہ ثابت ہو گیا کہ جس نے خواب میں زیارت نہیں کی اور پھر کہے کہ میں نے زیارت کی یہ بھی حرام ہے کہ یہ بھی ایک طرح کا جھوٹ باندھنا ہے۔

○

حدیث ۸۱ . ھل عندکم کتاب

عَنْ اَبِیْ جُحَیْفَةَ قَالَ قُلْتُ لِعَلِیٍّ هَلْ عِنْدَكُمْ كِتَابٌ قَالَ لَا. اِلَّا كِتَابُ

ابو جحیفہ نے کہا میں نے حضرت علی سے پوچھا کیا آپ کے پاس کوئی کتاب ہے؟ فرمایا نہیں ۔ صرف

اللّٰهِ اَوْ فَهْمٌ اُعْطِيَهُ رَجُلٌ مُسْلِمٌ اَوْ مَا فِيْ هٰذِهِ الصَّحِيْفَةِ قَالَ قُلْتُ

کتاب اللہ یا دانائی جو مسلمان کو عطا کی گئی یا جو اس صحیفے میں ہے ۔ میں نے پوچھا اس میں کیا ہے؟

وَمَا فِيْ هٰذِهِ الصَّحِيْفَةِ قَالَ الْعَقْلُ وَفِكَاكُ الْاَسِيْرِ وَلَا يُقْتَلُ مُسْلِمٌ بِكَافِرٍ علہ

فرمایا عقل (دیت کے احکام) اور قیدی آزاد کرنے (کی ترغیب) اور یہ ہے کہ کسی مسلمان کو کافر کے بدلے قتل نہ کیا جائے ۔

تشریحات ۸۱

ابو جحیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ (۱) پہلا حرف جیم مضموم پھر حا مفتوح ۔ ان کا نام وہب بن عبد اللہ سوائی ہے ۔ یہ کوفے کے باشندے صغار صحابہ میں سے ہیں ۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے وصال کے وقت ابھی بالغ بھی نہیں ہوئے تھے ۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بہت خاص اور معتمد تھے ۔ حضرت علی کے ساتھ تمام جنگوں میں رہے ۔ ان کو کوفے کے بیت المال کا امین بنایا تھا ۔ ۲۷ھ میں وصال فرمایا ان سے پینتالیس احادیث مروی ہیں ۔ دو بخاری اور مسلم دونوں نے ۔ دو صرف بخاری نے اور تین صرف مسلم نے روایت کی ہیں ۔

شیعوں کی تردید (۲) شیعہ یہ گمان کرتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت علی کو کچھ خاص وحی کے اسرار مکتوب کی شکل میں عطا فرمایا ہے جس کی کسی کو خبر نہیں ۔ اس پر جحیفہ نے یہ سوال کیا تھا ۔ ان کے علاوہ حضرت علی سے یہ سوال قیس بن عباد اور اشتر نخعی نے بھی کئے تھے ۔ سب کو یہی جواب ملا ۔ البتہ صحیفے کی تفصیل میں کچھ زیادتی کہیں کہیں ہے اس صحیفے سے مراد ایک مکتوب ہے ۔ جسے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنی تلوار کی نیام میں رکھتے تھے اس میں ان تین باتوں کے علاوہ اور بھی لکھا ہوا تھا ۔ مثلاً یہ کہ مدینہ بھی حرم ہے ۔ جو اللہ کے علاوہ کسی اور کے نام پر ذبح کرے اس پر اللہ کی لعنت ۔ مومن کے خون مساوی ہیں ۔ اس کے ذمے کو پورا کرنے کے لئے ادنیٰ بھی کوشش کرے گا ۔ زکوٰۃ کی مقدار ۔ چونکہ سوال سے یہ مقصود تھا کہ آپ کے پاس کوئی مخصوص کتاب ہے جس میں وہ اسرار ہوں جس کی کسی کو خبر نہیں

علہ ایضاً بخاری الجہاد ۔ فکاک الاسیر ، دیت ، لایقتل مسلم بکافر ، عاقلہ ، ابوداؤد ، دیات (۱۱ و ۱۴) ترمذی دیات (۱۶) نسائی قسامہ (۹ و ۱۴) ابن ماجہ دیات (۲۱) دارمی (۵) مسند امام احمد ۔

(۸۲) حدیث۔ حضرت ابو ہریرہ مکثرین حدیث میں سے ہیں

سَمِعْتُ اَبَا هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ يَقُوْلُ مَا مِنْ اَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَحَدٌ اَكْثَرُ حَدِيْثًا عَنْهُ مِنِّيْ اِلَّا مَا كَانَ مِنْ عَبْدِ اللّٰهِ

حضرت ابوہریرہ فرماتے ہیں صحابہ میں کوئی مجھ سے زیادہ حدیث والا نہیں سوائے عبداللہ بن عمرو کے

فرمایا ایسی کوئی کتاب میرے پاس نہیں۔ یہ ایک مکتوب ہے مگر اس میں راز کی کوئی بات نہیں جو سب مسلمان جانتے ہیں وہی باتیں اس میں ہیں۔ راویوں کو جو یاد رہا بیان کر دیا۔ اسی سے روافض کے اس قول کی بھی تردید ہو گئی۔ جو وہ کہتے ہیں کہ قرآن مجید محرف ہے اس میں اعراب بدل دیے گئے ہیں۔ آیتوں کو آگے پیچھے کر دیا گیا ہے اور اس کے کچھ حصے حذف کر دیے گئے اصل قرآن غیر محرف مکمل حضرت علی کے پاس تھا۔ جو ان کے بعد دست بدست ائمہ معصومین کے پاس رہا۔ جسے امام غائب لیکر "سر من رای" کے غار میں غائب ہو گئے۔ کہ اگر حضرت علی کے پاس کوئی اور قرآن ہوتا تو وہ اپنے ان مخصوص معتمدین کو ضرور بتا دیتے۔

(۳) العقل۔ اس سے مراد، دیت ہے یعنی خون بہا قتل کا معاوضہ عَقْل کے معنی رسّی سے اونٹ باندھنا۔ چونکہ دیت کے اونٹ لاکر مقتول کے گھر باندھے جاتے تھے۔ اسی مناسبت سے دیت کو عقل اور جن لوگوں پر دیت واجب ہوتی ہے ان کو عاقلہ کہتے ہیں۔ اس کی پوری تفصیل کتاب الدیات میں آئے گی۔

تشریحات (۸۲)

حدیث لکھنے کی ابتدا () حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے حدیث لکھنے کی اجازت طلب کی۔ حضور نے اجازت دیدی۔ اسلئے وہ لکھا کرتے تھے اور زبانی بھی یاد کرتے تھے انھوں نے فرمایا میں نے ہزار حدیث یاد کی ہے۔ مگر اس کے باوجود حضرت ابوہریرہ سے پانچ ہزار تین سو حدیثیں مروی ہیں اور ان سے آٹھ سو حضرات نے حدیث حاصل کی۔ اور عبداللہ بن عمرو سے صرف سات سو مروی ہیں اسکا سبب یہ ہے کہ یہ کچھ دن طائف میں رہے اور پھر مصر چلے گئے۔ علاوہ ازیں یہ زیادہ وقت عبادت میں گذارتے تھے وہاں اس کا موقع کم تھا۔ شارحین نے ایک سبب یہ بھی لکھا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرو، کو اہل کتاب کی کچھ کتابیں مل گئی تھیں وہ اس کا مطالعہ کرتے اور لوگوں سے بیان کرتے اس لئے تابعین کی ایک جماعت نے ان سے حدیث اخذ کرنا ترک کر دیا۔ اور حضرت ابوہریرہ مدینہ طیبہ ہی

بْنِ عَمْرٍو فَاِنَّهٗ كَانَ يَكْتُبُ وَلَا اَكْتُبُ علہ

اس لئے کہ وہ لکھ لیا کرتے تھے اور میں لکھتا نہیں تھا۔

(۸۳) حدیث قرطاس

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ لَمَّا اشْتَدَّ بِالنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے کہا کہ جب نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا مرض سخت ہو گیا۔

تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَجَعُهٗ قَالَ ائْتُوْنِيْ بِكِتَابٍ اَكْتُبْ لَكُمْ كِتَابًا لَا تَضِلُّوْا

تو فرمایا لکھنے کا سامان لاؤ میں ایسی تحریر لکھ دوں جس کے بعد تم لوگ گمراہ نہ ہو سکو۔

میں رہتے تھے۔ جو اس زمانے میں علم حدیث کے شائقین کا مرجع اعظم تھا نیز حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے انکا حافظہ اتنا قوی فرما دیا تھا کہ جو سنتے کبھی نہ بھولتے جیسا کہ ابھی آرہا ہے۔ اس لئے عبداللہ بن عمرو کے پاس لکھنے کے با وجود اتنا ذخیرہ نہ جمع ہو سکا جو ان کے حافظے میں موجود تھا۔ رہ گیا حضرت ابوہریرہ کا یہ فرمانا کہ وہ مجھ سے زیادہ حدیث والے ہیں یہ انھوں نے اپنے اندازے کے مطابق فرمایا۔ ان کا اندازہ یہی تھا۔ کہ میں صرف یاد رکھتا ہوں اور وہ لکھتے بھی ہیں۔ اور زبانی یاد بھی کرتے ہیں تو ان کے پاس زیادہ حدیثیں ہوں گی۔

حضرت ابوہریرہ نے یہ عہد نبوی کی بات کی ہے ورنہ بعد میں انھوں نے بھی حدیث لکھنا شروع کر دیا تھا جس کا بہت بڑا ذخیرہ تھا۔ جیسا کہ فتح الباری میں ابن وہب کے حوالے سے ہے حسین ابن عمرو بن امیہ نے کہا حضرت ابوہریرہ میرا ہاتھ پکڑ کر اپنے گھر لے گئے اور بہت سی کتابیں دکھائیں اور فرمایا دیکھو یہ میرے یہاں لکھی ہوئی رکھی ہیں۔

اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں احادیث کا قلمبند کرنا شروع ہو چکا ہے اس کے علاوہ اور بھی طریقوں سے ثابت ہے اسکی تفصیل مقدمہ میں گذر چکی۔

تشریحات (۸۳)

تکمیل (۱) یہ حدیث اسکے علاوہ بخاری میں سات جگہ وارد ہے ان سب روایتوں کا ماحصل یہ ہے۔ کہ وصال سے چار دن قبل، جمعرات کو مرض میں بہت شدت ہو گئی اسی حالت میں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حاضرین سے فرمایا کہ لکھنے کا سامان لاؤ۔ میں ایسی بات لکھوا دوں یا لکھ دوں جسکے بعد تم کبھی گمراہ نہ ہو سکو۔ مرض کی شدت

علہ ترمذی علم، مناقب، نسائی مناقب

بَعْدَہٗ قَالَ عُمَرُ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ اِنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ

حضرت عمر نے کہا کہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر بیماری کا غلبہ ہے ۔

غَلَبَہُ الْوَجَعُ وَعِنْدَنَا کِتَابُ اللّٰہِ حَسْبُنَا ۔ فَاخْتَلَفُوْا وَکَثُرَ اللَّغَطُ قَالَ قُوْمُوْا

اور ہمارے پاس اللہ کی کتاب (قرآن) موجود ہے جو کافی ہے ۔ اس پر حاضرین میں اختلاف ہوا اور باتیں بڑھیں ۔ تو فرمایا

سے جو حال تھا اس کے پیش نظر حضرت عمر نے فرمایا اللہ کی کتاب ہمیں کافی ہے اس پر اختلاف ہوا کچھ لوگ کہتے تھے ۔ کہ سامان کتابت لایا جائے اور کچھ لوگ کہتے تھے کہ نہیں کچھ لوگوں نے یہ بھی کہا کیا حضور نے ہمیں چھوڑ دیا ۔ حضور سے پوچھو ۔ آپس کی تکرار سے حضور کو تکلیف ہوئی اور فرمایا ۔ تم لوگ چلے جاؤ ۔ مسند امام احمد میں ہے کہ یہ خطاب عام نہ تھا خاص حضرت علی سے فرمایا تھا کہ سامان کتابت لاؤ ۔ ایک روایت دوسرے کی تفسیر ہوتی ہے ۔ اس سے ثابت کہ ان روایات میں لفظ اگرچہ عام ہے مگر یہاں بھی مخاطب حضرت علی ہی ہیں ۔[1]

شبہات اور جوابات

(۲) اس حدیث میں دوسرے مقامات پر لفظ اھجر، استفھموہ کے ساتھ وارد ہے ھجر کے معنی سرسامی کیفیت کے بھی ہیں ۔ روافض نے زور باندھا ہے کہ اس کے معنی یہی ہیں ۔ کہ حاضرین نے کہدیا کہ حضور کو سرسام ہوگیا ۔ ہذیانی حالت ہے ۔ اسی پر بس نہیں بلکہ اسے زبردستی حضرت عمر کے سر تھوپ دیا کہ انھوں نے یہ کہدیا ۔ اس سلسلے میں جتنی روایتیں ہیں کسی میں حضرت عمر کی طرف یہ قول منسوب نہیں سب میں یہی ہے ۔ قالوا ۔ غور کرنے کی یہ بات ہے جو کچھ حضرت عمر نے کہا اسے قال عمر سے بیان کیا ۔ اگر یہ بھی حضرت عمر کا مقولہ ہوتا تو کیا چیز مانع تھی کہ حضرت ابن عباس اسے جرأت کے ساتھ نہ بیان فرماتے کہ حضرت عمر نے یہ کہا حضرت عمر کے قول کو قال عمر سے اور اُسے قالوا سے تعبیر کر کے یہ بتا دیا کہ یہ حضرت عمر کا قول نہیں تھا ۔ دیگر حاضرین میں سے کسی نے یہ کہا تھا ۔ روافض برسہا برس تلاش کر رہے ہیں کہ کہیں مل جائے کہ یہ عمر کا قول ہے مگر اب تک تو ملا نہیں آئندہ کیا ملے گا ۔ رہ گیا یہ کہ یہاں ھجر کے معنی ہذیان کے ہیں یا چھوڑنے کے ۔ اس کا فیصلہ ۔ استفھموہ نے کر دیا ۔ یعنی حضور سے پوچھو ۔ جس پر ہذیانی کیفیت طاری ہو اس سے پوچھنے کے کیا معنی؟ اس لئے یہاں متعین ہے کہ ھجر کے معنی چھوڑنے ہی کے ہیں یعنی جب حضور نے یہ فرمایا تو حاضرین نے یہ سمجھ لیا کہ یہ جدائی کی طرف اشارہ ہے ان پر قیامت ٹوٹ پڑی اور بیقراری میں کہنے لگے سرکار سے دریافت کرو کیا حضور نے ہمیں چھوڑ دیا ۔ کہ ایسا ارشاد فرما رہے ہیں ۔ مستقبل قریب میں جس کا ظہور متیقن ہوتا ہے ۔ اسے ماضی سے تعبیر کرنا عام بات ہے ۔ اس لئے ماضی کا صیغہ استعمال ہوا ۔

---

[1] عینی ج ۲ ص ۱۷۱

رہ گئی یہ بات کہ حضور کے حکم تعمیل نہیں کی گئی اور بالخصوص حضرت عمر نے نہیں ہونے دی۔ اس پر گذارش یہ ہے کہ جب فاروق اعظم نے عرض کیا کتاب اللہ حسبنا اور حضور نے دوبارہ طلب نہیں فرمایا تو یہ دلیل ہے کہ حضرت عمر کی بات قبول ہوگئی اور اب وہ حکم باقی نہ رہا۔ ورنہ اولاً حضرت عمر کے اس عرض "کتاب اللہ حسبنا" کے بعد بھی اگر اس حکم کی تعمیل فرض تھی تو جب کہ یہ خطاب خاص حضرت علی سے تھا تو انھوں نے کیوں اس کی تعمیل نہیں کی۔ ثانیاً خود حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دوبارہ کیوں نہیں فرمایا کہ نہیں پھر بھی لاؤ۔ ثالثاً اس وقت حضرت عمر کا بغرض غلط خوف تھا تو اس کے بعد چار دن تک حضور حیات ظاہری کیساتھ رہے۔ حضرت عمر کے جانے کے بعد کیوں نہیں لکھوا دیا۔ رابعاً لازم آئے گا کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرض تبلیغ کی ادائگی میں کوتاہی کی بلکہ لازم آئے گا کہ پورا دین امت تک نہیں پہنچایا خامساً جبکہ پورا دین امت کو زبانی سکھا دیا تو کیا مانع درپیش تھا کہ اس اہم بات کو بھی زبانی ہی نہ فرمادیا۔ سادساً لازم آئے گا کہ دین ناقص رہ گیا۔ اور یہ آیت کریمہ، الیوم اکملت لکم دینکم کے معارض ہے۔ بات اصل یہ ہے کہ یہ سب ہوائیاں صرف عداوت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں اڑائی جارہی ہیں۔ ورنہ جو منصف بھی حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مرتبے سے واقف ہے وہ اس کا تصور بھی نہیں کرسکتا۔ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سرکار رسالت پناہی کے وزیر ہیں۔

مَا مِنْ نَبِیٍّ اِلَّا لَهٗ وَزِیْرَانِ مِنْ اَهْلِ السَّمَاءِ وَوَزِیْرَانِ مِنْ اَهْلِ الْاَرْضِ اماوزیرای من اَهْلِ السَّمَاءِ فَجِبْرَئِیْلُ وَمِیکائیل واما وزیرای من اهل الارض فابو بکر وعمر۔

ہر نبی کے دو وزیر آسمان والوں میں سے ہیں دو زمین والوں میں سے میرے آسمان والوں میں دو وزیر جبرئیل اور میکائیل ہیں اور زمین والوں میں ابوبکر و عمر۔

(ترمذی)

وزراء کو یہ حق ہے کہ اپنی رائے پیش کریں۔ یہاں بھی حضرت فاروق اعظم نے بحیثیت وزیر اپنی رائے عرض کردی جسے حضور نے قبول فرمالی۔ بات ختم ہوگئی۔ اور یہ کوئی پہلا ہی موقع نہیں پچیس مواقع وہ ہیں جو کچھ فاروق اعظم نے عرض کیا اسی کے مطابق حکم الٰہی نازل ہوا ان میں بعض مواقع وہ بھی ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فاروق اعظم کی رائے کے خلاف عمل فرمایا تو قرآن مجید نے فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تائید فرمائی مثلاً بدر کے قیدیوں کے معاملے میں عتاب ہوا۔ فرمایا گیا۔

لَوْ لَا كِتَابٌ مِّنَ اللّٰهِ سَبَقَ لَمَسَّكُمْ فِيمَا اَخَذْتُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ ۝ انفال آیت ۶۸

اگر اللہ پہلے سے ایک بات لکھ نہ چکا ہوتا تو اے مسلمانوں تم نے کافروں سے فدیہ کا جو مال لیا اس پر بھاری عذاب آتا۔

عَنِّی وَلَا یَنْبَغِیْ عِنْدِی التَّنَازُعُ فَخَرَجَ ابْنُ عَبَّاسٍ یَقُوْلُ اِنَّ الرَّزِیَّۃَ

میرے پاس سے اٹھو میرے پاس جھگڑا مناسب نہیں۔ یہ حدیث روایت کرنے کے بعد ابن عباس یہ کہتے

کُلَّ الرَّزِیَّۃِ مَاحَالَ بَیْنَ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَبَیْنَ کِتَابِہٖ۔[1]

ہوئے نکلے بیشک مصیبت ہے اور پوری مصیبت جو نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور ان کی اس تحریر کے درمیان حائل ہوگئی۔

جب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی تو حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا۔

لو نزل عذاب ما نجا منا الا عمر بن خطاب وسعد بن معاذ۔ اگر بالفرض عذاب اترتا تو عمر بن خطاب اور سعد بن معاذ کے علاوہ کوئی نہ بچتا۔

ایسے صائب الرائے اور معتمد وزیر نے کوئی بات عرض کی اور وہ قبول ہوگئی تو اب وزیر پر اعتراض اصل میں سلطان پر اعتراض ہے۔

اس بحث کے بعد اس گفتگو کی بھی حاجت باقی نہ رہی کہ حضور کیا لکھوانا چاہتے تھے۔ اور اگر کسی کو اس کا شوق ہی ہے تو چلئے روافض کہتے ہیں حضرت علی کے خلیفۂ بلا فصل کی سند لکھوانا چاہتے تھے۔ ہم کہیں گے حضرت صدیق اکبر کے لئے یہی سند لکھنی چاہئے تھی۔ حضرت علی کے سلسلے میں کوئی سراغ نہیں مگر صدیق اکبر کے لئے تو ثبوت ہے۔ کہ ارشاد فرمایا۔

ادعی لی ابا بکر اباک واخاک حتی اکتب کتابا فانی اخاف ان یتمنی متمن ویقول قائل انا اولی و یابی اللہ والمومنون الا ابا بکر مسلم ج ۲ ص ۲۷۳ ابو بکر اپنے والد اور اپنے بھائی کو بلاؤ کہ میں ان کے لئے لکھ دوں مجھے اندیشہ ہے کہ کوئی آرزو کرنے والا آرزو کرے اور کہے میں سب سے زیادہ مستحق ہوں حالانکہ اللہ اور مومنین سوائے ابو بکر کے کسی پر راضی نہیں۔

یہی مضمون بخاری میں یوں ہے میں نے ارادہ کر لیا تھا کہ ابو بکر اور ان کے بیٹے کو بلا کر ولی عہد بنا دوں۔ کہ کہیں کہنے والے کہیں نہ اور آرزو کرنے والے آرزو نہ کریں۔ حالانکہ اللہ اور مومنین ابو بکر کے سوا کسی کو ان کے ہوتے ہوئے پسند نہ کریں گے۔ پھر ہو سکتے میں بڑی گنجائش ہے ہم کہتے ہیں ہو سکتا ہے کہ حضور یہی لکھوانا چاہتے تھے۔ کہ کتاب اللہ کو کافی سمجھنا۔ اور جب فاروق اعظم نے یہی عرض کر دیا تو ضرورت محسوس نہ فرمائی اسی حدیث کے آخر کتاب الجہاد وغیرہ میں ہے

---

[1] ایضا بخاری، جہاد، جوائز الوفود، واخراج الیہود من جزیرۃ العرب، مغازی، مرض النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم دو طریقے سے۔ مرضی، قوموا عنی میں دو طریقے سے، اعتصام، کراہیۃ الاختلاف میں ایک طریقے سے۔ مسلم وصایا۔ نسائی علم وطب۔

(۸۲) حدیث، رُبَّ کاسیۃ فی الدنیا عاریۃ فی الآخرۃ

عَنْ اُمِّ سَلَمَۃَ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہَا قَالَتْ اِسْتَیْقَظَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی

ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا ایک رات نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

عَلَیْہِ وَسَلَّمَ ذَاتَ لَیْلَۃٍ، فَقَالَ سُبْحَانَ اللّٰہِ مَاذَا اُنْزِلَ اللَّیْلَۃَ مِنَ الْفِتَنِ

بیدار ہوئے تو فرمایا سبحان اللہ اس رات میں کتنے فتنے نازل ہوئے

اخرجوا المشرکین من جزیرۃ العرب واجیزوا الوفود بنحو مما کنت اجیزھم۔ مشرکین کو جزیرۂ عرب سے نکال دینا اور وفود کو اسی طرح صلہ دینا جیسے میں دیتا تھا۔

اور تیسری بات کسی راوی کے ذہن سے نکل گئی۔

ہو سکتا ہے یہی تینوں باتیں لکھوانی چاہتے تھے۔ جب سامان کتابت نہیں آیا تو زبانی ارشاد فرمایا۔

سلامت روی اسی میں ہے کہ ہو سکتا کے سہارے بات نہ بڑھائی جائے

اس حدیث سے قطعی طور پر یہ بات ثابت ہو گئی کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت علی کو اپنا خلیفہ بلافصل بنانے کی وصیت تو بہت دور ہے خلیفہ بنانے کی بھی کوئی وصیت نہ لکھی تھی نہ کی تھی۔

رہ گیا حضرت ابن عباس کا یہ کہنا یہ بڑی مصیبت ہے یہ ان کا ذاتی جذباتی تاثر ہے ان سے علم و فہم اور دیانت میں حضرت عمر حضرت علی بدرجہا بڑھے ہوئے ہیں۔ ان حضرات کے مقابلے میں ابن عباس کی بات بالاتفاق مرجوح ہے۔

تشریحات (۸۲)

ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا (۱) یہ ازواج مطہرات میں سے ہیں۔ ان کا نام رملہ تھا۔ یہ پہلے ابو سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نکاح میں تھیں۔ یہ دونوں قدیم الاسلام ہیں۔ ابو سلمہ کے ساتھ حبشہ کی دونوں ہجرتیں کیں۔ پھر مدینہ ہجرت کی۔ مدینے میں ان دونوں کی چار اولاد ہوئیں۔ زینب، سلمہ، عمر، درہ۔ ابو سلمہ کے وصال کے بعد ان سے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے شوال ۴ھ میں عقد فرمایا۔ یزید کے تغلب تک زندہ رہیں۔ ان کو حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کربلا کی خاک دی تھی جو حضرت امام حسین کی شہادت کے وقت سرخ ہو گئی اسی سے انھوں نے جانا کہ حضرت امام حسین شہید ہو گئے۔ وصال کے وقت عمر مبارک چوراسی سال کی تھی حضرت ابوہریرہ نے نماز جنازہ پڑھائی۔ جنت البقیع میں دفن ہوئیں ان سے تین سو اٹھتر حدیثیں مروی ہیں جن میں تیرہ متفق علیہ ہیں۔

وَمَاذَا فُتِحَ مِنَ الْخَزَائِنِ اَیْقِظُوْا صَوَاحِبَ الْحُجَرِ، فَرُبَّ کَاسِیَۃٍ فِی الدُّنْیَا عَارِیَۃٌ فِی الْآخِرَۃِ

اور کتنے خزانے کھلے حجروں والیوں کو جگا دو ۳ ۔ بہت سی دنیا میں پہننے والی آخرت میں ننگی ہوگی ۴

(۲) کشمیہنی کی روایت میں انزل کے بجائے انزل اللہ ہے ۔ فتنوں سے مراد عذاب ہیں اور خزائن سے ہر خیر ہے خواہ دینی ہو یا دنیوی علمی ہو یا مالی جن میں تمام فتوحات اسلامیہ داخل ہیں جو اسلام کی وسعت قوت ترقی بقا وحفاظت کا سبب بنیں ۔ اترنے اور کھولنے سے مراد یہ ہے کہ آئندہ جو ہونے والا تھا اس کی خبر فرشتوں کو دی ۔ اسے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے خواب میں ملاحظہ فرمایا ۔ اسی کے ہم معنی وہ ارشاد ہے کہ میں بارش کی طرح فتنوں کو اترتا دیکھ رہا ہوں ۔

یہ حدیث اس کی دلیل ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اللہ عزوجل نے غیب کا علم عطا فرمایا ۔

(۳) حجرے والیوں سے مراد ازواج مطہرات ہیں خطاب حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے ہے اس لئے کہ اغلب یہ ہے کہ انھیں کی باری کا دن تھا ۔ ان کی تخصیص اس لئے فرمائی کہ وہی سامنے تھیں یا ابدأ بنفسك ومن تعول کو مطابق ہے ۔ یعنی کوئی بھی عمل خیر ہو اس پر پہلے خود عمل کرنا چاہیے اور اپنے اہل وعیال سے کرانا چاہیے ۔

اس سے ثابت ہوا کہ رات میں سوتوں کو جگا کر وعظ ونصیحت مستحب ہے خصوصاً جب کوئی پریشان کن یا مسرت آفریں بات ہو ۔ حیرت انگیز بات پر سبحان اللہ یا اللہ اکبر کوئی بھی ذکر کرنا مستحب ہے ۔ رات میں آنکھ کھلے تو یاد الٰہی کرنا مستحب ہے ۔ دینی پیشوا کو چاہیے کہ اپنے متعلقین کو ایسے شر سے جس کا خطرہ ہو آگاہ کرے اور بچنے کی تدبیر بتائے ۔

(۴) مراد یہ ہے کہ بہت سی وہ عورتیں جو دنیا میں عیش وعشرت سے رہتی ہیں وہ عموماً اعمال صالحہ سے غافل رہتی ہیں ۔ اس لئے بطور عذاب آخرت میں ننگی رہیں گی ۔ یا خاص وہ عورتیں مراد ہیں جو دنیا میں ایسا باریک لباس پہنتی ہیں جس سے جسم کی اور بال کی رنگت جھلکتی ہے انھیں آخرت میں ننگا رکھا جائے گا ۔ جیسا کہ آج کل عام طور پر یہی ہو رہا ہے ۔ جب باریک لباس پہننے والیوں کا یہ حکم ہے تو جو عورتیں ننگے سر ننگے گردن ننگی کلائیوں ننگی پنڈلیوں کے ساتھ بازار میں گھومتی پھرتی ہیں ان کا کیا حال ہوگا ۔

اس میں بھی غیب کی خبر ہے ۔

---

۱ ایضاً بخاری تہجد، تحریض النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم علی قیام اللیل ۔ لباس ۔ ما کان یتجوز من اللباس ۔ ادب ۔ التکبیر والتسبیح عند التعجب ۔ فتن ۔ لا یاتی زمان الا الذی بعدہ شر منہ ۔ ترمذی فتن ۔ (۳) موطا لبس (۸)

30

(۸۵) حدیث ۔ فان علی رأس مائۃ سنۃ لایبقی ممن ھو علی ظھر الارض احد

اَنَّ عَبْدَ اللّٰہِ بْنَ عُمَرَ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا قَالَ صَلّٰی لَنَا النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ الْعِشَاءَ فِیْ آخِرِ حَیَاتِہٖ فَلَمَّا سَلَّمَ قَامَ فَقَالَ اَرَأَیْتَکُمْ لَیْلَتَکُمْ ھٰذِہٖ فَاِنَّ رَأْسَ مِائَۃِ سَنَۃٍ مِّنْہَا لَایَبْقٰی مِمَّنْ ھُوَ عَلٰی ظَہْرِ الْاَرْضِ اَحَدٌ ؏۱

عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنی حیات کے آخری دنوں میں ؎۱ عشاء کی نماز پڑھائی سلام پھیرنے کے بعد کھڑے ہوئے اور فرمایا کیا تم نے اپنی اس رات کا حال دیکھا، جتنے لوگ آج روئے زمین پر ہیں سو سال کے بعد کوئی بھی نہ رہے گا ؎۲

(۸۶) حدیث ۔ اکثر ابو ھریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ قَالَ اِنَّ النَّاسَ یَقُوْلُوْنَ اَکْثَرَ اَبُوْ ھُرَیْرَۃَ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا ۔ لوگ کہتے ہیں کہ ابوہریرہ نے بکثرت حدیثیں بیان کیں ؎۱

تشریحات (۸۵)

(۱) امام نووی نے فرمایا کہ ابوسعید کی روایت میں ہے کہ غزوۂ تبوک سے واپسی کے بعد فرمایا۔ مسلم میں حضرت جابر کی حدیث میں ہے کہ وصال سے ایک ماہ قبل فرمایا۔

(۲) مراد یہ ہے کہ میری امت کے جتنے لوگ آج زمین پر ہیں۔ اور بطریق معتاد نظر آتے ہیں خواہ وہ کم سن ہوں خواہ معمر۔ سو سال پر وہ زندہ نہ رہیں گے۔ رہ گئے وہ لوگ جو اس کے بعد پیدا ہوں گے وہ اس سے مستثنیٰ ہیں حضرت عیسیٰ آسمان پر ہیں اور حضرت خضر اور الیاس نظروں سے غائب ہیں یونہی ابلیس و دیگر اجنہ بھی۔ اس لئے یہ سب اس میں داخل نہیں۔ چنانچہ تاریخ شاہد ہے کہ ایسا ہی ہوا ہے سب سے اخیر صحابی ابوالطفیل عامر بن واثلہ نے ۱۱۰ھ میں وصال فرمایا۔ یہ حدیث بھی اس کی دلیل ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم غیب جانتے تھے۔ نیز اس سے ثابت ہوا کہ عشاء کے بعد باتیں کرنے کی ممانعت خاص ہے غیر دینی باتوں کے ساتھ۔ رہ گئیں دینی باتیں تو وہ جائز ہی نہیں بلکہ موجب ثواب ہیں یونہی احادیث سے۔ اپنے اہل سے اور مہمان سے بات کرنا بھی مستثنیٰ ہے۔

تشریحات (۸۶)

؏۱ ایضاً بخاری، مواقیت الصلوٰۃ ۔ ذکر العشاء والعتمہ ۔ ایضاً مسلم فضائل و مسند امام احمد۔

وَلَوْلَا آيَتَانِ فِي كِتَابِ اللهِ مَا حَدَّثْتُ حَدِيْثًا۔ ثُمَّ يَتْلُوْ إِنَّ الَّذِيْنَ يَكْتُمُوْنَ

اگر اللہ کی کتاب (قرآن) میں دو آیتیں نہ ہوتیں تو میں کوئی حدیث نہ بیان کرتا۔ پھر (سورۂ بقرہ) کی یہ آیتیں تلاوت

مَا أَنْزَلْنَا مِنَ الْبَيِّنَاتِ وَالْهُدٰى إِلٰى قَوْلِهِ الرَّحِيْمِ إِنَّ إِخْوَانَنَا مِنَ الْمُهَاجِرِيْنَ

کیں ہم نے جو کھلی ہوئی نشانیاں اور ہدایت نازل فرمائی جو لوگ انہیں چھپاتے ہیں۔ اللہ کے ارشاد رحیم تک۔ ہمارے بھائی مہاجرین

كَانَ يَشْغَلُهُمُ الصَّفْقُ بِالْأَسْوَاقِ وَإِنَّ إِخْوَانَنَا مِنَ الْأَنْصَارِ كَانَ

کو بازار میں خرید و فروخت مشغول رکھتی اور ہمارے بھائی انصار کو اپنے مالوں میں کام یعنی کھیتی مشغول رکھتی ہے اور ابوہریرہ

يَشْغَلُهُمُ الْعَمَلُ فِي أَمْوَالِهِمْ وَإِنَّ أَبَا هُرَيْرَةَ كَانَ يَلْزَمُ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى

رسول اللہ کی خدمت میں صرف کھانے پر قناعت کرکے حاضر رہتا۔ اور اپنے موقعوں

تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِشِبَعِ بَطْنِهِ وَيَحْضُرُ مَا لَا يَحْضُرُوْنَ وَيَحْفَظُ مَا لَا يَحْفَظُوْنَ [1]

پر موجود رہتا کہ وہ لوگ موجود نہ رہتے اور وہ باتیں (سنتا دیکھتا) یاد کرلیتا جو وہ لوگ یاد نہ کرتے۔

(۱) منکرین حدیث میں سے حضرت ابوہریرہ اول نمبر پر ہیں ان سے پانچ ہزار تین سو احادیث مروی ہیں ان کی روایت کی کثرت پر لوگوں نے طعن کیا۔ کہ مہاجرین و انصار بھی اتنی حدیثیں نہیں بیان کرتے اس پر ابوہریرہ نے وجہ بیان فرمائی چونکہ قرآن مجید میں ہے۔

إِنَّ الَّذِيْنَ يَكْتُمُوْنَ مَا أَنْزَلْنَا مِنَ الْبَيِّنٰتِ وَالْهُدٰى مِنْ بَعْدِ مَا بَيَّنّٰهُ لِلنَّاسِ فِي الْكِتٰبِ أُولٰئِكَ يَلْعَنُهُمُ اللهُ وَيَلْعَنُهُمُ اللّٰعِنُوْنَ إِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا وَأَصْلَحُوْا وَبَيَّنُوْا فَأُولٰئِكَ أَتُوْبُ عَلَيْهِمْ وَأَنَا التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ

بقرہ آیت ۱۵۹ تا ۱۶۰

جو لوگ ہماری اتاری ہوئی روشن باتوں اور ہدایت کو چھپاتے ہیں اس کے بعد ہم نے اسے لوگوں کے لئے کتاب میں واضح فرمایا ان پر اللہ لعنت کرتا ہے اور لعنت کرنیوالے لعنت کرتے ہیں۔ مگر جو توبہ کریں اور سنواریں اور بیان کریں ان کی توبہ قبول فرماؤں گا۔ میں ہی بہت توبہ قبول کرنیوالا مہربان ہوں۔

اگر یہ دونوں آیتیں نہ ہوتیں تو میں ایک حدیث بھی نہیں بیان کرتا۔ اللہ عزوجل سے ایک دن ملنے کا وعدہ ہے میری کثرت حدیث کی وجہ یہ ہے کہ اور صحابہ کرام اپنے اپنے کاموں میں رہتے فرصت کے وقت حاضر خدمت ہوتے اس لئے انکو ارشادات کو سننے اور کو اف کے دیکھنے کا کم موقع ملتا اور میں ہر وقت خدمت میں حاضر رہتا نہ اچھا کھاتا نہ اچھا پہنتا جو مل جاتا

[1] علہ ایضا بخاری کتاب البیوع باب اول۔ حرث مأجاء فی الغرس۔ الاعتصام۔ الحجۃ علی من قال، اور اس کا جز مناقب جعفر میں بھی ہے ایضا مسلم فضائل الصحابہ (۱۵۹ و ۱۶۰) نسائی علم۔ ابن ماجہ سنت۔ مسند امام احمد۔

حدیث ۸۷ ۔ اعطاءہ ابا ھریرۃ الحافظۃ

عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ قَالَ قُلْتُ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ اِنِّیْ اَسْمَعُ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان کیا۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ میں آپ سے بہت سی حدیثیں

مِنْکَ حَدِیْثًا کَثِیْرًا اَنْسَاہُ قَالَ اُبْسُطْ رِدَائَکَ فَبَسَطْتُہٗ قَالَ فَغَرَفَ بِیَدَیْہِ

سنتا ہوں پھر بھول جاتا ہوں فرمایا اپنی چادر پھیلا میں نے پھیلائی تو حضور نے اپنے دونوں ہاتھوں

ثُمَّ قَالَ ضُمَّہٗ فَضَمَمْتُہٗ فَمَا نَسِیْتُ شَیْئًا بَعْدُ علہ

کو چلو کی طرح بنا کر اس میں کچھ ڈالا پھر فرمایا سمیٹ کر اپنے سینے سے لگالے میں نے ایسا ہی کیا اسکے بعد کبھی نہیں بھولا ①

حدیث ۸۸ ۔ حفظت وعائین

عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ قَالَ حَفِظْتُ مِنْ رَّسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ نے فرمایا میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے (علم) کے دو برتن یاد کئے ①

کھالیتا ورنہ صبر کرتا۔ اس لئے مجھے حدیثیں یاد کرنے کا سب سے زیادہ موقع ملا۔ علاوہ ازیں حضور نے میرا حافظہ بھی بہت قوی کردیا تھا۔ کہ جو سنتا یاد رکھتا کبھی نہ بھولتا۔ ② حضرت ابوہریرہ کے استدلال نے بتادیا کہ جیسے قرآن مجید کا چھپانا حرام وگناہ ہے اسی طرح احادیث کا بھی اور جیسے قرآن واجب الاعتقاد والعمل ہے اسی طرح احادیث بھی۔ یہ منکرین حدیث کا رد ہے۔

تشریحات ۸۷

① یہاں صرف ضم ہے مگر کتاب المزارعت میں سینے سے لگانے کی تصریح ہے۔

② اس سے ثابت ہوا کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو یہ اختیار ہے کہ جسے جو چاہیں عطا فرمائیں یہاں صرف ابوہریرہ کی تخصیص نہیں تھی کتاب البیوع ومزارعت میں صاف ہے لن یبسط احد ردائہ جو بھی چادر پھیلائے۔ یہ دوسری بات ہے کہ چادر صرف ابوہریرہ ہی نے پھیلائی اور انھیں کو یہ نعمت ملی۔ ان دونوں حدیثوں سے معلوم ہوا کہ علم دین کا چھپانا ممنوع ہے۔ اور یہ کہ بوقت ضرورت اپنی خوبی بیان کرنا جائز ہے جبکہ اپنا ترفع وتفوق مقصود نہ ہو اور اعجاب نفس بھی نہ ہو۔

تشریحات ۸۸

① وعاء کے معنی برتن ہیں مراد وہ چیز ہے جو برتن میں ہو محل بول کر حال مرادہے۔ بلعوم کھانا نگلنے کی نالی۔ چونکہ کچھ

علہ بخاری کتاب البیوع باب اول مزارعت ماجاء فی الغرس، دقبل فضائل الصحابۃ ج ۱ ص ۵۱۲ ترمذی، مناقب

تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وِعَائَیْنِ فَاَمَّا اَحَدُھُمَا فَبَثَثْتُہٗ وَاَمَّا الْاٰخَرُ فَلَوْ بَثَثْتُہٗ قُطِعَ ھٰذَا الْبُلْعُوْمُ

ایک تو پھیلا دیا۔ دوسرے کو پھیلاؤں تو یہ نرخرہ کاٹ دیا جائے۔

لوگوں کا کہنا ہے کہ بلعوم مطلقاً ملقوم کے معنی میں ہے اس لئے امام بخاری نے اس کی تفسیر کی۔

حضرت ابوہریرہ اس سے یا تو دو قسم کے علوم ہیں یا یہ مطلب ہے کہ اگر یہ علوم لکھے جائیں تو ایک قسم سے ایک برتن اور دوسری قسم سے دوسرا برتن بھر جائے یا واقعۃً انہوں نے ان کو لکھا یا لکھوایا۔ تو دو برتن بھر گئے۔ جیسا کہ حدیث ۸۳ میں گذرا کہ انہوں نے بھی حدیث لکھی یا لکھوائی تھیں۔ اس تقدیر پر بھی حاصل وہی ہوا کہ دو قسم کے علوم اخذ کئے۔ پہلی قسم عقائد احکام ہیں جن کو پھیلایا دوسری قسم سے مراد فتن کی احادیث ہیں جن میں ظالم سلاطین کے نام وکالے کرتوت مذکور تھے یزید اور عبدالملک کے مظالم سے جو واقف ہے۔ وہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ کے اس اندیشے کو بخوبی سمجھ سکتا ہے۔ تاہم کبھی کبھی تاب ضبط نہ رہتی تو اشارے کنائے میں بیان بھی فرما دیتے جیسے ھلکۃ امتی علی یدا غلمۃ من قریش میری امت کی بربادی قریش کے لونڈوں کے ہاتھوں ہے۔ یا جیسے دعا فرمایا۔ انی اعوذ باللہ من راس الستین وامارۃ الصبیان۔ میں ساٹھ کی ابتدا اور لونڈوں کی بادشاہت سے اللہ کی پناہ مانگتا ہوں۔ اللہ عزوجل نے انکی دعا قبول فرمائی ۶۰ھ سے پہلے ہی وصال فرما گئے۔ یہ یزید پلید کی ظالمانہ حکومت کی طرف اشارہ ہے بلکہ ایک دفعہ فرمایا۔ اگر میں چاہوں تو ان کے نام بتا دوں۔ بعض صوفیا نے دوسرے برتن سے علوم باطن اسرار طریقت مراد لیا ہے۔ لیکن پھر قطع ھذا البلعوم سے مطابقت نہیں رہتی۔ اس لئے کہ اسرار تصوف شریعت کے معارض نہیں کہ جس سے اندیشہ ہو۔ اولیاء کرام نے ان اسرار کو بیان فرمایا اپنی تصنیفات میں تحریر فرمایا۔ اس سے ان پر کیا وبال آیا۔ ملحدین باطنیہ اس سے اپنے کفریات مراد لیتے ہیں۔ معاذ اللہ اگر حضرت ابوہریرہ کی مراد وہ ہوتی تو پھر وہ شریعت کے پابند کیوں رہتے۔ نیز جب انھوں نے اس کو ظاہر نہیں فرمایا۔ تو ان کو کیسے معلوم ہو گیا۔ اور یہی ارباب تصوف سے بھی عرض کیا جا سکتا ہے۔ اس حدیث سے ثابت ہوا کہ حضرت ابوہریرہ کو بھی حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے علم غیب عطا فرمایا تھا۔ نیز ثابت ہوا کہ ایسے علوم جن کا اعتقاد اور عمل سے تعلق نہ ہو ان کے بیان کرنے میں عزت و آبرو کا خطرہ ہو تو انھیں نہ بیان کرنے میں کوئی حرج نہیں۔

عہ اسی کے ہم معنی مسند امام احمد میں ہے۔

(۸۹) حدیث ۔ لاترجعوا بعدی کفارا

عَنْ جَرِیْرٍ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ

حضرت جریر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان کیا کہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان سے حجۃ الوداع میں فرمایا

لَهٗ فِیْ حَجَّةِ الْوَدَاعِ ۔ اِسْتَنْصِتِ النَّاسَ ۔ فَقَالَ لَاتَرْجِعُوْا بَعْدِیْ كُفَّارًا

لوگوں کو چپ کراؤ (جب لوگ چپ ہوگئے) تو فرمایا ۲ میرے بعد پلٹ کر کافر نہ ہو جانا کہ

يَضْرِبُ بَعْضُكُمْ رِقَابَ بَعْضٍ ع۱

تم میں کا بعض بعض کی گردن مارے ۳

تشریحات (۸۹)

(۱) یہ حجۃ الوداع کے طویل خطبے کا جزء ہے جس کا کچھ حصہ حدیث ۸۵ میں گزر چکا۔ اس حدیث پر کچھ لوگوں نے یہ شبہہ وارد کیا ہے کہ اس میں " لہ " زائد ہے اس لئے کہ علامہ ابن عبد البر نے فرمایا کہ حضرت جریر حجۃ الوداع کے بعد وصال مبارک سے چالیس دن پہلے مسلمان ہوئے ۔ یہ حجۃ الوداع میں موجود نہ تھے ۔ لیکن صحیح یہ ہے کہ یہ حجۃ الوداع سے پہلے اسی سال رمضان میں مسلمان ہو چکے تھے جیسا کہ بغوی اور ابن ماجہ نے کہا ہے اور حجۃ الوداع میں حاضر تھے ۔ اسی بخاری حجۃ الوداع میں یہ لفظ ہے قَالَ لِجَرِیْرٍ ۔ یہ اس بات پر نص ہے کہ حضرت جریر حجۃ الوداع میں حاضر تھے جس کا لازمی نتیجہ ہے کہ وہ حجۃ الوداع سے پہلے مشرف باسلام ہو چکے تھے ۔

(۲) میرے بعد پلٹ کر کافر نہ ہو جانا ۔ کافر نہ ہو جانے سے حقیقی معنی بھی مراد ہو سکتا ہے ۔ کہ اسلام چھوڑ کر کفر اختیار مت کرنا ۔ اسلام پر ثابت رہنا ۔ اور مسلمانوں کی جان و مال کو مباح مت جاننا ۔ کہ ان سے لڑائی کر کے انھیں قتل کر دا در مال چھینو اور اس کا بھی احتمال ہے کہ مراد یہ ہو کہ کافروں جیسے مت ہو جانا کہ مسلمانوں کو قتل کر دان کا مال چھینو ۔ اسلئے کہ مسلمانوں کے جان و مال کو مباح جاننا مسلمان کا کام نہیں کافروں کا ہے ۔

(۳) اس میں اخبار بالغیب ہے ۔ ان عظیم فتنوں کی طرف اشارہ ہے جو افتراق بین المسلمین کی شکل میں نمودار ہوئے ۔ خود مسلمانوں نے مسلمانوں کو کافروں کیطرح قتل کیا ۔ انکے مال کو مباح جانا ۔ بنی امیہ بنی عباس خونریزیوں جنگوں سے لے کر تیمور لنگ نادر شاہ درانی کے حوادث اس کی صداقت کی دلیل ہیں ۔

ع۱ ایضا بخاری، دیات، قول اللہ من احیاھا ۔ مغازی حج الوداع مسلم ایمان (۱۱۸) نسائی علم اور محاربہ ۔ ابن ماجہ فتن مسند امام احمد

۹۰ حدیث۔ موسیٰ وخضر علیہما السلام

اَخْبَرَنِیْ سَعِیْدُ بْنُ جُبَیْرٍ قَالَ قُلْتُ لِابْنِ عَبَّاسٍ، اِنَّ نَوْفًا اَلْبِکَالِیْ یَزْعُمُ

سعید بن جبیر نے بیان کیا کہ میں نے ابن عباس سے کہا کہ نوف بکالی یہ گمان کرتا ہے کہ

احکام اس حدیث سے ثابت ہوا کہ حدیث کی قرأت کے وقت حاضرین پر چپ رہنا واجب ہے نیز یہ بھی ثابت ہوا کہ علماء جب کچھ دینی باتیں ارشاد فرمائیں تو حاضرین کو چپ رہنا چاہئے کہ علماء کرام کی توقیر کرنی لازم ہے۔ تلمیذ شیخ کے سامنے باادب رہے جب وہ کچھ کہے تو باادب خاموشی سے بغور سنے۔ نیز معلوم ہوا اگر کسی حادثے کا اندیشہ ہو تو مسلمانوں کو خبردار کر دینا چاہئے خصوصاً اسے جس پر اعتماد ہو۔

○ منکرین اجماع نے اس حدیث سے استدلال کیا کہ اس سے ظاہر کہ پوری امت کا کافر ہونا ممکن اس لئے کہ اگر یہ ممکن نہ ہوتا تو اس سے تحذیر لغو ہوتی۔ اور کفر سب سے بڑی گمراہی تو ثابت کہ پوری امت کا گمراہی پر اتفاق ممکن۔ جواب یہ ہے کہ چونکہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمادیا۔

لَاتجتمع امتی علی الضلالۃ۔ میری امت گمراہی پر اتفاق نہیں کر سکتی۔

اس لئے پوری امت کا گمراہ ہونا محال ہوا۔ اور اس حدیث میں تحذیر، امت کے بعض افراد کے اعتبار سے ہے۔ کہ کچھ افراد گمراہ ہوں گے جیسا کہ وقوع پذیر ہوا۔

تشریحات ۹۰

تکمیل اس کے بعد ہے حضرت خضر نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بتایا کہ کشتی میں نے اس لئے توڑی کہ کشتی والے غریب تھے ان کا ذریعہ معاش بھی یہی کشتی تھی واپسی میں ایک ایسے ظالم بادشاہ پر جس کا نام بخاری کتاب التفسیر ص ۶۸۹ میں ہُدَدْ بن بُدَد بتایا اور ایک قول یہ ہے کہ جلندی تھا۔ ان کا گذر ہوتا جو ہر صحیح وسلامت کشتی کو چھین لیتا تھا۔ اور عیب دار کو چھوڑ دیتا تھا۔ میں نے عیب دار کر دی کہ یہ کشتی ان غریبوں کے پاس رہے۔ چنانچہ واپسی میں جب یہ کشتی اس ظالم کی حدود میں داخل ہوئی تو اس نے آکر کشتی دیکھی ٹوٹی دیکھ کر چھوڑ دیا اس کے بعد ان لوگوں نے تختہ فٹ کر لیا۔ یہ ظالم اندلس میں رہتا تھا مقتول بچے کا معاملہ یہ تھا کہ اس کی سرشت میں کفر تھا۔ اور اس کے ماں باپ مومن تھے اس کا اندیشہ تھا کہ کہیں اس کافر بچے کی محبت میں وہ بھی کافر نہ ہو جائیں میں نے اسے مار ڈالا۔ تاکہ ماں باپ اسکی وجہ سے کافر نہ ہوں۔ قرآن مجید میں ہے کہ ہم نے یہ چاہا اللہ عزوجل اس کے عوض ان لوگوں کو، کوئی نیک اولاد اولاد عطا فرمائے۔ بخاری تفسیر میں ہے کہ اسکے عوض انھیں ایک لڑکی عطا ہوئی۔ جمل میں ہے کہ ان کا نکاح ایک نبی سے ہوا جن سے نبی پیدا ہوئے۔ بعض روایتوں سے معلوم

أَنَّ مُوْسٰى لَيْسَ بِمُوْسٰى بَنِيْ إِسْرَائِيْلَ إِنَّمَا هُوَ

جن موسیٰ نے (خضر سے ملاقات کی تھی) یہ بنی اسرائیل کے موسیٰ نہیں تھے بلکہ کوئی اور

ہوتا ہے کہ شمعون انھیں کی نسل سے ہیں۔ ایک روایت میں ہے کہ ستر انبیاء انکی نسل سے ہوئے۔ حضرت خضر نے اس مقتول کا کاندھا چیر کر دل نکال کر دکھایا اس پر لکھا تھا کافر ہے کبھی ایمان نہ قبول کرے گا۔ اور دیوار دو یتیم بچوں کی تھی اسکے نیچے خزانہ مدفون تھا۔ اگر دیوار ابھی گر پڑتی تو گاؤں والے سب خزانہ لے جاتے۔ اور یہ بچے محروم رہ جاتے انکی ساتویں پشت میں ان کے دادا کا شیخ نیک صالح شخص تھے ان کی برکت سے اللہ کو یہ منظور ہوا کہ یہ خزانہ انھیں بچوں کو ملے اس وقت میں نے دیوار درست کردی تاکہ یہ بڑے ہو کر اس خزانے کو حاصل کرلیں۔ سورۂ کہف و تفسیرات

اشخاص

حر بن قیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ، بنی فزارہ کے فرد اور عیینہ بن حصین کے بھتیجے تھے۔ ان کے قبیلے کا جو وفد خدمت اقدس میں حاضر ہوا تھا اس کے ایک رکن یہ بھی تھے۔ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہمنشینوں میں تھے۔

نوف بکالی بن فضالہ، یہ تابعی تھے ان کی کنیت ابو رشید ہے۔ یہ عالم فاضل اہل دمشق کے مقتدا اور قاضی تھے۔ ابن تین نے کہا کہ یہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دربان تھے یہ قاص یعنی واعظ تھے کہا جاتا تھا کہ اسرائیلی روایات بہت بیان کرتے تھے۔ مشہور یہ ہے کہ یہ کعب احبار کی زوجہ کے بیٹے تھے۔ ان کو بکالی اس لئے کہتے ہیں۔ کہ حمیر کی ایک شاخ بنی بکال کے فرد تھے۔

ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ مشہور انصاری صحابی ہیں۔ بیعت عقبہ اور بدر میں شرکت کی سعادت حاصل کی۔ اس امت کے سب سے بڑے قاری ہیں ان کا خطاب "اقرأ هذه الامة" ہے۔ حضرت عمران کو سید المسلمین کہا کرتے تھے۔ ۱۹ھ یا بیس یا تیس میں مدینہ طیبہ میں وصال فرمایا۔ ان سے ایک سو چونسٹھ حدیثیں مروی ہیں۔ تین متفق علیہ چار افراد بخاری سے اور سات افراد مسلم سے ہیں۔

موسیٰ علیہ السلام موسیٰ بن عمران کلیم اللہ علیہ السلام حضرت یعقوب کے صاحبزادے لاوی کی نسل سے ہیں ان کے والد عمران نے ایک سو ستائیس سال کی عمر پائی جب ان کی عمر ستر سال کی ہوئی تو حضرت موسیٰ کی ولادت ہوئی۔ حضرت موسیٰ نے میدان تیہ میں ایک سو ساٹھ سال کی عمر پاکر وصال فرمایا۔ ان کا وصال طوفان نوح کے ایک ہزار چھ سو بیس سال بعد ہوا۔ انھوں نے جس فرعون کو ہلاک فرمایا تھا اس کا نام ولید بن مصعب بن ریان بن اراشہ تھا۔ اسے چار سو سال کی عمر ملی۔ موسیٰ کا اصل تلفظ موشی تھا اس کے معنی قبطی زبان میں پانی اور کچھ درخت کے ہیں۔ یہ نام آسیہ بنت مزاحم

فرعون کی زوجہ نے رکھا تھا اس لئے کہ ان کا تابوت آسیہ کو پانی اور درخت میں ملا تھا۔ یہ قبطی لفظ ہے اسے عربی بنانے کی کوشش میں کوئی فائدہ نہیں۔

بنی اسرائیل حضرت یعقوب علیہ السّلام کا دوسرا نام اسرائیل ہے۔ ان کے بارہ بیٹے تھے۔ یوسف علیہ السّلام۔ بنیامین۔ دانی۔ نفتالی۔ زبالون۔ جاد۔ یستاخر۔ اشیر۔ روبیل۔ یہوذا۔ شمعون۔ لاوی ان کو اسباط بھی کہتے ہیں۔ اس لئے کہ ان میں سے ہر ایک قبیلے کا جد ہے۔ اسباط بہت زیادہ شاخوں والے گھنے درخت کو کہتے ہیں یہ اور ان کی نسل بنو اسرائیل ہیں۔

یوشع بن نون یہ حضرت یوسف علیہ السلام کی اولاد میں ہیں۔ یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے خادم خاص اور انکے صحابی و تلمیذ تھے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے وصال کے چالیس سال بعد ان کو نبوت عطا ہوئی تھی اور انھوں نے ہی بیت المقدس فتح فرما کر جبارین کا قلع قمع کیا۔ ان کے لئے بھی سورج واپس ہوا تھا۔ یہ بیت المقدس کے محاذ پر جبارین سے جہاد فرمارہے تھے۔ جمعہ کا دن تھا۔ ان کے مذہب میں ہفتے کو لڑنا جائز نہ تھا۔ جبارین شکست کھاچکے تھے بنی اسرائیل ان کا قتل عام کر رہے تھے۔ کچھ رہ گئے تھے۔ کہ سورج ڈوبنے کے قریب ہوگیا۔ انھوں نے اللہ سے دعا کی کہ اے اللہ سورج کو واپس کردے اور سورج سے فرمایا اے سورج تو بھی اللہ کی اطاعت میں ہے میں بھی اللہ کی اطاعت میں ہوں۔ تو ٹھہر جا۔ اے چاند تو بھی اپنی جگہ رکا رہ تاکہ میں سنیچر آنے سے پہلے دشمنانِ خدا سے انتقام لے لوں۔ سورج پلٹ آیا اور دن بڑا ہوگیا۔ جب سب ظالمین کا قلع قمع ہوگیا۔ تو ڈوبا۔ ان کو ایک سو سولہ سال کی عمر عطا ہوئی۔ حضرت موسیٰ کے بعد ستائیس سال بنی اسرائیل کے مقتدا رہے وصال کے بعد جبل ابراھیم میں دفن ہوئے[۱]۔

خضر اس میں تین لغت ہے خَضِر، خَضْر، خِضْر اس کے لغوی معنی سبزے کے ہیں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا ان کا نام خضر اس لئے پڑا کہ یہ ایک چٹیل سفید زمین پر بیٹھے تو اس پر سبزہ اگ آیا[۲]۔ امام مجاہد نے فرمایا کہ اس نام کی وجہ یہ ہے کہ جس جگہ نماز پڑھتے ہری ہوجاتی۔ خطابی نے کہا چونکہ بہت حسین تھے چہرہ روشن تھا اس لئے یہ نام پڑا ان تینوں میں کوئی تنافی نہیں۔ ان کی کنیت ابو العباس ہے نام کے بارے میں اختلاف ہے وہب بن منبہ نے کہا کہ بَلْیَا ہے۔ کسی نے کہا اَبْلِیَا ہے کسی نے کہا ارمیا ہے کسی نے کہا اَلْیَسَع ہے کسی نے کہا خضرون ہے علامہ ابن حجر نے فرمایا پہلا قول زیادہ قوی ہے یعنی بَلْیَا۔ ان کا نسب کیا ہے؟ ایک قول یہ ہے کہ حضرت آدم کے

---

[۱] جلالین صاوی سورہ مائدہ مسند امام احمد [۲] بخاری ص۴۸۳

بلا واسطے صاجزادے ہیں انھیں کی دعا کی برکت سے طویل عمر پائی۔ حضرت آدم نے اپنے صاجزادوں کو طوفان نوح کی خبر دی تھی اور یہ دعا کی تھی۔ کہ میرے تابوت کی جو حفاظت کرے گا اسے طویل عمر ملے گی۔ یہ خدمت خضر نے انجام دی اس لئے انھیں عمر جاوداں ملی۔ ایک قول یہ ہے کہ یہ قابیل کے بیٹے تھے۔ ایک قول یہ ہے کہ حضرت الیاس کے بھائی ہیں۔ اور شہزادے ہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ حضرت نوح کے صاجزادے سام کی نسل سے ہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ یہ عیص بن اسحاق علیہ السلام کی اولاد میں ہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ حضرت ہارون کی اولاد ہیں۔ بعض اہل کتاب کا قول ہے کہ ذوالقرنین کی خالہ کے صاجزادے ہیں۔

ان کا زمانہ کیا ہے یہ بھی مختلف فیہ ہے۔ کہا گیا ہے کہ فریدون کے زمانے میں تھے۔ یہ بھی کہا گیا کہ ذوالقرنین اکبر کے مقدمۃ الجیش تھے جو ابراھیم خلیل اللہ کے زمانے میں تھا۔ نیز یہ بھی کہا گیا کہ یہ ذوالقرنین کے وزیر تھے۔ انھوں نے آب حیات پایا اور پیا زندۂ جاوید ہوگئے۔ ذوالقرنین محروم رہا۔ ابن جریر نے کہا صحیح یہ ہے کہ فریدون سے بہت پہلے تھے۔ اس لئے کہ یہ طے ہے کہ انھوں نے حضرت موسیٰ کا زمانہ پایا۔

پھر یہ اختلاف ہے کہ یہ نبی تھے کہ صرف ولی تھے تو صرف نبی تھے کہ نبی مرسل صحیح یہی ہے کہ نبی تھے اس پر دلیل ان کا یہ ارشاد ہے مَافَعَلْتُهٗ عَنْ اَمْرِیْ۔ اس بچے کا قتل میں نے اپنی طبیعت سے نہیں کیا۔ تو لامحالہ ماننا پڑے گا کہ انھیں اسے مار ڈالنے کا حکم بذریعہ وحی ہوا تھا اسلئے وہ واجب الاتباع تھا اگر ولی ہوتے تو اس قول کی تاویل یہ ہوتی کہ انھیں الہام ہوا تھا۔ اور کسی ولی کو یہ جائز نہیں کہ اسے اگر کسی کے قتل کرنے کا الہام ہو تو اسے مار ڈالے۔ اور وحی نبی ہی پر آتی ہے۔ پھر اس میں بھی اختلاف ہے کہ وہ زندہ ہیں یا وفات پاگئے۔ امام بخاری اور کچھ محدثین کا مذہب یہ ہے کہ وہ وفات پا چکے مگر جمہور علماء اور جمیع اولیا کی تحقیق یہ ہے کہ وہ اب بھی زندہ ہیں اور دجال کے بعد جب ایمان اٹھ جائے گا اس وقت وصال فرمائیں گے۔

حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور صحابۂ کرام سے ان کی ملاقات ثابت ہے اور اولیاء کرام کے یہاں تو متواتر ہے۔ کعب احبار نے کہا چار نبی زندہ ہیں۔ اور زمین والوں کے لئے امان ہے۔ دو زمین میں خضر اور الیاس اور دو آسمان میں ادریس اور عیسیٰ علیہم الصلوٰۃ والتسلیم۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ حضرت خضر اور حضرت الیاس ہر سال حج میں شریک ہوتے ہیں۔ اور احرام سے باہر آنے کے لئے ایک دوسرے کا بال اتارتے ہیں۔ ان سب کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت خضر جیسے مخفی ہیں ان کے احوال بھی مخفی ہیں الا ماشاء اللہ

مُوسیٰ آخَرُ فَقَالَ کَذَبَ عَدُوُّ اللّٰہِ حَدَّثَنَا اُبَیُّ بْنُ کَعْبٍ عَنِ النَّبِیِّ

موسیٰ تھے [۱] ابن عباس نے فرمایا اللہ کے دشمن نے جھوٹ کہا [۲] ہم سے ابی بن کعب نے حدیث بیان کی کہ

صَلَّی اللّٰہُ تَعَالیٰ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ قَامَ مُوسیٰ النَّبِیُّ خَطِیْباً فِی بَنِی اِسْرَائِیْلَ

نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرمایا۔ موسیٰ نبی نے بنی اسرائیل کو خطبہ دیا [۳] پوچھا گیا کون سب سے زیادہ علم والا ہے

فَسُئِلَ اَیُّ النَّاسِ اَعْلَمُ فَقَالَ اَنَا اَعْلَمُ فَعَتَبَ اللّٰہُ عَزَّوَجَلَّ عَلَیْہِ اِذْ لَمْ

فرمایا میں [۴] اس کہنے کی وجہ سے اللہ عزوجل نے موسیٰ پر عتاب فرمایا کہ انھوں نے یہ نہیں

تطبیق (۱) کتاب التفسیر میں یہ ہے سعید بن جبیر اور نوف بکالی میں یہ اختلاف ہوا کہ جن موسیٰ نے خضر سے ملاقات کی تھی یہ موسیٰ کلیم اللہ نہیں بلکہ دوسرے موسیٰ یعنی موسیٰ بن میشا بن یوسف علیہ السلام ہیں جو حضرت موسیٰ کلیم اللہ سے پہلے نبی ہوئے ہیں اہل کتاب کا یہی خیال ہے۔

اسی کتاب العلم میں پہلے دو جگہ اور آگے بھی مذکور ہے کہ اختلاف حضرت ابن عباس اور حر بن قیس میں ہوا وہ بھی یہ کہ موسیٰ کلیم اللہ جن سے ملاقات کیلئے تھے وہ خضر تھے یا کوئی اور صاحب۔ تطبیق یہ ہے کہ یہ دو واقعے ہیں پہلا اختلاف ابن عباس اور حر بن قیس میں ہوا کہ حضرت موسیٰ جن سے ملنے گئے تھے وہ خضر تھے یا کوئی اور۔ یہ اختلاف دو صحابی کا تھا اتفاق سے حضرت ابی بن کعب کا گذر ہوا ان سے دریافت فرمایا انہوں نے مذکورہ حدیث بیان فرمائی۔ دوسرا اختلاف یہ کہ یہ کون موسیٰ تھے سعید بن جبیر اور نوف بکالی میں ہوا یہ دونوں تابعی تھے۔ سعید بن جبیر کے دریافت کرنے پر حضرت ابن عباس نے حضرت کعب سے سنی ہوئی حدیث بیان فرما دی۔

(۲) نوف بکالی تابعی تھے اور اہل دمشق کے قاضی وامام تھے ان کو اللہ کا دشمن کہنا حقیقی معنی میں نہیں۔ شدت ظاہر کرنے کے لئے زجراً حالت غضب میں فرمادیا اور کسی غلط بات کو سنکر حق پرست علماء کو جلال آہی جاتا ہے۔ لیکن علامہ ابن حجر نے فرمایا ہوسکتا ہے حضرت ابن عباس کو نوف کے مسلمان ہونے میں کچھ شبہ رہا ہو اس پر قرینہ یہ ہے کہ حر بن قیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول بھی صحیح نہیں تھا مگر ان کو کچھ نہیں کہا۔

(۳) جس میں اللہ کی نعمتوں اور بلاؤں کا ذکر اتنے موثر طریقے سے فرمایا کہ حاضرین پر رقت طاری ہوگئی۔ لوگ رو پڑے موسیٰ علیہ السلام نے خطبہ بند کر دیا تو ایک شخص نے پوچھا۔

[۱] عینی کتاب العلم ص ۱۹۳ ج ۲

يَرُدَّ الْعِلْمَ إِلَيْهِ فَأَوْحَى اللَّهُ إِلَيْهِ أَنَّ عَبْدًا مِّنْ عِبَادِي بِمَجْمَعِ الْبَحْرَيْنِ هُوَ

فرمایا کہ اللہ خوب جانتا ہے وحی کی میرے بندوں میں سے ایک بندہ مجمع البحرین میں ہے وہ تم

أَعْلَمُ مِنْكَ قَالَ يَا رَبِّ وَكَيْفَ بِهِ، فَقِيلَ لَهُ احْمِلْ حُوتًا فِي مِكْتَلٍ فَإِذَا فَقَدْتَهُ

سے زیادہ علم والا ہے موسیٰ نے عرض کیا اے رب! کیسے ان سے ملاقات ہو فرمایا گیا ایک مچھلی ٹوکری میں لیلو، جہاں یہ

(۴) یہاں اور کتاب التفسیر وغیرہ میں یہ ہے کہ سوال کرنے پر فرمایا کہ میں اعلم ہوں اس پر عتاب ہوا۔ اور مسلم شریف میں ہے کہ حضرت موسیٰ اپنی قوم میں ایام اللہ یعنی اللہ کی نعمتوں اور بلاؤں کو بیان فرما رہے تھے کہ یہ کہہ دیا کہ زمین میں کسی کو اپنے سے زیادہ بہتر اور علم والا نہیں جانتا۔ اس پر اللہ نے وحی بھیجی کہ زمین میں ایک شخص تم سے زیادہ علم والے ہیں اور بخاری کی عام روایتوں میں یہ ہے کہ کسی نے سوال کیا تو فرمایا ۔ اس میں تطبیق یہ ہے کہ مسلم شریف کی روایت میں اختصار ہے سائل کے سوال اور عتاب کو راوی نے چھوڑ دیا ۔

(۵) پہلی روایت میں ہے کہ ایک شخص نے حضرت موسیٰ سے یہ پوچھا کہ آپ کسی ایسے کو جانتے ہیں جو آپ سے زیادہ علم والا ہو۔ فرمایا نہیں۔ اور یہاں یوں ہے کہ ان سے پوچھا گیا کون سب سے زیادہ علم والا ہے تو فرمایا میں ہوں۔ دونوں روایتوں کا حاصل ایک ہی ہے حضرت موسیٰ کی مراد یہ تھی کہ جتنے اہل علم کو جانتا ہوں ان سب سے اعلم میں ہوں۔ اس اعتبار سے یہ فرمانا غلط نہ تھا بلکہ عند التحقیق واقع کے اعتبار سے بھی صحیح ہے فی الواقع حضرت موسیٰ علیہ السلام حضرت خضر سے بدرجہا اعلم تھے لیکن اس جواب میں خود بینی و خود نمائی کی بو تھی جو ان کے شایان شان نہ تھی انھیں جواب میں یہ فرمانا زیادہ انسب تھا کہ اللہ اعلم یا کم از کم یہ فرماتے انا اعلم واللہ اعلم اس لئے ان پر عتاب ہوا جیسا کہ دوسری روایت میں تصریح ہے

اعجب موسیٰ بعلمہ نعاتبہ بما لقی الخضر موسیٰ کو اپنے علم پر عُجب ہوا اس لئے ان پر عتاب ہوا اور خضر کیساتھ واقعہ پیش آیا۔

اور حقیقت میں یہ ان کی امت کی تعلیم کے لئے تھا۔ کہ وہ عُجب میں مبتلا نہ ہوں۔

(۶) اس سے معلوم ہوا کہ ادب یہ ہے کہ عالم جو بات بیان کرے اس کے بعد یہ کہے واللہ تعالیٰ اعلم اسی کے مطابق مفتیان کرام اپنے فتووں کے بعد واللہ تعالیٰ اعلم لکھتے ہیں ۔

(۷) یہ مجمع البحرین دو سمندروں کا سنگم کون ہے۔ اس میں شراح حدیث و مفسرین کے مختلف اقوال ہیں۔ جانب شرق روم اور فارس کے سمندروں کا سنگم۔ ابی بن کعب سے ثعلبی نے حکایت کی کہ یہ افریقہ میں ہے۔ اور ایک قول یہ ہے "طنجہ" مراد ہے کچھ لوگوں نے کہا دریائے اردن اور قلزم کا سنگم مراد ہے اس کے علاوہ بھی اقوال ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

(۸) یہاں شبہہ وارد ہوتا ہے کہ اس سے لازم آتا ہے کہ حضرت خضر حضرت موسیٰ سے اعلم ہیں ۔ حالانکہ یہ محقق ہے

کہ نبی کا اپنے اہل زمانہ سے اعلم ہونا ضروری ہے۔ اس کا ایک جواب زمخشری نے دیا کہ چونکہ صحیح یہ ہے کہ حضرت خضر نبی ہیں اور اس میں کوئی حرج نہیں کہ ایک نبی دوسرے نبی سے تعلیم حاصل کرے۔ اس کا مفاد یہ نکلا کہ اس میں کوئی حرج نہیں کہ خضر حضرت موسیٰ سے اعلم ہوں اس لئے کہ دونوں نبی ہیں۔ اس پر علامہ ابن حجر نے یہ اعتراض کیا یہ تو تسلیم کر لینا ہی ہوا حضرت خضر حضرت موسیٰ سے اعلم ہیں۔ حالانکہ یہی اصل اعتراض ہے پھر خود ہی جواب ارشاد فرمایا۔ کہ حضرت خضر کی اعلمیت مخصوص چیزوں کے اعتبار سے ہے۔ پھر بعد میں تحریر فرمایا کہ اگر حضرت خضر کو نبی مرسل مانیں تو اس میں کوئی حرج نہیں کہ وہ اعلم ہوں، یعنی مطلقاً اور اگر ان کو صرف نبی یا ولی مانیں تو وہی مخصوص اعلمیت مراد ہے۔ علامہ ابن حجر نے ابتداءً اعلم ہونے کو خاص کیا پھر تفصیل کی۔ اگر حضرت خضر نبی مرسل ہیں تو اعلم یہاں اپنے حقیقی معنی میں ہے اور اگر حضرت خضر کو صرف نبی یا ولی مانیں تو خاص باتوں کے اعتبار سے اعلم ہونا مراد ہے۔

علامہ عینی نے فرمایا کہ حضرت موسیٰ وظائف نبوت اور امور شریعت کے اعتبار سے مطلقاً اعلم ہیں اور حضرت خضر دوسری چند مخصوص چیزوں (یعنی امور غیب و حوادث و قدم) کے اعتبار سے اعلم ہیں۔

لیکن ہر ذی علم جانتا ہے کہ جو شخص علوم کثیرہ وہ بھی وظائف نبوت اور احکام شریعت کے اعتبار سے، اعلم ہو اس کے مقابلے میں ایسے شخص کو جو مخصوص ایسی باتیں جانتا ہو جن پر پہلا شخص مطلع نہیں، اعلم کہنا درست نہیں ــــ اس لئے خادم کے خیال میں صحیح توجیہ یہ ہے کہ یہ موقع چونکہ عتاب و تنبیہ و تادیب کا ہے اور تنبیہ و تادیب کے موقع پر جو عتابیہ کلمات بولے جاتے ہیں۔ ان سے حقیقی معنی مراد نہیں ہوتا۔ صرف تنبیہ و تادیب مقصود ہوتی ہے۔ مثلاً ایک استاذ اپنے سب سے زیادہ لائق و فائق تلمیذ کو ناراضگی کی حالت میں تادیباً کہے تم کو کچھ نہیں آتا یا اس سے کم درجے کے تلمیذ کو کہے کہ تم سے زیادہ لائق تو یہ ہے ــــ اسلوب بیان کا ماہر جانتا ہے کہ یہاں مراد حقیقی معنی نہیں۔ صرف اظہار عتاب ہے اسی طرح یہاں بھی عتاب کے موقع پر اس "اعلم" کے حقیقی معنی مراد نہیں۔ جیسا کہ انھیں حضرات نے "کذب عدو اللہ" کی توجیہ میں فرمایا اس لئے اس سے حضرت خضر کی اعلمیت پر استدلال درست نہیں۔ اس میں علماء و ارباب کمال کو یہ تلقین کرنا ہے کہ اپنے علم و فضل پر گھمنڈ نہ کریں اِترائیں نہیں۔ تواضع و فروتنی کرتے رہیں۔

(۹) کتاب التفسیر میں بطریق یعلی ہے۔ کہ ارشاد ہوا ایک بے جان مچھلی لے جہاں یہ مچھلی زندہ ہو جائے وہیں وہ بندہ یعنی خضر ہیں۔ حضرت موسیٰ نے اپنے خادم حضرت یوشع سے فرمایا تم کو اس لئے ساتھ لے رہا ہوں کہ تم دھیان رکھنا جہاں مچھلی ہمارا ساتھ چھوڑ دے مجھے بتانا انھوں نے فرمایا یہ کوئی بڑی بات نہیں۔ حضرت موسیٰ نے نمک آلود مچھلی لی بعضوں نے کہا مچھلی کا آدھا دھڑ لیا تھا۔ ایک قول یہ ہے کہ بھنی ہوئی مچھلی تھی۔ ہو سکتا ہے بھنی ہوئی نمک آلود

نُعُوتُهُ، فَانْطَلَقَ وَانْطَلَقَ مَعَهُ بِفَتَاهُ يُوشَعَ بْنِ نُونٍ وَحَمَلَا حُوتًا فِي

غائب ہو جائے وہیں وہ ہوں گے۔ موسیٰ چلے اور ان کے ساتھ ان کے خادم یوشع بن نون بھی چلے۔ دونوں نے

مِكْتَلٍ حَتّٰى كَانَ عِنْدَ الصَّخْرَةِ وَضَعَا رُءُوسَهُمَا فَنَامَا. فَانْسَلَّ الْحُوتُ

ایک مچھلی ٹوکری میں رکھ لی۔ جب صخرہ تک پہنچے تو سر رکھا اور سو گئے۔ مچھلی ٹوکری سے نکل گئی۔

مِنَ الْمِكْتَلِ فَاتَّخَذَ سَبِيلَهُ فِي الْبَحْرِ سَرَبًا وَكَانَ لِمُوسٰى وَفَتَاهُ عَجَبًا. فَانْطَلَقَا

اور دریا میں اپنی راہ لی۔ سرنگ بناتی ہوئی اور موسیٰ اور ان کے خادم کو تعجب ہوا ⑩

مچھلی لی ہو۔ اس کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ بغیر بھنی ہوئی کچی مچھلی کھائی نہیں جاتی۔ اسی طرح یہ بھی ممکن ہے کہ چلتے وقت مسلم مچھلی لی تھی اس میں سے راستے میں کچھ کھالی ہو۔ اور صخرہ کے پاس جب پہونچے تو اس کا آدھا حصہ رہ گیا تھا۔

⑩ تفسیر میں ہے کہ جب ایک چٹان کے پاس پہونچے جس کے نیچے زمین تر تھی حضرت موسیٰ اس چٹان کے سایے میں سو گئے اسی میں دوسری روایت ہے کہ اس چٹان کے نیچے آب حیات کا چشمہ تھا اس کا پانی جس مردہ پر پڑتا زندہ ہو جاتا کسی طرح مچھلی پر اس کا پانی پڑ گیا مچھلی زندہ ہو گئی اور تڑپ کر سمندر میں چلی گئی۔ اور سمندر میں جہاں ڈوبی وہاں گول سرنگ بن گیا حضرت یوشع یہ منظر دیکھ رہے تھے مگر حضرت موسیٰ کو جگایا نہیں سوچا جب بیدار ہوں گے تو بتا دوں گا۔ مگر جب حضرت موسیٰ بیدار ہوئے تو انھیں یاد نہ رہا۔ یہاں یہ ہے کہ دونوں سو گئے اور تفسیر کی دو روایتوں میں ہے کہ صرف حضرت موسیٰ سوئے۔ اور حضرت یوشع جاگ رہے تھے۔ اور مچھلی کے زندہ ہو کر دریا میں جانے کو دیکھ رہے تھے۔ دونوں میں تطبیق یہ ہے کہ ہو سکتا ہے کہ پہلے حضرت یوشع کچھ دیر سوے ہوں یہ بیدار ہوئے تو حضرت موسیٰ سوئے یا یہ کہ تغلیبا فرمایا گیا ہے جیسا کہ آیت کریمہ يَخْرُجُ مِنْهُمَا اللُّؤْلُؤُ وَالْمَرْجَانُ حالانکہ موتی اور مرجان صرف کھاری سمندر سے نکلتے ہیں جیسا کہ بعد میں فرمایا گیا کہ دونوں بھول گئے۔ حالانکہ صرف حضرت یوشع بھولے تھے۔ نسیا حوتھما کی ایک تاویل یہ بھی ہے کہ حضرت موسیٰ بیداری کے بعد مچھلی کا حال دریافت کرنا بھولے اور حضرت یوشع بتانا۔

⑪ یہ مقولہ اس وقت کا ہے جبکہ حضرت موسیٰ کو حضرت یوشع نے مچھلی کے حال کی خبر دی جیسا کہ قرآن مجید میں بھی ہے اور کتاب التفسیر کی ایک روایت میں بھی۔ اور یہی واقعہ بھی بتاتا ہے۔ اس لئے اس وقت تو حضرت موسیٰ کو مچھلی کے واقعہ کا علم بھی نہیں تھا۔ علم ہوا یوشع کے بتانے کے وقت مگر چونکہ یہ تعجب مچھلی کی گم شدگی پر تھا اس لئے اسی کے ساتھ ذکر فرمادیا

⑫ یہاں "یومھما" موخر ہے۔ اس میں الٹ پلٹ ہو گیا۔ صحیح یہ ہے کہ بقیہ دن اور رات چلے اس پر قرینہ یہ ہے کہ آگے فرمایا جب صبح ہوئی اور صبح رات کے بعد ہوتی ہے نیز تفسیر کی ایک روایت میں بقیۃ یومھما ولیلتھما ہی ہے۔

بَقِيَّةَ لَيْلَتِهِمَا وَيَوْمِهِمَا۔ فَلَمَّا أَصْبَحَ قَالَ مُوسَى لِفَتَاهُ آتِنَا غَدَاءَنَا لَقَدْ لَقِينَا

یہاں سے اٹھ کر دونوں بقیہ دن رات چلے۔ جب صبح ہوئی موسیٰ نے اپنے خادم سے فرمایا ہمارے صبح کا کھانا لاؤ

مِنْ سَفَرِنَا هَذَا نَصَبًا وَلَمْ يَجِدْ مُوسَى مَسًّا مِنَ النَّصَبِ حَتَّى جَاوَزَ

اس سفر سے ہمیں تکان آگئی ہے اور موسیٰ کو تکان چھوئی بھی نہیں جب تک کہ اس جگہ سے آگے نہ بڑھے

الْمَكَانَ الَّذِي أُمِرَ بِهِ فَقَالَ لَهُ فَتَاهُ أَرَأَيْتَ إِذْ أَوَيْنَا إِلَى الصَّخْرَةِ فَإِنِّي

جہاں جانے کا انھیں حکم دیا گیا تھا ان کے خادم نے کہا دیکھئے، جب ہم چٹان کے پاس ٹھہرے تھے اس

نَسِيتُ الْحُوتَ قَالَ مُوسَى ذَلِكَ مَا كُنَّا نَبْغِ فَارْتَدَّا عَلَى آثَارِهِمَا قَصَصًا

وقت مچھلی کا واقعہ بیان کرنا بھول گیا۔ موسیٰ نے فرمایا یہی تو ہم چاہتے تھے اس کے بعد دونوں اپنے نشان قدم [۱۳] پر

فَلَمَّا انْتَهَيَا إِلَى الصَّخْرَةِ إِذَا رَجُلٌ مُسَجًّى بِثَوْبٍ أَوْ قَالَ تَسَجَّى بِثَوْبِهِ

پیچھے لوٹے پھر جب صخرہ تک [۱۴] پہونچے تو دیکھا کہ ایک صاحب سر سے پاؤں تک کپڑا تانے ہوئے ہیں۔

(۱۳) قصص کے معنی دو ہیں۔ پیچھے چلنا۔ قصہ بیان کیا بات چیت کی یہاں دونوں معنی بن سکتے ہیں پہلا معنی ظاہر ہے دوسرا معنی یوں کہ وہ دونوں حضرات آپس میں بات چیت بھی کرتے جاتے تھے۔ اسی سے یہ معلوم ہوا کہ دوران سفر آپس میں بات چیت کرنا سنت ہے اس سے سفر میں کوفت نہیں ہوتی۔

(۱۴) مسلم شریف میں ہے کہ لوٹ کر اس چٹان کے پاس واپس ہوئے حضرت یوشع نے بتایا کہ یہاں مچھلی غائب ہوئی تھی۔ بخاری تفسیر میں ہے کہ دونوں نے مچھلی کے غائب ہونے کی جگہ کو دیکھا کہ طاق کے مثل ہے۔ پھر دیکھا کہ ایک صاحب بیچوں بیچ سمندر میں پانی کے اوپر ایک سبز فرش پر اس طرح کپڑے اوڑھے ہیں کہ چادر کا ایک کنارہ سر کے نیچے اور دوسرا پاؤں کے تلے مسلم میں ہے کہ چت سوئے تھے ابن حاتم کی ایک روایت میں ہے کہ اون کا جبہ پہنے تھے اون ہی کا کمبل تھا ان کے ساتھ ان کا عصا تھا جس پر ان کا کھانا باندھا ہوا تھا۔ ابن ابی حاتم کی روایت یوں ہے کہ یہ دونوں اس سوراخ میں تشریف لے گئے جو مچھلی بنا گئی تھی۔ پانی جم کر سخت ہو گیا تھا۔ اندر جزیرۃ البحر میں پہلے تو دیکھا کہ حضرت خضر سبز فرش پر کھڑے بیچوں بیچ سمندر میں نماز پڑھ رہے ہیں۔

بخاری کی ان روایات اور ابن ابی حاتم کی روایت میں تخالف نہیں۔ یہ ہو سکتا ہے کہ بخاری کی روایت میں اختصار ہو اور مراد یہی ہو کہ اس سرنگ کے اندر گئے تو حضرت خضر کو دیکھا البتہ اخیر حصے میں ضرور تعارض ہے اور عند التعارض یہاں ترجیح بخاری ہی کی روایت کو ہو گی۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

فَسَلَّمَ مُوسَىٰ فَقَالَ الْخَضِرُ وَأَنَّىٰ بِأَرْضِكَ السَّلَامُ فَقَالَ أَنَا مُوسَىٰ فَقَالَ

موسی نے سلام کیا تو خضر نے کہا۔ تمہاری (اس) زمین میں [۱۵] سلام کہاں سے؟ جواب دیا میں موسیٰ ہوں۔ پوچھا

مُوسَىٰ بَنِي إِسْرَائِيلَ قَالَ نَعَمْ. قَالَ هَلْ أَتَّبِعُكَ عَلَىٰ أَنْ تُعَلِّمَنِي مِمَّا عُلِّمْتَ

بنی اسرائیل کے موسیٰ فرمایا۔ ہاں [۱۶] موسیٰ نے ان سے کہا (اجازت ہے) کہ میں آپ کے ساتھ اس شرط پر رہوں کہ

رُشْدًا قَالَ إِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيعَ مَعِيَ صَبْرًا. يَا مُوسَىٰ إِنِّي عَلَىٰ عِلْمٍ مِنْ عِلْمِ

آپ مجھے ان نیک باتوں میں سے کچھ سکھا دیں جو آپ کو سکھائی گئی ہیں خضر نے کہا آپ ہرگز میرے ساتھ نہ رہ پائیں گے [۱۷]

اللهِ عَلَّمَنِيهِ لَا تَعْلَمُهُ أَنْتَ وَأَنْتَ عَلَىٰ عِلْمٍ عَلَّمَكَهُ اللهُ لَا أَعْلَمُهُ قَالَ سَتَجِدُنِي

مجھے اللہ نے کچھ ایسا علم عطا فرمایا ہے جسے آپ نہیں جانتے اور آپ کو اللہ نے کچھ ایسا علم عطا فرمایا جسے میں نہیں جانتا موسیٰ

(١٥) انّیٰ، کیف، این، متیٰ، حیث کے معنی میں آتا ہے یہاں کیف اور این کے معنی میں ہے اگر کیف کے معنی میں لیا جائے تو اظہار تعجب کے لئے ہے معنی یہ ہوئے اس زمین میں سلام کیسے؟ یہ اس بنا پر کہ وہ علاقہ کفار کا تھا۔ وہ سلام جانتے ہی نہ تھے۔ یا اس علاقہ میں ملاقات کے وقت لفظ سلام کے علاوہ اور کسی لفظ سے تحیت رائج تھی۔ اور اگر این کے معنی میں لیا جائے تو سوالیہ جملہ ہوگا یعنی تم نے سلام کیسے جانا وہ جگہ ویران تھی کوئی باشندہ نہ ہوگا اس سے ظاہر ہوا کہ حضرت خضر نے حضرت موسیٰ کو نہیں پہچانا اور نہ یہ تعجب نہ ہوتا اور سوال نہ کرتے اس لئے کہ وہ غائبانہ واقف تھے۔ جیسا کہ آگے کے جملے سے ظاہر ہے کہ اس کے جواب میں حضرت موسیٰ نے فرمایا، میں موسیٰ ہوں تو انھوں نے پوچھا بنی اسرائیل کے موسیٰ۔ فرمایا۔ ہاں۔

(١٦) تفسیر بین اتنا زائد ہے۔ اس کے بعد حضرت خضر نے پوچھا آپ کا کیا حال ہے کس لئے تشریف لائے ہیں۔ تو حضرت موسیٰ نے فرمایا اس لئے آیا ہوں کہ آپ مجھے ان اچھی باتوں میں سے کچھ کی تعلیم دیں جو آپ کو سکھائی گئی ہیں۔ اس پر حضرت خضر نے عرض کیا۔ کیا آپ کیلئے یہ کافی نہیں۔ کہ توریت آپ کے پاس ہے۔ آپ کے پاس وحی آتی ہے اے موسیٰ میرے پاس کچھ ایسے علوم ہیں کہ ان سب کا جاننا آپ کے لائق نہیں اور آپ کے پاس کچھ ایسے علوم ہیں جن سب کا جاننا میرے لائق نہیں۔

(١٧) اس کا سبب یہ تھا کہ حضرت خضر کو حکم تھا کہ وہ باطنی احوال کے مطابق عمل فرمائیں۔ اور حضرت موسیٰ کو نہ ان تمام جزئی باتوں کا علم تھا نہ وہ باطنی احوال کے مطابق عمل کے مامور تھے۔ حضرت خضر کا منشا یہ تھا کہ میں باطنی احوال کے مطابق عمل کروں گا جنھیں بظاہر آپ خلاف شرع پائیں گے اور چونکہ آپ نبی مرسل ہیں اسلئے مجھے روکیں گے مجھ پر

إِنْ شَاءَ اللهُ صَابِرًا وَلَا أَعْصِي لَكَ أَمْرًا فَانْطَلَقَا يَمْشِيَانِ عَلَى سَاحِلِ الْبَحْرِ

نے کہا انشاء اللہ آپ مجھے صابر پائیں گے اور آپ کے کسی حکم کے خلاف نہ کروں گا۔ اس کے بعد یہ دونوں دریا کے

لَيْسَ لَهُمَا سَفِينَةٌ فَمَرَّتْ بِهِمَا سَفِينَةٌ فَكَلَّمُوهُمْ أَنْ يَحْمِلُوهُمَا فَعُرِفَ الْخَضِرُ

کنارے پیدل چلے۔ ان کے پاس کشتی نہ تھی۔ پھر ایک کشتی ان کے قریب آئی۔ انھوں نے کشتی والوں سے بات کی کہ انھیں

فَحَمَلُوهُمَا بِغَيْرِ نَوْلٍ فَجَاءَ عُصْفُورٌ فَوَقَعَ عَلَى حَرْفِ السَّفِينَةِ فَنَقَرَ نَقْرَةً

بھی سوار کرلیں خضر کو پہچان لیا گیا کشتی والوں نے انکو بغیر کرایہ کے سوار کرلیا کہ ایک چھوٹی چڑیا آئی اور کشتی کے کنارے بیٹھی اور

أَوْ نَقْرَتَيْنِ فِي الْبَحْرِ فَقَالَ الْخَضِرُ يَا مُوسَى مَا نَقَصَ عِلْمِي وَعِلْمُكَ مِنْ عِلْمِ

ایک یا دو چونچ سمندر میں مارا۔ اس پر خضر نے کہا میرے اور تمہارے علم کی نسبت علم الٰہی کے ساتھ وہی ہے جو اس چڑیا

اللهِ إِلَّا كَنَقْرَةِ هَذَا الْعُصْفُورِ فِي الْبَحْرِ فَعَمَدَ الْخَضِرُ إِلَى لَوْحٍ مِنَ الْوَاحِ

کے ایک چونچ کی سمندر سے ہے حضرت خضر نے کشتی کا ایک تختہ نکال لیا۔

اعتراض فرمائیں گے۔ صبر نہ کرنے سے یہی مراد ہے کہ آپ مجھے ضرور ٹوکیں گے۔

(۱۸) پہلے فرمایا۔ دونوں یعنی حضرت موسیٰ اور خضر چلے۔ اس سے وہم ہوتا ہے کہ حضرت یوشع ان کے ہمراہ نہ تھے۔ لیکن یہاں فکلموھم، جمع کا صیغہ ہے۔ اس سے ثابت کہ تین آدمی تھے اور تیسرے سوائے حضرت یوشع کے اور کوئی نہیں۔ اور پہلے تثنیہ کا صیغہ اس لئے استعمال فرمایا کہ حضرت یوشع کی حیثیت خادم اور تابع کی تھی۔ ابن ابی حاتم کی روایت میں ہے۔ دریا میں ایک کشتی جاتی ہوئی نظر آئی تو حضرت خضر نے آواز دی اور فرمایا کہ اور سواروں نے جو کرایہ دیا ہے ہم لوگ اس کا دونا دیں گے۔ کشتی کے سواروں نے کشتی کے مالک سے کہا۔ اس خوفناک جگہ یہ لوگ ہیں کہیں چور نہ ہوں۔ کشتی کے مالک نے کہا میں ان لوگوں کے چہرے پر نور دیکھ رہا ہوں اور ان کو بغیر کرایہ سوار کرلیا۔

(۱۹) یہاں لفظ "نقص" وارد ہے جس کا لفظی ترجمہ یہ ہوگا۔ میرے اور تمہارے علم نے باری تعالیٰ کے علم میں اتنی ہی کمی کی جتنی اس چڑیا کے ایک مرتبہ چونچ میں پانی لینے سے کمی ہوگی۔ اس پر شبہہ وارد ہوتا ہے کہ چڑیا کے ایک بار چونچ میں پانی لینے سے واقعی سمندر کے پانی میں کمی ہوتی ہے۔ مگر حضرت موسیٰ اور خضر ہی کیا سارے جہاں کے لوگوں کے علوم نے باری تعالیٰ کے خزانہ علم میں ذرہ برابر بھی کمی نہیں کی اس کا جواب یہ ہے کہ اگر ایک چونچ پانی لے لینے سے سمندر کے پانی میں کمی ہوتی ہے۔ مگر عرف میں یہی کہا جاتا ہے کہ کچھ بھی کمی نہیں ہوئی یہاں اس جملے کا یہی عرفی معنی مراد ہے۔ مطلب یہ ہوا کہ جیسے یہاں کوئی کمی نہیں ہوئی اسی طرح مخلوقات کے علوم نے علم باری میں کوئی کمی نہیں کی۔ یا یہ کہ مشاہدے سے یہی معلوم ہوتا ہے

السفینۃ فنزعہ فقال موسیٰ قوم حملونا بغیر نول عمدت الی سفینتھم

اس پر موسیٰ نے کہا۔ ان لوگوں نے بغیر کرایہ ہم کو کشتی پر بٹھایا آپ نے کشتی کو پھاڑ ڈالا کہ

فخرقتھا لتغرق اھلھا۔ قال الم اقل انک لن تستطیع معی صبرا قال لا

کشتی والے ڈوب جائیں خضر نے کہا کیا میں نے نہیں کہا تھا کہ آپ میرے ساتھ نہیں رہ پائیں گے موسیٰ نے

تؤاخذنی بما نسیت ولا ترھقنی من امری عسرا قال فکانت الاولی

نے کہا میری بھول پر گرفت نہ کرو اور میرے کام میں دشواری نہ ڈالو (فرمایا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے) یہ پہلی

من موسیٰ نسیانا فانطلقا فاذا غلام یلعب مع الغلمان فاخذ الخضر

موسیٰ کی بھول تھی اسکے بعد پھر دونوں چلے دیکھا کہ ایک بچہ بچوں کے ساتھ کھیل رہا ہے۔ خضر نے اس کے سر کو اوپر

برأسہ من اعلاہ فاقتلع رأسہ بیدہ فقال موسیٰ اقتلت نفسا زکیۃ

سے پکڑا اور اکھاڑ لیا ہاتھ سے اب موسیٰ نے کہا آپ نے ایک بیگناہ کو بغیر کسی جان

بغیر نفس قال الم اقل لک انک لن تستطیع معی صبرا قال ابن عیینۃ

کے بدلے مار ڈالا۔ خضر نے کہا میں نے آپ سے نہیں کہدیا تھا کہ آپ میرے ساتھ نہیں رہ پائیں گے ابن عیینہ نے کہا

کہ اس ایک چونچ پانی سے سمندر میں کوئی کمی نہیں ہوئی اسی طرح حقیقت میں ہمارے علوم سے علم باری میں کوئی کمی نہیں ہوئی۔ کتاب التفسیر میں یوں ہے کہ ہمارا اور تمہارا علم باری تعالیٰ کے علم کے مقابل میں ایسے ہی ہے جیسے اس چڑیا کا ایک چونچ پانی سمندر کے سامنے۔ اس پر بھی شبہہ ہوتا ہے کہ سمندر کا پانی کتنا ہی کثیر ہو مگر متناہی ہے۔ اور ایک چونچ پانی کو سمندر سے جو نسبت ہے وہ متناہی کی متناہی سے ہے۔ اور علم باری عز اسمہ غیر متناہی ہے اور جملہ مخلوقات حتی کہ ان دونوں حضرات کے بھی علوم خواہ کتنے ہی کثیر ہوں۔ متناہی ہیں۔ اور متناہی کی غیر متناہی سے کوئی نسبت نہیں۔ اس کا بھی وہی جواب ہے کہ یہ صرف سمجھانے کے لئے ہے مشاہدے کے اعتبار سے اہل عرف یہی جانتے ہیں کہ سمندر کا پانی بے حدود و بے حساب ہے جو غیر متناہی کی ایک تعبیر ہے بتانا یہ ہے کہ جیسے ایک قطرہ آب سمندر کے بے حدود و بے حساب پانی کے مقابلے میں کوئی حیثیت نہیں اسی طرح مخلوقات کے علوم کی باری تعالیٰ کے علوم غیر متناہیہ کے مقابلے میں کوئی حیثیت نہیں۔

(۲۰) کتاب التفسیر وغیرہ میں ہے کہ بسولا یا کلہاڑی سے کاٹ کر تختہ اکھاڑ دیا اور اس میں کیل ٹھوک دی ایک روایت میں ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے اس میں کپڑا بھر دیا اور ایک کونے میں تشریف لے گئے اور سوچنے لگے اس شخص کے ساتھ

وَهٰذَا اَوْكَدُ فَانْطَلَقَا حَتّٰى اِذَا اَتَيَا اَهْلَ قَرْيَةٍ اِسْتَطْعَمَا اَهْلَهَا فَاَبَوْا

اس میں زیادہ تاکید ہے ۲۲ اس کے بعد دونوں چلے اور ایک بستی والوں ۲۳ کے پاس آئے ان سے کھانا طلب کیا

اَنْ يُّضَيِّفُوْهُمَا فَوَجَدَا فِيْهَا جِدَارًا يُّرِيْدُ اَنْ يَّنْقَضَّ قَالَ الْخَضِرُ بِيَدِهٖ

ان بستی والوں نے مہمان بنانے سے انکار کر دیا ان لوگوں نے اس بستی میں ایک دیوار ایسی پائی جو گرا چاہتی تھی۔ خضر نے ہاتھ

رہ کے کیا بنالوں گا۔ بنی اسرائیل میں تھا انھیں صبح و شام اللہ کی کتاب سناتا تھا حکم دیتا تھا مان لیتے تھے۔ حضرت خضر نے کہا آپ کے جی میں کیا ہے کہیئے تو بتا دوں فرمایا بتا دو حضرت خضر نے سب بتا دیا کشتی کا تختہ اکھاڑنے کے سوائے حضرت موسیٰ کے اور کسی نے نہیں دیکھا اور نہ تختہ اکھاڑنے ہی کب دیتے۔

(۲۱) کشتی سے اتر کر یہ لوگ سمندر کے ساحل پر جا رہے تھے کہ دیکھا دس بچے کھیل رہے ہیں ان میں جو سب سے زیادہ خوبصورت و ذہین تھا اسے حضرت خضر نے پکڑا اور مار ڈالا اس کا نام اِسی بخاری، تفسیر میں جیسور بتایا ہے اور ایک قول یہ ہے کہ جیسون تھا۔ مار ڈالنے کی کیفیت میں مختلف روایتیں ہیں یہاں ہے کہ اس کے سر کو اکھاڑ لیا۔ دوسری روایت میں ہے۔ ہاتھ سے اس طرح اشارہ کیا جیسے میوے توڑے جاتے ہیں۔ ایک روایت میں ہے کہ لٹا کر چھری سے ذبح کر ڈالا ایک روایت میں ہے کہ ایک بڑا پتھر لے کر اس کے سر پر دے مارا ایک روایت میں یہ ہے کہ اسکا سر دیوار پر دے مارا ان سب میں تطبیق یہ ہے کہ یہ سب ہوا ہوگا پہلے اس کے سر پر پتھر مارا جس سے وہ گر پڑا پھر چھری سے ذبح کر کے اس کے سر کو تن سے جدا کیا پھر سر دیوار پر دے مارا۔ یہ لڑکا بد سرشت تھا ابھی سے فساد مچائے رہتا ماں باپ کو ستاتا رہتا رات میں چوری کرتا صبح کو جب شکایت آتی ماں باپ جھوٹی قسم کھاتے کہ یہ رات بھر کہیں نہیں گیا ہمارے ساتھ سویا تھا۔ یہ واقعہ یا تو اُبُلّہ میں ہوا تھا جو بصرہ اور عیدان کے مابین ہے یا، ایلا میں جو بحر قلزم کے کنارے مصر سے آنے والے حجاج کے راستے میں پڑتا ہے۔ علامہ عینی نے فرمایا کہ غلام عربی میں نابالغ بچے کو کہتے ہیں۔ یہ دلیل ہے کہ یہ ابھی نابالغ تھا۔ اور یہی حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا قول ہے۔

(۲۲) اس میں تاکید کی زیادتی "لک" کے اضافے سے پیدا ہوئی

(۲۳) یہ بستی انطاکیہ تھی جیسا کہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا ہے۔ یہاں یہ حضرات سورج ڈوبنے کے بعد پہنچے قریب میں کوئی ایسی بستی نہ تھی اور جاڑے کی رات تھی۔ ان حضرات نے اسی دیوار کے پیچھے جاکر قیام کیا۔ یہ دیوار اتنی جھکی تھی کہ بستی والے اس سے بچ کر چلتے تھے۔ حضرت خضر نے جب دیکھا کہ دیوار خطرناک ہے تو اسے سیدھی کر دیا عام روایتوں میں یہی ہے کہ ہاتھ سے سیدھی کر دی۔ ایک روایت ہے کہ ستون لگا کر سیدھی کر دی۔ حضرت ابن عباس

فَاَقَامَهٗ فَقَالَ لَهٗ مُوْسٰى لَوْ شِئْتَ لَاتَّخَذْتَ عَلَيْهِ اَجْرًا قَالَ هٰذَا فِرَاقُ بَيْنِيْ وَ

سے درست کر دیا۔ اس پر موسیٰ نے ان سے کہا اگر آپ چاہتے تو اس پر کچھ مزدوری لے لیتے۔ خضر نے کہا۔ یہ میری اور آپ کی

بَيْنِكَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَرْحَمُ اللّٰهُ مُوْسٰى لَوَدِدْنَا

جدائی ہے۔ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اللہ موسیٰ پر رحم فرمائے ہماری خواہش ہے کہ اگر وہ صبر

رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا اسے ڈھا کر بنانے لگے۔ یہاں "قال بیدہٖ" ہے۔ یہاں قال، معنی میں اشارے کے ہیں۔ دوسری روایت میں "فمسحہ بیدہٖ" ہے اس پر اپنا ہاتھ پھیرا۔ ہم نے ان دونوں روایتوں کو نظر میں رکھتے ہوئے۔ ترجمہ یہ کیا۔ ہاتھ سے سیدھی کر دی۔

(۲۴) یہ حضرت خضر نے اس لئے کہا کہ اس سے پہلے خود حضرت خضر نے کہہ دیا تھا کہ اگر اب آپ تیسری بار جلدی کریں گے تو وہ جدائی کا وقت ہوگا۔ اس پر خود حضرت موسیٰ فرما چکے تھے کہ اگر کچھ پوچھوں تو اپنے ساتھ مت رکھئے گا۔ اسی لئے تفسیر میں ہے کہ پہلی بار حضرت موسیٰ کا سوال نسیاناً تھا۔ جیسا کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ اور دوسری بار بطور شرط تھا۔ اور تیسری بار قصداً تھا۔ ثعلبی نے کہا کہ جب تیسری بار حضرت موسیٰ نے حضرت خضر کو ٹوکا تو حضرت خضر نے عرض کیا۔ آپ مجھے کشتی توڑنے، بچے کے مار ڈالنے۔ اور دیوار سیدھی کرنے پر ملامت کرتے ہیں۔ اور آپ بھول گئے آپ نے اپنے آپ کو پانی میں ڈالا۔ قبطی کو قتل کیا۔ شعیب کی لڑکیوں کی بکریاں بلا معاوضہ چرائیں۔

مسائل مستخرجہ (۱) طلب علم یا کسی بھی خیر کے طلب کے لئے سفر جائز ہے بلکہ انبیاء کی سنت ہے اگرچہ یہ سفر دریا کا ہو اسی پر قیاس کرکے ہوائی سفر کا بھی جواز ثابت (۲) سفر کے لئے زاد راہ رکھنا جائز ہے اور سب سے عمدہ زاد راہ مچھلی ہے۔ بعض مشائخ نے فرمایا کہ جس سفر میں زاد راہ مچھلی ہوگی وہ کامیاب ہوگا (۳) اساتذہ و مشائخ کے ساتھ باادب رہنا چاہئے ان پر اعتراض ہرگز ہرگز نہ کرنا چاہئے ان کی جو بات سمجھ میں نہ آئے اس پر اعتراض نہ کرنا چاہئے اس کی اچھی تاویل کرنی چاہئے اور اگر بتقاضائے بشری کوئی بات ہو جائے جس سے انھیں اذیت ہو تو ان سے عذر خواہی کرنی چاہئے۔ (۴) انبیائے کرام، اولیائے عظام کے لئے مافوق الفطری قوت ثابت ہے۔ (۵) ضرورت پر کھانے پینے اور دیگر ضروریات کا سوال جائز ہے (۶) مزدوری پر کام کرنا جائز ہے (۷) حکم ظاہر پر ہوگا جب تک حقیقت حال منکشف نہ ہو جائے (۸) جب دو خرابیاں اکٹھی ہوں تو ان میں اخف ہو اُنھیں اختیار کرے (۹) شریعت کی ہر بات واجب التسلیم ہے اگرچہ ہماری یا کسی کی بھی سمجھ میں نہ آئے (۱۰) عقل نقل کے تابع ہے نقل عقل کے تابع نہیں (۱۱) غیر نبی کا خواب یا کشف حجت شرعیہ نہیں (۱۲) اکثر مال یا جسم بچانے کے لئے جزء کا برباد کرنا یا کٹوا

لَوْ صَبَرَ حَتّٰی یُقَصَّ عَلَیْنَا مِنْ اَمْرِہِمَا علہ

کرتے تو ہمیں ان کے احوال اور سننے کو ملتے

لینا جائز ہے (۱۳) انسان کتنے ہی بلند منصب پر ہو اپنے کو سب سے بڑا نہ جانے اپنی بڑائی پر گھمنڈ نہ کرے ہمیشہ تواضع کرے۔ (۱۴) انبیاء کرام و اولیاء عظام کو اللہ تعالیٰ نے علم غیب عطا فرمایا ہے۔ (۱۵) اللہ عزوجل کا علم اور ہر صفت غیر متناہی ہے انبیاء اولیاء اور تمام مخلوقات کے علوم و صفات مجموعی طور بھی متناہی ہیں۔ اگرچہ وہ کتنے ہی کثیر ہوں۔ (۱۶) اشیاء کا حسن و قبح شرعی ہے (۱۷) آزاد انسان سے خدمت لینی جائز ہے خادم کو مخدوم کا تابعدار ہونا چاہئے (۱۸) ساتھی کا عذر قبول کرنا چاہئے۔ (۱۹) اپنی تکلیف کا اظہار جائز ہے جبکہ بطور جزع فزع نہ ہو۔ (۲۰) اللہ کے لئے جو کام کیا جائے اس میں تعب و مشقت نہیں ہوتی اپنے لئے کرنے سے بتقاضائے بشری ہوتی ہے۔ (۲۱) تین بار عذر قبول کرلینا چاہئے اس کے بعد اختیار ہے۔

گمراہ صوفیہ اور ملحدین متصوفہ نے حضرت موسیٰ اور خضر کے واقعے سے استدلال کیا ہے اہل اللہ شریعت کے محتاج نہیں ان پر بلاواسطہ اللہ عزوجل کی طرف سے علوم و احکام کا القا ہوتا ہے وہ اسی کے پابند ہیں۔ علامہ قرطبی نے فرمایا یہ کفر و زندقہ ہے۔ یہ ضروریات دین ہے کہ اللہ عزوجل کی سنت یہی ہے کہ وہ اپنے بندوں کو جملہ احکام بواسطہ انبیاء پہنچاتا ہے۔ بغیر نبی کے واسطے کے اللہ عزوجل کا کوئی حکم نازل نہیں ہوا۔ اس پر امت کا اجماع قطعی ہے۔ اور یہی قرآن و احادیث سے ثابت ہے۔ شریعت کا مکلف ہر مسلمان عاقل بالغ ہے جو اپنے کو شریعت کے دائرے سے باہر جانے وہ کافر و زندیق ہے کسی کے باطنی علوم اگر شریعت کے مطابق ہیں تو مقبول ورنہ مردود۔ علاوہ ازیں حضرت خضر نے جو کچھ کیا وہ ظاہر شریعت کے خلاف نہیں۔ سوائے بچے کے قتل کے یہ بظاہر ہماری شریعت کے خلاف ہے۔ مگر علماء نے فرمایا۔ کہ ہوسکتا ہے حضرت خضر کی شریعت میں اس کی اجازت رہی ہو اگر نہ بھی ہو تو بہر حال نبی تھے اور نبی پر من جانب اللہ تلقی احکام ہوتا ہی ہے۔ ان کا خواب بھی وحی اور الہام بھی وحی۔ اس لئے اس سے اپنے کفریات پر ان ملاحدہ کا استدلال، استدلال فاسد ہے۔

علہ ایضاً بخاری ایضاً العلم، ذھاب موسیٰ علیہ السلام فی البحر الی الخضر، والخروج فی طلب العلم۔ الاجارۃ، اذا استاجر اجیراً علی ان یقیم حائطا، شروط، الشروط مع الناس بالقول الانبیاء حدیث الخضر مع موسیٰ علیہما السلام میں دو طریقوں سے ایضاً تفسیر واذ قال موسیٰ لفتہ وفلما بلغ مجمع البحرین دبینھما وفلما جاوزا قال لفتاہ۔ ایضاً الایمان والنذور اذا حلف ناسیا فی الایمان۔ التوحید۔ فی المشیئۃ والارادۃ۔ مسلم۔ احادیث الانبیاء و ترمذی تفسیر۔ نسائی تفسیر والعلم۔ مسند امام احمد بن حنبل۔

حدیث (۹۱) من قاتل لتکون کلمۃ اللہ ھی العلیا

عَنْ اَبِیْ مُوْسٰی رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ، قَالَ جَاءَ رَجُلٌ اِلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقَالَ یَا رَسُوْلَ اللہِ، مَا الْقِتَالُ فِیْ سَبِیْلِ اللہِ فَاِنَّ اَحَدَنَا یُقَاتِلُ غَضَبًا وَّیُقَاتِلُ حَمِیَّۃً فَرَفَعَ اِلَیْہِ رَاْسَہٗ قَالَ وَمَا رَفَعَ اِلَیْہِ رَاْسَہٗ اِلَّا

حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ ایک شخص نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور پوچھا یا رسول اللہ! اللہ کے راستے میں لڑائی کیا ہے؟ اس لئے کہ کوئی غصہ کی وجہ سے لڑتا ہے کوئی حمیت کی وجہ سے حضور نے اپنا سر اٹھایا۔ راوی نے کہا کہ حضور نے سر اسی لئے اٹھایا کہ

تشریحات (۹۱)

(۱) یہاں صرف رجل ہے۔ اور کتاب الجہاد میں اعرابی ہے۔ یہاں صرف غضباً او حمیۃ ہے مگر جہاد میں للمغنم للذکر لیری مکانہ ہے اور کتاب التوحید میں حمیۃ کے ساتھ شجاعۃ اور ریاء ہے اب پورا سوال یہ ہوا کہ کوئی غصے کی وجہ سے کوئی حمیت کی وجہ سے کوئی مال غنیمت حاصل کرنے کے لئے۔ کوئی اپنی نام آوری کے لئے کوئی اپنی بہادری اور مرتبہ دکھانے کے لئے لڑتا ہے۔ جواب کا افادہ یہ ہوا کہ دین کی سربلندی کی نیت کے سوا کسی بھی غرض فاسد سے لڑنے والا فی سبیل اللہ نہیں جہاد فی سبیل اللہ، صرف یہ ہے کہ دین کی سربلندی کے لئے جنگ کرے۔

(۲) غضب کبھی اپنے لئے ہوتا ہے کبھی اللہ کے لئے۔ اللہ کے لئے غصہ اور جنگ تو یہ بھی فی سبیل اللہ ہے۔ اپنے لئے غصہ کبھی برحق ہوتا ہے کبھی ناحق۔ برحق غصے کی وجہ سے جنگ کبھی فی سبیل اللہ ہو جاتی ہے جیسا کہ دوسری حدیث میں ہے۔

من قتل دون مالہ فھو شہید ومن قتل دون دمہ فھو شہید ومن قتل دون دینہ فھو شہید و من قتل دون اھلہ فھو شہید (ترمذی ج ۱ ص ۱۱۶)

جو اپنا مال بچانے کیلئے مارا گیا وہ شہید ہے جو اپنی جان بچانے کے لئے مارا گیا وہ شہید ہے جو اپنے دین کے لئے مارا گیا وہ شہید ہے جو اپنے اہل کے لئے مارا گیا وہ شہید ہے۔

اور اسی قسم کی تقسیم حمیت میں بھی ہے۔ حمیت کبھی دینی ہوتی ہے۔ کبھی دنیوی، اور دنیوی میں بھی بعض صورتوں میں دینی پہلو نکل سکتا ہے۔ یہ حدیث جوامع الکلم سے ہے۔ اس کی شرح کے لئے دفتر چاہئے۔

(۳) اس سے یہ فوائد حاصل ہوئے (۱) یہ جائز ہے کہ مفتی بیٹھا ہے اور سائل کھڑا ہے (۲) مفتی اور شیخ کو چاہئے کہ سائل کی تلمیذ کی طرف متوجہ ہو کر جواب دے۔ (۳) کوئی کتنی ہی بڑی عبادت کیوں نہ ہو نیت فاسد سے فاسد ہو جاتی ہے (۴) مفتی اور شیخ کو چاہئے کہ ایسا جواب دے جو سائل کی سمجھ میں بھی آجائے اور وہ اسے یاد رکھ سکے۔

أَنَّهُ كَانَ قَائِمًا فَقَالَ مَنْ قَاتَلَ لِتَكُونَ كَلِمَةُ اللّٰهِ هِيَ الْعُلْيَا فَهُوَ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ[علہ]

سائل کھڑا تھا (اور حضور بیٹھے تھے) اور فرمایا جو اس لئے لڑے کہ اللہ کا کلمہ بلند ہو تو یہ لڑائی فی سبیل اللہ ہے

(۹۲) حدیث ۔ سوال الیہود عن الروح

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ بَيْنَ أَنَا أَمْشِي مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا میں نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کیساتھ مدینے کے کھنڈرات

خَرِبِ الْمَدِينَةِ وَهُوَ يَتَوَكَّأُ عَلَى عَسِيبٍ مَعَهُ فَمَرَّ بِنَفَرٍ مِنَ الْيَهُودِ فَقَالَ

میں جا رہا تھا اور آنحضور کھجور کی ٹہنی پر ٹیکے جاتے تھے حضور کا گذر یہودیوں کے چند آدمیوں پر ہوا

بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ سَلُوهُ عَنِ الرُّوحِ فَقَالَ بَعْضُهُمْ لَا تَسْأَلُوهُ لَا يَجِيءُ فِيهِ

یہودیوں نے آپس میں کہا ان سے روح کے بارے میں پوچھو اس پر ان میں سے کسی نے کہا مت پوچھو جواب میں

بِشَيْءٍ تَكْرَهُونَهُ فَقَالَ بَعْضُهُمْ لَنَسْأَلَنَّهُ فَقَامَ رَجُلٌ مِنْهُمْ فَقَالَ

ایسی بات نہ فرما دیں جو تمہیں ناگوار لگے پھر بھی ان کے بعض نے کہا ہم تو ضرور پوچھیں گے چنانچہ ان میں سے ایک شخص اٹھا

يَا أَبَا الْقَاسِمِ مَا الرُّوحُ، فَسَكَتَ فَقُلْتُ إِنَّهُ يُوحَى إِلَيْهِ، فَقُمْتُ فَلَمَّا انْجَلَى

اور کہا اے ابو القاسم! روح کیا چیز ہے آنحضور نے سکوت اختیار فرمایا میں نے اپنے جی میں کہا آنحضور پر وحی آ رہی ہے جب

تشریحات (۹۲)

(۱) بخاری ہی کی دوسری جگہوں میں بجائے خرب ح ر ث ہے دونوں میں تعارض نہیں کھنڈروں کے مابین یا آس پاس کھیت بھی رہا ہوا اس لئے کبھی کھنڈر کبھی کھیت فرما دیا۔ (۲) اس سے معلوم ہوا کہ عصا رکھنا سنت ہے۔

(۳) روح کا اطلاق کئی معنوں میں ہے۔ جبرئیل امین۔ عیسیٰ علیہ السلام۔ ملائکہ کی ایک مخصوص قسم جو قیامت کے دن ملائکہ کی طرح صف بستہ کھڑے ہوں گے۔ ایک مخصوص مخلوق۔ قرآن مجید۔ روح حیوانی۔ یہودیوں کا سوال ان میں کس روح کے بارے میں تھا وہ آج تک معلوم نہ ہو سکا۔ خاص روح کے بارے میں سوال سے ان خبثا کا مقصود یہ

علہ ایضاً بخاری جہاد من قاتل لتکون کلمۃ اللہ من قاتل للمغنم۔ توحید۔ وقولہ ولقد سبقت کلمتنا۔ مسلم امارت۔ ۱۵۰۔ ۱۵۱۔ ابن ماجہ۔ جہاد ۱۳ ترمذی، ابو داؤد۔ نسائی جہاد۔ مسند امام احمد بن حنبل۔

تھا۔ کہ توراۃ میں نبی آخرالزماں کی علامت یہ تھی کہ ان سے روح کے بارے میں سوال ہوگا تو نہ بتائیں گے۔ چنانچہ مکہ کے مشرکین کو انھیں یہودیوں نے سکھایا تھا کہ تین سوال کرو۔ اصحاب کہف، ذوالقرنین کون تھے روح کیا ہے اگر کسی کا جواب نہ دیں تو بھی نبی نہیں اور اگر تینوں کا جواب دیں تو بھی نبی نہیں۔ اصحاب کہف اور ذوالقرنین کے بارے میں تو قرآن نازل ہوا۔ اور روح کے بارے میں فرمادیا۔ یہ امر، رب سے ہے چنانچہ روح کے بارے میں مذکورہ آیت تلاوت کی۔ تو یہود نے کہا ہم نے کہا تھا نہ کہ مت پوچھو۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جب روح کی حقیقت نہ بتائی تو یہود کو خوش ہونا چاہئے تھا کہ بتا نہ پائے۔ اس کہنے کا کیا تک تھا دہی کہ انھیں معلوم تھا نبی آخرالزماں روح کی حقیقت نہ بیان فرمائیں گے۔ لیکن افسوس ہے کہ آج اس سے یہ استدلال کیا جاتا ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو روح کا علم نہ تھا۔ غور کیجئے۔ اس ارشاد سے کہ روح امر رب سے ہے کس طرح ثابت ہوتا ہے کہ حضور کو اس حقیقت کا علم نہ تھا۔ علامہ عینی ان لوگوں کا رد فرماتے ہوئے کہتے ہیں۔

جل منصب النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وھو حبیب اللہ و سید خلقہ ان یکون غیر عالم بالرُّوح وکیف وقد منّ اللہ علیہ بقولہ وَعَلَّمَكَ مَالَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ وَكَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيْمًا و قد قال اکثر العلماء لیس فی الآیۃ دلیل علیٰ ان الرّوح لایعلم و ان النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم لم یکن یعلمھا۔

عینی ج ۲ ص ۲۰۱

نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا منصب بہت جلیل ہے وہ اللہ کے حبیب اور تمام مخلوق کے سردار ہیں پھر یہ کیسے ممکن کہ وہ روح کو نہ جانتے روح کو کیسے نہیں جانیں گے حالانکہ اللہ عزوجل نے اس ارشاد سے ان پر احسان یاد دلایا ہے کہ آپ جو کچھ نہ جانتے تھے ہم نے وہ سب آپ کو سکھا دیا اور آپ پر اللہ کا بہت بڑا فضل ہے۔ اکثر علماء نے فرمایا۔ اس آیت میں اس پر کوئی دلیل نہیں کہ روح کو کوئی نہیں جانتا اور نہ اس پر ہے کہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم روح کو نہیں جانتے تھے۔

علامہ عینی نے "عَلَّمَكَ مالم تکن تعلم" سے اس پر استدلال کرکے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم روح کو جانتے تھے یہ بتا دیا کہ اس آیت کریمہ میں لفظ ما اپنے عموم پر ہے۔ مَا یحتاج الیہ فی الدین کے ساتھ خاص نہیں ورنہ ان کا استدلال تام نہ ہوگا اس لئے کہ جب ما، کو ما یحتاج الیہ فی الدین کے ساتھ خاص کردیا گیا اور ظاہر ہے روح کا جاننا ما یحتاج الیہ فی الدین نہیں تو استدلال ختم۔ اور جب یہ اپنے عموم پر ہے تو اس سے بلا دریغ یہ بھی ثابت کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو جمیع ما کان وما یکون کا بھی علم عطا ہوا۔ پھر علم مصطفےٰ کے منکرین کے استدلال فاسد کا جواب دیا کہ آیت کریمہ قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّيْ سے یہ بھی ثابت نہیں کہ، روح کا علم کسی کو نہیں دیا گیا اور نہ یہ ثابت کہ

عَنۡہُ فَقَالَ وَیَسۡئَلُوۡنَکَ عَنِ الرُّوۡحِ قُلِ الرُّوۡحُ مِنۡ اَمۡرِ رَبِّیۡ وَمَا اُوۡتُوۡا

آثار وحی جاتے رہے تو فرمایا۔ تم سے یہ لوگ روح کے بارے میں پوچھتے ہیں۔ فرما دو، روح میرے رب کے امر سے

مِنَ الۡعِلۡمِ اِلَّا قَلِیۡلًا ؏

ہے اور ان کو بہت ہی کم علم دیا گیا۔

نبی صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کو عطا نہ ہوا۔ اور اسے اکثر علماء کا قول بتایا۔

(۴) عالم کی بنیادی تقسیم دو ہے۔ عالم امر اور عالم خلق۔ عالم امر۔ بغیر مادے کے، کن فرمانے سے کسی شی کی ایجاد کو کہتے ہیں۔ اور عالم خلق، مادے سے بتدریج کسی چیز کو پیدا فرمانے کو کہتے ہیں۔ الملفوظ ص۶۰

شرح فقہ اکبر میں ہے۔

لِاَنَّ الرُّوۡحَ خُلِقَ بِالۡاَمۡرِ التَّنۡجِیۡزِیۡ کَبَعۡضِ الۡمَخۡلُوۡقَاتِ وَ اَکۡثَرِ الۡکَائِنَاتِ خُلِقَتۡ بِوَصۡفِ التَّدۡرِیۡجِیۡ وَلِذَا قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی اَلَا لَہُ الۡخَلۡقُ وَالۡاَمۡرُ (ص۱۲۴)

روح امر تنجیزی سے پیدا ہوئی ہے جیسے اور کچھ مخلوقات اور اکثر کائنات تدریجی سے بنائی گئی۔ اسی لئے فرمایا سنو! اللہ ہی کے لئے خلق اور امر ہے۔

(۵) بخاری اور مسلم کے اکثر نسخوں میں وما اوتوا ہے اور قرآن مجید میں وما اوتیتم ہے۔ قرأت متواترہ یا مشہورہ میں وما اوتوا نہیں۔ نیز بخاری ہی کتاب التفسیر میں بطریق عمر بن حفص اور کتاب التوحید میں بطریق یحیٰ وما اوتیتم ہے۔ یہ قرأت شاذہ سے ہے جیسا کہ حضرت سلیمان اعمش نے کہا کہ ہماری قرأت وما اوتوا ہے۔ شوافع کے یہاں قرأت شاذہ حجت نہیں۔ مگر احناف کے یہاں ہے۔ کم از کم یہ خبر واحد کے درجے میں ضرور ہے اور خبر واحد کو سب حجت مانتے ہیں۔

(۶) اس سے معلوم ہوا کہ سائل اگر معاند ہے تو اسے ایسا جواب دینا چاہئے جو مسکت ہو۔ محقق جواب اگر نہ دیں تو بھی حرج نہیں۔

؏ ایضا تفسیر بنی اسرائیل۔ یسئلونک عن الروح۔ الاعتصام۔ ما یکرہ من کثرۃ السوال۔ ما یسئل عما لم ینزل علیہ الوحی التوحید۔ لقد سبقت کلمتنا بعبادنا المرسلین۔ قول اللہ انما امرنا لشئی مسلم منافقین ۲م۔ ترمذی تفسیر سورۂ بنی اسرائیل ۱۱۔ ۲۰ نسائی تفسیر مسند امام احمد

(۹۳) حدیث ۔ ولولا قومك حديث عهد بكفر

عَنِ الْاَسْوَدِ، قَالَ قَالَ لِيْ اِبْنُ الزُّبَيْرِ كَانَتْ عَائِشَةُ تُسِرُّ اِلَيْكَ كَثِيْرًا

اسود نے کہا مجھ سے عبداللہ بن زبیر نے پوچھا کہ حضرت عائشہ تم سے بہت راز کی باتیں کہہ دیتی تھیں

فَمَا حَدَّثَتْكَ فِي الْكَعْبَةِ قُلْتُ قَالَتْ لِيْ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

انھوں نے کعبے کے بارے میں تم سے کیا بیان کیا ہے میں نے کہا انھوں مجھ سے بیان کیا کہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے

يَا عَائِشَةُ لَوْلَا اَنَّ قَوْمَكِ حَدِيْثٌ عَهْدُهُمْ ۔ قَالَ ابْنُ الزُّبَيْرِ بِكُفْرٍ

فرمایا۔ اے عائشہ اگر تمھاری قوم کا زمانہ نیا نہ ہوتا۔ ابن زبیر نے کہا یعنی کفر سے بہت قریب نہ ہوتا۔

تشریحات (۹۳)

اسود ابن یزید بن قیس نخعی اجلۂ تابعین میں ہیں۔ یہ ابراہیم نخعی کے ماموں ہیں۔ زمانہ اقدس پایا مگر زیارت سے مشرف نہ ہوئے۔ اسّی حج اور عمرے کئے۔ مگر کبھی دونوں اکٹھے نہیں کئے ۵ھ؁ میں کوفے میں وصال فرمایا۔

تکمیل پوری حدیث یوں ہے۔ ام المومنین نے عرض کیا یا رسول اللہ حطیم کعبے میں داخل ہے یا نہیں۔ فرمایا داخل ہے۔ بات یہ ہوئی کہ تمھاری قوم کے پاس اتنا سرمایہ نہ تھا کہ پورا کعبہ بناتے۔ انھوں نے بناء ابراہیمی سے اتنا نکال دیا۔ پھر میں نے پوچھا کہ انھوں نے دروازہ اونچا کیوں رکھا ہے فرمایا یہ اس لئے کیا کہ جسے چاہیں اندر جانے دیں جسے نہ چاہیں روک دیں۔ ام المومنین نے عرض کیا کہ آپ اسے قواعد ابراہیمی پر کیوں نہیں بنا دیتے۔ تو فرمایا۔ اگر تیری قوم کفر سے قریب تر نہ ہوتی تو ضرور میں ایسا کر دیتا۔ اور انھوں نے جو نکال دیا اسے کعبے میں داخل کر دیتا۔ اور اسی کے دو دروازے زمین کے برابر بنا دیتا ایک پچھم ایک پورب لیکن اندیشہ ہے کہ یہ لوگ ناپسند کریں گے۔ اسی حدیث کی بنا پر حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے پرانی عمارت اٹھا کر پھر سے جیسا کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مرضی تھی بنوائی۔ یزید بن رومان راوی حدیث کہتے ہیں۔ کہ جب حضرت عبداللہ بن زبیر نئی تعمیر کر رہے تھے تو میں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بنیاد دیکھی ہے۔ جو اونٹ کی کوہان نما پتھروں کی تھی۔ جو ایک دوسرے سے جڑے ہوئے ہیں۔ جریر ان کے تلمیذ نے کہا کہ مجھے بتائیے کہاں تک یہ بنیاد ہے۔ یزید بن رومان انھیں حطیم کے اندر لے گئے اور اشارہ کر کے بتایا کہ یہاں تک۔ جریر نے اندازہ کیا تو تقریباً کعبے سے چھ ہاتھ لگ بھگ دور یہ جگہ تھی۔ پھر عبدالملک سفاک نے اپنے تغلب کے بعد ضد و عناد میں اس عمارت کو گرا کر عہد جاہلیت کے مطابق بنوایا۔ مسلم شریف میں ہے کہ یہ درندہ ایک بار طواف کرتے کرتے یہ کہنے لگا اللہ کے دشمن ابن زبیر نے ام المومنین پر جھوٹ باندھا ہے کہ انھوں نے

لَنَقَضْتُ الْكَعْبَةَ فَجَعَلْتُ لَهَا بَابَيْنِ بَابًا يَدْخُلُ النَّاسُ وَبَابًا يَخْرُجُونَ

تو میں کعبہ کی موجودہ عمارت اٹھا دیتا (اور نئی عمارت بناکر) اس کے دو دروازے بنادیتا ایک سے لوگ

مِنْهُ فَفَعَلَهُ ابْنُ الزُّبَيْرِ ؏

اندر جاتے ایک سے باہر نکلتے۔

یہ حدیث بیان کی ہے۔ حارث بن عبداللہ بن ربیعہ موجود تھے۔ انھوں نے کہا اے امیرالمومنین ایسامت کہو میں نے خود ام المومنین سے یہ حدیث سنی ہے اس پر اس غاصب نے کہا اگر ڈھانے سے پہلے میں نے سنا ہوتا تو ابن زبیر کی تعمیر باقی رکھتا۔ عباسی بادشاہ ہارون نے جب یہ حدیث سنی تو امام مالک سے اجازت طلب کی کہ اسے ڈھاکر پھر اسی طرح بنوا دوں۔ جو حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مرضی تھی۔ امام مالک نے منع فرمادیا اور ارشاد فرمایا میں تمھیں اللہ کی قسم دیتا ہوں کہ کعبہ کو بادشاہوں کا کھلونا مت بنا جس کا جی چاہے ڈھائے بنائے اس طرح اسکی ہیبت دلوں سے جاتی رہے گی۔

(۱) کعبے کی تعمیر سات مرتبہ ہوئی۔ اول فرشتوں کی۔ پھر حضرت ابراہیم کی پھر عمالقہ کی پھر جُرہُم پھر قریش کی جس میں خود آنحضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے شرکت فرمائی پھر حضرت عبداللہ بن زبیر کی پھر حجاج بن یوسف مشہور طاغی و ظالم کی عبدالملک بن مروان کے عہد میں اس کے حکم سے یہی عمارت اب تک باقی ہے۔ (۲) حطیم پورا کا پورا کعبہ میں ہے یا اس کا جزء دو نوں اقوال ہیں۔ بعض نے کہا کہ پورا حطیم کعبے کا جزء ہے۔ اور بعض لوگوں نے کہا صرف پانچ یا چھ یا سات ہاتھ۔ مسلم شریف میں ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے تصریح فرمادی تھی۔ کہ میں پانچ ہاتھ کعبے میں داخل کرتا۔ حضرت عبداللہ بن زبیر نے صرف پانچ ہی ہاتھ حطیم میں سے لیا تھا۔ پانچ چھ سات ہاتھ کا اختلاف اپنے اپنے اندازے یا اپنے اپنے ہاتھ کے اعتبار سے ہے۔ (۳) صرف حطیم کی جانب منہ کرکے نماز جائز نہیں۔ اس لئے کہ اس کا کعبے کا جزء ہونا خبر واحد سے ثابت ہے اور استقبالِ قبلہ فرض ہے فرض کا اثبات خبر واحد سے نہیں ہو سکتا (۴) اس حدیث سے ثابت ہوا کہ جو کام فرائض و واجبات میں سے نہ ہو اور اس کے کرنے سے فتنے کا اندیشہ ہو اس سے بچنا بہتر ہے یوہیں ایسی بات کا اعلان بھی نہ کرے کہ جن پر اعتماد ہو انھیں بتادے۔ خیر و شر جمع ہوں تو شر سے بچنا ضروری ہے۔ حکام اور علماء کو لازم ہے کہ امور شرعیہ کے علاوہ دیگر معاملات میں اس کا لحاظ رکھیں کہ عوام میں شورش پیدا نہ ہو۔ عوام بھڑک نہ جائیں۔

؏ ایضاً باب فضل مکۃ وبنیانہا۔ تمنی۔ ما یجوز من اللّو۔ مسلم ج ۱ ص ۴۲۰ تا ۴۵۰ نسائی مناسک ۱۲۸ ترمذی ج ۴ ص ابن ماجہ ج۔ دارمی مناسک ۴۴ مسند امام احمد۔ ؎ مسلم ص ۴۳۰ ؎ ایضاً

۹۴ حدیث۔ حدثوا الناس بما یعرفون

قَالَ عَلِیٌّ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ حَدِّثُوا النَّاسَ بِمَا یَعْرِفُوْنَ اَتُحِبُّوْنَ

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا لوگوں سے وہی بات بیان کرو جس کو لوگ سمجھ لیں کیا تم پسند کروگے

اَنْ یُّکَذَّبَ اللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ

کہ اللہ اور اس کے رسول کو جھٹلایا جائے۔

تشریحات ۹۴

(۱) حضرتِ ابو الطفیل بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خصوصیت یہ ہے کہ صحابۂ کرام میں سب سے بعد ۱۱۰ھ میں وصال ہوا انھوں نے اپنی اخیر عمر میں ایک بار فرمایا کہ آج روئے زمین پر حدیث بیان کرنے والوں میں کوئی بھی ایسا نہیں جس نے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو دیکھا ہو ۳ھ میں غزوۂ اُحد کے سال پیدا ہوئے یہ ان چھ صحابہ میں ہیں جن کی زیارت کا حضرت امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ مشرف ہوئے۔ یہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خاص محبین میں سے تھے۔ ان کے ساتھ تمام معرکوں میں رہے۔ لیکن حضرت صدیق اکبر اور فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی افضلیت کے قائل تھے بہت ذہین فطین بلیغ ثقہ اور شاعر بھی تھے۔ پہلے کوفہ رہتے تھے۔ پھر مکہ معظمہ چلے گئے اور وہیں ایک سو سات سال کی عمر میں وفات پائی۔ ان سے نو حدیثیں مروی ہیں۔

(۲) یہ بخاری کی ثلاثیات میں سے ہے جن کے تیسرے راوی صحابی ہیں امام بخاری نے اپنی ہی نہیں عام محدثین کی طرز کے خلاف یہاں پہلے، حدیث کا متن ذکر کیا پھر سند۔ یہ اس لئے کہ اس کے ایک راوی معروف بن خربوذ کو یحیٰ بن معین نے ضعیف کہاہے یا بیان جواز کیلئے ہے کہ دونوں جائز ہے۔ اسی لئے بخاری کے بعض نسخوں میں سند مقدم ہے۔ علامہ عینی نے فرمایا سب سے قریب تر یہ ہے کہ امام بخاری نے پہلے تعلیقاً اسکو لکھ لیا پھر بعد میں سند ملی۔

(۳) اس کے پہلے والی حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ کسی ایسے کام کو فی نفسہٖ اچھا ہو مگر اس سے عوام کے فتنے میں پڑ جانے کا اندیشہ ہے نہ کرنا چاہئے اس سے یہ بتانا مقصود ہے کہ ایسی بات جو مدار کفر و ایمان ہدایت وضلالت نہ ہو اور وہ عوام کی سمجھ سے باہر ہو عوام کے سامنے نہ بیان کی جائے جیسا کہ وارد ہے کلموا الناس علی قدر عقولھم۔ لوگوں سے ان کی سمجھ کے مطابق بات کی جائے اسی لئے فرمایا گیا من لم یعرف اھل زمانہ فھو جاھل۔ جو اپنے زمانے والے کو نہ پہچانے وہ جاہل ہے۔ وجہ یہ ہے کہ جب عوام کے سامنے غیر ضروری ایسی بات بیان کیا جائیگی

(۹۵) حدیث۔ ما من احد یشھد ان لا الٰہ الا اللہ

حَدَّثَنَا اَنَسُ بْنُ مَالِكٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَمُعَاذٌ رَدِيفُهٗ

حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حدیث بیان کی نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پیچھے معاذ ایک ہی ساتھ

عَلَى الرَّحْلِ قَالَ يَا مُعَاذُ بْنَ جَبَلٍ قَالَ لَبَّيْكَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ وَسَعْدَيْكَ

کجاوے میں تھے حضور نے فرمایا اے معاذ بن جبل انھوں نے عرض کیا لبیک یا رسول اللہ و سعدیک۔

قَالَ يَا مُعَاذُ قَالَ لَبَّيْكَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ وَسَعْدَيْكَ قَالَ يَا مُعَاذُ قَالَ

فرمایا اے معاذ عرض کیا لبیک یا رسول اللہ و سعدیک۔ فرمایا اے معاذ عرض کیا

لَبَّيْكَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ وَسَعْدَيْكَ ثَلَاثًا قَالَ مَا مِنْ اَحَدٍ يَشْهَدُ اَنْ

لبیک یا رسول اللہ و سعدیک۔ تین بار ایسا ہوا فرمایا جس کسی نے بھی لا الٰہ الا اللہ اور

لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُولُ اللّٰهِ صِدْقًا مِّنْ قَلْبِهٖ اِلَّا حَرَّمَهُ اللّٰهُ

محمد رسول اللہ کی گواہی دی اور دل نے تصدیق کی تو اللہ نے اسے جہنم پر حرام فرمادیا ہے۔

جو ان کی سمجھ سے باہر ہو تو اسے غلط مانیں گے اور جب یہ کہا جائے گا اللہ و رسول نے ایسا فرمایا تو اندیشہ ہے کہ اللہ و رسول کی تکذیب کر بیٹھیں۔ اسی بنا پر علماء قرآن مجید کا ترجمہ بلا تفسیر و حدیث کا ترجمہ بلا تشریح عوام کے سامنے بیان کرنے کو ناپسند کرتے ہیں۔

تشریحات (۹۵)

(۱) تین بار پکارنا اس کی اہمیت ظاہر کرنے کے لئے تھا۔ نیز اس لئے تھا کہ وہ پورے طور سے متوجہ ہو جائیں اور جو کچھ ارشاد ہو اسکو پوری توجہ سے سنیں۔ (۲) یہاں دو احتمال ہے ایک یہ کہ من قلبہ کا تعلق صدقا سے ہو جس کے مطابق ہم نے ترجمہ کیا دوسرے یہ کہ من قلبہ کا تعلق یشھد سے ہو اب معنی یہ ہوئے کہ دل سے گواہی دے اس حال میں کہ وہ سچا ہو یعنی ایسا نہ ہو کہ دل میں کفر ہے اور زبان پر اقرار شہادت جیسا کہ منافقین گواہی کا اظہار کرتے تھے۔ اور ایک احتمال یہ ہے کہ کبھی صدق کے معنی ہوتے ہیں قول کے مطابق عمل کرنے کے جیسے دیندار مسلمان کو کہتے ہیں کہ بڑا سچا مسلمان ہے اب معنی یہ ہوئے کہ شہادت کے مقتضی کے مطابق عمل بھی کرتا ہو یعنی تمام فرائض و واجبات پر بھی عمل کرتا ہو اور نواہی سے بچتا ہو۔ اس تاویل پر یہ اعتراض نہیں پڑے گا کہ جہنم کے حرام ہونے کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ وہ سرے سے جہنم میں جائے ہی نہیں حالانکہ یہ ثابت ہے کہ کچھ گنہگار مسلمان ابتداءً جہنم میں جائیں گے پھر نکالے جائیں گے اس کے دوسرے

عَلَى النَّارِ قَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ أَفَلَا أُخْبِرُ بِهِ النَّاسَ فَيَسْتَبْشِرُوْنَ قَالَ إِذًا

حضرت معاذ نے دریافت کیا یا رسول اللہ اجازت دیں تو لوگوں کو اس سے خبر کردوں کہ لوگ خوش ہو جائیں فرمایا پھر

يَتَّكِلُوْا وَأَخْبَرَ بِهَا مُعَاذٌ عِنْدَ مَوْتِهِ تَأَثُّمًا علہ ت ⑲ قَالَ مُجَاهِدٌ لَا

اسی پر بھروسہ کرلیں گے۔ حضرت معاذ نے اپنی وفات کے وقت کتمان علم کے گناہ سے بچنے کیلئے یہ حدیث بیان کردی۔ امام مجاہد

يَتَعَلَّمُ الْعِلْمَ مُسْتَحْيٍ وَلَا مُسْتَكْبِرٌ عہ

نے فرمایا۔ شرمیلا اور متکبر علم نہیں حاصل کرسکتا۔

جوابات بھی ہیں کہ مراد خلود فی النار کا حرام ہونا ہے دوسرے یہ کہ مراد وہ شخص ہے جو ایمان قبول کرکے فوراً مرجائے۔ تیسرے یہ کہ مراد یہ ہے کہ ایمان قبول کرکے اس کے موجبات پر عمل کرے۔ ③ یعنی لوگ لوگ عمل کرنا چھوڑ بیٹھیں گے کیونکہ اس کے ظاہر سے یہی متبادر ہے کہ محض ایمان سے جہنم حرام ہوجاتا ہے تو لوگ غلط فہمی میں پڑجائیں گے کہ پھر عمل کی مشقت کیوں اٹھائیں۔ ④ یعنی چونکہ کتمان علم پر بہت سخت وعید آئی ہے جیسا کہ حدیث ۱۳۲ میں آیت گذری تو آخر وقت میں حدیث بیان فرمادی۔ ⑤ اس حدیث سے حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بارگاہ اقدس میں تقرب اور ان کی جلالت ظاہر ہوئی۔ اور نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تواضع اور صحابہ پر شفقت بھی۔ نیز معلوم ہوا کہ شیخ خاص علوم جو عام اشاعت کے لائق نہ ہوں اپنے خاص تلامذہ کو بتاسکتا ہے۔ اور اشاعت سے روک سکتا ہے۔ نیز معلوم ہوا کہ جو بات عوام کے سمجھ سے بالاتر ہو اور ناسمجھی سے ان کے فتنے میں پڑجانے کا خطرہ ہو اور اس کا جاننا انھیں ضروری نہ ہو تو انھیں نہ بتائی جائے۔

تشریحات ⑰

① امام مجاہد خیر امت اللہ تابعین میں سے ہیں۔ ان کی کنیت ابو حجاج ہے۔ یہ عبداللہ بن سائب مخزومی کے غلام تھے۔ تابعین کے طبقۂ ثانیہ میں ہیں۔ اپنے وقت کے تفسیر و قرأت، حدیث و فقہ میں امام تھے مکہ معظمہ کے فقہا و قراء میں ان کا شمار ہے سنہ میں واصل بحق ہوئے۔ وصال کے وقت عمر مبارک تراسی سال تھی۔ سجدہ کے حالت میں روح پرواز ہوئی۔ حضرت ابن عباس ابن عمر جابر ابوہریرہ عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے احادیث سنیں تین بار قرآن مجید ابن عباس کو سنایا۔

علہ مسلم ایمان ۵۳۔ ابن ماجہ اقامت ۸۴ عہ ابونعیم، حلیہ۔

ت ۲۰ قَالَتْ عَائِشَۃُ نِعْمَ النِّسَاءُ نِسَاءُ الْاَنْصَارِ لَمْ یَمْنَعْھُنَّ الْحَیَاءُ اَنْ

ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہانے فرمایا انصار کی عورتیں اچھی عورتیں ہیں جنھیں دینی باتیں

یَتَفَقَّھْنَ فِی الدِّیْنِ علہ

جاننے میں شرم نہیں روکتی۔

۹۶ حدیث۔ اذا احتلمت المرأۃ

عَنْ اُمِّ سَلَمَۃَ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْھَا قَالَتْ جَاءَتْ اُمُّ سُلَیْمٍ اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ

ام المومنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہانے فرمایا۔ کہ ام سلیم رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت

صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقَالَتْ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ اِنَّ اللّٰہَ لَا یَسْتَحْیِیْ مِنَ الْحَقِّ

میں حاضر ہوئیں۔ اور عرض کیا یارسول اللہ! اللہ عزوجل حق بیان کرنے سے حیا[۲] نہیں فرماتا۔

(۱) کتاب الایمان میں حیا کے معنی کی تحقیق گذر چکی۔ ظاہر ہے کہ جو شخص کسی سے پڑھنے میں کچھ پوچھنے میں شرم کرے گا وہ علم کیسے حاصل کرے گا۔ یوں ہی جو متکبر ہوگا اور اپنے آپ کو سب سے بڑا جانے گا اور کسی سے سوال کرنے میں کسی کے شاگرد بننے میں جب ذلت محسوس کرے گا تو وہ علم سے محروم ہی رہے گا۔ حضرت امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کسی نے پوچھا آپ اتنے زبردست عالم کیسے ہوگئے؟ فرمایا جو مجھے معلوم تھا اس کے بتانے میں کبھی میں نے بخل نہیں کیا۔ اور جو معلوم نہ تھا اس کے حاصل کرنے میں جھجک نہیں کی۔

تشریح، ت (۳۰)

مطلب یہ ہے کہ وہ بلاجھجک ہر قسم کی دینی باتیں دریافت کرتیں۔ یہ بہت عمدہ طریقہ ہے۔ شرم بیجا کیوجہ سے اگر احکام شرع نہ معلوم کیا جائے تو عمل کیسے ہوسکے گا۔

تشریحات (۹۶)

ام سلیم رضی اللہ تعالیٰ عنہا (۲) یہ مشہور صحابیہ حضرت انس بن مالک کی والدہ ہیں۔ انکا نکاح زمانہ جاہلیت میں مالک بن نضر سے ہوا تھا یہ انصار کرام کے سابقین اولین میں سے ہیں۔ مشرف باسلام ہونے کے بعد اپنے شوہر حضرت انس کے باپ کو بھی مسلمان ہونے کی تلقین کی۔ اس بدنصیب نے انکار کیا اور ان پر خفا ہوا اور خفا ہوکر شام گیا اور وہیں مار ڈالا

علہ مسلم حیض ۱۶ ابو داؤد طہارت ۱۲ ابن ماجہ طہارت ۱۴ مسند امام احمد

فَهَلْ عَلَى الْمَرْأَةِ مِنْ غُسْلٍ إِذَا احْتَلَمَتْ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ تَعَالَى عَلَيْهِ

عورت کو جب احتلام ہو تو کیا اس پر غسل ہے۔ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا (ہاں)

وَسَلَّمَ إِذَا رَأَتِ الْمَاءَ فَغَطَّتْ أُمُّ سَلَمَةَ يَعْنِي وَجْهَهَا وَقَالَتْ يَا رَسُولَ اللهِ

جب وہ منی کو دیکھے یہ سن کر حضرت ام سلمہ نے اپنا منھ ڈھانپ لیا اور پوچھا یا رسول اللہ!

أَوَ تَحْتَلِمُ الْمَرْأَةُ قَالَ نَعَمْ تَرِبَتْ يَمِينُكِ فَبِمَ يُشْبِهُهَا وَلَدُهَا ؏

کیا عورت کو احتلام ہوتا ہے فرمایا ہاں ہوتا ہے تیرا ہاتھ گرد آلود ہو پھر کیوں بچہ اپنی ماں کے مشابہ ہوتا ہے۔

گیا۔ اس کی موت کے بعد۔ حضرت ابو طلحہ نے انھیں پیغام دیا اس وقت تک حضرت ابو طلحہ مسلمان نہیں ہوئے تھے حضرت ام سلیم نے یہ شرط رکھی کہ تم اسلام قبول کرلو حضرت ابو طلحہ نے اسلام قبول کرلیا۔ اور دونوں کا نکاح ہوگیا ان کی بہت بڑی خصوصیت یہ ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ان کے گھر تشریف لیجایا کرتے وہ طرح طرح خدمت کرتی تھیں۔ جو اپنے مواقع پر مذکور ہوں گی ان کے نام میں اختلاف ہے کسی نے کہا سہلہ ہے کسی نے رملہ کسی نے رمیثہ کسی نے رمیصا کسی نے غمیصا رکہا ہے۔ ان سے چودہ حدیثیں مروی ہیں۔ ایک متفق علیہ ہے تین تنہا بخاری نے اور دو صرف مسلم نے لی ہے۔

(۲) یہاں حیاء سے مراد، اس کا لازمی معنی بطور استعارہ تبعیہ تمثیلیہ عدم ذکر مراد ہے یعنی اللہ عزوجل حق بات بیان فرمانے کو ترک نہیں فرماتا ہے۔ بیان فرما دیتا ہے اسی طرح میں بھی ضرور اس مسئلہ کو پوچھوں گی۔ اگرچہ عورتیں اس سے شرم کرتی ہیں (۳) احتلام کا مادہ حُلُم ہے جس کے معنی خواب کے ہیں۔ یہاں اِحْتَلَمَ کے معنی مباشرت کا خواب دیکھنا مراد ہے احتلم کے معنی بالغ ہونے کے بھی ہیں۔ حِلم کے معنی سکون بردباری عقل کے ہیں۔ (۴) اس سے ثابت ہوا کہ عورت کو بھی منی ہوتی ہے احتلام کے بعد اگر عورت اپنے جسم یا کپڑے پر منی پائے تو اس پر بھی غسل فرض ہے جیسے مرد پر فرض ہے۔

(۵) حضرت ام المومنین کو تعجب اس لئے ہوا کہ ازواج مطہرات احتلام سے محفوظ ہیں۔ حبالہ عقد نبوی میں آنے کے بعد بھی اور پہلے بھی۔ مسلم شریف میں ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بھی اس وقت حاضر تھیں۔ اس میں اتنا زائد ہے کہ ام سلیم کے اس سوال پر عورتیں ہنس پڑیں اور حضرت عائشہ صدیقہ نے کہا۔ تیرے لئے خرابی ہو کیا عورت بھی ایسا دیکھتی ہے۔

؏ ایضاً غسل اذا احتلمت المرأة۔ الانبیاء خلق آدم۔ ادب مالا یستحیی من الحق۔ مسلم حیض ۳۲۔ ترمذی ابوداؤد ابن ماجہ ۱۰۷ نسائی طہارت ۱۳۔ کتاب العلم۔ دارمی وضو ۷۶ مسند امام احمد۔

کتابُ الوُضُوْ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

(۶) یہ جملہ بددعا اور زجر کے لئے ہے ۔ اس کا اصل مدلول یہ ہے کہ تو محتاج ہو جائے ۔ لیکن عام طور پر یہ اور اس قسم کے جملے مثلاً لا امّ لک ۔ قاتلہ اللہ وغیرہ اظہار تعجب اور پیار کے لئے بھی بولا جاتا ہے خصوصاً جب شفقت کیساتھ عتاب مقصود ہو ۔

(۷) کتاب الانبیاء باب خلق آدم میں، حضرت انس کی حدیث میں ہے کہ اگر مرد کی منی سبقت کرتی ہے تو بچہ باپ کے مشابہ ہوتا ہے اور اگر عورت کی سبقت کرتی ہے تو عورت کے مسلم شریف باب الحیض میں حضرت انس کی حدیث میں یوں ہے مرد کی منی گاڑھی سفید ہوتی ہے اور عورت کی پیلی پتلی ۔ ان دونوں میں سے جو غالب آجائے یا سبقت کر جائے اسی کے مشابہ بچہ ہوتا ہے ۔ اور ام المومنین کی حدیث میں وہیں یہ ہے کہ جب مرد کی منی غالب ہوتی ہے تو بچہ اپنے چچا کے مشابہ ہوتا ہے اور جب عورت کی غالب آتی ہے تو بچہ ماموں کے مشابہ ہوتا ہے ۔ ان سب کا حاصل یہ نکلا کہ مرد وعورت میں جس کی منی قوی ہوگی یا جس کی منی پہلے رحم میں پہونچے گی بچہ اسی کے مشابہ ہوگا ۔ امام نووی نے فرمایا کہ یہ بھی احتمال ہے کہ سبق سے مراد غلبہ ہو تو ان سب احادیث کا حاصل ایک ہوا کہ جس کی منی کو غلبہ ہوگا بچہ اسی کے مشابہ ہوگا ۔ (۸) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ دینی باتیں معلوم نہ ہوں تو انھیں بلا جھجھک دریافت کرنا چاہئے اسی کو بتانے کیلئے امام بخاری نے یہ حدیث کتاب العلم میں ذکر کی ہے ۔ عورتیں اپنے مخصوص مسائل براہ راست عالم سے دریافت کر سکتی ہیں جبکہ کوئی مانع شرعی نہ ہو ۔ بہتر یہ ہے کہ اپنے شوہروں کی وساطت سے معلوم کرائیں ۔ بعض اطباء نے کہا ہے کہ عورت کو منی نہیں ہوتی ان کا اس حدیث میں رد ہے اور طبی تحقیقات سے بھی ثابت کہ عورت کو بھی منی ہوتی ہے ۔ علاوہ ام سُلیم کے یہ سوال مندرجہ ذیل صحابیات نے بھی کیا تھا ۔ خولہ بنت حکیم بسرہ اور سہلہ بنت سہیل رضی اللہ تعالیٰ عنہن ۔

تشریحات

(۱) ایمان کے بعد بندہ جن امور کا مکلف ہے ان کی تین قسمیں ہیں ۔ صرف عبادت جیسے نماز روزہ زکوٰۃ حج صرف معاملات جیسے خرید و فروخت وغیرہ ۔ من وجہ عبادت من وجہ معاملہ جیسے نکاح ان میں عبادت کی اہمیت ظاہر ہے ۔ اس لئے امام بخاری نے ایمان و علم کے بعد عبادات کو ذکر کیا ۔ عبادات میں نماز کئی حیثیت سے حق تقدم رکھتی ہے ۔ نماز تمام عبادتوں سے عام اور موکد ہے ۔ اس کے مکلف امیر، غریب، تندرست بیمار آزاد غلام مقیم مسافر بھی ہیں ۔ اس کی ادائیگی سب سے

زیادہ ہے۔ دن میں پانچ مرتبہ فرض ہے قرآن واحادیث میں ایمان کے متصلاً اس کا حکم مذکور ہے۔ اس لئے تمام عبادات پر نماز کو مقدم کیا۔ نماز کے کچھ شرائط ہیں۔ شرائط مشروط پر مقدم ہوتے ہیں شرائط میں طہارت کو سب سے زیادہ اہمیت حاصل ہے اس لئے طہارت کو سب سے پہلے ذکر کیا۔ طہارت کے انواع میں وضو بھی ہے۔ امام بخاری نے سب سے پہلے اسی کو ذکر فرمایا۔

(۲) بعض نسخوں میں کتاب الوضوء کے بجائے کتاب الطہارات ہے یہی زیادہ مناسب ہے۔ اسلئے امام بخاری نے اسکے تحت طہارت کے جملہ انواع کو ذکر فرمایا۔

(۳) وضو کب مشروع ہوا علماء نے اختلاف کیا ہے۔ بعض نے کہا یہ مدینہ طیبہ میں سورہ انعام کی آیت کریمہ اِذا قمتم الی الصلوٰۃ فاغسلوا کے نزول سے مشروع ہوا اور محققین فرماتے ہیں کہ قبل ہجرت ہی مشروع تھا بلکہ غار حراء میں پہلی بار نزول وحی کے بعد ہی جبرئیل امین نے وضو کی تعلیم دی۔ جیسا کہ ابن ماجہ اور مسند امام احمد بن حنبل اور معجم اوسط للطبرانی میں حدیث مذکور ہے نیز حاکم نے مستدرک میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی یہ حدیث موجود ہے کہ حضرت سیدہ فاطمہ روتی ہوئیں خدمت اقدس میں حاضر ہوئیں۔ عرض کیا۔ قریش آپ کے مار ڈالنے کا معاہدہ کر رہے ہیں۔ فرمایا وضو کیلئے پانی لاؤ۔ اس سے بھی معلوم ہوا کہ وضو قبل ہجرت مشروع تھا۔

(۴) صحیح یہ ہے کہ ابتداءً ہر نماز کے لئے وضو فرض تھا خواہ وہ محدث ہو خواہ نہ ہو۔ بعد میں یہ عموم منسوخ ہو گیا۔ نماز کے لئے صرف محدث پر فرض رہا۔ جیسا کہ امام احمد اور ابو داؤد نے حضرت عبداللہ بن حنظلہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ہر نماز کے لئے وضو کا حکم دیا تھا خواہ کوئی محدث ہو خواہ نہ ہو۔ جب یہ لوگوں پر شاق ہوا تو صرف حدث سے وضو کرنا رکھا۔ نیز مسلم شریف میں بریدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی یہ حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہر ز کے لئے وضو فرمایا کرتے تھے (بغیر حدث کے بھی جیسا کہ بخاری میں حضرت انس کی حدیث آتی ہے) مگر فتح مکہ کے دن ایک وضو سے کئی نمازیں پڑھیں۔ حضرت فاروق اعظم نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ حضور نے ایسا کام کیا ہے جو اس کے پہلے نہیں کرتے تھے۔ فرمایا میں نے ایسا قصداً کیا ہے۔ یعنی بیان خواہ کیلئے

(۵) صحیح یہ ہے وضو اور طہارت کے وجوب کا سبب صرف حدث اور ناپاکی نہیں بلکہ سبب وجوب دو ہے۔ نماز کا واجب ہونا یا ایسے کام کا ارادہ کرنا جو بغیر طہارت جائز نہ ہو جیسے قرآن مجید چھونا۔ جیسا کہ اصحاب سنن نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے وضو کا حکم اس وقت دیا گیا ہے۔ جبکہ نماز کے لئے اٹھوں۔

(۹۷) حدیث. لا یقبل صلوۃ من احدث حتی یتوضا

عَنْ هَمَّامِ بْنِ مُنَبِّهٍ اَنَّهٗ سَمِعَ اَبَا هُرَيْرَةَ يَقُوْلُ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے

تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تُقْبَلُ صَلٰوةُ مَنْ اَحْدَثَ حَتّٰى يَتَوَضَّأَ قَالَ رَجُلٌ مِّنْ

فرمایا۔ جس کو حدث ہو اسکی نماز قبول نہ ہوگی جب تک کہ وضو نہ کرلے۔ حضرموت کے ایک

حَضْرَمَوْتَ مَا الْحَدَثُ يَا اَبَا هُرَيْرَةَ قَالَ فُسَاءٌ اَوْ ضُرَاطٌ عله

صاحب نے پوچھا اے ابوہریرہ حدث کیا ہے فرمایا ہوا خارج ہونا خواہ بے آواز کے یا آواز کیساتھ

(۶) مشہور یہ ہے کہ وُضُو واو کے ضمے کے ساتھ اس فعل کو کہتے ہیں اور وَضُو واو کے فتحے کے ساتھ اس پانی کو جس سے وضو کیا جائے یہی اکثر علماء لغت کا قول ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ وَضُو واو کے فتحے کے ساتھ دونوں کے معنی میں ہے اور وُضُو کوئی لغت نہیں۔ تیسرا قول یہ ہے کہ وُضُو اور وَضُو ہر ایک کے دونوں معنی ہیں۔ علامہ عینی نے فرمایا یہ قول ضعیف ہے یہی تفصیل طہور میں بھی ہے۔ ہدایہ کے حاشیہ مولانا عبدالحلیم فرنگی محلی قدس سرہ کے حوالے سے ہے۔ کہ الطُّہارت۔ طاء کے ضمے کے ساتھ اس پانی کو کہتے ہیں جس سے طہارت کی جائے اور طِہارت طاء کے کسرہ کے ساتھ وہ آلہ جس سے طہارت حاصل کیجائے۔ طَہارت طاء کے فتحے کے ساتھ پاکی کے معنی میں ہے۔ شرعاً حدث اور خبث سے پاکی حاصل کرنے کے ہیں۔ وضو وضاءت سے بنا ہے وضاءت کے معنی صاف ستھرے حسین ہونے کے ہیں۔ کہا جاتا ہے وَضُؤَ الرجل ای صار وضیئا۔ شریعت میں منھ دونوں ہاتھ اور پاؤں دھونے اور سر کے مسح کو کہتے ہیں۔

تشریحات (۹۷)

(۱) قبول نہ ہونے سے مراد صحیح نہ ہونا ہے (۲) خواہ پانی سے اور پانی نہ ہونے کی صورت میں پانی کے قائم مقام پاک مٹی سے۔ نسائی میں حضرت ابوذر کی حدیث میں ہے کہ فرمایا۔ اَلصَّعِيْدُ الطَّيِّبُ وَضُوْءُ الْمُسْلِمِ اِنْ لَّمْ يَجِدِ الْمَاءَ عَشْرَ سِنِيْنَ۔

(۳) حدث کے شرعی معنی ناقض وضو کے ہیں جو فساء اور ضراط کے علاوہ اور بھی ہیں۔ مثلاً پیشاب، پائخانہ وغیرہ پھر حضرت ابوہریرہ نے حدث کو فساء اور ضراط کے ساتھ خاص کیوں کیا۔ اس کا جواب یہ کہ سائل کو دیگر نواقض کا علم رہا

عله ایضاً ترک الحیل۔ مسلم طہارت، ۱۔ ترمذی طہارت، ۱۔ دارمی وضوء، ۲۱ مسند امام احمد

ہوگا اس لئے صرف انھیں دونوں کو ذکر کیا جنھیں وہ جانتا نہ تھا ۔ یا یہ کہ حضرت ابوہریرہ کا مقصود حصر نہیں تمثیل ہے ۔ یا یہ اضعف نواقض کا ذکر صراحۃً کیا اور ان سے قوی کو اقتصاراً کہ جب یہ ناقض وضو ہیں تو مخاطب خود فیصلہ کرلے کہ جو ان سے زیادہ قوی ہے مثلاً پیشاب، پائخانہ بدرجہ اولیٰ ناقض ہوں گے ۔

صلوٰۃ من احدث، سے متبادر ہے کہ سائل نے اس حدث کو پوچھا تھا جو نماز کے اندر ہوا اور نماز میں پیشاب پائخانہ کا ہونا نادر اور ریاح کا خارج ہونا اغلب ۔ اغلب کا لحاظ کرکے حضرت ابوہریرہ نے جواب دیا ۔

حدث کی دو قسمیں ہیں ۔ حدث اکبر جن سے غسل بھی واجب ہوتا ہے ۔ جیسے جنابت، حیض، نفاس ۔ حدث اصغر نواقض وضو جن سے صرف وضو ٹوٹتا ہے ۔

(۴) فساء کے معنی پائخانہ کے مقام سے بغیر آواز کے ہوا خارج ہونے کے ہیں اور ضراط آواز کے ساتھ ہوا خارج ہونے کے ہیں ۔ اس سے ثابت ہوا کہ بغیر آواز ہوا کا خارج ہونا بھی ناقض وضو ہے ۔ خواہ اس میں بدبو ہو خواہ نہ ہو ۔

(　) اس حدیث سے ثابت ہوا کہ وضو ہر نماز کے لئے شرط ہے خواہ فرائض خمسہ ہوں یا عیدین اور جنازہ ہو یا سجدۂ تلاوت امام شعبی اور ابن جریر طبری سے جو منقول ہے کہ نماز جنازہ بغیر وضو کے بھی درست ہے، باطل ہے ۔ علامہ کرمانی نے اس حدیث سے استدلال کیا کہ طواف کو حدیث میں صلوٰۃ کہا گیا اور کوئی نماز بغیر وضو درست نہیں تو طواف بھی بغیر وضو درست نہیں ۔ احناف کے نزدیک طواف بغیر وضو ممنوع ہے لیکن اگر کسی نے بغیر وضو طواف کرلیا تو اس معنی کر صحیح ہوگیا کہ برأت ذمہ ہوگئی احناف کا جواب مشہور ہے کہ یہ خبر واحد ہے خبر واحد سے فرضیت ثابت نہیں ہوتی البتہ وجوب ثابت ہوتا ہے اور وجوب کے ہم بھی قائل ہیں ۔ قرآن مجید میں مطلقاً فرمایا گیا وَلْيَطَّوَّفُوا بِالْبَيْتِ الْعَتِيقِ ۔ اور کتاب اللہ پر زیادتی خبر واحد سے جائز نہیں ۔ احناف اور شوافع کے مابین ایک اہم اختلاف ہے کہ نماز ختم کرنے کے لئے السّلام علیکم کہنا فرض ہے یا نہیں ۔ شوافع فرض مانتے ہیں ۔ اور احناف صرف واجب، فرض نہیں مانتے ۔ اسی اختلاف کی وجہ سے نماز کے سلسلے میں یہ اختلاف ہے کہ اگر کوئی بغیر السلام علیکم کہے تشہد کے بعد نماز ختم کردے تو نماز ہوئی یا نہیں ۔ شوافع کے یہاں فرض کے ترک کی وجہ سے نہ ہوئی اور ہمارے یہاں اس معنی کر ہوگئی کہ فرض ادا ہوگیا البتہ واجب کے ترک سے واجب الاعادہ ہوئی ۔ شوافع کا استدلال اس حدیث سے ہے ۔

تحریمها التکبیر و تحلیلها التسلیم　　نماز کی تحریم تکبیر ہے اور سلام کے بعد نماز سے فراغت ہے ۔

یہ ترکیب مفید حصر ہے تو ثابت کہ تحلیل صلوٰۃ تسلیم کے ساتھ خاص اور جزء اول بالاجماع فرض تو اسکے مثل جزء ثانی بھی ۔

احناف یہ جواب دیتے ہیں کہ تحریمہ کے لئے تکبیر کی فرضیت اس حدیث سے نہیں قرآن مجید سے ثابت ہے ۔ ارشاد ہے

(۹۸) حدیث، غر المحجلین

عَنْ نُعَيْمِ الْمُجْمِرِ قَالَ رَقِيْتُ مَعَ أَبِيْ هُرَيْرَةَ عَلٰى ظَهْرِ الْمَسْجِدِ فَتَوَضَّأَ فَقَالَ إِنِّيْ

نعیم مجمر نے کہا: میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ مسجد کی چھت پر چڑھا انھوں نے وضو کیا اور

وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ، اپنے رب کی تکبیر کہو۔ اور فرمایا۔ وَذَكَرَ اسْمَ رَبِّهٖ فَصَلّٰى۔ اور اپنے رب کا نام لیا پھر نماز پڑھی۔
اس حدیث کے معارض اعرابی والی مشہور حدیث ہے جس میں صاف صراحۃً ارشاد ہے۔
اذا قلت هذا او فعلت هذا فقد تمت صلوتك۔ جب تشہد پڑھ چکو یا اتنا کر چکو تو تمھاری نماز پوری ہوگئی اس میں تشہد پڑھنے یا بقدر تشہد بیٹھنے پر نماز کو تام بتایا تو ثابت کہ بغیر سلام نماز تام ہے۔ احناف کے اس مسئلے پر تعریض کرتے ہوئے امام بخاری نے باب ترک الحیل میں بھی اس حدیث کو ذکر کیا ہے۔ اور جواب وہی ہے کہ یہ حیلہ نہیں بلکہ اعرابی والی حدیث مشہور کی بنا پر ہے اور احناف اسے مطلقاً ترک نہیں کرتے سلام کو واجب کہتے ہیں مگر چونکہ ثبوت فرضیت کے لئے نص قطعی ضروری ہے اور یہ خبر واحد ہے جو مفید قطع نہیں اس لئے فرض نہیں کہتے ہیں۔ اسی طرح احناف کہتے ہیں کہ حالت نماز میں وضو ٹوٹ جائے تو پھر وضو کر کے باقیماندہ سابقہ پر بنا کر کے پڑھ سکتا ہے بشرطیکہ مفسد نماز کوئی عمل نہ پایا گیا ہو۔ مخالفین اس کو اس حدیث کے خلاف بتاتے ہیں۔ مگر منصف غور کرے۔ احناف نے یہ کب فرمایا کہ نماز میں حدث ہو جائے تو یوں ہی بلا وضو نماز پوری کرلو۔ احناف نے وضو کرنے کا حکم دیا تو بقیہ نماز با وضو ہوئی۔ اور حدیث میں یہی ہے کہ جب تک وضو نہ کرے۔ اور اس نے وضو کر کے نماز پڑھی لہٰذا اس حدیث کے خلاف عمل نہ ہوا۔

تشریحات (۹۸)

(۱) نعیم ابن عبد اللہ مدنی تابعی ہیں۔ یہ اور ان کے والد دونوں مسجد نبوی میں خوشبو سلگاتے تھے اس لئے ان کو اور انکے والد کو بھی مجمر یا مجمّر کہا جاتا ہے یعنی خوشبو سلگانے والے۔ یہ حضرت ابوہریرہ کے ساتھ بیٹھا کرتے تھے۔ حضرت جابر وغیرہ سے بھی حدیثیں روایت کی ہیں (۲) یہاں مسجد سے مراد مسجد نبوی ہے اس حدیث پر دو اشکال ہیں ایک یہ کہ مسجد کی چھت پر بلا ضرورت چڑھنا منع ہے اور ضرورت سے مراد شرعی ضرورت ہے مثلاً نیچے جگہ نہ ہو یا مرمت کی ضرورت ہو۔ نیز مسجد کی چھت بھی مسجد کے حکم میں ہے اور مسجد میں اس طرح وضو کرنا کہ پانی مسجد میں گرے جائز نہیں۔ اس لئے کہ متعدد احادیث میں مسجد کو پاک وصاف رکھنے کا حکم ہے۔ پھر حضرت ابوہریرہ مسجد پر کیوں چڑھے اور وہاں وضو کیوں کیا۔ اس کی توجیہ یہ ہے کہ ہو سکتا ہے نیچے بھیڑ کی وجہ سے وضو کی گنجائش نہ رہی ہو۔ یا نیچے وضو کی کوئی جگہ نہ ہو۔ اس لئے چھت پر چڑھے اور وضو

سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اِنَّ اُمَّتِيْ يُدْعَوْنَ

فرمایا میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے سنا فرماتے تھے۔ میری امت[۳] قیامت کے دن بلائی

يَوْمَ الْقِيٰمَةِ غُرًّا مُّحَجَّلِيْنَ مِنْ آثَارِ الْوُضُوْءِ فَمَنِ اسْتَطَاعَ مِنْكُمْ اَنْ

جائے گی۔ ان کی پیشانیاں اور ہاتھ پاؤں وضو کے اثر سے سفید ہوں گے تم میں سے جو اپنی سفیدی زیادہ

يُّطِيْلَ غُرَّتَهٗ فَلْيَفْعَلْ [۱]

کرنا چاہے کرے

اس طرح کیا کہ پانی مسجد کے باہر گرایا۔ مثلاً دیوار کے کنارے بیٹھ کر وضو کیا اور پانی نیچے گرایا۔ یا کوئی برتن رہا ہو جس میں غسالہ گرتا ہو۔

(۳) اُمّت کے لغت میں کئی معانی آتے ہیں۔ طریقہ۔ دین۔ زمانہ دراز۔ بادشاہ۔ وہ مرد جو جامع خیر ہو۔ وہ شخص جو سب سے الگ تنہا کوئی دین رکھتا ہو۔ امام۔ شرعی معنی انبیاء کے متبعین کے ہے۔ اُمّت کے شرع میں دو اطلاق ہیں۔ اُمّت دعوت، نبی جن لوگوں کی جانب مبعوث ہو۔ اُمّت اجابت، جو لوگ نبی پر ایمان لائے۔ یہاں امت سے مراد اُمّتِ اجابت یعنی مسلمان ہیں۔

(۴) غُرًّا۔ اَغَرّ کی جمع ہے اَغَرّ کے اصل معنی سفید پیشانی والے گھوڑے کے ہیں اور عرف میں شریف کے بھی معنی میں آتا ہے۔ مُحَجَّل۔ اس گھوڑے کو کہتے ہیں جن کے قدم سفید ہوں۔ یہاں دونوں کے معنی کنایۃً سفید چمکنے والے کے ہیں۔ مطلب یہ ہوا کہ میری امت کی پیشانیاں اور ہاتھ پاؤں وضو کی برکت سے سفید منور ہوں گے وضو اس امت کی خصوصیت نہیں جیسا کہ بعض لوگوں نے اس حدیث سے استدلال کرتے ہوئے کہا ہے۔ اس لئے کہ خود بخاری میں حضرت سارہ کا! ور جریج راہب کے بارے میں مذکور ہے۔ کہ انھوں نے وضو کر کے نماز پڑھی اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے تو یہ کہ قیامت کے دن وضو کا یہ مخصوص اثر اس امت کے ساتھ خاص ہے۔ اس برکت سے اگلی امتیں محروم ہونگی۔

(۵) یہ حدیث حضرت ابو ہریرہ کے علاوہ مزید دس صحابہ سے مروی ہے سوائے حضرت ابو ہریرہ کے اور کسی کی روایت میں۔ فمن استطاع إلی آخرہ تک نہیں۔ خود حضرت ابو ہریرہ سے ایک جماعت نے روایت کیا ہے مگر سوائے نعیم کے کسی اور روایت میں نہیں۔ یہ دلیل ہے کہ یہ حضرت ابو ہریرہ کا اپنا قول ہے اور یہ حصہ مُدرَج ہے۔ لیکن جبکہ اصول حدیث کا

[۱] ایضاً مسلم طہارت ۱۲۶۔

(۹۹) حدیث، لا ینصرف حتی یسمع صوتا او یجد ریحا

عَنْ سَعِيْدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ وَعَبَّادِ بْنِ تَمِيْمٍ عَنْ عَمِّهِ اَنَّهُ شَكَا اِلَى رَسُوْلِ

سعید بن مسیب اور عباد بن تمیم اپنے چچا سے روایت کرتے ہیں کہ ایک صاحب نے رسول اللہ

یہ قاعدہ مسلم ہے کہ ثقہ کی زیادتی مقبول ہے تو اسے بلا دلیل ادراج ٹھہرانا صحیح نہیں۔ علامہ عینی نے ادراج پر یہ دلیل دی کہ مسند امام احمد میں خود نعیم مجمر کا قول مذکور ہے کہ میں نہیں جانتا کہ "من استطاع" رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا قول ہے یا حضرت ابوہریرہ کا۔ لیکن یہ محض احتمال ہے اور احتمال مثبت نہیں ہوتا علاوہ ازیں یہ کہ مالا یدرک إلا بالسماع کے قبیل سے ہے اور صحابی کا ایسا قول مرفوع کے حکم میں ہے۔ اگر بالفرض مان بھی لیا جائے کہ حضرت ابوہریرہ کا ہی کا قول ہے جب بھی حکم میں مرفوع کے ہوا۔ (۶) ان یطیل غرتہ سے مراد یہ ہے کہ جہاں تک اعضاء کے دھونے کا حکم ہے اس سے زیادہ دھوئے۔ مثلاً کہنیوں تک ہاتھ دھونے کا حکم ہے تو کندھوں تک دھوئے۔ ٹخنوں تک پاؤں دھونے کا حکم ہے تو پنڈلی بھی دھوئے۔ نیز یہ بھی احتمال ہے کہ ہر نماز کے لئے وضو کرے جس کے نتیجے میں قیامت کے دن اسکی نورانیت کی شعائیں دور تک پہنچے۔ (۷) ابن بطال امام قاضی عیاض اور ابن تین، اعضاء وضو کی مقررہ حدوں سے زیادہ دھونے کو مستحب نہیں جانتے ابن بطال نے اس پر ابو داؤد کی اس حدیث سے استدلال کیا کہ فرمایا۔

من زاد علی ھٰذا او نقص فقد اساء وظلم۔ جس نے اس پر زیادہ کیا یا کم کیا اس نے برا کیا اور ظلم کیا

لیکن ابن بطال کا یہ استدلال صحیح نہیں کیونکہ اس میں ھٰذا کا مشار الیہ تین کا عدد ہے مراد یہ ہے کہ جس نے تین بار سے کم یا زیادہ دھویا اس نے برا کیا اور ظلم کیا اس لئے مقررہ حدوں سے زیادہ دھونا سوائے حضرت ابوہریرہ کے خود حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور حضرت ابن عمر سے بھی مروی ہے۔ علامہ عینی نے فرمایا۔ یہ دلیل ہے کہ اللہ عزوجل نے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ایسے خاص علوم غیبیہ عطا فرمائے جو سوائے حضور کے کسی نبی کو بھی نہیں عطا فرمائے۔

تشریحات (۹۹)

(۱) سعید بن مسیب مشہور ائمہ تابعین میں سے ہیں۔ حدیث فقہ میں امام وقت، زہد و ورع وعبادت میں یکتا تھے۔ چالیس حج کئے تھے۔ احادیث ابوہریرہ اور قضایا عمر فاروق کے سب سے زیادہ جاننے والے تھے۔ کثیر صحابہ کی زیارت سے مشرف ہوئے۔ ان کی کنیت ابو محمد ہے۔ قرشی مخزومی مدنی ہیں۔ خلافت فاروق کے تیسرے سال پیدا ہوئے اور ۹۳ سنہ وصال فرمایا۔

اللہِ صلّی اللہ تعالیٰ علیہِ وسلّمَ الرّجُلُ الّذی یُخیّلُ اِلیہِ انّہٗ یجدُ الشّیْٔ فی

صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے اپنی یہ الجھن بیان کی کہ انھیں نماز میں ریح نکلنے کا شبہہ ہو جاتا ہے۔

الصّلوٰۃ فقال لاینفتل اَوْ لا ینصرفُ حتّیٰ یسمعَ صوتاً اَوْ یجدَ رِیحاً علہ

فرمایا جب تک آواز نہ سنے یا بو نہ پائے ۔ نماز نہ توڑے ۔

(۲) عباد بن تمیم کے بارے میں مشہور یہ ہے کہ تابعی ہیں مگر کثیر محدثین حتی کہ امام ذہبی تک نے صحابہ سے شمار کیا۔ اصابہ میں امام واقدی کے حوالے سے ان کا یہ قول مروی ہے کہ مجھے غزوۂ خندق اچھی طرح یاد ہے اس وقت میں پانچ سال کا تھا ان کے چچا سے، عبداللہ بن زید بن عاصم بن کعب انصاری مازنی مراد ہیں۔ مسلم میں اس کی تشریح ہے انکی بھی یہ خصوصیت ہے کہ ان کے والدین بھی صحابی ہیں۔ اور ان کے بھائی حبیب بن زید بھی۔ حبیب بن زید وہ بزرگ ہیں جن کا مسیلمہ کذاب نے عضو عضو کاٹ ڈالا تھا۔ راوی حدیث عبداللہ بن زید وہ مجاہد ہیں جنھوں نے وحشی کے ساتھ مسیلمہ کذاب کو قتل کیا تھا۔ یہ ذوالحجہ ۶۳ھ کے خونی معرکے میں ستر سال عمر پاکر شہید ہوئے۔ یہ غزوۂ اُحد کے شرکاء میں سے ہیں۔ بعض حضرات نے ان کو بدری بھی کہا ہے مگر یہ صحیح نہیں۔ مگر مجھے اس میں بھی کلام ہے کہ انھوں نے غزوۂ اُحد میں مجاہدین کیطرح شرکت کی ہو اسلئے کہ اس وقت انکی عمر دس سال تھی۔ ہو سکتا ہے کہ جیسے حضرتِ انس بطور خدمتگار موقع پر حاضر تھے۔ یہ بھی حاضر رہے ہوں ان سے اڑتالیس احادیث مروی ہیں آٹھ متفق علیہ ہیں۔

(۳) امام نووی نے فرمایا۔ باجماع مسلمین اس سے مراد، خروج حدث کا یقین ہے۔ اگرچہ نہ بو کا پتہ چلے نہ آواز نکلے۔ اس پر دلیل ترمذی کی یہ روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا۔

اذا فسا احدکم فلیتوضأ (باب الوضوء) اگر تم میں سے کسی کے بلا آواز ریح نکلے تو وضو کرو۔

علاوہ ازیں جب معنی لفظ سے وسیع تر ہوتا ہے تو حکم معنی پر ہوتا ہے۔ اور بعض جاہلان زمانہ کا یہ کہنا ہے کہ اگر ہوا نکلے مگر اس میں آواز نہ ہو اور نہ بدبو ہو تو وضو نہیں ٹوٹتا۔ اس حدیث سے ثابت ہوا کہ اصل یہ ہے کہ کسی چیز کی جو حالت ہے اسی پر باقی رہتا ہے جب تک کہ دلیل سے اس کا خلاف ثابت نہ ہو یعنی شک یقین کو زائل نہیں کرتا۔

علہ ایضا من لم یر الوضوء الا ۔ بیوع ۔ من لم یر الوسا وس ۔ مسلم، حیض ۹۸، ۹۹، ابوداؤد صلوٰۃ ۱۹۲ طہارت ۶۸ ترمذی، طہارت، ۵۶ نسائی طہارت ۱۱۴۔ ابن ماجہ طہارت، ۷۴، مسند امام احمد۔

حدیث، فتوضأ وضوءً خفیفاً (۱۰۰)

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُمَا قَالَ بِتُّ عِنْدَ خَالَتِي مَيْمُونَةَ لَيْلَةً

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے کہا میں ایک رات اپنی خالہ میمونہ کے یہاں سویا

فَقَامَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنَ اللَّيْلِ فَلَمَّا كَانَ فِي بَعْضِ اللَّيْلِ

نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم رات میں اٹھے۔ جب کچھ رات گذری تو اٹھے اور ایک پرانی مشک سے

قَامَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَتَوَضَّأَ مِنْ شَنٍّ مُعَلَّقٍ وُضُوءً

جو لٹکی ہوئی تھی۔ ہلکا وضو فرمایا۔

تشریحات (۱۰۰)

(۱) ام المومنین حضرت میمونہ بنت الحارث ہلالیہ عامریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا، حضرت ام الفضل حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اہلیہ محترمہ کی بہن تھیں۔ جاہلیت میں یہ مسعود بن عمرو ثقفی کی زوجیت میں تھیں۔ اس نے انکو چھوڑ دیا۔ تو انکا نکاح ابورہم سے ہوا۔ ان کا بھی جب انتقال ہوگیا تو عمرۃ القضاء کے موقع پر ۷ھ میں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حبالۂ عقد میں آئیں۔ ان کی خصوصیت یہ ہے کہ ان سے مکہ معظمہ سے دس میل پہلے مقام سرف پر نکاح فرمایا۔ اور یہیں انکا وصال بھی ہوا۔ دوسری خصوصیت یہ ہے کہ ان کے بعد پھر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اور کوئی نکاح نہیں فرمایا۔ یہ آخری ازواج میں سے ہیں ان کا وصال ۶۱ھ یا ۵۱ھ میں ہوا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے نماز جنازہ پڑھائی ان سے ایک جماعت نے روایت کیا انھیں میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما بھی ہیں۔

(۲) علامہ عینی نے فرمایا ابن سکن کی روایت یہ ہے فقام النبی کی جگہ فنام النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم من اللیل۔ امام قاضی عیاض نے فرمایا یہی روایت صواب ہے۔ ورنہ کلام میں بے فائدہ تکرار لازم آئے گی اس لئے کہ اس کے بعد ہے۔ فلما کان فی بعض اللیل قام النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔ غالباً یہی افادہ کرنے کے لئے امام بخاری نے اس سے پہلے یہ ٹکڑا نقل فرمایا۔

ان النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نام حتی نفخ ثم صلی وربما قال اضطجع حتی نفخ ثم صلی

نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سوئے یہاں کہ ناک سے آواز آنے لگی پھر نماز پڑھی۔ سفیان کبھی کہتے کہ کروٹ کے بل لیٹے یہاں تک کہ خراٹے کی آواز آنے لگی پھر نماز پڑھی۔

نوم عام ہے خواہ چت ہو خواہ کروٹ کے بل۔ اضطجاع کروٹ پر لیٹنے کو کہتے ہیں۔ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کروٹ کے بل

خَفِیْفًا یُخَفِّفُہٗ عَمْرٌو وَیُقَلِّلُہٗ وَقَامَ یُصَلِّیْ فَتَوَضَّأْتُ نَحْوًا مِّمَّا تَوَضَّأَ ثُمَّ جِئْتُ

عمرو بن دینار اس کے ہلکے اور تھوڑے ہونے کو بیان کرتے تھے اور کھڑے ہو کر نماز پڑھنے لگے پھر میں نے بھی حضور

فَقُمْتُ عَنْ یَسَارِہٖ وَرُبَّمَا قَالَ سُفْیَانُ عَنْ شِمَالِہٖ فَحَوَّلَنِیْ فَجَعَلَنِیْ عَنْ یَمِیْنِہٖ

کی طرح وضو کیا اور آکر بائیں طرف کھڑا ہو گیا سفیان کبھی لفظ یسار کے بجائے شمال کہتے۔ حضور نے مجھے پھیر کر اپنی

ثُمَّ صَلّٰی مَاشَاءَ اللّٰہُ ثُمَّ اضْطَجَعَ فَنَامَ حَتّٰی نَفَخَ ثُمَّ اَتَاہُ الْمُنَادِیْ فَاٰذَنَہٗ

دائیں طرف کھڑا کیا پھر اللہ نے جتنا چاہا حضور نے نفل پڑھی پھر کروٹ کے بل لیٹے اور سو گئے یہاں تک کہ ناک سے آواز

بِالصَّلٰوۃِ فَقَامَ مَعَہٗ اِلَی الصَّلٰوۃِ فَصَلّٰی وَلَمْ یَتَوَضَّأْ قُلْنَا لِعَمْرٍو اِنَّ نَاسًا

نکلنے لگی پھر موذن آیا نماز کی اطلاع دی تو حضور اس کے ساتھ تشریف لے گئے اور نماز پڑھی اور وضو نہیں فرمایا ہم نے عمرو

یَقُوْلُوْنَ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ تَنَامُ عَیْنُہٗ وَلَا یَنَامُ

بن دینار سے کہا لوگ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی آنکھیں سوتی ہیں اور دل بیدار رہتا ہے قَلْبُہٗ

لیٹے ہوں گے اس کو کبھی نام سے بیان کیا کبھی اضطجع سے یہاں فیض الباری میں ہے کہ یہ سونا اور خراٹے لینا نماز نفل کے اندر بھی ہو سکتا ہے مجھے سخت تعجب ہے کہ اس احتمال کی گنجائش کہاں سے نکلی حدیث کا سیاق و سباق اس احتمال کی ذرہ برابر نشاندہی نہیں کرتا۔

(۳) کتنی گذری تھی۔ عینی میں ہے کہ رات آدھی ہو چکی تھی یا آدھی کے قریب تھی اسی سے انوار الباری کے اس ترجمے کی غلطی ظاہر ہو گئی جو انھوں نے کیا ہے جب تھوڑی رات رہ گئی۔

(۴) تخفیف سے مراد یہ ہے کہ اعضاء وضو کو خوب مل کر نہیں دھویا معمولی طور پر پانی بہانا اور تقلیل سے مراد یہ ہے کہ اعضاء وضو تین تین بار نہیں دھوئے اور یہ بھی مراد ہو سکتا ہے کہ صرف فرائض پر اکتفاء فرمایا۔

(۵) آنحضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کس طرح پھیرا۔ اس سلسلے میں مختلف روایتیں آئی ہیں۔ بعض میں ہے ان کا سر پکڑ کر داہنی طرف کیا۔ بعض میں ہے کہ اپنا داہنا ہاتھ ان کے سر پر رکھ کر داہنا کان پکڑ کر داہنی طرف کیا۔ اور ایک میں ہے کہ سر کا پچھلا حصہ پکڑ کر داہنی طرف لائے۔ یہ اس پر نص ہے کہ نفل کی جماعت جائز ہے۔ جب کہ تداعی نہ ہو اور اگر مقتدی ایک ہو تو امام کے داہنے طرف کھڑا ہو۔

(۶) اسی لئے انبیاء کرام کی نیند ناقض وضو نہیں اور جو بعض روایتوں میں ہے کہ بیدار ہونے کے بعد وضو فرمایا یہ بر سبیل استحباب ہے۔ یا ہو سکتا ہے سونے سے پہلے کوئی ناقض وضو پایا گیا ہو خلافاً لما فی فیض الباری کہ کبھی کبھی

قلبہ قال عمرو سمعت عبید بن عمیر یقول رؤیا الانبیاء وحی ثم قرأ

عمرو بن دینار نے کہا میں نے عبید بن عمیر سے سنا کہتے تھے انبیاء کا خواب وحی ہے پھر انھوں نے تلاوت کی

اِنِّیْ اَرٰی فِی الْمَنَامِ اَنِّیْ اَذْبَحُکَ علہ

(حضرت ابراہیم نے کہا) اے بیٹے میں خواب میں دیکھتا ہوں کہ تجھے ذبح کر رہا ہوں

ت (۲) قال ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما اسباغ الوضوء الانقاء علہ

ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ اسباغ وضو یہ ہے کہ اعضاء وضو کو خوب صاف کر لیا جائے

انبیاء کرام کی نیند ناقض وضو ہوتی ہے۔ اور دلیل میں یہی پیش کیا کہ بعض دفعہ بیدار ہونے کے بعد وضو فرمایا۔ ہر عاقل پر ظاہر کہ سو کر اٹھنے کے بعد وضو کرنا کسی بھی منطق سے اس بات کی دلیل نہیں کہ آنحضور کی نیند ناقض وضو ہے۔ یہ خود حدیث مرفوع سے ثابت ہے اور یہی مدار ہے اس بات کا کہ انبیاء کے خواب وحی ہوتے ہیں۔ اسی بنا پر حضرت عبید بن عمیر نے حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے خواب سے استدلال کیا قتل اولاد حرام ہے مگر خواب دیکھکر تعمیل حکم فرمانے لگے اگر خواب وحی نہ ہوتا تو ایسا ہرگز نہ کرتے۔

(۷) اس حدیث سے یہ احکام ثابت ہوئے۔ علماء صلحاء کے ساتھ دن کے علاوہ رات میں رہنا کہ ان کے حالات معلوم کئے جائیں مستحسن ہے۔ سند عالی کی تلاش مستحسن ہے حضرت ابن عباس اپنی خالہ ام المومنین حضرت میمونہ سے پوچھ کر حالات معلوم کر سکتے تھے۔ مگر خود وہاں قیام پذیر ہو کر دیکھا تاکہ بیچ کا واسطہ نہ رہے۔ اگر دو آدمی ہوں ایک امام بن جائے دوسرا مقتدی، جماعت کا ثواب ملے گا۔ ایک ہی وضو سے نفل و فرائض پڑھنا درست ہے نماز میں بات کرنی نماز کو فاسد کر دیتی ہے خواہ فرض ہو خواہ نفل۔ اگر نفل کلام کرنے سے فاسد نہ ہوتی تو حضور ابن عباس کا کان پکڑ کر داہنی طرف نہ کرتے زبانی فرما دیتے۔ یہ جائز ہے کہ موذن جماعت کے لئے امام کو جگائے۔ نماز تہجد ابتداءً واجب تھی اب وجوب منسوخ ہو گیا مسنون ہونا باقی۔ بہت بابرکت نماز ہے۔ تہجد پڑھنے والے کو حج اور عمرے کا ثواب ملتا ہے۔

علہ ایضا العلم والعظۃ بالليل - اذان - اذا قام الرجل عن یسار الامام وإذا لم ینو فما الامام - وضوء الصبیان و تفسیر نساء - ان فی خلق السموٰت والذین یذکرون اللہ قیاماً وقعوداً - ودبنا من تدخل النار و ربنا اننا سمعنا منادیا لباس، ذوائب، ادب، رفع البصر الی السماء - توحید ماجاء فی تخلیق السموٰت والارض - م مسافرین ۱۸۱ وغیرہ نسائی امامت ۶۲ تطلیق ۱۶۳ ابن ماجہ طہارت ۴۸ علہ امام عبد الرزاق نے موصولاً بسند صحیح ذکر کیا۔

(۱۰۱) حدیث اسباغ الوضوء

عَنْ اُسَامَۃَ بْنِ زَیْدٍ رَّضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْھُمَا اَنَّہٗ سَمِعَہٗ یَقُوْلُ دَفَعَ رَسُوْلُ

ابن عباس کے غلام کریب سے روایت ہے کہ انھوں نے حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ سے سنا وہ فرماتے تھے کہ رسول اللہ

تشریح (۲۱)

(۱) اسباغ کے معنی لغت میں اتمام کے ہیں اور اتمام غسل کو انقا یعنی بدن کا اچھی طرح صاف ہوجانا لازم ہے۔ یہ تفسیر باللازم ہے۔ ابن منذر نے بسند صحیح نقل کیا کہ حضرت ابن عمر اپنے پاؤں کو سات مرتبہ دھوتے تھے۔ اور یہ اسلئے تھا کہ وہ لوگ زیادہ ننگے پاؤں چلا کرتے تھے یا بہت ہوا تو نعل جو چپل کی قسم سے ہوتا پہنتے تھے۔ اس سے پاؤں پر میل کچیل زیادہ جمع ہوجاتا تھا اسے صاف کرنے کے لئے سات بار دھوتے۔

تشریحات (۱۰۱)

(۱) اُسامہ بن زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما، حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے آزاد کردہ غلام اور متبنیٰ حضرت زید کے صاحبزادے ہیں انکی والدہ حضرت امّ ایمن رضی اللہ تعالیٰ عنہا حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی دایہ اور آزاد کردہ باندی تھی۔ ان کے باپ حضرت زید بھی آنحضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو بہت پیارے تھے اور یہ بھی اسی واسطے انکو الحِبّ من حِبّ کہا جاتا تھا۔ ان کی انگوٹھی کا نقش یہ تھا حِبُّ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کو عامل بنایا جبکہ انکی عمر اٹھارہ سال کی تھی۔ وصال سے کچھ دن پہلے قیصر کے مقابلے کیلئے جو لشکر ترتیب دیا تھا جن میں تمام عمائد صحابہ کو شرکت کا حکم تھا اس کا امیر انھیں کو بنایا۔ وصال اقدس کے وقت انکی عمر بیس سال تھی اخیر وقت میں وادی القریٰ میں رہنے لگے۔ یہیں پچپن سال کی عمر پاکر ۵۴ھ میں وصال فرمایا۔ ان سے ایک سو اٹھائیس حدیثیں مروی ہیں پندرہ متفق علیہ افراد بخاری سے دو۔ اور افراد مسلم بھی دو ہی ہیں۔

(۲) زید بن حارثہ بن شراحیل کلبی رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ ان کی کنیت ابو اسامہ ہے ان کی ماں کا نام سعدیٰ بنت ثعلبہ ہے یہ انھیں لیکر اپنے میکے گئی ہوئی تھیں۔ کچھ لیٹروں نے حملہ کردیا اور انھیں اٹھا کرلے گئے۔ بازار عکاظ میں بیچنے کیلئے لے گئے حکیم بن حزام نے اپنی پھوپھی حضرت خدیجہ کے لئے چار درہم میں زید کو خریدلیا۔ جب حضرت خدیجہ حبالہ عقد میں آئیں تو یہ بھی ساتھ ساتھ آئے کچھ دنوں کے بعد ان کے گھر والوں کو انکی خبر لگی تو ان کے چچا اور والد حارثہ لینے

اللهِ صَلَّى اللهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ عَرَفَةَ حَتَّى إِذَا كَانَ بِالشِّعْبِ نَزَلَ

صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم عرفہ سے چلے جب گھاٹی میں پہنچے تو اترے

مکہ معظمہ خدمت اقدس میں حاضر ہوئے حضور نے انھیں اختیار دیدیا کہ چاہو تو باپ کے ساتھ چلے جاؤ چاہو تو میرے ساتھ رہو۔ انھوں نے دامن رحمت عالم چھوڑنا ناپسند کیا اس کے بعد حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے انھیں حطیم میں لے جاکر اعلان کر دیا۔ زید میرا بیٹا ہے۔ جس کی بنا پر انھیں لوگ زید بن محمد کہا کرتے۔ جب یہ آیہ کریمہ ادعوھم لآباءھم۔ اولاد کو ان کے باپ کی طرف نسبت کرکے بلاؤ نازل ہوئی تو لوگوں نے زید بن حارثہ کہنا شروع کیا۔ آزاد کردہ غلاموں میں یہی سب سے پہلے ایمان لائے ان کا نکاح حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنی دایہ حضرت ام ایمن سے کر دیا تھا انھیں سے حضرت اُسامہ پیدا ہوئے بعد میں حضرت زید کا نکاح زینب بنت جحش اپنی پھوپھی کی لڑکی سے کیا مگر نباہ نہ ہو سکا حضرت زید نے طلاق دیدی اسکے بعد حضرت زینت ازواج مطہرات کے زمرے میں داخل ہوئیں۔ حضرت زید سے حضور کو اتنی محبت تھی کہ ایک حضرت زید سفر سے واپس ہوئے۔ اطلاع ملی تو آنحضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم صرف تہبند پہنے پہنے باہر تشریف لائے اور ان سے لپٹ گئے جنگ موتہ کے خونی معرکے میں رومیوں کے ہاتھوں سے جمادی الاولیٰ ۸ھ میں شہید ہوئے۔ شہادت کے وقت ان کی عمر مبارک پچپن سال تھی اس سے ظاہر ہوا کہ آنحضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی عمر مبارک ان سے تقریباً پانچ سال زائد تھی۔ قرآن مجید میں صحابہ کرام میں سے صرف ان کا نام مذکور ہے۔ ارشاد ہے فَلَمَّا قَضَىٰ زَيْدٌ مِّنْهَا وَطَرًا ان سے انکے صاحبزادے حضرت اُسامہ اور دیگر حضرات نے روایت کی ہے۔

(۳) عرفہ۔ نویں ذوالحجہ کو بھی کہتے ہیں اور عرفات کو بھی جیسا یہ حدیث اور دوسری احادیث کے ظاہر سے متبادر ہے تصریح ہے عرفہ سے چلے۔ اور اصفہانی نے کہا عرفہ صرف نویں ذوالحجہ کو کہتے ہیں۔ علامہ عینی نے اسی کو صحیح کہا۔ عرفہ ہمیشہ بغیر الف لام اور تنوین کے آتا ہے۔ عرفات اس جگہ کا نام ہے جہاں وقوف عرفہ ہوتا ہے۔ یہ حقیقت میں جمع ہے۔ فرّاء نے کہا اس کا کوئی واحد نہیں اس کو عرفات اور اس دن کو عرفہ کہنے کی وجہ یہ ہے کہ حضرت آدم اور حوّا کی یہیں نویں ذوالحجہ کو ملاقات ہوئی ایک نے دوسرے کو پہچانا یا اس لئے کہ جبریل امین نے اسی جگہ اسی تاریخ حضرت ابراھیم علیہ السلام کو مناسک حج کی تعلیم دی۔

(۴) شعب۔ پہاڑوں کے درمیان کے راستے کو کہتے ہیں یہاں مراد وہ راستہ ہے جو حاجیوں کے لئے عرفات سے مزدلفہ جانے کے لئے مقرر ہے۔

فَبَالَ ثُمَّ تَوَضَّأَ وَلَمْ يُسْبِغِ الْوُضُوءَ فَقُلْتُ الصَّلٰوةَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ، قَالَ الصَّلٰوةُ

اور پیشاب فرمایا پھر وضو فرمایا مگر پورا وضو نہیں فرمایا میں نے عرض کی یا رسول اللہ نماز! فرمایا نماز

أَمَامَكَ فَرَكِبَ فَلَمَّا جَاءَ الْمُزْدَلِفَةَ نَزَلَ فَتَوَضَّأَ فَأَسْبَغَ الْوُضُوءَ ثُمَّ أُقِيمَتِ

تیرے آگے ہے۔ پھر سوار ہوئے جب مزدلفہ آگیا تو سواری سے اترے وضو فرمایا اور پورا وضو فرمایا اس کے بعد اقامت

(۵) اسباغ کے معنی پورے کرنے کے ہیں یہاں لم یسبغ الوضوء سے مراد یا تو یہ ہے کہ اعضاء وضو کو صرف ایک ایک بار دھویا یا مراد یہ ہے کہ عادت کریمہ کے مطابق نہیں بلکہ اس سے کم دھویا بعض لوگوں نے اس سے وضو لغوی مراد لیا۔ یہ صحیح نہیں۔ اس لئے کہ اس وضو کے بعد حضرت اسامہ نے عرض کیا۔ کیا نماز پڑھیں گے اس سے معلوم ہوا کہ یہ وضو ایسا تھا کہ اس سے نماز صحیح ہوتی اس سے زیادہ حیرت انگیز یہ قول ہے کہ اس سے کچھ لوگوں نے استنجا مراد لیا ہے۔ حدیث کا یہ لفظ ولم یسبغ الوضوء اس کے خلاف پر نص ہے۔ استنجا کے نا تمام کرنے کا کوئی معنی یہاں نہیں۔ نیز پھر اس گذارش کا بھی محل نہیں کہ کیا نماز پڑھنی چاہتے ہیں علاوہ ازیں باب الطہارات میں تصریح ہے فجعلت اصب علیہ یتوضاء۔ میں پانی ڈالتا رہا اور حضور وضو فرماتے رہے استنجا کے لئے پانی ڈالنے کا کیا مطلب ؟ ۔ یہ وضو اس لئے فرمایا کہ عادت کریمہ تھی کہ اکثر اوقات باوضو رہتے اور اس موقع پر راستے میں ذکر مسنون ہے اور ذکر کے لئے وضو مستحب ہے۔

(۶) مزدلفہ۔ عرفات اور منیٰ کے مابین ایک میدان کا نام ہے اس کا مصدر ازدلاف ہے۔ جس کا مادہ زلف ہے۔ زلف کے معنی قریب کرنے اور اکٹھا کرنے کے ہیں چونکہ یہاں جمع ہو کر حجاج قرب الٰہی حاصل کرتے ہیں اس لئے اس کا نام مزدلفہ پڑا۔ نیز تمام دنیا کے حجاج یہاں اکٹھا ہوتے ہیں اس لئے اسکو مزدلفہ کہنے لگے اس کا دوسرا نام جمع بھی ہے اس کا سبب ایک تو یہی ہے کہ لوگ اکناف عالم سے آکر یہاں جمع ہوتے ہیں دوسری وجہ یہ ہے کہ حضرت آدم و حوا نے یہاں اکٹھے رات گذاری تھی۔

(۷) امام بخاری نے اسباغ الوضو کا باب باندھا تھا وہ حدیث کے اس ٹکڑے کے مطابق ہے فاسبغ الوضوء۔ علامہ ابن حجر نے امام احمد بن حنبل کی زیادات مسند کے حوالے سے بروایت حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ یہ نقل فرمایا ہے کہ یہ دوسرا وضو حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے آب زمزم سے کیا تھا۔ آب زمزم سے یہ وضو یا تو اس لئے تھا کہ دوسرا پانی موجود نہ تھا یا بیان جواز کے لئے تھا ورنہ دوسرا پانی ہوتے ہوئے آب زمزم سے وضو نہیں چاہیئے بعض حضرات نے کہا اس حدیث سے ثابت ہوا کہ ایک وضو سے کوئی نماز نہ پڑھی ہو پھر بھی دوبارہ وضو کر سکتے ہیں مگر یہ استدلال درست نہیں۔ ہو سکتا ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو حدث ہو گیا ہو۔ لیکن جب حدث پر کوئی قرینہ نہیں اور اس کے معارض کوئی نص نہیں تو حدث ہو جانے کا قول بلا دلیل ہونے

الصَّلٰوۃُ فَصَلَّی الْمَغْرِبَ ثُمَّ اَنَاخَ کُلُّ اِنْسَانٍ بَعِیْرَہٗ فِیْ مَنْزِلِہٖ ثُمَّ اُقِیْمَتِ الْعِشَاءُ

کہی گئی حضور نے مغرب کی نماز پڑھی پھر ہر شخص نے اپنے اونٹ کو اپنے پڑاؤ پر بٹھایا۔ اس کے بعد عشار کی

فَصَلّٰی وَلَمْ یُصَلِّ بَیْنَھُمَا علہ

اقامت ہوئی اور آنحضور نے نماز پڑھی اس مغرب اور عشار کے مابین کوئی نماز نہیں پڑھی

کی وجہ سے ساقط ہے۔ صحیح یہی ہے صرف مجلس بدل جانے کے بعد وضو ہوتے ہوئے وضو کرنا جائز ہے جیساکہ ردالمحتار میں ہے اور حدیث "من زاد او نقص فقد تعدی وظلم" کی تاویل یہ ہے کہ اس سے مراد تین سے کم یا تین سے زیادہ کو جو سنّت اعتقاد کرے اس نے تعدی اور ظلم کیا اور ظاہر ہے کہ تین بار سے کم اعضا دھونا نہ تعدی ہے نہ ظلم۔ تو تین بار سے زیادہ دھونے کو تعدی اور ظلم قرار دینا اس حدیث کی رو سے کسی طرح درست نہیں لامحالہ اعتقاد ہی پر محمول کرنا ضروری ہے

⑧ حاجی کے لئے عرفات سے سورج ڈوبتے ہی مزدلفہ چل دینا واجب ہے۔ اسے جائز نہیں کہ عرفات میں یا راستے میں نماز مغرب پڑھے۔ اس دن مغرب کا وقت مزدلفہ پہونچنے کے بعد عشار ہی کا وقت ہے اس پر یہ حدیث نص ہے عشار کا وقت ہونے کے بعد ایک اذان اور ایک اقامت سے مغرب اور عشار ساتھ ساتھ پڑھی جائے گی درمیان میں مغرب کی سنتیں بھی پڑھنی جائز نہیں بعد عشار پڑھیں۔ اس حدیث میں، ثم اقیمت العشاء سے مراد، عشار پڑھنا ہے اس پر مفصل گفتگو کتاب الحج میں ہوگی۔

⑨ اس حدیث سے ثابت ہوا کہ مفضول اور خادم اپنے سے افضل اور مخدوم کی خدمت میں ضروری بات عرض کرسکتا ہے۔ نیز کتاب الطہارۃ کی روایت فجعلت اصب سے معلوم ہوا کہ یہ بھی جائز ہے کہ وضو کے لئے کوئی دوسرا، اعضار پر پانی گرائے۔

علہ ایضا بخاری۔ طہارت۔ الرجل یوضی صاحبہ۔ حج نزول بین عرفۃ وجمع۔ مسلم طہارت ۱۳۷ و ۲۴۰، مسافرین ۴۱۰۔ مناسک ۶۳۔ ابو داؤد، حج۔ نسائی امامت ۵۲ مسند امام احمد۔

حدیث (۱۰۲) المضمضۃ والاستنشاق من غرفۃ

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْھُمَا اَنَّہٗ تَوَضَّأَ فَغَسَلَ وَجْھَہٗ اَخَذَ غُرْفَۃً مِّنْ

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ انھوں نے وضو کیا اپنے چہرے کو دھویا ایک چلو پانی لے کر

مَّاءٍ فَتَمَضْمَضَ بِھَا وَاسْتَنْشَقَ ثُمَّ اَخَذَ غُرْفَۃً مِّنْ مَّاءٍ فَجَعَلَ بِھَا ھٰکَذَا

اس سے کلی بھی کی اور اسے ناک میں بھی ڈالا پھر دوسرا چلو لیا اور ایسے کیا یعنی اس ہاتھ کو

اَضَافَھَا اِلٰی یَدِہِ الْاُخْرٰی فَغَسَلَ بِھَا وَجْھَہٗ ثُمَّ اَخَذَ غُرْفَۃً مِّنْ مَّاءٍ فَغَسَلَ

دوسرے ہاتھ سے ملایا اور اس سے اپنا چہرہ دھویا پھر ایک چلو پانی لیا اس سے اپنا داہنا ہاتھ دھویا

تشریحات (۱۰۲)

غرفۃ اسم مصدر راسم مفعول مغروف کے معنی میں ہے ہتھیلی بھر جسے چلو کہتے ہیں غرفۃ غین کے فتحے کے ساتھ اگر ہو تو اس کے معنی ہوتے ہیں ایک مرتبہ چلو میں پانی لینا۔

مضمض تمضمض کے معنی منھ میں پانی لے کر پورے منھ میں گھمانے کے ہیں جسے کلی کرنا کہتے ہیں۔ استنشق کے معنی ناک میں پانی ڈال کر چھنکنے کے ہیں۔

تکمیل ابوداؤد میں ابتدائی حصہ یہ ہے۔ حضرت ابن عباس نے حاضرین سے فرمایا کیا تم چاہتے ہو کہ تم کو دکھاؤں، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کیسے وضو فرماتے تھے پھر پانی کا ایک طشت منگایا۔

(۱) اس سے یہ نہیں مراد کہ پہلے منھ دھویا پھر کلی وغیرہ کی بلکہ منھ اور ناک بھی چہرے ہی کے اجزاء ہیں یہاں کل اجزاء مراد ہیں جس کی تفسیر مضمض واستنشق سے کی۔

(۲) یہ بھی جائز ہے کہ ایک چلو پانی سے کلی بھی کی جائے اور ناک میں بھی ڈالا جائے مگر افضل یہ ہے کہ ہر ایک کے لئے الگ الگ پانی لیا جائے جیسا کہ ابوداؤد اور طبرانی میں ہے فاخذ لکل واحد ماء جدیداً۔ ہر ایک کے لئے نیا پانی لیا اور سنت یہ ہے کہ دونوں داہنے ہاتھ سے کیا جائے جیسا کہ سیدنا امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ انھوں نے حضرت معاویہ کے روبرو داہنے ہاتھ سے ناک میں پانی ڈالا۔ حضرت معاویہ نے کہا تم کو سنت نہیں معلوم فرمایا سنت ہمارے گھر سے نکلی اور ہمیں سنت نہ جانیں؟۔

اما علمت ان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قال — تمہیں نہیں معلوم کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا

الیمین للوجہ والیسار للمقعد۔ — داہنا ہاتھ چہرے کے لئے اور بایاں استنجے کے لئے۔

بِهَا يَدَهُ الْيُمْنٰى ثُمَّ اَخَذَ غُرْفَةً مِنْ مَّاءٍ فَغَسَلَ بِهَا يَدَهُ الْيُسْرٰى ثُمَّ مَسَحَ

پھر ایک چلو پانی لیا اور اس سے بایاں ہاتھ دھویا پھر اپنے سر پر مسح کیا

بِرَاسِهٖ ثُمَّ اَخَذَ غُرْفَةً مِنْ مَّاءٍ فَرَشَّ عَلٰى رِجْلِهِ الْيُمْنٰى حَتّٰى غَسَلَهَا ثُمَّ

پھر ایک چلو پانی لیا اور اسے داہنے پاؤں پر چھڑکا یہاں تک کہ اسے دھویا

(۳) اس نسخے میں فغسل بھا ہے۔ ھاء کا مرجع غرفہ ہے۔ اصیلی اور کریمہ کی روایت میں نغسل بھما ہے یعنی دونوں ہاتھوں سے منھ دھویا چونکہ ایک ہی چلو پانی سے ایک ہی ہاتھ سے منھ دھونا متعذر تھا اور خلاف سنت بھی اسلئے دونوں ہاتھ ملا کر چہرہ دھویا۔

(۴) یہاں سر کے مسح کے لئے جدید پانی لینے کا تذکرہ نہیں اس سے ظاہر ہے کہ سر کے مسح کے لئے نیا پانی نہیں لیا مگر بخاری کی روایت میں اختصار ہے۔ ابو داؤد میں ہے پھر ایک مٹھی پانی لے کر چھڑک دیا اور اس سے اپنے سر اور کانوں کا مسح کیا۔ نسائی میں ہے کہ دونوں کانوں کا ایک بار مسح کیا اندرونی حصے پر کلمے کی انگلی سے اور باہری حصے پر اپنے انگوٹھوں سے۔ ابن خزیمہ کی روایت میں ہے انگلیوں کو کان میں داخل فرمایا۔ اعضاء دھونے کے بعد ہاتھوں میں جو تری رہ جاتی ہے اس سے احناف کے یہاں سر کا مسح جائز ہے اس پر یہ شبہہ کہ ہاتھ میں جو تری رہ جاتی ہے وہ ماء مستعمل ہے اور ماء مستعمل سے مسح جائز نہیں غلط ہے۔ اس لئے کہ پانی مستعمل اس وقت ہوتا ہے جب عضو سے جدا ہو جائے جب تک عضو پر ہے مستعمل نہیں۔ پوری تفصیل فتاویٰ رضویہ جلد اول میں دیکھیں ابو داؤد میں ہے۔

انہ علیہ الصلوٰۃ والسلام مسح راسہ بغیر اخذ ماء جدید بفضل ما کان فی یدہٖ۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے نیا پانی لئے بغیر ہاتھ میں جو تری تھی اس سے مسح فرمایا۔

(۵) رَشَّ کے معنی دھونے کے بھی ہیں جیسا کہ ترمذی شریف کی حدیث حضرت اسماء میں ہے۔

حتیہ ثم اقرصیہ ثم رشیہ وصلی فیہ۔ اسے ملو پھر چٹکی سے کھرچو پھر دھوو اور اسی میں نماز پڑھو۔

اس کے علاوہ اور احادیث میں بھی وارد جنکا بیان ایسے موقع پر ہوگا۔ اگرچہ یہاں دھونے کے معنی میں متعین نہیں بلکہ بظاہر یہی مراد ہے کہ پانی کو پاؤں پر ڈالا اور اسے دھویا جیسا کہ حتی غسلہا سے ظاہر ہے۔ ابو داؤد کی روایت میں یہاں یوں ہے پانی اپنے داہنے قدم پر چھڑکا اس میں نعل مبارک بھی تھی پھر اسے دونوں ہاتھوں سے مسح کیا ایک ہاتھ سے قدم کے اوپر اور ایک ہاتھ سے نعل کے اندر۔ اور مسح کے معنی ہاتھ پھیرنے کے ہیں تو اس کا مفاد یہ ہوا کہ قدم پر پانی چھڑک کہ ہاتھ پھیر دیا اس کا جواب یہ ہے کہ ابو داؤد کی اس روایت میں مسح دھونے کے معنی میں ہے۔ علامہ عینی نے ابن الاعرابی اور ابو زید

أَخَذَ غُرْفَةً أُخْرَىٰ فَغَسَلَ بِهَا يَعْنِي رِجْلَهُ الْيُسْرَىٰ ثُمَّ قَالَ هٰكَذَا رَأَيْتُ

دوسرا چلو لیا اور اس سے بائیں پاؤں کو دھویا پھر فرمایا رسول اللہ صلی اللہ

رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالَىٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَتَوَضَّأُ ۔ ۱

تعالیٰ علیہ وسلم کو ایسے ہی وضو کرتے دیکھا ہے۔

(۱۰۳) حدیث، لو ان احدکم اذا اتی اھلہ

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالَىٰ عَنْهُمَا يَبْلُغُ بِهِ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالَىٰ عَلَيْهِ

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے وہ اسے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تک پہونچاتے ہیں

وَسَلَّمَ قَالَ لَوْ أَنَّ أَحَدَكُمْ إِذَا أَتَىٰ أَهْلَهُ قَالَ بِسْمِ اللّٰهِ اَللّٰهُمَّ جَنِّبْنَا الشَّيْطَانَ

کہ حضور نے فرمایا تم میں سے کوئی جب اپنے اہل کے پاس ۱ آئے تو یہ پڑھے بسم اللہ۔ اے اللہ ہمیں اور جو اولاد ہمیں

انصاری کا یہ قول نقل فرمایا۔

المسح فی کلام العرب یکون غسلا ویکون مسحا کلام عرب میں مسح کے معنی دھونے کے بھی ہیں اور مسح کے بھی

ومنہ یقال للرجل اذا توضأ فغسل اعضاءہ کو جب وضو کرتا اپنے اعضاء کو دھولیتا ہے تو کہا جاتا ہے

قد تمسح۔ قد تمسح

اور ایک حدیث دوسرے کی تفسیر ہوتی ہے یہاں بخاری میں حتی غسلہا ہے تو ابوداؤد کی روایت میں مسح بمعنی غسل متعین ہوگیا۔

احکام اس حدیث سے ثابت ہوا کہ صرف ایک بار اعضاء وضو کے دھو لینے کے بعد فرض ادا ہو جاتا ہے اور اس سے نماز درست ہے نیز یہ ثابت ہوا کہ وضو میں پاؤں دھونا فرض ہے صرف مسح کافی نہیں۔

تشریحات (۱۰۳)

لغات جنبنا باب تفعیل سے ہے اس کا مادہ جنب ہے۔ تضعٰی کا مصدر "تضا" ہے۔ اس کے متعدد معانی ہیں۔ حکم، حاجت پوری کرنی، مار ڈالنا، ذمے جو چیز واجب تھی اسے ادا کیا۔ پہونچانا۔ مقدر کرنا۔ یہاں یہی اخیر مقدر کرنا مراد ہے۔

(۱) اس سے مراد یہ ہے کہ جب ارادہ کرے جیسا کہ بخاری کی دوسری روایتوں میں ہے کشف عورت سے پہلے یہ دعا

علہ ایضا ابوداؤد ونسائی، طہارت، ابن ماجہ۔ مسند امام احمد۔

وَجَنِّبِ الشَّيْطَانَ مَا رَزَقْتَنَا فَقُضِيَ بَيْنَهُمَا وَلَدٌ لَمْ يَضُرَّهُ ۔ع

عطا فرمائے اسے بھی شیطان سے بچائے رکھ اب اگر کوئی اولاد ہوگی تو شیطان اسے ضرر نہ پہونچا سکے گا ۔

۱۰۴) حدیث، اذا اراد ان یدخل الخلاء

عَنْ عَبْدِ الْعَزِيزِ بْنِ صُهَيْبٍ قَالَ سَمِعْتُ أَنَسًا يَقُولُ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ

عبدالعزیز بن صہیب نے کہا میں حضرت انس کو یہ کہتے سنا کہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

پڑھے اس حدیث سے امام بخاری کا مقصود یہ ہے کہ جب ایسے وقت میں بھی بسم اللہ پڑھنا سنت ہے تو وضو اور دیگر امور میں بدرجہ اولی سنت ہوگا ائمہ اربعہ کے نزدیک ابتداء وضو میں بسم اللہ پڑھنا سنت ہے البتہ اسحٰق بن راہویہ اور کچھ زمانہ حال کے غیر مقلدین اسے واجب کہتے ہیں کہ اگر کسی نے بسم اللہ پڑھے بغیر وضو کیا تو وضو نہ ہوگا اس وضو سے نماز بھی نہ ہوگی ان کی دلیل حضرت ابوہریرہ کی یہ حدیث ہے ۔ لا وضوء لمن لا یذکر اسم اللہ جس نے بسم اللہ نہ پڑھی اس کا وضو نہیں ۔ یہ حدیث اگرچہ متعدد طرق سے مروی ہے ابو داؤد امام احمد نے بھی روایت کیا ہے مگر ہر طریقہ مجروح ہے امام ترمذی اور بزار نے کہا کہ اس باب میں کوئی صحیح حدیث نہیں جس کا اعتراف غیر مقلدین کے معلم ثانی شوکانی صاحب کو بھی ہے (نیل الاوطار ص۱۴۹ ج۱) علاوہ ازیں لا کمال نفی کیلئے مستعمل، اور وضوء میں کمال یہ ہے کہ ہر وجہ مسنون ہو اور جب بسم اللہ نہیں پڑھی تو ایک سنت نہ ادا ہونے سے کچھ نقص رہا ۔

(۲) حق یہ ہے کہ یہ اپنے عموم پر ہے اسے شیطان نہ دنیوی ضرر پہونچا سکے گا نہ دینی نہ جسمانی نہ روحانی لیکن تاثیر، پڑھنے والے کے حضور قلب اعتماد علی اللہ اور اسکے احوال کے اعتبار سے کبھی ہوتی ہے اور ان میں کسی بعض یا کل کے نقدان سے تاثیر نہیں ہوتی ۔

تشریحات ۱۰۴

لغات ○ اعوذ اس کا مصدر عوذ ہے اس کے معنی پناہ لینے کے ہیں ۔ خبث ۔ خطابی نے کہا یہ لفظ خاء اور باء کے ضمے کے ساتھ ہے کچھ لوگوں نے کہا خاء کے ضمے کے ساتھ اور باء کے سکون کے ساتھ ہے یہ غلط ہے ۔ صحیح وہی

ع ایضا بخاری بدء الخلق، صفۃ ابلیس وجنودہ ص۴۶۳ ج۱ نکاح مایقول اذا اتی اہلہ ص۷۷۶ ج۲ دعوات مایقول اذا اتی اہلہ ص۹۴۵ ج۲ کتاب التوحید اسماء اللہ مائۃ الا واحدۃ ص۱۱ مسلم طلاق ابو داؤد نکاح ۵ ۴ ترمذی نکاح ۶ نسائی عشرۃ النساء وعمل الیوم واللیلۃ ۔ ابن ماجہ ۲۷ داری نکاح ۹ ۲ مسند امام احمد ۔

تعالیٰ علیہ وسلم اذا دخل الخلاء قال اللھم انی اعوذبک من الخبث والخبائث

جب بیت الخلاء جاتے تو یہ پڑھتے اے اللہ میں تیری پناہ چاہتا ہوں خبث اور خبائث سے

ہے دونوں کے ضمے کے ساتھ مگر علامہ عینی نے تحقیق کی کہ یہ دونوں صحیح ہے علامہ توریشی نے فرمایا بہتر یہی ہے کہ دونوں کے ضمے کے ساتھ پڑھا جائے تاکہ الخبث مصدر کے ساتھ اشتباہ نہ ہو۔ خبث، خبیث کی اور خبائث، خبیثۃ کی جمع ہے۔ مراد شیاطین کے نر و مادہ دونوں ہیں۔

شرح السنۃ میں ہے کہ الخبث کے معنی کفر اور خبائث کے معنی شیاطین کے ہیں۔ ابن بطال نے کہا الخبث ہر شی کو عام ہے اور خبائث سے شیاطین مراد ہیں۔ خلاء مد کے ساتھ اس کے معنی خالی جگہ ہے۔ اور عرف میں قضاء حاجت کی جگہ کو کہتے ہیں اس لئے کہ وہ اکثر حالات میں خالی رہتا ہے۔

(۱) یہاں مراد یہ ہے کہ جب بیت الخلاء میں جانے کا ارادہ فرماتے جیسا کہ خود امام بخاری نے سعید بن زید کے طریقے سے روایت کی ہے اذا اراد ان یدخل الخلاء حکم یہ ہے کہ اگر بیت الخلاء کی کوئی عمارت ہو تو عمارت میں داخل ہونے سے پہلے یہ دعا پڑھے اور اگر میدان میں قضاء حاجت کرتا ہے تو ستر کھولنے سے پہلے پڑھے۔ بیت الخلاء میں داخل ہونے کے یا ستر کھولنے کے بعد دعا ہرگز نہ پڑھے۔

(۲) اس دعا پڑھنے کی حکمت یہ ہے کہ خالی جگہیں خصوصاً ناپاک، شیاطین کی رہائش گاہ ہوتی ہیں اور قضاء حاجت کے وقت کوئی دعا پڑھی نہیں جا سکتی اور شیاطین انسان کو نقصان پہونچانے کے لئے ہر وقت درپے ہوتے ہیں تو حکم ہوا کہ پہلے ہی دعا پڑھ لے تاکہ وہ کوئی ضرر نہ پہونچا سکیں۔

ایک توجیہ یہاں شارحین نے یہ بحث چھیڑ دی کہ امام بخاری نے وضو کا بیان شروع فرمایا تھا ابھی وضو کا مکمل بیان نہ ہوا کہ بیت الخلاء کا ذکر چھیڑ دیا پھر وضو کے بقیہ مسائل کا ذکر فرمایا۔ اس کا کچھ لوگوں نے یہ جواب دیا کہ امام بخاری کا مقصود احادیث کا ذکر کرنا ہے ابواب ضمنی طور پر مذکور ہیں ان کے مابین کوئی خاص مناسبت ضروری نہیں۔ علامہ ابن حجر اور علامہ عینی دونوں نے اس کا رد فرمایا اور یہ بات بھی واقعہ کے خلاف ہے محققین کا کہنا ہے فقہ البخاری فی الابواب اور بنظر دقیق سارے ابواب مرصع ہار کی موتیوں کی طرح متناسب ہیں البتہ ان کے تناسب کا جاننا سب کا کام نہیں دونوں

ع ایضا بخاری دعوات، الدعا عند الخلاء ص ۹۳۶/۲ مسلم حیض، ۱۲۲ ابوداؤد طہارت ۳ ترمذی طہارت ۴ نسائی طہارت ۱۷ ابن ماجہ طہارت ۹ دارمی ۱، و مسند امام احمد۔

نے ذوق کے مطابق جوابات دیے ہیں۔ میرے ذوق پر بات یہ ہوئی کہ وضو کیلئے تسمیہ کا بیان ضروری تھا مگر امام بخاری کو ان کے شرط پر کوئی حدیث نہیں ملی جیسا کہ ہم اوپر ذکر کر آئے کہ کوئی صحیح حدیث اس باب میں ہے ہی نہیں تو انھوں نے دیر والی حدیث سے قیاس کر کے وضو میں تسمیہ کے مشروع ہونے پر استدلال فرمایا اور باب میں اس کی طرف اشارہ کرنے کے لئے التسمیۃ علی کل حال کہہ کر اشارہ فرمایا جس طرح بات میں بات نکلتی ہے التسمیۃ علی کل حال سے ذہن اس طرف گیا کہ بیت الخلاء جاتے وقت کی بھی دعا ہے تو اس کا باب باندھا پھر جب بیت الخلاء کا ذکر چھڑ گیا تو اسکے متعلق دوسرے ابواب باندھے اس سے فارغ ہو کر اصل باب یعنی وضو کی تفصیلات بیان فرمائیں۔

(۳) حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا استعاذہ امت کی تعلیم کے لئے تھا اور اظہار عبودیت کے لئے ورنہ باجماع امت شیاطین واجنہ سے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم محفوظ ہیں شیاطین کو حضور پر کوئی بھی قدرت نہیں۔ مشہور واقعہ ہے کہ ایک شیطان کو پکڑ کر مسجد کے ستون میں باندھ دیا تھا۔

مستحب یہ ہے کہ اس دعا کے پہلے بسم اللہ بھی پڑھے جیسا کہ دوسری احادیث میں آیا ہے۔ معمری نے مسلم کی شرط پر حدیث مذکور بطریق عبد العزیز بن مختار عبد العزیز بن صہیب سے یوں روایت کی اذا دخلتم الخلاء فقولوا بسم اللہ اعوذ الخ کتاب ابن عدی میں ہے کہ سعید بن زید نے کہا کان النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اذا دخل الکنیف قال بسم اللہ ثم یقول اللھم انی اعوذ بک اھ۔ اس حدیث پر کلام کیا گیا ہے مگر جب یہ مضمون ایک حدیث صحیح سے ثابت ہے تو مدعی پر کوئی اثر نہیں پڑے گا۔

بیت الخلاء سے باہر آنے کے بعد کی بھی مختلف دعائیں احادیث میں آئی ہیں مگر ان میں کوئی بھی امام بخاری کی شرط پر نہیں تھیں۔ اس لئے اس کو ذکر نہیں کیا۔ ترمذی حاکم ابن حبان۔ ابن خزیمہ ابن ابی الجارود ابو علی طوسی نے ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جب بیت الخلاء سے نکلتے تو پڑھتے ,,غفرانک ابن ماجہ نے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی حضور جب بیت الخلاء سے باہر آتے تو یہ دعا پڑھتے الحمد للہ الذی اذھب عنی الاذیٰ وعافانی دارقطنی نے حضرت ابن عباس سے یہ دعا مرفوعاً نقل فرمائی الحمد للہ الذی اخرج عنی ما یوذینی وامسک ما ینفعنی۔ نیز دارقطنی ہی نے حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مرفوعاً یہ دعا روایت کی الحمد للہ الذی اذاقنی لذتہ وابقی علی قوتہ واذھب عنی اذاہ۔

بیت الخلاء سے باہر آنے کے بعد طلب مغفرت میں حکمت یہ ہے کہ شرمگاہ پر نظر پڑنے سے وسواس آنے کا خطرہ قوی ہوتا ہے عام انسان اس سے بمشکل بچ پاتے ہیں۔ فارغ ہونے کے بعد استغفار کی تعلیم دی تاکہ وہ دور ہو جائیں۔

(۱۰۵) حدیث، وضع الماء عند الخلاء

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالَىٰ عَنْهُمَا أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالَىٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

دَخَلَ الْخَلَاءَ فَوَضَعْتُ لَهُ وَضُوْءًا قَالَ مَنْ وَّضَعَ هٰذَا فَأُخْبِرَ فَقَالَ

بیت الخلا میں تشریف لے گئے میں نے وضو کا پانی رکھا دریافت فرمایا کس نے رکھا ہے حضور کو جب بتایا گیا تو یہ دعا

اَللّٰهُمَّ فَقِّهْهُ فِي الدِّيْنِ [۱]

فرمائی اے اللہ اسے دین میں سمجھ عطا فرما

(۱۰۶) حدیث، اذا اتی احدکم الغائط فلا یستقبل القبلة

عَنْ أَبِي أَيُّوْبَ الْأَنْصَارِيِّ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالَىٰ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ

حضرت ابوایوب[۱] انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا

تشریح (۱۰۵)

یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی ذہانت و ذکاوت تھی کہ بغیر حکم کے از خود پانی رکھ دیا۔ اس پر مسرور ہو کر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یہ دعا دی اس کی برکت سے یہ حبرامّت ہو گئے اس سے معلوم ہوا کہ اکابر کی خدمت بغیر حکم کے بھی کرنی چاہیئے اور مخدوم کو چاہیئے کہ اس کے عوض خادم کو دعائے خیر دے اکابر کیلئے استنجا، وضو اور دیگر ضروریات کیلئے پانی رکھنا بہتر ہے اور زیادہ مناسب یہ ہے کہ یہ کام چھوٹوں سے لیا جائے۔

تشریحات (۱۰۶)

(۱) حضرت ابوایوب۔ خالد بن زید بن کلیب بن ثعلبہ بن عبد عوف بن غنم الانصاری نجاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ یہ وہ فخر روزگار صحابی ہیں جنھیں ابتداء ہجرت میں ایک ماہ تک میزبان دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی میزبانی کی سعادت حاصل ہوئی۔ یہ اجلّہ صحابہ میں سے ہیں مدینے کے مشہور معزز قبیلے بنی نجار کے چشم و چراغ ہیں یہ وہی قبیلہ جس میں حضور کے دادا عبدالمطلب کی ننھیال تھی حضرت ابوایوب عقبۂ ثانیہ اور غزوۂ بدر میں شریک ہوئے آپ ہی محارب

[۱] ایضا مسلم فضائل ابن عباس، نسائی مناقب مسند امام احمد۔

تعالیٰ علیہ وسلم اذا اتی احدکم الغائط فلا یستقبل القبلۃ ولا یولہا ظہرہ

جب تم میں سے کوئی بیت الخلاء میں آئے تو قبلہ کو نہ منہ کرے اور نہ پیٹھ کرے

میں آپ ہمیشہ حضرت علی کے ساتھ رہے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا۔ میری امت کا پہلا لشکر جو قیصر کے دارالسلطنت قسطنطنیہ پر حملہ آور ہوگا اس کے گناہ معاف کردیئے جائیں گے جب حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے قسطنطنیہ پر پہلا لشکر بھیجا تو اس بشارت کی سعادت حاصل کرنے کے لئے اکابر صحابہ بھی ساتھ ہوئے ان میں حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی تھے عین معرکہ کے وقت بیمار ہوئے جب امید زیست نہ رہی تو ساتھیوں سے فرمایا دشمن کی زمین میں جتنے قریب ہوسکے مجھے دفن کرنا قسطنطنیہ کی فصیل کے نیچے قبر کھودی گئی رات میں دفن کئے گئے رومیوں نے پوچھا کیا کر رہے ہو۔ اس لشکر میں یزید پلید بھی شریک تھا اس نے جواب دیا ہمارے رسول کے میزبان معزز صحابی کی وفات ہوگئی ہے ان کو دفن کر رہے ہیں اگر انکی قبر سثائی گئی تو عرب میں ناقوس نہ بج پائے گا اب تک ان کا مزار پر انوار قسطنطنیہ میں موجود ہے اگر بارش نہیں ہوتی تو ان کے مزار پر حاضر ہو کر دعا کرتے ہیں تو بارش ہوتی ہے (عینی) ان سے ایک سو پچاس احادیث مروی ہیں سات متفق علیہ تنہا بخاری نے صرف ایک روایت کی ہے۔

تکمیل کتاب الصلوٰۃ قبلۃ اہل المدینہ ص۵۸ پر اتنا زائد ہے حضرت ابوایوب نے فرمایا جب ہم شام میں آئے تو قدمچوں کو ہم نے کعبے کے رخ بنا ہوا دیکھا ہم ہٹ جاتے اور اللہ سے مغفرت چاہتے۔ بخاری کے علاوہ یہ اضافہ ترمذی میں بھی ہے نسائی میں کچھ تغیر کے ساتھ یوں ہے کہ ان قدمچوں کو دیکھ کر حضرت ایوب نے فرمایا بخدا میں نہیں جان سکا کہ انکے ساتھ کیا کروں۔

توجیہ فننحرف عنہا میں چار احتمالات ہیں ایک یہ کہ عنہا کی ضمیر کا مرجع قبلہ کو مانا جائے تو دو احتمال ہے ایک یہ کہ ہم قبلہ رو سے پوری طرح انحراف کرکے بیٹھتے۔ دوسرا یہ کہ جہاں تک انحراف ممکن تھا کرتے یا ضمیر کا مرجع مراحیض کو مانا جائے تو تیسرا احتمال یہ ہوا کہ ہم ان قدمچوں کی پابندی نہ کرتے ترچھے بیٹھتے یا ہم ان پائخانوں کو استعمال نہ کرتے ان سے ہٹ آتے

نستغفر اللہ سے مراد یہ ہے کہ چونکہ یہ پائخانے قبلہ رخ بنے تھے ان کی شناعت پر استغفار کرتے یا چونکہ ممانعت بسمت قبلہ رخ کرنے کی ہے بقدر امکان ترچھے بیٹھنے پر سمت قبلہ رخ ہو ہی جاتا اس لئے استغفار کرتے اور پہلی چوتھی تقدیر پر مراد یہ ہے کہ اپنے لئے نہیں ان پائخانوں کے بنانے والوں کے لئے استغفار کرتے اگر یہ معلوم ہوتا کہ اس کے بانی مسلمان ہیں۔

مطابقت امام بخاری نے اس حدیث پر جو باب باندھا ہے یہ ہے پائخانہ اور پیشاب کے وقت قبلہ کو منھ نہ کرے مگر عمارت میں یا دیوار وغیرہ کے قریب ۔ اس کے تحت جو حدیث نقل فرمائی ہے اس میں یہ استثنا نہیں وہ عام ہے اسکا جواب اسماعیلی نے یہ دیا کہ غائط کے لغوی معنی کشادہ نیچی زمین کے ہیں اور حدیث میں یہی مراد ہے اسلئے استثناء صحیح ہے علامہ ابن حجر نے فرمایا یہ سب سے قوی جواب ہے اس پر علامہ عینی نے یہ تعقب فرمایا کہ غائط کے عرفی معنی خارج شدہ نجاست کے ہیں عرف میں لغوی معنی مہجور ہو گیا ہے اب یہ اس معنی میں حقیقت عرفیہ ہو گیا اس لئے اس سے عدول جائز نہیں ۔ علاوہ ازیں بہت سی حدیثوں میں غائط کے ساتھ بول بھی مروی ہے ۔ غائط کا بول کے ساتھ ذکر معنی عرفی کو معین کر رہا ہے ۔ ورنہ یہ ارشاد مہمل ہو جائے گا ۔

ابن بطال نے یہ جواب دیا ہے اور ابن منیر نے بھی اس کی متابعت کی ہے کہ یہ استثناء بعد والی ابن عمر کی حدیث سے ماخوذ ہے اور چونکہ تمام احادیث مثل حدیث واحد کے ہیں جیسے قرآن مجید کی تمام آیات مثل ایک آیت کے ہیں اس لئے ایک حدیث سے دوسرے کی تخصیص درست ۔ علامہ عینی نے اس پر یہ فرمایا کہ پھر اسی حدیث کے ساتھ اس باب کو باندھتے ۔ ابن منیر نے ایک جواب یہ دیا کہ استقبال قبلہ میدان ہی میں ہوگا عمارت میں یا دیوار وغیرہ جبکہ حائل ہو تو استقبال نہ ہوا ۔ علامہ عینی نے فرمایا یہ درست نہیں ۔ آدمی گھر میں قبلہ کو منھ کرے یا میدان میں ہر جگہ قبلہ کو منھ ہوگا گھر میں دیوار حائل ہے تو میدان میں پہاڑ ٹیلے اور خود زمین حائل ہے ۔

آخر میں علامہ عینی نے فرمایا کہ چونکہ امام بخاری کے نزدیک یہ حدیث عام مخصوص منہ البعض ہے اس لئے ان کا یہ استثناء صحیح ہے ۔ جس کو یوں کہئے کہ باب باندھ کر امام بخاری نے یہ افادہ کرنا چاہا ہے کہ یہ حدیث عام نہیں مخصوص منہ البعض ہے اسی قسم کے افادات امام بخاری کے ابواب میں جگہ جگہ ہیں ۔

قبلہ کو منھ یا پیٹھ کر کے قضاء حاجت جائز نہیں اس سلسلے میں سات مذہب ہیں ۔

مذہب اول احناف کا مسلک یہ ہے کہ قضاء حاجت کے وقت قبلہ کی جانب منھ کرنا یا پیٹھ کرنا جائز نہیں ۔ خواہ گھر کے اندر ہو یا میدان میں اور یہی مذہب راوی حدیث حضرت ابو ایوب اور امام مجاہد اور امام نخعی و سفیان ثوری اور ابو ثور صاحب شافعی اور ایک روایت کے مطابق امام احمد کا بھی ہے احناف کی مستدل یہ حدیث ہے اور اس کے علاوہ دوسری احادیث بھی ہیں ۔

(۱) عبداللہ بن حارث سے روایت ہے کہ انھوں نے فرمایا ۔

انا اول من سمع النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سب سے پہلے میں نے سنا نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا قبلہ

شرقوا او غربوا

پورب کو منھ کرو یا پچھم کو۔

لا یبولن احدکم مستقبل القبلۃ وانا اول من حدث الناس بذلک

کی جانب منھ کرکے پیشاب مت کرو اور میں نے ہی سب سے پہلے لوگوں سے اسے بیان کیا۔

ابن حبان نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔

(۲) ابوداؤد اور ابن ماجہ میں معقل بن یسار رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے۔

نھی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ان نستقبل القبلتین ببول اوغائط۔

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پیشاب یا پائخانے کے وقت دونوں قبلوں کی طرف منھ کرنے سے منع فرمایا۔

دوسرا قبلہ بیت المقدس ہے اور تحقیق یہ ہے اہل مدینہ اور ایسے بلاد کے لئے خاص ہے جو بیت المقدس اور کعبے کے مابین ہیں۔

(۳) مسلم اور چاروں صحاح میں حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے۔

لقد نھانا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ان نستقبل القبلۃ بغائط او بول۔

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ہمیں منع فرمایا کہ ہم پیشاب یا پائخانے کے وقت قبلہ کو منھ کریں۔

(۴) مسلم ابوداؤد نسائی ابن ماجہ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی

انا منکم بمنزلۃ الوالد اعلمکم اذا اتی احدکم الغائط فلا یستقبل القبلۃ ولا یستدبرھا۔

میں تم پر باپ کی طرح شفیق ہوں تمہیں بتاتا ہوں کہ جب تم پائخانے میں آؤ تو قبلہ کو نہ منھ کرو نہ پیٹھ۔

یہ تمام احادیث عام ہیں نہ ان میں مکان کا استثناء ہے اور نہ میدان کی تخصیص اور مناط حکم بیت اللہ کی تعظیم ہے اس کی جانب منھ کرنے میں مکان و میدان سب برابر ہیں اگر مکان میں دیوار حائل ہے تو میدان میں پہاڑ اور ٹیلے بھی حائل ہیں۔ علاوہ ازیں عادت یہ ہے کہ انسان قضاء حاجت کسی نیچی جگہ کرتا ہے تو اگر مکان میں دیوار حائل ہے تو وہاں بھی حائل موجود ہے پھر جبکہ زمین کروی ہے تو درمیانی بلندی ہر جگہ حائل۔ تو لازم کہ مکان کی طرح میدان میں بھی ممانعت نہ رہے۔ اس عقلی استدلال سے قطع نظر کرتے ہوئے احادیث کے عموم اس کی دلیل ہیں کہ یہ حکم میدان کے ساتھ خاص نہیں۔ نیز منھ اور پیٹھ کرنے میں کوئی تفریق نہیں۔

ع ایضا بخاری صلوٰۃ، قبلہ اہل المدینہ ص۵۸، مسلم طہارت ۵۹، ابوداؤد طہارت ۴، ترمذی طہارت ۶، نسائی طہارت ۱۹، ابن ماجہ طہارت ۱۷،

مذہب ثانی مطلقاً جائز ہے یہ عروہ بن زبیر اور ربیعہ الرای اور داؤد کا مذہب ہے ان کی دلیل حدیث جابر ہے جیسے ابو داؤد و ترمذی ابن ماجہ ابن خزیمہ ابن حبان اور حاکم روایت فرماتے ہیں۔

نہانا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ان نستقبل القبلۃ او نستدبرھا ببول ثم رأیتہا قبل ان یقبض بعام یستقبلہا۔

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ہمیں منع فرمایا تھا کہ پیشاب کے وقت قبلہ کو منہ یا پیٹھ کریں پھر وصال سے ایک سال پہلے میں نے دیکھا کہ حضور قبلہ رو پیشاب کر رہے ہیں۔

اس سے ظاہر ہوا کہ ممانعت تھی مگر بعد میں منسوخ ہوگئی اس کا جواب یہ ہے کہ نسخ تعارض کے وقت ہوتا جبکہ تطبیق نہ ہوسکے اور یہاں تعارض ہی نہیں جسکی تفصیل ابھی آتی ہے۔

مذہب ثالث قبلہ کی جانب منہ کرنا کہیں بھی جائز نہیں نہ عمارت میں نہ میدان میں اور پیٹھ کرنا ہر جگہ مباح ہے حضرت امام اعظم سے ایک روایت مرجوحہ یہ بھی ہے۔ اس لئے کہ عام روایات میں صرف استقبال کی ممانعت ہے

مذہب رابع عمارت میں قبلہ کی طرف منہ کرنا اور پیٹھ کرنا دونوں جائز ہے میدان میں دونوں ناجائز۔

مذہب خامس قبلہ کی جانب منہ کرنا مطلقاً ممنوع البتہ عمارت میں ہو تو قبلہ کی جانب پیٹھ کرنا ممنوع نہیں صحرا میں منع ہے انکی دلیل بھی وہی حدیث ۱۵۰ ہے وہ اس طرح کہ اس میں عمارت میں قبلہ کی جانب پیٹھ کرنے کی روایت ہے اس سے ثابت کہ قبلہ کی جانب پیٹھ کرنی جائز ہے جبکہ عمارت میں ہو۔ اور منہ کرنا بہرحال حرام رہا۔ اور میدان میں پیٹھ کرنا بھی ممنوع رہا۔ ایک روایت کی بنا پر امام ابو یوسف کا یہی مذہب ہے۔

مذہب سادس کعبے کی طرف منہ یا پیٹھ کرنا مطلقاً تو منع ہے ہی بیت المقدس کی طرف بھی مطلقاً منع ہے جیسا کہ معقل بن یسار کی حدیث میں تصریح ہے یہ ابراہیم اور ابن سیرین کا مذہب ہے۔

مذہب سابع یہ عدم جواز اہل مدینہ کے ساتھ خاص ہے دوسری جگہوں کے لئے مطلقاً ممانعت نہیں یہ ابو عوانہ کا مذہب ہے انکی دلیل یہ ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا پورب کو منہ کرو یا پچھم کو۔ حالانکہ مکہ معظمہ کے پچھم یا پورب کے بلاد میں پورب یا پچھم منہ کرنے میں بیت اللہ کی طرف منہ یا پیٹھ ضرور ہوگی البتہ مدینہ طیبہ میں نہیں ہوگی تو معلوم ہوا کہ یہ حکم صرف اہل مدینہ کے ساتھ ہے

○ بخاری کی اس حدیث میں صرف منہ کرنے کی ممانعت ہے۔ مگر حضرت ابوہریرہ والی چوتھی حدیث میں تصریح ہے کہ ولا یستدبرھا اور نہ قبلے کو پیٹھ کرے اس لئے جس طرح قبلہ کو منہ کرنا منع ہے اسی طرح پیٹھ کرنا بھی منع ہے۔

استنجا کے اور احکام اگر میدان میں قضاء حاجت کیلئے جائے تو بہت دور نکل جائے یا پردہ کرے۔ جب

۱۰۷ حدیث ، ارتقیت علی ظھر بیت لنا

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا اَنَّهُ كَانَ يَقُوْلُ اِنَّ نَاسًا

عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالی عنہما سے مروی ہے کچھ لوگ کہتے ہیں کہ

يَقُوْلُوْنَ اِذَا قَعَدْتَ عَلٰى حَاجَتِكَ فَلَا تَسْتَقْبِلِ الْقِبْلَةَ وَلَا بَيْتَ الْمَقْدِسِ

جب تم قضاء حاجت کے لئے بیٹھو تو قبلہ اور بیت المقدس کی جانب منھ نہ کرو۔

فَقَالَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عُمَرَ لَقَدِ ارْتَقَيْتُ يَوْمًا عَلٰى ظَهْرِ بَيْتٍ لَّنَا فَرَاَيْتُ رَسُوْلَ

اس پر عبد اللہ بن عمر نے فرمایا میں ایک دن اپنے ایک گھر کی چھت پر چڑھا تو اچانک میری نظر پڑ گئی دیکھا کہ

اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلٰى لَبِنَتَيْنِ مُسْتَقْبِلًا بَيْتَ الْمَقْدِسِ

رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم قضاء حاجت کیلئے دو کچی اینٹوں پر بیت المقدس کی جانب منھ کئے بیٹھے ہیں

تک زمین کے قریب نہ ہو سے ستر نہ کھولے جیسا کہ حدیث میں ہے سر چھپائے حضرت ابو بکر کی سنت ہے۔ بات نہ کرے یہ حضرت عثمان سے مروی ہے بائیں ہاتھ سے استنجا کرے فراغت کے بعد مٹی سے ہاتھ مل کر دھوئے۔ یہ حدیث میں ہے۔ ڈھیلا استعمال کرے گوبر وغیرہ نجاست اور ہڈی نہ استعمال کرے کھڑے ہو کر پیشاب نہ کرے چاند یا سورج کی جانب منہ نہ ہو۔ حدیث میں ممانعت ہے جمع شدہ پانی میں راستے پر سایے میں پھلوں کے گرنے کی جگہ ندیوں نالوں تالابوں کے کنارے قضاء حاجت نہ کرے بائیں پاؤں پر زور دے کر بیٹھے عضو تناسل کو تین بار سونت لے۔

تشریحات (۱۰۷)

تکمیل یہاں علی ظہر بیت لنا ہے اور بیوت ازواج النبی ص ۴۳۷ میں فوق بیت حفصۃ ہے حضرت حفصہ ان کی بہن تھیں ان کے گھر کو اپنا گھر کہہ دیا ہو سکتا ہے جس وقت یہ حدیث بیان کی اس وقت یہ بطور وراثت انھیں کی ملک رہا ہو۔ یہاں صرف مستقبلا بیت المقدس ہے اور التبرز فی البیوت ص ۲۷ اور بیوت ازواج ص ۴۳۷ میں ہے مستدبر القبلۃ مستقبل الشام ہے حاصل دونوں کا ایک ہے جب شام یا بیت المقدس کو منہ ہوگا تو قبلہ کو پیٹھ ضرور ہوگی۔

(۱) اس سے یہ بات واضح ہے کہ عہد صحابہ میں یہ بات مشہور تھی کہ قضاء حاجت کے وقت قبلہ کی جانب منہ یا پیٹھ کرنا منع ہے۔

(۲) یہی حدیث امام مالک اور امام شافعی کی دلیل ہے اس کے جواب میں احناف کہتے ہیں کہ احادیث میں قضاء حاجت کے وقت منہ یا پیٹھ نہ کرنے کا حکم عام ہے اور یہ ایک خاص واقعہ ہے اور خصوص واقعہ کے لئے عموم نہیں ہوتا علاوہ

لِحَاجَتِہٖ وَقَالَ لَعَلَّکَ مِنَ الَّذِیْنَ یُصَلُّوْنَ عَلٰی اَوْرَاکِھِمْ فَقُلْتُ لَا

اور فرمایا شاید تو ان میں سے ہے جو سرین کے بل نماز پڑھتے ہیں میں نے عرض کیا بخدا میں نہیں

وَاللہِ اَدْرِیْ قَالَ مَالِکٌ یَعْنِی الَّذِیْ یُصَلِّیْ وَلَا یَرْتَفِعُ عَنِ الْاَرْضِ

جانتا امام مالک نے فرمایا انکا مطلب یہ تھا جو نماز پڑھے اور زمین سے نہ اٹھے

ازیں وہ قول ہے اور یہ فعل اور فعل رسول میں اس کا بھی احتمال رہتا ہے کہ ہو سکتا ہے کہ آنحضور کے ساتھ خاص ہو اس لئے قول کے متعارض جب فعل ہو تو ترجیح قول کو ہوگی علاوہ ازیں وہ قول رسول ہے اور یہ حضرت ابن عمر کا اجتہاد اور ظاہر ہے کہ ارشاد رسول کے مقابلے میں صحابی کے اجتہاد کو کبھی ترجیح نہ ہوگی۔ لیکن صحیح یہ ہے کہ یہ ابن عمر کا اجتہاد نہیں صریح فعل رسول ہے بعض ابنائے زماں نے یہ کہا ہے کہ حضرت ابن عمر کو دیکھنے میں غلطی ہوئی انھوں صرف منھ یا سینہ دیکھا ہوگا چونکہ حالت ایسی نہ تھی کہ اسے بغور دیکھتے اچانک نظر پڑ گئی انھوں نے منہ یا زیادہ سے زیادہ سینہ دیکھا ہوگا کہ بیت المقدس کی طرف ہے حالانکہ استنجاء کے وقت اصل میں منہ یا سینہ قبلہ کی طرف کرنے کی ممانعت نہیں بلکہ اعضاء استنجاء کے لئے ممانعت ہے لیکن حدیث کے الفاظ کو بغور پڑھنے والا بخوبی معلوم کرے گا کہ یہ محض سخن سازی ہے۔ حضرت ابن عمر کی نظر آنحضور پر اگرچہ اچانک اس حالت میں پڑی تھی مگر جو کچھ انھوں نے دیکھا وہ پوری تفصیل سے دیکھا۔ غور کیجئے کہتے ہیں میں نے کچی اینٹوں پر بیٹھے دیکھا جب یہاں تک دیکھا کہ اینٹوں پر بیٹھے ہیں وہ بھی پکی نہیں کچی تھی وہ بھی صرف دو پر۔ تو صرف سینے تک دیکھنے کو محدود کرنا درست نہیں پھر ایسے مشتبہ دیکھنے کو مدار حکم ٹھہرانا حضرت ابن عمر سے بعید ہے۔ صحیح یہی ہے کہ اگرچہ انکی نظر اچانک ہی پڑی مگر جو بیان کر رہے ہیں وہی دیکھا۔ اصل توجیہ اس حدیث کی وہ ہے جو مرشدی حضرت صدر الشریعہ قدس سرہ نے فرمائی کہ جنکے سامنے کعبہ نہ ہو ان کو سمت کعبہ کی جانب منہ یا پیٹھ کرنا ممنوع ہے اور کعبہ جن کے سامنے ہو انھیں عین کعبہ کی طرف منع ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پیش نظر ساری دنیا تھی جیسا کہ خود انھیں حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ فرمایا۔

ان اللہ قد رفع لی الدنیا فانا انظر الیھا والی ماھو کائن فیھا الی یوم القیمۃ کانی انظر الی کفی ھذا۔

اللہ نے دنیا میرے سامنے کر دی ہے میں دنیا کو اور دنیا میں قیامت تک جو کچھ ہو گا سب کو ایسے دیکھ رہا ہوں جیسے اپنی اس ہتھیلی کو۔

جب آنحضور کے سامنے پوری دنیا تھی تو حضور کی نگاہ انور کے سامنے کعبہ بھی ہو گا آپ کی پشت مبارک عین کعبہ کی جانب نہ تھی۔ صرف سمت کعبہ کی جانب تھی۔ حضرت ابن عمر نے صرف سمت شام کی جانب منھ اور سمت کعبہ کی جانب پیٹھ کرنے کو

یسجد وھو لاصق بالارض

سجدے کی حالت میں زمین سے چپکا رہے یعنی پیٹ ران سے ران پنڈلی سے ملا کر سجدہ کرے۔

دیکھا۔ اور یہی جواب مذہب ثانی کی موید حدیث جابر کا بھی ہے کہ چونکہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پیش نظر عین کعبہ تھا اس سے بچ کر سمت قبلہ کی جانب پیشاب فرمایا حضرت جابر نے اسی کو دیکھا اور اسی پر جواز کا قول فرمایا۔ اس وقت حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا چہرہ مبارک سمت بیت المقدس اور پشت اقدس سمت قبلہ میں تھی۔ عین کعبہ کی جانب نہ تھی۔ اس پر دلیل ان تینوں شہروں کا جغرافیائی وقوع ہے اس لئے مکہ معظمہ کا طول البلد ۶۷ درجے ۳۳ دقیقے پر ہے اور عرض البلد ۲۱ درجے ۴۰ دقیقے پر ہے مدینہ طیبہ ۷۵ درجے ۲۰ دقیقے طول البلد پر ۲۵ درجے عرض البلد پر اور بیت المقدس ۳۶ درجے اور ۲۰ دقیقے طول پر اور ۳۲ درجے ۲ دقیقے عرض پر ہے۔

جب بیت المقدس اور مدینہ طیبہ میں ۳۹ درجے طول کا اور مکہ معظمہ اور مدینہ طیبہ میں ۷ درجے ۴۷ دقیقے کا تفاوت ہے تو یہ ممکن ہی نہیں کہ عین بیت المقدس کی جانب جس کا منہ ہو اس کی پیٹھ عین قبلہ کی جانب ہو اگر عین بیت المقدس کی جانب منہ ہوگا تو پشت کبھی بھی عین کعبہ کی جانب نہ ہوگی اگر دونوں ایک طول البلد پر ہوتے تو ایسا ممکن تھا تو لامحالہ حضور کی نشست میں منہ سمت بیت المقدس کی جانب اور پیٹھ سمت قبلہ کی جانب تھی یا منہ عین بیت المقدس کی جانب تھا تو پیٹھ سمت قبلہ کو تھی عین کعبہ کو ہرگز نہ تھی۔

(۳) یہاں ایک اشکال یہ ہے کہ ابن ماجہ نے عراک بن مالک سے روایت کی ہے کہ ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا۔ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سامنے یہ تذکرہ ہوا کہ کچھ لوگ قبلہ کی جانب شرمگاہ کرنے کو برا جانتے ہیں۔ فرمایا۔ میرے پائخانے کی بیٹھک قبلہ رو کر دو۔ اس کا جواب شارحین نے یہ دیا کہ یہ حدیث لائق استناد نہیں علل ترمذی میں ہے محمد نے کہا اس حدیث میں اضطراب ہے۔ صحیح یہ ہے کہ یہ حضرت ام المومنین کا قول ہے۔ ابن حزم نے کہا یہ حدیث ساقط ہے۔ اس لئے کہ اس کے ایک راوی خالد بن ابی الصلت مجہول ہیں۔ امام احمد نے فرمایا کہ یہ حدیث مرسل ہے کیونکہ عراک کا ام المومنین سے سماع ثابت نہیں۔ عینی جز ۲ ص ۲۸۱ میزان میں امام ذہبی نے فرمایا کہ خالد بن ابی الصلت منکر ہے۔ یہ حدیث حضرت عمر بن عبد العزیز رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں پیش کی گئی مگر انھوں نے اس پر

ع۵ ایضا بخاری التبرزفی البیوت ص ۲۷ ج ۱ الجہاد بیوت ازواج النبی ص ۴۳۸ ج ۱ مسلم ۱، ۲، ۶۲ ابو داؤد ۵، ترمذی ۷، نسائی ۲۱، ابن ماجہ طہارت ۱۸، موطا قبلہ ۸، دارمی وضو ۸، مسند امام احمد۔

۱۰۸ حدیث ۔ ازواج النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کن یخرجن باللیل

عَنْ عَائِشَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهَا اَنَّ اَزْوَاجَ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ نبی صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ازواج رات میں

کُنَّ یَخْرُجْنَ بِاللَّیْلِ اِذَا تَبَرَّزْنَ اِلَی الْمَنَاصِعِ وَهِیَ صَعِیْدٌ اَفْیَحُ وَکَانَ عُمَرُ یَقُوْلُ

مناصع کی طرف رفع حاجت کے لئے جاتیں۔ اور مناصع لمبا چوڑا میدان ہے۔ اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ

عمل نہیں فرمایا۔ بیہقی، دارقطنی۔ ظاہر ہے کہ اس پر عمل نہ کرنا اسی بنا پر ہوگا کہ ان کے نزدیک یہ حدیث لائق استناد نہیں۔

(۴) حضرت ابن عمر کی مراد غالباً یہ ہے کہ تو اُجڈ اور جاہل ہے۔ جسے یہ بھی پتہ نہیں کہ سجدہ کرنا کیسے سنت ہے۔ اسی وجہ سے یہ بھی معلوم نہیں کہ یہ ممانعت صرف میدان میں ہے۔ گھر کے اندر نہیں۔ واسع بن حبان نے کہا میں نہیں جانتا۔ یعنی یہ نہیں جانتا کہ ان لوگوں میں ہوں یا نہیں۔ یا یہ کہ میں نہیں جانتا کہ قضاء حاجت کے وقت قبلے کی جانب منہ کرنے میں عمارت اور میدان کا فرق ہے۔ لیکن یہ توجیہ اس صورت میں درست ہوگی جب کہ ان ناسا یقولون۔ واسع بن حبان کا مقولہ مانا جائے۔ مگر واقع میں ایسا نہیں۔ یہ حضرت ابن عمر ہی کا قول ہے جیسا کہ مسلم شریف میں تصریح ہے۔ فقال عبد اللہ یقول ناس تو اب واسع کو اُجڈ کہنے کا کوئی محل نہیں۔ صحیح توجیہ یہ ہے۔ کہ اس میں یہاں اختصار ہے۔ مسلم شریف میں ابتدائی حصہ یوں ہے۔ واسع نے کہا میں مسجد میں نماز پڑھ رہا تھا اور عبد اللہ بن عمر بیٹھے تھے نماز سے فارغ ہو کر میں ان کی جانب مڑا تو انھوں نے فرمایا کچھ لوگ ایسا کہتے ہیں الخ۔ ہوسکتا ہے۔ واسع بن حبان کے سجدے میں یہ بات دیکھی ہو اور انھیں تنبیہ فرمادی۔

تشریحات ۱۰۸ ۱۰۹

ام المومنین حضرت سودہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بنت زمعہ بن قیس بن عبد شمس بن عبد ود۔ قرشیہ عامریہ، یہ قدیم الاسلام ہیں۔ ان کا نسب لؤی پر جاکر شجرۂ نبوی سے مل جاتا ہے۔ ان کا نکاح پہلے ان کے چچا کے لڑکے سکران بن عمرو بن شمس سے ہوا تھا۔ ان کے یہ شوہر بھی انھیں کے ساتھ مسلمان ہوئے تھے ان دونوں میاں بیوی نے حبشہ کی طرف ہجرت ثانیہ کی تھی۔ پھر مکہ واپس آئے۔ ان کے شوہر کا انتقال ہوگیا۔ اس کے بعد سنہ ۱۰ نبوی میں حضرت خدیجۃ الکبریٰ کی وفات کے بعد حضور اقدس صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے نکاح فرمایا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ساتھ عقد سے پہلے۔ یہی مشہور ہے۔ حضور اقدس صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے نکاح کے قبل حضرت سودہ نے یہ خواب دیکھا کہ رسول اللہ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ان کے پاس تشریف لائے اور ان کی گردن پر اپنا پائے اقدس رکھا۔ یہ خواب اپنے شوہر سکران سے بیان کیا تو انھوں نے کہا اگر تم سچ کہتی ہو تو میں عنقریب مرجاؤں گا اور تم سے حضور نکاح کریں گے اس کے

لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أُحْجُبْ نِسَاءَكَ فَلَمْ يَكُنْ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ

نبی صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے عرض کیا کرتے تھے کہ اپنی عورتوں کو پردے کا حکم دیجئے

تَعَالَى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَفْعَلُ فَخَرَجَتْ سَوْدَةُ بِنْتُ زَمْعَةَ زَوْجُ النَّبِيِّ

پھر بھی حضور صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ایسا نہ کرتے سودہ بنت زمعہ زوجۂ نبی صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

بعد پھر دیکھا وہ تکیہ لگائے بیٹھی ہیں اور ایک چاند آسمان سے اتر کر ان کی گود میں آگیا ہے۔ اس خواب کو بھی سکران کو سنایا تو انھوں نے وہی تعبیر بتائی اسی دن سکران بیمار ہوگئے اور چند دن کے بعد فوت ہوگئے۔ پھر آنحضرت صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان سے نکاح کرلیا۔ مکہ میں زفاف بھی فرمایا۔ یہ ہجرت کرکے مدینہ طیبہ آئیں۔ اخیر عمر میں جب کبیر السن ہوگئیں اپنی باری حضرت عائشہ کو دیدی۔ حضور اقدس صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ حج کیا پھر کبھی باہر نہ نکلیں۔ علی اختلاف روایت حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے آخری ایام میں وصال ہوا۔ حضرت عمر نے حکم دیا کہ ان کا جنازہ رات میں اٹھایا جائے یا شوال ۵۴ھ میں حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد میں مدینہ میں وصال ہوا۔ یہ بہت قد آور لحیم شحیم خاتون تھیں ان سے پانچ حدیثیں مروی ہیں۔ دو بخاری نے تخریج کی ہے باقی سنن اربعہ میں مروی ہے۔

تکمیل یہ دونوں حدیثیں ایک مفصل حدیث کا جزو ہیں جو کتاب التفسیر میں مفصل مذکور ہے ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کہتی ہیں کہ پردے کی پابندی کے بعد (ام المومنین) سودہ اپنی ضرورت کے لئے نکلیں۔ اور یہ جسیم عورت تھیں انھیں جو پہچانتا تھا اس سے (پردہ کے باوجود) چھپ نہیں سکتی تھیں۔ انھیں عمر بن خطاب نے دیکھا تو کہا۔ اے سودہ سنو! بخدا تم ہم سے چھپ نہیں سکیں دیکھو کیسے نکلتی ہو۔ حضرت عائشہ نے کہا کہ سودہ لوٹ آئیں۔ اور رسول اللہ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میرے گھر میں رات کا کھانا تناول فرما رہے تھے۔ حضور کے دست مبارک میں گوشت والی ہڈی تھی سودہ اندر آئیں اور کہا! یا رسول اللہ! میں اپنی ضرورت کے لئے نکلی تھی تو عمر نے ایسے ایسے کہا۔ حضرت عائشہ نے کہا کہ اللہ نے حضور کی طرف وحی کی پھر نزول وحی کی کیفیت فرو ہوئی۔ اور وہ ہڈی حضور کے دست مبارک ہی میں رہی۔ اسے رکھا نہیں اور ارشاد فرمایا۔ تم لوگوں کو اجازت دیدی گئی ہے کہ اپنی ضرورتوں کے لئے باہر جاسکتی ہو۔ کتاب النکاح میں بھی قدرے اختصار کے ساتھ یہ حدیث مذکور ہے۔

لغات اذا تبرزن اس کا مادہ براز ہے جس کے معنی وسیع میدان کے ہیں۔ تبرز کے معنی لغوی وسیع میدان میں جانا۔ عرفی معنی قضاء حاجت کے لئے میدان میں جانا۔ براز بار کے کسرے کے ساتھ بھی ہے اس کا معنی مقابلہ کے لئے نکلنا ہے۔ مناصع منصع کی جمع ہے اس کا مادہ نصوع ہے جس کے معنی خالص ہونے کے ہیں۔ ناصع ہر چیز کے خالص کو کہتے ہیں۔ ابیض ناصع، اصفر ناصع، اصمعی نے کہا وہ سیل جو خالص ایک رنگ کا ہو مثلاً صرف سفید، صرف زرد، صرف سرخ اس کو بھی ناصع کہتے ہیں۔ عباب میں ہے کہ مناصع کے

صَلَّى اللهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْلَةً مِّنَ اللَّيَالِي عِشَاءً وَكَانَتْ امْرَأَةً طَوِيلَةً

ایک رات عشاء کے وقت قضاء حاجت کے لئے نکلیں وہ لمبے قد کی عورت تھیں ۔

معنی مجالس کے ہیں ۔ ابو سعید نے کہا ۔ مناصع ان جگہوں کو کہتے ہیں جہاں لوگ قضاء حاجت کیا کرتے ہیں ۔ ازہری نے کہا کہ مناصع مدینہ سے باہر ایک جگہ کا نام تھا ۔ یہی ابن جوزی نے کہا کہ مدینہ سے باہر ایک لمبا چوڑا میدان تھا جہاں قضاء حاجت کے لئے لوگ جاتے تھے اسی کو مناصع کہتے تھے ۔ سیاقِ حدیث بھی اسی کا مؤید ہے ۔ معنی لغوی کے ساتھ مناسبت یہ ہے کہ وہ عمارتوں سے خالی تھا صعید کے معنی ہیں زمین کی سطح افیح کے معنی لمبے چوڑے وسیع کے ہیں ۔

تطبیق حدیث ۱۴۶ اور ۱۰۹ میں بظاہر تعارض ہے سرسری طور پر نظر ڈالنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ واقعہ ایک ہی ہے ۔ مگر حدیث ۱۴۶ کا صریح منطوق یہ ہے کہ یہ واقعہ نزول حجاب سے پہلے کا ہے ۔ اور حدیث ۱۰۹ میں تصریح ہے کہ یہ واقعہ نزول حجاب کے بعد کا ہے ۔ نیز حدیث ۱۴۶ سے مستفاد ہوتا ہے کہ اس واقعہ کے بعد ازواج مطہرات کو باہر نکلنے سے روک دیا گیا ۔ اور حدیث ۱۰۹ میں تصریح ہے کہ اس کے بعد بھی قضاء حاجت کے لئے باہر جانے کی اجازت باقی رہی ۔ علامہ ابن حجر نے فرمایا کہ ہو سکتا ہے کہ ابتداء میں حضرت عمر کی خواہش یہ تھی کہ ازواج مطہرات رات میں بھی چہرہ چھپا کر نکلیں ۔ ان کی یہ خواہش پوری ہوئی ۔ مگر پھر بھی ازواج مطہرات کے لئے ان کی غیرت نے یہ بھی نہیں پسند فرمایا کہ وہ پردے کے ساتھ باہر نکلیں ۔ تو انھوں نے یہ چاہا کہ اس پر بھی پابندی ہو جائے مگر ضرورت کی بنا پر یہ خواہش پوری نہ ہوئی ۔ اس کا حاصل یہ ہوا کہ حدیث ۱۴۶ میں جو وارد ہے کہ "احجب نساءك" اس سے مراد یہ ہے کہ رات میں منھ چھپائے بغیر نہ نکلیں ۔ اور "انزل الحجاب" سے مراد چہرہ چھپا کر نکلنا ہے ۔ اور حدیث ۱۰۹ میں بعد ما ضرب الحجاب سے مراد چہرے کا چھپا کر نکلنا ہے ۔ اسی کو فرمایا کہ یہ اظہر الاحتمالین ہے ۔ اس خادم کی بھی یہی رائے ہے ۔

مگر اس سے صاف ظاہر ہے کہ یہ دو واقعے ہیں ۔ اور دونوں حدیثوں میں حجاب کے ایک ہی معنی ہیں ۔ جیسا کہ علامہ کرمانی علامہ برماوی علامہ قسطلانی کی رائے ہے ۔ اب علامہ ابن حجر کا کتاب التفسیر میں علامہ کرمانی کی اس رائے پر یہ تعقب سمجھ میں نہیں آتا جو فرمایا بل المراد بالحجاب الاول غیر الحجاب الثانی اول حجاب سے ثانی حجاب کا غیر مراد ہے ۔ حالانکہ اس کے بعد جو الحاصل سے بیان فرمایا وہ وہی ہے جو ہم ذکر کر آئے ہیں ۔ جس سے صاف ظاہر ہے کہ واقعہ دو ہے ۔ اس اضطراب کی توجیہ میں زیادہ سے زیادہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ حدیث ۱۴۶ میں جو حجاب حضرت عمر کا مقصود تھا وہ حدیث ۱۰۹ میں مذکور حجاب کے علاوہ تھا ۔ اس طرح کہ حدیث ۱۰۹ میں حجاب سے چہرے کا چھپا کر نکلنا مراد ہے اور حدیث ۱۴۶ میں حضرت عمر کی خواہش یہ ظاہر ہوتی ہے کہ گھروں سے بالکل نہ نکلنے دیا جائے ۔ ایک توجیہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ حدیث ۱۰۹ کو پہلے کا واقعہ مانا جائے اور حدیث ۱۴۶ کو بعد کا ۔ اور حدیث ۱۰۹ میں ضرب الحجاب سے مراد چہرے کا چھپا کر نکلنا مراد ہے ۔ اور حدیث ۱۴۶ میں احجب نساءك سے مراد گھروں سے نہ نکلنا مراد ہو ۔

فَنَادَاھَا عُمَرُ اَلَا قَدْ عَرَفْنَاكِ يَا سَوْدَةُ حِرْصًا عَلٰى اَنْ يُّنْزَلَ الْحِجَابُ فَاَنْزَلَ اللّٰهُ الْحِجَابَ ؏

توحضرت عمر نے پکار کر ان سے کہا سنو! اے سودہ ہم نے تمھیں پہچان لیا ان کی خواہش یہ تھی کہ حجاب نازل ہو تو اللہ نے حجاب اتارا۔

وانزل الحجاب سے آیہ کریمہ "وَقَرْنَ فِیْ بُیُوْتِكُنَّ" مراد ہو۔

(۱) یہاں مستملی کے نسخے میں آیۃ الحجاب ہے۔ ابوعوانہ نے اپنی صحیح میں بطریق زبیدی ابن شہاب سے یوں روایت کی ہے:

فانزل اللہ الحجاب یَااَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُیُوْتَ النَّبِیِّ اِلَّا اَنْ یُّؤْذَنَ لَکُمْ اِلٰی طَعَامٍ غَیْرَ نٰظِرِیْنَ اِنٰهُ وَلٰکِنْ اِذَا دُعِیْتُمْ فَادْخُلُوْا فَاِذَا طَعِمْتُمْ فَانْتَشِرُوْا وَلَا مُسْتَاْنِسِیْنَ لِحَدِیْثٍ اِنَّ ذٰلِکُمْ کَانَ یُؤْذِی النَّبِیَّ فَیَسْتَحْیٖ مِنْکُمْ وَاللّٰهُ لَا یَسْتَحْیٖ مِنَ الْحَقِّ وَاِذَا سَاَلْتُمُوْهُنَّ مَتَاعًا فَسْئَلُوْهُنَّ مِنْ وَّرَآءِ حِجَابٍ ذٰلِکُمْ اَطْهَرُ لِقُلُوْبِکُمْ وَقُلُوْبِهِنَّ۔

احزاب، آیت (۵۳)

تو اللہ نے حجاب نازل فرمایا۔ یعنی یہ آیت۔ اے ایمان والو! نبی کے گھروں میں نہ جاؤ جب تک تم کو اذن نہ ملے۔ مثلاً کھانے کے لئے بلائے جاؤ نہ یوں کہ خود پکنے کی راہ تکو ہاں جب بلائے جاؤ تو جاؤ اور جب کھا چکو تو متفرق ہو جاؤ، نہ کہ بیٹھے باتوں میں دل بہلاؤ اس سے بیشک نبی کو ایذا پہنچتی ہے وہ تمھارا لحاظ فرماتے ہیں اور اللہ حق فرمانے میں نہیں شرماتا اور جب ازواج مطہرات سے کوئی سامان مانگو تو پردے کے باہر سے مانگو اس میں تمھارے اور انکے دلوں کی زیادہ پاکیزگی ہے۔

سورۂ احزاب کی تفسیر میں خود امام بخاری نے اس آیت کے شان نزول میں جو حدیث ذکر کی ہے اس سے ظاہر کہ ام المومنین حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے نکاح کے وقت ولیمہ کے موقع پر کھانا کھانے کے بعد بھی جو تین شخص بیٹھے باتیں کرتے رہے اس وقت یہ آیت اتری۔ نیز اسی میں اس کا شان نزول یہ بھی مذکور ہے کہ حضرت عمر نے خدمت اقدس میں عرض کیا یا رسول اللہ! آپ کی خدمت میں اچھے برے سبھی حاضر ہوتے ہیں آپ اپنی ازواج کو پردے کا حکم دیں اس پر آیت حجاب نازل ہوئی۔ علاوہ ازیں ابن جریر نے اپنی تفسیر میں بطریق امام مجاہد اس کا شان نزول یہ ذکر کیا ہے کہ رسول اللہ کے ساتھ بعض اصحاب کھا رہے تھے اور حضرت عائشہ بھی شریک تھیں۔ کہ کسی صحابی کا ہاتھ حضرت عائشہ کے ہاتھ پر پڑ گیا یہ حضور کو ناگوار ہوا اس پر آیت حجاب نازل ہوئی۔ ابن مردویہ نے ابن عباس کی یہ حدیث آیت حجاب کے شانِ نزول میں ذکر کی ایک شخص خدمت اقدس میں حاضر ہوا اور بہت دیر تک بیٹھا رہا۔ حضور اقدس صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تین بار اٹھے کہ یہ شخص چلا جائے مگر وہ نہیں گیا اتنے میں حضرت عمر آ گئے اور ناگواری کا اثر چہرۂ اقدس پر دیکھا تو اس شخص سے کہا! شاید تو نے رسول اللہ کو ایذا پہونچائی ہے۔ حضور اقدس صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں تین بار اٹھا کہ یہ بھی میرے ساتھ اٹھے مگر یہ نہیں اٹھا۔ اس پر حضرت عمر نے کہا کہ آپ پردہ کرا دیں آپ کی ازواج اور عورتوں کی طرح نہیں۔ یہ

؏ مسلم استیذان۔

١٠٩ حدیث ۔ قد اذن لکن ان تخرجن لحاجتکن

عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهَا عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ نبی صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے

ان کے دلوں کے لئے زیادہ پاکیزہ ہوگا اس پر آیت حجاب نازل ہوئی۔

علامہ ابن حجر نے اس میں یہ تطبیق دی ہے کہ اسباب نزول متعدد ہو سکتے ہیں اخیر سبب حضرت زینب کے ولیمے والا واقعہ ہے اس لئے اس آیت میں خصوصی تنبیہ اس واقعہ پر ہے۔ بقیہ واقعات چونکہ اس کے قریب ہی قریب پیش آئے اس لئے انھیں بھی شان نزول قرار دیا گیا۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ان میں سے بعض میں آیت حجاب سے مراد یہ آیت کریمہ ہو۔

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِأَزْوَاجِكَ وَبَنَاتِكَ وَنِسَاءِ الْمُؤْمِنِينَ يُدْنِينَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيبِهِنَّ ذَٰلِكَ أَدْنَىٰ أَنْ يُعْرَفْنَ فَلَا يُؤْذَيْنَ ۔ احزاب، آیت (٥٩)

اے نبی اپنی ازواج اور صاحبزادیوں اور مومنوں کی عورتوں سے فرمادو کہ اپنے چہروں پر چادروں کا کچھ حصہ ڈالے رہیں قریب تر ہے اس سے کہ پہچان لی جائیں تو ایذا نہ دی جائیں۔

ان دونوں حدیثوں کا حاصل یہ ہوا کہ ازواج مطہرات سے متعلق پردے کی تین صورتیں ہوئیں ایک یہ کہ دن میں باہر نہ نکلیں رات کی تاریکی میں نکلیں جیسا کہ حدیث ١٠٨ میں مذکور ہے کن یخرجن باللیل۔ رات میں نکلتی تھیں۔ دوسرے یہ کہ رات میں بھی منھ کھولے نہ نکلیں، نکلیں تو چہرہ چھپالیں، جیسا کہ اسی حدیث فانزل الحجاب سے مستفاد ہوتا ہے اور حدیث افک میں صراحت ہے کہ ام المومنین فرماتی ہیں کہ ہم صرف رات میں قضاء حاجت کے لئے جایا کرتی تھیں۔ اور یہ طے ہے کہ واقعہ افک نزول حجاب کے بعد کا ہے اس لئے کہ حضرت ام المومنین نے اس حدیث میں صاف فرمایا کہ صفوان بن معطل نے حجاب سے پہلے مجھے دیکھا تھا۔ نیز یہ متفق علیہ ہے کہ حضرت زینب کے ساتھ نکاح پر ولیمے میں جو قصہ ہوا اس موقع پر آیت حجاب نازل ہوئی اور حدیث افک میں تصریح ہے کہ حضرت زینب بنت جحش اس وقت ازواج میں داخل تھیں اور حضور اقدس صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان سے بھی حضرت عائشہ کے بارے میں دریافت فرمایا انھوں نے بھی صفائی دی۔ علامہ ابن حجر نے کتاب التفسیر میں خود اس کی تصریح کی ہے اور جو کتاب الوضوء میں تحریر فرمادیا تھا کہ واقعہ افک نزول حجاب سے پہلے کا ہے۔ کتاب التفسیر میں اس پر تنبیہ فرمادی کہ وہ لغزش تھی اس کی تصحیح کرلی جائے تیسری صورت یہ تھی کہ قضاء حاجت کے لئے بھی گھروں سے باہر جانا ممنوع ہوگیا۔ جیسا کہ حدیث افک کا یہ حصہ دلالت کرتا ہے کہ فرمایا۔ وذلک قبل ان تتخذ الکنف، میدان میں قضاء حاجت کیلئے اسوقت ہم جایا کرتی تھیں جبکہ ابھی گھروں میں پاخانے نہیں بنے تھے۔ نیز آیت کریمہ وقرن فی بیوتکن۔ اور اپنے گھروں ہی میں رہو۔ اس پر دلالت کرتی ہے۔ امام قاضی عیاض نے فرمایا کہ ازواج مطہرات کے ساتھ جو پردہ مخصوص تھا وہ یہ کہ انھیں اپنے چہرے اور ہاتھوں کو بہر حال اجنبیوں سے چھپانا فرض ہے۔ حتی کہ شہادت وغیرہ کے موقع پر

قَالَ قَدْ اُذِنَ لَكُنَّ اَنْ تَخْرُجْنَ فِيْ حَاجَتِكُنَّ قَالَ هِشَامٌ يَعْنِي الْبَرَازَ ۔ ه

ہم سے مخاطب ہو کر فرمایا۔ تمھیں اس بات کی اجازت دی گئی کہ اپنی ضرورت کے لئے باہر جاؤ۔ ہشام نے کہا یعنی قضاء حاجت کے لئے

بھی کھولنا جائز نہیں۔ نیز یہ کہ انھیں اپنی ذات کسی کے سامنے ظاہر ہونے دینا جائز نہیں۔ اگرچہ پردہ کے ساتھ ہوں۔ اس پر مؤطا کی حدیث سے دلیل لائے کہ جب حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا وصال ہوا تو حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو عورتوں نے اپنے جھرمٹ میں لے کر اس طرح چھپایا کہ کوئی انھیں نہیں دیکھ سکا۔ اور حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اپنے جنازہ کو چھپانے کے لئے قبہ بنالیا تھا۔ اس پر علامہ ابن حجر نے فرمایا کہ مؤطا کی اس حدیث سے اس کی فرضیت ثابت نہیں ہوتی کہ ازواج مطہرات پردے میں ہوتے ہوئے بھی اپنی ذات کو چھپائیں۔ اس لئے کہ وصال اقدس کے بعد ازواج مطہرات حج کرتی تھیں طواف کرتی تھیں لوگ ان سے احادیث سنتے تھے اور صرف ان کے بدن چھپے ہوتے ذات نہیں۔ کتاب الحج میں ہے کہ ابن جریج نے جب حضرت عطاء سے ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے طواف کا ذکر کیا تو انھوں نے پوچھا کہ آپ نے انھیں حجاب سے پہلے دیکھا تھا کہ حجاب کے بعد۔ تو ابن جریج نے بتایا کہ میں نے ان کی زیارت حجاب کے بعد کی ہے۔ نیز انھیں ابن جریج نے کہا کہ میں اور عبید بن عمر حضرت عائشہ کی خدمت میں حاضر ہوئے وہ کوہ ثبیر میں ٹھہری تھیں۔ ایک ترکی قبہ میں رہتی تھیں۔ ولہا غشاء، میرے اور ان کے مابین صرف ایک پردہ تھا۔ میں نے انھیں دیکھا گلابی رنگ کا پیراہن پہنے ہوئے تھیں [۱]۔ ظاہر ہے کہ ام المومنین کا یہ حج نفل تھا حج فرض تمام ازواج مطہرات حجۃ الوداع کے موقع پر حضور اقدس صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ ادا کر چکی تھیں اگر ازواج مطہرات پر اپنی ذات کا چھپانا فرض ہوتا تو حج نفل کے لئے نہ جاتیں۔ اور ان کے تلامذہ ان کو نہ دیکھ پاتے۔ محدثین کا اس میں اختلاف ہے کہ آیت حجاب کس سن میں نازل ہوئی۔ ابو عبیدہ نے کہا کہ تیسرے سال، ابن اسحاق نے کہا کہ حضرت ام سلمہ سے نکاح کے بعد۔ اس میں بھی اختلاف ہے کہ حضرت ام سلمہ سے نکاح کس سن میں ہوا۔ سن تین میں یا چار میں۔ ابن سعد نے کہا ۴ھ کے ذوقعدہ میں۔ قتادہ نے کہا ۵ھ میں۔ یہ اختلاف اصل میں دوسرے اختلاف کی فرع ہے۔ یہ تو طے ہے کہ آیت حجاب یعنی لا تدخلوا بیوت النبی حضرت زینب بنت جحش کے نکاح کے وقت نازل ہوئی۔ حضرت زینب سے نکاح کس سن میں ہوا اس میں اختلاف ہے۔ الاستیعاب[۲] میں ہے کہ ابو عبیدہ نے کہا کہ یہ ۳ھ میں ہوا۔ اس لئے وہ اس آیت کا نزول ۳ھ مانتے ہیں۔ قتادہ نے کہا کہ یہ نکاح ۵ھ میں ہوا تو وہ اس کے نزول کا وقت ۵ھ مانتے یہی راجح ہے کہ حضرت زینب سے نکاح ۵ھ میں ہوا۔ الاکمال میں اسی پر اختصار کیا۔ اصابہ[۳] میں دونوں قول ذکر کیا۔ مگر اخیر میں وصال کے وقت کی جو عمر بتائی

[۱] تفسیر لا تدخلوا بیوت النبی ص ۷۰۶، نکاح، خروج النساء لحوائجہن ص ۷۸۸، ۲ ج ۲؛ عنہ بخاری ص ۲۱۹، ج ۱؛ [۲] ص ۳۱۴، ج ۴؛ [۳] ص ۳۱۳، ج ۴

(۱۱۰) حدیث۔ الاستنجاء بالماء

سَمِعْتُ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ يَقُوْلُ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا خَرَجَ

عطا بن ابی میمونہ نے کہا میں نے انس بن مالک سے یہ فرماتے سنا کہ نبی صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جب قضاء حاجت

لِحَاجَتِهٖ أَجِيْءُ أَنَا وَغُلَامٌ مَعَنَا إِدَاوَةٌ مِنْ مَاءٍ يَعْنِيْ يَسْتَنْجِيْ بِهٖ ؏

کے لئے جاتے تو میں اور ایک لڑکا جاتا[۱] ہمارے ساتھ پانی کا چمڑے کا برتن ہوتا جس سے حضور استنجاء فرماتے[۲]

اور کس سنہ میں وصال فرمایا اس سے سنہ متعین ہو جاتا ہے۔ اصابہ میں ہے کہ نکاح کے وقت حضرت زینب کی عمر ۳۵ سال تھی اور پچاس سال کی عمر میں وصال فرمایا۔ اور ۲۰ھ سن وصال ہے اس سے ظاہر کہ ہجرت کے وقت تیئس سال کی تھیں۔ اور جب نکاح کے وقت ۳۵ سال کی تھیں تو ظاہر ہو گیا کہ ۵ھ میں نکاح ہوا۔ اور یہی آیت حجاب کے نزول کا سن ہے۔ رہ گیا ابن اسحاق کا یہ کہنا کہ آیت حجاب کا نزول حضرت ام سلمہ کے نکاح کے بعد ہوا غالباً ان کی مراد آیۂ کریمہ يُدْنِيْنَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيْبِهِنَّ ہے۔

مسائل ان دونوں احادیث سے مندرجہ ذیل مسائل مستنبط ہوئے (۱) کسی اچھی بات کے لئے چھوٹا آدمی اپنے بزرگ کی خدمت میں بار بار عرض کر سکتا ہے (۲) اپنی ماں کو بھی نصیحت کی جا سکتی ہے اس لئے کہ حضرت سودہ ام المومنین ہیں (۳) بہ نیت خیر بڑے سے بھی اچھی بات سخت لہجہ میں پیش کی جا سکتی ہے جب کہ اعتراض اور تعنت مقصود نہ ہو (۴) عورتیں بدرجۂ مجبوری اپنی کسی حاجت کے لئے گھر سے نکل سکتی ہیں (۵) اس سے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تین فضیلتیں ثابت ہوئیں۔ ایک تو ان کی غیرت، دوسرے موافقت وحی، اس لئے کہ ان کی خواہش کے مطابق آیت حجاب نازل ہوئی۔ تیسرے رسول اللہ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ خیر خواہی۔

تشریحات (۱۱۰)

لغات غلام۔ وہ بچہ جو بلوغ کے قریب ہو جس کی مسیں بھیگ رہی ہوں۔ دودھ چھڑانے سے سات سال تک کی عمر کا بچہ، وہ بچہ جس کی داڑھی نہ نکلی ہو۔ اداوۃ۔ چمڑے کا پانی رکھنے کے لئے چھوٹا برتن۔

(۱) اس کی بعد والی روایت میں مِنَّا زائد ہے یعنی انصار میں سے ایک اور بچہ تھا۔ مسلم کی روایت میں یہ بھی ہے یعنی میرا ہمعمر تھا۔

(۲) امام بخاری نے پانی سے استنجاء کرنے کا باب اس لئے باندھا کہ کچھ لوگ اسے ناپسند کرتے تھے۔ اور کچھ لوگوں نے یہاں تک کہہ دیا کہ یہ ثابت نہیں کہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کبھی پانی سے استنجاء کیا ہو۔ ابن ابی شیبہ نے صحیح سندوں کے ساتھ حضرت حذیفہ رضی اللہ

؏ ص۲۱۰ ج۱ ؏ اسی کے بعد متصل دو دو طریقے ،

(۱۱۱) حدیث۔ حمل العنزۃ عند الاستنجاء

عَنْ عَطَاءِ بْنِ أَبِي مَيْمُوْنَةَ سَمِعَ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ يَقُوْلُ كَانَ

عطاء بن ابو میمونہ سے روایت ہے کہ انھوں نے انس بن مالک کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ نبی صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جب میدان

تعالیٰ عنہ کا یہ قول نقل کیا ہے ان سے پوچھا گیا پانی سے استنجاء کرنا کیسا ہے؟ تو فرمایا پھر تو میرے ہاتھ میں ہمیشہ بدبو رہے گی۔ نافع نے حضرت ابن عمر کے بارے میں نقل کیا ہے کہ وہ پانی سے استنجاء نہیں کرتے تھے۔ حضرت عبد اللہ بن زبیر نے فرمایا ہم پانی سے استنجاء نہیں کرتے۔ ابن حبیب مالکی سے منقول ہے کہ انھوں نے پانی سے استنجاء کرنے کو منع فرمایا کیونکہ یہ مطعوم ہے۔ حضرت امام مالک نے اس سے انکار کیا کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کبھی پانی سے استنجاء کیا ہو۔

اور یہاں جو یستنجی بہ کس کے بارے میں ہے کے بیان کے مطابق اصیلی کا گمان یہ ہے کہ حضرت انس کا قول نہیں۔ یہ راوی حدیث امام بخاری کے شیخ کا قول ہے جو انھوں نے اپنے قیاس سے کہا۔ ہو سکتا ہے کہ یہ پانی وضو وغیرہ کے لئے لے جاتے ہوں۔ اس لئے کہ یہی حدیث اس کے متصل سلیمان بن حرب نے اسی سند کے ساتھ شعبہ ہی سے روایت کیا ہے اس میں یستنجی بہ نہیں ——— ابو عبد الملک نے کہا یہ حضرت انس کے تلمیذ ابو معاذ کا اضافہ ہے اس لئے کہ یہ بات صحت کو نہیں پہونچتی ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے پانی سے استنجاء کیا ہے۔ علامہ ابن حجر و علامہ عینی نے اس کے جواب میں فرمایا کہ حضور اقدس صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا پانی سے استنجاء کرنا کثیر احادیث سے ثابت ہے۔ مثلاً اسی کے بعد تیسری حدیث ہے اس میں یستنجی بالماء ہے۔ نیز اسی بخاری[1] میں ہے۔ بطریق روح بن قاسم انھیں عطاء بن میمونہ سے حضرت انس کا قول مذکور ہے۔ اذا تبرز اتیته بماء فیغسل به جب قضاء حاجت کے لئے جاتے تو میں پانی لے کر حاضر ہوتا جس سے دھوتے۔ مسلم[2] میں حضرت انس ہی کا قول ہے۔ فخرج علینا وقد استنجی بالماء ہم میں تشریف لائے اور پانی سے استنجاء فرما چکے تھے۔

ان تمام روایات سے ثابت ہے کہ اس حدیث میں یستنجی بہ حضرت انس ہی کا قول ہے جو انھوں نے رسول اللہ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے عمل کی حکایت کی ہے۔ اس سے ثابت ہو گیا کہ حضور اقدس صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے پانی سے استنجاء فرمایا ہے اور پانی سے استنجاء سنت ہے اس میں ادنیٰ کراہت نہیں۔

مسائل علماء، صلحاء و مشائخ کی خدمت کرنی ان کے احوال پر نظر رکھنی جو ضرورت ہو اسے پوری کرنی باعث شرف ہے۔ اپنے تلامذہ حتیٰ کہ نابالغ بچوں سے خدمت لینے میں کوئی حرج نہیں۔ افضل یہ ہے کہ پہلے ڈھیلے وغیرہ سے استنجاء کرے۔ پھر پانی استعمال کرے صرف ڈھیلے پر یا صرف پانی ہی پر اکتفا بھی جائز ہے۔ البتہ اگر نجاست اپنے مخرج کے علاوہ بقدر درہم پھیل گئی ہو تو پانی سے استنجاء

---

[1] باب ما جاء فی غسل البول ص ۳۵ ج ۱، [2] ص ۱۳۲ ج ۱ باب النہی عن الاستنجاء بالیمین،

رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَدْخُلُ الْخَلَاءَ فَاَحْمِلُ اَنَا وَغُلَامٌ

میں قضاء حاجت کے لئے جاتے تو میں اور ہم میں سے ایک اور لڑکا پانی کا برتن اور چھوٹا نیزہ

اِدَاوَةً مِّنْ مَّاءٍ وَعَنَزَةً يَسْتَنْجِيْ بِالْمَاءِ اَلْعَنَزَةُ عَصًا عَلَيْهِ زُجٌّ۔

لے کر جاتے۔ حضور پانی سے استنجا کرتے۔ عنزہ وہ لاٹھی ہے جس میں پھل لگا ہو۔

حدیث (۱۱۲) ۔ النہی عن الاستنجاء بالیمین

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ اَبِيْ قَتَادَةَ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ، قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ

حضرت ابو قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

واجب ہے اگر ڈھیلے اور پانی میں سے صرف ایک ہی استعمال کرنا ہو تو پانی افضل ہے۔ روافض کے یہاں ڈھیلے سے استنجا جائز نہیں حالانکہ بکثرت احادیث میں تصریح ہے کہ حضور اقدس صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے استنجے کے وقت پتھر استعمال فرمایا۔

تشریحات (۱۱۱)

خلاء:۔ سے یہاں مراد میدان ہے۔ گھر کا بیت الخلاء مراد نہیں۔ عنزہ:۔ اس لاٹھی کو کہتے ہیں جس کے نیچے لوہے کا پھل ہو یعنی چھوٹا نیزہ اسے ساتھ لے جانے کی حکمت یہ تھی کہ بوقت ضرورت دشمنوں اور موذی جانوروں سے بچنے کا اس سے کام لیا جائے۔ زمین کو اگر کھودنے کی حاجت ہو تو اس سے کھود لیں۔ مثلاً ڈھیلا حاصل کرنا ہے یا زمین سخت ہے چھینٹے پڑنے کا اندیشہ ہے۔ کپڑا وغیرہ اس پر ٹانگ سکیں ٹیک لگائیں۔ نماز پڑھنے میں اس کو سترہ بنائیں۔ یہ حدیث کتاب الصلوٰۃ الی العنزۃ ص ۷۱ پر بھی تھوڑے تغیر کے ساتھ مذکور ہے۔ وہاں ہے کہ جب آنحضور اپنی حاجت کے لئے تشریف لے جاتے تو حضور کے پیچھے میں اور ایک اور لڑکا جاتا اور ہمارے ساتھ عکازہ یا عنزہ یا عصا اور پانی کا برتن ہوتا جب حاجت پوری کر لیتے تو ہم حضور سے برتن لے لیتے۔

علامہ ابن حجر نے فرمایا عکازہ یا عنزہ یا عصا کی تردید شک راوی ہے۔ اس لئے کہ اس کے علاوہ ساری روایتیں صرف عنزہ پر متفق ہیں۔ عکازہ اور عنزہ ہم معنی ہیں۔

تشریحات (۱۱۲)

ابو قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سلمی مدنی مشہور صحابی ہیں۔ ان کے نام کے بارے میں اختلاف ہے۔ کسی نے حارث کہا کسی نے نعمان، کسی نے عمرو۔ ان کو فارس رسول اللہ کہا جاتا تھا۔ خود حضور اقدس صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کے بارے میں فرمایا۔ خیر فرساننا الیوم ابو قتادۃ وخیر رجالتنا آج ہمارے سواروں میں سب سے اچھے ابو قتادہ ہیں۔ اور ہمارے سلمۃ بن اکوع (مسلم ج ۲ ص ۱۱۵) پیادوں میں سب سے اچھے سلمہ بن اکوع۔

وَسَلَّمَ اِذَا شَرِبَ اَحَدُكُمْ فَلَا يَتَنَفَّسْ فِى الْاِنَاءِ وَاِذَا اَتَى الْخَلَاءَ فَلَا يَمَسَّ ذَكَرَهٗ

جب تو پانی پیئے تو برتن میں سانس نہ لے۔ اور جب رفع حاجت کے لئے جائے تو اپنا عضو تناسل داہنے ہاتھ

بِيَمِيْنِهٖ وَلَا يَتَمَسَّحْ بِيَمِيْنِهٖ عہ

سے نہ چھوئے اور نہ سیدھے ہاتھ سے پونچھے یعنی استنجا کرے۔

اس میں اختلاف ہے کہ یہ غزوۂ بدر میں شریک ہوئے یا نہیں؟۔ مگر اس پر سب کا اتفاق ہے کہ اُحُد، خندق اور اس کے بعد کے تمام مشاہد میں شریک رہے۔ مشاجرات میں یہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ رہے۔ ان کی جانب سے کچھ دن مکے کے والی بھی رہے۔

علی اختلاف اقوال ۵۵ھ یا ۳۸ھ میں ستر یا بہتر سال کی عمر پاکر مدینہ طیبہ یا کوفے میں وصال فرمایا۔ ایک قول کے مطابق انکی نماز جنازہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پڑھائی۔ ان سے ایک سو ستر حدیثیں مروی ہیں۔ گیارہ متفق علیہ، دو افراد بخاری۔ اور آٹھ افراد مسلم سے ہے ۵

(۱) یعنی پانی پیتے پیتے اس طرح سانس نہ لے کہ سانس کی ہوا پانی میں جائے۔ اس لئے کہ اندر کی ہوا جسم کے مضر بخارات کو لے کر باہر آتی ہے۔ اس سے پانی کے مضر ہونے کا احتمال ہے۔ اس کا بھی اندیشہ ہے کہ سانس کے ساتھ ناک کی رطوبت پانی میں مل جائے۔ جس سے گھن آنے لگے بلکہ سانس لینا ہو تو برتن سے منھ ہٹا کر سانس لے۔ بلکہ احادیث سے ثابت ہے کہ تین سانس میں پانی پینا سنت ہے۔ اور یہ بھی مراد ہو سکتی ہے کہ پانی پیتے پیتے برتن میں منھ ڈالے۔ باہر سے اندر کو سانس نہ لو اس سے اندیشہ ہے کہ پانی ناک میں چڑھ جائے۔ اور حق یہ ہے کہ ہر طرح سانس لینی منع ہے۔

(۲) پیشاب کرتے وقت یا استنجا کرتے وقت داہنے ہاتھ کو شرمگاہ سے لگانا ممنوع ہے یعنی مکروہ تنزیہی ہے۔ اور یہی ظاہر ہے۔ استنجا کرنے کو یتمسح سے تعبیر کرنے میں عموم کا افادہ ہوا۔ کہ خواہ پانی سے استنجا کرے خواہ ڈھیلوں وغیرہ سے۔ بہر حال داہنے ہاتھ سے نہ کرے۔ بلکہ بائیں ہاتھ سے کرے۔ ممانعت کے باوجود اگر داہنے ہاتھ سے استنجا کرے گا تو طہارت ہو جائیگی۔ امام احمد اور بعض اہل ظاہر کا مذہب یہ ہے کہ اگر داہنے ہاتھ سے استنجا کرے گا تو طہارت ہوگی ہی نہیں۔ یہ اختلاف اس وقت ہے جب کہ پانی یا ڈھیلا استعمال کرے۔ اور اگر صرف ہاتھ سے پونچھے تو بالاتفاق طہارت نہ ہوگی اور نہ یہ جائز ہے خواہ داہنا ہاتھ ہو خواہ بایاں۔ اس لئے کہ ہاتھ سے پونچھنے میں نجاست دور ہی نہ ہوگی۔

عہ ایضا۔ لا یمسک ذکرہ بیمینہ اذا بال ص۲۷ ج۱، اشربہ، النہی عن التنفس فی الاناء ص۸۴۲ ج۲۔ مسلم طہارت: ۶۳، ۶۴، ابو داؤد طہارت ص۱۸، اشربہ ۲۰۔ ترمذی طہارت، ۱۱، اشربہ ۱۰، ۱۶، نسائی طہارت، ۴۲، ۴۶، ۶۰، ابن ماجہ طہارت، ۱۵، اشربہ: ۲۳، ۲۴، دارمی: وضو ۱۲۰ اشربہ: ۱، ۲، مسند امام احمد۔ ۵ اصابہ، استیعاب، عینی۔

⑪٣ حدیث۔ الاستنجاء بالاحجار

عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ قَالَ اِتَّبَعْتُ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ نبی صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پیچھے چلا اور حضور رفع حاجت

وَخَرَجَ لِحَاجَتِہٖ وَکَانَ لَا یَلْتَفِتُ فَدَنَوْتُ مِنْہُ فَقَالَ اَبْغِنِیْ اَحْجَارًا اَسْتَنْفِضْ بِھَا

کے لئے نکلے تھے اور حضور ادھر ادھر نہیں دیکھتے تھے۔ میں نزدیک پہنچ گیا۔ فرمایا میرے لئے کچھ پتھر تلاش کرو جس سے استنجا کروں۔

تشریحات ⑪٣

استنفض بھا اس کا مادہ نفض ہے۔ جس کے معنی جھاڑنے کے ہیں۔ جھاڑنے سے چیز صاف ہو جاتی ہے۔ اس طرح استنفض کے معنی ہوئے جس سے میں صفائی حاصل کروں۔ جس کا حاصل استنجا، ہوا۔

① پتھر کی تخصیص صرف اس لئے کی کہ وہاں سوائے پتھر کے اور کچھ نہ مل سکتا تھا۔ ورنہ پتھر کی طرح ڈھیلے کنکر وغیرہ سے بھی استنجا، بلاکراہت جائز ہے۔ اس پر دو قرینہ ہے۔ ایک پتھر سے جو کام لینا ہے وہ صفائی کا ہے تو جس چیز سے صفائی حاصل ہو جائے۔ اس سے استنجا ہو سکتا ہے۔ دوسرے حضور نے نہی میں تخصیص فرما دی کہ ہڈی اور گوبر مت لانا تو معلوم ہو گیا کہ ہڈی اور گوبر اور اس قسم کی چیزوں کے سوا، دوسری چیزوں سے استنجا، بلاکراہت جائز ہے۔

بعض ظاہریہ اور بعض حنبلی حضرات نے اس حدیث سے استدلال کیا۔ کہ پتھر کے سوا اور کسی بھی چیز سے استنجا نہیں ہو سکتا ان کا استدلال یہ ہے کہ حضور نے پتھر کی تخصیص کر دی ہے۔ مگر ان کا یہ استدلال درست نہیں۔ اس لئے کہ یہ تخصیص مقامی مجبوری یا آسانی کی وجہ سے اتفاقی تھی کہ یہاں آسانی سے صرف پتھر ہی مل سکتا تھا۔ یا سوائے پتھر کے ڈھیلا بالکل نہ مل سکتا ہو۔ اور یہ بالکل ظاہر ہے کہ اتفاقی تخصیص اپنے ماعدا کی نفی نہیں کرتی۔

② ہڈی، گوبر، مینگنی سے استنجا ممنوع ہونے کی احادیث میں یہ علت مذکور ہے۔ کہ یہ جنوں کی خوراک ہے۔ بخاری، بعث، صـ۵۴۴ میں یہی حدیث یوں ہے۔ کہ یہ دونوں جنوں کی خوراک ہیں۔ میرے پاس نصیبین کے جنوں کا وفد آیا۔ اور یہ اچھے جن تھے۔ انھوں نے مجھ سے سفر کی خوراک مانگی۔ میں نے ان کے لئے اللہ تعالیٰ سے دعا کر دی اب یہ کسی بھی ہڈی یا گوبر کے پاس پہونچیں گے تو ان پر کھانا پائیں گے۔

اور ابو داؤد[1] میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے۔ کہ جن کا وفد خدمت اقدس میں حاضر ہوا۔ او

---

[1] الطہارت۔ ما نہی عنہ ان یستنجی بہ صـ۱

اَوْ نَحْوَہٗ وَلَا تَاتِنِیْ بِعَظْمٍ وَّلَا رَوْثٍ۔ فَاَتَیْتُہٗ بِاَحْجَارٍ بِطَرَفِ ثِیَابِیْ

یا اسی قسم کا کوئی اور جملہ فرمایا۔ اور ہڈی یا گوبر مت لانا۔	میں کچھ پتھر اپنے دامن میں لے آیا۔

عرض یا رسول اللہ اپنی امت کو ہڈی اور گوبر اور کوئلے سے استنجا کرنے سے منع فرمادیں۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے ان میں ہماری روزی رکھی ہے۔ تو حضور نے منع فرمادیا۔

مسلم[1] میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے۔ کہ رسول اللہ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے پاس جنوں کا داعی آیا۔ میں اس کے ساتھ گیا۔ میں نے ان پر قرآن پڑھا۔ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ حضور اس کے بعد مجھے اپنے ہمراہ لے گئے مجھے ان کے قدم اور آگ کے نشانات دکھائے۔ انھوں نے آنحضور سے سفر کی خوراک مانگی تو فرمایا۔ ہر وہ ہڈی، جو اللہ کے نام سے ذبح کی گئی ہو۔ جب تمھارے ہاتھ میں آئے گی اس پر پہلے والا پورا گوشت ہوگا۔ اور ہر مینگنی تمھارے چوپاؤں کا چارہ ہے۔ اس کے بعد رسول اللہ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ان دونوں سے استنجا نہ کرو۔ اس لئے کہ یہ تمھارے بھائی جنوں کی خوراک ہے۔ بطریق محمد بن مثنیٰ یوں ہی ہے۔ مگر بطریق علی بن حجر السعدی اس طرح ہے کہ آثار نیرانھم تک حضرت ابن مسعود کا قول ہے۔ اور اس کے بعد امام شعبی کا ہے۔ علامہ نووی نے دارقطنی وغیرہ کے حوالہ سے کہا کہ وسئلوہ عن الزاد سے اخیر تک شعبی کا قول ہے۔ پھر فرمایا۔ مگر یہ بات بغیر سماع نہیں جان سکتی اور مالا یدرک الا بالسماع مرفوع کے حکم میں ہوتا ہے اس لئے یہ بھی حدیث ہی ہے آثار نیرانھم تک ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول ہے بقیہ کسی اور صحابی سے مروی ہے۔ بہر حال یہ بھی حضور ہی کا ارشاد ہے۔ حاکم نے دلائل النبوۃ میں اس کا اخیر حصہ یوں روایت کیا۔

حضور نے فرمایا۔ میں نے انھیں ہڈی اور گوبر دیا تو ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ یہ انھیں کیا کام دے گا۔ فرمایا۔ ہر ہڈی پر یہ لوگ پہلے والا گوشت پائیں گے۔ اور ہر گوبر پر وہ دانہ پائیں گے۔ جو کھانے کے دن تھا۔ اس لئے کوئی ہڈی اور گوبر سے استنجا نہ کرے۔

ان سب روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ ہڈی اور گوبر سے استنجا کرنے کی ممانعت اسلئے ہے کہ یہ جنوں اور انکے چوپاؤں کی خوراک ہے۔

تطبیق بخاری کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ جنوں کی درخواست پر، حضور نے دعا فرمائی تو ہڈی وغیرہ ان کی خوراک ہوئی اور مسلم کی روایت سے پتہ چلتا ہے کہ حضور نے انھیں یہ چیزیں توشے کے لئے دیں۔ ان دونوں میں کوئی منافات نہیں۔ مسلم کی روایت

[1] الصلوٰۃ للجھر بالقرآن فی الفجر والقراۃ علی الجن ص۱۸۴،

فَوَضَعْتُهَا إِلَى جَنْبِهِ وَأَعْرَضْتُ عَنْهُ فَلَمَّا قَضَى أَتْبَعَهُ بِهِنَّ ـ

اور آپ کے پہلو میں رکھ دیا۔ اور وہاں سے ہٹ آیا۔ قضاء حاجت کے بعد ان پتھروں کو استعمال فرمایا۔

میں اختصار ہے۔ حضور نے دعاء فرمائی دعاء فرمانے کے بعد ان سے ارشاد فرمایا کہ تمہارے لئے زاد سفر یہ ہے۔ البتہ ابو داؤد کی روایت صحیحین کی روایت کے معارض ہے۔ کہ اس میں یہ تصریح ہے کہ جنوں نے عرض کیا کہ یہ چیزیں ہمارا رزق ہیں۔ حضور اپنی امت کو ان سے استنجا کرنے سے منع فرمادیں۔ اس کی توجیہ یہ ہے کہ ابتداء میں یہی ہوا کہ جنوں نے زاد راہ کی درخواست کی تو آنحضور صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دعاء فرمائی اور ہڈی وغیرہ انھیں زاد راہ دی۔ جیساکہ صحیحین میں ہے۔ مگر چونکہ یہ واقعہ ابتدائے اسلام کا ہے۔ بعد میں جب اسلام کی اشاعت ہوئی لوگ بکثرت مسلمان ہوئے مگر سب کو یہ بات معلوم نہ تھی۔ لوگ ہڈی سے استنجا کرتے رہتے تھے۔ تو بعد میں جنوں نے آکر شکایت کی۔ کہ یہ ہماری روزی ہے اس سے استنجا کرنے سے آپ منع فرمادیں۔ جیساکہ ابو داؤد میں ہے۔

جنوں کی خوراک ہڈی اور روث دونوں ہیں۔ یا ہڈی جنوں کی خوراک ہے اور روث ان کے چوپاؤں کی۔ مسلم شریف کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ ہڈی جنوں کی خوراک ہے اور گوبر وغیرہ ان کے چوپاؤں کی۔ اور ابو داؤد کی حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ ہڈی اور گوبر دونوں جنوں کی خوراک ہے۔ میرا ظن غالب یہ ہے کہ ہڈی تو جنوں کی خوراک ہے۔ اور روث میں تفصیل ہے۔ اگر وہ کسی ایسی چیز کی مینگنی یا گوبر ہے جو انسان کھاتے ہیں تو جنوں کی بھی خوراک ہو سکتی ہے۔ وہ اس پر وہ دانہ پائیں گے جس کے کھانے سے مینگنی بنی ہے۔ اور ان کے چوپاؤں کی مطلقاً غذا ہے کسی بھی چیز کی ہو۔

اب اس پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ گوبر وغیرہ ناپاک ہیں۔ اور ناپاک چیزوں کا کھانا حرام ہے۔ اور ناپاک چیز کا کھانا انسان کی طرح جنوں کے لئے بھی حرام ہے۔ ورنہ استنجاء کرنے سے ممانعت کی کوئی وجہ نہ ہوتی۔ اس کا جواب یہ ہے کہ جب وہ گوبر ان کے ہاتھ میں جاتا ہے گوبر نہیں رہتا بلکہ بدل کر دانہ ہو جاتا ہے۔ تو اب ناپاک بھی نہ رہا۔ قلب ماہیت کے بعد ناپاک، پاک ہو جاتا ہے۔ جیسے یہی گوبر مٹی میں مل کر جب مٹی ہو جاتا ہے تو پاک ہو جاتا ہے۔ اس سے دیوبندی شیخ الہند صاحب کی یہ توجیہ باطل ہوگئی کہ اس کا امکان ہے کہ اس خصوص میں انسان اور جن میں تفریق ہو جیسے ریشمی لباس میں مرد و عورت کے مابین ہے۔

گوبر سے ممانعت کی دوسری وجہ اس کا ناپاک ہونا ہے جیساکہ خود بخاری کی اس کی بعد والی حدیث میں تصریح ہے۔ کہ یہ نجاست ہے۔ ان سب کا خلاصہ یہ نکلا کہ ایسی چیزوں سے جو خوراک ہو استنجاء منع ہے۔ خواہ انسان کی ہو خواہ جن کی خواہ حیوانات کی۔ اسی کے حکم میں ہر وہ چیز ہے جو شرعاً محترم ہو یا اس کی کچھ قیمت ہو۔ جیسے کاغذ۔ یوہیں کسی بھی ناپاک چیز سے استنجاء کرنے کی ممانعت ہے۔ مثلاً مینگنی وغیرہ سے۔ یہ ممانعت حد کراہت تک ہے۔ اگر کسی نے ان ممنوع چیزوں سے استنجاء کرلیا اور نجاست دور ہوگئی تو طہارت حاصل ہوگئی۔ اگرچہ یہ فعل مکروہ ہے۔ اس لئے کہ مخرج نجاست اصل میں پاک تھا۔ نجاست نکلنے کے بعد نجاست سے

(۱۱۴) حدیث۔ النھی عن الاستنجاء بالروث

اَنَّہٗ سَمِعَ عَبْدَاللّٰہِ یَقُوْلُ، اَتَی النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَلْغَائِطَ

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قضاء حاجت کے لئے جنگل تشریف لے گئے

ملوث ہونے کی وجہ سے ناپاک ہوا تھا جب یہ نجاست کسی بھی چیز سے دور ہوگئی تو پاک ہوجانے میں کوئی شبہ نہیں۔

تشریحات (۱۱۴)

رکسٌ، رجسٌ، دونوں بمعنی نجاست ہیں۔ ایک لغت میں جیم کے بجائے کاف بھی ہے اور یہی ظاہر ہے۔ اس لئے کہ ابن ماجہ اور ابن خزیمہ میں رکسٌ کے بجائے رجسٌ ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ رِکسٌ کے معنی رَدٌّ لوٹنے اور لوٹانے کے ہیں۔ قرآن مجید میں ہے اُرْکِسُوْا فِیْھَا" انھیں اس میں لوٹاؤ۔ چونکہ گوبر اصل میں خوراک ہوتا ہے۔ پھر ناپاک کی طرف لوٹتا ہے۔ اس لئے اسکو رکسٌ کہتے ہیں۔ علامہ ابن حجر نے اس پر یہ فرمایا کہ پھر اسے رَکسٌ را، کے کسرکے بجائے فتحے کے ساتھ ہونا چاہئے۔ اس لئے اس معنی میں را کے فتح کے ساتھ ہی ہوتا ہے۔ امام نسائی[۱] نے فرمایا کہ رکس کے معنی جنوں کی خوراک کے ہیں۔ علامہ ابن حجر نے فرمایا کہ اگر یہ لغت سے ثابت ہو تو پھر کوئی اشکال ہی نہیں۔ قاموس میں ہے کہ رُکسٌ کے معنی کسی چیز کو الٹا کرنے کے ہیں۔ اور راء کے کسرے کے ساتھ نجس کے معنی میں ہے۔

(۱) اس حدیث کی سند میں امام بخاری نے فرمایا۔ کہ ابو اسحٰق نے کہا یہ حدیث ابو عبیدہ نے مجھ سے نہیں ذکر کیا۔ بلکہ عبدالرحمٰن بن اسود نے کیا ہے یہ اپنے باپ اسود بن یزید نخعی سے روایت کرتے ہیں۔ کہ انھوں نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سنا۔ اس تفصیل کی ضرورت یہ پیش آئی کہ ابو عبیدہ حضرت عبداللہ بن مسعود کے صاحبزادے ہیں۔ اور ان کا اپنے باپ سے سماع ثابت نہیں۔

اس پر شاذکولی نے یہ اعتراض کیا کہ اس تدلیس ہے اور ایسی تدلیس کہ اس سے خفی تر تدلیس میں نے سنی نہیں۔ اس لئے کہ ابو اسحٰق نے یہ نہیں کہا کہ مجھ سے ذکر کیا بلکہ صرف یہ کہا کہ ذکر کیا۔ اس کے جواب کی طرف امام نے اشارہ کرنے کے لئے اخیر میں یہ تعلیق ذکر کی ہے۔ کہ ابراھیم بن یوسف نے اپنے باپ سے روایت کرتے ہوئے کہا کہ ان کے باپ ابو اسحٰق سے روایت کرتے ہیں کہ مجھ سے عبدالرحمٰن نے حدیث بیان کی۔ اس میں ابو اسحٰق نے یہ بالتصریح کہا کہ مجھ سے عبدالرحمٰن بن اسود نے حدیث بیان کی۔

استنجاء میں تین ڈھیلے کا حکم احناف کے نزدیک طہارت کے لئے تین ڈھیلوں کی شرط نہیں۔ اگر ایک ہی سے نجاست دور

---

[۱] نسائی صٹ،

فَاَمَرَنِیْ اَنْ اٰتِیَہٗ بِثَلٰثَۃِ اَحْجَارٍ فَوَجَدْتُ حَجَرَیْنِ وَالْتَمَسْتُ

تو مجھے حکم دیا کہ میں تین پتھر لاؤں مجھے دو پتھر تو ملا تیسرا تلاش کیا۔

ہو جائے تو کافی ہے۔ البتہ تین کا پورا کر لینا مستحب ہے۔ شوافع کہتے ہیں کہ تین کا عدد پورا کرنا واجب ہے۔ اس سے کم ہو تو طہارت ہی نہ ہوگی۔ ان کی دلیل حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی یہ حدیث ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ہمیں قضاء حاجت کے وقت قبلہ کی جانب منھ کرنے، اور داہنے ہاتھ سے استنجاء کرنے، اور تین پتھروں سے کم سے استنجاء کرنے سے منع فرمایا[۱] اس مضمون کی اور بھی احادیث ہیں۔

احناف کہتے ہیں کہ قضاء حاجت سے قبل محل پاک تھا۔ قضاء حاجت کے بعد نجاست لگنے سے ناپاک ہوا۔ یہ نجاست کسی چیز سے دور کر دی جائے تو محل پھر پاک ہو جائے گا۔ خواہ ایک بار استعمال کرنے سے یا چند بار۔ ان کی دلیل یہ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث ہے۔ کہ حضور نے دو ہی سے استنجاء فرمایا۔ اگر تین ڈھیلوں کا استعمال واجب ہوتا اور اس سے کم سے طہارت نہ ہوتی تو حضور اقدس صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تیسرا ڈھیلا ضرور منگاتے اور استعمال فرماتے۔ یہ استدلال امام طحاوی کا ہے۔ اس پر علامہ ابن حجر نے یہ تعقب کیا کہ اس حدیث کو امام احمد نے اس اضافے کے ساتھ ذکر کیا کہ آنحضور صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے انھیں تیسرا ڈھیلا لانے کا حکم دیا۔ طحاوی اس روایت سے غافل رہے۔ علامہ ابن حجر نے امام طحاوی پر یہ تنقید کر دی لیکن امام ترمذی کو کیا کہیں گے جو شافعی ہیں مگر وہ بھی امام احمد والی روایت کی اس زیادتی سے غافل رہے۔ انھوں نے اس حدیث پر جو باب باندھا وہ الاستنجاء بالحجرین ہے۔

میری گزارش یہ ہے کہ امام احمد کی روایت اگر در بارۂ احکام قابل احتجاج ہو بھی تو اس سے اگر ثابت ہوتا ہے تو صرف یہ کہ تیسرے پتھر کے لانے کا حکم دیا۔ مگر کسی روایت میں یہ نہیں کہ وہ تیسرا پتھر لائے بھی اور حضور نے اسے استعمال بھی فرمایا۔ اور غور کرنے سے ظاہر ہوتا ہے کہ جگہ ایسی تھی جہاں پتھر کے ملنے میں دشواری تھی۔ ورنہ وہ پہلے ہی بار لائے ہوتے۔ گو ہر کیوں لائے؟۔ جس سے غالب گمان یہی ہے کہ وہ تیسرا پتھر لائے ہی نہیں۔

پہلی توجیہ احادیث میں تین عدد کا ذکر اس وجہ سے ہے کہ اغلب یہی ہے کہ تین سے نجاست دور ہو جاتی ہے اس کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے جسے امام احمد و ابو داؤد[۲] و نسائی[۳] نے ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کیا کہ رسول اللہ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

۱۔ مسلم ج ۱ ص ۱۳۰، ۲۔ ایضاً ج ۱ ص ۶، ۳۔ ایضاً ج ۱ ص ۶ د

الثالث فلم اجده فاخذت روثة فاتيته بها

مگر نہ ملا۔ تو میں نے گوبر کا ٹکڑا لے لیا اور حاضر خدمت کر دیا۔

کہ جب تم رفع حاجت کے جاؤ تو اپنے ساتھ تین پتھر لے جاؤ۔ ان سے استنجا کرو یہ تمھارے لئے کافی ہوگا۔ حدیث کا یہ حصہ وفانھا تجزی عنه،، یہ تمھارے لئے کافی ہوگا اس پر دلالت کرتا ہے کہ تین کی قید اس لئے ہے کہ عموماً تین سے طہارت ہو جاتی ہے۔ اس سے کم سے عام طور پر نجاست کا ازالہ نہیں ہوتا۔ اس لئے جن احادیث میں تین ڈھیلوں سے کم پر اکتفاء سے ممانعت ہے وہ اکثر احوال کے لحاظ سے ہے۔ اب ان سب احادیث کا حاصل یہ ہوا کہ چونکہ عام طور پر تین ڈھیلوں سے کم میں نجاست دور نہیں ہوتی اور تین سے دور ہو جاتی ہے۔ اس لئے تین ڈھیلوں کے لئے ارشاد فرمایا۔

دوسری توجیہ اس کے علاوہ ابوداؤد میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:-

من استجمر فليوتر من فعل فقد احسن و من لا فلاحرج [1]

استنجاء میں جو ڈھیلا استعمال کرے طاق استعمال کرے جس نے ایسا کیا اس نے اچھا کیا جس نے نہیں تو کوئی حرج نہیں۔

وتر ایک کو بھی شامل ہے۔ لیکن ایک یہاں مراد نہیں ہو سکتا اس لئے کہ ایک مراد لینے میں حدیث کا مطلب یہ ہوگا کہ جس نے ایک ڈھیلا استعمال کیا اس نے اچھا کیا۔ جس نے نہیں کیا تو کوئی حرج نہیں۔ تو لازم آیا کہ اگر ایک ڈھیلا بھی استعمال نہ کرے تو کوئی حرج نہیں۔ اور یہ سرے سے استنجا ہی کی نفی ہوئی۔ ایک کے بعد وتر کا پہلا درجہ تین ہے اور فلیوتر اپنے اطلاق سے تین کو بھی شامل تو حاصل یہ ہوا کہ اگر ایک یا دو ڈھیلے سے نجاست دور ہو گئی تو تین کا عدد پورا کر لینا اچھا ہے۔ اور اگر تین عدد نہیں بھی پورا کیا تو کوئی حرج نہیں۔ یہی مستحب ہونے کا مفاد ہے۔ جیسا کہ اگر تین سے نجاست زائل نہ ہوئی تو چوتھا ڈھیلا استعمال کرنا ضروری ہوا۔ چار سے نجاست دور ہو گئی تو پانچویں کا استعمال بہتر ہے۔ اور اگر کوئی پانچواں استعمال نہ کرے تو کوئی حرج نہیں علیٰ ھذا القیاس،

خلاصہ یہ کہ تین یا پانچ وغیرہ ڈھیلوں سے طہارت نہ حاصل ہونے میں جو تفصیل ہے وہی تین سے کم میں بھی جاری ہوگی۔ تو جس طرح اوپر کے مدارج میں وتر پورا کرنا مستحب ہے اسی طرح تین سے کم میں نجاست دور ہو گئی تو تین کا عدد پورا کر لینا بہتر ہے ان سب کا ماحصل یہ ہوا کہ استنجاء سے مقصود ازالۂ نجاست ہے۔ اکثر احوال میں تین سے ازالۂ نجاست ہو جاتا ہے اس لئے ان روایات میں تین کے عدد کو ذکر فرمایا۔ شارع کو طاق کا عدد بھی محبوب ہے۔ تین سے یہ بھی حاصل ہو جاتا ہے۔ چونکہ تین میں اکثر احوال

---

[1] ج ۱ ص ۲۹،

فَاَخَذَ الْحَجَرَیْنِ وَاَلْقَی الرَّوْثَۃَ وَقَالَ ھٰذَا رِکْسٌ عہ

حضور نے دونوں پتھر لے لئے اور گوبر پھینک دیا اور فرمایا یہ نجس ہے۔

کے لحاظ سے ازالۂ نجاست بھی ہوجاتا ہے اور وتر بھی ہونا پایا جاتا ہے۔ اس لئے اکثر روایات میں تین کو ذکر فرمایا گیا۔ یہ نہیں کہ تین کا عدد واجب ہے اس لئے اس کو ذکر فرمایا۔ بلکہ اس لئے کہ یہ مزیل نجاست بھی ہے اور طاق بھی ہے۔

احادیث کا مطالعہ کرنے والا جانتا ہے کہ صرف یہی ایک موقع نہیں۔ بہت سے دیگر مواقع پر بھی تین کا عدد مذکور ہے۔ مگر بالاتفاق ثاں تین بار وہ عمل فرض و واجب نہیں۔ مثلاً حجۃ الوداع کے موقع پر ایک صاحب حاضر ہوئے۔ خلوق (زعفرانی خوشبو) میں لت پت جبہ پہنے ہوئے دریافت کیا کہ میں کیا کروں، حضور نے سکوت فرمایا۔ پھر وحی کا نزول ہونے لگا۔ نزول وحی کے بعد فرمایا جہاں جہاں یہ خوشبو تمھارے بدن پر لگی ہوا سے تین بار دھولو اور جبہ اتار ڈالو لہ

اس کے تحت علامہ نووی نے لکھا۔

انما امر بالثلث مبالغۃ فی ازالۃ لونہ وریحہ والواجب الازالۃ فان حصلت بمرۃ لخفتہ لم تجب الزیادۃ ۲ہ

تین بار دھونے کا حکم خوشبو کے رنگ اور بو کو بالکلیہ دور کرنے کے لئے ہے۔ اور واجب ازالہ ہے اگر ایک بار میں حاصل ہوجائے تو اس سے زیادہ دھونا واجب نہیں۔

اسی طرح یہاں بھی خوب اچھی طرح طہارت حاصل کرنے کے لئے تین ڈھیلوں کا حکم ارشاد ہوا اگر تین سے کم میں نجاست دور ہوجائے تو اس سے زیادہ کرنا واجب نہیں۔ البتہ مستحب ہے۔

تیسری توجیہ امر کبھی کبھی اس معنی کے لئے بھی آتا ہے کہ جو کام کر رہے تھے کرتے رہو۔ یعنی بقا علی الفعل جیسے غزوہ سیف البحر میں جب زاد راہ ختم ہوگیا تو قیس بن سعد اونٹ خرید کر تین دن تک تین تین ذبح کرتے اور مجاہدین کو کھلاتے۔ مگر اس سے اندیشہ تھا کہ اونٹ ختم ہوجاتے یا کم ہوجائے جس سے بار برداری میں سخت دقت ہوتی۔ اس لئے سالار فوج سیدنا ابو عبیدہ بن جراح امین امت نے اس سے روک دیا۔ نوبت بایں جا رسید کہ صحابۂ کرام نے درخت کے پتے کھا کھا کے دن کاٹے۔ پھر اللہ عزوجل نے کرم فرمایا اور سمندر نے ایک بہت بڑی عنبر نامی مچھلی کنارے پھینک دی۔ جسے ان مجاہدین نے پندرہ یا اٹھارہ دن تک کھایا۔ حضرت قیس نے مدینہ طیبہ واپس آکر اپنے والد حضرت سعد بن عبادہ سے بیان کیا کہ لوگ اس لشکر میں بھوکے ہوگئے تو انھوں نے فرمایا۔

عہ ترمذی، طہارت، استنجا بالحجرین نسائی، طہارت۔ الرخصۃ فی الاستطابۃ بحجرین۔ ابن ماجہ، طہارت، الاستنجا بالحجارۃ، مسند امام احمد

لہ بخاری صفحہ ۲۱۰، مسلم ۳۷۴/۱ ۲ہ شرح مسلم صفحہ ۳۷۴/۱

(۱۵) حدیث۔ الوضوء مرۃ مرۃ

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْھُمَا قَالَ تَوَضَّأَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَرَّۃً مَرَّۃً عہ

ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے کہا کہ نبی صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک ایک بار وضوء فرمایا۔

انحر قال نحرت قال ثم جاءوا قال انحر قال نحرت قال ثم جاءوا قال انحر قال لغرت قال ثم جاءوا قال انحر قال نُہیتُ لہ

تمھیں چاہئے تھا کہ اونٹ ذبح کرتے انھوں نے عرض کیا میں نے ذبح کیا پھر لوگ بھوکے ہوئے تو ان کے والد نے کہا کہ تمھیں اونٹ ذبح کرنا چاہئے تھا۔ انھوں نے عرض کیا کہ میں نے ذبح کیا پھر لوگ بھوکے ہوئے تو انکے والد نے فرمایا کہ تمھیں اونٹ ذبح کرنا چاہئے تھا۔ عرض کیا میں نے ذبح کیا پھر لوگ بھوکے ہوئے فرمایا تم کو اونٹ ذبح کرنا چاہئے تھا۔ عرض کیا مجھے منع کر دیا گیا۔

ظاہر ہے کہ اُس کا وقت نکل چکا تھا اور "انحر" کے یہ معنی نہیں ہوسکتے کہ ذبح کرو۔ بلکہ یہاں متعین ہے کہ معنی وہی ہیں جو ہم نے لکھے۔ یعنی تمھیں چاہئے تھا کہ ذبح کرتے رہتے۔

اسی طرح ایک اور واقعہ حضرت اُسید بن حُضیر کا ہے۔ یہ رات میں سورۂ بقرہ کی تلاوت کر رہے تھے۔ انکے صاحبزادے یحییٰ پاس ہی سو رہے تھے۔ وہیں گھوڑا بندھا ہوا تھا فرشتے بادل میں نورانی چراغوں کی شکل میں ان کی تلاوت سننے کے لئے اترے جس سے گھوڑا بھڑکا۔ انھوں نے قرأت بند کر دی تو گھوڑا پُرسکون ہوگیا۔ پھر پڑھنے لگے تو پھر بدکا پھر یہ چپ ہو گئے تو سیدھا ہو گیا پھر پڑھنا شروع کیا تو پھر کودنے لگا۔ انھوں نے تلاوت بند کر کے اپنے بچے کو وہاں سے دور کر دیا۔ اب آسمان کی طرف نظر اٹھائی تو دیکھا کہ بادل کے ٹکڑے میں چراغ کے مثل روشنیاں ہیں۔ صبح کو خدمت اقدس میں حاضر ہو کر سارا ماجرا بیان کیا تو فرمایا۔ اقرأ یا ابن حضیر۔ اقرأ یا ابن حضیر۔ اے حضیر کے بیٹے تم کو پڑھتے رہنا چاہئے تھا، اے حضیر کے بیٹے تم کو پڑھتے رہنا چاہئے تھا۔ لہ

ہر شخص پر روشن ہے کہ یہاں اقرأ کے معنی یہی ہیں کہ تم کو پڑھتے رہنا چاہئے تھا کیونکہ اس کا وقت گزر چکا تھا اس لئے کہ آگے اس کے بعد ہے کہ حضرت اُسید نے عرض کیا۔ میں ڈرا کہ کہیں گھوڑا یحییٰ کو کچل نہ دے۔ اس کی اور بھی بہت سی نظیریں ہیں۔ اسی

عہ یہ حدیث افراد بخاری سے ہے۔ علاوہ ازیں ابوداؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ نے کتاب الطہارت میں ذکر کیا ہے۔

لہ بخاری ص ۶۲۶ ج ۲، ۲ہ بخاری ص ۲۵ ج ۱،

(۱۱۴) حدیث ۔ الوضوء مرتین مرتین

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ زَيْدٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَوَضَّأَ مَرَّتَيْنِ مَرَّتَيْنِ عہ

عبد اللہ بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ نبی صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دو دو بار وضو فرمایا۔

طرح یہاں اس حدیث میں "ائتنی بثالثة" کے معنی یہ ہیں کہ تمھیں تیسرا لانا چاہئے تھا۔ اس پر قرینہ یہ ہے کہ وہاں پتھروں کی بہت کمی تھی۔ حضرت عبد اللہ کو تلاش کے باوجود دو ہی پتھر ملے۔ غالباً دیر ہو جانے کے اندیشے سے یہ دو پتھر اور گوبر کا ٹکڑا لائے۔ گوبر پھینک دیا اور فرمایا ناپاک ہے۔ اس کے بجائے تیسرا پتھر لانا چاہئے تھا۔

تشریحات (۱۱۵)

یہ فرض کا درجہ ہے کہ کم از کم اعضاء وضو کو ایک ایک بار دھویا جائے۔ مگر تین تین بار دھونا سنت ہے۔ وقت میں گنجائش ہو اور پانی بھی اتنا ہو کہ تین تین بار اعضاء وضو دھو سکتا ہو تو تین بار سے کم دھونا ہرگز نہیں چاہئے۔ یہ ترک سنت ہے۔ اور اگر وقت اتنا تنگ ہے کہ اعضاء وضو تین بار دھونے میں وقت ختم ہو جانے کا اندیشہ ہو تو فرض ہے کہ صرف ایک ایک بار دھوئے تاکہ نماز قضاء نہ ہو۔

تشریحات ۱۱۶

ان دونوں حدیثوں میں ایک ایک بار، دو، دو بار سے اعضاء وضو کا صرف ایک ایک بار یا دو، دو بار دھونا مراد ہے۔ اس میں بھی وہی تفصیل ہے جو حدیث ۱۱۵ میں مذکور ہوئی۔ اور اس کا وہی فائدہ ہے۔ نیز یہ رد ہے ان لوگوں کا جو یہ کہتے ہیں کہ وضو میں اعضاء کا تین تین بار دھونا فرض ہے۔ تین بار سے کم دھونے سے وضو نہ ہوگا۔ اس بارے میں روایتیں پانچ طرح ہیں۔ ہر ہر عضو کو ایک ایک بار دھویا۔ ہر عضو کو دو بار دھویا۔ ہر عضو کو تین بار دھویا۔ بعض اعضاء کو ایک بار دھویا اور بعض کو تین تین، یا بعض اعضاء کو دو دو مرتبہ دھویا اور بعض کو تین تین بار۔

عہ افراد بخاری سے یہ بھی ہے۔ صحاح ستہ میں سے کسی نے اسے ذکر نہیں کیا۔

⑪⑤ حدیث۔ الوضوء ثلثاً ثلثاً

أَنَّ حُمْرَانَ مَوْلَى عُثْمَانَ أَخْبَرَهُ أَنَّهُ رَأَى عُثْمَانَ بْنَ عَفَّانَ دَعَا بِإِنَاءٍ فَأَفْرَغَ

حضرت عثمان کے آزاکردہ غلام حُمران[1] نے بیان کیا کہ حضرت عثمان بن عفان کو انھوں نے دیکھا کہ انھوں نے (پانی کا)[2] برتن مانگا۔

تشریحات ۱۱۵

① امیرالمومنین حضرت عثمان بن عفان بن ابی العاص بن امیہ بن عبد شمس بن عبد مناف۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ خلیفۂ ثالث اور عشرۂ مبشرہ میں سے ہیں۔ حضور اقدس صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی پھوپھی ام حکیم البیضا بنت عبد المطلب کی صاحبزادی، اروی کے صاحبزادے ہیں۔ حضرت بیضا کی خصوصیت یہ ہے کہ یہ حضرت عبداللہ کے ساتھ جڑواں پیدا ہوئی تھیں [1]

حضور اقدس صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے چھ سال چھوٹے ہیں۔ یہ سابقین اولین میں سے ہیں۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ کے ہاتھ پر اسلام لائے۔ اسلام قبول کرنے والوں میں ان کا چوتھا یا پانچواں نمبر ہے۔ اسلام لانے کے جرم میں ان کا چچا حکم بن العاص انھیں چٹائی میں لپیٹ کر دھونی دیتا تھا۔ جس سے دم گھٹ گھٹ جاتا۔ مگر ان کی استقامت میں کوئی فرق نہیں آیا۔ حبشہ کی طرف پہلی ہجرت کی تھی۔ ان کے فضائل و مناقب مشہور و معروف ہیں۔ حضور اقدس صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اتنے پیارے تھے کہ یکے بعد دیگرے اپنی دو صاحبزادیاں، حضرت رقیہ پھر حضرت ام کلثوم ان کے نکاح میں دیں۔ اس لئے ذوالنورین ان کا خطاب ہے۔ حضرت ام کلثوم کے وصال کے بعد حضور اقدس صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر اور کوئی بیٹی ہوتی تو اس کو بھی تمھاری زوجیت میں دے دیتا۔ غزوۂ بدر کے موقع پر حضرت رقیہ کی حالت بہت نازک تھی۔ حضور نے انھیں حضرت رقیہ کی دیکھ بھال کے لئے مدینہ طیبہ ہی میں روک دیا۔ مگر شرکاء بدر میں شمار فرمایا۔ اور مال غنیمت سے بھی حصہ دیا۔ اسی طرح بیعت رضوان میں بھی یہ شریک نہ ہوسکے۔ اس لئے کہ یہ اس وقت مکہ معظمہ قریش سے مصالحت کی گفتگو کے لئے گئے تھے۔ آنے میں تاخیر ہوئی اور یہ افواہ پھیل گئی کہ حضرت عثمان شہید کر دیئے گئے۔ اسی پر حضور نے بیعت رضوان لی تھی۔ حضور نے اپنے ایک ہاتھ کو دوسرے پر رکھا اور فرمایا: یہ بیعت عثمان کی ہے۔ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تدفین کے تین دن بعد ان کی مقرر کردہ شوریٰ کے انتخاب سے حضرت عثمان یکم محرم ۲۴ھ کو مسند خلافت پر رونق افروز ہوئے۔ آپ کے عہد مبارک میں یہ بلاد فتح ہوئے۔

رَیّ ایران کا موجودہ دار السلطنت طہران۔ یہ عہد فاروقی میں فتح ہوا تھا مگر پھر ایرانیوں نے لے لیا تھا۔ سابور، قبرص (کریٹ) ارجان

---

[1] تاریخ الخلفاء ص۱۰۴، [2] ایضاً ص۱۰۴،

عَلیٰ کَفَّیْہِ ثَلٰثَ مِرَارٍ فَغَسَلَھُمَا ثُمَّ اَدْخَلَ یَمِیْنَہٗ فِی الْاِنَاءِ فَمَضْمَضَ وَاسْتَنْثَرَ ثُمَّ غَسَلَ وَجْھَہٗ ثَلٰثًا

پہلے انھوں نے اپنے دونوں ہاتھوں پر تین بار پانی ڈالا۔ اور انھیں دھویا۔ پھر اپنا داہنا ہاتھ برتن میں ڈالا اور کلی کی اور ناک میں پانی ڈالا۔

دوار بحرد۔ افریقہ۔ طرابلس۔ اُصطخر۔ نیشاپور۔ طوس۔ سرخس۔ مرو۔ بیہق۔ وغیرہ آپ ہی کے ایام خلافت میں پہلا اسلامی بیڑہ حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تیار کیا۔ اور قبرص پر حملہ آور ہوئے۔ جس کے شرکا کے لئے جنت کی بشارت حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دی ہے [۱]

آپ ہی کے عہد میں ایران کا آخیر فرماں روا یزدجرد مارا گیا۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ایام خلافت میں اس قدر دولت کی فراوانی تھی۔ کہ ایک لونڈی اپنے ہموزن قیمت پر اور ایک گھوڑا ایک لاکھ درہم میں، اور ایک کھجور کا درخت ایک ہزار درہم میں بکتا [۲]

تاریخ الخلفاء میں ہے کہ حضرت عثمان ایک شخص کو ایک لاکھ ایسی تھیلی دیتے تھے جن میں چار چار ہزار اوقیہ ہوتا تھا۔ ایک اوقیہ چالیس درہم کا ہوتا ہے۔ تو ہر تھیلی میں ایک لاکھ ساٹھ ہزار درہم ہوئے۔

چالیس دن کے سخت محاصرے کے بعد اٹھارہ ذوالحجہ ۳۵ھ جمعہ کے دن عصر کے وقت اپنے دولتکدے میں شہید کئے گئے۔ اور دوسرے دن سینچر کی رات میں جنت البقیع کے مشرقی کنارے، حش کوکب میں مدفون ہوئے۔ انھیں جس شقی نے شہید کیا تھا اس کا نام اسود تجیبی ہے۔ شہادت کے وقت عمر مبارک بیاسی سال تھی۔ حضرت عثمان سے ایک سو چھیالیس احادیث مروی ہیں جن میں گیارہ امام بخاری نے تخریج کی ہیں۔

(۲) حُمران بن آبان بن خالد بن عمرو، رومیوں کے ساتھ شام کے عین التمر کے مشہور معرکے میں حضرت سیف اللہ خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حمران کو گرفتار کیا۔ یہ اس وقت بچے تھے مگر بہت ذہین تھے۔ حضرت خالد نے حضرت عثمان کے پاس بھیج دیا۔ حضرت عثمان نے حمران کو آزاد کر کے انھیں اپنا میر منشی اور دربان بنالیا۔ حجاج نے انھیں نیشاپور کا والی بنایا تھا۔ اسی سلسلے میں حجاج نے ان سے ایک لاکھ تاوان وصول کیا۔ پھر عبد الملک کی سفارش پر واپس کر دیا۔ ۷۵ھ میں وصال ہوا۔ امام بخاری نے حمران کو ضعفاء میں ذکر کیا ہے۔ مگر پھر بھی صحیح بخاری میں ان کی روایت ذکر کی۔ صرف امام بخاری ہی نہیں امام مسلم اور بقیہ اصحاب ستہ نے بھی ان کی روایت لی ہے۔ ابن سعد نے کہا کہ حمران کثیر الروایت ہیں۔ مگر میں نے یہ نہیں دیکھا کہ لوگ ان کی حدیث کو حجت بناتے ہوں۔

(۳) باب المضمضہ میں "بانا ء" کے بجائے "بوضوء" ہے۔ یعنی وضوء کا پانی مانگا۔ وَضوء واو کے فتحہ کے ساتھ وضوء کے پانی کو

[۱] بخاری کتاب الجہاد وغیرہ، [۲] عینی جلد ثالث ص۸، [۳] بدایہ نہایہ ص۱۹ جلد سابع، [۴] عینی جلد ثالث ص۸، [۵] ایضا۔ اکمال۔

35

وَيَدَيْهِ إِلَى الْمِرْفَقَيْنِ ثَلٰثَ مِرَارٍ ثُمَّ مَسَحَ بِرَأْسِهِ ثُمَّ غَسَلَ رِجْلَيْهِ ثَلٰثَ

پھر تین بار منھ دھویا اور کہنیوں تک دونوں ہاتھ تین بار دھوئے پھر سر کا مسح کیا اس کے بعد دونوں پاؤں ٹخنے تک تین

مِرَارٍ إِلَى الْكَعْبَيْنِ ثُمَّ قَالَ، قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالَىٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

بار دھوئے۔ پھر کہا رسول اللہ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا۔

معنی میں ہے۔ اور وُضوء واؤ کے ضمہ کے ساتھ اس فعل کو کہتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ وضوء کا پانی اپنے متعلقین اور خدام سے منگانے میں کوئی حرج نہیں۔

(۴) اس سے معلوم ہوا کہ سب سے پہلے ہاتھوں کو دھولینا چاہئے اگرچہ سو کر نہ اٹھا ہو۔ دونوں کو ساتھ ساتھ دھوئے یا پہلے داہنے کو پھر بائیں کو۔ فقہاء کے دونوں اقوال ہیں۔ جو لوگ حدیث تیامن پر نظر کرتے ہیں۔ انھوں نے فرمایا کہ پہلے داہنے ہاتھ کو دھوئے پھر بائیں کو۔ کچھ حضرات نے فرمایا کہ تیامن وہاں مستحب ہے جہاں جمع ممکن نہ ہو۔ اور جہاں جمع ممکن ہے وہاں مستحب نہیں جیسے سر اور کانوں اور گردن کے مسح میں۔

(۵) اس سے پتہ چلا کہ کلی اور ناک میں پانی داہنے ہی ہاتھ سے ڈالا جائے گا۔ دونوں کے لئے الگ الگ پانی لیا جائیگا یا ایک ہی چلو پلہذا سے کلی بھی کی جائے اور ناک میں بھی پانی ڈالا جائے۔ ہمارا یہی مذہب ہے کہ کلی کے لئے الگ پانی لیا جائے گا۔ اور ناک میں ڈالنے کے لئے الگ۔ پہلے تین بار کلی کریں گے پھر تین بار ناک میں پانی ڈالیں گے۔ جیسا کہ ابو داؤد اور طبرانی نے کعب بن عمرو الیمانی سے روایت کی۔

ان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم توضأ فمضمض ثلاثا واستنشق ثلاثا فاخذ لكل واحد ماءً جديدا۔

رسول اللہ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے وضوء فرمایا تو تین بار کلی کی اور تین بار ناک میں پانی ڈالا۔ اور ہر ایک کے لئے نیا پانی لیا۔

⁂ ⁂ ⁂

امام ابوداؤد نے اس حدیث کو ذکر کر کے سکوت فرمایا۔ یہ اس حدیث کی صحت کی دلیل ہے۔ نیز ترمذی میں ابو حیہ سے روایت ہے کہ انھوں نے بیان کیا۔

رأيت عليا توضأ فغسل كفيه حتى انقاهما ثم مضمض ثلاثا واستنشق ثلاثا وغسل وجهه ثلاثا وذراعيه ثلاثا ومسح برأسه مرة ثم غسل قدميه الى الكعبين ثم قام

میں نے حضرت علی کو دیکھا انھوں نے وضوء کیا تو پہلے دونوں ہاتھوں کو دھویا یہاں تک کہ ان کو خوب صاف کرلیا۔ پھر تین بار کلی کی۔ اور تین بار ناک میں پانی ڈالا اور اپنے منھ کو تین بار دھویا۔ اور اپنی کلائیوں کو تین بار دھویا اور اپنے سر کا ایک بار مسح کیا۔ پھر دونوں

مَنْ تَوَضَّأَ نَحْوَ وُضُوْئِیْ ھٰذَا ثُمَّ صَلّٰی رَکْعَتَیْنِ لَا یُحَدِّثُ

جو شخص میرے اس وضوء کی طرح وضوء کرے پھر دو رکعت نماز پڑھے۔ جن میں اپنے آپ سے

فاخذ فضل طھورہ فشربہ وھو قائم ثم قال احببت ان اریکم کیف کان طھور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم [1]

قدم ٹخنوں تک دھویا پھر کھڑے ہوئے اور بچے ہوئے پانی کو کھڑے کھڑے پیا۔ پھر فرمایا میں نے چاہا کہ تم کو دکھا دوں کہ رسول اللہ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا وضو کیسے ہوتا تھا۔

اس حدیث کو امام ترمذی نے حسن صحیح کہا۔ اس حدیث کا سیاق اس کی دلیل ہے کہ جیسے منھ دھونے اور ہاتھ دھونے اور سر کے مسح میں ترتیب تھی اسی طرح کلی کرنے اور ناک میں پانی ڈالنے میں بھی ترتیب تھی۔ اس لئے ثابت کہ کلی الگ پانی سے کی اور ناک میں دوسرا پانی ڈالا۔ امام شافعی کا مذہب جو بویطی سے مروی ہے۔ یہی ہے۔ کتاب الام میں دوسرا مذہب یہ ہے کہ ایک ہی چلو پانی سے کلی بھی کرے اور اس کے بچے ہوئے کو ناک میں ڈالے۔ اس کی مؤید یہ حدیث ہے کہ جس میں فرمایا۔

فتمضمض واستنشق من کف واحد۔ انھوں نے ایک ہی ہاتھ سے کلی بھی کی اور ناک میں پانی بھی ڈالا۔

علامہ عینی نے فرمایا اس کے دو معنی ہو سکتے ہیں۔ ایک یہ کہ ایک ہی چلو پانی سے دونوں کام کئے۔ اور یہ بھی معنی ہو سکتا ہے کہ ایک ہی ہاتھ سے کلی بھی کی اور ایک ہی ہاتھ سے ناک میں بھی پانی ڈالا۔ پانی الگ الگ لیا۔ جب اس حدیث میں دونوں احتمال ہیں تو یہ اس بات کی دلیل نہیں بن سکتی کہ ایک ہی چلو پانی سے کلی بھی کی اور ناک میں بھی ڈالا۔ ہم کہیں گے کہ دوسرا معنی مراد ہے۔ تاکہ دونوں حدیثوں میں تطبیق ہو جائے۔

بعض حضرات نے یہ تاویل کی مراد یہ ہے کہ کلی کرنے اور ناک میں پانی ڈالنے میں دونوں ہاتھ نہیں استعمال فرمایا ایک ہی ہاتھ سے کلی بھی کی اور ایک ہی ہاتھ سے ناک میں بھی پانی ڈالا۔ تیسرا جواب یہ بھی دیا گیا ہے کہ مراد یہ ہے کہ جس ہاتھ سے کلی کی اسی ہاتھ سے ناک میں پانی ڈالا یعنی داہنے ہاتھ سے۔ ایسا نہیں کیا کہ کلی داہنے ہاتھ سے کی ہو اور ناک میں پانی بائیں ہاتھ سے ڈالا ہو۔ اس میں ان لوگوں کا رد ہے جو یہ کہتے ہیں کہ کلی داہنے ہاتھ سے کی جائے اور ناک میں پانی بائیں ہاتھ سے ڈالا جائے۔ علامہ عینی نے یہ سب توجیہات نقل کر کے فرمایا کہ بہتر ہے کہ کہا جائے کہ یہاں بیان جواز کے لئے ہے۔ ناک میں پانی داہنے ہاتھ سے ڈالیں گے مگر ناک صاف بائیں ہاتھ سے کریں۔

(۶) استنثر کا مادہ نثر ہے۔ اس کے معنی ناک کے بھی ہیں اور ناک کے کنارے کے بھی اور خیشوم کے بھی۔ استنثر کا

---

[1] ترمذی ج ۱ ص ۱۔

بِهِمَا نَفْسَهُ غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ

باتیں نہ کرے — تو اس کے پچھلے گناہ بخش دیئے جائیں گے۔

معنی ناک صاف کرنے کے ہیں۔ مگر یہاں مراد ناک میں پانی لے کر اسے صاف کرنا ہے جیسا کہ باب المضمضہ والی روایت میں استنشق واستنثر وارد ہے۔ اس روایت میں کلی کرنے اور ناک میں پانی ڈالنے کی تعداد مذکور نہیں مگر یہ بھی تین بار سنت ہے جیسا کہ اوپر کی دونوں اور دوسری بہت سی حدیثوں میں وارد ہے۔ کلی اور ناک میں پانی ڈالنا سنت ہے۔ اگر کوئی کلی نہ کرے تو اعادہ لازم ہے یا نہیں؟۔ عطاء، زہری، ابن ابی لیلی، حماد اور اسحق کا مذہب یہ ہے کہ اعادہ کیا جائے۔ عطاء اور زہری کا دوسرا قول یہ ہے کہ اعادہ لازم نہیں۔ اور یہی قتادہ، ربیعہ، یحیی الانصاری، امام مالک، اوزاعی اور امام شافعی کا مذہب ہے۔ امام احمد نے فرمایا۔ ناک میں پانی ڈالنا بھول گیا تو اعادہ لازم۔ کلی کرنا بھول گیا تو اعادہ کی ضرورت نہیں۔ احناف کا مذہب یہ ہے کہ وضو میں اعادہ لازم نہیں خواہ کلی کرنا چھوڑے خواہ ناک میں پانی ڈالنا۔ خواہ قصداً خواہ سہواً۔ البتہ غسل میں کلی کرنا اور ناک میں پانی ڈالنا فرض ہے۔ اگر ان دونوں میں سے کسی ایک کو چھوڑے گا تو غسل صحیح نہ ہوگا۔ ہمارا کہنا ہے کہ جب یہ دونوں فرض نہیں سنت ہیں۔ تو اعادہ لازم کرنے کی کوئی وجہ نہیں اس معنی کر کہ بغیر ان کے وضو صحیح نہ ہوگا۔ ہاں اکمال کے لئے اور ادائے سنت کے لئے اعادہ کر لینا بھی بہتر ہے۔ سنت یہی ہے کہ کلی پہلے کرے پھر ناک میں پانی ڈالے۔

(۷) سر کے مسح کے بارے میں بھی اس حدیث میں تعداد مذکور نہیں۔ مگر یہ صرف ایک بار ہے۔ جیسا کہ حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ کی حدیث ابھی گذری۔ جس میں تصریح ہے کہ ایک بار مسح کیا۔ علاوہ ازیں حضرت عثمان کی حدیث میں بھی منھ، ہاتھ، پاؤں کے دھونے میں تین بار کی تصریح ہے۔ مگر سر کے مسح میں کوئی عدد مذکور نہیں۔ اس سے ظاہر کہ سر کا مسح صرف ایک ہی بار تھا۔ ورنہ اس کے ساتھ بھی ثلاثا مذکور ہوتا۔

امام شافعی وغیرہ فرماتے ہیں کہ سر کا مسح بھی تین بار ہے۔ اس بارے میں بکثرت احادیث وارد ہیں۔ لیکن ساتھ ہی ساتھ دو بار مسح کی بھی وارد ہیں۔ ابن ماجہ، میں حضرت ربیع سے ہے:۔

توضأ النبی صلی اللہ تعالی علیہ وسلم ومسح علی راسہ مرتین۔ — نبی صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے وضو فرمایا اور سر پر دو بار مسح فرمایا۔

نسائی میں حضرت عبد اللہ بن زید کی حدیث میں ہے:۔ مسح براسہ مرتین۔ ان تمام احادیث میں علامہ عینی نے یہ تطبیق دی۔ کہ جن احادیث میں دو یا تین بار مسح کا ذکر ہے۔ ان سے مراد یہ ہے کہ ایک ہی پانی سے دو یا تین بار مسح کیا۔ اس کے احناف بھی قائل ہیں جیسا کہ ہدایہ میں ہے۔

ت ۱۶۲ قَالَ صَالِحُ بْنُ كَيْسَانَ قَالَ ابْنُ شِهَابٍ وَلٰكِنْ عُرْوَةُ يُحَدِّثُ عَنْ حُمْرَانَ

صالح بن کیسان نے کہا کہ ابن شہاب نے کہا۔ لیکن عروہ نے حمران سے یوں روایت کی

فَلَمَّا تَوَضَّأَ عُثْمَانُ قَالَ لَأُحَدِّثَنَّكُمْ حَدِيثًا لَوْلَا آيَةٌ مَا حَدَّثْتُكُمُوهُ سَمِعْتُ النَّبِيَّ

حضرت عثمان جب وضو کر چکے تو فرمایا۔ میں تم لوگوں سے ایک حدیث بیان کرتا ہوں اگر ایک آیت نہ ہوتی تو نہ بیان کرتا۔ میں نے نبی

⑧ لا یحدث باب تفعیل سے ہے۔ جس کی خاصیت کسب ماخذ ہے۔ تو اب اس کا معنی یہ ہوا کہ بالقصد دل میں خیالات نہ لائے یا اگر از خود آجائیں تو انھیں دفع کرے۔ ہاں یہ اعلیٰ درجہ ہے کہ کسی قسم کا خیال نہ کرے۔ مگر یہ مرتبہ سب کو کہاں میسر۔ خیالات سے مراد دنیوی خطرات ہیں۔ نہ کہ دینی۔ اس لئے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ انھوں نے فرمایا۔

لاجھزن الجیش وانا فی الصلوٰۃ ۔ اوکما قال۔ میں نماز میں لشکر کی تیاری کو سوچتا ہوں۔

نیز حاکم، ترمذی نے کتاب الصلوٰۃ تالیفہ میں اور عبداللہ بن مبارک نے کتاب الزھد میں، ابن شیبہ نے اپنے مصنف میں اسی حدیث کی ان الفاظ میں روایت کی:۔

لا یحدث فیھما نفسہ بشئ من الدنیا ثم دعا الیہ الا استجیب۔ ان دونوں رکعتوں میں اپنے آپ سے دنیا کی کوئی بات نہ کرے۔ پھر دعا مانگے تو اس کی دعا قبول کی جائے گی۔

حاصل یہ ہوا کہ حضور قلب اور اخلاص کے ساتھ نماز پڑھے۔ تو اس کے گناہ معاف ہو جائیں گے۔ یعنی صغائر۔ جیسا کہ پہلے بتایا جا چکا ہے۔ یہ دو رکعت نماز "تحیۃ الوضوء" ہے۔ لیکن مسلم میں ہے "فیصلی ھذہ الصلوات الخمس"[1] اور دوسرے طریقے میں "فالصلوات الخمس کفارات لما بینھن" تیسرے طریقے میں ہے "ثم مشی الی الصلوٰۃ المکتوبۃ" اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ فرض مراد ہے۔ بہتر یہ ہے کہ یہاں نماز کو عام رکھا جائے خواہ نفل ہو خواہ فرض۔

کتاب الرقاق میں اتنا زائد ہے کہ حضرت عثمان "مقاعد" میں بیٹھے تھے۔ یہ مدینے میں ایک جگہ کا نام ہے۔ مؤطا امام مالک میں اتنا اور ہے کہ مؤذن نے آکر اطلاع دی کہ نماز عصر کا وقت ہو گیا ہے۔ تو پانی منگوا کر وضو فرمایا۔ اخیر میں ارشاد فرمایا "لا تغتروا" فریب میں نہ آنا۔ یعنی یہ سمجھ کر کہ اچھی طرح وضو کر کے دو رکعت تحیۃ الوضوء پڑھ لی اور تمام گناہ معاف ہو گئے۔ گناہوں کی معافی کا یہ اچھا ذریعہ ہے۔ لہٰذا گناہ کئے جاؤ۔ گناہ سے بچنے کی کوشش نہ کرو۔ ایسا سوچنا بھی مت۔ کسی عمل کا قبول کرنا نہ کرنا اس پر ثواب دینا نہ دینا بہر حال اللہ عزوجل کے فضل پر ہے۔

⑨ امام زہری نے یہ حدیث اپنے دو اساتذہ سے سنی ہے۔ حضرت عطاء بن رباح سے اور حضرت عروہ سے

---

[1] لہ صفحہ ۱۲۰، جلد اول،

صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ لَا يَتَوَضَّأُ رَجُلٌ فَيُحْسِنُ وُضُوْءَهٗ وَيُصَلِّي

صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے سنا کہ یہ فرماتے ہیں جو شخص اچھی طرح وضو کرکے نماز پڑھے تو اس

الصَّلٰوةَ اِلَّا غُفِرَ لَهٗ مَا بَيْنَهٗ وَبَيْنَ الصَّلٰوةِ حَتّٰى يُصَلِّيَهَا قَالَ عُرْوَةُ الْاٰيَةُ

کے اس نماز اور دوسری نماز کے درمیان کے گناہ بخش دیئے جائیں گے۔ عروہ نے کہا وہ آیت یہ ہے۔ جو لوگ ہماری

اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْتُمُوْنَ مَا اَنْزَلْنَا مِنَ الْبَيِّنٰتِ [1]

اتاری ہوئی ہدایت اور نشانیوں کو چھپاتے ہیں۔ اس کے بعد کہ ہم نے اسے کتاب میں لوگوں کے لئے بیان فرمادی ہے تو ان پر اللہ

لعنت فرماتا ہے اور تمام لعنت کرنے والے لعنت کرتے ہیں۔

حضرت عروہ کی روایت میں اتنا زائد ہے کہ وضو سے فارغ ہونے کے بعد فرمایا۔ میں تم سے ایک حدیث بیان کرنا چاہتا ہوں اگر ایک آیت نہ ہوتی تو بیان نہ کرتا۔ حضرت عثمان کی اس آیت سے کیا مراد تھی۔ حضرت عروہ نے بتایا کہ اس سے سورہ بقرہ کی یہ آیت مراد ہے۔ ان الذین یکتمون ما انزلنا الآیۃ۔ ہم نے جو ہدایت اور نشانیاں اتاری ہیں اس کو جو لوگ چھپاتے ہیں اس کے بعد کہ ہم نے انھیں کتاب میں بیان فرمادیا۔ ان پر اللہ لعنت فرماتا ہے اور تمام لعنت کرنے والے لعنت کرتے ہیں۔

اب اس حدیث کا مطلب یہ ہوا کہ یہ سنکر کے اچھی طرح وضو کرکے دو رکعت حضور قلب سے نماز پڑھ لینے سے گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ کوئی اس فریب میں مبتلا ہو سکتا ہے کہ جب اتنے ہی سے گناہ معاف ہو جاتے ہیں تو دیگر اعمال کی کیا حاجت۔ اس خطرے کے ہوتے ہوئے بیان کرنا مناسب نہیں۔ مگر اس لئے بیان کرتا ہوں کہ اسے بیان نہ کرنے میں کتمان علم ہے جس پر اس آیت میں وعید ہے۔ میں کتمان علم سے بچنے کے لئے یہ حدیث بیان کر رہا ہوں۔ تم لوگ اس سے فریب نہ کھانا۔ اعمال پر اجر موعود قبولیت پر ہے۔ تمھیں کیا معلوم کہ قبول ہوا یا نہیں۔ نیز تمھیں سوچنا چاہئے کہ جب اتنے معمولی عمل پر اجر ہے تو دوسرے اہم اعمال پر کیسے کیسے اجر کی امید ہے۔ اس کے مطابق تمھیں کوشش کرنی چاہئے کہ زیادہ سے زیادہ اعمال حسنہ کرو۔

مؤطا امام مالک میں بھی یہ بطریق ہشام بن عروہ عن ابیہ ہے۔ اس میں حضرت عروہ کا یہ قول مذکور نہیں کہ آیت سے حضرت عثمان کی مراد سورہ بقرہ والی مذکور آیت ہے۔ بلکہ حضرت امام مالک نے فرمایا کہ یہاں آیت سے مراد یہ ہے [1]

اقم الصلوٰۃ طرفی النہار و زلفا من اللیل ان الحسنٰت یذھبن السیئات۔ دن کے دونوں کناروں اور رات کے کچھ حصہ میں نماز ادا کرو بیشک نیکیاں برائیاں مٹا دیتی ہیں۔ سورہ ہود (۱۱۴)

---

[1] مؤطا امام مالک صلا۔ مسلم طہارت ص۱۲۱۔ اسمعیلی صحیحہ ابو عوانہ۔

ت (۲۳) (۲۴) (۲۵) ذَکَرَہٗ عُثْمَانُ وَعَبْدُ اللّٰہِ بْنُ زَیْدٍ وَابْنُ عَبَّاسٍ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی

ناک میں پانی ڈالنے کو حضرت عثمان اور عبد اللہ بن زید اور ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے نبی

عَنْھُمْ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ

صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہوئے ذکر کیا۔

اب حدیث کا مطلب یہ ہوا کہ اس حدیث میں معمولی عمل پر اتنا زیادہ ثواب مذکور ہے۔ کوئی مبالغہ سمجھ سکتا ہے کوئی کہہ سکتا تھا کہ حضرت عثمان سے سہو ہوا۔ اس لئے اس کا خطرہ تھا کہ کوئی اس سے انکار کر بیٹھے۔ اس لئے حضرت عثمان نے آیت کا حوالہ دیدیا کہ قرآن مجید میں فرمایا گیا۔ کہ نیکیاں برائیوں کو مٹا دیتی ہیں۔ اس حدیث کی تائید قرآن مجید سے بھی ہورہی ہے۔ قرآن مجید سے تائید کے بعد اب کسی کو انکار کی گنجائش نہ رہی۔

(۱۰) ہم نے عام شراح کے مطابق یہ ترجمہ کیا ہے۔ لیکن علامہ عینی فرماتے ہیں کہ الصلوٰۃ سے دوسری نماز مراد نہیں وہی نماز مراد ہے جو وضو کر کے پڑھی جائے۔ مطلب یہ ہے کہ وضو اور نماز کے مابین جو گناہ سرزد ہوں گے وہ معاف کر دیئے جائیں گے۔ میرے خیال میں یہی معنی ظاہر ہے۔

اس حدیث سے ظاہر ہے کہ مغفرت ذنوب۔ اچھی طرح وضو کرنے اور حضور قلب سے نماز پڑھنے کے مجموعے پر مرتب ہے۔ مگر اسی بخاری میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے یہ ہے۔

اذا توضأ العبد المسلم خرجت خطایاہ۔ جب مسلمان وضو کرتا ہے تو اسکے گناہ نکل جاتے ہیں۔

اس سے ظاہر کہ صرف وضو ہی پر یہ اجر مرتب ہے۔ لیکن یہ کہا جا سکتا ہے کہ اس میں اختصار ہے مرتب دونوں پر ہے۔ مگر اختصاراً اس حدیث میں صرف وضو کو ذکر کیا گیا۔ مگر مسلم شریف میں حضرت عثمان ہی کی اسی حدیث میں یہ ہے۔

کانت صلوٰتہ ومشیہ الی المسجد نافلۃ۔ وضو کے بعد اس کی نماز اور مسجد کی طرف جانا، زائد ہے۔ یعنی اس کا ثواب مزید ملے گا۔

ان سب میں تطبیق کی سب سے اچھی صورت یہ ہے کہ یہ کہا جائے۔ یہ اشخاص اور اوقات کے اعتبار سے ہے کسی کو یہ اجر صرف وضو سے ملتا ہے کسی کو دونوں کے مجموعے پر۔

تشریحات (۲۳) (۲۴) (۲۵)

پہلے باب میں تقریباً پورے وضو کا تفصیل بیان تھا۔ اب اس کے کچھ اجزاء کو الگ الگ بیان فرماتے ہیں۔ حضرت عثمان کی حدیث گذر چکی۔ حضرت عبد اللہ بن زید بن عاصم کی حدیث آگے "مسح الراس کلہ" میں آرہی ہے۔ ابن عباس کی حدیث

۱۱۸ حدیث ۔ الاستنثار فی الوضوء

أَنَّهُ سَمِعَ أَبَا هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ تَوَضَّأَ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نبی صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ جو شخص وضو کرے

فَلْيَسْتَنْثِرْ وَمَنِ اسْتَجْمَرَ فَلْيُوتِرْ

وہ ناک میں پانی ڈال کر اسے صاف[1] کرے اور جو پتھر سے[2] استنجا کرے وہ طاق بار کرے۔

ے کون سی حدیث مراد ہے۔ اس میں کلام ہے۔ کچھ لوگوں نے کہا کہ اس سے مراد وہ حدیث جو امام احمد، ابو داؤد، ابن ماجہ اور حاکم نے مرفوعاً روایت کیا کہ فرمایا:-

استنثروا مرتین بالغتین او ثلاثا۔ دو بار خوب اچھی طرح یا تین بار ناک میں پانی ڈالو۔

اور جو ابو داؤد طیالسی نے روایت کیا ہے کہ ارشاد ہوا:-

اذا توضأ احدکم واستنثر فلیفعل ذلک مرتین او ثلاثا۔ جب تم وضو کرو اور ناک میں پانی ڈالو تو دو بار یا تین بار ڈالو۔

لیکن علامہ عینی نے فرمایا کہ اس سے مراد ابن عباس کی وہ حدیث ہے جو باب غسل الوجہ ص۲۶ میں مذکور ہے۔ اگرچہ اس نسخے میں، استنثار کا ذکر نہیں۔ صرف استنشاق مذکور ہے۔ مگر دوسرے نسخے میں استنشق کے بجائے استنثر ہے۔ اگر کسی نسخے میں استنثر نہ بھی ہوتا صرف استنشق ہوتا تو بھی کوئی حرج نہ تھا اس لئے کہ استنشاق استنثار کے معنی میں اور استنثار استنشاق کے معنی میں مستعمل ہے۔ اگرچہ لغوی اعتبار سے دونوں کے معنی میں فرق ہے۔ استنشق کے معنی ناک میں پانی ڈالا اور استنثر کے معنی ناک صاف کیا۔

یہ تینوں تعلیقات مفصل تین جگہ مذکور ہیں۔ مگر ہم نے صرف یہ بتانے کے لئے کہ تیسری تعلیق سے کون سی حدیث مراد ہے اس کو ذکر کیا ہے۔

تشریح (۱۱۸)

(۱) جو لوگ اس کے قائل ہیں کہ وضو میں، ناک صاف کرنا واجب ہے۔ ان کی دلیل یہی حدیث ہے۔ اس لئے کہ امر

علہ مسلم۔ ۲۲۔ نسائی ۱۷۔ ابن ماجہ ۴۴۔ مؤطا ۳۔ کلھم فی الطہارۃ۔ مسند امام احمد ۲ ایضا باب الاستجمار وترا ص۲۸ مسلم ۲۰۲، ۲۴۲، ابو داؤد ۱۹۔ ترمذی ۱۲۔ نسائی ۳۸۔ ۱۷۔ ابن ماجہ ۲۳۔ کلھم فی الطہارۃ۔ دارمی۔ وضوء ۵۔ ۲۳۔ مؤطا طہارت ۴۔ مسند امام احمد

لہ طہارت ۵۶۔ لہ ابن ماجہ۔ طہارت ۴۴۔

(۱۱۹) حدیث - الاستجمار وترا

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم وضو کرو

قَالَ اِذَا تَوَضَّأَ اَحَدُكُمْ فَلْیَجْعَلْ فِیْ اَنْفِهٖ مَاءً ثُمَّ لِیَسْتَنْثِرْ[1] وَمَنِ اسْتَجْمَرَ فَلْیُوْتِرْ

تو اپنی ناک میں پانی ڈالو۔ پھر اسے صاف کرو اور جو پتھر سے استنجا کرے وہ طاق بار کرے۔

وجوب کے لئے آتا ہے۔ مگر جمہور کا مذہب یہ ہے کہ یہ امر استحباب کے لئے ہے۔ جمہور کی دلیل وہ حدیث[2] ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اعرابی سے فرمایا:۔

فتوضأ کما امرك به۔ جیسے اللہ نے تجھے حکم دیا ہے ویسے ہی وضو کرو۔

قرآن مجید میں صرف سر کا مسح اور تین اعضاء کا دھونا مذکور ہے۔ تو معلوم ہوا کہ صرف اتنے ہی سے وضو پورا ہو جاتا ہے۔ بقیہ باتیں سنت ہیں یا مستحب۔ ناک صاف کرنے کا فائدہ یہ بھی ہے کہ جب ناک کی رطوبت اور رینٹھ، کھنکار نکل جائے گا تو قرأت میں آسانی اور حُسن پیدا ہو جائے گا۔ صفائی الگ حاصل ہوگی۔ بعض اطباء نے بیان کیا کہ اگر کوئی اس کا التزام کرے کہ ناک میں پانی ڈال کر اتنے زور سے اندر کھینچے کہ حلق تک پہنچ جائے تو اسے نزلہ نہیں ہوگا۔

حکمت وضو کی ابتداء میں ہاتھ دھونے، کلی کرنے، ناک میں پانی ڈالنے کا ایک فائدہ یہ ہے کہ پانی میں تین وصف ہیں۔ رنگ، بُو، مزہ، ہاتھ میں پانی لینے سے رنگ معلوم ہوگیا۔ کلی کرنے سے مزہ کا پتہ چل گیا۔ ناک میں ڈالنے سے بُو معلوم ہو جاتی ہے۔

(۲) استجمار کا مادہ جمار ہے۔ جمار چھوٹے پتھر کو کہتے ہیں۔ اسی سے حج کا جمرہ بھی بنا ہے۔ یہاں مراد ہے پتھر یا ڈھیلے سے پیشاب یا پائخانہ کی جگہ صاف کرنا۔

تشریحات ۱۱۹

(۱) یہ قید احترازی نہیں اتفاقی ہے۔ اس لئے یہ حکم عام ہے خواہ سونے کے بعد وضو کرنا ہو یا بیدار رہنے کے بعد وضو کرنا ہو دونوں صورتوں میں یہ سنت ہے کہ ہاتھ دھو کر برتن میں ڈالیں۔ اس کی ایک علت تو حدیث میں مذکور ہے۔ دوسری علت یہ ہے کہ اگر بے وضو، ہاتھ دھوئے بغیر ہاتھ پانی میں ڈال دے گا تو پانی مستعمل ہو جائے گا قابل وضو نہیں رہے گا۔ اس لئے کہ ماء مستعمل کی تعریف عامۂ متون میں یہ کی۔

[1] نسائی طہارت - ۶۹۔ [2] ترمذی باب فی وصف الصلوٰۃ ص۴۰

وَإِذَا اسْتَيْقَظَ أَحَدُكُمْ مِنْ نَوْمِهِ فَلْيَغْسِلْ يَدَهُ قَبْلَ أَنْ يُدْخِلَهَا فِي وَضُوءِهِ

اور جب تم سوکر اٹھو تو وضو کے پانی میں ہاتھ ڈالنے سے پہلے اسے دھولو۔ کیونکہ تم نہیں جانتے

فَإِنَّ أَحَدَكُمْ لَا يَدْرِي أَيْنَ بَاتَتْ يَدُهُ[1]

کہ رات میں ہاتھ کہاں کہاں گیا۔

ما ازیل بہ حدث او استعمل فی البدن علی وجہ القربۃ۔ وہ پانی جس سے حدث دور کیا گیا ہو یا بہ نیت عبادت بدن پر استعمال کیا گیا۔

چونکہ وضو کے لئے نیت شرط نہیں تو جب ہاتھ پانی میں گیا تو حدث خود دور ہوگا۔ اور وہ پانی مستعمل ہو گیا۔ بلکہ اگر باوضو بھی ہو اور وضو کرنے کی نیت سے پانی میں ہاتھ ڈالے گا تو مستعمل ہو جائے گا۔

اگر پانی کا برتن بہت بڑا ہو کہ یہ اسے جھکا کر پانی نہیں لے سکتا۔ پانی نکالنے کے لئے کوئی چھوٹا برتن نہ ہو۔ تو پہلے بائیں ہاتھ کی صرف انگلیوں سے پانی لے کر داہنے ہاتھ کو دھولے۔ اس کے بعد داہنے ہاتھ سے بایاں ہاتھ دھوئے۔ یا اگر کپڑا ہو تو اسے پانی میں ڈال کر بھگو لے اور اس سے ہاتھ دھوئے۔

(۳) اس قید سے نیز دوسری روایتوں میں جو اللیل وغیرہ مذکور ہے اس سے کچھ لوگوں نے یہ سمجھا کہ یہ حکم صرف رات میں سوکر اٹھنے والے کے لئے ہے۔ مگر حدیث میں ہاتھ دھونے کی جو علت مذکور ہوئی اس سے ظاہر کہ رات میں سونے والے کے ساتھ یہ حکم خاص نہیں۔ اس لئے کہ جس طرح رات میں سونے کی حالت میں ہاتھ کہاں کہاں پڑا معلوم نہیں ہوتا اسی طرح دن میں بھی سونے میں معلوم نہیں ہوتا بلکہ سونے کی بھی قید نہیں۔ جاگنے میں بھی ہاتھ کہاں کہاں جاتا ہے ہمیشہ خیال نہیں رہتا علت مذکورہ دن میں سونے میں بھی اور جاگنے میں بھی پائی جاتی ہے: اس لئے حکم عام ہوگا۔ اس لئے کہ شارع کوئی حکم بیان کرنے کے بعد اس کی کوئی علت بیان کریں تو حکم اسی پر دائر ہوگا[1]

مطلب یہ ہوا کہ جب یہ معلوم نہیں کہ ہاتھ کہاں رہا تو ہو سکتا ہے کہ نجاست پر پڑا ہو اور یہی نجس ہاتھ پانی میں پڑا تو پانی ناپاک ہو جائے اس لئے پہلے ہاتھ دھولو۔ اس سے دو باتیں معلوم ہوئیں۔ ایک تو یہ کہ تھوڑے پانی میں نجاست پڑ جائے تو پانی ناپاک ہو جاتا ہے۔ اگرچہ نجاست کا رنگ یا بو یا مزہ پانی میں محسوس نہ ہو۔ اس لئے کہ اگر پانی کے نجس ہونے کے لئے نجاست کے اثر کا ظہور ضروری ہوتا تو اس احتیاطی حکم کی حاجت نہ تھی۔ بلا خطر ہاتھ ڈالتے اگر نجاست کا کوئی اثر ظاہر ہوتا تو پانی پھینک دیا جاتا نہ ظاہر ہوتا تو وضو کر لیتے۔

---

[1] فتح الباری ص ۲۲۳، ج اول۔ [2] ایضاً مسلم طہارت ص ۱۳۶، ابو داؤد طہارت ص ۱۴، نسائی طہارت فی الترجمہ ص ۱۱،

۱۲۹ حدیث۔ ویل للاعقاب من النار

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُمَا قَالَ تَخَلَّفَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی

حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے بیان کیا۔ ایک سفر میں رسول اللہ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ مقام شک میں احتیاط پر عمل کرنا چاہئے۔ علما رکا اس میں اختلاف ہے کہ صورت مذکورہ میں ہاتھ دھونے کا حکم احتمال نجاست کی بنا پر ہے۔ یا تعبدی ہے۔ اگر یہ حکم تنجیس کی بنا پہ ہے تو جسے یقین ہو کہ میرا ہاتھ نجاست سے آلودہ نہیں ہوا ہے پاک ہے وہ ہاتھ دھوئے بغیر پانی میں ڈال سکتا ہے۔ مگر ہمارے یہاں دوسری علت پانی کا مستعمل ہونا بھی ہے تو اس صورت میں پانی تو نجس نہ ہوگا مگر مستعمل ہو جائے گا۔ لہذا بغیر دھوئے ہاتھ برتن میں بالکل نہ ڈالے۔ اور اگر یہ امر تعبدی ہے تو اگر چہ یقین ہو کہ ہاتھ پاک ہے۔ بغیر دھوئے برتن میں نہ ڈالے۔ یہاں دھونے کی تعداد مذکور نہیں مگر مسلم وغیرہ میں تصریح ہے کہ تین بار دھوئے۔ ترمذی اور ابن ماجہ کی روایت میں یہ ہے کہ دو یا تین بار دھوئے۔ اس سے ظاہر ہوا کہ تین کی تحدید ضروری نہیں۔ ایک بار بھی دھونا کافی ہوگا۔ تین بار دھونا بہتر ہے۔ تاکہ تثلیت کی سنت پوری ہو جائے۔

بخاری کتاب بدء الخلق باب صفۃ ابلیس وجنودہ میں ہے کہ جب تم سو کر اٹھو اور وضو کرو تو ناک تین بار صاف کرلو اس لئے کہ شیطان تمھارے ناک کے بانسے پر رات کو رہتا ہے۔ مسلم کتاب الطہارت میں بھی ہے مگر اس میں وضو کرنے کا ذکر نہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ سو کر اٹھنے کے بعد اگر وضو بھی نہ کرنا ہو تو تین بار ناک صاف کرلے۔ لیکن جہاں تک میری معلومات کا تعلق ہے اس کا کوئی قائل نہیں۔ اور یہ بھی اس پر محمول ہے کہ اگر وضو کرے تو ناک میں پانی ڈالے۔ لیکن اگر کوئی حدیث کے ظاہر الفاظ پر نظر کرتے ہوئے سو کر اٹھنے کے بعد ناک صاف کرلیا کرے تو کوئی حرج نہیں بلکہ اس حدیث کے مطابق ثواب کا مستحق ہوگا۔

عام کتب میں تسمیہ کا ذکر نہیں۔ البتہ طبرانی کی اوسط میں ہے:۔

ان یسمی قبل ان یدخل۔ برتن میں ہاتھ ڈالنے سے پہلے بسم اللہ پڑھ لے۔

اس عہد میں عام طور پر لگن کی قسم برتنوں سے وضو کئے جاتے تھے۔ اور اب جب کہ عام طور پر لوٹے سے وضو کیا جاتا ہے تو پانی میں ہاتھ ڈالنے کی حاجت ہی نہیں۔ مگر وضو کرنے سے پہلے تین بار ہاتھ دھونا سنت ہے۔ اگر وضو لوٹے سے کرے تو بائیں طرف رکھے اور اگر لگن وغیرہ سے کرے تو داہنی طرف رکھے۔

تشریحات ۱۲۰

وَسَلَّمَ عَنَّا فِي سَفْرَةٍ فَأَدْرَكَنَا وَقَدْ أَرْهَقْنَا الْعَصْرَ فَجَعَلْنَا نَتَوَضَّأُ وَنَمْسَحُ

حضور ہم سے اس وقت ملے جب عصر کا وقت تنگ ہو گیا تھا۔ ہم نے وضوء کرنا ہم سے پیچھے رہ گئے۔

عَلَى أَرْجُلِنَا فَنَادَى بِأَعْلَى صَوْتِهِ

شروع کیا اور (عجلت میں) اپنے پاؤں پر پانی چپڑنے لگے تو حضور نے

(۱) مکہ معظمہ سے مدینہ طیبہ واپس ہوتے ہوئے۔ جیساکہ مسلم میں مفصل ہے کہ ہم رسول اللہ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ مکے سے مدینے آرہے تھے۔ جب ہم پانی پر پہونچے تو کچھ لوگوں نے عصر کی نماز کے وقت جلدی کر دی۔ انھوں نے وضوء کیا اس حالت میں کہ وہ جلدی میں ہوں۔ جب ہم وہاں پہنچے تو یہ دیکھا کہ ان کی ایڑیاں چمک رہی تھیں انھیں پانی نہیں پہونچا تھا تو فرمایا ایڑیوں کے لئے آگ کا عذاب ہے۔

(۲) اس حدیث میں مسح سے کیا مراد ہے محض گیلا ہاتھ پھیرانا۔ یا بے توجہی اور عجلت کی وجہ سے اچھی طرح نہ دھونا یا اس طرح دھونا کہ کچھ اعضاء دھلے بغیر رہ جائیں۔ علامہ ابن حجر نے فرمایا کہ امام بخاری نے یہی سمجھا کہ صحابۂ کرام صرف پاؤں کے مسح پر اکتفا کر رہے تھے اس لئے انھیں تنبیہ فرمائی۔ اس پر تنبیہ نہیں ہے کہ پاؤں دھویا تھا اور ایڑیاں بغیر دھلی رہ گئی تھیں۔ اگر امام بخاری کا یہ سمجھنا درست ہوتا تو پھر ویل للاعقاب نہ فرمایا جاتا بلکہ ویل للمسح فرمایا جاتا۔ یا ویل للماسح فرمایا جاتا۔ نیز مسلم شریف کی دوسری روایت جو حضرت ابوہریرہ سے آئی ہے اس پر صریح دلالت کرتی ہے کہ صحابہ نے پاؤں دھوئے تھے ایڑیاں دھونے سے رہ گئی تھیں۔ اس کے الفاظ یہ ہیں:۔

رأى رجلا لم يغسل عقبه فقال۔ ایک شخص کو دیکھا کہ اس نے ایڑی نہیں دھوئی تھی تو فرمایا۔

علامہ عینی نے فرمایا ایک روایت میں یہ آیا ہے:۔

رأى قوما توضؤا وكانهم تركوا من ارجلهم شيئا۔ کچھ لوگوں کو دیکھا کہ وہ وضوء کر چکے ہیں اور حالت یہ ہے کہ اپنے پاؤں کا کچھ حصہ بغیر دھلا چھوڑ دیا ہے۔

امام طحاوی کی بھی یہی رائے ہے کہ اس حدیث میں مسح اپنے حقیقی معنی میں ہے۔ اس کے پہلے پاؤں پر مسح کرنے کا حکم تھا۔ اس حدیث سے منسوخ ہو گیا۔ لیکن یہ صحیح نہیں اس لئے کہ پھر ویل للاعقاب فرمانا صحیح نہ ہوتا۔ مشروع پر عمل موجب نار کیسے ہو سکتا ہے۔ نیز مسلم کی حضرت ابوہریرہ والی حدیث اس کے خلاف پر دلالت کرتی ہے۔ اس لئے متعین ہے کہ نمسح یہاں اس پر محمول ہے کہ ہم اچھی طرح نہیں دھو رہے تھے۔ عجلت کی وجہ سے ایڑیاں بے دھلی رہ گئی تھیں۔ اس پر یہ ارشاد فرمایا۔

روافض یہ کہتے ہیں کہ وضوء میں پاؤں دھونا فرض نہیں۔ مسح کرنا فرض ہے۔ ان کی دلیل یہ ہے۔ کہ آیت وضوء میں صحیح

وَيْلٌ لِلْأَعْقَابِ مِنَ النَّارِ مَرَّتَيْنِ أَوْ ثَلَاثًا ؏

بلند آواز سے دو یا تین بار فرمایا۔ ایڑیوں کے لئے آگ کا عذاب ہے

ت (۳۶) وَكَانَ ابْنُ سِيرِيْنَ يَغْسِلُ مَوْضِعَ الْخَاتَمِ إِذَا تَوَضَّأَ ؏

مشہور تابعی محمد بن سیرین جب وضو کرتے تو انگوٹھی کی جگہ کو دھوتے

قرأت "وارجلکم" لام کے کسرے کے ساتھ ہے یہ "رؤسکم" پر معطوف ہے۔ ایدیکم پر نہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ کہنا کہ صحیح قرأت لام کے کسرے کے ساتھ ہے غلط ہے۔ دونوں قرأتیں صحیح ہیں۔ لام کے کسرے کے ساتھ بھی اور لام کے فتحے کے ساتھ بھی۔ لام کے فتحے کے ساتھ بھی قرأت متواترہ ہے۔ اس تقدیر پر متعین ہے کہ ارجلکم کا عطف ایدیکم پر ہو۔ اور لام کے کسرہ والی قرأت کی بنا پر لام کو کسرہ جوار کی وجہ سے ہے۔ مجرور ہونے کی وجہ سے نہیں۔ اور اگر اسے رؤسکم پر معطوف مانیں تو ارجلکم کے لام کے فتحے کی کوئی توجیہ نہیں ہو پائے گی۔ علاوہ ازیں احادیث اس بارے میں اتنی کثیر ہیں۔ جو معنًا متواتر نہیں تو مشہور ضرور ہیں۔ نیز صحابۂ کرام کا اس پر اجماع ہے کہ صرف تین حضرات سے مسح رجل کا قول روایت کیا گیا ہے۔ حضرت علی، ابن عباس، انس رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔ مگر بعد میں ان لوگوں نے بھی اس سے رجوع کر لیا ہے [۲]

(۳) ویل۔ کے معنی ہیں خرابی، ہلاکت یہ زجر کے موقع پر بولتے ہیں۔ ابن حبان نے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی کہ ویل، جہنم میں ایک ایسی وادی کا نام ہے جس میں اتنی گرمی ہے کہ اگر اس میں پہاڑ ڈال دیئے جائیں جائیں [۲]۔ اس سے جہنم بھی پناہ مانگتا ہے [۳]

ایک قول یہ ہے کہ جہنمیوں کی پیپ کو ویل کہتے ہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ ویل ان مصادر میں سے ہے جن کے لئے افعال نہیں یہ ہلاکت اور عذاب کے معنی میں مستعمل ہے۔ یہاں عذاب ہی کے معنی میں ہے۔

تشریحات (۳۶)

ابن سیرین | ان کا نام محمد ہے۔ مشہور ابن سیرین کے ساتھ ہیں۔ کنیت ابوبکر ہے۔ ان کے والد سیرین، جنگ عین التمر میں گرفتار ہوئے۔ ان کی قسمت نے یاوری کی۔ ان کو حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی غلامی نصیب ہوئی۔ حضرت انس نے بیس ہزار درہم پر مکاتب بنایا۔ یعنی اتنا ادا کر دو تو تم آزاد ہو۔ انھوں نے یہ رقم ادا کر کے آزادی حاصل کر لی۔ محمد بن سیرین کی والدہ کا نام

؏ ایضاً کتاب العلم باب من رفع صوتہ بالعلم ص۱۴، باب من اعاد الحدیث ثلثاً لیفہم ص۲۰، مسلم ۲۵، ۲۸، ۳۰، ابوداؤد ۹۶۔ ترمذی ۱۳۔ نسائی ۸۸، ابن ماجہ ۵۵، مؤطا امام مالک ۵، کلہم فی الطہارت، دارمی وضوء ۳۵، مسند امام احمد [۲] عینی جلد دوم ص۲۱۱، [۳] عینی ج۲ ص۹،

[۱] بہار شریعت حصہ دوم ص۶، ؏ مصنف ابن ابی شیبہ، بخاری فی التاریخ بمعناہ۔

"صفیہ" ہے۔ یہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی آزاد کردہ باندی تھیں۔ یہ وہ خوش نصیب خاتون ہیں کہ جب ان کا سیرین سے نکاح ہونے والا ہوا تو تین ازواج مطہرات نے انھیں خوشبو لگائی اور ان کے لئے دعا کی۔ تیرہ اصحاب بدر جن میں حضرت ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی ہیں ان کے نکاح میں شریک ہوئے۔ حضرت ابی بن کعب نے دعا، کی بقیہ حضرات نے آمین کہا۔ محمد بن سیرین حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت میں ۳۳ھ میں پیدا ہوئے۔ اور ۱۱۰ھ میں حضرت امام حسن بصری کے وصال کے سو دن کے بعد وصال فرمایا۔ یہ ان ائمہ تابعین میں ہیں جن کی عظمت و جلالت متفق علیہ ہے۔ حدیث و فقہ کے امام ہیں۔ تیس صحابہ کرام کی زیارت کی۔ اور حضرت ابن عمر، حضرت انس، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور دوسرے صحابہ اور کثیر تابعین سے روایت کی۔ فن تعبیر کے امام منفرد ہیں۔ زہد و ورع، تقویٰ، خشیت خداوندی، علم و فضل سب جمع تھا۔ اشعث نے کہا جب ان سے حلال و حرام کے بارے میں کچھ پوچھا جاتا تو ان کے چہرے کا رنگ بدل جاتا۔ معلوم ہوتا یہ پہلے والے نہیں ہیں۔ مہدی نے کہا کہ ہم ان کی مجلس میں ان سے خوب باتیں کرتے وہ بھی کرتے مگر جب موت کا ذکر آتا تو چہرے کا رنگ اڑ جاتا زرد پڑ جاتا۔ بالکل بدل جاتے۔ خلف بن ہشام نے کہا اللہ عزوجل نے ان کو اچھی عادت اچھا جسم اور خشوع عطا فرمایا تھا لوگ انھیں دیکھتے تو اللہ یاد آ جاتا۔[۱]

(۱) ابن ماجہ نے حضرت ابو رافع رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی۔

كان رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم اذا توضأ حرك خاتمه۔ رسول اللہ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جب وضو فرماتے تو اپنی انگوٹھی ہلاتے۔

خود ابن سیرین سے یہ بھی مروی ہے کہ انھوں نے اپنی انگوٹھی انگلی میں گھمائی۔ اور اس تعلیق میں یہ ہے کہ انگوٹھی کی جگہ کو دھوتے تھے۔ اس کی توجیہ یہ ہے کہ جب انگوٹھی تنگ ہوتی اس کے اندر پانی نہیں پہونچتا تو انگوٹھی اتار کر اس کی جگہ دھوتے تھے۔ اور جب ڈھیلی ہوتی اور اس کے اندر پانی پہونچنے کا ظن غالب ہوتا تو صرف گھمانے پر اکتفا کرتے تھے۔ دوسری توجیہ یہ ہے کہ انگوٹھی کی جگہ دھونے سے مراد یہ ہے کہ اسے گھما دیتے تاکہ پانی اس کے اندر بھی پہنچ جائے۔ اسی پر عمل بھی ہے کہ اگر انگوٹھی ڈھیلی ہو کہ بغیر ہلائے اس کے اندر پانی پہنچ جائے تو نہ ہلانے کی حاجت نہ گھمانے کی۔ البتہ بہتر یہ ہے کہ ہلالے۔ اور اگر تنگ ہے کہ بغیر ہلائے اندر پانی نہ پہونچے تو ہلانا فرض۔ اور اگر اتنی تنگ ہے کہ ہلانے گھمانے پر بھی پانی اندر نہ جائے تو اتار کر اسے دھونا فرض ہے۔

اس مضمون کی حدیث اور بھی ہیں: بیہقی نے روایت کیا۔ کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب وضو کرتے اپنی انگوٹھی ہلاتے ابن قتیبہ کی غریب الحدیث میں ہے کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک شخص کو وضو کرتے دیکھا تو فرمایا۔ انگوٹھی کی جگہ کا خیال کر۔ حضرت ابن عمر اور حضرت عائشہ بنت سعد بن ابی وقاص سے بھی مروی ہے کہ یہ لوگ جب وضو کرتے تو انگوٹھی ہلا لیتے۔

[۱] اکمال۔ عینی جلد اول ص۷۶۲، باب اتباع الجنائز من الایمان۔

(۱۲۱) حدیث۔ ایضاً

سَمِعْتُ اَبَا هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ وَكَانَ يَمُرُّ بِنَا وَالنَّاسُ يَتَوَضَّؤُنَ

محمد بن زیاد کہتے ہیں کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہمارے پاس سے گزر رہے تھے اور لوگ ایک برتن سے وضو کر رہے

مِنَ الْمِطْهَرَةِ فَقَالَ اَسْبِغُوا الْوُضُوْءَ فَاِنَّ اَبَا الْقَاسِمِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

تھے میں نے سنا کہ انھوں نے کہا لوگو وضو پوری طرح کرو۔ اس لئے کہ حضرت ابوالقاسم صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا۔

قَالَ وَيْلٌ لِلْاَعْقَابِ مِنَ النَّارِ

ایڑیوں کے لئے آگ کا عذاب ہے۔

تشریحات (۱۲۱)

(۱) محمد بن زیاد حضرت عثمان بن مظعون مشہور صحابی کے آزاد کردہ غلام ہیں۔ قرشی جمحی ہیں۔ مدنی الاصل ہیں۔ مگر بعد میں بصرہ کی سکونت اختیار کرلی تھی۔ ثقہ تابعی ہیں۔

(۲) مِطْهَرَةٌ۔ اسم آلہ ہے۔ حدیث میں ہے۔ السواك مطهرة للفم ومرضاة للرب مسواک منھ کی صفائی اور رب تبارک وتعالیٰ کی خوشنودی کا ذریعہ ہے۔ یہاں مراد وہ برتن ہے جس میں وضو کے لئے پانی رکھا ہو۔ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اس سے مراد حوض گڑھا وغیرہ ہو۔

(۳) حدیث میں اگرچہ خصوصیت واقعہ کی وجہ سے صرف ایڑیوں کا ذکر ہے۔ نیز عام طور پر بے پرواہ عجلت باز ایڑیوں سے غفلت برتتے ہیں۔ مگر حکم ان تمام اعضا کو عام ہے جو ایسے ہیں کہ اگر خاص خیال کرکے وہاں پانی نہ پہنچایا جائے تو دھونے سے رہ جائیں گے۔ مثلاً ایڑیاں ٹخنے، کونچیں، انگلیوں کی گھائیاں، کہنیاں، آنکھ کے کوئے، انگوٹھی کے اندر، ہر شخص کے لئے ان کا خیال کرنا مستحب ہے۔ اور لاپرواہ لوگوں پر فرض ہے۔ اسی لئے امام بخاری نے حضرت ابن سیرین کا قول نقل فرمایا۔ حاکم نے عبداللہ بن حارث رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا کہ فرمایا۔ ایڑیوں اور تلوؤں کیلئے آگ کا عذاب ہے۔ مسلم میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ ایک شخص نے وضو کیا اور ناخن کے برابر قدم پر پانی نہیں پہنچا۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دیکھ لیا۔ فرمایا جا اچھی طرح وضو کر۔ وہ گئے اور پھر آئے اور نماز پڑھی ؎۲

مسائل مستنبطہ (۱) پاؤں کا دھونا فرض ہے (۲) ہر عضو کو پورا دھونا فرض ہے للاکثر حکم الکل یہاں نہیں (۳) علماء پر واجب ہے کہ بے پڑھے لکھے لوگوں کو مسائل بتائیں (۴) ضرورت کے وقت مسئلہ بتاتے وقت آواز بلند بھی کی جاسکتی ہے (۵) عالم مخاطب کو جھڑک بھی سکتا ہے (۶) عذاب جسم اور روح دونوں پر ہوگا۔ صرف روح پر نہیں (۷) عذاب جہنم اپنے ظاہری معنی پر محمول ہے معنی مجازی مراد نہیں کہ اپنے گناہوں کو دیکھ کر کڑھنے کا نام ہو۔

(۱۴۲) حدیث - التوضی فی النعال

عَنْ عُبَيْدِ بْنِ جُرَيْجٍ أَنَّهُ قَالَ لِعَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ يَا أَبَا عَبْدِ الرَّحْمٰنِ رَأَيْتُكَ

عبید بن جریج نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے کہا - اے ابو عبدالرحمٰن آپ کو چار ایسی باتیں

تَصْنَعُ أَرْبَعًا لَمْ أَرَ أَحَدًا مِنْ أَصْحَابِكَ يَصْنَعُهَا قَالَ كَمَا هِيَ يَا ابْنَ جُرَيْجٍ

کرتے دیکھ رہا ہوں جنھیں آپ کے ساتھیوں میں سے کسی کو میں نے نہیں دیکھا کہ کرتے ہوں - انھوں نے پوچھا اے ابن جریج

تشریحات (۱۴۲)

(۱) یہ تابعی مدنی بنی تیم کے آزاد کردہ غلام ہیں - ان میں اور مکہ معظمہ کے مشہور و معروف امام، فقیہ، محدث، عبدالملک بن عبدالعزیز بن جریج میں کوئی رشتہ نہیں - بعض لوگوں نے گمان کیا کہ یہ، ابن جریج مکی کے چچا ہیں - یہ غلط ہے - جُریج جرج کی تصغیر ہے - اس کے معنی سامان رکھنے کے تھیلے کے ہیں - جیسے جرجی کہتے ہیں -

غایت باب امام بخاری نے اس حدیث پر یہ باب باندھا ہے - باب غسل الرجلین فی النعلین ولا یمسح علی النعلین چپل میں پاؤں ہوتے ہوئے پاؤں دھونا ہے ان پر مسح نہیں کرنا ہے - اس باب کے باندھنے کی وجہ یہ ہے کہ کچھ اصحاب ظواہر اور روافض پاؤں پر بھی مسح کافی سمجھتے ہیں - دھونا ضروری نہیں جانتے - اور یہ بہت سے صحابۂ کرام سے بھی مروی ہے - مثلاً حضرت علی و عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے بلکہ اس سلسلے میں ایک حدیث مرفوع بھی ترمذی و ابو داؤد میں مذکور ہے - لیکن عبدالرحمٰن بن مہدی وغیرہ نے اس کی تضعیف کی ہے - اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے جو مروی ہے وہ وضو ہوتے ہوئے دوبارہ وضو کرنے کے وقت مروی ہے - جیسا کہ امام طحاوی نے جو روایت کی اس حدیث کے الفاظ یہ ہیں :-

رأیت علیا رضی اللہ تعالیٰ عنہ صلی الظہر ثم تعد للناس فی الرحبۃ ثم اتی بماء فمسح بوجہہ ویدیہ ومسح براسہ ورجلیہ وشرب فضلہ قائما ثم قال ان ناسا یزعمون ان ھذا یکرہ وانی رأیت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یصنع مثل ما صنعت وھذا وضوء من لم یحدث[۱]

نزال بن سبرہ نے بیان کیا کہ میں نے دیکھا کہ علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ظہر پڑھی پھر صحن میں بیٹھے کچھ دیر کے بعد پانی پیش کیا گیا تو اس سے اپنے چہرے اور ہاتھوں پر مسح کیا اور سر اور پاؤں پر مسح فرمایا - اور بچا ہوا پانی کھڑے ہو کر پیا - پھر فرمایا لوگ گمان کرتے ہیں کہ یہ مکروہ ہے حالانکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ایسے ہی یعنی وضو کا بچا ہوا پانی کھڑے ہو کر پیتے ہوئے دیکھا ہے یہ اس کا وضو ہے جس کا وضو ٹوٹا نہ ہو -

---

[۱] طحاوی جلد اول ص۲۰ -

قَالَ رَأَيْتُكَ لَا تَمَسُّ مِنَ الْأَرْكَانِ إِلَّا الْيَمَانِيَيْنِ وَرَأَيْتُكَ

وہ کون کون سی باتیں ہیں ابن جریج نے کہا میں نے آپ کو دیکھا کہ آپ کعبے کے ارکان میں صرف رکن یمانی اور رکن حجر اسود

امام طحاوی نے اس پر فرمایا کہ اگر اس حدیث کو پاؤں پر مسح کی دلیل ٹھہرائی جائے تو اس میں چہرے اور ہاتھوں کے لئے بھی مسح ہی کا لفظ ہے تو لازم کہ چہرے اور ہاتھوں پر بھی مسح کافی ہو۔ لامحالہ، اس حدیث میں مسح کے معنی "غسل خفیف مراد لینا پڑے گا۔ یعنی حضرت علی کی عام عادت جس طرح وضو کرنے کی تھی اس سے کم دھویا۔ رہ گیا جو حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے اور بھی جو اس قسم کی احادیث ہیں ان سب میں مراد یہ ہے کہ وہ لوگ اس وقت موزوں پر جوتے پہنتے تھے۔ چونکہ ان کے جوتے چپل کی طرح ہوتے تھے۔ کہ قدم کے اوپر صرف دو تسمے ہوتے تھے۔ ان لوگوں نے اصل میں موزوں پر مسح کیا اور راوی نے یہ کہا کہ یہ چپل پر مسح ہے۔ علامہ عینی وغیرہ نے امام طحاوی سے الگ ایک بہت قوی دلیل نقل کی ہے کہ اس پر اجماع ہے کہ اگر موزے اتنے پھٹ جائیں جن سے قدم ظاہر ہونے لگے تو ان موزوں پر مسح جائز نہیں اور چپل میں قدم کی پیٹھ تقریباً کل کھلی رہتی ہے تو اس پر مسح کیسے جائز ہوگا۔ علامہ ابن حجر نے فرمایا یہ استدلال صحیح ہے۔ مگر اس پر اجماع کے دعویٰ میں نزاع ہے۔ اس لئے کہ صحابہ و تابعین کی ایک جماعت اس کی قائل ہے کہ پاؤں پر مسح جائز ہے۔ علاوہ ازیں عکرمہ، قتادہ، شعبی بھی اس کے قائل ہیں۔ امام حسن بصری نے فرمایا کہ واجب پاؤں دھونا ہے یا مسح۔ اور بعض اصحاب ظواہر کہتے ہیں کہ غسل اور مسح دونوں کا جمع کرنا واجب ہے۔ علامہ عینی نے اس کا یہ جواب دیا کہ اجماع کے سلسلے میں جمہور کا مذہب یہ ہے کہ اقل کی مخالفت اجماع میں مضر نہیں۔ اور تواتر شرط نہیں۔ اس کے بعد حضرت عطا کا یہ قول پیش کیا کہ عبدالملک نے کہا، میں نے عطاء سے پوچھا۔ کیا آپ کو کسی صحابی کے بارے میں یہ خبر ملی ہے کہ وہ پاؤں پر مسح کرتے تھے تو فرمایا نہیں۔

اقول اس پر منازع بہت کچھ کہہ سکتا ہے۔ امام طحاوی نے یہ نہیں فرمایا ہے کہ اس پر اجماع ہے کہ پاؤں کو دھویا جائے مسح نہ کیا جائے۔ انھوں نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ اس پر اجماع ہے کہ موزے اگر اتنے پھٹے ہوں کہ قدم ظاہر ہوں تو مسح درست نہیں۔ علامہ ابن حجر نے اس کے خلاف کوئی دلیل قائم نہیں فرمائی۔ اور اگر امام طحاوی کی مراد یہ ہوتی کہ اس پر اجماع ہے کہ پاؤں کا مسح کافی نہیں تو البتہ ابن حجر کا اعتراض وارد ہوتا۔ اور اگر بالفرض یہی مراد لیا جائے کہ امام طحاوی کی مراد یہی ہے کہ پاؤں پر مسح کافی نہیں اس پر اجماع ہے۔ اگرچہ یہ ان کے ارشاد سے کسی طرح ظاہر نہیں تو اس کی تاویل یہ ہو سکتی ہے کہ امام طحاوی کی مراد صحابۂ کرام کا اجماع ہے۔ اور یہ صحیح ہے۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ وغیرہ سے جو مروی ہے اس کے بارے میں گزر چکا کہ وہ وضو ہوتے ہوئے وضو تھا۔ یا یہ کہ جوتوں کے ساتھ موزے بھی پہنے تھے۔ مسح اصل میں موزوں پر تھا۔

(۲) قصہ یہ ہے کہ قریش نے کعبہ کی جو تعمیر کی تھی وہ جنوب کی جانب قواعد ابراھیم پر تھی۔ اور جانب شمال جو حطیم کا حصہ ہے وہ چھوڑ دیا ہے۔ اس لئے حضور اقدس صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم صرف جنوبی ارکان۔ یمانی اور حجر اسود کو ہاتھ لگاتے تھے۔ پھر جب

تَلْبَسُ النِّعَالَ السِّبْتِيَّةَ وَرَأَيْتُكَ تَصْبُغُ بِالصُّفْرَةِ وَرَأَيْتُكَ إِذَا كُنْتَ بِمَكَّةَ

کو ہاتھ لگاتے ہیں۔ اور میں نے آپ کو بال صاف کی ہوئی سبتی چپل پہنتے دیکھا اور میں نے آپ کو یہ دیکھا کہ آپ بالوں کو زرد خضاب سے

أَهَلَّ النَّاسُ إِذَا رَأَوُا الْهِلَالَ وَلَمْ تُهِلَّ أَنْتَ حَتّٰى كَانَ يَوْمُ التَّرْوِيَةِ۔ قَالَ

رنگتے ہیں۔ اور مکے والے چاند دیکھتے ہی تلبیہ کہنے لگتے ہیں مگر میں نے آپ کو دیکھا کہ یوم ترویہ سے پہلے تلبیہ نہیں پکارتے۔ اس پر

عَبْدُ اللّٰهِ أَمَّا الْأَرْكَانُ فَإِنِّي لَمْ أَرَ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

حضرت عبداللہ نے فرمایا ارکان کا معاملہ یہ ہے کہ میں نے رسول اللہ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو سوائے یمانیین کے

يَمَسُّ إِلَّا الْيَمَانِيَيْنِ وَأَمَّا النِّعَالُ السِّبْتِيَّةُ فَإِنِّي رَأَيْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى

اور کسی رکن کو ہاتھ لگاتے نہیں دیکھا۔ اور بغیر بال کی جوتیوں کی بات یہ ہے کہ میں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ وہ

حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے اپنی تعمیر میں جانب شمال بھی بڑھا کر قواعد ابراہیم پر تعمیر کی۔ اور حطیم اندر آگیا۔ تو صحابۂ کرام چاروں ارکان کو ہاتھ لگانے لگے۔ پھر عبدالملک کے حکم سے حجاج نے اس تعمیر کو ڈھاکر حطیم کو باہر کر دیا۔ اور قریش کی تعمیر کے مطابق بنا دیا۔ تو جو واقف کار تھے وہ رکن عراقی اور شامی کو طواف کے وقت ہاتھ نہیں لگاتے تھے صرف رکن یمانی اور حجر اسود کو ہاتھ لگاتے تھے۔ اور کچھ لوگ چاروں ارکان کو ہاتھ لگاتے رہے۔ جیسا کہ حضرت عبداللہ بن زبیر کی تعمیر کے بعد سے رواج پڑ گیا تھا۔ عبید بن جریج کو یہ راز معلوم نہ تھا اس لئے انھوں نے حضرت ابن عمر سے یہ سوال کیا۔ یہ اختلاف عمل عہد تابعین تک رہا۔ اب اس پر اجماع ہو گیا کہ صرف رکن یمانی اور حجر اسود کو طواف کی حالت میں ہاتھ لگایا جائے۔ فرق یہ ہے کہ رکن یمانی کو صرف ہاتھ لگائیں گے۔ اور حجر اسود پر دونوں ہاتھ رکھ کر منھ سے بوسہ دیں گے۔ اگر اس کا موقع مل جائے تو ورنہ صرف ہاتھ یا لکڑی سے اشارہ کافی ہے۔ تفصیل کتاب الحج میں آئے گی۔ یہی ہمارا بھی مذہب ہے۔

(۳) سبتیہ، سبت کی طرف منسوب ہے۔ اس کے معنی میں کئی قول ہیں۔ سلم کے پتوں میں پکائی ہوئی گائے کی کھال۔ یا ہر پکائی ہوئی کھال۔ سر مونڈھنا، ایک بازار کا نام ہے، یہاں مراد وہ کھال ہے جس پر بال نہ ہوں، سبت کے معنی سر مونڈھنے کے ہیں چونکہ اس کے بال اڑا دیئے گئے ہیں اس لئے اس کو سبتیہ کہتے ہیں۔ نعل جو اس عہد میں پہنتے تھے وہ چپل کی طرح ہوتا تھا۔ جس کے پشت پر دو تسمے ہوتے تھے۔ جیسا کہ حضور اقدس صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے نعلین مقدس کے بارے احادیث میں وارد ہے۔ سبتی نعل پہننے میں کسی کا کوئی اختلاف نہیں۔ اس عہد میں کم پہنتے تھے۔ اس لئے عبید بن جریج کو پوچھنا پڑا۔

(۴) صرف اتنا ہی حصہ باب کے مطابق ہے یہاں متعین ہے کہ یتوضأ کے معنی دھونے کے ہیں۔ اس لئے کہ توضی دھونے کے معنی میں مستعمل ہے۔ اگر حضور اقدس صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے صرف مسح فرمایا ہوتا تو یمسح فرماتے۔ علاوہ ازیں اگر مسح مراد

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَلْبَسُ النِّعَالَ الَّتِي لَيْسَ فِيهَا شَعَرٌ وَيَتَوَضَّأُ فِيهَا فَأَنَا أُحِبُّ أَنْ أَلْبَسَهَا

بغیر بال کی چپل پہنتے تھے اور اس میں وضوء[۴] فرماتے تھے اس لئے میں انھیں پہننا پسند

وَأَمَّا الصُّفْرَةُ فَإِنِّي رَأَيْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَصْبُغُ بِهَا فَأَنَا أُحِبُّ

کرتا ہوں۔ رہا زرد رنگ کا خضاب تو میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو بالوں میں زرد رنگ کا خضاب[۵] لگاتے دیکھا ہے

أَنْ أَصْبُغَ بِهَا وَأَمَّا الْإِهْلَالُ فَإِنِّي لَمْ أَرَ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالَى

اس لئے میں بھی پسند کرتا ہوں کہ یہ خضاب لگاؤں۔ تلبیہ پکارنے کی بات[۶] یہ ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

تو فیھا نہ ہوتا علیھا ہوتا۔ فیھا فرما کر تعیین کر دی کہ دھونا ہی مراد ہے۔ یعنی چپل پہنے پہنے پاؤں دھوتے جیسا کہ ابو داؤد باب صفۃ وضوء النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت علی نے فرمایا۔ اے ابن عباس رسول اللہ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کیسے وضوء فرماتے تھے تمہیں دکھا دوں انھوں نے عرض کی ضرور تو انھوں نے وضوء شروع فرمایا یہاں تک کہ سر کا مسح فرمایا۔ پھر ایک لپ پانی داہنے پاؤں پر ڈالا۔ حالانکہ چپل پاؤں میں تھی پھر پاؤں کو ادھر ادھر موڑا پھر دوسرے پاؤں کے ساتھ بھی یہی کیا[۱]

⑤ اس سے یا تو صرف بالوں پر زرد رنگ کا خضاب کرنا مراد ہے یعنی کسم سے۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ حضرت ابن عمر کپڑے عمامہ بھی زرد رنگ کے استعمال کرتے ہوں جیسا کہ ابو داؤد میں ہے کہ حضرت ابن عمر اپنی داڑھی زرد رنگ سے اتنا رنگتے کہ کپڑے لت پت ہو جاتے۔ یہ زرد رنگ سے اپنے تمام لباس کو رنگتے یہاں تک کہ عمامے کو بھی[۲]

⑥ علماء کا اس میں اختلاف ہے کہ تلبیہ کس وقت سے پکاری جائے کچھ لوگوں نے کہا جب ذوالحجہ کا چاند دکھا جائے اس وقت سے۔ امام مالک امام شافعی امام احمد نے فرمایا جب سواری چلنے لگے جیسا کہ اس حدیث میں حضرت ابن عمر سے مروی ہے۔ ہمارا مسلک یہ ہے کہ احرام کی نماز سے فارغ ہوتے ہی کھڑے ہونے سے پہلے تلبیہ شروع کر دے۔ ہماری دلیل ابو داؤد کی وہ حدیث ہے جو حضرت سعید بن جبیر شہید مظلوم سے مروی ہے۔ ان کا بیان یہ ہے کہ میں نے حضرت ابن عباس سے عرض کیا۔ مجھے اس پر تعجب ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے تلبیہ کہنے کے وقت کے بارے میں صحابۂ کرام میں اختلاف ہے۔ حضرت ابن عباس نے کہا۔ میں اس معاملے کو سب سے زیادہ جانتا ہوں۔ رسول اللہ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے صرف ایک ہی حج کیا۔ پھر بھی ساتھیوں میں اختلاف ہو گیا۔ وجہ یہ ہوئی کہ رسول اللہ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مسجد (ذوالحلیفہ) میں احرام کی دو رکعتیں پڑھیں

[۱] کتاب الطہارت باب صفۃ وضوء النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔ [۲] کتاب اللباس باب فی المصبوغ۔

عَلَیْهِ وَسَلَّمَ يُهِلُّ حَتّٰى تَنْبَعِثَ بِهٖ رَاحِلَتُهٗ ۲؎

کو دیکھا کہ حضور اس وقت تک تلبیہ نہیں کہتے جب تک آپ کی سواری نہ چل دیتی

(۱۲۳) حدیث۔ التیامن فی کل شیٔ

عَنْ اُمِّ عَطِيَّةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهَا قَالَتْ، قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

حضرت ام عطیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے کہا کہ رسول اللہ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان عورتوں سے

اسی وقت تلبیہ کہا۔ جو لوگ اس وقت مسجد میں موجود تھے ان لوگوں نے سنا۔ (باہر والوں نے نہیں سنا) پھر جب مسجد سے باہر تشریف لا کر سواری پر بیٹھے اور سواری لے کر چلی تو تلبیہ کہا۔ اسے ان لوگوں نے سنا جو وہاں موجود تھے۔ لوگ جماعت در جماعت آکر شامل ہوتے جاتے تھے۔ پھر جب شرف البیدا پر چڑھے تو تلبیہ کہا۔ اسے بہت بڑی جماعت نے سنا۔ بخدا نبی صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے تینوں جگہ تلبیہ کہا۔ جس نے جو سنا اسے بیان کیا۔ ۵؎

اس حدیث سے مختلف روایات میں تطبیق بھی ہوگئی۔ امام ابو داؤد نے اس حدیث پر سکوت کیا۔ ان کا سکوت دلیل تصحیح ہے۔ حاکم نے مستدرک میں اس کے بارے میں کہا۔ یہ حدیث صحیح ہے مسلم کی شرط پر ہے۔ نیز امام طحاوی نے بھی اس کی تخریج کی ہے۔ اس کی بقیہ تفصیل کتاب الحج میں آئے گی۔

تشریحات (۱۲۳)

(۱) **حضرت ام عطیہ** رضی اللہ تعالیٰ عنہا۔ انصاریہ ہیں۔ ان کا نام نسیبہ بنت کعب یا الحارث ہے۔ خواتین بلکہ صحابیات میں یہ اپنی گوناگوں خصوصیات میں منفرد و ممتاز ہیں۔ یہ بیماروں کی تیمارداری کرتی تھیں۔ مردہ عورتوں کو غسل دیتی تھیں زخمیوں کی مرہم پٹی اور علاج کی ماہر تھیں۔ سات غزوات میں حضور اقدس صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ شریک ہوئیں جن میں خیبر بھی ہے۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان کے گھر جاکر قیلولہ فرمایا کرتے۔ ان سے چالیس حدیثیں مروی ہیں۔ چھ یا سات متفق علیہ ہیں۔ ایک افراد بخاری سے اور ایک ہی افراد مسلم سے ہے۔

(۲) **تکمیل** ان سے حضرت سیدہ زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا مراد ہیں۔ جیسا کہ مسلم ۲؎ کی روایت میں تصریح ہے۔ پوری حدیث کتاب الجنائز میں یوں ہے کہ جب حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی صاحبزادی کا وصال ہوا۔ ہم انھیں غسل دے رہی تھیں۔ کہ

۱؎ ابو داؤد کتاب المناسک باب وقت الاحرام ۲؎ ایضاً لباس۔ باب نعال السبتیہ ص۸۳۲، مسلم حج الافضل ان یحرم حین تنبعث به راحلته، ابو داؤد۔ مناسک۔ باب وقت الاحرام۔ ترمذی۔ شمائل۔ باب ماجاء فی نعال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔ نسائی۔ طہارت۔ الوضوء فی النعال۔ ابن ماجہ۔ لباس۔ باب الخضاب بالصفرۃ۔ ۵؎ ج۱ ص۳۰۵،

لَهُنَّ فِی غُسْلِ ابْنَتِہٖ اِبْدَأْنَ بِمَیَامِنِہَا وَ مَوَاضِعِ الْوُضُوْءِ مِنْہَا ؏

(جو غسل دے رہی تھیں) اپنی صاحبزادی کے غسل کے بارے میں فرمایا۔ داہنی طرف سے اور اعضاء وضوء سے شروع کرنا۔

رسول اللہ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تشریف لائے۔ اور فرمایا۔ انھیں تین یا پانچ یا اس سے بھی زائد بار جتنی ضرورت سمجھنا خالص پانی یا بیری کے پانی سے نہلانا اخیر میں کافور ملا لینا۔ اور جب نہلا کر فارغ ہونا تو مجھے بتانا۔ ام عطیہ کہتی ہیں کہ جب ہم فارغ ہوئیں تو حضور کو بتایا حضور نے اپنا تہبند عطا فرمایا اور یہ فرمایا کہ اسے ان کا ازار بنانا۔ یہ روایت محمد بن سیرین کی ہے۔ ان کی بہن حفصہ نے انھیں ام عطیہ سے جو روایت کی اس میں یہ ہے۔ انھیں طاق بار نہلانا تین یا پانچ یا سات بار۔ غسل کی ابتدار داہنے طرف اور وضوء کے اعضاء سے کرنا ام عطیہ نے کہا ہم نے کنگھی کر کے ان کے بالوں کو تین حصے میں کر کے پیچھے کی طرف کر دیئے۔

(۳) امام بخاری نے اس پر باب یہ باندھا ہے "باب التیمن فی الوضوء والغسل"۔ غسل اور وضوء میں داہنی طرف سے شروع کرنا۔ اور یہ حدیث میت کے غسل کے بارے میں ہے۔ مگر بہر حال وضوء اور غسل ہی کے بارے میں۔ جس میں حضور اقدس صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے داہنی طرف سے شروع کرنے کا حکم دیا۔ تو ثابت کہ تیامن مطلقاً ہر وضوء اور غسل میں پسندیدہ ہے۔

وضوء کے بیان کا سلسلہ چل رہا تھا۔ غسل کا مفصل بیان آگے آرہا ہے۔ یہاں غسل کے ذکر کی ضرورت نہ تھی مگر چونکہ یہ حدیث غسل ہی کے ذکر پر مشتمل ہے۔ وضوء ضمنی طور پر ہے۔ اس لئے امام بخاری نے غسل کا اضافہ فرمایا۔ اس سے جہاں یہ ثابت ہو رہا ہے کہ غسل میں تیامن پسندیدہ ہے وہیں وضوء میں بھی تیامن کا اثبات صراحۃً بغیر کسی تردد کے ہو رہا ہے۔ اس لئے کہ صریح طور پر فرمایا کہ داہنی طرف اور مواضع وضوء سے شروع کرنا۔ تو تیامن کا حکم وضوء کے لئے بھی ہوا۔

حضرت سیدہ زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا یہ حضور صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سب سے بڑی صاحبزادی ہیں جو بعثت سے دس سال پہلے جب کہ عمر مبارک تیس سال تھی پیدا ہوئیں۔ بعض لوگوں نے کہا ہے کہ حضرت قاسم ان سے بڑے تھے۔ ان کا عقد ان کے خالہ کے لڑکے، حضرت ابوالعاص سے ہوا تھا، بعثت کے بعد یہ ایمان سے مشرف ہوئیں مگر ابوالعاص انکے ساتھ ایمان نہ لائے بعد میں مشرف باسلام ہوئے۔ غزوۂ بدر میں یہ مشرکین کیطرف تھے یہ بھی قید ہوئے انکے بھائی عمرو انکو رہا کرانے کیلئے جب مدینہ آئے تو حضرت زینب نے فدیے میں وہ ہار انکو دیا جو حضرت خدیجہ نے حضرت زینب کو شادی کے موقع پر دیا تھا۔ حضور اقدس صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نظر جب اس ہار پر پڑی تو پہچان لیا۔ حضرت خدیجہ یاد آگئیں۔ رقت طاری ہوگئی۔ حضرت خدیجہ کے لئے کلمات ترحم فرمائے۔ یہ پسند خاطر نہ ہوا کہ بیٹی کو ماں کی نشانی سے محروم کر دیا جائے۔ حضور

؏ ایضاً جنائز۔ باب یبدأ بمیامن المیت ص۱۶۷ میں تین طریقے سے مسلم جنائز۔ باب البدأ بمیامن المیت و مواضع الوضوء۔ نسائی جنائز۔ باب میامن المیت و مواضع الوضوء منہ۔ ابن ماجہ۔ جنائز۔ غسل المیت۔

(۱۲۴) حدیث۔ استحباب التیمن فی کل شئ

عن عائشۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہا قالت کان النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یعجبہ التیمن

حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا کہ نبی صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ہر کام داہنے سے شروع کرنا پسند تھا۔

اقدس صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے لوگوں سے کہہ سن کے بغیر فدیہ، ابوالعاص کو آزاد کر دیا۔ البتہ یہ عہد لے لیا کہ مکہ پہنچ کر حضرت زینب کو مدینے بھیج دیں گے۔ انھوں نے وعدہ پورا کیا۔ حضرت زینب جب مدینے کے لئے چلیں تو ہبار بن الاسود اور ایک اور سنگ دل نے ڈھکیل دیا۔ یہ ایک چٹان پر گر پڑیں جس سے سخت چوٹ آئی ایسی کہ زندگی بھر اچھی نہ ہو سکیں۔ اسی میں وصال ہوا۔ سنہ وصال آٹھ ہجری ہے۔ حضرت زینب کے ایک صاحبزادے پیدا ہوئے جن کا نام علی تھا جو بلوغ کے قریب پہنچ کر وصال فرما گئے۔ اور ایک صاحبزادی حضرت اُمامہ ہوئیں جن کے بارے میں احادیث میں ہے کہ حضور اقدس صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ان کو گود میں لے کر نماز پڑھتے سجدے میں جاتے تو اتار دیتے جب سجدے سے اٹھتے تو پھر گود میں لے لیتے۔ حضرت سیدہ فاطمہ زہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے وصال کے بعد حضرت علی نے حضرت امامہ سے نکاح فرمایا [۱]

مسائل مستنبطہ میت کو غسل دیتے وقت پہلے اس کو وضو کرایا جائے۔ البتہ نہ کلی کرائی جائے اور نہ ناک میں پانی ڈالا جائے۔ اس لئے کہ منھ اور ناک سے پانی نکالنا بہت دشوار ہوگا۔ یہی احناف کا مذہب ہے جو احناف کی کتابوں میں درج ہے۔ علامہ نووی کو غلط فہمی ہوئی کہ انھوں نے لکھ دیا کہ احناف وضوء میت کے غسل کو شروع کرنا مستحب نہیں جانتے میت کے غسل میں بھی ہر عضو میں پہلے داہنے کو دھویا جائے۔ مطلقاً ہر طہارت میں تیامن مستحب ہے۔ خواہ غسل ہو خواہ وضو ہو۔ خواہ زندہ کرے خواہ مردہ کو طہارت کرائی جائے۔ اشارۃً ثابت ہوا کہ داہنا عضو بائیں سے افضل ہے۔ تکمیل کا جو حصہ ہم نے نقل کیا اس سے ثابت ہوا کہ میت کو بیری کے پانی سے غسل دیا جائے اور اخیر میں کافور ملے ہوئے پانی سے طاق بار غسل دیا جائے۔ جو تین سے کم نہ ہو زیادہ کی کوئی حد نہیں۔ جتنے میں میت خوب صاف ستھری ہو جائے۔ مگر طاق عدد پورا کیا جائے۔ مرد کے استعمالی لباس کو عورت کے کفن میں دیا جا سکتا ہے۔ بزرگان دین کے لباس کو بطور تبرک کفن میں شامل کیا جا سکتا ہے۔ بزرگوں کی استعمال کردہ چیزوں سے برکت حاصل کرنا عہد رسالت سے معمول ہے۔ عورت کے بالوں کو پیچھے کی طرف کر دیا جائے۔

تشریحات (۱۲۴)

تکمیل کتاب الصلوٰۃ وغیرہ میں ما استطاع کا اضافہ ہے۔ مطلب ظاہر ہے کہ جن اعضاء میں تیامن ممکن ہے انھیں میں تیامن فرماتے۔

---

[۱] استیعاب، اصابہ جلد چہارم ذکر زینب۔

فِي تَنَعُّلِهٖ وَتَرَجُّلِهٖ وَطُهُوْرِهٖ فِي شَانِهٖ كُلِّهٖ عه

جوتا پہننا، کنگھا کرنا، طہارت کرنا ہو (کچھ بھی ہو)

(۱۲۵) حدیث خروج الماء من بین اصابعہ صلی اللہ علیہ وسلم

عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ اَنَّهٗ قَالَ رَاَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى

حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا میں نے رسول اللہ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو دیکھا اور عصر کا

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَحَانَتْ صَلٰوةُ الْعَصْرِ فَالْتَمَسَ النَّاسُ الْوَضُوْءَ فَلَمْ يَجِدُوْا فَاُتِيَ الْوَضُوْءَ

وقت ہو چکا تھا۔ لوگوں نے وضو کے لئے پانی تلاش کیا مگر لوگوں نے نہیں پایا۔[عہ] رسول اللہ

(۱) اس کے عموم سے کوئی اس غلط فہمی میں مبتلا ہو سکتا ہے۔ کہ ہر کام میں، بیت الخلاء میں داخل ہونا، لباس اتارنا، جوتا اتارنا بھی ہے تو کیا ان سب میں بھی تیامن مستحب ہے؟۔ اس کا جواب علامہ عینی و علامہ ابن حجر نے یہ دیا کہ سوائے دھو بکل شئی علیم اور صفات باری میں وارد اس قسم کی آیات کے ہر عام مخصوص منہ البعض ہے۔ یہ عام بھی دوسرے دلائل سے مخصوص منہ البعض ہے جن چیزوں کے بارے میں تصریح ہے کہ بائیں طرف سے شروع کی جائیں۔ وہ مخصوص ہیں۔ یا یہ کہ شان کا معنی وہ فعل ہے جو مقصود ہو۔ جن میں تیاسر (بائیں طرف سے ابتداء) مستحب ہے وہ فعل مقصود نہیں بلکہ اصل میں وہ سب از قسم ترک و متروک ہیں۔ جیسے لباس اتارنا، جوتا اتارنا، مسجد سے باہر آنا۔ بیت الخلاء میں جانا بھی ایک قسم کے ترک ہی کے لئے جاتے ہیں۔ علامہ نووی نے اسکی یہ تفصیل کی۔ کہ جو افعال تشریف و تکریم کے قبیل سے ہیں ان میں تیامن مستحب ہے۔ جیسے لباس وغیرہ پہننا، مسجد میں جانا، مسواک کرنا، سرمہ لگانا، ناخن کتروانا، کنگھا کرنا وغیرہ وغیرہ۔ اور جن میں تشریف و تکریم نہ ہو ان میں بائیں سے شروع کرنا مستحب ہے۔ جیسے بیت الخلاء میں جانا، مسجد سے باہر ہونا، لباس اتارنا وغیرہ وغیرہ۔

وضوء میں ہاتھ پاؤں دھونے میں تیامن مستحب ہے۔ اس پر اہلسنت کا اجماع ہے۔ البتہ روافض واجب مانتے ہیں۔ ان کے نزدیک اگر داہنے اعضاء پہلے نہ دھوئے گئے تو وضوء ہی نہ ہوگا۔

تشریحات (۱۲۵)

(۱) اس سے یہ ثابت ہوا کہ جب نماز کا وقت آجائے تو پانی کی تلاش واجب ہے۔ جب پانی نہ ملے تو تیمم کی اجازت ہے۔ نماز

عہ ایضاً۔ الصلاۃ۔ التیمن فی دخول المسجد وغیرہ ج۱ ص۶۱، الطعمہ، التیمن فی الاکل وغیرہ ص۸۱۴، لباس۔ الترجل ص۸۷۷، مسلم۔ طہارۃ۔ ۶۶، ۶۷، ابوداؤد۔ لباس۔ ۱۴۱۔ ترمذی۔ جمعہ۔ ۷۵۔ نسائی۔ طہارت۔ ۹۰۔ غسل۔ ۱۷۱۔ زینت۔ ۶۲۔ ۸۰۔ ابن ماجہ۔ طہارۃ۔ ۴۲۔ مسند امام احمد۔

رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِوَضُوْءٍ فَوَضَعَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ

صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں (تھوڑا سا) وضوء کا پانی لایا گیا عہ رسول اللہ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے

تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي ذٰلِكَ الْاِنَاءِ يَدَهٗ وَاَمَرَ النَّاسَ اَنْ يَتَوَضَّئُوْا مِنْهُ قَالَ فَرَاَيْتُ الْمَاءَ

اس برتن میں اپنا ہاتھ رکھا اور لوگوں کو حکم دیا کہ اس سے وضوء کریں (حضرت انس) نے کہا میں

يَنْبُعُ مِنْ تَحْتِ اَصَابِعِهٖ حَتّٰى تَوَضَّئُوْا مِنْ عِنْدِ اٰخِرِهِمْ عہ

نے دیکھا کہ حضور کی انگلیوں کے نیچے سے پانی ابل رہا ہے یہاں تک کہ ان کے آخری شخص نے بھی وضوء کر لیا۔

کا وقت ہونے سے پہلے پانی کی تلاش واجب نہیں۔ ورنہ حضور اقدس صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور صحابۂ کرام پہلے تلاش کرتے۔ نماز کا وقت ہونے کے بعد اگر یہ گمان ہے کہ ایک میل کے اندر پانی ہے تو تلاش کر لینا ضروری ہے۔ تلاش کئے بغیر تیمم جائز نہیں حتی کہ اگر تلاش کئے بغیر تیمم کر کے نماز پڑھ لی پھر پانی ملا تو وضوء کر کے دوبارہ نماز پڑھنی لازم ہے۔ اگر نہ ملا تو نماز ہو گئی۔ اگر گمان غالب ہے کہ ایک میل کے اندر پانی نہیں تو تلاش کرنا ضروری نہیں۔

(۲) یہ پانی کس برتن میں تھا۔ اس بارے میں مختلف روایتیں ہیں۔ ایک میں ہے بقدح رحراح۔ کم گہرائی کا چوڑا پیالہ۔ ایک روایت زجاج شیشے کا پیالہ۔ ایک میں جفنۃ، بڑے پیالے میں۔ ایک میں میضاۃ ہے۔ یعنی وضوء کرنے کے برتن میں حضرت عبداللہ بن مبارک کی روایت یوں ہے کہ ایک شخص گیا اور ایک پیالے میں تھوڑا سا پانی لایا۔ اتنا چھوٹا تھا کہ حضور نے پھیلا تو اس میں نہ آسکا۔ تو حضور نے انگلیاں سمیٹ لیں۔ صـ۳۲ پر باب الوضوء والغسل من المخضب کے تحت جو روایت ہے وہ اس کے علاوہ دوسرا واقعہ ہے۔ اس لئے کہ اس میں یہ ہے کہ جن لوگوں کے گھر قریب تھے وہ وضوء کرنے کے لئے گھر گئے۔ یہ دلیل ہے کہ یہ واقعہ سفر کا نہیں۔ اور اس حدیث سے ظاہر ہے کہ یہ واقعہ سفر کا ہے۔ ورنہ تلاش کے بعد پانی نہ ملنے کا کیا سوال۔

(۳) کتنے آدمی تھے اس بارے میں بھی روایات مختلف ہیں۔ کسی میں ہے پندرہ سو تھے۔ کسی میں ہے آٹھ سو تھے۔ کسی میں ہے تین سو سے کچھ زائد تھے۔ کسی میں ہے کہ ستر تھے۔ انگشتانِ مبارک سے پانی ابلنے کا یہ واقعہ ایک عظیم مجمع میں ہوا۔ مگر اسکی روایت صرف حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کر رہے ہیں۔ چاہئے تھا کہ اتنے عظیم مجمع میں سے سبھی لوگ اسے روایت کرتے۔ اس قسم کے سوالات بہت سے معجزات اور واقعات کے سلسلے میں ہو سکتے ہیں۔ اس لئے یہیں ہم اس کی وضاحت کر دیتے ہیں۔ (اولاً حضرت

عہ ایضاً مناقب۔ علامات النبوۃ صـ۵۰۴ ج۱۔ مسلم فضائل ج۲۔ ۵۔ ترمذی۔ مناقب ج۲۔ ۶۔ نسائی طہارت۔ ۶۔ دارمی مقدمہ ۵۔ موطا۔ طہارت ۳۲۔ مسند امام احمد۔

ت ۲۷ وَكَانَ عَطَاءٌ لَا يَرَى بِهِ بَأْسًا أَنْ يُتَّخَذَ مِنْهَا الْخُيُوطُ وَالْحِبَالُ ع۵

عطا، اس میں کوئی حرج نہیں جانتے تھے کہ انسان کے بال سے دھاگے اور رسیاں بنائی جائیں۔

انس نے یہ معجزہ بیان فرمایا مگر کسی صحابی نے انکار نہیں فرمایا۔ ایسے موقع پر سکوت دلیل تصدیق ہوتا ہے۔ اس لئے کہ صحابۂ کرام سے یہ بعید ہے کہ وہ جھوٹ اور باطل پر سکوت کریں۔ ثانیاً۔ ایک لاکھ چوبیس ہزار کے قریب صحابۂ کرام ہیں۔ مگر ان میں سے کتنے سے احادیث کی روایت ہے ؟۔ ہو سکتا ہے کہ اس مجمع میں جو حضرات شریک تھے ان میں سے صاحب روایت سوائے حضرت انس کے اور کوئی نہ ہو۔ ثالثاً بہت سے حضرات کو دیگر اہم مصروفیات کی وجہ سے احادیث روایت کرنے کا موقع کم ملا۔ جیسے حضرات خلفائے راشدین حتی کہ عشرۂ مبشرہ۔ رابعاً۔ اصحاب کتب نے جو احادیث اپنی کتابوں میں درج کیں وہ کسی خاص نکتے کو سامنے رکھ کر درج کیں ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ اس وجہ سے ایسی روایتیں جو دیگر صحابۂ کرام سے اس قسم کے واقعات میں یا کسی بھی واقعے میں مروی ہوئیں کتابوں میں درج ہونے سے رہ گئیں۔ مثلاً امام بخاری کو لیجئے۔ ان کو چھ لاکھ احادیث یاد تھیں۔ جن میں پانچ لاکھ غیر صحیح اور ایک لاکھ صحیح یاد تھیں۔ مگر ان کی کتابوں میں کل دس ہزار احادیث بمشکل ہوں گی۔ خامساً۔ حضرت انس کو عمر طویل عطا ہوئی۔ اس لئے کہ ان کا وصال ۹۲ھ میں ہوا۔ اور روایت میں علو سند یعنی رواۃ کی کمی کی بہت اہمیت ہے۔ چونکہ حضرت انس کی مرویات میں علو سند ہے۔ اس لئے ان کو مصنفین نے لیا۔ اور ہو سکتا ہے کہ دوسرے حضرات کی روایت میں یہ علو سند نہ ہو۔ اس لئے ان کو مصنفین نے نہیں لیا۔

فوائد دنیا و آخرت کے تمام پانیوں سے افضل وہ مقدس پانی ہے۔ جو حضور اقدس صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی انگشتان مبارک سے نکلا۔ حتی کہ زمزم اور آب کوثر سے بھی۔ اس پانی سے صحابۂ کرام نے وضو فرمایا۔ تو ثابت ہوا کہ آب زمزم شریف سے بھی وضو جائز ہے۔ مسند امام احمد بن حنبل میں ہے کہ حضور اقدس صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک ڈول زمزم منگایا اس میں سے کچھ پیا اور وضو فرمایا۔ قاضی عیاض نے فرمایا۔ اس معجزے کو صحابۂ کرام سے کثیر التعداد ثقہ راویوں نے سند متصل کے ساتھ روایت کیا۔ یہ واقعہ ایک مجمع کثیر میں ہوا تھا کسی سے بھی انکار مروی نہیں۔ یہ دلیل ہے کہ یہ معجزہ بلاشبہ صحیح ہے۔

تشریح ت ۲۷

اس تعلیق سے امام بخاری کا مقصود امام شافعی کا رد ہے۔ وہ انسان کے بال کو جسم سے جدا ہونے کے بعد نجس کہتے ہیں۔ حضرت عطاء سے بھی ایک روایت ایسی ہی ہے۔ امام بخاری کا استدلال یہ ہے کہ اگر انسان کا بال ناپاک ہوتا تو اس سے

ع۵ اخبار مکہ لمحمد بن اسحٰق الفاکھی

دھاگے اور رسیاں بنانا کیسے جائز ہوتا۔ اور ان سے نفع حاصل کرنا کیسے درست ہوتا۔

احناف کا مذہب یہ ہے۔ کہ انسان کا بال جسم سے جدا ہونے بلکہ انسان کے مرنے کے بعد بھی پاک رہتا ہے۔ نہ صرف انسان بلکہ ہر جانور کا سوائے خنزیر کے۔ اسی طرح ہر وہ چیز جس میں خون نہیں ہوتا۔ جیسے ہڈی، سینگ پٹھے، دانت کھر، اون، پر، وغیرہ امام مالک اون اور پر اور بال کو پاک کہتے ہیں۔ بقیہ کو ناپاک۔ عمر بن عبد العزیز، حسن بصری، حماد، داؤد، ان چیزوں کے ساتھ ساتھ ہڈی کو بھی پاک مانتے ہیں۔ امام شافعی کی دلیل یہ ہے کہ چونکہ ان تمام چیزوں میں زندگی ہوتی ہے۔ اس لئے موت بھی ان میں اثر انداز ہوگی۔ اور موت سے جاندار ناپاک ہو جاتا ہے۔ اس لئے یہ چیزیں بھی ناپاک ہوئیں۔ احناف یہ کہتے ہیں کہ نجس کرنے والی چیز بذاتہ موت نہیں۔ بلکہ دم مسفوح کا رک جانا ہے۔ اس لئے کہ دم مسفوح ناپاک ہے۔ اس لئے جسم کے جن جن حصوں میں رک گیا وہ حصے ناپاک ہو گئے۔ اور جن اجزا میں خون تھا ہی نہیں۔ ان میں نہ رکا نہ وہ اجزا ناپاک ہوئے۔

ابراہیم بکری اور ماوردی نے، یہ روایت کی کہ امام مزنی نے کہا کہ امام شافعی نے اس قول سے رجوع کر لیا۔ کہ آدمی کا بال ناپاک ہے۔ اور وہ بھی اس کی طہارت کے قائل ہو گئے۔ ایک قول امام شافعی کا ربیع جیزی سے مروی ہے کہ بال، کھال کے تابع ہے کھال کی نجاست سے ناپاک ہو جاتا ہے۔ اور کھال کی طہارت سے پاک ہو جاتا ہے۔

فضلات مبارکہ طاہر ہیں یہاں بحث عام انسانوں کے بال کی تھی۔ مگر بعض شوافع نے، حضور اقدس صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے موئے مبارک کی بحث چھیڑ دی۔ سلسلہ یوں پیدا ہوا کہ شوافع پر یہ عارضہ کیا گیا کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے موئے مبارک کے بارے میں کیا کہتے ہو۔ اس کے جواب میں یہ کہا گیا کہ معاذ اللہ اس کا بھی یہی حکم ہے۔ حتی کہ ماوردی نے کہا کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنا موئے مبارک اس لئے تقسیم فرمایا تھا کہ لوگ برکت حاصل کریں۔ لیکن برکت حاصل کرنا پاک ہونے پر موقوف نہیں۔ علامہ عینی نے لکھا کہ اس قسم کی بات بہت سے شافعیوں نے کہی ہے۔ بلکہ یہاں تک کہہ دیا کہ چونکہ موئے مبارک بہت تھوڑے ایک دو لئے گئے تھے اس لئے معاف ہیں۔ علامہ عینی نے اس قسم کی باتوں سے بیزاری ظاہر کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

وحاشا شعر النبی علیہ الصلوٰۃ والسلام من ذلک وکیف قال ھذا وقد قیل بطھارۃ فضلاتہ فضلا عن شعرہ الکریم۔	نبی صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا موئے مبارک اس سے برتر ہے۔ قائل نے یہ کیسے کہدیا حالانکہ حضور اقدس صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے فضلات مبارکہ کو پاک کہا گیا ہے چہ جائیکہ موئے مبارک۔

اس کے بعد فضلات مبارکہ کی طہارت پر استدلال کرتے ہیں فرمایا۔ اس بارے میں بکثرت احادیث وارد ہیں کہ صحابۂ کرام نے جسم اقدس سے نکلے ہوئے مبارک خون کو پیا۔ مثلاً ابو طیبہ حجام اور قریش کے ایک بچے نے اور حضرت عبد اللہ بن زبیر نے جیسا کہ بزار، طبرانی، حاکم، بیہقی، ابو نعیم نے روایت کیا ہے۔ یہ بھی مروی ہے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی پیا ہے۔ نیز

ت (۲۸) وَقَالَ الزُّهْرِيُّ إِذَا وَلَغَ فِي أَنَاءٍ لَيْسَ لَهُ وَضُوْءٌ غَيْرَهُ يَتَوَضَّأُ بِهِ

زہری نے کہا جب کتا برتن میں منھ ڈال دے اور اس کے سوا وضو کے لئے پانی نہ ہو تو اسی سے وضو کرے

ام ایمن رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے، بول مبارک پیا۔ جیسا کہ حاکم، دارقطنی، طبرانی، ابونعیم نے روایت کیا ہے۔ ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ حضرت ابورافع کی زوجہ، سلمیٰ نے، غسالہ مبارک پیا۔ تو حضور نے فرمایا اللہ نے تیرے بدن کو آگ پر حرام فرما دیا۔ بحث کے اخیر میں حضرت علامہ عینی کی غیرت ایمانی کو جوش آگیا۔ فرماتے ہیں۔

انا نعتقد انہ لا یقاس علیہ غیرہ وان قالوا غیر ذلک فاذنی عنہ صماء۔ ہمارا اعتقاد یہ ہے کہ نبی صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر کسی کو قیاس نہیں کیا جا سکتا اور اگر کوئی اس کے علاوہ کچھ اور کہے تو اسکے سننے سے میرا کان بہرا ہے

فضلات مبارکہ کی طہارت امتی کے اعتبار سے ہے۔ خود نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حق میں طاہر نہیں۔

اجزاء انسانی سے انتفاع جائز نہیں انسان کے بال وغیرہ کی طہارت کے احناف قائل ہیں۔ مگر انسان کے کسی جزء سے انتفاع کو ناجائز کہتے ہیں۔ مثلاً بال کی رسیاں بٹ کر ان میں جانور باندھا جائے۔ اس میں انسان کی تحقیر ہے۔ فقہاء نے تحریر فرمایا۔ کہ حجامت اور خط بنوانے کے بعد بال ناخن بے حرمتی کی جگہ نہ پھینکے جائیں۔ کہیں دفن کر دیئے جائیں۔

تشریحات (۲۸) (۲۹)

سفیان ثوری ابوعبداللہ سفیان بن سعید بن مسروق۔ ان کو ثوری اس لئے کہا جاتا ہے کہ ان کے اجداد میں ایک شخص ثور، نام کا گزرا ہے۔ یہ کبار تبع تابعین میں سے ہیں۔ اپنے وقت میں جملہ علوم و فنون خصوصاً حدیث و فقہ کے امام تھے۔ یہ ان چھ اصحاب مذہب ائمہ مجتہدین میں سے ہیں جن کے مذہب کا اتباع کیا گیا۔ ایک روایت یہ ہے کہ سید الطائفہ حضرت جنید بغدادی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان کے مذہب پر تھے[1]۔ بہت عابد، زاہد، مرتاض بزرگ تھے۔ ان کی جلالت قدر، ان کا وفور علم، ان کی دین میں پختگی، ان کا تفقہ، ان کا ثقہ ہونا متفق علیہ ہے۔ ان کے تلمیذ حضرت سفیان بن عیینہ نے بیان کیا۔ کہ ایک بار ہمیں صبح کا کھانا اور عمدہ دودھ پلایا۔ اس کے بعد فرمایا۔ چلو دو رکعت شکریے میں نماز پڑھیں۔ ابن وکیع بھی تھے انھوں نے کہا اگر ہمیں حلواء بادام کھلاتے تو تراویح پڑھنے کو کہتے[2] سلطان وقت مہدی نے انھیں بھی حضرت امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ عہدۂ قضا سپرد کرنے کو بلایا۔ یہ بھاگ گئے۔ مہدی کے کارندے ہمیشہ انھیں تلاش کرتے رہے بالآخر بدقت تلاش کرکے مہدی کے پاس لائے۔ مہدی نے عہدۂ قضا کا پروانہ لکھ کر دیا۔ یہ پروانے کر دربار سے نکلے اور باہر آکر اسے دریائے دجلہ میں پھینک دیا اور غائب ہو گئے ہر چند تلاش کی گئی مگر نہیں ملے[3]۔ اسی حالت غیبوبت سنہ ۱۶۱ھ میں

[1] وفیات الاعیان ص۳۸۶، جلد دوم [2] ایضاً، [3] ایضاً ص۳۸۹،

ت (۵۶) وَقَالَ سُفْيَانُ هٰذَا الْفِقْهُ بِعَيْنِهٖ لِقَوْلِ اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ فَلَمْ تَجِدُوْا مَاءً فَتَيَمَّمُوْا

اور سفیان ثوری نے کہا اور یہی قرآن مجید سے سمجھ میں آتا ہے اللہ عزوجل کے اس ارشاد سے کہ فرمایا پھر پانی نہ پاؤ تو تیمم کرو۔

بصرہ میں وفات پائی۔ رات میں عشاء کے وقت دفن ہوئے۔ ان کی پیدائش ۹۵ھ یا ۹۶ھ یا ۹۷ھ میں ہوئی تھی۔ کوفے کے باشندے تھے۔ حضرت امام اعظم کے معاصرین میں سے ہیں۔ ابن عاصم نے کہا کہ یہ امیر المومنین فی الحدیث ہیں۔ حضرت عبداللہ بن مبارک نے فرمایا میں نے گیارہ سو مشائخ سے حدیثیں لکھیں مگر ان میں سفیان سے افضل کوئی نہ تھا۔ یہ حدیث میں تدلیس کرتے تھے۔

توضیح باب یہاں امام بخاری نے باب کے تین اجزاء کئے ہیں۔ ایک جسم سے جدا ہونے کے بعد انسان کے بال کا حکم، دوسرے کتوں کے جھوٹے کا حکم، تیسرے انکے مسجد میں گزرنے کا حکم، اس تیسرے جزء کا حاصل یہ ہوا کہ کتے کا بال جسم سے جدا ہونے کے بعد نیز اس کا جسم پاک ہے یا ناپاک؟۔

مناسبت ان تینوں مسائل کو وضوء سے یہ مناسبت ہے کہ اگر انسان یا کتے کا بال پانی میں گر جائے یا کتا پانی میں منھ ڈال دے تو پانی پاک ہے یا ناپاک اس سے وضو درست ہے یا نہیں۔ اسکے پہلے باب یہ تھا کہ جب نماز کا وقت آجائے اور پانی نہ ہو تو پانی تلاش کیا جائے۔ اگر وضو کرنے کے قابل پانی مل جائے تو وضو کر کے نماز پڑھی جائے۔ اس باب میں کچھ ایسی چیزیں بیان کیں جن کی طہارت اور نجاست کے بارے میں علماء میں اختلاف ہے اگر یہ چیزیں پانی میں پڑ جائیں تو وہی اختلاف پانی میں بھی ہوگا۔ تلاش کے بعد اگر ایسا پانی ملا جس میں ان تین چیزوں میں کوئی ایک یا دو یا تینوں پڑی ہوں تو کیا حکم ہوگا جو لوگ طہارت کے قائل ہیں۔ ان کے نزدیک اس پانی کے ہوتے ہوئے تیمم درست نہ ہوگا۔ جو نجاست کے قائل ہیں ان کے نزدیک تیمم کرنا ضروری ہوگا

غایت باب ظاہر ہے کہ جب ان چیزوں کی طہارت و نجاست میں اختلاف ہے تو اس کا بیان کرنا ضروری تھا۔ تاکہ ناظرین کو امام بخاری کی رائے معلوم ہو جائے۔ اگرچہ افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ یہاں امام بخاری کی رائے واضح طور پر ظاہر نہ ہو سکی۔ انسان کے بال کے سلسلے میں تو ظاہر ہو گیا کہ وہ اس کی طہارت کے قائل ہیں۔ مگر کتے اور کتے کے جھوٹے کے بارے میں بات صاف نہیں ہوئی۔ اس باب سے تو یہی ظاہر ہوتا ہے کہ ان کی رائے یہ ہے کہ کتا اور اس کا جھوٹا پاک ہے۔ ورنہ اس باب کے تینوں اجزاء میں مناسبت نہیں رہے گی اس لئے کہ وہ انسان کے بال کو پاک مانتے ہیں۔ اب اگر یہ کہا جائے کہ وہ کتے کو اور اس کے جھوٹے کو ناپاک مانتے ہیں تو انتہائی بے تکی بات ہوگی۔ نیز حضرت زہری کے قول کا کوئی فائدہ نہ ہوگا۔ بلکہ وہ بالکل بے محل ہوگا اس لئے کہ ان کے قول سے صاف ظاہر ہے کہ وہ کتے کا جھوٹا پاک مانتے ہیں۔ غرضکہ یہ باب ظاہر کر رہا ہے کہ امام بخاری کے نزدیک کتا اور اس کا لعاب پاک ہے۔ اور اس کے بعد باب باندھا کہ جب کتا برتن میں منھ ڈال دے۔ اس کے تحت یہ حدیث لائے کہ اس صورت میں برتن کو سات بار دھوئیں۔ اس سے ظاہر ہے کہ وہ کتے کے لعاب کو ناپاک مانتے ہیں۔ اس لئے کتے کے لعاب کے بارے میں ان کی قطعی رائے کیا ہے وہ مشتبہ رہ گئی۔ ہماری اس تقریر سے صاحب فیض الباری کا یہ ادعا بھی ساقط ہو گیا کہ امام بخاری کتے کے جھوٹے کو ناپاک مانتے ہیں۔ اور مصنف الایضاح البخاری کا

وَهٰذَا مَاءٌ وَفِي النَّفْسِ مِنْهُ شَيْءٌ يَتَوَضَّأُ بِهِ وَيَتَيَمَّمُ ؏

اور یہ پانی ہے۔ اور اس سے دل میں کچھ کھٹک ہے۔ اس پانی سے وضو بھی کرے اور تیمم بھی کرے۔

(۱۲۶) حدیث۔ التبرک بشعر النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

عَنِ ابْنِ سِيْرِيْنَ قَالَ قُلْتُ لِعَبِيْدَةَ عِنْدَنَا مِنْ شَعْرِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

حضرت محمد بن سیرین نے عبیدہ سے کہا ہمارے پاس نبی صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے کچھ موئے مبارک ہیں۔

یہ دعویٰ بھی باطل ہوگیا کہ امام بخاری کتے کے لعاب کو پاک مانتے۔

ہاں کتے کے بال اور کتے کے جسم کے بارے میں البتہ یہ بات ظاہر ہے کہ امام بخاری کے نزدیک یہ دونوں پاک ہیں جیسا کہ احناف اور جمہور کا مذہب ہے۔ برخلاف امام شافعی کے کہ وہ ہر جانور کا بال جو جسم سے جدا ہو جائے ناپاک مانتے ہیں۔ امام مالک کتے کے جھوٹے کو پاک مانتے ہیں۔

اس تعلیق سے معلوم ہوا کہ حضرت امام زہری کے نزدیک کتے کا جھوٹا پاک ہے۔ اور حضرت سفیان ثوری کے نزدیک مشکوک ہے اگرچہ آیۂ کریمہ "فلم تجدوا ماءً فتیمموا" سے ان کا استدلال یہ بتا رہا ہے کہ وہ بھی کتے کے جھوٹے کو پاک مانتے ہیں۔ اسلئے کہ اس پر اجماع ہے کہ اس آیت میں ماء سے مراد پاک پانی ہے۔ اسلئے اس آیت سے کتے کے جھوٹے سے وضوء درست ہونے پر استدلال اسی وقت درست ہوگا جب کہ وہ اسے پاک مانیں۔ لیکن بعد میں چونکہ تشریح کردی کہ اس پانی کے بارے میں مجھے تردد ہے۔ اس سے وضو بھی کرے اور تیمم بھی کرے۔ اس سے ظاہر ہوگیا کہ سفیان ثوری اسے مشکوک مانتے ہیں۔

تشریحات (۱۲۶) (۱۲۷)

عَبِیْدَہ ابن عمرو، یا قیس بن عمرو سلمانی مرادی کوفی جلیل القدر تابعی ہیں۔ ان کو زمانۂ جاہلیت بھی ملا۔ حضور اقدس صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے وصال سے دو سال پہلے ایمان لائے۔ مگر زیارت نہ کرسکے۔ علم و فضل میں قاضی شریح کے ہم پلہ تھے۔ جب قاضی شریح کو کوئی اشکال پیش آتا تو ان کو لکھتے ۔ ۷۲ھ یا ۷۳ھ میں وصال ہوا۔

ابوطلحہ انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ ان کا نام نامی، زید بن سہل بن الاسود نجاری ہے۔ یہ ان منتخب روزگار افراد میں سے ہیں جو بیعت عقبہ سے لے کر تمام مشاہد میں حضور اقدس صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ہمرکاب رہے۔ مخصوص و معتمد اصحاب میں سے ہیں۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی والدہ ماجدہ حضرت ام سلیم رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے ان سے عقد کرلیا تھا۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

؏ مصنف ولید بن مسلم۔

اَصَبْنَاهُ مِنْ قِبَلِ أَنَسٍ أَوْ مِنْ قِبَلِ أَهْلِ أَنَسٍ فَقَالَ لَأَنْ تَكُوْنَ عِنْدِي شَعَرَةٌ

جسے ہم نے حضرت انس یا حضرت انس کے اہل سے حاصل کیا ہے۔ عبیدہ نے کہا حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ایک

مِنْهُ أَحَبُّ إِلَيَّ مِنَ الدُّنْيَا وَمَا فِيْهَا

بال میرے پاس ہو یہ مجھے دنیا و مافیہا سے زیادہ محبوب ہے۔

کے عہد خلافت میں مدینے ہی میں وصال فرمایا۔ حضرت عثمان نے نماز جنازہ پڑھائی۔ سنِ وصال ۳۲ھ ہے۔

تکمیل حجۃ الوداع میں حضور اقدس صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جب، رمی جمرہ اور قربانی سے فارغ ہوئے تو حلاق کو بلایا۔ اور پہلے داہنی طرف منڈوایا۔ اور حضرت ابوطلحہ کو بلاکر عطا فرمایا۔ اور فرمایا اسے لوگوں میں تقسیم کر دو انھوں نے ایک ایک دو دو بال تقسیم کر دیئے۔ پھر بائیں جانب منڈوا کر انھیں کو عنایت فرمایا۔ انھوں نے اپنی زوجہ حضرت ام سلیم کو دیا۔ حضور اقدس صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا۔ انھیں خوشبو میں رکھنا[1]

حلاق کون تھے اس میں دو قول ہیں۔ ایک یہ کہ معمر بن عبداللہ تھے یہی صحیح ہے جیسا کہ امام بخاری نے خود ذکر فرمایا ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ خراش بن امیہ تھے۔ مگر صحیح یہ ہے کہ انھوں نے حدیبیہ کے موقع پر سر اقدس مونڈا تھا۔

(۱) چونکہ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت ابوطلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زیر پرورش تھے، حضرت ام سلیم رضی اللہ تعالیٰ عنہا ان کی والدہ تھیں ان حضرات سے موئے مبارک حضرت انس کو ملا۔ اور ان سے حضرت محمد بن سیرین کو۔ اس تعلق کی بنا پر انکے والد سیرین حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے آزاد کردہ غلام تھے۔

(۲) حضرت امام بخاری کا مقصود اس حدیث کے لانے سے یہ ہے۔ کہ ان احادیث سے ثابت کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے موئے مبارک سر اقدس سے جدا ہونے کے بعد بھی پاک ہیں۔ اگر وہ پاک نہ ہوتے تو نہ حضور اقدس صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم انھیں حضرت ابوطلحہ کو دیدیتے اور نہ تقسیم کرنے کو فرماتے۔ اور نہ صحابہ بطور تبرک رکھتے اور نہ عَبِیْدَہ یہ تمنا کرتے کہ ایک موئے مبارک میرے نزدیک دنیا و مافیہا سے زیادہ محبوب ہے۔ جب حضور اقدس صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے موئے مبارک پاک تو تمام انسان کے بھی بال پاک ہیں

مسائل (۱) حضور اقدس صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے موئے مبارک کو بطور تبرک رکھنا ان سے برکت حاصل کرنا درست ہے۔ اس حدیث کے علاوہ دوسری روایتیں اس سلسلے میں بکثرت ہیں۔ ان میں سے ایک یہ ہے۔ کہ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کچھ موئے مبارک اپنی ٹوپی میں رکھتے تھے۔ اس ٹوپی کو پہن کر لڑائی میں جاتے اور اس سے مدد طلب کرتے۔ جنگ یمامہ میں یہ کلاہ مبارک

[1] مسلم۔ باب السنۃ یوم النحر ان یرمی ثم ینحر ثم یحلق ص ۴۲۱ صحیح ابو عوانہ ومسند امام احمد۔

(۱۲۷) حدیث ۔ ایضا

عَنِ ابْنِ سِیْرِیْنَ، عَنْ اَنَسٍ اَنَّ رَسُوْلَ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَمَّا حَلَقَ

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا۔ رسول اللہ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جب (حجۃ الوداع میں)

رَاسَہٗ کَانَ اَبُوْطَلْحَۃَ اَوَّلَ مَنْ اَخَذَ مِنْ شَعْرِہٖ

سراقدس منڈوایا تو ابوطلحہ ہی پہلے وہ شخص ہیں جنھوں موئے مبارک لیا۔

(۱۲۹) حدیث ۔ اذا شرب الکلب فی الاناء

عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ رسول اللہ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا۔

گر گئی ۔اس پر حضرت خالد نے بہت سخت حملہ کر دیا۔ جس میں کئی صاحب شہید ہو گئے۔ اتنا سخت حملہ ان کے ساتھیوں کو ناپسند ہوا۔ اس پر حضرت سیف اللہ نے فرمایا۔ میں نے اتنا سخت حملہ ٹوپی کی قیمت کی وجہ سے نہیں کیا ہے بلکہ اس میں موئے مبارک تھے مجھے اندیشہ ہوا کہ یہ کہیں مشرکین کے ہاتھ نہ لگ لے[1] (۲) موئے مبارک کی طرح جن چیزوں کو حضور اقدس صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے نسبت ہو ان کو بھی بطور تبرک رکھنا ان سے برکت حاصل کرنا درست ہے (۳) علما اور مشائخ نائبان رسول ہیں۔ اس لئے ان کے بال، لباس وغیرہ متعلق اشیا سے برکت حاصل کرنا درست ہے (۴) مردوں کو سر کا منڈانا سنت یا کم از کم مستحب ہے (۵) احرام سے باہر آنے کے لئے سر منڈانا بہ نسبت بال کتروانے کے افضل ہے (۶) اپنے دوستوں، خادموں کو عطیات دینا سنت ہے (۷) ایسے عطیات میں برابری ضروری نہیں (۸) جو شخص تقسیم کرے اسے زیادہ دیا جا سکتا ہے (۹) سر منڈانے یا کتروانے میں سنت یہی ہے کہ داہنی طرف سے پہلے صاف کرائے۔ یہی احناف کا مذہب مختار ہے جیسا کہ شامی وغیرہ میں ہے[2]

تشریحات (۱۲۸)

تکمیل مسلم وغیرہ میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دوسرے طرق سے بجائے "شرب" کے "ولغ" ہے۔ اور یہی حضرت ابوہریرہ کے جمہور تلامذہ سے مروی ہے۔ شرب کی روایت پر یہ اعتراض بھی پڑتا ہے۔ کہ شرب، فی کے ساتھ متعدی نہیں ہوتا بلا واسطہ حرف جر متعدی ہوتا ہے۔ علامہ عینی نے اس کا یہ جواب دیا کہ چونکہ شرب یہاں ولغ کے معنی کو متضمن ہے۔ اسلئے اس کا فی کے ساتھ تعدیہ درست ہے۔ شرب کے معنی محض پینا ہے۔ اور ولغ کے معنی برتن میں منھ ڈال کر زبان سے پینا ہے۔ یہ کتوں

[1] عینی جلد سوم ص۳۱ ، [2] جلد دوم ص۲۰۲۔

اور درندوں کے ساتھ خاص ہے۔ مسلم میں پوری حدیث یہ ہے:۔ جب کتا تمھارے برتن سے پی لے تو اس کی پاکی اسے سات بار دھونا ہے اور پہلی بار مٹی سے۔ اور بلی منھ ڈال دے تو صرف ایک بار دھونا ہے۔ علاوہ مسلم کے یہ تفصیل ابو داؤد اور ترمذی میں بھی ہے۔ امام ترمذی نے اسے حسن صحیح کہا اور امام ابو داؤد نے کہا کہ یہاں "بلی" کا ذکر موقوف ہے۔

(۱) یہ حدیث احناف اور جمہور کی مستدل ہے کہ کتے کا جھوٹا ناپاک ہے۔ اگر ناپاک نہ ہوتا تو ایسے برتن کو دھونے کا وہ بھی سات بار حکم نہ ہوتا۔ اس کا جواب کچھ لوگوں نے یہ دیا کہ یہ دھونا نظافت کے بطور ہے۔ لیکن جو احادیث کی روح سمجھتے ہیں وہ اپنی حس سلیم سے یقین کریں گے کہ اس برتن کے دھونے کا حکم نظافت کے بطور نہیں۔ ناپاکی دور کرنے کے لئے ہے۔ علامہ عینی نے فرمایا۔ کہ اس کے علاوہ مسلم شریف کی یہ روایت کہ فرمایا۔

طھور اناء احدکم اذا ولغ الکلب فیہ ان یغسلہ سبع مرات [۱] جب کتا تمھارے برتن میں منھ ڈال دے تو اس کی پاکی سات بار دھونا ہے۔

یہ نص صریح ہے اس پر کہ کتا برتن میں منھ ڈال دے تو برتن ناپاک ہو جاتا ہے۔ اس سے ثابت کہ کتے کا جھوٹا ناپاک ہے نیز مسلم میں انھیں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایک روایت یہ ہے۔ کہ اگر کتا برتن میں منھ ڈال دے تو برتن میں جو کچھ ہو اسے گرا دو۔ کتے کے منھ ڈالنے کے بعد بھی اگر وہ پاک ہوتا تو اس کا پھینکنا اضاعت مال ہوتا جو حرام ہے۔ اس لئے ماننا پڑے گا کہ وہ ناپاک ہو گیا۔ اس کا عموم اس کی دلیل ہے کہ ہر کتے کا جھوٹا ناپاک ہے۔ خواہ پالتو ہو یا چھٹا ہوا۔ شکاری ہو یا غیر شکاری۔ شہری ہو یا دیہاتی۔ جنگلی ہو یا اہلی۔ مالکیوں کے اس بارے میں چار مذہب ہیں۔ کتے کا جھوٹا پاک ہے۔ ناپاک ہے۔ مطلقاً۔ بضرورت جو پالا گیا ہو اس کا جھوٹا پاک ہے بقیہ کا ناپاک۔ شہری کا پاک۔ جنگلی دیہاتی کا ناپاک۔

(۲) خطابی نے کہا۔ اس حدیث سے ثابت ہوا کہ کتے کی زبان ناپاک ہے۔ جب زبان ناپاک جو اس کا جزء ہے تو اس کے بدن کے تمام اجزاء زبان کی طرح ناپاک ہیں۔ اس لئے کتے کے بدن کا کوئی جزء کسی چیز سے چھو جائے تو وہ ناپاک ہو جائے گی۔ **اقول**:۔ اس حدیث سے ثابت یہ ہوا کہ کتے کا جھوٹا ناپاک ہے۔ اور جوٹھے کی نجاست اس کے لعاب کے ناپاک ہونے کی وجہ سے ہے لعاب زبان ہی کے ذریعہ باہر آتا ہے اس لئے لعاب لگنے کی وجہ سے زبان ناپاک ہوئی۔ زبان بذاتہ ناپاک نہیں۔ جسم کی کسی رطوبت کے ناپاک ہونے سے جسم کے عین کا نجس ہونا لازم نہیں۔ زیادہ سے زیادہ وہ حصہ جہاں نجاست ہے ناپاک ہوگا۔ جیسے پیشاب نجس ہے۔ اس کی نجاست سے مثانہ و قضیب بھی ناپاک ہوتے ہیں۔ تو کیا مثانے اور قضیب کے پیشاب سے نجس ہو جانے کو پورے جسم کی

---

[۱] جلد اول ص ۱۳۷

قَالَ اِذَا شَرِبَ الْكَلْبُ فِيْ اِنَاءِ اَحَدِكُمْ

جب کتا تمھارے برتن میں پی لے تو اسے

نجاست پر دلیل بنایا جاسکتا ہے ؟ اگر نہیں اور ضرور نہیں تو لعاب لگنے سے کتے کی زبان کے نجس ہو جانے پورے جسم کے نجس ہونے کو دلیل بنانا کیسے درست ہے ۔

(۳) کرمانی نے کہا چونکہ کتا نجس العین ہے۔ اس لئے اس کا بیچنا خریدنا جائز نہیں۔ جیسا کہ احادیث میں آیا ہے :۔

نهى رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم عن ثمن الكلب و مهر البغي وحلوان الكاهن۔ رسول اللہ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کتے کی قیمت اور زنا کے معاوضہ اور کاہن کی اجرت سے منع فرمایا۔

دوسری روایت میں ہے کہ فرمایا :۔

ان ثمن الكلب من السحت کتے کی قیمت مال حرام ہے۔

علامہ عینی نے اس کا جواب یہ دیا۔ کہ چونکہ کتے سے شرعاً انتفاع جائز ہے۔ گھر، مویشی، کھیت کی حفاظت کا کام اس سے لینا جائز ہے، شکار کرنا جائز ہے تو اس کی بیع بھی درست ہے۔ شکار کی اجازت قرآن مجید سے ثابت ہے۔ ارشاد فرمایا :۔

وَمَا عَلَّمْتُمْ مِّنَ الْجَوَارِحِ مُكَلِّبِيْنَ۔ مائدہ رکوع (۲) اور جن شکاری جانوروں کو تم نے سدھالیا اور انھیں شکار پر چھوڑ دیا۔

حفاظت کے لئے یا شکار کے لئے پالنے کی اجازت متعدد احادیث میں بھی وارد ہے۔ یہ ارشاد ابتداء کا ہے۔ جب حضور اقدس صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مطلقا کتوں کو مار ڈالنے کا حکم دیا تھا۔ جیسا کہ مسلم میں حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کتوں کے مار ڈالنے کا حکم دیا۔ یہاں تک کہ اگر کسی عورت کے ساتھ دیہات سے کوئی کتا آتا تو ہم اسے بھی قتل کر دیتے بعد میں گھر، کھیت، مویشی کی حفاظت کے لئے کتے پالنے کی اجازت ملی تو ان کا استثنار کر دیا گیا۔ **اقول** :۔ علامہ کرمانی کے استدلال کی بنیاد اس پر ہے کہ کتا نجس العین ہے۔ اور ہمیں یہی تسلیم نہیں۔ اس لئے ان کا استدلال ساقط۔

(۴) میں نے علماء سے سنا ہے کہ موجودہ دور میں خوردبین سے یہ معلوم ہوا کہ کتے کے لعاب میں مضر جراثیم ہوتے ہیں۔ جو پانی میں ملکر برتن سے چپک جاتے ہیں۔ تجربے سے ثابت ہوا کہ بغیر سات بار دھوئے ہوئے دور نہیں ہوتے۔ چھ بار بھی دھوکر دیکھا تو یہ جراثیم موجود تھے ۔ اسی حدیث کی بنا پر امریکے کا ایک ڈاکٹر مشرف باسلام ہوگیا۔ کہ تمام دنیا مادی وسائل کے باوجود صدیوں تک جس کا پتہ نہ چلاسکی وہ حضور اقدس صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنی غیب بیں نظروں سے دیکھا اور دنیا کو اس کے ازالے کی ترکیب بھی بتا دی۔ یہ بات اگر صحیح ہے تو سات بار دھونے کا حکم ان جراثیم سے بچنے کے لئے بطور حفظان صحت طبّاً ہے۔ یہ تشریعی حکم نہیں۔ حضرات مالکیہ اپنی صفائی میں یہ کہہ سکتے ہیں۔ مگر ہم مسلم شریف کی روایت سے ثابت کر آئے ہیں کہ کتے کے منھ ڈالنے سے برتن میں جو ہوتا ہے وہ ناپاک

فَلْيَغْسِلْهُ سَبْعًا عـہ

سات بار دھوؤ۔

ہو جاتا ہے۔ تو مطلقاً دھونے کے حکم کو طبی نقطۂ نظر سے نہیں کہہ سکتے۔ یہ کہہ سکتے ہیں کہ سات بار عدد کی تعیین طبی نقطۂ نظر سے بے رہ گیا دھونے کا حکم تو یہ تشریعی ہے۔

تقریباً تمام طرق میں یہی ہے کہ "سات بار" دھونے کا حکم دیا۔ اسی پر شوافع کا عمل ہے۔ احناف طہارت کے لئے تین بار دھونا کافی سمجھتے ہیں البتہ سات بار دھونے کو مستحب۔

احناف کی دلیل اس حدیث کے راوی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا فتویٰ ہے۔ جسے دارقطنی نے بروایت حسن روایت کیا کہ انھوں نے فرمایا۔

اذا ولغ الکلب فی الاناء فاھرقہ ثم اغسلہ ثلث مرات۔ جب کتا برتن میں منھ ڈال دے تو اسے پھینک دو۔ اور برتن تین بار دھوؤ۔

امام طحاوی نے یہ فتویٰ نقل کرنے کے بعد فرمایا۔ کہ اپنی مروی حدیث کے خلاف حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا فتویٰ دینا اس کی دلیل ہے کہ انھیں اس حدیث کے منسوخ ہونے کا علم ہوگیا تھا۔ ورنہ لازم آئےگا کہ وہ حدیث کے خلاف فتویٰ دیکر عادل نہ رہے۔ اس طرح ان کی تمام مرویات ناقابل اعتبار ہو جائیں گی۔ اور یہ احتمال کہ یہ فتویٰ دینے وقت انھیں حدیث مذکور یاد نہ رہی ہو۔ ان کے اس ارشاد سے باطل کہ فرمایا پھر میں کچھ نہیں بھولا۔ علاوہ ازیں ابن عدی نے کامل میں بطریق کرابیسی تین بار دھونے کی روایت مرفوعاً کی ہے۔ جس میں تصریح ہے۔ کہ رسول اللہ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جب کتا برتن میں منھ ڈال دے تو اسے گرا دو۔ اور برتن تین بار دھوؤ۔ اس سے حضرت ابو ہریرہ کے فتویٰ کی توثیق ہوتی ہے۔ علاوہ ازیں تین بار اور سات بار دھونے کی روایتوں میں تطبیق کی صرف یہی صورت ہے کہ تین بار دھونے کو واجب قرار دیا جائے اور سات بار کو مبالغہ پر۔ اور اگر سات بار دھونے کو واجب قرار دیں تو تین بار والی حدیث متروک ہو جائے گی۔ کرابیسی پر کچھ جرحیں کی گئی ہیں۔ ان سب کے علامہ عینی نے شافی جوابات دیئے ہیں۔ علاوہ ازیں امام طحاوی نے ایک اور معارضہ پیش فرمایا ہے۔ کہ مسلم شریف وغیرہ صحاح میں عبد اللہ بن مغفل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت میں یہ ہے۔

وعفروہ الثامنۃ بالتراب[1] آٹھویں بار مٹی سے مانجو۔

جو جواب وہ اس کا دیں گے وہی جواب ہمارا ہوگا۔

عـہ مسلم، ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ نے کتاب الطہارۃ میں موطا

[1] جلد اول ص۱۳۶،

(۱۲۹) حدیث۔ ان رجلا رأی کلبا یاکل الثری

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَنَّ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، نبی کریم صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ فرمایا۔ ایک شخص نے ایک

رَجُلًا رَأَی کَلْبًا یَاکُلُ الثَّرِیَ مِنَ الْعَطَشِ فَاَخَذَ الرَّجُلُ خُفَّهٗ فَجَعَلَ یَغْرِفُ لَهٗ

کتے کو دیکھا کہ پیاس کی وجہ سے گیلی مٹی چاٹ رہا ہے تو اس شخص نے اپنے موزے کو لیا (اسمیں پانی بھرکر) اس کتے کے منھ

جناب مولانا انور شاہ کشمیری نے فیض الباری میں فرمایا۔ کہ سات بار دھونے کا حکم ابتداء میں اس وقت تھا جب مطلقاً کتوں کو مار ڈالنے کا حکم تھا پھر جب اس میں تخفیف ہوئی اور شکاری و محافظ کتوں کو پالنے کی اجازت دی گئی تو کتے کے جھوٹے برتن کے دھونے کے حکم میں بھی تخفیف کرکے بجائے سات کے تین بار کردیا۔

مگر اس توجیہ کو مسلم کی وہ حدیث رد کررہی ہے۔ جو عبد اللہ بن مغفل رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے۔ کہ فرمایا۔

امر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ بقتل الکلاب ثم رخص فی کلب الصید وکلب الغنم وقال اذا ولغ الکلب فی الاناء فاغسلوہ سبع مرات وعفروہ الثامنۃ بالتراب[۱]

رسول اللہ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کتوں کے مار ڈالنے کا حکم دیا۔ پھر شکاری اور مویشی کے کتے کی اجازت دی اور فرمایا جب کتا برتن میں منھ ڈال دے تو اسے سات بار دھوؤ۔ اور آٹھویں بار مٹی سے مانجو

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ سات بار دھونے کا حکم اس وقت بھی دیا جب شکاری اور محافظ کتے پلنے کی اجازت دی۔

تشریحات (۱۲۹)

تکمیل بخاری کے دوسرے ابواب میں یہ حدیث یوں ہے۔ ایک شخص کہیں جا رہا تھا۔ اسے سخت پیاس لگی تو یہ ایک کنویں میں اترا۔ اور اس کا پانی پیا۔ نکلا تو دیکھا ایک کتا سخت پیاس کی وجہ سے ہانپ رہا ہے اور نم مٹی چاٹ رہا ہے۔ اس شخص نے (اپنے جی میں) کہا۔ جس حال کو میں پہنچ گیا تھا یہ بھی اسی حال کو پہنچ گیا ہے۔ پھر کنویں میں اترا۔ اور اپنے موزے کو پانی سے بھر کر منھ میں دبالیا۔ اور چڑھ کر باہر آیا۔ اور کتے کو پانی پلایا۔ اللہ عزوجل نے اسے قبول فرمالیا اسے بخش دیا۔ لوگوں نے عرض کیا۔ یارسول اللہ! کیا جانوروں کے ساتھ نیکی کرنے میں ثواب ہے۔ فرمایا ہر تر جگر (والے) میں اجر ہے۔ کتاب الانبیاء ذکر بنی اسرائیل میں ہے کہ یہ بنی اسرائیل کی ایک بدکار زناکار عورت کا واقعہ ہے۔

---

[۱] جلد اول ص۱۳۶۔ نسائی ص۳۲، ابو داؤد مصری ص۱۰۔

بِہٖ حَتّٰی اَرْوَاہُ فَشَکَرَ اللّٰہُ لَہٗ فَاَدْخَلَہُ الْجَنَّۃَ عہ

چلو سے ڈالتا رہا۔ یہاں تک کہ کتے کو سیراب کر دیا۔ اللہ عزوجل نے اسے قبول فرمالیا۔ اور اسے جنت میں داخل فرمادیا۔

مطابقت باب اس حدیث کی باب سے مطابقت میں زیادہ سے زیادہ یہ کہا گیا ہے کہ اس شخص نے موزے سے کتے کو پانی پلایا۔ اس کی ظاہر صورت یہی ہوگی کہ کتے کے سامنے پانی سے بھرا ہوا موزہ رکھا ہوگا کتے نے اس میں منھ ڈال کر پیا ہوگا۔ اگر کتے کا جھوٹا ناپاک مانا جائے تو لازم آئے گا کہ موزے میں بچا ہوا پانی اور موزہ ناپاک ہوگیا۔ یہ تجنیس ظاہر ہے جو عاقل سے مستبعد ہے۔ اس پر علامہ عینی اور علامہ ابن حجر دونوں نے یہ تعقب کیا۔ یہ ضروری نہیں کہ اس شخص نے اسی طریقے سے پانی پلایا ہو۔ ہو سکتا ہے اس نے کسی چھوٹے گڑھے میں پانی ڈال دیا ہو جس سے کتے نے پی لیا ہو۔ اس کا بھی امکان ہے کہ موزے یا چلو سے اس کے منھ میں ڈالا ہو اور اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ کتے نے موزے میں منھ ڈال کر پیا تو یہ کہاں تصریح ہے کہ اس شخص نے بچے ہوئے پانی کو خود استعمال کیا یا پھر موزے کو نہیں دھویا۔ ہو سکتا ہے کہ بچے ہوئے پانی کو پھینک دیا ہو۔ موزے کو دھو لیا ہو۔

اقول:۔ یہ احتمال دیگر ابواب کی روایت میں نکل سکتا ہے جن میں "فسقی الکلب" ہے۔ مگر یہاں جو لفظ مذکور ہے۔ اس میں یہ احتمال سرے سے پیدا ہی نہیں ہوتا۔ یہاں تو صاف لفظ "فجعل یغرف لہ بہ" ہے یغرف کے معنی چلو میں پانی لینے کے ہیں۔ تو یہ روایت متعین کر رہی ہے کہ اس شخص نے موزے سے چلو میں پانی لے کر کتے کو پلایا۔ باب سے مطابقت کا ایک پہلو جو نکلتا تھا وہ بھی اس روایت میں نہیں۔ اور ایک روایت دوسرے کی تفسیر ہوتی ہے تو جن روایتوں میں فسقی ہے ان میں بھی متعین کہ یہ پانی پلانا "چلو" کے ذریعہ تھا۔

مولانا فخر الدین شیخ الحدیث دار العلوم دیوبند نے ایضاح البخاری میں ثریٰ کا ترجمہ کنویں کی نم مٹی کیا ہے۔ ثریٰ کو کنویں کی نم مٹی کے ساتھ خاص کرنا غلط ہے۔ علامہ عینی نے لکھا:۔ وھو التراب الندی۔ وقالہ الجوھری وصاحب الغریبین وفی المحکم الثری التراب وقیل التراب الذی اذا بل یصیر طینا لازبا۔ وفی مجمع الغرائب۔ اصل الثری الندی۔ فتح الباری میں بھی قریب قریب یہی ہے۔ عمدۃ القاری میں تیسرا قول غلط چھپ گیا ہے۔ اذا بل ولم یصر طینا لازبا ہے ان کی جماعت کے ایک فرد نے مصباح اللغات میں۔ ثریٰ کا ترجمہ، نمناک مٹی کیا ہے۔

مسائل (۱) اس حدیث سے ثابت ہوا کہ ہر حیوان کے ساتھ بھلائی موجب اجر ہے۔ بشرطیکہ وہ موذی نہ ہو۔ اس کی تائید اس

عہ ایضاً۔ کتاب المساقاۃ فضل سقی الماء ص۳۱۸ ج۱، کتاب المظالم، الابار علی الطرق ص۳۳۲ ج۱، کتاب الادب، رحمۃ الناس والبہائم ص۸۸۹ ج۲۔ کتاب الانبیاء، ما ذکر عن بنی اسرائیل ص۴۹۳ ج۱، مسلم کتاب الحیوان ص۲۳۷، ابو داؤد کتاب الجہاد۔

(۱۳۰) حدیث ۔ كانت الكلاب تقبل وتدبر فی المسجد

حَدَّثَنِیْ حَمْزَۃُ بْنُ عَبْدِ اللّٰہِ عَنْ اَبِیْہِ قَالَ كَانَتِ الْكِلَابُ تُقْبِلُ وَتُدْبِرُ فِی الْمَسْجِدِ فِیْ

حضرت عبداللہ بن عمر کے صاحبزادے حمزہ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانے میں کتے

زَمَانِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَلَمْ یَكُوْنُوْا یَرُشُّوْنَ شَیْئًا مِنْ ذٰلِكَ

مسجد میں آتے جاتے تھے۔ مگر لوگ مسجد میں کہیں پانی نہیں چھڑکتے تھے۔

سے بھی ہوتی ہے کہ فرمایا:۔

الراحمون یرحمهم الرحمٰن ارحموا علی من فی الارض یرحمكم من فی السماء لہ — رحم کرنے والوں پر رحمٰن رحم فرماتا ہے زمین والوں پر رحم کرو آسمان کا مالک تم پر رحم فرمائے گا

(۲) بطور تقابل یہ نکلا کہ بہائم کو ستانا ناجائز و گناہ ہے۔ جیسا کہ حدیث میں آیا ہے کہ ایک عورت نے بلی پکڑ کر باندھ لیا۔ اسے نہ کھانے کو دیا نہ پینے کو۔ وہ تڑپ تڑپ کر مر گئی اس کی وجہ سے وہ جہنم میں گئی۔

(۳) پالتو جانوروں کا بھی نفقہ واجب ہے۔

تشریحات (۱۳۰)

تکمیل ابوداؤد میں پوری حدیث یہ ہے۔ میں نوجوان غیر شادی شدہ تھا مسجد میں سوتا تھا۔ کتے مسجد میں پیشاب کرتے۔ آتے جاتے مگر لوگ مسجد کے کسی حصے پر پانی نہیں چھڑکتے تھے۔ع

(۱) جب حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی شادی ہو گئی تو پھر وہ گھر سونے لگے۔

(۲) امام بخاری کا مقصود یہ ہے کہ کتے پاک ہیں اور ان کا لعاب بھی پاک ہے۔ اس لئے کہ کتے اگر ناپاک ہوتے تو انھیں مسجد میں کبھی بھی آنے نہیں دیا جاتا۔ نیز کتے جب چلتے ہیں تو زبان منھ سے باہر نکال کر چلتے ہیں۔ اس لئے ان کے منھ سے لعاب کا گرنا اغلب ہے۔ اگر ان کا لعاب ناپاک ہوتا تو انھیں مسجد میں نہیں آنے دیا جاتا۔

اتنی بات تو صحیح ہے کہ کتا نجس العین نہیں۔ مگر یہ کہ اس کا لعاب بھی پاک ہے۔ یہ اس حدیث سے بھی ثابت نہیں ہوتا۔ اولاً یہ ضروری نہیں کہ وہ مسجد میں گزرتے وقت لعاب ضرور ہی ٹپکائیں۔ اور مسجد اصل میں پاک تھی محض شبہ سے ناپاک نہ ہو گی۔ ثانیاً جب حدیث ۱۲۵ سے صراحۃً ثابت ہو گیا کہ کتے کا جھوٹا ناپاک ہے تو محض ایک احتمال موہوم سے اس کی طہارت ثابت نہ ہو گی۔ ثالثاً ابو داؤد اسمٰعیل ابو نعیم بیہقی کی روایت میں تقبل وتدبر کے پہلے "تبول" بھی ہے۔ کیا کوئی صاحب اس کی ہمت کر سکتے ہیں

ع ابوداؤد، کتاب الطہارت، طہور الارض اذا یبست، ص ۵۵ مصری، لہ مشکوٰۃ ص ۴۲۳ بحوالہ ابو داؤد و ترمذی،

حدیث ـ صید الکلب (۱۳۱)

عَنْ عَدِیِّ بْنِ حَاتِمٍ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ قَالَ سَأَلْتُ النَّبِیَّ صَلَّی تَعَالٰی عَلَیْہِ قَالَ

عدی بن حاتم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا میں نے نبی صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے پوچھا تو فرمایا جب تم اپنے

اِذَا اَرْسَلْتَ کَلْبَکَ الْمُعَلَّمَ فَقَتَلَ فَکُلْ وَاِذَا اَکَلَ فَلَا تَاکُلْ فَاِنَّمَا اَمْسَکَ عَلٰی نَفْسِہٖ

سدھائے ہوئے کتے کو چھوڑو۔ اور اس نے مار ڈالا تو شکار کھاؤ اور جب خود کھالے تو نہ کھاؤ اس لئے کہ اب معلوم ہو گیا کہ اس نے

کہ کبدیں کتے کا پیشاب بھی پاک ہے۔

بات اصل یہ ہے کہ زمین پر اگر نجاست گرے اور وہ سوکھ جائے تو پاک ہو جاتی ہے۔ چونکہ مسجد اقدس کی زمین سوکھ کر پاک ہو جاتی تھی۔ اس لئے اس پر پانی نہیں ڈالتے تھے۔ یہی حدیث اس کی دلیل ہے۔ اس لئے کہ کتے کا پیشاب بالاتفاق ناپاک ہے۔ اور کتے مسجد میں پیشاب کرتے تھے۔ اگر سوکھنے سے یہ حصہ پاک نہ ہو جاتا تو لازم آئے گا کہ حضور اقدس صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور صحابۂ کرام مسجد کو ناپاک رہنے دیتے تھے اس کی تائید اس حدیث سے بھی ہوتی ہے کہ فرمایا۔

زکوۃ الارض یبسہا [1] زمین کی پاکی اس کا سوکھنا ہے

مولانا فخرالدین صاحب نے ایضاح البخاری میں اس مضمون کی ایک حدیث ابو داؤد کے حوالہ سے نقل کی ہے طہارۃ الارض یبسہا مجھے یہ حدیث ابو داؤد میں نہیں ملی اگر کوئی صاحب پتہ بتا دیں تو مشکور ہوں گا۔

(۳) یہ واقعہ ابتداء کا ہے جب کہ مسجد میں دروازے نہیں تھے۔ اس پر ابو داؤد وغیرہ کی روایت کا یہ اگلا حصہ دلیل ہے۔ جس میں راوی حدیث حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ میں نوجوان غیر شادی شدہ تھا۔ مسجد میں سوتا تھا۔ ظاہر ہے کہ یہ کتوں کے آنے جانے، پیشاب کرنے کی بات انھیں ایام کی کر رہے ہیں۔ اس لئے بلاشبہ یہ ابتداء کا قصہ ہے۔ علامہ عینی نے اس حدیث کے بارے میں لکھا ھذا الذی ذکرہ البخاری معلقا لیکن ہمیں اس کا معلق ہونا سمجھ میں نہیں آیا۔ اس لئے کہ خود علامہ عینی نے احمد بن شبیب کو شیخ بخاری تسلیم کیا ہے۔

تشریحات (۱۳۱)

حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ تعالیٰ عنہ یہ عرب کے مشہور و معروف سخی حاتم طائی کے صاحبزادے تھے۔ یہ اور ان کا پورا قبیلہ نصرانی تھا۔ ۹ھ میں ایمان لائے۔ ان کے ایمان لانے کا واقعہ یہ ہے کہ جب ان کے قبیلے پر حملہ ہوا۔ تو یہ بھاگ نکلے۔ اور روم کے کسی

---

[1] ہدایہ۔ مصنف ابن ابی شیبہ و مصنف عبدالرزاق باختلاف اللفظ

قُلْتُ أُرْسِلُ كَلْبِي فَأَجِدُ مَعَهُ كَلْبًا آخَرَ قَالَ فَلَا تَأْكُلْ فَإِنَّمَا سَمَّيْتَ عَلَى كَلْبِكَ

اپنے لئے شکار کیا تھا۔ میں نے عرض کیا۔ میں اپنے کتے کو چھوڑتا ہوں۔ لیکن کبھی شکار کے پاس دوسرا کتا بھی موجود

شہر میں چلے گئے۔ ان کی بہن گرفتار ہو کر خدمت اقدس میں حاضر ہوئیں۔ وہ اخلاق کریمانہ دیکھ کر ایمان سے مشرف ہوئیں۔ پھر اپنے بھائی عدی کے پاس گئیں۔ اور انھیں لوا آئیں اور وہ بھی دولت ایمان سے مالامال ہو گئے۔ وصال اقدس کے بعد فتنۂ ردت میں یہ ثابت قدم رہے۔ اور اپنے قبیلے کی زکوٰۃ وصول کر کے حضرت صدیق اکبر کی خدمت میں لاکر پیش کر دیا۔ یہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بہت سرگرم حامی تھے۔ تمام مشاجرات میں ان کے ساتھ رہے۔ جمل، صفین سب میں شریک تھے۔ ایک روایت ہے کہ جب حضرت عثمان ذوالنورین شہید ہوئے تو انھوں نے کہا۔ لاینطح فیہ عنز ان اس بارے میں کوئی معمولی بھی لڑائی نہ ہوگی۔ دو مینڈھے بھی نہیں لڑیں گے۔ جنگ جمل میں یہ حضرت علی کے ساتھ تھے اس میں ایک آنکھ جاتی رہی۔ ایک بار حضرت معاویہ کے یہاں گئے تو حضرت معاویہ نے ان سے کہا ھل نطح عنز کیا مینڈھے نے سینگ مارا۔ تو انھوں نے برجستہ کہا نعم التیس الاکبر۔ ہاں بہت بڑے بوک نے۔ اخیر میں کوفہ جا بسے تھے۔ وہیں یا قرقیسا میں مختار بن عبید کذاب کے زمانے میں ایک سو بیس یا ایک سو اسی سال کی عمر پاکر جاں بحق ہوئے۔ ان سے چھیاسٹھ حدیثیں مروی ہیں۔ تین متفق علیہ ہیں۔ اور دو افراد مسلم سے۔

تکمیل عدی بن حاتم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا۔ میں نے نبی صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے بغیر پر کی تیر کے بارے میں پوچھا تو فرمایا اگر شکار کو اس کی دھار لگے تو کھاؤ اور اگر تیر کا عرض کر دٹ لگے تو نہ کھاؤ اس لئے کہ یہ وقیذ ہے یعنی جیسے لاٹھی وغیرہ سے مار ڈالا جائے۔ حضرت عدی کہتے ہیں کہ پھر میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ہم لوگ کتوں سے شکار کرتے ہیں۔ فرمایا جب تم اپنے سدھائے ہوئے کتوں کو بسم اللہ پڑھ کر چھوڑو تو یہ جو شکار پکڑ کر مار ڈالیں اسے کھاؤ۔ اور اگر شکار میں سے کچھ خود کھالیں تو نہ کھاؤ۔ اس سے معلوم ہو گیا کہ کتے نے اپنے لئے شکار کیا تھا۔ پھر حضرت عدی نے عرض کیا۔ میں اپنے کتے کو بسم اللہ پڑھ کر چھوڑتا ہوں مگر کبھی شکار کے پاس دوسرا کتا بھی موجود پاتا ہوں یہ نہیں معلوم کہ کس کتے نے شکار کیا ہے۔ فرمایا۔ اب مت کھا۔ تو نے اپنے کتے پر بسم اللہ پڑھی دوسرے کتے پر نہیں۔

وجہ مطابقت امام بخاری نے اس سے یہ ثابت کرنا چاہا ہے کہ کتے کا جھوٹا پاک ہے۔ اگر ناپاک ہوتا تو یہ بھی ضرور حکم دیتے کہ جہاں لعاب لگا ہے اسے پھینک دو یا دھولو۔ لیکن یہ استدلال یوں تام نہیں کہ عدم ذکر، ذکر عدم نہیں۔ شکار کے زخم پر خون ضرور لگا ہوتا ہے جو دم مسفوح اور ناپاک ہے۔ اس کے بھی دھونے کا حکم نہیں دیا۔ یہاں عدی بن حاتم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مقصود صرف کتے کے شکار کی حلت و حرمت ہے۔ سوال کے مطابق جواب ارشاد فرمایا۔ رہ گئی کتے کے جوٹھے کی نجاست خون کی ناپاکی کی طرح دوسرے دلائل سے ثابت اور معلوم ہے نہ اس کے بارے میں سوال ہے نہ اس سلسلے میں کچھ ارشاد فرمایا۔

ولم تسم على كلب آخر عه

پاتا ہوں۔ فرمایا۔ اب مت کھا۔ تو نے بسم اللہ اپنے کتے پر پڑھی ہے نہ کہ دوسرے کتے پر۔

مسائل (۱) جانوروں کی ذکاۃ۔ یعنی کھانے کے لئے پاک کی دو صورتیں ہیں۔ ایک اختیاری جیسے ذبح، دوسرے اضطراری۔ اس کی ایک صورت شکار ہے۔ خواہ انسان کسی دھار دار آلے، نیزے، تیر، سے وحشی جانور کو اتنا زخمی کر دے کہ وہ مرجائے۔ یا شکاری سدھائے ہوئے جانور اسے زخمی کر کے مار ڈالیں۔ اور ان دونوں صورتوں میں ذبح کا موقع نہ ملے۔ ایسے شکار کھانے حلال ہیں۔ اس کے جواز کی چار شرطیں ہیں۔

اول:۔ شکاری جانور سدھایا ہوا ہو۔ کتے، چیتے، درندوں کے سدھائے جانے کی علامت یہ ہے کہ تین بار شکار کرے اور شکار میں سے کچھ نہ کھائے۔ شکرے، باز، شکاری پرندوں کے سدھائے جانے کی نشانی یہ ہے کہ شکار پر چھوڑنے کے بعد بلانے پر فوراً واپس آجائیں۔

دوم:۔ جانور کو شکار پر چھوڑنے والا مسلمان یا اہل کتاب میں سے ہو۔ مشرک، مجوسی، دھریئے، مرتد نے چھوڑا تو حرام۔ جانور نے خود شکار نہ کیا ہو بلکہ اسے شکار پر چھوڑا گیا ہو۔

سوم:۔ ارسال یعنی چھوڑنے کے وقت بسم اللہ پڑھا ہو۔ اور اگر بھول کر بسم اللہ نہیں پڑھا تو حلال ہے۔ اور یاد ہوتے ہوئے قصداً نہیں پڑھا تو حرام۔

چہارم:۔ شکاری جانور نے شکار پکڑنے کے بعد اس میں سے کچھ کھایا نہ ہو۔ اگر ان چار شرطوں میں سے ایک بھی مفقود ہوگی تو شکار حرام ہو جائے گا۔

(۲) حدیث کے اطلاق سے معلوم ہوا کہ ہر قسم کے کتے کا شکار درست ہے اگرچہ وہ کالا ہو۔

(۳) عند الضرورت شکار کرنا جائز ہے۔ مثلاً بیچنے کے لئے، خود کھانے کے لئے، لہو و لعب کے لئے ممنوع۔ جیسا کہ حدیث میں ہے۔ کل لهو المومن باطل الا ثلث۔

(۴) شکاری جانور کی بیع و شراء جائز ہے۔

تم الجزء الاول ویلیہ الجزء الثانی ان شاء اللہ تعالیٰ

عه ایضاً۔ کتاب البیوع تفسیر المشبہات ص۲۷۶ ج۱، کتاب الصید والذبائح اذا اکل الکلب الصید اذا غاب عنہ۔ اذا وجد مع الصید کلباً آخر۔ ماجاء فی التصید ص۸۲۳ ج۲، مسلم، ابو داؤد، باب الصید،

ت ۲۸

وَقَالَ عَطَاءٌ فِي مَنْ يَخْرُجُ مِنْ دُبُرِهِ الدُّوْدُ اَوْ مِنْ ذَكَرِهِ

اور عطا نے کہا جس کے پائخانے کے مقام سے کیڑا یا پیشاب کے مقام سے

تشریحات ۲۸

وضو کے کچھ احکام بیان کرنے کے بعد، کچھ نواقض وضو کا بیان شروع فرمایا:

ہمارا اور شوافع کا اختلاف اس پر ہمارا اور شوافع وغیرہ کا اتفاق ہے کہ سبیلین (پیشاب پائخانے کے مقام) سے جو چیز نکلے وہ ناقض وضو ہے۔ خواہ وہ معتاد ہو جیسے پیشاب، پائخانہ یا غیر معتاد جیسے کیڑا، خون، پیپ۔ البتہ اگر پیشاب کے مقام سے ہوا یا کیڑا نکلے تو وضو نہیں ٹوٹے گا۔ سبیلین کے علاوہ جسم کے کسی اور حصے سے اگر نجاست نکلے مثلاً خون، پیپ، تو وہ ناقض وضو ہے یا نہیں اس میں اختلاف ہے۔ ہمارے یہاں ناقض وضو ہے بشرطیکہ بہہ کر ایسی جگہ پہنچ جائے جس کا وضو یا غسل میں دھونا فرض ہے۔ شوافع کے یہاں ناقض وضو نہیں۔ امام بخاری کا بھی یہی مسلک ہے۔ اسی لئے انھوں نے یہ باب باندھا۔ من لم یر الوضوء الا من المخرجین۔ دلیل میں یہ آیۂ کریمہ نقل فرمائی:

اَوْ جَاءَ اَحَدٌ مِّنْكُمْ مِّنَ الْغَائِطِ۔ (مائدہ۔۵) یا تم میں سے کوئی قضاء حاجت سے آیا،

وجہ استدلال امام بخاری کا استدلال یہ ہے کہ وضو یا تیمم کا حکم اس صورت میں دیا گیا ہے کہ کوئی قضاء حاجت سے آئے۔ قضاء حاجت میں سبیلین سے نجاست نکلتی ہے۔ اسی لئے صرف سبیلین سے خارج شدہ نجاست ناقض ہوگی، تو معلوم ہوا کہ اس کے علاوہ اور کوئی چیز ناقض وضو نہیں۔

ہمارا جواب ہمارا جواب یہ ہے کہ اس آیت میں کوئی کلمۂ حصر نہیں جس سے یہ مستفاد ہو کہ اس کے علاوہ اور کوئی چیز ناقض وضو نہیں۔ یہ آیت دلیل ہے تو صرف اس بات کی کہ پیشاب پائخانہ ناقض وضو ہیں۔ اس کے علاوہ اور کوئی چیز ناقض وضو نہیں، اس آیت کی اس پر کوئی دلالت نہیں۔

ثانیاً نیز حصر کا قول خود امام بخاری اور شوافع کے خلاف ہے اس لئے کہ یہ لوگ سبیلین سے غیر معتاد چیز کے نکلنے کو ناقض وضو کہتے ہیں، حالانکہ اس آیت کی غیر معتاد چیزوں پر دلالت نہیں، اس لئے کہ غائط کے عرفی معنی، پائخانے کے ہیں اور ہر پائخانے کے ساتھ پیشاب کا نکلنا لازم ہے تو آیت کی دلالت یہ ہوئی کہ پیشاب اور پائخانہ ناقض وضو ہے۔ اور جب آپ حصر کے قائل ہیں تو مخرجین سے پیشاب پائخانہ کے علاوہ نکلی ہوئی کوئی چیز ناقض وضو نہ ہوئی۔

ثالثاً لازم آئے گا کہ مذی بھی ناقض وضو نہ ہو اس لئے کہ یہ نہ پیشاب ہے نہ پائخانہ۔

نحو القملۃ یعید الوضوء

جوئیں کے مثل نکلے وہ وضوء لوٹائے

رابعاً شوافع مس ذکر کو بھی ناقض وضوء مانتے ہیں حالانکہ آیت کے کسی لفظ کی دلالت اس پر نہیں۔ جب آیت میں حصر نہیں تو دوسرے دلائل سے جب غیر سبیلین سے نکلی ہوئی چیزوں کا ناقض وضو ہونا ثابت تو اسے ماننا لازم ہے۔

(۱) ہماری دلیل یہ حدیث ہے جو زیلعی نے کامل ابن عدی کے حوالے سے نقل کی ہے کہ فرمایا:

الوضوء من کل دم سائل — ہر بہنے والے خون سے وضوء ہے۔

(۲) نیز ابن ماجہ اور بیہقی نے حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کی فرمایا:

من اصابہ قیئ او رعاف او قلس او مذی فلینصرف ولیتوضأ ولیبن علی صلوتہ وھو فی ذلک لا یتکلم۔ [۱] — جس کو قے آئے یا نکسیر پھوٹے یا منہ میں کھانا یا پانی آجائے یا مذی نکلے تو وہ نماز چھوڑ کر وضوء کرے اور پچھلی نماز پر بنا کرے اگر اس درمیان بات نہیں کی ہے تو۔

بربنائے تحقیق یہ حدیث مرسل ہے مگر جمہور اور ہمارے یہاں مرسل حجت ہے۔

(۳) علاوہ ازیں بیہقی نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، سات باتوں سے وضوء لازم ہے۔ پیشاب سے، منہ بھرقے سے، کروٹ پر سونے سے، نماز میں قہقہہ لگانے سے، خون بہنے سے۔

پھر آیت مذکورہ پر جب نظر دقیق ڈالی جاتی ہے تو صاف ظاہر ہوتا ہے کہ ناقض وضوء نجاست کا نکلنا ہے۔ وضوء توڑنے میں سبیلین کو دخل نہیں، خروج نجاست کو ہے۔ جو نجاست کہیں سے بھی نکلے ناقض ہوگی۔ اور یہی مذہب اکثر صحابہ کرام کا ہے، اکثر فقہا کا ہے کہ سبیلین کے علاوہ بھی اگر کہیں سے خون نکلے تو وہ ناقض وضوء ہے۔ اور جب خون ناقض وضوء ہے تو جو خون سے بھی زیادہ گندی و نجس ہے وہ بدرجۂ اولیٰ ناقض وضوء ہوگی۔ مثلاً پیپ، زرد پانی (پنچھا)

لامستم النساء۔ امام شافعی اس سے ہاتھ سے چھونا مراد لیتے ہیں۔ ان کے نزدیک عورت کو ہاتھ سے چھونا ناقض وضوء ہے۔ اس پر قیاس کرکے، یہ بھی فرماتے ہیں کہ عضو تناسل چھونے سے بھی وضوء ٹوٹ جاتا ہے۔ علت یہ بتاتے ہیں کہ عورت کو چھونے سے وضوء ٹوٹنے کا سبب یہ ہے کہ عورت کے چھونے سے اسی طرح عضو تناسل چھونے سے بھی شہوت پیدا ہوتی ہے، اور شہوت مذی نکلنے کا سبب ہے اور کبھی سبب مسبب کے قائم مقام کردیا جاتا ہے، جیسے نیند بذاتِ خود ناقض وضوء نہیں مگر یہ ہوا خارج ہونے کا سبب ہے اس لئے اسے ناقض وضوء ٹھہرا دیا گیا، اور یہی وجہ ہے کہ نیند مطلقاً ناقض وضوء نہیں صرف انھیں

---

[۱] ابن ماجہ ماجاء فی البناء علی الصلوٰۃ ص ۸۷

صورتوں میں ہے جبکہ استرخاء مفاصل ہو۔ اس لئے کہ اس صورت میں ہوا کا نکلنا اغلب ہوتا ہے۔

احناف کا جواب احناف یہ کہتے ہیں کہ "لامستم" میں لمس سے مُراد ہاتھ سے چھونا نہیں بلکہ یہ جماع کے معنی میں ہے حضرت فاروق اعظم، حضرت علی مرتضیٰ، حضرت ابن عباس، حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور حضرت عطار، حضرت طاؤس، حضرت حسن بصری، حضرت شعبہ، حضرت ثوری، حضرت شعبی، حضرت اوزاعی، حضرت عبدۃ السلمانی، حضرت عبیدۃ الیمنی رحمہم اللہ کے نزدیک بھی اس آیت میں لامستم سے جماع مراد ہے۔ خود امام بخاری نے کتاب التفسیر میں اسی کو لکھا جس سے معلوم ہوا کہ ان کا بھی یہی مسلک ہے۔

اس تفسیر کی بنا پر لامستم النساء کا تعلق غسل سے ہے اور ظاہر ہے کہ پانی نہ ملنے پر جیسے مُحدِث کے لئے تیمم کافی ہے جنب کے لئے بھی کافی ہے۔

اس تفسیر کی تائید ان احادیث سے ہوتی ہے جن میں مذکور ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ازواج مطہرات کو چھوتے مگر بغیر وضو کئے ہوئے نماز ادا فرماتے۔ ام المومنین حضرت صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے وہ فرماتی ہیں:۔

ان النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قبل امراۃ من نسائہ ثم خرج الی الصلوٰۃ ولم یتوضأ [1]

نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنی بعض ازواج کا بوسہ لیا پھر نماز کے لئے گئے اور وضو نہیں فرمایا۔

اُم المومنین حضرت صدیقہ ہی سے مروی ہے۔ فرماتی ہیں:

فقدت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم لیلۃ من الفراش فالتمستہ فوقعت یدی علی باطن قدمہ وھو فی المسجد وھما منصوبتان [2]

ایک رات رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو بستر سے غائب پایا۔ میں نے تلاش کیا میرا ہاتھ حضور کے قدموں پر پڑا دونوں قدم کھڑے تھے۔ حضور مسجد میں تھے۔

نیز انھیں سے مروی ہے۔ فرماتی ہیں:

ان کان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم لیصلی وانی معترضۃ بین یدیہ اعتراض الجنازۃ حتی اذا اراد ان یوتر مسنی برجلہ۔ [3]

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نماز پڑھتے ہوتے میں اُن کے آگے ایسے لیٹی رہتی جیسے جنازہ رکھا رہتا ہے، جب وتر پڑھنا چاہتے تو مجھے اپنے پاؤں سے چھوتے۔

دوسری روایت میں ہے:

---

[1] ابوداؤد، ترمذی، ابن ماجہ، مسند امام احمد۔

[2] مسلم مایقال فی الرکوع والسجود ج ۱ ص ۱۹۲۔ ابوداؤد صلاۃ۔ نسائی طہارۃ تطبیق عشرۃ النساء۔ ابن ماجہ اقامۃ۔ مسند امام احمد۔

[3] نسائی کتاب الطہارۃ ص ۳۸۔

حتی اذا اراد ان یسجد غمز رجلی فضممتھا الیّ ثم یسجد ۔ جب سجدہ کرنا چاہتے تو میرے پاؤں میں ہاتھ لگاتے تو میں سمیٹ لیتی پھر سجدہ کرتے ۔

ان احادیث اور قرآن مجید میں دفع تعارض کے لئے ضروری ہوا کہ آیۂ کریمہ میں لامستم النساء سے مراد جماع ہی لیا جائے۔ عضو تناسل چھونے سے وضو کے بارے میں احادیث متعارض ہیں ۔ ایک حدیث میں یہ ہے :

اذا مس احدکم ذکرہ فلیتوضأ [۱] جب تم اپنے عضو تناسل کو چھوؤ تو وضو کرو ۔

اس کے بالمقابل یہ بھی ہے کہ حضرت طلق کہتے ہیں کہ ہم خدمت اقدس میں حاضر تھے ایک دیہاتی آئے اور دریافت کیا۔ وضو کرنے کے بعد اگر کوئی اپنے عضو تناسل کو چھوئے تو کیا فرماتے ہیں ؟ ارشاد فرمایا :۔

ھل ھو الا بضعۃ منہ [۲] یہ جسم ہی کا ایک جزء ہے ۔

ابن ماجہ میں یہ تصریح ہے :۔

لیس فیہ الوضوء انما ھو منک اس میں وضو نہیں یہ تیرا ایک جزء ہے

جب احادیث متعارض ہیں اور صحابہ کے اقوال بھی متعارض ہیں تو لامحالہ کسی ایک کو قیاس سے ترجیح دیں گے ۔ اور قیاس اسی کو چاہتا ہے کہ مس ذکر سے وضو نہ ٹوٹے ، جیسا کہ حضرت طلق کی حدیث میں اس کی طرف اشارہ موجود ہے کہ فرمایا یہ تیرے جسم کا ایک جزء ہے ، تو جس طرح دیگر اعضاء کے چھونے سے وضو نہیں ٹوٹتا اسی طرح عضو تناسل کے بھی چھونے سے وضو نہیں ٹوٹیگا

اسکے علاوہ دونوں حدیثوں میں تطبیق کی بھی صورت ہے کہ ذکر مس سے وضو کا حکم ایسی صورت کے ساتھ خاص ہے جبکہ رطوبت نکلنے کا اندیشہ قوی ہو ۔ یا یہ حکم عوام کی عادت چھڑانے کیلئے تغلیظا دیا ہو ۔ لیکن دوسری حدیث کا کوئی محمل نہیں نکل سکتا اسلئے راجح یہی ہے کہ مس ذکر سے وضو نہیں ٹوٹیگا۔

رہ گیا باعتبار سند کسی کو ترجیح دیجائے اس پر عرض یہ ہے کہ دونوں احادیث کی سندوں پر کلام ہے جو بہت طویل ہے ، اور کوہ کن کاہ بیار کے مصداق ہے ۔ حضرت عطا نے جو فرمایا یہی ہمارا مسلک ہے کہ سبیلین سے جو چیز بھی نکلے خواہ معتاد ہو خواہ غیر معتاد وضو ٹوٹ جائے گا جیسے کیڑا پتھری وغیرہ۔

---

[۱] ابوداؤد ۔

[۲] ابوداؤد ، ترمذی ، نسائی ، ابن ماجہ ۔

ت (۲۹)

قَالَ جَابِرُ بْنُ عَبْدِاللّٰہِ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ اِذَا ضَحِکَ فِی الصَّلٰوۃِ

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا، جب نماز میں ہنسے

تشریحات (۲۹)

یہی ہمارا مذہب ہے کہ محض ضحک سے نماز فاسد ہو جاتی ہے وضو نہیں ٹوٹتا۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ ہنسنے کے مراتب تین ہیں۔ تبسم، مسکرانا کہ آواز نہ نکلے۔ ضحک، اس طرح ہنسنا کہ اس کی آواز خود سُنے مگر بغل والا نہ سُنے۔ قہقہہ، اس طرح ہنسنا کہ کم از کم بغل والا سُن لے۔ تبسم سے نہ نماز فاسد ہوتی ہے نہ وضو ٹوٹتا ہے۔ ضحک سے نماز فاسد ہو جاتی ہے اس لئے کہ یہ ملحق بالکلام ہے۔ وضو نہیں ٹوٹتا۔ قہقہہ سے نماز بھی فاسد ہو جاتی ہے اور وضو بھی ٹوٹ جاتا ہے بشرطیکہ وہ نماز رکوع، سجدے والی ہو۔ اس کی دلیل یہ حدیث ہے۔ ابو الملیح اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ ہم لوگ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پیچھے نماز پڑھ رہے تھے کہ ایک نابینا آتے ہوئے ایک گڑھے میں گر گئے جس پر لوگ ہنس پڑے، اس پر حضور نے فرمایا:-

من ضحك فی الصلوۃ منکم فلیعد الوضوء والصلوۃ تم میں سے جو نماز میں ہنسا ہو وہ وضو اور نماز کا اعادہ کرے۔

اس پر یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ حدیث میں من ضحك ہے اور احناف ضحک مفسد نماز مانتے ہیں ناقض وضو نہیں مانتے۔

اقول:۔ اولاً ضحک کی تفسیر گزر چکی کہ ہنسنے میں صرف اتنی آواز نکلے کہ خود تو سن لے مگر اغل بغل والے نہ سُنیں۔ یہاں صحابہ اتنے زور سے ہنسے تھے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے سن لیا تھا، جبکہ حضور امام تھے، تو یہ حقیقت میں قہقہہ تھا۔ قہقہہ پر ضحک کا اطلاق کبھی آتا ہے۔ ثانیاً یہی حدیث مسند امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں ان الفاظ کے ساتھ ہے۔

فاستضحك القوم قهقهة فلما انصرف علیه السلام اس پر لوگ قہقہہ مار کر ہنسے۔ جب حضور نماز سے فارغ ہوئے تو فرمایا

قال من کان منکم قهقه فلیعد الوضوء والصلوۃ جسنے قہقہہ لگایا ہو وہ وضو اور نماز کا اعادہ کرے۔

جن صحابی سے یہ روایت ہے وہ حضرت معبد خزاعی ہیں، ان کو شرف صحبت حاصل ہے۔ واقعۂ ہجرت میں انھیں کی ماں ام معبد نے میزبانی کی تھی۔ انھیں حضرت معبد سے حضور نے فرمایا تھا کہ اس بکری کو بلاؤ۔

اس باب میں گیارہ حدیثیں ہیں جن کی تفصیل عینی میں ہے۔ حدیث مذکور میں اگرچہ ضعف ہے مگر تعدد طرق سے مرتبۂ حسن پر پہنچ گئی ہے۔ نیز اس کی موید دوسری احادیث بھی ہیں جنکی تعداد گیارہ ہے جنکو علامہ عینی نے اپنی شرح میں تفصیل سے بیان فرمایا۔

اَعَادَ الصَّلٰوۃَ وَلَمْ یُعِدِ الْوُضُوْءَ [1]

تو نماز کا اعادہ کرے اور وضو نہ لوٹائے

ت (۳۰)

وَقَالَ الْحَسَنُ اِنْ اَخَذَ مِنْ شَعْرِہٖ اَوْ اَظْفَارِہٖ [2] اَوْ خَلَعَ خُفَّیْہِ فَلَا وُضُوْءَ عَلَیْہِ [3]

اور حضرت حسن بصری نے فرمایا، اگر کوئی اپنا بال یا ناخن کاٹے یا موزہ اتارے تو اس پر وضو نہیں

اس کے برخلاف شوافع قیاس پر عمل کرتے ہوئے قہقہے کو ناقض وضو نہیں مانتے۔ یہی احناف کا طرۂ امتیاز ہے کہ اگر حدیث ضعیف بھی ہوتی ہے تو اس کے مقابلے میں قیاس کو ترک کرتے ہیں۔ شوافع یہ کہتے ہیں کہ صحابۂ کرام سے یہ بہت مستبعد ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حضور میں وہ بھی نماز کی حالت میں قہقہہ لگا کر ہنسیں۔ علامہ عینی نے جواب میں فرمایا، حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ اعراب اور منافقین بھی نماز پڑھتے تھے، ہو سکتا ہے یہ قہقہہ انھیں لوگوں نے لگایا ہو۔

چونکہ قہقہے سے وضو ٹوٹنا خلاف قیاس ہوا اور جو چیز خلاف قیاس ہوتی ہے وہ اپنے مورد کیساتھ خاص ہوتی ہے۔ چونکہ یہ واقعہ رکوع سجدے والی نماز میں پیش آیا تھا اسلئے صرف رکوع سجدے والی نماز میں قہقہہ لگانے سے وضو ٹوٹے گا، اگر کوئی نماز کے باہر قہقہہ لگائے یا نماز جنازہ یا سجدۂ تلاوت میں لگائے تو وضو نہیں ٹوٹیگا۔ نماز البتہ فاسد ہو جائیگی۔ اسلئے کہ قہقہہ ملحق بالکلام ہے۔

تشریحات (۳۰)

یہ دو تعلیقیں ہیں جن میں دو مسئلے ہیں۔ مسئلہ اولیٰ:۔ بال یا ناخن کاٹنے سے وضو نہیں ٹوٹتا، البتہ ابو العالیہ، حکم، حماد اور مجاہد کہتے ہیں کہ وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ ابن منذر نے کہا کہ اس پر اجماع ہو گیا کہ یہ ناقض وضو نہیں عطا، شافعی، نخعی یہ کہتے ہیں کہ پورے وضو کا اعادہ تو نہیں مگر کٹے ہوئے حصے پر پانی بہائے۔

مسئلہ ثانیہ:۔ وضو میں موزوں پر مسح کرنے کے بعد موزے اُتار دیئے تو وضو کے اعادہ کی حاجت نہیں۔ صرف پاؤں دھو لینا کافی ہے۔ مگر مکحول، نخعی، ابن ابی لیلیٰ، زہری، اوزاعی، امام احمد، اسحٰق یہ کہتے ہیں کہ پھر سے وضو کرے۔ امام شافعی کا قول قدیم یہی ہے۔ دوسرا مذہب یہ ہے کہ موزہ اُتارتے ہی پاؤں دھولے، اگر دیر کی تو پھر سے وضو کرے۔

---

[1] بیہقی فی المعرفۃ ابن ابی شیبہ مرفوعا۔ عینی سعید بن منصور۔ دارقطنی مرسلاً و مرفوعًا

[2] سعید بن منصور، و ابن منذر۔

[3] ابن ابی شیبہ،

ت (۳۱)

وَقَالَ اَبُوْهُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ لَا وُضُوْءَ اِلَّا مِنْ حَدَثٍ ؎

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا۔ حدث کے علاوہ اور کسی چیز سے وضو نہیں

تشریحات (۳۱)

کرمانی نے کہا کہ حدث سے مراد وہ چیزیں ہیں جو سبیلین سے خارج ہوں۔ علامہ عینی نے فرمایا۔ لفظ حدث معنی کے اعتبار سے عام ہے۔ ہر ناقض وضو کو شامل ہے۔ مثلاً نیند، جنون، اغماء۔ امام عینی کا مقصد یہ ہے کہ اس میں غیر سبیلین سے نکلی ہوئی نجاست بھی داخل ہے۔

اقول:۔ مگر اس پر ایک اشکال یہ ہے کہ متکلم اپنے لفظ کے معنی کو خوب اچھی طرح جانتا ہے اس کی بتائی ہوئی مراد کے خلاف معنی بتانا درست نہیں۔ حدیث گزر چکی جو بخاری کے ص۲۵ پر ہے کہ حضرت ابوہریرہ سے حضر موت کے ایک شخص نے پوچھا کہ حدث کیا ہے تو فرمایا فساء او ضراط۔ ہوا کا خارج ہونا خواہ بے آواز ہو خواہ آواز کے ساتھ ہو۔

مگر اس اشکال پر ایک کے بجائے دو اشکال ہیں، ایک یہ کہ پھر لازم آئے گا کہ خروج ریح کے علاوہ کوئی چیز حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نزدیک ناقض وضو نہ ہو حالانکہ ایسا نہیں۔ دوسرا یہ کہ ابو عبید کی روایت میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے الفاظ یہ ہیں:۔

لا وضوء الا من حدث او صوت او ریح — حدث یا آواز یا ہوا کے سوا کسی اور چیز سے وضو نہیں۔

حدث سے ان کی تفسیر کی بنا پر جب ہوا کا خارج ہونا مراد ہے تو او صوت او ریح کہنا بے فائدہ ہوگا۔ لامحالہ حدث کے دو معنوں میں سے ایک مراد لینا لازم ہوگا، خارج من السبیلین، یا ہر ناقض وضو۔

حدث سے صرف خارج من السبیلین مراد لینے پر لازم آئے گا کہ نیند، بیہوشی ناقض وضو نہ ہو اور یہ صحیح احادیث کے خلاف ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ مستبعد ہے کہ وہ صحیح احادیث کے خلاف فتویٰ دیں۔ اس لئے ضروری ہے کہ حدث سے ہر ناقض وضو مراد لیا جائے۔

؎ اسماعیل قاضی فی الاحکام۔ ابو عبید فی کتاب الطہور۔

ت (۳۲)

وَيُذْكَرُ عَنْ جَابِرٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالَىٰ عَنْهُ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالَىٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہوئے ذکر کیا جاتا ہے کہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

تشریحات "ت" (۳۲)

تکمیل حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان کیا کہ ہم غزوۂ ذات الرقاع میں نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ نکلے، ایک مشرک نے قسم کھائی کہ کسی صحابی کا خون بہائے بغیر واپس نہ ہونگا۔ یہ لشکرِ اسلام کے پیچھے چلا۔ رات میں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ایک گھاٹی میں اُترے، فرمایا رات کو کون پہرہ دیگا۔ ایک مہاجر عثمان بن یاسر اور ایک انصاری عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے پہرہ دینا اپنے ذمے لے لیا۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان دونوں کو گھاٹی کے دہانے پر مقرر فرمادیا، انھوں نے باری مقرر کرلی، حضرت عثمان بن یاسر سو گئے اور حضرت عبادہ بن صامت نے نماز شروع کردی وہ مشرک گھات میں تھا اس نے حضرت عبادہ کو تیر مارا، وہ تیر اُن کو لگا، انھوں نے اسے نکال دیا، اس مشرک نے مسلسل تین تیر مارے یہ ہر تیر کو نکال نکال کر پھینکتے رہے اور بدستور نماز میں مشغول رہے۔ نماز پوری کرنے کے بعد حضرت عثمان بن یاسر کو جگایا، وہ مشرک بھاگ گیا، حضرت عثمان نے جب حضرت عبادہ کو لہولہان دیکھا تو کہا، جب پہلا تیر لگا تھا تو اسی وقت مجھے کیوں نہیں جگا دیا۔ حضرت عبادہ نے کہا، میں ایک سورہ پڑھ رہا تھا، مجھے یہ بات پسند نہ ہوئی کہ اسے درمیان سے چھوڑ دیتا۔ بیہقی نے تصریح کی ہے کہ وہ سورۂ کہف پڑھ رہے تھے۔

امام شافعی کا مذہب اور اُن کی دلیل امام شافعی کا مذہب یہ ہے کہ سبیلین کے علاوہ اور کہیں سے خون یا نجاست نکلنے سے وضو نہیں ٹوٹتا۔ ان کی دلیل یہ حدیث ہے کہ تیروں کے لگنے سے خون بہتا رہا اور حضرت عبادہ نماز پڑھتے رہے اگر سبیلین کے علاوہ کہیں سے خون کا نکلنا ناقض وضو ہوتا تو یہ فوراً نماز توڑ دیتے۔

احناف کا مذہب اور دلیل ہمارا مذہب یہ ہے کہ سبیلین کے علاوہ بھی کہیں سے خون یا کوئی نجاست نکلے تو وہ ناقضِ وضو ہے۔ ہماری دلیل فاطمہ بنت حُبَیش رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی حدیث ہے جسے اُم المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے روایت کی کہ فاطمہ بنت حبیش خدمت اقدس میں حاضر ہوئیں، عرض کیا یا رسول اللہ! مجھے استحاضے کی بیماری ہے کسی وقت خون بند ہی نہیں ہوتا، کیا نماز چھوڑ دوں؟ فرمایا یہ حیض نہیں رگ کا خون ہے۔ جتنے دنوں حیض کی عادت تھی ان کو چھوڑ کر بقیہ دنوں نماز پڑھو۔ ہر نماز کے وقت خون دھولو اور تازہ وضو کرو۔[1]

---

[1] بخاری، ترمذی وغیرہ۔

كَانَ فِي غَزْوَةِ ذَاتِ الرِّقَاعِ فَرُمِيَ رَجُلٌ بِسَهْمٍ فَنَزَفَهُ الدَّمُ

غزوہ ذات الرقاع میں تھے کہ ایک شخص کو تیر مارا گیا ان کو خون نکل آیا

فَرَكَعَ وَسَجَدَ وَمَضَى فِي صَلَاتِهِ[1]

اس کے بعد بھی انھوں نے رکوع اور سجدہ کیا اور نماز پڑھتے رہے

استحاضہ بیماری کا خون ہے۔ یہ حیض نہیں۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اسے ناقض وضو فرمایا۔ تو ثابت ہوا کہ جسم کے کسی حصے سے نکلنے والا خون ناقض وضو ہے۔ ہماری مستدل دوسری احادیث (۲۸) میں گزر چکیں۔

امام شافعی کے استدلال کا جواب اگر حضرت عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عالم استغراق میں بدن سے خون نکلنے کے بعد بھی نماز پڑھتے رہنے کو اس کی دلیل بناتے ہیں کہ سبیلین کے علاوہ اور کہیں سے خون نکلنا ناقض وضو نہیں تو لازم کہ یہ بھی کہتے کہ خون پاک ہے۔ اس لئے کہ جب خون نکلا تو بدن اور کپڑے پر بھی کافی مقدار میں لگا ہوگا اور اسی حالت میں نماز پڑھتے رہے تو لازم کہ خون بھی پاک ہے، حالانکہ امام شافعی اسے ناپاک مانتے ہیں۔

یہ کہنا کہ ہو سکتا ہے کہ خون بدن سے اس طرح ابل کر نکلا ہو کہ بدن اور کپڑے پر نہ لگا ہو، محض سخن سازی ہے اوّلاً اگر عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ ننگے ہوتے تو اس کی گنجائش تھی۔ ثانیاً تیر بدن میں پیوست نہ ہوتا اُچھل کر دور جا پڑتا تو اس کا احتمال تھا۔ ثالثاً ابتدا میں تو خون اُبلتا ہے مگر بعد میں بہہ کر جسم پر پھیلتا ہے۔ مسلسل تین تیر کے بعد بھی خون اتنے زور سے اُبلے کہ بدن اور کپڑے پر نہ پڑے ممکن نہیں۔

ایک اشکال کا جواب اب احناف پر دو اعتراض پڑے ایک یہ کہ خون نکلنے سے وضو بھی ٹوٹ گیا اور کپڑے بھی ناپاک ہو گئے پھر حضرت عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کیسے نماز پڑھتے رہے؟ اس کا جواب احناف یہ دیتے ہیں

اولاً حضرت عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ استغراق کے عالم میں تھے، نماز میں انھیں جو لذت مل رہی تھی اس نے اس طرف متوجہ نہیں ہونے دیا کہ خون سے کپڑا یا بدن ناپاک ہو گیا اور وضو ٹوٹ گیا۔ استغراق کے عالم میں جو افعال صادر ہوتے ہیں وہ دوسروں کے لئے دلیل نہیں ہوتے۔

ثانیاً اس کا بھی امکان ہے کہ حضرت عبادہ کو اس وقت اس کا علم نہ رہا ہو کہ خون ناپاک اور ناقض وضو ہے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اس کی خبر ہوئی یہ بھی مذکور نہیں۔

---

[1] ابن اسحٰق نے مغازی میں، ابن حبان نے صحیح میں، حاکم نے مستدرک میں، ابن خزیمہ نے صحیح میں، امام احمد نے اپنی مسند میں بھی ذکر کیا ہے۔

38

ت (۳۳)

وَقَالَ الْحَسَنُ مَازَالَ الْمُسْلِمُوْنَ يُصَلُّوْنَ فِيْ جِرَاحَاتِهِمْ

حسن بصری نے کہا کہ مسلمان ہمیشہ اپنے زخموں میں نماز پڑھتے رہے۔

ت (۳۴)

وَقَالَ طَاؤُسٌ وَمُحَمَّدُ بْنُ عَلِيٍّ وَعَطَاءٌ وَاَهْلُ الْحِجَازِ

طاؤس، حضرت امام محمد بن علی باقر اور عطاء اور اہل حجاز نے کہا

تشریحات (۳۳)

اولاً اس سے مراد یہ ہے کہ جب زخم سے خون نہ بہتا ہو۔ جیسا کہ مصنف ابن ابی شیبہ میں انھیں امام حسن کا یہ فتوی مذکور ہے کہ وہ خون کو ناقض وضو نہیں جانتے جبتک کہ سائل نہ ہو۔ ثانیاً زخم پر پٹی بندھی ہو تو پھر زخم کی حالت میں نماز پڑھنے میں کیا حرج ہے۔ ثالثاً چلئے مان لیجئے خون بہتا ہی تھا، مگر رکتا نہ تھا جس کی وجہ سے وہ معذور تھے، تو کیا کرتے نماز قضا کر دیتے۔ جیسے مروی ہے کہ حضرت فاروق کو جب زخم لگا تو خون بہہ رہا تھا اسی حالت میں انھوں نے نماز پڑھی، سبب یہی تھا کہ خون رکتا نہ تھا، خون تھمنے کا انتظار کرتے تو نماز قضا ہو جاتی۔

تشریحات (۳۴)

حضرت طاؤس ان کا نام ذکوان ہے۔ باپ کا نام کیسان ہے۔ طاؤس لقب ہے اس لئے کہ یہ قرآن مجید بہت عمدہ پڑھتے تھے۔ اصل خطاب طاؤس القراء ہے۔ ابنائے فارس سے ہیں۔ ائمہ تابعین اور اولیاء کاملین میں سے ہیں۔ حضرت مالک بن دینار نے فرمایا، میں نے طاؤس جیسا کسی کو نہیں دیکھا۔ علم اور عمل دونوں میں اپنے وقت کے سردار تھے، مکے میں وصال فرمایا، سنہ وصال ۱۰۶ھ ہے۔ سات ذوالحجہ کو اس وقت وصال ہوا جبکہ یہ مکہ معظمہ حج کے لئے گئے، جنازے میں اتنی بھیڑ تھی کہ جنازہ اٹھانا مشکل ہو گیا یہاں تک کہ پولیس بلانی پڑی۔ ہشام بن عبد الملک مشہور مروانی شہنشاہ نے نماز جنازہ پڑھائی۔ ہشام بن عبد الملک ایک بار حج کے لئے گیا تو لوگوں سے کہا کسی صحابی کو بلاؤ۔ لوگوں نے بتایا کہ اب صحابی کوئی نہیں۔ تو اس نے کہا کہ کسی تابعی کو بلاؤ، لوگ امام طاؤس کو بلا لائے۔ یہ جب ہشام کی مجلس میں پہنچے تو ہشام کے فرش کے کنارے جوتے اتارے اور امیر المومنین کہہ کے سلام نہیں کیا۔ اور نہ اس کی کنیت سے پکارا ہشام کی بغیر اجازت اس کے پہلو میں بیٹھ گئے۔ ہشام سے مخاطب ہو کے پوچھا اے ہشام تو کیسا ہے؟ اس پر ہشام کو سخت غصہ آیا

---

۱ مصنف ابن ابی شیبہ، ۲ فوائد ابی بشر المعروف با بن سمویہ، ۳ مصنف عبد الرزاق،

لَیْسَ فِی الدَّمِ وُضُوْءٌ

کہ خون میں وضو نہیں

یہاں تک کہ انھیں قتل کرانے کا ارادہ کرلیا۔ اس پر کسی نے کہا اے امیر المومنین! اللہ اور اس کے رسول کے حرم میں یہ ممکن نہیں، اب ہشام نے حضرت طاؤس سے پوچھا۔ آخر تم نے ایسا کیوں کیا۔ امام طاؤس نے پوچھا، میں نے کیا کیا، اس پہ اور تلملا گیا، اور بولا تم نے میرے فرش کے حاشیئے پر جوتا اُتارا، اور امیر المومنین کہہ کے سلام نہیں کیا اور کنیت کے ساتھ مجھے خطاب نہیں کیا۔ اور میری اجازت حاصل کئے بغیر میرے برابر بیٹھ گیا اور پھر یوں کہا اے ہشام تو کیسا ہے۔ حضرت طاؤس نے جواب دیا۔ جوتے کی بات یہ ہے کہ میں روزانہ پانچ بار رب العزت تبارک وتعالیٰ کے حضور جوتا اُتارتا ہوں وہ نہ غضب فرماتا نہ عتاب۔ اور امیر المومنین کے ساتھ سلام اس لئے نہیں کیا کہ ہر مسلمان تجھے امیر المومنین نہیں مانتا، میں جھوٹ بولتا؟ اور کنیت کی بات یہ ہے کہ اللہ عزوجل نے قرآن مجید میں انبیاء کرام علیہم السلام کا نام لے کر ان کا تذکرہ کیا ہے مگر اپنے دشمن ابولہب کا کنیت کے ساتھ۔ اور برابر بیٹھنے کی بات یہ ہے کہ میں نے امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ حدیث سُنی ہے کہ اگر کسی جہنمی کو دیکھنا چاہو تو اسے دیکھو جو بیٹھا ہو اور لوگ اس کے اردگرد کھڑے ہوں۔

یہ جوابات سُنکر ہشام نے کہا کہ مجھے نصیحت کیجئے تو حضرت طاؤس نے فرمایا کہ میں نے امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سُنا ہے کہ جہنم میں مٹکوں کے برابر سانپ اور خچروں کے برابر بچھو ہیں جو ہر اس حاکم کو ڈسیں گے جو رعایا کے ساتھ انصاف نہیں کرتا۔ یہ فرماکر اُٹھے اور چلے گئے۔ [1]

حضرت امام محمد بن علی باقر رضی اللہ تعالیٰ عنہما یہ حضرت امام زین العابدین کے صاحبزادے، ان کے علم وفضل کے وارث، اور گروہ تابعین کے سرخیل ہیں۔ ۳ صفر ۵۷ھ کو سہ شنبہ کے دن پیدا ہوئے، واقعہ کربلا کے وقت چار یا پانچ سال کے تھے۔ اکمال میں ان کی پیدائش ۵۶ھ لکھی ہے اور عمر ۶۳ سال، اس حساب سے ان کا سنہ وصال کم از کم ۱۱۹ھ ہوتا ہے۔ وصال کی تاریخ کے بارے میں دو قول ہیں۔ ربیع الاول میں وصال ہوا یا ۲۳ صفر کو [2] آپ کا وصال حُمَیمہ میں ہوا وہاں سے جنازہ مبارک مدینہ طیبہ لایا گیا، اور اپنے والد امام زین العابدین کے پہلو میں دفن کئے گئے، جہاں حضرت امام حسن مجتبیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مزار پاک ہے۔ یہیں حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی مدفون ہیں۔ عثمانی سلاطین نے ان تمام حضرات کے مزارات مبارکہ پر ایک قبہ تعمیر کرادیا تھا جسے نجدی درندوں نے ڈھادیا۔ مزارات کھود ڈالے۔

ان کی کنیت ان کے صاحبزادے حضرت امام جعفر صادق کے نام پر ابو جعفر رہی۔ اور لقب باقر ہے اس لئے کہ ان کا علم

---

[1] وفیات الاعیان جلد دوم ص۵۱۰ ۔ [2] ایضا جلد چہارم ص۵۶،

بہت وسیع تھا اور تبقر کے معنی توسع کے ہیں[1]۔ عام طور پر اس لقب کی وجہ یہ بتائی جاتی ہے کہ بقر کے معنی پھاڑنے کے ہیں۔ اور جبتک کسی چیز پر مکمل قابو نہیں حاصل ہوتا اسے کوئی نہیں پھاڑ سکتا۔ چونکہ حضرت امام باقر زبردست عالم بلکہ اپنے وقت کے علماء ظاہر و باطن کے امام تھے، جملہ علوم ان کے قابو میں تھے اس لئے ان کو باقر کہا جاتا ہے۔ دوسری مناسبت یہ ہے کہ پھاڑنیوالا جس چیز کو پھاڑتا ہے ان کے اندر کے حقائق سے بھی واقف ہوتا ہے اور آپ علوم کے اسرار و دقائق کے ماہر تھے اس لئے باقر لقب پڑا۔ اپنے عہد کے باقی ماندہ صحابہ مثلاً حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اور اپنے والد ماجد امام زین العابدین وغیرہ سے احادیث سُنیں اور ان سے اجلہ ائمہ محدثین نے روایت کی۔ مثلاً ان کے صاحبزادے امام جعفر صادق، امام اعمش، امام اوزاعی امام ابن جریج، امام اعرج، امام عطاء، امام عمرو بن دینار، امام زہری وغیرہم[2]

رافضیوں کے اعتقاد کے مطابق "ائمہ اثنا عشریہ" میں سے یہ پانچویں امام ہیں مگر یہ خود رافضیوں سے بیزار تھے۔ ان کا اعتقاد یہ تھا کہ حضرات شیخین حضرت ابوبکر و حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سارے صحابہ سے افضل تھے۔ انھوں نے فرمایا کہ اہل بیت کا ہر فرد ان بزرگوں سے محبت رکھتا تھا۔[3]

حضرت عروہ بن عبد اللہ نے ان سے دریافت کیا کہ چاندی سے تلوار کے مزین کرنے کے بارے میں کیا فرماتے ہیں۔ ارشاد فرمایا، جائز ہے۔ حضرت ابوبکر صدیق نے اپنی تلوار کو مزین کیا تھا۔ حضرت عروہ نے پوچھا آپ انھیں صدیق کہتے ہیں یہ سُنکر اپنی جگہ سے کودے اور قبلہ کو منہ کیا اور فرمایا، ہاں صدیق ہاں صدیق ہیں۔ جو انھیں صدیق نہ کہے تو اللہ اس کی کوئی بات دنیا اور آخرت میں سچی نہ کرے۔ ایک دفعہ جابر جعفی سے کہا اے جابر! مجھے یہ خبر پہنچی ہے کہ عراق میں کچھ لوگ یہ گمان کرتے ہیں کہ وہ لوگ ہمارے محب ہیں۔ اور حضرت ابوبکر و عمر کو برا کہتے ہیں۔ یہ بھی گمان کرتے ہیں کہ ہم نے ان کو اس کا حکم دیا ہے تم انھیں میرا پیغام پہنچا دو۔ میں ان سے بیزار ہوں۔ قسم اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے، اگر مجھکو حکومت ملجائے تو میں انھیں قتل کرکے اللہ عزوجل کی قربت حاصل کروں۔ مجھے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شفاعت نہ ملے اگر میں ان دونوں کے لئے دعاء، استغفار و رحمت نہ کرتا ہوں۔ اللہ کے دشمن ان دونوں کے مرتبے اور افضلیت سے غافل ہیں، ان سے جاکے کہدو جو ابوبکر و عمر سے بیزار ہے میں اس سے بیزار ہوں۔[4]

علم تفسیر، حدیث، فقہ سب میں یگانۂ عصر تھے۔ ان علوم میں آپ کے محیر العقول ارشادات بے شمار منقول ہیں اسی طرح حکیمانہ مقولے بھی مثلاً سلاح اللئام قبح الکلام۔ کمینوں کا ہتھیار بدکلامی ہے۔ لکل شئ آفۃ وآفۃ العلم النسیان، ہر شے کی کچھ نہ کچھ آفت ہے اور علم کی آفت نسیان ہے۔ ایاک والکسل والضجر فانہما مفتاح کل خبیثۃ انک اذا کسلت لم تؤد حقا۔

---

[1] وفیات الاعیان جلد ۲ [2] بدایہ ونہایہ جلد نہم ص۳۰۹ [3] ایضا [4] البدایہ والنہایہ جلد نہم ص۳۱۱۔

ت (۳۵)

وَعَصَرَ ابْنُ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُمَا بَثْرَةً فَخَرَجَ مِنْهَا الدَّمُ وَلَمْ يَتَوَضَّأْ[۱]

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے پھنسی کو دبایا اس میں سے خون نکلا اور وضو نہیں کیا

ت (۳۶)

وَبَزَقَ ابْنُ اَبِيْ اَوْفٰی دَمًا فَمَضٰی فِيْ صَلَاتِهٖ

حضرت ابن ابی اوفیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خون تھوکا اور نماز بدستور پڑھتے رہے

وان ضجرت لم یصبر علی حق۔ سستی اور بے قراری سے بچو۔ یہ دونوں ہر برائی کی کنجی ہیں۔ جب تم سستی کروگے تو کوئی حق ادا نہ کر پاؤگے اور جب بے قرار ہوؤگے تو اپنی حق تلفی پر صبر نہ کر پاؤگے[۲]

حضرت امام بخاری کو اس مسئلے میں جب کوئی حدیث نہیں ملی تو اقوال تابعین کو دلیل میں پیش فرمایا، اس سلسلے کی پوری بحث گزر چکی۔ رہ گئے تابعین کے اقوال تو حضرت امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی تابعی ہیں، انھوں نے فرمایا، تابعین بھی مرد ہیں ہم بھی مرد ہیں۔ وہ ہم سے مزاحمت کرتے ہیں ہم ان سے مزاحمت کرتے ہیں اس لئے اختلاف کے وقت کسی تابعی کا قول احناف کے نزدیک حجت نہیں۔ خصوصاً جبکہ احادیث متعارض ہوں اور اگر کسی صاحب کو ضد ہو کہ تابعین کا قول بھی حجت ہے تو سنئے۔ کثیر صحابۂ کرام اور اجلۂ تابعین کا یہی مذہب ہے کہ دم سائل سے وضو ٹوٹ جاتا ہے۔

تشریح (۳۵)

تاویل اس کی تاویل ہے۔ کہ یہ خون سائل نہ تھا۔ احناف دم سائل کو ناقض مانتے ہیں۔

تشریح (۳۶)

حضرت ابن ابی اوفی رضی اللہ تعالیٰ کا نام علقمہ ہے اور والد ماجد کا نام حارث ہے۔ باپ بیٹے دونوں صحابی ہیں انکے مشاہد میں سب سے پہلا بیعت رضوان ہے۔ اس کے بعد تمام مشاہد میں شریک رہے۔ اخیر میں کوفہ آبسے تھے۔ یہی وہ صحابی ہیں جنکا کوفے میں سب سے اخیر میں وصال ہوا۔ یعنی کم از کم ۸۷ھ میں۔ وہ صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم جن کی زیارت سے حضرت امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ مشرف ہوئے اور ان سے احادیث سنیں ان میں سے یہ بھی ہیں۔ جس کی تفصیلی بحث مقدمہ میں گزر چکی۔

تاویل اگر تھوک میں خون نکلا اور تھوک غالب ہے تو وضو نہیں ٹوٹا۔ اگر خون غالب ہے تو وضو ٹوٹ گیا۔ غلبے کی شناخت یہ ہے کہ اگر تھوک کا رنگ زرد ہے تو تھوک غالب ہے۔ اور اگر سرخ ہے تو خون۔ اس کا احتمال ہے کہ حضرت

---

[۱] ابن ابی شیبہ ، [۲] البدایہ والنہایہ ص۳۴۳ ،

ت (۳۷)

وَقَالَ ابْنُ عُمَرَ وَالْحَسَنُ فِيمَنْ احْتَجَمَ لَيْسَ عَلَيْهِ إِلَّا غَسْلُ مَحَاجِمِهِ [۱]

حضرت ابن عمر اور امام حسن نے فرمایا، جو سینگی لگوائے وہ صرف اتنی جگہ دھوئے جہاں سینگی لگی ہے

حدیث (۱۳۳)

لَايَزَالُ الْعَبْدُ فِي الصَّلٰوةِ مَاكَانَ فِي الْمَسْجِدِ

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَايَزَالُ الْعَبْدُ فِي صَلٰوةٍ مَّاكَانَ فِي الْمَسْجِدِ يَنْتَظِرُ الصَّلٰوةَ مَالَمْ يُحْدِثْ۔ فَقَالَ رَجُلٌ أَعْجَمِيٌّ مَا الْحَدَثُ يَا أَبَا هُرَيْرَةَ قَالَ الصَّوْتُ يَعْنِي الضَّرْطَةَ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا بندہ اس وقت تک نماز ہی میں رہتا ہے جب تک مسجد میں بیٹھا نماز کا انتظار کرتا ہے جبتک کہ حدث نہ کرے۔ ایک عجمی نے پوچھا اے ابو ہریرہ حدث کیا ہے فرمایا آواز کیساتھ ہوا خارج کرنا

ابن ابی اوفی نے جو خون تھوکا تھا وہ مغلوب رہا ہو۔ اس پر تھوک غالب ہو۔ اذا جاء الاحتمال بطل الاستدلال۔

تشریح (۳۷)

تاویل اس کی بھی تاویل وہی ہے کہ احناف کے یہاں جب خون اتنا نکلے کہ بہکر وہاں پہنچ جائے جس کا وضو یا غسل میں دھونا فرض ہے تو ناقض وضو ہے۔ ان دونوں حضرات کا فتوی اس صورت میں ہے کہ خون اتنا نہ نکلا ہو جو سائل ہو صرف جہاں پچھنا لگوایا ہے وہیں چمک کر رہ گیا ہو۔ اس لئے صرف ان جگہوں کے دھونے کا حکم دیا۔

تشریح (۱۳۳)

(۱) حدث عام ہے ہر ناقض وضو کو کہتے ہیں، مگر حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے صرف ایک حدث کو بیان فرمایا۔ یہ اس وجہ سے کہ مسجد میں جو حدث ہو سکتا ہے وہ زیادہ سے زیادہ یہی ہو سکتا ہے۔

---

[۱] ابن ابی شیبہ۔

حدیث حکم المذی (۱۳۴)

عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ الْحَنَفِيَّةِ قَالَ قَالَ عَلِیٌّ كُنْتُ رَجُلًا مَذَّاءً فَاسْتَحْيَيْتُ
حضرت محمد بن حنفیہ نے کہا، حضرت علی نے فرمایا مجھے مذی بہت نکلتی تھی اس کے بارے میں

(۲) اس حدیث سے نماز کے انتظار کی فضیلت ثابت ہوئی، نیز یہ بھی ثابت ہوا کہ عبادت کا انتظار بھی عبادت ہے۔

(۳) حدیث میں لفظ "مسجد" وارد ہے۔ اس سے اس کے شرعی عرفی معنی بھی مراد ہو سکتے ہیں اور لغوی بھی۔ کوئی کہیں بھی نماز پڑھے اور بیٹھا ہوا دوسری نماز کا انتظار کرے تو امید ہے کہ اسے بھی یہ اجر ملے گا اگرچہ وہ جگہ مسجد نہ ہو۔

تشریحات (۱۳۴)

حضرت مقداد بن اسود رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ ابن عمرو بن ثعلبہ بہرانی۔ کندی، اپنے نسب کے اعتبار سے بہرانی ہیں مگر کندی سے مشہور ہیں۔ وجہ یہ ہوئی کہ ان سے اپنے قبیلہ بہراء میں ایک قتل ہو گیا تھا۔ یہ بھاگ کر کندہ میں آئے انکے حلیف بن گئے۔ پھر یہاں بھی ایک قتل کر ڈالا تو بھاگ کر مکہ آئے اور اسود بن عبد یغوث سے عقد محالفت کر لیا۔ ان کو چونکہ اسود نے متبنیٰ بنا لیا تھا یا یہ کہ ان کی ماں نے اسود سے شادی کر لی تھی، ان کو ابن اسود کہا جانے لگا۔ یہ قدیم الاسلام صحابی ہیں۔ یہاں تک کہا گیا ہے کہ یہ چھٹے مسلمان ہیں۔ تمام مشاہد میں شامل رہے۔ غزوۂ بدر میں یہ اور حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ تعالےٰ عنہما صرف دو ہی سوار تھے مدینہ طیبہ سے دس میل کی دوری پر ایک مقام جرف نامی ہے۔ یہیں ۳۳ھ میں وصال فرمایا ان کا جنازہ مبارکہ مدینہ طیبہ لایا گیا۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نماز جنازہ پڑھائی۔ وصال کے وقت ستر سال کی عمر تھی۔ ان سے بیالیس حدیثیں مروی ہیں۔ جن میں ایک متفق علیہ ہے اور تین افراد مسلم سے ہیں۔

حضرت محمد بن حنفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ یہ تابعی ہیں۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے صاحبزادے ہیں۔ ان کی والدہ محترمہ کا نام "خولہ بنت جعفر" ہے۔ جو مشہور حنفیہ کے ساتھ ہیں۔ یہ یمامہ کے مشہور قبیلہ بنی حنیف کی چشم و چراغ تھیں اس لئے ان کو حنفیہ کہا جاتا ہے۔ جنگ یمامہ کی قیدی مستورات میں سے تھیں۔ جو حضرت علی کے حصہ میں آئیں۔ ایک قول یہ ہے کہ حنفیہ سندیہ خاتون تھیں جو بنی حنیف کی باندی تھیں۔ ان کی کنیت ابوالقاسم ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ان کی بشارت بھی دی تھی اور اپنا نام نامی اور کنیت بھی عطا فرمائی تھی۔ جیسا کہ کتاب العلم میں گزر چکا۔

یہ علم و فضل کے ساتھ ساتھ بہت قوی اور طاقتور تھے۔ ایک بار حضرت علی نے ایک زرہ دی کہ یہ اتنی بڑی ہے اس کی کڑیاں نکال کر ٹھیک کر دو۔ انھوں نے ہاتھ سے پکڑ کر اتنا حصہ پھاڑ ڈالا۔ ایک بار قیصر روم نے حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں اپنے یہاں کے بہت بڑے پہلوان کو مقابلے کے لئے بھیجا۔ حضرت معاویہ نے حضرت

اَنْ اَسْاَلَ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَاَمَرْتُ الْمِقْدَادَ
رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے سوال کرنے میں مجھے شرم آئی میں نے مقداد

بْنَ الْاَسْوَدِ فَسَاَلَهٗ فَقَالَ فِیْهِ الْوُضُوْءُ[1]
بن اسود سے کہا انھوں نے پوچھا تو فرمایا اس میں وضو ہے

محمد بن حنفیہ کو مقابلے میں پیش کیا۔ انھوں نے اس رومی سے کہا۔ اگر تم چاہو تو بیٹھو میں تم کو کھڑا کر دوں یا تم مجھے بیٹھا دو۔ رومی بیٹھ گیا، انھوں نے اسے کھڑا کر دیا۔ مگر وہ انھیں بیٹھا نہ سکا۔ پھر حضرت محمد بن حنفیہ بیٹھ گئے اور اسے کھڑا کیا اور فرمایا تو مجھے کھڑا کر دے یا میں تجھے بیٹھا دوں۔ وہ انھیں کھڑا نہ کرسکا مگر انھوں نے اسے بیٹھا دیا۔ جنگ صفین میں حضرت علی کا جھنڈا انھیں کے ہاتھ میں تھا، اسی معرکے میں مروان اُن کے ہاتھ آگیا تھا۔ اُسے پچھاڑ کر اس کے سینے پر بیٹھے کہ ذبح کر دیں مگر ان سے بڑی لجاجت کے ساتھ قسم دی تو چھوڑ دیا۔ کاش کہ اس مکار کے فریب میں نہ آتے تو آج دنیائے اسلام کی تاریخ کچھ اور ہوتی۔ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بیعت سے انکار کر دیا تھا۔ انھیں کی اجازت سے مختار کذاب نے انتقام حسنین کا پروپیگنڈا کر کے جمعیت اکٹھا کی تھی۔

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت میں دو سال باقی تھے کہ یہ پیدا ہوئے اور پہلی محرم ۸۱ھ یا ۸۴ھ میں وصال ہوا۔ حضرت ابان بن عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نماز جنازہ پڑھائی جو اس وقت مدینہ طیبہ کے والی تھے جنت البقیع میں مدفون ہوئے[2]

روافض کا ایک فرقہ کیسانیہ ہے جو انھیں امام برحق مانتا ہے۔ ان کا اعتقاد یہ ہے کہ وہ زندہ جبل رضوی میں اپنے مخلص چالیس اصحاب کے ساتھ چھپے ہوئے ہیں۔ یہی مہدی منتظر ہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ کیسان مختار کذاب کا لقب ہے۔ رضوی جُہینہ کے پہاڑ کو کہتے ہیں۔

تکمیل یہ حدیث مختلف طریقے سے مختلف الفاظ و معانی کے ساتھ مروی ہے۔ مسلم کی ایک روایت میں یہ ہے کہ میں نے مقداد کو بھیجا، انھوں نے پوچھا تو حضور نے فرمایا، وضو کرو اور شرمگاہ دھولو۔ نسائی میں ہے کہ میں نے اپنے پہلو میں بیٹھے ہوئے ایک صاحب سے کہا۔ ترمذی میں ہے کہ میں نے خود پوچھا تو فرمایا مذی سے وضو ہے، منی سے غسل ہے۔ ابوداؤد میں ہے کہ مجھے مذی بہت آتی تھی جس سے میں غسل کیا کرتا تھا۔ غسل کرتے کرتے میری پیٹھ ٹوٹ گئی۔ میں نے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

---

[1] ایضا۔ کتاب العلم۔ من استحیی فامر غیرہ بالسوال ص۲۴۔ کتاب الغسل۔ غسل المذی والوضوء فیہ ص۴۱۔ مسلم کتاب الحیض ص۱۴۳ کتاب الطہارۃ ص۲۵۔ نسائی طہارۃ ص۱۱۱۔ مسند امام احمد۔

[2] یہ تفصیلات وفیات الاعیان جلد چہارم ص ۱۶۹ سے لی گئیں ہیں۔

حدیث اذا جامع ولم یمن یتوضأ (۱۳۵)

اَنَّ زَیْدَ بْنَ خَالِدٍ اَخْبَرَہٗ اَنَّہٗ سَأَلَ عُثْمَانَ بْنَ عَفَّانَ قُلْتُ اَرَأَیْتَ اِذَا جَامَعَ

زید بن خالد سے مروی کہ انھوں نے عثمان بن عفان سے پوچھا آپ جانتے ہیں۔ جب کوئی جماع کرے اور منی نہ نکلے

سے اس کو ذکر کیا تو فرمایا غسل مت کر، مذی دیکھو تو اپنے عضو تناسل کو دھولو اور نماز جیسا وضو کرو۔ جب پانی (منی) نکلے تو غسل کرو۔ نسائی کی ایک روایت میں یہ زائد ہے کہ مجھے حضور سے سوال کرتے ہوئے شرم آئی کیونکہ حضور کی صاحبزادی میری زوجیت میں تھیں۔ میں نے عمار سے کہا انھوں نے پوچھا۔ طحاوی میں بھی حضرت عمار ہی کے بارے میں ہے کہ انھیں سے پوچھنے کو کہا تھا۔

تمام روایات کے آخر کا مضمون ایک ہے الفاظ مختلف ہیں۔ سب کا حاصل یہ ہے کہ مذی ناقض وضو ہے۔ اور بعض بعض میں یہ تصریح ہے کہ عضو تناسل کو بھی دھویا جائے۔ جس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ نجس ہے۔ البتہ ان میں تعارض ہیں۔ ان سب میں تطبیق یہ ہے کہ ہو سکتا ہے کہ حضرت مقداد کو بھی بھیجا ہو اور حضرت عمار کو بھی۔ دونوں جب دریافت کرنے حاضر ہوئے تو یہ بھی ساتھ گئے۔ ان لوگوں نے پوچھنے میں دیر کی تو انھوں نے ان دونوں میں سے کسی سے پھر وہاں بھی کہا، چونکہ سوال ان کی فرمائش پر ہوا تھا تو اس کو کبھی اس سے تعبیر فرمایا کہ میں نے پوچھا یعنی بواسطہ۔

مسائل (۱) اس پر اجماع ہے کہ مذی ناقض وضو ہے۔ اس حدیث سے یہ بھی ثابت ہوا کہ مذی ناپاک ہے (۲) اس سے ثابت ہوا کہ اپنے خسر سے اپنی زوجہ کے خاص تعلقات سے متعلق باتوں کو نہ کہا جائے۔ (۳) احناف اور جمہور کا مذہب یہ ہے کہ مذی سے مطلقاً وضو ٹوٹ جاتا ہے خواہ وہ اپنی زوجہ سے ملاعبت کیوقت نکلے خواہ بغیر ملاعبت کے کسی وجہ سے یا بلا وجہ نکلے۔ مگر مالکیہ فرماتے ہیں کہ مذی سے وضو اسی وقت ٹوٹیگا جبکہ اپنی زوجہ سے ملاعبت کیوجہ سے نکلے ورنہ نہیں۔ امام قاضی عیاض نے اسکی دلیل میں مؤطا کی وہ روایت پیش کی جسمیں یہ ہے کہ حضرت علی نے یہ پوچھنے کیلئے فرمایا تھا کہ مرد جب اہل سے قریب ہو اور مذی نکل آئے تو کیا ہے۔ اس لئے حکم اسی صورت کیساتھ خاص ہوگا۔ ہمارا جواب یہ ہے کہ ہم مان لیتے ہیں کہ حضرت علی نے اس مخصوص صورت کے بارے میں سوال کرنے کا حکم دیا تھا اگر حضرت مقداد کا سوال اس خاص صورت کیساتھ نہیں۔ انھوں نے مطلقاً مذی کے بارے میں پوچھا۔ جیسا کہ صحاح کی روایات میں ہے اسلئے جواب بھی مطلق رہیگا۔ علاوہ ازیں اعتبار خصوص مورد کا نہیں عموم لفظ کا ہوتا ہے اور لفظ عام ہے اسلئے خروج مذی کی ہر صورت کو عام ہوگا۔

تشریحات (۱۳۵)

زید بن خالد جُہنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ قبیلہ جہینہ کی طرف منسوب ہیں۔ ان کی کنیت ابو طلحہ یا ابو عبد الرحمٰن یا ابو زرعہ ہے یوم فتح میں قبیلہ بنی جہینہ کا جھنڈا انھیں کو عطا ہوا تھا۔ کوفے میں جا بسے تھے۔ وہیں ۷۸ھ میں وصال ہوا وہیں مدفون ہیں۔ وصال

وَلَمْ يُمْنِ، قَالَ عُثْمَانُ يَتَوَضَّأُ كَمَا يَتَوَضَّأُ لِلصَّلٰوةِ وَيَغْسِلُ ذَكَرَهُ

(تو کیا کرے) عثمان نے فرمایا نماز کے لئے جیسا وضو کرتا ہے ویسا ہی وضو کرے اور عضو تناسل دھولے

قَالَ عُثْمَانُ سَمِعْتُهُ مِنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

حضرت عثمان نے کہا میں نے رسول اللہ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے سنا ہے پھر

فَسَأَلْتُ عَنْ ذٰلِكَ عَلِيًّا وَالزُّبَيْرَ وَطَلْحَةَ وَأُبَيَّ ابْنَ كَعْبٍ رَضِيَ اللّٰهُ

میں نے (زید بن خالد نے) حضرت علی حضرت زبیر حضرت طلحہ اور حضرت ابی بن کعب رضی اللہ

تَعَالٰى عَنْهُمْ فَأَمَرُوْهُ بِذٰلِكَ [1]

تعالیٰ عنہم سے پوچھا تو سب نے یہی حکم دیا۔

حدیث اذا اقحطت فعلیک الوضوء (۱۳۶)

عَنْ أَبِيْ سَعِيْدِنِ الْخُدْرِيِّ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ تعالیٰ علیہ

تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَرْسَلَ إِلٰى رَجُلٍ مِّنَ الْأَنْصَارِ فَجَاءَ وَرَأْسُهُ يَقْطُرُ

وسلم نے ایک انصاری کو بلانے کے لئے آدمی بھیجا وہ حاضر ہوئے اور انکے سر سے پانی ٹپک رہا تھا

کے وقت عمر مبارک بچاسی سال کی تھی۔ کچھ لوگوں نے کہا کہ مدینہ طیبہ میں وصال ہوا، کچھ لوگ کہتے ہیں کہ مصر میں۔ ان سے اکاسی حدیثیں مروی ہیں۔ پانچ بخاری نے ذکر کی ہیں۔

مسائل اس حدیث سے ثابت ہوا۔ مذی ناقض وضو ہے اگرچہ مذی کے نکلنے کا صراحۃً ذکر نہیں مگر جو صورت مذکور ہے اسے خروج مذی لازم ہے۔

تشریحات (۱۳۶)

مسائل یہ حدیث اس پر دلالت کرتی ہے کہ التقاء ختانین کے بعد بھی غسل واجب نہیں جبتک کہ انزال نہ ہو۔ ابتدائے اسلام میں یہی تھا۔ بعد میں صرف التقائے ختانین سے غسل واجب ہونے کا حکم ہوگیا۔ تفصیل کتاب الغسل میں آئے گی۔

باب سے مطابقت امام بخاری نے باب یہ باندھا تھا کہ جو صرف سبیلین سے نکلی ہوئی چیز سے وضو جاتا ہے اسکے دو جز ہیں۔ سبیلین سے نکلی ہوئی چیزیں ناقض وضو ہیں۔ جو چیز سبیلین سے نکلی ہوئی نہ ہو وہ ناقض وضو نہیں۔ اس کے

[1] ایضا۔ کتاب الغسل۔ غسل ما یصیب من رطوبۃ الفرج جلد ۱ ص ۴۳۔ مسلم کتاب الحیض ص ۱۵۶۔ مسند امام احمد۔

فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَعَلَّنَا أَعْجَلْنَاكَ فَقَالَ نَعَمْ

اس پر نبی کریم صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا معلوم ہوتا ہے کہ ہم نے تم کو جلدی میں ڈال دیا۔

فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا أُعْجِلْتَ أَوْ قُحِطْتَ

انھوں نے عرض کیا جی حضور! فرمایا جب تم جلدی میں ڈالدے جاؤ یا منی رک جائے

فَعَلَيْكَ الْوُضُوْءُ [1]

تو تم پر وضو ہے

حدیث المسح علی الخفین (۱۳۷)

عَنِ الْمُغِيْرَةِ بْنِ شُعْبَةَ رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُ أَنَّهُ كَانَ مَعَ رَسُوْلِ اللهِ

حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ یہ رسول اللہ صلے اللہ

بھی دو جزر ہیں۔ ایک یہ کہ سبیلین کے علاوہ کہیں سے نکلی ہوئی کوئی چیز ناقض وضو نہیں، جیسے خون پیپ وغیرہ دوسرے یہ کہ جو بدن کے کسی حصے سے خارج نہ ہو وہ ناقض وضو نہیں، مثلاً نیند، قہقہہ۔

پہلے جزر کے اثبات میں امام بخاری نے چار حدیثیں ذکر فرمائی ہیں، اتنی مطابقت کافی ہے۔ بقیہ دو جزر پر امام بخاری کو کوئی حدیث اس لائق نہیں ملی جسے یہاں درج فرماتے۔ ان دونوں جزر پر اقوال صحابہ سے استدلال فرمایا۔ بلکہ اقوال تابعین سے بھی۔ وہ بھی تعلیقات سے۔ یہ تعلیقات بھی از روئے اسناد ان کے معیار سے نیچے درجے کی ہیں، ورنہ ان کو مسند بیان فرماتے۔ وہ لوگ جو احناف پر اس لئے طنز کرتے ہیں کہ ہم اقوال رجال کو دلیل بناتے ہیں وہ امام بخاری کے اس طرز سے سبق سیکھیں جہاں ان کو ان کے معیار کے لائق کوئی حدیث نہیں ملی وہاں انھوں نے بھی اقوال رجال ہی کو دلیل بنایا ہے۔

تشریحات (۱۳۷)

حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ یہ ثقفی بزرگ ہیں، غزوۂ خندق کے بعد مدینہ طیبہ حاضر ہو کر مشرف باسلام ہوئے۔ اس کے بعد کے تمام مشاہد میں شریک رہے۔ نہایت زیرک ہوشیار آدمی تھے۔ قبیصہ بن جابر نے کہا اگر کسی شہر کے اسّی دروازے ہوں اور ہر دروازے سے داخلے کے لئے حیلے کی ضرورت ہو تو مغیرہ ہر دروازے سے داخل ہو سکتے ہیں۔ مشہور ہے عرب کے چالاک چار ہیں۔ حضرت معاویہ، حضرت عمرو بن عاص، حضرت مغیرہ، زیاد بن ابیہ۔

حضرت علی مسند خلافت پر متمکن ہوئے اور یہ ارادہ ظاہر فرمایا کہ حضرت معاویہ کو معزول کردیں تو انھوں نے سیدھے

[1] مسلم، طہارۃ، ابن ماجہ۔

صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي سَفَرٍ وَاَنَّهٗ ذَهَبَ لِحَاجَةٍ لَّهٗ وَاَنَّ

تعالیٰ علیہ وسلم — کے ساتھ ایک سفر میں تھے — حضور اپنی ایک حاجت کیلئے گئے

خدمت اقدس میں حاضر ہو کر حضرت علی کو مشورہ دیا کہ آپ کوفے کا طلحہ بن عبید کو اور بصرے کا زبیر بن عوام کو والی بنا دیجئے اور معاویہ کو شام پر بدستور والی رہنے دیں۔ جب آپ کی خلافت مستقر ہو جائے تو پھر معاویہ کے بارے میں جو چاہیں کریں۔ حضرت علی نے جواب دیا کہ طلحہ اور زبیر کے بارے میں غور کروں گا لیکن معاویہ کو شام پر نہیں رکھوں گا جبتک وہ اپنے حال پر رہے گا۔

حضرت امام حسن نے بھی حضرت مغیرہ کی اس رائے کو پسند فرمایا اور حضرت علی سے عرض بھی کیا مگر حضرت علی نہیں مانے [۱]

حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت سے اس وقت جو صورت حال تھی اس کے پیش نظر یہ مشورہ بہت ہی مفید تھا۔ کاش کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اسے قبول فرما لیتے تو آج اسلام ہی نہیں دنیا کی تاریخ کچھ اور ہوتی۔ اس مشورہ کے قبول نہ فرمانے کا نتیجہ یہ ہوا کہ جنگ صفین کا وہ خونی معرکہ پیش آیا جس میں پینتالیس ہزار مسلمان مارے گئے جو پوری دنیا فتح کرنے کے لئے کافی تھے۔

ان کی ذہانت کا ایک واقعہ اصابہ میں یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کو بحرین کا عامل بنایا تھا مگر وہاں کے باشندوں نے انھیں ناپسند کر دیا اور شکایت کر دی۔ حضرت عمر نے انھیں معزول کر دیا۔ مگر چونکہ شکایتیں غلط تھیں بحرین والوں کو خطرہ ہوا کہ کہیں حضرت عمر انھیں کو پھر نہ بھیج دیں تو انھوں نے چندہ کر کے ایک لاکھ جمع کیا اور ایک کاشتکار اسے لیکر حضرت عمر کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا، خیانت کر کے مغیرہ نے ہمارے پاس اس کو امانت رکھا تھا حضرت عمر نے حضرت مغیرہ کو بلایا۔ ان سے پوچھا کہ یہ کیا ہے۔ عرض کیا، یہ کم لایا ہے، میں نے دو لاکھ جمع کر کے اس کے پاس امانت رکھی تھی۔ یہ سنتے ہی کاشتکار کے ہاتھ سے تھیلی گر پڑی، اس سے حضرت عمر سمجھ گئے کہ معاملہ کچھ اور ہے۔ جب اس کاشتکار سے سختی سے پوچھا قسم دلانے کی بات کی تو اقرار کیا کہ قصہ یہ تھا۔

حضرت مغیرہ ایران اور شام کے معرکوں میں شریک ہوئے، حضرت سعد بن وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے قادسیہ کے معرکے سے قبل، افواج ایران کے سپہ سالار "رستم" کے پاس جو سفارت بھیجی تھی اس میں ایک یہ بھی تھے — شام کے سب سے بڑے اور فیصلہ کن معرکے "یرموک" میں بھی شریک تھے۔ اسی معرکے میں ایک آنکھ جاتی رہی۔

[۱] الاستیعاب ذکر مغیرہ بن شعبہ۔

الْمُغِيرَةَ جَعَلَ يَصُبُّ الْمَاءَ عَلَيْهِ وَهُوَ يَتَوَضَّأُ فَغَسَلَ وَجْهَهُ

اور مغیرہ حضور کے اعضاء پر پانی ڈالنے لگے اور حضور وضو فرما رہے تھے حضور نے اپنے چہرے

وَيَدَيْهِ وَمَسَحَ بِرَأْسِهِ وَمَسَحَ عَلَى الْخُفَّيْنِ[1]

اور ہاتھوں کو دھویا اور اپنے سر اور موزوں پر مسح فرمایا

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کو پہلے بصرے کا پھر کوفے کا والی بنایا۔ اسی پر رہے یہاں تک کہ حضرت عثمان نے انھیں معزول فرمایا۔ پھر حضرت معاویہ نے انھیں کوفے پر مقرر فرمایا اور اسی منصب پر رہتے ہوئے اسی کوفے میں وصال فرمایا۔

حضرت علی اور حضرت معاویہ کے جھگڑے میں الگ رہے۔ دونوں طرف کے حکم کے فیصلہ کے وقت دومۃ الجندل بھی گئے مگر حضرت معاویہ کی بیعت اس وقت کی جب حضرت امام حسن نے انھیں خلافت سپرد فرمادی۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کی کنیت ابوعیسیٰ رکھی تھی۔ ایک بار حضرت عمر کی خدمت میں حاضر ہوئے جب اذن طلب کیا تو حضرت عمر نے پوچھا، کون؟ عرض کیا، ابوعیسیٰ۔ حضرت عمر نے فرمایا کون ابوعیسیٰ۔ عرض کیا۔ مغیرہ بن شعبہ۔ فرمایا، عیسیٰ کے باپ کہاں تھے؟ فرمایا اب تمھاری کنیت ابوعبداللہ رہے گی۔ یہی مشہور ہوئی۔ ۵۰ھ میں وصال ہوا۔

تکمیل مسلم میں اس کی تفصیل یہ ہے کہ غزوۂ تبوک میں نماز فجر سے پہلے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مجھسے دریافت فرمایا، تمھارے ساتھ پانی ہے؟ میں نے عرض کیا ہاں ہے۔ یہ سنکر حضور سواری سے اترے، مجھ سے فرمایا، چھاگل لیکر آؤ۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم رات کی تاریکی میں قضاء حاجت کے لئے اتنی دور گئے کہ چھپ گئے۔ فارغ ہوکر جب واپس آئے تو میں نے پانی ڈالا، حضور نے وضو فرمایا۔ حضور اس وقت تنگ آستین کا شامی جبہ پہنے ہوئے تھے۔ ہاتھ دھونے کے لئے آستین چڑھانا چاہا تو آستین چڑھ نہ سکی اس لئے جبے کی آستین نکالی اور جبے کو کاندھے پر ڈال لیا۔ پھر پیشانی یعنی سر کے اگلے حصے اور عمامے پر مسح فرمایا۔ میں نے چاہا کہ موزوں کو پاؤں سے نکال دوں تو فرمایا رہنے دو میں نے اسے وضو پر پہنا ہے۔ حضور نے موزوں پر مسح فرمایا۔ حضور بھی سوار ہوئے اور میں بھی جب لشکر میں پہنچے تو لوگ نماز پڑھ رہے تھے۔ عبدالرحمٰن بن عوف کو لوگوں نے امام بنالیا تھا، میں نے چاہا کہ انھیں پیچھے کرکے صف میں کردوں مگر حضور نے منع فرمادیا۔ خود عبدالرحمٰن کو جب

---

[1] ایضا۔ المسح علی الخفین جلد ۱ ص۳۳۔ کتاب الصلوۃ۔ الصلوۃ فی الجبۃ الشامیہ جلد ۱ ص۵۲۔ الصلوۃ فی الخفاف جلد ۱ ص۵۶ کتاب الجہاد۔ الجبۃ فی السفر والحرب جلد ۲ ص۴۰۸۔ کتاب المغازی باب ص۶۳۶ کتاب اللباس جلد ۱ ۔ لبس جبۃ الصوف فی الغزوہ جلد ۲ ص۸۶۳ مسلم طہارۃ جلد ۱ ص۱۳۳-۱۳م۔ الصلوۃ ج۱ ص۱۸۰۔ ابوداؤد طہارۃ باب مسح علی الخفین ص ۲۲۔ نسائی باب مسح علی العمامۃ مع الناصیۃ ص ۲۹۔ باب کیف المسح علی العمامۃ ص ۳۰۔ ابن ماجہ، باب ماجاء فی المسح علی الخفین ص ۴۲۔

یہ احساس ہوا کہ حضور آ گئے تو پیچھے ہو جانا چاہا مگر حضور نے اشارے سے انھیں بھی روک دیا۔ یہ فجر کی نماز تھی ایک رکعت ہو چکی تھی۔ حضور بھی شریک جماعت ہو گئے اور میں بھی۔ جب عبد الرحمن نے سلام پھیرا تو چھوٹی ہوئی رکعت پڑھنے کے لئے حضور کھڑے ہو گئے لوگوں نے جب حضور کو دیکھا تو گھبرائے اور بار بار تسبیح پڑھنے لگے حضور جب نماز پوری کر چکے تو لوگوں کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا تم لوگوں نے اچھا کیا کہ وقت پر نماز پڑھ لی۔ [1]

اس پر امام بخاری نے یہ "باب" باندھا ہے ـــــ کوئی اپنے ساتھی کو وضو کرائے۔ اس کے ثبوت میں پہلے حضرت اسامہ والی حدیث ۱۰۱ ذکر کی جسمیں یہاں یہ زائد ہے کہ حضرت اسامہ کہتے ہیں کہ میں نے پانی ڈالنا شروع کیا اور حضور وضو فرماتے رہے۔ اور یہ حدیث مغیرہ بن شعبہ ذکر کی ہے اسمیں بھی وہی ہے کہ حضرت مغیرہ پانی ڈالتے رہے اور حضور وضو فرماتے رہے۔

ثبوت باب وضو میں اعانت کی تین صورتیں ہیں۔ ایک پانی لا کر پیش کرنا، اسمیں ادنی سی کراہت نہیں۔ دوسرے پانی ڈالنا یہ امت کے لئے مکروہ تنزیہی ہے یعنی خلاف اولی۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے نہیں، اس لئے کہ حضور شارع ہیں۔ بہت سے افعال حضور بیان جواز کے لئے کرتے اگرچہ وہ فی نفسہ خلاف اولی ہوں۔ تیسرے یہ کہ کوئی پانی بھی ڈالے اور اعضائے وضو بھی دھوئے یا صرف اعضائے وضو ہی دھوئے، یہ ممنوع ہے۔ اگر وضو کرنے والا معذور نہیں۔ اگر معذور ہے تو کراہت نہیں۔

امام بخاری نے باب میں "یُوَضِّی" فرمایا ہے۔ جو تینوں صورتوں کو عام ہے۔ اور باب کے تحت مذکور حدیثوں میں اعانت کی صرف دوسری صورت بیان کی گئی ہے۔ حضرت اسامہ اور حضرت مغیرہ نے صرف پانی ڈالا تھا۔ اعضائے وضو نہیں دھوئے تھے۔ اس سے اعانت کی پہلی صورت کا جواز تو ثابت ہوتا ہے کہ جب پانی ڈالنا جائز تو وضو کے لئے پانی لانا بدرجۂ اولی جائز۔ مگر تیسری صورت کا جواز ثابت نہیں۔ زیادہ سے زیادہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ پانی ڈالنا بھی اعانت ہے اور اعضاء کا دھونا بھی اعانت۔ جب اعانت ثابت تو اس کے تمام افراد بھی ثابت۔ مگر یہ اس وقت صحیح ہوتا کہ ان حدیثوں میں مطلق اعانت مذکور ہوتی۔ ان حدیثوں میں مخصوص اعانت مذکور ہے اس سے یہ نہیں لازم آتا کہ حکم تمام افراد کو عام ہو۔

غایت باب وضو بہ نیت قربت عبادت ہے اور عبادت کی ادائگی میں کسی سے اعانت ممنوع اس لئے ضرورت ہوئی کہ اس کو بیان کیا جائے کہ وضو اس سے من وجہ مستثنیٰ ہے۔

ان دو حدیثوں کے علاوہ اس بارے میں اور بھی احادیث وارد ہیں۔ ابن ماجہ[2] میں ربیع بنت معوذ رضی اللہ عنہا

---

[1] مسلم طہارت جلد ۱ ص ۱۳۳ و جلد ۱ ص ۱۳۴ "صلوٰۃ" جلد ۱ ص ۱۸۰ [2] باب الرجل یستعین علی وضوئہ ص ۳۲۔

سے مروی ہے۔ انھوں نے کہا کہ میں نے خدمت اقدس میں وضو کا برتن حاضر کیا تو حکم دیا کہ پانی ڈالو۔ تو میں نے ڈالا۔ نیز اسی میں، صفوان بن عسال رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے سفر او حضر دونوں میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے وضو کرتے وقت پانی ڈالا ہے۔ نیز اسی میں یہ بھی ہے کہ حضرت سیدہ رقیہ کی باندی، ام عیاش کہتی ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو وضو کراتی، میں کھڑی رہتی اور حضور بیٹھے رہتے۔

صحابۂ کرام میں سے حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں ہے۔ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ میں نے ایک بار حضرت عمر کے ساتھ حج کیا۔ میں نے چھاگل سے ان پر پانی ڈالا تو انھوں نے وضو فرمایا۔ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں بھی مروی ہے کہ جب یہ وضو کرتے تو عبدالرحمٰن بن ابزیٰ اور ضحاک بن مزاحم لوٹے سے پانی ڈالتے۔

چوتھائی سر کا مسح اس حدیث میں مسلم کی روایت یہ ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے "ناصیہ" پر بھی مسح فرمایا۔ ناصیہ سر کے اگلے چوتھائی حصے کو کہتے ہیں۔ اور وہاں کے بال کو بھی۔ قرآن مجید میں ہے۔

لَنَسْفَعًا بِالنَّاصِيَةِ نَاصِيَةٍ كَاذِبَةٍ خَاطِئَةٍ [1] ہم ضرور اسکی پیشانی کا بال پکڑ کر کھینچیں گے جھوٹی خطا کار پیشانی۔

ناصیہ کو فارسی میں پیشانی بھی کہتے ہیں مگر اردو میں پیشانی چہرے کے اس اوپر والے حصے کو کہتے ہیں جو بال کے نیچے اور بھوؤں کے اوپر ہے۔ اس لئے ناصیہ کا ترجمہ پیشانی سنکر لوگ گھبرا جاتے ہیں کہ پیشانی پر مسح کے کیا معنی۔ اس سے ثابت ہوا کہ سر کے چوتھائی حصے کا مسح وضو صحیح ہونے کے لئے کافی ہے۔ یہ فرض ہے۔ سنت پورے سر کا مسح ہے۔ بعض طرق میں "وعلی عمامته" بھی ہے کہ حضور نے پیشانی اور عمامے پر مسح فرمایا۔ بعض لوگوں نے اس کی یہ توجیہ کی کہ حضرت مغیرہ کو دیکھنے میں کچھ تسامح ہوا حضور نے سر کے مسح کے لئے عمامے کو سرکایا ہوگا مسح کے بعد عمامے کو درست کرنے میں ہاتھ عمامے پر لگایا ہوگا۔ اور اس کو انھوں نے مسح سمجھ لیا۔ یہ توجیہ باطل ہے اس لئے کہ پھر احادیث سے اعتماد اٹھ جائے گا۔ اس لئے کہ جب یہ ایک جگہ مان لیا کہ صحابہ کما حقہ دیکھے بغیر روایت کردیتے ہیں تو ہر حدیث میں یہ شبہہ پیدا ہو جائے گا کہ ہو سکتا ہے صحابی نے اچھی طرح نہ دیکھا ہو جو انکی سمجھ میں آیا روایت کر دیا۔ صحیح یہ ہے کہ واقعی حضور نے عمامے ہی پر مسح فرمایا تھا مگر جبکہ چوتھائی سر کا مسح کر لیا تھا۔ تو کوئی حرج نہیں۔

صرف عمامے پر مسح کافی نہیں احناف، شوافع اور جمہور کا مذہب یہ ہے کہ سر پر مسح کئے بغیر عمامے یا ٹوپی پر مسح کافی نہیں۔ اس لئے کہ قرآن کریم میں سر کے مسح کا حکم ہے۔ اور عمامے اور ٹوپی پر مسح سر کا مسح نہیں۔ نیز کسی حدیث

---

[1] ترمذی شریف تفسیر سورۂ تحریم جلد ۲ ص ۱۶۶، [2] اقرأ ۱۵،

ت (۳۸)

عَنْ اِبْرَاهِيْمَ لَا بَأْسَ بِالْقِرَاءَةِ فِي الْحَمَّامِ

حضرت ابراہیم نخعی نے فرمایا، حمام میں قرآن پڑھنے میں کوئی حرج نہیں۔

میں یہ وارد نہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے صرف عمامے پر مسح فرمایا ہو اور سر پہ نہ کیا ہو۔ البتہ امام احمد بن حنبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ صرف عمامے پر مسح کافی ہے۔

شوافع کا استدلال اور جواب ہمارا اور شوافع کا اس پر اتفاق ہے کہ پورے سر کا مسح فرض نہیں۔ اختلاف اس میں ہے کہ ہمارے یہاں چوتھائی سر کا مسح فرض ہے۔ اس سے کم کافی نہیں۔ اور امام شافعی فرماتے ہیں کہ سر کے تھوڑے سے بھی حصے کا مسح کافی ہے اگرچہ ایک دو بال ہی کا ہو۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ ناصیہ پیشانی سر کا بعض ہے۔ اور بعض جیسے چوتھائی ہے ویسے ہی اس سے کم بھی۔ ہم یہ کہتے ہیں عبادات کی مقادیر غیر قیاسی ہیں۔ شارع علیہ السلام نے جس کی جو مقدار بتائی ہے اس میں کمی سے وہ وظیفہ ادا نہ ہوگا۔ ناصیہ سے کم کی کوئی روایت نہیں اس لئے "ناصیہ" سے کم مسح کرنے سے وضو نہ ہوگا۔

مسائل اس حدیث سے یہ مسائل ثابت ہوئے۔ بزرگوں سے جہاں تک ہو قریب رہنا چاہیے۔ تاکہ اگر انھیں ضرورت ہو تو تم سے مدد لےلیں۔ خصوصاً سفر میں بزرگوں کو اکیلا نہیں چھوڑنا چاہیے۔ بزرگ جو بھی حکم دیں اسکی تعمیل سعادت جاننا چاہیے۔ چھوٹے بزرگوں کے حکم کے بغیر بھی ان کی خدمت میں سبقت کریں۔ چوتھائی سر کا مسح فرض ہے۔ موزوں پر مسح جائز ہے۔ نماز میں امتی، نبی کا امام ہو سکتا ہے۔ افضل کے ہوتے ہوئے مفضول کی امامت درست ہے۔ جب سب نمازی جمع ہو جائیں اور جماعت کا مقررہ وقت ہو جائے اور امام نہ پہنچے تو قوم کسی کو امام بنا سکتی ہے۔ یہ حکم صرف نماز پنجگانہ کیلئے ہے۔ جمعہ وعیدین کی نماز امام مقرر ہی پڑھائے یا پھر اس کا ماذون۔ جمعہ وعیدین کے اماموں پر لازم ہے کہ وہ جب کہیں جائیں تو کسی کو امام مقرر کر جائیں۔

تشریحات (۳۸)

باب کی توضیح امام بخاری نے باب یہ باندھا ہے۔ قراءۃ القرآن بعد الحدث وغیرہ۔ غیرہ میں دو روایت ہے۔ را کو ضمہ اور کسرہ۔ را کا ضمہ اس تقدیر پر ہے کہ اس کا عطف قراءۃ پر ہے۔ اور باب کو یا تو ساکن پڑھیں یا ضمہ کے ساتھ۔ اسے مابعد کی جانب مضاف نہ مانیں تو اب باب کا مطلب یہ ہوا۔ حدث کے بعد قرآن مجید کی تلاوت وغیرہ کا بیان۔ وغیرہ میں قرآن مجید کا چھونا، لکھنا بھی داخل ہے اور

وَيَكْتُبُ الرِّسَالَةَ عَلٰى غَيْرِ وُضُوْءٍ [1]

اور بغیر وضو خط لکھ سکتا ہے

دیگر اذکار تسبیح، تہلیل، درود شریف وغیرہ بھی۔ اصل یہ ہوا کہ حالت حدث میں تمام اذکار حتی کہ قرآن مجید کی تلاوت اس کا چھونا اس کا لکھنا بھی جائز ہے۔

غیرہ کی را، کو کسرہ پڑھنے کی صورت میں باب کو مابعد کی طرف مضاف ماننا پڑیگا۔ اب تین احتمالات ہیں۔ اوّل یہ کہ غیرہ کا عطف قراءت پر مانیں۔ اس کا حاصل یہی گزشتہ صورت ہے۔ یعنی حدث کی حالت میں قرآن مجید کی تلاوت وغیرہ جائز ہے۔ دوم اسے قرآن پر معطوف مانیں۔ اب مطلب یہ ہوا کہ حدث کی حالت میں قرآن وغیرہ کا پڑھنا۔ مثلاً یہی تسبیح، تہلیل، درود شریف۔ اس صورت میں قرآن مجید کا چھونا، لکھنا داخل نہ ہوگا۔ سوم اسے حدث پر معطوف مانیں۔ اب معنی یہ ہوئے، قرآن مجید کی تلاوت حالت حدث و غیر حدث یعنی طہارت میں کرنا۔ مقصود یہ ہوگا کہ ہر حالت میں قرآن مجید کی تلاوت جائز ہے۔ حالت طہارت میں تو جائز ہی ہے۔ حالت حدث میں بھی جائز ہے۔ عموم حالات کے افادے کے لئے ایسے جملے عرف میں شائع و ذائع ہیں جیسے قرآن کریم میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے لئے فرمایا:۔

وَيُكَلِّمُ النَّاسَ فِي الْمَهْدِ وَكَهْلًا آل عمران (۴۶) گہوارے اور پکی عمر میں لوگوں سے بات کرے گا۔

پکی عمر میں تو سبھی بات کرتے ہیں۔ مراد یہ ہے کہ گہوارے میں بچے بات نہیں کرتے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو یہ مافوق الفطری قوت ہوگی کہ وہ گہوارے میں بھی بات کریں گے۔ اور بڑے ہونے کے بعد ادھیڑ عمر میں بھی۔ یعنی دونوں عمر میں بات کریں گے۔

اس تیسرے احتمال میں پھر دو شقیں ہیں۔ ایک یہ کہ حدث سے مراد، حدث اصغر ہو یعنی بے وضو ہونا۔ اور یہ ظاہر اس لئے کہ حدث جب مطلق بولتے ہیں تو اس سے ناقض وضو ہی مراد ہوتا ہے۔ معنی یہ ہوئے کہ باوضو، بے وضو ہر حالت میں تلاوت وذکر جائز ہے، دوسری شق یہ کہ حدث سے مراد، حدث اکبر ہو یعنی جن چیزوں سے غسل واجب ہوتا ہے جیسے جنبی ہونا، حیض ونفاس کی حالت۔ اب مطلب یہ ہوا کہ پاک ہونے کی حالت کی طرح حالت جنابت وغیرہ میں بھی تلاوت وذکر جائز ہے۔ بہت سے اسلاف کا یہ مذہب ہے۔ ہو سکتا ہے امام بخاری کا بھی یہی مذہب ہو۔

---

[1] سعید بن منصور۔

ت (۳۹)

وَقَالَ حَمَّادٌ عَنْ اِبْرَاهِيْمَ اِنْ كَانَ عَلَيْهِمْ اِزَارٌ فَسَلِّمْ وَ اِلَّا فَلَا تُسَلِّمْ [1]

اور امام حماد نے کہا، امام ابراہیم نے فرمایا۔ اگر وہ تہبند باندھے ہوں تو سلام کرنا ورنہ مت کرنا

احکام ہمارے مذہب میں جنبی اور حیض و نفاس والی عورت کو نہ قرآن مجید کی تلاوت جائز نہ چھونا جائز نہ لکھنا جائز۔ دیگر اذکار کی اجازت ہے۔ اسی طرح انھیں لکھنے کی بھی۔ بے وضو کو قرآن مجید چھونا جائز نہیں، تلاوت جائز ہے۔ دیگر اذکار بھی جائز۔ اور لکھے ہوں تو ان کا چھونا بھی جائز اگرچہ بہتر یہ ہے کہ با وضو تلاوت اور ذکر کرے، قرآن مجید لکھنے کے بارے میں دو قول ہیں۔ امام ابو یوسف فرماتے ہیں مکروہ نہیں۔ امام محمد نے فرمایا، مکروہ ہے دونوں میں تطبیق یہ ہے کہ مکروہ تحریمی اور ناجائز نہیں مگر مکروہ تنزیہی اور خلاف اولیٰ ضرور ہے۔ [2]

باب سے مطابقت حضرت ابراہیم نخعی نے فرمایا کہ حمام میں قرآن مجید پڑھنے میں کوئی حرج نہیں۔ حمام میں محدث اور جنبی دونوں جاتے ہیں تو ثابت کہ حدث اور جنابت کی حالت میں تلاوت جائز۔ اس لئے کہ حضرت ابراہیم نے کوئی تفصیل نہیں کی۔ اگر محدث اور جنبی کو تلاوت ممنوع ہوتی تو انھیں لازم تھا کہ اس کو ظاہر کر دیتے۔

حضرت ابراہیم کا دوسرا قول انھیں منصور بن سعید نے حضرت ابراہیم کا دوسرا قول یہ نقل فرمایا کہ حمام میں تلاوت مکروہ ہے۔ عبد الرزاق کی روایت میں یہ ہے کہ منصور نے اس کے بارے میں ان سے پوچھا تو فرمایا حمام تلاوت کے لئے نہیں بنائے گئے ہیں۔ اور یہی صحیح ہے یہی امام اعظم کا قول ہے [3] رہ گیا بے وضو خط لکھنا تو یہ بالاتفاق جائز ہے، بشرطیکہ خط میں قرآن مجید کی آیت نہ ہو۔ اور اگر آیت ہو بھی تو حضرت ابراہیم نخعی کا مذہب یہی ہے کہ بے وضو قرآن مجید لکھنے میں حرج نہیں۔ اس زمانے میں عام دستور تھا کہ خطوط میں بسم اللہ ضرور لکھتے تھے، اور یہ قرآن مجید کی آیت ہے تو ثابت کہ بے وضو قرآن مجید کی آیت لکھنی جائز۔

اقول: بحث اس صورت میں ہے کہ قرآن مجید بہ نیت دعا، وثنا نہ لکھی جائے اور اگر کوئی شخص قرآن مجید بہ نیت دعا یا ثنا پڑھے تلاوت کی نیت نہ ہو تو جنبی وغیرہ کو بھی پڑھنا جائز۔ پھر بے وضو بہ نیت دعا یا ثنا لکھنا کیوں ناجائز ہوگا اور ظاہر ہے کہ خط میں بسم اللہ بہ نیت استفتاح لکھا جاتا ہے اسلئے اس کے جواز سے مطلقاً قرآن مجید کے لکھنے کے جواز پر استدلال ساقط۔

---

[1] جامع ثوری، [2] در مختار جلد اول و رد المحتار جلد اول اخیر باب الغسل ص ۱۱۷، ۱۱۸ [3] عینی جلد ثالث ص ۶۳۔

حدیث (۱۴۸)

قراءۃ النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم العشر الآیات الخواتم من سورۃ آل عمران بعد النوم

اَنَّ عَبْدَ اللّٰہِ بْنَ عَبَّاسٍ اَخْبَرَہٗ اَنَّہٗ بَاتَ عِنْدَ مَیْمُوْنَۃَ زَوْجِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ

کریب نے کہا، مجھے عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے خبر دی کہ وہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زوجہ حضرت میمونہ

تشریحات (۳۹)

توجیہ و مطابقت مطلب یہ ہے کہ حمام میں جو لوگ نہا رہے ہوں وہ اگر تہبند باندھے نہا رہے ہوں تو ان کو سلام کی اجازت ہے۔ اگر ننگے ہوں تو اجازت نہیں۔ ظاہر ہے کہ وہ حالت گناہ میں ہیں۔ اس تعلیق کو باب سے مناسبت یہ ہے کہ سلام از قبیل اذکار ہے، اور باب کا اخیر حصہ "وغیرہ" میں اذکار بھی شامل۔ اس طرح باب سے مطابق ہو گئی یا یہ کہا جائے کہ پہلی تعلیق میں حمام کا ذکر تھا، اس کی مناسبت سے یہ تعلیق ذکر کی۔

تشریحات (۱۳۸)

یہ حدیث پہلے گزر چکی ہے۔ مگر یہاں جو روایت ہے اس میں دو باتوں کا اضافہ ہے۔ ایک یہ کہ بیدار ہونے کے بعد، خواتیم آل عمران کی تلاوت کی۔ دوسرے، مع وتر، تیرہ رکعت پڑھیں۔ اس لئے ہم نے اسے اپنی طرز کے خلاف مکرر ذکر کیا ہے۔ تفسیر میں جلد ۲ صفحہ ۶۵۷ پر اتنا زائد ہے، کہ تھوڑی دیر اپنی اہلیہ سے بات چیت کی پھر سوئے۔ جب رات کی آخری تہائی ہوئی تو اٹھ بیٹھے اور آسمان کی طرف دیکھا اور پڑھا اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ آخر سورۃ تک دس آیتیں۔ نیز یہ بھی مذکور ہے کہ وضو میں مسواک بھی کیا۔ یہاں یہ ہے کہ اچھی طرح وضو کیا۔ اور پہلی والی روایت میں یہ ہے کہ ہلکا وضو فرمایا۔ اس وقت کتنی رکعتیں پڑھیں اس میں بھی روایتیں مختلف ہیں۔ عام روایتوں میں رکعتین رکعتین چھ بار ہے۔ تفسیر کی پہلی روایت میں ہے کہ گیارہ رکعتیں پڑھیں۔ باب یقوم عن یمین الامام بحذائہ جلد ا صفحہ ۹۷ کی روایت میں یہ ہے کہ پہلے پانچ رکعتیں پڑھیں پھر وتر پڑھا وتر کے بعد دو رکعت مزید پڑھیں

(۱) تطبیق یہاں مسواک کا ذکر نہیں۔ مگر فاحسن وضوءہ میں مسواک کرنا بھی داخل ہے۔ خفیف وضو کرنے اور اچھی طرح وضو کرنے میں کوئی تعارض نہیں۔ اچھی طرح وضو کرنے کا مطلب یہ ہے کہ مستحبات کی

وَهِيَ خَالَتُهُ، فَاضْطَجَعْتُ فِي عَرْضِ الْوِسَادَةِ وَاضْطَجَعَ
اپنی خالہ کے یہاں رات کو رہے (انھوں نے کہا) میں بستر کی چوڑائی میں لیٹا رسول اللہ

رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَهْلُهُ فِي طُولِهَا
صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور ان کی اہلیہ لمبائی میں لیٹے

فَنَامَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتَّى إِذَا انْتَصَفَ
رسول اللہ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سو گئے۔ جب

بھی رعایت فرمائی۔ اور ہلکا وضو کرنے کا مطلب یہ ہے کہ عام طور پر فراخی کے ساتھ پانی بہا کر جیسے عادت تھی ویسے وضو نہیں فرمایا۔ جیسا کہ مسلم کی روایت میں ہے ولم یکثر وقد ابلغ۔ [1]

رہ گیا تعداد رکعت کا اختلاف یا تو تعدد واقعات پر محمول کیا جائے یا پھر یہ کہ بعض راویوں سے سہو ہوا۔

وتر تین رکعت ہے وتر کے بارے میں تعداد مذکور نہیں۔ صرف یہ کہ وتر پڑھا۔ وتر ایک رکعت پر بھی صادق اور تین رکعت پر بھی۔ اس لئے اس کو وتر کی ایک رکعت ہونے پر دلیل لانا صحیح نہیں، بلکہ راجح یہی ہے کہ تین رکعت وتر پڑھی اس لئے کہ بتیرا یعنی صرف ایک رکعت نماز پڑھنے سے حضور اقدس صلی اللہ تعالے علیہ وسلم نے خود منع فرمایا ہے۔ علاوہ ازیں یہی حدیث مسلم شریف [2] میں بطریق محمد بن علی بن عبد اللہ بن عباس یوں ہے: اوتر بثلث۔ حضور نے تین رکعت وتر پڑھی۔

مناسبت باب یہ ہے۔ حدث اور غیر حدث کی حالت میں قرآن پڑھنا۔ اور حدیث میں کوئی ایسا لفظ نہیں جس سے یہ ثابت ہو کہ حالت حدث میں قرآن مجید پڑھنا جائز ہے۔ رہ گیا حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا نیند سے بیدار ہو کر تلاوت کرنا اس کو باب سے کوئی تعلق نہیں۔ اس لئے کہ انبیار کی نیند ناقض وضو نہیں۔ ارشاد ہے: تنام عینی ولا ینام قلبی۔ اس لئے نیند سے یہ استدلال کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حالت حدث میں تلاوت فرمائی تھی درست نہیں۔ علامہ ابن حجر نے مناسبت پیدا کرنے کے لئے یہ نکتہ آفرینی کی۔ انبیار کی نیند ناقض وضو نہیں لیکن اگر نیند کی حالت میں کوئی حدث مثلاً خروج ریح ہو تو اس کی وجہ سے وضو ٹوٹ جائیگا ہمارے اور انبیائے کرام کے مابین فرق یہ ہے کہ ہمیں وجود حدث کا علم نہیں ہوتا اور انبیار کرام کو ہو جاتا ہے۔

علامہ عینی نے اس پر یہ تعقب کیا کہ انبیار کرام کی خصوصیت یہ ہے کہ نیند کی حالت میں انھیں حدث لاحق نہیں

---

[1] جلد اول ص ۲۶۰، [2] جلد اول ص ۲۶۱۔

اللَّيْلُ أَوْ قَبْلَهُ بِقَلِيْلٍ أَوْ بَعْدَهُ بِقَلِيْلٍ اِسْتَيْقَظَ رَسُوْلُ اللهِ
آدھی رات ہوئی یا اس سے کچھ پہلے یا اس کے کچھ بعد تو رسول اللہ صلے اللہ

صَلَّى اللهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَجَلَسَ يَمْسَحُ النَّوْمَ عَنْ وَجْهِهٖ
تعالیٰ علیہ وسلم بیدار ہوئے پھر بیٹھے اور اپنے ہاتھ سے آنکھیں ملنے لگے تاکہ

بِيَدِهٖ ثُمَّ قَرَأَ الْعَشْرَ الْاٰيَاتِ الْخَوَاتِمَ مِنْ سُوْرَةِ اٰلِ عِمْرٰنَ
نیند کا اثر دور ہو جائے پھر سورہ آل عمران کی اخیر کی دس آیتیں پڑھیں

ہوتا۔ علامہ عینی کی یہ بات بہت پتے کی ہے۔ صرف نیند عوام کی بھی ناقض وضو نہیں۔ وہی نیند ناقض وضو ہے جسمیں استرخاء مفاصل ہوتا ہو جس سے خروج ریح کا ظن ہو۔ اصل ناقض خروج ریح ہے۔ نیند کی حالت میں اس کا احساس نہیں ہوتا تو استرخاء مفاصل کو خروج ریح کے قائم مقام مان کر ایسی نیند کو ناقض وضو قرار دیا گیا جسمیں استرخار مفاصل ہوتا ہو۔ اس لئے انبیاء کرام کی نیند ناقض وضو نہیں، اس کا حاصل یہ ہوا کہ نیند کی حالت میں انھیں حدث لاحق نہیں ہوتا۔

علاوہ ازیں علامہ ابن حجر کی یہ بات مان بھی لی جائے تو یہ صرف ایک احتمال ہے اور احتمال مثبت مدعیٰ نہیں ہوتا حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بیدار ہونے کے بعد وضو فرمایا۔ یہ بھی اس کی دلیل نہیں کہ آپ کو کوئی حدث لاحق ہو گیا ہو، وضو پر وضو نور علی نور ہے۔

باب سے مطابقت کی اصل تقریر یہ ہے کہ، خود امام بخاری نے باب[۱] الدعاء اذا انتبہ من اللیل میں اور امام مسلم نے مسلم شریف[۲] میں یہ تصریح کی ہے کہ اس کے پہلے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اٹھے اور قضاء حاجت فرمائی پھر اپنے منھ اور ہاتھوں کو دھویا اس کے بعد سوئے دوبارہ اُٹھے تو مشک سے وضو فرمایا۔ اس سے معلوم ہوا کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس وقت باوضو نہیں سوئے تھے۔

ایضاح البخاری کارد:۔ ایضاح البخاری میں مطابقت کی تقریر اپنے استاد حسین احمد صاحب ٹانڈوی سے یہ نقل کی کہ حضرت ابن عباس کہتے ہیں فصنعت مثل ما صنع جیسے حضور نے کیا تھا ویسے ہی میں نے بھی کیا۔ اور مثل میں ہر اعتبار سے برابری ہوتی ہے۔ اس لئے مطلب یہ ہوا کہ ابن عباس بھی اُٹھے، آنکھیں ملیں، تلاوت کی، وضو کیا اور ابن عباس پہلے سو گئے تھے، جیسا کہ اسی حدیث کی بعض روایتوں میں ونام الغلیم[۳] وارد ہے۔ ابن عباس

---

[۱] جلد ۲ ص ۹۳۴ [۲] مسلم جلد ۱ ص ۲۶۰ [۳] بخاری جلد ۱ ص ۲۲

ثُمَّ قَامَ اِلٰی شَنٍّ مُّعَلَّقَةٍ فَتَوَضَّأَ مِنْهَا فَاَحْسَنَ وُضُوْءَهٗ ثُمَّ
پھر ایک لٹکی ہوئی مشک کے پاس گئے، اس سے خوب اچھی طرح وضو کیا پھر
قَامَ يُصَلِّيْ قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ فَقُمْتُ فَصَنَعْتُ مِثْلَ مَا صَنَعَ
کھڑے ہوئے اور نماز پڑھنے لگے۔ ابن عباس نے کہا، پھر میں بھی اٹھا اور جیسے حضور نے کیا تھا
ثُمَّ ذَهَبْتُ فَقُمْتُ اِلٰی جَنْبِهٖ فَوَضَعَ يَدَهُ الْيُمْنٰی عَلٰی رَاْسِيْ
میں نے بھی کیا پھر گیا اور حضور کے پہلو میں کھڑا ہو گیا حضور نے اپنا داہنا ہاتھ میرے سر پر رکھا

نے حالت حدث میں تلاوت کی، حضور نے انھیں منع نہیں فرمایا حالانکہ بائیں طرف کھڑے ہو گئے تھے تو نماز کی حالت میں انھیں داہنی طرف کر دیا تھا۔ اگر حالت حدث میں تلاوت ممنوع ہوتی تو حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم انھیں ضرور تنبیہ فرماتے۔ یہ ضرور ہے کہ ابن عباس نابالغ تھے مگر تعلیم کے لئے انھیں تلقین ضروری تھی جیسے بائیں طرف کھڑے ہونے پر فرمائی۔

اقول:- یہ تقریر متعدد وجوہ سے ساقط الاعتبار ہے۔ اولاً حضرت ابن عباس سوئے نہیں تھے جاگ رہے تھے جیسا کہ خود بخاری اذا انتبہ من اللیل اور مسلم کی روایت میں تصریح ہے۔ ابن عباس نے کہا میں اٹھا اور انگڑائی لی تاکہ حضور یہ نہ خیال کریں کہ میں جاگ رہا تھا۔ رہ گیا نام الغلیم اس میں استفہام کا بھی احتمال ہے اور اخبار کا بھی۔ استفہام کی صورت میں ابن عباس کا سو جانا قطعی نہیں۔ اور اخبار کی صورت میں بھی یہ ارشاد ابن عباس کی ظاہری حال کے اعتبار سے ہے۔ اس سے لازم نہیں کہ واقعی سو گئے ہوں۔ سب سے بڑی بات یہ ہے کہ جب حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا تھا نام الغلیم، اگر اس وقت ابن عباس سو گئے تھے تو یہ سنا کیسے؟

ثانیاً یہ کہنا کہ ہمیشہ مثل میں ہر اعتبار سے برابری ہوتی ہے غلط ہے ورنہ قُلْ اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ میں کیا فرمائیں گے؟

ثالثاً خود بخاری ہی کی کتاب الوضو والی روایت میں یہ ہے۔ میں نے بھی ایسا ہی وضو کیا جیسا حضور نے کیا تھا۔ اس سے ظاہر کہ مثل ما صنع سے مراد صرف اسی طریقے کا وضو کرنا ہے جیسا کہ حضور نے کیا تھا۔ رابعاً یہ کہنا کہ انھیں رات میں حدث ہوا تھا۔ محض احتمال ہے یہ بھی ہو سکتا ہے کہ واقعی حدث نہ ہوا ہو اس لئے کہنا ہی پڑے گا کہ اس حدیث کا باب سے کوئی تعلق نہیں۔

ایک روایت میں ہے کہ اس کی ایک رکعت میں قل یایھا الکافرون اور ایک میں سورۂ اخلاص پڑھی۔
اس حدیث میں سنت فجر کے بعد سونے کا ذکر نہیں۔ مگر دوسری حدیثوں میں ہے۔ احناف کے یہاں فجر کی سنت کے

واخذ باذنی الیمنی یفتلھا فصلی رکعتین ثم رکعتین ثم
اور میرا داہنا کان پکڑ کر اینٹھنے لگے ۔ حضور نے دو رکعت پڑھی پھر دو رکعت پڑھی پھر
رکعتین ثم رکعتین ثم رکعتین ثم رکعتین ثم اوتر ثم
دو رکعت پڑھی پھر دو رکعت پڑھی پھر دو رکعت پڑھی پھر دو رکعت پڑھی پھر وتر پڑھا پھر
اضطجع حتی اتاہ المؤذن فقام فصلی رکعتین خفیفتین ثم
لیٹے یہاں تک کہ مؤذن حاضر ہوا تو اٹھے پھر دو رکعت مختصر پڑھی پھر

بعد سونا مسنون نہیں، جائز ضرور ہے۔ تاہم اگر کوئی اس نیت سے سوئے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی عادت تھی تو اجر کی امید ہے لیکن مسجد میں نہ سوئے۔ یہ ناپسندیدہ بات ہے کہ لوگ نماز پڑھ رہے ہیں، ذکر میں مصروف ہیں وہیں ٹانگ پھیلا کر سویا جائے۔ حضور اقدس صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مسجد میں نہیں سوتے تھے اپنے حجرہ مبارکہ میں لیٹتے تھے۔

بخاری باب اذا انتبہ من اللیل میں ہے کہ وتر پڑھ کر حضور سو گئے یہاں تک کہ ناک سے آواز آنے لگی اور حضور جب سوتے تو ناک سے آواز آتی۔ جب بلال نے نماز کی خبر دی تو نماز پڑھی اور وضو نہیں فرمایا۔ حضور کی دعا یہ تھی:۔

اللھم اجعل فی قلبی نورا وفی بصری نورا	اے اللہ میرے دل، میری آنکھ، میرے کان میں نور
وفی سمعی نورا وعن یمینی نورا وعن یساری	کردے اور میرے داہنے میرے بائیں اور میرے اوپر
نورا وفوقی نورا وتحتی نورا وامامی نورا وخلفی	میرے نیچے میرے آگے میرے پیچھے نور کردے اور مجھے
نورا وجعل لی نورا ۔	نور رکھ ۔

اس میں یہ بھی ہے، میرے پٹھے، میرے گوشت، میرے خون میرے بال میرے بشرے میں نور رکھ اور دو چیزیں اور ہیں۔ سلمہ بن کہیل نے کہا کہ کریب نے بتایا کہ سات تابوت میں ہیں میں نے حضرت ابن عباس کی بعض اولاد سے پوچھا تو انھوں نے عصبی ولحمی ودمی وشعری وبشری کو ذکر کیا۔ اور دو اور ذکر کیں۔ تابوت سے مراد یا تو ان کا دل ہے یا کتابوں کا صندوق۔

مسائل (۱) مسلم شریف کی روایت کے ملانے کے بعد یہ ثابت ہوا کہ تلاوت کے لئے وضو شرط نہیں۔ (۲) چھوٹے بچے کا اپنے محرم رشتہ دار کے یہاں سونا جائز ہے اگرچہ اس کا شوہر موجود ہو (۳) تہجد پڑھنا مستحب ہے (۴) اخیرات

خَرَجَ فَصَلَّى الصُّبْحَ ؎

باہر تشریف لے گئے اور صبح کی نماز پڑھی

ت (۴۰)

وَقَالَ ابْنُ الْمُسَيَّبِ اَلْمَرْأَةُ بِمَنْزِلَةِ الرَّجُلِ

سعید بن مسیب نے کہا، عورت (مسح کے معاملے میں) بمنزلۂ مرد کے ہے۔

میں تہجد کے بعد وتر پڑھنا بہتر ہے (۵) رات میں جاگنے پر سورۂ آل عمران کی آخری دس آیتیں پڑھنا مستحب ہے (۶) چھوٹے بچے کا، کان اینٹھنا جائز ہے ادب دینے کے لئے بھی اور بطور محبت بھی (۷) چھوٹے بچوں کو ابتدا ہی سے سنن و مستحبات تک کی تعلیم دینی چاہئے مکروہات کے ارتکاب پر بھی تنبیہ کرنی چاہئے (۸) یہ بھی مستحب ہے کہ موذن امام کے پاس آکر جماعت کا وقت ہو جانے کی اطلاع دے (۹) فجر کی سنت مستحبات کی رعایت کے ساتھ مختصر سے مختصر پڑھنی چاہئے۔

تشریحات (۴۰)

(۱) سعید بن مسیب قرشی مخزومی مدنی ہیں۔ ابو محمد کنیت ہے۔ سنہ ۱۹ھ اواخر خلافت فاروقی میں پیدا ہوئے اور سنہ ۹۳ھ یا سنہ ۹۴ھ میں پچھتر سال کی عمر پاکر مدینے میں واصل بحق ہوئے۔ یہ اجل تابعین کی صف اول میں ہیں۔ ان کو سید التابعین علی الاطلاق کہا گیا ہے۔ احادیث ابوہریرہ قضایا عمر کے سبب سے بڑے عالم تھے۔ حضرت عثمان، حضرت علی، حضرت ابو سعید، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے احادیث سنیں۔ ایک قول یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی سنی۔ ان کے علاوہ کثیر صحابہ اور تابعین سے حدیثیں روایت کرتے ہیں۔ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما جیسے امام ان سے قضایا عمر دریافت کرتے۔ امام مکحول نے کہا: میں نے علم حاصل کرنے کے لئے پوری زمین چھان ماری مگر مجھے سعید بن مسیب سے بڑھ کر کوئی عالم نہیں ملا۔ امام اوزاعی امام احمد بن حنبل، علی بن مدینی سبھی ان کے افضل التابعین اعلم التابعین ہونے کے معترف ہیں۔ فقہ میں اتنے بلند رتبہ ہیں کہ ان کو فقیہ الفقہا کہا جاتا ہے۔

یہ روایت میں ارسال بہت کرتے تھے مگر امام شافعی نے فرمایا ان کا ارسال حسن ہے۔ امام احمد نے فرمایا سب صحاح

؎ ایضاً علم باب السمر بالعلم ج ۱ ص ۲۲۔ الوضوء باب التخفیف بالوضوء ج ۱ ص ۲۵۔ وتر باب ماجاء فی الوتر ج ۱ ص ۱۳۵۔ اذان، باب یقوم عن یمین الامام بحذائه سواء اذا کان اثنین، اذا قام الرجل عن یسار الامام باب اذا لم ینو الامام ان یوم ج ۱ ص ۹۷۔ اذان باب اذا قام الرجل عن یسار الامام ج ۱ ص ۱۰۰۔ اذان، میمنة المسجد والامام ج ۱ ص ۱۰۱۔ تفسیر، باب ان فی خلق السموات والارض اور اس کے بعد والے تین ابواب میں جلد ۲ ص ۶۵۷۔ الدعوات باب اذا انتبه من اللیل جلد ۲ ص ۹۳۴۔ مسلم مسافرین باب السواک جلد ۱ ص ۱۲۸۔ نسائی قیام اللیل، ۹ ابن ماجه، اقامت ۱۸۱۔ موطا۔ صلوٰۃ اللیس ۱۱۔ مسند امام احمد بن حنبل۔

تَمْسَحُ عَلٰى رَأْسِهَا

وہ بھی اپنے سر پر مسح کرے گی

میں تارک الدنیا، زاہد، قناعت پسند تھے۔ دنیا داروں سے دور رہتے۔ شاہان بنی اُمیہ کا وظیفہ کبھی قبول نہیں فرمایا۔ چار سو دینار کل پونجی تھی، اس سے روغن زیتون کی تجارت کرکے بسر کرتے۔

ان کی ایک صاحبزادی تھیں جو حسن و جمال میں یکتا، بڑی سلیقہ شعار عالمہ فاضلہ تھیں۔ عبد الملک بن مروان سفاک نے اپنے بیٹے ولید کے لئے پیغام بھیجا، حضرت سعید نے انکار کر دیا۔ اس پر اس ظالم نے بہانہ بنا کر کوڑے لگوائے۔ ان صاحبزادی کا نکاح ایک تنگ دست شخص کثیر بن وداعہ سے دو درہم مہر پر کر دیا۔ پھر داماد کو پانچ ہزار درہم نقد دیا۔[1]

جب عبد الملک کے مرنے کے بعد ولید کی بیعت کے لئے والی مدینہ ہشام بن اسماعیل نے کہا تو انکار کر دیا اس ظالم نے ان کی پٹائی کی، گلیوں میں گھمایا، تپھر برسائے۔ اسی حالت میں ایک عورت نے کہا! اے سعید آخر یہ رسوائی کیوں مول لے رہے ہو؟ فرمایا دنیا اور آخرت کی رسوائی سے بچنے کے لئے۔

حدیث کے معاملے میں بہت ہی باادب تھے۔ ایک بار بیمار تھے کوئی حدیث سننے کے لئے حاضر ہوا تو باوجود علالت بیٹھکر حدیث بیان فرمائی، اس نے کہا آخر یہ مشقت کیوں برداشت کی؟ فرمایا، مجھے یہ گوارا نہ ہوا کہ لیٹے لیٹے حدیث بیان کروں۔ ان سب خوبیوں کے باوجود بہت بڑے عابد، شب زندہ دار تھے۔ پچاس سال تک عشاء کے وضو سے فجر کی نماز پڑھی۔ ان کے غلام برد نے کہا! چالیس سال سے جب میں مسجد میں جاتا ہوں تو سعید کو مسجد میں ہی پاتا ہوں یہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے داماد تھے۔[2]

(۲) مطابقت امام بخاری نے باب یہ باندھا ہے۔ پورے سر کے مسح کا بیان۔ اس تعلیق میں پورے سر کے مسح کا کوئی ذکر نہیں صرف اتنا مذکور ہے کہ مرد کی طرح عورت بھی سر کا مسح کرے نہ پورے کا ذکر ہے نہ چوتھائی کا۔ البتہ امام بخاری نے اس تعلیق سے پہلے آیۂ کریمہ وَامْسَحُوا بِرُءُوسِكُمْ ذکر کی ہے۔ اس سے مالکیہ کا یہ استدلال ہے کہ جس طرح منھ اور ہاتھ اور پاؤں کا پورا دھونا لازم ہے اسی طرح پورے سر کا مسح فرض ہے۔ ہمارا جواب مشہور و معروف ہے کہ حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ابھی جو حدیث گزری ہے وہ مسلم کی ایک روایت میں یوں ہے:

---

[1] ابن ابی شیبہ

[2] یہ سب تفصیلات بدایہ نہایہ سے لی گئی ہیں، جلد ۹ ص ۹۹، ۱۰۰

مسح علی الخفین ومقدم راسه وعلی عمامته دوسری روایت اس طرح ہے: فمسح بناصیته وعلی العمامة وعلی خفیه۔ اور ابوداؤد میں یوں ہے: توضأ ومسح ناصیته وذکر فوق العمامة۔ نسائی میں ناصیته وعمامته ہے۔ نیز ابوداؤد اور ابن ماجہ میں حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں:۔

رأیت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم یتوضأ وعلیه عمامة قطریة فادخل یده من تحت العمامة فمسح مقدم راسه ولم تنقض العمامة۔ [1]

میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو وضو کرتے ہوئے دیکھا حضور قطری عمامہ باندھے ہوئے تھے۔ اپنا ہاتھ عمامے کے اندر کرکے سر کے اگلے حصے پر مسح فرمایا اور عمامہ نہیں ڈھیرا۔

ان حدیثوں کا حاصل ایک ہے، کہ حضور اقدس صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے پیشانی یعنی سر کے اگلے چوتھائی حصے پر مسح فرمایا۔ اس سے معلوم ہوا کہ پورے سر کا مسح فرض نہیں کم ازکم چوتھائی کا فرض ہے۔ البتہ پورے سر کا مسح سنت ہے۔

اس پر ایک مشہور و معروف اعتراض ہے کہ کتاب اللہ پر خبر واحد سے زیادتی جائز نہیں۔ یہ حدیثیں خبر واحد ہی ہیں۔ اس کے دو جواب ہیں۔ ایک یہ کہ کتاب اللہ سے پورے سر کا مسح قطعی طور پر تو کیا ظنی طور پر بھی ثابت نہیں ہوتا۔ اس لئے کہ بار، رؤس محل مسح پر داخل ہے۔ اور بار میں اصل یہ ہے کہ وہ آلے پر داخل ہو جیسے کتبت بالقلم اور کوئی بھی آلہ کل کا کل آلہ نہیں ہوتا بلکہ بعض ہی ہوتا ہے جیسے قلم یہاں کل آلہ نہیں اس کا بعض ہی ہے۔ اس لئے بار کے مدخول سے اس کا بعض ہی مراد ہوتا ہے جیسے مسحت الوجه بالمندیل میں مندیل کا بعض مراد ہے برخلاف مسحت المندیل بالید میں پورا مندیل اور ہاتھ کا بعض مراد ہے۔ اس لے بار کا دخول مسح کے لئے بعض راس کو متعین کررہا ہے۔ آیت کے معنی یہ ہوئے کہ اپنے بعض سر پر مسح کرو۔ یہ بعض مجمل تھا اس کا بیان ان دونوں حدیثوں سے ہوگیا۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ یہ آیت مسح راس میں محکم ہے اور مقدار راس میں مجمل۔ یعنی جب یہ حکم ہوا کہ سر کا مسح کرو تو سوال پیدا ہوا، کل سر کا یا بعض کا۔ یہ مبہم رہ گیا اس ابہام کو ان دونوں حدیثوں نے دور فرمادیا کہ یہ مقدار چوتھائی سر ہے۔ اور مجمل کا بیان خبر واحد سے درست۔

پہلی تقریر پر مالکیہ یہ معارضہ پیش کرتے ہیں کہ تیمم میں بھی محل مسح پر "بار" داخل ہے۔ ارشاد ہے:۔

وامسحوا بوجوهكم وایدیكم — اپنے چہرے اور ہاتھوں پر ملو۔

مگر احناف تیمم میں پورے چہرے اور پورے ہاتھوں پر ملنا فرض بتاتے ہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اولاً یہاں آیت تیمم میں

---

[1] ابوداؤد المسح علی العمامة جلد ۱ ص ۲۰۔ ابن ماجه باب فی المسح علی الخفین ص ۴۱،

ت (۴۱)

سُئِلَ مَالِكٌ أَيُجْزِئُ أَنْ يَّمْسَحَ بَعْضَ رَأْسِهٖ

حضرت امام مالک سے پوچھا گیا، کیا بعض سر کا مسح کافی ہے

"با" زائد ہے اس پر قرینہ یہ ہے کہ تیمم وضو کا قائم مقام ہے، اور وضو میں پورے چہرے اور ہاتھوں کا دھونا فرض لہذا اس کے قائم مقام تیمم میں بھی پورے چہرے اور ہاتھوں پر مسح فرض ہوگا۔ ثانیاً اگر حضرت مغیرہ اور انس کی وہ حدیثیں نہ ہوتیں تو ہم وضو میں بھی پورے سر کا مسح فرض کہتے۔ ان حدیثوں کی وجہ سے ہم نے صرف چوتھائی سر کا مسح فرض قرار دیا تیمم میں ایسی کوئی حدیث نہیں جس سے معلوم ہو کہ چہرے یا ہاتھوں کے بعض پر مسح کافی ہے اس لئے ہم نے یہاں پورے چہرے اور پورے ہاتھوں کا مسح فرض قرار دیا

اس تعلیق کا مفاد یہ ہے کہ جس طرح مردوں کو سر پر مسح کرنا فرض ہے اسی طرح عورتوں کو بھی سر پر مسح فرض ہے۔ یہ نہیں کہ صرف اوڑھنی پر انھیں مسح کافی ہو۔ اگر عورتیں صرف اوڑھنی پر مسح کریں گی سر پر نہیں کریں گی تو وضو نہ ہوگا۔

تشریحات (۴۱)

حضرت امام مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ، والد ماجد کا نام انس ہے، نسب نامہ یہ ہے۔ مالک بن انس بن مالک بن ابی عامر اصبحی حمیری مدنی، ۹۵ھ میں پیدا ہوئے اور ۱۷۹ھ میں چوراسی سال کی عمر پاکر مدینہ طیبہ ہی میں ۱۴ ربیع الاول کو چاشت کے وقت واصل بحق ہوئے، جنت البقیع میں سیدنا ابراہیم بن رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے جوار اقدس میں دفن ہوئے۔ اکمال میں سن وصال ۱۹۹ھ کاتب کی غلطی سے چھپ گیا ہے۔ ابن خلکان نے لکھا ہے کہ تین سال ماں کے پیٹ میں رہے۔ علم حدیث ہشام بن عروہ، محمد بن منکدر، حضرت نافع مولیٰ ابن عمر اور امام زہری وغیرہ سے حاصل کیا۔ قرأت حضرت نافع سے اخذ کی۔ ان سے وقت کے ائمہ حدیث و فقہ کو شرف تلمذ ہے۔ مثلاً امام شافعی امام اوزاعی، امام عبداللہ بن مبارک، سفیان بن عیینہ، سفیان ثوری، ابن مہدی، ابن جریج، لیث بن سعد حتی کہ ان کے بہت سے اساتذہ نے بھی ان سے حدیث سُنی۔ مثلاً خود زہری، یحییٰ بن سعید انصاری اور یحییٰ بن سعید قطان وغیرہ۔

ابو عبداللہ کنیت ہے۔ امام دار الہجرت اور ان چار ائمہ مذاہب میں سے ہیں جن کا مذہب آج تک باقی ہے جنکے کروڑوں مقلد ہیں، حدیث، فقہ دونوں میں بحر زخار تھے۔ امام شافعی نے فرمایا: جب حدیث آئے تو مالک ثریا ہیں، جو بھی علم حدیث حاصل کرنا چاہے وہ امام مالک کی عیال ہے۔ ایسے مسلم الثبوت ثقہ کہ امام بخاری نے فرمایا، اصح الاسانید

فَاحْتَجَّ بِحَدِيْثِ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ زَيْدٍ

تو وہ عبداللہ بن زید کی حدیث سے دلیل لائے

مالک عن نافع عن ابن عمر ہے۔ فقہ میں وہ بلند رتبہ حاصل تھا کہ خود فرمایا: میرے اساتذہ میں شاید ہی کوئی ایسا ہو جس نے آکر مجھ سے فتوی نہ پوچھا ہو۔ اسی سے ظاہر ہوگیا کہ حدیث یاد کرلینا اور بات ہے اور اس سے استخراج مسائل کار دیگر ہے۔ مدینہ طیبہ میں اعلان ہوگیا تھا کہ سوائے مالک اور ابن ابی ذیب کے کوئی فتوی نہ دے۔

حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی محبت ایسی رچی بسی تھی اور مدینہ ایسا بھایا تھا کہ پوری زندگی مدینے میں گزار دی، کہیں نہ گئے کہ مدینے میں ہی وفات پاؤں اور یہیں دفن ہوں۔ صرف ایک بار حج فرض کے لئے گئے پھر مدت العمر حج بھی نہیں کیا، کیا پتہ کب وقت موعود آجائے۔

ہارون الرشید بادشاہ نے یہ خواہش ظاہر کی کہ میرے ساتھ بغداد چلیں۔ میں سب کو آپ کے موطا پر عمل کرنے پر مجبور کردوں۔ فرمایا لوگوں کو بالجبر میرے موطا پر عمل کرانے کا تجھے کوئی حق نہیں۔ اس لئے کہ صحابۂ کرام مختلف دیار وامصار میں پھیل گئے۔ سب کے پاس علم ہے اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا۔ میری امت کا اختلاف رحمت ہے۔ رہ گیا ساتھ جانے کی بات تو فرمایا میں مدینہ نہیں چھوڑ سکتا۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:۔ المدينة خير لهم لوكانوا يعلمون۔ المدينة تنفى خبثها۔ مدینہ لوگوں کے لئے بہتر ہے اگر لوگ جانتے۔ مدینہ اپنا میل باہر پھینک دیتا ہے۔

ریوڑ کی ریوڑ سواریاں موجود ہوتیں مگر کبھی مدینہ طیبہ میں سواری پر نہیں بیٹھے۔ فرمایا مجھے یہ گوارا نہیں کہ جس شہر میں اللہ کے رسول مدفون ہوں میں اسے اپنی سواری سے پامال کروں۔

جب احادیث سنانی ہوتی تو تازہ وضو فرماتے۔ عمدہ سے عمدہ لباس پہنتے، خوشبو لگاتے، داڑھی میں کنگھا کرتے وقار و ہیبت کے ساتھ شہ نشیں میں مسند لگا کر بیٹھتے، پوچھنے پر فرماتے، میں چاہتا ہوں کہ احادیث کی عظمت ظاہر کروں۔ ایک دفعہ حدیث بیان فرمارہے تھے کہ بچھو نے سترہ مرتبہ ڈنک مارا شدت تکلیف سے چہرہ زرد پڑگیا مگر حدیث بیان کرنا ترک نہیں فرمایا، لوگوں کے چلے جانے کے بعد عبداللہ بن مبارک نے دریافت کیا تو قصہ بیان فرمایا اور فرمایا حدیث کی جلالت شان کی وجہ سے میں نے بند نہیں کیا۔

ایک مرتبہ ہارون الرشید نے عرض کیا میں چاہتا ہوں کہ آپ میرے یہاں آجائیں تاکہ میرے بچے آپ سے حدیث سنیں۔ حضرت امام مالک نے فرمایا، تم کو اللہ عزت سے رکھے یہ علم تمہارے گھر سے نکلا ہے۔ اگر تم اس کی عزت کروگے

اس کی عزت باقی رہے گی اور اگر تم اسے ذلیل کروگے، ذلیل ہوجائے گا۔ علم کے پاس آیا جاتا ہے۔ علم کسی کے پاس نہیں جاتا۔ ہارون نے کہا آپ نے سچ فرمایا، اپنے بچوں امین و مامون کو حکم دیا کہ مسجد میں جاکر سب کے ساتھ تم لوگ بھی حدیث سنو۔ حضرت امام مالک کا کوئی گھر نہیں تھا، ہارون نے مکان خریدنے کے لئے تین ہزار دینار نذر پیش کی۔

ابتلاء چونکہ محمد بن عبد اللہ بن حسن، نفس زکیہ کی امام مالک نے حمایت کی تھی ابتداء میں جب حضرت نفس زکیہ نے اپنی خلافت کی بیعت لینی چاہی تو اہل مدینہ نے عذر کیا کہ ہماری گردنوں میں ایک بیعت ہے یعنی منصور کی، ہم آپ کی بیعت کیسے کریں۔ اس پر امام مالک نے یہ فتوی دیا، تم لوگوں سے جبرًا بیعت لی گئی ہے اسلئے وہ درست نہیں۔ اس فتوی کے بعد لوگوں نے نفس زکیہ کی بیعت کی۔

اس پر منصور امام مالک سے جلا ہوا تھا اس کی ایماء پر امام مالک سے استفتا ہوا کہ مُکرِہ کی طلاق واقع ہے یا نہیں؟ امام مالک کا مسلک یہ ہے کہ مکرہ کی طلاق واقع نہیں۔ اس کے مطابق انھوں نے فتویٰ دیا، اس فتویٰ کی زد ان ظالموں کی بیعت پر بھی پڑتی تھی اس پر غضبناک ہوکر جعفر نے امام مالک کو بلوایا اور انھیں برہنہ کرکے ستر کوڑے لگوائے اور ہاتھ کھینچ کر مونڈھے اُتار دیئے۔ اور بھی مظالم کئے مگر امام مالک اپنے موقف سے ذرہ برابر نہیں ہٹے۔ اس امتحان کے بعد حضرت امام مالک کی قدر و منزلت اَوجِ ثُریّا پر پہنچ گئی۔

بشارت ایک حدیث ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، بہت جلد ایسا ہوگا کہ لوگ اونٹوں کے جگر مارتے ہوئے علم حاصل کریں گے، مگر عالم مدینہ سے بڑھ کر کوئی عالم نہیں پائیں گے۔ [1]

سفیان بن عیینہ اور عبد الرزاق نے کہا کہ اس سے مراد حضرت امام مالک ہیں۔ اور ابن عیینہ ہی کا دوسرا قول یہ ہے کہ اس سے مراد حضرت عمر بن عبد العزیز خلیفہ راشد ہیں۔

ابو عبد اللہ نے کہا میں نے خواب دیکھا کہ حضور اقدس صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مسجد اقدس میں تشریف فرما ہیں لوگ ارد گرد جمع ہیں اور امام مالک کھڑے ہیں۔ حضور کے سامنے مشک ہے۔ حضور مٹھی میں اٹھا اٹھا کر امام مالک کو دیتے ہیں، اور امام مالک اسے لوگوں میں تقسیم فرماتے ہیں۔ مطرف نے کہا اس کی تعبیر علم اور اتباع سنت ہے۔

حضرت امام مالک کا قول ہے کہ جب انسان میں اپنی ذات کے اندر بھلائی نہ ہو تو اس سے لوگوں کو، کوئی بھلائی نہیں مل سکتی اور فرمایا، کثرت روایت علم نہیں، علم اللہ عز وجل کا نور ہے جسے دل میں رکھتا ہے [2]

صحاح ستہ کی تصنیف سے پہلے امام مالک کی مؤطا، اصح کتب بعد کتاب اللہ مانی جاتی تھی، اب بھی

---

[1] مشکوۃ ص ۲۵ بحوالہ ترمذی۔ [2] اکمال وفیات الاعیان۔ مشکوۃ۔

حدیث (۱۳۹)

صفة وضوء النبی صلی اللہ تعالی علیہ وسلم عن عبداللہ بن زید

اَنَّ رَجُلًا قَالَ لِعَبْدِ اللّٰہِ بْنِ زَیْدٍ وَھُوَجَدُّ عَمْرِو بْنِ یَحْیٰی اَتَسْتَطِیْعُ

ایک شخص[۱] یعنی عمرو بن یحیٰی کے دادا نے عبداللہ بن زید سے کہا[۲] کیا آپ مجھے یہ دکھا سکتے ہیں

بعض حضرات صحاح ستہ کی بعض کتابوں پر اسے ترجیح دیتے ہیں۔ امام مالک کے تلامذہ کی تعداد کا شمار نہیں اور محرر مذہب حنفی امام محمد اور امام شافعی تک ان کے تلامذہ میں ہیں۔

استدلال امام مالک کا مذہب یہ ہے کہ پورے سر کا مسح فرض ہے۔ دلیل میں حضرت عبداللہ بن زید کی وہ حدیث پیش کرتے ہیں جو ابھی آرہی ہے۔ اس میں یہ ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے سر کا دونوں ہاتھوں سے اس طرح مسح فرمایا کہ دونوں ہاتھ آگے لائے اور پیچھے لے گئے۔ سر کے اگلے حصے سے شروع فرمایا یہاں تک کہ ہاتھ گُدّی تک لے گئے پھر واپس لائے جہاں سے شروع فرمایا تھا۔

ہمارا جواب یہ ہے کہ اوّلاً اگر حضرت مغیرہ اور حضرت انس کی وہ حدیثیں نہ ہوتیں جنمیں یہ مذکور ہے کہ حضور نے پیشانی یا سر کے اگلے حصے پر مسح فرمایا تو ضرور حضرت عبداللہ بن زید کی اس حدیث سے پورے سر کے مسح کی فرضیت ثابت ہوتی اسلئے کہ جب ہم یہ تسلیم کر چکے کہ آیت وضو مقدار مسح میں مجمل ہے اور مجمل کا بیان خبر واحد سے درست تو حضرت عبداللہ بن زید کی یہ حدیث اس کا بیان ہو جاتی لیکن جب ان دونوں حدیثوں نے ثابت کر دیا کہ چوتھائی سر کا مسح بھی کافی ہے اب اگر پورے سر کا مسح فرض قرار دیں تو ان دونوں حدیثوں کا ترک لازم آئے گا۔ دونوں مضمون کی احادیث میں تطبیق کیلئے احناف نے یہ تفصیل رکھی کہ چوتھائی سر کا مسح فرض اور پورے سر کا سنت۔

ثانیاً اگر حضرت عبداللہ بن زید کی اس حدیث سے پورے سر کا مسح فرض مانیں تو یہ بھی ماننا پڑے گا کہ جس ہیئت خاصہ کے ساتھ اسمیں مسح مذکور ہے وہ ہیئت بھی فرض ہو مثلاً اگلے حصے سے شروع کرنا پھر گدّی تک لیجانا پھر پیشانی کیطرف واپس لانا حالانکہ مالکیہ بھی اس ہیئت کو فرض نہیں مانتے، اب مالکیہ جو عذر اس ہیئت کے فرض نہ ہونے کا بیان کریں گے وہی عذر ہمارا بھی پورے سر کے مسح کے فرض نہ ہونے کا ہوگا۔

تشریحات (۱۳۹)

(۱) اس سے مراد عمرو بن ابی حسن ہیں۔ یہ عمرو بن یحیٰی کے باپ یعنی یحیٰی کے چچا ہیں اس اعتبار سے یہ عمرو بن یحیٰی کے مجازی دادا ہو گئے۔ عرف میں دادا کے بھائی کو بھی دادا کہتے ہیں۔ اس لئے متعین ہو گیا کہ " وھو جد عمرو بن یحییٰ " میں ھو

اَنْ تُرِيَنِیْ كَيْفَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَتَوَضَّأُ

کہ رسول اللہ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کیسے وضو فرماتے تھے

فَقَالَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ زَيْدٍ، نَعَمْ، فَدَعَا بِمَاءٍ فَأَفْرَغَ عَلٰى يَدِهٖ

عبداللہ بن زید نے کہا ہاں دکھا سکتا ہوں انھوں نے پانی منگایا اسے اپنے ہاتھ پر ڈالا

فَغَسَلَ يَدَهٗ مَرَّتَيْنِ ثُمَّ مَضْمَضَ وَاسْتَنْثَرَ ثَلٰثًا ثُمَّ غَسَلَ وَجْهَهٗ ثَلٰثًا

اور اپنا ہاتھ دو بار دھویا پھر کلی کی اور ناک میں پانی تین بار ڈالا پھر اپنے چہرے کو تین بار دھونا

کی ضمیر رجلاً کی طرف لوٹ رہی ہے یعنی سائل عمرو بن یحییٰ کے دادا عمرو بن ابی حسن ہیں۔ اس ضمیر کا مرجع، عبداللہ بن زید نہیں ہوسکتے اس لئے کہ یہ عمرو بن یحییٰ کے نہ حقیقی دادا ہیں نہ مجازی۔ صاحب کمال اور ان کے متبعین نے جو یہ لکھا ہے کہ عمرو بن یحییٰ، عبداللہ بن زید کے نواسے ہیں غلط ہے۔

(۲) ایک اشکال یہ سائل کون تھے۔ اس کے بعد والی روایت میں بخاری ہی میں تصریح ہے کہ یہ عمرو بن ابوالحسن ہیں۔ البتہ موطا کے رواۃ میں سائل کے بارے میں اختلاف ہے۔ اکثر راویوں نے مبہم رکھا ہے۔ لیکن معن بن عیسیٰ کی روایت میں ہے کہ یہ سائل ابوحسن ہیں اور یہ صحابی تھے۔ امام محمد کی روایت میں بھی انھیں ابوحسن کو سائل بتایا۔ امام شافعی نے کتاب الام میں امام مالک سے یہی حدیث نقل کی ہے اس میں سائل یحییٰ کو بتایا۔

جواب قصہ یہ ہے کہ ایک مجلس میں یہ تینوں ابوحسن اور ان کے بیٹے عمرو اور ان کے پوتے یحییٰ جو ابوحسن کے دوسرے صاحبزادے عمارہ کے بیٹے تھے موجود تھے۔ یعنی یحییٰ ان کے چچا عمرو ان کے دادا ابوحسن۔ عمرو بن حسن وضو بہت کثرت سے کرتے تھے انھوں نے حضرت عبداللہ بن زید سے یہ سوال کیا۔ مگر موجود ان کے باپ ابوحسن اور بھتیجے یحییٰ بھی تھے تو بعض روایات میں مجازاً ان کی طرف بھی سوال کی نسبت کردی گئی ہے۔ یہ ہوسکتا ہے تینوں کے باہمی مشورے کے بعد عمرو بن ابی حسن نے سوال کیا ہو۔ جیسا کہ اسماعیلی کی روایت میں ہے، قلنا ہم سب نے کہا۔ یہ ایسے ہی موقع پر بولتے ہیں جبکہ چند اشخاص باہمی مشورے سے کوئی بات کہیں۔ اگرچہ کہنے والا ایک ہی ہو، ورنہ اصل سائل، عمرو بن ابی حسن ہی ہیں۔ جیسا کہ ابونعیم نے مستخرج میں وراوردی کی حدیث ذکر کیا۔ کہ عمرو بن ابی حسن نے کہا، میں کثیر الوضو تھا اس لئے عبداللہ بن زید سے میں نے کہا۔ خود امام بخاری نے جو اس کے بعد روایت ذکر کی ہے۔ اس میں اور جلد اصفحہ ۳۳ میں جو روایت ہے اس میں تصریح ہے کہ سائل عمرو بن ابی حسن ہی تھے۔

اشکال دوم دوسرا اشکال یہ ہے کہ اس روایت میں یہ ہے کہ ابتدا میں ہاتھ دو بار دھویا۔ دو بار دھونا، تو کوئی قابل

ثُمَّ غَسَلَ يَدَيْهِ مَرَّتَيْنِ مَرَّتَيْنِ اِلَى الْمِرْفَقَيْنِ ثُمَّ مَسَحَ رَأْسَهُ
پھر اپنے دونوں ہاتھوں کو کہنیوں تک دو دو بار دھویا ۳ پھر اپنے دونوں ہاتھوں سے
بِيَدَيْهِ فَاَقْبَلَ بِهِمَا وَاَدْبَرَ بَدَاَ بِمُقَدَّمِ رَأْسِهِ حَتّٰى ذَهَبَ بِهِمَا اِلٰى
سر کا مسح کیا ہاتھوں کو آگے لائے اور پیچھے لے گئے ۴ اپنے سر کے اگلے حصے سے شروع فرمایا یہاں تک کہ
قَفَاهُ ثُمَّ رَدَّهُمَا اِلَى الْمَكَانِ الَّذِىْ بَدَاَ مِنْهُ ثُمَّ غَسَلَ رِجْلَيْهِ ۵
ہاتھوں کو گدی تک لے گئے پھر لوٹا کر اسی جگہ تک لائے جہاں سے شروع فرمایا تھا۔ پھر اپنے دونوں پاؤں دھوئے

اعتراض بات نہیں بیان جواز کے لئے بھی ہوسکتا ہے۔ مگر بخاری ہی میں اس کے بعد والی روایت میں نیز صفحہ ۳۳ باب الوضوء من التور میں ہے، ابتدا میں ہاتھ تین بار دھویا تھا، نیز مسلم وغیرہ میں بھی ثلاثا ہی ہے۔

جواب علامہ ابن حجر نے اس کا یہ جواب دیا۔ مرتین کی روایت صرف امام مالک سے ہے۔ ان کے علاوہ دوسرے رواۃ نے ثلثا ہی روایت کیا ہے۔ چند ثقات کی زیادتی ایک ثقہ کے مقابلے میں مقبول ہے، اس لئے صحیح یہ ہے کہ عبداللہ بن زید نے ابتدا میں تین بار ہاتھ دھویا تھا۔ اس کی مزید تائید اس سے ہوتی ہے کہ مسلم میں بطریق بھز وھیب سے روایت ہے کہ انھوں نے عمرو بن یحییٰ سے دو بار املاء یہ حدیث سنی ہے۔ اس لئے اس میں توہم کا شائبہ نہیں

(۳) حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ساری روایتیں متفق ہیں کہ ہاتھوں کو کہنیوں تک دو بار دھویا۔ یہ بیان جواز کے لئے ہے۔ گزر چکا کہ فرض اعضاء وضو کا ایک بار دھونا ہے۔ تین بار سنت ہے۔ اس کا حاصل یہ ہوا کہ دو دو بار دھونا جائز ہے۔ نیز یہ افادہ فرمایا کہ یہ ضروری نہیں کہ جتنی بار وضو کے ایک عضو کو دھویا جائے اتنی ہی بار سارے ہی اعضاء کو دھویا جائے۔ یہ بھی جائز ہے کہ بعض کو ایک بار بعض کو دو بار بعض کو تین بار دھویا جائے۔

(۴) واؤ مطلق جمع کے لئے ہے ترتیب کے لئے نہیں۔ اس لئے اس کا مطلب یہ نہیں کہ سر کا مسح پیچھے گدی کی طرف سے شروع کیا بلکہ یہی ہوا کہ سر کے اگلے حصے سے شروع فرمایا۔ پہلے ہاتھ آگے سے پیچھے لے گئے پھر پیچھے سے آگے لائے جیسا کہ بعد میں تصریح ہے۔

ع۵ ایضاً۔ بعد الحدیث متصلا باب غسل الرجلین الی الکعبین۔ باب من مضمض و استنشق من غرفۃ واحدۃ باب مسح الراس مرۃ جلد ۱ ص ۳۲۔ باب الغسل والوضوء فی المخضب والقدح جلد ۱ ص ۳۲۔ باب الوضوء من التور جلد ۱ ص ۳۳۔ مسلم، طھارت جلد ۱ ص ۱۲۳۔ ابوداؤد باب صفۃ وضوء النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جلد ۱ ص ۱۹۔ ترمذی، باب من توضأ بعض وضوئہ مرتین وبعضہ ثلثا جلد ۱ ص ۱۰ نسائی باب حد الغسل۔ وباب صفۃ مسح الراس جلد ۱ ص ۲۸۔ ابن ماجہ، باب الوضوء من الصفر ص ۳۷ موطاء امام مالک باب ابتداء الوضوء ص ۴۶۔

40

ت (۴۲)

اَمَرَ جَرِیْرُ بْنُ عَبْدِاللهِ اَھْلَهٗ اَنْ یَّتَوَضَّؤُا بِفَضْلِ سِوَاکِهٖ [1]

حضرت جریر بن عبداللہ نے اپنے اہل کو حکم دیا کہ مسواک کرنے سے جو پانی بچ گیا ہے اس سے وضو کریں۔

تشریحات ت (۴۲)

امام بخاری نے یہاں باب یہ باندھا ہے۔ لوگوں کے وضو کرنے کے بعد جو پانی بچ جائے اس کے استعمال کا حکم۔ یہاں تین لفظ ہیں۔ استعمال۔ فضل۔ وضو۔ ان تینوں میں کئی کئی پہلو ہیں۔ استعمال سے مراد کھانا، پینا، نجاست حقیقی دور کرنا، نجاست حکمی دور کرنا، یعنی وضو یا غسل کرنا، تبرید یعنی ٹھنڈک حاصل کرنے کے لئے، تبریک یعنی برکت حاصل کرنے کے لئے بدن پر ملنا، سب ہو سکتا ہے۔

فضل کے معنی بچا ہوا پانی۔ اس کی دو صورتیں ہیں۔ وضو یا غسل کے بعد برتن میں جو پانی بچ گیا۔ وضو یا غسل کرتے وقت جو پانی اعضا سے گر کر جمع ہوا۔ وضو۔ ایک بے وضو کا ہے ایک باوضو کا۔ امام بخاری کی کیا مراد ہے۔ یہ کسی طرح ظاہر نہیں ہو پاتی۔ پھر ان مختلف احتمالات کو اکٹھا کیا جائے تو بہت سی صورتیں ایسی نکلتی ہیں جو متفق علیہ ہیں مثلاً فضل سے مراد وہ پانی لیا جائے جو وضو و غسل کے بعد برتن میں بچ رہے۔ یہ بالاتفاق طاہر بھی ہے اور مطہر بھی۔ جب امام بخاری کی مراد ہی نہیں معلوم تو تعلیق اور احادیث کے باب سے مطابق ہونے کی تقریر ہی نہیں ہو پائیگی اور ہر احتمال کو بیان کر کے سب پر مطابقت و عدم مطابقت کی بحث طول عمل ہونے کے ساتھ ساتھ لاطائل ہے، ائمہ کے مابین مختلف فیہ ماء مستعمل کا مسئلہ ہے۔ ہمارا گمان یہ ہے کہ امام بخاری کی مراد یہی ہوگی۔ یعنی ماء مستعمل کے استعمال کا حکم۔

ماء مستعمل کی تعریف ماء مستعمل کی تعریف میں بھی اختلافات ہیں۔ مگر صحیح و مختار تعریف یہ ہے۔ وہ قلیل پانی جس سے حدث دور کیا گیا ہو یا دور ہوا ہو یا بہ نیت تقرب استعمال کیا گیا ہو۔ اور بدن سے جدا ہو گیا ہو اگرچہ کہیں ٹھہرا نہیں روانی ہی میں ہو، مثلاً جسم سے جدا ہو کر زمین تک نہیں پہنچا۔ درمیان ہی میں ہے۔ ماء مستعمل کی تعریف، حکم اور اس سے متعلق اور ابحاث کے لئے فتاوی رضویہ جلد اول میں رسالہ مبارکہ "الطرس المعدل فی حد الماء المستعمل" از صفحہ ۲۳ تا صفحہ ۲۶۰ کا مطالعہ کریں۔

حکم ماء مستعمل کا حکم کیا ہے اس بارے میں ائمہ مذاہب مختلف ہیں۔ امام مالک اسے طاہر مطہر مانتے ہیں اور غالباً

---

[1] ابن ابی شیبہ و دار قطنی۔

امام بخاری کا بھی یہی مذہب ہے۔ امام شافعی طاہر غیر مطہر مانتے ہیں۔ یعنی خود تو پاک ہے مگر نجاست حکمیہ دور کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتا۔ امام زفر و امام محمد کی روایت کے مطابق یہی حضرت امام اعظم کا بھی مذہب ہے۔ احناف کا یہی مختار و مفتی بہ ہے۔ امام اعظم سے دو روایتیں اور بھی آئی ہیں۔ ایک یہ کہ یہ نجس ہے مگر نجاست خفیفہ ہے۔ یہ حضرت امام ابو یوسف کی روایت ہے۔ دوسرے یہ کہ نجاست مغلظہ ہے۔ یہ امام حسن بن زیاد کی روایت ہے یہ مختلف روایتیں اصل میں وضو کرنے والوں کے احوال کے اعتبار سے ہیں۔ احادیث میں وارد ہے کہ وضو کرنے سے متوضی کے گناہ دھل جاتے ہیں۔ حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ عارف باللہ صاحب کشف بزرگ تھے۔ انھوں نے وضو کرنے والوں کے مختلف احوال دیکھے اس کے مطابق حکم بیان فرمایا۔ وضو کے پانی سے جن کے کبائر جھڑتے دیکھا اسے نجاست غلیظہ فرمایا۔ جن کے صغائر دھلتے دیکھا اسے نجاست خفیفہ بتایا۔ اور جن کے مکروہات دھلتے دیکھا اسے طاہر غیر مطہر فرمایا، میزان الشریعۃ الکبریٰ میں امام عبدالوہاب شعرانی حضرت سیدنا علی خواص رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے نقل فرماتے ہیں کہ انھوں نے فرمایا

امام اعظم ابو حنیفہ کے مدارک بہت دقیق ہیں۔ ان پر اکابر اولیاء اہل مشاہدہ ہی مطلع ہو سکتے ہیں۔ امام ابو حنیفہ وضو سے وضو کرنے والوں کے جو گناہ دھل کر گرتے اسے پہچان لیتے۔ اسی لئے انھوں نے ماء مستعمل کے تین درجے رکھے ہیں۔ ایک بار کوفے کی جامع مسجد میں تشریف لے گئے ایک جوان کو حوض میں وضو کرتے دیکھا۔ دھوون جب گرا تو اس سے کہا! اے بیٹے! ماں باپ کو ایذا دینے سے توبہ کر اس نے فوراً توبہ کی۔ دوسرے کا دھوون دیکھا تو اس سے فرمایا، اے بھائی زنا سے توبہ کر، ایک اور کو دیکھا تو اس سے فرمایا، شراب پینے، مزامیر سے توبہ کر، ان دونوں نے بھی توبہ کی۔ یہ دونوں بزرگ شافعی تھے۔

تعلیق کی توجیہہ حضرت جریر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس ارشاد میں بھی تین احتمال ہیں۔ وہ پانی جس میں مسواک کرنے سے پہلے مسواک بھگوتے تھے وہ پانی مسواک کرتے وقت جس میں مسواک ڈالتے تھے۔ وہ پانی جسمیں مسواک کرنے کے بعد مسواک رکھتے تھے۔ حضرت جریر کی مراد دوسری صورت ہے جیسا کہ بعض اسی تعلیق کے طرق میں ہے کہ وہ مسواک کرتے جاتے اور پانی میں بھی ڈالتے اور یہ کہتے اس سے وضو کرو۔ اور دار قطنی میں بافادۂ تصحیح یہ روایت ہے کہ وہ اپنے اہل سے فرماتے، اس پانی سے وضو کرو جس میں مسواک ڈالتا ہوں۔ دار قطنی ہی نے حضور اقدس صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا بھی بعینہ یہ ارشاد نقل فرمایا ہے، اگرچہ اس کی سند میں کچھ ضعف ہے۔

اب سوال یہ ہوتا ہے کہ اگر یہ مان لیا جائے کہ امام بخاری کی مراد وہی ہے جو میرا گمان ہے تو اس تعلیق کو باب سے کوئی لگاؤ نہیں۔ اولاً اس لئے کہ خود مسواک مُحدِث نہیں ہوتی۔ منھ میں آنے کے بعد منھ کا لعاب اس میں لگا ضرور مگر اس سے

حدیث (۱۴۰)

فجعل الناس یاخذون من فضل وضوئہ

سَمِعْتُ اَبَا جُحَیْفَۃَ یَقُوْلُ خَرَجَ عَلَیْنَا النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ

حکم نے کہا۔ میں نے حضرت ابو جحیفہ سے سنا وہ فرماتے تھے کہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سخت گرمی میں باہر ہم میں

بِالْھَاجِرَۃِ فَاُتِیَ بِوَضُوْءٍ فَتَوَضَّاَ فَجَعَلَ النَّاسُ یَاْخُذُوْنَ مِنْ فَضْلِ وَضُوْئِہٖ

تشریف لائے۔ خدمت اقدس میں وضو کا پانی حاضر کیا گیا حضور نے وضو فرمایا

بھی مسواک میں حدث کا کوئی اثر نہیں پہنچا اس لئے کہ منہ میں حدث کا اثر ہوتا ہی نہیں۔ وضو میں کلی کرنا فرض نہیں سنت ہے۔ ثانیاً اگر یہ کہا جائے کہ امام بخاری کے یہاں کلی کرنا فرض ہے۔ ان کے نزدیک منہ میں بھی حدث کا اثر ہوتا ہے۔ یا یہ تکلف کیا جائے کہ حضرت جریر کا یہ ارشاد حالت جنابت میں مسواک کرنے کی صورت میں تھا تو عرض ہے کہ ماء مطلق غیر مستعمل میں اگر ماء مستعمل مل جائے اور ماء مستعمل بہ نسبت غیر مستعمل کے کم ہو تو کل پانی مستعمل نہیں ہوگا۔ ظاہر ہے کہ مسواک میں منھ کا لعاب بہ نسبت پانی کے بہت ہی کم ہوگا۔ پھر اس تقدیر پر بھی کل پانی مستعمل ہو جائے یہ سمجھ میں نہیں آتا۔

ہاں اگر امام بخاری کی باب سے مراد یہ لی جائے کہ وہ پانی جو کسی طرح استعمال میں آیا ہو، خواہ وہ فقہ کی اصطلاح میں مستعمل ہو خواہ نہ ہو تو بات بن جائیگی مگر اس میں کوئی خاص افادہ نہ ہوگا۔ اس سے امام بخاری کے مقلدین کی یہ ہوائی ہوا ہو گئی کہ یہ باب احناف کے رد کے لئے ہے، یہ احناف کے مذہب سے ناواقفی کی بنا پر ہے۔ حضرت جریر کے ارشاد کے مطابق ہمارا بھی یہی مذہب ہے کہ اگر کسی پانی میں مسواک ڈال ڈالکر کیا جائے تو وہ ماء مستعمل نہیں رہتا۔ طاہر بھی ہے اور مطہر بھی۔ ماء مستعمل وضو یا غسل کے کام کا نہیں، مگر اس سے بدن یا کپڑے پر لگی ہوئی نجاست حقیقی دور کر سکتے ہیں اسے تبرید کے لئے استعمال کرسکتے ہیں مگر اس کا پینا مکروہ ہے۔

تشریحات (۱۴۰)

(۱) تکمیل خود بخاری اور مسلم میں یہ حدیث کچھ زیادتی کے ساتھ مروی ہے۔ ان سب کا ماحصل یہ ہے کہ حضرت ابو جحیفہ کہتے ہیں کہ جب حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مکے میں تھے تو میں خدمت اقدس میں حاضر ہوا حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم چمڑے کے سرخ رنگ کے گول خیمے میں بطحا میں تشریف فرما تھے۔ عصر سے کچھ پہلے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم باہر تشریف لائے بلال وضو کا پانی لائے اور حضور نے وضو فرمایا۔ حاضرین وضو

فيتمسحون به فصلى النبى صلى الله تعالى عليه وسلم الظهر

لوگ آپ کے غسالہ کو لے لے کر ملنے لگے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ظہر بھی دو رکعت

ركعتين والعصر ركعتين وبين يديه عنزة [1]

پڑھی اور عصر بھی دو رکعت پڑھی اور حضور کے سامنے چھوٹا نیزہ تھا۔

حدیث (۱۴۱)

فشربت من وضوءه

سمعت السائب بن يزيد يقول ذهبت بى خالتى الى النبى صلى الله

سائب بن یزید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ میری خالہ مجھے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

کے غسالہ کو لینے کے لئے ٹوٹ پڑے، غسالہ مبارکہ لے کر لوگ اپنے اپنے چہروں پر ملنے لگے، جسے مل جاتا ملتا جاتا، جسے نہیں ملتا وہ پانے والے کے ہاتھ کی تری لے لیتا اور ہاتھ اپنے چہروں پر ملتا۔ حضرت بلال نے اذان کہی۔ جدھر وہ منھ گھماتے میں بھی گھماتا۔ یعنی دائیں بائیں، حی علی الصلوٰۃ و حی علی الفلاح کہتے وقت۔ پھر چھوٹا نیزہ بلال نے گاڑا۔ حضور آگے بڑھے اور دو رکعت ظہر پڑھی اور عصر بھی دو رکعت پڑھی۔ حضور کے آگے چھوٹا نیزہ تھا اس نیزہ کے آگے عورت اور گدھے گزرتے رہتے جب نماز ہو چکی تو لوگ حضور کے دست مبارک کو لے کر اپنے اپنے چہروں پر ملنے لگے میں نے بھی دست اقدس لیا اور اپنے چہرے پر رکھا، دست مبارک برف سے زیادہ ٹھنڈا اور مشک سے زیادہ خوشبودار تھا۔

اس حدیث کو بھی باب سے کوئی مناسبت نہیں۔ اس لئے کہ جب حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے فضلات مبارکہ طاہر ہیں تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے غسالہ مبارکہ کی نجاست کا کوئی سوال ہی نہیں۔ وہ بہرحال پاک ہوگا۔ یہاں بحث انبیاء کرام کے استعمال کردہ پانی کی نہیں، امتیوں کے استعمال کردہ اس پانی کی ہے جو فقہی طور پر مستعمل ہو چکا ہو۔

تشریحات (۱۴۱)

(۱) سائب بن یزید رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان کی کنیت ابو یزید ہے۔ ان کے نسب میں اختلاف ہے۔ کسی نے کندی بتایا کسی نے ازدی کسی نے کنانی کسی نے لیثی کسی نے سلمی ہذلی کہا ہے۔ زیادہ مشہور یہ ہے کہ یہ کندی ہیں، ہجرت کے

---

[1] ایضاً، صلاۃ باب الصلوٰۃ الی العنزۃ ج ۱ ص ۷۱، باب السترۃ بمکۃ وغیرہا ج ۱ ص ۷۲، مناقب صفۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم ج ۱ ص ۵۰۲، مسلم، صلوٰۃ باب السترۃ للمصلی ج ۱ ص ۱۹۵، ۱۹۶۔ نسائی، طہارت الانتفاع بفضل الوضوء ص ۳۳

تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقَالَتْ، یَارَسُوْلَ اللّٰہِ اِنَّ ابْنَ اُخْتِیْ وَقِعٌ فَمَسَحَ
کی خدمت میں لے گئیں پھر عرض گزار ہوئیں یا رسول اللہ یہ بھانجا بیمار ہے اس کے پاؤں میں درد ہے
رَأْسِیْ وَدَعَالِیْ بِالْبَرَکَۃِ، ثُمَّ تَوَضَّأَ فَشَرِبْتُ مِنْ وَضُوْئِہٖ، ثُمَّ
حضور نے میرے سر پر ہاتھ پھیرا اور میرے لئے برکت کی دعا کی۔ پھر حضور نے وضو فرمایا میں نے غسالہ مبارکہ پیا۔

دوسرے سال پیدا ہوئے۔ حجۃ الوداع کے موقع پر اپنے باپ کے ساتھ شریک تھے اس وقت ان کی عمر سات سال تھی۔ اس سے معلوم ہوا کہ ان کی ولادت سنہ ۳ھ میں ہوئی۔ غزوۂ تبوک کے موقع پر جب حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مدینہ واپس ہوئے اور مدینہ طیبہ والوں نے شاندار خیر مقدم کیا تو بچوں کے ساتھ یہ بھی استقبال کرنے والوں میں تھے۔

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کو اور عبد اللہ بن مسعود بن عتبہ اور سلیمان بن ابی خیثمہ کو مدینہ طیبہ کے بازار کا عامل بنایا تھا۔ الاستیعاب میں ان کی عمر چورانوے یا چھیانوے سال لکھی ہے۔ اس حساب سے یہ ۹۰ھ یا ۹۲ھ میں واصل بحق ہوئے۔ ویسے ان کا سن وصال سن اسی یا اکیانوے لکھا ہے۔ مگر عمر اکانوے یا چورانوے یا چھیانوے سال لکھی ہے جو کسی طرح درست نہیں۔ اصابہ میں یہ بھی ہے کہ مدینہ طیبہ میں وصال فرمانے والے صحابہ میں یہ سب سے آخر ہیں۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے علاوہ اپنے والد حضرت یزید اور حضرت عمر، حضرت عثمان، حضرت عبد اللہ بن السعدی، اپنے ماموں حضرت علاء بن الحضرمی حضرت طلحہ حضرت سعد وغیرہ سے بھی احادیث روایت کی ہیں۔ ان سے امام زہری، یحییٰ بن سعید وغیرہ نے روایت کی ہے۔ ان سے پانچ احادیث مروی ہیں اور سب بخاری نے ذکر کی ہیں [۱]

(۲) **لغات** وَقِعٌ، یہ وَقِعَ بھی مروی ہے ماضی کا صیغہ یعنی بیمار ہے۔ اور وَقِعٌ، اسم فاعل، اس کے پاؤں میں درد ہے۔ کریمہ کی روایت میں وَجِعٌ ہے۔ یہی اکثر روایت ہے یعنی بیمار ہے الخ، ذھب بہ اور اذھبہ میں فرق یہ بتایا جاتا ہے کہ اذھبہ کے معنی بھی لے جانے کے ہیں مگر یہ مٹانے کے ہم معنی ہے۔ اور ذھب بہ کے معنی ساتھ لیجانے کے ہیں، مگر یہ درست نہیں، قرآن مجید میں ہے ذھب اللّٰہ بنورھم۔ یہاں مٹانے کے معنی میں ہے۔ زِرٌّ، گھنڈی کو بھی کہتے ہیں اور انڈے کو بھی۔ الحجلۃ، دلہن کے لئے گول خیمے کی طرح خوبصورت عمدہ کپڑوں سے جو مکان بناتے تھے جن میں آرائش کے لئے بڑی بڑی گھنڈیاں لگاتے تھے اسے حجلہ کہتے ہیں اور حجلہ چکور پرندے کو بھی کہتے ہیں۔ ہم نے دونوں کی رعایت کرتے ہوئے دونوں ترجمہ کیا ہے۔ ثانی کو ترجیح ہے اس لئے کہ حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت میں کبوتر کے انڈے کے مثل وارد ہے۔ یہاں تمثیل صرف مقدار میں ہے۔

---

[۱] اصابہ الاستیعاب، جلد دوم، عینی جلد ثالث ص ۷۷،

قمت خلف ظهره فنظرت الى خاتم النبوة بين كتفيه مثل زر الحجلة

پھر حضور کے پیچھے کھڑا ہوا میں نے حضور کے دونوں شانوں کے درمیان حجلہ عروسی کی گھنڈی کے مانند یا چکور کے انڈے کے مانند

مہر نبوت کو دیکھا۔

تکمیل باب صفۃ النبی صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں، محمد بن عبد اللہ کا یہ قول نقل کیا ہے

الحجلة من حجل الفرس الذی بین عینیه [1] یہ حا کے ضمے اور جیم کے سکون کے ساتھ ہے۔ یہ حجل الفرس سے لیا گیا ہے یعنی وہ سپیدی جو گھوڑے کے دونوں آنکھوں کے درمیان ہوتی ہے۔

علامہ ابن حجر نے مقدمے میں فرمایا کہ یہ خطا ہے کیونکہ حجل الفرس اس سپیدی کو کہتے ہیں جو گھوڑے کے پاؤں میں ہوتی ہے نیز وہیں ابراہیم بن حمزہ سے جو روایت ہے وہ رزالحجلہ ہے پہلے را مہملہ پھر زا معجمہ۔ امام بخاری نے فرمایا کہ یہی صحیح ہے۔ زِرّ کے معنی گھنڈی کے ہیں۔ انڈا اس کا لازم معنی ہوگا۔ رِزّ کے معنی انڈے کے ہیں، گھنڈی اس کا لازم معنی ہوگا۔ امام بخاری نے جو یہاں فرمایا کہ رِزّ صحیح ہے۔ غالباً یہ اس بنا پر کہ وہ حجلہ سے پرندہ مراد لیتے ہیں۔

وہیں یہ روایت بھی ہے جعید بن عبد الرحمن نے کہا میں نے، سائب بن یزید کو چورانوے سال کی عمر میں دیکھا وہ بہت تندرست میانہ قد تھے۔ انھوں نے مجھے بتایا کہ مجھے یہ کان اور آنکھ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی دعا کی برکت سے ملے ہیں۔ میری خالہ خدمت اقدس میں لے گئیں اور عرض کیا یہ میرا بھانجہ بیمار رہتا ہے، اس کے لئے دعا فرما دیں تو حضور نے میرے لئے دعا فرمائی۔

خاتم نبوت حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دونوں شانوں کے درمیان، بائیں شانے کی نرم ہڈی کے نیچے مہر نبوت تھی، اس سلسلے میں دس صحابۂ کرام سے احادیث مروی ہیں۔ جو باعتبار معنی مشہور ضرور ہیں، البتہ اس کی تفصیل میں الفاظ مختلف آئے ہیں۔ بخاری میں جو وارد ہے وہ دو معنی کا احتمال رکھتا ہے۔ ایک یہ کہ وہ حجلۂ عروسی کی گھنڈی کی طرح تھی۔ یا چکور کے انڈے کے مثل۔ مسلم شریف میں حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت میں ہے۔ کبوتر کے انڈے کے برابر تھی جس کا رنگ جسم اقدس کے جیسا تھا۔ ترمذی میں انھیں کی حدیث میں ہے کہ سرخ رنگ، سخت گوشت کا ایک ابھار کبوتر کے انڈے کے برابر تھا۔ نیز مسلم میں حضرت عبد اللہ بن سرجس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ بائیں مونڈھے

---

[1] ایضا صفة النبی باب وباب خاتم النبوة ج ۱ ص ۵۰۱۔ دعوات باب الدعاء للصبیان بالبرکة ج ۲ ص ۹۴۰۔ مرضی، باب من ذهب بالصبی المریض لیدعی له ج ۲ ص ۸۴۷۔ مسلم، فضائل، باب اثبات خاتم النبوة ج ۲ ص ۲۵۹، ترمذی، فضائل باب فی خاتم النبوة ج ۲ ص ۲۰۵۔

[2] بخاری ج ۱ ص ۵۰۱۔

کی نرم پتلی ہڈی کے پاس ایک مٹھی ابھرے ہوئے تل تھے۔ مسند امام احمد میں حضرت ابو رمثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث میں ہے۔ سیب کے مثل تھی۔ شمائل ترمذی میں حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث میں ہے۔ ابھرا ہوا گوشت تھا۔ حاکم کی حدیث میں ہے، کچھ بال اکٹھے تھے۔ عمرو بن اخطب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث میں ہے۔ مہر کے مثل تھی۔ تاریخ نیشاپور میں ہے۔ گوشت کی "گولی" کے مثل تھی جسمیں گوشت ہی سے لکھا تھا محمد رسول اللہ ابن عابد کی مولد میں ہے۔ کہ یہ ایک چمکدار نورانی شئی تھی۔ اس کے علاوہ اور بھی الفاظ آئے ہیں۔ ان سب کا خلاصہ یہ نکلا کہ مہر نبوت کبوتر یا چکور کے انڈے کے برابر تھی، جو جسم اقدس سے ابھری ہوئی تھی۔ اسمیں سیاہ تلوں کے مثل ابھار سے محمد رسول اللہ لکھا ہوا تھا۔ اس سے نور چمکتا تھا۔ اس کا اصل رنگ وہی تھا جو جسم اقدس کا تھا یعنی سرخ سفید مگر سیاہ ابھار سے محمد رسول اللہ بنا ہوا تھا۔ اس پر بال بھی تھے۔

حضرت ام المومنین عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ وصال کے بعد مہر نبوت اٹھالی گئی تھی۔ یہ بائیں شانے کے متصل گردن کی جڑ کے قریب تھی۔ یہ مہر نبوت پیدائشی تھی یا بعد میں لگائی گئی، دونوں قول ہیں، تفصیل عینی میں مذکور ہے۔

یہ مہر نبوت، حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ان خصوصی نشانیوں میں ہے جو کتب سابقہ میں مرقوم تھیں حضرت سلمان فارسی نے جب دوسرے دن ہدیہ پیش فرمایا حضور نے اسے قبول فرما لیا، تو انھوں نے پشت مبارک میں مہر نبوت دیکھی اور ایمان لائے۔[1]

بحیرا راہب نے کہا:۔

انی اعرفه بخاتم النبوة اسفل من غضروف كتفه مثل التفاحة [2]	میں انھیں مہر نبوت سے پہچانتا ہوں جو ان کے شانے کی نرم ہڈی کے نیچے سیب کی طرح ہے۔

مدارج میں ہے کہ دیگر انبیاء کرام کے ہاتھوں میں مہر نبوت ہوتی تھی مگر حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پشت مبارک میں تھی۔ یہ اشارہ ختم نبوت کی طرف تھا۔ علامہ عینی نے فرمایا کہ جہاں مہر نبوت تھی وہیں سے شیطان کی مداخلت ہوتی ہے۔ مہر نبوت کی وجہ سے شیطان کی مداخلت کی گنجائش نہ رہی۔

مطابقت باب سے مطابقت کی صرف یہی ایک صورت ہے کہ "من وضوئہ" سے مراد وہ پانی لیا جائے جو وضو کرتے وقت گرتا ہے اور حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو عام انسانوں کی صف میں رکھا جائے اور

---

[1] شمائل ترمذی [2] ترمذی باب فی بدأ النبوۃ ج ۲ ص ۲۰۲،

ت (۴۳)

توضأ عمر رضي الله تعالى عنه بالحميم ومن بيت نصرانية¹ ²

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے گرم پانی اور نصرانی عورت کے گھر کے پانی سے وضو فرمایا

یہ دونوں باتیں ممنوع ہیں۔ وضو کے معنی میں یہ بھی احتمال ہے کہ مراد وہ پانی ہو جو وضو کے بعد بچ گیا ہو۔ اور ہم بتا آئے کہ جب احناف کے نزدیک فضلات مبارکہ تک طاہر ہیں تو ماء مستعمل بدرجہ اولیٰ طاہر ہوگا۔

علاوہ ازیں احناف ماء مستعمل کو نجس نہیں کہتے۔ طاہر مانتے ہیں۔ اس لئے یہ حدیث کسی طرح احناف کے معارض نہیں۔ ہاں یہ کہا جا سکتا ہے کہ احناف ماء مستعمل کا پینا مکروہ بتاتے ہیں اور یہاں حضرت سائب نے یہ ماء متبرک پیا۔ اس کا جواب وہی ہے کہ بحث عام انسانوں کے استعمال کردہ پانی کی ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے استعمال فرمودہ پانی کی نہیں۔ وہ بہر حال طاہر مطہر ہے ظاہر کا بھی مطہر ہے اور باطن کا بھی۔

مسائل | کسی بھی مرض یا تکلیف کے ازالے کے لئے "دم کرانا" جائز ہے، بشرطیکہ جو پڑھ کر دم کیا جائے اسمیں کوئی کلمہ خلاف شرع نہ ہو، علماء صلحاء کے پاس دم کرانے کے لئے لیجانا جائز ہے۔ برکت کیلئے کسی کے سر پہ ہاتھ پھیرنا سنت ہے۔

تشریحات (۴۳)

امام بخاری نے باب یہ باندھا "مرد کا عورت کے ساتھ وضو کرنا اور عورت کے وضو سے بچے ہوئے پانی سے وضو کرنا"۔ باب کے بعد تعلیق مذکور ذکر کی۔ اس تعلیق کا باب سے کیا علاقہ ہے وہ خادم کی سمجھ میں نہیں آیا۔ زیادہ سے زیادہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ ان دونوں پانیوں میں یہ احتمال تھا کہ کسی عورت نے اسے استعمال کیا ہو۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دریافت کر لینا چاہئے تھا تاکہ ان کا شبہہ باقی نہ رہ جاتا۔ شبہات سے بچنا محمود ہے، من اتقی الشبہات فقد استبرأ لدینہ ۔ حضرت عمر نے یہ دریافت نہیں فرمایا تو معلوم ہوا کہ عورت کے استعمال کردہ پانی سے وضو جائز ہے لیکن یہ طفلانہ بات ہے، کیا نصرانیہ کے پانی میں یہ شبہہ نہیں کہ وہ ناپاک ہو حضرت عمر نے یہ دریافت نہیں فرمایا کہ پانی پاک ہے کہ ناپاک، تو کیا کوئی یہ جرأت کر سکتا ہے کہ کہدے کہ ناپاک پانی سے بھی وضو جائز ہے۔

یہ دونوں دو تعلیق ہیں یا ایک۔ کریمہ کی روایت میں واؤ نہیں۔ اس سے شبہہ ہوتا ہے کہ یہ ایک ہی تعلیق ہے مگر صحیح یہ ہے کہ یہ دونوں، دو مستقل تعلیق ہیں جیسا کہ علامہ عینی نے تحقیق فرمائی۔

گرم پانی سے وضو بالاتفاق جائز ہے، صرف امام مجاہد کا اختلاف ہے، وہ کہتے ہیں کہ پانی آگ پر گرم کیا جاتا ہے اور

---

¹ سعید بن منصور و عبد الرزاق ، ² امام شافعی عبد الرزاق ،

حدیث (۱۴۲)

کان الرجال والنساء یتوضؤن جمیعا

عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْھُمَا قَالَ کَانَ الرِّجَالُ وَالنِّسَاءُ
حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے انھوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

آگ جہنم کا جز ہے، وہیں سے آئی ہے جیسا کہ حدیث میں ہے۔

نارکم جزء من سبعین جزء من نار جہنم لہ تمھاری یہ آگ جہنم کی آگ کے ستر جز میں سے ایک جز ہے۔

اس لئے گرم پانی کے استعمال میں ایک گونہ جہنم سے علاقہ ہے۔ عبادات میں یہ علاقہ بھی اچھا نہیں۔ مگر یہ انکا استدلال ظاہر ہے کہ لائق التفات نہیں۔ اگر آگ پر گرم کئے ہوئے پانی کے استعمال میں جہنم سے ایک گونہ علاقہ ہے تو پکے ہوئے کھانے میں بھی یہ علاقہ ہے اس لئے اس سے بھی اجتناب لازم ہے۔ علاقہ جہنم سے مطلقاً اجتناب لازم ہے خواہ عبادات ہوں خواہ معاملات۔ حق یہ ہے کہ آگ اگرچہ جہنم سے آئی ہے مگر یہ بھی نعمت ہے۔ قرآن مجید میں ہے:

اَفَرَاَیْتُمُ النَّارَ الَّتِیْ تُوْرُوْنَ ۝ ءَاَنْتُمْ اَنْشَاْتُمْ شَجَرَتَهَاۤ اَمْ نَحْنُ الْمُنْشِـُٔوْنَ ۝ (واقعہ) بتاؤ وہ آگ جسے تم جلاتے ہو کیا تم نے اس کا پیڑ پیدا کیا یا ہم پیدا کرنے والے ہیں۔

اگر آگ نعمت نہ ہوتی تو اس کی عطا پر احسان نہیں جتایا جاتا۔

باب کا فائدہ اس عہد میں عورت کی جو حیثیت تھی اسکے پیش نظر اسے یہ اعزاز دینا کہ وہ مرد کے ساتھ وضو یا غسل کرے بہت مستبعد تھا، نیز اس کے بچے ہوئے پانی کو استعمال کرنا مرد کے لئے بہت مشکل تھا۔ علاوہ ازیں کسی کے وضو یا غسل سے بچے ہوئے پانی سے وضو یا غسل کرنا طبیعت پر گراں بھی ہوتا ہے، اس کے ازالے کیلئے یہ باب باندھا۔

غیر مسلم کے گھر کے پانی کو استعمال کرنے میں کوئی حرج نہیں حضوصاً جبکہ دوسرا پانی نہ ہو، اسلئے کہ پانی کی اصل طہارت ہے۔ جب تک دلیل سے یہ ثابت نہ ہو جائے کہ پانی ناپاک ہے اسے پاک ہی مانا جائے گا۔ البتہ دوسرا پانی ہوتے ہوئے کسی کافر کے گھر کا پانی نہ استعمال کیا جائے، یہی بہتر ہے۔

تشریحات (۱۴۲)

مطابقت باب کے پہلے جز پر اس حدیث کی دلالت صریح ہے اور دوسرے جز پر التزامی۔ وہ اس طرح کہ جب عورت نے ایک بار برتن سے پانی لے لیا تو برتن کے باقی ماندہ پانی پر یہ صادق آیا کہ وہ عورت کے

لہ مشکوٰۃ ص ۵۰۲،

يَتَوَضَّؤُنَ فِي زَمَانِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالَىٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَمِيعًا

کے زمانے میں مرد اور عورتیں اکٹھے وضو کرتے تھے

استعمال سے بچا ہوا ہے۔

لیکن امام بخاری نے جتنا حصہ ذکر کیا ہے اسمیں یہ مذکور نہیں کہ مرد اور عورت ایک ہی برتن سے وضو کرتے تھے اسلئے باب کے کسی جزء پر حدیث کی دلالت نہ ہوئی۔ علامہ عینی نے اس کا جواب یہ دیا کہ دار قطنی نے بطریق "محمد بن نعمان"، جو روایت کی ہے اسمیں "من المیضاۃ" زائد ہے۔ نیز قعنبی اور ابن وہب کی روایت میں "فی الاناء الواحد" وارد ہے۔ نیز ابو داؤد میں بطریق ایوب "من اناء واحد" مروی ہے۔ اب بات صاف ہوگئی کہ مرد اور عورت ایک ہی برتن سے وضو کرتے تھے، اور ایک حدیث دوسرے کی تفسیر ہوتی ہے۔

اقول: ہم اس پر کئی بار عرض کر آئے ہیں کہ امام بخاری نے حدیث کا جتنا حصہ ذکر کیا ہے وہ باب کے مطابق نہیں اور گفتگو یہی ہے کہ امام بخاری نے جو حدیث ذکر کی ہے یہ باب کے مطابق نہیں۔ یہ اپنی جگہ درست رہا دوسری کتابوں میں مذکور احادیث سے باب کی مطابقت ہو بھی گئی تو اس سے امام بخاری کو کیا فائدہ۔ ہاں بخاری میں کہیں یہ اضافہ ہوتا تو دوسری بات تھی۔

باب کا فائدہ بعض احادیث میں وارد ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے عورت کے استعمال سے بچے ہوئے پانی سے وضو یا غسل کرنے سے منع فرمایا ہے۔ اسی وجہ سے حضرت سعید بن مسیب اور امام حسن نے فرمایا کہ عورت کے استعمال سے بچے ہوئے پانی سے وضو اور غسل مطلقاً مکروہ ہے۔ داؤد ظاہری اور امام احمد کا ایک قول یہ ہے کہ اگر تنہا عورت نے کوئی پانی استعمال کیا ہو تو بچا ہوا پانی مرد کو استعمال کرنا جائز نہیں۔

احناف اور امام مالک اور جمہور فقہاء کا مذہب یہ ہے کہ مطلقاً بلا کراہت مرد کو یہ پانی استعمال کرنا جائز ہے خواہ عورت نے تنہا استعمال کیا ہو خواہ مرد کے ساتھ۔ خواہ جنبی اور حائضہ ہو خواہ پاک ہو۔ مرد و عورت ساتھ پانی لیں یا آگے پیچھے۔ خواہ پہلے پانی لینا عورت شروع کرے یا مرد۔

جسطرح عورت کے استعمال سے بچے ہوئے پانی سے مرد کو وضو اور غسل جائز ہے اسی طرح عورت کو بھی مرد کے استعمال سے بچے ہوئے پانی سے وضو اور غسل بلا کراہت درست ہے۔

ایک توضیح حدیث کے ظاہر سے متبادر ہوتا ہے کہ جس طرح زوجین اور محارم اکٹھے ہو کر ایک برتن سے وضو کرتے تھے اسی طرح غیر محارم مرد و عورت بھی اکٹھے ہو کر وضو کرتے تھے۔

حدیث (۱۴۳)

صب علی من وضوئہ فعقلت

عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ الْمُنْكَدِرِ قَالَ سَمِعْتُ جَابِرًا يَقُولُ جَاءَ رَسُولُ اللّٰهِ

محمد بن منکدر نے کہا میں نے جابر رضی اللہ عنہ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ میں بیمار تھا رسول اللہ

اس کا ایک جواب یہ ہے کہ یہ، پردے کے حکم سے پہلے کی بات ہے۔ پردے کے حکم کے بعد اجنبی مرد و عورت کا اکٹھے ہوکر وضو کرنا ممنوع ہوگیا اور زوجین اور محارم کا باقی رہا۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ یہ حدیث تعمیم میں قطعی نہیں۔ اس کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ میاں بیوی اور محارم اکٹھے وضو کرتے تھے۔ اس صورت میں بھی یہ کہنا درست ہے کہ عورتیں اور مرد اکٹھے ہوکر ایک برتن سے وضو کرتے تھے۔

تیسرا جواب یہ ہے کہ "جمیعًا" دو معنی میں آتا ہے۔ ایک کلھم کے دوسرے معًا کے جب اسے معًا کے معنی میں لیں گے تو معنی یہ ہوں گے کہ مرد وعورتیں اکٹھے ایک ساتھ وضو کرتی تھیں۔ اور وہ اعتراض وارد ہوگا۔ اور اگر اسے "کلھم" کے معنی میں لیں تو مطلب یہ ہوگا کہ سب لوگ ایک برتن سے وضو کرتے تھے، اگرچہ باری باری یکے بعد دیگرے۔ اب یہ لازم نہیں آیا کہ مرد اور عورتیں ایک ساتھ وضو کرتی تھیں۔ ہوسکتا ہے مرد پہلے وضو کرلیتے ہوں اور عورتیں بعد میں کرتی ہوں یا اس کے برعکس پہلے عورتیں وضو کرلیتی ہوں اور بعد میں مرد کرتے ہوں۔

تشریحات (۱۴۳)

محمد بن منکدر تیمی، قرشی علم و زہد میں جامع مشہور تابعی ہیں۔ یہ ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ماموں، منکدر کے صاحبزادے ہیں۔ ایک دفعہ منکدر، ام المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوئے اور تنگدستی کی شکایت کی حضرت ام المومنین نے فرمایا پہلی فتوحات جو آئے گی وہ تمھاری ہے۔ اتفاق سے پہلی بار دس ہزار درہم آئے یہ سب منکدر کو دیدیا۔ انھوں نے ایک لونڈی خریدی جس سے محمد پیدا ہوے۔ ان کا ۱۲۱ھ میں وصال ہوا۔

لغات کلالۃ۔ زمخشری نے کہا، کلالہ کا اطلاق تین معنوں پر ہوتا ہے۔ وہ شخص جس کی نہ اولاد ہو نہ باپ دادا۔ اولاد اور باپ دادا کے علاوہ دوسرے وارثین۔ والدیت اور ولدیت کے علاوہ دوسرے رشتے۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ، ایسے شخص کے ترکے کو بھی کہتے ہیں جس کے باپ دادا اور اولاد نہ ہو۔ یہاں مراد دوسرا معنی ہے۔

صلی اللّٰہ تعالی علیہ وسلم یعودنی وانا مریض لا اعقل فتوضأ

صلی اللہ تعالی علیہ وسلم میری عیادت کو تشریف لائے مجھے ہوش نہ تھا حضور نے

وصب علیّ من وضوئہ، فعقلت، فقلت یا رسول اللّٰہ، لمن

وضو فرمایا اور وضو سے بچا ہوا پانی مجھ پر ڈالا جس سے میں ہوش میں آگیا۔ میں نے عرض کی یا رسول اللہ

المیراث، انما یرثنی کلالۃ فنزلت آیۃ الفرائض ع۵

میری میراث کس کو ملے گی میرا وارث کلالہ ہے۔ تو آیت فرائض نازل ہوئی۔

جیسا کہ فرائض میں ہے کہ حضرت جابر نے عرض کیا، انما لی اخوات، میری صرف بہنیں ہیں۔ فرائض، فریضۃ کی جمع ہے۔ اس کے معنی مقرر شدہ کے ہیں۔ یہاں میراث میں مقررہ حصہ مراد ہے باب عیادۃ المغمی علیہ میں ہے کہ حضرت ابوبکر بھی ساتھ تھے۔ دونوں حضرات پیدل آئے تھے۔ جب تشریف لائے تو مجھ پر بیہوشی طاری تھی۔

(۱) یہاں دونوں احتمال ہیں کہ وضو سے جو پانی برتن میں بچ گیا تھا اسے ڈالا۔ یا وضو کرنے میں جو پانی اعضاء مبارکہ سے گرا، اسے ڈالا۔ ظاہر دوسرا احتمال ہے اسلئے پہلے پانی میں بھی اگرچہ شفا ہے، مگر جسم اقدس سے مس ہونے کے بعد پانی میں جو بات ہوگی وہ پہلے پانی میں کہاں؟ امام بخاری کا بھی رجحان یہی ظاہر ہو رہا ہے اس لئے کہ وہ اس سے یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ ماء مستعمل پاک ہے، اور مستعمل دوسرا ہی پانی ہے، نہ کہ پہلا ہم بار بار بتا آئے کہ ماء مستعمل کی طہارت کا قول نہ ہمیں مضر اور نہ امام بخاری کا استنباط درست۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالی علیہ وسلم پر عامۂ مومنین کا قیاس، قیاس مع الفارق۔

(۲) یہاں یاء متکلم محذوف ہے جس کے عوض الف لام ہے۔ مراد یہ ہے کہ میری میراث کسے ملے گی جبکہ میرے وارثین میں صرف بہنیں ہیں۔ اس کا بھی احتمال ہے کہ حضرت جابر کا مقصود یہ رہا ہو کہ کیا میں اپنا مال صدقہ کر دوں؟ ایک روایت میں یہ اضافہ ہے کہ حضور نے فرمایا تم اس بیماری میں نہیں مرو گے۔ ع۶

مسائل | حضور اقدس صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کا غسالہ مبارکہ طاہر بھی ہے اور مطہر بھی۔ اس سے ثابت ہوا کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالی علیہ وسلم شافی امراض ہیں۔ علامہ عینی نے اسی حدیث کے تحت لکھا:۔

ع۵ ایضا المرضی باب عیادۃ المغمی علیہ جلد ۲ ص ۸۴۴۔ باب وضوء العائد للمریض جلد ۲ ص ۸۴۷ الفرائض میراث الاخوۃ والاخوات جلد ۲ ص ۹۹۸۔ مسلم، فرائض۔ نسائی۔ طہارت۔ تفسیر طب۔
ع۶ فیوض الباری جلد اول ص ۴۳۲۔

حدیث (۱۴۴)

غسل رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یدیہ ووجہہ فی الماء ومج فیہ

عَنْ اَبِیْ مُوْسٰی اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ دَعَا بِقَدَحٍ

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک پیالہ منگایا

فِیْہِ مَاءٌ، فَغَسَلَ یَدَیْہِ وَوَجْہَہٗ فِیْہِ وَمَجَّ فِیْہِ (وَزَادَ قَبْلَ صَفْحَۃٍ

جسمیں پانی تھا، حضور نے اپنے چہرے اور ہاتھوں کو اس میں دھویا اور اس میں کلی کی۔ پھر ان دونوں

تَعْلِیْقًا) ثُمَّ قَالَ لَھُمَا اِشْرَبَا مِنْہُ وَاَفْرِغَا عَلٰی وُجُوْھِکُمَا وَنُحُوْرِکُمَا [1]

(ابو موسیٰ اور بلال) سے فرمایا اس میں سے کچھ پی لو اور کچھ اپنے چہروں اور سینوں پر ڈال لو۔

ببرکۃ ید رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یزیل کل علۃ۔ [2]

حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دست مبارک کی برکت ہر بیماری کو دور کر دیتی ہے۔

بیماروں کی عیادت سنت ہے۔ بڑوں کو چھوٹوں کی بھی عیادت کرنی چاہیے۔

تشریحات (۱۴۴)

تکمیل پوری حدیث یوں ہے۔ حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں، جب نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جِعِرّانہ میں جو مکے اور مدینے کے درمیان ہے اقامت پذیر تھے۔ میں خدمت اقدس میں حاضر تھا اور بلال بھی ساتھ تھے۔ ایک اعرابی آیا اور عرض کیا، مجھ سے جو وعدہ کیا تھا اسے پورا کرو۔ حضور نے فرمایا تجھے بشارت ہو۔ اعرابی نے کہا۔ آپ اَبْشِرْ بہت کہہ چکے۔ حضور غضبناک حالت میں ابو موسیٰ اور بلال کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا۔ اس نے بشارت رد کر دی تم لوگ قبول کرو۔ ان دونوں نے عرض کیا ہم نے قبول کیا۔ اس کے بعد ایک پیالہ منگایا جسمیں پانی تھا۔ اس پیالے میں اپنے ہاتھوں اور چہرے کو دھویا اور اسمیں کلی کی، پھر فرمایا، تم دونوں اسمیں سے کچھ پی لو اور کچھ اپنے چہرے اور سینے پر ڈال لو۔ ان دونوں نے پیالہ لیا اور تعمیل حکم کیا۔ ام المومنین حضرت ام سلمہ (پردے میں تشریف فرما تھیں) پردے ہی میں سے فرمایا اپنی ماں کیلئے بھی بچا لینا۔ ان لوگوں نے ان کے لئے تھوڑا سا بچا لیا۔

تسامح اس حدیث کے ابتدائی حصے میں یہ ہے کہ مکے اور مدینے کے درمیان جعرّانہ میں فروکش تھے۔

---

[1] ایضا مغازی: باب غزوۃ طائف جلد ثانی ص ۶۲۰۔ مسلم باب من فضائل ابی موسیٰ وابی عامر جلد ثانی ص ۳۰۳۔

[2] جلد ثالث ص ۸۷۔

حدیث (۱۴۵)

اذا اشتدّ وجع النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم

اَخْبَرَنِیْ عُبَیْدُ اللّٰہِ بْنُ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ عُتْبَۃَ اَنَّ عَائِشَۃَ قَالَتْ

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا نے کہا

حالانکہ جعرّانہ مکے اور مدینے کے مابین نہیں مکہ معظمہ اور طائف کے درمیان ہے۔ [۱]

مطابقت | یہ حدیث پہلے تعلیقا، باب استعمال فضل وضوالناس میں ذکر فرمائی تھی۔ اس حدیث میں وضو کا ذکر نہیں صرف ہاتھ اور منھ دھونے کا تذکرہ ہے۔ اس لئے بظاہر یہ باب کے مطابق نہ ہوئی، علامہ عینی نے فرمایا جب اس پیالے میں ہاتھ اور منھ دھویا تو پانی مستعمل ہوگیا اور اسے استعمال فرمایا تو ثابت ہوگیا کہ ماء مستعمل کا استعمال درست ہے۔ وضو سے بھی پانی مستعمل ہی ہوتا ہے۔ تو جیسے یہ ماء مستعمل لائق استعمال ہے اسی طرح وضو کرنے سے جو پانی مستعمل ہو وہ بھی لائق استعمال ہے۔ اس پر ہم بار بار عرض کر چکے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا استعمال فرمودہ پانی خارج از بحث ہے۔ اس لئے اس سے عام لوگوں کے استعمال کردہ پانی کے لائق استعمال ہونے پر استدلال ساقط۔ پھر اس حدیث کو مسندًا باب الغسل والوضو فی المخضب والقدح میں ذکر فرمایا۔ اس حدیث میں نہ وضو کا ذکر ہے نہ غسل کا۔ اس لئے اس باب سے بھی اس حدیث کو کوئی مطابقت نہیں۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے برکت کے لئے اس میں ہاتھ اور منھ دھویا پھر کلی کی۔ غسل تو بہت دور ہے وضو بھی مذکور نہیں۔

تشریحات (۱۴۵) تکمیل: باب انما جعل الامام لیوتم بہ میں یوں مذکور ہے کہ عبید اللہ نے کہا میں حضرت ام المومنین کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا۔ کیا آپ ہم سے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے مرض کے حالات نہیں بیان فرمائیں گی؟ ارشاد فرمایا ضرور بیان کروں گی۔ جب نبی صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا مرض بہت بڑھ گیا۔ دریافت فرمایا لوگوں نے نماز پڑھ لی، ہم نے عرض کیا نہیں یارسول اللہ، لوگ آپ کا انتظار کر رہے ہیں۔ حکم دیا کہ میرے لئے لگن میں پانی رکھو، ہم نے ایسا کیا۔ حضور نے غسل فرمایا۔ چاہا کہ کھڑے ہوجائیں کہ بیہوش ہو گئے۔ جب افاقہ ہوا تو پھر پوچھا۔ لوگ نماز پڑھ چکے ہم نے عرض کیا نہیں یارسول اللہ لوگ آپ کا انتظار کر رہے ہیں، پھر فرمایا، میرے لئے لگن میں پانی رکھو، ہم نے رکھا حضور نے غسل فرمایا، غسل سے فارغ ہو کر چاہا کہ کھڑے ہوں کہ پھر بیہوش ہو گئے۔ کچھ دیر کے بعد ہوش میں آئے تو پھر پوچھا، لوگوں نے نماز پڑھ لی، ہم نے عرض کیا، نہیں یارسول اللہ! لوگ آپ کا انتظار کر رہے ہیں۔ فرمایا میرے لئے لگن میں پانی رکھو۔ ہم نے رکھا تو اٹھ کر بیٹھ گئے۔ اور غسل فرمایا۔ غسل کے بعد چاہا کہ کھڑے ہوں کہ پھر بیہوش ہو گئے۔ پھر افاقہ ہوا تو دریافت فرمایا، لوگ نماز پڑھ چکے، ہم نے عرض کیا نہیں یارسول اللہ! لوگ آپ کا انتظار کر رہے ہیں۔ لوگ مسجد میں عشاء کی

[۱] قسطلانی، نولکشور۔ باب غزوۂ طائف جلد سادس ص ۳۳۳۔

لَمَّا ثَقُلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاشْتَدَّ بِهٖ وَجَعُهٗ اِسْتَاذَنَ اَزْوَاجَهٗ

جب نبی صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بیمار ہوئے اور آپ کی بیماری شدت اختیار کر گئی تو حضور نے

فِي اَنْ يُّمَرَّضَ فِيْ بَيْتِيْ، فَاَذِنَّ لَهٗ، فَخَرَجَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

اپنی ازواج سے اجازت چاہی کہ میرے گھر میں حضور کی تیمارداری کیجائے، سب نے حضور کو اجازت دیدی، اس کے بعد

نماز کے لئے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا انتظار کر رہے تھے۔ حضور نے ایک شخص کو ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس بھیجا کہ وہ نماز پڑھادیں۔ فرستادہ (حضرت بلال) ابوبکر کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان کو فرمان پہنچا دیا۔ حضرت ابوبکر رقیق القلب انسان تھے حضرت عمر سے کہا تم نماز پڑھاؤ۔ حضرت عمر نے کہا آپ اس کے زیادہ حقدار ہیں۔ ان دنوں، (تین دن) ابوبکر نے نماز پڑھائی۔ اس کے بعد حضور نے مرض میں کچھ تخفیف محسوس کی تو ظہر کی نماز کے لئے حضرت عباس اور ایک اور شخص کے سہارے مسجد میں تشریف لائے، اور ابوبکر لوگوں کو نماز پڑھا رہے تھے۔ جب ابوبکر نے تشریف آوری کو محسوس کیا تو پیچھے ہٹنے لگے۔ حضور نے اشارہ فرمایا کہ اپنی جگہ رہو پیچھے نہ ہٹو۔ اور سہارا دینے والوں کو حکم دیا کہ مجھے ابوبکر کے پہلو میں بیٹھا دو۔ ان لوگوں نے ان کے پہلو میں حضور کو بائیں طرف بیٹھا دیا۔ ابوبکر حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اقتدا میں نماز پڑھ رہے تھے اور لوگ ابوبکر کی اقتدا میں۔ ایک روایت میں ہے کہ نماز کے بعد حضور نے خطبہ دیا۔ مرض وصال اور حضرت ابوبکر کو امام بنانے کی پوری تفصیل اس کے باب میں آئے گی۔ یہاں صرف حدیث عبید اللہ بن عبد اللہ کی تکمیل مقصود ہے۔ اس حدیث سے متعلق ابحاث بھی وہیں مذکور ہوں گی۔

ایک توجیہ حضرت ام المومنین نے حضرت علی کا نام نہیں لیا۔ اس کی علت عام شراح یہ بتاتے ہیں کہ واقعہ افک میں چونکہ حضرت ام المومنین کی صفائی کے ساتھ ساتھ یہ بھی کہدیا تھا کہ ان کے علاوہ اور بہت سی عورتیں ہیں۔ اس کی وجہ سے ام المومنین حضرت علی سے کبیدہ خاطر تھیں۔ اسی طرح یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ واقعہ جمل کیوجہ سے آزردہ خاطر تھیں۔ اس پر اس خادم کی عرض یہ ہے کہ حضرت ام المومنین کی ذات اس سے بہت بلند ہے کہ وہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کینہ رکھیں۔ اصلی معاملہ یہ ہے کہ اس بارے میں روایات مختلف ہیں۔ کسی میں فضل بن عباس کا نام ہے کسی میں حضرت اسامہ کا، کسی میں بریرہ اور لوبہ کا۔ ہوسکتا ہے حضرت علی اور حضرت اسامہ، حضرت فضل بن عباس نے باری باری سہارا دیا ہو۔ اور حضرت عباس نے شروع سے اخیر تک اس لئے حضرت عباس کا تو نام لیا اور ان تینوں کی تعبیر ورجل اخر سے کردی۔

اس روایت میں تصریح ہے کہ یہ نماز ظہر تھی۔ دوسری روایت میں ہے کہ نماز فجر تھی۔ اسی طرح کچھ روایتوں میں ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم امام تھے اور حضرت ابوبکر مقتدی اور مبلغ۔ دوسری روایتوں میں کہ امام حضرت ابوبکر ہی تھے حضور مقتدی تھے۔ چنانچہ اسود نے حضرت ام المومنین ہی کی روایت میں ذکر کیا ہے کہ انھوں نے فرمایا کہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ابوبکر کے پیچھے نماز پڑھی۔ مسروق کی روایت میں انھیں کا یہ قول ہے کہ، مرض وصال میں ابوبکر کے پیچھے نماز پڑھی۔ بیہقی نے اس کا یہ جواب دیا کہ جس نماز میں حضور امام تھے وہ نماز ظہر تھی۔ ہفتے یا یکشنبہ کے دن، اور جو حضرت ابوبکر کے

بَیْنَ رَجُلَیْنِ تَخُطُّ رِجْلَاہُ فِی الْاَرْضِ بَیْنَ عَبَّاسٍ وَرَجُلٍ اٰخَرَ

نبی صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم دو آدمیوں حضرت عباس اور ایک اور صاحب کے سہارے نکلے

قَالَ عُبَیْدُ اللہِ فَاَخْبَرْتُ عَبْدَ اللہِ بْنَ عَبَّاسٍ فَقَالَ اَتَدْرِیْ

اس طرح کہ حضور کے دونوں پاؤں زمین پر گھسٹتے جاتے تھے، عبید اللہ نے کہا، میں نے حضرت ابن عباس

مَنِ الرَّجُلُ الْاٰخَرُ، قُلْتُ لَا، قَالَ ھُوَ عَلِیُّ بْنُ اَبِیْ طَالِبٍ وَکَانَتْ

کو بتایا تو انھوں نے پوچھا تم جانتے ہو دوسرے صاحب کون تھے، میں نے کہا نہیں، فرمایا وہ علی ابن

عَائِشَۃُ تُحَدِّثُ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ بَعْدَ

ابی طالب تھے، حضرت عائشہ بیان فرماتی ہیں میرے گھر آنے کے بعد نبی صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

پیچھے پڑھی وہ یوم وصال کی فجر تھی۔

اس تفصیل کے بعد بہت سے تعارض رفع ہوگئے۔ مثلا یہاں کی روایت میں ہے کہ نہلانے سے مرض میں تخفیف ہوگئی اور حضور نماز کے لئے تشریف لے گئے۔ اور باب انما جعل الامام لیوتم بہ میں ہے کہ تین بار نہلانے کے بعد بھی مرض کی شدت میں کوئی کمی نہ ہوئی۔ اسی طرح سہارا دینے والوں کے نام کے اختلاف میں بھی یہ تطبیق دی جا سکتی ہے۔ ایک بات قابل لحاظ یہ بھی ہے کہ یہاں دو مواقع ہیں ایک تو ام المومنین حضرت میمونہ کے گھر سے حضرت عائشہ کے گھر لانا، اور ایک حجرۂ عائشہ سے نماز کے لئے مسجد میں لانا۔ ان دونوں میں خلط ہو جانے سے بھی اشکال پیدا ہو سکتا ہے۔

یہاں ایک اشکال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ایک نماز میں ایک ہی جماعت کے دو امام نہیں ہو سکتے اور اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ دو امام ہوئے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ حقیقت میں امام حضور اقدس صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہی تھے۔ حضرت ابو بکر مقتدی مکبر و مبلغ تھے۔

مرض کی یہ شدت وصال سے تین دن قبل عشاء کے وقت ہوئی۔ حضرت صدیق اکبر نے سترہ وقت کی نمازیں[1]، حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حیات ظاہری میں پڑھائیں ان میں سے دو نمازوں میں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم شریک ہوئے، ایک میں امام ہوئے ایک میں مقتدی۔ اس حساب سے مرض کی شدت پنجشنبہ کے بعد جمعہ کی رات میں ہوئی۔

ایک روایت میں ہے کہ مرض کی ابتدا ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے گھر سے ہوئی تھی۔ دوسری روایت[2] میں ہے کہ حضرت میمونہ کے گھر سے ابتدا ہوئی۔ ان دونوں میں تطبیق یہ ہے کہ حقیقت میں مرض کی ابتدا حضرت صدیقہ کے گھر ہوئی۔ مرض میں شدت حضرت میمونہ کے گھر سے ہوئی جس کے بعد اجازت لے کر حضرت صدیقہ کے گھر تشریف لائے۔

مسائل | علامہ عینی نے فرمایا اس سے ثابت ہوا کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر بھی ازواج مطہرات کے مابین عدل واجب تھا۔

[1] مدارج النبوۃ جلد ثانی مطبوعہ نولکشور تقطیع خورد ص ۵۴۳ ۔ [2] مسلم جلد اول ص ۱۷۸،

مَادَخَلَ بَيْتَهُ وَاشْتَدَّ وَجَعُهُ هَرِيقُوا عَلَيَّ مِنْ سَبْعِ قِرَبٍ لَمْ تُحْلَلْ

کا مرض بڑھ گیا تو فرمایا سات ایسی مشکوں سے میرے اوپر پانی بہاؤ جن کے منھ کھولے

أَوْكِيَتُهُنَّ لَعَلِّيْ أَعْهَدُ إِلَى النَّاسِ وَأُجْلِسَ فِي مِخْضَبٍ لِّحَفْصَةَ

نہ گئے ہوں تاکہ میں لوگوں کو وصیت کر سکوں حضرت حفصہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زوجہ مطہرہ

زَوْجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ طَفِقْنَا نَصُبُّ عَلَيْهِ تِلْكَ

کی لگن میں حضور کو بٹھایا گیا پھر ہم سب حضور پر پانی ڈالنے لگیں یہاں تک کہ حضور

حَتّٰى طَفِقَ يُشِيْرُ إِلَيْنَا أَنْ قَدْ فَعَلْتُنَّ ثُمَّ خَرَجَ إِلَى النَّاسِ [1]

اشارہ فرمانے لگے تم اپنا کام کر چکیں اس کے بعد حضور باہر تشریف لے گئے

مگر یہ صحیح نہیں۔ قرآن مجید میں ہے:

تُرْجِيْ مَنْ تَشَاءُ مِنْهُنَّ وَتُؤْوِيْ إِلَيْكَ مَنْ تَشَاءُ۔ احزاب (۵۱)

ان میں سے جسے چاہو اپنے سے دور رکھو اور جسے چاہو اپنے پاس رکھو۔

اس سے ثابت کہ حضور پر ازواج کے مابین برابری واجب نہیں تھی مگر یہ غایت کرم تھا کہ برابری کرتے یہانتک کہ بیماری میں بھی۔ اور جب بہت کمزور ہوئے تو اجازت لے کر حضرت صدیقہ کے گھر قیام فرمایا ورنہ اجازت لینے کی کیا حاجت تھی۔ یہ بھی جائز ہے کہ ایک سوتن اپنی باری دوسرے کو دیدے۔ اس سے ثابت ہوا کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو حضرت عائشہ کے ساتھ تمام ازواج سے زیادہ محبت تھی۔ نیز ثابت ہوا کہ اگر امام عذر کی وجہ سے بیٹھ کر نماز پڑھے اور مقتدی قیام پر قادر ہوں تو مقتدیوں کو کھڑے ہو کر نماز پڑھنی چاہئے۔ یہی اخیر عمل ہے اس سے وہ حدیث منسوخ ہے جسمیں ہے کہ جب امام بیٹھ کر پڑھے تو تم بھی بیٹھکر پڑھو۔ نیز ثابت ہوا کہ حضرت ابوبکر تمام صحابہ سے افضل اور اعلم ہیں اور وہ خلافت کے سب سے زیادہ مستحق ہیں۔ جیسا کہ خود حضرت علی نے فرمایا۔ جسے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ہمارے دین کے لئے پسند فرمایا ہم نے اسے اپنی دنیا کے لئے بھی پسند کیا۔ حضرت ابوبکر کے بعد حضرت عمر کی افضلیت ثابت ہوئی۔ جماعت کے ساتھ نماز کی اہمیت ظاہر ہوئی، کہ اس کے باوجود کہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سخت علیل تھے مسجد میں تشریف لے جانے کی قوت نہ تھی مگر تدبیر کر کے دوسروں کے سہارے مسجد میں نماز باجماعت کے لئے تشریف لے گئے۔

امام بخاری نے اگرچہ باب یہ باندھا ہے کہ لگن میں غسل اور وضو، مگر مقصود ان کا وہی ہے کہ ماء مستعمل پاک ہے اور

---

[1] ایضا، صلاۃ باب حد المریض یشہد الجماعۃ جلد اول ص ۹۲-۹۱۔ باب انما جعل الامام لیوتم بہ ص ۹۵۔ ہبۃ باب ہبۃ الرجل لامرأۃ والمرأۃ لزوجہا جلد اول ص ۳۵۲۔ جہاد۔ باب بیوت ازواج النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جلد اول ص ۴۳۷۔ مغازی۔ باب مرض النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ووفاتہ جلد ثانی ص ۶۳۹، الطب، باب، جلد ثانی ص ۸۵۱ مسلم، الصلوۃ باب استخلاف الامام جلد اول ص ۱۷۷،۱۷۸، نسائی، الایتمام بالامام یصلی قاعدا ص ۱۳۴۔ دارمی، مقدمہ ۱۴، صلوۃ ۴۴، مسند امام احمد۔

حدیث (۱۴۶)

كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالىٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَتَوَضَّأُ بِالْمُدِّ

سَمِعْتُ اَنَسًا يَقُوْلُ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالىٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَغْسِلُ

حضرت انس کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم غسل کرتے تھے

اس پر ہماری وہی عرض ہے جو بار بار گزر چکی، امام بخاری نے باب یہ باندھا تھا کہ لکڑی یا پتھر کی لگن اور پیالے میں غسل اور وضو۔ اس میں چار حدیثیں ذکر کیں، ان میں سے دو حدیثیں گزر چکیں ہیں۔ پہلی حدیث انس ہے، اس میں یہ ہے کہ "حضور کی خدمت میں پتھر کی ایک چھوٹی لگن لائی گئی"۔ دوسری حدیث حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ہے جس میں ہے کہ "ایک پیالہ پیش کیا گیا جس میں پانی تھا"،

تیسری حدیث حضرت عبد اللہ بن زید کی ہے جسمیں ہے کہ "تانبے کے ایک چھوٹے برتن (طشت) میں پانی پیش کیا گیا"

چوتھی حضرت ام المومنین کی ہے جسمیں یہ ہے کہ "ہم نے حضور کو حفصہ کی ایک لگن میں بیٹھایا"، پہلی حدیث میں تو بتصریح مذکور ہے کہ پتھر کی ایک لگن پیش کی گئی۔ اس سے یہ ثابت ہوگیا کہ پتھر کی لگن کا استعمال درست ہے۔ رہ گیا لکڑی کے برتن کا استعمال۔ وہ قدح سے ثابت۔ اس لئے کہ قدح اکثر لکڑی کے بنے ہوئے پیالے کو کہتے ہیں۔ جیساکہ علامہ عینی نے ابن اثیر کے حوالہ سے ذکر کیا ہے۔

تشریحات (۱۴۶) صاع اور مُد امام اعظم اور امام محمد رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا۔ ایک صاع آٹھ رطل کا ہوتا ہے اور امام ابو یوسف وائمہ ثلثہ نے فرمایا۔ پانچ رطل اور تہائی رطل کا (۵ ⅓)۔ اس پر سب کا اتفاق ہے کہ چار مُد کا ایک صاع البتہ مُد کی مقدار میں اختلاف ہے۔ امام اعظم کے نزدیک ایک مُد دو رطل کا۔ اور امام ابو یوسف وغیرہ کے یہاں ایک رطل اور تہائی رطل کا (۱ ⅓)

ایک رطل بیس استار کا۔ ایک استار ساڑھے چار مثقال اور ایک مثقال ساڑھے چار ماشے [1] انگریزی روپیہ ڈھائی مثقال یعنی سوا گیارہ ماشے۔ اس حساب سے ایک رطل چھتیس روپئے بھر۔ اور ایک مد بہتر روپے بھر اور صاع انگریزی روپے سے دو سو اٹھاسی روپے بھر ہوا۔

امام ابو یوسف رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے نزدیک ایک مُد اڑتالیس روپے بھر اور صاع ایک سو بانوے بھر۔ امام ابو یوسف کی دلیل یہ ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں مدینہ طیبہ حاضر ہوا تو ایک صاحب نے جن پر مجھے اعتماد تھا ایک صاع نکالا اور بتایا کہ یہ صاع نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ہے۔ میں نے اسے ۵ ⅓ رطل پایا۔ امام طحاوی نے فرمایا کہ یہ صاحب امام مالک تھے۔ اسی طرح علی بن مدینی نے کہا کہ میں نے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے صاع کو جانچا تو ۵ ⅓ رطل پایا۔

[1] شامی جلد دوم ص ۶۷۔

اَوْ کَانَ یَغْتَسِلُ بِالصَّاعِ اِلٰی خَمْسَۃِ اَمْدَادٍ وَیَتَوَضَّأُ بِالْمُدِّ[1]

ایک صاع سے لے کر پانچ مُد تک سے اور ایک مُد سے وضو کرتے

امام اعظم وغیرہ کی دلیل یہ احادیث ہیں، ابن عدی حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی وہ کہتے ہیں:

کان رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم یتوضاء بالمد رطلین۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ایک مُد دو رطل سے وضو فرماتے تھے۔

دوسری حدیث دارقطنی نے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یوں روایت کی:

کان رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم یتوضاء بالمد رطلین[2] ویغتسل بالصاع ثمانیۃ ارطال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ایک مُد دو رطل سے وضو فرماتے اور ایک صاع آٹھ رطل سے غسل فرماتے۔

وضو میں پانی کی مقدار اس بارے میں روایتیں مختلف آئی ہیں۔ حدیث اول۔ یہی زیر بحث حدیث کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ایک صاع سے لے کر پانچ مُد تک سے غسل فرماتے تھے اور ایک مُد سے وضو۔

حدیث دوم صحیح مسلم[3]، مسند امام احمد، جامع ترمذی[4]، شرح معانی الآثار[5] امام طحاوی میں حضرت سفینہ، اور مسند امام احمد وسنن ابوداؤد[6] و طحاوی[7] میں بسند صحیح حضرت جابر بن عبد اللہ نیز انھیں کتابوں میں بطرق کثیرہ ام المومنین حضرت صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے ہے کہ:

"رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ایک مُد سے وضو اور ایک صاع سے غسل فرماتے۔"

اکثر احادیث میں یہی ہے۔ حضرت انس والی حدیث طحاوی میں یوں ہے:

"رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ایک مُد پانی سے پورا پورا وضو فرما لیتے اور قریب تھا کہ کچھ بچ رہتا۔"

حدیث سوم، ابو یعلی، طبرانی اور بیہقی نے حضرت ابو امامہ باہلی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بسند ضعیف یہ روایت کیا۔

"رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے آدھے مُد سے وضو فرمایا۔"

حدیث چہارم: سنن ابوداؤد[8] و نسائی[9] میں حضرت ام عمارہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے:

"نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے وضو فرمانا چاہا تو ایک برتن حاضر لایا گیا جس میں دو تہائی مُد کی مقدار پانی تھا۔"

حدیث پنجم: ابن خزیمہ، ابن حبان اور حاکم کی صحاح میں حضرت عبد اللہ بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یوں حدیث آئی ہے۔

---

[1] مسلم جلد اول، حیض باب قدر المستحب من الماء فی غسل الجنابۃ ص ۱۴۹۔

[2] طحاوی جلد اول ص ۳۲۳۔ [3] جلد اول باب قدر المستحب من الماء فی غسل الجنابۃ ص ۱۴۹۔

[4] جلد اول باب الوضوء من المد ص ۹۔ [5] باب وزن الصاع ص ۳۲۳۔ [6] جلد اول باب ما یجزی من الماء فی الوضوء ص ۱۳۔ [7] شرح معانی الآثار جلد اول باب وزن الصاع کم ھو ص ۳۲۳۔

[8] جلد اول باب ما یجزی من الماء فی الوضوء ص ۱۳۔

[9] جلد اول باب القدر الذی یکفی من الماء للوضوء ص ۲۴۔

"انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو دیکھا کہ ایک تہائی مد سے وضو فرمایا۔"

حدیث ششم :- مسلم[۲]، سنن ابوداؤد[۳]، نسائی وطحاوی[۴] میں حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یوں حدیث آئی ہے :

"رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ایک مکوک سے وضو اور پانچ مکوک سے غسل فرماتے،،

تطبیق : راجح یہ ہے کہ مکوک سے مُراد مُد ہے۔ جیسا کہ امام طحاوی[۵] نے تصریح کی ہے۔ اب اس حدیث اور حدیث اول کا حاصل قریب قریب ایک ہی ہوا۔ حدیث اول و دوم میں تطبیق یہ ہے کہ چار مُد ایک صاع غسل کے لئے تھا اور ایک مد غسل کے وضو کے لئے۔ اس طرح غسل میں پانچ مد صرف ہوئے۔ ان سب احادیث میں تطبیق یہ ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے وضو میں اعضا کبھی ایک بار دھوئے ہیں کبھی دو دو بار اور کبھی تین تین بار۔ یہی عادت کریمہ تھی۔ پانیوں کی مقدار کا اختلاف اسی اعتبار سے ہے۔ جب اعضا ایک بار دھوئے تو تہائی مد پانی صرف ہوا۔ جب دو دو بار دھوے تو دو تہائی صرف ہوا۔ جب تین تین بار دھوئے تو پورا ایک مُد صرف ہوا۔

غسل میں پانی کی مقدار | غسل میں کم سے کم پانی کی مقدار وہ ہے جسے امام مسلم[۶] نے ام المومنین حضرت صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی فرماتی ہیں :۔

"میں اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ایک ایسے برتن سے جو تین مد پانی کی گنجائش رکھتا نہا لیتے"۔

توجیہہ | اس کا ظاہر مطلب یہ ہے کہ یہ دونوں حضرات اسی تین مد پانی سے ساتھ ساتھ نہا لیتے، یہ بعید از قیاس ہے کہ ڈیڑھ مد پانی سے غسل ہو سکے اس لئے علما نے اس کی مختلف توجیہیں کی ہیں صحیح توجیہہ وہ ہے جو امام قاضی عیاض نے فرمائی کہ یہ ہر ایک کے جدا جدا غسل کا بیان ہے۔ مراد یہ ہے کہ اسی برتن سے حضور بھی غسل فرما لیتے اور میں بھی۔ ایک ساتھ مراد نہیں۔ اور وہ جو دوسری روایتوں میں آیا ہے کہ فرماتی ہیں کہ :۔

"میں اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ایک ہی برتن سے غسل کرتے۔ ہم دونوں کے ہاتھ باری باری اسمیں پڑتے۔ کبھی حضور مجھ سے سبقت کر کے پانی لے لیتے تو میں کہتی میرے لئے بھی رہنے دیں، کبھی میں لے لیتی تو حضور فرماتے میرے لئے بھی رہنے دو"۔[۷]

اس کا جواب یہ ہے کہ ہمیشہ ایک ہی برتن سے غسل نہیں فرماتے تھے۔ چھوٹے بڑے ہر قسم کے برتن تھے۔ پہلی والی حدیث میں جو برتن مذکور ہے وہ چھوٹا تھا اور یہاں برتن بڑا رہا ہوگا جیسا کہ ابھی آرہا ہے۔ اس کا حاصل یہ ہوا کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کم از کم تین مُد پانی سے غسل فرمایا۔ زیادہ سے زیادہ کی مقدار وہ ہے جو صحیح مسلم[۸]، موطا امام مالک وسنن ابوداؤد[۹] میں کفیں

---

[۱] جلد اول باب القدر المستحب من الماء فی غسل الجنابۃ ص ۱۴۹، [۲] جلد اول باب مایجزی من الماء فی الوضوء ص ۱۳

[۳] جلد اول باب القدر الذی یکفی بہ الرجل من الماء للوضوء ص ۲۳۔ [۴] جلد اول باب قدر الصاع ص ۳۲۳ [۵] ایضا ص ۳۲۳

[۶] جلد اول باب القدر المستحب من الماء فی الجنابۃ ص ۱۴۸ [۷] بخاری ومسلم بنقص وزیادۃ۔

[۸] مسلم جلد اول قدر المستحب من الماء فی غسل الجنابۃ ص ۱۴۸،

[۹] جلد اول باب فی مقدار الماء الذی یجزی فی الغسل ص ۳۷ ،

ام المومنین حضرت صدیقہ سے مروی ہے:

"رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ایک "فرق" سے غسل فرماتے"

فرق کی تحقیق[1] اکثر حضرات کہتے ہیں کہ "فرق" تین صاع کا ہوتا ہے۔ کچھ حضرات کہتے ہیں دو صاع کا۔ جیسا کہ مسلم کی حدیث میں سفیان بن عیینہ کا قول ہے۔ اور امام طحاوی نے اس کی تصریح کی، امام نووی نے فرمایا، یہی جمہور کا قول ہے، یہی علامہ عینی نے بھی فرمایا۔ امام نجم الدین نسفی نے طلبۃ الطلبہ میں فرمایا، یہ سولہ رطل کا ہوتا ہے، یہی نہایہ ابن اثیر اور جوہری کی صحاح میں ہے اور یہی قتبی سے بھی منقول ہے۔ امام ابوداؤد نے کہا میں نے امام احمد بن حنبل سے سنا کہ انھوں نے فرمایا فرق سولہ رطل کا ہے۔ علامہ ابن حجر نے اس پر اتفاق کا دعویٰ کیا نیز اس پر بھی کہ یہ تین صاع کا ہوتا ہے۔ شرح غریبین سے منقول ہے کہ فرق بارہ مد کا ہوتا ہے۔

اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے یہ تطبیق فرمائی کہ سولہ رطل کا، دو صاع عراقی ہوتا ہے اور تین صاع حجازی۔ تو جنھوں نے تین صاع کہا ان کی مراد حجازی صاع ہے اور جنھوں نے دو صاع کہا ان کی مراد عراقی صاع ہے۔

اس حدیث پر امام نووی نے فرمایا اس سے تنہا حضور کا غسل فرمانا مراد نہیں، بلکہ ام المومنین کے ساتھ ساتھ۔ اس لئے کہ یہی حدیث بخاری[2] میں یوں ہے:

"میں اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ایک برتن سے نہاتے وہ قدح تھا جسے فرق کہتے ہیں" مگر یہ بخاری کی بھی حدیث اجتماع پر نص نہیں۔ اس لئے ظاہر یہی کہ حدیث مسلم سے مراد یہ ہے کہ تنہا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ایک فرق یعنی تین صاع سولہ رطل سے غسل فرماتے اس کے باوجود اس میں شک نہیں کہ یہ حدیث اس پر نص نہیں کہ ایک فرق سے تنہا غسل فرماتے اس کا بھی احتمال باقی ہے کہ مراد یہ ہو کہ ام المومنین کے ساتھ ایک فرق پانی سے غسل فرماتے۔ اس باب میں جو نص صریح ہے وہ وہی حضرت انس والی حدیث زیر بحث ہے کہ ایک صاع سے پانچ مد تک پانی سے غسل فرماتے۔ تو غیر مشکوک طریقے سے یہ ثابت ہوا کہ غسل میں پانی کی زیادہ سے زیادہ مقدار پانچ مد ہوتی۔ ایک فرق کا بھی احتمال ہے مگر قطعی نہیں، اور اکثر و اشہر یہ ہے کہ وضو ایک مد سے اور غسل چار مد سے۔

اب یہاں تنقیح طلب یہ دو باتیں ہیں

اول:- یہاں صاع اور مد باعتبار وزن مراد ہے یا باعتبار کیل و پیمانہ۔ یعنی غور طلب یہ بات ہے کہ جتنے وزن کا صاع اور مد ہوتا ہے اتنے وزن پانی سے وضو یا غسل فرماتے مثلاً صاع بر بنائے قول امام اعظم دو سو اٹھاسی روپے بھر ہے تو مطلب یہ ہوگا کہ دو سو اٹھاسی روپے بھر پانی سے غسل فرماتے، یا صاع جو پیمانہ ہے اس میں جتنا پانی سمائے وہ پانی مراد ہے۔

اس تنقیح کی ضرورت یہ ہے کہ پانی اناج سے بھاری ہوتا ہے۔ جس پیمانے میں گیہوں سیر بھر آئے گا اسی برتن میں پانی سیر بھر سے زائد آئے گا۔ شارحین بخاری علامہ عینی، علامہ عسقلانی، علامہ قسطلانی کا اس پر اتفاق ہے کہ مراد مد اور صاع بھر پانی ہے۔ البتہ ملا علی قاری نے مرقاۃ میں وزن مراد لیا مگر صحیح شراح بخاری کا قول ہے۔ علامہ عینی نے بحوالہ طحاوی امام مجاہد کا یہ قول نقل فرمایا:

---

[1] باب القدر المستحب من الماء فی الجنابۃ ص ۱۴۸

[2] باب غسل الرجل مع امرأتہ ص ۳۹ - [3] جلد ثالث باب الغسل بالصاع ص ۷ - ۱۹۶

"ہم ام المومنین حضرت صدیقہ کی خدمت میں حاضر ہوئے ہم میں سے بعض نے پانی مانگا تو ام المومنین نے ایک بڑا برتن نکالا اور فرمایا۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اسی برتن بھر پانی سے غسل فرماتے تھے۔ میں نے اندازہ لگایا تو وہ برتن آٹھ یا نو یا دس رطل تھا۔"

نسائی میں یہ بغیر شک ہے کہ آٹھ رطل تھا۔

دوم:۔ یہ پیمانے مُد اور صاع کس اناج کے تھے۔ ظاہر ہے اناج ہلکے، وزنی سبھی قسم کے ہوتے ہیں۔ جس پیمانے میں جَو سیر بھر آئیں گے، اسی میں گیہوں سیر بھر سے زائد اور ماش اس سے بھی زائد۔ اس تنقیح کا حاصل یہ ہے کہ کس اناج کو تول کر صاع بنایا جائیگا، اگر دوسو اٹھاسی ۲۸۸ بھر ماش تول کر صاع بنائیں تو گیہوں دوسو اٹھاسی روپے بھر نہیں سمائے گا، کم سمائیگا اور جَو اور بھی کم، اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ماش سے تول کر جب صاع بنائیں اور اس صاع سے جَو ناپ کر ایک صاع صدقہ فطر ادا کریں تو یہ دوسو اٹھاسی روپے سے کم ہوگا۔

علماء کے اس بارے میں مختلف اقوال ہیں۔ امام ابوشجاع ثلجی نے فرمایا۔ صدقۂ فطر کے لئے جو صاع بنائیں وہ ماش یا مسور تول کر بنائیں۔ اس لئے کہ ان دونوں کے دانے قریب قریب یکساں ہوتے ہیں اس لئے ان کے ناپ و تول میں فرق نہیں پڑے گا اگر پڑے گا بھی تو برائے نام بخلاف جَو اور گیہوں کے کہ ان میں بہت فرق پڑجائے گا۔

امام صدر الشریعہ نے شرح وقایہ میں فرمایا، احوط یہ ہے کہ عمدہ کھرے گیہوں تول کر صاع بنایا جائے۔ علامہ علاء الدین حصکفی نے درمختار میں اسی کو اختیار فرمایا۔ علامہ شامی نے جو تول کر صاع بنانے کو احوط بتایا۔ سید محمد امین میر غنی کے حاشیہ زیلعی سے نقل فرمایا:

ان الذی علیہ مشائخنا بالحرم الشریف المکی ومن قبلھم من المشائخ وبہ کانوا یفتون تقدیرہ بثمانیۃ ارطال من الشعیر۔ ولعل ذلک لیحتاطوا فی الخروج عن الواجب بیقین لما فی مبسوط السرخسی من ان الاحتیاط فی باب العبادات واجب [۱]	حرم مکہ میں ہمارے مشائخ اور ان سے پہلے ان کے مشائخ اسپر ہیں کہ آٹھ رطل جو تول کر صاع بنایا جائے۔ یہ اکابر اسی پر فتوی دیتے تھے۔ یہ اسلئے ہے کہ یقینی طور پر واجب کی ادائگی سے بری الذمہ ہونے میں احتیاط کی جائے اس لئے کہ مبسوط امام سرخسی میں ہے کہ عبادات میں احتیاط واجب ہے۔

اعلیحضرت امام احمد رضا قدس سرہٗ نے اس کی تائید میں فرمایا:۔

"ظاہر کہ صاع اس اناج کا تھا جو اس زماں برکت نشاں میں عام تھا، اور معلوم ہے کہ اس عہد میں جو عام طور پر کھایا جاتا تھا دوسرے غلوں کا کوئی ذکر نہیں ملتا، گیہوں تھا مگر بہت کم۔ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں،

کان طعامنا الشعیر [۲]	ہمارا طعام جو تھا۔

یہی وجہ ہے کہ اس عہد مبارک میں صدقہ فطر صرف چھوہارا، منقی، اور جو تھا۔ صحیح ابن خزیمہ میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے:۔

---

[۱] جلد دوم ص ۱۷۶، [۲] بخاری جلد اول صدقۃ الفطر باب الصدقۃ قبل الفطر ص ۲۰۴

لم تكن الصدقة على عهد رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم الا التمر والزبيب والشعير ولم يكن الحنطة ۔ رسول اللہ صلے اللہ تعالی علیہ وسلم کے زمانے میں صدقہ فطر صرف چھوہارا، منقی اور جو تھا، گیہوں نہ تھا۔

گیہوں کی کثرت حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالی عنہ کے عہد میں ہوئی۔ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالی عنہ نے فرمایا لما كثر الطعام فى زمن معاوية جعلوه مدين من حنطة ۔ [1] جب معاویہ کے زمانے میں گیہوں کی کثرت ہوئی تو لوگوں نے صدقۂ فطر دو مد گیہوں کر دیا۔

اس پر اتفاق ہے کہ یہاں طعام سے مراد گیہوں ہی ہے جبکہ اس عہد مبارک میں عام طور پر جو ہی پایا جاتا تھا، تو ظاہر ہے کہ صاع بھی جو کو تول کر بنایا جاتا ہوگا، اس لئے اسی میں سب سے زیادہ احتیاط ہے۔ علاوہ ازیں جو تول کر بنائے ہوئے نصف صاع میں گیہوں ضرور بالضرور نصف صاع سما جائے گا۔ اور اگر گیہوں تول کر صاع بنائیں تو اس میں ایک صاع جو نہیں آئے گا۔ اس بنا پر بہر حال احوط یہی ہے کہ اعتبار صاع شعیری کا کیا جائے۔

اعلیحضرت امام احمد رضا قدس سرہٗ نے ۲۷ رمضان المبارک ۱۳۲۰ھ میں نصف صاع ایک سو چوالیس روپے بھر جو تول کر ایک تانبے کے پیالے میں بھرا یہ اس پیالے میں پورا پورا آ گیا، نہ کم رہا نہ زیادہ۔ پھر اس پیالے میں عمدہ سے عمدہ گیہوں بھر کر تولا تو اس گیہوں کا وزن ایک سو پچھتر روپے اٹھنی بھر ہوا، اہلسنت کا اسی پر عمل ہے۔ یہ وزن موجودہ رائج اعشاریہ کے وزن سے دو کیلو پنتالیس گرام ہوتا ہے۔

ان ساری ابحاث میں ایک یہ نکتہ سب سے زیادہ قابل لحاظ ہے کہ صدقہ فطر کی اصل ادائیگی صاع سے ناپ کر ہے تول کر نہیں، مثلاً کسی نے تول کر غلہ نکالا، مگر وہ ناپنے پر کم ہوا، تو صدقہ فطر کی پوری ادائیگی نہ ہوئی۔

صاع کی جو مقدار دو سو اٹھاسی روپے لکھی ہے۔ وہ صاع بنانے کے لئے ہے۔ یعنی یہ کہ اتنے وزن کوئی چیز تول کر برتن بنایا جائے اور اسی برتن سے ناپ کر صدقۂ فطر ادا کیا جائے اور ہم ثابت کر آئے کہ اعتبار صاع شعیری کا ہے یعنی دو سو اٹھاسی روپے بھر جو تول کر کوئی برتن بنایا جائے اور اس برتن سے صدقۂ فطر ادا کیا جائے، اور یہ ظاہر ہے کہ دو سو اٹھاسی روپے بھر جو تول کر جو پیمانہ بنائیں گے اس میں اگر گیہوں بھریں گے تو وہ دو سو اٹھاسی روپے سے زائد ہوگا۔ جس کا جی چاہے تجربہ کر کے دیکھ لے، اللہ عزوجل اعلیحضرت امام احمد رضا قدس سرہٗ کو اسلام و مسلمین کی طرف سے جزائے خیر عطا فرمائے۔ انھوں نے ناپ تول کے سارے مراحل طے کر کے ہمیں بتایا اور آئینے کی طرح صاف فرما دیا۔[2] فالحمد للہ

وضو اور غسل میں پانی کی کوئی مقدار مقرر نہیں۔ جتنے سے وضو اور غسل مکمل طور پر ہو جائے اتنا کافی ہے، انسان سب ایک قسم کے نہیں، کوئی لمبا، کوئی موٹا، کوئی دبلا، کسی کے سر اور ڈاڑھی کے بال گھنے، کسی کے چھدرے۔ کوئی احتیاط سے پانی بہاتا ہے کوئی لاپرواہی سے۔ اس لئے پانی کی ایک مقدار مقرر نہیں کی جا سکتی ہے چونکہ صحابۂ کرام کو حضور اقدس صلی اللہ تعالی علیہ وسلم سے

[1] طحاوی جلد اول مقدار صدقۃ الفطر ص ۳۱۹، [2] یہ ساری تفصیلات فتاوی رضویہ جلد اول ص ۱۳۹ لغایت ۱۴۵ سے لی گئی ہیں قدرے اختصار اور تغیر کے ساتھ۔

حدیث (۱۴۷) المسح علی الخفین

عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ عُمَرَ عَنْ سَعْدِ بْنِ وَقَاصٍ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ

حضرت عبداللہ بن عمر، حضرت سعد بن وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں

ایسی والہانہ محبت تھی کہ حضور کی ہر ہر ادا اور ہر ہر ادا کے ہر ہر پہلو کی تلاش و جستجو اور اس کی نشر و اشاعت میں انھیں روحانی لذت ملتی تھی۔ اس لئے وضو اور غسل کے پانی کی مقدار کو بھی بیان فرمایا، رضی اللہ عنہم۔

تشریحات ۱۴۷
یہ تعلیق ہے یا مسند

علامہ کرمانی نے فرمایا، چونکہ ابوسلمہ اس وقت موجود نہ تھے جب حضرت ابن عمر نے حضرت عمر سے یہ دریافت کیا تھا اس لئے یہ تعلیق ہے، مگر علامہ عینی نے فرمایا اس حدیث میں وان عبد اللہ بن عمر، سند میں مذکور عن عبداللہ بن عمر پر معطوف ہے۔ اب اس کا مطلب یہ ہوا کہ یہ بھی، راوی حدیث، ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن کا قول ہوا جو انھوں نے حضرت ابن عمر سے سُنا ہے۔ اس تقدیر پر حدیث کا یہ جز بھی مسند ہوا۔

اس پر اہلسنت کا اتفاق ہے کہ موزوں پر مسح جائز ہے۔ صرف روافض اور خوارج اس کے منکر ہیں۔ بدائع میں ہے کہ امام حسن بصری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا، میں نے ستر اصحاب بدر سے ملاقات کی یہ سب کے سب موزوں پر مسح جانتے تھے اسی وجہ سے حضرت امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ موزوں پر مسح اہلسنت کی علامت جانتے تھے۔ کسی نے دریافت کیا اہلسنت کی علامت کیا ہے؟ فرمایا

تفضیل الشیخین وحب الختنین والمسح علی الخفین۔ — شیخین یعنی حضرت ابوبکر و عمر کو سارے صحابہ سے افضل جاننا اور دونوں داماد حضرت عثمان و حضرت علی سے محبت کرنا اور موزوں پر مسح کرنا۔

امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا۔ میں نے موزوں پر مسح کا قول اس وقت تک نہیں کیا جب تک کہ دن کی روشنی کی طرح یقین نہیں ہوگیا۔ مسح علی الخفین کا انکار کبار صحابہ کا رد اور انھیں خطا کار ٹھہرانا ہے۔ اس لئے موزوں پر مسح کا انکار بدعت ہے۔ امام کرخی نے فرمایا جو موزوں پر مسح جائز نہ مانے اس پر میں کفر کا اندیشہ کرتا ہوں۔ امت میں کسی فرد کا اس میں اختلاف نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے موزوں پر مسح فرمایا۔

علامہ ابوعمر بن عبداللہ نے کہا کہ تمام اہل بدر و حدیبیہ اور جملہ مہاجرین اور انصار اور کل صحابہ اور تابعین و فقہاء مسلمین نے موزوں پر مسح فرمایا۔ اس لئے موزوں پر مسح کی حدیث باعتبار معنی متواتر ورنہ کم از کم مشہور ضرور ہے۔ اس سے کتاب اللہ پر زیادتی بالاتفاق درست ہے۔ ابن المنذر نے، حضرت عبداللہ بن مبارک سے نقل کیا۔ مسح علی الخفین کے سلسلے میں صحابہ کے مابین کوئی اختلاف نہیں۔

جن بعض حضرات سے انکار مروی ہے تو ان سے اثبات بھی مروی ہے۔ علامہ ابن حجر اور ابوالقاسم بن مندہ نے کہا کہ اسّی صحابہ سے مسح علی الخفین مروی ہے جنہیں عشرہ مبشرہ بھی ہیں۔ امام احمد نے فرمایا کہ مسح علی الخفین کے اثبات میں چالیس حدیثیں مروی ہیں۔

صرف حضرت ابوہریرہ حضرت ابن عباس، حضرت علی، حضرت صدیقہ سے انکار کی روایت آئی ہے مگر یہ ناقابل اعتبار ہے۔

عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهُ مَسَحَ عَلَى الْخُفَّيْنِ	وَاَنَّ
انھوں نے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بارے میں روایت کیا کہ حضور نے موزوں پر مسح فرمایا	
عَبْدَاللّٰهِ بْنَ عُمَرَ سَأَلَ عُمَرَ عَنْ ذٰلِكَ فَقَالَ نَعَمْ، اِذَا حَدَّثَكَ	
عبداللہ بن عمر نے اپنے والد حضرت عمر سے اس کے بارے میں پوچھا تو حضرت عمر نے اس کی تصدیق کی	

علامہ ابن عبدالبر نے فرمایا، ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے جو روایت نقل کی جاتی ہے وہ ثابت نہیں۔ امام احمد نے فرمایا وہ صحیح نہیں باطل ہے۔ بلکہ ان سے ابن ماجہ[۱] میں یہ حدیث مروی ہے کہ کچھ لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے دریافت کیا۔ موزوں کی طہارت کیا ہے فرمایا مسافر کے لئے تین دن اور تین راتیں اور مقیم کے لئے ایک دن اور ایک رات۔

دارقطنی نے ام المومنین حضرت صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کیا کہ وہ مسح علی الخفین کو جائز جانتی تھیں۔ ابن ابی شیبہ نے جو حضرت علی سے نقل کیا کہ انھوں نے فرمایا کہ مسح علی الخفین سورہ مائدہ کے پہلے تھا۔ یہ روایت منقطع ہے۔ مسلم[۲] اور نسائی[۳] میں حضرت ام المومنین و حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا قول یہ مذکور ہے:

”شریح بن ھانی نے ام المومنین حضرت صدیقہ سے، مسح علی الخفین کے بارے میں دریافت کیا تو انھوں نے فرمایا علی بن ابی طالب کے پاس جاؤ وہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ سفر کیا کرتے تھے۔ شریح نے کہا، ہم نے حضرت علی سے پوچھا تو انھوں نے فرمایا، رسول اللہ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مسافر کے لئے تین دن اور تین رات اور مقیم کے لئے ایک دن اور ایک رات، مدت مسح مقرر فرمائی“۔

اس حدیث سے ثابت کہ حضرت ام المومنین اور حضرت علی بھی مسح علی الخفین کو جائز جانتے تھے، اور یہ واقعہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے وصال کے بعد کا ہے، اور صریح ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے موزوں پر مسح کی مسافر اور مقیم کیلئے یہ مدت مقرر فرمائی اس لئے اس سے رجوع کا کوئی احتمال نہیں۔

اس سلسلے میں حضرت ام المومنین اور حضرت علی کی طرف بہت سے من گھڑت قصے منسوب کئے گئے ہیں وہ سب جعلی ہیں۔ مثلاً ام المومنین کی طرف یہ منسوب ہے کہ انھوں نے فرمایا، میرا پاؤں کاٹ ڈالا جائے یہ مجھے پسند ہے بہ نسبت اس کے کہ موزوں پر مسح کروں۔

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سلسلے میں ایک طول طویل قصہ مشہور ہے کہ ان میں اور حضرت عمر میں بہت لمبی چوڑی گفتگو ہوئی جسمیں حضرت علی نے بائیس صحابہ سے شہادت دلائی کہ موزوں پر مسح، سورۂ مائدہ کے نزول سے پہلے تھا۔ یہ قصہ حدیث کی کتابوں میں کہیں نہیں۔ اس کے جھوٹ پر دو قرینہ ہے۔ ایک تو مسلم اور نسائی کی حدیث مذکور، دوسرے یہ کہ اس پر اتفاق ہے کہ سورۂ مائدہ غزوہ مریسیع کے موقع پر نازل ہوئی تھی جو ۵ھ یا ۶ھ میں ہوا ہے۔ اس کے بعد فتح مکہ کے موقع پر اور غزوہ تبوک میں خود حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے موزوں پر مسح ثابت ہے۔ بلکہ حضرت جریر کی حدیث سے ثابت کہ جس سن میں

[۱] ماجاء فی المسح علی الخفین ص ۴۱ [۲] جلد اول ص ۱۳۵ [۳] جلد اول ص ۳۲ [۴] قسطلانی ج ۲ ص ۲۷۳، ایضاً جلد سابع ص ۵۱

شَيْئًا سَعْدٌ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَا تَسْأَلْ عَنْهُ غَيْرَهُ

اور فرمایا جب سعد نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بارے میں کچھ روایت کریں تو پھر کسی سے مت پوچھو

وصال ہوا ہے اس سال بھی مسح فرمایا، اس لئے کوئی صحابی یہ گواہی کیسے دے سکتا ہے کہ موزوں پر مسح سورۂ مائدہ کے نزول سے پہلے تھا پھر منسوخ ہو گیا۔

حضرت ابن عباس کا بھی یہی حال ہے کہ ابتدا ءمیں جبتک اس کا انھیں ثبوت نہ ملا کہ سورۂ مائدہ کے نزول کے بعد بھی نبی صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے موزوں پر مسح فرمایا، انکار کرتے رہے، مگر جب اس کا ثبوت انھیں مل گیا تو انھوں نے بھی موزوں پر مسح کے جواز کا قول کیا۔ ان کے تلمیذ جلیل امام عطاء نے فرمایا۔ عکرمہ نے جھوٹ کہا۔ ابن عباس اس سلسلے میں لوگوں کی مخالفت کرتے رہے مگر اخیر عمر میں سب کے ساتھ اتفاق کر لیا [۱]

ائمہ مجتہدین میں سے حضرت امام مالک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے بارے میں یہ مشہور ہے کہ وہ موزوں پر مسح کے قائل نہ تھے۔ ایسی روایتیں ان سے آئی ہیں۔ مگر صحیح یہ ہے کہ انھوں نے اخیر عمر میں یہی فرمایا کہ جو مسح علی الخفین کو جائز نہ جانے وہ گمراہ ہے۔ البتہ جو جائز جانے اور مسح نہ کرے عزیمت پر عمل کرے وہ ماجور ہے [۲]

اب حضرات مالکیہ کے دو گروہ ہیں۔ ایک وہ جو مطلقاً موزوں پر مسح کو جائز کہتے ہیں۔ مقیم اور مسافر دونوں کے لئے۔ دوسرے وہ جو صرف مسافر کو جائز کہتے ہیں۔ بعض لوگوں کو یہ شبہہ ہے کہ موزوں کا مسح آیت وضو سے منسوخ ہے مگر یہ شبہہ ساقط ہے۔ اس لئے کہ حضرت مغیرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث غزوۂ تبوک سے متعلق ہے۔ اور غزوۂ تبوک سب سے اخیر غزوہ ہے جو سورہ مائدہ کے نزول کے بہت بعد ہوا ہے۔ اس لئے کہ سورۂ مائدہ غزوۂ مریسیع میں نازل ہوئی ہے جو ۵ھ یا ۶ھ میں ہوا تھا [۳]۔ اسی طرح حضرت جریر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث بھی اس کی دلیل ہے کہ موزوں پر مسح منسوخ نہیں۔ اس لئے کہ یہ وصال مبارک سے چند ماہ پہلے ایمان لائے، ان کی حدیث یہ ہے:۔

"حضرت جریر نے پیشاب کر کے وضو کیا اور موزوں پر مسح کیا۔ ان سے کہا گیا آپ ایسا کرتے ہیں، فرمایا، ہاں، میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو دیکھا کہ پیشاب فرمایا پھر وضو کیا اور موزوں پر مسح فرمایا۔ حضرت جریر سے پوچھا گیا کہ آپ نے رسول اللہ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو موزوں پر مسح کرتے، سورہ مائدہ کے نزول سے پہلے دیکھا کہ بعد میں۔ تو فرمایا کہ میں مائدہ کے نزول کے بعد ایمان لایا ہوں [۴]

موزوں پر مسح افضل ہے یا پاؤں دھونا

صحیح یہ ہے کہ پاؤں دھونا، موزوں پر مسح کرنے سے افضل ہے۔ اس لئے کہ یہ عزیمت ہے اور مسح رخصت مگر جبکہ موزوں پر مسح نہ کرنے سے بدگمانی کا اندیشہ ہو لوگ یہ شبہہ کرنے لگیں کہ روافض اور خوارج کا اتباع کر رہا ہے۔ [۵]

ع نسائی جلد اول، باب المسح علی الخفین ص ۳۱ [۱] عینی جلد ثالث ص ۹۷ [۲] ایضاً [۳] قسطلانی جلد سادس ص ۳۷۳

[۴] مسلم جلد اول باب المسح علی الخفین ص ۱۳۲-۱۳۳، ابو داؤد جلد اول باب المسح علی الخفین ص ۲۱۔ ترمذی جلد اول باب المسح علی الخفین ص ۱۴۔

[۵] درمختار رد المحتار فتاوی رضویہ جلد اول ص ۳۳۰

حدیث ۱۴۸ ایضًا عَنْ جَعْفَرِ بْنِ عَمْرِو بْنِ اُمَيَّةَ الضَّمْرِيِّ اَنَّ اَبَاهُ اَخْبَرَهُ اَنَّهُ رَاَى رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَمْسَحُ عَلَى الْخُفَّيْنِ [۱]

حضرت عمرو بن امیہ ضمری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو موزوں پر مسح کرتے دیکھا ہے۔

حدیث ۱۴۹ ایضًا عَنْ جَعْفَرِ بْنِ عَمْرِو بْنِ اُمَيَّةَ الضَّمْرِيِّ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ رَاَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَمْسَحُ عَلٰى عِمَامَتِهٖ وَخُفَّيْهِ [۲]

حضرت عمرو بن امیہ ضمری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا ہیں نے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو عمامے اور موزوں پر مسح کرتے دیکھا۔

مسائل اس حدیث سے موزوں پر مسح کے جواز کے علاوہ، حضرت سعد بن وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی عظمت ظاہر ہوئی یہ بھی معلوم ہوا کہ کبھی کبھی بہت مشہور و معروف بات قدیم الاسلام اجلہ صحابہ سے بھی مخفی رہتی تھی۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی جلالت شان سب پر واضح ہے مگر یہ مسئلہ ان پر پوشیدہ رہا۔

ایک شبہہ کا جواب حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے موزوں پر مسح کی عام روایتیں حالت سفر ہی کی ہیں، اور دوسری حدیثوں میں نہ سفر کا ذکر ہے نہ حضر کا، اس لئے بعض حضرات مالکیہ یہ کہتے ہیں کہ مقیم کو موزوں پر مسح جائز نہیں، صرف مسافر کو جائز ہے۔ اس کا جواب مسلم اور نسائی کی حدیثوں میں مذکور ہے، جس میں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا یہ صریح ارشاد مذکور ہے کہ مقیم کے لئے موزوں پر مسح کی مدت ایک دن اور ایک رات ہے۔ اس کے علاوہ اس مضمون کی اور بھی بہت سی حدیثیں ہیں بلکہ نسائی میں حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ روایت ہے کہ حضور مدینہ طیبہ میں ایک بار موضع اسواف میں قضاء حاجت کے لئے گئے اور فراغت کے بعد وضو فرمایا اور موزوں پر مسح فرمایا [۳]۔ یہ اسواف مدینہ طیبہ کے قریب ایک جگہ کا نام ہے۔ اس سے ثابت کہ حضور نے حالت اقامت میں بھی موزوں پر مسح فرمایا۔

تشریحات ۱۴۸، ۱۴۹

(۱) حضرت عمرو بن امیہ ضمری رضی اللہ تعالیٰ عنہ یہ غزوۂ بدر اور اُحد میں مشرکین کے ساتھ تھے مگر غزوۂ احد کے اختتام پر جب مشرکین واپس ہو رہے تھے۔ ان کے دل میں نور اسلام چمکا اور یہ مشرف بہ اسلام ہوئے۔ یہ عرب کے مشہور بہادروں میں تھے۔ یہ پہلے جس معرکے میں شریک ہوئے وہ سریہ بیر معونہ تھا۔ انھیں دشمنوں نے گرفتار کر لیا تھا۔ عامر بن طفیل نے یہ کہکر چھوڑ دیا کہ میری ماں کے ذمے ایک غلام آزاد کرنا تھا، جا میری ماں کی طرف سے تو آزاد ہے۔ اس ظالم نے ان کی پیشانی کے بال مونڈ ڈالے سنہ ۶ھ میں۔ نجاشی شاہ حبشہ کے نام یہی دعوت اسلام لے کر گئے تھے، پھر بعد میں حضور اقدس صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے انھیں حبشہ بھیجا کہ ام المومنین حضرت ام حبیبہ بنت ابی سفیان

---

[۱] نسائی طہارت، باب المسح علی الخفین ص ۳۱، [۲] ابن ماجہ، باب المسح علی العمامۃ ص ۴۲

[۳] جلد اول باب المسح علی الخفین ص ۳۱

حدیث (۱۵۰) عَنْ عُرْوَۃَ بْنِ الْمُغِیْرَۃِ عَنْ اَبِیْہِ قَالَ کُنْتُ مَعَ النَّبِیِّ

حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے، انھوں نے کہا میں

صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فِیْ سَفَرٍ فَاَھْوَیْتُ لِاَنْزِعَ خُفَّیْہِ فَقَالَ

نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ ایک سفر میں تھا میں نے چاہا کہ حضور کے موزے نکالوں تو فرمایا

دَعْھُمَا فَاِنِّیْ اَدْخَلْتُھُمَا طَاھِرَتَیْنِ فَمَسَحَ عَلَیْھِمَا ع۵

رہنے دو میں نے انھیں اس حالت میں پہنا ہے کہ پاؤں طاہر تھے پھر حضور نے موزوں پر مسح فرمایا۔

ت (۴۳) وَاَکَلَ اَبُوْبَکْرٍ وَّعُمَرُ وَعُثْمَانُ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْھُمْ لَحْمًا فَلَمْ

حضرت ابوبکر اور حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے گوشت کھایا اور

یَتَوَضَّؤُا ع۶

وضو نہیں کیا۔

سے حضور کا نکاح کریں، اور انھیں اور حبشہ میں جو مسلمان ہیں ان سب کو مدینہ لائیں۔ ایک بار انھیں کے ہاتھ ابوسفیان کے پاس کچھ تحفے بھیجے تھے [۱]

حضرت معاویہ کے عہد حکومت میں ۶۰ھ میں وصال فرمایا۔ ان سے بیس احادیث مروی ہیں جنھیں دو بخاری نے ذکر کی ہیں۔

(۲) عمامے پر مسح کی بحث حدیث ۱۴۰ میں گزر چکی۔

تشریحات (۱۵۰) یہ حدیث گزر چکی ہے مگر چند باتیں رہ گئی تھیں اسلئے اس کو دوبارہ ذکر کیا۔ یہ سفر کون تھا۔ یہ گزر چکا کہ غزوہ تبوک کا واقعہ ہے۔ اور یہ واقعہ نماز صبح کے وقت ہوا تھا۔ اس حدیث میں ہے کہ میں نے اسے اس حالت میں پہنا ہے کہ پاؤں طاہر تھے یعنی ان پر حدث نہیں تھا۔ اس سے معلوم ہوا کہ موزوں پر مسح صحیح ہونے کی شرط یہ ہے کہ دونوں موزے ایسی حالت میں پہنے جائیں کہ پاؤں پر حدث نہ ہو۔ اس کی دو صورتیں ہیں، ایک یہ کہ پورا وضو کر کے پہنا ہو۔ دوسرے یہ کہ صرف پاؤں دھو کے پہنا ہو مگر حدث ہونے سے پہلے وضو مکمل کرلیا ہو۔ اس دوسری صورت میں بھی یہ صادق آئے گا کہ موزے ایسی حالت میں پہنے ہیں کہ پاؤں پر حدث نہیں تھا۔

تشریحات (۴۳) باب کا فائدہ چونکہ بعض احادیث میں یہ آیا ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جن چیزوں کو آگ نے بدل دیا ہو اس کے کھانے کے بعد وضو کرو۔ اور بعض صحابہ اور تابعین کا یہی مذہب تھا، بلکہ بعض حضرات اس پر بہت شدت برتتے تھے۔ امام زہری کا یہی مذہب تھا۔ سلیمان بن ہشام اس سے پریشان تھا۔ اس نے قتادہ سے شکایت کی کہ ہم جب بھی کچھ کھاتے ہیں تو زہری ہمیں وضو کرائے بغیر نہیں چھوڑتے، میں نے اسے بتایا کہ سعید بن مسیب نے اس کے

ع۵ اس کی تخریج حدیث ۱۳۷ میں گزر چکی۔ ع۶ طبرانی مسند الشامیین، ابن ابی شیبہ۔ طحاوی۔ باب اکل ما غیرت النار ھل یوجب الوضوء ام لا ص ۴۱ [۱] الاستیعاب جلد ثانی ص ۴۹۷-۴۹۸۔ اصابہ جلد ثانی ص ۵۲۴۔

حدیث (۱۵۱) اکل کتف شاۃ ثم صلی ولم یتوضأ

عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ عَبَّاسٍ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْھُمَا اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ

بارے میں فرمایا ہے، غذا جب کھاؤ تو پاک صاف ہے اس میں وضو نہیں۔ البتہ جب غذا نکلتی ہے تو گندگی ہے اس پر وضو ہے۔ سلیمان نے کہا، تم دونوں نے اختلاف کرلیا۔ کیا شہر میں کوئی اور ہے۔ قتادہ نے کہا ہاں "عطاء" ہیں سلیمان نے حضرت عطاء کو بلوایا اور ان سے پوچھا تو حضرت عطاء نے یہ حدیث بیان کی:۔

"مجھ سے جابر بن عبداللہ نے حدیث بیان کی کہ ہم نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ گوشت روٹی کھایا اور بغیر وضو کے نماز پڑھی [1]"

یہ حکم یا تو لوگوں کو نظافت اور صفائی کی عادت ڈالنے کے لئے ابتدا میں تھا، بعد میں منسوخ ہوگیا جیسا کہ حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے انھوں نے فرمایا کہ ان دونوں میں اخیر یہی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے آگ پر پکی ہوئی چیز کھائی اور وضو نہیں فرمایا۔ [2] یا یہ کہ ان احادیث میں وضو سے ہاتھ دھونا اور کلی کرنا مراد ہے جیسا کہ ابن ماجہ میں خود حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بکری کا شانہ تناول فرمایا تو کلی کی اور ہاتھوں کو دھویا اور نماز پڑھی [3]

الوضوء صرف ہاتھ دھونے اور کلی کرنے کے معنی میں خود حدیث میں ہے۔ فرمایا، برکۃ الطعام الوضوء قبلہ والوضوء بعدہ [4] یہاں بالاتفاق صرف ہاتھ دھونا اور کلی کرنا مراد ہے۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ توضؤا مما مست النار میں امر استحباب کے لئے لیا جائے۔ چونکہ یہ مسئلہ مختلف فیہ تھا، اس لئے امام بخاری نے یہ باب باندھا۔ جو بکری کے گوشت اور ستو کھانے کے بعد وضو نہ کرے۔ امام بخاری نے جتنی تعلیق ذکر کی ہے اس سے باب ثابت نہیں ہوتا۔ یہ کب کوئی کہتا ہے کہ آگ پر پکی ہوئی چیز کھانے کے فوراً بعد وضو فرض ہے۔ وضو نماز پڑھنے کے لئے فرض ہے۔ اس میں کہاں ہے کہ گوشت کھا کر ان حضرات نے وضو کئے بغیر نماز بھی پڑھی مگر اصل تعلیق میں یہ ہے جیسا ابھی حضرت جابر کی حدیث گزری اور یہی بقیہ حضرات سے بھی مروی ہے کہ گوشت کھا کر وضو کئے بغیر نماز پڑھی امام بخاری کا مقصود یہ ہے کہ ان حضرات نے گوشت کھا کر وضو کئے بغیر نماز پڑھی اور صحابہ میں کسی نے ٹوکا نہیں تو یہ اسپر اجماع سکوتی ہوگیا کہ اس میں وضو نہیں۔ مگر حقیقت میں اجماع نہیں۔ کثیر صحابہ مثلاً حضرت زید بن ثابت حضرت ابوہریرہ، حضرت انس اور حضرت ابوایوب انصاری و ازواج مطہرات میں حضرت صدیقہ، حضرت ام حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا یہی مذہب ہے کہ آگ پر پکی ہوئی چیز سے وضو واجب ہے، علاوہ ازیں امام حسن بصری، امام زہری، ابوقلابہ، ابومجلز، عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا بھی یہی مذہب ہے۔ اب ائمہ اربعہ کا اس پر اتفاق ہے کہ اس میں وضو نہیں البتہ امام احمد یہ فرماتے ہیں کہ اونٹ کا گوشت کھانے سے وضو واجب ہوجاتا ہے۔

---

[1] طحاوی جلد اول ص ۴۷۔ [2] ایضاً ص ۴۰۔ ابوداود جلد اول باب ترک الوضوء مما مست النار ص ۲۵، نسائی جلد اول باب ترک الوضوء مما غیرت النار ص ۴۲ [3] طہارت، باب الرخصۃ فی ذلک ص ۳۸، طحاوی، باب اکل ما غیرت النار ص ۴۰ [4] ابوداود جلد ثانی باب غسل الیدین عند الطعام ص ۱۷۲

صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَكَلَ كَتِفَ شَاةٍ ثُمَّ صَلّٰى وَلَمْ يَتَوَضَّأْ ع۔

صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بکری کا شانہ کھایا اس کے بعد نماز پڑھی اور وضو نہیں فرمایا

حدیث (۱۵۲) ایضا اَخْبَرَنِيْ جَعْفَرُ بْنُ عَمْرِو بْنِ اُمَيَّةَ اَنَّ اَبَاهُ اَخْبَرَهٗ

حضرت عمرو بن امیہ نے خبر دی کہ انھوں نے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو

اَنَّهٗ رَاَى النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَحْتَزُّ مِنْ كَتِفِ شَاةٍ

دیکھا کہ بکری کا شانہ کاٹ کر کھا رہے تھے اور

فَدُعِيَ اِلَى الصَّلٰوةِ فَاَلْقَى السِّكِّيْنَ فَصَلّٰى وَلَمْ يَتَوَضَّأْ عه

نماز کے لیے بلائے گئے۔ حضور نے چھری رکھ دی اور نماز پڑھی وضو نہیں فرمایا۔

تشریحات (۱۵۱-۱۵۲) تکمیل کتاب الاطعمہ میں بطریق محمد بن سیرین یہ ہے، تَعَرَّقَ النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم كَتِفاً۔ تعرق کے معنی ہیں، ہڈی کے اوپر کا گوشت کھایا۔ اس کا مادہ عَرْقٌ ہے۔ اس کے معنی اس ہڈی کے ہیں جس پر گوشت ہو۔ وہیں بطریق عکرمہ یہ ہے۔ انتشل النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم عرقا من قدر فاکل۔ انتشل کے معنی ہیں ہاتھ سے بغیر چمچے کے ہانڈی سے گوشت نکالنا۔ مطلب یہ ہوا کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ہاتھ سے ہانڈی میں سے گوشت نکالا اور تناول فرمایا۔ ابوداؤد میں بطریق یحییٰ بن یعمر یہ ہے۔ انتھس من کتف شانے کا گوشت سامنے کے دانتوں سے تناول فرمایا۔ نھس، سین مہملہ سے ہو تو اس کے معنی سامنے کے دانتوں سے نوچنا ہے اور شین معجمہ کے ساتھ ہو تو اس کے معنی ڈاڑھوں سے یا کل دانتوں سے کھانا ہے۔ ابوداؤد میں اتنا زائد ہے کہ کھانے کے بعد، اس ٹاٹ سے، جس پر حضور بیٹھے تھے ہاتھ پونچھا۔ یہ واقعہ حضور کے چچا حارث بن عبدالمطلب کی صاحبزادی حضرت ضباعہ کے گھر ہوا تھا۔

ایک سند کی توضیح کتاب الاطعمہ میں امام بخاری نے یہ حدیث دو طریقوں سے ذکر کی۔ ایک بطریق محمد بن سیرین۔ دوسرے بطریق عکرمہ۔ بطریق عکرمہ کی سند، وعن ایوب وعاصم سے ذکر کی۔ اس پر کچھ لوگوں نے کہا کہ یہ تعلیق ہے۔ اسے تعلیق کہنا غلط ہے۔ بلکہ یہ متابعت ہے۔ یہ حدیث حماد بن زید امام بخاری کے شیخ الشیخ کے پاس بروایت ایوب دو سندوں اور دو لفظوں کے ساتھ تھی۔ ایک بواسطہ محمد بن سیرین، لفظ اول کے ساتھ۔ دوسرے بواسطہ عکرمہ بلفظ ثانی۔ ان دونوں سندوں کے ساتھ امام بخاری کو بواسطہ، عبداللہ بن عبدالوہاب ملی ہے۔

ع۵ ایضاً جلد ثانی، باب النھش وانتشال اللحم ص ۸۱۳۔ مسلم جلد اول، طہارت، الوضوء مما مست النار ص ۱۵۷ ابوداؤد جلد اول، ترک الوضوء مما مست النار ص ۲۵۔ عه۵ ایضاً جلد اول، الصلوۃ اذا دعی الامام الی الصلوۃ وھو یاکل ص ۹۳۔ جلد ثانی، الاطعمہ باب قطع اللحم من السکین ص ۸۱۴، وباب شاۃ مسمومۃ والکتف والجنب ص ۸۱۵ باب اذا حضر العشاء فلا یعجل عن عشائہ ص ۸۲۱۔ مسلم جلد اول، طہارت، باب الوضوء مما مست النار ص ۱۲۵۔ ترمذی، اطعمہ، باب الرخصۃ فی قطع اللحم بالسکین ص ۲۸۸۔

حدیث (۱۵۳) اکل رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم السویق و لم یتوضأ

اَنَّ سُوَيْدَ بْنَ النُّعْمَانِ اَخْبَرَهُ اَنَّهُ خَرَجَ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ

سوید بن نعمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خبر دی کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

اس متابعت کا فائدہ یہ ہے کہ یحییٰ بن معین نے کہا کہ ابن سیرین نے حضرت ابن عباس سے حدیث نہیں سنی ہے ابن عباس سے بواسطہ عکرمہ روایت کرتے ہیں۔ اس سے لازم آیا کہ اس سند میں انقطاع ہے۔ امام بخاری نے اس کی متابع ایک اور حدیث ذکر کر دی۔ جسمیں انقطاع کا وہم نہیں۔

مطابقت امام بخاری نے باب میں ستو کا بھی اضافہ فرمایا ہے۔ اس باب میں دو حدیثیں ذکر کی ہیں، کسی میں ستو کا ذکر نہیں بات یہ ہے کہ یہاں جزئیات کی بحث نہیں۔ ایک قاعدہ کلیہ پر بحث ہو رہی ہے کہ آگ پر پکی ہوئی چیز سے وضو ٹوٹتا ہے یا نہیں گوشت آگ پر پکا ہوا تھا جسے حضور نے تناول فرمایا اور بغیر اعادہ وضو کے نماز پڑھی تو ثابت کہ آگ پر پکی ہوئی چیز کھانا، ناقض وضو نہیں۔ اسی کا ایک فرد ستو بھی ہے تو ثابت کہ اس کے کھانے سے بھی وضو نہیں ٹوٹتا۔ اسی کو دوسرے طریقے سے یوں کہدیا جائے کہ گوشت میں چکنائی ہوتی ہے جو دیر میں جاتی ہے جب چکنا ہٹ کے باوجود گوشت کھانے سے وضو واجب نہیں تو ستو سے بدرجہ اولیٰ واجب نہ ہوگا،

اس حدیث میں ہے کہ جب نماز کے لئے بلائے گئے تو گوشت اور اس چھری کو رکھدیا جس سے گوشت کاٹ کر تناول فرماتے تھے۔ اس سے ثابت ہوا کہ کھانے میں چھری کا استعمال جائز ہے۔ حالانکہ حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ حضور نے فرمایا:

لاتقطعوا اللحم بالسکین فانہ من صنیع الاعاجم — گوشت چھری سے کاٹ کر مت کھاؤ اس لئے کہ یہ عجمیوں کا طریقہ ہے

وانھسوہ فانہ اھنأ وامرء [۱] — دانت سے کھاؤ یہ زود ہضم اور زیادہ لذیذ ہے۔

اس کے جواب میں کچھ لوگوں نے یہ کہا کہ یہ حدیث ضعیف ہے۔ ابوداؤد نے کہا، یہ حدیث قوی نہیں، اس کا ایک راوی ابومعشر نجیح المسندی الہاشمی صاحب مغازی ہے۔ امام بخاری وغیرہ نے کہا کہ یہ منکر الحدیث ہے۔ اور اس کی منکر احادیث میں سے یہ حدیث ہے۔ اسلئے اسے حرمت کی دلیل نہیں بنا سکتے مگر علامہ ابن حجر نے فرمایا کہ اسکے لئے شاہد ہے کہ جس سے قوت پاکر یہ قوی ہوگئی جیسا کہ خود ابوداؤد میں اس حدیث کے بعد حضرت صفوان بن امیہ سے اسی مضمون کی حدیث موجود ہے۔ بنظر وتبق دونوں میں تعارض ہی نہیں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ضرورۃً چھری کا استعمال فرمائی ہو، اس بنا پر کہ یہ گوشت سخت رہا ہو، دانت سے چھڑایا نہ جاسکتا ہو، اور ممانعت اعاجم کے فعل کے سبب سے ہے وہ عادۃً شوقیہ چھری استعمال کرتے ہیں ہاتھ سے کھانے کو معیوب جانتے ہیں جیسا کہ اہل یورپ کا حال معلوم ہے **مسائل**: جماعت تیار ہو جائے تو مؤذن کو چاہیے کہ امام کو اطلاع کر دے یہاں نماز کے لئے بلانے والے حضرت بلال تھے۔ نفی اگر محصور ہو تو نفی پر شہادت قبول کی جاسکتی ہے۔

تشریحات (۱۵۳) **سوید بن نعمان** رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ انصاری اوسی مدنی صحابی ہیں۔ ان خوش نصیب بزرگوں میں ہیں جنھوں نے بیعت

[۱] ابوداؤد جلد ثانی اطعمہ باب اکل اللحم ص ۱۷۴۔

وَسَلَّمَ عَامَ خَيْبَرَ حَتّٰى إِذَا كَانُوا بِالصَّهْبَاءِ وَهِيَ أَدْنَى خَيْبَرَ فَصَلَّى الْعَصْرَ

کے ساتھ خیبر والے سال جہاد کے لئے نکلے جب سب لوگ صہبا پہنچے جو خیبر کا مدینہ طیبہ سے قریبی علاقہ ہے تو

ثُمَّ دَعَا بِالْأَزْوَادِ فَلَمْ يُؤْتَ إِلَّا بِالسَّوِيقِ فَأَمَرَ بِهِ فَثُرِّيَ فَأَكَلَ رَسُولُ اللّٰهِ

حضور نے نماز عصر پڑھی۔ پھر توشہ منگوایا۔ حضور کی خدمت میں صرف ستو پیش کیا گیا۔ حضور نے حکم دیا تو اسے بھگویا گیا

صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَكَلْنَا ثُمَّ قَامَ إِلَى مَغْرِبٍ فَمَضْمَضَ وَمَضْمَضْنَا

حضور نے بھی تناول فرمایا اور ہم لوگوں نے بھی کھایا۔ اس کے بعد حضور مغرب کیلئے اٹھے، حضور نے کلی کی اور ہم لوگوں نے

رضوان کی ہے۔ کچھ لوگوں نے یہ بھی کہا ہے کہ یہ غزوۂ احد میں بھی شریک ہوئے، ان سے کل سات حدیثیں مروی ہیں جن میں سے صرف یہ ایک حدیث امام بخاری نے ذکر کی ہے

خیبر مدینہ طیبہ سے چار منزل اُتر جانب یہودیوں کی ایک بستی تھی۔ عمالقہ میں سے خیبر نامی ایک شخص یہاں آکر اترا، اُسی کے نام پر اس کا خیبر نام پڑ گیا۔ ۷ھ میں یہ فتح ہوا، حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسے ترقی دے کر شہر بنا دیا۔ یہ علمیت اور عجمہ ہونے کی وجہ سے غیر منصرف ہے۔

صہباء اصہب کا مؤنث ہے جس کے معنی، سفیدی سرخی مائل۔ ٹھنڈا دن۔ شیر کے ہیں، یہ خیبر کے ملحقات میں سے خیبر سے ایک دو پہر کی مسافت پر ایک گاؤں تھا جو مدینہ طیبہ کی جانب یعنی خیبر سے دکھن طرف تھا، یہی وہ مشہور و معروف جگہ ہے جہاں سورج لوٹانے کا عظیم معجزہ ظاہر ہوا تھا [1]

سورج لوٹانے کی حدیث کو ابن جوزی نے موضوع کہا مگر یہ ابن جوزی کا جزاف وتھور ہے، حقیقت میں یہ حدیث حسن ہے امام طحاوی اور امام قاضی عیاض نے اس کو صحیح کہا، علامہ شامی فرماتے ہیں:۔

والحديث صححه الطحاوي وعياض واخرجه جماعة منهم الطبراني بسند حسن واخطأ من جعله موضوعا كابن الجوزي [2]

اس حدیث کو طحاوی اور عیاض نے صحیح کہا اسے محدثین کی ایک جماعت نے سند حسن کے ساتھ روایت کیا جنہیں طبرانی بھی ہیں اور جس نے اسے موضوع کہا اس نے غلطی کی جیسے ابن جوزی۔

حضرت ملا علی قاری شرح شفا میں فرماتے ہیں:

فهو في الجملة ثابت اصله وقد يتقوى بتعاضد الاسانيد الى ان يصل الى مرتبة حسنة فيصح الا حتجاج به [3]

فی الجملہ اس حدیث کی اصل ثابت ہے۔ متعدد سندوں کیوجہ سے قوت پاکر مرتبہ حسن تک پہنچ گئی اس لئے اس سے دلیل لانا صحیح ہے۔

---

[1] مشکل الآثار للطحاوی جلد رابع اخیر باب ص ۳۸۸۔ شفا و شرحہ للملا علی القاری جلد اول باب فی انشقاق القمر والشمس ص ۵۸۹

[2] شامی جلد اول کتاب الصلوٰۃ ص ۲۴۱۔ [3] شرح شفا جلد اول ص ۵۸۹۔

ثُمَّ صَلّٰی وَلَمْ یَتَوَضَّأْ عہ

بھی کی پھر نماز پڑھی ، حضور نے وضو نہیں فرمایا

پہلے امام بخاری نے یہ باب باندھا تھا کہ گوشت یا ستو کھانے سے وضو نہیں۔ اب یہ باب باندھا ہے کہ ستو کھانے کے بعد کلی کرنی ہے۔ اس سے دو افادہ مقصود ہے۔ ایک یہ کہ جیسے ستو کھانے کے بعد کلی کرنی ہے اسی طرح گوشت وغیرہ کھانے کے بعد بھی کلی کرنی ہے۔ اس لئے کہ ستو میں چکنائی نہیں ہوتی۔ جب اس کے کھانے کے بعد کلی ہے تو جن چیزوں میں چکنائی ہو ان کے کھانے کے بعد بدرجۂ اولی کلی کرنی چاہیئے۔

دوسرا یہ کہ جن احادیث میں آگ پر پکی ہوئی چیزوں کے کھانے پر وضو کا حکم ہے۔ ان میں وضو سے، لغوی وضو مراد ہے شرعی نہیں تاکہ احادیث کا تعارض اٹھ جائے۔ شوکانی صاحب نے نیل الاوطار میں لکھا کہ توضؤوا مما مست النار میں وضو سے لغوی معنی مراد لینا درست نہیں، اس لئے کہ حقائق شرعیہ، غیر پر مقدم ہوتے ہیں۔ اس پر عرض ہے کہ نصوص میں تعارض دفع کرنے کے لئے بعض نصوص میں لغوی معنی مراد لینا ضرورت شرعیہ ہے۔ ضرورت شرعیہ کی بنا پر معانی شرعیہ سے عدول میں کوئی حرج نہیں۔

نیز انھوں نے نسخ کے قول پر یہ ایراد کی ہے کہ جب حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہمیں کوئی حکم دیں تو فعل رسول اس قول رسول کا ناسخ نہیں ہو سکتا، یہ بھی فریب ہے۔ اولاً یہ اسوقت ہے جبکہ وہ عمل خصائص میں سے ہو، جیسے نیند کا ناقض نہ ہونا، اور خصائص میں سے ہونے کے لئے دلیل لازم۔ یہاں کوئی دلیل نہیں اس لئے دعوی تخصیص ساقط۔ اور جب تخصیص ثابت نہیں تو یہ کہنا کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا یہ عمل ناسخ نہیں ہو سکتا، بے دلیل ہوا۔

ثانیاً اس حدیث میں تصریح ہے، ہم لوگوں نے بھی ستو کھایا اور صرف کلی کرکے نماز پڑھی۔ اگر آگ پر پکی ہوئی چیز کا ناقض وضو ہونا حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ خاص ہوتا تو حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم صحابہ کرام کو ضرور وضو کا حکم دیتے۔ اسی سے ان کا یہ اجتہاد بھی باطل ہوگیا۔ آگ پر پکی ہوئی چیزوں میں سے صرف بکری کا گوشت کھانے سے وضو نہیں ٹوٹتا بقیہ تمام چیزوں سے ٹوٹ جاتا ہے۔ وہ اس طرح کہ اس حدیث سے ثابت کہ ستو کھانا ناقض وضو نہیں، نیز مسلم شریف میں روٹی[۱] کا بھی ذکر ہے اسلئے بکری کے گوشت کا حصر باطل۔

مسائل

کسی بھی چیز کے کھانے کے بعد کلی کر لینی مستحب ہے۔ ایک وضو سے متعدد نمازیں پڑھ سکتے ہیں۔ بہتر یہ ہے کہ سفر میں تمام رفقا، اپنے اپنے کھانے ایک جگہ جمع کرکے کھائیں، اس لئے کہ جماعت میں برکت ہے حاکم اسلام کو اس کی اجازت ہے کہ عند الضرورت، غلے کی ذخیرہ اندوزی کرنے والے کا بجبر غلہ نکلوا کر فروخت کروائے، سالار فوج لشکر کی خبر گیری کرتا رہے۔ اگر ضرورت ہو تو سب کی خوراک اکٹھی کر دے تاکہ جن کے پاس خوراک نہ ہو انھیں بھی غذا مل جائے۔

عہ ایضا جلد اول، طہارت باب الوضوء من غیر حدث ص ۳۴۔ جہاد، حمل الزاد فی الغزو ص ۴۱۸، جلد ثانی مغازی، باب غزوۂ خیبر ص ۶۰۳، ایضا باب غزوۃ الحدیبیہ ص ۶۰۰، اطعمہ باب السویق ص ۸۱۲ وباب المضمضۃ بعد الطعام ص ۸۲۰، نسائی جلد اول، طہارت باب ترک الوضوء مما غیرت النار ص ۴۰، ابن ماجۃ، طہارت باب الرخصۃ فی ذلک ص ۳۸۔ مؤطا امام مالک طہارت ترک الوضوء مما مست النار ص ۱۰، مسند امام احمد۔ طحاوی، جلد اول طہارت باب اکل ما غیرت النار ص ۴۰،

۱ جلد اول، طہارت باب الوضوء مما مست النار ص ۱۵۷

حدیث (۱۵۴) اکل صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کتفا ثم صلی ولم یتوضأ

عَنْ مَیْمُوْنَۃَ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْھَا اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ

حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے

اَکَلَ عِنْدَھَا کَتِفًا ثُمَّ صَلّٰی وَلَمْ یَتَوَضَّأْ عہ

ان کے پاس (بکری) کا شانہ کھایا پھر نماز پڑھی اور وضو نہیں کیا۔

حدیث (۱۵۵) المضمضۃ من اللبن

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْھُمَا اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے

عَلَیْہِ وَسَلَّمَ شَرِبَ لَبَنًا فَمَضْمَضَ وَقَالَ اِنَّ لَہٗ دَسَمًا عہ

دودھ پیا اس کے بعد کلی کی اور فرمایا اس میں چکنا ہٹ ہے

تشریحات (۱۵۴) مطابقت امام بخاری نے "باب باندھا تھا" — جس نے ستو سے ۔صرف کلی کی اور وضو نہیں کیا — اس حدیث میں نہ ستو کا ذکر ہے نہ کلی کا — علامہ کرمانی نے اس کا یہ جواب دیا کہ بخاری کے جس نسخے پر "فربری" کے دستخط ہیں۔ یہ حدیث اس کے پہلے والے باب میں ہے۔

اس باب میں صرف پہلی والی، سوید بن نعمان والی حدیث ہے۔ ناقلین کی غلطی سے یہ حدیث اس باب میں لکھ گئی — باب سے مطابقت تو نہیں لیکن اس سے ایک افادہ کی جانب اشارہ ہو سکتا ہے کہ کسی بھی چیز کے کھانے کے بعد نماز پڑھنے کے لئے کلی کرنی فرض و واجب نہیں، مستحب ہے۔ کر لیا گیا تو بہتر ہے نہ کیا تو بھی کوئی حرج نہیں۔

تشریحات (۱۵۵) مصنف ابن ابی شیبہ میں ہے کہ بعض صحابۂ کرام دودھ پینے کے بعد وضو لازم جانتے تھے۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ دودھ کے بارے میں فرمایا۔

نُسْقِیْکُمْ مِمَّا فِیْ بُطُوْنِہٖ مِنْ بَیْنِ فَرْثٍ وَّدَمٍ لَّبَنًا خَالِصًا سَائِغًا لِّلشّٰرِبِیْنَ ۔ (نحل ۶۶)

ان جانوروں کے پیٹوں میں جو گوبر اور خون ہے اس سے ہم تم کو خالص دودھ پلاتے ہیں جو پینے والوں کیلئے خوشگوار ہے۔

چونکہ دودھ ۔لید اور خون کے مابین رہتا ہے اس لئے اس کے پینے کے بعد وضو ضروری ہے — لیکن اگر یہ استدلال صحیح مان لیا جائے

عہ مسلم جلد اول، طہارت، باب الوضوء مما مست النار ص ۱۵۷۔

عہ مسلم جلد اول، طہارت، باب الوضوء مما مست النار ص ۱۵۷، ابوداود جلد اول، طہارت باب الوضوء من اللبن ص ۲۶، ترمذی جلد اول، طہارت، المضمضۃ من اللبن ص ۱۲، نسائی جلد اول، طہارت باب المضمضۃ من اللبن ص ۴۰، ابن ماجہ طہارت، المضمضۃ من شرب اللبن ص ۳۸۔

حدیث (۱۵۶) اذا نعس احدکم وھو یصلی فلیرقد

عَنْ عَائِشَۃَ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہَا اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ

ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے

قَالَ اِذَا نَعَسَ اَحَدُکُمْ وَھُوَ یُصَلِّیْ فَلْیَرْقُدْ حَتّٰی یَذْھَبَ عَنْہُ النَّوْمُ

فرمایا جب نماز کی حالت میں کوئی اونگھے تو اسے لازم ہے کہ سو رہے یہاں تک کہ نیند کا اثر ختم ہو جائے

توکلام اس کی حلت، حرمت یا کم از کم کراہت میں کرنا پڑیگا، دودھ خون اور لید کے مابین رہتے ہوئے ان دونوں سے بالکل الگ تھلگ صاف ستھرا رہتا ہے۔ گوبر اور خون کا کوئی اثر اس میں نہیں آیا تا اس لئے اس کا پینا بلا کسی ادنی کراہت کے جائز اور پینے کے بعد کلی کی وجہ یہ نہیں کہ وہ لید اور خون کے درمیان رہتا ہے بلکہ اس کی چکناہٹ ہے، جیسا کہ اس حدیث میں تصریح ہے۔

حدیث میں "ان لہ دسما" فرما کر کلی کرنے کی علت پر تنصیص فرمادی۔ اس سے معلوم ہوا کہ کلی کرنے میں آگ پر پکے ہونے کو یا لید اور خون کے درمیان ہونے کو کوئی دخل نہیں۔ اسی سے مستفاد ہوا کہ گوشت کھانے کے بعد کلی کا حکم اس کی چکناہٹ کی بنا پر ہے، آگ پر پکے ہونے کیوجہ سے نہیں۔ اسی سے یہ ثابت ہو گیا کہ دودھ پینے کے بعد بہر حال کلی کرنا مستحب ہے اگرچہ کچا ہو، پکا ہوا نہ ہوا اس لئے دودھ اور ستو کھانے کے بعد کلی کرنے سے بطور دلالۃ النص یہ معلوم ہوا کہ کچھ بھی کھایا جائے اور فوراً نماز پڑھنی ہو تو کلی کر لینی مستحب ہے۔ اس لئے کہ ستو اور دودھ میں علت مشترک اس کا منھ میں اثر باقی رہنا ہے، اور تجربہ شاہد ہے کہ کچھ بھی کھائے تو اس کا اثر منھ میں رہتا ہے۔

ستو کھانے دودھ پینے کے بعد کلی کا حکم استحبابی ہے اس پر دلیل یہ حدیث ہے:

"حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دودھ پیا اس کے بعد نہ کلی کی اور نہ وضو فرمایا اور نماز پڑھی۔" [1]

تشریحات (۱۵۶) (۱۵۷)

(۱) مطابقت

امام بخاری نے ان احادیث پر جو باب باندھا ہے۔ اس کا دو جز ہے۔ ایک یہ کہ، نیند سے وضو ہے۔ دوسرے یہ کہ جس نے ایک دو بار اونگھنے اور ایک جھونکے سے وضو واجب نہیں جاتا۔ پہلے جز کے مطابق امام بخاری کوئی حدیث نہیں لائے۔ غالباً ان کے نزدیک نیند کا ناقض وضو ہونا ایسا مسلم الثبوت ہے کہ اس پر دلیل لانے کی حاجت نہیں۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ان کی شرط پر کوئی حدیث انھیں نہ ملی ہو۔ ورنہ بہت سی متفق علیہ باتوں کا باب باندھا ہے اور اس کے مطابق حدیث لائے۔ جبکہ یہاں نیند کا مطلقاً ناقض وضو ہونا متفق علیہ نہیں۔ ایک دوبار اونگھ نیند کے ایک جھونکے سے وضو کا ٹوٹنا مختلف فیہ ہے اس لئے اس کے متعلق حدیث ذکر فرمائی۔ مگر یہ وجہ خفی ہے کہ ان دونوں حدیثوں سے کیسے ثابت ہوتا ہے کہ ایک دوبار اونگھ یا ایک جھونکے سے وضو نہیں ٹوٹتا یا ٹوٹتا ہے؟ اس کی توضیح یہ ہے کہ جب کسی حکم کے پائے جانے کی دو یا دو سے زائد علتیں بن سکتی ہوں تو اصولی طور پر ان میں جو علت

[1] ابوداؤد جلد اول، طھارت، باب الرخصۃ فی ذلک ص ۲۶۔

فَاِنَّ اَحَدَکُمْ اِذَا صَلّٰی وَھُوَ نَاعِسٌ لَا یَدْرِیْ لَعَلَّہٗ یَسْتَغْفِرُ فَیَسُبَّ نَفْسَہٗ ع۱

اس لئے کہ نیند کی حالت میں نماز پڑھتے ہوئے اسے کیا خبر۔ ہو سکتا ہے کہ استغفار کرنا چاہتا ہو اور اپنے اوپر بد دعا کر بیٹھے۔

حدیث (۱۵۷) حدیث ایضا عَنْ اَنَسٍ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ

تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَا نَعَسَ فِی الصَّلٰوۃِ فَلْیَنَمْ حَتّٰی یَعْلَمَ مَا یَقْرَأُ ع۲

نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا جب کوئی نماز میں اونگھے تو اسے لازم ہے کہ سو جائے، یہانتک کہ جو پڑھے اسے سمجھنے لگے

قریبہ ہو اس کی طرف حکم کی نسبت کی جاتی ہے۔ یہاں نماز ترک کرنے کی دو چیز علت بن سکتی ہے۔ ایک اونگھ سے وضو کا ٹوٹنا، دوسرے اس حالت میں نماز کا مفید ہونے کے بجائے مضر ہونے کا اندیشہ۔ وضو ٹوٹنا ترک نماز کی علت قریبہ ہے۔ اور مضر ہونے کا اندیشہ علت بعیدہ۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے نماز چھوڑ کر سو جانے کی علت وضو ٹوٹنے کو نہیں قرار دیا۔ بلکہ اندیشۂ مضرت کو۔ تو معلوم ہوا کہ اس اونگھ سے وضو ٹوٹا ہی نہیں۔ ورنہ ارشاد یہ ہوتا کہ جب تم میں سے کوئی نماز میں اونگھے تو اس کا وضو ٹوٹ گیا۔ اب نماز میں مشغول رہنے سے کیا فائدہ۔ اس سے ثابت کہ نماز میں اونگھنے سے وضو نہیں ٹوٹتا۔ رہ گئی ایک یا دو بار اونگھ کی تخصیص تو غالبًا امام بخاری نے اس کو اس طرح اخذ کیا ہے کہ نماز میں اس سے زیادہ ممکن نہیں ــــ مگر یہ بہت ہی سطحی بات ہے، حقیقت یہ ہے کہ نماز میں انسان پوری نیند سو سکتا ہے۔ اور بنظر دقیق یہی زبردستی ہے کہ امام بخاری ایک یا دو اونگھ یا ایک جھونکے کو ناقض وضو نہیں مانتے۔ انھوں نے باب اس طرح باندھا ہے جس سے یہ متعین نہیں ہوتا کہ ان کا مسلک کیا ہے۔

نماز میں سونا ناقض وضو نہیں تحقیق یہ ہے کہ نماز میں سونا مطلقا ناقض وضو نہیں، خواہ نماز کی کسی بھی حالت میں سوئے جیسا کہ احناف کا مسلک ہے۔ اس لئے کہ نیند بذاتہ ناقض وضو نہیں بلکہ خروج ریح کے مظنہ ہونے کی بنا پر ہے ــــ اس وجہ سے جن صورتوں میں خروج ریح کا مظنہ ہے ان صورتوں میں سونا ناقض وضو ہے۔ اور جن حالتوں میں یہ مظنہ نہیں ان صورتوں میں نیند ناقض وضو نہیں۔ اس کی بنیاد استرخار مفاصل ہے۔ جیسا کہ حدیث میں وارد ہے، فرمایا :۔

ان الوضوء لایجب الا علی من نام مضطجعا — وضو صرف اسی پر واجب ہے جو کروٹ کے بل سوئے

فانہ اذا نام مضطجعا استرخت مفاصلہ لہ — اسلئے کہ جب کروٹ کے بل سوئیگا تو اسکے جوڑ ڈھیلے پڑجائینگے

اس حدیث کے ایک راوی، ابو خالد یزید دالانی پر کلام کیا گیا ہے۔ مگر بہت سے محدثین نے ان کی توثیق بھی کی ہے ــــ امام احمد اور نسائی نے کہا کہ "لاباس بہ" ابو حاتم نے ان کو ثقہ کہا۔ امام ذہبی نے مغنی میں کہا کہ یہ حدیث حسن ہے۔ علاوہ ازیں اس حدیث کے شواہد بھی ہیں جن سے قوت پاکر درجۂ حسن تک پہنچ گئی اس لئے لائق استدلال ہے۔

ع۱ مسلم جلد اول، صلوٰۃ باب من نعس فی صلوتہ ان یرقد ص ۲۶۷۔ ابوداود جلد اول باب النعاس فی الصلوٰۃ ص ۱۸۶۔ نسائی طہارت باب النعاس ص ۳۷۔ لہ ترمذی، جلد اول، طہارت باب الوضوء من النوم ص ۱۲ ابوداؤد جلد اول، طہارت باب فی الوضوء من النوم ص ۲۶۔

اس حدیث میں کروٹ پر سونے کو ناقض وضو، اس لئے فرمایا کہ کروٹ پر سونے سے مفاصل ڈھیلے پڑجاتے ہیں۔ جس سے ثابت ہوا کہ ناقض وضو ہونے کی علت ایسی نیند کو ٹھہرایا گیا جس سے استرخار مفاصل ہو۔ اس لئے نقض وضو کا حکم نوم مع استرخار مفاصل کے ساتھ دائر ہوگا۔ کروٹ کے بل سونے کے علاوہ جن جن صورتوں میں استرخار مفاصل ہوگا، ان تمام صورتوں میں سونے سے وضو ٹوٹ جائے گا۔ اور جن صورتوں میں نہ ہوگا ان صورتوں میں سونے سے وضو نہیں ٹوٹے گا، اور یہ ظاہر ہے کہ نماز کی جتنی ہیئت ہے کسی میں استرخاء مفاصل نہیں۔ اس لئے بطریق مسنون نماز پڑھنے کی حالت میں سونا ناقض نہیں۔ البتہ عورتوں کا سجدہ اس سے مستثنیٰ ہے ان کے سجدے کی ہیئت ایسی ہے جس میں استرخار مفاصل ہوتا ہے۔ اگر کوئی مرد، عورتوں کی طرح سجدہ کرے اور سو جائے تو مرد کا بھی وضو ٹوٹ جائے گا۔

نماز کی نیند ناقض وضو نہیں، اس کی دلیل وہ حدیث بھی ہے۔ جو حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے:
کہ جب وہ اپنی خالہ حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے گھر سوئے تھے اور حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھ رہے تھے، اونگھ جاتے، فرماتے ہیں:

فجعلت اذا اغفیت یاخذ بشحمۃ اذنی۔ [۱] — جب میں اونگھتا تو حضور میرے کان کی لو پکڑتے۔

ان کے علاوہ مزید مندرجہ ذیل احادیث بھی ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ کھڑے، بیٹھے، سجدے کی حالت میں سونے سے وضو نہیں ٹوٹتا۔ بیہقی میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے:

لیس علی المحتبی النائم ولا علی القائم النائم وضوء حتی یضطجع فاذا اضطجع توضأ۔ — جو شخص دونوں پاؤں کھڑا کرکے سرین زمین پر ٹیک کر بیٹھا بیٹھا سو جائے یا کھڑے کھڑے سو جائے اس پر وضو نہیں جبتک کہ کروٹ کے بل سوئے نہیں، جب کروٹ کے بل سو جائے تو وضو کرے۔

نیز دار قطنی میں ہے:۔

لا وضوء علی من نام قائما۔ — کھڑے کھڑے سونے والے پر وضو نہیں۔

پھر بیہقی میں ہے:۔

لا یجب الوضوء علی من نام جالسا او قائما او ساجدا حتی یضع جنبہ۔ — جو بیٹھ کر یا کھڑے ہو کر یا سجدے کی حالت میں سو جائے اس پر وضو نہیں جب تک اپنا پہلو نہ رکھے۔

ان سب کا قدر مشترک وہی نکلا جو حدیث اول میں مذکور ہے کہ اگر ایسی حالت میں سویا جس سے استرخار مفاصل ہو جائے تو وضو ٹوٹا ورنہ نہیں۔

مختلف احادیث کا محمل اس بارے میں وارد مختلف احادیث کا محمل یہی ہے کہ ___ جن احادیث سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ نیند ناقض وضو ہے ان سے مراد وہ نیند ہے جس سے استرخار مفاصل ہو اور جن سے یہ مستفاد ہوتا ہے کہ نیند ناقض وضو نہیں

[۱] مسلم جلد اول، مسافرین باب صلوٰۃ النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ودعائہ باللیل ص ۲۶۱۔

حدیث (۱۵۸) الوضوء عند کل صلوٰۃ

عَنْ اَنَسٍ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ قَالَ کَانَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا نبی صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہر نماز

ان سے مراد وہ نیند ہے جس سے استرخاء مفاصل نہ ہو۔

ایضاح البخاری میں اپنے شیخ الہند کی باب سے مطابقت کی یہ تقریر نقل کی ــــ کہ ابطال عمل ممنوع ہے اسلئے مراد یہ ہے کہ جو نماز پڑھ رہا تھا اسے جلدی جلدی پوری کرکے سو رہے۔ اونگھنے کے باوجود نماز پوری کرنے کی ہدایت سے معلوم ہوا کہ اونگھنا ناقض وضو نہیں۔ جو بھی ادنیٰ سمجھ رکھتا ہے وہ اچھی طرح جانتا ہے کہ یہ تقریر حدیث کے سیاق کے منافی ہے۔ جب اونگھنے کی وجہ سے اس کا خطرہ پیدا ہو گیا کہ کہیں دعا کے بجائے بددعا نہ کرنے لگے۔ تو یہ خطرہ نماز پوری کرنے میں بہرحال ہے۔ پھر نماز پوری کرنے کی اجازت کا کوئی محمل نہیں۔ رہ گیا ابطال عمل کی بات ــــ تو گزارش ہے کہ ابطال عمل اس وقت منع ہے جب کوئی عذر شرعی یا داعیۂ شرعی نہ ہو۔ جب کوئی داعیۂ شرعی پایا جائے تو ابطال عمل ممنوع نہیں، مثلاً نماز کی حالت میں سانپ آگیا، آگ لگ گئی، قضاء حاجت کی ضرورت شدید ہو گئی تو کیا ارشاد ہے۔ پھر جہاں شارع کی طرف سے اجازت ہو وہاں ممنوع ہونے کا کیا سوال؟ ــــ علامہ عینی نے اس حدیث سے مستنبط مسائل کے تحت لکھا۔ اس حدیث میں یہ حکم ہے کہ غلبۂ نوم کے وقت نماز توڑ دے۔

ایسی حالت میں نماز سے ممانعت اس لئے ہے کہ ہو سکتا ہے کہ یہ وقت اجابت ہو اور یہ بددعا کردے جو قبول ہو جائے اس سے ثابت ہوا کہ نماز میں حضور قلب اور باخشوع وخضوع رہنا چاہئے۔ احتیاط پر عمل بہتر ہے۔ ایسی نیند پر جس میں استرخاء مفاصل ہوتا ہے فقہاء نے جنون، بیہوشی نشہ کو بھی قیاس کرکے ناقض وضو بتایا ہے۔

تشریحات (۱۵۸)

وضو علی الوضو کے بارے میں مذاہب

(۱) بعض ظاہریہ اور شیعہ اس کے قائل ہیں کہ مقیم پر ہر نماز کے لئے وضو واجب ہے، البتہ مسافروں کو ایک وضو سے متعدد نمازیں پڑھنے کی اجازت ہے۔ ان کی دلیل یہ حدیث ہے۔ جو سلیمان بن بریدہ عن ابیہ سے مروی ہے۔

"نبی صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فتح مکہ کے دن مکے میں ایک ہی وضو سے پانچ نمازیں پڑھیں اور موزوں پر مسح فرمایا۔ حضرت عمر نے عرض کیا یا رسول اللہ! آپ نے آج ایسا کیا ہے کہ اس سے پہلے ایسا نہیں کرتے تھے۔ حضور نے فرمایا۔ اے عمر! یہ میں نے قصداً کیا ہے۔" [۱]

(۲) بہت سے صحابۂ کرام مثلاً حضرت ابن عمر، حضرت ابن عباس، حضرت ابوموسیٰ اشعری، حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور بہت سے تابعی مثلاً حضرت سعید بن مسیب، حضرت حسن بصری وغیرہ اسکے قائل ہیں۔ مقیم ہو یا مسافر سب پر ہر نماز کے لئے وضو واجب ہے خواہ حدث ہو خواہ نہ ہو، ان کی دلیل آیۂ کریمہ کا ظاہری مفاد ہے کہ فرمایا:۔

---

[۱] مسلم جلد اول، طہارت، باب جواز الصلوات کلھا بوضوء واحد ص ۱۳۵۔ ابوداؤد، جلد اول، طہارت، باب الرجل یصلی الصلوات کلھا بوضوء واحد ص ۲۳۔ طحاوی جلد اول طہارت، باب الوضوء ھل یجب لکل صلوٰۃ ام لا۔ ص ۲۵

يَتَوَضَّأُ عِنْدَ كُلِّ صَلٰوةٍ قُلْتُ كَيْفَ كُنْتُمْ تَصْنَعُوْنَ قَالَ يُجْزِي
کے وقت وضو فرماتے ہیں نے پوچھا آپ لوگ کیا کرتے تھے حضرت انس نے کہا
اَحَدَنَا الْوُضُوْءُ مَا لَمْ يُحْدِثْ عـه
جبتک حدث نہ ہوتا ہمیں ایک ہی وضو کافی ہوتا۔

اِذَا قُمْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ (الآية) جب نماز کیلئے کھڑے ہوتو اپنے چہروں کو دھوؤ۔
اس میں یہ قید نہیں کہ جب تم محدث ہو۔

(۳) حضرت ابراہیم نخعی سے منقول ہے کہ ان کا مذہب یہ تھا کہ ــــ ایک وضوء سے زیادہ سے زیادہ پانچ نمازیں پڑھ سکتے ہیں اس سے زائد نہیں۔

(۴) ائمہ اربعہ وغیرہ جمہور علماء کا مذہب یہ ہے۔ وضو صرف حدث سے واجب ہے، اور ایک وضو سے جتنی نمازیں چاہیں پڑھیں۔ ان کی دلیل حدیث زیر بحث ہے، اس لئے کہ اگر ہر نماز کے لئے وضو فرض ہوتا تو حضرت انس اور صحابۂ کرام بھی ہر نماز کے لئے ضرور وضو کرتے۔ اسی طرح مقیم اور مسافر کی تفریق ہوتی تو حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس کو ضرور بیان کرتے ــــ علاوہ ازیں اس کی تائید میں بہت سی احادیث ہیں، مثلاً حضرت جابر کی یہ حدیث، وہ فرماتے ہیں کہ:۔
رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور صحابہ ایک انصاری بیوی کے گھر تشریف لیگئے حضور کے سامنے بھنی ہوئی بکری پیش کی گئی حضور نے اور ہمنے کھایا اتنے میں ظہر کا وقت ہوگیا حضور نے وضو فرمایا اور نماز پڑھی پھر کھانے پر آئے اور جب عصر کا وقت ہوگیا تو نماز پڑھی اور وضو نہیں فرمایا[۱]

کیا حضور پر ہر نماز کیلئے وضو فرض تھا

رہ گیا حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ہر نماز کے لئے وضو کرنا۔ اسکی توجیہ امام طحاوی نے دو کی ہے۔ ایک یہ کہ ابتدا میں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر فرض تھا بعد میں منسوخ ہوگیا۔ اس پر وہ اس حدیث سے دلیل لائے۔

" عبد اللہ بن حنظلہ بن ابو عامر نے حدیث بیان کی۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہر نماز کے لئے وضو کے مامور تھے مگر جب یہ شاق ہوا تو وضو کے بجائے ہر نماز کے وقت "مسواک" کا حکم دیا گیا[۲]

دوسری توجیہ یہ کہ بہر حال افضل یہی ہے کہ ہر نماز کے لئے وضو کیا جائے۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم افضل پر عمل فرماتے تھے۔ اس کی دلیل یہ حدیث ہے: کہ ابو الفضل ھذلی کہتے ہیں ــــ کہ میں نے ابن عمر کے ساتھ ظہر کی نماز پڑھی۔ نماز سے فارغ ہوکر وہ اپنے گھر آئے۔ جب عصر کی اذان ہوئی تو پھر وضو فرمایا۔ میں نے ان سے پوچھا اے ابو عبد الرحمٰن کیا بات ہے کیا ہر نماز کیلئے وضو ضروری ہے؟ فرمایا تم نے ٹھیک سمجھا۔ یہ سنت واجبہ نہیں۔ صبح کی نماز کا وضو تمام نمازوں کیلئے کافی ہے، جبتک حدث نہ ہو۔

عـه ترمذی جلد اول طھارت باب الوضوء لکل صلوٰۃ ص ۹۔ نسائی جلد اول طھارت باب الوضوء لکل صلوٰۃ ص ۳۲ ابن ماجہ، طھارت باب الوضوء لکل صلوٰۃ ص ۳۹۔ ابو داود جلد اول طھارت باب الرجل یصلی الصلوات بوضوء واحد ص ۲۳۔ طحاوی جلد اول باب الوضوء ھل یجب لکل صلوٰۃ ص ۲۶ [۱] طحاوی ص ۲۶ [۲] طحاوی جلد اول باب الوضوء ھل یجب لکل صلوٰۃ ص ۲۵۔

حدیث (۱۵۹) دعا بجریدۃ فکسرھا کسرتین

عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنھما قال مر النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بحائط من حیطان المدینۃ او مکۃ فسمع صوت

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا نبی صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مدینے یا مکے کے باغوں میں سے کسی باغ پر گزرے کہ دو انسانوں کی آواز سنی

بات یہ ہے کہ میں نے رسول اللہ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ، فرمایا۔ جو وضو پر وضو کریگا اس کے لئے دس نیکیاں ہوں گی۔ اس فضیلت کو حاصل کرنے کے لئے میں نے ایسا کیا ہے [۱]

باب کا فائدہ فائدہ اولیٰ:۔ چونکہ یہ مسئلہ مختلف فیہ تھا اس لئے تنقیح کے لئے امام بخاری نے یہ باندھا اور یہ افادہ فرمایا کہ باوضو ہوتے ہوئے نماز کے لئے وضو فرض نہیں۔ ورنہ حضرت انس اور صحابہ کرام ضرور ہر نماز کے لئے وضو کرتے۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہر نماز کے لئے وضو کرتے تھے۔ اس سے ثابت کہ یہ مستحب ہے۔ یہ شبہہ ہو سکتا تھا کہ ہر نماز کیلئے وضو کا فرض ہونا حضور کے خصائص سے ہو، اسے سوید بن نعمان والی حدیث ذکر کر کے دور فرمایا، کہ منزل صہبار پر حضور نے عصر کے وضو سے نماز مغرب ادا فرمائی۔

فائدہ ثانیہ وضو مقصود بالذات عبادت نہیں۔ مفتاح صلوٰۃ ہونے کی وجہ سے عبادت ہے جب وضو ہے تو پھر وضو کرنا بظاہر لغو اور اسراف معلوم ہوتا ہے۔ اس کا ازالہ فرمایا۔ وضو پر وضو کرنا مستحب ہے اور باعث اجر اور فعل رسول ہے۔

تشریحات (۱۵۹) تکمیل یہ واقعہ مدینے میں ہوا یا مکے میں، یہ اس حدیث کے ایک راوی جریر کا شک ہے۔ صحیح یہ ہے کہ یہ واقعہ مدینہ طیبہ کا ہے۔ جیسا کہ کتاب الادب میں بغیر تردید کے "من حیطان المدینۃ" مذکور ہے۔ یہ باغ ام مبشر انصاریہ کا تھا۔[۲] اور یہ دونوں قبریں مسلمانوں کی تھیں اسلئے کہ ابن ماجہ میں ہے بقبرین جدیدین[۳]۔ اور مسند امام احمد میں حضرت ابو امامہ کی حدیث میں ہے کہ حضور جنت البقیع کے قریب سے گزرے تو حضور نے پوچھا۔ تم نے آج یہاں کس کو دفن کیا ہے۔ جنت البقیع میں ایسی نئی قبر سوائے مسلمانوں کے اور کسی کی نہیں ہو سکتی۔ نیز حدیث کا سیاق بھی یہی بتا رہا ہے کہ یہ قبریں مسلمانوں ہی کی تھیں اسلئے کہ عذاب کا سبب، پیشاب سے احتیاط نہ کرنا اور چغل خوری کو بتایا۔ اگر یہ کافر ہوتے تو عذاب کا سبب ان کے کافر ہونے کو بیان فرماتے۔

اس روایت میں ہے کہ "رکھا" اور اس کے بعد والی روایت میں ہے کہ "غرز" گاڑا۔ مسند عبد بن حمید، میں ہے کہ ان کے سروں کے پاس رکھا۔ علامہ ابن حجر نے، نسائی کے حوالے سے لکھا کہ۔ لانے والے حضرت بلال تھے۔

مسلم جلد دوم[۴] کے اخیر میں حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی جو حدیث طویل مذکور ہے اس سے کچھ لوگوں کو شبہہ ہوا کہ کھجور کی شاخ لانے والے حضرت جابر تھے مگر یہ صحیح نہیں۔ وہ دوسرا واقعہ ہے۔ دونوں میں بہت تفاوت ہے۔ یہ واقعہ مدینہ طیبہ کا ہے۔ وہ سفر کا۔

---

[۱] ایضاً ص ۲۵، [۲] دار قطنی فی حدیث جابر، [۳] طہارت۔ تشدید فی البول ص ۲۹، [۴] ص ۴۱۵،

اِنْسَانَیْنِ یُعَذَّبَانِ فِیْ قُبُوْرِھِمَا فَقَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ
جنھیں اپنی اپنی قبروں میں عذاب ہو رہا تھا اس پر نبی صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا
یُعَذَّبَانِ وَمَا یُعَذَّبَانِ فِیْ کَبِیْرٍ ثُمَّ قَالَ بَلٰی کَانَ اَحَدُھُمَا لَا یَسْتَتِرُ
ان پر عذاب ہو رہا ہے حالانکہ کسی بڑے گناہ پر عذاب نہیں ہو رہا ہے اسکے بعد فرمایا، ہاں بڑے گناہ پر

یہاں صحابۂ کرام کا مجمع تھا ۔ وہاں ساتھ میں صرف حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے۔ یہاں یہ مذکور نہیں کہ یہ شاخ کس درخت سے منگائی تھی ۔ وہاں تصریح ہے کہ خاص ان دو درختوں کی شاخیں منگوائی تھیں جنھیں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بطریق اعجاز، قضاحاجت کے لئے اکٹھا کیا تھا۔ یہاں یہ ہے کہ شاخ ایک ہی تھی اس کے دو ٹکڑے کرکے ایک ایک قبر پر رکھا وہاں یہ ہے کہ دونوں درختوں سے ایک ایک شاخ منگوائی ۔ یہاں یہ ہے کہ خود حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے رکھا۔ وہاں یہ ہے کہ حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے رکھوایا۔ یہاں عذاب کے سبب کی تصریح ہے کہ وہ پیشاب سے بے احتیاطی اور نمیمہ ہے ۔ وہاں کوئی سبب مذکور نہیں۔ یہاں لعلّ کے ساتھ تخفیف عذاب کا ذکر ہے ۔ وہاں لعل نہیں۔

گزشتہ سے مناسبت نواقض وضو کا بیان ہو رہا تھا ۔ اس میں یہ بتایا گیا کہ پیشاب، ناقض وضو ہے، ہر ناقض وضو کے لئے ناپاک ہونا لازم۔ فقہ کا مشہور و معلوم قاعدہ ہے۔ ہر حدث نجس ہے اور ہر نجس کا خروج ناقض وضو۔ جب پیشاب نجس ہے تو اس سے بدن اور کپڑے کا بچانا فرض ۔ یہ بتانے کے لئے باب باندھا "من الکبائر ان لایستتر من البول"، پیشاب سے نہ بچنا گناہ کبیرہ میں سے ہے، اور ہر گناہ کبیرہ سے اجتناب فرض ۔ تو ثابت کہ پیشاب سے بچنا فرض ۔ پھر اسکے بعد مسلسل کئی باب اس کے متعلق باندھا جن میں پیشاب سے طہارت کا طریقہ مذکور ہے اور انسان کے علاوہ دوسرے جانوروں کے پیشاب کا ذکر ہے۔

(۲) یہاں روایتیں مختلف ہیں. نسائی کتاب الطہارت میں " لایستنزہ " ہے اور کتاب الجنائز میں لایستبری ہے ۔ ابونعیم نے مستخرج میں " لایتوقی " روایت کیا ہے۔ لایستتر کے معنی ہیں، پردہ نہیں کرتا تھا۔ اور لایستنزہ، لا یستبریٔ، لایتوقی کے معنی ہیں بچتا نہیں تھا۔ علامہ ابن حجر نے فرمایا۔ لایستتر کے معنی یہاں یہ ہیں کہ اپنے اور پیشاب کے مابین سترہ یعنی روک نہیں کرتا تھا۔ جس کا حاصل یہ ہوا کہ پیشاب کے چھینٹے اس پر پڑتے تھے۔ اب سب روایتوں کا حاصل ایک ہوا کہ پیشاب سے بچتا نہیں تھا۔

یہاں استتار کے حقیقی معنی یعنی پردہ کرنا مراد نہیں۔ اس لئے کہ اگر عذاب قبر کا سبب، کشف عورت ہوتا. تو من البول کا ذکر بے فائدہ تھا۔ اتنا فرمانا کافی تھا کہ بے پردگی کرتا تھا۔ من البول کے اضافے سے معلوم ہوا کہ پیشاب کو عذاب قبر میں دخل ہے۔ یہ اسی وقت بنے گا جب کہ استتار کے وہ معنی لئے جائیں جو ہم نے ذکر کئے۔ پیشاب کو عذاب قبر میں خاص دخل ہے، اس کی تائید ابن ماجہ[1]، طبرانی کی اس حدیث سے بھی ہوتی ہے جس میں تصریح ہے کہ فرمایا ان میں سے ایک کو پیشاب کی وجہ سے عذاب ہو رہا تھا۔

[1] باب التشدید فی البول ص ۱۲ -

مِنْ بَوْلِهٖ وَكَانَ الْاٰخَرُ يَمْشِىْ بِالنَّمِيْمَةِ ثُمَّ دَعَا بِجَرِيْدَةٍ فَكَسَرَهَا
ان میں سے ایک پیشاب کرکے نہیں بچتا تھا اور دوسرا چغلی کھاتا تھا اس کے بعد حضور نے کھجور کی ایک شاخ
كِسْرَتَيْنِ فَوَضَعَ عَلٰى كُلِّ قَبْرٍ مِّنْهُمَا كِسْرَةً فَقِيْلَ لَهٗ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ
منگائی اور اسے دو ٹکڑے کیا ہر ایک کی قبر پر ایک ٹکڑا رکھا دریافت کیا گیا یا رسول اللہ

نیز ابن ماجہ[1] اور ابن خزیمہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مرفوعاً روایت کیا، فرمایا، اکثر عذاب قبر پیشاب کی وجہ سے ہے۔ علاوہ ازیں حضرت ابن عباس اور حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا۔ واللفظ للاول

عامة عذاب القبر فى البول فاستنزهوا من البول۔ [2]
عام عذاب قبر پیشاب کی وجہ سے ہے اس لئے پیشاب سے بچو۔

نیز حضرت ابو امامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:

اتقوا البول فانه اول ما يحاسب به العبد فى القبر۔ [3]
پیشاب سے بچو اس لئے کہ قبر میں پہلے اس کے بارے میں سوال ہوگا۔

اس کا بھی احتمال ہے کہ، یہاں لایستتر، پردہ نہ کرنے کے معنی میں ہو۔ یعنی پیشاب کرنے کی حالت میں پردہ نہیں کرتا تھا، اور من البول۔ بیان واقعہ کیلئے ہو تو بھی معنی بن سکتے ہیں۔

(۳) صوت انسانین، میں، واحد کی اضافت تثنیہ کی طرف ہے۔ اس کا قاعدہ یہ ہے کہ اگر مضاف، مضاف الیہ کا جز رہو تو واحد کی اضافت تثنیہ کی طرف درست ہے۔ جیسے اکلت راس شاتین۔ مگر جمع لانا بہتر ہے جیسے قرآن مجید میں ہے: فَقَدْ صَغَتْ قُلُوْبُكُمَا۔ اور اگر مضاف، مضاف الیہ کا جز نہ ہو تو اکثر یہی ہے۔ تثنیہ لایا جاتا ہے۔ اور اگر التباس کا اندیشہ نہ ہو تو جمع بھی لانا درست ہے جیسے اسی حدیث میں ہے۔ فی قبورهما۔

(۴) وَمَا يُعَذَّبَانِ فِىْ كَبِيْرٍ میں "فی" تعلیل کے لئے ہے۔ جیسے قرآن مجید کی اس آیت میں ہے:

لَمَسَّكُمْ فِيْمَا اَخَذْتُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ (انفال ٦٨)
جو فدیہ تم نے لیا اسکی وجہ سے تمہیں بھاری عذاب پہنچتا۔

اور جیسے حدیث میں ہے:۔

عذبت امراة فى هرة
ایک بلی کی وجہ سے ایک عورت کو عذاب دیا گیا۔

تعارض اور تطبیق

یہاں بظاہر تعارض معلوم ہوتا ہے۔ ارشاد فرمایا:۔ کسی بڑے جرم کی وجہ سے انھیں عذاب نہیں ہو رہا ہے۔ پھر فرمایا۔ ہاں بڑے جرم کی وجہ سے ہو رہا ہے۔ نسائی کی روایت میں۔ بلیٰ کے بعد۔ فی کبیر۔ مذکور ہے۔ نہ بھی مذکور ہوتا تو بھی معنی یہی تھے۔ اس لئے کہ بلیٰ ایجاب نفی ماتقدم کے لئے آتا ہے۔

---

[1] ایضاً [2] الترغیب والترہیب جلد اول ص ۱۱۶-۱۱۵ [3] ایضاً ص ۱۱۸،

لِمَ فَعَلْتَ هٰذَا قَالَ لَعَلَّهٗ اَنْ يُّخَفَّفَ عَنْهُمَا مَا لَمْ تَيْبَسَا ع۵
آپ نے یہ کیوں کیا فرمایا جب تک یہ سوکھیں گی نہیں انکے عذاب میں تخفیف رہے گی۔

جیسے ارشاد ہے:

السست بربکم قالوا بلیٰ۔ اللہ عز وجل نے پوچھا کیا میں تمہارا پروردگار نہیں، سب نے عرض کیا ہاں ہے۔

اس کی شراح نے بہت سی تاویلیں کی ہیں۔ سب سے اظہر یہ ہے کہ یہ دونوں گناہ ان کے خیال میں بڑے نہیں تھے۔ حالانکہ حقیقت میں بڑے ہیں۔ یا مراد یہ ہے کہ بظاہر لوگوں کی نظر میں بڑے نہیں مگر شرعًا عند اللہ بڑے ہیں۔ جیسے واقعہ افک کے بارے میں فرمایا:

وَتَحْسَبُوْنَهٗ هَيِّنًا وَّهُوَ عِنْدَ اللّٰهِ عَظِيْمٌ۔ (نور/۱۵) تم اس کو معمولی سمجھتے ہو حالانکہ یہ اللہ کے نزدیک بھاری جرم ہے۔

یا یہ کہ بڑے نہیں، سے مراد یہ ہے کہ ان سے بچنا کوئی بڑی بات یعنی دشوار نہیں۔ اور عند الشرع بڑے گناہ ہیں۔

یہ دونوں مسلمان تھے کہ کافر اس قسم کے واقعات احادیث میں متعدد ہیں۔ ایک تو وہ ہے جو مسلم شریف کی اخیر حدیث طویل میں مذکور ہے دوسرے جو ابو موسیٰ مدینی نے الترغیب والترہیب میں حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ

"حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، بنی النجار کے ایسے لوگوں کی قبروں سے گزرے جو جاہلیت میں فوت ہو چکے تھے"

تیسرے وہ واقعہ ہے جو طبرانی نے اوسط میں ذکر کیا، جس میں یہ ہے:۔

"بنی النجار کی ایسی عورتوں کی قبر سے گزرے جو جاہلیت میں مری تھیں"

اس لئے ان سے یہ استدلال نہیں کیا جا سکتا کہ حدیث زیر بحث میں جن کا تذکرہ ہے وہ مسلمان نہیں کافر تھے۔ حدیث زیر بحث میں جن کے احوال مذکور ہیں وہ بلاشبہہ مومن تھے۔ اس پر مندرجہ ذیل دلیلیں قائم ہیں۔

(۱) اگر یہ کافر ہوتے تو عذاب کا سبب پیشاب سے نہ بچنا اور چغلی کھانا ذکر نہ فرماتے بلکہ ان کے کفر کو بیان فرماتے یا ان کے ساتھ کفر کو بھی ضرور ذکر فرماتے۔

(۲) اسی حدیث کے بعض طرق میں یہ زیادتی ہے:

" انصار کی دو جدید قبروں سے گزرے "

انصار خاص اسلامی نام ہے۔ یہ دلیل ہے کہ یہ لوگ مسلمان تھے۔

(۳) امام احمد کی روایت میں یہ ہے کہ حضور جنت البقیع سے گزرے تو دریافت فرمایا: "آج یہاں تم نے کس کو دفن کیا ہے"۔ خطاب صحابہ سے ہے اور صحابہ مسلمان ہی کو دفن کریں گے۔ نیز بقیع مسلمانوں ہی کا قبرستان ہے۔

گناہ کبیرہ کی تعریف (۵) اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ نجاست سے آلودہ رہنا اور نمیمہ دونوں گناہ کبیرہ ہیں۔ گناہ کبیرہ کی جامع مانع تعریف کیا ہے، یہ علماء میں مختلف فیہ ہے۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا، ہر وہ گناہ جس کی جزا میں

ع۵ ایضا اس کے ایک باب بعد ص ۳۵۔ جنائز۔ الجرید علی القبر ص ۱۸۱۔ باب عذاب القبر من الغیبۃ والبول ص ۱۸۴ جلد ثانی ادب۔ باب الغیبۃ۔ باب النمیمۃ من الکبائر ص ۸۹۴۔ مسلم جلد اول باب الدلیل علی نجاسۃ البول والستر ص ۱۴۱ ابو داود جلد اول طہارت۔ باب الاستبراء من البول ص ۴۔ ترمذی جلد اول طہارت۔ باب التشدید فی البول ص ۱۱۔ نسائی جلد اول طہارت۔ باب التنزہ من البول ص ۱۲۔ جنائز باب وضع الجرید علی القبر ص ۲۹۱۔ ابن ماجہ باب التشدید فی البول ص ۲۹۔ مسند امام احمد۔

عذاب یا لعنت یا غضب مذکور ہو کبیرہ ہے۔ سفیان ثوری نے فرمایا حقوق العباد گناہ کبیرہ ہیں اور حقوق اللہ صغیرہ ۔ مالک بن مغول نے کہا، بدمذہبوں کے گناہ کبیرہ ہیں اور اہلسنت کے گناہ صغیرہ۔ بعض نے کہا بالقصد جو گناہ کیا جائے کبیرہ ہے اور بھول چوک سے جو گناہ ہو وہ صغیرہ ۔ سدی نے کہا، مقصود بالذات جو گناہ ہو وہ کبیرہ ہے اور مقدمات و مبادی صغیرہ ۔ مثلاً زنا کبیرہ ہے اور دیکھنا، چھونا، بوس و کنار صغیرہ ۔ ایک قول یہ ہے کہ جو گناہ موجب حد ہو وہ کبیرہ ہے ورنہ صغیرہ ۔ راجح پہلی تعریف ہے۔ اس کی تعداد میں مختلف روایتیں ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ یہ ستر یا سات سو کے قریب ہیں۔ اور فرمایا۔ کوئی گناہ استغفار کے بعد کبیرہ نہیں اور اصرار کے بعد کوئی گناہ صغیرہ نہیں ۔ نیز فرمایا، اللہ عزوجل کی ہر نافرمانی کبیرہ ہے [1]

تعداد گناہ کبیرہ کی تعداد میں مختلف اقوال ہیں کسی نے سات کہا، کسی نے نو کسی نے ستر، کسی نے قریب قریب سات سو کسی حدیث میں تمام کبائر یکجا مذکور نہیں۔ جن لوگوں نے سات کہا ان کی دلیل یہ حدیث ہے کہ فرمایا:

سات برباد کرنے والی چیزوں سے بچو۔ اللہ کے ساتھ شرک، جادو، قتل ناحق، یتیم کا مال کھانا، سود کھانا، لڑائی سے بھاگنا، پاکدامن عورت کو زنا کی تہمت لگانا۔ [2]

جن لوگوں نے نو کہا انھوں نے ان سات پر دو کا اور اضافہ کیا۔ جھوٹی قسم، اور بیت اللہ کی بے حرمتی [3]

لیکن احادیث کا مطالعہ کرنے کے بعد مزید ان گناہوں کا بھی کبیرہ ہونا ثابت ہوتا ہے۔ تنگی رزق کی وجہ سے چھوٹے بچوں کا قتل، زنا خصوصاً پڑوسی کی عورت سے، یہ قرآن مجید میں بھی مذکور ہے [4]، ماں باپ کی نافرمانی وایذا رسانی جھوٹی گواہی، کسی کے ماں باپ کو گالی دینی، پیشاب سے ملوث رہنا، چغلی، وغیرہ وغیرہ

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے پوچھا گیا کہ کیا کبائر سات ہیں فرمایا، یہ قریب قریب ستر ہیں بلکہ قریب قریب سات سو کے بھی مروی ہے۔

اور حق یہ ہے کہ ان کی تعداد معین نہیں۔ کچھ گناہوں کے بارے میں تصریح ہے کہ یہ کبیرہ ہیں۔ جن گناہوں کے بارے میں کبیرہ کی تصریح نہیں۔ ان کے بارے میں امام ابو محمد بن عبد السلام نے یہ ضابطہ ارشاد فرمایا کہ:

ایسے گناہوں کا سب سے ہلکے گناہ کبیرہ سے تقابل کرو، اگر اس کا فساد اس کے برابر یا اس سے زیادہ ہو تو کبیرہ اور اگر کم ہے تو صغیرہ۔ مثلاً کسی پاکدامن عورت پر کسی بدکار کو قابو دینا کہ وہ اس کے ساتھ زنا کرے کسی مسلمان کو پکڑ لینا کہ اسے کوئی قتل کردے بلاشبہ بہت بڑا گناہ کبیرہ ہے۔ حالانکہ کہیں ان کے گناہ کبیرہ ہونے کی تصریح نہیں اس لئے کہ ان کی قباحت، ان کا فساد، مال یتیم کھانے سے بہت زیادہ ہے [5]۔ علیٰ ہذا القیاس۔

پیشاب سے نہ بچنا کبیرہ ہے چغلخوری تو بلاشبہہ کبیرہ ہے مگر پیشاب سے نہ بچنا یعنی بدن یا کپڑے کا ناپاک رہنا کبیرہ ہے یا نہیں یہ بحث طلب ہے۔ لیکن کبیرہ کی جو تعریف ہم نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نقل کی اس کی بنا پر یہ ضرور کبیرہ ہے اس لئے

---

[1] خازن۔ سورہ نساء تفسیر آیۃ وان تجتنبوا کبائر ما تنھون عنہ۔ [2] مسلم جلد اول باب اکبر الکبائر ص ۶۵
[3] عینی جلد ثالث ص ۱۱۴ [4] سورۂ فرقان (۶۸) [5] ماخوذ از نووی شرح مسلم جلد اول ص ۶۴

کہ اس پر عذاب کی وعید وارد ہے۔ بلکہ عذاب کا مشاہدہ ہے۔ البتہ پیشاب سے ملوث ہونا بذاتہ کبیرہ نہیں چونکہ ناپاک بدن اور ناپاک کپڑے کے ساتھ نماز صحیح نہیں ہوتی۔ ایسا شخص حقیقت میں تارک صلوٰۃ ہے۔ اس طرح نماز پڑھنے کی عادت ڈالنی بلاشبہہ گناہ کبیرہ ہے۔ بلکہ بالقصد ایک بار بھی ایسا کرنا گناہ کبیرہ ہے۔ چونکہ فساد نماز کی یہاں علت پیشاب سے ملوث رہنا ہے یہی نماز کے فاسد ہونے کا ذریعہ بنا اس لئے اسے کبیرہ فرمایا۔ اور اگر لا یستتر کو ظاہر معنی پر لیں۔ یعنی پیشاب کرنے کی حالت میں پردہ نہیں کرتا تھا تو بھی ظاہر ہے کہ بے ستری کی عادت ضرور کبیرہ ہے۔ ہر صغیرہ اصرار کے بعد کبیرہ ہو جاتی ہے۔

کیا یہ وعید صرف انسان کے پیشاب کیساتھ خاص ہے

اب یہاں ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ وعید صرف انسان کے پیشاب کے ساتھ خاص ہے یا ہر جانور کے پیشاب کو عام ہے۔ بخاری کی اس روایت میں "من بولہ" ہے۔ جو بظاہر پہلے کی مؤید ہے۔ اور دوسری روایت جو چند سطر بعد بے عنوان باب کے تحت مذکور ہے۔ اس میں "من البول" ہے، یہ عموم پر دلالت کرتی ہے اور یہی صحیح ہے۔ اس کی مؤیدہ احادیث بھی ہیں جو پہلے مذکور ہوئیں۔ اس لئے کہ ان سب میں مطلقاً "بول" مذکور ہے جو اپنے مدلول کے لحاظ سے ہر بول کو شامل ہے۔

حیوانات کے پیشاب پاک ہیں یا ناپاک

اسی سے ایک دوسری بحث اٹھ کھڑی ہوئی کہ انسان کے پیشاب کی طرح دوسرے حیوانات کے پیشاب پاک ہیں یا ناپاک۔ ہمارا مذہب یہی ہے کہ ناپاک ہیں خواہ وہ حیوانات حلال ہوں یا حرام تفصیلی بحث حدیث عرینیین میں آرہی ہے۔

یہ وعید صرف پیشاب کو خاص ہے یا ہر نجاست کو عام

بظاہر یہ وعید پیشاب کے ساتھ خاص معلوم ہوتی ہے مگر بنظر دقیق ہر نجاست کو عام ہے۔ اس لئے کہ پیشاب کا اثر اس کے نجس ہونے کی وجہ سے ہے نجس ہونے میں ہر نجاست مساوی تو جو اس کا حکم ہے وہی اور نجاستوں کا ہونا ضروری ہے۔

غیبت اور نمیمہ کا فرق

بخاری کی روایتوں میں "بالنمیمۃ" ہے۔ یہاں تک کہ امام بخاری نے کتاب الجنائز میں یہ باب باندھا ہے۔ عذاب القبر من الغیبۃ والبول ــ اس کے تحت بھی جو روایت لائے اس میں بھی یہ ہے اما احدھما فکان یسعی بالنمیمۃ۔ غیبت کا لفظ اس میں بھی نہیں ــ اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ غیبت اور نمیمہ امام بخاری کے یہاں ایک ہی ہیں۔ ورنہ باب کے ساتھ مطابقت نہ ہوگی۔ علاوہ ازیں مسند امام احمد میں بجائے نمیمہ کے غیبت ہے۔ اس سے بھی یہی ظاہر ہوتا ہے۔

علامہ عینی نے امام نووی سے نقل فرمایا کہ کسی کی بات ضرر پہنچانے کے ارادے سے دوسروں کو پہنچانا نمیمہ ہے انھوں نے غیبت کی کوئی تعریف نہیں کی۔

علامہ ابن حجر نے کتاب الادب میں فرمایا کہ ان دونوں میں فرق ہے۔ اس لئے کہ بہ نیت ضرر کسی کا حال دوسرے تک بغیر اس کی مرضی کے پہنچانے کو نمیمہ کہتے ہیں، خواہ اس کی موجودگی میں خواہ غیبوبت میں۔ غیبت میں ضرر کی نیت شرط نہیں البتہ یہ ضروری ہے کہ کسی کی عدم موجودگی میں اس کا حال دوسرے تک پہنچایا جائے ــ البتہ ان دونوں میں یہ بات مشترک ہے کہ جو بات نقل کی گئی اس کا نقل کرنا اسے ناپسند ہو۔ یہ بات قول ہو، فعل ہو عیب ہو یا نہ ہو۔ ہر ایسی چیز جس کا افشاء کسی کو

ناپسند ہو اس کا افشا نمیمہ ہے۔ مثلاً کسی نے کہیں مال دفن کیا۔ اس کا افشا بھی نمیمہ۔

تخفیف عذاب کی علت ان کھجوروں کی شاخ رکھنے سے عذاب میں تخفیف کی علت کیا ہے۔ اس سلسلے میں امام نووی شرح مسلم میں لکھتے ہیں:۔

علماء نے فرمایا، یہ اس پر محمول ہے کہ حضور اقدس صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کی شفاعت فرمائی۔ حضور کی یہ شفاعت شاخوں کے سوکھنے تک قبول ہوئی۔ بعض لوگوں نے کہا کہ یہ احتمال بھی ہے کہ حضور اس وقت تک ان کے لئے دعا کرتے رہے ہوں۔ ایک قول یہ ہے۔ تخفیف عذاب اس وجہ سے ہوئی کہ یہ شاخیں جبتک گیلی رہیں گی تسبیح کرتی رہیں گی، سوکھی تسبیح نہیں کرتیں آیۂ کریمہ وَاِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمْدِہٖ ہر چیز اللہ کی حمد کے ساتھ تسبیح کرتی ہے۔ میں اکثر مفسرین کا مذہب یہ ہے کہ اس میں شیٔ سے زندہ مراد ہے۔ ان لوگوں نے فرمایا کہ ہر چیز کی حیات اس کے اعتبار سے ہے۔ لکڑی کی زندگی سوکھنے تک اور پتھر کی اس وقت تک جبتک اپنے معدن سے جدا نہ کیا جائے۔ مگر محققین کا مذہب یہ ہے کہ۔ یہ آیت اپنے عموم پر ہے یعنی زندہ مردہ ہر چیز تسبیح کرتی ہے۔ اس کے بعد اس میں اختلاف ہے کہ ہر چیز واقعی تسبیح کرتی ہے یا اس سے مراد تسبیح قہری ہے کہ ہر چیز کا وجود، اس کی ہیئت اس پر دلالت کرتی ہے کہ اس کا صانع ہر عیب سے منزہ ہے۔ محققین نے فرمایا۔ کہ ہر چیز حقیقت میں تسبیح کرتی ہے [1]

ان میں سے امام نووی کے نزدیک کیا حق ہے۔ انھوں نے بظاہر کوئی فیصلہ نہیں فرمایا لیکن ان اقوال کے نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں:۔

استحب العلماء قراءۃ القران عند القبر لھذا الحدیث لانہ اذا کان یرجی التخفیف بتسبیح الجرید فبتلاوۃ القران اولی — وقد ذکر البخاری فی صحیحہ ان بریدۃ بن الحصیب الاسلمی الصحابی اوصی ان یجعل فی قبرہ جریدتان ففیہ انہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ تبرک بفعل النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔ [2]

اس حدیث کی بناء پر علماء نے قبر پر قرآن مجید پڑھنے کو مستحب جانا۔ اس لئے کہ جب کھجور کی شاخ کی تسبیح سے تخفیف عذاب کی امید ہے تو قرآن مجید کی تلاوت سے بدرجۂ اولیٰ امید ہے۔ بخاری نے اپنی صحیح میں ذکر کیا کہ بریدہ بن حصیب اسلمی صحابی نے وصیت کی کہ ان کی قبر پر دو کھجور کی شاخیں رکھی جائیں۔ حضرت بریدہ نے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے فعل سے برکت حاصل کی۔

یہ ارشاد اس کی دلیل ہے کہ ان کے نزدیک یہی راجح ہے کہ تخفیف عذاب ان شاخوں کی تسبیح کی وجہ سے ہے۔ یہاں ایک شبہہ پیدا ہوتا ہے کہ جب عند التحقیق سوکھی لکڑی بھی تسبیح کرتی ہے تو تخفیف عذاب کو تر کے ساتھ خاص کیوں کیا۔ اس کا جواب علامہ شامی نے یہ دیا کہ ہری شاخ کی تسبیح بہ نسبت سوکھی کے زیادہ اکمل ہے اس لئے ہری کی تسبیح تخفیف عذاب میں مؤثر ہے۔ جیسے حضرات انبیاء کرام، اولیاء عظام کی تسبیح، ذکر، دعاء، کا جو اثر و فائدہ ہے وہ ہم جیسے عوام کی تسبیح اور ذکر و دعا کا اثر و فائدہ نہیں۔ تر نباتات کی تسبیح بہ نسبت سوکھے کے زیادہ قوی ہے۔ یہ خود مخالفین کے شاہ صاحب کو تسلیم ہے جیسا کہ انوار الباری میں ہے۔

اسکے بعد علامہ نووی نے لکھا کہ خطابی نے اس سے انکار کیا، کہا جو لوگ اس حدیث کی بنا پر قبروں پر شاخ وغیرہ رکھتے ہیں اسکی کوئی اصل نہیں۔

---

[1] شرح مسلم جلد اول باب الدلیل علی نجاسۃ البول والاستتزعنہ ص ۱۴۱ — [2] ایضا

حضرت ملا علی قاری علیہ الرحمۃ الباری خطابی کے اس انکار کا رد کرتے ہوئے فرماتے ہیں خطابی نے جو کچھ کہا اس میں واضح بحث ہے۔ اس لئے کہ یہ حدیث قبروں پر ہری شاخ وغیرہ رکھنے کی اصل بننے کی صلاحیت رکھتی ہے۔ جیسا کہ علامہ ابن حجر عسقلانی نے فرمایا خطابی کا یہ کہنا کہ اس کی کوئی اصل نہیں یہ ممنوع ہے یہ حدیث اس کی اصل اصیل ہے اسی وجہ سے ہمارے بعض ائمہ متاخرین نے یہ فتویٰ دیا۔ کہ قبروں پر پھول اور شاخیں رکھنے کی جو عادت ہے وہ اس حدیث کی روشنی میں سنت ہے [۱]

حضرت ملا علی قاری کے اس ارشاد سے ظاہر ہو گیا کہ ان کے نزدیک نیز حضرت علامہ ابن حجر کے نزدیک تخفیف عذاب کی علت ان شاخوں کی تسبیح ہے اور یہی علامہ عینی کا بھی رجحان ہے۔

اس لئے اس حدیث سے قبروں پر پھول وغیرہ رکھنے کا جواز ہی نہیں استحسان ثابت ہوتا ہے۔

لطیفہ یہاں ایک بات میری سمجھ میں نہیں آ رہی ہے کہ خطابی کی طرف منسوب تو یہ ہے کہ، وہ تخفیف عذاب کی علت ان شاخوں کی تسبیح کو نہیں مانتے اور ساتھ ہی ساتھ علامہ عینی نے ان کا اس حدیث سے استنباط یہ نقل کیا کہ خطابی نے کہا، یہ حدیث اس کی دلیل ہے کہ قبروں پر قرآن مجید کی تلاوت مستحب ہے اس لئے کہ جب درخت کی تسبیح سے تخفیف عذاب کی امید ہے تو قرآن مجید برکت میں کہیں اس سے زیادہ ہے [۲]

یہ اس کی دلیل ہے کہ وہ بھی اس کے قائل ہیں کہ اصل علت ان شاخوں کی تسبیح ہے۔ خطابی کی اصل کتاب میرے پاس ہے نہیں کہ اصل حال کی تحقیق ہو سکے۔ علامہ ابن حجر نے طرطوشی کا یہ قول نقل کیا۔ تخفیف عذاب کی علت حضور کے دست مبارک کی برکت تھی ۔۔ غیر مقلدین اور دیوبندی اس کو علت قرار دینے پر بہت زور دیتے ہیں۔ لیکن پھر یہ برکت اتنی محدود کیوں رہی کہ جب تک شاخیں ہری رہیں تخفیف عذاب رہا، اس کو کوئی صاحب بتائیں ؟

یہاں قابل غور یہ بات ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دست مبارک کی برکت اور دعا کی تاثیر اپنی جگہ ہے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا دست مبارک تو دست مبارک ہے اگر نعلین پاک کسی کی قبر پر رکھ دیں تو ہمیشہ کیلئے عذاب قبر کیا عذاب جہنم ٹل جائے۔ اور دعا کے اثر کا حال اس سے بھی بڑھ کر پھر حضور نے تخفیف عذاب کی دعا کیوں نہیں کی۔ صرف دست مبارک یا قدم پاک یا نعل مقدس کیوں نہیں رکھا۔ اگر حضور ان کے عذاب میں تخفیف عذاب کیلئے دست مبارک رکھ دیتے یا دعا فرما دیتے تو کھجور کی شاخ رکھنے کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔ مگر حضور نے نہ دعا فرمائی نہ دست مبارک یا قدم پاک یا نعل مقدس رکھا کھجور کی شاخ رکھی ۔۔ یہ دلیل ہے کہ اس خاص واقعہ میں تخفیف عذاب کی علت نہ دعا رہے نہ دست مبارک کا رکھنا بلکہ صرف اس شاخ کی تری ہے ۔۔ جس پر حدیث کا یہ ارشاد ۔۔ مالم تیبسا ۔۔ نص ہے ۔۔ اس میں نکتہ یہ ہے کہ اگر حضور دعا فرما کر یا دست مبارک رکھکر تخفیف عذاب کر دیتے، تو وصال اقدس کے بعد آنیوالے ہزاروں لاکھوں امت کے افراد کو تخفیف عذاب کا یہ نسخہ معلوم نہ ہوتا۔ حضور نے کھجور کی شاخ رکھکر اپنی قیامت تک کی امت کو تخفیف عذاب کا یہ نسخہ عطا فرما دیا۔ دعا سے یا دست پاک کی برکت سے وہی مستفیض ہو سکتے تھے جو حیات ظاہری میں موجود تھے۔ مگر اس عطیہ سرکاری سے قیامت

---

[۱] مرقات جلد اول باب آداب الخلاء فصل اول ص ۲۸۶ ،

[۲] عینی جلد سوم کتاب الوضوء باب من الکبائر ان لا یستتر من البول ص ۱۱۶

تک کی امت بہرہ مند ہوتی رہے گی۔

فقہا نے لکھا کہ قبرستان کی تر گھاس کا کاٹنا مکروہ ہے اس کی علت یہ بیان فرمائی کہ جبتک وہ ہری رہتی ہے تسبیح کرتی رہتی ہے جس سے میت کو انسیت حاصل ہوتی ہے اور رحمت نازل ہوتی رہتی ہے۔ اس پر علامہ محمد بن عابدین شامی رد المحتار میں لکھتے ہیں:۔

دلیله ماورد فی الحدیث من وضعه علیه الصلوٰۃ والسلام الجریدۃ الخضراء بعد شقها نصفین علی القبرین الذین یعذبان وتعلیله بالتخفیف مالم ییبسا ای تخفف عنهما ببرکۃ تسبیحهما اذ هو اکمل من تسبیح الیابس لما فی الاخضر من نوع حیاۃ وعلیه فکراهۃ قطع ذلك وان نبت بنفسه ولم یملك لان فیه تفویت الحق المیت ویوخذ من ذلك ومن الحدیث ندب وضع ذلك للاتباع ویقاس علیه ما اعتید فی زماننا من وضع اغصان الآس ونحوه [1]

اس کی دلیل وہ ہے جو حدیث میں آیا ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ہری کھجور کی شاخ کو دو ٹکڑے کر کے ان قبروں پر رکھا جن میں عذاب ہو رہا تھا۔ اور حضور کا تخفیف عذاب کی یہ علت بتانا ہے کہ جبتک سوکھیں گی نہیں ان کے عذاب میں تخفیف رہے گی یعنی ان کی تسبیح کی برکت سے اسلئے کہ ترکی تسبیح سوکھی سے زیادہ کامل ہے کیونکہ تر میں ایک قسم کی حیات ہوتی ہے اس بنا پر قبرستان سے ہری گھاس کاٹنے کی کراہت اسلئے ہے کہ اسمیں میت کی حق تلفی ہے اس مسئلے سے اور حدیث سے یہ حکم ماخوذ ہے کہ کھجور کی ہری شاخ رکھنا مستحب ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی پیروی میں اس پر قیاس کیا گیا وہ جو ہمارے زمانے میں عادت ہے کہ آس وغیرہ کی شاخیں رکھتے ہیں۔

علامہ شامی کی فقہاء احناف میں جو حیثیت ہے وہ سب کو معلوم ہے۔ ان کی کتاب رد المحتار، فقہ حنفی کی بہت مشہور اور مستند ہے۔ کوئی حنفی عالم اس سے مستغنی نہیں ہو سکتا انھوں نے بہت واضح غیر مبہم طور پر بتا دیا کہ ان لوگوں پر تخفیف عذاب کی علت خود حضور نے یہ بتائی کہ جبتک یہ تر رہیں گی ان کے عذاب میں تخفیف ہوگی۔ اس لئے کہ تر شاخ کی تسبیح سوکھی کے بہ نسبت زیادہ کامل ہے۔ اس لئے کہ تر شاخ میں یک گونہ حیات ہے۔ تصریح فرمادی کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اتباع میں کھجور کی تر شاخ رکھنا مستحب ہے۔ اور اس پر قیاس کر کے آس وغیرہ دوسرے تر نباتات رکھنا بھی۔

اس کے بعد ہمیں اس بحث کو زیادہ طول دینے کی ضرورت نہیں، مگر دیوبندی و غیر مقلد شارحین نے یہاں عوام کو بہت مغالطے میں ڈالنے کی کوشش کی ہے اس لئے بحث کو مکمل کرنے کے لئے چند امور کا اضافہ ضروری ہے۔

اس حدیث میں تخفیف عذاب کی علت ان شاخوں کی تری اور تسبیح ہی ہے۔ یہی صحابۂ کرام نے بھی سمجھا۔ چنانچہ سیدنا بریدہ بن الحصیب اسلمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے وصیت فرمائی تھی کہ میری قبر پر دو کھجور کی شاخیں رکھی جائیں [2]

اس قسم کی وصیت حضرت ابو برزہ اسلمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی کی تھی۔ شرح الصدور میں ہے کہ:۔

"قتادہ نے کہا کہ حضرت ابو برزہ اسلمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ حدیث (زیر بحث) بیان کی اور یہ وصیت کیا کرتے تھے کہ میری قبر میں

[1] جلد اول ص ۶۰۶-۶۰۷ [2] بخاری جلد اول، جنائز باب الجرید علی القبر ص ۱۸۱،

کھجور کی دو شاخیں رکھدینا۔ ان کا وصال کرمان اور قوس کے درمیان ایک میدان میں ہوا۔ وہاں کھجور کی شاخ نہ مل سکی لوگ یہ باتیں کر رہے تھے کہ ان کی وصیت قبر میں شاخیں رکھنے کی تھی اور یہاں ہے نہیں کیا کریں۔ اتنے میں سجستان کی طرف سے کچھ سوار آئے جن کے پاس کھجور کی شاخیں تھیں ہم نے ان سے شاخیں لے کر ان کی قبر میں رکھدیں۔ [۱]

اس پر علامہ ابن حجر لکھتے ہیں :۔

قد تاسی بریدۃ بن حصیب الصحابی بذلک فاوصی ان یوضع علی قبرہ جریدتان و اولی ان یتبع من غیرہ	اسکی پیروی بریدہ بن حصیب صحابی نے کی اور یہ وصیت کی کہ ان کی قبر پر کھجور کی دو شاخیں رکھی جائیں ان صحابی کی بہ نسبت دوسروں کے اتباع کرنا زیادہ بہتر ہے۔

ظاہر ہے کہ حدیث کو صحابۂ کرام سے زیادہ، خطابی، طرطوشی نہیں سمجھ سکتے۔ صحابی نے اس کا مطلب یہی سمجھا کہ تخفیف عذاب کا سبب ان شاخوں کی تری ہے۔ اور ان کی تری کو تخفیف عذاب میں دخل ہے اس لئے اس کی وصیت کی۔ انھوں نے اس کو ان دونوں کے ساتھ خاص نہیں سمجھا، اس لئے ان صحابہ کرام کی اتباع ہم کو بھی کرنی چاہیئے۔ ان کے عمل کے مطابق عمل کرنا چاہیئے اور جو انھوں نے سمجھا اس کو حق ماننا چاہیئے۔

اس پر صاحب انوار الباری کا یہ کہنا کہ :۔

"ایک دو صحابی کے سوا دوسرے ہزارہا صحابۂ کرام نے جو بات سمجھی وہ لوگ اور بھی لائق اتباع ہیں۔ جو شائبہ بدعت سے کوسوں دور ہے، چنانچہ ایک دو صحابی کے سوا کسی سے بھی یہ منقول نہیں ہوا کہ اس نے قبروں پر ٹہنیاں یا پھول وغیرہ رکھانے کو سنت یا مستحب سمجھا ہو" [۱]

آپ کی اس تحقیق کا حاصل یہ ہوا کہ جبتک کوئی عمل تمام صحابہ سے مروی نہ ہو وہ قابل قبول نہیں۔ اگر یہ ثابت ہو کہ دو یا چار صحابہ نے یہ کام کیا مگر بقیہ صحابہ سے یہ منقول نہ ہو کہ انھوں نے بھی کیا تو وہ لائق اعتبار نہیں۔ آپ کی یہ تحقیق ماننے کے بعد دین کا کیا حال ہوگا۔ وہ اہل علم پر مخفی نہیں۔ اس تحقیق کو صحیح مان لینے کے بعد تمام شرائع ختم ہو جائیں گے اور تو اور نماز پڑھنی مشکل ہوجائیگی ۔ بلکہ محال ۔ آپ بتائیں کہ تکبیر تحریمہ میں کانوں تک ہاتھ لیجانا، ثنا پڑھنا، ناف کے نیچے ہاتھ باندھنا، آمین بالسر کہنا، رکوع، سجدے کی تسبیحات، تشہد وغیرہ کتنے صحابہ سے مروی ہے؟ ۔ کیا ان سب کے رد کے لئے آپ کی یہ منطق کافی نہ ہوگی؟ ۔ اہل علم جانتے ہیں کہ کسی ایک صحابی سے کسی فعل کا منقول ہونا کافی ہے۔ بشرطیکہ اس کے خلاف کسی صحابی کا قول نہ ہو ۔ اور یہاں تو دو صحابی کی وصیت اور تابعین کی جماعت کا عمل ثابت ہے، جس پر کسی صحابی، کسی تابعی نے کوئی انکار نہیں فرمایا۔ حدیث شریف میں ہے:۔

اصحابی کالنجوم فبایھم اقتدیتم اھدیتم۔	میرے صحابہ ستاروں کی طرح ہیں ان میں جسکی بھی اقتدا کروگے ہدایت پا جاؤگے۔

آپ نے عدم ذکر کو ذکر عدم بنالیا ۔ یہی آپ کی غلطی ہے۔ پھر ایسا بھی نہیں کہ صرف صحابی کا فعل ہی ہے اس کی مؤید حدیث بھی ہے اس کے باوجود آپ نے اس کے بدعت ہونے کا حکم لگا دیا۔ جب فعل رسول، فعل صحابہ، فعل تابعین بھی بدعت ہو جائے تو سمجھ

---

[۱] جلد ششم ص ۵۱ ،

میں نہیں آتا کہ آپ لوگوں کے نزدیک سنت کس چیز کا نام ہوگا۔

دوسرا اعتراض آپ کا یہ ہے کہ:

" اور ظاہر ہے کہ یہ امر مغیبات میں سے ہے اس لئے جب دوسروں کو اس کا علم ہی نہیں ہو سکتا تو ان کو اس فعل کا اتباع بھی درست نہ ہوگا ،، [1]

اب یہ دوسری تحقیق بھی اگر حق ہے تو کسی مسلمان کے لئے دعاء مغفرت اس وقت تک فضول ہے جبتک یہ ثابت نہ ہو کہ یہ گنہگار ہے اس لئے کہ گنہگار ہونا نہ ہونا مغیبات سے ہے جب ہمیں معلوم ہی نہیں کہ یہ گنہگار ہے یا نہیں تو دعاء مغفرت بیکار۔ ہم ثابت کر آئے کہ تخفیف عذاب کی علت ان کی تسبیح ہے اگر یہ بندہ صالح عذاب قبر سے محفوظ ہے تو اس سے اسے انس حاصل ہوگا، نزول رحمت ہوگی۔ یہ فائدہ کیا کم ہے۔

تیسرا اعتراض آپ کا یہ ہے:

" پھر اس طریقہ کی غلطی پر یہی دلیل کافی ہے کے بجائے فساق و فجار کی قبور کے جن کے لئے تخفیف عذاب کے اسباب کی ضرورت ہے صلحار و مقربین بارگاہ خداوندی کے مزارات پر یہ چیزیں چڑھاتے ہیں ،، [2]

اس کا جواب یہ ہے کہ آپ لوگوں کا بھی عمل ایسا ہی الٹا ہے۔ عوام غربار فساق و فجار کے جنازے میں جانے کی آپ حضرات تو زحمت نہیں اٹھاتے مگر شیخ الحدیث حضرت جی، مہتمم صاحب وغیرہ قسم کے اپنے صلحا و مشائخ کے جنازے میں دھکے کھانے کے باوجود شریک ہوتے ہیں حالانکہ فساق و فجار کو نماز جنازہ و دعاء مغفرت کی آپ کے عقیدے کے مطابق آپ کے شیخ الحدیث و حضرت جی کی بہ نسبت زیادہ ضرورت ہے۔ آپ بخاری کی شرح لکھ رہے ہیں اس کا پاس ضروری تھا۔

کشمیری صاحب کا ارشاد | فرمایا بکثرت علماء سلف و خلف نے قبروں پر ٹہنیاں لگانے وغیرہ کو بدعت و خلاف شریعت کہا ہے۔ [3]

ذرا مہربانی کر کے دس بیس کے نام تو گنا دیجئے جس نے اسے بدعت کہا ہو۔ ادعاء بے دلیل علماء کے سر بہتان۔ یہ آپ کے بزرگوں کی پرانی عادت ہے۔ خطابی یا علامہ ابن عبد البر نے جو کہا صرف یہ کہ اس حدیث سے اس کا استدلال درست نہیں۔ ان میں سے کسی نے بدعت نہیں کہا۔ یہ صرف بانیانِ وہابیت کا اختراع ہے۔

آگے شاہ صاحب نے فرمایا:

" اسی طرح متاخرین حنفیہ میں سے جس کسی نے اس کو جائز کہا، غلطی کی ہے۔ مثلاً شیخ عبد الحق محدث دہلوی اور علامہ شامی میں سمجھتا ہوں ان حضرات کو مسئلہ بدعت صحیح طور سے منقح نہ ہو سکا تھا ،، [4]

ذرا آپ نے اپنی تنقیح پیش کی ہوتی تو دنیا دیکھ لیتی کہ یہ تنقیح آپ کو بھی لے ڈوبی۔ یقیناً ان حضرات کے نزدیک بدعت کی ایسی کوئی تعریف نہیں جس کی رو سے فعل رسول، فعل صحابہ، فعل تابعین بھی بدعت ہو جائے۔ بدعت کی ایسی تعریف دیوبند میں ڈھلی اور وہیں بند ہے۔ اہل علم انصاف کریں۔ ان بزرگوں کے نزدیک جب فعل رسول، فعل صحابہ، فعل

---

[1] انوار الباری جلد ششم ص ۵۰ [2] ایضاً ص ۵۱ [3] ایضاً ص ۵۱ -

تابعین بھی بدعت ہے تو پھر اس کا کیا علاج۔

لعل تحقیق کے لئے ہے حدیث میں "لَعَلَّ" وارد ہے جو ترجی امید کرنے کے معنی میں آتا ہے اور ترجی میں شک ہوتا ہے۔ یہ ضروری نہیں کہ انسان جو امید کرے وہ ضرور پوری ہو۔ مگر اللہ عز وجل اور رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس سے مستثنیٰ ہیں۔ ان کی ترجی بھی تحقیق کے لئے ہے۔ جیسا کہ علامہ عبدالباقی زرقانی نے شرح مواہب میں فرمایا:۔

الرجاء من الله ونبيه للتحقيق — اللہ اور رسول کے کلام میں لفظ ترجی تحقیق کے لئے ہے۔

مسائل مستخرجہ اس حدیث سے مندرجہ ذیل مسائل نکلتے ہیں:۔

(۱) حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم غیب جانتے ہیں، کہ یہ بھی جان لیا کہ ان پر عذاب ہو رہا ہے اور یہ بھی جان لیا کہ کس بنا پر ہو رہا ہے نیز یہ جان لیا کہ ان شاخوں کے رکھنے سے عذاب میں تخفیف ہوگی، اور یہ بھی جان لیا کہ کب تک ہوگی۔ اس حدیث میں اکٹھے چار علم غیب کی خبر ہے۔

(۲) نمیمہ گناہ کبیرہ ہے (۳) عذاب قبر حق ہے (۴) بدن یا کپڑے کے نجس ہوتے ہوئے نماز پڑھنی گناہ کبیرہ ہے (۵) گنہگار مومن پر بھی عذاب قبر ہوگا (۶) قبر کے پاس اللہ عز وجل اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ذکر، تلاوت، کوئی بھی عمل خیر مستحب ہے (۷) انسانوں کے علاوہ دوسری مخلوقات کی بھی تسبیح و تقدیس مؤثر ہے (۸) قبر پر ہری شاخ، پھول وغیرہ رکھنا مستحب ہے (۹) ایک انسان کا عمل دوسرے کے لئے نفع بخش ہے (۱۰) پیشاب مطلقًا ناپاک ہے (۱۱) نماز کے علاوہ دوسرے اوقات میں بھی بدن اور کپڑے کا پاک رکھنا ضروری ہے۔

اس کے بعد امام بخاری نے یہ باب باندھا — پیشاب دھونے کے بیان میں۔ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس قبر والے سے فرمایا۔ جو پیشاب سے نہیں بچتا تھا۔ اور حضور نے انسانوں کے علاوہ اور کسی کے پیشاب کو نہیں ذکر کیا۔ اس سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ امام بخاری یہ بتانا چاہتے ہیں کہ حدیث سابق کے بعض طرق میں جو "من بولہ" کے بجائے "من البول" آیا ہے اس میں بھی بول سے اسی شخص کا پیشاب مراد ہے۔ گویا اس میں الف لام استغراق کا نہیں عہد خارجی کا ہے۔ اور چونکہ ایسے احکام میں کسی شخص کی خصوصیت نہیں ہوتی اس لئے یہ حکم پوری نوع کو عام ہوگا۔ زیادہ سے زیادہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ چونکہ انسان غیر ماکول اللحم ہے اس لئے یہ حکم تمام غیر ماکول اللحم حیوانات کے پیشاب میں عام کیا جاسکتا ہے۔ ان مقدمات کے بعد امام بخاری کا مقصد یہ ظاہر ہوا کہ وہ صرف غیر ماکول اللحم حیوانات کے پیشاب کو ناپاک مانتے ہیں اور ماکول اللحم کے پیشاب کو پاک۔ اگر امام بخاری کا یہی مقصد ہے تو اس پر دو گذارش ہے:

اوّل یہ کہ ہم نے جو احادیث پہلے ذکر کیں ان میں مطلق "بول" ہے۔ اور اس کے الف لام کو عہد خارجی پر محمول نہیں کر سکتے وہ بلاشبہہ استغراق کے لئے ہے جس میں تمام پیشاب داخل ہیں خواہ وہ ماکول اللحم کے ہوں خواہ غیر ماکول اللحم کے۔

دوم یہ کہ آپ نے انسان کے غیر ماکول اللحم ہونے کو علت قرار دے کر قیاس کیا — ماکول اور غیر ماکول کو طہارت و نجاست میں دخل نہیں — بہت سی اشیاء غیر ماکول ہیں مگر طاہر ہیں، جیسے خود انسان کا گوشت، طاہر ہے مگر ماکول نہیں — اس لئے اسکو حکم کا مدار ٹھہرانا درست نہیں — بلکہ بنظر دقیق پیشاب کی نجاست میں گوشت کو کوئی دخل ہی نہیں۔ پیشاب کی نجاست کی بنیاد

اس کا بدبو و گندگی کی جانب استحالہ یعنی بدلنا ہے۔ اس اجمال کی تفصیل یہ ہے:

کہ اگر کوئی چیز اپنی اصل کے اعتبار سے طیب و طاہر ہو پھر وہ استحالہ کے بعد یعنی بدل کر گندی و بدبودار ہو جائے تو ناپاک ہے۔ اور اگر کوئی ناپاک چیز ہو اور بدل کر عمدہ، خوش ذائقہ ہو جائے تو پاک و طیب ہے۔ مثال کے طور پر ہماری غذا کو لیجئے۔ ہم پاک و صاف، طیب و طاہر، لذیذ و خوش ذائقہ غذا کھاتے ہیں۔ مگر معدے میں جاکر جب وہ بدل کر بدبودار ہو جاتی ہے تو ناپاک ہو جاتی ہے۔ براز غذا ہی کا بدلا ہوا حصہ ہے جو اپنی گندگی اور بدبو کی وجہ سے ناپاک ہے۔ دوسری طرف لیجئے شراب نجس اور حرام ہے مگر جب بدل کر سرکہ ہو جائے تو حلال و طاہر۔

یہ سب کو معلوم ہے کہ انسانوں کی طرح حیوانات کے پیشاب بھی ان کی غذا کی بدلی ہوئی حالت ہے جسمیں گندگی اور بدبو ہوتی ہے اس لئے وہ ناپاک ہے۔ اور پیشاب کے استحالہ الی الفساد والنتن میں سب حیوانات برابر ہیں خواہ وہ ماکول اللحم ہوں خواہ غیر ماکول اللحم، اس لئے سب کے پیشاب ناپاک۔

ہمارے اس استدلال کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے جو عارف باللہ ملا احمد جیون قدس سرہ نے نور الانوار میں ذکر کی،

ایک مرد صالح کا وصال ہوا۔ دفن کے بعد وہ عذاب قبر میں گرفتار ہوا۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کے گھر جاکر ان کی بیوی سے سبب پوچھا تو انھوں نے بتایا کہ یہ بکریاں چراتا تھا ان کے پیشاب سے احتیاط نہیں کرتا تھا۔ اس پر ارشاد فرمایا:

استنزھوا من البول فان عامۃ عذاب القبر منہ۔[1] پیشاب سے بچو اس لئے کہ عام عذاب قبر پیشاب کی وجہ سے ہوتا ہے۔

یہاں خاص بکریاں مذکور ہیں جو ماکول اللحم ہیں۔ اس لئے بول کے نجس ہونے میں غیر ماکول اللحم کی تخصیص ساقط۔

امام بخاری کا مقصد اگر یہ ہے تو یہ افادہ ظاہر ہے کہ اس میں — من البول، عام نہیں، خاص ہے، مگر اسکے لئے لفظ "باب" کے اضافے کی کیا حاجت تھی۔

صاحب انوار الباری نے، اپنے حضرت گنگوہی کی یہ توجیہ ذکر کی، کہ امام بخاری کا مقصد یہ باب الگ لانے سے عموم بول کی نجاست بتانا ہے، کہ یہ بھی حدیث سے ثابت ہے۔

گنگوہی صاحب کا رد مگر اس توجیہ پر کہیں کوئی خفی سے خفی تر قرینہ کا دور، دور تک پتہ نہیں۔ پھر یہ کہنا کہ امام بخاری کا مقصد یہ ہے، کسی طرح درست نہیں۔

علاوہ ازیں یہ مقصد اس وقت درست ہو سکتا تھا جب متعین طور پر یہ معلوم ہوتا کہ امام بخاری کا مذہب یہ ہے کہ مطلقاً ہر پیشاب ناپاک ہے۔ ایسا نہیں، بلکہ باب بول الصبیان اور باب ابوال الابل والدواب سے یہ مترشح ہوتا ہے کہ امام بخاری کا مذہب یہ ہے کہ جو لڑکے غذا نہ کھاتے ہوں۔ اور ماکول اللحم حیوانات کے پیشاب پاک ہیں۔ یا کم از کم یہ کہ وہ اس سلسلے میں کوئی فیصلہ نہیں کر پائے ہیں۔ پھر بلا عنوان باب لکھنے سے کیسے یہ مقصد ظاہر ہوتا ہے کہ وہ اس سے یہ بتانا چاہتے ہیں کہ مطلقاً تمام پیشاب ناپاک ہیں۔

[1] نور الانوار۔ بحث عام ص ۶۸

حدیث (۱۶۰) ترك النبي صلى الله عليه وسلم الاعرابي حتى فرغ من بوله

عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ، اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى

حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلے اللہ تعالیٰ

علامہ عینی نے یہ توجیہ کی کہ اس کا مقصد دونوں سندوں کی تصحیح ہے۔ اس کی توضیح یہ ہے کہ اس حدیث کی پہلی سند میں مجاہد کی بلا واسطہ طاؤس، حضرت ابن عباس سے روایت ہے اور اس بلا ترجمہ والی سند میں مجاہد کی، حضرت ابن عباس سے بواسطۂ طاؤس روایت ہے۔ امام بخاری یہ افادہ کرنا چاہتے ہیں کہ یہ دونوں سندیں متصل وصحیح ہیں۔ مجاہد، طاؤس کے واسطے سے بھی، ابن عباس سے روایت کرتے ہیں اور طاؤس کے بلا واسطہ بھی۔

ابن حبان نے دونوں سندوں کو صحیح کہا۔ امام ترمذی نے، بواسطہ طاؤس والی روایت کو اصح کہا۔ اس سے ثابت بلا واسطہ طاؤس والی بھی صحیح ہے۔

بلا واسطہ طاؤس والی سند پر امام دار قطنی نے جرح کی تو اس کا جواب تمام شارحین نے یہی دیا کہ یہ بھی صحیح ہے۔ اس خطرے کو امام بخاری نے محسوس کر لیا تھا۔ اس پر تنبیہ کرنے کے لئے بلا عنوان باب کے تحت اس بواسطہ طاؤس والی سند کے ساتھ یہ حدیث ذکر کی۔

علامہ عینی پر میری گذارش یہ ہے کہ باب من الکبائر ان لایستتر من البول کے تحت جب یہ حدیث بلا واسطہ طاؤس، مذکور ہے تو وہیں اسے ذکر کر دینے سے یہ افادہ ہو گیا کہ یہ سند بھی صحیح ہے۔ اس لئے کہ جو بھی اعتراض ہو سکتا تھا اور ہوا وہ اسی سند پر ہوا۔ اس سند کی تصحیح کا افادہ کرنے کے لئے الگ بلا عنوان باب قائم کرنے کو کیا دخل؟

یہاں سیدھی سادی بات یہ ہے کہ بہت سی جگہ امام بخاری نے بلا ترجمہ باب لکھا ہے۔ ہم مقدمہ میں بتا آئے کہ اصل میں یہاں بیاض تھا مگر ناقلین نے ملا کر لکھ دیا۔ اس جگہ امام بخاری کو باب کا کوئی عنوان لکھنا چاہئے تھا مگر کسی وجہ سے نہیں لکھ سکے اسی طرح اس حدیث کے مناسب کوئی باب لکھنا چاہتے ہونگے مگر کسی وجہ سے نہیں لکھ سکے اور ناقلین کے دونوں کو ملا کر بیاض چھوڑے بغیر لکھنے کی وجہ سے یہ دشواری پیدا ہو گئی۔ اور یہ صرف یہیں نہیں اور بھی جگہوں پر ہے۔

ان سب کے بعد اختتام کلام پر گذارش ہے کہ ان سب بحاث کے باوجود حدیث لایستتر من البول میں اظہر یہی ہے کہ اس سے مبتلا کا پیشاب مراد ہے اسلئے ہم بار بار ذکر کر آئے کہ حدیث کے مختلف طرق ایک دوسرے کی تفسیر ہوتے ہیں۔ جب کچھ طرق میں من بولہ مذکور ہے تو اس سے ظاہر ہے کہ مراد مردے کا پیشاب ہے۔ یعنی وہ اپنے پیشاب سے نہیں بچتا تھا۔ اسکی متابعت میں امام بخاری نے فرمایا قال ابن المثنی وحدثنا وکیع قال حدثنا الاعمش قال سمعت مجاھدا مثلہ۔ اسکی ضرورت یہ پیش آئی کہ اس حدیث میں محمد بن مثنی کے دو شیخ ہیں ایک محمد بن حازم انکی روایت میں حدثنا الاعمش عن مجاھد ہے دوسرے شیخ وکیع ہیں انکی روایت میں حدثنا الاعمش قال سمعت مجاھدا ہے اعمش تدلیس میں مشہور ہیں پہلی سند میں عن مجاھد تھا اسمیں تدلیس کی گنجائش ہے دوسری سند میں اعمش نے سمعت مجاہدا کہا ہے اب تدلیس کا شبہہ جاتا رہا۔ دوسرا فائدہ یہ ہے کہ اس سے حدیث کو قوت مل گئی۔

تشریحات (۱۶۰، ۱۶۱) **تکمیل**:۔ ایک اعرابی مسجد میں آئے اور دو رکعت نماز پڑھی اور یہ دعا مانگی اے اللہ مجھ پر اور محمد پر رحم کر اور ہمارے

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَأَى أَعْرَابِيًّا يَبُولُ فِي الْمَسْجِدِ فَقَالَ دَعُوهُ حَتَّى إِذَا فَرَغَ

علیہ وسلم نے ایک اعرابی کو دیکھا کہ وہ مسجد میں پیشاب کر رہے ہیں تو فرمایا اسے چھوڑ دو جب وہ

دَعَا بِمَاءٍ فَصَبَّهُ عَلَيْهِ ع۵

پیشاب سے فارغ ہو گئے تو پانی منگا کر اس پر بہایا

حدیث (۱۶۱) ایضاً أَنَّ أَبَا هُرَيْرَةَ قَالَ، قَامَ أَعْرَابِيٌّ فَبَالَ فِي الْمَسْجِدِ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا، ایک اعرابی نے مسجد میں کھڑے ہو کر پیشاب کرنا شروع

فَتَنَاوَلَهُ النَّاسُ فَقَالَ لَهُمُ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

کر دیا تو لوگوں نے اسے پکڑنا چاہا اس پر نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا

ساتھ کسی پر مت رحم فرما۔ اس پر حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا تو نے ایک وسیع معاملے کو تنگ کر دیا، تھوڑی دیر کے بعد وہ اُٹھے اور مسجد کے ایک طرف جا کر پیشاب کرنے لگے، لوگ چیخ پڑے مَہْ مَہْ ہاں ہاں اور انکی طرف بڑھے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا اسے چھوڑ دو، اس کا پیشاب مت کاٹو اور صحابہ کرام سے فرمایا تم لوگ آسانی کرنے کے لئے (دنیا میں) بھیجے گئے ہو سختی کے لئے نہیں اور جب وہ اعرابی پیشاب سے فارغ ہو گئے تو ان کو بلایا اور فرمایا مسجد میں پیشاب نہیں کرنا چاہئے، یہ اللہ کے ذکر اور نماز اور قرآن مجید کی تلاوت کے لئے ہے اور ایک صاحب سے فرمایا اس پر ایک ڈول پانی بہا دو۔ ابوداود کی ایک روایت میں یہ ہے کہ فرمایا۔ جہاں پیشاب کیا ہے وہاں کی مٹی پھینک دو اور وہاں ایک ڈول پانی بہا دو۔

یہ اعرابی کون تھے ایک قول یہ ہے کہ یہ اقرع بن حابس تھے جیسا کہ ابوبکر تاریخی نے روایت کیا اور ایک قول یہ ہے کہ یہ ذوالخویصرہ یمانی تھے جیسا کہ ابوموسیٰ مدینی نے الصحابہ میں، روایت کیا۔ نیز حضرت ملا علی قاری نے شرح شفا[۱] میں اسی کو بیان فرمایا ہے البتہ مرقاۃ[۲] میں لکھا ہے کہ یہ ذوالخویصرہ تمیمی تھا جو حقیقت میں منافق تھا بعد میں خوارج کا سردار بنا اور نہروان میں قتل ہوا۔ ذوالخویصرہ تمیمی ہی وہ گستاخ ہے جس نے غزوۂ حنین کے غنائم کی تقسیم کے وقت کہا تھا اعدل یا محمد اس پر حضرت فاروق نے عرض کی، اجازت ہو تو اس منافق کی گردن اڑا دوں۔ مسلم میں ہے۔ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ غزوہ حنین سے واپسی پر حضور اقدس مقام جعرانہ میں تشریف فرما تھے۔ بلال کے کپڑے میں چاندی تھی حضور مٹھی میں لے لے کر لوگوں کو دے رہے تھے، اتنے میں ایک شخص آیا اور کہا، اے محمد انصاف کرو! حضور نے فرمایا اگر میں انصاف نہیں کروں گا تو کون کریگا۔ تو خائب و خاسر ہوا اگر میں نے انصاف نہیں کیا۔ اس پر عمر بن خطاب نے

ع۵ ایضاً ایک حدیث کے بعد ص ۳۵ جلد ثانی ادب باب الرفق فی الامر کلہ ص ۸۹۰ ۔ مسلم جلد اول۔ طہارت، باب وجوب غسل البول والنجاسات اذا حصلت فی المسجد ص ۱۳۸ ۔ نسائی جلد اول طہارت، باب ترک التوقیت فی الماء ص ۲۰ ۔ ایضاً میاہ باب التوقیت فی ذلک[۴] مسلم ابوداود[۱] جلد اول ص ۱۴۸[۲] جلد اول ص ۳۵۰[۳]

دَعُوْہُ وَھَرِیْقُوْا عَلٰی بَوْلِہٖ سَجَلًا مِّنْ مَّاءٍ اَوْ ذَنُوْبًا مِّنْ مَّاءٍ

اسے چھوڑ دو اور اس کے پیشاب پر ایک ڈول پانی بہادو تم لوگ

فَاِنَّمَا بُعِثْتُمْ مُیَسِّرِیْنَ وَلَمْ تُبْعَثُوْا مُعَسِّرِیْنَ ع۵

دنیا میں آسانی کرنے کے لئے بھیجے گئے ہو نہ کر سختی کرنے کے لئے

عرض کیا مجھے اجازت دیں اس منافق کی گردن اڑا دوں ۔[۳]

علاوہ ازیں حضرت ملا علی قاری نے مرقاۃ جلد خامس میں فرمایا:۔

ونزل فیہ قولہ تعالیٰ ومنھم من یلمزک فی الصدقات فھو من المنافقین [۴]

ذوالخویصرہ ہی کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی ہے منافقین میں وہ ہے جو صدقات کی تقسیم کے سلسلے میں تم پر نکتہ چینی کرتا ہے اسلئے ذوالخویصرہ منافقین میں سے ہے

اس سے ظاہر ہو گیا کہ ذوالخویصرہ تمیمی کو خود ملا علی قاری منافق مانتے ہیں اور کتاب الطہارت میں غالباً ناسخین کی غلطی سے بجائے یمانی کے تمیمی ہو گیا ہے اس لئے کہ ذوالخویصرہ تمیمی کے بارے میں کوئی ایسی روایت نہیں کہ اس نے مسجد میں پیشاب کیا ہو۔

تناسب ابواب پہلے ابواب میں پیشاب کی نجاست کا بیان تھا اسی بیان کی ایک کڑی یہ بھی ہے کہ اگر زمین پر پیشاب یا کوئی نجس چیز پڑ جائے تو اسے پاک کرنے کا کیا طریقہ ہے۔ زمین کے پاک کرنے کا ایک طریقہ یہاں مذکور ہے کہ اس پر پانی ڈال کر نجاست اس طرح بہادو کہ اس کا کوئی اثر باقی نہ رہے۔ دوسرا طریقہ یہ بھی ہے کہ زمین سوکھ جائے تو پاک ہو جائیگی تیسرا یہ بھی ہے کہ ناپاک مٹی کھود کر پھینک دو۔

مسائل (۱) اس حدیث سے یہ ثابت ہوا کہ انسان کا پیشاب ناپاک ہے (۲) مسجد کو پاک و صاف رکھنا ضروری ہے ورنہ صحابہ اس اعرابی کو نہ روکنے کی کوشش کرتے اور نہ بعد میں اس پر پانی ڈالا جاتا (۳) جو لوگ جاہل گنوار ہوں اور کوئی نامناسب بلکہ ناجائز کام کر بیٹھیں تو ان کے ساتھ بیجا سختی نہ کیجائے البتہ نرمی سے سمجھایا جائے حکم شرعی کی تلقین کی جائے (۴) مسجد کی حرمت کا تقاضا یہ تھا کہ ان اعرابی کو فوراً روک دیا جاتا مگر اس میں کچھ خطرات تھے ہو سکتا ہے کہ ڈر کیوجہ سے وہ اعرابی پیشاب کرتے ہوئے بھاگتے تو مسجد کے اور حصے اور ان کے کپڑے ناپاک ہوتے، یا خوف کیوجہ سے پیشاب بند ہو جاتا تو اس میں کبھی بلا یا سخت مرض کا اندیشہ تھا ایسی صورت میں ان دو متضاد باتوں میں جو آسان تھی اسے اختیار فرمایا۔ اسے مسجد میں پیشاب کرنے دیا گیا پھر مسجد کو پاک کرا لیا گیا۔ ظاہر ہے کہ ناپاک ہونے کے بعد مسجد کی طہارت نسبتہً آسان ہے۔ یوں ہی مسجد کی ایک جگہ پاک کرنا بہ نسبت متعدد جگہوں کے زیادہ آسان ہے۔ اسی کو فرمایا گیا۔ اذا ابتلیتم ببلیتین فلیختر واھونھما۔ جب دو بلاؤں میں مبتلا ہو تو جو آسان ہو اسے اختیار کرو۔

[۳] جلد اول کتاب الزکوۃ باب اعطاء المولفۃ ص ۳۴۰ ۔

[۴] باب المعجزات فصل اول ص ۴۵۶ ۔

حدیث (۱۶۲) باب بول صبی علی ثوب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

عَنْ عَائِشَةَ اُمِّ الْمُؤْمِنِيْنَ رَضِيَ اللهُ تَعَالٰى عَنْهَا اَنَّهَا قَالَتْ اُتِيَ رَسُوْلُ

حضرت عائشہ ام المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ

اللهِ صَلَّى اللهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِصَبِيٍّ فَبَالَ عَلٰى ثَوْبِهٖ فَدَعَا بِمَاءٍ فَاَتْبَعَهٗ

علیہ وسلم کی خدمت میں ایک بچہ لایا گیا اس نے حضور کے کپڑے پر پیشاب کر دیا، حضور نے پانی منگایا اور جہاں

اِيَّاهُ ع۵

جہاں پیشاب پڑا تھا وہاں وہاں پانی ڈالا۔

حدیث ایضاً (۱۶۳) عَنْ اُمِّ قَيْسٍ بِنْتِ مِحْصَنٍ اَنَّهَا

حضرت ام قیس بنت محصن رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے

تشریحات ۱۶۲، ۱۶۳

(۱) ام قیس یہ حضرت عکاشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بہن ہیں۔ قدیم الاسلام ہیں مکہ معظمہ میں ایمان لائیں۔ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے بیعت کی اور مدینہ طیبہ ہجرت کی ان سے چوبیس احادیث مروی ہیں۔ صحیحین میں دو حدیثیں ہیں۔ علامہ ابن عبد البر نے ان کا نام جذامہ بتایا اور سہیل نے آمنہ [۱]

(۲) ان دو احادیث سے یہ بات واضح ہے کہ ایسے بچوں کا پیشاب جو ابھی غذا نہ کھاتے ہوں ناپاک ہے اگر ناپاک نہ ہوتا تو اس پر پانی ڈالنے کی کیا ضرورت تھی۔

البتہ اس کے پاک کرنے کے طریقے میں تھوڑی سی تفریق ہے کہ بچی کے پیشاب کو خوب اچھی طرح دھویا جائے گا اور بچے کے پیشاب میں اتنے مبالغہ کی ضرورت نہیں۔ اس کا سبب یہ ہے کہ بچوں کے مزاج میں حرارت ہوتی ہے جس کی وجہ سے انکا پیشاب رقیق ہوتا ہے جو معمولی دھونے سے دور ہو جائے گا برخلاف بچیوں کے کہ ان کے مزاج میں برودت غالب ہوتی ہے اسکی وجہ سے اس میں غلظت کثافت لزوجت زیادہ ہوتی ہے وہ بغیر اچھی طرح دھوئے پاک نہ ہوگا۔ علاوہ ازیں بچے کا پیشاب پتلی دھار کے ساتھ نکلتا ہے وہ زیادہ جگہ پھیلتا نہیں اور بچیوں کا پیشاب چوڑی دھار کے ساتھ پھیل کر نکلتا ہے وہ بدن اور کپڑے پر زیادہ پھیل کر لگتا ہے۔ بچوں کے پیشاب کے بارے میں الفاظ مختلف آئے ہیں یہاں بخاری میں فاتبعه اياه وارد ہے یعنی جہاں جہاں پیشاب تھا وہاں وہاں پانی ڈالا۔

بعض روایتوں میں صَبَّ یا يَصُبُّ آیا ہے اس کے معنی پانی ڈالنے کے ہیں۔ بعض روایتوں میں ہے لم يغسله غسلا۔ اس کو مبالغے کے ساتھ نہیں دھویا۔ بعض میں رَشَّ وارد ہے جس کے معنی چھڑکنے کے ہیں بعض میں نضح وارد ہے جس کے معنی بھی چھڑکنے کے ہیں۔ ان میں تین الفاظ فاتبعه اياه۔ صب۔ لم يغسله غسلا۔ کا صریح منطوق یہ ہے کہ شیر خوار بچے کے بھی پیشاب کو دھویا۔ اگرچہ اتنا زیادہ نہیں دھویا جتنا بچی کا دھویا۔ صرف دو لفظ اپنے ظاہر کے اعتبار سے یہ بتا رہے ہیں کہ دھویا نہیں صرف پانی چھڑک کر چھوڑ دیا۔ لیکن یہ وہی کہے گا جس کے ذہن میں نضح اور رش کے دوسرے

ع۵ مسلم جلد اول طہارت باب حکم بول الطفل الرضیع ص ۱۳۹۔ نسائی جلد اول طہارت باب بول الصبی الذی لم یاکل الطعام ص ۵۶، ابن ماجہ باب ماجاء فی بول الصبی الذی لم يطعم ص ۴۰ [۱] عینی جلد سوم ص ۱۳۲۔

اَتَتْ بِابْنٍ لَهَا صَغِيْرٍ لَمْ يَأْكُلِ الطَّعَامَ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى

کہ وہ اپنے ایک ایسے بچے کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لائیں جو ابھی غذا نہیں

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاَجْلَسَهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِىْ حِجْرِهٖ

لیتا تھا، بچے کو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے گود میں بٹھایا بچے نے آپ

فَبَالَ عَلٰى ثَوْبِهٖ فَدَعَا بِمَاءٍ فَنَضَحَهٗ وَلَمْ يَغْسِلْهُ عہ

کے کپڑے پر پیشاب کر دیا حضور نے پانی منگایا اور اس پر ڈالا اور اُسے دھویا نہیں

مواقع استعمال مستحضر نہیں۔ خود احادیث میں "نضح" اور "رش" دھونے کے معنی میں وارد ہیں۔

بخاری[1] اور مسلم[2] دونوں میں حضرت اسماء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی حدیث میں خون حیض کے بارے میں وارد ہے واللفظ للبخاری

فلتقرصه ثم لتنضحه بماء ثم لتصل فيه اسے چٹکی سے کھرچ دے پھر پانی سے دھوئے پھر اس کپڑے میں نماز پڑھے۔

علامہ نووی نے شافعی ہوتے ہوئے شرح مسلم میں فرمایا: تنضحہ کے معنی یہ ہیں کہ اسے دھوئے جیسا کہ جوہری وغیرہ نے

ومعنى تنضحه تغسله كذا قاله الجوهري وغيره کہا ہے یہ حدیث دلیل اس بات کی ہے کہ نجاست کا پانی سے

وفي هذا الحديث وجوب غسل النجاسة بالماء[3] دھونا واجب ہے۔

ابو داؤد[4] میں مذی کے بارے میں ہے:

فلينضح فرجه وليتوضّا اپنی شرمگاہ کو دھوئے پھر وضو کرے۔

حالانکہ اس کے پہلی والی حدیث میں اسی واقعہ میں یہ الفاظ ہیں۔

فاغسل ذكرك وتوضّا اپنے عضو تناسل کو دھو پھر وضو کر۔

ایک حدیث[5] میں فرمایا۔

انى لاعرف مدينة ينضح بجانبيها بحر میں اس شہر کو پہچانتا ہوں جس کے کنارے سمندر سر پٹکتا ہے۔

اسی طرح رش بھی احادیث میں دھونے کے معنی میں مستعمل ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے وضو کی تفصیل ان الفاظ میں بیان فرمائی۔

عہ مسلم جلد اول طہارت باب حکم بول الطفل الرضیع ص ۱۳۹، جلد ثانی الطب باب لکل داء دواء ص ۲۲۷
ابوداؤد جلد اول باب بول الصبی یصیب الثوب ص ۵۲-۵۳، ترمذی جلد اول طہارت باب ماجاء فی نضح بول
الغلام قبل ان یطعم ص ۱۱، ابن ماجہ باب ماجاء فی بول الصبی الذی لم یطعم ص ۴۰، [1] کتاب الحیض باب
غسل دم الحیض ص ۴۵ [2] طہارت باب نجاسۃ الدم ص ۱۴۰ [3] جلد اول ص ۱۴۰، [4] جلد اول باب المذی
ص ۲۷، [5] امام احمد ابونعیم۔ مسند ابو یعلی۔

حدیث (۱۶۴) البول قائما

عن حذیفۃ رضی اللہ تعالی عنہ قال

حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالی عنہ نے فرمایا کہ نبی صلی اللہ تعالی

اتی النبی صلی اللہ تعالی علیہ وسلم سباطۃ قوم فبال قائما ثم دعا بماء

علیہ وسلم ایک قوم کے گھورے پر تشریف لے گئے اور کھڑے کھڑے پیشاب فرمایا پھر پانی

فجئتہ بماء فتوضاء ع۵

طلب فرمایا میں پانی لیکر حاضر ہوا حضور نے وضو فرمایا

اخذ غرفۃ[۱] من ماء فرش علی رجلہ الیمنی حتی غسلہا۔ ایک چلو پانی لے کر اپنے داہنے پاؤں پر ڈالا یہاں تک کہ اسے دھویا۔

ترمذی[۲] میں حضرت اسماء والی حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

حتیہ ثم اقرصیہ ثم رشیہ وصلی فیہ اسے کھرچ پھر چٹکی سے دور کر پھر دھو پھر اسمیں نماز پڑھ

جب نضح اور رش کے معنی بھی دھونے کے ہیں تو تمام احادیث میں تطابق کے لئے ضروری ہوا کہ شیرخوار بچے کے پیشاب کے بارے میں جہاں جہاں نضح اور رش آیا ہے ہر جگہ ان کو غسل کے معنی میں لیا جائے۔

اس مسئلے کو لے کر بعض لوگوں نے احناف پر طعن کیا ہے کہ یہ لوگ حدیث کے مقابلے میں قیاس پر عمل کرتے ہیں۔ ہماری سابق تقریر سے ظاہر ہوگیا کہ ان کا یہ طعن بے بنیاد ہے اس مسئلہ کو دوسری عبارت میں یوں ادا کیا جاسکتا ہے۔ انسان کا پیشاب ناپاک ہے اس میں شیرخوار بچے کا بھی پیشاب داخل ہے۔ جس پر قریب قریب اجماع ہے جو کثیر احادیث سے ثابت ہے۔ اور جب شیرخوار بچے کا پیشاب ناپاک تو اس کی طہارت بھی اسی طرح سے ہوگی جو تمام پیشاب کے لئے شریعت نے مقرر فرمایا ہے۔ شیرخوار بچے کے پیشاب کے لئے کوئی اور طریقہ اسی وقت قابل قبول ہوگا جبکہ نص سے ثابت ہو اس کے ثبوت میں وہ احادیث پیش کی جاسکتی ہیں۔ جن میں "نضح" "رش" کے الفاظ وارد ہیں مگر چونکہ ان کے معنی خود احادیث میں دھونے کے آتے ہیں اس لئے ان سے استدلال ساقط اور اصل حکم باقی۔

تشریحات (۱۶۴، ۱۶۵، ۱۶۶)

(۱) کھڑے ہو کر پیشاب کرنا منع ہے

احناف اور جمہور علماء کے نزدیک کھڑے ہو کر پیشاب کرنا ممنوع ہے یہ بکثرت احادیث سے ثابت ہے۔

(۱) ام المومنین حضرت صدیقہ رضی اللہ تعالی عنہا سے روایت ہے کہ فرمایا:-

ع۵ ایضاً اس کے بعد دو باب میں، مظالم الوقوف والبول عند سباطۃ قوم جلد اول ص ۳۳۵۔ مسلم جلد اول طہارت باب المسح علی الخفین ص ۱۳۳۔ ابوداؤد جلد اول باب البول قائما ص ۴۔ ترمذی جلد اول طہارت باب ماجاء فی الرخصۃ فی ذلک ص ۳۔ نسائی جلد اول طہارت باب الرخصۃ فی ذلک ص ۹۔ ابن ماجہ طہارت باب ماجاء فی البول قائما ص ۲۶۔ دارمی وضو (۹) مسند امام احمد

[۱] بخاری جلد اول وضوء۔ باب غسل الوجہ بالیدین من غرفۃ واحدۃ ص ۲۶۔

[۲] جلد اول طہارت باب ماجاء فی غسل دم الحیض ص ۲۰۔

حدیث ایضاً (۱۶۵) عن حذیفۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال رأیتنی انا والنبی

حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا میں اور نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

حضرت ام المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی حدیث میں جن صاحبزادے کا ذکر ہے وہ کون بزرگ تھے اس میں شراح کے مختلف اقوال ہیں۔ حضرت عبداللہ بن زبیر، حضرت امام حسن، حضرت امام حسین، رضی اللہ تعالیٰ عنہم، ان تینوں بزرگوں کا حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی گود میں بیٹھنا اور بیٹھکر پیشاب کرنا بھی ثابت ہے لیکن حضرت ام المومنین جن کا ذکر فرما رہی ہیں یہ کون صاحب تھے علی التعیین ثابت نہیں۔

ایضاح البخاری کی غلطی ایضاح البخاری صفحہ ۲۸۲ پر ہے

ابوداود میں لم یغتسل غسلا آیا ہے

اس خادم کو ابوداود میں یہ لفظ نہیں ملا۔ البتہ مسلم شریف میں ہے

من حدثکم ان النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کان یبول قائما فلا تصدقوہ ما کان یبول الا قاعدا [۱]

اگر تم سے کوئی کہے کہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کھڑے ہوکر پیشاب کرتے تھے، اس کی بات مت ماننا، حضور بیٹھ ہی کر پیشاب کرتے تھے۔

امام ترمذی نے اس حدیث کے بارے میں فرمایا:

حدیث عائشۃ احسن شیٔ فی ھذا الباب واصح۔

اس مسئلے میں جتنی حدیثیں آئی ہیں ان سب سے زیادہ حسن اور صحیح یہ حدیث ہے

صحیح ابوعوانہ اور حاکم کی مستدرک میں یہ حدیث ان الفاظ سے مروی ہے۔

ما بال قائما منذ انزل علیہ القرآن

جس دن سے قرآن اترنا شروع ہوا کبھی کھڑے ہوکر پیشاب نہیں فرمایا

(۲) بخاری کے دونوں شارح علامہ عسقلانی و علامہ عینی نے، حضرت ام المومنین کی حدیث کے بارے میں فرمایا کہ اس سے مراد یہ ہے کہ گھروں میں بیٹھ ہی کر پیشاب کرتے تھے۔ اس لئے وہ اپنے علم کی بنا پر فرما رہی ہیں، وہ گھر کے اندر کے حالات جان سکتی ہیں۔ اس پر اعلیحضرت امام احمد رضا قدس سرہ نے یہ تعقب فرمایا کہ صحیح ابوعوانہ اور مستدرک کی روایت اس پر دلالت کرتی ہے کہ نہ گھر میں کھڑے ہوکر پیشاب فرمایا نہ باہر۔ اس لئے اس حدیث کو گھروں کے ساتھ خاص کرنا درست نہیں اس لئے حضرت ام المومنین ابتداء نزول قرآن کے پانچ سال پر پیدا ہوئیں تو وہ اپنے مشاہدے کی بنیاد پر یہ کیسے فرما سکتی ہے۔ جب سے نزول قرآن ہوا کھڑے ہوکر پیشاب نہیں فرمایا۔ اس لئے ماننا پڑے گا کہ جو کچھ فرمایا تحقیق حال کے بعد فرمایا۔ صرف مشاہدے پر نہیں فرمایا، اس لئے یہ ارشاد گھر اور باہر سب کے لئے عام ہے۔ اصل عادت کریمہ یہی تھی۔ اور حضرت حذیفہ کی حدیث میں جو مذکور ہے وہ عذر کی بنا پر ہے۔

علاوہ ازیں بالکل واضح بات ہے۔ جب یہ ثابت ہوگیا کہ حضور گھر کی تنہائی میں بیٹھکر پیشاب کرتے تھے تو بطریق دلالۃ النص یہ بھی ثابت کہ باہر بدرجۂ اولیٰ بیٹھکر پیشاب کرتے تھے، اس لئے کہ میدان میں، پردہ کرنے کی ضرورت بہ نسبت گھر کے زیادہ تھی ظاہر ہے کہ بیٹھنے میں بہ نسبت

[۱] مسند امام احمد۔ ترمذی جلد اول طہارت باب النہی عن البول قائما ص ۳ نسائی جلد اول طہارت باب البول فی البیت، جالسا ص ۱۱ ابن ماجہ طہارت باب ماجاء فی البول قاعدا ص ۲۶

صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نَتَمَاشٰی فَاَتٰی سُبَاطَۃَ قَوْمٍ خَلْفَ حَائِطٍ

ساتھ ساتھ چل رہے تھے کہ حضور ایک قوم کے گھورے کے پاس ایک دیوار کے پیچھے تشریف لے گئے

فَقَامَ کَمَا یَقُوْمُ اَحَدُکُمْ فَبَالَ فَانْتَبَذْتُ مِنْہُ فَاَشَارَ اِلَیَّ فَجِئْتُہٗ فَقُمْتُ

اور ایسے کھڑے ہو گئے جیسے تم لوگ کھڑے ہوتے ہو اور پیشاب فرمایا میں حضور سے دور ہٹ آیا تو اشارے

عِنْدَ عَقِبِہٖ حَتّٰی فَرَغَ

سے قریب بلایا میں آیا اور حضور کی ایڑی کے پاس کھڑا ہو گیا یہاں تک کہ حضور فارغ ہو گئے۔

حدیث ایضاً (۱۶۶) عَنْ اَبِیْ وَائِلٍ قَالَ کَانَ اَبُوْ مُوْسَی الْاَشْعَرِیُّ

ابو وائل نے کہا ابو موسیٰ اشعری پیشاب کے معاملے میں

کھڑے ہونے کے زیادہ پردہ ہے لے

(۲) بزار نے اپنی مسند میں بسند صحیح حضرت بریدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

ثلاث من الجفاء ان یبول الرجل قائما او یمسح جبھتہ قبل ان یفرغ من صلوتہ او ینفخ فی سجودہ۔ — تین باتیں گنوار پنے کی ہے، کھڑے کھڑے پیشاب کرنا اور نماز سے فارغ ہونے سے پہلے اپنی پیشانی پونچھنا اور سجدے میں پھونک مارنا۔

(۳) ترمذی[۲] ابن ماجہ[۳] اور بیہقی نے حضرت امیر المومنین فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی انھوں نے فرمایا

رأنی النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وانا ابول قائما فقال یا عمر لاتبل قائما فما بلت قائما بعد۔ — نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کھڑے ہو کر پیشاب کرتے مجھے دیکھا تو فرمایا کھڑے کھڑے پیشاب مت کر اس کے بعد میں نے کبھی کھڑے ہو کر پیشاب نہیں کیا۔

(۴) امام بیہقی نے جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی۔

نھی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ان یبول الرجل قائما۔ — رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کھڑے ہو کر پیشاب کرنے سے منع فرمایا۔

(۳) **حدیث حذیفہ کے جوابات** اول یہ کہ حدیث حذیفہ حضرت ام المومنین کی حدیث سے منسوخ ہے اسے ابو عوانہ نے اپنی صحیح میں اور ابن شاہین نے کتاب السنۃ میں اختیار کیا اس پر علامہ عینی و علامہ عسقلانی نے تعقب کیا ہے۔ مگر اعلیحضرت امام احمد رضا قدس سرہٗ نے فرمایا کہ دعوی نسخ پر کوئی قباحت نہیں۔

اس لئے کہ حضرت حذیفہ نے جو بیان کیا یہ ان کے آخر عمر کا مشاہدہ نہیں اور ام المومنین نے یوم وصال تک کی بات بتائی اور حضور

لہ فتاوی رضویہ جلد دوم ص ۱۷۲ ،[۲] جلد اول طہارت ۲۷ [۳] طہارت باب ماجاء فی البول قاعدا ص ۲۶

يُشَدِّدُ فِي الْبَوْلِ وَيَقُوْلُ إِنَّ بَنِيْ إِسْرَائِيْلَ كَانَ إِذَا أَصَابَ ثَوْبَ أَحَدِهِمْ

پیشاب کے معاملے میں سختی کرتے تھے اور کہتے تھے کہ بنی اسرائیل میں جب کسی کے کپڑے پر پیشاب لگ جاتی

قَرَضَهُ فَقَالَ حُذَيْفَةُ لَيْتَهُ أَمْسَكَ أَتَى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالَى عَلَيْهِ

تو اسے کترنا پڑتا اس پر حضرت حذیفہ نے کہا کاش کہ وہ ایسا نہ کرتے نبی صلی اللہ تعالی علیہ وسلم

وَسَلَّمَ سُبَاطَةَ قَوْمٍ فَبَالَ قَائِمًا

ایک قوم کے گھورے کے پاس آئے اور کھڑے کھڑے پیشاب فرمایا۔

اقدس صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کے افعال میں الآخر فالآخر لیا جاتا ہے۔ چشم دید واقعہ بیان کرنے والوں کے بیان میں تضاد ہو تو یہ نسخ کے منافی نہیں اگر بعض مشاہدہ کرنے والے بعد کا مشاہدہ بیان کرتے ہوں۔ نیز نسخ کی تائید اس ارشاد سے بھی ہوتی ہے کہ فرمایا کہ کھڑے ہو کر پیشاب کرنا گنوار پن ہے۔ حضور ایسے افعال سے پوری احتیاط فرمایا کرتے تھے۔

دوم وہ جگہ بیٹھنے کے قابل نہ تھی اس وجہ سے کہ آگے ڈھال تھا۔

سوم اس وقت زانوے مبارک میں زخم تھا جس کے سبب اکڑو بیٹھ نہیں سکتے تھے یہ توجیہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ سے مروی ہے۔ حاکم، دارقطنی اور بیہقی نے ان سے روایت کی۔

ان النبی صلی اللہ تعالی علیہ وسلم بال قائما من جرح کان بمابضہ — اگرچہ یہ حدیث ضعیف ہے لیکن اس کی صلاحیت رکھتی ہے کہ کسی فعل منقول کی حکمت ظاہر کر سکے۔

چہارم منصب نبوت پر فائز ہونے کے بعد ہمیشہ بیٹھے بیٹھے پیشاب فرمایا سوائے اس واقعہ کے کبھی مروی نہیں کہ کھڑے ہو کر پیشاب فرمایا ہو۔ یہ صرف بیان جواز کے لئے ہے۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ احناف اور جمہور فقہا کھڑے ہو کر پیشاب کرنے کو مکروہ تنزیہی کہتے ہیں۔ مکروہ تنزیہی کا ارتکاب حرام اور گناہ نہیں ہوتا۔ خلاف اولی ہوتا ہے۔

اس کے علاوہ محدثین سے اور بھی توجیہات مروی ہیں مگر وہ سب متکلم فیہ ہیں۔ خلاصہ کلام یہ کہ حضرت حذیفہ والی حدیث احادیث ممانعت کے معارض ہے، اور رفع تعارض کی بالفرض کوئی وجہ نہ بھی مل سکے تو بھی ترجیح ممانعت کی احادیث کو ہوگی۔ اولاً کھڑے ہو کر پیشاب کرنا ایک بار کا واقعہ حال ہے جس میں دسیوں احتمالات ہیں۔ ثانیاً قول و فعل میں جب تعارض ہو تو ترجیح قول کو ہوتی ہے۔ ثالثاً جب مبیح و حاظر متعارض ہوں تو حاظر مقدم ہے۔

اس لئے ازروئے قواعد شریعت ترجیح ممانعت ہی کو ہوگی۔

یہ حدیث کھڑے ہو کر پیشاب کرنیوالوں کو مفید نہیں

انگریز چلا گیا اور ہمارے معاشرے میں ہزاروں خرابیاں پیدا کر گیا، انھیں میں کھڑے ہو کر پیشاب کرنا بھی ہے۔ ان انگریزوں کے ذہنی غلاموں کو حضرت حذیفہ والی حدیث مطلقاً مفید نہیں۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے صرف ایک بار کھڑے ہو کر پیشاب فرمایا وہ بھی عذر کی وجہ سے وہ بھی اونچی جگہ کھڑے ہو کر جس کے سامنے ڈھال اور زمین گھورے کی وجہ سے نرم کہ کسی طرح چھینٹ آنے کا احتمال نہ تھا۔

سامنے دیوار تھی، گھوڑا نا اونٹ تھا نہ کہ گزرگاہ پر، پیچھے حضرت حذیفہ کو کھڑا کر لیا تھا جس سے ادھر بھی پردہ ہو گیا تھا۔ ان احتیاطوں کے ساتھ عمر میں ایک بار کا واقعہ منقول ہے اور انگریزوں کے ذہنی غلاموں کا عالم یہ ہے کہ جہاں جی چاہتا ہے کھڑے کھڑے دھار مارنے لگتے ہیں نہ پردے کا خیال نہ اس سے احتیاط کہ چھینٹ بدن یا کپڑے پر نہ آوے نہ کوئی عذر، ایک فیشن بنا لیا ہے۔

اس طرح پیشاب کرنا نصاریٰ، مشرکین و فساق کا شعار ہے اس لئے جائز نہیں۔ حدیث میں ہے:

من تشبہ بقوم فھو منھم — جو کسی قوم کا شعار اختیار کرے وہ انھیں میں سے ہے

اور فرمایا: ایاکم وزی الاعاجم — عجمیوں کے فیشن سے دور رہو۔

اہل عرب کی عام عادت یہی تھی کہ وہ کھڑے کھڑے پیشاب کیا کرتے۔ حضور اقدس صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس میں اصلاح فرمائی اور اس بدتمیزی کو ختم فرمایا۔ جب حضور اقدس صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو لوگوں نے بیٹھ کر پیشاب کرتے دیکھا تو یہ طنز کیا:

یبول کما تبول المرأۃ [1] — یہ عورتوں کی طرح پیشاب کرتے ہیں۔

یہ بھی اس کی دلیل ہے کہ ترجیح اس کو ہے کہ کھڑے ہو کر پیشاب کرنا ممنوع ہے۔

(۳) اسرائیل، حضرت یعقوب علیہ السلام کا اسم مبارک ہے، "اِسر" سریانی زبان میں بندے کے معنی میں ہے اور "اِیل" اللہ کے معنی میں ہے۔ حضرت یعقوب علیہ السلام کے ۱۲ بیٹے تھے انھیں کی نسل بنی اسرائیل کہلاتی ہے۔

(۴) بنی اسرائیل کے جسم یا کپڑے پر نجاست لگ جاتی تو اسے کاٹ کر پھینک دیتے، مسلم[2] اور ابوداؤد[3] کی ایک روایت میں "جلد احدھم" ہے، اور ابوداؤد کی دوسری روایت میں جسد احدھم ہے۔

مگر اس پر یہ استعجاب ہے کہ یہ بہت سخت حکم تھا۔ نجاست لگنے کے بعد بدن کی کھال کاٹ کر پھینک دیجائے، اس کو سنکر رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ چند بار کھال کاٹنے کے بعد آدمی زندہ کیسے رہے گا زندہ رہے گا بھی تو مردہ سے بدتر۔ اس لئے شارحین نے اس کی تاویل کی ہے۔

علامہ قرطبی نے فرمایا کہ وہ لوگ چمڑے کا لباس پہنتے تھے۔ جلد احدھم سے یہی مراد ہے مگر جسد احدھم کی کیا توجیہہ ہوگی؟ یہ سوال اپنی جگہ رہ جاتا ہے۔ زیادہ سے زیادہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ روایت بالمعنی کی وجہ سے تبدیلی ہوئی اصل میں لفظ ثوب تھا چونکہ وہ چمڑے کا لباس پہنتے تھے تو کسی راوی نے اسے جلد سے بدن کی کھال سمجھی اور اسے جسد سے بدل دیا لیکن اس قسم کے احتمالات لائق التفات ہوں تو امان اٹھ جائے۔ اس خادم کی ناقص رائے یہ ہے کہ، غالباً یہ مراد یہ ہے کہ پیشاب لگنے کے بعد جسم پاک نہ کرنے پر قبر میں اس کی سزا یہ تھی کہ وہ حصہ کاٹا جاتا۔ ان اصبت فمن اللہ وان اخطئت فمنی ومن الشیطان۔

(۵) حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ پیشاب کے معاملے میں اتنی احتیاط کرتے تھے کہ شیشی میں پیشاب کرتے تھے[4] اس پر حضرت حذیفہ نے یہ فرمایا کہ اتنی شدت کی ضرورت نہیں۔ حضور اقدس صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک بار کھڑے ہو کر پیشاب فرمایا حالانکہ کھڑے کھڑے پیشاب کرنے میں چھینٹ پڑنے کا زیادہ احتمال ہے۔ حضور نے کبھی یہ تکلف نہیں فرمایا کہ شیشی میں پیشاب فرماتے۔

---

[1] ابن ماجہ طہارت باب ما جاء فی البول قاعدا ص ۲۷ [2] جلد اول ص ۱۳۳ [3] جلد اول ص ۴ [4] مسلم جلد اول ص ۱۳۳۔

(۶) اسی سے ہمارے علماء نے یہ استنباط فرمایا کہ پیشاب کی بہت باریک سوئی کے نوک کے برابر چھینٹ معاف ہے۔

ایک حدیث کا حل اس سلسلے میں ابوداؤد[۱] میں یہ حدیث ہے۔

عبدالرحمٰن بن حسنہ کہتے ہیں کہ میں اور عمرو بن عاص خدمت اقدس میں حاضر ہوئے، حضور باہر تشریف لائے، حضور کے ساتھ ڈھال تھی حضور نے اس کی آڑ میں پیشاب فرمایا۔ ہم نے کہا حضور کو دیکھو! عورتوں کی طرح پیشاب کرتے ہیں۔ حضور نے اسے سُن لیا۔ اور فرمایا تمھیں معلوم نہیں، صاحب بنی اسرائیل کو کیا ملا۔ بنی اسرائیل کو جب کہیں پیشاب لگتی تو اسے کاٹ دیتے اس نے منع کیا تو اسے قبر میں عذاب دیا گیا۔

اس حدیث میں تین اشکال ہیں حضرت عبدالرحمٰن بن حسنہ وغیرہ نے حضور پر طنز کیا۔ صاحب بنی اسرائیل سے کون مراد ہے۔ بنی اسرائیل کو طہارت حاصل کرنے سے کیوں منع کیا۔ پہلے اشکال کا جواب یہ ہے کہ عبدالرحمٰن بن حسنہ وغیرہ نے طنزاً یا بہ نیت اعتراض یہ نہیں کہا تھا بلکہ چونکہ اہل عرب کے مردوں کی عام عادت تھی کہ کھڑے کھڑے جہاں ہوتا پیشاب کر لیتے تھے۔ البتہ عورتیں بیٹھ کر پردے کے ساتھ پیشاب کرتی تھیں۔ اس پر تعجب کرتے ہوئے انھوں نے یہ کہا تھا۔ اسی لئے سننے کے بعد بھی حضور خفا نہ ہوئے ان کی تسلی فرمادی۔

علامہ عینی نے فرمایا کہ صاحب بنی اسرائیل سے مراد حضرت موسیٰ علیہ السلام ہیں — اور **فنھاھم** سے مراد یہ ہے کہ حضرت موسیٰ نے انھیں پیشاب کے ساتھ ملوث ہونے سے منع فرمایا مگر وہ نہ مانے اس لئے نہ ماننے والوں کو قبر میں عذاب ہوا **فنھاھم** کا متعلق محذوف ہے عن اصابۃ البول، اور یہ عبارت محذوف ہے فلم ینتھوا فعذب کی فاء سببیہ ہے۔

صاحب تحفہ کی حدیث دانی حضرت بریدہ والی حدیث بزار نے روایت کی امام ترمذی نے یہ تنقید کی کہ یہ غیر محفوظ ہے۔ اس پر علامہ عینی نے یہ لکھا کہ اسے بزار نے سند صحیح کے ساتھ روایت کیا۔

اس پر صاحب تحفۃ الاحوذی نے یہ گرفت کی — سند صحیح کے ساتھ روایت اس کے غیر محفوظ ہونے کے منافی نہیں — پھر اس تنقید سے کیا فائدہ۔

غالباً مبارکپوری صاحب کے ذہن میں "غیر محفوظ" کے معنی محفوظ نہ رہے ورنہ ایسی بات ہرگز نہ لکھتے۔ حدیث غیر محفوظ اصطلاح محدثین میں اس حدیث کو کہتے ہیں جسے کوئی ثقہ، دوسرے ثقات کے خلاف روایت کرے[۲]۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ کسی حدیث کے غیر محفوظ ہونے کے لئے ضروری ہے کہ اس کے مقابل بھی کوئی روایت ہو اور اگر روایت صرف ایک ہی ہو تو اسے غیر محفوظ نہیں کہہ سکتے۔ یہاں علامہ عینی نے تصریح کر دی کہ "بزار نے لکھا ہے کہ اس حدیث کو بریدہ سے سوائے سعید کے کسی اور نے روایت نہیں کی ہے — جب اس کے خلاف کوئی روایت ہی نہیں تو اسے غیر محفوظ کہنا درست نہیں۔

صاحب تحفہ کے ہاتھ کی صفائی یہاں مبارکپوری صاحب نے ایک غیر مقلدانہ داؤ بھی چلا دیا ہے۔ علامہ عینی کی پوری عبارت نقل نہیں کی جس سے یہ بتانا چاہتے ہیں کہ علامہ عینی امام ترمذی کے مقابلے میں ہیں۔ جس سے یہ تاثر دینا چاہتے ہیں کہ امام ترمذی کے مقابلے میں علامہ عینی کی کیا حیثیت ہے۔

---

[۱] جلد اول ص ۴ [۲] مقدمہ لمعات

حدیث (۱۶۷) غسل الدم ۔ عَنْ اَسْمَاءَ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْھَا قَالَتْ جَاءَتْ

حضرت اسماء رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا کہ ایک عورت رسول اللہ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

اِمْرَأَۃٌ اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقَالَتْ اَرَأَیْتَ اِحْدَانَا

کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کیا، بتائیے ہم میں سے

تَحِیْضُ فِی الثَّوْبِ، کَیْفَ تَصْنَعُ، قَالَ تَحُتُّہٗ ثُمَّ تَقْرُصُہٗ بِالْمَاءِ وَتَنْضَحُہٗ

کسی کو کپڑے میں حیض آجائے (کپڑے کو لگ جائے) تو کیا کرے۔ فرمایا، اسے کھرچ پھر پانی ڈال کر

بِالْمَاءِ وَتُصَلِّیْ فِیْہِ ؏

چٹکی سے ملے اور پانی سے دھوئے اور اس میں نماز پڑھے۔

حدیث (۱۶۸) حکم الاستحاضۃ ۔ عَنْ عَائِشَۃَ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْھَا

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا

حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ اصل مقابلہ امام بزار اور امام ترمذی کا ہے۔ علامہ عینی ایک حکم کی طرح فیصلہ دینے والے ہیں علاوہ ازیں غیر مقلدیت کے دعوی کے بعد یہ شخصیت پرستی زیب نہیں دیتی۔ اگر حضرت فاروق اعظم اور تمام صحابہ کے اجماعی فیصلے کے خلاف ہر مقلد اپنی رائے کو حق کہہ سکتا ہے تو پھر از روئے قواعد غیر مقلدیت، علامہ عینی جیسے حدیث وفقہ کے جامع کامل کو یہ حق کیسے نہیں مل سکتا کہ وہ امام ترمذی کی رائے پر کچھ لب کشائی کر سکیں۔

تشریحات ۱۶۷، ۱۶۸ (۱) خون مطلقاً ناپاک ہے خواہ حیض کا خون ہو یا کوئی اور اس پر اجماع ہے البتہ غیر مقلدین حیض کے علاوہ بقیہ تمام خون پاک مانتے ہیں ان کے امام نواب صدیق حسن خاں بھوپالی نے فتح المغیث اور طریقہ محمدیہ میں یہ لکھا ہے علاوہ ازیں ان کے شیخ الرئیس قاضی شوکانی نے بھی الدرر البہیہ میں لکھا ہے کہ حیض کے خون اور انسان کے بول و براز کے علاوہ ہر چیز پاک ہے نیز یہ بھی لکھدیا کہ سور کی چربی حرام نہیں۔

فاطمہ بنت ابی حبیش والی حدیث اس پر نص ہے کہ خون استحاضہ بھی ناپاک ہے اور یہ خون حیض کے علاوہ اور خون ہے علاوہ ازیں دم مسفوح کی نجاست قرآن مجید سے ثابت ہے۔ ارشاد ہے:

اَوْ دَمًا مَّسْفُوْحًا اَوْ لَحْمَ خِنْزِیْرٍ فَاِنَّہٗ رِجْسٌ (انعام ۱۴۵) یا بہتا خون یا سور کا گوشت کہ یہ سب ناپاک ہے۔

ہر نجاست بقدر درہم معاف ہے اس اتفاق کے بعد کہ خون ناپاک ہے علماء میں دو اختلاف عظیم ہے ایک یہ کہ نجاست قلیل ہو یا کثیر سب کا دھونا فرض ہے یا کچھ معاف بھی ہے۔ شوافع کا مسلک یہ ہے کہ نجاست تھوڑی ہو یا زیادہ اس کا دھونا فرض ہے

؏ ایضاً حیض، باب غسل الدم ص ۴۵ مسلم جلد اول طہارت، باب نجاسۃ الدم ص ۱۴۰ ابوداود جلد اول طہارت باب المرأۃ تغسل ثوبھا الذی تلبسہ فی حیضھا ص ۵۲ ترمذی جلد اول طہارت، ماجاء فی غسل دم الحیض من الثوب ص ۲۰ نسائی جلد اول طہارت باب دم الحیض یصیب الثوب ص ۵۶ موطا، طہارت جامع الحیضۃ ص ۲۲ دارمی وضوء ۱۰۵ مسند امام احمد

قَالَتْ جَاءَتْ فَاطِمَةُ بِنْتُ اَبِي حُبَيْشٍ اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ
نے فرمایا کہ فاطمہ بنت ابی جیش نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں
وَسَلَّمَ فَقَالَتْ يَا رَسُولَ اللّٰهِ اِنِّي امْرَأَةٌ اُسْتَحَاضُ فَلَا اَطْهُرُ اَفَادَعُ
اور عرض کیا یا رسول اللہ میں ایسی عورت ہوں کہ مجھے استحاضہ کا عارضہ ہے پاک نہیں رہتی کیا
الصَّلٰوةَ؟ فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، لَا اِنَّمَا ذٰلِكِ
نماز چھوڑ دوں؟ رسول اللہ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا نہیں (نماز مت چھوڑ) یہ

ہمارے یہاں تھوڑی نجاست معاف۔ ہماری دلیل یہ حدیث ہے، حضرت ام المومنین فرماتی ہیں:

ہمارے پاس صرف ایک ہی کپڑا ہوتا تھا اسی میں حیض بھی آتا تھا، اگر کپڑے کو خون لگ جاتا تو ہم تھوک لگا کر ناخن سے خرچ دیتیں۔[1]

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک دو قطرے خون سے نماز میں کوئی حرج نہیں جانتے تھے۔

کس حد تک معاف ہے۔ اس سلسلے میں ہمارے ائمہ نے درہم کی مقدار رکھی ہے اور یہ حضرت علی اور حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے ناخن کی مقدار کو معاف بتایا۔ محیط میں ہے کہ انکا ناخن قریب قریب ہماری ہتھیلی کے تھا۔[2] ویسے ہمارے یہاں بھی مستحب یہی ہے کہ تھوڑی سی بھی نجاست کہیں لگ جائے تو اسے دھو لیا جائے۔

پانی کے علاوہ دوسری چیزوں سے بھی نجاست دور ہو سکتی ہے

شوافع یہ کہتے ہیں کہ نجاست کہیں لگ جائے تو صرف پانی ہی سے پاک ہوگی پانی کے علاوہ اور کسی چیز سے اگر دور کریں گے وہ چیز پاک نہ ہوگی۔ ہمارے یہاں پانی کی طرح ہر ایسی بہنے والی چیز سے نجاست دور ہو سکتی ہے جو ایسی رقیق اور سیال ہو کہ نجاست کو دور کر دے۔

شوافع کہتے ہیں کہ حدیث میں صرف پانی ہی سے نجاست دور کرنے کا حکم ہے کسی اور مائع، بہنے والی رقیق چیز سے نہیں۔ اس لئے صرف پانی ہی سے نجاست دور ہوگی دوسری چیزوں سے نہیں۔ ہم یہ کہتے ہیں کہ حدیث میں پانی کا ذکر اس بنا پر ہے کہ پانی ہی آسانی سے دستیاب ہوتا ہے اور عموماً اسی سے نجاست دور کی جاتی ہے۔ پانی کا ذکر بمنزلہ شرط نہیں بلکہ غالب اور اکثر کے اعتبار سے ہے۔ جیسے قرآن مجید میں فرمایا:

وَرَبَائِبُكُمُ اللَّاتِي فِي حُجُورِكُمْ مِنْ نِسَائِكُمُ اللَّاتِي دَخَلْتُمْ بِهِنَّ۔ (نساء ۲۳) تمہاری گود میں پلنے والی وہ لڑکیاں جو تمہاری ان بیویوں کی ہیں جن سے تم ہمبستری کر چکے ہو۔

علاوہ ازیں ایسے مواقع پر تخصیص دوسرے سے نفی کی دلیل نہیں ہوتی نیز یہ کہ مفہوم لقب ہمارے یہاں حجت نہیں۔

سیدھی سادی بات یہ ہے کہ کپڑا مثلاً نجاست لگنے سے پہلے پاک تھا، نجاست لگنے سے ناپاک ہوا جب نجاست کسی چیز سے دور کر دی گئی تو اپنے اصل کی طرف لوٹ آیا۔

---

[1] بخاری، حیض باب ھل تصلی المرأۃ فی ثوب حاضت فیہ ص ۴۵، ابوداؤد جلد اول باب المرأۃ تغتسل ثوبھا الذی تلبسہ فی حیضھا ص ۵۲۔ [2] عینی جلد سوم ص ۱۴۱،

عِرْقٌ وَلَيْسَ بِحَيْضٍ فَإِذَا أَقْبَلَتْ حَيْضَتُكِ فَدَعِي الصَّلٰوةَ وَإِذَا
رگ کا خون ہے حیض نہیں۔ جب تیرا حیض شروع ہو تو نماز چھوڑ دے اور جب
أَدْبَرَتْ فَاغْسِلِي عَنْكِ الدَّمَ ثُمَّ صَلِّي قَالَ، وَقَالَ أَبِي، ثُمَّ تَوَضَّأِي
حیض کے دن پورے ہو جائیں تو خون دھوکر نماز پڑھاکر ہشام نے کہا میرے والد (عروہ) نے
لِكُلِّ صَلٰوةٍ حَتّٰى يَجِيْءَ ذٰلِكَ الْوَقْتُ ع۵
یہ بھی کہا تھا حضور نے یہ بھی فرمایا تھا۔ ہر نماز کے لئے وضو کریہاں تک کہ وہ وقت یعنی حیض پھر آجائے۔

حیض کی شناخت حدیث ۱۶۸ میں فرمایا اذا اقبلت حیضتك اس سے امام شافعی یہ اخذ کرتے ہیں، مراد یہ ہے کہ جب حیض کا خون آئے۔ حیض کا خون بالکل سرخ یا کالا ہوتا ہے۔ امام شافعی کی توجیہ پر مطلب یہ ہوا کہ جب سرخ یا کالا خون آئے تو حیض شروع ہوگیا اور جب یہ رنگ ختم ہوکر دوسرے رنگ کا آئے تو استحاضہ ہے۔

احناف کا مسلک یہ ہے کہ اگر اسے پہلے حیض آچکا ہے، توجن دنوں حیض آنے کی عادت تھی وہ دن جب آجائیں تو وہ حائضہ ہوگئی اور ان دنوں کے ختم ہونے پر مستحاضہ۔ مثلاً کسی عورت کو ہر ماہ پندرہ تاریخ سے بیس تک حیض آتا تھا اب اسے استحاضہ آنا شروع ہوگیا جو بند ہی نہیں ہوتا تو ایسی عورت کو لازم ہے کہ ہر مہینے کی پندرہ لغایت بیس حیض جانے بقیہ ایام استحاضہ۔ اور اگر کسی عورت کو خون آنا شروع ہوا اور پھر بند ہی نہ ہوا جس سے پہلے کی عادت کا علم ہو تو یہ جس تاریخ سے خون آنا شروع ہوا ہے اس تاریخ سے دس دن تک حیض شمار کرے اور بقیہ بیس دن استحاضہ لہ

ہماری دلیل اسی حدیث کے دوسرے الفاظ ہیں جو مختلف روایتوں میں آئے ہیں۔ بخاری باب اذا حاضت فی شہر ثلاث حیض میں ہے۔

ولکن دعی الصلوٰۃ قدر الایام اللتی کنت تحیضین فیھا۔ — اتنے دنوں نماز چھوڑ دے جتنے دنوں تجھے حیض آتا تھا۔

اسی حدیث کے ابوداؤد کی ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں:

ان تقعد الایام التی کانت تقعد ثم تغتسل — ان دنوں میں بیٹھے جن دنوں میں بیٹھتی تھی پھر غسل کرے۔

اسی میں حضرت ام المومنین کی ایک حدیث کے یہ الفاظ کریہ ہیں۔

فلتنظر قدر ما کانت تحیض فی کل شھر وحیضھا مستقیم فلتعد بقدر ذلك من الایام ثم لتدع — جب اس کا حیض درست تھا اس وقت سے ہر مہینے جتنے دن اسے حیض آتا تھا اتنے دن انتظار کرے اتنے دن شمار کرلے اور ان کے

ع۵ ایضاً ص، باب غسل الدم ص ۴۵ مسلم جلد اول طہارت، باب نجاسۃ الدم ص ۱۴۰، ابوداؤد جلد اول طہارت باب المرأۃ تغتسل ثوبھا الذی تلبسہ فی حیضھا ص ۵۲ ترمذی اول طہارت باب ماجاء فی غسل دم الحیض من الثوب ص ۲۰ نسائی جلد اول طہارت، باب دم الحیض یصیب الثوب ص ۵۶ موطا طہارت جامع الحیضۃ ص ۲۲ دارمی وضوء ۵، امسند امام احمد لہ ہدایہ وغیرہ عامہ کتب۔

الصلوٰۃ فیھن اوبقدرھن — دنوں میں نماز نہ پڑھے۔

اسی میں ام المومنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی حدیث ہے۔

فقال لتنظر عدۃ اللیالی والایام اللتی کانت تحیض من الشھر قبل ان یصیبھا الذی اصابھا — اس عارضہ سے پہلے جتنے رات دن ہر مہینے اسے حیض آتا تھا اتنے دنوں انتظار کرے۔

ایک حدیث میں قدر ذالک ہے، ایک میں قدر ما کانت تحبسک حیضتک ہے۔ کسی میں ایام اقرائھا ہے کسی میں حیضت ایامھا ہے۔

حدیث کی ایک روایت دوسرے کی اور ایک حدیث دوسرے کی تفسیر ہوتی ہے۔ اس لئے ثابت ہوا کہ اقبلت حیضتک سے مراد عادت کے ایام ہیں۔

شوافع اپنی تائید میں ایک حدیث لاتے ہیں کہ ارشاد فرمایا۔

اذا کان دم الحیض فانہ دم اسود یعرف فامسکی عن الصلوٰۃ واذا کان الاخر فتوضی — جب حیض کا خون ہو اور یہ کالا ہوتا ہے جو پہچانا جاتا ہے تو نماز چھوڑ دے اور جب دوسرے رنگ کا خون آئے تو وضو کرے۔

اس پر امام نسائی نے یہ نقد فرمایا

قد روی ھذا الحدیث غیر واحد ولم یذکر احد منھم ما ذکر ابن عدی [1] — اس حدیث کو بہت سے لوگوں نے روایت کیا مگر کسی نے بھی وہ نہیں ذکر کیا جو ابن عدی نے ذکر کیا۔

امام نسائی کے اس ارشاد کا مطلب یہ ہوا کہ ان کی تحقیق کے بموجب یہ حدیث شاذ ہے۔ علاوہ ازیں علل ابن ابی حاتم میں اس کو منکر کہا۔

امام طحاوی نے مشکل الآثار میں امام احمد کا قول نقل فرمایا کہ یہ مدرج ہے بر تقدیر صحت حدیث۔ یہ باعتبار اغلب واکثر کے ہے۔ یعنی اکثر ایسا ہوتا ہے لیکن یہ مدار حکم نہیں۔ علاوہ ازیں اگر اس کو مدار حکم قرار دیں گے تو خرابی یہ لازم آئے گی کہ کبھی کبھی خالص سرخ رنگ کا خون مہینوں آتا ہے تو کیا یہ سب ایام حیض ہی کے شمار ہوں گے۔

خارج من غیر سبیلین بھی ناقض وضو ہے

فاطمہ بنت ابی جیش والی حدیث اس کی دلیل ہے کہ سبیلین کے علاوہ اگر کہیں سے نجاست خارج ہو تو اس سے بھی وضو ٹوٹ جائے گا اس لئے کہ اس حدیث میں استحاضے کے خون کے بارے میں نص صریح ہے کہ یہ رگ کا خون ہے۔

سبیلین سے غیر معتاد چیز کا بھی خروج ناقض وضو ہے

دم استحاضہ پیشاب کے مقام سے نکلتا ہے اور یہ غیر معتاد ہے اور ناقض وضو ہے تو ثابت کہ سبیلین سے غیر معتاد چیز کا خروج بھی ناقض وضو ہے۔ اب یہ حدیث دو مسئلوں کی دلیل بن گئی، ایک اس کی کہ سبیلین کے علاوہ کہیں سے بھی خون یا اور کوئی نجس چیز نکلے تو وہ ناقض وضو ہے۔ دوسرے

---

[1] جلد اول الفرق بین دم الحیض والاستحاضہ

یہ کہ سبیلین سے غیر معتاد چیز بھی نکلے تو ناقض وضو ہے۔

معذور کا حکم اسی حدیث سے فقہار نے یہ استنباط فرمایا کہ مستحاضہ اور جو اس کے حکم میں ہے مثلاً کسی کو سلسل البول ہے یا انفلات ریح کا عارضہ ہے وہ بھی اتنی شدت کا کہ وضو کر کے فرض پڑھنے کا بھی موقع نہ ملے تو وہ معذور ہے۔ اسکے لئے یہ علت ناقض وضو نہیں خروج وقت ناقض وضو ہے۔ نماز کا وقت شروع ہونے کے بعد وضو کرے اور اس وضو سے وقت کے اندر جتنی چاہے نمازیں پڑھے خواہ فرض خواہ نفل خواہ وقتیہ خواہ قضاء۔

امام شافعی فرماتے ہیں کہ ہر فرض کے لئے وضو کرے اس وضو سے اس فرض کے علاوہ اس کے توابع بھی پڑھ سکتا ہے البتہ ایک وضو سے دو فرض نہیں پڑھ سکتا مثلاً ظہر کے لئے وضو کیا تو اس وضو سے ظہر کا فرض اور سنت و نوافل پڑھ سکتا ہے لیکن اگر دوسرے فرض کی قضا پڑھنی چاہے تو نہیں پڑھ سکتا ہے۔ امام شافعی کی دلیل اس حدیث کی تمام روایات کا ظاہر لفظ ہے کہ فرمایا۔ توضی لکل صلوۃ ۔ ہر نماز کے لئے وضو کر۔ نیز اس عارضہ کے ہوتے ہوئے وضو کے باقی رہنے کا حکم اسی ضرورت سے ہے کہ فرائض قضا نہ ہوں اور ایک فرض کی ادا کے بعد یہ ضرورت باقی نہ رہی۔

ہماری دلیل اسی حدیث کی وہ روایت ہے جو بطریق سیدنا امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ مروی ہے جس کا لفظ یہ ہے:

توضی لوقت کل صلوۃ ہر نماز کے وقت کے لئے وضو کر۔

اسے امام محمد نے " اصل " میں روایت کیا اور ابن قدامہ نے مغنی میں بھی ذکر کیا ہے۔ اس روایت کے مطابق لکل صلوۃ لوقت کل صلوۃ پر محمول ہے۔ اس لئے کہ لوقت کل صلوۃ محکم ہے۔ علاوہ ازیں شرع اور عرف دونوں میں کسی اور معنی کا احتمال نہیں رکھتا بخلاف لکل صلوۃ سے نفس صلوۃ مراد ہے یا وقت صلوۃ۔ اس لئے کہ صلوۃ بولکر نماز کا وقت مراد لینا شرع اور عرف دونوں میں شائع ہے۔ حدیث میں ہے: ان للصلوۃ اولا و آخرا اور فرمایا ایما رجل ادرکتہ الصلوۃ فلیصل۔ عام محاورے میں بولتے ہیں اتیتک لصلوۃ الظھر۔ اس لئے ضروری ہوا کہ لکل صلوۃ کو لوقت کل صلوۃ پر محمول کر کے یہ کہا جائے کہ اس میں لکل صلوۃ سے لوقت کل صلوۃ مراد ہے۔ اس کی گنجائش یوں بھی بہت زائد ہے کہ لکل صلوۃ سے بالاجماع اس کا ظاہر معنی مراد نہیں اس لئے کہ لکل صلوۃ سے بظاہر یہ متبادر ہوتا ہے کہ ہر ہر نماز کے لئے الگ الگ وضو کرے، تو سنت کے لئے الگ وضو فرض ہوا اور فرض کے لئے الگ نفل کے لئے الگ۔ مگر امام شافعی بھی فرماتے ہیں کہ یہ ضروری نہیں بلکہ ایک وضو سے ایک فرض اور اس کے تابع سنن و نوافل معذور پڑھ سکتا ہے یہ ظاہر سے پھیرنا قیاساً ہے جب قیاس سے بالاتفاق یہ حدیث ظاہر معنی سے مصروف ہے تو بنص حدیث بدرجہ اولی ہو گی جبکہ اس سے دونوں کا تعارض ختم ہو جاتا ہے۔ رہ گیا حضرت امام اعظم پر ناخدا ترسوں کی بے بنیاد جرح اور آجکل کے بدزبان غیر مقلدین کی دشنام طرازیاں، ان کے جوابات مقدمہ میں دئے جا چکے ہیں اعادہ کی حاجت نہیں۔

(۱۶۹) حدیث حکم المنی	عَنْ سُلَیْمَانَ بْنِ یَسَارٍ قَالَ سَئَلْتُ
	سلیمان بن یسار نے کہا میں نے حضرت

عَائِشَةَ عَنِ الْمَنِیِّ یُصِیبُ الثَّوْبَ، فَقَالَتْ کُنْتُ اَغْسِلُ مِنْ ثَوْبِ

عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے سوال کیا اس منی کے بارے میں جو کپڑے کو لگ جائے تو انھوں نے

تشریحات (۱۶۹)

باب سے مطابقت

اس حدیث پر امام بخاری نے یہ باب باندھا ہے۔ منی کا دھونا اور اس کا ملنا، اور عورت کی جو رطوبت لگ جائے اس کا دھونا اس کے تحت جو حدیث لائے ہیں اس میں صرف منی کے دھونے کا ذکر ہے باب کے تین اجزاء تھے ان میں سے صرف ایک کے مطابق حدیث لا سکے۔ اقول تیسرے جز کے بھی مطابق اس حدیث کو کیا جا سکتا ہے وہ اس طرح کہ پہلی روایت میں الجنابة اور دوسری میں صرف منی کا لفظ ہے، جنابت سے مراد منی ہی ہے، بسبب بولکر مسبب مراد ہے یا یہ کہ جیسا کہ قاموس میں ہے جنابت کے معنی "منی" کے بھی آتے ہیں۔ حدیث میں ہے کہ میں منی دھوتی تھی، یہ نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی منی کو دھوتی تھی۔ یہ اپنے اطلاق سے حضرت ام المومنین کی منی کو بھی شامل۔ اور جماع سے عورت کی منی کا مرد کے کپڑے پر لگ جانا اغلب واکثر۔ اس لئے اس حدیث کا مطلب یہ ہوا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے کپڑے سے منی کو دھوتی تھی خواہ وہ حضور کی منی ہو یا میری خواہ دونوں کی مخلوط۔ البتہ فرک، کا اثبات کسی طریقے سے نہیں ہو سکتا اس کے لئے لوگوں نے جو سعی کی، لا حاصل ہے۔

منی ناپاک ہے

امام شافعی اور امام احمد بروایتے منی کو پاک کہتے ہیں ان لوگوں کی دلیلیں یہ ہیں (۱) اصل اشیاء میں طہارت ہے جبتک دلیل شرعی سے کسی چیز کا ناپاک ہونا ثابت نہ ہو وہ چیز پاک ہی رہے گی۔ اور منی کی ناپاکی پر کوئی دلیل نہیں اس لئے وہ پاک ہے۔ رہ گیا احادیث میں دھونے کا تذکرہ یہ نجاست کو مستلزم نہیں گھناؤنی ہونے کی وجہ سے بھی دھویا جا سکتا ہے جیسے رینٹھ دیوار قبلہ پر تھی تو حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اسے خود دور فرمایا۔

(۲) متعدد احادیث میں وارد ہے کہ ام المومنین حضرت صدیقہ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے کپڑے میں منی کو کھرچ دیتی اور پھر حضور اقدس اس میں نماز پڑھتے[۱] ظاہر ہے کہ کوئی نجاست اگر کہیں لگ جائے تو وہ محض کھرچ دینے سے پاک نہ ہوگی

(۳) ارشاد ہے:

ھو الذی خلق من الماء بشرا (فرقان ۵۴) وہی ہے جس نے پانی سے انسان پیدا کیا۔

ظاہر ہے کہ منی پانی نہیں۔ اب پانی کہنے کا مطلب سوائے اس کے اور کچھ نہیں کہ پانی کی طرح پاک ہے۔

(۴) انبیاء کرام منی سے پیدا ہوئے ہیں کیا ان کا تخم ناپاک ہو سکتا ہے۔

احناف کے استدلال

(۱) احادیث کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے کپڑے میں جب بھی منی لگی اگر وہ تر تھی تو دھوئی گئی اور اگر سوکھ گئی تھی تو کھرچکر دور کی گئی اسی پر مواظبت رہی کبھی ایک بار بھی ثابت نہیں کہ دھوئے

---

[۱] مسلم طہارت ص ۱۴۰۔

رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَیَخْرُجُ اِلَی الصَّلٰوۃِ

فرمایا میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے کپڑے سے منی دھو دیتی حضور نماز کے لئے نکلتے

وَ اَثَرُ الْغَسْلِ فِیْ ثَوْبِہٖ بُقَعُ الْمَاءِ عہ

اور دھونے کا نشان پانی کے دھبّوں کی شکل میں کپڑے پر ہوتا۔

کھرچ کر چھڑائے بغیر حضور نے نماز پڑھی ہو اور کسی فعل پر ایسی مواظبت ہمیشگی پابندی کرکبھی اس کے خلاف نہ ہو دلیل وجوب ہے تو ثابت کہ کپڑے میں منی لگ جائے تو اسے دور کرنا واجب یہ دلیل ہے کہ منی ناپاک ہے ورنہ اس کا دور کرنا واجب نہ ہوتا۔ اس لئے یہ کہنا ساقط کہ منی کی نجاست پر کوئی دلیل نہیں۔

منی کے دھونے کو رینٹھ پر قیاس کرنا درست نہیں۔ رینٹھ کے بارے میں ثابت ہے کہ اسے نماز کی حالت میں رومال میں لینے کا حکم دیا لہ جو اس کے طہارت کی دلیل ہے مگر منی کے بارے میں ایسی کوئی روایت نہیں۔ علاوہ ازیں رینٹھ سے وضو تک نہیں ٹوٹتا اور منی نکلنے سے وضو تو وضو غسل واجب ہو جاتا ہے۔

(۲) سوکھی منی کے رگڑنے سے کپڑے کی طہارت چونکہ حدیث سے ثابت ہے جو اگرچہ خلاف قیاس ہے مگر حدیث سے ثابت ہونے کی وجہ سے واجب التسلیم ہے۔ مسلم میں ہے کہ ام المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں

وانی لاحکہ من ثوب رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالی علیہ وسلم یابسا بظفری ٢ــہ

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے کپڑے میں منی اگر سوکھی ہوتی تو میں اپنے ناخن سے کھرچ دیتی۔

بزار اور ابوعوانہ میں انھیں سے ہے کہ فرمایا۔

کنت افرک المنی من ثوب رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالی علیہ وسلم اذا کان یابسا واغسلہ اذا کان رطبا۔

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے کپڑے سے منی کھرچ دیتی اگر سوکھی ہوتی اور اگر گیلی ہوتی تو دھو دیتی۔

طہارت صرف پانی سے دھونے میں منحصر نہیں کبھی طہارت رگڑنے سے بھی ہو جاتی ہے جیسے جوتے اور موزوں میں لگی ہوئی نجاست ابوداؤد میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا

اذا وطی الاذی بخفیہ فطھورھا التراب ٣ــہ

جب موزوں کے تلے ناپاکی آ جائے تو اسکو پاک کرنے والی دھول ہے۔

عــہ چار طریقے سے اکٹھے یہیں مذکور ہے۔ مسلم جلد اول طہارت باب حکم المنی ص ۱۴۰، ابوداؤد جلد اول طہارت باب المنی یصیب الثوب ص ۵۳، ترمذی جلد اول طہارت باب فی المنی یصیب الثوب ص ۱۷، نسائی جلد اول طہارت باب غسل المنی ص ۵۶، ابن ماجہ طہارت باب المنی یصیب الثوب ص ۴۱، مسند امام احمد،

لہ بخاری جلد اول صلوۃ باب اذا بدرہ البزاق ص ۵۹ ٢ــہ مسلم طہارت باب حکم المنی ص ۱۴۰،

٣ــہ جلد اول باب الاذی یصیب النعل۔

اس کے علاوہ بھی طہارت کے مختلف اور طریقے ہیں مثلاً پوچھنا جیسے شیشے، لوہے کی چیزوں میں نجاست لگ جائے تو صرف پوچھنے سے پاک ہوجائے گی۔ جلانا یا جل جانا جیسے جانور کی سری پر خون لگا ہے اسے آگ پر بھونا گیا کہ خون جل گیا سری پاک ہوگئی۔ سوکھ جانا جیسے زمین یا زمین سے ملحق درخت گھاس پر نجاست پڑی اور سوکھ گئی، پاک ہوگئی، تہ نشین ہوجانا، کنواں یا تالاب ناپاک تھا، کسی وجہ سے پانی تہ نشین ہوگیا کنواں اور تالاب پاک۔ دھننے سے جیسے ناپاک روئی کو دھن دیا جائے پاک۔ بنیادی غلطی یہی ہے کہ ہمارے بھائی شوافع یہی سمجھتے ہیں کہ دھونے کے علاوہ ناپاک چیز کے پاک کرنے کا اور کوئی طریقہ نہیں۔ منی کو ملنا اگر ازالۂ نجاست کے لئے نہیں تو کس مقصد کے لئے ہے؟ یہ ملنا لغو اور بیکار ہوجائے گا۔

(۳) جہاں یہ ارشاد ہے وھوالذی خلق من الماء بشرًا وہیں یہ بھی فرمایا۔

وَاللّٰہُ خَلَقَ کُلَّ دَآبَّۃٍ مِّنْ مَّآءٍ (نور ۴۵) اور اللہ نے ہر چوپائے کو پانی سے پیدا فرمایا۔

اور چوپایوں کی منی خصوصاً حرام جانوروں کی بالاتفاق ناپاک ہے۔

(۴) انبیاء کرام کا تذکرہ اس موقع پر مناسب نہیں۔ جس پر بحث گذر چکی۔ جب برنباء تحقیق انبیاء کرام کے فضلات مبارکہ عام انسانوں کی طرح ناپاک نہیں بلکہ طیّب و طاہر ہیں تو جن مبارک نطفوں سے ان کی تخلیق ہوئی ہے وہ بھی عام انسانوں کے نطفوں کی طرح ناپاک نہیں، طیّب و طاہر ہیں۔

ویسے بطور الزام دیوبندی شراح نے یہ جواب دیا ہے کہ آپ انبیاء کرام کے اجسام کی اصل ہونے کی وجہ سے منی کو پاک مانتے ہو تو خون کو کیوں ناپاک مانتے ہو جس سے منی بنتی ہے۔ پھر خون حیض کو کیوں ناپاک کہتے ہو جو ماں کے پیٹ میں جنین کی غذا ہے۔

یہاں ایک خاص نکتہ ہے جو ان دیوبندیوں سے اوجھل رہ گیا اور شوافع کی رو میں بہ گئے۔ کسی بھی چیز کے ناپاک ہونے کا حکم اس وقت ہے جب وہ جسم سے باہر نکل آئے اپنے معدن و مستقر میں کوئی چیز نجس نہیں، ورنہ لازم کہ انسان کبھی بھی پاک نہ ہو، ہمارے جسم میں خون، پیشاب، پاخانہ کتنا بھرا ہے۔

وہ خون جس سے منی بنی یا وہ خون حیض جو جنین کی غذا بنی اپنے معدن و مستقر میں رہنے کیوجہ سے پاک تھے، یہاں بحث اس منی میں نہیں جو ہمارے جسم کے اندر ہے بلکہ اس میں ہے جو باہر نکل چکی ہے۔ اسلئے اسلم طریقہ وہی ہے جو ہم نے اختیار کیا ہے کہ جن نطفوں سے انبیاء کرام کے اجساد مبارکہ کی تخلیق ہوئی وہ پاک ہیں۔

ایک جواب یہ بھی دیا جاسکتا ہے کہ منی اگرچہ ناپاک ہے مگر کئی مرحلے میں تغیر و تبدل اختیار کرتی ہے پھر وہ انسانی وجود اختیار کرتی ہے۔ نطفے کے بعد علقہ، علقہ کے بعد مضغہ غیر مخلقہ پھر مضغہ مخلقہ بنتا ہے، پھر نفخ روح ہوتی ہے اور تبدیل ماہیت کے بعد ہر ناپاک چیز پاک ہوجاتی ہے جیسے شراب جب سرکہ ہوجائے۔ لیکن انبیاء کرام کی عظمت شان اسی کی مقتضی ہے کہ وہی قول کیا جائے کہ جن تخموں سے ان کی تخلیق ہوئی وہ پاک و طاہر ہیں۔

مولوی محمود الحسن صاحب پر تعقب

ایضاح البخاری میں ہے کہ حضرت شیخ الہند قدس سرہ نے ارشاد فرمایا کہ شوافع نے منی کی طہارت کہاں سے سمجھی ہے؟ کیونکہ شوافع کے پاس دلیل طہارت بس ایک فرک ہی[1]

[1] حصہ دہم ص ۵۰۶

گزر چکا کہ شوافع کی بنیادی دلیل یہ ہے کہ اصل اشیا میں طہارت ہے منی کی نجاست پر کوئی دلیل نہیں اس لئے وہ پاک ہے صرف فرک ہی دلیل نہیں۔ اپنے مقابل کی پوری بات ذہن میں رکھکر گفتگو کرنی چاہیئے۔

منی کی طہارت پر سب سے قوی دلیل یہ حدیث ہے کہ حضرت ام المومنین سے روایت ہے۔

انها تحت المنی من ثوب رسول الله صلی الله تعالی علیه وسلم وهو یصلی [1] — وہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے کپڑے سے منی کھرچتیں اور حضور نماز پڑھ رہے ہوتے۔

اگر منی ناپاک ہوتی تو اس سے آلودہ کپڑے کے ساتھ نماز کی ابتدا ہی درست نہ ہوتی۔ اس سے ثابت ہوا کہ منی پاک ہے۔ لیکن یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب منی سے آلودہ کپڑے کیساتھ نماز درست تھی تو حضرت ام المومنین نے اثنا نماز میں اسے کھرچا کیوں۔ اثناء نماز میں کھرچنے سے نماز میں خلل پڑنے کا اندیشہ یقیناً ہے بلکہ ایسا بھی ہوسکتا ہے کہ نمازی نماز توڑ بیٹھے اگرچہ حضور کے لئے یہ احتمال نہیں مگر خشوع و خضوع میں کماحقہ تو ضرور خطرہ ہے بلا کسی فائدے کے حضرت ام المومنین نے یہ لغو کام کیوں کیا؟

اس سے ظاہر ہوگیا کہ اس حدیث کے وہ معنی نہیں جو ظاہر لفظ سے متبادر ہے اور جو شوافع نے لیا ہے بلکہ اس حدیث کے معنی یہ ہیں کہ ام المومنین حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے کپڑے سے منی کھرچ دیتی تھیں اور اس کے بعد حضور اسی کپڑے میں نماز پڑھتے جیسا کہ مسلم کی روایت میں ہے۔ فیصلی فیہ اور ابن خزیمہ کی ایک روایت میں ثم یصلی فیہ وارد ہے۔ خلاصہ یہ نکلا کہ اگر منی پاک ہوتی تو کم از کم بیان جواز کے لئے ایک بار ہی ایسا ضرور حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کیا ہوتا کہ منی لگنے کے بعد کپڑے کو بغیر دھوئے یا منی کو بغیر کھرچے نماز پڑھتے مگر کہیں کسی ضعیف سے ضعیف روایت میں بھی یہ نہیں آیا۔ کہ کپڑے میں منی لگی ہو اور حضور نے نماز پڑھی ہو، اس سے ثابت کہ منی ضرور ناپاک ہے البتہ اگر سوکھ گئی ہے تو اس کے پاک کرنے کا ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ اُسے کھرچ دیا جائے۔

علامہ نووی کی لغزش علامہ نووی نے یہ تحریر فرمایا کہ حضرت علی حضرت ام المومنین عائشہ حضرت سعد بن وقاص حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہم بھی منی کی طہارت کے قائل ہیں [2] لیکن احادیث کے ذخائر میں کہیں ان حضرات کا یہ قول نہیں ملا کہ یہ لوگ منی کو پاک مانتے ہوں بلکہ سوائے علامہ نووی کے اور کسی بزرگ نے ان حضرات کی طرف اس کی نسبت نہیں کی ہے یقیناً یہ علامہ نووی کی لغزش ہے۔ ان میں حضرت ام المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی روایات سے واضح ہے کہ وہ منی کو ناپاک جانتی تھیں۔

اسی حدیث کی دوسری روایات پر جو تھوڑے سے تغیر کے ساتھ ہے امام بخاری نے یہ باب باندھا ہے۔

اذا غسل الجنابة او غیرها ولم یذهب اثره — جب منی یا کچھ اور دھوئے اور اس کا اثر نہ جائے۔

اس کے تحت جو حدیث لائے ہیں وہ صرف منی دھونے کے بارے میں ہے منی کے علاوہ کسی اور چیز کے بارے میں کوئی حدیث نہیں لائے۔

---

[1] بیہقی و دار قطنی [2] شرح مسلم جلد اول ص ۱۴۰

ت (۴۴) وَصَلّٰی اَبُوْمُوْسٰی فِیْ دَارِالْبَرِیْدِ وَالسِّرْقِیْنِ وَالْبَرِّیَّۃِ

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دار البرید میں نماز پڑھی جہاں گوبر تھا

اس پر علامہ عینی نے یہ فرمایا ترجمہ بلا حدیث غیر مفید ہے اور یہ بالکل صحیح ہے۔ اس کی توجیہ میں زیادہ سے زیادہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ امام بخاری کا یہ طریقہ بھی ہے کہ اگر کسی حدیث سے کوئی خاص جزئی بات ثابت ہوتی ہو مگر ان کے نزدیک وہ حکم صرف اس جزئی کے لئے خاص نہ ہو، عام ہو تو ایسی جگہ وغیرہ یا وغیرھا کا اضافہ کر دیتے ہیں تاکہ تعمیم کا افادہ ہو جائے پھر اس باب میں وہ حدیث لاتے ہیں جس سے خاص وہ جزئی حکم ثابت ہوتا ہے جیسے کتاب العلم ص۱۸ پر یہ باب باندھا ہے۔

باب الفتیا وھو واقف علی ظہر الدابۃ او غیرھا

عالم سے ایسی حالت میں سوال کرنا کہ وہ چوپائے وغیرہ پر ہو

یہاں تو یہ بھی ہے کہ جو حدیث لائے اس میں چوپائے کا ذکر نہیں مگر اسی حدیث کے دوسرے طرق میں اونٹ مذکور ہے امام بخاری کا مقصود یہ ہے کہ امام چوپائے پر سوار ہو یا اور کسی چیز پر اس سے سوال کیا جا سکتا ہے۔

اسی طرح یہاں حدیث سے جو حکم ثابت ہوتا ہے وہ منی کے لئے ہے مگر یہ منی کے ساتھ خاص نہیں ہر نجاست کو عام ہے اس کی طرف اشارہ کے لئے امام بخاری نے وغیرہا کا اضافہ کیا۔

اس باب کے لفظ ولم یذھب اثرہ پر شراح میں بحث چھڑ گئی کہ اثرہ کی ضمیر کا مرجع غسل ہے یا جنابت اگر جنابت کو مرجع مانا جائے جیسا کہ علامہ کرمانی و علامہ عسقلانی نے مراد لیا ہے۔ تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ نجاست دھونے کے بعد اگر نجاست کا جرم دور ہو جائے اور کچھ اس کا اثر مثلاً رنگ باقی رہ جائے جس کا دور ہونا دشوار ہو تو کوئی حرج نہیں۔ مگر اس کا اثبات حدیث کے کسی لفظ سے نہیں ہوتا اور اگر اس کا مرجع غسل کو ٹھہرایا جائے جس پر غَسَلَ دلالت کرتا ہے تو مطلب یہ ہوا کہ نجاست دھونے کے بعد دھونے کا نشان باقی رہے، اس پر حدیث کا یہ لفظ (و اثر الغسل فیہ بقع الماء حال یہ ہوتا کہ کپڑے میں دھونے کے نشانات پانی کے دھبے ہوتے) اور یہی دوسرے طریقے میں مروی — ثم اراہ فیہ بقعۃ او بقعا، سے بھی مستفاد ہے فرماتی ہیں میں پانی کا دھبہ یا چند دھبے دیکھتی۔ یہاں منی کے دھبے کے کوئی معنی نہیں۔ منی کا رنگ ایسا نہیں کہ دھونے کے بعد باقی رہے

تشریحات ۴۴ دار البرید کوفے میں ایک کنارے ایک جگہ کا نام تھا جہاں پیام رساں قاصد ٹھہرا کرتے امام بخاری نے یہاں یہ باب باندھا ہے۔

باب ابوال الابل والدواب والغنم ومرابضھا

اونٹوں اور چوپایوں اور بکریوں کے پیشاب اور انکے رہنے کی جگہوں کا بیان

یہ تو امام بخاری نے تصریح نہیں کی کہ وہ چوپایوں کے پیشاب و پاخانے کو پاک مانتے ہیں کہ ناپاک لیکن جو حدیثیں باب کے ثبوت میں لائے ہیں ان سے یہی متبادر ہوتا ہے کہ وہ پاک مانتے ہیں اور یہی حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اثر سے بھی ثابت کرنا چاہتے ہیں لیکن حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اثر سے اس کا اثبات مشکل ہے۔ دار البرید میں

اِلیٰ جَنْبِہٖ فَقَالَ ھٰھُنَا وَثَمَّ سَوَاءٌ ع۵
اور میدان ان کے پہلو میں تھا اور کہا یہاں وہاں یکساں ہے
(۱۷۰) حَدِیْثِ عُکْل وَعُرَیْنَہ ۔ عَنْ اَنَسٍ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ
حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا
قَالَ قَدِمَ اُنَاسٌ مِّنْ عُکْلٍ اَوْ عُرَیْنَۃَ فَاجْتَوُوا الْمَدِیْنَۃَ
کہ عکل یا عرینہ کے کچھ لوگ مدینے میں آئے انھیں مدینہ ناموافق آیا تو

نماز پڑھنے سے یہ کہاں لازم آتا ہے کہ انھوں نے خاص ایسی جگہ نماز پڑھی جہاں گوبر تھا۔ ہوسکتا ہے کہ ایسی جگہ نماز پڑھی ہو جہاں گوبر نہ رہا ہو قریب میں رہا ہو اس کا بھی امکان ہے کہ چٹائی یا کپڑا بچھاکر نماز پڑھی ہو یہ نظافت کے بھی خلاف ہے کہ ایسی جگہ بغیر کچھ بچھائے نماز پڑھی جائے۔

حضرت ابوموسیٰ، حضرت فاروق اعظم اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے عہد خلافت میں کوفے کے گورنر تھے اسی وقت کا یہ قصہ ہے۔

تشریحات (۱۷۰) عکل عین کو ضمہ کاف ساکن، یہ پانچ قبائل کا نام ہے۔ ان سب کا مورث اعلیٰ عوف بن وائل تھا اس کے پانچ بیٹے تھے۔ حارث، جشم، سعد، علی، قیس۔ جب ان کی ماں، بنت ذی اللحیہ مرگئی تو ان کی پرورش عکل نام کی ایک حبشی لونڈی نے کی تھی اسی کے نام پر ان کے قبیلے کا نام عکل پڑگیا۔

عرینہ تصغیر کے صیغے پر، بنی طے کی ایک شاخ تھی جو عرینہ بن نذیر یا عرینہ بن عزیز بن نذیر کی اولاد ہیں۔

ان کی تعداد یہ کل آٹھ تھے۔ جیساکہ الجہاد اور دیات کی روایت ہے۔ یہاں شک کیساتھ روایت ہے مگر یہ شک کسی راوی سے ہے۔ صحیح یہ ہے کہ عکل اور عرینہ دونوں قبیلوں کے آدمی تھے۔ جیساکہ مغازی میں حرف تردید کے بغیر دونوں کا نام ہے۔ رہ گئے وہ طرق جن میں صرف عکل یا صرف عرینہ کا نام ہے۔ یہ راوی کا اختصار ہے، ابوعوانہ اور طبرانی کی روایت میں یہ ہے کہ سات تھے چار عرینہ کے اور تین عکل کے۔ یہ بخاری کی روایت کے معارض ہے۔ علامہ عینی نے یہ تطبیق دی کہ ہوسکتا ہے کہ ایک اور کسی قبیلے کا رہا ہو جو ان کا تابع تھا۔

تکمیل یہ حدیث بخاری میں بارہ جگہ مختلف الفاظ اور کمی زیادتی کے ساتھ مذکور ہے اس کے علاوہ حدیث کی اکثر کتابوں میں مذکور ہے۔ خدمت اقدس میں حاضر ہوکر ان لوگوں نے اسلام قبول کیا کچھ دن مدینہ منورہ میں رہے مگر بدطینتوں کو مدینہ طیبہ کی ہوا راس نہ آئی، ان کو استسقاء کی بیماری ہوئی پھر ان کی درخواست پر یا از خود حضور اقدس صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کو مدینے کے باہر وہاں بھیجدیا جہاں سرکاری اور زکوۃ کے اونٹ رہتے تھے۔ حضور نے ان سے فرمایا کہ اونٹنیوں کے دودھ اور پیشاب پیو کچھ دن میں یہ صحت مند ہوگئے تو انھوں نے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے چرواہے حضرت یسار کو انتہائی درندگی کیساتھ شہید

ع۵ ابونعیم استاذ بخاری کتاب الصلاۃ مصنف ابن ابی شیبہ۔

فَاَمَرَهُمُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِلِقَاحٍ وَّاَنْ يَّشْرَبُوْا مِنْ

نبی صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے انھیں دودھ والی اونٹنیوں میں جانے کا حکم دیا اور یہ کہ انکے دودھ اور

اَبْوَالِهَا وَاَلْبَانِهَا فَانْطَلَقُوْا فَلَمَّا صَحُّوْا قَتَلُوْا رَاعِيَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ

پیشاب کو پئیں یہ لوگ وہاں گئے اور جب تندرست ہوگئے تو نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے

تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاسْتَاقُوا النَّعَمَ فَجَاءَ الْخَبَرُ فِيْ اَوَّلِ النَّهَارِ

چرواہے کو قتل کردیا اور اونٹ ہانک لے گئے اس کی اطلاع دن کے ابتدائی حصے میں آئی

کردیا ان کے ہاتھ پاؤں کاٹے زبان میں کانٹے چبھوئے، ترمذی میں ہے، آنکھیں پھوڑدی تھیں، اور ایک اونٹ ذبح کرلیا بقیہ اونٹ پر ڈاکہ ڈال کر ہانک لے گئے، اس رات حسب عادت خدمت اقدس میں دودھ نہیں پہنچا تو حضور نے بددعا کی:

اللھم عطش من عطش آل محمد اللیلۃ [1] اے اللہ سے پیاسا رکھ جس نے آل محمد کو پیاسا رکھا

دوسرے چرواہے نے آکر واقعہ بتایا تو حضور نے، حضرت کرز بن جابر فہری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ماتحتی میں بیس سواروں کا دستہ جن میں اکثر انصار کرام تھے ان ڈاکوؤں کی گرفتاری کے لئے بھیجا، ساتھ میں ایک قیافہ شناس لے لئے جو قدموں کے نشانات دیکھکر بتاتا کہ یہ ظالم کدھر بھاگے ہیں۔

یہ سب اپنی منزل پر پہنچ چکے تھے کہ پکڑ لئے گئے اور مدینہ لائے گئے حضور رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حکم دیا انکے بھی ہاتھ پاؤں کاٹے گئے آنکھوں میں سلائی پھیردی گئی۔ مدینے کے باہر حرہ میں دھوپ سے جھلستی پتھریلی زمین پر ڈال دئے گئے تڑپ تڑپ کرجہنم میں گئے، پانی مانگتے تھے مگران کوکسی نے پانی نہیں دیا، شدت تکلیف وپیاس سے زمین دانتوں سے کاٹتے پتھر چباتے، بخاری کتاب المغازی ص ۶۰۲ میں ہے کہ اسلام چھوڑ کر مرتد ہوگئے تھے۔ ترمذی میں ہے کہ چرواہے کی آنکھوں میں سلائی پھیردی تھی، بعض روایتوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ ایک ہی نہیں کئی چرواہوں کو شہید کیا تھا، یہ واقعہ ۶ھ میں ہوا۔

استنباط مسائل (۱) امام مالک کے یہاں حلال جانوروں کا پیشاب پاک ہے، اور امام محمد نے فرمایا کہ بطور علاج حلال جانوروں کا پیشاب پینا جائز ہے مگر احناف اور جمہور علماء کا مسلک یہ ہے کہ حرام جانوروں کی طرح حلال جانوروں کا بھی پیشاب ناپاک ہے اور بطور دوا بھی اس کا استعمال جائز نہیں ۔۔ رہ گیا ان خشار کو اونٹ کے پیشاب پینے کی اجازت اسوجہ سے تھی کہ حضور دانائے غیوب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو معلوم ہوچکا تھا کہ یہ حقیقت میں مومن نہیں اور ان خشار کا علاج یہی ہے کہ ان کو اونٹ کے دودھ اور پیشاب پلائے جائیں ۔۔ آج بھی اگر کسی کو وہی یقین جو حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو حاصل تھا کسی حرام چیز کے بارے میں حاصل ہوجائے کہ اس سے فلاں بیماری سے شفا حاصل ہوگی تو اسے اجازت ہے جیسے مخمصہ کی حالت میں شراب اور مردار کی حرمت باقی نہیں رہتی لیکن ایسا یقین حاصل کرنے کا ذریعہ اب کہاں رہا؟

---

[1] عینی بحوالہ نسائی ج ۳ ص ۱۵۶ - نسائی جلد ثانی۔ المحاربۃ باب - تاویل قول اللہ عزوجل: انما جزاء الذین یحاربون اللہ۔ الآیۃ ص ۱۶۷ ،

فبعث فی آثارهم فلما ارتفع النهار جیئ بهم فامر فقطع ایدیهم

حضور نے ان کے تعاقب میں بھیجا جب دن چڑھ گیا تو انھیں لایا گیا حضور نے ان کے بارے میں

وارجلهم وسمرت اعینهم والقوا فی الحرة یستسقون فلا

حکم دیا تو ان کے ہاتھ اور پاؤں کاٹ ڈالے گئے اور آنکھوں میں سلائی پھیر دی گئی اور دھوپ میں چھوڑ دیے گئے

یسقون قال ابو قلابة فهؤلاء سرقوا وقتلوا وکفروا بعد ایمانهم

پانی مانگتے تھے مگر ان کو پانی دیا نہیں گیا، ابو قلابہ نے کہا انھوں نے چوری کی اور قتل کیا اور مومن ہونے کے بعد کفر کیا

جمہور اور احناف کا استدلال گزر چکا کہ فرمایا استنزهوا من البول فان عامة عذاب القبر منه پیشاب سے بچو کہ عام عذاب قبر پیشاب سے ہوتا ہے۔ استنزهوا صیغہ امر ہے جس میں اصل وجوب ہے جب دوسرے قرائن سے خالی ہو تو وجوب ہی کے لئے ہوتا ہے۔ یہاں کسی دوسرے معنی کا کوئی قرینہ نہیں بلکہ (عامة عذاب القبر منه) وجوب کے لئے قرینہ ہے۔ پیشاب سے بچنا واجب اسی لئے ہے کہ پیشاب ناپاک ہے۔

دواءً بھی پیشاب کا استعمال جائز نہیں پیشاب یا کوئی نجس یا حرام چیز بطور دوا بھی استعمال کرنا جائز نہیں اس لئے کہ حرمت یقینی اور شفا ظنی۔ کسی بھی دوا سے شفا یقینی نہیں صرف یہ ظن حاصل ہوتا ہے کہ اس سے شفا حاصل ہوگی۔ بلکہ حدیث میں فرمایا:۔

ان الله لم یجعل شفاء کم فی حرام (ابن حبان) اللہ نے حرام چیزوں میں تمھاری شفا نہیں رکھی۔

دوسری حدیث میں ہے کہ ایک صاحب نے عرض کیا کہ شراب دوا ہے۔ تو فرمایا:۔

لا ولکنها داءٌ[1] شراب دوا نہیں بلکہ یہ بیماری ہے

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا:۔

ان الله لم یجعل شفاء کم فیما حرم علیکم[2] حرام چیزوں میں اللہ نے تمھاری شفا نہیں رکھی۔

اور فرمایا۔ لا تتداووا بالحرام[3] حرام سے علاج نہ کرو۔

اور وارد ہے۔ نهی رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم عن الدواء الخبیث۔ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے گندی دوا سے منع فرمایا

ایک شبہے کا ازالہ یہ جو فرمایا کہ حرام میں شفا نہیں اس پر یہ شبہہ ہوتا ہے کہ بار بار کا تجربہ ہے کہ بہت سی چیزیں حرام ہیں مگر ان سے بہت سے امراض میں شفا حاصل ہو جاتی ہے۔ یہ صحیح ہے کہ بعض حرام اشیاء سے بعض بیماریوں میں شفا حاصل ہوتی ہے۔ مگر یہ یاد رکھئے کہ شریعت نے جن جن چیزوں کو حرام فرمایا ہے ان میں کوئی نہ کوئی شدید ضرر ہے جو لاعلاج ہے۔ اب اگر کسی حرام چیز سے ایک بیماری سے شفا حاصل ہوئی تو دوسری اس سے سنگین بیماری کا خطرہ لاحق ہو جاتا ہے۔ یہ بظاہر تو شفا ہے مگر حقیقت میں شفا نہیں ضرر ہے۔ جیسا کہ شراب کو لے لو۔ اس سے فی الجملہ بعض بیماریوں سے شفا حاصل

[1] ابو داؤد جلد دوم ص ۱۸۵ [2] بخاری جلد دوم ص ۸۴۰۔ [3] ابو داؤد جلد دوم ص ۱۸۵۔

وحاربوا اللہ ورسولہ‘ عہ

اور اللہ اور اس کے رسول سے لڑائی کی

ہوتی ہے مگر یہ خود کتنی ضرر رساں ہے اس کا اندازہ اس سے لگایئے کہ آدمی کو بے عقل بنا دیتی ہے۔ جو چیز انسان سے عقل کو سلب کرلے اگرچہ تھوڑی ہی دیر کے لئے سہی اس سے زیادہ مضر اور کیا چیز ہوسکتی ہے اسی طرح حرام چیز کے اندر اگر تھوڑا سا نفع ہے تو ضرر اس سے کہیں بڑھ کر ہے ـــ اس لئے حدیث کا یہ ارشاد کہ حرام میں تمہاری شفا نہیں ـــ اپنی جگہ درست ہے۔

(۲) نیز اس حدیث سے ثابت ہوا کہ آدمی کو اگر کہیں کی آب و ہوا ناموافق ہو تو وہ جگہ بدل سکتا ہے (۳) زکوٰۃ کے اونٹوں سے مسافروں کو انتفاع جائز ہے (۴) اس حدیث سے مثلہ کرنے کا جواز ثابت ہوتا ہے مگر یہ حکم منسوخ ہے کسی کا بھی مثلہ کرنا صورت بگاڑنا جائز نہیں۔ بخاری ہی میں ہے :

نھی النبی صلی اللہ تعالی علیہ وسلم عن النھبی والمثلۃ[۱] نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے لوٹ کھسوٹ اور مثلہ کرنے سے منع فرمایا ہے۔

(۵) نیز یہ بھی اشارہ ملتا ہے کہ اگر کوئی کافر کسی مسلمان کو جلادے تو قصاص میں اس مشرک کو جلانا جائز ہے اس لئے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان ظالموں کی آنکھوں میں گرم کرکے سلائیاں پھروائیں اگرچہ ان درندوں نے سرکاری چرواہے کی آنکھ میں گرم سلائی نہیں پھیری تھی، کانٹوں سے آنکھ ضائع کی تھی تو جبکہ ان ظالموں نے آگ کا عذاب نہیں دیا تھا پھر بھی حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے انھیں آگ کا عذاب دیا تو جب کوئی ظالم کسی مسلمان کو آگ سے جلائے تو بدرجہ اولی اسے آگ میں جلایا جاسکتا ہے۔ لیکن بعد میں یہ بھی منسوخ ہوگیا۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا

ان النار لایعذب بھا الا اللہ [۲] آگ کا عذاب صرف اللہ ہی دے گا

دوسری روایت میں ہے :۔

لایعذب بالنار الا رب النار [۳] آگ کا عذاب آگ کا رب ہی دے گا

(۶) اس حدیث سے ثابت ہوا کہ مرتد کی سزا قتل ہے (۷) اس سے ثابت ہوا کہ ڈاکوؤں نے اگر مال بھی لیا ہو اور قتل بھی کیا ہو تو ان کا ہاتھ اور پاؤں کاٹا جائے گا اور قتل بھی کیا جائیگا۔ تفصیل کتاب الحدود میں آئے گی۔

عہ ایضا زکوۃ باب استعمال ابل الصدقۃ والبانھا لابناء السبیل ص ۲۰۳ ـ جھاد، باب اذا حرق المشرک المسلم ھل یحرق ص ۴۲۳ جلد ثانی کتاب المغازی باب قصۃ عکل وعرینۃ ص ۶۰۲ تفسیر باب انما جزاء الذین یحاربون اللہ ورسولہ ص ۶۶۳ طب باب الدواء بالبان الابل وباب الدواء بابوال الابل ص ۸۴۸ باب من خرج من ارض لاتلائمہ ص ۸۵۲ کتاب المحاربین باب لم یسق المرتدون والمحاربون حتی ماتوا ص ۱۰۰۵ ـ دیات باب القسامۃ ص ۱۰۱۹ مسلم جلد ثانی، قسامۃ باب حکم المحاربین والمرتدین ص ۵۷ ـ ابوداؤد جلد ثانی الحدود باب ماجاء فی المحاربۃ ص ۲۲۴ ـ ترمذی جلد اول طھارت باب ماجاء فی بول مایوکل لحمہ ص ۱۱ ـ نسائی جلد اول طھارت بول مایوکل لحمہ ص ۵۷ ـ ایضا جلد ثانی المحاربۃ باب تاویل قول اللہ عزوجل انما جزاء الذین یحاربون الایۃ ص ۱۶۵ ـ ابن ماجہ حدود باب من شھر السلاح ص ۱۸۸ مسند امام احمد [۱] جلد اول ص ۳۳۶

[۲] بخاری جلد اول جھاد باب لایعذب بعذاب اللہ ص ۴۲۳، ترمذی جلد اول ص ۱۹۰ ـ [۳] ابوداود جلد ثانی ص ۷

حدیث (۱۷۱) الصلوۃ فی مرابض الغنم عن انس رضی اللہ

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ

تعالیٰ عنہ قال کان النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یصلی

عنہ نے کہا کہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مسجد بنانے سے پہلے

قال ابو قلابۃ فھؤلاء میں دو احتمال ہیں۔ ایک یہ کہ راوی حدیث "ایوب" کا مقولہ ہو تو یہ بھی اسناد کے تحت ہے۔ یعنی ابو قلابہ سے امام بخاری تک سند متصل ہے۔ اور اس کا بھی احتمال ہے کہ یہ امام بخاری کا مقولہ ہو تو یہ تعلیق ہو جائیگی بہر تقدیر یہ "حضرت ابو قلابہ کا قول ہے۔ ان ظالموں کو اتنی سخت سزا کیوں دی گئی۔ اسی کی علت بیان فرمایا کہ ان کا جرم بہت سنگین تھا۔ یہ اکھٹے چار چار جرم کے مرتکب تھے۔ ڈاکہ ایک قتل دو، ارتداد تین، اللہ اور رسول سے لڑائی چار، ان چاروں میں ہر ایک نہایت سنگین جرم ہے اور ان میں سے ہر ایک کی سزا قتل۔ اور جبکہ انھوں نے چار چار ایسے سنگین جرم کا ارتکاب کیا تو جرم کے اعتبار سے ان کی یہ سزا کم ہی ہے۔

ایضاح البخاری میں یہ لکھا ہے کہ ــــ یہ بالکل صبح سویرے کا واقعہ تھا جب وقت پر سرکار کے گھر دودھ نہیں پہنچا تو آپ نے بد دعا دی ص ۵۱۳ جلد عاشر۔

ان خبثا ر نے ڈاکہ صبح کے وقت نہیں رات میں ڈالا تھا، اس کی دلیل یہ ہے کہ دودھ جب وقت پر رات میں نہیں پہنچا تو حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یہ بد دعا کی:

اللھم عطش من عطش آل محمد اللیلۃ [1] اے اللہ جس نے آج رات آل محمد کو پیاسا رکھا اسے پیاسا رکھ

نیز ایضاح البخاری میں بڑے ادب سے ان خبثا ر کو حضرات لکھا ہے ایک بار نہیں پانچ بار۔ یہ دیوبندی مذہب کی روح ہے، اللہ اور اس کے رسول کے محارب ڈاکو مرتدین ان کے مذہب میں اتنے قابل احترام ہیں کہ انھیں حضرات سے تعبیر کرتے ہیں۔

تشریحات (۱۷۱) اس حدیث کے بھی لانے سے امام بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا مقصود یہی ہے کہ چوپایوں کا پیشاب اور پاخانہ پاک ہے ورنہ بکریوں کے باڑے میں نماز پڑھنا کیسے صحیح ہوتا ــــ ہمارا جواب ظاہر ہے کہ نماز پڑھنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ چٹائی وغیرہ بچھائے بغیر براہ راست زمین پر پڑھی ہو۔ یہ لازم نہیں کہ جہاں نماز پڑھی ہو وہ جگہ ناپاک ہی ہو۔ وہاں بکری کا پیشاب یا مینگنی پڑی ہو یا پڑی تھی مگر سوکھ کر زمین پاک نہیں ہو گئی تھی اس لئے محض نماز پڑھنے سے زمین کی طہارت پر استدلال درست نہیں۔

اگر نماز پڑھنے سے زمین کی طہارت پر استدلال درست مان لیا جائے تو مواطن ابل، اونٹوں کے رہنے کی جگہ نماز سے ممانعت ہے، اس سے اونٹ کے پیشاب و مینگنی کے ناپاک ہونے پر کوئی استدلال کرے تو کیا کہیں گے؟

امام بخاری کا مسلک | امام بخاری کا مسلک کیا ہے وہ اچھی طرح واضح نہیں جیسا کہ ہم پہلے بتا آئے۔ دونوں حدیثوں اور

[1] عینی جلد ثالث ص ۱۵۶

قَبلَ اَن یُّبنیٰ المَسجِدُ فِی مَرَابِضِ الغَنَمِ ع۵

بکریوں کے باڑے میں نماز پڑھتے تھے

اثر ابو موسیٰ اشعری کے ذکر سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان کے نزدیک اونٹ اور بکری اور دوسرے چوپایوں کا پیشاب پاخانہ پاک ہے۔ اب پھر ابہام یہ پیدا ہوتا ہے کہ دواب کا اطلاق عرف میں ہر چوپائے پر ہوتا ہے خواہ وہ ماکول اللحم ہو یا نہ ہو اثر حضرت ابو موسیٰ سے بھی اسی کی تائید ہوتی ہے۔ اس لئے کہ اس زمانے میں سواری میں گھوڑوں کے ساتھ گدھے بھی استعمال ہوتے تھے بلکہ ان ممالک میں اب بھی گدھے کو سواری کے کام میں لاتے ہیں اس لئے دار البرید میں گدھے بھی ضرور رہتے ہونگے ان کی لید بھی ضرور پڑتی رہی ہوگی ان کا پیشاب بھی ضرور رہتا رہا ہوگا پھر بھی حضرت ابو موسیٰ اشعری نے نماز پڑھی جس سے امام بخاری یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ گدھے کا پیشاب اور اس کی لید پاک ہے تو جس طرح اونٹ اور بکری پر قیاس کرکے تمام ماکول اللحم جانوروں کے پیشاب پاخانے کو پاک کہہ سکتے ہیں اسی طرح گدھے پر قیاس کرکے غیر ماکول اللحم جانوروں کے پیشاب و پاخانے کو پاک کہہ سکتے ہیں۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث کانت الکلاب تقبل وتدبر، کے ذکر کا بھی یہی مقصد معلوم ہوتا ہے کہ امام بخاری کتے کے پیشاب اور پاخانے کو پاک مانتے ہیں۔ لیکن امام بخاری کا مذہب کیا ہے وہ قطعی طور پر واضح نہیں ہو سکا۔ ان کے ان ابواب کو دیکھنے کے بعد دو باتوں میں سے ایک بات کو ماننا ہی پڑیگا۔ یا تو امام بخاری حرام حلال تمام جانوروں کے پیشاب و پاخانے کو پاک مانتے ہیں یا کم از کم ان کی نجاست کے بارے میں متردد ضرور ہیں۔

احناف کا مسلک اور دلائل احناف اور جمہور کا مذہب یہ ہے کہ تمام چوپایوں کے پیشاب اور پاخانے ناپاک ہیں پیشاب کے دلائل گذر چکے۔ پاخانے کے ناپاک ہونے کے دلائل یہ ہیں۔

(۱) ترمذی میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے:

نھی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم عن اکل الجلالۃ والبانھا ؎۱ — نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جلالہ کے کھانے سے اور اس کے دودھ سے منع فرمایا ہے۔

مجمع البحار میں ہے کہ "جلۃ" کے معنی مینگنی کے ہیں۔ اس لئے جلالہ کے اصل معنی ہوئے مینگنی کھانے والے کے۔ اس سے ظاہر کہ مینگنی ناپاک ہے۔

ع۵ ایضا صلوۃ باب ھل ینبش قبور مشرکی الجاھلیۃ ویتخذ ھھنا مسجداً او باب الصلوۃ فی مرابض الغنم ص ۶۱ بنیان الکعبۃ مقدم النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم واصحابہ الی المدینۃ ص ۵۶۰، مسلم جلد اول کتاب المساجد ومواضع الصلوۃ ص ۲۰۰، ابوداؤد جلد اول صلوۃ باب بناء المساجد ص ۶۵، ترمذی جلد اول صلوۃ باب ما جاء فی الصلوۃ فی مرابض الغنم ص ۴۶، نسائی جلد اول، مساجد، باب نبش القبور واتخاذ ارضھا مسجداً ص ۱۱۴، مسند امام احمد

؎۱ جلد ثانی کتاب الاطعمہ ص ۴۔

(۲) ابوداؤد میں حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا

اذا جاء احدکم المسجد فلینظر فان رائی فی نعلیہ قذرا او اذی فلیمسحہ [1] — جب مسجد میں آؤ تو اپنی چپلوں کو دیکھ لو اگر اسمیں گندگی یا ناپاکی لگی ہو تو اسے دور کر لو۔

جوتے اور چپل میں انسان کے پیشاب اور پاخانے کا لگنا بہت مستبعد ہے۔ راستوں میں چوپایوں کے گوبر عام طور سے ہوتے ہیں انھیں سے جوتے اور چپل آلودہ ہوتے ہیں۔ اس لئے چوپایوں کے گوبر ناپاک ہیں۔

(۳) باب لا یستنجی بروث کے تحت حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی یہ حدیث گذری کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے گوبر کے بارے میں فرمایا "ھٰذا رکس" یہ نجاست ہے۔

ہمارے ائمہ نے اس اتفاق کے بعد کہ چوپایوں کے پیشاب و پاخانے ناپاک ہیں۔ اس میں اختلاف کیا کہ انکی نجاست غلیظہ ہے یا خفیفہ۔ امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ حرام چوپایوں کے پیشاب اور پاخانے دونوں اور گھوڑے کی لید اسی طرح حلال جانوروں کے پاخانے نجاست غلیظہ ہیں۔

گھوڑے اور حلال جانوروں کے پیشاب نجاست خفیفہ ہیں۔

حضرت امام ابو یوسف اور امام محمد رحمہما اللہ تعالیٰ حلال جانوروں کے پاخانے کو بھی نجاست خفیفہ مانتے ہیں۔

دلائل امام صاحب کی دلیل یہ ہے کہ چوپایوں کے پاخانے کی نجاست نص یعنی حدیث سے ثابت ہے اور اسکے معارض کوئی نص نہیں اس لئے یہ نجاست غلیظہ ہوئی۔ بخلاف پیشاب کے کہ استنزھوا من البول کے معارض عرنیین کی حدیث ہے۔ اس لئے ان کے پیشاب نجاست خفیفہ ہوئے۔

صاحبین فرماتے ہیں کہ چونکہ حلال جانوروں کے پاخانے کی طہارت و نجاست میں مجتہدین کا اختلاف ہے اس لئے اسمیں تخفیف ہے۔ علاوہ ازیں اس میں حرام جانوروں کے بہ نسبت ابتلاء عام ہے اس لئے اس میں تخفیف ہونی لازم ہے۔

مرابض غنم اور معاطن ابل کے احکام کے مختلف ہونیکی وجہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم خود بھی بکریوں کے باڑے میں نماز پڑھتے تھے اور صحابہ کو بھی اجازت دی ہے مگر اونٹوں کے تھانوں میں نماز پڑھنے سے منع فرمایا ہے اسکا سبب یہ نہیں کہ بکری کا پیشاب اور اس کی مینگنی پاک ہے اور اونٹ کا پیشاب اور اس کی مینگنی ناپاک بلکہ اصل سبب یہ ہے کہ بکری سیدھی سادی بے ضرر ہے اور اونٹ کبھی درندوں کی طرح خطرناک ہو جاتا ہے، کسی نے نماز شروع کی اور اونٹ کو مستی سوجھی تو بھاگنا مشکل ہو جائیگا۔ علامہ عینی نے بکریوں کے باڑے میں نماز پڑھنے اور معاطن ابل میں نہ پڑھنے کے سلسلے میں چند احادیث ذکر کی ہیں وہ درج ذیل ہیں۔

الغنم من دواب الجنۃ فامسحوا رغامھا و صلوا فی مرابضھا — بکری جنت کے چوپایوں میں سے ہے اس کی رینٹ صاف کرو اور ان کے باڑوں میں نماز پڑھو۔

(۲) احسنوا الیھا و امیطوا عنھا الاذی — بکریوں کے ساتھ اچھا سلوک کرو اور انکے آس پاس سے گندگی دور کرو

---

[1] جلد اول باب الصلوٰۃ فی النعال ص ۹۹

ت (۴۵) قَالَ الزُّهْرِيُّ لَا بَأْسَ بِالْمَاءِ مَالَمْ يُغَيِّرْهُ

امام زھری نے فرمایا پانی کے استعمال میں کوئی حرج نہیں اگر

(۳) صلوا فی مرابض الغنم فلا تصلوا فی اعطان الابل فانها خلقت من الشیاطین

بکریوں کے باڑے میں نماز پڑھو اور اونٹ کے تھان میں نہ پڑھو کہ اونٹ شیطان سے پیدا کئے گئے ہیں۔

(۴) اذا ادرکتکم الصلوۃ وانتم فی مراح الغنم فصلوا فیها فانها سکینة وبرکة واذا ادرکتکم الصلوۃ وانتم فی اعطان الابل فاخرجوا منها فانها جن خلقت من الجن الاتری اذا نفرت کیف تشمخ بانفها۔

جب نماز کا وقت آجائے اور تم بکریوں کے باڑے میں ہو تو وہیں نماز پڑھ لو اس لئے کہ بکری میں سکینت اور برکت ہے اور جب نماز کا وقت ایسے موقع پر آئے کہ تم اونٹ کے تھان میں ہو تو باہر نکل جاؤ اس لئے کہ یہ جن ہیں اور جن سے پیدا کئے گئے ہیں، کیا نہیں دیکھتے کہ جب بگڑتے ہیں تو کیسے ناک چڑھاتے ہیں۔

موطا امام محمد میں ایک اور حدیث ہے اسے بھی ملاحظہ کرتے چلیں ۔۔۔ فرمایا

احسن الی غنمك واطب مراحها وصل فی ناحیتها فانها من دواب الجنة ؎

بکریوں کے ساتھ اچھا سلوک کرو، انکے رہنے کی جگہ عمدہ اور صاف رکھو اور اسکے گوشے میں نماز پڑھو اسلئے کہ وہ جنتی چوپایوں میں سے ہیں۔

اس حدیث نے پوری بحث صاف کر دی کہ مرابض غنم میں نماز پڑھنے کا مطلب یہ نہیں کہ جہاں بکریوں کی مینگنیاں اور پیشاب ہوں وہاں پڑھو، بلکہ مراد یہ ہے کہ اس کے کسی گوشے میں جو صاف و پاک ہو پڑھو۔

تشریحات (۴۵) امام زہری کا مطلب یہ ہے کہ پانی میں اگر نجاست گر جائے تو پانی اس وقت تک ناپاک نہ ہوگا جبتک کہ پانی میں نجاست کا رنگ یا بو یا مزہ نہ آجائے خواہ پانی تھوڑا ہو خواہ زیادہ۔ مثلاً ایک چلو ہو یا پورا تالاب راکد ہو یا جاری۔

امام بخاری کا مسلک اور دیگر ائمہ کے مذاہب اس سلسلے میں ظاہر یہی ہے کہ امام بخاری کا بھی یہی مسلک ہے اور یہی امام مالک کا بھی ہے۔ امام شافعی کا مسلک یہ ہے کہ بہت تھوڑا پانی ناپاک ہو جائے گا اگرچہ اس میں نجاست کا کوئی اثر نہ ظاہر ہو لیکن اگر دو قُلّے یعنی دو مٹکے ہے تو جب تک نجاست کا اثر پانی میں ظاہر نہ ہو پاک ہے۔

ہمارا مسلک یہ ہے۔ اگر پانی قلیل ہے تو بہر حال ناپاک ہو جائے گا اگرچہ نجاست کا اس میں کوئی اثر ظاہر نہ ہو اور اگر کثیر ہو تو ناپاک نہ ہوگا۔ جبتک نجاست کا کوئی اثر ظاہر نہ ہو ۔۔۔ یہ حکم ماء راکد کا ہے، ماء جاری قلیل ہو یا کثیر جبتک اس میں نجاست کا اثر ظاہر نہ ہو پاک ہی رہے گا۔ ہاں اگر نجاست کا اثر ظاہر ہو تو ماء جاری بھی ناپاک، اصحاب ظواہر کو چھوڑ کر پوری امت کا اس پر اتفاق ہے کہ پانی قلیل ہو یا کثیر جاری ہو یا راکد، جب اس میں نجاست پڑے اور نجاست کا کوئی اثر پانی میں ظاہر ہو جائے تو وہ بہر حال ناپاک ہے۔

(؎ ص ۱۲۴)

45

طَعمُہٗ اَوْ رِیحُہٗ اَوْ لَوْنُہٗ ع۱

نجاست اس کا رنگ یا بو یا مزہ نہ بدلے

اصحاب ظواہر قریب قریب اس کے قائل ہیں کہ پانی کسی حال میں بھی ناپاک نہیں قلیل ہو یا کثیر اس میں نجاست کا اثر ظاہر ہو یا نہ ہو۔ اصحاب ظواہر کا مذہب اتنا کمزور ہے کہ اب کوئی بھی اس کا قائل نہ رہا حتی کہ غیر مقلدین بھی اس بارے میں ظواہر کے ہمنوا نہیں۔ جو اس زمانے میں ظواہر کی گڑی ہڈیاں اکھاڑ اکھاڑ کر دنیا میں پھیلا رہے ہیں رہ گئے قابل اعتناء تو یہ تین مذہب ہیں۔

مولانا عبدالحیٔ لکھنوی نے التعلیق المجد میں باب الوضوء مما تشرب منه السباع وتلسغ ک کے تحت لکھا ہے کہ سب سے راجح مالکیہ کا مذہب ہے۔ مولانا صاحب کی یہ عادت ہے کہ آپ ایک دو جگہ نہیں کتنی جگہ مخالفین کے پروپیگنڈے سے مرعوب ہو کر ہتھیار ڈال دیا ہے بلکہ کہیں کہیں غیر مقلدیت کی بولی بولنے لگتے ہیں، یہی یہاں بھی کیا، آپ نے لکھا تو یہ ہے کہ سب مذاہب کے دریاؤں میں گھسا اور سب مذاہب کی کتابیں دیکھیں تو یہ سمجھا ہے۔ آیئے ہم ناظرین کو عینی شرح بخاری کا اس جگہ کا اقتباس دکھائیں تو معلوم ہوگا کہ ہو سکتا ہے کہ مولانا صاحب لکھنوی نے دیگر مذاہب کے دریاؤں میں غوطہ زنی کی ہو مگر مذہب حنفی کے دریا کے ساحل تک بھی اس مسئلہ میں نہیں پہنچے فتح الباری میں ہے:

چونکہ امام مالک نے اپنے مذہب میں قلیل و کثیر کی کوئی تفریق نہیں کی اس لئے اس پر ابو عبید نے کتاب الطہارۃ میں یہ اعتراض کیا کہ اس پر لازم آتا ہے کہ اگر پانی کے لوٹے میں کوئی پیشاب کردے اور پانی کا وصف نہ بدلے تو اس پانی سے وضو وغیرہ (مثلاً پینا) سب جائز ہو حالانکہ یہ بات کتنی شنیع و قبیح ہے۔

اس لئے حدیث قلتین کی روشنی میں ماء قلیل و کثیر کی حد قائم کردی جائے۔ رہ گئی یہ بات کہ امام بخاری نے "حدیث قلتین" اپنی کتاب میں ذکر نہیں کی، اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کی اسناد میں اختلاف ہے مگر اس کے راوی ثقہ ہیں اور ائمہ کی ایک جماعت نے اسے صحیح کہا ہے۔ البتہ قلتین کی مقدار پر اتفاق نہیں۔ امام شافعی نے احتیاطاً پانچ قرب حجازی مقرر فرمایا ہے، اسی سے ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی حدیث "الماء لا ینجسه شئ"، کی تخصیص فرمائی۔

علامہ عینی کا تعقب اس پر علامہ عینی لکھتے ہیں قلتین کی حدیث سے کوئی مدد کیسے لی جاسکتی ہے جبکہ ابن العربی نے کہا یا تو اس کا مدار علت پر ہے یا اس کی روایت میں اضطراب ہے یا وہ موقوف ہے۔ یہی کیا کم ہے کہ امام شافعی نے اس کی روایت ولید بن کثیر سے کی ہے یہ اباضی ہے اور اس کی روایت میں اختلافات ہیں قلتین بھی ہے قلتین او ثلاثا بھی ہے۔ اربعون قلة بھی ہے اور اربعون فرقا بھی ہے۔ یہ حضرت ابو ہریرہ اور حضرت عبداللہ بن عمر پر موقوف ہے۔

ع۱ مسند عبداللہ بن وھب۔ ک ۱ ص ۶۷

یمری نے کہا۔ ابن مندہ نے باعتبار رواۃ اسے علی شرط مسلم صحیح کہا۔ مگر باعتبار روایت اس سے اعراض کیا اس لئے کہ اس میں کثیر اختلاف اور اضطراب ہے۔ امام مسلم نے غالبا اسی وجہ سے اسے ترک کر دیا۔

میں کہتا ہوں کہ اسی اختلاف اسناد کی وجہ سے امام بخاری نے بھی اس کی تخریج نہیں کی۔ ابو عمر نے تمہید میں کہا حدیث قلتین کیوجہ سے امام شافعی نے جو مسلک اختیار کیا ہے وہ باعتبار نظر ضعیف ہے و باعتبار اثر غیر ثابت ہے۔ اس لئے کہ اس حدیث میں علماء کے ایک گروہ نے نقل سے کلام کیا ہے۔ دبوسی نے کتاب الاسرار میں کہا کہ یہ حدیث ضعیف ہے اور بہت سے لوگوں نے اس کو قبول نہیں کیا اس لئے کہ صحابہ اور تابعین نے اس پر عمل نہیں کیا۔

کیا لکھنوی صاحب نے علامہ عینی کی یہ تحقیق نہیں ملاحظہ کی تھی۔ تطویل کا خوف نہ ہوتا تو اور جو کچھ علماء احناف نے اس حدیث پر کلام کیا ہے وہ سب لکھتا۔

امام مالک کے مذہب پر کلام حضرت امام مالک کے مذہب کی تائید میں یہ حدیث پیش کی جاتی ہے جو حضرت ابو امامہ باہلی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا۔

ان الماء لا ینجسہ شی الا ما غلب علی ریحہ وطعمہ ولونہ [1] — پانی کو کوئی چیز ناپاک نہیں کرتی جبتک کہ وہ پانی کی بو اور اس کے مزہ اور اس کے رنگ پر غالب نہ آجائے۔

مگر یہ حدیث بھی لائق استناد نہیں، علامہ عینی فرماتے ہیں کہ بیہقی نے کہا یہ حدیث قوی نہیں۔

علاوہ ازیں اسی ابن ماجہ میں اس کے پہلے حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث ہے جسمیں یہ تفصیل ہے۔

"ہم ایک تالاب پر پہنچے جسمیں ایک گدھا مرا پڑا تھا ہم نے یہ پانی استعمال نہیں کیا مگر جب اس تالاب پر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پہنچے تو فرمایا ان الماء لا ینجسہ شیئ [2] اس پانی کو کوئی چیز نجس نہیں کرے گی۔"

اس کا امکان ہے کہ یہ ارشاد بھی اسی تالاب کے بارے میں ہو یا اسی قسم کے کسی اور تالاب یا گڈھے کے بارے میں ہو جیسا کہ ابوداؤد اور ترمذی وغیرہ میں اسی مضمون کی یہ حدیث ہے۔

ان الماء طہور لا ینجسہ شیئ — یہ پانی پاک ہے اسے کوئی چیز ناپاک نہیں کر سکتی

یہ بیر بضاعہ کے بارے میں ہے جس کا پانی جاری تھا۔ اس تفصیل سے قطع نظر صرف لفظ دیکھئے تو دھوکا ہوتا ہے کہ مطلق پانی کے بارے میں ہے۔

علاوہ ازیں اگر اس حدیث کو اپنے عموم پر رکھیں گے تو بہت سی احادیث سے تعارض لازم آئے گا جیسے لا یبولن احدکم فی الماء وغیرہ۔

مذہب امام شافعی پر کلام اولاً یہ حدیث قلتین لائق استناد نہیں۔ جیسا کہ گذر گیا۔

ثانیاً جب کسی روایت میں قلتین ہے کسی میں ثلاث قلال کسی میں اربعین قلۃ ہے کسی میں اربعین فرقا ہے۔ تو عمل کس پر ہوگا۔

ثالثاً یہ مٹکے کتنے بڑے ہوں گے۔ کہاں کے بنے ہوئے معتبر ہوں گے۔ رابعاً پھر قلہ لفظ مشترک ہے اس کے یہ معنی ہیں مٹکا، مشک

---

[1] ابن ماجہ طہارت باب الحیاض ص ۴۱ [2] طہارت باب الحیاض ص ۴۰

(۴۶) ت :- قَالَ حَمَّادٌ لَا بَاسَ بِرِيْشِ الْمَيْتَةِ ع۵

حضرت حماد نے کہا کہ مُردار کا پر پانی میں پڑ جائے تو کوئی حرج نہیں

ت (۴۷) قَالَ الزُّهْرِيُّ فِي عِظَامِ الْمَوْتٰى نَحْوَ الْفِيْلِ وَغَيْرِهٖ

امام زہری نے کہا مُردوں مثلاً ہاتھی کی ہڈیوں کے بارے میں

پہاڑ کی چوٹی، انسان کا قد، اونٹ، کسی ایک معنی کی تعیین کیسے ہوگی اور اگر آپ ہجر کے مٹکے کی تعیین بھی کرلیں تو وہ بھی چھوٹے بڑے ہر قسم کے ہوتے ہیں، کس مقدار کے آپ مراد لیں گے۔ خامسًا دوسری احادیث سے تعارض کا کیا جواب ہوگا

مذہب احناف کے دلائل اس کے بعد والے باب کی حدیث میں مفصل آتے ہیں۔

تشریحات (۴۶) مطلب یہ ہے کہ مردہ پرندے کا پر پاک ہے اگر پانی یا کسی اور چیز میں گر جائے تو پانی وغیرہ ناپاک نہ ہوں گے۔ یہی احناف کا بھی مسلک ہے۔ یہ حضرت حماد، حضرت امام کے استاذ فقیہ عراق ہیں ان کو بھی امام بخاری نے اپنی عنایتوں کا نشانہ بنایا ہے ان کو بھی مرجی لکھدیا۔ رحمہ اللہ واعف عنہ۔

تشریحات (۴۷) یعنی مردوں کی ہڈی پاک ہے حتی کہ ہاتھی کی بھی یہی احناف کا بھی مسلک ہے اس کی علت یہ ہے کہ مردار اس لئے ناپاک ہوتا ہے کہ مرنے کے بعد دم مسفوح جو جانوروں کے جسم کے اندر دوڑتا رہتا ہے محبوس ہو جاتا ہے۔ دم مسفوح ناپاک ہے، اس لئے جہاں جہاں یہ جسم میں رکا وہ سب جگہ ناپاک ہوگئی، چونکہ ہڈی اور پر وغیرہ میں دم مسفوح جاتا ہی نہیں اس لئے موت سے ان کے ناپاک ہونے کی کوئی وجہ نہیں۔

امام زہری تابعی ہیں اس لئے سلف سے مراد ان کے پہلے کے علماء ہیں جو صحابہ اور صف اول کے تابعین ہیں۔ کفٰی بِنَا قُدْوَةً۔

ہاتھی کے ذکر کی خصوصیت یہ ہے کہ امام محمد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نزدیک یہ نجس العین ہے اس لئے ان کے نزدیک اسکی ہڈی ناپاک اور نجس ہوگی۔ مگر شیخین یعنی امام اعظم اور امام ابویوسف کا مذہب یہی ہے کہ ہاتھی نجس العین نہیں اس لئے دیگر مردار کی طرح اس کی ہڈی بھی پاک ہے۔

مولوی انور شاہ کشمیری نے فیض الباری میں امام ابویوسف کا مذہب یہ بتایا ہے کہ وہ ہاتھی کو نجس العین کہتے ہیں سُبْحٰنَكَ هٰذَا بُهْتَانٌ عَظِيْمٌ۔

امام شافعی کے یہاں ہاتھی وغیرہ درندوں کی ہڈی ناپاک ہے۔ امام مالک فرماتے ہیں کہ اگر ہاتھی کو بطریق شرعی ذبح کر دیا جائے تو اس کی ہڈی پاک ورنہ ناپاک۔

احناف کی دلیل حضرت ابن عباس کی یہ حدیث ہے کہ فرمایا۔

انما حرم من المیتۃ مایوکل منھا وھوا للحم مردار کا وہی جز حرام ہے جو کھایا جاتا ہے یعنی گوشت۔

ع۵ مصنف عبدالرزاق۔ ک جلد اول ص ۳۳۲

أَدْرَكْتُ نَاسًا مِنْ سَلَفِ الْعُلَمَاءِ يَمْتَشِطُونَ بِهَا وَيَدَّهِنُونَ

میں نے اپنے پہلے کے علماء کو اس پر پایا کہ ان ہڈیوں کا کنگھا استعمال کرتے تھے اور اسمیں

فِيهَا لَا يَرَوْنَ بِهِ بَأْسًا

تیل استعمال کرتے تھے اور اسمیں کوئی حرج نہیں جانتے تھے

ت (۴۸) قَالَ إِبْرَاهِيمُ وَابْنُ سِيرِينَ لَا بَأْسَ بِتِجَارَةِ

حضرت ابراہیم (نخعی) اور ابن سیرین نے فرمایا ہاتھی کے

الْعَاجِ عہ

دانت کی تجارت میں کوئی حرج نہیں

نیز حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی حدیث کہ فرمایا۔

لاباس بمسك الميتة اذا دبغ ولا بشعرها اذا غسل۔

مردار کے چمڑے سے نفع حاصل کرنے میں حرج نہیں جب اس کی دباغت کرلیجائے اور یونہی بال سے جب دھولیا جائے۔

تشریح (۴۸) یہ حضرت ابراہیم نخعی بھی حضرت امام اعظم کے اساتذہ میں سے ہیں اور حضرت امام بخاری کے معتوب امام بخاری نے انھیں بھی مرجی کہا ہے مگر فراخدلی یہ کہ ان کے قول کو حجت مانتے ہیں اور بطور سند پیش کرتے ہیں۔

اس سے امام بخاری یہ بتانا چاہتے ہیں کہ ان دو بزرگوں کے نزدیک بھی ہاتھی کا دانت پاک ہے اگر ناپاک ہوتا تو تجارت کی اجازت نہ ہوتی۔ جیسے مردار کے چمڑے کی تجارت اس لئے جائز نہیں کہ وہ ناپاک ہے۔

باب سے مطابقت باب یہ تھا کہ گھی اور پانی میں جو نجاستیں گر جاتی ہیں اس کا بیان۔ اس کے تحت یہ ذکر فرمایا کہ ہاتھی کے دانت کا کنگھا استعمال کرنا اور اس کی ڈبیہ میں تیل رکھکر اس تیل کو استعمال کرنے کو اسلاف جائز سمجھتے تھے۔ امام زہری کی تعلیق سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ تیل میں ہاتھی کا دانت پڑجائے تو تیل پاک ہے۔ اب ایک عجیب الجھن ہے، اگر یہ کہا جائے کہ امام بخاری ہاتھی کے دانت اور مردار کی ہڈی کو پاک مانتے ہیں تو اس تعلیق کو باب سے کوئی مناسبت نہیں رہتی۔ لامحالہ کہنا پڑے گا کہ امام بخاری ہاتھی کے دانت اور مردار کی ہڈی کو ناپاک مانتے ہیں مگر ان کے تیل میں پڑنے سے انکا کوئی اثر تیل میں ظاہر نہیں ہوتا لہذا وہ تیل پاک ہے اور ان کا مسلک یہ ہے کہ ناپاک چیز کی تجارت جائز ہے۔ اب اس تعلیق کا پہلی والی تعلیق سے ربط بھی ہوجاتا ہے اور یہی تقریر اسمیں بھی جاری ہوگی۔ واللہ تعالیٰ اعلم عند اللہ تعالیٰ۔

عہ مصنف عبد الرزاق۔

(۱۷۲) حدیث الفارۃ اذا سقطت فی السمن

عَنْ مَيْمُوْنَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهَا اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى

ام المومنین حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سُئِلَ عَنْ فَارَةٍ سَقَطَتْ فِيْ سَمْنٍ فَقَالَ اَلْقُوْهَا

سے یہ سوال ہوا کہ چوہا گھی میں گر جائے تو کیا کیا جائے تو فرمایا کہ چوہے کو اور

تشریحات (۱۷۲) تکمیل

بخاری کتاب الذبائح میں یہ زائد ہے، فماتت۔ نسائی میں بطریق عبدالرحمٰن بن مھدی یہ ہے، فی سمن جامد، اب اس حدیث کا مطلب یہ ہوا کہ اگر چوہا جمے ہوئے گھی میں گر جائے اور مر جائے تو چوہے کو اور چوہے کے اردگرد جو گھی ہے اس کو پھینک دیا جائے اور بقیہ گھی کھایا جائے ابوداؤد اور نسائی میں ہے۔

وان کان مائعا فلا تقربوھا اور اگر پگھلا ہوا پتلا ہو تو اس گھی کے قریب نہ جانا

اس تکمیل سے بہت سے شبہات دور ہو گئے کہ یہاں بخاری میں جو حکم مذکور ہے وہ جمے ہوئے گھی کا ہے۔ اور پگھلے ہوئے پتلے گھی میں چوہا گر جائے تو کل گھی ناپاک ہے۔ اگرچہ گھی میں چوہے کا کوئی اثر ظاہر نہ ہو۔

اس سے ثابت ہوا کہ تھوڑی چیز میں اگر کوئی نجاست گر جائے تو وہ ناپاک ہو جائے گی خواہ نجاست کا کوئی اثر اس چیز میں ظاہر ہو خواہ نہ ہو۔ خواہ وہ چیز منجمد ہو خواہ رقیق۔ اس لئے کہ اگر منجمد گھی ناپاک نہ ہوتا تو چوہے کے اردگرد کے گھی کے پھینکنے کا حکم نہ ہوتا۔ فرق یہ ہے کہ منجمد چیز صرف نجاست کے اردگرد کی ناپاک ہوگی اور رقیق پوری۔

ایک تسامح

امام بخاری نے جلد دوم کتاب الذبائح میں اس حدیث پر جو باب باندھا ہے اس میں یہ اضافہ کر دیا فی السمن الجامد اوالذائب مگر یہ غور نہیں فرمایا کہ اگر اس حدیث میں سمن سے ذائب پگھلا ہوا مراد لیں گے تو القوھا وما حولھا پر عمل کیسے ہو سکے گا۔ جب گھی پگھلا ہوا ہوگا تو چوہے کا کوئی ما حول نہ ہوگا جب گھی پتلا ہے اور چوہا اس میں گرا تو مرتے مرتے تڑپ تڑپ کر کہاں کہاں گیا، کیا معلوم اب تو سب کا سب چوہے کا ما حول ہو گیا القوھا وما حولھا کا لفظ بتا رہا ہے کہ یہ حکم صرف جامد کے ساتھ خاص ہے۔

جس تیل یا گھی میں نجاست گر جائے تو اسے جلانا یا بیچنا جائز ہے یا نہیں۔ اس بارے میں علماء کا اختلاف ہے، احناف کے یہاں جائز ہے۔

ہماری دلیل اسی حدیث کی دوسری روایت ہے، جسمیں یہ ہے

وان کان مائعا فاستصبحوا بہ وانتفعوا [1] اگر وہ گھی پتلا ہے تو اسے جلاؤ اور اس سے نفع حاصل کرو۔

[1] عینی جلد ثالث ص ۳ - ۱۶۲

وَمَا حَوْلَهَا وَكُلُوا سَمْنَكُمْ ؏

چوہے کے ارد گرد کے گھی کو پھینک دو اور اپنا گھی کھاؤ

بیہقی میں ہے:

ان کان السمن مائعا انتفعوا به ولا تاکلوا [1] اگر گھی پتلا ہے تو اس سے نفع حاصل کرو اسے کھاؤ مت اسے بیچکر اس کی قیمت اپنے صرف میں لانا بھی ایک قسم کا نفع حاصل کرنا ہے۔ عبد الرزاق کی ایک روایت میں جو یہ آیا ہے کہ اس کے قریب مت جانا اس سے مراد یہی کھانا ہے۔ جیسا کہ قرآن مجید میں ہے فلا تقربا هذه الشجرة میں مراد نہ کھانا ہے۔

بر بنائے تحقیق گھی کے حکم میں تمام تیل، شہد، راب (گرڈ) وغیرہ ہیں کہ ان میں کوئی سوکھی نجاست گر جائے اور یہ جمے ہوں تو اس نجس چیز کے ساتھ اس کے ارد گرد کو پھینک دیا جائے اور اگر رقیق پگھلا ہو تو سب ناپاک ہے۔

اس حدیث کی اسناد میں شدید اختلاف ہے جسے دارقطنی نے بیان کیا ہے، اوزاعی کی زہری سے اور امام شافعی اور شعبی کی امام مالک سے جو روایت ہے اس میں حضرت میمونہ نہیں۔ ابن عباس براہ راست حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں۔

ابن وہب کی روایت میں ابن عباس ساقط ہیں اور یحیی بن بکیر اور ابو مصعب کی روایت میں نہ ابن عباس ہیں نہ حضرت میمونہ ــــ عبد الملک بن ماجشون نے یہ سند بیان کی۔ عن مالك عن الزهري عن عبد الله عن ابن مسعود اور عبد الجبار نے کہا عن الزهري عن سالم عن ابيه۔ مگر عبد الملک سے وہم ہو گیا ہے۔ ابوداؤد میں بطریق عبد الرزاق یوں ہے عن الزهري عن سعيد بن المسيب عن ابي هريرة سئل رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم عن الفارة تقع في السمن قال اذا كان جامدا فالقوها وان كان مائعا فلا تقربوه۔ ابو عمر نے کہا، امام مالک سے اس حدیث کی سند میں سخت اضطراب ہے۔ اسمٰعیلی نے کہا یہ حدیث معلول ہے اس وجہ سے امام بخاری نے یہ ضروری جانا کہ اسے صاف کردیں اس لئے فرمایا۔

معن نے کہا کہ مالک نے ان گنت بار مجھ سے حدیث بیان فرمائی جسمیں انھوں نے یہ کہا عن ابن عباس عن ميمونة رضی اللہ تعالیٰ عنہا اس سے یہ افادہ فرمایا۔ صحیح یہی ہے کہ یہ حدیث حضرت ابن عباس سے بواسطہ حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا مروی ہے۔

؏ ایضا دو طریقے سے، جلد ثانی الصید والذبائح باب اذا وقعت الفارة فی السمن ص ۸۳۱ - ابوداؤد جلد ثانی اطعمہ۔ باب الفارة تقع فی السمن ص ۱۸۱ - ترمذی جلد ثانی اطعمہ باب ماجاء فی الفارة تموت فی السمن ص ۲ - نسائی جلد ثانی فرع والعتیرة - باب الفارة تقع فی السمن - دارمی وضوء، ۱۶۰ طعمہ ۴۱ - موطا امام مالک استیذان ۲۰ مسند امام احمد بن حنبل -

[1] فتح الباری کتاب الاطعمہ

(۱۷۳) حدیث دم الشہید ؛ عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالی عنہ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے فرمایا

عن النبی صلی اللہ تعالی علیہ وسلم قال کل کلم یکلمہ المسلم

کہ راہ خدا میں مسلمان کو جو بھی زخم لگے گا قیامت کے دن

تشریحات (۱۷۳)

باب سے مناسبت اس حدیث کو باب سے بظاہر کوئی مناسبت نہیں۔ علامہ عینی نے لکھا۔ یہ حدیث شہید کے فضائل کی ہے اسے امام بخاری طہارت میں کیوں لائے؟ پھر شہید کی جو فضیلت بیان ہوئی ہے اس کا تعلق عالم آخرت سے ہے اور پانی کی طہارت و نجاست کا تعلق احکام دنیا سے ہے۔ ایسے موقع پر معمولی درجے کی بھی کوئی معقول مناسبت نکل آئے توکافی ہے۔ علامہ عینی نے یہ وجہ مناسبت بیان فرمائی ہے۔

پانی اصل میں پاک ہے۔ مگر نجاست سے متاثر ہونے کے بعد جب اس صفت پر نہیں رہتا جس پر اللہ تعالی نے پیدا فرمایا تھا تو ناپاک ہو جاتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ تغیر وصف تغیر حکم کا سبب ہے۔ اس کی ایک نظیر ذکر کر دی۔ جیسے شہید کا خون کہ اصل میں ناپاک تھا مگر شہادت کی وجہ سے وہ پاک ہوگیا، اس کی بو بدل گئی تو اب پاک ہوگیا۔ اسی وجہ سے شہید کو نہ غسل دیا جائے گا اور نہ اس کا خون دھویا جائے گا کہ قیامت کے دن اس کا مرتبہ سب پر ظاہر ہو جائے۔

علامہ عینی کا مقصد یہ ہے کہ باب اور اس حدیث میں قدر مشترک یہ ہے کہ تغیر وصف مدار احکام ہے۔ اتنی مناسبت کافی ہے۔ بخاری کے اس قسم کے ابواب میں شراح نے کہیں کہیں ضرورت سے زیادہ اپنی ذہانت اور زور طبع دکھایا ہے۔ یہاں بھی کافی مشق ہوئی ہے تفصیل کے لئے فتح الباری اور عینی کا مطالعہ کریں۔ اردو شارحین نے بھی زور آزمائی کی ہے۔ مگر علامہ عینی سے زیادہ لگتی ہوئی بات کوئی کہہ نہ سکا اور بعض تو محض مہمل ہیں۔

مسائل اس حدیث سے شہید کی عظیم فضیلت ثابت ہوئی کہ مدتہائے دراز بلکہ دو دو عالم کے تغیر کے بعد تیسرے عالم قیامت میں بھی شہید کا زخم ہرا بھرا رہے گا جس سے خون نکلتا ہوگا۔ تاکہ شہید کو جو اللہ اور رسول کیسا جنون خیز عشق تھا اس کا نظارہ پوری دنیا کرلے اور اس کی جاں نثاری وجاں سپاری چشم سر سے دیکھ لے۔

ع خوش رسمے بنا کردند بخاک وخون غلطیدن

اور ان کی مظلومیت سب پر آشکارا ہو جائے۔ پھر الطاف خداوندی کی شہیدوں پر جو بارش ہوا سے بھی محسوس کریں کہ اتنی مدت کے بعد زخم کا کیا حال ہونا چاہئے مگر حال یہ ہے کہ اس سے مشک کی خوشبو اٹھ رہی ہے۔

شہید کا خون پاک ہے اس لئے یہ جائز نہیں کہ شہید کو غسل دیا جائے، ان کا خون دھویا جائے یا خون آلود کپڑے ان کے جسم سے اتارے جائیں۔ خون میں لت پت دفن کریں گے تاکہ روز محشر شہید کہہ سکیں۔

ع تو نیز بر سر بام آکہ خوش تماشا ئیست

فِی سَبِیْلِ اللّٰهِ يَكُوْنُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ كَهَيْئَتِهَا اِذْ طُعِنَتْ تَفَجَّرُ وَمَا اللَّوْنُ
ویسا ہی ہوگا — جیسا لگنے کے وقت تھا — جس سے — خون بہے گا — رنگ تو
لَوْنُ الدَّمِ وَالْعَرْفُ عَرْفُ الْمِسْكِ[۵]
خون کا ہوگا — اور — خوشبو مشک کی ہوگی

حدیث (۱۷۴) لَا يَبُوْلَنَّ اَحَدُكُمْ فِی الْمَاءِ الدَّائِمِ
اَنَّهُ سَمِعَ اَبَا هُرَيْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ اَنَّهُ سَمِعَ رَسُوْلَ اللّٰهِ
حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے — رسول اللہ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم — کو

تشریحات (۱۷۴)

امام بخاری نے باب باندھا ہے البول فی الماء الدائم حدیث کا پہلا جز ہے۔

باب سے مطابقت نحن الاخرون السابقون، ـــ اس کا باب سے کوئی تعلق نہیں اور تعلق پیدا کرنے کی کوشش بے سود ہے۔ اسے ذکر کرنے کی حکمت میں جو بات سب سے زیادہ چسپاں ہوتی ہے وہ یہ ہے۔ عبد الرحمن بن ہرمز اعرج کے پاس احادیث کا صحیفہ تھا اسی طرح ہمام بن منبہ کے پاس بھی تھا۔ دونوں کی ابتداء میں یہ حدیث نحن السابقون الاولون روایت ہے امام بخاری کی عادت ہے کہ جب ان دونوں صحائف میں سے کسی صحیفے کی کوئی حدیث ذکر کرتے ہیں تو بطور علامت اتنا حصہ بھی ذکر کر دیتے ہیں جیسے امام مسلم کی عادت ہے کہ ایسے موقع پر فذکر الاحادیث، ومنها هذا الحديث کا ذکر کرتے ہیں۔

اس باب کے علاوہ مندرجہ ذیل ابواب میں امام بخاری نے ایسا ہی کیا ہے۔

کتاب الجهاد۔ باب يقاتل من وراء الامام ويتقى به ص۴۱۵ بطریق اعرج

کتاب الدیات۔ باب القصاص بین الرجال والنساء ص۱۰۱۷ " "

کتاب التوحید۔ باب قول الله يريدون ان يبدلوا كلام الله ص۱۱۱۶ " "

کتاب الایمان والنذور۔ باب اول ص۹۸۰ " ہمام

کتاب التعبیر۔ باب النفخ فی النوم ص۱۰۴۲ " "

---

۵ ایضاً جهاد باب من يخرج فی سبیل اللہ ص ۳۹۲۔ ایضاً جلد ثانی ذبائح، باب المسک ص ۸۳۰ مسلم جلد ثانی۔ امارۃ۔ باب فضل الجهاد ص ۱۳۳۔ ترمذی جلد اول فضائل جهاد باب ماجاء فی فضل من يكلم فی سبیل اللہ ص ۱۹۹۔ نسائی جلد ثانی جهاد باب من کلم فی سبیل اللہ ص ۵۹۔ نسائی جلد اول جنائز باب مواراة الشهيد فی دمه ص ۲۸۲۔ موطا امام مالک جهاد ص ۲۹۔ مسند امام احمد۔

صَلَّى اللهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ نَحْنُ الْاٰخِرُوْنَ السَّابِقُوْنَ

یہ فرماتے ہوئے سنا ہم سب سے پچھلے سب سے سبقت لے جانے والے ہیں

وَبِاِسْنَادِهٖ قَالَ لَا يَبُوْلَنَّ اَحَدُكُمْ فِي الْمَاءِ الدَّائِمِ الَّذِيْ

اور اسی سند سے یہ فرمایا تم میں سے کوئی شخص ٹھہرے ہوئے پانی میں جو بہتا نہ ہو

لیکن اس پر پوری پابندی نہیں۔ ص۱۱۱ پر بطریق زناد عن الاعرج یہی روایات ذکر کی ہیں مگر کسی میں یہ حصہ نہیں البتہ بطریق ھمام دو جگہ ہے دونوں جگہ نحن الاخرون السابقون بھی ہے۔

یہ ایک طویل حدیث کا جز ہے یہ ایک حدیث کا جز ہے جو کتاب الجمعہ کی پہلی حدیث ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم ظہور میں سب سے آخر ہیں مگر بقیہ تمام باتوں میں سب امتوں سے آگے ہیں ہمارا فضل و شرف زائد تھوڑے اعمال پر ثواب سب سے زائد۔ قیامت کے دن سب سے پہلے ہمارا معاملہ فیصل ہوگا اور سب سے پہلے جنت میں جائیں گے۔

ماء قلیل کا حکم تھوڑے پانی میں نجاست پڑنے سے ناپاک ہوگا یا نہیں، یا ناپاک ہوگا تو کب ہوگا۔ یہ مسئلہ فقہ کے اہم ترین مسائل میں سے ہے۔ ہمیشہ معرکۃ الآراء رہا ہے اور اب غیر مقلدین کی وجہ سے یہ لڑائی جھگڑے کا سبب بن گیا ہے۔ غیر مقلدین کا مذہب یہ ہے کہ تھوڑے پانی میں اگر کوئی نجاست گر جائے اور نجاست کا کوئی اثر پانی میں ظاہر نہ ہو تو وہ پانی پاک ہے۔ مثلاً ایک لوٹے پانی میں ماشہ دو ماشہ پیشاب پڑ جائے تو وہ پاک ہے۔ اسے پیو اس سے کھانا پکاؤ، کوئی حرج نہیں۔ جیسا کہ ان کے نواب شوہر ریاست بھوپال نے طریقہ محمدیہ[۱] ص۲۶ پر لکھا ہے ان کے اشرار کا یہ حال ہے، جہاں ان کا بس چلتا ہے وہاں کنوؤں میں گوبر لاکر ڈال دیتے ہیں تاکہ احناف پریشان ہوں، یا تو یہی ناپاک پانی پیئیں یا پھر اسے پاک کرنے کی دقت میں پڑیں یا کہیں اور سے پانی لائیں۔

اس مسئلہ کی تفصیل یہ ہے کہ پانی کی تین قسمیں ہیں۔ اول، ماء جاری بہنے والا پانی جیسے دریا یا نہر کا پانی، یہ قلیل ہو یا کثیر اس میں نجاست اگر پڑے گی تو صرف اتنا ہی حصہ ناپاک ہوگا جتنے میں نجاست کا اثر ظاہر ہو۔ وہ بھی اس وقت تک جب تک وہ اثر باقی رہے پھر سب پاک، یہی حکم سمندر کا بھی ہے۔

دوم کنوئیں کا پانی۔ اس میں پانی جمع رہتا ہے جوں جوں خرچ ہوتا رہتا ہے نیچے سوتے سے آتا رہتا ہے، اس کا حکم یہ ہے کہ نجاست گرنے سے کنوئیں کا کل پانی ناپاک ہو جائے گا مگر کنوئیں میں موجود پانی نکال دینے سے کنواں پاک ہو جائے گا اسلئے کہ ناپاک پانی کی جگہ پاک پانی آگیا۔

سوم۔ تالاب حوض وغیرہ کا پانی۔ جو اپنی حد میں محدود رہتا ہے، اس میں سے نکلنے کے بعد اس کی جگہ دوسرا نہیں آتا۔ یہی دونوں قسم متنازع فیہ ہے۔ غیر مقلدین کے یہاں کنوئیں چھوٹے گڑھے بلکہ گھڑے لوٹے بلکہ گلاس بلکہ چلو میں کتنی ہی نجاست پڑ جائے

[۱] اس کتاب پر غیر مقلدین کے شیخ الکل فی الکل میاں نذیر حسین دہلوی نے بھی مہر کی اور لکھا اس پر موحدین (غیر مقلدین) بے دھڑک عمل کریں۔

لا یجری ثم یغتسل فیہ عہ

ہرگز پیشاب نہ کرے پھر اس میں غسل کرے

وہ پاک ہی ہے جب تک کہ نجاست کا کوئی اثر ظاہر نہ ہو۔

امام شافعی فرماتے ہیں کہ اگر پانی دو قلے یعنی پانچ مشک سے کم ہو تو ناپاک ہو جائے گا اگرچہ نجاست کا کوئی اثر ظاہر نہ ہو، دو قلے یا اس سے زائد ہو تو ناپاک نہ ہوگا جب تک کہ اس میں نجاست کا کوئی اثر ظاہر نہ ہو۔

ہمارا مسلک یہ ہے کہ اگر یہ پانی قلیل ہے تو نجاست گرتے ہی سب کا سب ناپاک۔ اس لئے کہ اس میں نجاست پڑتے ہی پھیل کر سب پانی میں مل جائے گی۔ اس لئے کہ پانی کی یہ خاصیت ہے کہ اس میں کچھ ڈالو تو وہ چیز بہت تیزی سے پانی میں تحلیل ہو کر پھیلنے لگتی ہے۔ اور اگر کثیر ہے تو جب تک نجاست کا کوئی اثر اس میں ظاہر نہ ہو وہ پانی پاک ہے۔ جتنی دور تک یا جتنی دیر نجاست کا اثر پانی میں ظاہر ہوگا پانی ناپاک رہے گا، قلیل و کثیر میں حد فاصل یہ ہے کہ پانی اگر کسی ایسے تالاب یا حوض میں ہو کہ اگر اس کے ایک طرف ہلایا جائے تو دوسرا کنارہ نہ ہلے تو کثیر ہے ورنہ قلیل۔ عوام کی آسانی کیلئے علماء نے اس کی مقدار دہ در دہ رکھی ہے۔

قلیل و کثیر میں تفریق خود احادیث سے ثابت ہے۔ اس کے قبل والے نمبر میں حدیث گذری کہ ایسے تالاب کے بارے میں جسمیں گدھا مرا پڑا تھا حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اس کے پانی کو کوئی چیز نجس نہیں کر سکتی اسکے بالمقابل یہ حدیث باب ہے کہ فرمایا ــــ رُکے ہوئے پانی میں ہرگز پیشاب مت کرو پھر اس میں نہاؤ۔ ترمذی اور نسائی میں ہے، پھر وضو کرو۔ بخاری کی ایک روایت میں ہے پھر پیئو۔

حدیث کا سیاق صاف صاف بتا رہا ہے۔ پیشاب کرنے سے ممانعت صرف اس وجہ سے ہے کہ پیشاب پڑنے سے وہ پانی ناپاک ہو جاتا ہے اور قابل غسل نہ رہے گا۔

اس پر امام غیر مقلدین ابن تیمیہ نے یہ کہا۔ یہ ممانعت اس لئے نہیں کہ پانی ناپاک ہو جائیگا بلکہ اس بنا پر ہے اگر مار راکد میں لوگ پیشاب کرتے رہیں گے تو پھر اس میں پیشاب کا اثر ظاہر ہو جائے گا اور وہ پانی ناپاک ہو جائے گا۔

یہ ابن تیمیہ ہے جس کی تعریف سے غیر مقلدین تو غیر مقلدین دیوبندی بھی نہیں تھکتے۔ یہ حدیث کی حجامت بنانی ہے۔ خود راوی حدیث حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جو حدیث کا مطلب سمجھا ہے وہ ابن تیمیہ کا رد ہے۔

طحاوی میں ہے کہ جب ان سے پوچھا گیا کہ اگر کوئی کسی تالاب پر گذرے تو کیا اس میں پیشاب کر سکتا ہے، فرمایا: نہیں، ہو سکتا ہے اس کے بعد کوئی اُس سے غسل کرے اور پیئے۔

عہ مسلم جلد اول طہارت باب النہی عن البول فی الماء الراکد ص۱۳۸، ابوداؤد جلد اول طہارت باب البول فی الماء الراکد ص۱۰، نسائی جلد اول طہارت باب الماء الدائم ص۲۱ ابن ماجہ طہارت، باب النہی عن البول فی الماء الراکد ص۲۰، دارمی، وضو ۵۴ مسند امام احمد،

دوسری حدیث یہ ہے جو گذر چکی۔

اذا ولغ الکلب فی اناء احدکم فلیریقہ ویغسلہ سبع مرار۔ — جب کتا تمھارے برتن میں منہ ڈالدے تو برتن میں جو کچھ ہو پھینک دو اور برتن کو سات بار دھولو۔

یہ حکم مطلق ہے کتے کے لعاب ظاہر ہونے یا نہ ہونے کی کوئی تخصیص نہیں اس لئے ثابت ہو گیا کہ کتے کے منہ ڈالنے میں برتن اور برتن میں جو کچھ ہے سب ناپاک۔

تیسری حدیث وہی ہے جو اس سے پہلے والے نمبر میں گذری کہ بطریق عبد الرزاق یہ زائد ہے۔

وان کان مائعا فلا تقربوہ — اگر گھی پتلا ہو اور اس میں چوہا مر جائے تو اس کے قریب مت جاؤ

چوتھی حدیث یہ ہے جسے حضرت ابو ہریرہ نے روایت کیا کہ فرمایا۔

لا یغتسل احدکم فی الماء الدائم وھو جنب فقال کیف یفعل یا اباھریرۃ قال یتناولہ تناولا[1] — رکے ہوئے پانی میں کوئی اس حال میں غسل نہ کرے جب کہ وہ جنبی ہو سننے والے نے پوچھا اے ابو ہریرہ پھر وہ کیا کرے؟ فرمایا پانی لے کر باہر نہائے۔

جنابت کی حالت میں نہانے سے ممانعت اسی وجہ سے ہے کہ جنابت میں عموماً کپڑے اور جسم پر منی لگی رہتی ہے۔ جب رکے ہوئے پانی میں نہائے گا تو سب پانی ناپاک ہو جائے گا۔

پانچویں حدیث انھیں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے۔ یہ جلد اول میں گزر چکی ہے کہ۔

اذا استیقظ احدکم من نومہ فلیغسل یدہ قبل ان یدخلھا فی وضوئہ فان احدکم لا یدری این باتت یدہ۔ — جب سو کر اٹھو تو وضو کے پانی میں ہاتھ ڈالنے سے پہلے ہاتھوں کو دھولو۔ تم نہیں جانتے، رات ہاتھ کہاں رہا۔

یہ تمام احادیث بصراحت اس پر دلالت کرتی ہیں کہ پانی میں اگر ناپاک چیز پڑ جائے تو پانی ناپاک ہو جائے گا اس میں نجاست کے اثر ظاہر ہونے نہ ہونے کی کوئی تخصیص نہیں۔ اب یہ احادیث پہلی حدیث کے معارض ہوئیں، ان میں تطبیق یہی ہے کہ پہلی قسم کی تمام احادیث ماء کثیر کے بارے میں ہے اور قسم ثانی کی احادیث ماء قلیل کے بارے میں۔

آجکل غیر مقلدین اپنے مدعی پر بیر بضاعہ والی حدیث پیش کرتے ہیں جو ترمذی اور ابو داؤد وغیرہ میں حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا کہ کیا ہم بیر بضاعہ سے وضو کر سکتے ہیں؟ یہ ایسا کنواں تھا جس میں حیض کے گندے کپڑے، مردار کتے اور گندگیاں پھینکی جاتی تھیں، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، یہ پانی پاک ہے اسے کوئی چیز ناپاک نہیں کرے گی۔

پھر امام ابو داؤد فرماتے ہیں کہ بیر بضاعہ پر چادر پھینک کر ناپا تو اس کی چوڑائی چھ ہاتھ کی، اور میں نے محافظ سے پوچھا کہ اسکی عمارت

[1] مسلم جلد اول ص ۱۳۱،

ت (۴۹) وَكَانَ ابْنُ عُمَرَ اِذَا رَاَى فِي ثَوْبِهٖ دَمًا وَهُوَ يُصَلِّي وَضَعَهٗ

حضرت ابن عمر اگر نماز کی حالت میں کپڑے پر خون دیکھ لیتے تو کپڑا رکھ دیتے

میں کچھ رد و بدل ہوا ہے؟ تو اس نے بتایا کہ نہیں۔ ان سب تفصیل سے ظاہر ہے کہ بیر بضاعہ صرف چھ ہاتھ چوڑا تھا تو اس کا پانی مار کثیر نہیں ہو سکتا۔ اس کا جواب امام طحاوی نے پورے شرح و بسط کے ساتھ دیا ہے۔ پہلا جواب یہ دیا۔

کانت طریقا للماء الی البساتین فکان الماء لایستقر فیھا۔ قد حکی ھذا عن الواقدی

بیر بضاعہ باغوں میں پانی لیجانے کی نہر تھی اس میں پانی ٹھہرتا نہیں تھا۔ یہ امام واقدی سے مروی ہے

یہاں قابل غور بات یہ ہے چھ ہاتھ چوڑے کنوئیں میں وہ سب گندگیاں جو مذکور ہوئیں تو بہت ہیں اگر صرف مردار کتا ایک عدد پھینک دیا جائے تو کیا اس مردار کی بدبو پانی میں نہیں آئے گی؟ پھر بھی احادیث میں ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بیر بضاعہ کا پانی پیا اس سے وضو فرمایا اور صحابہ کو وضو کرنے کی اجازت دی۔ لامحالہ ماننا پڑے گا کہ بیر بضاعہ کی حیثیت وہی تھی جو اب مدینہ طیبہ کی نہر زرقاء اور مکہ معظمہ کی نہر زبیدہ کی ہے کہ اندر اندر لمبی نہر ہے اور پانی لینے کے لئے جگہ جگہ کنوئیں بنا دیئے گئے ہیں ورنہ ان سب غلاظتوں کے ڈالے جانے کے بعد کنوئیں کے پاس کھڑا رہنا مشکل ہوتا۔ بات وہی تھی کہ چونکہ بیر بضاعہ زیر زمین ایک نہر تھی جس پر کنواں بنا دیا گیا تھا اس میں کچھ بھی ڈالا جاتا بہ جاتا۔ اس لئے اس کا پانی پاک تھا۔

امام واقدی پر جو جرحیں حضرات شوافع یا دوسرے اصحاب نے کی ہیں وہ ثابت نہیں۔ احناف کے نزدیک امام واقدی ثقہ ہیں۔ امام ابن ہمام فتح القدیر میں فرماتے ہیں:

قال فی الامام جمع شیخنا ابو الفتح الحافظ فی اول کتابہ المغازی والسیر من ضعفہ و من وثقہ ورجح توثیقہ وذکر الاجوبۃ عما قیل فیہ [1]

ہمارے شیخ ابو الفتح حافظ نے اپنی کتاب "المغازی والسیر" کے شروع میں سب کو جمع کر دیا ہے جنھوں نے انھیں ضعیف کہا اور جنھوں نے انکو ثقہ کہا ثقہ ہونے کو راجح بتایا اور امام واقدی کے بارے میں جو کچھ کہا گیا سب کے جوابات دیئے۔

تشریحات (۴۹-۵۰)

باب سے مطابقت

امام بخاری نے ان تعلیقوں پر یہ باب باندھا ہے۔

اذا القی علی ظھر المصلی قذر او جیفۃ لم تفسد علیہ صلوتہ۔ نمازی کی پیٹھ پر گندگی یا مردار ڈالا جائے تو اس کی نماز فاسد نہیں ہوگی۔

یہاں ایک اشکال یہ ہے کہ ابواب طہارت میں سلسلہ وضو کا چل رہا تھا یہ بیچ میں کتاب الصلوۃ کا مسئلہ کیوں ذکر کر دیا۔ اس باب کا ابواب وضو سے کوئی تعلق نہیں۔ مناسبت پیدا کرنے کی لوگوں نے بہت کوشش کی ہے مگر سب بے سود۔

بات اصل یہ ہے کہ امام بخاری ترتیب کے ساتھ مسائل بیان کرنے کے بہت زیادہ پابند نہیں جو ان کی اس کتاب میں نظر کریگا اس پر یہ بات واضح ہو جائے گی۔ کتاب الوضو کے ابواب پر نظر ڈالئے کتنے ابواب وضو کے علاوہ دوسروں کے آگئے ہیں

[1] فصل آثار۔ نول کشور ص ۴۵

وَمَضٰی فِی صَلٰوتِہٖ

اور نماز پوری کر لیتے

ت (۵۰) وَقَالَ ابْنُ الْمُسَیَّبِ وَالشَّعْبِیُّ اِذَا صَلّٰی وَفِی ثَوْبِہٖ دَمٌ

ابن مسیب اور شعبی نے کہا جب نماز پڑھ لی اور اس کے کپڑے پر

اَوْجَنَابَۃٌ اَوْلِغَیْرِ الْقِبْلَۃِ اَوْتَیَمَّمَ فَصَلّٰی ثُمَّ اَدْرَکَ الْمَاءَ فِی وَقْتِہٖ

خون یا منی لگی تھی یا غیر قبلہ کو منہ تھا یا تیمم کر کے نماز پڑھی اور وقت کے اندر اندر پانی مل گیا

لَا یُعِیْدُ

تو نماز لوٹائے نہیں

مثلاً استنجا وغیرہ کے مسائل اسی طرح یہ بھی ایک باب ہے۔

ذکر یہ چل رہا تھا کہ پانی میں نجاست پڑنے سے کبھی پانی پر ناپاک ہونے کا حکم لگایا جاتا ہے کبھی نہیں۔ یہ باب بھی کچھ اسی قسم کا ہے کہ بدن اور کپڑے پر نجاست لگی مگر بدن اور کپڑے کو ناپاک ہونے کا حکم نہیں دیا گیا۔

اس پر سب کا اتفاق ہے کہ نماز شروع کرتے وقت اگر کپڑے یا بدن پر نجاست لگی ہو اور اس کا علم ہو تو نماز صحیح نہ ہوگی لیکن اگر درمیان نماز نجاست لگی یا مصلی کے علم میں آئی تو پھر دو صورت ہے، اگر نجاست اثنار نماز میں لگی تو نجاست لگنے سے پہلے جو پڑھی وہ ہوگئی۔ جب نجاست لگی فوراً فرض ہے کہ مصلی اسے دور کرے اور سابقہ نماز پر بنا کرے اگر مانع بنا کا ارتکاب نہ ہوا ہو تو۔ اور اگر نماز شروع کرنے سے پہلے نجاست لگی ہے اور اثنار نماز میں معلوم ہوا کہ کپڑے میں نجاست لگی ہے تو فرض ہے نماز کو نئے سرے سے پڑھے۔ اور اثر ابن عمر اسی پر محمول ہے کہ وہ نجاست اثنار نماز میں لگی تھی، اس لئے کہ ایسے جلیل القدر صحابی سے مستبعد ہے کہ اتنے بے پرواہ ہوں کہ کپڑے میں نجاست لگ جائے اور انھیں خبر نہ ہو، حتی کہ نماز شروع کر دیں۔

باب کی غایت

اس باب سے امام بخاری یہ بتانا چاہتے ہیں کہ اگر اثنار نماز میں نمازی کے بدن پر یا کپڑے پر نجاست پڑ جائے تو نماز نہ توڑے بدستور پڑھتا رہے نماز صحیح ہوگی۔ اعادہ کی ضرورت نہیں۔

اس پر امام بخاری نے پہلی دلیل اثر ابن عمر پیش کی ہے۔ کہ وہ نماز کی حالت میں کپڑے پر نجاست دیکھتے تو اسے اتار کر رکھ دیتے اور نماز پوری کر لیتے۔

اس اثر سے باب ثابت نہیں ہوتا۔ اس لئے کہ امام بخاری نجاست سے آلودہ ہونے کے باوجود نماز جاری رکھنے کو کہتے ہیں، اور حضرت ابن عمر کا یہ عمل تھا کہ وہ نجاست لگتے ہی کپڑے کو اتار دیتے یا فوراً دھو کر نماز پڑھتے۔ جیسا کہ مصنف ابن ابی شیبہ میں مفصل ہے۔

انہ کان اذا کان فی الصلوۃ فرای فی ثوبہ دما — حضرت ابن عمر اگر نماز کی حالت میں کپڑے پر خون دیکھتے اور

(۱۷۵) حدیث طرح الاشقیاء الجیفۃ علی ظھر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

اِنَّ عَبْدَ اللّٰہِ حَدَّثَہٗ قَالَ اِنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ

حضرت عبداللہ بن مسعود کا بیان ہے کہ (ایک دن) رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

فاستطاع ان یضعہ وضعہ وان لم یستطیع خرج فغسلہ ثم جاء یبنی علی ما کان صلی [۱]

اسے اتار سکتے تو فوراً اتار دیتے اور اگر اسے اتارنے پر قادر نہ ہوتے تو دھوتے پھر آکر پہلے پڑھی ہوئی نماز پر بنا کرتے۔

باب کا مقصد تو یہ تھا کہ جیسے ابتدا ر نماز میں کپڑے اور بدن کا نجاست سے پاک رہنا ضروری ہے اسی طرح اثنا ر نماز میں ضروری نہیں۔ اثنار نماز میں اگر نمازی کے بدن یا کپڑے کو نجاست لگ جائے تو کوئی حرج نہیں۔ بدن اور کپڑے کو ابھی پاک کرنے کی ضرورت نہیں۔

اور اثر ابن عمر سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اگر اثنار نماز میں کپڑے کو نجاست لگ جائے تو فوراً پاک کرے یا کپڑا اتار دے ناپاک کپڑے کے ساتھ نماز نہ پڑھے۔ امام بخاری نے باب پر دوسری دلیل حضرت سعید بن میب اور حضرت شعبی کا یہ فتویٰ نقل فرمایا:۔

جب کوئی ایسی حالت میں نماز پڑھے کہ اس کے کپڑے پر خون یا منی ہو یا اس کا رُخ قبلے کے علاوہ اور کسی طرف ہو یا تیمم سے نماز پڑھی پھر وقت کے اندر اندر پانی مل گیا تو نماز نہ لوٹائے۔

امام بخاری یہ بتانا چاہتے ہیں کہ ابتدار نماز میں اگر کوئی نجاست لگی یا غیر قبلہ کی طرف منہ ہو تو نماز نہیں ہوگی۔ اگر مصلی کے علم میں یہ بات ہے جب اس پر اتفاق ہے۔ اس لئے ان دونوں حضرات کے فرمانے کا مطلب یہ تو ہو نہیں سکتا کہ ابتدائی میں یہ صورت تھی اور مصلی جانتا تھا، لامحالہ ان حضرات کے فتویٰ کا مطلب یہی ہوگا کہ اثنار نماز میں کوئی نجاست لگی اور نمازی کے علم میں آئی یا ابتدار میں لگی تھی نمازی اس پر مطلع نہ تھا، اثنار نماز میں مطلع ہوا۔ تو نماز ہوگئی۔ لیکن یہاں دو معرضے ہیں، ایک یہ کہ ہوسکتا ہے کہ یہ لوگ خون اور منی کو پاک مانتے ہوں دوسرا یہ کہ ہوسکتا ہے خون اور منی قدر درہم سے کم اتنی ہو جو معاف ہے۔ تو ابتدار ہی سے اگر کپڑے میں خون اور منی لگی ہو تو کیا حرج ہے۔ رہ گیا غیر قبلہ کی طرف رخ کرکے نماز کا مسئلہ تو اس سے کسے انکار ہے۔ تحری کے بعد جس رُخ نماز پڑھے گا ہو جائے گی، اگرچہ وہ واقع میں جہت قبلہ نہ ہو اسلئے کہ تحری کے بعد جہت تحری ہی جہت قبلہ ہے۔ اس مسئلے کا باب سے کیا علاقہ، اسی طرح تیمم کرکے نماز پڑھ لی پھر پانی ملا تو نماز کے اعادہ کی حاجت نہیں۔ اسے بھی باب سے کوئی تعلق نہیں مگر چونکہ یہ سب ایک ارشاد تھے اسلئے ان سب کو ذکر فرمادیا۔

تشریحات (۱۷۵)
حضرت سیدہ فاطمہ رض

حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سب سے زیادہ چہیتی اور پیاری صاحبزادی ہیں۔ جنھیں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بضعۃ منی فرمایا ہے اور ارشاد فرمایا:

فاطمۃ سیدۃ نساء اھل الجنۃ [۲] فاطمہ جنت کی عورتوں کی سردار ہیں۔

[۱] عینی جلد ثالث ص ۱۷۰، [۲] بخاری جلد اول المناقب باب ذکر فاطمۃ ص ۵۳۱ مسند امام احمد

كَانَ يُصَلِّي عِنْدَ الْبَيْتِ وَأَبُوْجَهْلٍ وَّأَصْحَابٌ لَهُ جُلُوْسٌ إِذْ قَالَ
بیت اللہ کے پاس نماز پڑھ رہے تھے ابو جہل اور اس کے کچھ ساتھی بھی بیٹھے

بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ أَيُّكُمْ يَجِيْئُ بِسَلَا جَزُوْرِ بَنِيْ فُلَانٍ فَيَضَعُهُ
ہوئے تھے کہ انھوں نے آپس میں یہ کہا کہ تم میں کون ہے کہ جو فلاں قبیلے میں اونٹنی ذبح ہوئی ہے

علمائے اہلسنت میں ایک گروہ اس کا قائل ہے کہ یہ مطلقا دنیا کی تمام عورتوں سے افضل ہیں، انکی دلیل یہی حدیث ہے۔ اس پر بقدر ضرورت پہلے حصے میں بحث گذر چکی ہے۔

حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی صاحبزادیوں میں یہ سب سے چھوٹی تھیں۔ بعثت کے پانچ سال پہلے پیدا ہوئیں۔ ایک قول یہ ہے کہ سن بعثت میں بعثت کے بعد پیدا ہوئیں مگر یہ صحیح نہیں۔ صحیح وہی قول اول ہے۔

۲ھ میں غزوہ بدر کے بعد حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے انکا عقد حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ کیا۔ ماہ رمضان میں عقد ہوا اور ماہ ذوالحجہ میں رخصتی ہوئی چار سو مثقال چاندی مہر مقرر ہوا[1]۔ ان ایام کی عادت کے مطابق مہر معجل یعنی پیشگی مہر کی ادائیگی میں حضرت علی نے وہ زرہ پیش کی جو غزوہ بدر میں ان کو ملی تھی[2]۔ چار سو مثقال چاندی انگریزوں کے زمانے میں جو چاندی کا روپیہ چلتا تھا اس سے ایک سو ساڑھے روپے بھر ہوتی ہے[3]۔

حضرت سیدہ کے بطن سے تین صاحبزادے امام حسن، امام حسین، محسن ہوئے۔ محسن صغر سن میں وصال کر گئے تھے۔ صاحبزادیاں حضرت زینب، ام کلثوم، رقیہ ہیں[4]۔

حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے وصال کے چھ ماہ بعد ۳ رمضان شریف سہ شنبہ کی رات میں وصال فرمایا اور جنت البقیع میں رات ہی میں حسب وصیت دفن ہوئیں۔ حضرت علی ہی نے غسل بھی دیا اور نماز جنازہ بھی پڑھائی۔ صحیح یہی ہے[5] کہ مزار پاک قبہ عباس میں ہے جہاں دیگر اہل بیت کرام کے مزارات ہیں۔

ان سے اٹھارہ حدیثیں مروی ہیں، صحیحین میں ایک ہے۔ ان سے ام المومنین حضرت صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے بھی ایک حدیث روایت کی ہے[6] وصال کے وقت عمر مبارک کیا تھی اس میں مختلف اقوال ہیں۔ صاحب اکمال نے اٹھائیس لکھا ہے، علامہ عینی نے لکھا ہے کہ واقعہ احد کے بعد شادی ہوئی اور شادی کے وقت عمر مبارک پندرہ سال پانچ ماہ کی تھی۔ غزوہ احد ۳ھ کے شوال میں ہوا، اس حساب سے وصال کے وقت عمر مبارک زیادہ سے زیادہ تیئس سال کی تھی۔

ولادت مبارکہ کے سلسلے میں سب سے مشہور روایت وہ ہے جو ابن جوزی نے لکھا ہے یعنی بعثت سے پانچ سال پہلے، اسطرح نکاح کے وقت عمر مبارک اٹھارہ سال تھی۔ یہی اصابہ وغیرہ میں ہے۔ اس تقدیر پر اکمال کی یہ بات درست ہے کہ وصال کیوقت عمر مبارک اٹھائیس سال تھی۔

---

[1] فتاوی رضویہ جلد پنجم ص ۸ - ۳۱۳ [2] مدارج النبوۃ نولکشور جلد دوم ص ۱۰۵ [3] فتاوی رضویہ ص ۸ - ۳۱۳ [4] اکمال [5] مدارج جلد دوم ص ۵۹۱ - [6] عینی جلد ثالث ص ۱۷۴

عَلٰی ظَهْرِ مُحَمَّدٍ إِذَا سَجَدَ، فَانْبَعَثَ أَشْقَى الْقَوْمِ فَجَاءَ بِهِ فَنَظَرَ حَتّٰى إِذَا سَجَدَ

اس کی بچہ دانی اٹھا لائے اور محمد جب سجدہ کریں تو ان کی پیٹھ پہ رکھدے۔ یہ سنکر ان میں جو سب سے زیادہ بدبخت

النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَضَعَهُ عَلٰى ظَهْرِهِ بَيْنَ كَتِفَيْهِ وَأَنَا

تھا اٹھا اور اسے لایا۔ جب حضور نے سجدہ کیا تو اسے حضور کی پیٹھ پر دونوں شانوں کے لاکر انتظار کرتا رہا

تکمیل کتاب الجہاد میں یہ زائد ہے کہ حضور کعبے کے سائے میں نماز پڑھ رہے تھے۔ صلوٰۃ میں یہ زائد ہے کہ ان میں سے جس نے یہ گندگی لانے کی بات کہی تھی اس نے یہ کہا تھا کہ "اس ریاکار کو دیکھو"، مسلم میں ہے کہ یہ کہنے والا ابو جہل ہے۔ اس نے یہ بھی کہا تھا کہ کل فلاں قبیلے میں اونٹ ذبح ہوا ہے، صلوٰۃ میں ہے کوئی جائے اور اس کی لید اور خون اور بچہ دانی لائے۔

اشقی قوم سے مراد عقبہ بن ابی معیط ہے۔ یہاں یحیل بعضهم علی بعض ہے جس کا لفظی ترجمہ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ لوگ ایک دوسرے پر حوالہ کرنے لگے۔ مگر یہ معنی غیر مناسب ہے۔ موزوں معنی یہ ہے کہ اس بدتمیزی سے ہنس رہے تھے، کہ ایک دوسرے پر گرے پڑتے تھے۔ جیسا کہ کتاب الصلوٰۃ میں ہے حتی مال بعضهم علی بعض۔ اسی میں ہے کہ کسی نے جاکر حضرت سیدہ کو خبر دی یہ بہت چھوٹی بچی تھیں دوڑتی ہوئی آئیں۔ اور ان اشرار کو گالی دینے لگیں، عام روایتوں میں ہے اللّٰھم علیك بابی جھل یا بابی جھل بن ھشام مگر صلوٰۃ میں اس کے نام کے ساتھ عمرو بن ہشام ہے خادم کے نزدیک یہی روایت راجح ہے اس لئے کہ اس وقت ابوجہل کے نام کی شہرت اتنی نہ تھی بلکہ ہو سکتا ہے کہ اس وقت تک اس کی یہ کنیت نہ رکھی گئی ہو۔

یہ ساتواں جس کا نام راوی یاد نہ رکھ سکے عمارہ بن ولید بن مغیرہ ہے۔ یہ بدر میں نہیں مارا گیا بلکہ یہ حبشہ گیا وہاں ایک عورت سے چھیڑ خانی کی اس کی سزا میں نجاشی نے ایک ساحر کو حکم دیا کہ اس کے احلیل میں منتر پھونکدے۔ اس نے ایسا ہی کیا جس کے اثر سے وحشی ہو گیا اور چوپایوں کے ساتھ رہنے لگا تھا۔ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت میں مرا۔ اسی طرح عقبہ بن ابی معیط بھی میدان جنگ میں نہیں مارا گیا اور نہ قلیب بدر میں ڈالا گیا۔ یہ بدر میں گرفتار ہوا اور مدینہ طیبہ واپس ہوتے ہوئے راستے کے قریب خود حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس دنیا کے سب سے بڑے بدبخت انسان کا۔ قتل کیا۔ عرق الظبیہ میں قتل کیا گیا مدینہ طیبہ سے تین میل پہلے بقیہ پانچ میدان بدر میں مارے گئے ان میں سے چار کی لاشیں قلیب بدر میں ڈالی گئیں۔ امیہ بن خلف مارا تو یہیں گیا مگر جب اسکو گھسیٹنے لگے کہ قلیب بدر میں ڈالیں تو اس کے اعضا جوڑ سے اکھڑ گئے اس لئے اس کو وہیں مٹی میں دبا دیا گیا۔ حضرت ابن مسعود کا ارشاد میں نے ان کو بدر کے کنوئیں میں پڑا ہوا پایا باعتبار اغلب واکثر کے ہے۔

فلم یحفظہ کے قائل ابو اسحق ہیں جیسا کہ بخاری کتاب الجہاد میں اور مسلم میں بطریق سفیان ثوری تصریح ہے۔

باب سے مطابقت امام بخاری کا استدلال یہ ہے۔ نماز کی حالت میں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے جسم مبارک پر نجاست ڈالی گئی اس سے جسم نہیں تو کپڑے ضرور آلودہ ہوئے ہوں گے یا نہیں تو کم از کم جسم پر نماز کی حالت میں نجاست رکھی رہی مگر حضور نماز پڑھتے رہے۔ نماز کی حالت میں تو یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہ معلوم نہ ہو سکا کہ پیٹھ پر کیا رکھا ہے مگر فراغت کے بعد تو معلوم ہوا پھر اعادہ

46

أَنْظُرُ لَا أُغْنِي شَيْئًا لَوْ كَانَتْ لِي مَنْعَةٌ قَالَ فَجَعَلُوا يَضْحَكُونَ وَيُحِيلُ

درمیان رکھدیا عبداللہ بن مسعود کہتے ہیں میں دیکھ رہا تھا مگر کچھ کر نہیں سکتا تھا کاش کہ مجھے قوت ہوتی

بَعْضُهُمْ عَلَى بَعْضٍ وَرَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

اس پر وہ خبیث ہنسنے لگے اس طرح کہ ہنسی کے مارے ایک دوسرے پر گرے پڑتے تھے اور رسول اللہ

کیوں نہیں فرمایا۔ اس سے معلوم ہوا کہ نماز کی حالت میں اگر بدن یا کپڑے پر نجاست لگ جائے تو نماز میں کوئی خلل نہیں پڑتا۔

احناف و شوافع کی طرف سے اس کے متعدد جوابات دیئے گئے ہیں جن میں سے لائق ذکر تین ہیں۔

(۱) علامہ ابن حجر نے فتح الباری[1] تفسیر سورہ مدثر میں ابن المنذر سے نقل کیا ہے کہ یہ واقعہ آیت کریمہ وثیابک فطھر اور اپنے کپڑے کو پاک کرو کے نزول سے پہلے کا ہے۔ اس واقعہ کے وقت نماز کے لئے کپڑوں کو پاک رکھنے کی ضرورت نہیں تھی۔ اب امام بخاری کے استدلال کی ساری عمارت ڈھہ گئی۔ اس کے بعد کسی جواب کی حاجت نہیں مگر ہم ناظرین کی دلچسپی کے لئے دو مزید نقل کئے دیتے ہیں۔

(۲) ہو سکتا ہے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے نماز کا اعادہ فرمایا ہو اگرچہ فوراً نہیں فرمایا، عدم نقل، نقل عدم نہیں۔ اس لئے یہ لازم نہیں آتا کہ حضور نے اعادہ نہ فرمایا ہو۔

(۳) ایک جواب یہ بھی دیا گیا ہے کہ اس وقت تک مشرکین کے ذبیحے کے احکام نہیں نازل ہوئے تھے اس لئے اس سلا (بچہ دانی) پر نجاست کا حکم درست نہیں مگر اس جواب میں یہ سقم ہے کہ ابھی گذرا کہ کتاب الصلوٰۃ کی روایت میں یہ ہے۔

فلیعمد الی فرثھا ودمھا وسلاھا اس کی لید اور اس کے خون اور اس کی بچہ دانی اٹھا لائے۔

خون اور لید تو بہر حال ناپاک ہیں اس لئے یہ جواب لائق توجہ نہیں۔

سلا کا ترجمہ کچھ لوگوں نے اوجھڑی کیا ہے، یہ غلط ہے، علامہ عینی نے لکھا ہے کہ سلا اس کھال یا جھلی کو کہتے ہیں جس میں بچہ رہتا ہے اصمعی نے کہا یہ جانوروں کی بچہ دانی کے ساتھ خاص ہے۔ ہاں ہو سکتا ہے کتاب الصلوٰۃ والی روایت کی بنا پر کسی نے لازم معنی کا لحاظ کر کے اوجھڑی کر دیا ہو جس میں لید اور بچہ دانی بھی ہوتی ہے۔

ایضاح البخاری میں ـــ علی ظھرہ کا ترجمہ ان کی کر بین کیا ہے یہ غلط ہے، ظھر کے معنی پیٹھ کے ہیں۔ ان بزرگ کو آگے کتفیہ بھی نظر نہ آیا، کیا دونوں شانوں کے بیچ میں کمر ہوتی ہے؟

مسائل (۱) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مکہ معظمہ کی عظمت مشرکین کے دلوں میں بھی اتنی تھی کہ ان کا اعتقاد تھا کہ یہاں دعا ضرور قبول ہوتی ہے (۲) تین بار دعا کی تکرار دعا کے مقبول ہونے میں موثر ہے اور یہ مستحب بھی ہے (۳) ظالم کے لئے بد عا کرنا جائز ہے بعض علماء نے لکھا کہ اگر مسلمان ہے تو اس کی ہدایت و توفیق توبہ کی دعا کرنی چاہئے اور اس کے لئے استغفار کرنا چاہئے (۴) کسی برائی

[1] جلد ثامن ص ۴۸۰

سَاجِدٌ لَا يَرْفَعُ رَاسَهُ حَتّٰى جَاءَتْهُ فَاطِمَةُ فَطَرَحَتْ عَنْ

صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سجدے ہی کی حالت میں رہے اپنا سر نہیں اٹھایا یہاں تک کہ حضرت سیدہ فاطمہ آئیں

ظَهْرِهٖ فَرَفَعَ رَاسَهُ ثُمَّ قَالَ اللّٰهُمَّ عَلَيْكَ بِقُرَيْشٍ ثَلَاثَ

اور اس گندگی کو حضور کی پشت مبارک سے ہٹایا تو حضور نے اپنا سر اٹھایا پھر بددعا کی۔ اے اللہ قریش کو اپنی گرفت

مَرَّاتٍ فَشَقَّ ذٰلِكَ عَلَيْهِمْ اِذْ دَعَا عَلَيْهِمْ قَالَ وَكَانُوْا يَرَوْنَ

میں لے۔ تین بار۔ جب حضور نے ان پر بددعا کی تو یہ ان پر شاق ہوا، ان کا اعتقاد یہ تھا کہ اس شہر میں دعا ضرور

اِنَّ الدَّعْوَةَ فِيْ ذٰلِكَ الْبَلَدِ مُسْتَجَابَةٌ ثُمَّ سَمّٰى اللّٰهُمَّ عَلَيْكَ بِاَبِيْ

قبول ہوتی ہے۔ پھر نام لے لے کر ہلاکت کی دعا فرمائی اے اللہ ابوجہل کو اور عتبہ بن

جَهْلٍ وَعَلَيْكَ بِعُتْبَةَ بْنِ رَبِيْعَةَ وَشَيْبَةَ بْنِ رَبِيْعَةَ وَالْوَلِيْدِ بْنِ

ربیعہ کو اور شیبہ بن ربیعہ کو اور ولید بن

عُتْبَةَ وَاُمَيَّةَ بْنِ خَلَفٍ وَعُقْبَةَ بْنِ اَبِيْ مُعَيْطٍ وَعَدَّ السَّابِعَ فَلَمْ

عتبہ کو اور امیہ بن خلف کو اور عقبہ بن ابی معیط کو ہلاک کر اور ساتویں کو بھی گنا مگر

کا ارتکاب کرنے والا برائی کی ترغیب دینے والے سے زیادہ بدتر ہے، ان سب میں کفر، سرکشی اور تمرد میں ابوجہل سب سے زیادہ بڑھا ہوا تھا اور اسی نے اس پر اکسایا تھا مگر پھر بھی اشقی عقبہ بن ابی معیط کو کہا گیا۔ (۵) اس حدیث میں ہے ورسول اللہ ساجد لا یرفع راسہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سجدے میں رہے سر اقدس نہیں اٹھایا اس پر عام طور سے یہ کہا جاتا ہے کہ بوجھ اتنا زیادہ تھا کہ حضور سر اقدس اٹھا نہیں سکتے تھے۔ ہو سکتا ہے کہ واقعہ یہی ہو مگر میرا ذوق یہ کہتا ہے کہ یہ بوجھ جب اتنا تھا کہ حضرت سیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے صغیر السن بچی ہوتے ہوئے اسے گرا دیا جبکہ حضرت سیدہ کی عمر مبارک اس وقت مشکل سے آٹھ سال رہی ہوگی، تو یہ بوجھ اتنا نہ تھا کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اگر سر اٹھانا چاہتے تو نہ اٹھا سکتے تھے۔ سر اقدس سجدے سے نہ اٹھانا اس لئے نہ تھا کہ بوجھ زیادہ تھا بلکہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یہ چاہا کہ اسی خاص حالت عبودیت میں جو ظلم ہوا ہے اسے دیر تک اس بے نیاز کے حضور پیش کئے رہوں تاکہ اس کی رحمت کی توجہ بیش از بیش ہو۔ جیسا کہ سید الشہدا حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نعش مبارک کے بارے میں فرمایا۔ صفیہ کے دکھ کا خیال نہ ہوتا تو حمزہ کی لاش بغیر دفن چھوڑ دیتا کہ درندے کھاتے اور قیامت کے دن ان کا حشر درندوں کے پیٹوں سے ہوتا، یا جیسا کہ بیر معونہ کے واقعے میں حرام بن ملحان بہتے ہوئے خون کو اپنے چہرے پر ملتے جاتے اور کہتے جاتے فُزْتُ وَرَبِّ الْكَعْبَةِ کامیاب ہو گیا رب کعبہ کی قسم۔ بات وہی ہے ع

"تو نیز بر سر بام آکہ خوش تماشائیست"

يَحْفَظُهُ قَالَ فَوَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَقَدْ رَأَيْتُ الَّذِينَ عَدَّ رَسُولُ اللّٰهِ

مجھے یاد نہ رہا عبداللہ بن مسعود نے کہا قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے

صَلَّى اللّٰهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَرْعَى فِي الْقَلِيبِ قَلِيبِ بَدْرٍ عہ

جنھیں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے گنا تھا سب کو بدر کے کنوئیں میں پڑا ہوا پایا

(۵۱) ت - كَرِهَهُ الْحَسَنُ وَأَبُو الْعَالِيَةِ للعہ

نبیذ سے وضو کرنے کو حضرت حسن بصری اور ابو العالیہ نے مکروہ جانا

حدیث میں فرمایا گیا — بندہ سب سے زیادہ اپنے رب کے قریب اسوقت ہوتا ہے جب وہ سجدے میں ہوتا ہے گویا کہ زبان حال سے یہ استدعا کررہے ہیں۔ حضور قدس میں قرب خاص کے وقت دشمنوں کی یہ حرکت صرف میری ہی نہیں تیری بارگاہ قدس کی بھی اہانت ہے۔ اختیار تجھے ہے۔ اپنے بارگاہ قدس کی تحقیر کرنے والوں کو ڈھیل دے یا سزا دے۔ کیا اس جبار وقہار غیور کے جلال کو جوش میں لانے کا اس سے بھی عمدہ کوئی طریقہ ہوسکتا ہے۔

تشریحات (۵۱) **امام حسن بصری** تابعین کرام کے صف اول میں سے ہیں۔ نام گرامی حسن ہے اور کنیت ابو سعید، حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اخیر دور خلافت میں پیدا ہوئے جبکہ دو سال رہ گئے تھے۔ پیدائش کے بعد انھیں حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں لایا گیا۔ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے انکی تحنیک کی یعنی کھجور چبا کر اپنا تبرک ان کے تالو میں لگایا۔ ان کے لئے دعا بھی کی اللهم فقهه في الدين ووجهه في الناس (اے اللہ انھیں فقیہہ بنا اور لوگوں میں انھیں وجاہت عطا فرما)۔ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے علاوہ اور بھی صحابہ کرام کی خدمت میں ان کی والدہ لے جاتیں اور سب دعا سے نوازتے۔ انھوں نے ایک سو تیس صحابہ کی زیارت کی۔ خود فرماتے ہیں، میں نے خراسان کا جہاد کیا تو ہمارے ساتھ ایکسو تیس صحابہ کرام تھے۔

ان کے والد کا نام یسار اور کنیت ابو الحسن تھی یہ حضرت زید بن ثابت کے غلام تھے۔ حضرت حسن کی والدہ ماجدہ حضرت ام سلمہ کی باندی تھیں۔ ان کی والدہ انھیں چھوڑ کر کہیں کسی کام کے لیے چلی جاتیں اور یہ رونے لگتے تو حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اپنی چھاتی ان کے منہ میں دیدیتیں۔ حضرت ام المومنین کی کرامت کہ دودھ اتر آتا اور یہ خوب پیتے۔ ان کو جو علوم

عہ ایضا جلد اول الصلوۃ۔ باب المرأة تطرح عن المصلي شيئا من الاذى ص ۷۴ ایضا جلد اول جهاد باب طرح جيف المشركين في البير ص ۴۵۲، ایضا جلد اول جهاد باب الدعاء على المشركين بالهزيمة والزلزلة ص ۴۱۱ ایضا جلد اول مناقب باب ذكر ما لقي النبي صلى الله عليه وسلم واصحابه من المشركين ص ۵۴۳ ایضا جلد ثانی مغازی باب دعاء النبي صلى الله تعالى عليه وسلم على كفار قريش ص ۵۶۴۔ مسلم جلد ثانی جهاد ما لقي النبي صلى الله تعالى عليه وسلم من اذى المشركين ص ۱۰۸ نسائی جلد اول۔ طہارت باب فرث ما يوكل لحمه يصيب الثوب ص ۵۸ مسند امام احمد۔

عہ مصنف عبد الرزاق، وابو عبید، للعہ دارقطنی، ابن ابی شیبہ و ابو عبید

اور معارف ملے یہ سب اسی متبرک دودھ کا اثر ہے۔

حضرت حسن کی جلالت شان کا عالم یہ ہے۔ ایک بار کسی نے حضرت انس سے کچھ پوچھا تو فرمایا مولانا حسن سے پوچھو انھوں نے بھی سُنا اور ہم نے بھی سُنا۔ انھوں نے یاد رکھا، ہم بھول گئے، ایک بار فرمایا، مجھے بصرے والوں میں ان دو شخصوں پر رشک آتا ہے، حسن اور ابن سیرین پر، قتادہ نے کہا، میں جس فقیہ سے ملا حسن اس سے افضل ہے۔

باہیبت، خوبصورت، وجیہہ بزرگ تھے، علم و عمل کے جامع، زبردست عابد و زاہد، مقبول خاص و عام، سلاسل اولیائے کرام کے امام، حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کے بعد بصرہ جاکر آباد ہوگئے، مدۃ العمر وہیں رہے۔ وہیں واصل بحق ہوئے۔ مدینہ طیبہ کے ایام قیام میں صحابہ کرام خصوصًا حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے علوم ظاہری و باطنی حاصل فرمائے۔ مدینہ سے جانے کے بعد پھر حضرت علی کی زیارت نہ کرسکے۔ بماہ رجب ۱۱۰ھ میں وصال فرمایا[۱]

ابوالعالیہ ربیع بن مہران ریاحی، اجلہ تابعین میں سے ہیں۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بھی زیارت کی ہے۔ تین بار قرآن حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو سنایا تھا، جاہلیت کا بھی کچھ زمانہ پایا تھا۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے وصال کے دو سال بعد ایمان سے مشرف ہوئے ۹۰ھ میں وصال ہوا۔

امام بخاری نے یہاں باب یہ باندھا ہے۔

لایجوز الوضوء بالنبیذ وبالمسکر نبیذ اور مسکر (نشہ آور) چیز سے وضو جائز نہیں۔

عرب کا پانی عمومًا شور ہوتا تھا، اس کی شوریت ختم کرنے کے لئے پانی میں چھوہارے ڈال دیتے تھے کہ پانی میں کچھ مٹھاس آجائے۔ کبھی کبھی چھوہارے کئی دن رہ جاتے تو پانی میں جوش پیدا ہوجاتا نشہ آجاتا، کبھی چھوہارے زیادہ ڈال دیتے تو پانی گاڑھا بھی ہوجاتا۔ مختلف فیہ نبیذ کی پہلی قسم ہے، چھوہاروں کی وجہ سے جس کا نہ پتلا پن ختم ہو نہ اس میں جوش آئے نہ نشہ پیدا ہو۔ رہ گئی نشہ آور چیز خواہ وہ نبیذ ہو خواہ کچھ اور، اس سے وضو دیگر علما کی طرح ہمارے یہاں بھی درست نہیں۔ امام بخاری کا غالبًا مسلک یہ ہے کہ اس نبیذ سے بھی وضو جائز نہیں جسکی نہ رقت گئی ہو نہ نشہ آیا ہو۔ امام بخاری نے اپنے مدعا پر پہلے حضرت امام حسن بصری اور ابوالعالیہ کا یہ فتویٰ پیش کیا کہ ان دونوں بزرگوں نے نبیذ سے وضو کو مکروہ جانا۔ اس پر تین معروضے ہیں:

(۱) اس کراہت سے کراہت تحریم مراد ہے یا کراہیت تنزیہہ۔ اگر تنزیہہ ہے تو یہ جواز کے معارض نہیں۔ اسے لایجوز کی دلیل بنانا درست نہیں، اور اگر کراہت تحریم مراد ہے تو یہ حضرت امام حسن بصری کے اس ارشاد سے باطل ہے جو ابوعبید نے نقل کیا ہے کہ حضرت حسن بصری نے فرمایا۔ نبیذ سے وضو کرنے میں کوئی حرج نہیں۔

رہ گئے حضرت ابوالعالیہ تو ان سے وضو کے بارے میں کوئی روایت ہمیں نہیں ملی۔ ان سے جو روایت ہے وہ غسل کے بارے میں ہے۔ جیسا کہ دارقطنی اور ابن ابی شیبہ نے ان سے نقل کیا ہے۔ ایسی نبیذ سے غسل جائز ہے کہ نہیں، یہ خود احناف کے یہاں مختلف فیہ ہے۔ راجح یہی ہے کہ غسل درست نہیں اس لئے کہ وضو کا جواز خلاف قیاس حدیث کی وجہ سے ہے، جب یہ

---

[۱] یہ ساری تفصیلات اکمال اور بدایہ نہایہ جلد تاسع سے لی گئی ہیں۔

ت (۵۲) قَالَ عَطَاءٌ اَلتَّيَمُّمُ اَحَبُّ اِلَيَّ مِنَ الْوُضُوْءِ بِالنَّبِيْذِ وَاللَّبَنِ

حضرت عطاء نے کہا کہ نبیذ اور دودھ سے وضو کرنے کے بہ نسبت تیمم مجھے زیادہ پسند ہے۔

وضو کے بارے میں نہیں، تو اسے وضو کے عدم جواز کی دلیل میں پیش کرنا لا حاصل۔

(۲) اور پھر یہاں بھی یہ احتمال باقی کہ کراہت سے مراد کراہت تنزیہہ ہو۔

(۳) حدیث کے مقابلے میں تابعی کا قول لائق ترجیح نہیں۔ امام بخاری خود احادیث کے خلاف اقوال رجال پر فتویٰ دیتے ہیں اور ان کے مقلدین یہ الزام ہم کو دیتے ہیں۔ تابعین کے بارے میں حضرت امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ارشاد مشہور ہے اور مقدمہ میں گذر چکا۔ ھم رجال ونحن رجال۔

تشریحات (۵۲) **عطاء بن ابی رباح** کبار تابعین میں سے ایک ہیں، ان کی جلالت شان مسلم عند الکل ہے، دو سو صحابہ کا زمانہ پایا، اتنے جلیل القدر امام کہ سیدنا امام باقر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا اب مسائل حج کا جاننے والا ان سے زیادہ کوئی نہ رہا۔ نیز فرمایا، ان سے زیادہ فقیہہ کوئی نہیں، ایام حج میں اموی شہنشاہوں کی طرف سے یہ اعلان عام ہو جاتا کہ سوائے عطاء کے کوئی مسائل حج نہ بتائے، ان سب کے علاوہ اتنے بڑے عابد تھے کہ بیس سال تک مسجد میں معتکف رہے۔ ستر حج اور ستر عمرے کئے۔ جلالت شان یہ اور خدا کی شان بے نیازی کہ چونکہ حبشی النسل تھے اس لئے رنگ سیاہ اور بال الجھے ہوئے تھے، ناک چپٹی تھی، ایک آنکھ کی بینائی نہیں تھی، اخیر عمر میں دوسری آنکھ کی بھی بینائی جاتی رہی، ہاتھ شل تھا لنگڑے بھی تھے، مگر علم و فضل کا عالم یہ تھا کہ بڑے بڑے ائمہ زانوے ادب تہ کرنا باعث فخر جانتے تھے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما جہاں مسجد حرام میں درس دیتے تھے، ان کے بعد ان کی جگہ یہ بیٹھے۔

مطابقت احب الی۔ زیادہ پسند ہے۔ کا لفظ بتا رہا ہے۔ حضرت عطاء نبیذ اور دودھ سے وضو کرنے کو پسند کرتے ہیں مگر کم۔ اور ابو داؤد میں ہے کہ امام عطاء نے فرمایا میں نبیذ اور دودھ سے وضو ناپسند کرتا ہوں اس سے زیادہ مجھے تیمم پسند ہے۔ دونوں کا مفاد یہ نکلا کہ حضرت عطاء نبیذ اور دودھ سے وضو کو جائز جانتے ہیں۔ البتہ کم پسند ہے یا زیادہ سے زیادہ ناپسند کرتے تھے۔ امام بخاری نے یہاں باب کا جو عنوان رکھا ہے وہ یہ ہے:

لا یجوز الوضوء بالنبیذ ولا بالمسکر نبیذ اور نشہ آور چیز سے وضو جائز نہیں۔

ظاہر ہے کہ یہ تعلیق امام بخاری کے اس باب کا رد ہے۔

اس سلسلے میں احناف کا مسلک یہ ہے۔ دودھ سے وضو قطعاً جائز نہیں، اس پر اجماع ہے۔ احناف ہی نہیں پوری امت کا یہی مسلک ہے۔ رہ گئی نبیذ تو احناف کے یہاں تفصیل ہے۔

عرب کا پانی عموماً کھاری ہوتا ہے پانی میں چند کھجوریں ڈال دیتے کہ پانی میں کچھ مٹھاس آجائے، یہی نبیذ ہے ـــــ

نبیذ جب تک میٹھی اور اتنی پتلی ہو کہ اعضاء پر پانی کی طرح بہے تو اس سے وضو جائز ہے۔ اور اگر گاڑھی ہو گئی یا جوش آگیا یا اس میں نشہ آگیا تو ایسی نبیذ سے ہرگز ہرگز وضو جائز نہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر پانی نہ ہو تو ایسی نبیذ کے ہوتے ہوئے تیمم جائز نہیں۔ ہماری دلیل حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی یہ حدیث ہے انھوں نے فرمایا:۔

قال له النبی صلی اللہ تعالی علیه وسلم لیلة الجن ما فی اداوتك قال نبیذ قال تمرة طیبة وماء طهور[1] قال فتوضا منه۔

ان سے نبی صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے لیلۃ الجن میں فرمایا، تیرے برتن میں کیا ہے، انھوں نے عرض کیا نبیذ ہے۔ فرمایا کھجور بھی پاک ہے اور پانی بھی پاک ہے، ابن مسعود نے کہا کہ پھر حضور نے اس سے وضو فرمایا۔

ترمذی میں فتوضا منه اور مصنف ابن ابی شیبہ[2] میں واقام الصلوٰة زائد ہے۔

اس حدیث کی ایک طرف سے احناف کے بہی خواہوں نے تضعیف کی۔ اس کے بالمقابل علماء احناف نے اس حدیث کی تصحیح کو دلائل سے ثابت کر دیا ہے۔ تفصیل کے لئے عینی کا یہ مقام اور طحاوی کی شرح معانی الآثار کا مطالعہ کریں۔ مثلاً امام ترمذی نے کہا کہ اس حدیث کا ایک راوی ابو زید ہے جو مجہول ہے۔ سوائے اس حدیث کے اسکی کوئی روایت نہیں۔

علامہ عینی نے اس کا جواب دیا، ابن العربی نے شرح ترمذی میں کہا کہ ابو زید مولی عمرو بن حریث سے راشد بن کیسان اور ابو رواق نے روایت کیا ہے۔ اتنے ہی سے اس کا مجہول ہونا ختم ہو جاتا ہے۔ ہاں اس کا نام نہیں معلوم ممکن ہے امام ترمذی کی مجہول کہنے سے یہی مراد ہو اور یہ مضر نہیں۔ علاوہ ازیں حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اس حدیث کو ابو زید کے مثل چودہ حضرات نے روایت کی ہے۔ اس حدیث پر ایک اعتراض یہ ہے کہ حضرت عبد اللہ بن مسعود، لیلۃ الجن میں حضور کے ساتھ نہیں تھے۔ ان سے کسی نے پوچھا۔ تو فرمایا ما شهد ها منا احد[3]۔ ہم میں سے کوئی لیلۃ الجن میں حاضر نہ تھا۔

اس کے دو جواب علامہ عینی نے دیئے ہیں۔ ایک یہ کہ اس قول سے ان کی مراد یہ ہے کہ پوری رات حضور کے ساتھ نہیں رہا۔ ساتھ میں گیا پھر جدا ہو گیا، پھر صبح کو ساتھ ہو گیا۔ ایک جواب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ جب حضور جنوں کو تلقین فرما رہے تھے خاص اس وقت حضور کے ساتھ کوئی نہیں تھا۔ اور غالباً علامہ عینی کی بھی یہی مراد ہے۔

دوسرا جواب یہ دیا ہے کہ لیلۃ الجن دو ہیں ایک بار نینوی کے جنوں نے ملاقات کی تھی ایک بار نصیبین کے جنوں نے۔ نخلہ میں نینوی کے جن تھے اور مکہ میں نصیبین کے جن۔ نخلہ والے واقعہ میں حضور کے ساتھ کوئی نہیں تھا۔ اور مکہ والے واقعہ میں حضرت ابن مسعود ساتھ تھے۔

---

[1] ابو داؤد جلد اول طہارت باب الوضوء بالنبیذ ص ۱۲، ترمذی جلد اول طہارت باب الوضوء بالنبیذ ص ۱۳، ابن ماجہ طہارت باب الوضوء بالنبیذ [2] فتح القدیر جلد اول ص ۹۰ نولکشور [3] ایضاً

علامہ ابن حجر عسقلانی نے بعض لوگوں سے یہ نقل فرمایا کہ ابتدار میں نبیذ سے وضو کی اجازت تھی۔ پھر آیت کریمہ فلم تجد واماء سے منسوخ ہو گئی۔ اس لئے کہ لیلۃ الجن مکے کا واقعہ ہے اور یہ آیت مدنی ہے۔

علامہ عینی نے اس کا جواب یہ دیا کہ (نزول اقرا کے بعد غار حرا سے اتر کر) حضرت جبریل نے اپنی ایڑی زمین پر ماری جس سے پانی کا چشمہ اُبل پڑا۔ اس سے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو وضو کرنے کی تعلیم دی۔ مطلب یہ ہے کہ ابتدار بعثت ہی سے پانی سے وضو کرنے کا حکم تھا۔ اس کے باوجود حضور نے لیلۃ الجن میں نبیذ سے وضو فرمایا۔ یہ دلیل ہے کہ پانی سے وضو کے حکم اور نبیذ سے وضو کرنے میں کوئی تنافی نہیں۔

لیکن اس خادم کی اس پر یہ گذارش ہے کہ نبیذ مار مطلق ہے یا نہیں۔ اگر مار مطلق ہے تو علامہ عینی کا جواب درست اور علامہ ابن حجر کا اعتراض سرے سے ساقط۔ اس خصوص میں بہت زیادہ لمبی چوڑی بحث کی ضرورت نہیں ـــ خود اسے حدیث میں مار فرمایا، ارشاد ہوا تمرۃ طیبۃ وماء طھور۔ پھر اس کے مار مطلق ہونے میں کلام کی کیا گنجائش ـــ اور اگر یہ مار مطلق نہیں اور آیت کریمہ فلم تجدوا ماءً میں مار سے مراد مار مطلق ہے۔ تو نبیذ کے ہوتے ہوئے یہ صادق ہے کہ پانی نہیں ملا۔ اب علامہ ابن حجر کا اعتراض اپنی جگہ باقی رہ جائے گا۔ اسی پر ہماری گذارش ہے کہ اس کے دفع کی طرف صاحب ہدایہ نے اشارہ فرمایا ہے کہ یہ حدیث مشہور ہے اور حدیث مشہور سے کتاب اللہ کی تخصیص جائز درست۔ رہ گئی یہ بات کہ یہ حدیث مشہور ہے وہ گذر چکا کہ علامہ عینی نے تحقیق فرمائی کہ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ابو زید کے علاوہ چودہ حضرات نے روایت کیا ہے۔ یعنی حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پندرہ حضرات نے روایت کیا ہے۔ اسی طرح لیلۃ الجن میں حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نہ ہونے کی جو توجیہات ہمارے علماء نے کی ہیں۔ ترمذی کی اس حدیث میں جاری نہیں ہو سکتیں ص۱۵۸ پر ہے۔

> علقمہ کہتے ہیں کہ میں نے ابن مسعود سے پوچھا لیلۃ الجن میں نبی صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ آپ لوگوں میں سے کوئی تھا یا نہیں۔ فرمایا ہم میں سے کوئی حضور کے ساتھ نہیں تھا۔ ہوا یہ کہ قیام مکہ کے ایام میں ایک رات حضور غائب ہو گئے۔ ہم نے کہا کہ حضور کو اچک لیا گیا۔ ہم نے انتہائی اذیت میں یہ رات گذاری، جب صبح ہوئی تو ہم نے دیکھا کہ حضور حرار کی طرف سے آرہے ہیں۔ لوگوں نے اپنا حال بیان کیا، اس پر حضور نے پورا واقعہ سنایا اس میں یہ بھی تصریح ہے کہ یہ جزیرے نصیبین کے جن تھے۔

امام ترمذی نے فرمایا یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

لیکن حیرت اس پر ہے کہ خود ترمذی میں دو جگہ اس کی تصریح کی ہے کہ حضرت ابن مسعود لیلۃ الجن میں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ تھے۔ ایک ـــ باب کراھۃ مایستنجی بہ میں حضرت ابن مسعود کا یہ قول مذکور ہے:

> کہ وہ لیلۃ الجن میں نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ تھے۔

دوسرے "ابواب" الامثال میں انھیں سے یوں روایت ہے کہ۔

> ایک رات حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم عشار سے فارغ ہوئے تو تشریف لائے اور میرا ہاتھ پکڑا اور

بطحا مکہ میں لے گئے اور بٹھا دیا۔ پھر میرے اِردگرد خط کھینچ دیا اور فرمایا اس کے باہر نہ نکلنا، کچھ لوگ تمہارے قریب آئیں گے۔ ان سے بات مت کرنا۔ وہ بھی تم سے نہیں بولیں گے۔ پھر حضور کو جہاں جانا تھا چلے گئے۔ میں خط کے اندر ہی بیٹھا تھا کہ میرے قریب کچھ کالے کالے سوڈانی قسم کے لوگ آئے جن کے بال اور جسم سوڈانیوں جیسے تھے۔ ان کے جسم پر لباس نہیں تھا مگر پھر بھی ان کے چھپانے کی جگہیں نظر نہیں آتی تھیں۔ میری طرف آتے مگر خط کو پار نہیں کر سکتے تھے۔ اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف چلے جاتے، اخیر رات میں حضور تشریف لائے اور خط کے اندر داخل ہوئے فرمایا، آج رات سو نہیں سکا۔ پھر میری ران پر سر رکھکر سو گئے۔ الحدیث بطولہ [۱]

امام ترمذی نے ان دونوں حدیثوں کی تصحیح کی ہے ۔۔۔ ان کے علاوہ کفایہ میں ہے امام بخاری نے بارہ طریقوں سے یہ ثابت کیا ہے کہ حضرت ابن مسعود، لیلۃ الجن میں حضور کے ساتھ تھے۔ تین طریقے سے تاریخ صغیر میں مذکور ہے۔ بقیہ نو طریقے کسی اور کتاب میں مذکور ہوں گے،

جب بوجوہ متعددہ صحیحہ یہ ثابت ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود لیلۃ الجن میں حضور کے ساتھ تھے تو لا محالہ وہ روایت جس میں یہ ہے کہ لیلۃ الجن میں حضور کے ساتھ کوئی نہیں تھا، مرجوح ہوگی۔

اس نبیذ کی حقیقت جس نبیذ سے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے وضو فرمایا تھا اس کی حقیقت صرف یہ تھی کہ پانی میں چند کھجوریں ڈال لی تھیں تاکہ پانی کا کھارا پن دور ہو جائے۔ پانی اپنی طبعی رقت اور سیلان پر باقی تھا نہ گاڑھا ہوا تھا نہ جوش کھایا تھا۔ نشہ آنا تو دور کی بات ہے۔ بدائع ص۱۷ پر ہے کہ خود حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اس نبیذ کے بارے میں پوچھا گیا۔ تو فرمایا، چند کھجوریں پانی میں ڈال لی جاتی تھیں بس نبیذ ہوگئی۔

ایسی ہی نبیذ سے وضو کو حضرت امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جائز بتایا ہے، رہ گئی وہ نبیذ جس میں جوش پیدا ہو جائے یا نشہ آ جائے تو اس سے بالاتفاق وضو جائز نہیں۔ ہدایہ میں ہے۔

والنبیذ المختلف فیہ ان یکون حلوا رقیقا یسیل علی الاعضاء کالماء وما اشتد منھا صار حراما لا یجوز التوضی بہ۔ [۲]

جس نبیذ سے وضو کے بارے میں اختلاف ہے وہ یہ ہے کہ میٹھی پتلی ہو جو اعضاء پر پانی کی طرح بہے اور اگر جوش کھا گئی حرام ہوگئی تو اس سے وضو جائز نہیں۔

لوگوں کو استعجاب و حیرت اس لئے ہو رہی ہے کہ لوگ اپنے زمانے کی نبیذ پر قیاس کرنے لگے۔ حالانکہ اس نبیذ سے وضو کے جواز کا کسی نے قول نہیں کیا ہے۔

ایک خاص نکتہ حضرت امام کا یہ بنیادی اصول تھا کہ جب تک حدیث صحیح نہ ہوتی اس کے مطابق فتویٰ نہ دیتے اذا صح الحدیث فھو مذھبی مشہور ارشاد ہے اور حضرت امام کا ثقہ متدین ہونا بلکہ امام ہونا متفق علیہ ہے۔ تو جب امام کسی حدیث سے استدلال فرمالیں تو یہ اس حدیث کے صحت کی دلیل ہے۔ اگرچہ محدثین اسے اپنی سندوں کے لحاظ سے ضعیف کہیں اسکی صحت پر کوئی اثر نہیں پڑے گا۔ انصاف پسند اصحاب کو اس پر غور کرنا لازم ہے۔ اسی ایک نکتے سے احناف کے مخالفین خصوصاً غیر مقلد

---

[۱] جلد ثانی ص ۱۰۹۔ [۲] ہدایہ اولین ص ۳۲۔

(۱۷۶) حدیث کل شراب اسکر فھو حرام

عَنْ عَائِشَةَ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ

حضرت ام المومنین صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا بیان ہے کہ نبی صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا

معاندین کے سارے ہذیانات کا قلع قمع ہو جاتا ہے۔ جو احناف کے خلاف کرتے رہتے ہیں۔ مثلاً اسی حدیث میں دیکھ لیجئے کہ امام ترمذی نے اپنی سند کے لحاظ سے ابو زید پر کلام فرمایا۔ یہ کیا ضروری ہے کہ حضرت امام کو یہ حدیث ابو زید ہی کے واسطے سے ملی ہو۔ ہو سکتا ہے کسی دوسری سند کے ساتھ پہنچی ہو جس میں امام ترمذی والی جرح کی بھی گنجائش نہ ہو۔ ابو زید کے علاوہ چودہ اور حضرات سے یہ حدیث مروی ہے۔ اس کا بھی امکان ہے کہ ان چودہ طریقوں میں سے کسی ایک طریقے سے حضرت امام تک پہنچی ہو۔ اس لئے ہمارے سامنے جو سند ہے اس کو سامنے رکھکر کسی حدیث کو مطلقاً ضعیف کہنا دیانت وانصاف کے خلاف ہے۔

اس کا خلاصہ یہ ہوا کہ حضرت امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے کسی حدیث سے استدلال کی بالکل وہی حیثیت ہے جو امام بخاری اور امام مسلم کے کسی حدیث کو صحیح کہنے کی ہے۔ حضرت امام کا استدلال حقیقت میں یہ اعلان ہے کہ یہ حدیث صحیح ہے۔

تائید صحابہ حضرت عبد اللہ بن مسعود کے علاوہ حضرت علی، حضرت ابن عمر اور حضرت ابن عباس بھی نبیذ تمر سے وضو کو جائز جانتے تھے۔ اس طرح اس حدیث کو اور احناف کے مذہب کو عمل صحابہ سے بھی قوت مل گئی۔

تائید ائمہ علاوہ صحابہ کرام کے حضرت حسن بصری، حضرت عکرمہ، حضرت ابو العالیہ، امام اوزاعی، سفیان ثوری اسحاق کا بھی یہی مذہب ہے۔ لیکن ہمارے خاص کرم فرما صاحب تحفۃ الاحوذی اور مرعاۃ اپنے غیظ و غضب کا نشانہ صرف ہم احناف کو بناتے ہیں۔

خلاصہ کلام یہ کہ ایسی نبیذ تمر جو اپنی رقت و سیلان پر باقی ہو جس میں نہ جوش پیدا ہوا ہو اور نہ وہ گاڑھی ہوئی ہو اور نہ اس میں نشہ آیا ہو اس سے وضو جائز ہے۔ اس معنی کر کہ اس کے ہوتے ہوئے تیمم جائز نہیں۔ یہ حضرت امام اعظم کا مذہب ہے اور یہ حدیث صحیح بلکہ حدیث مشہور سے ثابت ہے۔ مخالفین نے اس حدیث پر جتنی جرحیں کی ہیں علمائے احناف نے سب کے گن گن کر تفصیلی جوابات دیئے ہیں خصوصیت سے امام ابن ہمام نے فتح القدیر میں علامہ عینی نے عمدۃ القاری میں علامہ زیلعی نے نصب الرایہ میں وغیرہ وغیرہ۔

تشریحات (۱۷۶)

باب سے مطابقت اس حدیث کو باب کے دوسرے جز سے مطابقت ہے۔ وجہ استدلال یہ ہے کہ ہر مسکر ناپاک ہے اور ناپاک سے وضو جائز نہیں۔ یا یہ کہ کوئی مسکر پانی نہیں اور پانی کے علاوہ کسی اور چیز سے وضو جائز نہیں۔ اس لئے مسکر سے وضو جائز نہیں۔

ہر مسکر ناپاک ہے رہ گئی یہ بات کہ مطابقت کی وجہ اول کا صغری درست بھی ہے یا نہیں۔ یہ محل نظر ہے۔ حضرت امام

كُلُّ شَرَابٍ اَسْكَرَ فَهُوَ حَرَامٌ ع۵

پینے کی ہر وہ چیز جو نشہ لائے حرام ہے

ت (۵۳) وَقَالَ اَبُوالْعَالِيَةِ اِمْسَحُوْا عَلٰى رِجْلِىْ فَاِنَّهَا مَرِيْضَةٌ ع۶

اور ابوالعالیہ نے کہا۔ میرے پاؤں پر مسح کر دو۔ اس لئے کہ وہ بیمار ہے

حدیث (۱۷۷) بای شی دوی جرح النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

اعظم اور حضرت امام یوسف رحمہما اللہ کے نزدیک خمر کے علاوہ بقیہ نشہ آور چیزوں کا بقدر نشہ پینا کھانا حرام ہے مگر وہ ناپاک نہیں
خمر کیا ہے انگور کے کچے پانی کو جب وہ خوب جوش کھانے لگے اور اس میں جھاگ پیدا ہو جائے خمر کہتے ہیں۔ اس سے کشید کیا ہوا عرق بھی خمر ہے۔ خمر کی بوند بوند حرام ونجس ہے وہ بھی نجاست غلیظہ۔ اس کے علاوہ بقیہ چیزوں سے بنائی ہوئی شرابیں، خمر نہیں اور نہ شیخین کے نزدیک ان کا وہ حکم ہے۔

البتہ امام محمد فرماتے ہیں کہ خمر کی طرح ہر نشہ آور رقیق کی بوند بوند حرام وناپاک ہے۔ احناف کے یہاں یہی مختار ہے اور اسی پر فتویٰ ہے۔ مگر قول اول بھی ساقط وباطل نہیں۔ بہت قوی ہے۔ یہی جمہور صحابہ کرام حتی کہ حضرات اصحاب بدر رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے مروی ہے۔ یہی قول امام اعظم کا ہے، یہی اصل مذہب ہے۔ عامہ متون مذہب جیسے مختصر قدوری، ہدایہ، وقایہ، نقایہ، کنز، غرر اصلاح وغیرھا میں اسی پر جزم واقتصار کیا۔ اکابر ائمہ ترجیح وتصحیح جیسے امام ابوجعفر طحاوی، امام ابوالحسن کرخی، امام ابوبکر خواہرزادہ امام قاضی خاں امام صاحب ہدایہ رحمہم اللہ تعالیٰ نے اسی کو راجح ومختار رکھا بلکہ خود امام محمد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کتاب الآثار میں اسی پر فتویٰ دیا۔ اسی کو بہ ناخذ فرمایا۔ علماء مذہب نے بہت سی کتب معتمدہ میں اسی کی تصحیح فرمائی ہے۔ یہانتک کہ آکد الفاظ ترجیح علیہ الفتویٰ بھی فرمایا۔ اس تقدیر پر نبیذ کی نجاست کا سوال ہی نہیں اسلئے اس سے نجس ہونے کی بنا پر وضو کے ناجائز ہونے کا فتویٰ دینا ساقط۔ رہ گئی یہ وجہ کہ یہ ماء مطلق نہیں اس پر علامہ عینی نے یہ تعقب فرمایا کہ احناف جس نبیذ سے وضو کو جائز کہتے ہیں یعنی پانی میں چند کھجوریں اسلئے ڈال دی جاتی ہیں تاکہ اسکی مٹھاس پانی میں آجائے اور بس نہ اسمیں جوش آئے اور نہ نشہ نہ وہ گاڑھی ہوئی ہو اس پر بھی پانی کا اطلاق درست نہیں۔ یہ صحیح نہیں ہے۔ خود حدیث میں سے پانی کہا گیا۔ ارشاد ہے تمرۃ طیبۃ وماء طھور۔ اس لئے اس حدیث کو مطلقا ہر نبیذ سے وضو کے عدم جواز کی دلیل بنانا درست نہیں۔ رہ گئی یہ بات کہ خمر کے علاوہ دوسری نشہ آور رقیق چیزیں حضرات شیخین کے یہاں کیوں ناپاک نہیں اور قدر اسکار سے کم انکا پینا کیوں حرام نہیں، اسپر مفصل بحث انشاء اللہ تعالیٰ آئندہ کتاب الاشربہ میں آئے گی۔ اور اگر کسی صاحب کو عجلت ہو تو فتاویٰ رضویہ جلد یازدہم کا رسالہ مبارکہ الفقہ التسجیلی نے عجین النار جیلی کا مطالعہ کریں۔

ع۵ ایضا جلد ثانی اشربہ باب الخمر من العسل وھو البتع ص ۸۳۷، ایضا جلد ثانی اشربہ باب الباذق ومن نھی عن کل مسکر ص ۸۳۸ مسلم جلد ثانی اشربہ باب بیان کل مسکر شراب وکل خمر حرام ص ۱۶۷ ابوداؤد جلد ثانی اشربہ باب ما جاء فی السکر ص ۱۶۳ ترمذی جلد ثانی اشربہ باب ماجاء کل مسکر حرام ص ۸۔ ابن ماجہ اشربہ باب کل مسکر حرام ص ۲۵۱ موطا امام مالک اشربہ ۹ دارمی اشربہ ۸ مسند امام احمد ع۶ مصنف عبدالرزاق ومصنف ابن ابی شیبہ۔

عَنْ اَبِیْ حَازِمٍ سَمِعَ سَھْلَ بْنَ سَعْدِ بْنِ السَّاعِدِیْ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی	ابوحازم نے کہا کہ انھوں نے حضرت سہل بن سعد ساعدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سنا۔ اس طرح کہ میرے
عَنْہُ وَسَاَلَہُ النَّاسُ وَمَا بَیْنِیْ وَبَیْنَہٗ اَحَدٌ بِاَیِّ شَیْئٍ دُوِیَ جُرْحُ	اور ان کے درمیان کوئی نہیں تھا۔ لوگوں نے ان سے پوچھا کہ نبی صلے اللہ تعالیٰ
النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقَالَ مَا بَقِیَ اَحَدٌ اَعْلَمُ بِہٖ مِنِّیْ	علیہ وسلم کے زخم کا علاج کس چیز سے کیا گیا تھا تو انھوں نے کہا اس کا
کَانَ عَلِیٌّ یَجِیْئُ بِتُرْسِہٖ فِیْہِ مَاءٌ وَفَاطِمَۃُ تَغْسِلُ عَنْ وَجْھِہٖ	مجھ سے زیادہ جاننے والا اب کوئی بھی نہیں رہا۔ علی ڈھال میں پانی لاتے تھے اور فاطمہ حضور کے چہرے سے خون

تشریحات (۵۳) (۱۷۷)

حضرت سہل بن سعد ساعدی

رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ مدینہ طیبہ میں وصال فرمانے والے صحابہ کرام میں سب سے آخر یہ ہیں[۱]۔ ان کی کنیت ابوالعباس ہے۔ ان کا نام حَزْن تھا۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بدل کر سہل رکھا۔ حَزْن کے معنی سخت زمین کے ہیں اور سَھْل کے معنی نرم زمین کے ہیں۔ سو سال کی عمر پاکر سنہ ۹۱ھ میں وصال فرمایا، اس حساب سے ہجرت کے وقت نو سال کے تھے۔ یہ بھی ان صحابہ کرام میں ہیں جن کی زیارت سے حضرت امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ مشرف ہوئے۔

یہ تعلیق پوری یوں ہے۔ عاصم بن علجان نے کہا کہ ہم ابوالعالیہ کے پاس گئے وہ بیمار تھے۔ لوگوں نے ان کو وضو کرایا جب ایک پاؤں رہ گیا تو انھوں نے فرمایا کہ اس پر مسح کردو، اس میں تکلیف ہے۔

باب سے مناسبت

یہاں امام بخاری نے یہ باب باندھا ہے۔ غسل المرأۃ اباھا الدم عن وجھہ —— بیٹی کا باپ کے چہرے سے خون دھونا۔ حدیث تو باب کے بالکل مطابق ہے مگر تعلیق کا باب سے کیا تعلق ہے، یہ اب تک لاینحل ہے۔ کتاب الوضوء میں اس باب کا مقصد کیا ہے۔ یہ بھی پردۂ خفا میں ہے۔ تعلیق کو تو وضوء سے تعلق ہے۔ اس سے یہ معلوم ہوا کہ اگر کسی عضو پر پانی بہانا مضر ہو تو وہاں مسح کافی ہے۔ مگر حدیث کا وضو سے کیا تعلق ہے، وہ سمجھ سے بالاتر ہے۔ کیونکہ اس وقت حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے باوضو ہونے کا کوئی ثبوت نہیں۔ زیادہ سے زیادہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ امام بخاری کا مقصد یہ ہے کہ زخم کی بھی حالت میں اگر پانی مضر نہ ہو تو دھونا ہی فرض ہے مسح کافی نہیں۔

رہ گیا بعض لوگوں کا اس سے یہ سمجھنا کہ امام بخاری یہ بتانا چاہتے ہیں کہ "عورت کے چھولے سے وضو نہیں ٹوٹتا، بہت ہی بے تکی بات ہے۔

یہ حادثہ کب کا ہے

یہ غزوۂ احد کا واقعہ ہے۔ ابن قمیہ کی تلوار سے خود سر اقدس میں چبھ گیا تھا۔ اس سے سر اقدس لہولہان ہوگیا تھا[۲]۔ خون رکتا ہی نہ تھا، حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ڈھال میں پانی بھر بھر کر لاتے تھے اور حضرت سیدہ اسے

۱؎ بخاری کتاب النکاح ص ۷۸۹، ۲؎ بخاری، طب ص ۸۵۲،

الدَّمُ فَاُخِذَ حَصِيرٌ فَاُحْرِقَ فَحُشِيَ بِهٖ جُرْحُهٗ ؏

دھوتی تھیں۔ چٹائی جلا کر زخم میں بھری گئی۔

(۱۷۸)

حدیث، اتیت النبی صلی اللہ علیہ وسلم فوجدتہ یستن

عَنْ اَبِيْ بُرْدَةَ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ اَتَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

حضرت ابوموسیٰ اشعری نے بیان کیا کہ میں نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو حضور

فَوَجَدْتُهٗ يَسْتَنُّ بِالسِّوَاكِ بِيَدِهٖ يَقُوْلُ اُعْ اُعْ وَالسِّوَاكُ فِيْ

کو اپنے ہاتھ سے مسواک کرتے پایا۔ اع اع کی آواز نکال رہے تھے اور مسواک

دھوتی تھیں۔ مگر جب اس سے بھی خون نہ تھما تو حضرت سیدہ نے چٹائی جلا کر اس کی راکھ زخم میں بھر دی جس سے خون بند ہو گیا۔

مسائل اس حدیث سے مندرجہ ذیل مسائل اخذ ہوئے (۱) عورت اپنے محارم مردوں کی تیمارداری کر سکتی ہے اور تیمارداری میں انھیں ہاتھ بھی لگا سکتی ہے (۲) علاج مسنون ہے۔ یہ توکل کے منافی نہیں (۳) انبیاء کرام پر ہر قسم کی ابتلاء، آزمائش، دکھ، درد و بیماری آسکتی ہے تاکہ ان کی شان عبودیت و بشریت ظاہر ہو اور کوئی ان کے معجزات کو دیکھ کر فتنے میں نہ پڑ جائے کہ معاذ اللہ یہ خدا تو نہیں۔ اور امت پر جب کوئی افتاد پڑے تو اسے صبر و سکون ملے کہ یہ انبیاء کرام کی سنت ہے (۴) جو بات معلوم نہ ہو وہ جاننے والوں سے پوچھنی چاہیئے (۵) بوقت ضرورت عالم یہ کہہ سکتا ہے کہ اس معاملہ کو میں سب سے زیادہ جانتا ہوں۔

تشریحات (۱۷۸، ۱۷۹)

حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان کے والد کا اصل نام حِسْل یا حُسَیْل تھا مگر یمان کے ساتھ مشہور ہیں۔ جنگ احد میں جب لڑائی کا رخ مسلمانوں کے خلاف ہو گیا اور اگلی صفیں پچھلی سے بھڑ گئیں اس افراتفری میں حضرت یمان خود مسلمانوں کی تلواروں سے شہید ہو گئے۔ حضرت حذیفہ لاکھ چلاتے رہے مسلمانوں کیا کر رہے ہو؟ مگر کسی نے کچھ سنا نہیں۔ حضرت حذیفہ کا یہ ایثار ہے کہ انھوں نے اپنے باپ کے خون کو معاف کر دیا۔ حضرت حذیفہ کا لقب صاحب السر تھا۔ یہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے خاص رازدار تھے۔ منافقین کے سارے بھید جانتے تھے اور سب سے واقف تھے۔ یہ بات اتنی مشہور تھی کہ جب کوئی مرتا اور اس کی نماز جنازہ حضرت حذیفہ پڑھتے تو حضرت فاروق اعظم بھی پڑھتے اور اگر وہ نہیں پڑھتے تو یہ بھی نہیں پڑھتے۔

؏ ایضاً۔ جلد اول۔ جہاد۔ باب دواء الجرح باحراق الحصیر ص ۴۲۶۔ ایضاً۔ جلد ثانی۔ نکاح۔ باب ولا یبدین زینتھن الا لبعولتھن ص ۷۸۹۔ ایضاً۔ جلد ثانی۔ طب۔ باب حرق الحصیر لیسد بہ الدم ص ۸۵۲۔ مسلم۔ جلد ثانی۔ جہاد۔ باب غزوۂ احد۔ ص ۱۰۷، ترمذی۔ جلد ثانی۔ طب۔ باب التداوی بالرماد ص ۳۰۔ مسند امام احمد۔

فِيهِ كَأَنَّهُ يَتَهَوَّعُ عہ

حضور کے منہ میں تھی ایسا لگتا ہے گویا قے کر رہے ہیں۔

(۱۷۹) حدیث یشوص فاہ بالسواک

عَنْ حُذَيْفَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالَى عَنْهُ - قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ

حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم جب

تَعَالَى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا قَامَ مِنَ اللَّيْلِ يَشُوصُ فَاهُ بِالسِّوَاكِ عہ

رات میں اٹھتے تو اپنا منہ مسواک سے صاف کرتے

ایک بار پوچھا کہ یہ بتاؤ کہ میرے عمال میں کوئی منافق ہے۔ حضرت حذیفہ نے کہا۔ ہاں ایک ہے، فرمایا نام بتاؤ بہت پوچھا مگر حضرت حذیفہ نے نام نہیں بتایا۔

یہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے عموماً فتنوں کو پوچھا کرتے تاکہ اس سے بچے رہیں۔ ان کے فضائل بہت ہیں جنگ خندق میں ایک رات سخت سردی تھی۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے تین بار فرمایا، کوئی ہے، جو دشمن کے کیمپ میں جاکر ان کا حال معلوم کرکے آئے۔ موسم اتنا سخت تھا کہ کوئی نہ بولا۔ حضور نے ان کا نام لے کر پکارا، یہ حاضر ہوئے۔ حکم ہوا کہ دشمن کے کیمپ میں جاکر ان کا حال معلوم کرکے آؤ، مگر ان کو بھڑکا نا مت۔ یہ گئے فرماتے ہیں معلوم ہوتا تھا کہ گرم حمام میں ہوں۔ ابوسفیان کو دیکھا، آگ تاپ رہے ہیں تیر کمان میں رکھی چاہا کہ چلاؤں مگر حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا حکم یاد آگیا تیر ترکش میں کرلی۔ وہاں حال یہ تھا کہ سخت آندھی کیوجہ سے خیموں کی میخیں اکھڑ گئی تھیں، چولھے سے دیگیں الٹ الٹ گئی تھیں۔ گھوڑے میدان میں آوارہ دوڑ رہے تھے۔ ابوسفیان نے اعلان کردیا۔ قریظہ اور غطفان نے ساتھ چھوڑ دیا موسم کا یہ حال ہے۔ رسد ختم ہے۔ اب واپس چلنا ہے۔ حضرت حذیفہ نے آکر خوشخبری سنائی۔ سرکار نے انھیں ایک عبا اڑھا کر سلا دیا صبح تک مزے سے سوتے رہے۔ ہمدان، رے، دینور کو انھوں نے فتح کیا۔ حضرت فاروق اعظم نے کچھ دن ان کو مدائن کا حاکم بھی بنایا تھا۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کے بیس دن بعد مدائن ہی میں وصال ہوا ۳۶ھ سنہ وصال ہے۔

عہ مسلم جلد اول طہارت باب السواک ص ۱۲۸، ابوداود جلد اول طہارت باب کیف یستاک ص ۷ نسائی جلد اول طہارت باب کیف یستاک ص ۵،

عہ ایضا جلد اول جمعہ باب السواک یوم الجمعۃ ص ۱۲۲، ایضا جلد اول تہجد باب طول الصلوۃ فی قیام اللیل ص ۱۵۳، مسلم جلد اول طہارت باب السواک ص ۱۲۸، ابوداؤد جلد اول طہارت باب السواک لمن قام باللیل ص ۸، نسائی جلد اول طہارت باب السواک اذا قام من اللیل ص ۵، نسائی جلد اول قیام اللیل باب ما یفعل اذا قام من اللیل من السواک ص ۲۴۱ ابن ماجہ طہارت باب السواک ص ۲۵، دارمی وضو ۲۰، مسند امام احمد۔

ت (۵۴) عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ
حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ نبی صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے
تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ اَرَانِیْ اَتَسَوَّکُ بِسِوَاکٍ فَجَاءَنِیْ رَجُلَانِ
فرمایا میں نے (خواب) دیکھا کہ مسواک کر رہا ہوں کہ میرے پاس دو شخص آئے

شیخ قطب الدین کی تصریح کے مطابق ان سے سینتیس حدیثیں مروی ہیں۔ بارہ متفق علیہ ہیں، آٹھ افراد بخاری سے اور سترہ افراد مسلم سے ہیں۔

مسواک کا حکم ہر وضو میں مسواک سنت ہے وضو کے علاوہ ان اوقات میں مستحب ہے۔ (۱) ہر نماز کے وقت، (۲) تلاوت قرآن مجید کے لئے (۳) سو کر اٹھنے کے بعد (۴) منہ میں جب بھی کسی وجہ سے بدبو پیدا ہو جائے اس وقت (۵) جمعہ کے دن (۶) سونے سے پہلے (۷) کھانے کے بعد (۸) سحر کے وقت۔ ؎۱

مسواک کا طریقہ مسواک زیادہ سے زیادہ ایک بالشت لمبی اور چھوٹی انگلی کے برابر موٹی ہو ایک بالشت سے زائد لمبی مسواک ہرگز ہرگز نہ رکھیں حدیث میں ہے کہ اس پر شیطان بیٹھتا ہے۔ پیلو، زیتون وغیرہ کی ہو کسی خوشبودار یا پھلدار درخت کی نہ ہو استعمال سے پہلے مسواک دھولے۔ داہنے ہاتھ میں اس طرح کہ چھوٹی انگلی مسواک کے نیچے ہو اور بیچ کی تین انگلیاں مسواک کے اوپر اور انگوٹھا مسواک کے سرے پر رکھے دانتوں کی چوڑائی میں مسواک کرے لمبائی میں نہ کرے، پہلے داہنے طرف کے اوپر کے دانتوں میں کرے پھر بائیں طرف کے اوپر کے دانتوں میں پھر داہنے طرف کے نیچے کے دانتوں میں پھر بائیں طرف کے نیچے کے دانتوں میں۔ فارغ ہونے کے بعد بھی دھولے اور کسی محفوظ جگہ کھڑی کر کے رکھے، ریشہ اوپر کی جانب ہو۔ ؎۲

تشریحات (۵۴) یہ واقعہ خواب کا بھی ہے اور بیداری کا بھی جیسا کہ بیہقی اور مسند امام احمد میں ہے، علامہ نووی نے یہ تطبیق دی کہ جب بیداری کا واقعہ پیش آیا تو حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے خواب کا واقعہ بھی بیان فرمایا۔ یہ افادہ فرمانے کے لئے کہ میں نے جو کیا ہے وہ اس لئے کہ خواب میں مجھے اس کا حکم ہو چکا ہے۔ میرا خواب بھی وحی ہے راویوں میں جس کو جتنا یاد رہا اس نے اتنا بیان کیا۔ اس کی تائید ابو داؤد کی اس روایت سے ہوتی ہے جو ام المومنین حضرت صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے وہ فرماتی ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مسواک کر رہے تھے۔ خدمت اقدس میں دو شخص حاضر تھے ایک بڑا دوسرا چھوٹا حضور کی طرف وحی ہوئی کہ مسواک بڑے کو دیں۔ ؎۳

مسائل (۱) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جو لوگ عمر میں بڑے ہوں ان کا لحاظ اور پاس رکھنا تعظیم و توقیر کرنی لازم ہے۔ خصوصًا بوڑھوں کی۔ حدیث میں ہے۔

؎۱ عینی ؎۲ بہار شریعت حصہ دوم ؎۳ ابو داؤد جلد اول طہارت باب فی الرجل یستاک بسواک غیرہ ص ۷

اَحَدُهُمَا اَكْبَرُ مِنَ الْآخَرِ فَنَاوَلْتُ السِّوَاكَ الْاَصْغَرَ مِنْهُمَا

ایک دوسرے سے بڑا تھا۔ میں نے چھوٹے کو مسواک دی تو مجھ سے کہا گیا

فَقِيْلَ لِيْ كَبِّرْ فَدَفَعْتُهُ اِلَى الْاَكْبَرِ مِنْهُمَا۔ ع

کہ بڑے کو دے پھر میں نے بڑے کو دی

من اجلال الله اکرام ذی الشیبۃ المسلم[۱] اللہ کے اجلال میں بوڑھے مسلمان کی تعظیم ہے۔

(۲) جو ٹھی مسواک دوسروں کو دینی اور دوسرے کو استعمال کرنی جائز ہے۔ البتہ بہتر یہ ہے کہ دوسرا اسے دھولے (۳) بڑے کو حق تقدیم اس وقت ہے کہ بیٹھے نہ ہوں اور اگر لوگ بیٹھے ہوں تو حق تقدیم داہنے والوں کو ہے۔

قال ابو عبد الله اختصره نعیم

ابو عبد اللہ سے امام بخاری مراد ہیں نعیم وہی مشہور جعل ساز ہے۔ جس نے ذاتی عداوت کی بنا پر حضرت امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی جانب جھوٹی حکایات گڑھ گڑھ کر پھیلائی ہیں جس کا ذکر مقدمہ میں ہو چکا ہے۔ میزان میں ہے۔ ان نعیما ھذا کان یزور حکایات فی ابی حنیفۃ رحمہ اللہ تعالیٰ۔ یہ نعیم وہی ہے جو حضرت امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں جھوٹی حکایات گڑھتا تھا۔

اس کا سبب یہ ہوا کہ یہ قاضی ابو مطیع بلخی تلمیذ حضرت امام کا میر منشی تھا کسی جرم میں اسے قید کر دیا۔ اس رنجش کیوجہ سے وہ حضرت امام کے پیچھے پڑ گیا۔ اس قسم کے لوگوں کی یہی عادت ہوتی ہے کہ دوسروں کو اذیت دینے میں زیادہ لذت پاتے ہیں پھر سوچتے ہیں ان سے انتقام لیا تو کیا بے گاان کے بڑے کی خبر لو۔ یہ کذاب حضرت امام کو جہمی کہتا تھا۔ حالانکہ مسایرے میں ہے کہ حضرت امام نے "جہم" سے مناظرہ کیا اور اخیر میں یہ کہکر دھتکار دیا "کافر میرے یہاں سے نکل جا"۔ اسی سے سن سن کر امام بخاری نے بھی ایسی ہی باتیں کی ہیں۔ تعجب ہے کہ حضرت امام بخاری جیسے ناقد متیقظ ثقہ محتاط کیسے اس کی روایت اپنی اس کتاب میں لائے، یہ بھی تاویل نہیں کر سکتے کہ نعیم کی روایت صرف استشہاد میں لائے اس لئے کہ اصول میں بھی اس سے روایت موجود ہے۔ دیکھو فصل استقبال القبلۃ ص ۵۲ لکل جواد کبوۃ "حق ہے۔

قال عفان۔ اسے تعلیقات میں شمار کیا گیا ہے حالانکہ عفان امام بخاری کے شیخ ہیں، اس کا سبب یہ ہے کہ ہوسکتا ہے کہ یہ حدیث امام بخاری نے عفان سے مناولۃً سنی ہو مذاکرۃ نہ سنی ہو۔ شیخ جب تحدیث کے لئے نہ بیٹھا ہو اور سلسلہ کلام میں کوئی حدیث بیان کرے تو مناولت ہے اور جب حدیث بیان کرنے کے لئے بیٹھے اور حدیث بیان کرے وہ مذاکرہ کہلاتا ہے، اس تقدیر پر یہ حدیث متصل ہوگی، اسکا بھی امکان ہے کہ امام بخاری نے اسے کسی اور واسطے سے سنا ہو اور کسی وجہ سے امام بخاری اس کا ذکر پسند نہ کرتے ہوں اس لئے عفان کہدیا۔ اس تقدیر پر یہ تعلیق ہوگی۔

ع مسلم جلد اول زھد باب النھی عن المدح اذا کان فیہ افراط ص ۴۱۴

[۱] ابو داؤد جلد ثانی ادب، باب فی تنزیل الناس منازلہم ص ۳۰۹

(۱۸۰) حدیث فضل من نام علی الوضوء

عَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ، قَالَ، قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا اَتَیْتَ مَضْجَعَکَ فَتَوَضَّأْ وُضُوْءَکَ لِلصَّلٰوۃِ ثُمَّ اضْطَجِعْ عَلٰی شِقِّکَ الْاَیْمَنِ۔ ثُمَّ قُلْ اَللّٰھُمَّ اَسْلَمْتُ وَجْھِیْ اِلَیْکَ وَفَوَّضْتُ اَمْرِیْ اِلَیْکَ وَاَلْجَاْتُ

حضرت براء بن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ نبی صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم اپنے بستر پر آنا چاہو تو پہلے نماز جیسا وضو کرلو پھر داہنی کروٹ پر لیٹ جاؤ اور یہ پڑھو اے اللہ میں نے اپنے آپ کو تیرے سپرد کیا اور اپنا معاملہ تجھے سونپ دیا تجھی کو

تشریحات ۱۸۰
حضرت براء بن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ اوسی انصاری صحابی ہیں، غزوۂ احد میں شریک ہونا چاہا، عمر کم ہونے کی وجہ سے حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ واپس کردئے گئے سب سے پہلے غزوۂ خندق میں شریک ہوئے پھر اس کے بعد تمام مشاہد میں ہمرکاب اقدس رہے۔ انھوں نے ۲۴ھ میں رے فتح کیا۔ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ تستر کے جہاد میں شریک ہوئے۔ حضرت علی کے حامیوں میں تھے۔ تمام معرکے میں ان کے ساتھ رہے۔ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ایام خلافت میں وصال فرمایا کوفے میں ان کے والد ماجد حضرت براء بھی صحابی ہیں ان سے پانچ سو پانچ حدیثیں مروی ہیں ان میں سے بائیس متفق علیہ ہیں اور پندرہ صرف امام بخاری نے چھ تنہا امام مسلم نے روایت کی ہے۔

تکمیل شیخین نے یہ حدیث مختلف طرق سے روایت کی ہے مگر وضوء کا ذکر سوائے اس روایت کے اور کسی میں نہیں کتاب الدعوات باب مایقول اذا نام میں ہے۔ ایک شخص کو وصیت فرمائی جب تو اپنے بچھونے کا ارادہ کرے۔ وہاں اذا اردت مضجعک ہے۔

اور باب النوم علی الشق الایمن میں ہے کہ

نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب اپنے بستر پر جاتے تو داہنی کروٹ پر سوتے۔

وجہ کے معنی ذات کے بھی ہیں۔ اس لئے میں نے اسلمت وجھی کے معنی یہ کئے۔ میں نے اپنے آپ کو تیرے سپرد کیا ایسے وجہ کے معنی چہرے کے بھی ہوں گے۔ اب معنی یہ ہوں گے، میں نے اپنا چہرہ تیری طرف جھکا دیا۔ مقصود وہی ہے۔

ظَهْرِي إِلَيْكَ رَغْبَةً وَّرَهْبَةً إِلَيْكَ لَا مَلْجَأَ وَلَا مَنْجَا مِنْكَ إِلَّا		
پشت پناہ بنایا	تیرے ثواب کے شوق	اور تیرے عذاب کے ڈر سے تیرے سوا
إِلَيْكَ اَللّٰهُمَّ آمَنْتُ بِكِتَابِكَ الَّذِيْ أَنْزَلْتَ وَبِنَبِيِّكَ الَّذِيْ		
کہیں پناہ نہیں کہیں ٹھکانا نہیں	اے اللہ میں تیری اس کتاب پر ایمان لایا جو تو نے اتاری ہے	
أَرْسَلْتَ فَإِنْ مُّتَّ مِنْ لَّيْلَتِكَ فَأَنْتَ عَلَى الْفِطْرَةِ وَاجْعَلْهُنَّ		
اور تیرے نبی پر ایمان لایا جسے تو نے بھیجا ہے اس کے بعد اگر تو اس رات مریگا تو فطرت پر مریگا اور		
آخِرَ مَا تَتَكَلَّمُ بِهٖ "قَالَ" فَرَدَّدْتُهَا عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى		
ان کلمات کو آخری کلام کرو۔	براء نے کہا۔ میں نے اس دعا کو نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر لوٹایا	
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمَّا بَلَغْتُ، اَللّٰهُمَّ آمَنْتُ بِكِتَابِكَ الَّذِيْ		
جب میں نے اللھم آمنت بکتابک الذی انزلت	کے بعد	یہ کہا

اخیر میں جو تلقین ہے اس سے معلوم ہوا کہ قرآن و احادیث میں جو دعائیں وارد ہیں ان کو بعینہ ویسے ہی بلفظہ پڑھا جائے جیسی وارد ہے، دعاؤں میں کسی لفظ کا بدلنا یا ترتیب الٹنا ہرگز نہیں چاہئے ورنہ اس دعا کا جو فائدہ ہے وہ حاصل نہ ہوگا۔ اسی طرح تعداد کی بھی پابندی لازم ہے۔ اس کی مثال تالے کی چابھی کی ہے۔ ہر تالے کی مخصوص چابھی ہوتی ہے جسمیں مخصوص دندانے ہوتے ہیں اس سے وہ تالا کھلیگا اگر چابھی کے دندانے چھوٹے بڑے ہوگئے یا کم و بیش ہوگئے تو اس چابی سے وہ تالا ہرگز نہیں کھلے گا۔

فطرت سے کیا مراد ہے فطرت سے یہاں مراد دین اسلام ہے۔ قرآن مجید میں ہے۔

فَأَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ حَنِيْفًا ۗ فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِيْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا۔ (روم) تو اپنا منھ سیدھا کرو اللہ کی اطاعت کے لئے ایک اکیلے اسی کے ہوکر۔ اللہ کی ڈالی ہوئی بنا جس پر لوگوں کو پیدا کیا۔

فطرت کے معنی خلقت کے بھی ہیں جیسا کہ اسی آیت میں فطر الناس آیا۔ اور سنت بھی ہے۔ حدیث میں ہے خمس من الفطرة پانچ باتیں سنت ہیں۔

مسائل اس حدیث سے یہ مسائل مستنبط ہوئے (۱) سوتے وقت وضو کرنا مستحب ہے ہمارے یہاں یہ بھی شرط ہے اگر باوضو نہ ہو تو (۲) سوتے وقت اللہ تعالیٰ کی یاد مستحب ہے (۳) یہ یا اس کے علاوہ جو مخصوص دعائیں احادیث میں آئی ہیں ان کو بالخصوص پڑھنا مستحب ہے (۴) داہنی کروٹ پر سونا سنت ہے اس طرح سونے میں نیند زیادہ غفلت کی نہیں آتی جاگنا آسان ہوتا ہے، اطبا نے لکھا ہے کہ بائیں کروٹ سونا صحت کے لئے مفید ہے اس میں کھانا خوب ہضم ہوتا ہے نیند گہری آتی ہے مگر مسلمان کو سنت ہی پر عمل کرنا لازم ہے۔ انشاء اللہ اسی میں دین و دنیا

اَنْزَلْتَ، قُلْتُ وَرَسُوْلِكَ قَالَ لَا وَبِنَبِيِّكَ الَّذِيْ اَرْسَلْتَ ع۵
ورسولک توحضور نے فرمایا نہیں و بنبیک الذی ارسلت ۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

کتاب الغسل

(۱۸۱) حدیث الوضوء قبل الغسل

عَنْ عَائِشَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، اَنَّ النَّبِيَّ
ام المومنین حضرت صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ تعالیٰ

کی فلاح ہے۔ احادیث میں وارد ہے کہ بعض دفعہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم چیت لیٹا کرتے تھے، اس لئے بہتر یہ ہے کہ دونوں جمع کرلے پہلے تھوڑی دیر چیت لیٹ لے پھر داہنی کروٹ پر لیٹے۔

براعۃ اختتام امام بخاری ہر کتاب کے اختتام پر ایسی حدیث لاتے ہیں جس سے آخرجیات کی طرف اشارہ ہوتا ہے یہاں حدیث مذکور میں ہے۔ فان مت مت علی الفطرت

اللھم ارزقنا حسنه

اس حدیث پر کتاب الوضو ختم ہوئی اور پہلا پارہ بھی پورا ہوا ۔

تشریحات (۱۸۱) پہلے سے مناسبت طہارت بمنزلہ جنس کے ہے۔ اس کی دو نوعیں ہیں۔ طہارت حقیقیہ، طہارت حکمیہ پھر طہارت حکمیہ کی دو قسمیں ہیں طہارت صغریٰ، طہارت کبریٰ۔ وضو طہارت صغریٰ ہے اس کے بیان سے فارغ ہوئے اب طہارت کبریٰ یعنی غسل کو بیان فرمارہے ہیں۔

مسائل (۱) اس حدیث سے ثابت ہوا کہ غسل سے پہلے دونوں ہاتھوں کو دھونا سنت ہے۔ (۲) وضو کرنا مستحب ہے (۳) غسل کی حقیقت یہ ہے کہ پورے جسم پر پانی بہا دیا جائے ۔ حتیٰ کہ بالوں کی جڑوں میں بھی بلکہ بال کی جڑوں کا خصوصیت سے خیال رکھنا لازم ہے۔ اس حدیث میں یہ ہے۔

پھر پورے جسم پر پانی بہاتے

اس سے معلوم ہوا کہ غسل صحیح ہونے کے لئے پورے جسم پر پانی کا بہہ جانا کافی ہے۔ بدن کا ملنا فرض نہیں جیسا کہ مالکیہ فرماتے ہیں

ع۵ بخاری جلد ثانی دعوات باب اذا بات طاھرا ص ۹۳۳ ایضا جلد ثانی دعوات باب مایقول اذا نام ص ۹۳۴ ایضا جلد ثانی دعوات باب النوم علی الشق الایمن ص ۹۳۴ مسلم جلد ثانی ذکر باب الدعا عند النوم ص ۳۴۸، ابوداؤد جلد ثانی الادب۔ باب مایقوم عند النوم ص ۳۳۲ ترمذی جلد ثانی الدعوات باب فی الدعاء اذا اوی الی فراشہ ص ۱۷۵، لہ بخاری

صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَانَ اِذَا اغْتَسَلَ مِنَ الْجَنَابَۃِ بَدَأَ فَغَسَلَ

علیہ وسلم جب جنابت سے غسل فرماتے تو سب سے پہلے اپنے ہاتھوں کو دھوتے

یَدَیْہِ ثُمَّ یَتَوَضَّأُ لِلصَّلٰوۃِ ثُمَّ یُدْخِلُ اَصَابِعَہٗ فِی الْمَاءِ فَیُخَلِّلُ

پھر نماز جیسا وضو کرتے پھر اپنی انگلیاں پانی میں ڈالتے اور ان کے ذریعہ بالوں کی جڑوں

بِہَا اُصُوْلَ الشَّعْرِ، ثُمَّ یَصُبُّ عَلٰی رَاسِہٖ ثَلٰثَ غُرَفٍ بِیَدِہٖ ثُمَّ

میں پانی پہنچاتے۔ پھر تین چلو پانی اپنے سر پر بہاتے پھر

یُفِیْضُ الْمَاءَ عَلٰی جِلْدِہٖ کُلِّہٖ ع۵

پورے جسم پر پانی بہاتے

(۱۸۲) حدیث، کیفیۃ غسل النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم من الجنابۃ

عَنْ مَیْمُوْنَۃَ زَوْجِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَتْ تَوَضَّأَ

ام المومنین حضرت میمونہ رضی اللہ تعالٰی عنہا نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے

رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وُضُوْءَہٗ لِلصَّلٰوۃِ غَیْرَ

نماز جیسا وضو کیا سوائے اس کے کہ

تشریحات (۱۸۲)
تکمیل

یہ حدیث مختلف طرق سے مروی ہے ان سب کو اکٹھا کرنے کے بعد پوری حدیث یہ ہوتی ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے لئے حضرت میمونہ نے پانی رکھا اور پردہ کر کے کھڑی ہو گئیں۔ سب سے پہلے حضور نے دونوں ہاتھ دھوئے پھر اپنا عضو تناسل اور جہاں نجاست لگی تھی دھویا پھر ہاتھ کو دیوار پر ملا اور دھویا پھر وضو فرمایا مگر پاؤں نہیں دھویا پھر چلو بھر کر تین چلو سر پر پانی ڈال کر پورے جسم پر پانی بہایا پھر وہاں سے ہٹ کر پاؤں دھوئے، میں نے رومال پیش کیا تو نہیں لیا ہاتھ جھٹکنے لگے۔

اگر غسل ایسی جگہ کر رہا ہو جہاں پانی جمع رہتا ہے تو ابتدا میں جب وضو کرے تو پاؤں نہ دھوئے غسل سے فارغ ہونے

ع۵ ایضا باب ھل یدخل الجنب یدہ فی الاناء الخ ص ۴۰۔ باب تخلیل الشعر حتی ظن انہ قد اروی بشرتہ افاض علیہ ص ۴۱۔ مسلم جلد اول طہارت باب صفۃ الغسل من الجنابۃ ص ۱۴۷۔ ابوداؤد جلد اول طہارت باب الغسل من الجنابۃ ص ۳۲۔ نسائی جلد اول طہارت باب ذکر وضوء الجنب قبل الغسل ص ۴۹۔ ترمذی جلد اول طہارت باب ماجاء فی الغسل من الجنابۃ ص ۱۵۔ ابن ماجہ جلد اول طہارت باب ماجاء فی غسل الجنابۃ ص ۴۳۔

رِجْلَيْهِ وَغَسَلَ فَرْجَهُ وَمَا اَصَابَهُ مِنَ الْاَذٰى ثُمَّ اَفَاضَ

پاؤں نہیں دھویا۔ اور اپنی شرمگاہ اور جہاں نجاست لگی تھی دھوئی۔ پھر پورے

عَلَيْهِ الْمَاءَ ثُمَّ نَحّٰى رِجْلَيْهِ فَغَسَلَهُمَا هٰذَا غُسْلُهُ مِنَ

بدن پر پانی بہایا اس کے بعد دونوں پاؤں کو ہٹایا اور دونوں کو دھویا۔ یہ

الْجَنَابَةِ ع ہ

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا جنابت سے غسل ہے

(۱۸۳) حدیث الغسل من فرق

عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهَا قَالَتْ كُنْتُ اَغْتَسِلُ اَنَا

ام المومنین عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا کہ ہیں اور

کے بعد دھوئے اور اگر وہاں پانی جمع نہ رہتا ہو تو وضو ہی کے ساتھ پاؤں بھی دھوئے پہلی صورت میں پاؤں اسلئے نہیں دھوئے جائیں گے کہ دھونا بیکار ہوگا جب پانی جمع ہے تو پھر پاؤں آلودہ ہو جائے گا۔

مسائل اس حدیث سے یہ مسائل ثابت ہوئے (۱) غسل کرنے میں سب سے پہلے دونوں ہاتھ دھوئے (۲) شرمگاہ اور جہاں جہاں نجاست لگی ہو دھوئے (۳) ہاتھ میں جب بھی نجاست لگے تو اسے مٹی سے ملکر دھوئے۔ یہاں تین روایات ہیں ایک یہ کہ دیوار پر ہاتھ ملا، ایک یہ ہے کہ زمین پر ملا ایک یہ ہے کہ مٹی سے ملا۔ سبکا حاصل ایک ہے (۴) غسل میں وضو سنت ہے، پردے کے اندر ننگے نہاتے ہیں کوئی حرج نہیں (۵) حضور نے رومال قبول نہیں فرمایا اس سے معلوم ہوا کہ نہانے کے بعد رومال یا تولیہ سے بدن پوچھنا ممنوع ہے مگر حقیقت میں ممانعت نہیں۔ کبھی گرمی کیوجہ سے جی یہ چاہتا ہے کہ سر بھیگا رہے بدن کا پانی بدن ہی میں جذب ہو جائے۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا رومال نہ لینا اسی خیال سے ہے۔ اسلئے کہ ایک دوسری روایت میں یہ ہے کہ ام المومنین حضرت صدیقہ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کیلئے ایک کپڑے کا ٹکڑا تھا جس سے بدن پوچھا کرتے تھے (۶) سر اور داڑھی کے بالوں کا خلال کرنا جیسا کہ تصریح ہے کان یخلل اصول شعرہ۔ (۷) پورے جسم پر تین بار پانی بہانا۔

تشریحات (۱۸۳، ۱۸۴، ۱۸۵)

حضرت امام زین العابدین رضی اللہ تعالیٰ عنہ اکابر سادات اہلبیت اور اجلہ تابعین میں ہیں امام زہری نے فرمایا کہ کسی قرشی کو ان سے افضل نہیں دیکھا۔ حضرت علی

ع ہ بخاری جلد اول غسل، باب الغسل مرۃ واحدۃ ص ۳۹ ایضا جلد اول غسل باب المضمضۃ والاستنشاق فی الجنابۃ ص ۴۰ ایضا جلد اول غسل باب مسح الید بالتراب لیکون انقی ص ۴۰ ایضا جلد اول غسل باب من افرغ بیمینہ علی شمالہ ص ۴۰ ایضا تفریق الغسل والوضوء ص ۴۰ ایضا من توضأ فی الجنابۃ ثم غسل سائر جسدہ ص ۴۱ ایضا نفض الیدین من غسل الجنابۃ ص ۴۱ ایضا من اغتسل عریانا وحدہ فی الخلوۃ ص ۴۲ مسلم جلد اول غسل باب صفۃ الغسل ص ۱۴۷ ابوداؤد جلد اول غسل باب غسل الجنابۃ ص ۳۲ نسائی جلد اول طہارت باب غسل الرجلین فی غیر المکان الذی یغتسل فیہ ص ۴۹ ترمذی جلد اول طہارت باب ماجاء فی غسل الجنابۃ ص ۱۵، ابن ماجہ جلد اول طہارت باب ما جاء فی غسل الجنابۃ ص ۴۳

وَالنَّبِیُّ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مِنْ اِنَاءٍ وَاحِدٍ مِنْ قَدَحٍ
نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ایک برتن سے جس کو فرق
یُقَالُ لَہُ الْفَرَقُ عہ
کہتے ہیں نہایا کرتے تھے۔

(۱۸۴) حدیث الغسل من صاع

سَمِعْتُ اَبَا سَلَمَۃَ یَقُوْلُ دَخَلْتُ اَنَا وَاَخُوْ عَائِشَۃَ عَلٰی عَائِشَۃَ
ابو سلمہ کہتے ہیں کہ میں اور حضرت ام المومنین کے ایک (رضاعی) بھائی ان کی خدمت میں
فَسَأَلَهَا اَخُوْهَا عَنْ غُسْلِ رَسُوْلِ اللہِ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ
حاضر ہوئے۔ اُس نے اُن سے پوچھا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم غسل کیسے
وَسَلَّمَ فَدَعَتْ بِاِنَاءٍ نَحْوٍ مِنْ صَاعٍ فَاغْتَسَلَتْ وَاَفَاضَتْ
فرماتے تھے۔ تو ام المومنین نے ایک صاع کے قریب ایک برتن منگایا اور غسل فرمایا

رضی اللہ تعالٰی عنہ کے ایام خلافت ۳۶ھ میں پیدا ہوئے اور ۹۴ھ میں ۵۸ سال کی عمر پاکر مدینہ طیبہ میں وفات پائی۔ جنت البقیع میں اپنے عم مکرم حضرت امام حسن رضی اللہ تعالٰی عنہ کے پہلو میں مدفون ہیں۔ سلاطین عثمانیہ نے اہل بیت کے تمام مزارات پر ایک عالیشان قبہ بنوادیا تھا جو قبہ عباس کے نام سے مشہور تھا، ابن سعود نجدی نے اپنے تغلب کے بعد قبے کو ڈھادیا اور تمام مزارات کو توڑ کر کھنڈر کر دیا۔
واقعہ کربلا کے وقت تقریباً چوبیس سال کے تھے بیماری کی وجہ سے بچ گئے بعض ظالموں نے شہید کرنا چاہا تو ابن سعد نے سختی سے روکدیا۔ ان کے بڑے بھائی حضرت علی اکبر شہید وہیں شہید ہوئے۔ لہ
مشہور یہ ہے کہ ایران کے اخیر تاجدار یزدجرد کی بیٹی شہربانو کے بطن سے ہیں۔ بعض مورخین نے اس کا سختی سے انکار کیا ہے والعلم عند اللہ تعالٰی۔
حدیث ۱۸۵ میں سائل حضرت محمد بن حنفیہ کے صاحبزادے حضرت حسن ہیں جیسا کہ بخاری میں اس کے بعد والی روایت میں تصریح ہے۔ حضرت جابر نے امامت اس لئے کی کہ یہی ان سب میں زیادہ علم والے اور سب سے

عہ مسلم جلد اول حیض باب قدر المستحب من الماء فی غسل الجنابۃ ص ۱۴۸ ابو داؤد جلد اول طہارت باب مقدار الماء الذی یجزی بہ الغسل ص ۳۱ نسائی جلد اول غسل، باب ذکر القدر الذی یکتفی بہ الرجل من الماء للغسل ص ۴۶ دارمی وضوء ۶۸ موطا امام مالک طہارت ۶۸ مسند امام احمد لہ البدایہ والنہایہ واکمال۔

عَلٰی رَاْسِھَا وَبَیْنَنَا وَبَیْنَھَا حِجَابٌ قَالَ اَبُوْعَبْدِ اللّٰہِ قَالَ یَزِیْدُ بْنُ

اور اپنے سر پر پانی بہایا ہمارے اور ان کے درمیان پردہ تھا۔ امام بخاری نے کہا کہ یزید بن

ھَارُوْنَ وَبَھْزٌ وَالْجُدِّیُّ عَنْ شُعْبَۃَ قَدْرَ صَاعٍ عـہ

ہارون اور بہز اور جُدّی نے شعبہ سے نحو من صاع کے بجائے قدر صاع روایت کیا۔

(۱۸۵) حدیث ایضًا۔ حَدَّثَنَا اَبُوْجَعْفَرٍ اَنَّہٗ کَانَ عِنْدَ جَابِرِ

ہم سے ابو جعفر حضرت امام باقر نے حدیث بیان کی یہ اور ان کے والد

بْنِ عَبْدِ اللّٰہِ ھُوَ وَاَبُوْہُ وَعِنْدَہٗ قَوْمٌ فَسَاَلُوْہُ عَنِ الْغُسْلِ

(امام زین العابدین) حضرت جابر کے گھر تھے اور وہاں اور لوگ بھی تھے لوگوں نے

فَقَالَ یَکْفِیْکَ صَاعٌ فَقَالَ رَجُلٌ مَا یَکْفِیْنِیْ، فَقَالَ جَابِرٌ کَانَ

ان سے غسل کے بارے میں پوچھا تو انھوں نے فرمایا غسل کیلئے ایک صاع پانی کافی ہے اس پر کسی نے کہا مجھے کافی نہ

یَکْفِیْ مَنْ ھُوَ اَوْفٰی مِنْکَ شَعْرًا وَخَیْرًا مِنْکَ ثُمَّ اَمَّنَا فِیْ ثَوْبٍ عـہ

ہوگا تو حضرت جابر نے فرمایا اتنا پانی اس ذات کیلئے کافی ہوتا تھا جنکے بال تم سے زیادہ تھے اور جو تم سے بہتر تھے اور حضرت جابر نے

صرف ایک کپڑا پہنے پہنے ہماری امامت کی۔

افضل بھی تھے کہ یہ صحابی تھے۔ یا اس بنا پر کہ یہ ان کا گھر تھا۔ ایک کپڑے میں نماز پڑھا کر یہ بتایا کہ نماز کے لئے دو یا اس سے زائد کپڑوں کی شرط نہیں، صرف بدن کے ان حصوں کا چھپانا ضروری ہے جنھیں نماز میں چھپانے کا حکم ہے۔

صاع اور فرق کی پوری تحقیق و تفصیل حدیث ۱۴۶ میں گذر چکی۔ وہیں یہ بھی بیان کیا گیا کہ حدیث ۱۸۳ میں حضرت ام المومنین کی مراد یہ ہے کہ باری باری یکے بعد دیگرے میں بھی اسی برتن سے نہا لیتی اور حضور بھی۔ اس حدیث میں اخوھا سے مراد رضاعی بھائی ہیں جیسا کہ مسلم شریف اور نسائی شریف کی حدیث میں تصریح ہے انکا نام غالبا عبداللہ بن یزید ہے [1]

حضرت ام المومنین، ابوسلمہ کی رضاعی خالہ تھیں۔ ابوسلمہ نے ام المومنین کی بہن، ام کلثوم بنت ابی بکر الصدیق کا دودھ پیا تھا۔ یہ دونوں محرم تھے اس لئے حضرت ام المومنین اتنا پردہ کرکے کہ صرف سر نظر آرہا تھا۔ بقیہ جسم پردے میں تھا، غسل کرکے بتایا۔ عملی تعلیم بہ نسبت قول کے زیادہ دلنشین ہوتی ہے، صحابہ کرام کا اکثر یہ دستور تھا کہ جب کوئی پوچھتا تو عمل کرکے بتادیتے۔

عـہ مسلم جلد اول حیض۔ باب قدر المستحب من الماء فی غسل الجنابۃ ص ۱۴۸ نسائی جلد اول غسل، باب ذکر القدر الذی یکتفی بہ الرجل من الماء للغسل ص ۴۶۔ مسند امام احمد۔

عـہ بخاری جلد اول غسل ۱۱ اسی باب میں دو اور طریقے سے۔ نسائی جلد اول غسل، باب ذکر القدر الذی یکتفی بہ الرجل من الماء للغسل ص ۴۶

لہ تیسیر القاری الجزء الثانی ص ۱۰۶،

(۱۸۶) حدیث غسل النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ومیمونۃ من اناء واحد

عَنْ اِبْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ نبی صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَمَيْمُوْنَةَ كَانَا يَغْتَسِلَانِ مِنْ اِنَاءٍ وَّاحِدٍ قَالَ اَبُوْعَبْدِاللّٰهِ

اور میمونہ ایک ہی برتن سے غسل کرتی تھیں امام بخاری نے کہا

كَانَ ابْنُ عُيَيْنَةَ يَقُوْلُ اَخِيْرًا عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنْ مَيْمُوْنَةَ وَالصَّحِيْحُ

کہ سفیان بن عیینہ اخیر عمر میں عن ابن عباس عن میمونۃ کہنے لگے تھے

مَارَوٰى اَبُوْنُعَيْمٍ ۵ ؏

صحیح وہی ہے جو ابونعیم نے روایت کیا۔

(۱۸۷) حدیث افاضۃ الماء علی الراس ثلثا

حَدَّثَنِيْ جُبَيْرُ بْنُ مُطْعِمٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ

حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے

تشریحات (۱۸۶) امام بخاری نے یہاں باب یہ باندھا تھا الغسل من صاع ونحوہ۔ ایک صاع یا اس کے قریب قریب کسی برتن سے غسل کرنا۔ اس حدیث کو باب سے کیا مطابقت ہے؟ وہ سب پر ظاہر ہے، علامہ کرمانی اور علامہ عسقلانی نے مطابقت پیدا کرنے کی بہت کوشش کی اور حق علامہ عینی کے ساتھ ہے کہ اس حدیث کو باب سے کوئی مطابقت نہیں یہ حدیث سفیان بن عیینہ سے دو طرح مروی ہے۔ عن ابن عباس عن میمونۃ۔ اور عن ابن عباس ان النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ومیمونۃ۔ پہلی صورت میں یہ حدیث مسانید میمونہ میں ہوگی اور دوسری صورت میں مسانید ابن عباس میں سے ہوگی۔ اسلئے ضرورت پڑی کہ امام بخاری یہ فیصلہ دیں کہ ان دونوں میں صحیح کون ہے۔ فرمایا صحیح وہی ہے جو ابونعیم نے روایت کیا جسے ہم نے متن میں درج کیا ہے۔ یعنی دوسری صورت کہ یہ مسانید ابن عباس سے ہے۔

تشریحات (۱۸۷) سلیمان بن صرد رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ یہ بنی خزاعۃ کے فرد ہیں۔ ان کا نام جاہلیت میں یسار تھا۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بدل کر سلیمان رکھدیا۔ جب حضرت فاروق اعظم رضی اللہ

۵؏ مسلم جلد اول حیض۔ باب قدر المستحب من الماء فی غسل الجنابۃ ص ۱۴۸، نسائی جلد اول غسل باب ذکر اغتسال الرجل والمرأۃ من نسائہ من اناء واحد ص ۴۷، ابن ماجہ طہارت، باب الرجل والمرأۃ یغتسلان من اناء واحد ص ۳۱۔

تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَمَّا اَنَا فَاُفِیْضُ عَلٰی رَاْسِیْ ثَلٰثًا وَاَشَارَ بِیَدَیْہِ

فرمایا میں اپنے سر پر تین مرتبہ پانی بہاتا ہوں اور اپنے

کِلْتَیْہِمَا ع۵

دونوں ہاتھوں سے اشارہ فرمایا

تعالیٰ عنہ کے حکم سے کوفہ بسایا جانے لگا تو پہلے پہل جو لوگ کوفے میں جاکر آباد ہوئے ان میں یہ بھی تھے۔ بنی خزاعہ کے محلے میں گھر بنایا۔ اپنی قوم میں بہت ہر دلعزیز اور مقبول تھے۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خاص محبین میں تھے صفین کے خونی معرکے میں یہ حضرت علی کے ساتھ تھے۔ جوشن کو انھوں نے مارا تھا۔

حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خط لکھکر کوفہ بلانے والوں میں یہ بھی تھے، مگر عین موقع پر گھر بیٹھے رہے۔ شہادت کے بعد احساس ہوا اب پچھتائے کیا ہوتا ہے، پھر یہ اور مسیب بن نجبہ نے انتقام حسین کی تحریک چلائی اور اپنا نام توابین رکھا اور حضرت سلیمان بن صرد کو امیر بنا کر چار ہزار لشکر اکٹھا کر کے ابن زیاد کے مقابلے کیلئے نکلے۔ یہ قصہ پہلی ربیع الآخر ۶۵ھ کا ہے۔ ادھر سے ابن زیاد نے اپنا لشکر بھیجا مقام عین التمر پر دونوں فوجوں کا مقابلہ ہوا۔ سلیمان بن صرد اور مسیب دونوں مارے گئے۔ ان کے سر مروان کے پاس بھیجے گئے۔ شہادت کے وقت انکی عمر ترانوے سال تھی۔ انھیں یزید بن حصین بن نمیر نے تیر سے شہید کیا تھا۔

حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ تعالیٰ عنہ بنی نوفل کے چشم و چراغ تھے ان کی کنیت ابو محمد ہے۔ ان کے والد مطعم بن عدی حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر بہت مہربان تھے، حضرت جبیر بن مطعم صلح حدیبیہ اور فتح مکہ کے مابین ایمان لائے۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں بدر کے بعد قیدیوں کی رہائی کے سلسلے میں آئے تھے۔ نماز مغرب یا عشا ر میں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دہان اقدس سے سورہ طور سنی تو دل لرز اٹھا اور ایمان کی پہلی کرن پھوٹی۔ قیدیوں کی شفارش پر فرمایا۔ اگر تمھارے باپ زندہ ہوتے اور ان کے بارے میں سفارش کرتے تو ضرور انکو چھوڑ دیتا۔

قریش کے بہت ماہر انساب تھے، زمانہ معاویہ میں مدینہ طیبہ ہی میں وصال ہوا ۵۷ھ تا ۵۹ھ سن وصال ہے۔

تکمیل مسلم اور نسائی اور ابن ماجہ میں ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حضور غسل کے بارے میں کچھ لوگ لڑ پڑے یہ کہنے لگے میں تو اپنے سر کے ساتھ ایسا ایسا کرتا ہوں اس پر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یہ فرمایا۔

ع۵ مسلم جلد اول طہارت، باب استحباب افاضۃ الماء علی الراس ثلثا ص ۱۴۹ - ابوداود جلد اول طہارت باب فی الغسل من الجنابۃ ص ۳۲ - نسائی جلد اول غسل باب ذکر ما یکفی الجنب من افاضۃ الماء علی راسہ ص ۴۹ ابن ماجہ طہارت باب فی الغسل من الجنابۃ ص ۴۴

(۱۸۸) حدیث۔ افاضۃ الماء علی سائر الجسد ثلثا

حَدَّثَنِیْ اَبُوْجَعْفَرٍ قَالَ لِیْ جَابِرٌ اَتَانِیْ اِبْنُ عَمِّكَ یُعَرِّضُ بِالْحَسَنِ

حضرت ابوجعفر یعنی امام باقر نے فرمایا کہ مجھ سے جابر نے بیان کیا کہ میرے پاس آپ کے چچا کے لڑکے آئے

بْنِ مُحَمَّدِ بْنِ الْحَنَفِیَّۃِ قَالَ کَیْفَ الْغُسْلُ مِنَ الْجَنَابَۃِ فَقُلْتُ کَانَ

ان کی مراد حسن بن محمد بن حنفیہ سے تھی۔ اور پوچھا جنابت سے غسل کیسے کیا جائے؟ تو میں نے کہا کہ

النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَاْخُذُ ثَلٰثَ اَکُفٍّ فَیُفِیْضُھَا

نبی صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تین چلو پانی لیتے اور اسے اپنے سر پر ڈالتے پھر

عَلٰی رَاْسِہٖ ثُمَّ یُفِیْضُ عَلٰی سَائِرِ جَسَدِہٖ فَقَالَ لِیَ الْحَسَنُ اِنِّیْ رَجُلٌ

اپنے پورے جسم پر اس پر حسن نے مجھ سے کہا میں بہت زیادہ

کَثِیْرُ الشَّعْرِ فَقُلْتُ کَانَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَکْثَرَ مِنْكَ شَعْرًا

بال والا انسان ہوں۔ میں نے کہا کہ نبی صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تم سے زیادہ بال والے تھے

(۱۸۹) حدیث افاضۃ الماء علی الراس

عَنْ عَائِشَۃَ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْھَا قَالَتْ کَانَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا کہ نبی صلے اللہ تعالیٰ

مسائل

اس حدیث سے یہ مسائل اخذ کئے گئے۔ غسل میں تین بار پورے جسم پر پانی بہانا سنت ہے حدیث میں اگرچہ صرف سر پر تین بار پانی بہانے کا ذکر ہے۔ مگر اسی پر قیاس کرکے پورے جسم پر تین بار پانی بہانے کو مسنون کہا گیا ہے۔

تشریح (۱۸۸) یہ حدیث ۱۸۵ ہی ہے تھوڑے تغیر اور الفاظ کے اختلاف کیساتھ یہ حدیث احناف کے مسلک پر نص ہے کہ سر کی طرح پورے جسم پر تین بار پانی بہانا مسنون ہے۔

تشریحات (۱۸۹) حلاب اس برتن کو کہتے ہیں جسمیں اونٹنی کا ایک وقت کا دودھ آجائے اور مطلقا بر دودھ کے برتن کو بھی کہتے ہیں۔ بعض نے کہا کہ برتن ایک بالشت کچھ کم لمبا چوڑا ہوتا ہے۔ امام بخاری نے یہ باب باندھا ہے من بدء بالحلاب او الطیب عند الغسل۔ جس نے حلاب یا خوشبو سے غسل شروع کیا۔ طیب کا استعمال باب میں ذکر کی ہوئی کسی حدیث سے نہیں ثابت ہوتا۔

عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا اغْتَسَلَ مِنَ الْجَنَابَۃِ دَعَا بِشَیْءٍ نَحْوَ الْحِلَابِ فَاَخَذَ

علیہ وسلم جب جنابت سے غسل کرتے تو حلاب کے مثل کوئی برتن منگاتے پھر اُسے اپنے

بِکَفِّہٖ فَبَدَأَ بِشِقِّ رَاسِہِ الْاَیْمَنِ ثُمَّ الْاَیْسَرِ فَقَالَ بِھِمَا عَلٰی وَسْطِ رَاسِہٖ

ہاتھ میں لیتے اور سر کی داہنی جانب سے شروع فرماتے پھر بائیں جانب ڈالتے پھر دونوں ہاتھ سے بیچ سر کو ملتے عہ

اس پر شراح نے موافقت و مخالفت میں بہت نکتہ آفرینیاں کی ہیں جو اس کی سیر کرنا چاہے وہ بخاری کی شرحیں مطالعہ کرے۔

لیکن شارحین کی ان سب ابحاث کی بنیاد اس پر ہے کہ حضور اقدس صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم "حلاب" منگاتے اور اسی سے نہاتے — اس وقت درست ہوتا جب حدیث میں — دعا بالحلاب — ہوتا — مگر جبکہ حدیث میں یہ ہے — دعا بشیء نحو الحلاب — یعنی حلاب جیسا کوئی برتن منگاتے تو اب ان ابحاث کی گنجائش نہ رہی — اس لئے کہ نکتہ آفرینی کی بنیاد اس پر قائم تھی کہ " حلاب" دودھ کے برتن میں بو ہوتی ہے، اور جب اس میں پانی رکھا جائے گا تو بو پانی میں آجائے گی — مگر مگر جب حدیث میں یہ ہے — کہ حلاب جیسا برتن منگاتے تو اس کی گنجائش نہ رہی — اب دو مطلب ظاہر ہے — ایک یہ کہ — اخذ کا مفعول محذوف شی — کو مانا جائے تو معنی یہ ہوں گے — کہ اس چیز کو اپنے ہاتھ میں لیتے اور مشک وغیرہ یا کسی اور بڑے برتن میں سے اس چیز سے پانی لیتے — جیسے آجکل بالٹی میں پانی بھر لیا جاتا ہے — اور مگھ وغیرہ سے نکال نکال کر نہایا جاتا ہے — دوسرا احتمال یہ بھی ہے کہ اخذ کا معفول "ماء" کو محذوف مانا جائے جس پر قرینہ حالیہ دلالت کرتا ہے — تو معنی یہ ہوں گے کہ اپنے ہاتھ سے پانی اس چیز میں سے لے کر نہلاتے — پہلا احتمال ظاہر ہے — بعض شارحین نے یہ لکھا ہے کہ "حلاب" گلاب کا معرب جُلاب تھا اور بدل کر "حلاب" ہو گیا — یہ احتمال اس قابل بھی نہیں کہ اس کو لکھا جاتا مگر ناظرین کی معلومات کے لئے ہم نے لکھدیا۔

قال کے معنی یہاں ملنے کے ہیں۔ قال تقریبًا افعال عامہ سے ہے۔ اپنے مفعول کے اعتبار سے اس کے معانی بدلتے رہتے ہیں۔ مثلاً قال بیدہ — ہاتھ سے پکڑا — قال برجلہ — پیدل چلا — وغیرہ وغیرہ۔

عہ مسلم جلد اول۔ حیض ۔ باب صفۃ غسل الجنابۃ ص ۱۴۷

ابو داؤد ۔ طہارت باب فی الغسل من الجنابۃ ص ۳۲

ت (۵۵) وَاَدْخَلَ ابْنُ عُمَرَ وَبَرَاءُ بْنُ عَازِبٍ يَدَهُ فِي الطَّهُوْرِ

حضرت ابن عمر اور براء بن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے بغیر دھلا ہاتھ پانی میں ڈالا پھر

وَلَمْ يَغْسِلْهَا ثُمَّ تَوَضَّاءَ عہ

اس سے وضو کیا

ت (۵۶) وَلَمْ يَرَ ابْنُ عُمَرَ وَابْنُ عَبَّاسٍ بَاسًا بِمَا يَنْتَضِحُ مِنْ

حضرت ابن عمر اور ابن عباس رضی اللہ عنہم، جنابت کی حالت میں نہانے سے جو چھینٹیں پڑتیں

غُسْلِ الْجَنَابَةِ عہ

اس سے کچھ حرج نہیں جانتے

تشریحات (۵۵) (۵۶) یہاں امام بخاری یدہ میں واحد کی ضمیر لائے ہیں اور بعد میں "توضأ" واحد کا صیغہ لائے ہیں۔ حالانکہ مراد ان کی یہ ہے کہ حضرت ابن عمر اور براء بن عازب دونوں اپنا اپنا ہاتھ بغیر دھوئے پانی میں ڈالتے اور دونوں وضو کرتے۔ امام بخاری کو یدھما تثنیہ کی ضمیر لانی ضرور تھی۔ اور توضأ تثنیہ کا صیغہ لانا لازم تھا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں بتاویل کل واحد، واحد کی ضمیر اور واحد کا صیغہ لائے ہیں۔

باب کا فائدہ امام بخاری کا مقصد یہ ہے کہ محدث یا جنبی اگر دھوئے بغیر برتن میں ہاتھ ڈال دے تو پانی طاہر بھی رہتا ہے اور مطہر بھی۔ یہ احناف کے مسلک کے خلاف ہے۔ اس لئے کہ احناف کا مسلک مفتی بہ یہ ہے کہ محدث یا جنبی اگر بغیر دھوئے ہاتھ پانی میں ڈال دے گا تو پانی مستعمل ہو جائے گا، جو طاہر ہے مگر مطہر نہیں۔ احناف کا جواب یہ ہے کہ خود حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا قول۔ ابن ابی شیبہ میں یہ ہے کہ اگر کوئی جنابت کی حالت میں چلو سے پانی لے گا تو پانی نجس ہو جائیگا۔ [۱]

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے قول و فعل کو تعارض سے بچانے کے لئے ضروری ہے کہ "بخاری" کے اس اثر میں حالت جنابت مستثنیٰ ہو۔ رہ گیا حدث کی حالت میں ہاتھ ڈالنے کا معاملہ تو اس اثر میں اس پر کوئی دلیل نہیں کہ حالت حدث میں ایسا کرتے ہوں۔ ہو سکتا ہے کہ یہ واقعہ ایسی حالت کا ہو جب یہ حضرات وضو پر وضو کرتے ہوں۔ اس کا بھی امکان ہے کہ یہ ایسے وقت کا قصہ ہو جب پانی بڑے برتن میں ہو جسے اونڈھا کرنا ممکن نہ ہو اور کوئی چھوٹا برتن نہ رہا ہو جس سے پانی لیتے۔ ایسی صورت میں ہم بھی یہی کہتے ہیں کہ پہلے بائیں ہاتھ کی انگلیوں سے پانی لے کر داہنے ہاتھ کو دھوئے، پھر داہنے ہاتھ سے پانی لے کر بائیں ہاتھ کو دھوئے۔ اس اثر میں "یدہ" واحد کا صیغہ اسی کی طرف مشعر ہے۔ پھر یہ صحابی کا فعل ہے اور حدیث ۱۱۹ میں ہے کہ فرمایا

عہ عبد الرزاق بمعناہ عہ ابن ابی شیبہ بمعناہ منقطعا [۱] شرح شیخ الاسلام الجزء الثانی ص ۲۹۰

حدیث (١٩٠) اغتسل انا والنبی صلی اللہ تعالی علیہ وسلم من اناء واحد

عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهَا قَالَتْ اَغْتَسِلُ اَنَا وَالنَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ اِنَاءٍ وَّاحِدٍ تَخْتَلِفُ اَيْدِيْنَا فِيْهِ عه

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا نے کہا میں اور نبی صلے اللہ تعالی علیہ وسلم ایک ہی برتن سے غسل کرتے۔ ہم اپنے ہاتھ یکے بعد دیگرے اس برتن میں ڈالتے

حدیث (١٩١) غسل الیدین فی الغسل

عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهَا قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اغْتَسَلَ مِنَ الْجَنَابَةِ غَسَلَ يَدَهٗ عه

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا نے فرمایا رسول اللہ صلے اللہ تعالی علیہ وسلم جب جنابت سے غسل فرمانا چاہتے تو اپنے ہاتھ کو دھو لیتے

"جب تم سو کر اٹھو تو برتن میں ڈالنے سے پہلے اپنے ہاتھ کو دھو لو"

فلیغسل یدہ میں امر ہے اور امر میں اصل وجوب ہے۔ وجوب اس کی دلیل ہے کہ سو کر اٹھنے کے بعد برتن میں ہاتھ ڈالنا ممنوع ہے اور ظاہر ہے کہ یہ ممانعت اس وجہ سے نہیں کہ اسوقت برتن میں ہاتھ ڈالنا گناہ ہے لامحالہ اس کا محمل یہی ہے کہ لائق وضو و غسل نہیں۔ نجس کہہ نہیں سکتے اسلئے کہ پانی پاک تھا اور ہاتھ کا نجس ہونا یقینی نہیں۔ شک سے نجاست ثابت نہیں ہوگی تو لامحالہ یہ کہنا پڑے گا کہ پانی تو پاک ہے مگر وضو و غسل کے لائق نہیں یہی معنی ہیں" طاہر غیر مطہر" کے۔ حدیث صحیح کے معارض، صحابی کا عمل نہیں ہو سکتا اس لئے اس اثر کو مذکورہ دونوں محملوں میں سے ایک پر حمل کرنا لازم ہوگا۔ رہ گئی دوسری تعلیق یہ ہمارے مذہب کے قطعاً معارض نہیں۔ غسل جنابت کے وقت جو چھینٹیں اڑتی ہیں وہ زیادہ سے زیادہ ماء مستعمل ہوں گی اور ہم ماء مستعمل کو پاک مانتے ہیں ناپاک نہیں مانتے کہ اگر وہ پانی میں پڑ جائے تو پانی ناپاک ہو جائے۔

تشریحات (١٩٠) بخاری، باب تخلیل الشعر حتی اذا ظن انہ قد اروی بشرتہ افاض علیہ میں ط۴۱ پر بھی یہ حدیث تھوڑے سے تغیر اور کچھ زیادتی کے ساتھ مذکور ہے، اس کے علاوہ ابو داؤد میں بھی

عہ مسلم جلد اول، حیض، باب القدر المستحب من الماء فی غسل الجنابۃ ص ١٤٨، ابو داؤد جلد اول، طہارت باب الوضوء بفضل المرأۃ ص ١١، ابن ماجہ۔ طہارت، باب الرجل والمرأۃ یغتسلان من اناء واحد ص ٣١ مسند امام احمد۔ عہ ایضاً غسل۔ باب تخلیل الشعر حتی اذا ظن انہ قد اروی بشرتہ افاض علیہ ص ٤١، ایضاً غسل الوضوء قبل الغسل ص ٣٩، ابو داؤد جلد اول طہارت، باب الغسل من الجنابۃ ص ٣٢۔

(۱۹۲) حدیث اغتسال المرأة مع زوجہا

عَنْ عَائِشَةَ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہَا قَالَتْ کُنْتُ اَغْتَسِلُ اَنَا وَالنَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مِنْ اِنَاءٍ وَّاحِدٍ مِّنْ جَنَابَةٍ وَعَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ الْقَاسِمِ عَنْ اَبِیْہِ عَنْ عَائِشَةَ مِثْلَہٗ

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا میں اور نبی صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ایک ہی برتن سے غسل جنابت کرتے تھے۔

(۱۹۳) حدیث ایضًا

سَمِعْتُ اَنَسَ ابْنَ مَالِكٍ رَّضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ یَقُوْلُ کَانَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَالْمَرْأَةُ مِنْ

حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ نبی صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ ان کی عورتوں میں

کچھ تغیر کے ساتھ ہے۔ بخاری میں دونوں جگہ یہ ہے کہ، جب حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم غسل جنابت فرماتے تو اپنے دونوں ہاتھوں کو دھوتے۔ یہاں پر تصریح نہیں کہ غسل کی ابتدا میں کہ وسط میں کہ انتہا میں، مگر ابوداؤد میں صاف صاف تصریح ہے کہ غسل کی ابتداء ہاتھ دھونے سے فرماتے بلکہ خود بخاری باب الوضوء قبل الغسل میں ص ۲۷ پر تصریح ہے کہ غسل سے پہلے دونوں ہاتھ دھوتے پھر وضو فرماتے۔

تشریحات (۱۹۱، ۱۹۲، ۱۹۳)
باب کی توضیح

امام بخاری نے ان احادیث پر یہ باب باندھا ہے ”جنبی کے ہاتھ پر اگر کوئی نجاست، جنابت کے علاوہ نہ ہو تو کیا وہ دھوئے بغیر برتن میں اپنا ہاتھ ڈال سکتا ہے؟“

باب تو امام بخاری نے سوال کے انداز میں قائم کیا ہے۔ مگر جو آثار و احادیث لائے ہیں، ان سے یہ بتانا چاہتے ہیں کہ اس میں کوئی حرج نہیں کہ جنبی بغیر دھوئے برتن میں ہاتھ ڈال دے، اس سے نہ پانی ناپاک ہوگا نہ اس میں کوئی ایسا فساد پیدا ہوگا کہ اس سے وضو یا غسل نہ ہو سکے۔ اس لئے کہ جنابت نجاست حسی اور حقیقی نہیں بلکہ معنوی اور حکمی ہے۔ ابھی گزرا کہ یہ احناف کے مذہب کے خلاف ہے۔ اس لئے کہ احناف کا مذہب یہ ہے کہ اگر محدث یا جنبی دھوئے بغیر اپنا ہاتھ پانی میں ڈالے گا تو "پانی" مستعمل ہو جائیگا جو طاہر تو ہے مگر مطہر نہیں۔

یہاں بھی افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ ان احادیث سے ”امام بخاری کا مقصد“ ثابت نہیں ہوتا۔

نِسَائِهٖ يَغْتَسِلَانِ مِنْ اِنَاءٍ وَّاحِدٍ زَادَ مُسْلِمٌ وَوَهْبُ بْنُ جَرِيْرٍ	
سے ایک عورت ایک ہی برتن سے غسل کرتیں	مسلم اور وہب ابن جریر نے بروایت
عَنْ شُعْبَةَ مِنَ الْجَنَابَةِ"	
شعبہ یہ زیادہ کیا کہ جنابت سے۔	

باب کے ثبوت کی صورت صرف یہ ہے کہ چونکہ ام المومنین فرماتی ہیں کہ ہمارے ہاتھ برتن میں یکے بعد دیگرے پڑتے، اور چونکہ غسل جبتک پورا نہ ہو جنابت دور نہ ہوگی تو معلوم ہوا کہ حالت جنابت میں، پانی میں ہاتھ ڈالنے سے پانی پر کوئی اثر نہیں پڑتا، ہماری عرض یہ ہے کہ اگر یہ ثابت نہ ہوتا کہ نہانے سے پہلے ہاتھ دھولیتے تھے تو ضرور باب ثابت ہوجاتا مگر ابھی حدیث ۱۹۰ میں گذرا۔

اذا اغتسل من الجنابة غسل یدہ۔ جب غسل جنابت کرنا چاہتے تو اپنا ہاتھ دھولیتے۔

اس مختصر حدیث کی جو تفصیل خود بخاری اور ابوداؤد کے حوالے سے ہم نے لکھی اس میں تصریح ہے کہ ابتداءً ہاتھ دھوتے جب یہ ثابت ہے کہ غسل کرنے سے پہلے ہاتھ دھولیتے تو ہاتھ پر جو جنابت ہوتی وہ دور ہوجاتی۔ اس کے بعد برتن میں ہاتھ ڈالنے سے پانی پر کیا اثر پڑ سکتا ہے۔

اس پر صاحب ایضاح البخاری کا یہ کہنا کہ غسل کے پہلے ہاتھ دھونے سے بھی ہاتھ کی جنابت نہیں دور ہوتی اسلئے کہ نجاست غیر متجزی ہے۔ طفل تسلی ہے۔ یہ صحیح ہے کہ جنابت میں تجزی نہیں، اس معنی کر کہ جب طاری ہوگی تو پورے جسم پر طاری ہوگی، ایسا نہیں کہ بعض اجزاء پر طاری ہو بعض پر نہ طاری ہو لیکن ازالے میں ضرور متجزی ہے۔ جنابت کے بعد جن جن اعضاء پر پانی بہہ جائے گا ان سب کی جنابت دور ہوتی جائے گی۔ اگر اس کو تسلیم نہ کریں تو لازم کہ جنابت دور ہونے کی سوائے اس کے اور کوئی صورت نہیں کہ جنبی پانی میں غوطہ لگائے۔ اس لئے کہ غوطہ لگانا ہی ایک ایسی صورت ہے کہ جس سے پورے جسم پر بیک وقت پانی پہنچے، اور کسی برتن میں رکھے ہوئے پانی سے جب غسل کریں گے تو پھر کوئی صورت نہیں کہ بیک وقت پورے جسم پر پانی پہنچ سکے۔ یقیناً بعض اعضاء پر پہلے اور بعض پر بعد میں پانی پہنچے گا۔ مثلاً آپ نے سر پر پانی ڈالا۔ آپ کتنا ہی پانی ڈالیں کسی طرح پورے جسم پر بیک وقت نہیں پہنچے گا۔ تو اگر یہ قول کیا جائے کہ ازالے کے اعتبار سے بھی جنابت میں تجزی نہیں تو اس صورت میں غسل ہی نہ ہوگا۔ لامحالہ ماننا پڑے گا کہ دور ہونے کے اعتبار سے جنابت میں تجزی ہے۔ یعنی یہ ہوسکتا ہے کہ کچھ اعضاء کی جنابت پہلے دور ہو اور کچھ کی بعد میں۔ بناءً علیہ جب ہاتھ دھولیا تو ہاتھ کی جنابت دور ہوگئی، اب اسے برتن میں ڈالنے سے پانی پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔

حدیث (۱۹۲) کی متابعت میں امام بخاری نے فرمایا:۔ وعن عبد الرحمن بن القاسم عن ابیه عن عائشة مثله۔ یہ حدیث مذکور کی سند "عن ابی بکر بن حفص عن عروۃ" پر معطوف ہے۔ مراد یہ ہے کہ شعبہ نے اس حدیث کو حضرت ام المومنین سے دو سندوں کے ساتھ بیان کیا ہے۔ ایک عن ابی بکر بن حفص عن عروۃ" اور

(۵۷) وَیُذْکَرُ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا، اَنَّہٗ غَسَلَ قَدَمَیْہِ بَعْدَ مَا جَفَّ وَضُوْءُہٗ

ت حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا یہ عمل مذکور ہے کہ انھوں نے دوسرے اعضاء وضو کے سوکھ جانے کے بعد پاؤں دھویا۔

دوسری عن عبد الرحمٰن بن القاسم عن ابیہ کے ساتھ۔

حدیث (۱۹۳) کے بعد ہے زاد مسلم ووھب عن شعبۃ من الجنابۃ۔ یہ مسلم بن ابراہیم الازدی ہیں، امام مسلم صحیح مسلم کے مصنف نہیں۔ اور یہ وہب وہب بن جریر ہیں۔ وہب بن منبہ نہیں مطلب یہ ہے کہ شعبہ سے جو روایت بطریق ابوالولید ہے اس میں من الجنابۃ نہیں۔ مگر شعبہ ہی سے یہی حدیث بطریق مسلم اور وہب مروی ہے، اس میں "من الجنابۃ" مذکور ہے۔

پہلی حدیث میں صرف غسل کا ذکر ہے، یہ مذکور نہیں کہ یہ غسل جنابت تھا۔ اس کا بھی احتمال ہے کہ یہ غسل تبرید یا تنظیف کے لئے رہا ہو۔ اس لئے اس سے باب کا ثبوت نہیں ہوتا۔ تو امام بخاری نے تیسری حدیث ذکر کی جس میں "من الجنابۃ" کی تصریح ہے جس سے ثابت ہوا کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور حضرت ام المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنہا غسل جنابت بھی ایک ہی برتن سے فرماتے،

تشریح (۵۷) علامہ عینی نے یہاں فرمایا کہ اس تعلیق کو صیغۂ تمریض یعنی مجہول کے ساتھ ذکر کیا جو ضعف کی جانب مشعر ہے۔ حالانکہ یہ تعلیق بسند متصل وصحیح بیہقی نے ذکر کی ہے۔

یہ صحیح ہے کہ اکثر جگہ صیغۂ تمریض سے ضعف کی طرف اشارہ ہے مگر اس پر کلیتًہ التزام نہیں کہیں کہیں صحیح و متصل احادیث کو "تعلیقًا" صیغۂ مجہول سے ذکر فرمایا۔ جس کی تفصیل مقدمہ میں گزر چکی۔ علاوہ ازیں امام بیہقی نے سند متصل کے ساتھ جو ذکر کیا ہے اس میں پاؤں دھونے کا ذکر نہیں بلکہ موزوں پر مسح کا ذکر ہے۔

اس تعلیق کے ذکر سے امام بخاری قدس سرہ کا مقصود یہ ہے کہ وضو میں اور اسی کے مثل غسل میں موالاۃ فرض نہیں کہ یکے بعد دیگرے بلا تاخیر اور بلا فصل اعضاء کو دھویا جائے۔ اعضاء کے دھونے میں اگر تاخیر ہو جائے تو خواہ کتنی ہی تاخیر ہو جائے وضو اور غسل میں کوئی خلل نہیں پڑے گا۔ البتہ امام مالک موالاۃ فرض مانتے ہیں۔

بیہقی نے معرفت میں حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا یہ عمل نقل کیا ہے کہ حضرت ابن عمر نے بازار میں وضو کیا اپنے ہاتھوں اور چہرے کو دھویا اور اپنے سر پر مسح کیا اس کے بعد نماز جنازہ کے لئے بلائے گئے تو مسجد میں گئے اس وقت اپنے موزوں پر مسح کیا اس کے بعد نماز پڑھی لے

مگر اصل مقصد پر کوئی اثر نہیں پڑا۔ امام بخاری نے یہاں باب یہ باندھا ہے:-

لے عینی جلد ثالث ص ۲۱۱

48

حدیث (۱۹۴) عَنْ اِبْرَاهِیْمَ بْنِ مُحَمَّدِ بْنِ الْمُنْتَشِرِ عَنْ اَبِیْهِ قَالَ
محمد بن منتشر سے روایت ہے، انھوں نے کہا میں نے یہ بات

ذَکَرْتُهٗ لِعَائِشَةَ فَقَالَتْ یَرْحَمُ اللّٰهُ اَبَا عَبْدِ الرَّحْمٰنِ، کُنْتُ
حضرت عائشہ سے کہی تو انھوں نے فرمایا اللہ ابو عبدالرحمن پر رحم فرمائے

" تفریق الوضوء والغسل:۔ وضو اور غسل کرنے میں اعضا ر دھونے میں فصل کرنا"
یعنی یہ ضروری نہیں کہ وضو کرنے میں یا غسل کرنے میں اعضا کو یکے بعد دیگرے بلا تاخیر دھویا جائے۔ اگر کچھ دیر کے بعد دھویا جائے تو بھی حرج نہیں، یہ تاخیر کتنی ہی زیادہ ہو بشرطیکہ حدث نہ ہو۔ یہ اب بھی ثابت اسلئے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے بازار میں منھ ہاتھ دھوئے اور سر کا مسح کیا اور موزوں پر مسح مسجد میں آکر کیا تو وضو میں فصل ثابت ہو گیا۔ یہ دوسری بات ہے کہ یہ اثر وہ نہ رہا جو امام بخاری نے ذکر فرمایا۔ اس لئے کہ امام بخاری نے تصریح کی ہے کہ انھوں نے بقیہ اعضاء وضو کے سوکھنے کے بعد پاؤں دھویا۔ اور بیہقی کی روایت میں پاؤں دھونے کا ذکر نہیں موزوں پر مسح کا ہے۔

اس باب کی تائید میں امام بخاری نے وہی حضرت میمونہ والی حدیث ۱۸۲ ذکر فرمائی جس میں یہ ہے
ثم تنحی من مقامه فغسل قدمیه:۔ پھر اس جگہ سے ہٹ کر دوسری جگہ پاؤں دھویا۔
حضور نے وضو، "شروع غسل" میں کیا تھا مگر پاؤں نہیں دھویا تھا۔ غسل مکمل کرنے کے بعد پاؤں دھویا۔ وضو کی تکمیل میں اتنا فصل ہو گیا۔

یہی ہمارا بھی مسلک ہے کہ وضو میں موالاۃ فرض نہیں۔ اس حدیث میں ایک لفظ، مذاکیرہ آیا ہے، یہ "ذکر" کی خلاف قیاس جمع ہے۔ ذکر کے دو معنی ہیں۔ نر اور عضو تناسل۔ بمعنی اول کی جمع، ذکور، ہے اور بمعنی ثانی کی جمع، مذاکیر۔ جمع لانا تعمیم کے لئے ہے تاکہ انثیین کو بھی شامل ہو جائے۔

تشریحات (۱۹۴) سند میں یہ ہے کہ ابراہیم بن محمد بن منتشر سے روایت ہے۔ وہ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں، اس کا نہایت واضح مطلب یہ ہے کہ ابراہیم اپنے باپ محمد بن منتشر سے روایت کرتے ہیں۔

ایضاح البخاری کی تغلیط لیکن تعجب ہے کہ ایضاح البخاری میں یہ ترجمہ کیا۔ محمد بن منتشر اپنے باپ، منتشر سے روایت کرتے ہیں۔

تکمیل پوری حدیث اسی بخاری میں ایک باب کے بعد یوں ہے۔
میں نے حضرت عائشہ سے ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا یہ قول ذکر کیا کہ وہ کہتے ہیں کہ مجھے یہ پسند نہیں کہ میں احرام کی حالت میں رہوں اور میرے جسم یا کپڑے سے خوشبو اٹھتی ہو۔ اس پر ام المومنین نے یہ فرمایا۔ مسلم میں یہ ہے کہ انھوں نے یہاں تک کہدیا کہ احرام کی حالت میں میرے جسم پر قطران پوتا ہوا ہو یہ مجھے پسند ہے بہ نسبت

أُطَيِّبُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَيَطُوْفُ عَلٰى

میں رسول اللہ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو خوشبو لگاتی اس کے بعد حضور اپنی ازواج کے پاس

نِسَائِهٖ ثُمَّ يُصْبِحُ مُحْرِمًا يَنْضَخُ طِيْبًا ع۵

تشریف لے جاتے اور صبح کو احرام باندھتے حضور کے جسم سے خوشبو اٹھتی رہتی۔

اس کے کہ میرے جسم سے خوشبو اٹھ رہی ہو۔

اختلاف روایت یہاں ینضخ، خاء معجمہ کے ساتھ بھی روایت ہے اور ینضح حاء حطی کے ساتھ بھی۔ دونوں معنی کے اعتبار سے متقارب ہیں۔ مشہور روایت ینضخ، خاء معجمہ ہی کے ساتھ ہے۔ اسی سے قرآن مجید میں ہے:۔ فیھما عینان نضاختان۔ ان دونوں میں دو اچھلتے ہوئے چشمے ہیں۔

یہ کیا خوشبو تھی بخاری کتاب الحج میں ہے کہ یہ خوشبو "ذریرہ" تھی لہ اس زمانے میں ہندوستان سے ایک گرہ دار خوشبودار لکڑی جاتی تھی۔ اسے بہت باریک پیس چھان کر ایک خوشبو تیار کرتے تھے اسے ذریرہ کہتے ہیں۔ یہ "ذرۃ" سے بنا ہے جس کے معنی چھوٹی چیونٹی کے ہیں۔ ہوسکتا ہے اس میں مشک بھی ملاتے ہوں اس لئے کہ نسائی کی حدیث میں یہ ہے۔ ام المومنین فرماتی ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو احرام سے پہلے اور یوم نحر طواف سے پہلے ایسی خوشبو لگاتی جس میں مشک ہوتا ۲ہ

یہ واقعہ حجۃ الوداع کے موقع پر پیش آیا۔ چونکہ احرام کی حالت میں عورتوں سے قربت جائز نہیں، اس لئے احرام سے قبل حضور اقدس صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے سب ازواج پر کرم فرمایا۔

علماء کا اس میں اختلاف ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر تمام ازواج کے مابین عدل واجب تھا یا نہیں۔ صحیح یہی ہے کہ واجب نہ تھا۔ مگر یہ کرم تھا کہ پھر بھی عدل فرماتے تھے۔ اب یہاں ایک سوال یہ ہے کہ پھر ایک ہی وقت میں تمام ازواج کے پاس کب تشریف لے جاتے تھے۔ بعض لوگوں نے کہا کہ "یہ موقع عمر میں صرف ایک بار حجۃ الوداع کے موقعہ پر پیش آیا۔ مگر حدیث کے یہ دو جملے۔ کان یدور اور من اللیل والنھار۔ اس حصر کو باطل کر رہے ہیں۔ اس لئے کہ — کان یدور — استمرار پر دلالت کرتا ہے۔ اور من اللیل والنھار۔ یہ بتا رہا ہے کہ دن میں بھی ایسا ہوتا تھا اور رات میں بھی۔ حجۃ الوداع کے موقع پر اگر دن میں یہ واقعہ پیش آیا تو رات میں کب پیش آیا۔ اور اگر رات میں پیش آیا تو دن میں کب پیش آیا۔

ع۵ ایضا جلد اول۔ باب الغسل۔ وباب من تطیب وبقی اثر الطیب ص ۴۱، مسلم جلد اول۔ حج باب استحباب الطیب قبیل الاحرام ص ۳۷۸، نسائی۔ جلد اول۔ غسل، باب اذا تطیب واغتسل وبقی اثر الطیب ص ۷۱، لہ بخاری جلد ثانی کتاب اللباس، باب الذریرۃ ص ۸۷۸،

۲ہ نسائی جلد ثانی۔ حج۔ باب اباحۃ الطیب ص ۹۔

حدیث (۱۹۵) کان النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یدور علی نسائہ فی الساعۃ الواحدۃ

حدثنا انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال کان النبی صلی	حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا نبی صلے اللہ
اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یدور علی نسائہ فی الساعۃ الواحدۃ	تعالیٰ علیہ وسلم ایک ہی وقت تمام ازواج کے پاس تشریف لے جاتے
ومن اللیل والنھار وھن احدی عشرۃ، قال قلت لانس	خواہ رات کا وقت ہو خواہ دن کا یہ گیارہ تھیں قتادہ نے کہا میں نے حضرت انس
اوکان یطیقہ قال کنا نتحدث انہ اعطی قوۃ ثلثین وقال	سے پوچھا کیا حضور اس کی طاقت رکھتے تھے تو حضرت انس نے بتایا ہم یہ بات کیا کرتے تھے کہ حضور کو تیس

علامہ عینی نے یہ توجیہہ کی۔ کہ سفر سے واپسی پر ایسا موقع ملتا تھا۔ اسلئے کہ سفر سے قبل سفر کی باری ختم ہو جاتی اور حضور کی مرضی تھی جس سے چاہتے باری شروع فرماتے۔ نئی باری شروع فرمانے سے پہلے یہ موقع ملتا۔ دوسری توجیہہ یہ کہ جس کی باری ہوتی اس کی اجازت سے ایسا کرتے۔ تیسری توجیہہ، ابن مہلب کی نقل کی۔ کہ دو باریوں کے بیچ میں اس کا موقعہ تھا چوتھی توجیہہ ابن عربی کی یہ بیان کی کہ اللہ عزوجل نے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ایک ایسا وقت عطا فرمایا تھا کہ اس وقت کسی زوجہ کا حق نہیں تھا۔ اسی وقت تمام ازواج کے پاس تشریف لے جاتے۔ کتاب مسلم میں حضرت ابن عباس سے منقول ہے کہ یہ وقت عصر و مغرب کے مابین تھا۔

مسائل (۱) اس حدیث سے ثابت ہوا کہ احرام باندھتے وقت خوشبو لگانا سنت ہے (۲) ایک جماع کے بعد غسل کئے بغیر دوبارہ جماع کرنا جائز ہے اگرچہ دوسری عورت سے کرے (۳) ثابت ہوا کہ غسل کا سبب صرف جنابت نہیں جنابت کے ساتھ ارادۂ صلوٰۃ، دونوں ملکر سبب ہیں (۴) ثابت ہوا کہ غسل جنابت میں بدن ملنا ضروری نہیں صرف پانی بہانا کافی ہے۔ اس لئے کہ اگر ملنا ضروری ہوتا تو حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ضرور ملتے پھر خوشبو کا اثر باقی نہ رہتا۔

تشریحات (۱۹۵) امام بخاری نے یہاں باب یہ باندھا۔ جماع کے بعد جماع کرے اور جو تمام عورتوں کے

باب سے مطابقت پاس ایک ہی غسل میں گیا۔ باب سے مطابقت اس طرح ہے کہ اس حدیث میں تصریح ہے کہ "فی الساعۃ الواحدۃ" ایک ہی وقت میں۔ ظاہر ہے کہ نو ۹ بیویوں کے پاس ایک ہی وقت میں جانا اور پھر جماع کے بعد غسل کرنا بہت دشوار ہے تو ثابت ہوا کہ ایک بیوی سے فارغ ہو کر دوسری کے پاس غسل کئے بغیر تشریف لے جاتے۔ پہلی حدیث میں اگرچہ "فی الساعۃ الواحدۃ" کا لفظ

سعید عن قتادۃ انا نتحدث ان انسا حدثہم تسع نسوۃ ع۵

مردوں کی قوت دی گئی ہے۔ سعید نے بروایت قتادہ کہا کہ حضرت انس نے یہ بیان کیا تھا کہ "نو ازواج تھیں"

نہیں مگر وہاں بھی یہی مراد ہے۔

شبہہ اور ازالہ معاذ بن ھشام کی روایت میں ہے کہ گیارہ عورتیں تھیں۔ اس پر یہ شبہہ ہے کہ ایک وقت میں نو ازواج سے زیادہ کبھی اکٹھی نہ ہوئیں۔ اگرچہ کل تعداد گیارہ ہے۔ ان میں سے حضرت خدیجۃ الکبریٰ اور حضرت زینب بنت خزیمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا حیات مبارکہ ہی میں انتقال ہو چکا تھا، اس کا جواب یہ ہے کہ اگرچہ ازواج بیکوقت صرف نو تھیں مگر دو باندیاں بھی تھیں، ایک ماریہ قبطیہ، دوسری ریحانہ، اس طرح گیارہ ہو گئیں۔ اور سعید کی روایت میں نو کی تعداد صرف ازواج کی ہے۔ اس حدیث میں یہ ہے کہ تیس مردوں کی قوت دی گئی تھی اور حلیۃ الاولیاء میں ہے کہ چالیس جنتی مردوں کی قوت دی گئی تھی اور ترمذی میں ہے کہ جنت کے ایک مرد کو دنیا کے سو مردوں کے برابر قوت ہوگی لہ اس حساب سے حضور اقدس صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو دنیا کے چار ہزار مردوں کے برابر قوت دی گئی۔ اس قوت سے مراد قوت جماع ہے اس کے باوجود حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ابتداء میں صرف حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پر اکتفا فرمایا، ان کے وصال کے بعد حضرت سودہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے نکاح فرمایا۔ اور ہجرت کے دوسرے سال تک صرف یہی کاشانۂ اقدس میں رہیں۔ ۲ھ میں حضرت عائشہ رخصت ہو کر خدمت اقدس میں حاضر ہوئیں پھر ہجرت کے تیسرے یا چوتھے سال حضرت ام سلمہ، حضرت حفصہ حضرت زینب بنت خزیمہ خدمت مبارکہ میں آئیں۔ پھر پانچویں سال حضرت زینب بنت جحش، چھٹے سال حضرت جویریہ ساتویں سال حضرت صفیہ و حضرت میمونہ اور حضرت ام حبیبہ سے عقد فرمایا۔ ساتویں سال نو ازواج اکٹھی ہوئیں۔ اس عظیم قوت کے باوجود زیادہ سے زیادہ نو عورتوں پر اکتفا فرمانا اعجاز سے کم نہیں۔

مسائل (۱) اس حدیث سے ثابت ہوا کہ جسے قوت ہو وہ جماع کی کثرت کر سکتا ہے۔ (۲) جسے قوت ہو اور یہ اعتماد ہو کہ وہ عورتوں کے ساتھ عدل کر سکے گا تو وہ ایک سے زیادہ چار تک شادیاں کر سکتا ہے (۳) کثرت جماع عیب نہیں بشرط قوت فضل وکمال ہے۔ (۴) عورتوں کی طرف میلان اگر دینی اور دنیوی فرائض کی انجام دہی میں حارج نہ ہو تو سنت ہے۔

ع۵ ایضا۔ جلد اول، غسل۔ باب الجنب یخرج ویمشی فی الاسواق وغیرہ ص ۴۲

〃 جلد ثانی نکاح باب کثرۃ النساء ص ۷۵۸

〃 〃 〃 باب من طاف علی نسائہ فی غسل واحد ص ۷۸۵

ترمذی 〃 طہارت باب ماجاء فی الرجل یطوف علی نسائہ بغسل واحد ص ۲۰

مسلم جلد اول حیض باب جواز النوم ص ۱۴۴

نسائی اول نکاح باب اول ص ۶۷

ابن ماجہ طہارت باب فی من یغتسل من جمیع نسائہ غسلا واحدا ص ۴۴

لہ جلد ثانی۔ صفۃ الجنۃ۔ باب ماجاء فی صفۃ جماع اہل الجنۃ ص ۷۶

حدیث (۱۹۶) بقاء اثر الطیب بعد الاحرام

عَنْ عَائِشَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهَا، قَالَتْ کَاَنِّیْ اَنْظُرُ اِلٰی وَبِیْصِ الطِّیْبِ

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا۔ گویا میں خوشبو کی چمک نبی صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

فِیْ مَفْرَقِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ مُحْرِمٌ ع۵

کی مانگ میں دیکھ رہی ہوں۔ حالانکہ حضور احرام باندھے ہوئے ہیں

حدیث (۱۹۷) اذا ذکر فی المسجد انہ جنب فلیخرج

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ، قَالَ اُقِیْمَتِ الصَّلٰوةُ وَ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا نماز کے لئے اقامت کہی جا چکی اور لوگ کھڑے

تشریحات (۱۹۶) یہاں امام بخاری نے یہ باب باندھا ہے۔ جس نے خوشبو لگا کر غسل کیا اور خوشبو کا اثر باقی رہا

باب سے مطابقت اس کے پہلے حدیث ۱۹۴ ذکر کی، جس میں یہ ہے کہ ام المومنین فرماتی ہیں: کہ میں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو خوشبو لگاتی اور حضور تمام ازواج کے پاس تشریف لے جاتے۔ پھر صبح کو احرام باندھتے۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ خوشبو ازواج مطہرات کے پاس جانے سے پہلے لگائی جاتی تھی۔ ازواج مطہرات سے فارغ ہونے کے بعد غسل فرماتے پھر احرام باندھتے احرام کے بعد بھی خوشبو کا اثر باقی رہتا تو ثابت ہو گیا کہ غسل سے پہلے جو خوشبو لگائی گئی اس کا اثر غسل کے بعد باقی رہے تو بھی غسل ہو گیا اس حدیث سے یہ بھی ثابت ہوا کہ احرام سے پہلے جو خوشبو لگائی گئی اگر اسکا اثر احرام کے بعد باقی رہے تو کوئی حرج نہیں بشرطیکہ یہ اثر رنگ نہ ہو۔

تشریحات (۱۹۷) بخاری کتاب الصلوٰۃ میں یہ تشریح ہے کہ تکبیر تحریمہ کہنے سے پہلے ہی حضور کو یہ یاد آیا اور غسل کرنے تشریف

تکمیل لے گئے۔ مگر ابن ماجہ میں یہ ہے:۔

دو کہ حضور نماز کے لئے کھڑے ہو گئے تھے اور تکبیر (تحریمہ) بھی کہہ چکے تھے، اس کے بعد یہ اشارہ فرمایا (کہ تم لوگ اپنی جگہ رہو) لوگ ٹھہرے رہے پھر تشریف لے گئے اور غسل فرمایا الخ،،

اور ابوداؤد میں مرسلاً یہ ہے:۔

پھر تکبیر پڑھی اور قوم کو اشارہ فرمایا کہ تم لوگ بیٹھو۔

ع۵ بخاری، جلد اول، مناسک، باب الطیب عند الاحرام ص ۲۰۸

مسلم، جلد اول، حج، باب استحباب الطیب قبیل الاحرام ص ۳۷۸

نسائی، جلد ثانی، مناسک، باب اباحة الطیب عند الاحرام ص ۱۰

مسند امام احمد بن حنبل۔

عُدِّلَتِ الصُّفُوفُ قِيَامًا فَخَرَجَ إِلَيْنَا رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالَى عَلَيْهِ

ہو چکے تھے صفیں سیدھی کی جا چکی تھیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہماری طرف

وَسَلَّمَ فَلَمَّا قَامَ فِي مُصَلَّاهُ ذَكَرَ أَنَّهُ جُنُبٌ، فَقَالَ لَنَا مَكَانَكُمْ، ثُمَّ

تشریف لائے۔ جب اپنے مصلے پر کھڑے ہوگئے تو یاد فرمایا کہ انھیں غسل کی ضرورت ہے۔ تو ہم سے فرمایا، تم لوگ اپنی

رَجَعَ فَاغْتَسَلَ ثُمَّ خَرَجَ إِلَيْنَا وَرَأْسُهُ يَقْطُرُ فَكَبَّرَ فَصَلَّيْنَا مَعَهُ ؂

جگہ رہو پھر تشریف لیگئے اور غسل فرمایا پھر ہمارے پاس اس حالت میں تشریف لائے کہ حضور کے سر سے پانی ٹپک رہا تھا اسکے بعد ہمیں نماز پڑھائی۔

اشکال یہاں دو اشکال ہیں۔ ایک یہ کہ بخاری کی روایت میں یہ ہے کہ تکبیر تحریمہ سے پہلے یاد آیا اور غسل کے لئے تشریف لے گئے۔ ابن ماجہ اور ابوداؤد کی روایت میں ہے کہ تکبیر تحریمہ کہنے کے بعد یاد آیا۔ دوسرا یہ کہ بخاری میں ہے کہ قال النبی زبان سے فرمایا۔ ابوداؤد اور ابن ماجہ میں یہ ہے کہ اشارہ فرمایا۔

پہلے اشکال کا جواب علامہ عینی نے دیا۔ ابوداؤد اور ابن ماجہ کی روایت میں "کبر" معنی میں ارادۂ تکبیر کے ہے اور دوسرے کا جواب یہ دیا کہ دونوں کو جمع فرمایا۔ یعنی زبان سے فرمایا بھی اور اشارہ بھی فرمایا۔ علامہ قرطبی نے فرمایا کہ یہ دونوں دو واقعے ہیں۔

توجیہہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مسجد میں تشریف لاکر کھڑے ہوجانے کے بعد حجرہ مبارکہ میں غسل کے لئے جانے سے صحابہ کرام نے قیاس فرمایا کہ حضور پر غسل تھا۔ علاوہ ازیں ابن ماجہ کی حدیث میں یہ ہے کہ "نماز سے فارغ ہوکر خود حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں حالت جنابت میں آگیا تھا مجھے بھلا دیا گیا۔

مسائل اس حدیث سے یہ مسائل مستنبط ہوئے۔ انبیاء کرام پر نسیان طاری ہونا جائز ہے۔ اگر جنبی بھول کر مسجد میں آجائے تو فوراً واپس ہوجائے، ایک سکنڈ بھی مسجد میں ٹھہرنا جائز نہیں۔ کوئی مسجد میں سو رہا تھا اور اسے غسل کی ضرورت پیش آگئی تو اٹھتے ہی تیمم کرے اور فوراً مسجد سے نکل جائے۔ ہمارے ائمہ نے تیمم کا حکم اس لئے دیا کہ جنبی کو مسجد میں گزرنا جائز نہیں۔ اور اس وقت مسجد میں وہ غسل کرنے پر قادر نہیں۔ اور ہر جنبی جو غسل پر قادر نہ ہو اس پر بجائے غسل کے تیمم ہے۔ اس وقت یہ تیمم بمنزلہ غسل کے ہوگیا۔ اب وہ مسجد سے گزرے گا تو یہ گزرنا حالت جنابت میں نہ ہوا۔ مسجد سے باہر ہوتے ہی وہ غسل پر قادر ہوگیا اس لئے وہ تیمم ختم ہوگیا۔

؂ ایضا۔ جلد اول، صلوۃ، باب هل يخرج من المسجد لعلة ص ۸۹

〃 〃 〃، باب اذا قال الامام مكانكم ص ۸۹

مسلم 〃 〃، باب متى يقوم الناس للصلوة ص ۲۲۰

ابوداؤد 〃 طهارت، باب فى الجنب يدخل المسجد ص ۳۱

نسائی 〃 صلوة، باب الامام تعرض له الحاجة بعد الاقامة ص ۱۲۸

حدیث (۱۹۸) اذا اصاب احدانا جنابۃ اخذت بیدیھا ثلثا

عَنْ عَائِشَۃَ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْھَا، قَالَتْ کُنَّا اِذَا اَصَابَ اِحْدَانَا جَنَابَۃٌ اَخَذَتْ بِیَدَیْھَا ثَلٰثًا فَوْقَ رَاْسِھَا ثُمَّ تَاْخُذُ بِیَدِھَا عَلٰی شِقِّھَا الْاَیْمَنِ وَبِیَدِھَا الْاُخْرٰی عَلٰی شِقِّھَا الْاَیْسَرِ

حضرت عائشہ نے فرمایا ہم عورتوں میں سے کسی کو جنابت لاحق ہوتی تو وہ اپنے دونوں ہاتھوں سے اپنے سر پر تین بار پانی ڈالتی اس کے بعد ایک ہاتھ سے داہنی طرف اور ایک ہاتھ سے بائیں طرف۔

ت (۵۸) قَالَ بَھْزٌ عَنْ اَبِیْہِ عَنْ جَدِّہٖ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی

بھز نے اپنے باپ حکیم سے انھوں نے بھز کے دادا معاویہ بن جیدہ سے

تشریحات (۱۹۸) اشکال حلاب والی حدیث ۱۸۹ میں گزرا کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم غسل میں پہلے سر کی داہنی طرف پانی ڈالتے۔ اور اس حدیث میں یہ ہے کہ ازواج مطہرات سب سے پہلے اپنے سر پر پانی ڈالتیں۔ اس کے بعد داہنی طرف۔ اس سے ثابت کہ ازواج مطہرات غسل کی ابتدا، سر پر پانی ڈالنے سے کرتیں۔

جواب کسی انسان کے داہنے حصے میں، سر کا بھی داہنا داخل ہے۔ اس لئے داہنی طرف سے مراد سر کا بھی داہنا حصہ ہے۔ تو اب مطلب یہ ہوا کہ پہلے سر پر پانی اس لئے ڈالتیں کہ بال کی جڑوں میں اچھی طرح پانی پہنچ جائے۔ یہ بطور تمہید غسل کے ہوتا اصل غسل اس کے بعد شروع ہوتا جسمیں پہلے داہنی طرف پانی ڈالتیں۔ اسی کی طرف اشارہ کرنے کیلئے امام بخاری نے یہ باب باندھا ہے، جو سر کی داہنی طرف سے غسل کرے۔

تشریحات ت (۵۸) تکمیل یہ تعلیق ایک حدیث کا جزء ہے۔ پوری حدیث یہ ہے۔ معاویہ بن حیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان کیا۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے عرض کیا، یا رسول اللہ! ہم اپنی عورات یعنی جسم کے چھپانے والے اعضاء میں سے کس کس کو چھپائیں اور کس کس کو کھولیں۔ ارشاد فرمایا۔ اپنی بیوی اور باندی کے سوا سب سے سب کو چھپاؤ۔ میں نے عرض کیا۔ اگر اپنوں میں ہوں تو؟ فرمایا۔ اس کی کوشش کرو کہ تمھاری عورت کوئی نہ دیکھے۔ میں نے عرض کیا، یا رسول اللہ! اگر ہم تنہا ہوں تو؟ فرمایا لوگوں کی بہ نسبت اللہ عزوجل سے زیادہ حیا کرنا لائق ہے۔

مطلب یہ ہے کہ تنہائی میں اگرچہ کوئی نہیں جس سے شرم کرو مگر اللہ عزوجل تو دیکھ رہا ہے۔ آدمیوں کی بہ نسبت اس سے زیادہ شرم کرنی لازم ہے۔ حدیث میں اصل لفظ "عورات یا عورت" ہے۔ عورت کے معنی، جسم کا ہر وہ عضو جس کے کھلنے پر شرم آئے۔ ناف کے نیچے سے لیکر گھٹنوں تک مرد کا، اور چہرے اور ہتھیلیوں اور پاؤں کو چھوڑکر

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ يُّسْتَحْيٰى مِنْهُ مِنَ النَّاسِ ؏

انھوں نے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے روایت کی کہ فرمایا لوگوں کی بہ نسبت اللہ عزوجل زیادہ لائق ہے کہ اس سے حیا کیجائے

پورا جسم، عورت کا عورت ہے تنہائی میں بھی ان کا کھولنا جائز نہیں۔ البتہ اگر عورتیں گھر کے اندر اپنے محارم میں ہوں تو کچھ اعضاء کا استثناء ہے۔ مثلاً کان، گردن، شانہ، چہرہ وغیرہ۔ بعض علماء نے فرمایا کہ عورت کا پورا ہاتھ، ہتھیلی اور اوپر کے حصے کے ساتھ عورت نہیں۔

علامہ عینی نے فرمایا کہ اس حدیث کو سنن اربعہ، ابوداؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ نے ذکر کیا ہے۔ مگر بخاری نے اصل میں اسے نہیں لیا۔ تعلیقاً ذکر کیا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ بہز اگرچہ ثقہ ہیں مگر ان کی جو روایت عن ابیہ عن جدہٖ ہو وہ شاذ ہے اور اس کے لئے کوئی متابع نہیں۔ خطیب نے کہا کہ بہز سے زہری اور محمد بن عبد اللہ انصاری نے روایت کی حالانکہ انکی وفات کے مابین اکانوے[۹۱] سال کی مدت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ کتاب النکاح میں اس سند کے ساتھ جو تعلیق ذکر کی اس میں "یذکر" فرمایا جو ضعف پر دلالت کرتا ہے۔ مگر یہاں قال کہا جس کی دلالت ضعف پر نہیں اسکی توجیہ یہ ہے کہ بہز تک سند متصل اور قوی ہے۔ جو ضعف ہے وہ اس کے بعد ہے۔ اس سند کے شذوذ کا علامہ ابن حجر نے اصابہ میں یہ جواب دیا کہ، معاویہ بن حیدہ سے صرف ان کے بیٹے حکیم ہی نے نہیں روایت کی ہے بلکہ ان سے میں نے عروہ بن رویم لخمی کی روایت پائی ہے۔ اور مزی نے کہا کہ حمید مزنی نے بھی معاویہ سے روایت کی ہے۔ یہاں امام بخاری نے یہ باب باندھا ہے۔

جو تنہائی میں برہنہ نہائے اور جو پردہ کرکے نہائے اور پردے کے ساتھ نہانا افضل ہے۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ جہاں کوئی نہ ہو جیسے میدان۔ وہاں برہنہ نہانا جائز ہے یا نہیں؟ علماء کا اس میں اختلاف ہے۔ جمہور فقہاء فرماتے ہیں:۔ جائز تو ہے مگر پردے کے ساتھ نہانا افضل ہے۔ ابن ابی لیلیٰ نے فرمایا جائز نہیں۔ ان کی دلیل یہ حدیث کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک شخص کو میدان میں (ننگے) نہاتے دیکھا تو منبر پر تشریف لائے اور خطبہ دیا۔ پہلے اللہ کی حمد و ثنا کی پھر فرمایا۔ اللہ عزوجل حیا فرمانے والا ہے حیاء اور پردے کو پسند فرماتا ہے۔ جب کوئی غسل کرے تو پردہ کرلے[۱]۔

مراسیل ابوداؤد میں ہے۔ کہ حضور اقدس صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

جو رات کو میدان میں نہائے تو اپنی شرمگاہ کو بچائے۔ اور جس نے ایسا نہیں کیا اور اسے کوئی تکلیف پہنچی تو اپنے علاوہ

؏ ابوداؤد، جلد ثانی، حمام، باب فی التعری ص ۲۰۱
ترمذی، " استیذان باب فی حفظ العورۃ ص ۱۰۱
ابن ماجہ نکاح باب التستر عند الجماع ص ۱۳۹
[۱] ابوداؤد جلد ثانی حمام باب النھی عن التعری ص ۲۰۱
نسائی جلد اول غسل باب الاستتار عند الغسل ص ۷۰

کسی کو ملامت نہ کرے۔

اسی طرح دریا، تالاب وغیرہ میں بغیر تہبند ننگے نہانے میں بھی تفصیل ہے۔ اگر ایسی جگہ ہو جہاں کوئی نہ ہو تو کپڑے باہر اتار کر بغیر تہبند کے نہا سکتا ہے۔ مگر افضل یہی ہے کہ تہبند کے ساتھ نہائے۔ اور اگر وہاں اور لوگ بھی ہوں یا جگہ ایسی ہے جہاں لوگ آتے جاتے رہتے ہیں تو جائز نہیں۔ اس لئے کہ آخر پانی میں ننگے جائے گا اور ننگے نکلے گا ایک دوسری حدیث میں ہے کہ فرمایا

پانی میں تہبند کے بغیر مت جاؤ اس لئے کہ کچھ لوگ ایسے ہیں جنکا مسکن پانی ہے۔

یہ حدیث اگرچہ ضعیف ہے مگر احتیاطاً اس پر عمل افضل ہے پھر اس کی تائید صحابۂ کرام کے فعل سے بھی موجود ہے۔

حضرت ابن عباس دریاؤں میں بھی بغیر تہبند نہیں نہاتے تھے۔ لوگوں نے پوچھا تو فرمایا کہ اس میں بھی کچھ بسنے والے ہیں، حضرت حسنین کریمین رضی اللہ تعالیٰ عنہما چادر باندھ کر پانی میں گئے۔ پوچھا گیا تو فرمایا۔ پانی میں بھی کچھ بسنے والے ہیں۔ اگرچہ ظاہر ہے کہ ان دونوں حضرات کا یہ واقعہ ایسی جگہ پیش آیا ہے جہاں اور لوگ بھی تھے۔ مگر وجہ جو بتائی ہے اس سے تنہائی میں بھی برہنہ نہانے کی ممانعت ثابت ہوتی ہے۔

مگر امام بخاری نے اس تعلیق کے بعد حضرت موسیٰ و حضرت ایوب علیہما الصلوٰۃ والسلام کے جو واقعے تحریر کئے ہیں ان سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ تنہائی میں جہاں کوئی نہ ہو برہنہ پانی میں بھی نہانا جائز ہے۔ اس لئے کہ اصول فقہ کا یہ قاعدہ مشہور ہے

شرائع من قبلنا شرائع لنا اذا قص اللہ ورسولہ من غیر انکار۔ پہلی شریعت ہماری بھی شریعت ہے جب اللہ اور رسول اسے بیان فرمائیں اور اس پر انکار نہ فرمائیں۔

یہاں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان دونوں حضرات کے واقعے کو بیان فرمایا۔ اور اس پر کچھ نہیں فرمایا۔ تو ثابت کہ یہ ہماری شریعت میں بھی جائز ہے۔ اب تمام احادیث میں تطبیق کی یہی صورت ہے کہ یہ کہا جائے۔ تنہائی میں برہنہ نہانا جائز ہے مگر افضل یہ ہے کہ برہنہ نہ نہائے۔

تہبند باندھ کر نہانے میں خصوصیت سے دو باتوں کا خیال رکھے۔ اول جو تہبند باندھ کر نہائے وہ پاک ہو، اس میں نجاست نہ ہو۔ دوسرے یہ کہ ران وغیرہ جسم کے کسی حصے پر نجاست لگی ہو تو اسے پہلے دھولے ورنہ جنابت تو دور ہو جائے گی مگر بدن یا تہبند کی نجاست کیا دور ہوگی، پھیل کر دوسری جگہوں پر بھی لگ جائیگی اس سے عوام تو عوام، خواص تک غافل ہیں۔

خلوت میں برہنہ نہانے کی مذکورہ بالا بحث میدان یا وسیع کشادہ جگہ کے بارے میں ہے لیکن اگر کوئی مکان کے اندر یا غسل خانے میں نہا رہا ہے تو برہنہ نہانے میں کوئی حرج نہیں۔

معاویہ بن حیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حالات نہ مل سکے۔ صرف یہ ملا کہ بصرے میں سکونت اختیار کر لی تھی اور خراسان جہاد کرنے گئے وہیں واصل بحق ہوئے۔

حدیث (۱۹۹) فرار الحجر بثوب موسیٰ علیہ السلام

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ، عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ

وَسَلَّمَ قَالَ، کَانَتْ بَنُوْ اِسْرَائِیْلَ یَغْتَسِلُوْنَ عُرَاةً یَنْظُرُ بَعْضُهُمْ

بنی اسرائیل ننگے نہاتے، ایک دوسرے کو دیکھتے

اِلٰی بَعْضٍ وَّکَانَ مُوْسٰی عَلَیْهِ السَّلَامُ یَغْتَسِلُ وَحْدَهٗ، فَقَالُوْا وَاللّٰهِ

اور موسیٰ علیہ السلام تنہا غسل فرماتے، اس پر بنی اسرائیل نے کہا

مَا یَمْنَعُ مُوْسٰی اَنْ یَّغْتَسِلَ مَعَنَا اِلَّا اَنَّهٗ اٰدَرُ فَذَهَبَ مَرَّةً

بخدا موسیٰ کو ہمارے ساتھ نہانے سے صرف یہ بات روکتی ہے کہ انکے خصیئے بڑے ہیں۔ حضرت موسیٰ ایک مرتبہ

تشریحات (۱۹۹) **لغات** اٰدَرُ۔ ادرة سے صفت مشبہہ ہے۔ اس کے معنی بڑے خصیئے کے ہیں یا آنت اُترنے کے۔ آدر کے معنی ہوئے، بڑے خصیے والا یا جس کی آنت اُترتی ہو۔ جمح تیزی سے دوڑا، ندب، مار کا وہ نشان جو گال پر باقی رہے، سانٹھ۔ ثوبی یا حجر میں ثوبی فعل محذوف، اعطنی کا مفعول بہ ہے۔

تکمیل کتاب الانبیاء میں پوری حدیث یوں ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام حیا فرمانے والے تھے۔ اپنے جسم کو چھپائے رکھتے۔ جس جگہ کے کھلنے سے شرم آئے اسے کوئی نہیں دیکھ سکتا تھا۔ اس پر بنی اسرائیل کے موذیوں نے انھیں ایذا دی اور یہ کہا، اتنا پردہ اس لئے کرتے ہیں کہ ان میں کوئی عیب ہے۔ یا تو برص ہے یا خصیئے بڑے ہیں یا اور کوئی بیماری ہے۔ اللہ عزوجل نے چاہا کہ ان کی برأت ظاہر فرمادے تو یہ ہوا۔ ایک بار تنہائی میں اپنے کپڑے اتار کر ایک پتھر پر رکھا پھر غسل فرمایا جب فارغ ہوکر کپڑے کی طرف چلے کہ اسے لے کر پہنیں تو پتھر کپڑا لے کر تیزی سے بھاگا۔ حضرت موسیٰ اپنا عصا لے کر پتھر کے پیچھے اسے پکڑنے کے لئے یہ کہتے ہوئے چلے میرا کپڑا اے پتھر! میرا کپڑا اے پتھر! یہاں تک کہ بنی اسرائیل کے ایک اجتماع تک پہونچ گئے۔ اب انھوں نے دیکھا کہ حضرت موسیٰ کو اللہ عزوجل نے اعلیٰ درجے کا حسن عطا فرمایا ہے اس طرح اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کے لگائے ہوئے عیب سے ان کی برأت ظاہر فرمادی۔ اب پتھر ٹھہر گیا حضرت موسیٰ نے اپنے کپڑے لے کر پہن لئے اور پتھر کو اپنے عصا سے مارنے لگے ان کی ضرب سے اس پتھر پر تین یا چار یا پانچ نشانات ہیں۔ یہی واقعہ ہے جس کی طرف اللہ عزوجل نے اس آیت میں اشارہ فرمایا ہے۔

یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَکُوْنُوْا کَالَّذِیْنَ اٰذَوْا مُوْسٰی فَبَرَّاَهُ اللّٰهُ مِمَّا قَالُوْا وَکَانَ عِنْدَ اللّٰهِ — اے ایمان والو! ان لوگوں جیسے نہ ہونا جنھوں نے حضرت موسیٰ کو ستایا تو اللہ نے انھیں اس سے بری فرمادیا جو

يَغْتَسِلُ فَوَضَعَ ثَوْبَهُ عَلَى حَجَرٍ فَفَرَّ الْحَجَرُ بِثَوْبِهِ فَجَمَحَ مُوسٰى
غسل کرنے گئے تو اپنا کپڑا ایک پتھر پر رکھدیا پتھر ان کا کپڑا لے کر بھاگا حضرت موسیٰ پتھر
فِي اَثَرِهِ يَقُوْلُ ثَوْبِي يَا حَجَرُ ثَوْبِي يَا حَجَرُ حَتّٰى نَظَرَتْ بَنُوْ
کے پیچھے تیزی سے یہ کہتے ہوئے دوڑے اے پتھر میرا کپڑا دے! اے پتھر میرا کپڑا دے!
اِسْرَائِيْلَ اِلٰى مُوْسٰى وَقَالُوْا وَاللّٰهِ مَا بِمُوْسٰى مِنْ بَأْسٍ وَاَخَذَ
یہانتک کہ بنی اسرائیل نے موسیٰ علیہ السلام کو دیکھا اور کہا بخدا موسیٰ کو کوئی عارضہ نہیں حضرت

وَجِيْهًا۔ (سورہ احزاب آیت ۶۹) انھوں نے کہی تھی اور موسیٰ اللہ کے ہاں عزت والے ہیں۔

مسلم شریف میں یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام حیا فرمانے والے تھے۔ کسی نے ان کو ننگا نہیں دیکھا تھا، اس پر بنی اسرائیل نے وہ کہا۔ ایک بار تھوڑے سے پانی میں غسل فرمانے لگے کہ وہ پتھر کپڑا لے کر تیزی سے بھاگنے لگا۔ حضرت موسیٰ اپنا عصا لے کر اس کے پیچھے دوڑے کہ اسے ماریں۔ اخیر قصہ تک۔

امام نووی نے فرمایا کہ ہمارے بلاد کے تمام نسخوں میں "مُوَیْبَۃٌ" ہے جو مار کی تصغیر ہے۔ امام قاضی عیاض نے فرمایا۔ دوسری جگہ کے اکثر نسخوں میں "مَشْرُبَۃٌ" ہے۔ یہ اس گڑھے کو کہتے ہیں جو کھجور کی جڑ میں ہوتا ہے تاکہ اس سے باغ کو سینچا جائے مُوَیہ غلط ہے۔

توجیہات بنی اسرائیل کی شریعت میں نہانے کے وقت ستر عورت فرض نہ تھا۔ ورنہ حضرت موسیٰ علیہ السلام انھیں ضرور منع فرماتے۔ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام خود اپنی فطری حیا کی وجہ سے، مجمع عام میں اس طرح غسل نہ فرماتے چونکہ ان بے وقوفوں نے اللہ عز وجل کے ایک اولوالعزم نبی کے ساتھ بدگمانی کی بنا پر عیب لگایا تھا جو اُن کے ایمان کے برباد ہونے کا سبب بن سکتا تھا۔ اللہ عز وجل نے ان پر کرم فرماتے ہوئے اس معجزے کو ظاہر فرما کر ان کی بدگمانی دور کردی حضرت موسیٰ علیہ السلام کا بنی اسرائیل کے اجتماع تک جانا اضطراراً تھا۔ جب پتھر کپڑے لے کر بھاگا تو خیال فرمایا کہ میں غسل سے فارغ ہو کر کیا پہنوں گا اس لئے پتھر سے کپڑے چھیننے کے لئے بے اختیار اس کے پیچھے دوڑے۔ ایسے عالم میں انسان کو کچھ یاد نہیں رہتا یہی حال حضرت موسیٰ کا بھی ہوا۔ پتھر سے کپڑا چھیننے کی دھن میں خیال نہ رہا کہ میں کس حال میں ہوں، کہاں ہوں۔ اس لئے ان پر یہ الزام نہیں کہ وہ برہنہ اسرائیلی اجتماع میں کیسے گئے۔

مسائل اس حدیث سے ثابت ہوا کہ حضرات انبیاء کرام ہر قسم کے عیوب سے پاک ہوتے ہیں خواہ وہ خُلُقی ہوں خواہ خَلقی۔ نیز ایسی بیماریوں اور عوارض سے بھی منزہ ہوتے ہیں جو تنفر کا سبب بن سکیں۔ اس میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے تین معجزے ظاہر ہوئے۔ ایک پتھر کا کپڑے کو لے کر بھاگنا، دوسرے بنی اسرائیل کے اجتماع میں جاکر پتھر کا رک جانا۔ تیسرے، حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ضرب کے نشانات قبول کرنا۔ اس پتھر سے یہ تین معجزے ظاہر ہوئے

ثَوْبَهُ وَطَفِقَ بِالْحَجَرِ ضَرْبًا قَالَ اَبُوْهُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ

موسیٰ نے اپنا کپڑا لے لیا اور پتھر کو مارنے لگے۔ حضرت ابو ہریرہ نے کہا

وَاللّٰهِ اِنَّهُ لَنَدَبٌ بِالْحَجَرِ سِتَّةٌ اَوْسَبْعَةٌ ضَرْبًا بِالْحَجَرِ۔

بخدا اس پتھر پر چھ یا سات مار کے نشانات ہیں۔

حدیث (۲۰۰) حدیث ایوب علیہ السلام ونزول الجراد من الذھب

وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نبی صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے روایت کی

تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس کو اپنے ساتھ رکھ لیا۔ میدان تیہ میں جب پانی کی ضرورت ہوئی تو اسی پتھر پر عصا مبارک مارتے جس سے بارہ چشمے جاری ہو جاتے۔ اس سے ثابت ہوا کہ عند الضرورت شرمگاہ کو دیکھنا جائز ہے۔

تشریحات (۲۰۰) یہ تعلیق نہیں مسند ہے علامہ کرمانی نے کہا کہ بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ تعلیق ہے وہ بھی صیغۂ تمریض کیساتھ مگر صحیح یہ ہے کہ یہ حدیث، مسند ہے، یہ پہلے والی حدیث موسیٰ کی اسناد پر معطوف ہے یعنی اسی ایک سند سے یہ دونوں حدیثیں مروی ہیں۔

بخاری کتاب الانبیاء اور کتاب التوحید میں رِجْلُ جَرَادٍ ہے۔ رجل ایسا جمع ہے جس کا واحد نہیں۔ معنی میں جماعت اور دل کے ہے۔ اب ترجمہ یہ ہوگا کہ

"ان پر ٹڈیوں کا دل گرا"

علامہ کرمانی نے لکھا ہے کہ یہ سات سوٹڈیاں تھیں۔

حضرت ایوب علیہ السلام یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں، پانچویں یا چھٹی پیڑھی میں تھے، ان کی ماں حضرت لوط علیہ السلام کی صاحبزادی تھیں اپنے زمانے میں سب سے زیادہ عبادت گزار تھے، ترانوے ۹۳ سال کی عمر پائی۔ یہ جہاں قیام پذیر تھے وہ جگہ اب دیر ایوب کے نام سے مشہور ہے وہیں مزار پاک بھی ہے۔ یہاں ایک پتھر ہے جس پر قدم کا نشان ہے۔ کہا یہ جاتا ہے کہ یہ حضرت ایوب ہی کے قدم پاک کا نشان ہے۔ وہاں ایک چشمہ ہے جس کا پانی متبرک سمجھا جاتا ہے۔ علامہ عینی نے لکھا ہے کہ "ایوب" عجمی لفظ ہے۔ چونکہ یہ حضرت اسحٰق کی اولاد سے ہیں

ع۵ ایضًا، جلد اول، انبیاء، باب (بلا عنوان) ص ۴۸۳

مسلم، " اول، حیض، " جواز الغسل عریانا وحدہ ص ۱۵۴

" " ثانی، انبیاء، " فضائل موسیٰ علیہ السلام ص ۶۶۶

ترمذی " " تفسیر، سورۂ احزاب ص ۱۵۴۔ مسند امام احمد بن حنبل۔

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ بَيْنَا اَيُّوْبُ يَغْتَسِلُ عُرْيَانًا فَخَرَّ عَلَيْهِ جَرَادٌ مِّنْ ذَهَبٍ

کہ ایوب علیہ السلام برہنہ نہا رہے تھے کہ ان پر سونے کی ٹڈیاں گریں ایوب انھیں دونوں

فَجَعَلَ اَيُّوْبُ يَحْتَثِيْ فِيْ ثَوْبِهِ فَنَادَاهُ رَبُّهُ يَا اَيُّوْبُ اَلَمْ اَكُنْ اَغْنَيْتُكَ

ہاتھوں سے اٹھا اٹھا کر اپنے کپڑے میں جمع کرنے لگے اس پر انکے پروردگار نے انھیں پکارا اے ایوب

عَمَّا تَرٰى، قَالَ بَلٰى وَعِزَّتِكَ وَلٰكِنْ لَا غِنٰى بِيْ عَنْ بَرَكَتِكَ ۵ ع

کیا میں نے تمکو جو دیکھ رہے ہو اس سے بے نیاز نہیں کر دیا، ایوب نے عرض کیا ضرور تو نے بے نیاز کر دیا تیری عزت کی قسم لیکن مجھے تیری برکت سے بے نیازی نہیں۔

حدیث (۲۰۱) صلوٰۃ الضحیٰ

اِنَّ اَبَا مُرَّةَ مَوْلٰى اُمِّ هَانِئٍ بِنْتِ اَبِيْ طَالِبٍ

حضرت ام ہانی کے غلام ابو مرہ نے خبر دیا کہ انھوں نے ام ہانی سے

اور ان کا قیام بھی شام میں تھا۔ اس سے یہی ظاہر ہے کہ یہ عجمی لفظ ہے۔ اس تقدیر پر یہ غیر منصرف ہوگا۔ قرآن مجید میں غیر منصرف ہی استعمال ہوا ہے۔

مسائل اس حدیث سے یہ مسائل مستخرج ہوئے (۱) تنہائی میں برہنہ غسل کرنا جائز ہے اس لئے کہ اللہ عزوجل نے سونے کی ٹڈیاں جمع کرنے پر باز پرس کی مگر برہنہ نہانے پر نہیں کی (۲) اللہ عزوجل کی صفات کی قسم کھانا جائز ہے (۳) مال حلال کی حرص محمود ہے۔ مالداری محمود ہے اس کو حضرت ایوب علیہ السلام نے برکت کہا ہے۔

تشریحات (۲۰۱) حضرت ام ہانی رضی اللہ تعالیٰ عنہا۔ مشہور یہ ہے کہ ان کا نام "فاختہ" تھا۔ ایک قول یہ ہے کہ فاطمہ تھا۔ تیسرا قول یہ ہے کہ ھند تھا۔ یہ حضرت علی کی حقیقی بہن تھیں۔ قبل اسلام حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان سے نکاح کا پیغام "ابو طالب" کو دیا اور دوسری طرف سے ھبیرہ بن عمرو بن عائذ مخزومی نے بھی پیغام بھیجا۔ ابو طالب نے ھبیرہ سے ان کی شادی کر دی اس پر حضور نے ناگواری کا اظہار فرمایا۔ تو ابو طالب نے یہ معذرت کی۔ ہم نے ان سے یہ رشتہ کر لیا ہے۔ شریف انسان، شریف انسان سے اچھا سلوک کرتا ہے یوم فتح یہ ایمان لائیں۔ ھبیرہ اپنی ضد پر اڑا رہا۔ نجران بھاگ گیا وہیں کفر پر مرا۔ جس کی وجہ سے دونوں میں تفریق کر دی گئی اسکے بعد حضور نے ام ھانی کو پھر نکاح کا پیغام دیا تو انھوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! میں مصیبت زدہ ہوں آپ سے جاہلیت اور اسلام دونوں میں محبت کرتی رہی ہوں۔ آپ مجھے میری آنکھ اور کان سے زیادہ محبوب ہیں۔ مگر دیکھئے یہ ایک بچہ ابھی کتنا چھوٹا ہے اور یہ ایک دودھ پیتا ہے۔ اس کا اندیشہ ہے کہ میں حق زوجیت ادا نہ کر پاؤں۔

ع۵ ایضًا، جلد اول، انبیاء، باب قول اللہ عزوجل وایوب اذ ناداہ ربہ ص ۴۸۰

" " ثانی، توحید، باب قول اللہ یریدون ان یبدلوا کلام اللہ ص ۱۱۱۶

نسائی " اول غسل، باب الاستتار عند الغسل ص ۷۰

مسند امام احمد بن حنبل۔

رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْھَا اَخْبَرَہٗ اَنَّہٗ سَمِعَ اُمَّ ھَانِیٔ بِنْتَ اَبِیْ طَالِبٍ تَقُوْلُ

سنا کہہ رہی تھیں کہ میں فتح مکہ کے سال رسول اللہ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت

ذَھَبْتُ اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَامَ الْفَتْحِ

میں حاضر ہوئی میں نے حضور کو اس حال میں پایا کہ غسل فرما رہے تھے

فَوَجَدْتُّہٗ یَغْتَسِلُ وَ فَاطِمَۃُ اِبْنَتُہٗ تَسْتُرُہٗ فَسَلَّمْتُ عَلَیْہِ فَقَالَ

اور انکی صاحبزادی حضرت فاطمہ پردہ کئے ہوئے تھیں میں نے حضور کو سلام کیا تو پوچھا

جب ان کے دونوں بچے بڑے ہوگئے تو خود ام ہانی نے اپنے آپ کو پیش کیا تو حضور نے فرمایا، اب نہیں، اس لئے کہ اللہ عزوجل نے یہ آیۂ کریمہ نازل فرمائی ہے:۔

یٰاَیُّھَا النَّبِیُّ اِنَّآ اَحْلَلْنَا لَکَ اَزْوَاجَکَ الّٰتِیْٓ اٰتَیْتَ اُجُوْرَھُنَّ وَمَا مَلَکَتْ یَمِیْنُکَ مِمَّآ اَفَآءَ اللّٰہُ عَلَیْکَ وَبَنٰتِ عَمِّکَ وَبَنٰتِ عَمّٰتِکَ وَبَنٰتِ خَالِکَ وَبَنٰتِ خٰلٰتِکَ الّٰتِیْ ھَاجَرْنَ مَعَکَ (احزاب ـ ۵۰)

اے نبی ہم نے تمھارے لئے حلال فرمائیں۔ تمھاری وہ بیبیاں جنکو تم مہر دے چکے ہو اور تمھاری کنیزیں جنھیں اللہ نے غنیمت میں تم کو دیں، اور تمھارے چچا کی بیٹیاں اور پھوپھیوں کی بیٹیاں اور ماموں کی بیٹیاں اور خالاؤں کی بیٹیاں جنھوں نے تمھارے ساتھ ہجرت کی۔

چونکہ ام ہانی نے ہجرت نہیں کی تھی اس لئے وہ ان میں داخل نہ ہوسکیں۔ اکمال میں ہے کہ یہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بعد بھی زندہ رہیں۔ اور حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد میں فوت ہوئیں۔

تکمیل ہم نے یہاں کتاب الغسل والی روایت کے بجائے کتاب الجہاد کی روایت لی۔ اس لئے کہ وہ زیادہ مفصل ہے۔ بخاری میں ہر جگہ یہ ہے کہ ام ہانی نے یہی عرض کیا کہ میں نے فلاں بن ھبیرہ کو پناہ دی مگر ترمذی میں ہے کہ انھوں نے یہ کہا کہ میں نے اپنے دیوروں کو پناہ دی [۱] تمہید اور طبرانی معجم کبیر میں بھی یہی ہے، اسکی توجیہ یہ ہے کہ راوی نے اختصار کیا، اصل میں انھوں نے دو شخصوں کو پناہ دی تھی۔ قصہ یہ ہوا کہ اس کے باوجود کہ حضور اقدس صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اعلان عام فرمادیا تھا کہ جو اپنا دروازہ بند کرلے اسے امان۔ جو ہتھیار ڈال دے اسے امان۔ پھر بھی کچھ لوگوں نے نہ دروازہ بند کیا اور نہ ہتھیار ڈالا۔ بلکہ حضرت سیف اللہ خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے لڑے۔ ان میں یہ دونوں بھی تھے۔ جب مکہ پر مکمل قبضہ ہوگیا تو یہ دونوں بھاگ کر ام ہانی کے گھر آئے۔ حضرت علی ام ہانی کے گھر گئے اور فرمایا کہ میں ان دونوں کو قتل کروں گا۔ ام ہانی نے ان کو گھر کے اندر بند کردیا اور خدمت اقدس میں حاضر ہوئیں۔

یہ دونوں کون تھے علامہ ابن حجر کا رجحان یہ ہے کہ ان دونوں میں ایک تو حارث بن ہشام تھے اور دوسرے یا تو عبد اللہ بن ربیعہ تھے یا زہیر بن امیہ۔ بخاری میں اصل میں، ابن، کے بجائے "عم" یا قریب تھا جو ابن سے بدل گیا۔

[۱] سیر ص ۱۹۱

مَنْ هٰذِهِ فَقُلْتُ اَنَا اُمُّ هَانِئٍ بِنْتُ اَبِیْ طَالِبٍ فَقَالَ مَرْحَبًا بِاُمِّ هَانِئٍ

کون ہے یہ۔ میں نے عرض کیا میں ابو طالب کی بیٹی ام ہانی ہوں۔ یہ سنکر حضور نے فرمایا ام ہانی کو مرحبا ہو

فَلَمَّا فَرَغَ مِنْ غُسْلِهٖ قَامَ فَصَلّٰى ثَمَانَ رَكَعَاتٍ مُلْتَحِفًا فِیْ ثَوْبٍ

جب غسل سے فارغ ہوئے تو کھڑے ہوئے اور ایک ہی کپڑے میں لپٹ کر آٹھ رکعت نماز پڑھی (جب نماز

وَاحِدٍ فَقُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ زَعَمَ ابْنُ اُمِّیْ عَلِیٌّ اَنَّهٗ قَاتِلٌ رَجُلًا قَدْ

پڑھ چکے) تو میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! میرے حقیقی بھائی علی نے کہا ہے کہ وہ اسے قتل کریں گے جسے میں نے

اَجَرْتُهٗ فُلَانَ بْنَ هُبَيْرَةَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ

پناہ دی ہے، یعنی فلاں بن ھبیرہ کو یہ سنکر رسول اللہ صلے اللہ تعالیٰ علیہ

علامہ عینی کی تحقیق یہ ہے کہ ان میں ایک "ھبیرہ" کا بیٹا تھا خواہ وہ ام ہانی کے بطن سے ہو خواہ دوسرے کے بطن سے، اس پر بخاری کی روایت، فلاں بن ھبیرہ، نص ہے اور تبدیل کا قول بلا ضرورت ہے۔ رہ گئے دوسرے اور کون تھے اس کو انھوں نے بیان نہیں فرمایا۔

اقول:۔ میری رائے یہ ہے کہ یہ دو واقعے ہیں۔ ایک تو یہ جو بخاری میں مذکور ہے۔ جسمیں یہ تشریح ہے کہ ام ہانی نے یہ عرض کیا کہ میں نے فلاں بن ھبیرہ کو پناہ دی۔ اور دوبارہ حارث بن ہشام اور عبداللہ بن ربیعہ کے لئے حاضر ہوئی ہوں گی۔ اس طرح فلاں بن ھبیرہ کی روایت بھی درست ہو جاتی ہے اور حموی یا رجلین من احمائی کی بھی روایت درست ہو جاتی ہے۔ یہ واقعہ مکرر ہوا۔ اس کی علامہ عبدالباقی زرقانی نے نشاندہی کی ہے، لکھتے ہیں:۔

وجمع بان ذلک مما تکرر منه بدلیل ان فی روایة ابن خزیمة عنها ان اباذر ستره لما اغتسل [1]

دونوں میں تطبیق یہ ہے کہ یہ مکرر ہوا۔ دلیل یہ ہے کہ ابن خزیمہ کی روایت ام ہانی ہی سے یہ ہے کہ جب حضور نے غسل فرمایا تو ابوذر نے پردہ کیا تھا۔

یوم فتح مکہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا قیام، خیف بنی کنانہ یعنی وادی المحصب میں تھا۔ یہاں بھیڑ بھاڑ زیادہ تھی اس لئے غسل فرمانے، ام ہانی کے گھر تشریف لے گئے جو مکہ معظمہ کے اس محلے میں تھا جو "اعلیٰ مکہ" کہلاتا ہے۔

صحیح یہی ہے کہ یہ نماز، نماز چاشت تھی۔ جیسا کہ مسلم کی روایت میں تصریح ہے کہ فرمایا:۔

ثم صلی ثمانی رکعات سبحة الضحیٰ

اس کے بعد حضور نے آٹھ رکعت نماز چاشت پڑھی۔

بعض علماء نے فرمایا کہ یہ شکرانۂ فتح تھا، اسی لئے فاتحین کا یہ طریقہ ہے کہ وہ کسی بھی جگہ کے فتح کے بعد نماز شکر پڑھتے ہیں۔

---

[1] زرقانی علی المواهب، جلد ثانی، باب غزوة الفتح الاعظم ص ۳۲۶

وَسَلَّمَ قَدْ اَجَرْنَا مَنْ اَجَرْتِ يَا اُمَّ هَانِئٍ قَالَتْ اُمُّ هَانِئٍ وَذٰلِكَ ضُحًى ع‍ہ

وسلم نے فرمایا۔ اے ام ہانی جسے تم نے پناہ دی اسے میں نے بھی پناہ دی، ام ہانی فرماتی ہیں کہ واقعہ چاشت کے وقت ہوا تھا۔

کتاب التہجد وغیرہ کی روایت میں ہے کہ حضور نے یہ نماز بہت مختصر پڑھی تھی۔ البتہ رکوع اور سجدہ پورا پورا ادا فرمایا تھا۔

مسائل اس حدیث سے یہ ثابت ہوا کہ (۱) نماز چاشت سنت ہے۔ (۲) جہاں لوگ ہوں وہاں پردہ کرکے برہنہ نہانے میں کوئی حرج نہیں۔ اسی پر قیاس کرکے یہ کہا گیا کہ غسل خانے میں برہنہ نہانے میں کوئی حرج نہیں۔ (۳) عورت کی امان جائز ہے یا نہیں، یہ مختلف فیہ ہے۔ اس حدیث کی بنا پر حضرت امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ آزاد عورت کی امان درست ہے۔ (۴) اگر کوئی گھر کے اندر ہو تو اسے سلام کرنا جائز ہے (۵) زائر جب آئے تو اسے مرحبا خوش آمدید کہنا سنت ہے۔

ع‍ہ ایضًا، جلد اوّل، جہاد، باب امان النساء وجوارھن ص ۴۴۹
〃 〃 ، الصلوٰۃ، باب الصلوٰۃ فی الثوب الواحد ملتحفابہ ص ۵۲
〃 〃 ، غسل، باب التستر فی الغسل عند الناس ص ۴۲
〃 〃 ، صلوٰۃ التہجد، باب صلوٰۃ الضحٰی فی السفر ص ۱۵۷
〃 ثانی، مغازی، باب منزل النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یوم الفتح ص ۶۱۴
〃 〃 ، ادب، باب ماجاء فی زعموا ص ۹۰۹
مسلم اول، حیض، باب تستر المغتسل بثوب ونحوہ ص ۱۵۳
〃 〃 ، مسافرین، باب استحباب صلوٰۃ الضحٰی ص ۲۴۹
ترمذی 〃 ، سیر، باب ماجاء فی امان المراۃ والعبد ص ۱۹۱
〃 ثانی، استیذان، باب ماجاء فی مرحبا ص ۹۸
نسائی اول، طہارت، باب ذکر الاستتار عند الاغتسال ص ۴۶
ابن ماجہ، 〃 ، باب ماجاء فی الاستتار عند الغسل ص ۴۵
موطا امام مالک، سفر، باب صلوٰۃ الضحٰی ص ۵۱
دارمی صلوٰۃ ۱۵۱

(۵۹) ت

وَقَالَ عَطَاءٌ يَحْتَجِمُ الْجُنُبُ وَيُقَلِّمُ اَظْفَارَهٗ وَيَحْلِقُ رَاسَهٗ وَاِنْ لَّمْ يَتَوَضَّاْ

اور امام عطار نے کہا جنبی نے اگر وضو نہیں بھی کیا ہے جب بھی سینگی لگوا سکتا ہے ناخن ترشوا سکتا ہے سر منڈوا سکتا ہے

(۲۰۲) حدیث ان المومن لا ینجس

عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان فرمایا

قَالَ لَقِيَنِیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاَنَا جُنُبٌ

رسول اللہ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مجھے ملے اور میں جنبی تھا

فَاَخَذَ بِيَدِیْ فَمَشَيْتُ مَعَهٗ حَتّٰی قَعَدَ فَانْسَلَلْتُ فَاَتَيْتُ الرَّحْلَ

حضور نے میرا ہاتھ پکڑ لیا میں حضور کے ساتھ چلا یہانتک کہ حضور بیٹھ گئے میں چپکے سے سرک آیا

تشریحات (۵۹) (۲۰۲) تکمیل

اس کے پہلے باب عرق الجنب میں ہے کہ یہ ملاقات مدینہ طیبہ میں سر راہ ہوئی تھی اس میں فانسللت کے بجائے فانجست منه فذهبت ہے اسکے معنی یہ ہیں۔ میں نے اپنے آپ کو نجس جانا اس لئے میں وہاں سے چلا گیا۔ یہ خرجت کے معنی کو متضمن ہے۔

سبحان فعل محذوف سبحت کا مفعول مطلق ہے۔

لفظ سبحان کے بارے میں علمار لغت کے تین قول ہیں۔ ایک یہ کہ یہ ثلاثی مجرد کا مصدر ہے۔ دوسرے یہ کہ تسبیح کے معنی میں اسم مصدر ہے۔ تیسرا یہ کہ علم مصدر ہے۔ تفصیل استاذ الاساتذہ علامہ فضل حق خیر آبادی مجاہد اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے حاشیہ "قاضی مبارک" میں مذکور ہے۔

مسائل (۱) یہ حدیث اس پر دلیل ہے کہ مومن اگرچہ محدث ہو، اگرچہ جنبی ہو نجس نہیں۔ اسی طرح اس کا پسینہ اس کا لعاب اس کا آنسو سب پاک ہے۔ خواہ زندہ ہو خواہ مردہ۔

امام بخاری نے تعلیقاً حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ قول ذکر فرمایا ہے:

المسلم لا ینجس حیا ولا میتا۔ مسلمان زندہ ہو یا مردہ ناپاک نہیں ہوتا ہے۔

اسے امام حاکم نے مستدرک میں سند متصل کیساتھ مرفوعاً حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے ذکر فرمایا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

ع۔ مصنف عبد الرزاق لہ جلد اول جنائز باب غسل المیت ووضوءہ ص ۱۶۷

49

فَاغْتَسَلْتُ ثُمَّ جِئْتُ وَهُوَ قَاعِدٌ، فَقَالَ أَيْنَ كُنْتَ يَا أَبَا هُرَيْرَةَ

اور اپنے ٹھکانے آیا اور غسل کیا پھر حاضر ہوا اور حضور ابھی بیٹھے ہی تھے مجھ سے پوچھا اے ابو ہریرہ

فَقُلْتُ لَهُ فَقَالَ سُبْحَانَ اللّٰهِ إِنَّ الْمُؤْمِنَ لَا يَنْجُسُ ع٥

کہاں تھے میں نے حضور کو بتا دیا فرمایا سبحان اللہ۔ مومن ناپاک نہیں ہوتا۔

حدیث (۲۰۳) نوم الجنب قبل الغسل

عَنْ أَبِي سَلَمَةَ قَالَ سَأَلْتُ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهَا أَكَانَ

ابو سلمہ نے کہا میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے پوچھا

لا تنجسوا موتاکم فان المسلم لم ینجس حیا ولا میتا — اپنے مردوں کو نجس نہ جانو مسلمان زندہ ہو یا مردہ نجس نہیں ہوتا۔

علامہ عینی نے تحریر فرمایا حتی کہ وہ نومولود بچہ جو ابھی پیدا ہوا جس کے جسم پر ابھی اندرونی رطوبت ہو۔ یہ حکم صرف **مسلمان** ہی کے ساتھ خاص نہیں کافر کا بھی یہی حکم ہے۔ اور آیہ کریمہ انما المشرکون نجس، مشرکین نجس ہیں۔ اس سے مراد اعتقاد اور عمل کی نجاست ہے جو باطنی ہے اس لئے کہ کتابیہ سے نکاح جائز ہے۔ اگر وہ ناپاک ہوتی تو اس سے اختلاط کا مطلب ہوتا نجاست سے اختلاط۔ اور نجاست سے اختلاط کی شریعت کبھی اجازت نہیں دیتی۔ یہ ساری بحث نجاست حقیقی میں ہے، رہ گیا غسل اور وضو کا واجب ہونا یہ بربنائے نجاست حکمیہ ہے۔ (۲) اس سے ثابت ہوا کہ جس وقت غسل واجب ہوا اسی وقت فوراً بلا تاخیر غسل کرنا واجب نہیں البتہ اتنی تاخیر حرام ہے کہ نماز کا وقت نکل جائے۔ (۳) جنبی ضروریات کیلئے باہر جا سکتا ہے (۴) اگر استاد یا پیر کو یہ اندازہ ہو کہ کوئی کسی غلط بات کا معتقد ہے تو اس سے پوچھکر اسکو صحیح بتادے (۵) مومنین کی تالیف قلوب فقراء کیساتھ عنایت و مہربانی سنت ہے۔

تشریحات (۲۰۳، ۲۰۴، ۲۰۵)

حدیث (۲۰۳، ۲۰۴) ایک ہی ہے دوسری میں وغسل فرجہ زائد ہے اس لئے اس کو بھی لکھدیا۔

جنبی ہونے کے بعد اگر سونا چاہے تو مستحب ہے کہ وضو کرے، فوراً غسل کرنا واجب نہیں البتہ اتنی تاخیر نہ کرے کہ نماز کا وقت

ع٥ ایضا جلد اول غسل۔ باب عرق الجنب ص ۴۲
مسلم 〃 حیض۔ باب الدلیل علی ان المسلم لا ینجس ص ۱۶۲
ابو داود 〃 طہارت۔ باب فی الجنب یصافح ص ۳۰
ترمذی 〃 〃 باب ماجاء فی مصافحۃ الجنب ص ۱۷
نسائی 〃 〃 باب مماسۃ الجنب ومجالستہ ص ۵۲
ابن ماجہ 〃 〃 باب مصافحۃ الجنب ص ۴۰

النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یرقد وھو جنب قالت نعم ویتوضأ

کیا نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جنابت کی حالت میں سوتے تھے انھوں نے بتایا ہاں اور وضو فرما لیتے تھے

حدیث ایضاً (۲۰۴)

عن عائشۃ رضی اللہ تعالیٰ عنھا قالت کان النبی

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہانے بیان فرمایا کہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اذا اراد ان ینام وھو جنب غسل

جب جنبی ہوتے اور سونا چاہتے تو

فرجہ وتوضأ للصلوۃ

اپنی شرمگاہ دھوتے اور نماز کے لئے جیسا وضو ہے ویسا وضو فرماتے ۔

حدیث ایضاً (۲۰۵)

عن عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنھما انہ

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے

قال ذکر عمر بن الخطاب لرسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

بیان کیا کہ عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے تذکرہ کیا

انہ تصیبہ الجنابۃ من اللیل فقال لہ رسول اللہ صلی اللہ

رات میں کبھی جنابت ہو جاتی ہے (تو کیا کیا جائے) رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ نے

نکل جائے۔ یہی اس حدیث کا محمل ہے۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ابو داؤد نسائی وغیرہ میں مروی ہے کہ فرمایا:۔
لاتدخل الملئکۃ بیتا فیہ صورۃ ولاکلب ولاجنب[۱] اس گھر میں فرشتے نہیں جاتے جسمیں تصویر یا کتا یا جنبی ہو۔
اس حدیث سے مراد یہی ہے کہ اتنی دیر تک غسل نہ کرے کہ نماز کا وقت نکل جائے اور وہ جنبی رہنے کا عادی ہو اور یہی مطلب بزرگوں کے اس ارشاد کا ہے کہ حالت جنابت میں کھانے پینے سے رزق میں تنگی ہوتی ہے۔

ع۵ مسلم جلد اول حیض باب جواز النوم واستحباب الوضوء ص ۱۴۴
ابو داود " طھارت باب الجنب یاکل ص ۲۹
ترمذی " " باب ماجاء فی الجنب ینام قبل ان یغتسل ص ۱۷
نسائی " " باب وضوء الجنب اذا اراد ان ینام ص ۵۰
ابن ماجہ " " باب من قال لاینام الجنب حتی یتوضأ وضوءہ للصلوۃ ص ۴۳
[۱] ابو داؤد جلد اول " باب الجنب یوخر الغسل ص ۳۰
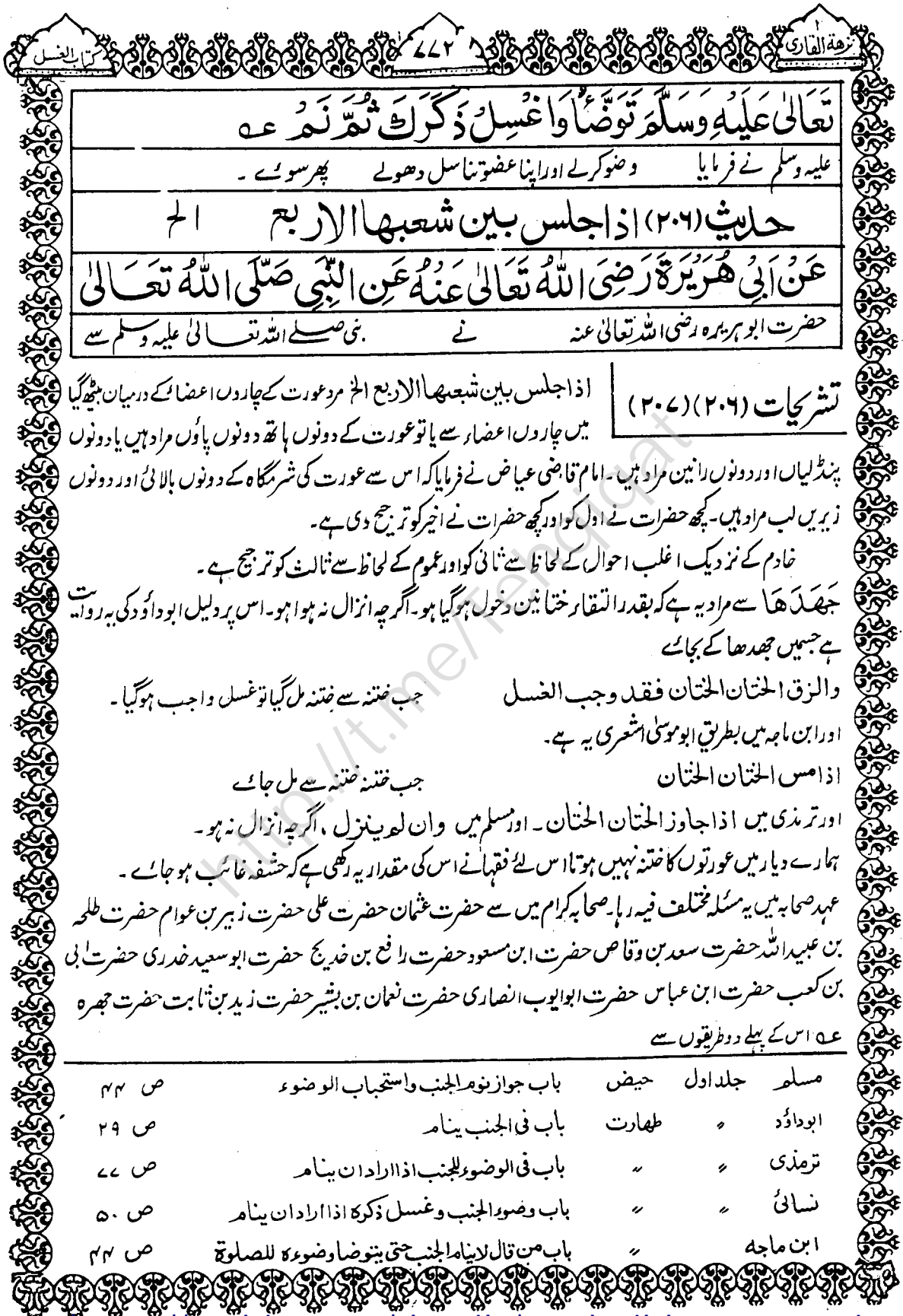
تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ تَوَضَّأْ وَاغْسِلْ ذَکَرَکَ ثُمَّ نَمْ ع۵

علیہ وسلم نے فرمایا وضو کرلے اور اپنا عضو تناسل دھولے پھر سوئے۔

حدیث (۲۰۶) اذا جلس بین شعبھا الاربع الخ

عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نبی صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے

تشریحات (۲۰۶)(۲۰۷)

اذا جلس بین شعبھا الاربع الخ مرد عورت کے چاروں اعضا کے درمیان بیٹھ گیا میں چاروں اعضاء سے یا تو عورت کے دونوں ہاتھ دونوں پاؤں مراد ہیں یا دونوں پنڈلیاں اور دونوں رانیں مراد ہیں۔ امام قاضی عیاض نے فرمایا کہ اس سے عورت کی شرمگاہ کے دونوں بالائی اور دونوں زیریں لب مراد ہیں۔ کچھ حضرات نے اول کو اور کچھ حضرات نے اخیر کو ترجیح دی ہے۔

خادم کے نزدیک اغلب احوال کے لحاظ سے ثانی کو اور عموم کے لحاظ سے ثالث کو ترجیح ہے۔

جَھَدَھَا سے مراد یہ ہے کہ بقدر انتقار ختانین دخول ہو گیا ہو۔ اگرچہ انزال نہ ہوا ہو۔ اس پر دلیل ابو داؤد کی یہ روایت ہے جسمیں جھدھا کے بجائے

والزق الختان الختان فقد وجب الغسل جب ختنہ سے ختنہ مل گیا تو غسل واجب ہو گیا۔

اور ابن ماجہ میں بطریق ابو موسیٰ اشعری یہ ہے۔

اذا مس الختان الختان جب ختنہ ختنہ سے مل جائے

اور ترمذی میں اذا جاوز الختان الختان۔ اور مسلم میں وان لم ینزل، اگرچہ انزال نہ ہو۔

ہمارے دیار میں عورتوں کا ختنہ نہیں ہوتا اس لئے فقہانے اس کی مقدار یہ رکھی ہے کہ حشفہ غائب ہو جائے۔

عہد صحابہ میں یہ مسئلہ مختلف فیہ رہا۔ صحابہ کرام میں سے حضرت عثمان حضرت علی حضرت زبیر بن عوام حضرت طلحہ بن عبید اللہ حضرت سعد بن وقاص حضرت ابن مسعود حضرت رافع بن خدیج حضرت ابو سعید خدری حضرت ابی بن کعب حضرت ابن عباس حضرت ابو ایوب انصاری حضرت نعمان بن بشیر حضرت زید بن ثابت حضرت جمہرہ

ع۵ اس کے پہلے دو طریقوں سے

مسلم	جلد اول	حیض	باب جواز نوم الجنب واستحباب الوضوء	ص ۴۴
ابوداؤد	"	طہارت	باب فی الجنب ینام	ص ۲۹
ترمذی	"	"	باب فی الوضوء للجنب اذا اراد ان ینام	ص ۷۷
نسائی	"	"	باب وضوء الجنب وغسل ذکرہ اذا اراد ان ینام	ص ۵۰
ابن ماجہ		"	باب من قال لاینام الجنب حتی یتوضا وضوءہ للصلوۃ	ص ۴۴

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِذَا جَلَسَ بَيْنَ شُعَبِهَا الْأَرْبَعِ ثُمَّ جَهَدَهَا فَقَدْ

علیہ وسلم سے روایت کیا کہ فرمایا جب مرد عورت کے چاروں اعضا کے درمیان بیٹھ گیا اور کوشش

وَجَبَ الْغُسْلُ ع۵

کرلی تو ضرور غسل واجب ہوگیا۔

حدیث (۲۰۷) اذا جامع الرجل ولم ینزل الخ

أَخْبَرَنِي أُبَيُّ بْنُ كَعْبٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالَى عَنْهُ أَنَّهُ قَالَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ

حضرت ابی ابن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا یارسول اللہ

إِذَا جَامَعَ الرَّجُلُ الْمَرْأَةَ فَلَمْ يُنْزِلْ قَالَ يَغْسِلُ مَا مَسَّ الْمَرْأَةَ

جب مرد عورت سے جماع کرے اور انزال نہ ہو (توکیا کرے) فرمایا اس مقام کو دھولے جس سے عورت کو

انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا اور حضرت عطار ابو سلمہ ہشام بن عروہ امام اعمش کا مذہب یہ تھا کہ جبتک انزال نہ ہو جائے غسل واجب نہیں اگرچہ پورا دخول ہوچکا ہو اگرچہ بار بار ہوا ہو۔

ان حضرات کی دلیل یہاں مذکور بعد والی حدیث نمبر ۲۰۷ اور گذشتہ حدیث نمبر ۱۳۶ ہے اس کے علاوہ اور بھی احادیث ہیں اور اکثر حضرات کا یہی مذہب تھا کہ صرف التقار ختانین یا غیبوبت حشفہ سے غسل واجب ہوجاتا ہے اگرچہ انزال نہ ہوا ہو۔ ان کی دلیل یہاں مذکور حدیث نمبر ۲۰۶ ہے۔

یہ صدر اول کا حال تھا اب اس پر اتفاق ہے کہ صرف غیبوبت حشفہ سے غسل واجب ہے اگرچہ انزال نہ ہوا ہو۔

حضرت سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد مبارک میں جب اس مسئلے پر اختلاف شدید ہوگیا تو انھوں نے تمام صحابہ کرام کو جمع فرمایا اور ان سے ارشاد فرمایا۔ تم لوگ اصحاب بدر ہو اور اختلاف کر بیٹھے تو تمھارے بعد والے اور زیادہ اختلاف کریں گے۔ اسپر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ اس چیز کو ازواج مطہرات سے زیادہ جاننے والا کوئی نہیں، ان سے پوچھ لیجئے جب ازواج مطہرات سے دریافت کیا گیا تو حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا جب ختنہ ختنہ سے آگے بڑھ جائے تو غسل واجب ہوگیا۔ اس کے بعد حضرت عمر نے فرمایا جو اس کے بعد اس سے اختلاف کریگا اسے سزا دونگا۔ دونوں قسم کی احادیث میں تعارض کے مختلف جوابات دئے گئے ہیں۔ ایک حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے انھوں نے فرمایا

ع۵ مسلم جلد اول حیض باب ان الجماع کان فی اول الاسلام لا یوجب الغسل الخ ص ۱۵۶
ابوداؤد ء طہارت باب فی الاکسال ص ۲۸
نسائی ء " باب وجوب الغسل اذا التقی الختان الختان ص ۴۱
ابن ماجہ ء باب ماجاء فی وجوب الغسل اذا التقی الختانان ص ۴۵

مِنْهُ ثُمَّ يَتَوَضَّأُ وَيُصَلِّي قَالَ اَبُوْعَبْدِاللّٰهِ. اَلْغُسْلُ اَحْوَطُ وَذٰلِكَ الْاٰخِرُ

مس کیا ہے پھر وضو کرے۔ اور نماز پڑھے۔ ابو عبداللہ (امام بخاری) نے کہا زیادہ احتیاط اسمیں ہے کہ غسل

اِنَّمَا بَيَّنَّاهُ لِاخْتِلَافِهِمْ وَالْمَاءُ اَنْقٰى۔

کرلے۔ اخیر حدیث اسلئے ذکر کی کہ اسمیں انکا اختلاف ہے۔ اور پانی صاف ستھرا کرنے والا ہے۔

پہلا حکم احتلام کے ساتھ خاص ہے مگر احادیث میں جو تفصیل مذکور ہے وہ احتلام پر چسپاں نہیں ہوتی۔ دوسری توجیہ یہ کی گئی ہے کہ وجوب غسل کے لئے انزال کی شرط ابتدا اسلام میں تھی بعد میں یہ حکم منسوخ ہوگیا جیساکہ ابو داؤد ترمذی اور ابن ماجہ میں حضرت ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول مروی ہے کہ انھوں نے فرمایا کہ الماء من الماء کا حکم ابتدا اسلام میں بطور رخصت تھا بعد میں ہمیں (بغیر انزال) کے بھی غسل کا حکم دیا گیا۔

اخیر میں امام بخاری نے فرمایا کہ چونکہ یہ مسئلہ مختلف فیہ ہے اس لئے ہم نے دوسری حضرت عثمان والی حدیث بھی ذکر کر دی مگر احوط غسل ہے۔ یہ جملہ دو معنوں کا احتمال رکھتا ہے ایک تو یہ کہ انکا مذہب یہی ہے کہ انزال کے بغیر غسل واجب نہیں مگر غسل کرنے میں زیادہ احتیاط ہے۔ اور اس کا بھی احتمال ہے کہ انکا مذہب یہ ہو کہ بر بنائے احتیاط غسل واجب ہونے کا حکم ہے والعلم عند ربی وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔

مناسبت غسل کے اسباب تین ہیں۔ جنابت، انقطاع حیض، انقطاع نفاس، پہلا سبب۔ اس میں مرد اور عورت دونوں شریک ہیں۔ حیض و نفاس عورتوں کے ساتھ خاص ہے۔ سبب عام بیان کرنے کے بعد سبب خاص بیان فرمانا شروع کیا۔

حیض چونکہ بہ نسبت نفاس کے عام ہے اس لئے حیض کا بیان مقدم رکھا۔ عورت کے جسم میں قدرت نے فطری طور پر یہ قوت رکھی ہے کہ اس کے خون کا کچھ حصہ اس کے رحم میں جائے یہی زائد خون ایام حمل میں جنین کی غذا ہوتا ہے۔ اور ایام رضاعت میں دودھ بنتا ہے مگر جب عورت حمل و رضاعت کی حالت میں نہ ہو تو یہ خون ہر ماہ مقررہ تاریخوں میں اندام نہانی سے خارج ہوتا ہے۔ یہی حیض ہے۔

بچے کی پیدائش کے بعد رحم میں جمع شدہ خون جو زائد آتا ہے یہ نفاس ہے بیماری سے جو خون یا رطوبت نکلتی ہے وہ استحاضہ ہے ــــ حیض و نفاس کی حالت میں عورت نہ نماز پڑھ سکتی ہے، نہ روزہ رکھ سکتی ہے، نہ قرآن مجید چھو سکتی ہے نہ پڑھ سکتی ہے، نہ مسجد میں جا سکتی ہے۔ نمازیں معاف ہیں البتہ روزوں کی قضا رہے۔

استحاضے کی حالت میں یہ باتیں بھی ممنوع نہیں۔

حیض کے لغوی معنی سیلان کے ہیں۔ عرب والے بولتے ہیں۔ " حاضت السمرۃ " ببول کے درخت سے سرخ رنگ کا پانی نکلا۔ عرف عام میں اندام نہانی سے نکلنے والے خون کو کہتے ہیں۔ عرب والے بولتے ہیں " حاضت الارنب " خرگوش کی اندام نہانی سے خون نکلا، شریعت میں اس خون کو کہتے ہیں جو بالغہ عورت کے آگے کے مقام سے عادۃً نکلے اور وہ بیماری

بسم اللہ الرحمن الرحیم

کتاب الحیض

(۶۰) ت قال بعضھم کان اول ما ارسل الحیض علی بنی اسرائیل

بعض حضرات نے فرمایا سب سے پہلے بنی اسرائیل پر حیض بھیجا گیا

حدیث ۲۰۸ ان ھذا امر کتبہ اللہ علی بنات آدم

سمعت القاسم یقول سمعت عائشۃ رضی اللہ تعالی عنھا تقول

قاسم بن محمد کہتے ہیں کہ میں نے عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا سے سنا وہ فرما رہی تھیں

یا بچہ پیدا ہونے کیوجہ سے نہ ہو۔

تشریح (۶۰) یہ ام المومنین حضرت صدیقہ اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالی عنہما کا ارشاد ہے اسے عبد الرزاق نے اپنے مصنف میں ذکر کیا ہے کہ ان دونوں نے فرمایا۔ بنی اسرائیل کے مرد و عورت اکٹھے نماز پڑھتے تھے۔ عورتیں مردوں کو جھانکتی تھیں تو اللہ عزوجل نے انھیں حیض میں مبتلا کر دیا اور مسجدوں میں جانے سے روک دیا۔

تشریحات (۲۰۸) قاسم بن محمد یہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالی عنہ کے پوتے حضرت محمد بن ابی بکر رضی اللہ تعالی عنہما کے صاحبزادے ہیں۔ اجلہ تابعین کی صف اول کے بھی سرخیل ہیں۔ یحیی بن سعید نے کہا اس عہد میں مدینہ میں ان سے افضل کسی کو نہیں پایا مدینے کے فقہائے سبعہ میں ہیں ۳۱ھ میں پیدا ہوئے اور ۱۰۱ھ میں وصال فرمایا۔

سرف مکہ معظمہ کے قریب ایک جگہ کا نام ہے اس میں اور مکہ کے مابین چھ سے لے کر دس میل کا فاصلہ ہے یہ علمیت اور تانیث معنوی کیوجہ سے غیر منصرف ہے۔

انفست امام نووی نے فرمایا کہ نون کے فتحے اور ضمے کے ساتھ دونوں کے معنی حیض کے بھی ہیں اور نفاس کے بھی مگر اکثر یہ ہے کہ ضمے کے ساتھ ولادت کے معنی میں ہے۔ اور فتح کے ساتھ حیض کے معنی میں۔ اسی سے نفساء، حائضہ کے معنی میں آتا ہے، نفساء کی جمع نفاس ہے۔ نفاس مصدر بھی ہے، جس کے معنی خون کے ہیں۔ مُغرب میں ہے نفاس نفستِ المرأۃ کا مصدر ہے اس کے معنی ہیں بچہ جننا قضا کے معنی ادا کرنے کے بھی آتے ہیں ارشاد ہے فاذا قضیت الصلوۃ۔

تکمیل ۱۰ھ میں جب پورا عرب اسلام قبول کر چکا تو حضور اقدس صلی اللہ تعالی علیہ وسلم اپنی تمام ازواج مطہرات کے ساتھ حج کے لئے نکلے، مدینہ طیبہ سے نکلتے وقت سب کا مقصود بالذات حج ہی تھا مگر میقات پر پہنچکر حضور اقدس صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے اعلان فرما دیا، جس کا جی چاہے حج کا احرام باندھے اور جس کا جی چاہے عمرہ کا حضرت

خَرَجْنَا لَا نَرٰی اِلَّا الْحَجَّ فَلَمَّا کُنَّا بِسَرِفَ حِضْتُ فَدَخَلَ

کہ ہم صرف حج کے ارادے سے نکلے جب "سرف" میں پہنچے تو مجھے حیض آگیا اسوقت

عَلَیَّ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَاَنَا اَبْکِیْ فَقَالَ

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میرے پاس آئے اور میں رو رہی تھی

ام المومنین عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے عمرے کا احرام باندھا۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سنیچر کے دن بعد نماز ظہر ۲۶ ذو القعدہ کو مدینے سے نکلے مدینہ طیبہ سے چھ میل دور ذو الحلیفہ ہے جو مدینے کی میقات ہے۔ یہاں رات بھر قیام فرمایا صبح کو احرام باندھا۔ آٹھویں دن سنیچر کو سرف آپہنچے یہاں رات بسر فرمائی۔ صبح ۴ ذو الحجہ کو نویں دن مکہ معظمہ میں داخل ہوئے۔

سرف پہنچکر ام المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو حیض آگیا ان کو خیال ہوا کہ جسطرح حیض کی حالت میں نہ نماز کی اجازت ہے نہ روزے کی، شاید حج کی بھی نہ ہو، اور میں حج سے محروم رہ جاؤں، اس بنا پر رونے لگیں۔ حضور نے انھیں تسلی دی، نہیں تم حج کے تمام ارکان ادا کر سکتی ہو۔ صرف طواف نہیں کر سکتی ہو۔ اس لئے کہ طواف مسجد حرام میں ہوتا ہے اور حائضہ مسجد میں داخل نہیں ہو سکتی

تطبیق حضرت ام المومنین اور حضرت ابن مسعود کا جو قول تعلیقاً مذکور ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حیض بطور دنیوی سزا پہلے پہل بنی اسرائیل کی عورتوں کو آیا۔ اور اس حدیث میں یہ تصریح ہے کہ حیض بنات آدم کے لئے مقرر ہے۔ بنات آدم اپنے عموم کے لحاظ سے بنی اسرائیل سے پہلے کی عورتوں پر بھی صادق ہے۔ اس سے ثابت کہ روز اول ہی سے تمام عورتوں کو حیض آتا تھا۔

علاوہ ازیں قرآن مجید میں حضرت سارہ کے بارے میں ہے

وَامْرَاَتُہٗ قَآئِمَۃٌ فَضَحِکَتْ (ھود آیت ۷۱) ان کی بیوی کھڑی تھی ہنسنے لگی۔

طبری وغیرہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما وغیرہ سے فضحکت کی تفسیر حاضت کیساتھ نقل کی ہے یعنی انھیں حیض آگیا[۱]

نیز حاکم اور ابن منذر نے سند صحیح کیساتھ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا کہ حضرت حوا جب جنت سے اتریں تو انھیں حیض آنے لگا[۲]

اس پر امام بخاری نے فرمایا، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد اکثر ہے یعنی باعتبار روایت اسلئے اسے ترجیح حاصل ہے۔ ایک نسخے میں بجائے اکثر کے اکبر ہے۔ یعنی بہ نسبت صحابی کے قول کے حضور اقدس صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد بڑا یعنی اجل واکبر ہے اس لئے اسے ترجیح ہے۔

علامہ عینی نے یہ تطبیق کی صورت نکالی کہ بنی اسرائیل پر ان کی سرکشی کیوجہ سے یہ عذاب آیا کہ ان کی عورتوں کا حیض بند کر دیا گیا یہ عذاب اس طرح ہے کہ توالد وتناسل کے اسباب عادیہ میں حیض بھی ہے۔ جس عورت کو حیض نہیں آتا وہ لاولد رہتی ہے

[۱] فتح الباری جلد اول ص ۳۴۱ [۲] ایضا

مَا لَكِ اَنُفِسْتِ قُلْتُ نَعَمْ قَالَ اِنَّ هٰذَا اَمْرٌ كَتَبَهُ اللّٰهُ عَلٰى بَنَاتِ

حضور نے مجھ سے پوچھا کیا بات ہے کیا تجھے حیض آگیا ہے میں نے عرض کیا جی ہاں، حضور نے فرمایا

اٰدَمَ فَاقْضِي مَا يَقْضِي الْحَاجُّ غَيْرَ اَنْ لَا تَطُوفِي بِالْبَيْتِ قَالَتْ

یہ ایسی چیز ہے جو آدم کی بیٹیوں کے لئے خدا نے مقرر فرمادی ہے جو کچھ حج کرنیوالا کرے تم بھی کرو، البتہ بیت اللہ کا

ایک مدت تک یہی رہا پھر اللہ عزوجل نے جاری کر دیا۔

مگر تعلیق کا یہ لفظ اول ما ارسل اللہ الحیض اس توجیہ کے مطابق نہیں اس لئے راستہ یہی رہ گیا کہ امام بخاری نے جو فرمایا ہے اسی کو اختیار کیا جائے۔

ایک اشکال بقر بغیر تاء کے جنس ہے جو واحد اور کثیر سب پر بولا جاتا ہے۔ البتہ بقرۃ تاء مدورہ کیساتھ واحد ہے اس کے معنی ایک گائے کے ہیں جیسے تمر اور تمرۃ کلم اور کلمۃ وغیرہ۔ اب اشکال یہ ہے کہ حجۃ الوداع میں تمام ازواج مطہرات تھیں اور ان کی تعداد اس وقت نو تھی اس پر اجماع ہے کہ ایک گائے میں صرف سات آدمی شریک ہو سکتے ہیں پھر نو ازواج مطہرات کی طرف سے ایک ہی گائے کی قربانی کیسے درست ہوئی۔

اگر تمام روایات میں بالبقر یا بقر بغیر تاء کے ہوتا تو تاویل ممکن تھی کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ازواج مطہرات کی طرف سے ایک سے زائد قربانی کی تھی۔ مگر بعض روایات میں بالبقرۃ تاء کیساتھ ہے یہ تاء تانیث نہیں اسلئے کہ حیوانات کیلئے تاء تانیث نہیں آتی اور اگر آتی بھی ہو تو ابوداؤد[۱] اور ابن ماجہ کی حدیث میں بقرۃ واحدۃ آیا ہے جو وحدت پر نص ہے۔

جواب اولاً ہمیں یہ تسلیم نہیں کہ حیوانات میں تاء تانیث نہیں آتی۔

امام لغت ابن السکیت نے اس کی تصریح کی ہے کہ حیوانات کے اسماء پر بھی تاء تانیث آتی ہے۔ اس لغت پر بالبقرۃ اور بالبقر کا مفاد ایک ہوا رہ گئی وہ روایت جسمیں بالبقرۃ الواحدۃ وارد ہے۔ وہ غالباً راوی کی اپنی زیادتی ہے۔ کسی راوی نے بالبقرۃ کی تاء کو تاء وحدت سمجھ لیا اور اپنی سمجھ کے مطابق الواحدۃ بڑھا دیا۔

اس جواب کی تائید مسلم شریف کی اس حدیث سے ہوتی ہے جو حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے وہ کہتے ہیں۔

ذبح رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم عن عائشۃ بقرۃ یوم النحر[۲] — رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ کیطرف سے یوم النحر میں ایک گائے کی قربانی کی۔

مگر اس پر یہ شبہ رہ جاتا ہے کہ حضرت صدیقہ کی طرف سے ایک گائے ہوئی تو پھر بھی بقیہ آٹھ ازواج کیطرف سے ایک ہی گائے کی قربانی ہوئی۔

---

[۱] ابوداود جلد اول مناسک باب فی ھدی البقر ص ۲۴۴
ابن ماجہ اضاحی باب کم تجزی البدنۃ والبقر ۲۳۳

[۲] مسلم جلد اول حج باب جواز الاشتراك فی الھدی ص ۴۲۴

وَضَحّٰی رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَنْ نِسَائِہٖ بِالْبَقَرِ[۹]

طواف مت کرنا	حضور نے	اپنی عورتوں کی طرف سے	گائے قربان کی

صحیح جواب یہ ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یہ قربانی صرف انھیں ازواج کی طرف سے کی تھی جنھوں نے میقات سے صرف عمرے کا احرام باندھا تھا، ابو داؤد اور ابن ماجہ میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انھوں نے فرمایا:

ذبح عمن اعتمر من نسائہ بقرۃ بینھن[۱۰] حضور نے ان عورتوں کی طرف سے مشترکہ طور پر ایک گائے کی قربانی کی جنھوں نے عمرہ کیا۔

ہوسکتا ہے کچھ ازواج مطہرات نے عمرے کا احرام نہ باندھا ہو صرف حج کا احرام باندھا ہو۔

ایضاح البخاری ایضاح البخاری میں بالبقرۃ الواحدۃ کی روایت نسائی کی طرف منسوب ہے حالانکہ یہ مجھے نسائی میں نہیں ملی البتہ ابو داؤد اور ابن ماجہ میں ہے، حیوانات کے اسماء پر تار تانیث داخل ہوتی ہے اس پر استدلال کرتے ہوئے انھوں نے حضرت امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ واقعہ نقل کیا ہے۔

مشہور محدث حضرت قتادہ جب کوفہ پہونچے تو ان کے گرد بھیڑ لگ گئی تشنگان علم ٹوٹ پڑے، یہ زمانہ حضرت امام کی نوعمری کا تھا حضرت قتادہ کی شہرت سن کر حاضر ہوئے اور یہ سوال کیا؛ جس چیونٹی نے حضرت سلیمان علیہ السلام اور ان کے لشکر کو دیکھ کر یہ کہا تھا؛ اے چیونٹیو اپنے گھروں میں چلی جاؤ کہیں بے خبری میں سلیمان اور ان کے لشکری تمھیں کچل نہ ڈالیں، یہ نر تھی کہ مادہ؟ حضرت قتادہ کوئی جواب نہ دے سکے۔ تو حضرت امام نے فرمایا کہ یہ چیونٹی مادہ تھی، اس لئے کہ قرآن کریم میں ہے قَالَتْ نَمْلَۃٌ۔

اس سے صاحب ایضاح البخاری نے یہ استدلال کیا ہے کہ حضرت امام کا بھی مذہب یہی تھا کہ تار تانیث، حیوانات کے اسماء پر داخل ہوتی ہے اسلئے کہ حضرت امام نے "نملۃ" کی تار سے اس کے مادہ ہونے پر استدلال فرمایا

اقول:۔ یہ زبردستی حضرت امام کے سر تھوپنا ہے۔ ہوسکتا ہے کہ حضرت امام کا استدلال بجائے تار کے قالت صیغۂ تانیث اور من قولھا "کی ضمیر مونث سے ہو۔

۹ع	بخاری جلد ثانی	الاضاحی	باب الاضحیۃ للمسافر والنساء	ص	۸۳۲
	مسلم ۔ اول	حج	باب بیان وجوہ الاحرام الخ	ص	۳۸۸
	نسائی ۔ ۔	طہارت	باب بدء الحیض	ص	۶۴
	ابن ماجہ	حج	باب الحائض تقضی المناسک الا الطواف	ص	۲۱۹
۱۰	ابو داؤد اول		مناسک باب فی ھدی البقر	ص	۳۴۴
	ابن ماجہ		اضاحی باب کم تجزی البدنۃ والبقرۃ	ص	۲۳۳

حدیث ۲۰۹ ترجیل الحائض راس زوجها

عَنْ عَائِشَةَ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہَا قَالَتْ کُنْتُ اُرَجِّلُ رَاْسَ رَسُوْلِ اللّٰہِ

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا نے بیان کیا کہ میں رسول اللہ صلے اللہ تعالی علیہ وسلم

صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَاَنَا حَائِضٌ ؏

کے سر میں کنگھی کرتی اس حالت میں کہ میں حائضہ ہوتی۔

حدیث ۲۱۰ ایضا

اَخْبَرَنِیْ ھِشَامُ بْنُ عُرْوَۃَ عَنْ عُرْوَۃَ اَنَّہٗ سُئِلَ

ہشام بن عروہ نے خبر دی کہ حضرت عروہ سے پوچھا گیا

تشریحات (۲۰۹) (۲۱۰)

ہشام ہشام بن عروہ بن زبیر رضی اللہ تعالی عنہ مدینہ طیبہ کے مشہور تابعین میں ہیں۔ ان سے بکثرت احادیث مروی ہیں اکابر اجلہ تابعین میں ہیں۔ اہل مدینہ کے طبقہ رابعہ سے ہیں۔ انھوں نے حدیث اپنے چچا حضرت عبداللہ بن زبیر اور ابن عمر رضی اللہ تعالی عنہم سے سنی ہے ایک قول یہ ہے کہ حضرت ابن عمر کی زیارت کی مگر ان سے حدیث نہیں سُنی، حضرت جابر بن عبداللہ حضرت انس بن مالک اور حضرت سہل بن سعد ساعدی رضی اللہ تعالی عنہم کی زیارت سے مشرف ہیں شہنشاہ منصور کے عہد میں کوفے تشریف لائے تو ان سے اہل کوفہ نے احادیث سنیں۔

یہ اور خلیفہ راشد عمر بن عبدالعزیز، امام زہری، قتادہ اور اعمش عاشورہ ۶۱ھ کو ٹھیک اس دن پیدا ہوئے جس دن سید الشہداء حضرت امام حسین کربلا میں شہید ہوئے۔ اخیر عمر مبارک میں بغداد منصور کے پاس آگئے تھے وہیں ۱۴۵ھ یا ۱۴۶ھ یا ۱۴۷ھ میں وصال ہوا منصور نے انکی نماز جنازہ پڑھائی، مقبرہ خیزران کے جانب غربی بازار سے باہر خندق کے پیچھے باب قطربل کی جانب، باب حرب کے مقابر میں مزار ہے، مزار پر تختی لگی ہوئی ہے جس پر کندہ ہے "ہذا قبر ہشام بن عروۃ"۔

کچھ لوگ یہ کہتے ہیں کہ یہ خیزران کے جانب شرقی میں دفن ہیں اور جانب غربی جو مزار ہے وہ ہشام بن عروہ مروزی کا ہے جو حضرت عبداللہ بن مبارک کے اصحاب میں سے ہیں۔

ابو عبداللہ عروہ بن زبیر بن عوام حواری رسول اللہ صلے اللہ تعالی علیہ وسلم مدینہ طیبہ کے مشہور فقہاء سبعہ میں ہیں بہت زبردست عابد زاہد شب زندہ دار بزرگ تھے روزانہ بلاناغہ چوتھائی قرآن مصحف شریف دیکھکر تلاوت فرماتے، چوتھائی قرآن شریف رات کو تہجد میں پڑھتے۔

؏ ایضا جلد اول	اعتکاف	باب المعتکف یدخل راسہ البیت للغسل	ص ۲۷۲
ایضا " ثانی	لباس	باب ترجیل الحائض زوجها	ص ۸۷۹
ترمذی شمائل		باب ترجیل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم	ص ۴
نسائی جلد اول	طہارت	باب غسل الحائض راس زوجها	ص ۴۸

أَتَخْدِمُنِي الْحَائِضُ أَوْ تَدْنُو مِنِّي الْمَرْأَةُ وَهِيَ جُنُبٌ - فَقَالَ عُرْوَةُ كُلُّ

کیا حائضہ میری خدمت کر سکتی ہے، جنبی عورت میرے قریب آسکتی ہے اس پر عروہ نے

ذَالِكَ عَلَيَّ هَيِّنٌ وَكُلُّ ذَالِكَ يَخْدِمُنِي وَلَيْسَ عَلَى أَحَدٍ فِي ذَالِكَ بَأْسٌ

فرمایا یہ سب مجھ پر آسان ہے اور یہ سب میری خدمت کرتی ہیں اسمیں کسی پر کوئی حرج نہیں

امام زہری نے ان کے بارے میں فرمایا یہ وہ دریا ہیں جو کبھی خشک نہیں ہوتا۔

یہ حضرت عبداللہ بن زبیر کے حقیقی بھائی تھے دونوں حضرات اسماء بنت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے بطن سے ہیں ۲۲ سنہ یا ۲۶ سنہ میں پیدا ہوئے اور ۹۳ سنہ یا ۹۴ سنہ سنۃ الفقہاء میں وصال فرمایا مدینہ طیبہ سے چار رات کے فاصلہ پر ربذہ کے نواحی میں ایک بہت سرسبز و شاداب مقام فُرع ہے یہی جائے وفات ہے یہیں دفن بھی ہوئے۔

ایک بار حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ایام حکومت میں عبدالملک بن مروان اور یہ اور ان کے دونوں بھائی حضرت عبداللہ اور مصعب مسجد حرام میں اکٹھا ہوئے تو ان لوگوں نے آپس میں کہا آؤ ہم لوگ اپنی اپنی تمنا ظاہر کریں ۔ حضرت عبداللہ بن زبیر نے کہا میری تمنا یہ ہے کہ حرمین طیبین کا مالک بنوں اور خلافت پاؤں ۔ مصعب نے کہا میری تمنا یہ ہے کہ میں عراقین یعنی کوفہ اور بصرہ کا حاکم بنوں اور قریش کی دو عاقل ترین خواتین کو اپنے نکاح میں جمع کروں، سکینہ بنت حسین اور عائشہ بنت طلحہ کو۔ عبدالملک نے کہا میری آرزو یہ ہے کہ میں پوری زمین کا مالک بنوں اور معاویہ کا جانشین ۔ عروہ نے کہا میری آرزو تم لوگوں جیسی نہیں میری تمنا یہ ہے کہ دنیا سے الگ رہوں آخرت میں جنت پاؤں اور مجھ سے یہ علم (حدیث) روایت کیا جائے، خدا کی شان کہ ہر ایک کی تمنا پوری ہوئی اسی بنا پر ولید بن عبدالملک کہا کرتا تھا جسے یہ پسند ہو کہ کسی جنتی کو دیکھے وہ عروہ کو دیکھے۔

بہت ہی متحمل بردبار صابر و شاکر تھے ایک دفعہ ولید کے یہاں گئے تو پاؤں میں آکلہ ہو گیا ولید نے کہا پاؤں کٹوالو پہلے انکار کیا مگر جب اس کا اثر پنڈلی تک پہونچ گیا تو ولید نے کہا اگر کٹوائیں گے نہیں تو یہ پورے جسم میں سرایت کر جائیگا۔ پاؤں کاٹنے والا آیا اس نے عرض کی شراب پی لیں تاکہ احساس نہ ہو، فرمایا میں اللہ کی حرام کی ہوئی چیز کے ذریعہ عافیت نہیں چاہتا، اس نے عرض کیا کوئی خواب آور دوا دیدوں تو فرمایا میں نہیں چاہتا کہ میرا کوئی عضو کاٹا جائے اور مجھے اس کی تکلیف کا احساس نہو اور اس کے ثواب سے محروم رہوں پھر کچھ لوگ آئے کہ پکڑے رہیں فرمایا کوئی ضرورت نہیں ۔

بالآخر پاؤں کا گوشت پہلے چھری سے پھر ہڈی آری سے کاٹی گئی اور آہ تک نہیں کی تکبیر و تہلیل میں مصروف رہے یہاں تک کہ جب روغن زیتون لوہے کے بچھوں میں کھولا کر داغا گیا تو بیہوش ہو گئے، افاقہ کے بعد چہرے سے پسینہ پوچھنے لگے، کٹا ہوا پاؤں ہاتھ میں لے کر الٹنے پلٹنے لگے اور فرمایا اس ذات کی قسم جس نے مجھے تجھ پر سوار فرمایا۔ تیرے ذریعہ سے کسی گناہ کیطرف نہیں گیا ہوں یہ سب اسطرح ہوا کہ وہیں ولید باتیں کرتا رہا اسے خبر بھی نہیں ہوئی جب داغنے کی بو پھیلی تو معلوم ہوا۔

اسی سفر میں ان کے صاحبزادے محمد، ولید کے اصطبل میں گئے تو کسی چوپائے نے انھیں مار دیا اور وہ شہید ہو گئے۔ جب مدینہ طیبہ

أَخْبَرَتْنِي عَائِشَةُ أَنَّهَا كَانَتْ تُرَجِّلُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

مجھے حضرت عائشہ نے خبر دی کہ وہ حالت حیض میں رسول اللہ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو کنگھا کرتی تھیں۔

وَهِيَ حَائِضٌ وَرَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حِينَئِذٍ مُجَاوِرٌ فِي الْمَسْجِدِ

رسول اللہ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مسجد میں (حالت اعتکاف) میں ہوتے ان کی طرف اپنا سر بڑھا

يُدْنِي لَهَا رَأْسَهُ وَهِيَ فِي حُجْرَتِهَا فَتُرَجِّلُهُ وَهِيَ حَائِضٌ ع۵

دیتے وہ اپنے حجرے میں ہوتیں وہ حضور کے سر میں کنگھا کرتیں حالانکہ وہ حائضہ ہوتیں

آئے تو یہ آیت کریمہ تلاوت فرمایا۔

لَقَدْ لَقِينَا مِنْ سَفَرِنَا هٰذَا نَصَبًا (کہف ۶۲) اپنے اس سفر سے ہم کو بہت تکلیف پہونچی۔

اتنے سخی اور جواد تھے کہ باغ میں جب پھل تیار ہو جاتے تو احاطے کی دیوار میں سوراخ کر دیتے لوگ باغ میں آکر کھاتے بھی اور باندھ کر لے بھی جاتے، جب باغ میں جاتے تو یہ آیت کریمہ تلاوت فرمانے لگتے۔

وَلَوْلَا إِذْ دَخَلْتَ جَنَّتَكَ قُلْتَ مَا شَاءَ اللّٰهُ لَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ۔ (کہف ۳۸) اور جب تو اپنے باغ میں گیا تو ماشاء اللہ لا قوۃ الا باللہ کیوں نہیں کہا؟

انھوں نے اپنے والدین اور اپنی خالہ حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ اور کبار صحابہ سے احادیث روایت کی ہیں۔

باب کا فائدہ یہاں امام بخاری نے باب کا عنوان یہ قائم فرمایا ہے غسل الحائض راس زوجھا و ترجیلہ حائضہ کا اپنے شوہر کے سر کو دھونا اور اسمیں کنگھا کرنا۔

چونکہ قرآن کریم میں ہے۔ فَاعْتَزِلُوا النِّسَاءَ فِي الْمَحِيضِ (بقرہ) حیض کی حالت میں عورتوں سے الگ رہو؛ اس سے یہ شبہہ ہو سکتا ہے کہ حائضہ عورت سے کوئی خدمت نہیں لی جا سکتی۔ یہ باب باندھ کر امام بخاری نے اس شبہے کا ازالہ فرمادیا کہ اس آیت میں اعتزال سے مراد جماع نہ کرنا ہے مطلقاً علیحدہ رہنا اس طرح کی شوہر کو ہاتھ بھی نہ لگا سکے مراد نہیں البتہ ایک خدشہ رہ جاتا ہے کہ اس باب کے ضمن میں جو حدیث لائے اس سے کنگھا کرنا تو ثابت ہو گیا مگر سر دھونا ثابت نہیں ہوا۔

ع۵ ایضاً جلد اول	اعتکاف	باب الحائض ترجل المعتکف	ص ۲۷۱
مسلم ″	حیض	باب جواز غسل الحائض راس زوجھا و ترجیلہ	ص ۴۲
ابوداؤد ″	صیام	باب المعتکف یدخل البیت لحاجتہ	ص ۳۳۴
نسائی ″	طھارت	باب ترجیل الحائض راس زوجھا وھو معتکف	ص ۴۸
ابن ماجہ ″		باب الحائض تناول الشئ من المسجد	ص ۴۶
″	اعتکاف	باب فی المعتکف یغسل راسہ و یرجلہ	ص ۱۲۸

دارمی وضوء ۱۰۸، موطاء امام مالک طھارت ۱۰۲، مسند امام احمد

(۶۱) ت

وَكَانَ اَبُوْوَائِلٍ يُرْسِلُ خَادِمَهٗ وَهِيَ حَائِضٌ اِلٰى اَبِيْ رَزِيْنٍ

ابو وائل اپنی خادمہ کو ابو رزین کے پاس بھیجتے

اقول بحث کنگھا کرنے اور دھونے کی نہیں بلکہ شوہر کو ہاتھ لگانے اور نہ لگانے کی ہے، حدیث سے جب ثابت کہ حائضہ شوہر کو کنگھا کر سکتی ہے جسمیں ہاتھ لگنا لازم ہے تو اسی پر قیاس کر کے سر دھونا بھی ثابت اس لئے کہ اسمیں بھی ہاتھ لگانے سے زائد اور کوئی بات نہیں۔

ہماری اس تقریر سے صاحب ایضاح البخاری کی کم فہمی ظاہر ہوئی انھوں نے لکھا ہے کہ باب کا پہلا جز حدیث سے ثابت نہیں ہم مقدمہ میں بتا آئے کہ باب کے ثبوت کا ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ حدیث کی باب پر دلالت التزامی ہو جو یہاں موجود ہے ان بزرگ نے حضرت عروہ کے استدلال کو بھی نہیں دیکھا کہ وہ ترجیل سے مطلقاً خدمت کے جواز پر دلیل لائے۔ حضرت عروہ سے دو سوال ہوا تھا ایک یہ کہ حائضہ مرد کی خدمت کر سکتی ہے کہ نہیں اور دوسرے یہ کہ جنبی عورت خدمت کر سکتی ہے کہ نہیں۔ حضرت عروہ نے فرمایا دونوں خدمت کر سکتی ہیں نیز یہ بھی کہا کسی کے نزدیک اسمیں کوئی حرج نہیں عروہ نے دلیل میں یہ حدیث پیش کی جس سے یہ ثابت ہوا کہ حائضہ اپنے شوہر کی خدمت کر سکتی ہے حدیث میں جنبی کا ذکر نہیں۔

مگر اہل فہم پر روشن ہے کہ حائضہ کی حالت یہ ہوتی ہے کہ اس حالت میں اس کی نجاست جاری رہتی ہے پھر بھی اپنے شوہر کی خدمت کر سکتی ہے اور جنبی عورت جسکی یہ حالت نہیں۔ اس کے جسم سے جو نجاست نکلنی تھی نکل چکی اب کوئی نجاست نہیں نکلتی تو یہ بدرجۂ اولیٰ شوہر کی خدمت کر سکتی ہے لِمُ یہ ہے کہ حیض کی حالت میں گھن آنا زائد ہے بر خلاف جنابت کے کہ اسمیں کوئی گھن نہیں اہل انصاف و دیانت غور کریں یہاں امام بخاری نے قیاس فرمایا حضرت عروہ نے قیاس فرمایا مگر یہ قیّاس نہیں۔ اہل حدیث ہیں اور احناف قیاس کریں تو وہ غیر مقلدین کی بارگاہ سے "قیّاس" کا خطاب پائیں۔

مسائل (۱) معتکف اگر اپنا سر یا کوئی عضو مسجد سے باہر نکالدے تو اعتکاف باطل نہ ہوگا (۲) کسی نے قسم کھائی کہ فلاں گھر میں نہ جائیگا اگر سر یا ہاتھ گھر میں داخل کر دیا تو حانث نہ ہوگا (۳) بیوی کی رضامندی سے شوہر خدمت لے سکتا ہے مگر جبر نہیں کر سکتا (۴) حائضہ اور جنبی کا ظاہر جسم پاک ہے (۵) فاعتزلوا النساء فی المحیض اور ولا تباشروھن وانتم عاکفون فی المسٰجد سے مراد جماع ہے اور آیت ثانیہ سے مراد جماع کے ساتھ دواعی بوس و کنار بھی ہے۔ مطلقاً چھونے ہاتھ لگانے کی ممانعت مراد نہیں (۶) حائضہ کو مسجد میں جانا جائز نہیں (۷) مرد اپنے بالوں کو کنگھا کر سکتا ہے اسی طرح زینت کر سکتا ہے

تشریحات (۶۱) (۲۱۱) رزین کا نام مسعود بن مالک اسدی ہے۔ یہ ابو وائل کے غلام تھے۔ تابعی ہیں یہاں باب یہ ہے۔ مرد کا حائضہ کی گود میں سر رکھے قرآن پڑھنا۔ تعلیق کا باب سے کوئی علاقہ نہیں البتہ حدیث سے ہے اور یہی ہمارا بھی مذہب ہے۔

فَتَاتِيهِ بِالْمُصْحَفِ فَتُمْسِكُهُ بِعِلَاقَتِهِ ع۵

وہ مصحف لاتی اور غلاف کے ساتھ اپنے ہاتھ میں لئے رہتی حالانکہ وہ حائضہ ہوتی ۔

حدیث (۲۱۱) قراءۃ القرآن متکئا فی حجر الحائضۃ

عَنْ مَنْصُورِ بْنِ صَفِيَّةَ اَنَّ اُمَّهُ حَدَّثَتْهُ اَنَّ عَائِشَةَ حَدَّثَتْهَا اَنَّ النَّبِيَّ

منصور بن صفیہ سے روایت ہے کہ ان کی ماں نے یہ حدیث بیان کی کہ حضرت عائشہ نے ان سے یہ حدیث

صَلَّى اللهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَتَّكِئُ فِي حَجْرِي وَاَنَا حَائِضٌ ثُمَّ يَقْرَأُ الْقُرْآنَ ع۶

بیان کی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم میری گود میں ٹیک لگائے ہوئے قرآن پڑھتے حالانکہ میں حیض کی حالت میں رہتی ۔

حدیث (۲۱۲) مضاجعۃ الزوج مع الحائض فی لحاف واحد

عَنْ اَبِي سَلَمَةَ اَنَّ زَيْنَبَ بِنْتَ اُمِّ سَلَمَةَ حَدَّثَتْهُ اَنَّ اُمَّ سَلَمَةَ رضی اللہ تعالی عنہا

ابو سلمہ نے روایت کی کہ زینب بنت ام سلمہ نے حدیث بیان کی کہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا

تشریحات (۲۱۲)

بظاہر ایسا شبہہ ہوتا ہے کہ ابو سلمہ اور ام سلمہ میں جو اضافت ہے وہ ایک ہی شخص کی طرف ہے مگر حقیقت میں ایسا نہیں۔ ام المومنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالی عنہا کی کنیت ام سلمہ ان کے صاحبزادے کیطرف نسبت کرکے ہے جو ان کے پہلے شوہر حضرت ابو سلمہ بن عبد الاسد رضی اللہ تعالی عنہ سے تھے۔ اور اس حدیث کے راوی ابو سلمہ حضرت عبد الرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے ہیں۔

حضرت زینب بنت ام سلمہ رضی اللہ تعالی عنہا حضرت ابو سلمہ سے تھیں پہلے ان کا نام برّہ تھا۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے بدل کر زینب رکھا۔ قبل ہجرت حبشہ یا مکہ معظمہ میں پیدا ہوئیں تھیں ان کا نکاح عبد اللہ بن زمعہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہوا تھا یہ اپنے زمانے میں صف اول کی عابدہ فقیہہ تھیں ان سے ایک مخلوق نے حدیث روایت کی واقعہ حرہ کے بعد انتقال فرمایا اس حدیث سے ثابت ہوا کہ حائضہ کیساتھ ایک چادر میں سونا ناجائز نہیں بلکہ اس میں ادنی کراہت بھی نہیں البتہ ناف کے نیچے سے لے کر گھٹنوں تک اتنا موٹا کپڑا حائل ہو کہ حائضہ کے بدن کی گرمی شوہر محسوس نہ کرے ۔

ع۵ ابن ابی شیبہ

ع۶ ایضا جلد ثانی	توحید	باب الماهر بالقرآن مع السفرة الكرام البررة	ص ۱۱۲۶
مسلم ، اول	حیض	باب جواز غسل الحائض راس زوجها	ص ۱۴۳
ابوداود ، ،	طہارت	باب مواكلة الحائض ومجامعتها	ص ۳۴
نسائی ، ،	،	باب الرجل يقرأ القرآن وراسه فی حجر امراته وهی حائض	ص ۶۷
ابن ماجه	،	باب الحائض تتناول الشئ من المسجد	ص ۴۶

حَدَّثَتْهَا قَالَتْ بَيْنَ اَنَا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُضْطَجِعَةً

کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک چادر میں سوئی تھی کہ مجھے حیض آگیا

فِي خَمِيصَةٍ إِذْ حِضْتُ فَانْسَلَلْتُ فَأَخَذْتُ ثِيَابَ حَيْضَتِي قَالَ أَنُفِسْتِ

تو میں چپکے سے کھسک گئی اور میں نے حیض کے کپڑے لئے حضور نے

قُلْتُ نَعَمْ فَدَعَانِي فَاضْطَجَعْتُ مَعَهُ فِي الْخَمِيلَةِ ع۵

فرمایا کیا تجھے حیض آگیا، میں نے عرض کی، جی، پھر بھی حضور نے مجھے بلایا اور میں حضور کیساتھ اسی چادر میں لیٹ گئی۔

حدیث (۲۱۳) عن عائشة قالت يباشرني وانا حائض

عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهَا قَالَتْ كُنْتُ أَغْتَسِلُ اَنَا وَالنَّبِيُّ صَلَّى

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا میں اور نبی صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ایک ہی

اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ اِنَاءٍ وَاحِدٍ وَكِلَانَا جُنُبٌ وَكَانَ يَأْمُرُنِي فَأَتَّزِرُ فَيُبَاشِرُنِي وَاَنَا

برتن سے غسل کرتے حالانکہ ہم دونوں جنبی ہوتے۔ جب مجھے حیض آتا تو مجھے حکم دیتے میں تہبند باندھ لیتی

حَائِضٌ وَكَانَ يُخْرِجُ اِلَيَّ رَاْسَهُ وَهُوَ مُعْتَكِفٌ فَاَغْسِلُهُ وَاَنَا حَائِضٌ ع۶

اسکے بعد مجھسے مباشرت فرماتے اور اعتکاف کی حالت میں اپنے سر اقدس کو میری طرف مسجد سے باہر کر دیتے میں اسے دھو دیتی حالانکہ میں حائضہ ہوتی

تشریحات (۲۱۳، ۲۱۴، ۲۱۵)
باب کا مقصد

ان احادیث پر باب کا عنوان یہ ہے "مباشرۃ الحائض" حائضہ کے ساتھ مباشرۃ کا بیان۔ مباشرت کے معنی ہیں ظاہر جسم کو دوسرے کے ظاہر جسم سے ملانا۔

ع۵ ایضاً جلد اول		الصیام	باب القبلة لصائم	ص ۲۵۸
مسلم	"	حیض	باب الاضطجاع مع الحائض فی لحاف واحد	ص ۱۴۲
نسائی	"	طہارت	باب مضاجعة الحائض	ص ۵۴
دارمی	"	وضو		۱۰۷
ع۶ مسلم	"	حیض	باب مباشرة الحائض فوق الازار	ص ۱۴۱
ابوداؤد	"	طہارت	باب فی الرجل یصیب من المراۃ مادون الجماع	ص ۳۶
ترمذی	"	"	باب ماجاء فی مباشرۃ الحائض	ص ۱۹
نسائی	"	"	باب مباشرۃ الحائض	ص ۵۴
ابن ماجه		"	باب ماللرجل من امراته اذا كانت حائضا	ص ۴۶

(۲۱۴)
حدیث ایضا

عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهَا قَالَتْ كَانَتْ إِحْدَانَا إِذَا كَانَتْ حَائِضًا فَأَرَادَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ يُّبَاشِرَهَا أَمَرَهَا أَنْ تَتَّزِرَ فِي فَوْرِ حَيْضَتِهَا ثُمَّ يُبَاشِرُهَا قَالَتْ

ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا۔ ہم میں سے جب کوئی حائضہ ہوتی اور رسول اللہ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس سے مباشرت کرنے کا ارادہ فرماتے تو حیض کے جوش کی حالت میں اسے حکم دیتے کہ تہبند باندھ لے پھر اس سے مباشرت فرماتے

چونکہ قرآن کریم میں فرمایا گیا ہے۔ فَاعْتَزِلُوا النِّسَاءَ فِي الْمَحِيْضِ، حیض کی حالت میں عورتوں سے الگ رہو۔ اس کا ظاہر مفہوم یہ ہوتا ہے کہ نہ تم ان کو ہاتھ لگاؤ نہ وہ تم کو ہاتھ لگائیں جسم کو جسم سے ملانا تو دور ہے۔ امام بخاری اس باب سے یہ افادہ فرمانا چاہتے ہیں کہ آیت کریمہ میں "اعتزال" الگ رہنے سے مراد یہ ہے کہ جماع نہ کرو اس پر کثیر احادیث کی نص صریح شاہد ہے جو معنًا مشہور ہیں۔

مسائل ان احادیث سے ثابت ہو گیا کہ جماع چھوڑ کر حیض کی حالت میں بھی عورت سے دوسرے قسم کے انتفاع جائز ہیں چنانچہ اس پر اتفاق ہے کہ ناف کے نیچے سے گھٹنے تک کو چھوڑ کر پورے جسم سے انتفاع جائز ہے اگرچہ عبیدہ اسلمانی وغیرہ نے یہ کہا ہے کہ اس حالت میں عورت سے مطلقاً استمتاع جائز نہیں مگر وہ لوگ لایعبا بہ کے درجے میں اقل قلیل ہیں۔

البتہ ناف کے نیچے سے لیکر گھٹنے کے اوپر تک سے استمتاع میں اختلاف ہے امام اعظم امام شافعی امام ابو یوسف امام مالک اور جمہور علماء کا مذہب یہ ہے کہ مطلقاً حرام ہے البتہ امام محمد اور امام احمد یہ فرماتے ہیں کہ سبیلین کے علاوہ اور جگہوں سے استمتاع جائز ہے۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے صحابہ کرام نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا، یہودی جب ان کی عورتوں کو حیض آتا ہے تو نہ ان کے ساتھ کھاتے پیتے ہیں نہ ان کے ساتھ گھر میں رہتے ہیں کیسا ہے تو آیت کریمہ نازل ہوئی۔ فَاعْتَزِلُوا النِّسَاءَ فِي الْمَحِيْضِ وَلَا تَقْرَبُوْهُنَّ حَتّٰى يَطْهُرْنَ۔ "حیض کی حالت میں عورتوں سے الگ رہو ان کے قریب نہ جاؤ یہاں تک کہ پاک ہو جائیں" اور فرمایا:۔

اِصْنَعُوْا كُلَّ شَيْءٍ إِلَّا النِّكَاحَ [1] ہمبستری کے علاوہ سب کچھ کرو۔

احناف اور جمہور کی دلیل یہ ہے جسے علامہ عینی نے ابو داؤد کے حوالے سے لکھی ہے کہ کسی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا مایحل للرجل من امراته وهي حائض۔ جب عورت حائضہ ہو تو مرد کو کہاں تک حلال ہے فرمایا مافوق الازار (وفی حدیث معاذ) والتعفف عن ذالك اجمل۔ ازار کے اوپر تک اور اس سے بھی بچنا بہتر ہے۔

---

[1] مسلم جلد اول | حیض | باب مباشرة الحائض فوق الازار | ص ۱۴۳
ابو داود " | طہارت | باب مواکلة الحائض ومماسها | ص ۳۴
ایضا ایضا | نکاح | باب اتیان الحائض ومباشرتها | ص ۲۹۴

وَاَیُّکُمْ یَمْلِکُ اَرْبَہٗ کَمَا کَانَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَمْلِکُ اَرْبَہٗ عہ

حضرت عائشہ نے فرمایا جتنا نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنی حاجت پر قابو رکھتے تھے تم میں کون قابو رکھتا ہے۔

(٢١٥) حدیث ایضا

حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰہِ بْنُ شَدَّادٍ قَالَ سَمِعْتُ مَیْمُوْنَۃَ رَضِیَ اللّٰہُ

عبداللہ بن شداد نے کہا میں نے ام المومنین حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے سنا

تَعَالٰی عَنْہَا قَالَتْ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا اَرَادَ

انھوں نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جب اپنی ازواج میں سے کسی سے مباشرت کرنا چاہتے اور

اَنْ یُّبَاشِرَ امْرَاَۃً مِّنْ نِّسَائِہٖ اَمَرَھَا فَاتَّزَرَتْ وَھِیَ حَائِضٌ عہ

وہ حیض کی حالت میں ہوتیں تو انھیں حکم دیتے وہ تہبند باندھ لیتیں۔

نیز ابو یعلی موصلی کی روایت حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ ہے فرمایا۔

لہ مافوق الازار ولیس ماتحتہ۔ ازار کے اوپر تک جائز ہے نیچے نہیں۔

مسلم میں حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی حدیث میں ہے۔

یباشرھن فوق الازار وھن حیض۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی عورتوں سے ازار کے اوپر اوپر تک مباشرت فرماتے جب وہ حائضہ ہوتیں۔

مگر اس پر یہ ایراد ہے کہ ابو داؤد میں حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں یہ ہے

اذا کان علیھا ازار الی انصاف الفخذین اوالرکبتین جب ان پر آدھی رانوں یا آدھی پنڈلیوں تک ازار ہوتا۔

نیز علامہ عینی نے بحوالہ ابو داؤد و ابن ماجہ حضرت ام حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے یہ حدیث ذکر کی ہے وہ فرماتی ہیں

کانت احدانا فی فورھا اول ماتحیض تشد علیھا ازارا الی انصاف الفخذین ثم تضطجع معہ علیہ السلام۔ حیض کے شروع میں جب تیزی ہوتی ہم آدھی آدھی رانوں تک تہبند باندھ لیتیں اور حضور کے ساتھ سوتیں۔

عہ مسلم	جلد اول	حیض	باب مباشرۃ الحائض فوق الازار	ص	١٤١
ابو داود	؍	طہارت	باب فی الرجل یصیب المراۃ مادون الجماع	ص	٣٥
ترمذی	؍	؍	باب مباشرۃ الحائض	ص	٥٤
نسائی	؍	؍	باب مباشرۃ الحائض	ص	٥٤
ابن ماجہ		؍	باب ماللرجل من امراتہ اذا کان حائضا	ص	٤٦
عہ مسلم	؍	حیض	باب مباشرۃ الحائض فوق الازار	ص	١٤١
ابو داؤد	؍	نکاح	باب فی اتیان الحائض ومباشرتھا	ص	٢٩٤

ابو داؤد کی پہلی روایت میں تردید تھی مگر ام المومنین حضرت ام حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی حدیث میں صرف انصاف الفخذین ہے تو جب ازواج مطہرات نے خود اس ازار کی تحدید فرمادی کہ وہ آدھی رانوں تک ہوتا تھا تو محض احتمال سے مدعیٰ ثابت نہیں ہوگا نیز فرمایا۔ اجتنب شعار الدم۔ خون کی جگہ سے پرہیز کر۔ نیز ابو داؤد میں عکرمہ کی حدیث میں ہے کہ حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا:۔

کان اذا اراد من الحائض شیئاً القی علی فرجھا شیئاً ؎ حضور صلی اللہ علیہ وسلم حائضہ کیساتھ کچھ کرنا چاہتے تو اسکی شرمگاہ کپڑا ڈال لیتے

ان سب سے یہ ثابت ہوا کہ شرمگاہ کے علاوہ بقیہ پورے جسم سے انتفاع جائز ہے اس کے عموم میں مادون السرۃ الی الرکبۃ بھی داخل ہے اسی بنا پر امام ابو جعفر طحاوی اور علامہ عینی نے حضرت امام محمد کے مذہب کو ترجیح دی۔

ان سب مباحث کے باوجود ایک خاص بات یہ ہے مادون السرۃ الی الرکبۃ سے استمتاع میں احادیث سے دونوں باتیں ثابت ہوئی ہیں۔ حرمت اور حلت۔ ایسے موقع پر ترجیح حرمت کو ہی ہوتی ہے۔ اس لئے فقہاء کے اصول کے مطابق ترجیح قول امام ہی کو ہے ان مباحث سے ہٹ کر جب ہم ارشاد ربانی میں غور کرتے ہیں تو بھی قول امام ہی کی ترجیح ثابت ہوتی ہے۔ وہ اس طرح اعتزال اور عدم قربت کا حکم اپنے اطلاق کے اعتبار سے یہ چاہتا ہے کہ حائضہ سے بالکل اجتناب کیا جائے مگر فوق السرۃ وتحت الرکبۃ سے انتفاع ایسی احادیث سے ثابت جنکا کوئی معارض نہیں، اسلئے ان کی تخصیص ہوگئی رہ گیا مادون السرۃ الی الرکبۃ سے انتفاع اس بارے میں احادیث متعارض ہیں اس لئے ان سے انتفاع کی حرمت اصل حکم قرآنی کے مطابق باقی رہی مگر پھر بات لوٹ کر وہیں جاتی ہے کہ فوق الازار سے کیا مراد ہے ناف کے نیچے سے گھٹنے تک یا صرف شعار دم یا زیادہ سے زیادہ انصاف الفخذین تک یہ محل نظر ہے۔ مگر یہ بحث صرف بحث کی حد تک ہے مفتی بہ قول امام اعظم وجمہور ہے اور بنا وہی ہے کہ معاملہ حلت وحرمت میں دائر ہے تو ترجیح حرمت کو ہوگی۔

(۲) حالت حیض میں جماع کرنے پر احادیث میں تصدق کا حکم آیا ہے۔ کسی حدیث میں ایک دینار ہے، کسی میں نصف دینار کسی میں دینار کا دو خمس ــــ مگر اس حدیث پر کئی طرح سے کلام کیا گیا ہے اس لئے اس سے وجوب ثابت نہیں ہوسکتا، فیصلہ یہ ہے کہ یہ مستحب ہے اگر ابتدا ءِ حیض میں جماع کرے تو پورا دینار اور ختم کے قریب کے ایام میں کرے تو آدھا دینار صدقہ کرے۔ ایک دینار ساڑھے چار ماشہ سونا ہوتا ہے۔

(۳) حائضہ کو چاہئے کہ ایام حیض کے لئے علحدہ لباس رکھے۔

(۴) عورت کے قریب سونے پر جسے اندیشہ ہو کہ اپنے اوپر قابو نہیں رکھ پائے گا وہ عورت سے دور رہے۔

(۵) حدیث (۲۱۴) عن فور حیضتھا اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ما فوق الازار مباشرت بہر حال جائز ہے ابتداء حیض ہو کہ انتہاءِ حیض۔ مگر اس کے بالمقابل ابن ماجہ میں حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کان یتقی سورۃ الدم ثلثاً ثم یباشرھا بعد ذالک۔ تین دن خون کی تیزی کے وقت بچتے تھے اس کے بعد مباشرت فرماتے تھے۔

اس حدیث میمونہ کا محمل حکم عام ہے اور ام المومنین حضرت صدیقہ کی حدیث کا محمل یہ ہے کہ وہ حضور کے ساتھ خاص ہے۔

؎ فتح الباری جلد اول ص ۳۴۳

۲۱۶

حدیث خرج رسول اللہ صلی اللہ تعالے علیہ وسلم فی اضحی او فطر فمر علی النساء

عَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ نِ الْخُدْرِیِّ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ قَالَ خَرَجَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہ

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم عید الاضحیٰ

تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فِیْ اَضْحٰی اَوْ فِطْرٍ اِلَی الْمُصَلّٰی فَمَرَّ عَلَی النِّسَاءِ فَقَالَ

یا عید الفطر میں عیدگاہ تشریف لے گئے (نماز سے فارغ ہوکر) آپ کا عورتوں پر گذر ہوا تو فرمایا

اخیر کا یہ جملہ "تم میں کون اپنی حالت پر اتنا قابو رکھتا ہے جتنا حضور رکھتے تھے اس کی طرف مشیر ہے اس حدیث میں، ارب، کا لفظ ہے یہ ہمزہ کے کسرہ اور فتحہ دونوں کے ساتھ ہے۔ اس کا معنی "عضو تناسل" بھی ہے اور حاجت بھی۔ یہاں دونوں بن سکتے ہیں۔

حدیث ۲۱۳ میں تصریح ہے کہ ام المومنین حضرت صدیقہ فرماتی ہیں۔ حضور اپنا سر میری جانب بڑھا دیتے اور میں اسے دھوتی تعجب انگیز بات یہ ہے کہ اس کے پہلے حدیث ۲۱۲ پر امام بخاری نے جو باب قائم کیا تھا وہ یہ تھا "غسل الحائض راس زوجہا" زیادہ مناسب یہ تھا کہ یہ حدیث اسی باب میں ذکر فرماتے مگر وہاں صرف ترجیل والی حدیث ذکر فرمائی جس سے یہ بحث اٹھ کھڑی ہوئی کہ یہ حدیث باب کے مطابق ہے یا نہیں۔ غالباً امام بخاری کا مقصود اس فقہی نکتہ کی طرف اشارہ کرنا تھا۔ جو ہم نے حدیث ترجیل میں ذکر کیا ہے۔

تشریحات ۲۱۶ باب کا فائدہ

اس حدیث پر باب کا عنوان یہ ہے ترک الحائض الصوم۔ حائضہ کا روزہ چھوڑنا۔ حالانکہ حدیث میں نماز چھوڑنے کا بھی ذکر ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ روزے کے لئے طہارت شرط نہیں اگر کوئی مرد یا عورت جنابت کی حالت میں روزہ رکھے بلکہ دن بھر جنبی رہے جب بھی روزہ ہو جائیگا اگرچہ وقت پر غسل نہ کرنے کی وجہ سے گنہگار ہوگا پھر بھی حائضہ کو روزہ رکھنے کی اجازت نہیں۔ تو نماز پڑھنے کی بدرجۂ اولیٰ اجازت نہ ہوگی اس لئے کہ نماز کے لئے طہارت شرط ہے۔ جس کو یوں کہہ لیجئے کہ اگر حالت حیض میں نماز چھوڑنے کا کوئی خصوصی حکم نہ ہوتا تو بھی حائضہ کے لئے نماز کی اجازت نہ ہوتی۔ اس لئے کہ نماز کی ایک شرط یعنی طہارت مفقود تھی، لیکن روزے کیلئے اگر کوئی خصوصی حکم نہ ہوتا تو اس کی ممانعت معلوم نہ ہوتی اس لئے امام بخاری نے ضروری جانا کہ اس کے لئے ایک مستقل باب قائم کرکے بتا دیں کہ حائضہ روزے بھی نہ رکھے گی اس کی رمز یہ ہے کہ روزہ رکھنے سے جسم میں خشکی پیدا ہو جاتی ہے خشکی کی وجہ سے کما حقہ خونِ حیض خارج نہ ہوگا جو مضر ہے۔ اسی لئے ان ایام میں عورتوں کو ایسی چیزیں استعمال کرائی جاتی ہیں جن سے اچھی طرح ادرار ہو جائے، روزہ اس میں حارج ہوگا لہذا روزہ رکھنا منع کر دیا گیا اس مانع خفی سے قطع نظر روزے کی صحت کے دوسرے شرائط موجود تھے اس لئے اس پر روزے کی قضا ہے مگر نماز کی نہیں کیونکہ نماز کی اہم شرط طہارت ان دنوں معدوم تھی اس کو یوں کہہ لیجئے کہ نماز کی اہلیت نہ ہونے کی وجہ سے نماز کا خطاب ان دنوں عورتوں سے نہ ہوا اس لئے نمازوں کی قضا واجب نہ ہوئی اور روزے کی اہلیت کی وجہ سے ان دنوں بھی روزے کا خطاب ان سے رہا اس لئے ان دنوں کا روزہ ان کے ذمہ واجب ہوا اگر اندیشہ ضرر کی وجہ سے ادائیگی مؤخر کرنے کی اجازت دیدی گئی۔

یَا مَعْشَرَ النِّسَاءِ تَصَدَّقْنَ فَاِنْ اُرِیْتُکُنَّ اَکْثَرَ اَھْلِ النَّارِ فَقُلْنَ وَبِمَ
اے عورتو! صدقہ کرو اسلئے کہ میں نے تم میں سے اکثر کو جہنمی دیکھا ہے۔ اس پر عورتوں نے
یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ قَالَ تُکْثِرْنَ اللَّعْنَ وَتَکْفُرْنَ الْعَشِیْرَ مَا رَاَیْتُ مِنْ نَاقِصَاتِ
کہا ایسا کیوں ہے یا رسول اللہ فرمایا تم بہت لعن طعن کرتی ہو اور شوہر کی نافرمانی کرتی ہو عقل
عَقْلٍ وَّدِیْنٍ اَذْھَبَ لِلُبِّ الرَّجُلِ الْحَازِمِ مِنْ اِحْدٰکُنَّ قُلْنَ
اور دین میں ناقص ہوتے ہوئے ہوش مند مرد کی عقل کو لیجانے والا تم سے زیادہ کسی کو میں نے نہیں
وَمَا نُقْصَانُ دِیْنِنَا وَعَقْلِنَا یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ قَالَ اَلَیْسَ شَھَادَۃُ الْمَرْاَۃِ
دیکھا عورتوں نے عرض کیا ہمارے دین اور ہماری عقل کی کمی کیا ہے یا رسول اللہ فرمایا کیا ایک عورت

لغات اضحیٰ کے معنی آفتاب کے بلند ہونے کے ہیں چونکہ قربانی کا وقت اسی سے شروع ہوتا ہے اس ادنیٰ مناسبت سے قربانی کو "اضحیٰ" کہتے ہیں اضحیہ اس بکری کو کہتے ہیں جس کی قربانی کی جائے "معشر" اس جماعت کو کہتے ہیں جو کسی ایک بات پر متفق ہو خواہ وہ سب مرد ہوں خواہ عورت یا مخلوط۔ "لعن" کے معنی ہیں دھتکارنا، دور کرنا یہاں یہ معنی ہیں لعنت کرتی ہیں۔ کفر کے معنی چھپانے کے ہیں۔ یہاں ناشکری مراد ہے۔ اس لئے کہ یہ احسان کے چھپانے کو مستلزم ہے۔ عقل اس جوہر لطیف کو کہتے ہیں جسے اللہ عزوجل نے دماغ میں پیدا فرمایا۔ جس سے بذریعہ اسباب غائب چیزوں کا اور بذریعہ حس محسوسات کو جانا جاتا ہے۔ وَبِمَ میں واؤ عاطفہ ہے یہاں معطوف مقدر ہے تقدیر عبارت یہ ہے وما ذنبنا وبم بارحرف جر ہے یہ بھی محذوف کے متعلق ہے یعنی اِسْتَحَقَقْنَا الذَّنْبَ ما استفہامیہ ہے جب ما استفہامیہ پر حرف جر داخل ہو تو اسکے الف کا حذف واجب ہے جیسے الام، علام، فیم وغیرہ۔

نقصان دین یہاں دین کے نقصان سے فی نفسہٖ دین کا نقصان مراد نہیں بلکہ اضافی مراد ہے یعنی بنسبت مردوں کے کم ہے جیسے ہر کامل میں بہ نسبت اکمل کے کچھ کمی رہتی ہے۔

مسائل (۱) عیدین کی نماز عیدگاہ میں جاکر پڑھنا مستحب ہے (۲) صدقہ ہمیشہ محمود ہے اگرچہ نافلہ ہو خصوصاً عیدین کو جبکہ مجمع عام میں یتیم، نادار مالداروں کے عمدہ عمدہ لباس اور تنعم کو دیکھکر حسرت زدہ ہوں صدقہ دینے سے ان کا احساس کم ہوگا۔
(۳) اس عہد میں عورتوں کو عیدین کے لئے نکلنا جائز تھا اب فتنہ وفساد کے اندیشہ سے منع ہے ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا

لو ادرک رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ما احدث النساء لمنعھن المسجد

اگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم یہ دیکھ لیتے جو عورتوں نے نکال لیا تو انھیں مسجدوں میں جانے سے منع فرما دیتے۔ جیسے بنی اسرائیل

مِثْلَ نِصْفِ شَهَادَةِ الرَّجُلِ قُلْنَ بَلٰى ـ قَالَ فَذٰالِكَ مِنْ نُقْصَانِ
کی گواہی مرد کی نصف گواہی کے برابر نہیں ؟ عورتوں نے عرض کیا، ہاں ہے ۔ فرمایا یہ عورت کے عقل کی کمی ہے
عَقْلِهَا اَلَيْسَ اِذَا حَاضَتْ لَمْ تُصَلِّ وَلَمْ تَصُمْ قُلْنَ بَلٰى قَالَ
کیا جب اسے حیض آتا ہے تو نہ نماز پڑھ سکتی ہے نہ روزہ رکھ سکتی ہے انھوں نے عرض کیا
فَذٰالِكَ مِنْ نُقْصَانِ دِيْنِهَا ع‍ہ
ہاں ایسا ہے فرمایا یہ عورت کے دین کی کمی ہے ۔

کا منعت نساء بنی اسرائیل ؎ کی عورتوں کو منع کر دیا گیا ۔
یہ عہد رسالت کے بالکل قریب کی بات ہے اور آج کیا حال ہے کسے معلوم نہیں ۔ اس لئے عورتوں کو عیدگاہ تو بہت دور ہے محلے کی مسجدوں میں جانے کی اجازت نہیں (۴) وعظ میں اتنی سختی ہونی چاہئے کہ اصلاح ہو جائے (۵) بہتر یہ ہے کہ وعظ میں کسی شخص معین سے خطاب نہ کیا جائے خطاب عام ہو (۶) گالی گلوج لعن طعن حرام ہے (۷) کسی دینی ضرورت یا کسی محتاج فقیر کے لئے سوال کرنا بلا کراہت درست ہے (۸) ایسے گناہوں پر جو کفر نہیں کفر کا تغلیظاً اطلاق درست ہے (۹) اگر کوئی بات سمجھ میں نہ آئے تو سامع اور متعلم واعظ اور استاذ سے پوچھ سکتا ہے ۔ (۱۰) حیض کی حالت میں نہ نماز درست ہے نہ روزہ ۔

فائدہ جو عورتیں نماز اور روزے کی پابند ہیں اللہ عزوجل کے فضل سے یہی امید ہے کہ ایام حیض میں چھوٹی ہوئی نماز اور روزے کے ثواب سے انھیں محروم نہیں فرمائے گا ۔

ع‍ہ بخاری جلد اول الحیض باب لاتقضی الحائض الصلوۃ قطعۃ منہ ص ۴۶
〃 〃 زکوۃ باب الزکوۃ علی الاقارب ص ۱۹۷
〃 〃 صوم باب الحائض تترك الصوم والصلوۃ ص ۲۶۱
مسلم 〃 ایمان باب بیان نقصان الایمان بنقص الطاعات ص ۶۱
ابن ماجہ

؎ بخاری جلد اول اذان باب خروج النساء الی المسجد باللیل والغلس ص ۲۰
مسلم 〃 صلوۃ باب خروج النساء الی المساجد اذا لم یترتب علیہ فتنۃ ص ۱۸۳
ترمذی 〃 عیدین باب خروج النساء فی العیدین ص ۷۱
موطا امام مالک قبلہ باب ماجاء فی خروج النساء الی المساجد ص ۷۵

۶۲، ۶۳، ۶۴ قَالَ اِبْرَاهِيْمُ لَا بَاسَ اَنْ تَقْرَءَ الْاٰيَةَ عه

ت حضرت ابراہیم نخعی نے فرمایا کہ اسمیں کوئی حرج نہیں کہ حائضہ ایک آیت پڑھے۔

وَلَمْ يَرَ ابْنُ عَبَّاسٍ بِالْقِرَاءَةِ لِلْجُنُبِ بَاسًا عه

اور حضرت ابن عباس جنبی کے قرآن مجید پڑھنے میں کوئی حرج نہیں جانتے تھے۔

وَكَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَذْكُرُ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ اَحْيَانِهِ سه

نبی صلے اللہ علیہ وسلم ہر حال میں اللہ عز وجل کا ذکر فرماتے تھے۔

تشریحات ۶۲، ۶۳، ۶۴

باب سے مناسبت

یہاں باب کا عنوان ہے

تقضی الحائض المناسك كلها الا الطواف

حائضہ طواف کے سوا حج کے تمام مناسک ادا کرے گی۔

اس کے تحت چھ تعلیقات ذکر کی ہیں۔ ان میں سے صرف ایک تعلیق باب کے مطابق ہے جس میں یہ ہے کہ حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ حضرت عائشہ کو حیض آگیا پھر بھی انھوں نے طواف بیت اللہ کے علاوہ تمام مناسک ادا کئے البتہ نماز نہیں پڑھتی تھیں۔ بقیہ تعلیقات کی باب سے جو مناسبت ہوسکتی ہے زیادہ سے زیادہ یہ ہوسکتی ہے کہ حیض اور جنابت کی حالت میں ذکر تسبیح حتی کہ ایک آیت تک کی تلاوت کی اجازت ان تعلیقات سے نکلتی ہے تو مناسک حج بھی درست اس لئے کہ ان میں بھی یہی ذکر تسبیح و تہلیل اور دعا ہوتی ہے اس لئے مناسک حج کی بھی ادائیگی جائز۔ البتہ طواف نہیں کرسکتی اسلئے کہ طواف مسجد حرام میں ہوتا ہے اور مسجد حرام بلکہ کسی بھی مسجد میں حائضہ کو جانا جائز نہیں۔ مگر اس قیاس میں یہ خلل ہے کہ یہ قیاس قیاس مع الفارق ہے جن اذکار یا ایک آیت تک کہ تلاوت کا ذکر ان تعلیقات میں ہے وہ سب نوافل ہیں اور حج فرض ہے اسلئے اسے نوافل پر قیاس کرنا درست نہیں۔ مگر امام بخاری جو افادہ فرمانا چاہتے ہیں اس کے لئے یہی مناسبت کافی ہے ــــ ہمارا گمان تو یہ ہے کہ امام بخاری کا مقصود ان آثار کے ذکر سے یہ ہے کہ حائضہ اور جنبی کو قرآن مجید کی تلاوت کرنی جائز ہے۔

تلاوت قرآن کا مسئلہ

اس سلسلے میں مذاہب تین ہیں ایک یہ کہ حائضہ اور جنبی کو قرآن مجید کی تلاوت مطلقا جائز ہے یہ امام بخاری اور ایک قول کی بنا پر حضرت امام مالک کا مذہب ہے امام مالک کا دوسرا قول یہ ہے کہ حائضہ کو قرآن مجید کے تلاوت کی اجازت ہے جنبی کو نہیں۔ امام شافعی کا قول قدیم بھی یہی ہے مگر احناف اور حنابلہ کا مذہب یہ ہے کہ نہ حائضہ کو قرآن مجید کے تلاوت کی اجازت ہے نہ جنبی کو۔ شوافع کا مختار یہی قول ہے۔

امام بخاری کو چونکہ اس سلسلے میں کوئی حدیث اپنے معیار کے مطابق نہیں ملی۔ اس لئے انھوں نے جواز کا قول کیا۔ مگر اس سلسلے میں ایک نہیں متعدد احادیث وارد ہیں جن میں ہر ایک کی سند پر کچھ نہ کچھ کلام کیا گیا ہے۔ مگر وہ ایک دوسرے سے قوت پاکر درجۂ

عه دارمی عه ابن منذر ابن ابی شیبہ

سه مسلم جلد اول طہارت باب ذکر اللہ تعالیٰ فی حال الجنابۃ وغیرہا ص ۱۶۲

حسن تک پہونچ چکی ہیں اور حدیث حسن احکام میں بھی بالاتفاق حجت ہے۔

(۱) حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک بار بیت الخلاء سے باہر آئے اور وضو کئے بغیر تلاوت کرنے لگے یہ لوگوں کو ناگوار ہوا کہ بلا وضو قرآن مجید پڑھ رہے ہیں اس پر حضرت علی نے فرمایا:۔

ان رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کان یجیئ من الخلاء فیقرء بنا القران ویاکل معنا اللحم ولا یحجزہ عن القران شیی لیس الجنابۃ [۱]

رسول اللہ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بیت الخلاء سے باہر تشریف لاتے اور ہمارے ساتھ قرآن پڑھتے۔ گوشت کھاتے۔ جنابت کے سوا حضور کو قرآن پڑھنے سے کوئی چیز نہیں روکتی تھی۔

امام ترمذی نے اس حدیث کو حسن صحیح کہا۔ ابن حبان نے اس کی تصحیح کی۔ اس کے ایک راوی عبداللہ بن سلمہ پر کلام کیا گیا ہے مگر اس کی توثیق بھی کی گئی ہے۔ امام حاکم نے کہا یہ غیر مطعون ہے۔ عجلی نے کہا تابعی ثقہ ہے۔ ابن عدی نے کہا امید کرتا ہوں کہ لاباس بہ ہے۔

(۲) حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا۔

لا یقرء الحائض ولا الجنب شیئا من القران [۲]

جنب اور حائضہ کچھ قرآن نہ پڑھے۔

اس کے ایک راوی اسمٰعیل بن عیاش ضعیف ہیں

(۳) اس حدیث کے ہم معنی حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی دار قطنی نے اور ابن عدی نے کامل میں روایت کی ہے اسکے بھی ایک راوی محمد بن فضل ضعیف ہیں مگر دو طریقوں سے مروی ہے اس لئے حسن ہوگئی۔ مجوزین کا اصل تمسک اباحت اصلیہ ہے ویسے کچھ حضرات نے تعلیق (۶۵) سے استدلال کیا ہے کہ جب حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہر حال میں اللہ کا ذکر کرتے تھے اور ہر حالت کا عموم حالت جنابت کو بھی شامل ہے۔ اور قرآن مجید کی تلاوت بلاشبہ ذکر ہے۔ قرآن مجید میں ہے نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحٰفِظُوْنَ حدیث میں ہے ھو الذکر الحکیم وھو الصراط المستقیم بلکہ ایک جگہ فرمایا خیر الاذکار القران۔ تو ثابت حالت جنابت میں تلاوت بھی کرتے ہوں گے۔

یہ استدلال جیسا ہے ظاہر ہے۔ ظاہر ہے علی کل احیانہ اپنے عموم کلی پر نہیں۔ کھانے، پینے، سونے، حوائج ضروریہ اس سے مستثنی ہیں

---

[۱] ابوداود جلد اول طہارت باب ما فی الجنب یقرء القرآن ص ۳۰
نسائی " " باب حجب الجنب من قراۃ القران ص ۵۲
ابن ماجہ " باب ماجاء فی قراۃ القران علی غیر طہارۃ ص ۴۴
طحاوی " باب ذکر الجنب والحائض والذی لیس علی وضوء وقراتھم القران ص ۴۴
مسند امام احمد

[۲] ترمذی جلد اول طہارت باب ماجاء ان الجنب والحائض لا یقران القرآن ص ۱۹
ابن ماجہ " باب ماجاء فی قراۃ القران علی غیر طہارۃ ص ۴۴

اور جب یہ عموم کلی پر نہیں۔ تو اس میں حالت جنابت کا شمول یقینی نہیں۔ اسی طرح ذکر کا جب حصر تلاوت ہی میں نہیں تو اس کا ثبوت محتمل اور جب دوسرے احتمالات موجود تو استدلال فاسد۔ خصوصا جبکہ اس کے بالمقابل احادیث حسنہ موجود ہیں جن سے حالت جنابت اور حیض میں تلاوت کی تخصیص کی گئی ہے۔

اس حدیث کا صحیح مفہوم یہ ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہر حالت میں اس حالت کے مناسب ذکر فرماتے رہتے تھے مثلا کھانے سے پہلے اس کے مناسب، سونے سے پہلے اس کے مناسب، کپڑا پہننے سے پہلے اس کے مناسب، سفر میں جاتے وقت اس کے مناسب، سفر سے واپسی کے وقت اس کے مناسب، سواری پر بیٹھنے کے وقت اس کے مناسب، وغیرہ وغیرہ۔

ہو سکتا ہے ان اذکار میں کہیں کہیں قرآن مجید کی کوئی آیت یا آیت کا جز آ جاتا رہا ہو تو اس سے ہمیں بھی انکار نہیں کہ کسی آیت کا جز یا پوری آیت بہ نیت دعا حائضہ اور جنبی بھی پڑھ سکتا ہے۔ حضرت ابراہیم نخعی سے پانچ قول منقول ہیں۔ اول چار شخص قرآن نہ پڑھیں، جنب، حائض، بیت الخلاء اور حمام میں۔ دوسرا قول ان کا یہ ہے کہ آیت کا ابتدائی حصہ پڑھ سکتے ہیں۔ پوری آیت نہیں۔ تیسرا قول یہ ہے کہ جنب کو قرآن پڑھنا مکروہ ہے چوتھا قول یہ ہے کہ ایک سے کم پڑھ سکتے ہیں پوری آیت نہیں۔ پانچواں قول یہ ہے کہ جنب قرآن نہ پڑھے حائضہ پڑھ سکتی ہے۔

ت (۶۲) حضرت ابن عباس سے دو طرح مروی ہے ابن منذر کے الفاظ یہ ہیں

ان ابن عباس یقرء وردہ وھو جنب — ابن عباس اپنا وظیفہ حالت جنابت میں بھی پڑھتے تھے۔

ابن ابی شیبہ نے ان الفاظ میں روایت کیا

عن ابن عباس انہ کان لایری باسا ان یقرء الجنب آیۃ او آیتین ۔ — ابن عباس اس میں کوئی حرج نہیں جانتے تھے کہ جنب ایک یا دو آیتیں پڑھے۔

ابن منذر کے الفاظ سے ثبوت مدعا یوں ہوگا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سید المفسرین ہیں تو ان کے وظیفے میں تلاوت ضرور شامل رہی ہوگی۔ اور جب جنابت کی حالت میں "وظیفہ" پڑھتے تھے۔ تو ثابت کہ قرآن مجید بھی ضرور پڑھتے ہونگے۔

لیکن اس پر عرض یہ ہے کہ عرف میں ورد کا اطلاق تلاوت ہی نہیں ہوتا، ورد سے تلاوت کے علاوہ دوسرے اذکار و ادعیہ مراد ہوتے ہیں اور اس قسم کے کلام میں معنی عرفی ہی مراد لینا ضروری ہے رہ گیا ابن ابی شیبہ والا اثر، تو ٹھیک ہے اس سے بظاہر ثابت ہوتا ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مذہب یہی تھا کہ ایک دو آیت کی تلاوت جائز ہے مگر اس کا بھی امکان ہے کہ مراد یہ ہو کہ بطور دعا ایک یا دو آیت پڑھنے میں حرج نہ ہو، اس میں ہمارے مذہب سے کوئی تخالف نہیں۔

اور اگر کسی کو ضد ہو کہ مطلقا جواز ثابت ہوتا ہے تو پھر یہ گزارش کرونگا کہ ایک صحابی کے فعل کے مقابلے میں احادیث حسنہ بہر حال ہر طرح لائق ترجیح ہیں

اس کے بعد امام بخاری نے حضرت ام عطیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی اس حدیث سے استدلال فرمایا، وہ فرماتی ہیں۔

ہم حیض والیوں کو بھی حکم ہوتا کہ عیدگاہ میں چلیں، مسلمانوں کی تکبیر کے ساتھ تکبیر کہیں اور دعا مانگیں [1]

---

[1] بخاری جلد اول صلوۃ العیدین باب فضل العمل فی ایام التشریق ص ۱۳۲

اس سے بھی ثابت ہوتا ہے تو صرف یہ کہ حائضہ تکبیر پڑھ سکتی ہے، دعا مانگ سکتی ہے، اگرچہ وہ دعا کلمات قرآن سے ہو مثلاً ربنا اٰتنا فی الدنیا حسنۃ الآیت وغیرہ

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ نماز عید کے بعد بھی دعا مسنون ہے جس کی پوری بحث "کتاب العیدین" میں آرہی ہے اس سے ثابت ہوا کہ عیدگاہ میں حائضہ جا سکتی ہے۔ اور جو بعض روایتوں میں یعتزلن المصلی آیا ہے اس سے مراد خاص وہ جگہ ہے جہاں نماز ہوتی ہے یعنی نمازیوں کے قریب نہ رہیں۔

پھر امام بخاری نے حدیث ہرقل کو پیش کیا۔ اگر جنبی اور محدث کو قرآن مجید چھونا اور پڑھنا جائز نہ ہوتا۔ تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ہرقل کو جو والا نامہ بھیجا تھا اس میں آیت کریمہ یا اھل الکتاب تعالوا تحریر نہ فرماتے اس لئے کہ والا نامہ اسی لئے بھیجا تھا کہ ہرقل اسے ہاتھ میں لے اور پڑھے ظاہر ہے کہ ہرقل کافر تھا، نہ وضو جانتا تھا نہ غسل۔ اس کا جواب یہ ہے۔ اولا۔ ہرقل اہل کتاب میں سے تھا دعوت اسلام پہنچنے سے پہلے اسے کافر کہنا درست نہیں۔ اور اہل کتاب اپنے مذہب کے مطابق وضو اور غسل بھی کرتے تھے۔ وہی ان کے حدث اور جنابت دور ہونے کے لئے کافی تھا۔

ثانیاً جب حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے والا نامے میں وہ دو آیتیں اپنے مضمون کے درمیان لکھیں تو وہ سب خط کا مضمون ہو گئیں۔ انھیں پڑھنا خط پڑھنا ہے قرآن مجید کی تلاوت کرنا نہیں۔ بالکل اسی طرح جیسے قرآنی دعاؤں کو بہ نیت دعا پڑھنا تلاوت نہیں۔ جنبی کو بھی پڑھنا پڑھانا جائز ویسے ہی یہاں بھی ہے، پھر حضرت عطا کا یہ قول پیش فرمایا کہ ام المومنین حضرت صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو عمرے کے احرام میں حیض آگیا تو انھوں نے طواف کے علاوہ تمام مناسک حج ادا فرمایا۔ دعائیں بھی پڑھیں اس استدلال پر کلام گذر چکا۔

سب سے اخیر میں امام بخاری نے حضرت حکم کا یہ قول نقل فرمایا۔

ت (۶۵) انی لاذبح وانا جنب وقال اللہ عزوجل ولا تاکلوا مما لم یذکر اسم اللہ علیہ عـہ

میں حالت جنابت میں ذبح کرتا ہوں اللہ عزوجل نے فرمایا جس پر اللہ کا نام نہ ذکر کیا جائے مت کھاؤ۔

مقصد یہ ہے کہ جب یہ ارشاد خداوندی ہے تو میں اللہ کے نام سے ذبح کرتا ہوں یعنی بسم اللہ اللہ اکبر پڑھتا ہوں اور یہ دونوں قرآن مجید کے اجزاء ہیں۔

لیکن بتایا جا چکا ہے کہ قرآن مجید بہ نیت دعا پڑھنا جائز اور ذبح کے وقت بسم اللہ اللہ اکبر بہ نیت دعا ہی پڑھا جاتا ہے۔ ثانیاً یہاں بحث اس میں ہے کہ قرآن کا پڑھنا جائز ہے یا نہیں۔ یہ بحث نہیں کہ قرآن مجید میں جتنے الفاظ آئے ہیں انھیں کوئی ادا ہی نہیں کر سکتا۔ مثلاً قال، جار، ذھب وغیرہ اور ظاہر ہے کہ جیسے صرف قال، جار، ذھب کو ہم اپنے روزمرہ کے کلام میں بولیں تو یہ قرآن نہیں۔ اسیطرح اگر کوئی صرف اللہ اکبر، بسم اللہ، عادت کے مطابق یا دعا کی نیت سے پڑھے تو اسے تلاوت قرآن نہیں کہتے۔ ویسے ہی ذبح کے وقت بسم اللہ اللہ اکبر پڑھنا بھی ہے۔

عـہ بغوی فی الھدیات۔

(۲۱۷) غسل الدم
حدیث

عَنْ عَائِشَةَ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْھَا قَالَتْ کَانَتْ اِحْدَانَا تَحِیْضُ ثُمَّ تَقْتَرِصُ الدَّمَ مِنْ ثَوْبِھَا عِنْدَ طُھْرِھَا فَتَغْسِلُہٗ وَتَنْضِحُ عَلٰی سَائِرِہٖ ثُمَّ تُصَلِّیْ فِیْہِ عہ

ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا ہم میں سے کسی کو جب حیض آتا تو پاکی کے وقت خون کو چٹکیوں سے کھرچ ڈالتی اس کے بعد اسے دھوتی اور اس کے پورے پر پانی بہاتی اس کے بعد اس کپڑے میں نماز پڑھتی۔

(۲۱۸) المستحاضۃ تعتکف
حدیث

عَنْ عَائِشَةَ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْھَا اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِعْتَکَفَ مَعَہٗ بَعْضُ نِسَائِہٖ وَھِیَ مُسْتَحَاضَةٌ تَرَی الدَّمَ فَرُبَّمَا وَضَعَتِ الطَّسْتَ تَحْتَھَا مِنَ الدَّمِ وَزَعَمَ

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ ان کی بعض عورتوں نے اعتکاف کیا اس حالت میں کہ اسے استحاضہ تھا۔ خون دیکھتی تھی۔ کبھی خون کی وجہ سے اپنے نیچے طشت رکھتی تھی۔ اور اس (عکرمہ)

تشریحات (۲۱۷) مراد یہ ہے کہ کپڑے پر جہاں خون لگا ہوتا اس جگہ کو چٹکی سے کھرچ کر خون دور کرتیں پھر اتنی جگہ خوب اچھی طرح دھوتیں اور بقیہ کپڑے کو بھی دھوتیں مگر اس مبالغے کے ساتھ نہیں جس مبالغے سے خون آلود جگہ کو دھوتیں۔ نضح غسل کے معنی میں آتا ہے وہ گزر چکا۔

تشریحات (۲۱۸) تکمیل اس حدیث کے بعد ہی ہے کہ یہ خون اور زرد رنگ کا پانی دیکھتیں نماز پڑھتیں تو طشت ان کے نیچے رکھا رہتا۔

عصفر، کسم کے پھول کو کہتے ہیں جو پیلے رنگ کا ہوتا ہے۔ یہ کون صاحبہ تھیں اس میں تین قول ہیں۔ حضرت سودہ حضرت ام حبیبہ حضرت زینب بنت جحش۔ صحیح یہ ہے کہ ان تینوں میں کوئی نہیں تھیں۔ بلکہ حضرت ام سلمہ تھیں، جیسا کہ علامہ ابن حجر نے لکھا ہے کہ عکرمہ ہی سے مروی ہے کہ ام سلمہ اعتکاف میں تھیں اور انھیں استحاضہ تھا۔ کبھی اپنے نیچے طشت رکھ لیتی تھیں۔

وزعم کی ضمیر فاعل مستتر ہو، کا مرجع عکرمہ ہیں اور اس کا عطف معنی عنعنہ پر ہے تقدیر عبارت یہ ہوگی۔ حدثنی عکرمہ ہکذا زعم۔ اب یہ سند متصل ہوگئی۔ مراد یہ ہے کہ ام المومنین نے اس پانی کو دیکھا جس میں کسم کا پھول بھگویا ہوا تھا تو یہ فرمایا۔ کہ مراد یہ ہے کہ انھیں پیلے رنگ کی رطوبت آتی تھی جیسا کہ دوسرے طرق میں تصریح ہے۔

عہ ابن ماجہ طہارت باب ما جاء فی دم الحیض یصیب الثوب ص ۴۶

اَنَّ عَائِشَةَ رَاَتْ مَاءَ الْعُصْفُرِ فَقَالَتْ كَاَنَّ هٰذَا شَيْءٌ كَانَتْ فُلَانَةُ تَجِدُهُ عہ

نے گمان کیا کہ حضرت عائشہ نے کُسُم کے پھول کا پانی دیکھا تو کہا یہ ایسا ہے جیسا فلاں پاتی تھی۔

حدیث (۲۱۹) ازالۃ الدم من الریق

عَنْ مُجَاهِدٍ قَالَ قَالَتْ عَائِشَةُ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهَا مَا كَانَ لِاِحْدَانَا اِلَّا ثَوْبٌ وَّاحِدٌ تَحِيْضُ فِيْهِ فَاِذَا اَصَابَهُ شَيْءٌ

مجاہد نے کہا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا ہم ازواج مطہرات میں سے کسی کے پاس ایک کپڑے سے زائد نہیں تھا جب کپڑے کو

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ مستحاضہ مسجد میں بھی جاسکتی ہے اور اعتکاف بھی کرسکتی ہے اور نماز بھی پڑھے گی اگرچہ خون اتنا زیادہ آتا ہو کہ رکتا نہ ہو جس کی تفصیل گزر چکی۔

تشریحات (۲۱۹) امام مجاہد

امام مجاہد بن جبر۔ عبداللہ بن سائب مخزومی کے غلام تھے۔ مکہ معظمہ کے مشہور و معروف ائمہ تابعین واجلہ فقہاء و قراء میں سے ہیں انکی کنیت ابو حجاج ہے۔ یہ اس پائے کے بزرگ تھے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے ان کی رکاب پکڑ کر یہ فرمایا، کاشکہ میرا بیٹا سالم اور میرا غلام نافع تمہاری طرح یاد رکھتے۔ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے اخص تلامذہ میں سے ہیں۔ تیس مرتبہ ان کو قرآن مجید سنایا اور دو بار ہر ہر آیت کو سبقا سبقا مع تفسیر پڑھا ہے۔ اتنی سال کی عمر میں اس حالت میں واصل بحق ہوئے کہ انکا سر سجدے میں تھا عہ

باب کا فائدہ

اس باب سے امام بخاری یہ افادہ کرنا چاہتے ہیں کہ حائضہ کا پسینہ پاک ہے۔ حیض سے ظاہر جسم ناپاک نہیں ہوتا۔ یہ نجاست حکمی ہے۔ نیز یہ کہ زمانہ جاہلیت میں یہ دستور تھا اور اب بھی ہے کہ عورتیں ایام حیض میں جو کپڑا پہنے ہوتی ہیں پاک ہونے کے بعد اسے اتار دیتی ہیں۔ دھوئے بغیر نہیں پہنتیں۔ اسے دوبارہ پہننا بہت معیوب سمجھتی ہیں۔

تطبیق

ابھی حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی حدیث گذری۔ انھوں نے فرمایا کہ جب مجھے حیض آیا تو میں نے حیض کے کپڑے لئے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ بعض ازواج مطہرات کے پاس ایک سے زائد کپڑے تھے۔ عام دنوں میں پہننے کے لئے الگ اور ایام حیض کے لئے الگ۔

اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت ام المومنین جو فرمارہی ہیں یہ ابتدا کی بات ہے اور حضرت ام سلمہ جو فرمارہی ہیں وہ بعد کی بات ہے

عہ بخاری جلد اول حیض باب اعتکاف المستحاضۃ ص ۴۵
〃 〃 صوم باب اعتکاف المستحاضۃ ص ۲۷۳
ابوداؤد 〃 〃 باب المستحاضۃ تعتکف ص ۳۳۵
ابن ماجہ صیام 〃 〃 〃 ص ۱۲۸

عہ بدایۃ نہایۃ جلد ۹ ص ۲۲۴

مِنْ دَمٍ قَالَتْ بِرِيقِهَا فَمَصَعَتْهُ بِظُفُرِهَا عہ

کچھ خون لگ جاتا تو اس کو اپنے تھوک سے تر کر دیتی اس کے بعد ناخن سے کھرچ دیتی۔

حدیث (۲۲۰) استعمال الطیب للحائضۃ اذا اغتسلت

عَنْ اُمِّ عَطِيَّةَ رَضِيَ اللهُ تَعَالٰى عَنْهَا قَالَتْ كُنَّا نُنْهٰى اَنْ نُحِدَّ عَلٰى مَيِّتٍ

حضرت ام عطیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا کسی میت پر تین دن سے زیادہ سوگ کرنے سے ہمیں منع

جب فتوحات ہوئیں اور وسعت ہوئی اس وقت کا قصہ ہے۔ نیز ان کے الفاظ میں اخذت ثیاب حیضتی ہے اس میں یہ بھی احتمال ہے کہ اس سے مراد لباس ہو۔ وہ مخصوص کپڑا جو ایام حیض میں خاص کر عورتیں استعمال کرتی ہیں، مثلاً کرسف وغیرہ۔

مسائل اس حدیث کے اس طریقے میں خون کی مقدار نہیں مگر ابو داؤد میں بطریق عطاء جو روایت ہے اسمیں تصریح ہے خون کا ایک قطرہ دیکھیں تو ایسا کریں۔ اس کے الفاظ یہ ہیں ثم تری فیہ قطرۃ من دم اور اگر بالفرض یہ روایت نہ بھی ہوتی تو بھی ظاہر ہے کہ مراد یہی ہے کہ۔ اگر تھوڑا خون ہوتا تو ایسا کرتی تھیں اس لئے کہ اوپر گذر چکا کہ اگر کپڑے میں حیض کا خون لگا ہو تو حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یہ حکم دیا۔ اسے کسی چیز سے رگڑ کر دور کرو پھر پانی ڈال کر چٹکی سے سے ملو پھر پانی سے دھوؤ۔ ظاہر ہے کہ اس حکم کے بعد صرف تھوک سے بھگونا ناخن سے کھرچنا کافی نہ ہوگا۔ اس لئے ضروری ہے کہ اسے "دم قلیل" پر محمول کریں۔ اب اس حدیث سے ثابت ہو گیا کہ قلیل نجاست معاف ہے۔ اور اگر کسی صاحب کو یہ اصرار ہو کہ نہیں یہ خون قلیل نہیں ہوتا تھا یا قلیل معاف نہیں۔ تو پھر انھیں ماننا ہوگا کہ تھوک مزیل نجاست ہے اس تقدیر پر یہ ثابت ہو جائیگا کہ پانی کے علاوہ ہر بہنے والی رقیق چیز سے نجاست دور کی جا سکتی ہے۔ نجاست حقیقیہ کا ازالہ پانی کے ساتھ خاص نہیں۔ یہ باعتبار ظاہر کے کلام تھا۔

بنظر دقیق یہ نجاست قلیل تھی جو معاف ہے مگر تھوڑی نجاست کا بھی ازالہ مستحب ہے اس لئے حضرات امہات المومنین اسے دور کرتی تھیں۔ قلیل ہونے کی وجہ سے تھوک سے بھی بالکلیہ ازالہ ہو جاتا تھا۔ اور یہ اپنی جگہ محقق ہے کہ ہر رقیق سائل سے نجاست حقیقیہ کا ازالہ صحیح ہے۔ مختصر ہونے کی وجہ سے اس خون کا تھوک ہی سے ازالہ ہو جاتا تھا اسی لئے اس پر اکتفا کرتی تھیں۔

تشریحات (۲۲۰) ثوب عصب۔ عَصْب۔ یہ یمنی دھاری دار چادروں کی ایک مخصوص قسم ہے جس کے سوت کو پہلے رنگتے ہیں۔ پھر بنتے ہیں۔ بعض نے کہا کہ سوت کو جگہ جگہ باندھ کر رنگتے تھے پھر بنتے تھے اس سے چادر میں کہیں کہیں رنگین چتیاں پڑ جاتی تھیں۔ بعض نے کہا کہ ہلکے کالے رنگ کی یمنی چادر ہوتی تھی۔ یہاں یہی تیسرا معنی مناسب ہے۔ اسلئے کہ دھاری دار یمنی چادریں اعلیٰ لباس میں شمار ہوتی تھیں اسے رؤسا اور سلاطین استعمال کرتے تھے لہ

کست اظفار۔ کتاب الطلاق میں کست ظفار ہے مسلم اور ابو داؤد وغیرہ کی روایت میں قسط واظفار ہے۔ کست کو بڑے قاف کے ساتھ قسط بھی کہتے ہیں۔ امام بخاری نے کتاب الطلاق میں لکھا۔ یقال الکست والقسط والکافور والقافور۔

عہ ابو داؤد جلد اول طہارت باب المرأۃ تغتسل ثوبھا الذی تلبسہ فی حیضھا ص ۵۲ ۔ لہ عینی

فَوْقَ ثَلٰثٍ اِلَّا عَلٰی زَوْجٍ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّعَشْرًا وَّلَا نَكْتَحِلُ وَلَا نَتَطَيَّبُ وَلَا

کیا جاتا تھا۔ البتہ شوہر پر چار مہینے دس دن سوگ کی اجازت تھی۔ اور ہم نہ سرمہ لگا سکتی تھیں اور نہ

نَلْبَسُ ثَوْبًا مَّصْبُوْغًا اِلَّا ثَوْبَ عَصْبٍ وَّقَدْ رُخِّصَ لَنَا عِنْدَ الطُّهْرِ اِذَا

کوئی خوشبو اور نہ عصب کے علاوہ کوئی رنگین کپڑا پہن سکتی تھیں اور حیض سے پاکی کے بعد غسل کے وقت

اغْتَسَلَتْ اِحْدَانَا مِنْ مَّحِيْضِهَا فِيْ نُبْذَةٍ مِّنْ كُسْتِ اَظْفَارٍ وَّكُنَّا

ہمیں کست اظفار کے استعمال کی اجازت تھی

نُنْهٰى عَنِ اتِّبَاعِ الْجَنَائِزِ ـ رَوَاهُ هِشَامُ بْنُ حَسَّانَ عَنْ حَفْصَةَ عَنْ

اور ہمیں (عورتوں کو) جنازے سے روکا جاتا تھا۔ اس حدیث کو ہشام بن حسان نے حفصہ سے

کست یا قسط کو ہندی میں کُٹ کہتے ہیں۔ غالبًا یہ کٹ ہی کا معرب ہے۔
یہاں اظفار ہے۔ کتاب الطلاق میں ظفار ہے۔ ابن تین نے کہا یہی صحیح ہے۔ ظفار یمن کا ایک ساحلی شہر ہے جہاں ہندستان سے قسط جاتی تھی اور وہیں سے حجاز وغیرہ میں سپلائی ہوتی تھی ظفار قطام کی طرح مبنی علی الکسر ہے۔ مسلم وغیرہ میں قسط و اظفار واو کے ساتھ ہے یہ روایت احسن ہے اسلئے کہ قسط ایک الگ چیز ہے اور اظفار ایک الگ چیز۔ اظفار ایک خوشبودار لکڑی ہے جو غلاف دار ناخن کے مشابہ ہوتی ہے جس کی دھونی سے کپڑے بساتے تھے اس کو اظفار الطیب بھی کہتے ہیں۔
احسن ہونے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ قسط میں کوئی خوشبو نہیں ہوتی۔ اور امام بخاری نے یہاں باب یہ باندھا ہے۔ حیض سے غسل کے وقت عورت کا خوشبو استعمال کرنا۔
حدیث کی باب سے مطابقت اسی وقت ہوگی جبکہ اظفار کو خوشبو مانیں۔

مسائل (۱) اس سے ثابت ہوا کہ عورت پر شوہر کا سوگ واجب ہے خواہ وہ مدخولہ ہو خواہ نہ ہو خواہ چھوٹی ہو خواہ بڑی، آزاد ہو یا باندی۔ البتہ حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے نزدیک چھوٹی بچی پر سوگ نہیں۔ پوری تفصیل کتاب الطلاق میں آئے گی (۲) زیب وزینت کی ہر چیز سے سوگوار عورت بچے (۳) حیض سے پاکی کے بعد مستحب ہے کہ عورتیں اندام نہانی میں کوئی مناسب خوشبو استعمال کرلیں حتی کہ سوگوار عورت کو بھی اجازت ہے (۴) عورتوں کو جنازے کے ساتھ جانا منع ہے۔

اخیر میں امام بخاری نے فرمایا۔ ورواہ ہشام بن حسان۔ اس کے دو فائدے ہیں ایک تو یہ کہ اس دوسری سند سے جو روایت ہے اس میں عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تصریح ہے۔ اب اس کا مرفوع ہونا قطعی ہوگیا۔ دوسرا فائدہ یہ ہے کہ بعض نسخوں میں پہلی سند میں تشکیک ہے۔ یعنی عن ایوب عن حفصۃ وقال ابو عبداللہ او ہشام بن حسان عن حفصۃ یہاں بلا تشکیک کے ہشام بن حسان عن حفصۃ ہے۔ اور یہی صحیح ہے بقیہ تمام محدثین نے بغیر تشکیک کے روایت کی ہے بلکہ خود امام بخاری نے کتاب الطلاق میں سند ثانی کو بلا تشکیک ذکر کی ہے۔ صحیح یہ ہے کہ اتنا ٹکڑا تعلیق ہے۔ حماد کا قول نہیں۔

اُمِّ عَطِيَّةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عہ

وہ ام عطیہ سے انھوں نے نبی صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے روایت کیا۔

حدیث (۲۲۱) استعمال المسك للحائض اذا اغتسلت

عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهَا اَنَّ اِمْرَاةً سَالَتِ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ ایک عورت نے نبی صلے اللہ علیہ وسلم

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ غُسْلِهَا مِنَ الْمَحِيْضِ فَاَمَرَهَا كَيْفَ تَغْتَسِلُ قَالَ خُذِيْ

سے حیض سے غسل کے بارے میں پوچھا حضور نے اسے بتایا کہ کیسے غسل کرے۔ فرمایا

تشریحات (۲۲۱) تکمیل

ایک انصاری خاتون جنکا نام "اسماء" بنت شکل تھا۔ خدمت اقدس میں حاضر ہوئیں اور یہ سوال کیا کہ حیض سے غسل کا کیا طریقہ ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم پانی اور بیری کی پتی لے کر خوب اچھی طرح پاکی حاصل کرو پھر اپنے سر پر ڈالو اور سر خوب اچھی طرح ملو تاکہ پانی سر کے جڑ میں پہنچ جائے۔ پھر سر پہ پانی ڈالو۔ اس کے بعد مشک آلود پھایا لے کر اس سے پاکی حاصل کرو۔ اسماء نے کہا کیسے پاکی حاصل کروں۔ تین بار یہی تکرار ہوئی تیسری بار فرمایا سبحان اللہ پاکی حاصل کر۔ حضور نے منھ پھیر لیا اور چھپالیا۔ سفیان بن عینیہ نے ہاتھ سے اشارہ کرکے بتایا اس طرح۔ حضرت ام المومنین فرماتی ہیں میں حضور کے مقصد کو سمجھ گئی میں نے اسے اپنی طرف کھینچ لیا اسے بتایا اس کے بعد بخاری میں جو روایت ہے اسمیں یہ ہے توضی بھا یہاں توضا ای لغوی معنی میں ہے یعنی اسے پھاہے سے دھو۔ مسلم میں ان بیوی کا نام "اسماء بنت شکل" آیا ہے۔ مگر خطیب نے اسماء بنت یزید بن السکن روایت کیا ہے یہ وہی بیوی ہیں جو خطیبۃ النساء کے ساتھ مشہور ہیں۔ بعض متاخرین نے اسی کو صحیح کہا، اس لئے کہ شکل نام کے کوئی انصاری صحابی نہیں مگر زیادہ مستند روایات یہی آئی ہیں کہ یہ اسماء بنت شکل ہیں۔

باب سے مطابقت

یہاں باب یہ ہے۔ دلك المراة نفسها اذا تطهرت من المحيض عورت کا اپنے جسم کو ملنا جب وہ حیض سے پاکی حاصل کرے۔ امام بخاری نے حدیث کا جو ٹکڑا نقل فرمایا ہے اس سے باب کی مطابقت نہیں ہوتی۔ یہ بالکل ظاہر ہے۔ ہاں مسلم کی روایت سے ثابت ہوتی ہے۔ جس پر ہم بار بار کلام کر آئے ہیں۔

عہ بخاری	جلد ثانی	طلاق	باب القسط للحادة۔ باب تلبس الحادة ثياب العصب	ص ۸۰۴
مسلم	ر اول	ر	باب وجوب الاحداد فی عدة الوفاة	ص ۴۸۸
ابوداؤد	ر ر	ر	باب فيما تجتنب المعتدة فی عدتها	ص ۳۱۵
نسائی	ر ثانی	ر	باب ما تجتنب الحادة من الثياب المصبغة	ص ۱۱۷
ابن ماجه		ر	باب هل تحد المراة على غير زوجها	ص ۱۵۲

فَرْصَةً مِّنْ مِسْكٍ فَتَطَهَّرِيْ بِهَا۔ قَالَتْ كَيْفَ اَتَطَهَّرُ بِهَا قَالَ تَطَهَّرِيْ

مشک لگے ہوئے پھائے کو لے اور اس سے پاکی حاصل کر۔ اسنے عرض کیا اس سے کیسے پاکی حاصل کروں فرمایا

بِهَا قَالَتْ كَيْفَ قَالَ سُبْحَانَ اللّٰهِ تَطَهَّرِيْ۔ فَاجْتَذَبْتُهَا اِلَيَّ فَقُلْتُ

اس سے پاکی حاصل کر۔ اسنے عرض کی کیسے فرمایا سبحان اللہ پاکی حاصل کر۔ اس پر میں نے اس کو اپنی طرف کھینچا اور

تَتَبَّعِيْ بِهَا اَثَرَ الدَّمِ عہ

بتایا اسے خون کی جگہ لگا دے۔

صحیح یہ ہے کہ مشک یا کوئی بھی خوشبو استعمال کرنے کی حکمت خون کیوجہ سے جو بدبو اور گھناونا پن پیدا ہوگیا تھا اس کا ازالہ مقصود ہے خون کے آنے سے جلد میں سکڑن پیدا ہوجاتی ہے۔ مشک یا اس قسم کی چیزوں سے استعمال سے یہ سکڑن ختم ہوجاتی ہے۔ بعض علماء نے فرمایا مشک یا کسی بھی خوشبو کا استعمال غسل سے پہلے کرے گی۔ مگر یہ حدیث کے سیاق کے خلاف ہے۔ مسلم میں "ثم" موجود ہے جو تعقیب بلکہ تراخی پر دلالت کرتا ہے، بعض شارحین نے مشک کے استعمال کی حکمت یہ لکھی کہ یہ استقرار نطفہ میں معین ہوتا ہے مگر ان کے ذہن میں یہ بات نہیں رہی کہ مشک کا استعمال ہر عورت کو مستحب ہے خواہ وہ شوہر والی ہو خواہ نہو۔

بعد والی روایت میں ہے۔ توضی ثلاثا۔ او قال توضی بها اس کی توضیح میں شراح نے مختلف قول کئے ہیں۔ اس سلسلے کی روایات کو ذہن میں رکھنے کے بعد یہ بات بالکل واضح ہوجاتی ہے کہ ثلاثا کا مطلب یہ ہے کہ حضور نے تین بار فرمایا۔ شک راوی اسمیں ہے کہ بہا بھی فرمایا تھا یا نہیں۔

اثر الدم سے عام علماء نے شرمگاہ مراد لی ہے۔ البتہ محاملی نے ہر وہ جگہ مراد لی ہے جہاں خون لگا ہو۔ سوائے محاملی کے کسی اور نے یہ قول نہیں کیا ہے مگر اسمٰعیلی کی روایت اس کی مؤید ہے جسمیں مواضع الدم آیا ہے۔

مسائل (۱) تعجب کے وقت سبحان اللہ پڑھنا سنت ہے (۲) پوشیدہ عوارض کو کنایے سے ادا کیا جائے (۳) یہ بھی

عہ اس کے بعد متصلا — باب غسل المحیض ص ۴۵

ایضا جلد ثانی اعتصام باب الاحکام اللتی تعرف بالدلائل ص ۱۰۹۳

مسلم " اول طہارت باب استحباب المغتسلة من الحیض فرصة من مسك موضع الدم ص ۱۵۰

ابوداؤد " " " باب الاغتسال من الحیض ص ۴۴

نسائی " " باب ذکر العمل فی الغسل من الحیض ص ۴۹

" " غسل باب العمل فی الغسل من الحیض ص ۷۲

ابن ماجه طہارت باب فی الحائض کیف تغتسل ص ۴۷

دارمی وضوء ۸۴ مسند امام احمد

حدیث (۲۲۲) ان عائشہ رضی اللہ عنہا اھلت بعمرۃ فی حجۃ الوداع

عَنْ عَائِشَۃَ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْھَا قَالَتْ خَرَجْنَا مُوَافِیْنَ لِھِلَالِ

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے کہا ہم ذی الحجہ کے چاند ہونے کے قریب (مدینے سے حج کیلئے)

ذِی الْحِجَّۃِ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ اَحَبَّ اَنْ

نکلے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو صرف

درست ہے کہ عالم کے کلام کی تشریح اس کی موجودگی میں کوئی اور کردے اور عالم سنے (۴) عالم کے کلام کی تفسیر جب اسکے سامنے دوسرے نے کی اور عالم نے سن لی تو یہ عالم ہی کی تفسیر ہوگی (۵) ثابت ہوگیا کہ شیخ کو تلمیذ پڑھ کر سنا سکتا ہے۔

تشریحات ۲۲۲ مطابقت باب

یہاں امام بخاری نے اس حدیث پر دو عنوان قائم کیا ہے۔

امتشاط المراۃ عند غسلھا من المحیض حیض سے غسل کے وقت عورت کا کنگھا کرنا۔

نقض المراۃ شعر راسھا عند المحیض حیض سے غسل کیوقت عورت کا اپنے سر کے بال کا کھولنا

حدیث میں کہیں غسل کا ذکر نہیں۔ یہ امام بخاری کی اسی عادت مستمرہ کے مطابق ہے اگرچہ ان کی ذکر کردہ روایت میں غسل کا لفظ نہیں مگر ابوداؤد اور مسلم کی ایک روایت میں ہے کہ فرمایا۔ فاغتسلی۔ پھر غسل کر۔ موافین کا مادہ وفاء آتا ہے جس کے معنی "پورا" کرنا۔ اس کے باب افعال کا صلہ جب علی آتا ہے تو اس کے معنی "اشرف" کے ہیں بولتے ہیں۔ اوفا علی کذا ای اشرف یعنی جھانکا، یہاں مراد یہ ہے کہ ہم ذی الحجہ کے ہلال کو جھانک رہے تھے۔ یعنی اس کی رویت قریب تھی۔

ہم پہلے بتا آئے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ۲۶ ر ذوالقعدہ سنیچر کے دن بعد نماز ظہر مدینہ طیبہ سے نکلے تھے اور رات ذوالحلیفہ میں گزاری ۲۷ ر ذوالقعدہ اتوار کو وہاں سے چلے تھے اور چار ذوالحجہ کو مکہ مکرمہ پہنچ گئے تھے۔ مسلم شریف میں مدینہ طیبہ سے نکلنے کی تاریخ لخمس بقین من ذی القعدۃ[1] ہے اور مکہ مکرمہ پہونچنے کی تاریخ تردید کے ساتھ لاربع خلون من ذی الحجۃ او خمس[2] ہے اسی اختلاف کیوجہ سے یہ بھی اختلاف پیدا ہوگیا کہ راستے میں کتنے دن صرف ہوئے۔ ۹ دن یا۔ دس دن۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مکہ معظمہ یکشنبہ کو پہنچے تھے، بخاری کتاب التمنی میں لاربع خلون من ذی الحجۃ بلا تردید ہے[3]۔ لیلۃ الحصبہ سے مراد تیرہ ذوالحجہ کے بعد آنے والی چودھویں رات۔ یہ منی اور مکہ کے مابین ایک میدان ہے جہاں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے "حجۃ الوداع" کے موقع پر قیام فرمایا تھا۔ حج کے واپسی کے بعد رات کو پھر یہیں قیام فرمایا۔ مدینہ طیبہ والے حجاج جبتک اونٹوں کا سفر تھا یہیں اکٹھے ہوکر واپس ہوتے تھے۔ اس کو وادی محصب اور خیف بنی کنانہ بھی کہتے ہیں۔

---

[1] جلد اول حج باب وجوہ الاحرام ص ۳۹۰

[2] ایضا

[3] جلد ثانی تمنی باب قول النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم لو استقبلت من امری ما استدبرت ص ۱۰۷۳

51

يُهِلَّ بِعُمْرَةٍ فَلْيُهِلَّ فَإِنِّي لَوْلَا أَنِّي أَهْدَيْتُ لَأَهْلَلْتُ بِعُمْرَةٍ فَأَهَلَّ

عمرے کا احرام باندھنا چاہے وہ صرف عمرے کا باندھے۔ اگر میں اپنے ساتھ ہدی نہ لاتا تو عمرے ہی کا احرام باندھتا

بَعْضُهُمْ بِعُمْرَةٍ وَّأَهَلَّ بَعْضُهُمْ بِحَجٍّ وَّكُنْتُ أَنَا مِمَّنْ أَهَلَّ

اسپر بعضوں نے عمرے کا احرام باندھا اور بعضوں نے حج کا۔ اور میں نے عمرے کا احرام

بِعُمْرَةٍ فَأَدْرَكَنِي يَوْمُ عَرَفَةَ وَأَنَا حَائِضٌ فَشَكَوْتُ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ

باندھا تھا جب عرفہ کا دن آیا تو میں حائضہ تھی میں نے نبی صلے اللہ علیہ وسلم سے

حضرت عائشہ کے حج کی تفصیل

اس حدیث کی ابحاث سمجھنے کے لئے ضروری ہے کہ ناظرین حج کے اقسام ذہن نشین کرلیں۔ حج تین قسم کا ہوتا ہے۔ افراد یعنی میقات سے صرف حج کا احرام باندھیں۔ تمتع یعنی میقات سے صرف عمرے کا احرام باندھیں، اس کی دو قسمیں ہیں۔ ایک وہ جو اپنے ساتھ "ھدی" یعنی قربانی کا جانور نہ لے جائے۔ ایسے لوگ عمرہ کرکے احرام سے باہر ہوجائیں گے۔ دوسرے وہ جو اپنے ساتھ "ہدی" لے جائیں۔ یہ لوگ مکہ پہونچکر عمرہ کرنے کے بعد بھی احرام سے باہر نہ ہوں گے جبتک قربانی کرنہ لیں۔ متمتع آٹھ ذوالحجہ کو حرم سے حج کا احرام باندھ کر حج کریگا۔ قران یعنی میقات سے حج اور عمرے دونوں کا احرام باندھیں۔

ہمارے اور شوافع کے درمیان یہاں ایک اختلاف ہے۔ ہمارے یہاں قارن پر دو طواف دو سعی واجب ہے ایک طوف اور سعی عمرے کی۔ اور ایک حج کی۔ امام شافعی کے یہاں قارن کے لئے صرف ایک طواف اور ایک سعی کافی ہے۔

اس حدیث میں صرف یہ ہے کہ، لیلۃ الحصبہ چودھویں ذوالحجہ کی رات میں ام المومنین حضرت عبدالرحمن کے ساتھ عمرہ کرنے کے لئے گئیں۔ اور ظاہر ہے کہ عمرہ طواف اور سعی کا نام ہے تو حضرت ام المومنین نے طواف بھی کیا اور سعی بھی۔ اس طرح اس حدیث سے صرف ایک طواف اور ایک سعی کا ثبوت ہوتا ہے۔ اب اگر یہ مان لیا جائے کہ ام المومنین قارنہ تھیں اور انھوں نے صرف ایک ہی طواف اور ایک ہی سعی کی۔ تو شوافع کا مسلک ثابت کہ قارن کے لئے صرف ایک ہی طواف اور ایک ہی سعی کافی ہے۔ اس پر ہماری گزارش یہ ہے کہ یہ صحیح ہے کہ عام طرق میں لیلۃ الحصبہ کے پہلے کسی طواف کا ذکر نہیں۔ مگر مسلم میں بطریق محمد بن عبداللہ بن نمیر حضرت قاسم سے جو روایت ہے اسمیں یہ تصریح ہے حتی نزلنا منی فتطہرت ثم طفنا بالبیت۔ جب ہم منیٰ میں اترے تو میں پاک ہوگئی پھر ہم نے بیت اللہ کا طواف کیا اس کے بعد محصّب سے عمرہ کرنے کا ذکر ہے۔ اس کے پہلے والی روایت میں ہے کہ فرماتی ہیں۔ میں یوم نحر کو پاک ہوگئی تھی تو ثابت ہوگیا کہ لیلۃ الحصبہ سے پہلے ہی ام المومنین نے طواف زیارت کرلیا تھا۔ اگر بالفرض یہ روایت نہ بھی ہوتی تو بھی واقعات کی روشنی میں یہی ثابت ہوتا ہے کہ ام المومنین نے طواف زیارت اپنے وقت پر یا کم ازکم لیلۃ الحصبہ سے پہلے کرلیا تھا۔ لیلۃ الحصبہ میں ام المومنین نے یہ عرض کیا تھا۔ یرجع الناس بحجۃ وعمرۃ وارجع بحجۃ۔ لوگ حج اور عمرہ دونوں کے ساتھ لوٹ رہے ہیں اور میں صرف حج کے ساتھ لوٹ رہی ہوں۔ اگر یہ مان لیا جائے کہ حضرت ام المومنین نے حج کے لئے طواف اور سعی اس وقت تک نہیں کی تھی۔

تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقَالَ دَعِیْ عُمْرَتَکِ وَانْقُضِیْ رَاسَکِ وَامْتَشِطِیْ

اپنا حال بیان کیا ۔ تو فرمایا عمرہ رہنے دے، اور اپنے سر کو کھول ڈال کنگھا کر

وَاَہِلِّیْ بِحَجٍّ فَفَعَلْتُ حَتّٰی اِذَا کَانَ لَیْلَۃُ الْحَصْبَۃِ اَرْسَلَ مَعِیَ اَخِیْ

اور حج کا احرام باندھ ۔ میں نے یہی کیا ۔ جب لیلۃ الحصبۃ آئی، تو مجھے میرے

عَبْدَ الرَّحْمٰنِ بْنَ اَبِیْ بَکْرٍ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا فَخَرَجْتُ اِلَی التَّنْعِیْمِ

بھائی عبدالرحمن بن ابی بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے ہمراہ تنعیم بھیجا

توان کا حج ہوا کہاں — کہ وہ فرمارہی ہے میں صرف حج کے ساتھ واپس ہو رہی ہوں ۔ ام المومنین کی یہ عرض اس بات کی دلیل ہے کہ اس وقت تک انھوں نے طواف زیارت بھی کر لیا تھا ۔ اور حج کے لئے سعی بھی کر چکی تھیں، اس طرح ان کا حج مکمل ہو چکا تیرہ ذوالحجہ تک ایام حج ہیں ان ایام میں عمرہ ہو نہیں سکتا، اس لئے عمرہ نہیں کر سکتی تھیں اب واپسی کا وقت آیا تو مذکورہ بالا عرضداشت پیش کی جس پر انھیں عمرہ کرنے کے لئے تنعیم بھجوا دیا گیا ۔ اگر بالفرض یہ مان لیا جائے کہ انھوں نے حج کا طواف اور اس کی سعی نہیں کی تھی تو ضروری تھا کہ حضور اقدس صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم انھیں حج کے طواف اور سعی کا حکم فرماتے ۔ علاوہ ازیں حج کے طواف کا وقت بارہ ذوالحجہ تک ہے ۔ یوم نحر یعنی دس ذوالحجہ کو وہ پاک ہو گئی تھیں کس کے قیاس میں یہ بات آسکتی ہے؟ کہ بلاوجہ شرعی ان کے طواف کو قضا کرایا ہو ۔ اور واپسی ہونے لگی پھر بھی طواف کے لئے نہیں فرمایا ۔ بلکہ جب عمرے کی خواہش ظاہر کی تو عمرے کے بہانے طواف کے لئے بھیجا ۔ اس لئے سوائے اس کے کوئی چارہ کار نہیں کہ حقائق کی روشنی میں یہ مان لیا جائے کہ حضرت ام المومنین لیلۃ الحصبہ سے پہلے حج کا طواف اور اس کی سعی کر چکی تھیں ۔ لیلۃ الحصبہ صرف عمرہ کرنے گئی تھیں ۔

اس تقریر کے بعد اگر یہ تسلیم بھی کر لیا جائے کہ ام المومنین نے قران کیا تھا تو بھی یہ حدیث شوافع کے لئے مفید نہیں ۔ ہمارے ہی مسلک کی مؤید ہے ۔

حضرت ام المومنین نے تمتع کیا تھا

ویسے اس حدیث کے تمام طرق پر جب نظر دقیق ڈالی جاتی ہے تو ثابت یہی ہوتا ہے کہ حضرت ام المومنین نے قران نہیں کیا تھا بلکہ تمتع کیا تھا، اس کے مندرجہ ذیل وجوہ ہیں ۔

(۱) ان کو حکم ہوا ۔ اپنے سر کو کھول ڈالو کنگھا کرو ۔ حج کا احرام باندھو ۔ اگر انھوں نے قران کیا ہوتا تو میقات ہی پر حج کا بھی احرام باندھ لیا ہوتا ۔ اب اس وقت یوم عرفہ احرام باندھنے کا کیا مطلب ۔ پھر حالت احرام میں کنگھا کرنا منع ہے کنگھا کرنے میں ضرور بال ٹوٹتے ہیں (۲) اور فرمایا دعی عمرتک، کسی میں ہے وارفضی عمرتک اور کسی میں واترکی عمرتک ہے ۔ اپنا عمرہ چھوڑ دے ۔ یہ دلیل ہے کہ میقات سے جس عمرے کا احرام باندھا تھا ۔ اس کے بارے میں فرمایا جا رہا ہے ۔ اسے چھوڑ دے ۔ اس کا صاف مطلب یہ ہوا کہ حضرت ام المومنین کو حکم دیا جا رہا ہے کہ عمرے کا جو احرام باندھا تھا اسے ختم کر دو اور اب حج کا احرام باندھ کر حج کرو ۔ (۳) حضرت ام المومنین اس وقت حالت حیض میں تھیں ۔ اس حالت میں غسل کا حکم طہارت حاصل کرنے کیلئے تو ہو نہیں سکتا ۔ لامحالہ ماننا پڑے گا کہ یہ احرام کے لئے غسل کا حکم تھا ۔ (۴) صاف صاف حکم ہے واہلی بحج حج کے لئے تلبیہ کہو یعنی حج کا احرام

فَاَھْلَلْتُ بِعُمْرَۃٍ مَکَانَ عُمْرَتِیْ قَالَ ھِشَامٌ وَلَمْ یَکُنْ فِیْ شَیْءٍ

پس میں نے وہاں عمرے کا احرام باندھا   ہشام نے کہا   کہ اس میں

باندھو۔ اگر حج کا احرام پہلے باندھ چکی تھیں تو اب حج کا احرام باندھنے کا حکم دینے کا کیا مطلب ہے۔ خصوصا مسلم اور ابوداؤد میں حضرت جابر کی حدیث کے یہ الفاظ فاغتسلی ثم اھلی بالحج غسل کرلو پھر حج کا احرام باندھو (۵) حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد ھذہ مکان عمرتک وغیرہ کا سوائے اس کے اور کیا مطلب ہے کہ جو عمرہ احرام باندھنے کے بعد نہ کرسکی تھیں اور توڑنا پڑا تھا اس کی قضا میں یہ عمرہ کرلو۔ (۶) بخاری میں حدیث مذکور کے پہلے والی حدیث میں صاف تصریح ہے فکنت ممن تمتع میں تمتع کرنے والوں میں تھی۔ اور لیل عرفہ میں عرض کیا انما کنت تمتعت بعمرۃ میں نے عمرہ کا احرام باندھ کر تمتع کیا تھا۔

منشاء اختلاف اختلاف کی بنیاد اس پر قائم ہے کہ زمانہ جاہلیت میں حج کے مہینوں یعنی شوال ذوالقعدہ اور ذوالحجہ میں عمرے کو برا جانتے تھے۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جب مدینے سے نکلے تو لوگوں کا خیال یہی تھا کہ صرف حج کرنے جارہے ہیں مگر ذوالحلیفہ پہنچکر حضور نے اعلان فرمادیا۔ جس کا جی چاہے صرف عمرے کا احرام باندھے جس کا جی چاہے صرف حج کا، یا دونوں کا۔ میں ھدی لے کر چل رہا ہوں اگر میں ھدی لے کر نہیں چلتا تو عمرے کا احرام باندھتا اس پر لوگوں نے اپنی اپنی صواب دید اور توفیق کے مطابق احرام باندھا۔ کسی نے صرف عمرے کا، کسی نے صرف حج کا، کسی نے دونوں کا۔ حضرت ام المومنین نے فرمایا کہ میں نے عمرے کا احرام باندھا۔ چنانچہ عام طرق میں بالفاظ مختلفہ یہی ہے مگر بعض رواۃ نے اس اعتبار سے کہ ابتداء میں صرف حج کا ارادہ تھا۔ یہ الفاظ فرمادیئے کہ ام المومنین حج کے لئے نکلیں، حج کا احرام باندھا وغیرہ وغیرہ۔

یا یہ کہ حج فرض ہونے کیوجہ سے معظم مقصود ہے اس کا لحاظ کرتے ہوئے ایسا کہدیا۔ جیسے ہمارے دیار کے حجاج تقریبًا کُل کے کُل تمتع کرتے ہیں یعنی میقات سے صرف عمرے کا احرام باندھتے ہیں۔ اور مکہ معظمہ حاضر ہوکر عمرے سے فراغت کے بعد احرام کھول دیتے ہیں مگر کہا یہی جاتا ہے کہ حج کرنے جارہے ہیں، کوئی نہیں کہتا کہ عمرہ کرنے جارہے ہیں۔ اسی عرف کے مطابق اس روایت کے بعض طرق میں یہ مذکور ہوگیا کہ ام المومنین نے حج کا احرام باندھا حج کے لئے نکلیں وغیرہ وغیرہ۔

قارن پر ایک طواف اور سعی ہے یا دو اس کی پوری بحث کتاب الحج میں آئے گی۔

غایت باب غسل کرتے وقت عورتوں کی چوٹی اگر گندھی ہوئی ہو تو بالوں کو کھول کر ان کے درمیان بھی پانی کا پہنچانا ضروری ہے یا صرف بال کی جڑوں میں پانی بہہ جانا کافی ہے؟ ہمارا مذہب یہی اخیر ہے، عورت خواہ حیض ونفاس سے فراغت کے بعد غسل کرے خواہ جنابت کی حالت میں یہی حکم ہے۔ جیسا کہ مسلم شریف[1] میں ہے کہ ام المومنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے عرض کیا۔ یارسول اللہ

---

[1] جلد اول طہارت ص ۱۵۰

مِنْ ذَالِكَ هَدْيٌ وَّلَا صَوْمٌ وَّلَا صَدَقَةٌ ع۵

نہ قربانی کرنی پڑی | نہ روزہ رکھنا پڑا | نہ صدقہ دینا پڑا

افانقضه للحیضة و الجنابة فقال لا کیا میں حیض اور جنابت کے غسل کیلئے چوٹی کھولدوں؟ فرمایا نہیں۔

ان دونوں بابوں سے شبہہ ہوتا ہے کہ شاید امام بخاری کا مذہب یہ ہے کہ حائضہ پر ضروری ہے کہ وہ بال کھولکر ان کے درمیانی حصے میں بھی پانی پہنچائے۔ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا مذہب مطلقاً یہ تھا کہ ہر غسل فرض میں عورت جوڑا کھولکر بالوں میں پانی پہنچائے ام المومنین حضرت عائشہ کو جب یہ خبر پہونچی تو فرمایا۔

تعجب ہے ابن عمر عورتوں کو غسل کے وقت سروں کو کھولنے کا حکم دیتے ہیں وہ یہ حکم کیوں نہیں دیتے کہ عورتیں اپنے سر مونڈا ڈالیں۔ لہ رہ گیا اس حدیث میں بالوں کے کھولنے کا جو امر ہے وہ یا تو استحباب کے لئے ہے۔ یا اس بنا پر ہے کہ حضرت ام المومنین کے بال اتنے گھنے رہے ہوں یا چوٹی اتنی سخت گندھی رہی ہو یا سر پر کوئی لیپ لگا لیا تھا جس کی وجہ سے پانی بالوں کی جڑوں میں نہیں پہنچ سکتا تھا، اس لئے کھولنے اور کنگھا کرنے کا حکم دیا۔

قال ھشام حضرت ہشام کا یہ کہنا کہ حضرت ام المومنین کے اس فعل پر نہ دم دینا پڑا نہ روزہ رکھنا پڑا اور نہ صدقہ دینا پڑا اپنے علم و دانست کے اعتبار سے ہے ورنہ حضرت ام المومنین پر بہر صورت دم واجب تھا۔ خواہ انھوں نے تمتع کیا ہو خواہ قران۔ اسلئے کہ ان دونوں صورتوں میں ان پر واجب تھا کہ وقوف عرفہ سے پہلے عمرہ کرلیتیں یا کم از کم عمرے کا چار پھیرے طواف کرلیتیں مگر عذر لاحق ہو جانیکی وجہ سے عمرہ نہ کرسکیں حتی کہ شب عرفہ میں احرام کھولنا پڑا تو دم جنایت لازم ہوگیا۔ ص۲۱۱ میں حضرت جابر کی حدیث گذری۔ کہ حضرت عائشہ کی طرف سے حضور نے یوم نحر ایک گائے قربانی کی تھی۔ اس کا امکان قوی ہے کہ یہی دم جنایت رہا ہو۔

حضرت ہشام کو اسکی خبر نہ ہوئی اسلئے انھوں نے یہ کہدیا، کہ اسمیں ھدی وغیرہ کچھ واجب نہ ہوا۔

ع۵ ایضا جلد اول	حیض	باب امتشاط المراۃ عند غسلها من المحیض	ص ۴۵
ایضا	،	باب کیف تھلی الحائض بالحج والعمرۃ	ص ۴۶
ایضا	، مناسك	باب کیف تھلی الحائض والنفساء	ص ۲۱۱
ایضا	، عمرہ	باب العمرۃ لیلة الحصبة وغیرها	ص ۲۳۹
ایضا ، ثانی	مغازی	باب حجة الوداع	ص ۶۳۱
مسلم ، اول	حج	باب وجوه الاحرام وانه یجوز افراد الحج والتمتع والقران	ص ۳۸۶، ۸، ۷، ۶، ۹
ابوداؤد ،	مناسك	باب فی افراد الحج	ص ۲۴۷
نسائی ،	طهارت	باب ذکر الامر بذالك للحائض عند الاغتسال للاحرام	ص ۴۸
ایضا ،	مناسك	باب فی المهلة بالعمرۃ تحیض وتخاف فوت الحج	ص ۱۹
ابن ماجه	مناسك	باب العمرۃ من التنعیم	ص ۲۲۱
موطا امام مالك	حج	باب دخول الحائض مكة	ص ۱۶۸

مسند امام احمد لہ مسلم جلد اول طهارت ص ۱۵۰

حدیث (۲۲۳) ان اللہ وکل بالرحم ملکا

عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ اللّٰهَ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى وَكَّلَ بِالرَّحِمِ مَلَكًا يَقُوْلُ يَا رَبِّ نُطْفَةٌ يَا رَبِّ عَلَقَةٌ يَا رَبِّ مُضْغَةٌ فَاِذَا اَرَادَ اللّٰهُ

حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تبارک وتعالیٰ نے رحم پر ایک فرشتہ مقرر فرمایا ہے جو کہتا ہے اے پروردگار رحم میں نطفہ آگیا اے پروردگار یہ منجمد خون ہوگیا اے پروردگار گوشت کا لوتھڑا بن گیا جب

تشریحات (۲۲۳)

اس حدیث پر مکمل کلام کتاب الانبیاء میں آئیگا۔ یہاں صرف یہ دیکھنا ہے کہ اس حدیث کا حیض سے کیا تعلق۔ جس کا باب چل رہا ہے اس سے اس حدیث کا دو تعلق ہے (۱) ایک یہ کہ خون حیض ہی ایام حمل میں جنین کی غذا بنتا ہے جیسا کہ احادیث سے بھی ثابت ہے اور اطبار کا بھی قول ہے، اس باب سے مقصود یہ ہے کہ حیض کے احوال میں ایک حالت یہ بھی ہے (۲) جمہور اور احناف کا مسلک یہ ہے کہ ایام حمل میں جو خون آئے وہ حیض نہیں استحاضہ ہے۔ امام شافعی کا قول قدیم بھی یہی ہے البتہ قول جدید یہ ہے کہ وہ حیض ہے۔ امام مالک کا اصل مذہب وہی ہے جو جمہور کا ہے البتہ ان کا ایک قول یہ ہے کہ ابتدا حمل میں جو خون دکھائی دے وہ حیض ہے اور اخیر ایام میں جو دکھائی دے وہ استحاضہ ہے امام بخاری یہ باب قول اللہ عزوجل مخلقۃ وغیر مخلقۃ باندھکر اشارہ کرنا چاہتے ہیں کہ انکا مذہب بھی یہی ہے کہ ایام حمل میں جو خون عورت کو دکھائی دے وہ حیض نہیں۔ وہ جنین کی غذا کے کام آتا ہے باہر نہیں آتا یہ مذہب بکثرت احادیث سے ثابت ہے۔

(۱) حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے اپنی زوجہ کو حیض کی حالت میں طلاق دی۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے اس کے بارے میں دریافت کیا تو فرمایا، ابن عمر سے کہو رجعت کرے اسے اپنے نکاح میں رکھے یہانتک کہ پاک ہو جائے، پھر حیض آئے۔ اس حیض سے پاک ہونے کے بعد اسے اختیار ہے چاہے رکھے چاہے تو اسے ہاتھ لگانے سے پہلے طلاق دیدے [۱]

(۲) اوطاس کے قیدیوں کے بارے میں فرمایا۔ کسی حاملہ سے اسوقت تک وطی نہ کیجائے جبتک کہ وضع حمل نہو جائے اور نہ کسی غیر حاملہ سے وطی کیجائے جبتک کہ ایک حیض آکر یہ نہ ظاہر ہو جائے کہ اس کا رحم خالی ہے [۲]

(۳) حضرت رُوَیفع بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ فرمایا۔ کسی کو یہ جائز نہیں کہ اپنے پانی سے دوسرے کی کھیتی سینچے یا کسی باندی سے وطی کرے جبتک کہ اسے حیض نہ آجائے یا اس کا حمل نہ ظاہر ہو جائے [۳]

---

[۱] بخاری جلد اول طلاق ص ۷۹۰ مسلم جلد اول طلاق باب تحریم الطلاق الحائض ص ۴۷۶

[۲] ابوداؤد جلد اول نکاح ص ۲۹۳

[۳] مسند امام احمد۔ ابوداود جلد اول نکاح باب وطی السبایا ص ۲۹۳

اَنْ یَّقْضِیَ خَلْقَہٗ قَالَ اَذَکَرٌ اَمْ اُنْثٰی، شَقِیٌّ اَمْ سَعِیْدٌ فَمَا الرِّزْقُ

اللہ عزوجل یہ ارادہ فرمالیتا ہے کہ اس کی تخلیق مکمل فرمادے تو وہ فرشتہ عرض کرتا ہے مرد کہ عورت، بدبخت

وَمَا الْاَجَلُ قَالَ فَیُکْتَبُ فِیْ بَطْنِ اُمِّہٖ عہ

کہ نیک بخت، کتنی روزی ہو، کتنی عمر ہو، فرمایا سب کچھ اس کی ماں کے پیٹ میں لکھ دیا جاتا ہے۔

ان احادیث میں، حیض کو اس کی علامت بتایا گیا ہے کہ حمل نہیں۔ اگر حمل کے ساتھ حیض بھی آنا ممکن ہوتا تو حیض اسکی علامت نہیں ہوسکتا تھا تو ثابت کہ ایام حمل میں حیض نہیں آسکتا۔ اس بارے میں آثار بھی بکثرت وارد ہیں (۱) حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا اللہ عزوجل نے حاملہ سے حیض اٹھالیا۔ اس خون کو بچے کی غذا کردیا، جو رحم پھینک دیتا تھا۔[۱] (۲) حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا۔ اللہ عزوجل نے حاملہ سے حیض اٹھالیا اور اس کو بچے کا رزق بنادیا [۲]

(۳) ام المومنین حضرت صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اس حاملہ کے بارے میں فرمایا جو خون دیکھے۔ حاملہ کو حیض نہیں آتا۔ یہ غسل کرے اور نماز پڑھے [۳] یہ غسل کا حکم بطور استحباب ہے۔

مخلقہ غیر مخلقہ کی تفسیر یہ ہے کہ استقرار کے بعد چالیس دن تک نطفہ رہتا ہے پھر منجمد خون بن جاتا ہے پھر چالیس دن کے بعد وہ گوشت بنتا ہے جیسیں ابتداءً اعضاء نہیں ہوتے پھر اعضاء کی کلیاں پھوٹتی ہیں پھر اعضاء بنتے۔ پھر چالیس دن یعنی استقرار کے ایکسو بیس دن کے بعد اس میں روح پھونکی جاتی ہے۔

ہر نطفہ بچہ نہیں ہوتا، کچھ ساقط بھی ہوجاتا ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا جب نطفہ رحم میں مستقر ہوجاتا ہے تو اللہ عزوجل ایک فرشتہ اس پر مقرر فرمادیتا ہے۔ یہ فرشتہ پوچھتا ہے۔ اے پروردگار یہ مخلقہ ہے یا غیر مخلقہ۔ اب اگر ارشاد یہ ہوتا ہے کہ غیر مخلقہ تو رحم اس کو باہر پھینک دیتا ہے اور اگر جواب یہ ملتا ہے کہ مخلقہ ہے، تو یہ فرشتہ پھر عرض کرتا ہے یہ مرد ہے یا عورت۔

دوسری حدیث میں انھیں سے یہ ہے کہ نطفہ جب رحم میں مستقر ہوجاتا ہے تو فرشتہ اسے ہتھیلی میں لے کر عرض کرتا ہے یہ مرد ہے کہ عورت اس کا معاملہ کیا ہے کہاں مرے گا تو حکم ہوتا ہے۔ ام الکتاب یعنی لوح محفوظ میں دیکھ لو۔ اس کا قصہ تم کو اس میں ملیگا۔ فرشتہ لوح محفوظ میں جاکر دیکھ لیتا ہے [۳] (اسی کے مطابق اس کی تخلیق کرتا ہے) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مخلقہ کا مطلب یہ ہوا کہ یہ نطفہ پیکر انسانی قبول کریگا اور غیر مخلقہ کا مطلب یہ ہوا کہ یہ پیکر انسانی میں تبدیل نہ ہوگا، ایک مطلب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ نطفے کے رحم میں جو مختلف احوال ہیں ان کو بیان فرمایا ہے۔ کہ نطفہ علقہ ہوا پھر مضغہ ہوا۔ ابتداءً اس کے اعضاء نہیں تھے تو غیر مخلقہ رہا یعنی جس کے نقشے نہیں بنے۔ جب اعضاء بن گئے تو مخلقہ ہوگیا یعنی تمام الخلقت ہوگیا۔ قرآن کریم کے سیاق سے اسی دوسری تفسیر

عہ ایضا جلد اول انبیاء باب خلق آدم وذریتہ ص ۴۶۹
ایضا جلد ثانی ایمان بالقدر دوسری حدیث ص ۹۷۶
مسلم • قدر باب کیفیۃ خلق الادمی فی بطن أمہ ص ۳۳

[۱] عینی جلد ثالث ص ۲۹۲ بحوالہ ابوحفص بن شاہین [۲] ایضا [۳] عینی جلد ثالث ص ۲۹۲ بحوالہ اثر و دار قطنی

حدیث (۲۲۴) حدیث عائشة رضی اللہ تعالی عنہا فی حجة الوداع

عَنْ عَائِشَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهَا قَالَتْ خَرَجْنَا مَعَ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فِی حَجَّةِ الْوَدَاعِ فَمِنَّا مَنْ اَهَلَّ بِعُمْرَةٍ وَّمِنَّا مَنْ اَهَلَّ بِحَجٍّ فَقَدِمْنَا مَكَّةَ، فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَنْ اَحْرَمَ بِعُمْرَةٍ وَلَمْ یُهْدِ فَلْیَحْلِلْ، وَمَنْ اَحْرَمَ بِعُمْرَةٍ وَاَهْدٰی فَلَا یَحِلُّ حَتّٰی یَحِلَّ بِنَحْرِ هَدْیِهٖ۔ وَمَنْ اَهَلَّ بِحَجٍّ فَلْیُتِمَّ حَجَّهٗ قَالَ فَحِضْتُ فَلَمْ اَزَلْ حَائِضًا حَتّٰی كَانَ یَوْمُ عَرَفَةَ وَلَمْ اُهْلِلْ اِلَّا بِعُمْرَةٍ فَاَمَرَنِی النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَنْ اَنْقُضَ رَاْسِیْ

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا نے فرمایا۔ نبی صلے اللہ تعالی علیہ وسلم کے ساتھ ہم حجۃ الوداع میں نکلے ہم میں سے کچھ لوگوں نے عمرے کا احرام باندھا تھا اور کچھ لوگوں نے حج کا ہم مکہ آئے تو رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے فرمایا جس نے عمرے کا احرام باندھا ہوا ور ھدی نہ لایا ہو وہ احرام کھول دے اور جس نے عمرے کا احرام باندھا ہوا اور ھدی لایا ہو وہ احرام نہ کھولے جبتک اپنی ھدی کی قربانی نہ کرلے۔ اور جس نے حج کا احرام باندھا ہو وہ اپنا حج پورا کرے۔ حضرت عائشہ نے کہا مجھے حیض آگیا۔ اور میں حائضہ ہی رہی یہاں تک کہ عرفہ کا دن آگیا اور میں نے عمرے کا احرام باندھا تھا۔ مجھے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ میں اپنا سر کھول ڈالوں

کی تائید ہوتی ہے فرمایا:۔

فانا خلقناکم من تراب ثم من نطفة ثم من علقة ثم من مضغة مخلقة أو غیر مخلقة۔ (حج - ۸)

ہم نے تم کو مٹی سے پیدا کیا۔ پھر پانی کی بوند سے، پھر منجمد خون سے پھر ایک بوٹی گوشت سے جسمیں نقشہ بنا ہوا ہے یا نہیں بنا ہوا ہے۔

تشریحات ۲۲۴
توضیح باب

یہاں باب کا عنوان یہ ہے۔ کیف تهل الحائض بالحج والعمرة حائضہ حج اور عمرے کا احرام کیسے باندھے گی۔

علامہ ابن حجر علامہ عینی وغیرہ نے باب کی توضیح یہ کی کہ حائضہ کو حج اور عمرے کا احرام باندھنا درست ہے۔ خواہ پہلے احرام باندھے ہو پھر حیض آیا خواہ حالت حیض میں احرام باندھے۔ یعنی حیض نہ انعقاد احرام کے منافی ہے نہ بقائے احرام کے۔ مگر کیف یہ بتارہا ہے کہ مقصود یہ ہے کہ احرام کیسے باندھے۔ مثلاً غسل کرے گی کہ نہیں اس لئے کہ حائضہ حالت حیض میں غسل کرنے سے پاک تو ہوگی نہیں۔ حدیث سے یہ ثابت ہوا کہ غسل کرے گی۔ ان انقض راسی وامتشط

وَامْتَشِطْ وَاُهِلَّ بِالْحَجِّ وَاَتْرُكَ الْعُمْرَةَ فَفَعَلْتُ ذٰلِكَ حَتّٰى قَضَيْتُ

اور کنگھا کروں اور حج کا احرام باندھوں اور عمرہ چھوڑ دوں میں نے یہی کیا یہاں تک کہ میں نے

حَجَّتِيْ فَبَعَثَ مَعِيَ عَبْدَ الرَّحْمٰنِ بْنَ اَبِيْ بَكْرٍ فَاَمَرَنِيْ اَنْ اَعْتَمِرَ

حج پورا کر لیا اس کے بعد عبد الرحمٰن بن ابی بکر کو میرے ساتھ کر دیا اور مجھے حکم دیا کہ

مَكَانَ عُمْرَتِيْ مِنَ التَّنْعِيْمِ

اپنے عمرے کی جگہ تنعیم سے عمرہ کروں

(۶۶) وَكُنَّ نِسَاءٌ يَبْعَثْنَ اِلٰى عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهَا

ت حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی خدمت میں عورتیں

غسل سے کنایہ ہے بلکہ بعض طرق میں فاغتسلی کا لفظ صراحۃً مذکور ہے۔ احرام کے وقت جو غسل سنت ہے وہ ادا ہو جائیگا اس وقت غسل کرنا لغو نہ ہوگا۔ اسی روایت میں حتی قضیت حجتی کا جملہ اس کی دلیل ہے کہ لیلۃ الحصبہ سے پہلے پہلے حضرت ام المومنین نے حج پورا ادا کر لیا تھا۔ جس کا لازم نتیجہ یہ ہے کہ انھوں نے حج کا طواف بھی کر لیا تھا اس لئے ثابت کہ انھوں نے دو طواف کئے ایک حج کا دوسرا عمرے کا۔ یہ حدیث اس پر نص ہے کہ حضرت ام المومنین نے میقات پر صرف عمرے کا احرام باندھا تھا جیسا کہ وہ فرماتی ہیں ولم اہلل الا بعمرۃ۔ میں نے عمرے ہی کا احرام باندھا تھا اور آگے ہے کہ مجھے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حکم دیا۔ واترك العمرة۔ میں عمرہ چھوڑ دوں۔

تشریحات ۶۶، ۶۷ لغات

بالدِّرجة ۔ دِرجۃ ۔ دال کے کسرے اور رار کے فتحہ کے ساتھ۔ اور دُرْجۃ ۔ دال کے ضمے اور رار کے سکون کے ساتھ۔ اس کپڑے کو بھی کہتے ہیں جس میں دوا لت کرکے بیماری میں اونٹنی کی شرمگاہ میں رکھتے ہیں۔ اور چھوٹی ٹوکری کو بھی کہتے ہیں جسمیں عورتیں خوشبو وغیرہ رکھتی ہیں۔ یعنی ڈبیا، اگرچہ وہ دھات وغیرہ کی نہ ہو۔ کُرْسُفْ کے اصل معنی روئی کے ہیں۔ یہاں خاص وہ روئی ٹکڑے جو ایام حیض میں عورتیں خاص طریقے سے استعمال کرتی ہیں۔ القصہ۔ کے معنی چونے کے بھی ہیں اور روئی کے بھی۔ پہلی تقدیر پر معنی وہ ہوئے جو ہمنے لکھے ہیں یعنی چونے کے مثل سپیدی دیکھے، دوسری تقدیر پر معنی یہ ہوئے کہ روئی کو سفید دیکھے۔ اس کا دو مطلب ہو سکتا ہے۔ ایک یہ کہ روئی پر کوئی رنگ نہ دیکھے، دوسرے یہ کہ روئی سوکھی پائے۔ اس لئے کہ سفید رطوبت سے بھی بھیگنے کے بعد روئی پر دھبے پڑ جاتے ہیں۔ یہ حدیث احناف کی مستدل ہے۔ کہ ایام حیض میں جس رنگ کا بھی خون آئے وہ حیض ہے۔ سرخ، کالا، زرد، مٹیلا گدلا سبز۔ کسی بھی رنگ کا خون دس دن کے اندر اندر آئے تو حیض ہے۔ دس دن کے بعد بھی اگر رطوبت کا میلا پن باقی ہے تو جو عادت کے دن ہیں حیض ہے۔ اس کے بعد والے استحاضہ۔ حضرت صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا یہ ارشاد حکماً مرفوع ہے اس لئے کہ یہ معاملہ ایسا ہے کہ عقل سے نہیں معلوم کیا جا سکتا، صحابہ کرام کے ایسے سارے ارشادات مرفوع کے حکم میں ہیں، اس کے برخلاف حضرات شوافع کہتے ہیں کہ حیض کا خون صرف کالا ہے، ان کے علاوہ دوسرے رنگ کی

بِالدُّرجَةِ فِيهَا الكُرسُفُ فِيهِ الصُّفرَةُ ۔ فَتَقُولُ لَا تَعجَلنَ حَتّٰى تَرَينَ

ڈبیہ میں کرسف رکھکر کے بھیجتیں جسمیں زردی ہوتی ۔ اس پر ام المومنین فرماتیں جلدی نہ کرو

القَصَّةَ البَيضَاءَ تُرِيدُ بِذَالِكَ الطُّهرَ مِنَ الحَيضَةِ عہ

جبتک چونے کی طرح سفیدی نہ دیکھ لو ۔ اس سے ان کی مراد حیض سے پاکی ہے ۔

٦٧ ت

وَبَلَغَ بِنتَ زَيدِ بنِ ثَابِتٍ رَضِيَ اللهُ تَعَالٰى عَنهُمَا اَنَّ نِسَاءً

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی صاحبزادی کو یہ خبر ملی کہ عورتیں

يَدعُونَ بِالمَصَابِيحِ مِن جَوفِ اللَّيلِ يَنظُرنَ اِلَى الطُّهرِ فَقَالَت

رات میں چراغ منگا کر پاکی کو دیکھتی ہیں اس پر انھوں نے فرمایا

مَا كَانَ النِّسَاءُ يَصنَعنَ هٰذَا وَعَابَت عَلَيهِنَّ عہ

عورتیں ایسا نہیں کرتی تھیں ۔ اس کو انھوں نے معیوب جانا ۔

رطوبت حیض نہیں ان کی دلیل ابوداؤد کی یہ حدیث [۱] ہے۔

فانہ دم اسود یعرف ۔ حیض کا خون کالا ہے جو پہچانا جاتا ہے۔ حیض کا خون ہر عورت کا ہمیشہ کالا ہی ہو یہ واقعہ کے مطابق نہیں۔ جو عورت تندرست، معتدل مزاج کی ہو اور معتدل غذا استعمال کرے اس کے حیض کا خون سرخ ہوگا، جس کے مزاج میں حدت ہوگی گرم غذائیں کھائے گی یا موسم یا جگہ گرم ہوگی تو کالا ہو سکتا ہے۔ اسی طرح غذا، عوارض، موسم کے لحاظ سے اور رنگ بھی ہو سکتا ہے۔ یہ ارشاد خاص حضرت فاطمہ بنت جبیش کے لئے تھا، یا زیادہ سے زیادہ وہاں کی عورتوں کے بارے میں، ورنہ اس کے معارض حضرت ام عطیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی حدیث ہے۔ وہ فرماتی ہیں کہ ہم طہر کے بعد گدلی اور پیلی رطوبت کو کچھ نہیں جانتی تھیں [۲] اس سے ظاہر کہ طہر کے قبل یعنی عادت کے دنوں میں اسے وہ حیض جانتی تھیں۔

بنت زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے ان کی کونسی صاحبزادی مراد ہیں اس میں شراح کا اختلاف ہے۔ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کے آٹھ صاحبزادیاں تھیں۔ ام اسحٰق، ام کلثوم، ام حسن، ام محمد، ام سعد حسنہ، قریبہ، عمرہ۔ صاحب توضیح نے کہا قرین قیاس یہ ہے کہ یہ ام سعد ہیں۔ اسی طرح بعض شارحین کا یہ گمان ہے کہ یہ ام سعد ہی ہیں انھیں بھی علامہ ابن عبد البر نے صحابیات میں شمار کیا ہے۔ بعض دوسرے شارحین نے کہا یہ ام کلثوم ہیں۔ اس لئے کہ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی صاحبزادیوں میں ام کلثوم کے علاوہ کسی اور کی روایت ثابت نہیں۔ علامہ عینی کے کلام سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ دونوں

عہ موطا امام مالک ۔ باب طھر الحائض ص ۲۲ ۔ عہ ایضا

[۱] جلد اول طہارت باب من قال توضا لکل صلوۃ ص ۴۳

[۲] ابوداؤد جلد اول طہارت باب فی المراۃ تری الکدرۃ والصفرۃ بعد الطھر ص ۳۳

۶۸ وَقَالَ جَابِرٌ وَّاَبُوْسَعِیْدٍ رَّضِیَ اللّٰہُ عَنْھُمَا عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ۔ تَدَعُ الصَّلٰوۃَ۔

ت حضرت جابر اور حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہما نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہوئے کہا کہ حضور نے فرمایا حائضہ نماز چھوڑ دے گی۔

پلے برابر ہیں۔ ام کلثوم کی روایت ثابت ہے اگرچہ اس مخصوص روایت کا ان سے ثبوت نہیں۔ مگر جب یہ صحابیہ ہیں تو اس کا امکان ہے کہ یہ انھیں کا واقعہ ہو۔ اسی طرح ام سعد جب صحابیہ ہیں تو اس کا امکان ہے کہ انھیں کا قصہ ہو۔
رات میں اٹھکر روشنی میں کرسف دیکھنے کا مقصد یہ تھا کہ اگر حیض بند ہوگیا ہے تو غسل کرکے عشا پڑھ لیں۔ اور یہ ایک مستحسن اقدام تھا۔ پھر ان کے اس فعل کو معیوب جاننے کی وجہ کیا ہو سکتی ہے؟ بات یہ ہے کہ دین میں تعمق پسندیدہ نہیں۔ جیسا کہ گزر چکا۔ لن یشاد الدین احد الا غلبہ۔ عورتیں اس کی مکلف ہیں کہ صبح کو اٹھنے کے بعد اگر یہ دیکھیں کہ حیض بند ہوگیا ہے تو عشاء کی قضا پڑھ لیں ان پر کوئی گناہ نہیں۔ رات کو سوتے سے اٹھا اٹھکر چراغ منگا کر دیکھنے میں حرج ہے اس لئے اس کو انھوں نے معیوب جانا۔ علاوہ اس کے ایک خاص بات یہ بھی ہے کہ چراغ کی روشنی میں دیکھکر یہ فیصلہ کرنا کہ کرسف پر خالص سپیدی ہے یا کچھ گدلا پن ہے دشوار ہے۔ اس کا خطرہ تھا کہ کہیں وہ یہ سمجھ لیں کہ ہم پاک ہوگئیں اور نماز پڑھ لیں، اور حقیقت میں پاک نہ ہوئی ہوں تو یہ نماز حیض کی حالت میں ہوگی جو یقیناً قابل اعتراض بات ہے۔

باب سے مطابقت اس طرح ہے کہ یہ عورتیں یہی نہ دیکھتیں تھیں کہ اگر کرسف بالکل سپید ہے تو حیض ختم اور اگر اسمیں کچھ گدلا پن ہے تو حیض باقی تو معلوم ہوا کہ عہد صحابہ میں یہ بات عام عورتوں کو معلوم تھی کہ نکلنے والی رطوبت جبتک خالص سفید نہ ہو حیض ختم نہ ہوا۔

تشریحات ۶۸ بلفظہ اس اثر کی کوئی سند نہیں ملی۔ مگر اس کا امکان ہے کہ امام بخاری کے علم میں کوئی سند رہی ہو۔ عدم وجدان۔ وجدان عدم نہیں البتہ معنًا یہ دونوں اثر دو حدیث مسند کے حصے ہیں۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے خود امام بخاری نے "کتاب التمنی" میں حضرت ام المومنین عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے حجۃ الوداع کا واقعہ ذکر فرمایا، اسمیں یہ ہے کہ جب انھیں حیض آگیا تو حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا۔ غیر انھا لا تطوف ولا تصلی[۱] حج کے تمام مناسک ادا کرے البتہ نہ طواف کرے نہ نماز پڑھے۔
حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اثر اسی بخاری باب ترک الحائض الصوم میں ان الفاظ کے ساتھ گزر چکا کہ فرمایا۔ الیس اذا حاضت لم تصل ولم تصم[۲] کہ جب اسے حیض آتا ہے تو نماز پڑھتی ہے نہ روزہ رکھتی ہے۔

---

[۱] بخاری جلد ثانی تمنی باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم لو استقبلت من امری ما استدبرت ص ۱۰۷۴

[۲] ایضا " اول باب ترک الحائض الصوم ص ۴۴

حدیث ۲۲۵

کنا نحیض فلا یامرنا القضاء الصلوۃ حدثنی

مُعَاذَۃُ اَنَّ اِمْرَاۃً قَالَتْ لِعَائِشَۃَ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْھَا اَتَجْزِی

معاذہ نے حدیث بیان کی کہ ایک عورت نے حضرت عائشہ سے پوچھا کیا ہم

باب سے مطابقت

اس جگہ باب یہ ہے۔ لاتقضی الحائض الصلوٰۃ۔ حائضہ نماز کی قضا نہیں کرے گی۔
ان دونوں اثر سے یہ تو ثابت ہوا کہ اس حالت میں نماز پڑھے گی نہیں۔ مگر قضا بھی نہیں کرے گی۔ یہ ثابت نہیں ہو رہا ہے اس لئے کہ ان دونوں اثر کے اصل الفاظ یہ ہیں۔ نماز نہ پڑھے، نماز نہیں پڑھتی۔ نماز نہ پڑھے اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ بعد میں قضا بھی نہ کرے، اور اگر کسی طرح لازم آتا ہے تو حضرت ابو سعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث میں یہ بھی ہے کہ روزہ نہیں رکھتی تو لازم آئیگا کہ روزہ کی بھی قضا نہیں۔ اب اس سے تقضی کی دو صورت ہے ایک یہ کہ حائضہ نماز قضا نہیں پڑھیگی۔ کا دو جز ہے۔ ایک یہ کہ اس حالت میں نماز نہ پڑھے دوسرا یہ کہ بعد میں اس کی قضا بھی نہیں۔ ان دونوں اثر سے صرف پہلا جزر ثابت ہوا۔ دوسرا جز اس باب میں مذکور حدیث سے ثابت ہے۔

دوسرے یہ کہ یہ شارحین کا قیاس ہے کہ امام بخاری کے ان دونوں اثر سے مراد مذکورہ بالا احادیث ہیں۔ ورنہ امام بخاری نے جو یہاں لفظ ذکر فرمائے ہیں وہ یہ ہے۔ تدع الصلوٰۃ۔ حائضہ نماز چھوڑ دے گی۔ چھوڑنا اسی صورت میں صادق آئے گا کہ نہ اس وقت پڑھیگی نہ بعد میں قضا پڑھے گی۔

تشریحات (۲۲۵)
معاذہ بنت عبداللہ

عَدَوِیَّہ بڑی عابدہ زاہدہ شب زندہ دار، عالمہ، فاضلہ، حجت ثقہ تابعیہ خاتون تھیں۔ حضرت علی اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کرتی ہیں ان سے ایک جماعت نے روایت کیا ہے ۸۳ھ میں وصال ہوا۔

حروریہ

حروراء کوفہ کے قریب ایک بستی تھی۔ خوارج کا پہلا اجتماع یہیں ہوا تھا۔ اس لئے اس بستی کی طرف نسبت کرکے خارجیوں کو، حروری، کہا جاتا ہے۔ خوارج یہ ایک باطل فرقہ ہے جو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد میں پیدا ہوا ان کے حدوث کا سبب یہ ہوا۔ کہ جب واقعہ صفین کے موقع پر حضرت علی نے اپنی مرضی کے خلاف اپنے ہی شیعوں کے دباؤ سے خلافت کے معاملے میں حکم بنانا قبول فرمالیا۔ تو یہ کہکر حضرت علی سے باغی ہو گئے کہ قرآن مجید میں ہے اِنِ الْحُکْمُ اِلَّا لِلّٰہِ اور تم نے غیر اللہ کو حکم مان لیا۔ جب حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ صفین سے کوفہ واپس ہوئے تو بارہ ہزار خوارج ان سے الگ ہوکر "حروراء" میں جمع ہوئے، حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کی افہام تفہیم کے لئے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو بھیجا انھوں نے ان کے شبہات کے تسلی بخش جوابات دئے جس پر بروایتے دو ہزار بروایتے چار ہزار کے سمجھ میں بات آگئی اور وہ حضرت علی کی اطاعت میں آگئے ــــ دومۃ الجندل کے واقعے کے بعد یہ بدبخت نھروان میں اکٹھے ہوئے، اور طرح طرح کے مظالم کرنے لگے۔ حتی کہ حضرت عبداللہ بن خبیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان کی اہلیہ کو انتہائی بے دردی کے ساتھ ذبح کر ڈالا۔

إِحْدَانَا صَلَاتَهَا إِذَا طَهُرَتْ ۔ فَقَالَتْ أَحَرُورِيَّةٌ أَنْتِ قَدْ كُنَّا	
جب حیض سے پاک ہوں تو نماز کی قضا کریں ۔ فرمایا کیا تو حروریہ ہے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم	
نَحِيضُ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَا يَأْمُرُنَا بِهِ أَوْ قَالَتْ	
کے زمانے میں ہمیں حیض آتا تو حضور ہمیں اس (قضا پڑھنے) کا حکم نہیں دیتے یا یہ فرمایا	

انکی اہلیہ حاملہ تھیں مگر اُن پر بھی ان ستمگروں کو ترس نہیں آیا، انھیں ذبح کرنے کے بعد ان کے شکم کو چاک کر دیا۔ تو حضرت علی ان سے فیصلہ کن جنگ کرنے کے لئے نھروان تشریف لے گئے۔ پہلے افہام وتفہیم کی کوشش فرمائی۔ اجلہ صحابہ کرام مثلاً قیس بن سعد بن عبادہ حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہما نے اور خود حضرت علی رضی اللہ عنہ نے انھیں پوری طرح سمجھانے کی کوشش کی انکی غلط فہمیاں دور کیں جس پر سب تقریباً راہ راست پر آگئے، تھوڑے سے اپنی ضد پر اڑے رہے۔ ان سے قتال فرمایا یہاں تک کہ سب مارے گئے۔ قتال سے فارغ ہو کر فرمایا ذوالثدیہ کو تلاش کرو، اگر وہ مل گیا تو تم نے بدترین خلق کو قتل کیا ہے۔ لوگوں نے بہت تلاش کیا مگر وہ نہیں ملا تو خود چند اصحاب کو لے کر تلاش میں نکلے تو ملا۔ اس کا ایک ہاتھ عورت کے پستان کے مثل تھا۔ اسے دیکھتے ہی حضرت علی نے فرمایا صدق اللہ و بلغ رسول اللہ اور بہت دیر تک سجدہ شکر ادا کرتے رہے اسی موقع پر حرقوص بن زہیر تمیمی جو ذوالخویصرہ کے ساتھ مشہور تھا مارا گیا تھا۔ جس نے مقام جِعِرّانہ میں تقسیم غنائم کے وقت حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی شان اقدس میں گستاخی کی تھی اور بہت بے باکی کے ساتھ کہا تھا۔ اعدل یا محمد اے محمد انصاف کر۔

مگر بہت افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ آج علماء دیوبند اس ذوالخویصرہ کو صحابی کہتے ہیں۔

خوارج حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما پر تبرا کرتے ہیں۔ دین کے معاملہ میں بہت متشدد تھے۔ حتی کہ یہ کہتے تھے کہ حالت حیض میں جو نمازیں چھوٹ گئی ہیں عورتوں پر اس کی قضا واجب ہے [۱]

حروراء کی نسبت میں قاعدے کے اعتبار سے حروراوی ہونا چاہئے لیکن زوائد کو حذف کر کے حروری مستعمل ہے۔

سائلہ کون تھیں بخاری کی اس روایت میں سائلہ کا نام نہیں۔ مگر حقیقت میں سوال کرنے والی "معاذہ" ہی تھیں جیسا کہ مسلم میں دوسرے طرق کی روایات میں اس کی تصریح ہے۔ مسلم میں یہ بھی ہے کہ جواب میں معاذہ نے عرض کیا میں حروریہ نہیں ہوں لیکن میں پوچھتی ہوں۔

شک راوی فلا یامرنا بہ او قالت فلا نفعلہ۔ کرمانی نے کہا کہ ظاہر یہ ہے کہ یہ شک معاذہ کی طرف سے ہے علامہ ابن حجر نے فرمایا کہ فلا یامرنا بہ، اس بات میں قطعی نہیں کہ ان نمازوں کی قضا نہیں اس لئے کہ یہاں یہ بھی احتمال ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم قضا کا حکم نہیں دیتے تھے۔ اس بنا پر کہ چھوٹی ہوئی نمازوں کی قضا پڑھنے کا حکم عام ہے۔ جو ان نمازوں کو بھی شامل ہے۔ اسی پر اکتفا کرتے ہوئے حکم نہیں فرماتے تھے۔ اقول یہ احتمال سیاق کے منافی ہونے کی وجہ سے ساقط ہے۔ اس لئے دونوں جملوں سے یکساں طور پر ثابت ہوتا ہے کہ حالت حیض میں چھوٹی ہوئی نمازوں کی قضا نہیں

---

[۱] عینی جلد ثالث ص ۳۰۱

فلا نفعلہ ع۵

ہم بالقضا نہیں کرتی تھیں ۔

حدیث (۲۲۶) حضت وانا مع النبی صلی اللہ تعالی علیہ وسلم فی الخمیلۃ

عَنْ زَيْنَبَ بِنْتِ اَبِىْ سَلَمَةَ حَدَّثَتْهُ اَنَّ اُمَّ سَلَمَةَ رَضِىَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهَا

ام المومنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالی عنہا نے فرمایا

قَالَتْ حِضْتُ وَاَنَا مَعَ النَّبِىِّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِى الْخَمِيْلَةِ

مجھے حیض آگیا اور میں نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ چادر میں (سوئی ہوئی تھی)

فَانْسَلَلْتُ فَخَرَجْتُ مِنْهَا فَاَخَذْتُ ثِيَابَ حَيْضَتِىْ فَلَبِسْتُهَا فَقَالَ

میں چپکے سے سرکی اور چادر سے نکلی اور میں نے حیض کا کپڑا لے کر پہن لیا تو رسول اللہ صلی اللہ

غالباً علامہ نے بھی "اوضح" سے اسی کی طرف اشارہ فرمایا۔

مسائل (۱) کسی فرقے کو اس جگہ کی طرف منسوب کرنا درست ہے جہاں سے وہ پیدا ہوا ہو (۲) اس پر امت کا اجماع ہے کہ حائضہ پر حیض کے ایام کی نمازوں کی قضا نہیں۔ سوائے خوارج کے اس کا کسی نے خلاف نہیں کیا ہے۔ البتہ ان ایام کے روزوں کی قضا ہے۔ اصل دلیل احادیث ہیں مگر اس میں لم یہ ہے کہ نماز روزانہ پانچ وقت کی فرض ہے۔ ان ایام کی نمازوں کی قضا کے حکم میں عورت پر حرج عظیم ہے، بخلاف روزے کے کہ وہ سال میں ایک مہینے کا فرض ہے پورے سال میں زیادہ سے زیادہ دس روزے رکھنے پڑیں گے اس میں کوئی دقت نہیں (۳) التزاماً ثابت ہوا کہ گمراہ فرقوں کا اختلاف اجماع میں حارج نہیں (۴) حائضہ کے لئے مستحب ہے کہ ہر نماز کے وقت وضو کرکے اتنی دیر جتنی دیر وہ نماز پڑھتی تھی مصلے پر بیٹھکر تسبیح و تہلیل کرلیا کرے تاکہ عادت نہ چھوٹے[۱] امید ہے کہ اسے سب سے اچھی نماز کا ثواب ملے گا[۲]

تشریح (۲۲۶) یہ ایک حدیث تین باتوں پر مشتمل ہے۔ پہلے اور تیسرے حصہ پر کلام ہو چکا ہے صرف بیچ کے حصہ پر کلام باقی ہے وہ کتاب الصوم میں مفصل آئیگا۔

ع۵ مسلم جلد اول	حیض	باب وجوب قضاء الصوم علی الحائض دون الصلوٰۃ	ص ۱۵۳
ابوداؤد	"	طہارت	باب فی الحائض لا تقضی الصلوٰۃ	ص ۳۵
ترمذی	"	"	باب ماجاء فی الحائض انہا لا تقضی الصلوٰۃ	ص ۱۹
نسائی	"	حیض	باب سقوط الصلوٰۃ عن الحائض	ص ۶۸
ابن ماجہ		طہارت	باب الحائض لا تقضی الصلوٰۃ	ص ۴۶

ل۵ عینی جلد ثالث ص ۳۰۱ بحوالہ منیۃ المفتی ۲۵ ایضاً بحوالہ درایہ

لِی رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَنُفِسْتِ قُلْتُ نَعَمْ

علیہ وسلم نے فرمایا کیا تجھے حیض آگیا ہے میں نے عرض کیا جی ہاں

فَدَعَانِی وَاَدْخَلَنِی مَعَہٗ فِی الْخَمِیْلَۃِ قَالَتْ وَحَدَّثَتْنِی اَنَّ النَّبِیَّ

پھر مجھے بلایا اور اپنے ساتھ چادر میں کرلیا۔ زینب نے کہا اور انھوں (ام سلمہ) نے یہ

صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَانَ یُقَبِّلُھَا وَھُوَ صَائِمٌ وَکُنْتُ اَغْتَسِلُ

حدیث بیان کی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم روزے سے ہوتے اور ان کا بوسہ لیتے اور میں اور

اَنَا وَالنَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مِنْ اِنَاءٍ وَّاحِدٍ مِّنَ الْجَنَابَۃِ۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک ہی برتن سے غسل جنابت کرتے۔

حدیث (۲۲۷) ولیشھدن الخیر ودعوۃ المسلمین

عَنْ حَفْصَۃَ قَالَتْ کُنَّا نَمْنَعُ عَوَاتِقَنَا اَنْ یَّخْرُجْنَ فِی الْعِیْدَیْنِ

حفصہ (بنت سیرین) نے کہا ہم نوجوان غیر شادی شدہ عورتوں کو عیدگاہ جانے سے منع کرتی تھیں

فَقَدِمَتْ اِمْرَاَۃٌ۔ فَنَزَلَتْ قَصْرَ بَنِیْ خَلَفٍ فَحَدَّثَتْ عَنْ اُخْتِھَا

اتفاقاً ایک عورت آئی اور قصر بنی خلف میں اتری اس نے اپنی بہن سے روایت کرتے ہوئے

وَکَانَ زَوْجُ اُخْتِھَا غَزَا مَعَ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ ثِنْتَی

یہ حدیث بیان کی کہ میرے بہنوئی نے نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بارہ

عَشْرَۃَ غَزْوَۃً وَکَانَتْ اُخْتِی مَعَہٗ فِی سِتٍّ، قَالَتْ فَکُنَّا نُدَاوِی

غزوہ کئے اور میری بہن اُن کے ساتھ چھ میں شریک رہی میری بہن نے کہا ہم زخمیوں کا علاج

الْکَلْمٰی وَنَقُوْمُ عَلَی الْمَرْضٰی، فَسَاَلَتْ اُخْتِی النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی

کرتی تھیں اور بیماروں کی تیمارداری کرتی تھیں میری بہن نے نبی صلے اللہ علیہ وسلم سے پوچھا

تشریحات (۲۲۷)

لغات

عواتق، عاتق کی جمع ہے۔ عاتق اس نوعمر لڑکی کو کہتے ہیں جو بالغ ہو چکی ہو مگر ابھی اس کی شادی نہ ہوئی ہو کلمی، یہ کلیم کی جمع ہے جیسے مریض کی مرضی، زخمی کے معنی میں ہے۔ جلباب وہ چادر جو کپڑوں کے اوپر سے عورتیں اوڑھتی ہیں جس سے سر اور سینہ ڈھکا رہے۔ نقاب۔ کرتا۔ یہاں پہلا معنی مراد ہے۔ الخدور، یہ خدر کی جمع ہے، خدر اس پردے کو کہتے ہیں جو گھر اور خیمے میں ایک کنارے تان دیا جاتا تھا تاکہ کنواری لڑکیاں اسمیں رہیں۔ یہاں مراد کنواری پردہ نشین عورتیں ہیں۔

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَعَلَى إِحْدَانَا بَأْسٌ إِذَا لَمْ يَكُنْ لَهَا جِلْبَابٌ أَنْ لَا تَخْرُجَ قَالَ

ہم میں سے کسی کے پاس چادر نہ ہو (اور عیدین) میں نہ نکلے تو کوئی حرج ہے فرمایا

لِتُلْبِسْهَا صَاحِبَتُهَا مِنْ جِلْبَابِهَا وَلْتَشْهَدِ الْخَيْرَ وَدَعْوَةَ الْمُؤْمِنِينَ، فَلَمَّا

اس کی ساتھی اپنی چادر میں سے اسے اڑھا دے۔ اور خیر اور مومنوں کی دعا میں حاضر ہوں۔ جب

قَدِمَتْ أُمُّ عَطِيَّةَ سَأَلْتُهَا أَسَمِعْتِ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَتْ

ام عطیہ آئیں تو میں نے ان سے پوچھا کیا آپ نے نبی صلے اللہ علیہ وسلم سے کچھ سنا ہے انھوں نے

بِأَبِي نَعَمْ وَكَانَتْ لَا تَذْكُرُهُ إِلَّا قَالَتْ بِأَبِي سَمِعْتُهُ يَقُولُ تَخْرُجُ الْعَوَاتِقُ

فرمایا ان پر میرے ماں باپ قربان ہاں! یہ جب بھی حضور کا ذکر کرتیں تو کہتیں ان پر میرے ماں باپ قربان میں نے سنا ہے وہ

وَذَوَاتُ الْخُدُورِ وَالْحُيَّضُ وَلْيَشْهَدْنَ الْخَيْرَ وَدَعْوَةَ الْمُؤْمِنِينَ وَتَعْتَزِلُ

فرماتے تھے نوجوان غیر شادی شدہ اور پردہ نشین اور حیض والی بھی نکلیں۔ خیر اور مسلمانوں کی دعا میں حاضر ہوں ——

یہ حفصہ، حضرت ابن سیرین کی بہن ہیں، ان کی کنیت ام الہذیل ہے۔ قصر بني خلف۔ یہ بصرہ میں ہے جو طلحۃ الطلحات طلحہ بن عبد اللہ بن خلف خزاعی کے دادا، خلف کی طرف منسوب ہے یہ بیوی جنھوں نے قصر بنی خلف میں اپنی بہن کی روایت سے یہ حدیث بیان کی حضرت ام عطیہ کی بہن تھیں۔

مسائل اس حدیث سے یہ مسائل متخرج ہوئے (۱) حائضہ، نفساء اور انھیں کی طرح جنب ذکر و اذکار، اور اد و وظائف نہیں چھوڑے گا (۲) عیدین کی نماز کے بعد پنجگانہ نمازوں کی طرح دعا مانگنا مسنون ہے۔ فرمایا ولیشھدن الخیر ودعوۃ المسلمین۔ خیر اور مسلمانوں کی دعا میں حاضر ہوں۔ عطف میں اصل تغایر ہے۔ خیر سے یہاں مراد نماز عیدین ہے، اور دعوۃ المسلمین سے دعا، اب اگر یہ مان لیا جائے کہ عیدین میں دعا نہیں تھی تو دعوۃ المسلمین کا کیا مفاد ہوگا۔ علامہ عینی لکھتے ہیں :۔

ولیکن ممن یدعوا و یومن رجاء برکۃ المشھد الکریم [۱] یہ عورتیں بھی دعا کریں یا دعا پر آمین کہیں۔ اس مبارک مجمع کی برکت کے حصول کی امید پر۔

(۳) عورتیں مردوں کا علاج کر سکتی ہیں اگرچہ وہ غیر محرم ہوں اگرچہ انھیں ہاتھ لگانا پڑے حتی کہ مرہم پٹی بھی کر سکتی ہیں۔ مگر یہ شرط ضرور ہے کہ کوئی مرد یا محرم عورت معالج نہ مل سکے تو (۴) حائضہ وغیرہ کسی مسجد میں نہیں جا سکتیں (۵) انھیں نماز پڑھنے کی اجازت نہیں (۶) منیٰ، عرفات، مزدلفہ جا سکتی ہیں۔

[۱] عینی جلد ثالث ص ۳۰۵

اَلْحُيَّضُ الْمُصَلَّى، قَالَتْ حَفْصَةُ فَقُلْتُ اَلْحُيَّضُ فَقَالَتْ اَلَيْسَتْ تَشْهَدُ

حیض والیاں مصلے سے الگ رہیں، حفصہ نے کہا، اس پر میں نے کہا کیا حیض والیاں بھی۔ فرمایا

عَرَفَةَ وَكَذَا وَكَذَا ٭ ۵

کیا وہ عرفہ اور فلاں فلاں جگہ نہیں حاضر ہوتیں۔

ت (۶۹) (۷۰) (۷۱) (۷۲) (۷۳)

وَيُذْكَرُ عَنْ عَلِيٍّ وَّشُرَيْحٍ، اِنْ جَاءَتْ بِبَيِّنَةٍ مِنْ بِطَانَةِ اَهْلِهَا مِمَّنْ

حضرت علی اور قاضی شریح سے منقول ہے کہ اگر عورت اپنے گھر کے مخصوص افراد میں سے کسی کو گواہ لائے

يُرْضَى دِيْنُهٗ اَنَّهَا حَاضَتْ ثَلٰثًا فِيْ شَهْرٍ صُدِّقَتْ عه وَقَالَ عَطَاءٌ اَقْرَاؤُهَا

جس کے دین کو پسند کیا جاتا ہو (یعنی دیندار) کہ اسے ایک مہینے میں تین حیض آگیا تو اسکی بات مان لیجائیگی اور امام

مَا كَانَتْ عه وَبِهٖ قَالَ اِبْرَاهِيْمُ سه وَقَالَ عَطَاءٌ، اَلْحَيْضُ يَوْمٌ اِلٰى خَمْسَةَ

عطا نے کہا (عدت کے ایام ہیں) اسکے حیض کے دن وہی ہیں جو (عدت) سے پہلے تھے۔ یہی ابراہیم نے بھی کہا۔

تشریحات (۶۹) (۷۰) (۷۱) (۷۲) (۷۳)

قاضی شریح یمن میں جو فارسی النسل آباد ہو گئے تھے انھیں کی نسل سے تھے عہد نبوت انکو ملا مگر حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے شرف ملاقات حاصل نہیں۔ ایمان کب لائے معلوم نہیں۔ ائمہ تابعین کے صف اوّل میں سے ہیں۔

٭۵ بخاری	جلد اول	عیدین	باب خروج النساء والحیض المصلی	ص ۱۳۳
ایضا	ایضا	ایضا	باب اذا لم یکن لہا جلباب فی العید	ص ۱۳۴
ایضا	″	″	باب اعتزال الحیض المصلی	ص ۱۳۴
″	″	المناسک	باب تقضی الحائض المناسک کلھا الا الطواف	ص ۱۲۴
مسلم	″	عیدین	فصل فی اخراج العواتق و ذوات الخدور والحیض المصلی	ص ۱–۲۹۰
ابوداؤد	″	صلوٰۃ	باب خروج النساء فی العید	ص ۱۶۱
ترمذی	″	عیدین	باب فی خروج النساء فی العیدین	ص ۷۰
نسائی	″	″	باب خروج العواتق وذوات الخدور فی العیدین	ص ۲۳۱
″	″	″	باب اعتزال الحیض مصلی الناس	ص ۲۳۲
ابن ماجہ		عیدین	باب ماجاء فی خروج النساء فی العیدین	ص ۹۳

عه دارمی ابن حزم عه عبدالرزاق سه عبدالرزاق

عَشَرَ عہ وَقَالَ مُعْتَمِرُ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ سَأَلْتُ ابْنَ سِيْرِيْنَ عَنِ الْمَرْأَةِ

اور عطاء نے کہا حیض ایکدن سے پندرہ دن تک ہے ۔ معتمر اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ انکے باپ نے ابن سیرین سے اس عورت کے بارے میں

تَرَى الدَّمَ بَعْدَ قُرْءِهَا بِخَمْسَةِ اَيَّامٍ قَالَ النِّسَاءُ اَعْلَمُ بِذَالِكَ عہ

پوچھا جو حیض آنے کے پانچ دن بعد پھر خون دیکھے تو انھوں نے فرمایا عورتیں اسے اچھی طرح جانتی ہیں ۔

عابد، زاہد، عالم، فاضل، شاعر سبھی خوبیاں ان میں جمع تھیں۔ عرب ہی نہیں دنیا کے عظیم قاضیوں میں سے ہیں۔ حضرت فاروق اعظم نے انھیں کوفے کا قاضی بنایا تھا۔ اس زمانے سے لے کر حجاج کے عہد تک مسلسل کوفے کے قاضی رہے درمیان میں صرف تین سال حضرت عبد اللہ بن زبیر کے عہد خلافت میں اس عہدے سے الگ رہے۔

بدایہ نھایہ میں ہے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے انھیں معزول کر دیا تھا پھر حضرت معاویہ نے انھیں اپنے عہد حکومت میں کوفے ہی کا قاضی بنایا۔ حجاج کے زمانے میں استعفاء دے کر علیحدہ ہو گئے درمیانی تین سال چھوڑ کر بہتر سال اس عہدے پر رہے ۹۸ھ میں یا اس سے کچھ پہلے ایک سو بیس سال کی عمر پاکر وصال فرمایا۔ ان کا وصال کب ہوا اس میں کثیر اختلاف ہے علامہ عینی نے وہی لکھا ہے جو ابھی ہم نے ذکر کیا۔

تفویض قضا کا قصہ یہ ہے کہ حضرت فاروق اعظم نے ایک شخص سے ایک گھوڑا خریدا اس سے پوچھکر اس کو جانچنے کے لئے اس پر سوار ہوئے۔ کچھ دور جاکر گھوڑا مر گیا، حضرت فاروق اعظم نے گھوڑے کے مالک سے کہا اپنا گھوڑا لے اس نے لینے سے انکار کر دیا۔ حضرت فاروق اعظم نے فرمایا، چلو ہم دونوں کسی کو حکم مان لیں۔ اس نے انھیں قاضی شریح کا نام لیا حضرت فاروق اعظم نے تسلیم کر لیا۔ قاضی شریح نے طرفین کا بیان سُنکر حضرت فاروق اعظم سے فرمایا، امیر المومنین یا تو جیسا اس کا گھوڑا تھا یعنی زندہ ویسے ہی واپس کیجئے یا پھر اس کی قیمت دیجئے۔ فاروق اعظم نے یہ فیصلہ سُنکر فرمایا۔ فیصلہ یہ ہے کوفے جاؤ میں نے تم کو وہاں کا قاضی بنایا۔ قدرت نے ایسا ملکہ دیا تھا کہ چہرہ دیکھکر پہچان لیتے کہ حق کس کے ساتھ ہے۔

ایک بار ایک عورت روتی ہوئی آئی، اس حال میں اپنا دعویٰ پیش کیا کہ آنسوؤں کے تار بندھے ہوئے تھے۔ دیکھنے والے نے کہا یہ مظلوم معلوم ہوتی ہے۔ قاضی صاحب نے فرمایا یہ ضروری نہیں۔ حضرت یوسف کے بھائیوں کے بارے میں قرآن مجید میں ہے وَجَاءُوا اَبَاهُمْ عِشَاءً يَّبْكُوْنَ اپنے باپ کے پاس عشار کے وقت روتے ہوئے آئے۔ آخر کار فیصلہ اس عورت کے خلاف ہوا۔

بہت دلچسپ باتیں کرتے تھے۔ زیاد بن ابیہ نے حضرت معاویہ کو لکھا کہ میں نے آپ کے لئے عراق بائیں ہاتھ سے قابو میں کر لیا ہے۔ داہنا ہاتھ آپ کی اطاعت کے لئے خالی ہے۔ مجھے حجاز کا بھی والی بنا دیں۔ یہ خبر جب حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو ملی، یہ اس وقت مکہ میں تھے، تو یہ دعا کی اے اللہ زیاد کے داہنے ہاتھ کو ہم سے دور رکھ۔ یہ دعا تیر قضا بن گئی۔ زیاد کے داہنے ہاتھ میں طاعون کی گلٹی نکل آئی معالجین نے کہا ہاتھ کاٹ ڈالا جائے۔ زیاد نے قاضی شریح سے مشورہ کیا، فرمایا

عہ دارمی۔ دارقطنی عہ دارمی

رزق مقسوم ہے موت کا وقت مقرر ہے۔ مجھے یہ پسند نہیں کہ تم دنیا میں رہو اور تمھارا ہاتھ کٹا ہوا ہو۔ یا اللہ عزوجل کی بارگاہ میں جاؤ اور پوچھے کہ یہ ہاتھ کیوں کٹوایا تو تم یہ کہو تیری ملاقات سے بچنے کے لئے۔ زیاد نے زن کا مشورہ قبول کر لیا اسی دن مرگیا۔ عوام کو زیاد سے جو عداوت تھی وہ یہی چاہتے تھے کہ اس کا ہاتھ کاٹا جائے۔ لوگوں نے قاضی صاحب کو ملامت کی تو فرمایا۔ زیاد نے مجھ سے مشورہ کیا تھا، اور جس سے مشورہ کیا جائے وہ امانت دار ہوتا ہے ورنہ میں بھی یہی پسند کرتا تھا کہ روز اس کے ہاتھ پاؤں کاٹے جائیں۔

اس عہد کے آپسی جھگڑوں میں ہمیشہ الگ تھلگ رہے حتی کہ لڑائی جھگڑے کے واقعات بھی نہیں سنتے تھے۔ نہ کسی سے پوچھتے تھے اس پر ایک صاحب نے کہا اگر میں نہ پوچھوں تو مر جاؤں [۱]

اثر اوّل:۔ پورا یہ ہے۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں ایک عورت اور مرد آئے۔ مرد نے اس عورت کو طلاق دیدی تھی۔ عورت کا یہ کہنا تھا کہ میری عدت ختم ہوگئی، حالانکہ ابھی طلاق دئے ایک ہی مہینے ہوئے تھے۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے قاضی شریح سے کہا تم فیصلہ کردو، انھوں نے عرض کیا حضور موجود ہیں اور میں فیصلہ کروں۔ فرمایا فیصلہ کرو۔ قاضی شریح نے یہ فیصلہ کیا۔ اگر اپنے گھر کی عادل دیندار عورتوں میں سے کسی کو لائے جو یہ گواہی دے کہ اس مدت میں اسے تین حیض آچکے ہیں ہر حیض پر پاک ہو کر اس نے نماز پڑھی ہے تو عدت پوری ہوگئی ورنہ نہیں، حضرت علی نے فرمایا۔ قالون یعنی تم نے اچھا فیصلہ کیا یہ رومی لفظ ہے۔ دوسرا اور تیسرا اثر یعنی حضرت عطاء اور حضرت ابراہیم نخعی کا قول بھی عدت ہی کے بارے میں ہے — مراد یہی ہے کہ عدت کے پہلے اس کی جتنے دنوں حیض آنے کی عادت تھی عدت میں بھی اسی کا اعتبار ہوگا۔

حضرت عطاء کے دوسرے قول یعنی چوتھے اثر کا مفاد یہ ہے کہ حیض کی مدت کم از کم ایک دن اور زیادہ سے زیادہ پندرہ دن ہے۔ پانچویں اثر یعنی حضرت ابن سیرین کے قول کا مطلب یہی ہے کہ عورت کو جیسی عادت ہو اس کے مطابق اس کے حیض کے ایام ہوں گے۔

باب کی توضیح یہاں امام بخاری نے یہ باب باندھا ہے۔

اذا حاضت فی شھر ثلث حیض — جب عورت کو ایک مہینے میں تین حیض آئے۔ حیض و حمل کے

وما یصدق النساء فی الحیض والحمل فیما یمکن۔ — معاملے میں عورتوں کی بات مانی جائیگی اگر وہ جو کہیں ممکن ہو تو۔

باب کا دوسرا حصہ اجماعی ہے۔ البتہ پہلا حصہ اختلافی ہے۔ امام بخاری نے باب کی تائید میں جو آیت ذکر کی ہے۔ اس سے صرف دوسرا حصہ ثابت ہوتا ہے۔ پہلا حصہ یعنی یہ کہ ایک مہینے میں تین آسکتے ہیں ثابت نہیں ہوتا۔ لامحالہ امام بخاری کو اقوال رجال کا سہارا لینا پڑا اور افسوس یہ ہے کہ احادیث مرفوعہ کے مقابلے میں — وہ بھی بعض ایسے اقوال رجال سے جو امام بخاری کے طریقے پر ضعیف ہیں۔ مثلاً حضرت علی اور قاضی شریح کے اثر کے راوی شعبی ہیں، شعبی کا حضرت علی سے سماع ثابت نہیں اگرچہ زمانہ ممکن ہے۔

حیض و طہر کی اقل مدت اس کی تفصیل یہ ہے — حیض و طہر کی اقل مدت اور اکثر مدت کے سلسلے میں چاروں ائمہ کے چار مذہب ہیں — حضرت امام مالک کا مذہب یہ ہے — عدت کے معاملے میں حیض کی اقل مدت

[۱] عینی بدایہ نہایہ — ابن خلکان

تین دن ہے اور نماز روزے اور وطی کے معاملے میں ایک قطرہ تک ہے۔ یعنی ایک قطرہ خون آکر رک جائے تو حیض ختم۔ اقل طہر کی کوئی مدت نہیں۔ حنبلی حضرات کا مذہب مختار یہ ہے کہ اقل حیض کی کوئی مدت نہیں۔ البتہ اقل طہر کی مدت تیرہ دن ہے۔ امام شافعی کے یہاں اقل حیض کی مدت ایک دن اور اقل طہر کی مدت پندرہ دن۔ ہمارے یہاں اقل مدت حیض تین دن اور تین راتیں ہیں اور اقل مدت طہر پندرہ دن ہے۔

قاضی شریح کا فیصلہ امام مالک اور امام احمد کے مذہب کے مطابق ہو سکتا ہے۔ امام مالک کے مذہب پر بالکل ظاہر ہے۔ جب ان کے یہاں عدت کے معاملے میں اقل حیض کی مدت تین دن ہے۔ اور اقل طہر کی کوئی مدت نہیں۔ تو نو دن چند ساعت میں عدت پوری ہو سکتی ہے۔ اسی طرح امام احمد کے یہاں جب اقل حیض کی کوئی مدت نہیں۔ اور اقل طہر کی تیرہ دن ہے۔ تو ۲۶ دن اور چند ساعت میں عدت پوری ہو سکتی ہے۔ مثلاً شوہر نے طلاق دیا۔ فوراً خون کا ایک قطرہ آیا پھر تیرہ دن بند رہا۔ پھر ایک قطرہ آیا۔ پھر تیرہ دن بند رہا پھر ایک قطرہ آیا۔ اور بند ہو گیا۔ عدت پوری ہو گئی۔

البتہ ہمارے اور شوافع کے یہاں ایک مہینے میں عدت پوری نہیں ہو سکتی۔ امام شافعی کے یہاں تو اس لئے کہ ان کے یہاں عدت تین طہر ہے اور جس طہر میں طلاق دیا وہ بھی عدت میں شمار ہوگا۔ فرض کیجئے کسی نے طہر میں طلاق دی۔ طلاق دینے کے بعد فوراً حیض جاری ہو گیا۔ اب اس کے بعد ایک دن حیض کا پندرہ دن طہر کا پھر ایک دن حیض پندرہ دن طہر کے، اب تین طہر ہو گئے۔ یہ کل بتیس ۳۲ دن ہو گئے، اس سے کم میں امام شافعی کے مذہب کی رو سے عدت پوری ہونے کی کوئی صورت نہیں۔ اس سے ظاہر کہ ان کے مذہب میں بتیس دن سے کم میں عدت پوری نہیں ہو سکتی۔ ہمارے یہاں عدت کے لئے کم از کم انتالیس دن ضروری ہیں۔ تین حیض کے لئے نو دن دو طہر کے لئے تیس دن۔

اب لامحالہ احناف اور شوافع کو، قاضی شریح کے اس فیصلے کی تاویل کرنی پڑے گی۔ مگر میرے خیال میں تاویل کی ضرورت نہیں۔ اولاً اس کے الفاظ میں خود اضطراب ہے جو روایت دارمی میں، یعلی بن عبید کے طریقے سے ہے۔ اس میں "حاضت فی شہر" ہے اور ابن حزم نے جو بطریق ھشیم روایت کی ہے۔ اس میں "فی شہر او خمس وثلثین لیلۃ" ہے۔

ثانیاً جب احادیث مرفوعہ سے ثابت کہ اقل مدت حیض تین دن اور اکثر مدۃ حیض دس دن ہے۔ اور اقل طہر کی مدت پندرہ دن تو بہر حال احادیث مرفوعہ کو "قاضی شریح کے فیصلے کے مقابلے میں ترجیح ہوگی۔ ان احادیث پر اگرچہ باعتبار سند کلام کیا گیا ہے مگر تعدد طرق سے قوت پاکر درجہ حسن تک پہنچ چکی ہیں۔ جیسا کہ علامہ عینی نے شرح ہدایہ اور شرح بخاری میں ثابت فرمایا ہے۔ حدیث حسن احکام میں بھی حجت ہیں۔

رہ گئے بقیہ آثار، ان سب کے جواب میں یہی گذارش ہے کہ ارشادات رسول کے مقابلے میں کسی کو ترجیح نہیں نیز ان کے بالمقابل انھیں حضرات کے درجے کے دوسرے حضرات کے اقوال ہمارے موافق ہیں، جن کی فہرست عینی شرح ہدایہ میں موجود ہے علاوہ ازیں استحاضے کے بارے میں جو احادیث مروی ہیں اور خود امام بخاری نے یہاں جو حدیث ذکر فرمائی ہے اس میں، قدر الایام اللتی، ہے۔ حضرت امام رازی اگرچہ شافعی ہیں۔ مگر انھوں نے اس سے استدلال فرمایا کہ اقل حیض کی مدت تین ہی دن ہوگی اس سے کم نہیں اور اکثر مدت دس دن اس سے زیادہ نہیں۔ وہ اس طرح کہ "ایام" جمع ہے۔ اقل جمع تین ہے۔ اور اعداد کی تمیز میں عشرۃ (دس) تک جمع لاتے ہیں۔ بولتے ہیں تسعۃ ایام عشرۃ ایام۔ اسکے بعد

واحد لاتے ہیں کہتے ہیں۔ احد عشر یومًا۔ لفظ ایام سے جہاںتک اقل مدت پر استدلال ہے وہ سو فیصدی صحیح ہے۔ البتہ اکثر مدت پر استدلال میں خلجان ہے۔ اس لئے کہ قرآن مجید میں ہے:

کلوا واشربوا ھنیا بما اسلفتم فی الایام الخالیہ (الحاقۃ ۲۴) گذشتہ دنوں جو کچھ آگے بھیج چکے ہو اس کے صلے میں مزے سے کھاؤ پیو

اس آیت میں ایام سے تقریبًا پوری زندگی مراد ہے۔ ایضاح البخاری کے حاشیے میں خود مصنف کی جو تاویل نقل کی ہے کہ اس سے مراد وہ ایام ہیں جو آیہ کریمہ اِنَّ یَوْمًا عِنْدَ رَبِّكَ كَاَلْفِ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ میں مذکور ہے۔ یعنی ہمارے دنوں سے ایک ہزار دن کا ایک دن ـــ اس کی تشریح مرتب صاحب نے یہ کی ہے، کہ حضرت آدم سے اب تک تقریبًا آٹھ ہزار سال گذر چکے ہیں۔ اگر ایام خالیہ سے دس دن مراد لئے جائیں تو وہ الف سنۃ کے حساب سے دس ہزار سال ہوتے ہیں اسطرح دنیا کی زندگی تین ہزار سال اور ہو سکتی ہے اور معلوم ہے کہ دنیا اب قیامت کے دہانے پر ہے۔ ج ۱۲، ص ۱۴۵

یہ تاویل بچند وجوہ باطل محض ہے۔ بلکہ قرآن کی تحریف معنوی ہے۔ اولاً یہاں جمع کا مقابلہ جمع سے ہے اسلئے آحاد کی آحاد پر تقسیم ہوگی مطلب یہ ہوا کہ یہ ہر جنتی سے کہا جائیگا۔ تو کیا ہر جنتی دس ہزار سال تو بڑی بات ہے ایک ہزار سال بھی دنیا میں رہا ہے؟ ثانیاً آپنے کیسے جان لیا کہ دنیا قیامت کے دہانے پر آگئی ہے کہ تین ہزار سال کے بعد قیامت آجائے گی جبکہ آپ لوگوں کے عقیدے کی رو سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی قیامت کا علم نہ تھا۔ ثالثاً آٹھ میں تین ملانے سے گیارہ ہوتے ہیں، دس نہیں ہوتے رابعًا گیارہ ہو گئے تو امام رازی کا استدلال رخصت۔ خامسًا آیت کا صریح منطوق یہ ہے کہ اس آیت میں "ایام خالیہ" سے مراد اس دنیا کے ایام ہیں۔ عند ربک والے ایام نہیں۔ سادسًا فرمایا

یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَیْكُمُ الصِّیَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ اَیَّامًا مَّعْدُوْدٰتٍ (بقرہ)	اے ایمان والو تم پر روزہ فرض کیا گیا جیسا کہ تم سے پہلے کے لوگوں پر فرض کیا گیا تھا تاکہ تم اللہ سے ڈرو گنتی کے چند دن

اسمیں کیا کہینگے۔ سابعًا آپ مستدل ہیں اور مستدل کیلئے احتمال کافی نہیں ـ مجھے کہنے دیجئے کوئی عجوبہ روزگار بات کہکر طلبہ سے داد تحسین حاصل کر لینا اور بات ہے، اس کا فی الواقع صحیح ہونا اور بات ہے۔

بات اصل یہ ہے کہ عدد کیساتھ جب تمیز آتی ہے تو دس کے بعد واحد اور اس سے پہلے جمع آتی ہے۔ اور جب عدد کیساتھ نہ ہو تو جمع بولکر ہزار ہا ہزار مراد ہو سکتے ہیں۔ حضرت ابن سیرین کے ارشاد میں آیا ہے۔ بعد قرئھا۔ علامہ کرمانی نے فرمایا کہ اس میں قرء سے مراد طہر ہے اسلئے کہ پہلے تری الدم اسی پر قرینہ ہے۔ خون کے بعد خون دیکھنے کا کیا معنی۔ علامہ عینی نے فرمایا کہ نہیں" قرء" سے مراد حیض ہی ہے۔ یہاں سوال کا مقصد یہ ہے کہ عورت کو مخصوص دن خون آنے کی عادت تھی۔ اتنے دن خون آچکا پھر پانچ دن مزید آیا تو یہ پانچ دن حیض ہی میں شمار ہونگے یا نہیں۔ ابن سیرین نے جواب دیا، عورتیں اسے جانتی ہیں کہ عادت کے دنوں میں حیض ہے اور اس کے بعد استحاضہ۔ صاحب توضیح نے بھی یہی فرمایا کہ " قرء" سے مراد حیض ہے۔ خود ابن سیرین قرء سے مراد حیض لیتے تھے۔ اور ہر متکلم کے کلام کے وہی معنی متعین ہیں جو خود اس کا محاورہ ہو۔

حدیث کنا لا نعد الکدرۃ والصفرۃ شیأ (۲۲۸)

عَنْ اُمِّ عَطِيَّةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهَا، قَالَتْ، كُنَّا لَا نَعُدُّ الْكُدْرَةَ وَالصُّفْرَةَ شَيْئًا ؏

حضرت ام عطیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے کہا ہم لوگ گدلی اور زرد رطوبت کو کچھ نہیں شمار کرتے تھے

حدیث المستحاضۃ تغتسل لکل صلوٰۃ (۲۲۹)

عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهَا زَوْجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّ اُمَّ حَبِيْبَةَ اُسْتُحِيْضَتْ سَبْعَ سِنِيْنَ فَسَاَلَتْ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ ذَالِكَ فَاَمَرَهَا اَنْ تَغْتَسِلَ فَقَالَ

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی رفیقۂ حیات حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ حضرت ام حبیبہ کو سات سال استحاضہ رہا۔ انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے اس کے بارے میں پوچھا۔ تو حضور نے انھیں غسل کا حکم دیا اور فرمایا

تشریحات (۲۲۸)

حیض کتنے رنگوں کا ہوتا ہے گذر چکا اور اس پر بقدر ضرورت کلام بھی ہو چکا۔ یہاں حضرت ام عطیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی مراد یہ ہے کہ ایام حیض کے بعد ہم گدلے اور پیلے رنگ کی رطوبت کو حیض نہیں جانتے تھے۔ جیسا کہ ابوداؤد کی روایت میں اس کی تصریح ہے اسی وجہ سے امام بخاری نے باب میں یہ قید لگائی ہے ــــ فی غیر ایام الحیض ایام حیض میں اگر ان دونوں رنگ کی رطوبت دکھائی دے تو وہ حیض ہی ہے۔

تشریحات (۲۲۹)

حضرت ام حبیبہ | رضی اللہ تعالیٰ عنہا یہ حضرت ام المومنین نہیں بلکہ جحش بن مطلب کی صاحبزادی اور ام المومنین حضرت زینب بنت جحش کی بہن تھیں۔ اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اہلیہ ہیں ــ مسلم کی ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کا نام زینب تھا۔ عینی میں ہے کہ ام المومنین حضرت زینب کا نام پہلے برّہ تھا۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے بدل کر "زینب" رکھا۔ اس لئے کہ ان کی بہن اپنی کنیت ام حبیبہ کے ساتھ مشہور ہو گئی تھیں۔

مستحاضہ کا حکم | یہ ہے کہ اس عارضہ سے پہلے جتنے دن حیض آتا تھا اتنے دن حیض شمار کرے نہ نماز پڑھے نہ روزہ رکھے۔ جب یہ دن پورے ہو جائیں تو غسل کر کے نماز پڑھے۔ ہر نماز کے لئے غسل واجب نہیں۔ البتہ ہر نماز کے لئے وقت نکلنے کے بعد وضو

؏ ابوداؤد جلد اوّل، طہارت، باب فی المراۃ تری الکدرۃ والصفرۃ بعد الطہر ص۴۳۔ نسائی جلد اول حیض باب الصفرۃ والکدرۃ ص۶۶۔ ابن ماجہ طہارت باب ماجاء فی الحائض تری بعد الطہر الصفرۃ والکدرۃ ص۴۷۔

هٰذَا عِرْقٌ فَكَانَتْ تَغْتَسِلُ لِكُلِّ صَلوٰةٍ عہ

یہ رگ ہے۔ اس کے بعد وہ ہر نماز کے لئے غسل کرتی تھیں۔

حدیث (۲۳۰) ان صفیۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہا قد حاضت

عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهَا زَوْجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اہلیہ مبارکہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ انھوں نے

أَنَّهَا قَالَتْ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ إِنَّ صَفِيَّةَ

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے کہا یا رسول اللہ صفیہ

واجب ہے۔

تکمیل بخاری میں صرف یہ ہے۔ فامرھا تغتسل۔ مگر مسلم وغیرہ میں لکل صلوٰۃ زائد ہے۔ یعنی یہ حیض کے معتاد دن گذار کر ہر نماز کے لئے غسل کرے۔ یہ حکم استحبابی ہے یعنی ہر نماز کے لئے غسل کرنا اسے مستحب ہے۔ استحاضے کا خون، جوف رحم سے نہیں آتا۔ بلکہ رحم کے منہ کے قریب ایک رگ ہے۔ جس کا نام "عاذل" ہے اس سے آتا ہے [1]

تشریحات (۲۳۰)

اُمّ المومنین حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا یہ مدینے کے باشندے یہودیوں کے مشہور قبیلہ بنی نضیر کے سردار حیی بن اخطب کی بیٹی تھیں۔ جب سنہ ۴ھ میں باوجود باہمی معاہدے کے انھوں نے بدعہدی کی حتی کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے شہید کرنے کی سازش کی۔ تو انھیں جلا وطن کر دیا گیا۔ یہ جاکر خیبر میں آباد ہو گئے۔

یہ حضرت ہارون علیہ السلام کی نسل سے تھیں۔ انکا باپ بنو قریظہ کے ساتھ قتل ہوا۔ انکا نکاح پہلے سلام بن مشکم سے ہوا تھا۔ پھر کنانہ بن ابی الحقیق سے ہوا۔ کنانہ خیبر میں جب مار ڈالا گیا اور یہ قید ہو گئیں تو کرم فرماتے ہوئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں اپنے حرم میں داخل فرمالیا۔ اور صہبا پر زفاف فرمایا۔ کھجور اور ستو سے دعوت ولیمہ فرمائی۔ اس سے پہلے یہ خواب دیکھا تھا کہ ایک چاند ان کی گود میں آگیا ہے۔ اس خواب کا تذکرہ اپنی ماں سے کیا۔ اس خبیثہ نے انھیں اس زور سے تھپڑ مارا کہ اس کا نشان رہ گیا۔ اور کہا تو اپنی گردن اٹھاتی ہے کہ شہنشاہ عرب کی ملکہ ہو۔ خدمت اقدس میں حاضری کے وقت اس کا نشان باقی تھا انھوں نے حضور کو دکھایا بھی۔ یہ حسن و جمال میں یکتا علم و فضل میں یگانہ۔ تحمل و بردباری میں بے مثل تھیں۔ یہ جب مدینہ طیبہ آئیں تو انکا شہرہ سن کر عورتیں زیارت کے لئے گئیں۔ ام المومنین حضرت عائشہ بھی گئیں۔ حضور نے انھیں دیکھ لیا۔ جب واپس آئیں

عہ بخاری جلد اول حیض باب عرق المستحاضۃ ص۴۶۔ مسلم جلد اول حیض باب المستحاضۃ وغسلہا وصلوتہا ص۱۵۱۔ ابو داؤد جلد اول طہارت باب ما روی ان المستحاضۃ تغتسل لکل صلوٰۃ ص۴۰۔ ترمذی جلد اول طہارت باب ماجاء فی المستحاضۃ انہا تغتسل عند کل صلوۃ ص۱۹۔ نسائی جلد اول حیض باب ذکر الاستحاضۃ واقبال الدم وادبارہ ص۴۹ مزید بعد کے دو باب میں۔ ابن ماجہ طہارت باب ماجاء فی المستحاضۃ اذا اختلط علیہا الدم فلم تقف علی ایام حیضہا ص۴۶۔

[1] نووی شرح مسلم جلد اول کتاب الحیض باب المستحاضۃ ص۱۵۱

بِنْتَ حُيَيٍّ قَدْ حَاضَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَعَلَّهَا
بنت حیی کو حیض آگیا۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا۔ شاید وہ ہمیں

تو پوچھا کیسی ہے۔ انھوں نے کہا یہودیہ ہے۔ فرمایا یہودیہ مت کہو۔ حضرت عائشہ اور حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما یہ کہا کرتی تھیں کہ ہم دونوں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ میں زیادہ معزز ہیں۔ ہم ان کی بیبیاں ہیں اور ان کے چچا کی بیٹیاں ہیں۔ اس کی خبر ان کو ملی تو رونے لگیں اسی حال میں حضور تشریف لائے۔ دریافت فرمایا۔ کیا بات ہے انھوں نے حضور سے شکایت کی۔ حضور نے فرمایا۔ تم نے ان دونوں سے یہ کیوں نہ کہہ دیا۔ تم دونوں مجھ سے بہتر کیسے ہو سکتی ہو حالانکہ میرے شوہر محمد ہیں اور میرے باپ ہارون اور میرے چچا موسیٰ علیہم السلام۔ مرض وصال میں تمام ازواج حاضر تھیں۔ حضور کا حال دیکھ کر حضرت صفیہ نے کہا۔ یا نبی اللہ کاش حضور کی بیماری مجھے ہوتی۔ اس پر تمام ازواج نے آنکھ مارا۔ حضور نے فرمایا۔ تم سب کلی کرو۔ ازواج نے عرض کیا کاہے سے۔ فرمایا۔ صفیہ کو آنکھ مارنے سے۔ بخدا وہ سچی ہے۔ جب حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بلوائیوں نے محاصرہ کرلیا تو یہ اپنے غلام کنانہ کے ساتھ خچر پر سوار ہو کر چلیں کہ بلوائیوں کو واپس کریں۔ اُشتر نے ان کے خچر کے منہ پر مارا تو لوٹ پڑیں۔ پھر حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ذریعہ کھانا پانی بھیجتی رہیں ۵۰ھ کے رمضان المبارک میں وصال ہوا جنت البقیع میں آسودہ ہیں ان سے دس حدیثیں مروی ہیں۔ جن میں سے ایک بخاری نے لی ہے۔ [۱]

لغات یہاں لعل، ترجی کے لئے نہیں۔ استفہام کے لئے ہے۔ مقصد یہ ہوا کیا وہ ہمیں روک دے گی؟ اس حدیث کی بعض روایتوں میں، عقریٰ، حلقیٰ، آیا ہے۔ عقری کا مادہ عقرؔ۔ اس کے معنی ہیں زخمی کرنا ذبح کرنا۔ کونچیں کاٹنا۔ بانجھ ہونا۔ ہلاک کرنا۔ عقری کے معنی یہ ہیں۔ اللہ اسے زخمی کرے مار ڈالے۔ بانجھ کردے۔ یہ اپنی قوم کو ہلاک کردے۔ حلقی۔ کا مادہ حلق ہے اس کے معنی، سر مونڈنا حلق میں بیماری ہونا ہے۔ حلقی کے معنی ہوئے اس کا سر مونڈ دیا جائے۔ اس کی حلق میں بیماری ہو۔ اس کی قوم مونڈی جائے یعنی برباد ہو۔ علامہ قرطبی نے نقل کیا کہ عورتوں کو جب حیض آتا تو یہود ان کو عقری حلقی، کہا کرتے تھے۔ یہ تو ان دونوں الفاظ کی اصل ہوئی۔ عرف میں اس کے حقیقی معنی مراد نہیں ہوتے۔ یہ بھی اسی طرح استعمال ہوتا ہے۔ جیسے قاتلہ اللہ، تربت یمینك وغیرہ استعمال ہوتے ہیں۔ یعنی، زجر و خفگی کے اظہار کے لئے بولتے ہیں۔ کبھی کبھی پیار کے لئے بھی۔ ترجمہ یہ ہوگا۔ کہ اللہ اسے مار ڈالے۔ بانجھ بنادے، اس کا سر مونڈ دے۔

---

[۱] عینی، اصابہ، استیعاب الاکمال بدایہ، نہایہ جلد ثامن۔ [۲] بخاری جلد اول حیض باب المراۃ تحیض بعد الافاضۃ ص۴۷۔ بخاری جلد اول مناسک باب اذا حاضت بعد الافاضۃ ص۲۳۷۔ بخاری جلد اول مناسک باب الادلاج من المحصب دو طریقے سے ص۲۳۸۔ بخاری جلد ثانی طلاق باب قول اللہ لایحل لھن ان یکتمن ما خلق اللہ فی ارحامھن ص۸۰۲۔ بخاری جلد ثانی مغازی باب حجۃ الوداع ص۶۳۱ مسلم جلد اول حج باب وجوب طواف الوداع ص۴۲۶۔ ابوداؤد جلد اول مناسک باب الحائض بعد الافاضۃ ص۲۷۳۔ نسائی جلد اول حیض باب المرأۃ تحیض بعد الافاضۃ ص۶۸ ترمذی جلد اول حج باب المرأۃ۔ تحیض بعد الافاضۃ ص۱۱۳۔ ابن ماجہ مناسک باب الحائض تنفر قبل ان تنفر ص۲۲۷۔ دارمی مناسک ص۷۴۔ موطا حج باب افاضۃ الحائض ص۱۶۹۔ مسند امام احمد۔

تَحْبِسُنَا۔ اَلَمْ تَکُنْ طَافَتْ مَعَکُنَّ فَقَالُوْا بَلٰی قَالَ فَاخْرُجِیْ ع

روک دے۔ کیا تم لوگوں کے ساتھ اس نے طواف نہیں کیا تھا۔ تو لوگوں نے کہا۔ ہاں کرلیا تھا۔ فرمایا تو چلو۔

حدیث رخص للحائض ان تنفر اذا حاضت۔ (۲۳۱)

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبَّاسٍ رَّضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ رُخِّصَ لِلْحَائِضِ

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ حائضہ کو اجازت ہے کہ (طواف وداع) کیے بغیر

اَنْ تَنْفِرَ اِذَا حَاضَتْ وَکَانَ ابْنُ عُمَرَ یَقُوْلُ فِیْ اَوَّلِ اَمْرِهٖ اَنَّهَا لَا تَنْفِرُ

کے سے واپس ہو سکتی ہے اور ابن عمر پہلے یہ کہتے تھے کہ (طواف وداع کیے بغیر) واپس نہ ہو

مسائل ① طواف افاضہ جسے طواف زیارت بھی کہتے ہیں۔ فرض ہے اس کا وقت دس ذوالحجہ کی صبح صادق سے لیکر مدت العمر ہے۔ اس کے بغیر کوئی احرام سے پورے طور پر باہر نہیں ہوتا۔ دسویں کو قربانی کرکے سر مونڈانے کے بعد عورت سے قربت کے علاوہ تمام ممنوعات احرام کی اجازت ہوجاتی ہے مگر جب تک طواف زیارت نہ کرلیں۔ قربت جائز نہیں۔ اگر بالفرض کوئی مرد وعورت طواف زیارت کے بغیر گھر واپس آجائے تو بھی قربت جائز نہ ہوگی جبتک کہ طواف زیارت نہ کرلے۔ ② حائضہ کو حیض کی حالت میں طواف کی اجازت نہیں۔ حیض کی حالت میں طواف صدر یا طواف وداع کرے گی تو ایک بکری کی قربانی واجب ہے اور اگر طواف زیارت کرے گی تو ایک اونٹ کی۔ ③ آج کل واپسی کے ٹکٹ کیوجہ سے بعض عورتوں کو یہ دشواری ہوتی ہے کہ وہ اپنے اس عارضہ کیوجہ سے ایام نحر میں بھی طواف زیارت نہیں کرپاتیں اور کبھی بعد میں بھی موقع نہیں ملتا۔ ایسی صورت میں درخواست دیکر اگر واپسی کی تاریخ بدلی جاسکے تو بدلوا لینا ضروری اور اگر یہ بھی ممکن نہ ہو تو اس کا حیلہ یہ ہے۔ کہ کوئی شخص عورت کے سامنے یہ مسئلہ بیان کردے کہ جو عورت حیض کی حالت میں طواف زیارت کرے گی وہ گنہگار ہوگی۔ اس پر ایک اونٹ کی قربانی واجب ہے۔ لہ ⑤ حائضہ ونفسا سے طواف وداع ساقط ہے۔

تشریحات (۲۳۱)

وکان ابن عمر الخ۔ یہ امام طاؤس کا کلام ہے۔ عینی میں ہے ھو کلام طاوس قولہ ثم سمعتہ ای قال طاؤس سمعت ابن عمر الخ۔ مگر ایضاح البخاری میں اسے ابن عباس کا قول بتایا ہے۔ ترجمے میں ہے۔ حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ پھر میں نے انھیں فرماتے سنا۔ اللہ عزوجل اس قوم کو ہدایت دے۔ یہ بھی توفیق نہیں ہوتی کہ تصنیف کے وقت شروح دیکھ لیں۔ اپنے جی سے جو آتا ہے۔ ہانک دیتے ہیں۔ ابتداءً اس مسئلہ میں اختلاف تھا حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما پہلے

ع بخاری جلد اول حیض باب المرأۃ تحیض بعد الافاضۃ صہ ۴۷ لہ ردالمحتار جلد ثانی صہ ۱۸۶

ثُمَّ سَمِعْتُهُ يَقُولُ تَنْفِرُ اِنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَخَّصَ لَهُنَّ

مگر بعد میں میں نے خود سنا کہ وہ فرماتے تھے جا سکتی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے انھیں اس کی اجازت دی ہے

حدیث الحائض تغتسل وتصلي ولو ساعة من نهار (۲۳۲)

قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ رَّضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُمَا تَغْتَسِلُ وَتُصَلِّيْ وَلَوْ سَاعَةً

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا۔ مستحاضہ غسل کرے اور نماز پڑھے اگرچہ تھوڑی دیر

اپنے اجتہاد سے یہ فتویٰ دیتے تھے کہ فرائض حج سے فراغت کے بعد اگر کسی عورت کو حیض آجائے تو وہ پاک ہونے تک مکہ معظمہ ٹھہری رہے پاکی کے بعد طواف وداع کر کے اپنے گھر جائے۔ مگر جب انھیں حدیث مل گئی کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حائضہ کو یہ اجازت دی ہے کہ وہ طواف وداع کئے بغیر واپس ہوسکتی ہے تو وہ بھی اس کے مطابق فتویٰ دینے لگے۔

تشریحات (۲۳۲)

یہاں باب یہ ہے۔ اذا رأت المستحاضة الطهر۔ جب مستحاضہ طہر دیکھے۔ اس کا دو مطلب ہے ایک یہ کہ واقعی حیض بند ہو جائے دوسرے یہ کہ حکماً طہر دیکھے مثلاً اس کی عادت کے دن پورے ہو گئے یا یہ کہ خالص سفید رطوبت آنے لگی۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے اس فتویٰ سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے نزدیک اقل طہر کی کوئی مدت نہیں۔ ایک ساعت بھی ہوسکتی ہے۔ یہ جمہور کے مسلک کے خلاف ہے۔ جمہور اور ہمارا اور شوافع کا مسلک یہ ہے کہ اقل طہر کی مدت پندرہ دن ہے۔

مستحاضہ سے وطی جائز ہے یا نہیں اس سلسلے میں خود صحابہ کرام میں اختلاف تھا۔ ام المومنین حضرت صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا مسلک یہ تھا کہ جائز نہیں۔ اور یہی زہری ابراہیم نخعی ابن سیرین اور حکم کا قول ہے۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ ہمیں ایسی ہی احادیث ملی ہیں جن میں صرف نماز کی اجازت ہے۔ ہمبستری کے بارے میں کوئی اجازت وارد نہیں۔

جمہور فرماتے ہیں جماع سے ممانعت صرف حیض کی حالت میں تھی اس لئے کہ وہ اذی ہے۔ جب حیض ختم، تو اباحت لوٹ آتی ہے۔ علاوہ ازیں۔ ابوداؤد[1] میں ہے کہ۔ حضرت ام حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے استحاضے کی حالت میں ان کے شوہر ہمبستری کرتے تھے۔ نیز دار قطنی اور ابوداؤد[2] میں ہے۔ کہ حمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے شوہر بھی اس حالت میں ان سے ہمبستری کرتے تھے۔ الصلوٰۃ اعظم کے بارے میں علامہ عینی نے فرمایا ظاہر یہ ہے کہ یہ امام بخاری کا قول ہے۔ یہ ان کا استخراج ہے یعنی حضرت ابن عباس کا قول نہیں۔

اس باب پر امام بخاری نے۔ حضرت فاطمہ بنت حبیش رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی حدیث سے استدلال فرمایا جس میں یہ ہے کہ حضور

[1] ابوداؤد جلد اول طہارت۔ باب المستحاضة یغشاہا زوجہا ص۴۳ [2] ایضاً [3] بخاری جلد اول حیض باب المرأۃ تحیض بعد الافاضۃ ص۴۷

مِّنْ نَّهَارٍ وَّيَاتِيهَا زَوْجُهَا إِذَا صَلَّتْ، اَلصَّلٰوةُ اَعْظَمُ

کے لئے طہر دیکھے۔ اگر یہ نماز پڑھ لے تو اس کے پاس اس کا شوہر آسکتا ہے۔ نماز بہت عظمت والی ہے۔

حدیث ﴿۲۲۳﴾ إِنَّ امْرَأَةً مَاتَتْ فِي بَطْنٍ فَصَلَّى عَلَيْهَا النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

عَنْ سَمُرَةَ بْنِ جُنْدُبٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ، اَنَّ امْرَأَةً مَّاتَتْ فِي

حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک عورت پیٹ کی

نے یہ فرمایا۔ جب حیض آنے لگے تو نماز چھوڑ دے جب ختم ہوجائے تو خون دھو کر نماز پڑھ۔ مراد یہ ہے کہ غسل بھی کرے۔ اس کا ذکر اس لئے نہیں فرمایا کہ یہ سب کو معلوم تھا کہ انقطاع حیض کے بعد غسل فرض ہے۔

تشریحات ﴿۲۲۳﴾

حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ بنی فزارہ کے چشم و چراغ تھے۔ یہ ابھی بچے ہی تھے کہ ان کے والد کا سایہ سر سے اٹھ گیا۔ انھیں لیکر ان کی والدہ مدینہ آئیں۔ بہت خوبصورت خاتون تھیں۔ بہت سے لوگوں نے پیغام دیا۔ ان کی ماں نے یہ شرط کی کہ میں اسی سے شادی کروں گی جو اس بچے کی بھی پرورش کا وعدہ کرے ایک انصاری نے اسے قبول کیا ان کے ساتھ انکا عقد ہوگیا۔ یہ اپنی ماں کے ساتھ انصار میں رہنے لگے۔ انصار کرام کی عادت تھی کہ ہر سال اپنے بچوں کو حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سامنے پیش کرتے۔ جو جہاد کے لائق ہوتا اسے قبول فرمالیتے۔ ایک بار ایک صاحبزادے کو حضور نے لشکر میں شامل ہونے کی اجازت دیدی۔ اس کے بعد حضرت سمرہ پیش ہوئے تو انھیں مسترد فرمادیا انھوں نے کہا یا رسول اللہ حضور نے اسے اجازت دیدی اور مجھے واپس فرمادیا۔ اگر ہم دونوں کشتی لڑیں تو اسے میں پچھاڑ دونگا۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا۔ پھر لڑ کے دکھاؤ۔ دونوں میں کشتی ہوئی حضرت سمرہ نے انھیں پچھاڑ دیا۔ اس کے بعد حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے انھیں بھی لشکر میں شامل ہونے کی اجازت دیدی۔

زیاد بن ابیہ انھیں چھ مہینہ بصرہ کا والی بناتا اور چھ مہینے کوفے کا۔ جب زیاد مرا تو بصرہ کے والی تھے۔ حضرت معاویہ نے انھیں سال بھر اس عہدے پر باقی رکھا پھر معزول کر دیا۔ یہ خوارج کے معاملے میں بہت سخت تھے اسی لئے خوارج ان کو برا کہتے تھے ایک مرتبہ یہ اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ایک صاحب اور موجود تھے۔ حضور نے ان تینوں سے خطاب فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا۔ تم تینوں میں جو سب کے بعد مریگا وہ آگ میں مریگا۔ اسی کے مطابق ہوا۔ انھیں بہت سخت کزاز (پیچش) ہوگئی اس کے لئے وہ بھپارا لیتے ایک بار بھپارا لیتے ہوئے کھولتے ہوئے پانی میں گر پڑے اور یہی پیام اجل ثابت ہوا۔ بصرہ ہی میں وصال ہوا ۵۹ھ سنہ وصال ہے۔ ان سے ایک سو تیئس احادیث مروی ہیں۔ جن میں سے چار بخاری نے روایت کی ہے۔ ایک حدیث انھیں سے

ع۔ بخاری جلد اول حیض اذا رأت المستحاضۃ الطہر ۴۸ ابن ابی شیبہ

بَطۡنٍ فَصَلّٰی عَلَیۡھَا النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَسَلَّمَ فَقَامَ وَسُطَھَا ۔ ع

کی تکلیف کیوجہ سے (زچگی کے دنوں میں) فوت ہوگئیں نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے انکی نماز جنازہ پڑھی نماز کیلئے انکے بیچ کھڑے ہوئے

یہ مروی ہے۔ حضرت امام حسن بصری نے فرمایا۔ کہ حضرت سمرہ اور عمران بن حصین رضی اللہ تعالیٰ عنہما علمی مذاکرہ کر رہے تھے۔ حضرت سمرہ نے کہا میں نے نماز میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا دو بار "سکتہ" یعنی "وقفہ" یاد رکھا ہے۔ ایک سکتہ، تکبیر تحریمہ کے بعد دوسرا وَلَا الضَّآلِّیۡنَ "کے بعد۔ حضرت عمران نے اسے نہیں مانا۔ لوگوں نے مدینہ طیبہ، حضرت ابی ابن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو لکھا۔ حضرت ابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ جواب دیا۔ سمرہ نے سچ کہا اور یاد رکھا۔ لہ ان بیوی کا نام ام کعب تھا۔ یہ انصاری خاتون تھیں۔ فی بطن میں۔ فی تعلیلیہ ہے۔ جیسے اس حدیث میں ہے۔ دخلت امرأۃ فی ھرۃ جست۔ اور جیسا کہ آیت کریمہ۔ فَذٰلِکُنَّ الَّذِیۡ لُمۡتُنَّنِیۡ۔ میں ہے۔ فی بطن سے مراد بچے کی پیدائش کیوجہ سے موت واقع ہوئی جیسا خود بخاری کتاب الجنائز اور دوسری کتابوں میں ماتت فی نفاسھا۔ ہے۔ وسط۔ میں دو روایت ہے۔ سین کو فتحہ اور سین کو سکون۔ جو سین کو فتحہ پڑھتے ہیں وہ اس کو اسم مانتے ہیں اور جو سکون پڑھتے ہیں وہ ظرف۔ منتشر اجزار کے لیئے، سین کے سکون کے ساتھ ہے جیسے ناس ودواب وغیرہ اور مجتمع الاجزار کے لیے۔ سین کے فتحے کے ساتھ جیسے گھر وغیرہ۔ مگر یہ قاعدہ قرآن مجید کے خلاف ہے۔ ارشاد ہے۔ وَجَعَلۡنٰکُمۡ اُمَّۃً وَّسَطًا۔ اور ظاہر ہے کہ امت متفرق الاجزار ہے۔

مسائل اس حدیث سے یہ مسائل مستنبط ہوئے ① جو جنابت یا حیض یا نفاس کی حالت میں مرجائے تو اس کی بھی نماز جنازہ جائز ہے ② اس حدیث سے امام شافعی نے یہ استدلال کیا کہ میت اگر عورت ہے تو امام اس کی کمر کے پاس کھڑا ہوگا مگر ہمارا مذہب مختار ومفتی بہ یہ ہے کہ میت مرد ہو یا عورت سینے کے برابر کھڑا ہوگا۔ ہمارا یہ کہنا ہے کہ حدیث میں یہ نہیں ہے کہ کمر کے پاس کھڑے ہوئے۔ بلکہ۔ "وسطھا" ہے اسے اگر "وَسَطَ" سین کے فتحے کیساتھ پڑھا جائے تو اس کے معنی بیچ کے ہوں گے۔ اب اگر ہاتھ پاؤں کو الگ مان کر دیکھیں تو بیچ سینہ ہی ہوگا اور اگر ہاتھ پاؤں کو ملا کر دیکھیں تو سینے سے اوپر دو عضو سر اور ہاتھ ہیں۔ اور سینے سے نیچے دو عضو یعنی پیٹ اور پاؤں ہیں بیچ کا عضو سینہ ہوگا۔ اور اگر "وَسۡطٗ" سین کے سکون کے ساتھ پڑھیں تو اس کے معنی ہوئے درمیان کے۔ اور ظاہر ہے کہ درمیان سینے کو بھی شامل جسم کے درمیانی اعضار میں یہ بھی ہے۔ وسط کی دلالت کمر پر قطعی نہیں۔ اس مسئلہ پر بقیہ گفتگو کتاب الجنائز میں ہوگی۔

ع۔ بخاری جلد اول حیض باب الصلوۃ عن النفساء وسنتھا ص۴۸۔ بخاری جلد اول جنائز باب الصلوۃ علی النفساء ماتت فی نفاسھا ص۱۷۷۔ بخاری جلد اول جنائز باب این یقوم من المرأۃ والرجل ص۱۷۷ مسلم جلد اول جنائز باب فی القیام وسط المرأۃ للصلوۃ علیھا ص۳۱۱ ابو داؤد جلد ثانی جنائز باب این یقوم الامام من المیت اذا صلی علیہ ص۱۰۰ ترمذی جلد اول جنائز باب ماجاء این یقوم الامام من الرجل والمرأۃ ص۱۲۳ نسائی جلد اول جنائز باب اجتماع جنائز الرجال والنساء ص۲۸۰ ابن ماجہ جنائز باب ماجاء این یقوم الامام اذا صلی علی جنازۃ ص۱۰۶ الاستیعاب اصابہ عینی لکلا مسلم ص۳۱۱

حدیث اصابۃ ثوب المصلی علی الحائض (۲۲۴)

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ شَدَّادٍ قَالَ سَمِعْتُ خَالَتِي مَيْمُونَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهَا زَوْجَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهَا كَانَتْ تَكُونُ حَائِضًا لَا تُصَلِّي وَهِيَ مُفْتَرِشَةٌ بِحِذَاءِ مَسْجِدِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

حضرت عبداللہ بن شداد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا میں نے اپنی خالہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زوجہ حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے سنا کہ وہ حالت حیض میں ہوتیں۔ نماز نہیں پڑھتیں اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنی چھوٹی چٹائی پر نماز پڑھتے رہتے۔

تشریحات (۲۲۴)

عبداللہ بن شداد رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ عہد رسالت میں پیدا ہوئے ان کی والدہ سلمیٰ بنت عمیس تھیں۔ جو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اہلیہ حضرت اسماء بنت عمیس کی حقیقی بہن تھیں اور ام المومنین حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی اخیافی بہن۔ ان دونوں کی ماں کا نام ہند بنت عوف ہے۔ ام المومنین حضرت میمونہ، حارث کی صاحبزادی ہیں اور سلمیٰ، عمیس بن معد کی۔ اسی وجہ سے حضرت عبداللہ بن شداد نے حضرت ام المومنین میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو اپنی خالہ کہا۔ مسجد۔ سے مراد نماز پڑھنے کی جگہ ہے۔ خود بخاری کتاب الصلوۃ میں بجائے مسجد کے یہ ہے۔ کان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یصلی وانا حذاءہ۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نماز پڑھتے ہوتے اور میں حضور کے برابر ہوتی۔ مگر تعجب، صاحب ایضاح البخاری پر کہ اتنے بڑے شیخ الحدیث ہوتے ہوئے۔ یہاں۔ مسجد۔ کا ترجمہ سجدہ گاہ کر دیا ہے۔ کانت تکون۔ میں تین وجہ ہو سکتی ہے ایک تو یہ کہ دونوں میں سے ایک کو زائد مانیں۔ جیسے کسی نے کہا ہے۔ وجیران لنا کانوا کرام، میں کانوا، زائد ہے۔ کرام جیران کی صفت ہونے کی وجہ سے مجرور ہے۔ دوسرے یہ کہ "کانت" میں ضمیر قصہ اس کا اسم ہے اور۔ تکون حائضاً۔ اس کی خبر ہے۔ تیسرے یہ کہ "تکون" تصیر۔ کے معنی میں ہیں اور یہ کانت کی خبر ہو جائے اور۔ کانت۔ کی ضمیر مستتر اس کا اسم۔ یہاں امام بخاری نے باب کا کوئی عنوان نہیں قائم کیا ہے۔ اس کی توجیہات مقدمہ میں گذر گئی۔ یہاں ایضاح البخاری میں ایک لایعنی تقریر ہے جس کا مقصد سوائے اس کے اور کچھ نہیں کہ طلبہ پر دھونس جمائیں۔ ان کو یہ نہیں سمجھ میں آیا کہ نفساء یا حائضہ کو جب موت کے بعد غسل دیدیا گیا۔ تو جس طرح ان کی نجاست حقیقی دور ہوگئی۔ اسی طرح حکمی بھی دور ہوگئی۔ اب اس سوال کی گنجائش ہی نہیں کہ ان کی وفات پاکی میں ہوئی یا ناپاکی میں۔ زیادہ سے زیادہ یہ کہا جائے گا کہ موت سے ایک اور نجاست طاری ہوگئی۔ تو ارد نجاستین ہوگیا۔ مگر کیا آپ کو معلوم نہیں کہ دو نہیں اگر دس نجاستوں کا توارد ہو تو بھی ایک ہی غسل کافی ہے ایک عورت حیض

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ يُصَلِّيْ عَلٰى خُمْرَتِهِ	إِذَا سَجَدَ	أَصَابَنِيْ بَعْضُ ثَوْبِهِ۔ ع ۵
میں اس کے برابر لیٹی رہتی تو حضور کے	جب سجدہ کرتے	کپڑے کا کچھ حصہ مجھ سے چھو جاتا۔

سے باہر ہوئی ابھی غسل نہیں کیا تھا کہ جنبی بھی ہوگئی۔ اسے ایک ہی غسل کافی نہیں۔ ۹۔ ابو ذر اور اصیلی وغیرہ کی روایت میں " باب " نہیں۔ اس سے پہلی والی اور اس حدیث میں مناسبت کے لئے زیادہ سے زیادہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ پہلی حدیث سے ظاہر ہوتا ہے کہ نفاس سے ظاہر بدن ناپاک نہیں ہوتا اور اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ حیض سے بھی ظاہر بدن ناپاک نہیں ہوتا۔ اس خصوص میں حیض و نفاس ایک حکم میں ہیں۔

مسائل ① اس حدیث سے ثابت ہوا کہ حیض سے عورت کا ظاہری جسم ناپاک نہیں ہوتا۔ یہ باطنی حکمی نجاست ہے ۔ ② نمازی کے برابر سونے میں کوئی حرج نہیں جبکہ نمازی ایسا ہو کہ اس کے دل بٹنے کا اندیشہ نہ ہو۔ ورنہ سونے والے کے نزدیک نماز پڑھنا منع ہے۔ ③ کھجور وغیرہ کے پتوں سے بنی ہوئی چٹائی پر نماز پڑھنا جائز ہے افضل یہ ہے کہ زمین پر پڑھے اسلئے کہ اس میں تذلل زیادہ ہے۔ چٹائی ہی کے حکم میں کپڑے وغیرہ کے مصلے بھی ہیں البتہ ایسی ریشمی جانماز پر نماز مکروہ تحریمی ہے جو خالص ریشم کی ہو یا جس کا بانا ریشم کا ہو اگرچہ تانا کسی اور چیز کا ہو۔

ع ۵ بخاری جلد اول حیض باب ص ۴۷۔ بخاری جلد اول صلوۃ باب اذا اصاب ثوب المصلی امرأته اذا سجد ص ۵۵۔ بخاری جلد اول صلوۃ باب الصلوۃ علی الخمرۃ ص ۵۵۔ مسلم جلد اول مساجد باب جواز الجماعۃ فی النافلۃ والصلوۃ علی الحصیر والخمرۃ ص ۲۳۴ ابو داؤد جلد اول صلوۃ باب الصلوۃ علی الخمرۃ ص ۹۰۔ نسائی اول مساجد باب الصلوۃ علی الخمرۃ ص ۱۱۲۔ ابن ماجہ اقامۃ الصلوۃ باب من صلی و بینہ و بین القبلۃ شی ص ۶۹۔ دارمی صلوۃ ۱۰۱۔ مسند امام احمد۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

کتاب التیمم

حدیث انقطع عقد لی (۲۳۵)

عَنْ عَائِشَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَتْ خَرَجْنَا مَعَ

نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی رفیقۂ حیات حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے کہا ہم رسول اللہ صلی اللہ

کتاب التیمم

مناسبت اس کے پہلے وضو اور غسل کا بیان تھا جو پانی سے حدث اصغر اور اکبر کے دور کرنے کا نام ہے۔ اب تیمم کا بیان شروع فرمایا۔ جو بحالت مجبوری وضو اور غسل کا بدل ہے۔ جو مٹی وغیرہ سے دونوں حدثوں کے دور کرنے کا نام ہے۔ ازالہ حدث کے طریقوں میں ایک طریقہ یہ بھی ہے۔ چونکہ وضو اور غسل اصل ہیں اور یہ بدل۔ اس لئے پہلے ان کو بیان کیا پھر تیمم کا بیان شروع فرمایا۔

یہاں کتاب کو رفع بھی پڑھنا جائز ہے اس تقدیر پر کہ مبتدا ے محذوف ھٰذا کی خبر ہے۔ اور نصب بھی درست ہے اس طرح کہ اسے خُذْ یا اس کے ہم معنی کسی لفظ کا مفعول بہ بنائیں۔ تیمم کے لغوی معنی قصد و ارادے کے ہیں۔ اس کا مادہ اَمٌّ ہے جس کے معنی قصد کے ہیں۔ شرع میں تیمم کے معنی یہ ہیں زمین یا زمین کی جنس کو چہرے اور ہاتھوں پر ملنا، حقیقۃً یا حکماً۔ پاکی حاصل کرنے، نماز مباح ہونے کی نیت سے۔ اور زمین یا زمین کی جنس کا پاک کرنے والا ہونا شرط ہے۔ [1]

تیمم اس امت کی خصوصیات سے ہے۔ جعلت لی الارض مسجداً وّ طھوراً۔ میرے لئے پوری زمین کو نماز کی جگہ اور پاک کرنے والی کر دی گئی۔

تشریحات (۲۳۵)

بیداء۔ مدینہ طیبہ اور مکہ مکرمہ کے راستے میں، مزدلفہ کے قریب ایک بستی کا نام ہے۔ ذات الجیش مدینہ طیبہ اور مکہ مکرمہ کے مابین مدینہ طیبہ سے نصف منزل دوری پر وادی عقیق سے سات میل کے فاصلے پر ایک بستی ہے۔ یطعننی۔ یہ جب نصر ینصر سے آتا ہے تو اس کے معنی کونچا دینے کے آتے ہیں یعنی محسوس طعن۔ اور جب فتح یفتح سے آتا ہے تو اس کے معنی معنوی طعن یا ملامت کرنے کے آتے ہیں۔

---

[1] البحر الرائق جلد اول باب التیمم و در المختار جلد اول باب التیمم۔

رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فِیْ بَعْضِ اَسْفَارِہٖ حَتّٰی اِذَا کُنَّا

تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ ایک سفر میں نکلے۔ جب ہم بیداء یا ذات الجیش میں پہونچے

بِالْبَیْدَاءِ اَوْ بِذَاتِ الْجَیْشِ اِنْقَطَعَ عِقْدٌ لِّیْ فَاَقَامَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ

تو میرا ایک ہار ٹوٹ کر (گر پڑا) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے

تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَلَی الْتِمَاسِہٖ وَاَقَامَ النَّاسُ مَعَہٗ، وَلَیْسُوْا عَلٰی مَاءٍ

تلاش کرنے کے لئے ٹھہر گئے اور لوگ بھی رک گئے۔ نہ تو لوگ پانی پر تھے

آیت تیمم کس سفر میں نازل ہوئی علامہ ابن عبد البر نے تمہید میں یہ تحریر فرمایا ہے کہ یہ واقعہ غزوہ بنی مصطلق میں پیش آیا تھا جس کا دوسرا نام غزوہ مریسیع بھی ہے۔ یہ غزوہ ۴ھ یا ۵ھ یا ۶ھ میں ہوا تھا اسی میں واقعہ افک بھی پیش آیا تھا۔ ان کی دلیل حدیث افک کا یہ حصہ ہے۔ فانقطع عقدٌ لھا من جزع ظفار فحبس الناس ابتغاءہ۔ ظفار کے مہروں کا ان کا ہار ٹوٹ کر گر پڑا اس کی تلاش کے لئے لوگ رک گئے۔

علامہ ابن جوزی کہتے ہیں کہ یہ واقعہ غزوہ ذات الرقاع کا ہے جو ۴ھ میں ہوا ہے۔

علامہ عینی نے فرمایا۔ ان دونوں کے معارض طبرانی کی یہ روایت ہے۔ کہ ام المومنین فرماتی ہیں۔

لما کان من امر عقدی ما کان وقال اھل الافك ما قالوا۔ خرجت مع رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فی غزوۃ اخری فسقط ایضا عقدی حتی حبس الناس علی التماسہ وطلع الفجر فلقیت من ابی بکر ما شاء اللہ وقال یا بنیۃ فی کل سفر تکونین عناءً وبلاءً لیس مع الناس ماء فانزل اللہ الرخصۃ فی التیمم فقال ابوبکر انك ما علمت لمبارکۃ۔

جب میرے ہار کا جو قصہ ہونا تھا وہ ہو چکا اور اہل افک کو جو کہنا تھا کہہ چکے تو اس کے بعد میں ایک دوسرے غزوہ میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ نکلی تو پھر میرا ہار گر گیا اور لوگوں کو اس کے تلاش کے لئے رکنا پڑا اور فجر طلوع کر آئی۔ تو اللہ نے جو چاہا مجھے ابو بکر سے تکلیف پہنچی اور انھوں نے یہ بھی کہا اے بیٹی تم ہر سفر میں مصیبت اور بلا ہو جاتی ہو۔ لوگوں کے ساتھ پانی نہیں۔ اب اللہ عزوجل نے تیمم کی اجازت نازل فرمائی تو ابو بکر نے کہا تم نے جو کچھ کیا تم برکت والی ہو۔

اس سے دو باتیں معلوم ہوئیں ایک یہ کہ، واقعہ افک،، اس قصے سے پہلے کا ہے اور دونوں میں ہار ٹوٹ کر گرا تھا۔

اس خادم کی بھی یہی رائے ہے کہ جس سفر میں تیمم کی آیت نازل ہوئی یہ واقعہ افک کے علاوہ دوسرا واقعہ ہے۔ اس لئے کہ واقعہ افک میں یہ ہے۔ کہ ہار اس وقت گرا تھا جب حضرت ام المومنین قضاء حاجت کے لئے گئی تھیں۔ واپس آکر سینہ پر ہاتھ گیا تو ہار نہیں تھا۔ تو اسے تلاش کرنے کے لئے جہاں قضاء حاجت کے لئے تشریف لے گئی تھیں پھر گئیں۔ اتنے میں لشکر

53

(وَلَيْسَ مَعَهُمْ مَاءٌ) فَأَتَى النَّاسُ إِلَى أَبِي بَكْرٍ الصِّدِّيقِ فَقَالُوا أَلَا تَرَى

اور نہ لوگوں کے ساتھ پانی تھا۔ لوگ ابو بکر صدیق کے پاس آئے اور یہ شکایت کی کہ آپ دیکھتے نہیں

مَا صَنَعَتْ عَائِشَةُ، أَقَامَتْ بِرَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالنَّاسِ

عائشہ نے کیا، کیا؟ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو روک لیا اور لوگوں کو بھی۔

وَلَيْسُوا عَلَى مَاءٍ وَلَيْسَ مَعَهُمْ مَاءٌ۔ فَجَاءَ أَبُو بَكْرٍ وَرَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ

حالت یہ ہے کہ نہ تو لوگ پانی پر ہیں اور نہ لوگوں کیساتھ پانی ہے۔ یہ سنکر ابو بکر آئے اور رسول اللہ صلی اللہ

روانہ ہوگیا۔ یہ اکیلی رہ گئیں اور ہار مل گیا۔ نہ تو حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ہار کے گم ہونے کی اطلاع دی گئی اور نہ ہار کی تلاش کے لئے لشکر رکا اور نہ ہار تلاش کرنے کے لئے کسی کو مقرر کیا گیا تھا۔ مگر آیت تیمم کے شان نزول کے واقعے میں۔ یہ تفصیلات مذکور ہیں کہ ہار کے گم ہونے کی اطلاع حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو دی گئی۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ہار تلاش کرنے کے لئے خود بھی قیام فرمایا اور پورا لشکر رکا۔ حتی کہ نماز فجر کے وقت تک رکا رہا۔ آیت تیمم نازل ہوئی۔ سب نے تیمم کرکے نماز پڑھی۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اسید بن حضیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ وغیرہ کو تلاش کرنے کے لئے مقرر فرمایا۔ مگر جب حضرت ام المومنین کا اونٹ اٹھایا گیا تو اونٹ کے نیچے ہار ملا۔ حضرت ام المومنین اکیلی نہیں قافلے کے ساتھ ساتھ رہیں۔ قافلہ رات کے پچھلے پہر نہیں، نماز فجر کے بعد چلا۔ اس لئے اتنا تو طے ہے کہ واقعہ افک جس سفر میں پیش آیا تھا اس میں آیت تیمم نہیں نازل ہوئی تھی بلکہ کسی اور سفر میں نازل ہوئی تھی۔

اب بحث طلب بات یہ رہ جاتی ہے۔ کہ یہ غزوہ ذات الرقاع کا واقعہ ہے یا کسی اور غزوے کا۔ علامہ ابن جوزی کی رائے ہے کہ یہ غزوہ ذات الرقاع کا واقعہ ہے جو ۴ھ میں ہوا۔ اور طبرانی کی روایت سے ظاہر ہوتا ہے کہ واقعہ افک کے بعد کا قصہ ہے۔ واقعہ افک کے بارے میں روایات مختلف ہیں۔ ابن سعد نے کہا کہ ۵ھ ۲ شعبان دوشنبہ کو حضور غزوہ مریسیع کے لئے نکلے تھے۔ امام بخاری نے ابن اسحاق سے نقل کیا یہ غزوہ ۶ھ میں ہوا اور موسی بن عقبہ نے کہا ۴ھ میں۔ اگر غزوہ مریسیع اور ذات الرقاع دونوں کو ۴ھ میں مان لیا جائے جب تو معاملہ آسان ہے۔ لیکن اگر غزوہ ذات الرقاع کو ۶ھ میں اور غزوۂ بنی المصطلق کو ۵ھ یا ۴ھ میں مانیں تو معاملہ پھر مشکل ہوجاتا ہے۔ صحیح یہی ہے کہ غزوہ بنی المصطلق ۵ھ میں ہوا ہے۔ علامہ عسقلانی نے تحریر فرمایا کہ شاید یہ سبقت قلم ہے۔ اس لئے کہ مغازی ابن عقبہ میں متعدد طریقوں سے یہی ہے کہ یہ غزوہ ۵ھ میں ہوا۔ علامہ سیوطی نے توشیح میں بھی یہی فرمایا کہ یہاں امام بخاری سے سبقت قلم ہوگیا ہے۔ ابن عقبہ کا قول ابن اسحٰق سے زیادہ صحیح ہے۔ یہ غزوہ ۶ھ میں نہیں ہوا۔ علامہ ابن حجر نے اس پر یہ دلیل قائم فرمائی۔ کہ واقعہ افک کے وقت حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ حیات تھے۔ اہل افک کے معاملے میں انھوں نے یہی عرض کیا تھا۔ حضور فرمائیں اگر وہ ہمارے قبیلے اوس کا ہے تو ہم اس کی

ـہ بخاری جلد ثانی مغازی باب غزوہ بنی المصطلق ص۵۹۳

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاضِعٌ رَأْسَهُ عَلٰى فَخِذِيْ قَدْ نَامَ فَقَالَ حَبَسْتِ رَسُوْلَ

تعالیٰ علیہ وسلم اپنا سر میری ران پر رکھے ہوئے سو رہے تھے۔ ابوبکر نے کہا رسول اللہ صلی اللہ

اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالنَّاسَ وَلَيْسُوْا عَلٰى مَاءٍ وَّلَيْسَ مَعَهُمْ مَاءٌ

علیہ وسلم اور لوگوں کو تونے روک لیا؟ اور حال یہ ہے لوگ پانی پر نہیں اور نہ ان کے ساتھ پانی ہے

فَقَالَتْ عَائِشَةُ فَعَاتَبَنِيْ أَبُوْ بَكْرٍ وَّقَالَ مَاشَاءَ اللّٰهُ أَنْ يَّقُوْلَ وَجَعَلَ يَطْعَنُنِيْ

عائشہ نے بتایا۔ اس پر ابوبکر مجھے سرزنش کرنے لگے اللہ نے جو چاہا کہا۔ اور میری کوکھ میں اپنے ہاتھ

گردن اڑا دیں۔ اور اگر ہمارے بھائی خزرج کا ہے تو حکم دیں ہم تعمیل کریں۔ ان کی شہادت غزوہ خندق میں تیر لگنے سے بنی قریظہ کے معاملے میں فیصلہ کے بعد ہوئی تھی۔ اور یہ طے ہے کہ غزوہ خندق شوال ۵ھ میں ہوا ہے۔ غزوہ بنی مصطلق کے لئے طے ہے کہ یہ شعبان میں ہوا تو لازم کہ زیادہ سے زیادہ ۵ھ میں ہوا غزوہ مریسیع کے ۶ھ میں ہونے کا کوئی سوال نہیں۔ اتنا تو یقینی ہے کہ غزوہ ذات الرقاع غزوہ خندق کے بعد ہوا ہے اس لئے کہ خندق کے موقع پر تین نمازیں قضا ہوگئیں۔ صلوٰۃ خوف نہیں پڑھی گئی تو معلوم ہوا کہ خندق کے وقت تک صلوٰۃ خوف شروع نہیں تھی۔ اور یہ بھی طے ہے کہ غزوہ ذات الرقاع میں صلوٰۃ خوف پڑھی گئی۔ نیز حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے بھی مروی ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ میں نے غزوہ نجد میں (یہ ذات الرقاع کا دوسرا نام ہے) حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ صلوٰۃ خوف پڑھی اور حضرت ابن عمر جس پہلے غزوہ میں شریک ہوئے تھے وہ خندق ہے۔ اور آگے بڑھیے۔ مسند امام احمد اور ابوداؤد و نسائی میں ہے۔ کہ حدیبیہ کے موقع پر "عسفان" میں عصر و ظہر کے درمیان صلوٰۃ خوف نازل ہوئی تھی۔ پہلی صلوٰۃ خوف عسفان میں پڑھی گئی۔ تو معلوم ہوا کہ غزوہ ذات الرقاع حدیبیہ کے بعد ہوا۔ کتنے دن بعد ہوا۔ اس کا سراغ یہاں تک لگتا ہے کہ غزوہ خیبر کے بعد ہوا۔ اس لئے کہ اس میں حضرت ابو موسیٰ اشعری اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی شریک تھے۔ مصنف ابن ابی شیبہ میں ہے کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا۔ جب آیت تیمم نازل ہوئی تو مجھے یہ نہیں سمجھ میں آیا کہ تیمم کیسے کروں اور یہ لوگ خیبر کے فتح کے بعد خدمت اقدس میں خیبر ہی میں حاضر ہوئے نیز بخاری مغازی میں ہے۔ کہ حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسے غزوہ سابعہ کہا ہے اس کا ظاہر مطلب یہ ہے کہ سن سات کا غزوہ۔ اس سے ثابت ہوگیا کہ یہ ۷ھ میں ہوا۔ اس کا بھی لازمی نتیجہ یہ ہے کہ یہ خیبر کے بعد ہوا۔ اس لئے کہ خیبر ۷ھ کے اوائل میں اور ۶ھ کے اخیر میں ہوا تھا۔

دوسرا اشکال اور حل اس حدیث میں۔ آیت تیمم۔ سے مراد کیا ہے۔ اس لئے کہ تیمم کا حکم دو آیتوں میں ہے ایک سورہ

۱۔ بخاری جلد اول صلوٰۃ الخوف ص۱۲۸ ایضاً جلد ثانی مغازی غزوہ ذات الرقاع ص۵۹۲ نسائی جلد اول صلوٰۃ الخوف ص۲۲۹ ۲۔ ابوداؤد جلد اول صلوٰۃ باب صلوٰۃ الخوف ص۱۷۴۔ نسائی جلد اول صلوٰۃ الخوف ص۲۳۰ ایضاً ص۲۳۱۔ ۳۔ بخاری جلد ثانی مغازی غزوہ ذات الرقاع ص۵۹۲۔ ۴۔ بخاری جلد ثانی مغازی ذات الرقاع ص۵۹۳۔ ابوداؤد صلوٰۃ الخوف ص۱۷۵ ایضاً ص۱۷۶ نسائی جلد اول صلوٰۃ الخوف ص۲۲۹۔

بِيَدِهٖ فِيْ خَاصِرَتِيْ فَلَا يَمْنَعُنِيْ مِنَ التَّحَرُّكِ إِلَّا مَكَانُ رَسُوْلِ
سے کوکھے مارنے لگے۔ مجھے ہلنے سے صرف یہ چیز مانع تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم
اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلٰى فَخِذِيْ۔ فَقَامَ رَسُوْلُ اللّٰهِ
کا سراقدس میرے زانو پر تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم صبح کو
صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حِيْنَ أَصْبَحَ عَلٰى غَيْرِ مَاءٍ فَأَنْزَلَ اللّٰهُ
اٹھے تو پانی نہیں تھا۔ اس پر اللہ عزوجل نے تیمم کی آیت

نسا میں ہے۔ دوسری سورہ مائدہ میں ہے۔ دونوں آیتوں کے الفاظ ایک ہی ہیں۔ صرف اتنا فرق ہے کہ سورہ مائدہ کی آیت میں۔ وَاَيْدِيْكُمْ۔ کے بعد مِنْهُ بھی ہے۔ سورہ نسار کی آیت یہ ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَأَنْتُمْ سُكَارٰى حَتّٰى تَعْلَمُوْا مَا تَقُوْلُوْنَ وَلَا جُنُبًا إِلَّا عَابِرِيْ سَبِيْلٍ حَتّٰى تَغْتَسِلُوْا وَإِنْ كُنْتُمْ مَرْضٰى أَوْ عَلٰى سَفَرٍ أَوْ جَاءَ أَحَدٌ مِّنْكُمْ مِّنَ الْغَائِطِ أَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَاءَ فَلَمْ تَجِدُوْا مَاءً فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا طَيِّبًا فَامْسَحُوْا بِوُجُوْهِكُمْ وَأَيْدِيْكُمْ ﴿۴۳﴾

اے ایمان والو! نشے کی حالت میں نماز کے قریب مت جاؤ جب تک جو کہو اسے سمجھنے نہ لگو اور نہ ناپاکی کی حالت میں جب تک غسل (نہ) کرلو۔ مگر یہ کہ راستہ چل رہے ہو اور اگر تم بیمار ہو یا سفر میں ہو یا قضاء حاجت کرکے آئے ہو یا عورتوں سے ہمبستری کی ہو اور پانی نہ پاؤ تو پاک مٹی سے تیمم کرو اور اپنے چہرہ اور ہاتھوں کو ملو۔

سورہ مائدہ کی آیت کا ابتدائی حصہ یہ ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا إِذَا قُمْتُمْ إِلَى الصَّلٰوةِ فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ وَأَيْدِيَكُمْ إِلَى الْمَرَافِقِ وَامْسَحُوْا بِرُءُوْسِكُمْ وَأَرْجُلَكُمْ إِلَى الْكَعْبَيْنِ۔ وَإِنْ كُنْتُمْ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوْا ﴿۶﴾

اے ایمان والو! جب تم نماز کے لئے کھڑے ہونا چاہو تو اپنے اپنے منہ اور کہنیوں تک ہاتھوں کو دھوؤ اور اپنے اپنے سروں کا مسح کرو اور اپنے اپنے پاؤں ٹخنے تک دھوؤ اور اگر جنبی ہو تو خوب اچھی طرح پاک ہو لو۔

اس کے بعد بعینہٖ وہی الفاظ کریمہ ہیں جو سورہ نسار کے ہیں صرف بعد میں منہ کا اضافہ ہے۔ امام بخاری نے سورہ نسار کی آیت کے ضمن میں بھی بالاختصار یہی حدیث ذکر کی ہے اور سورہ مائدہ والی آیت کی بھی تفسیر میں یہی حدیث ذکر کی ہے۔ جس سے بظاہر یہ شبہ ہوتا ہے کہ شاید امام بخاری اس کے قائل ہیں کہ ان دونوں آیتوں کا شان نزول ایک ہی واقعہ ہے۔ مگر ہر ذی علم پر واضح ہے کہ دونوں آیتوں کا شان نزول ایک ماننا بہت سطحی بات ہے۔ اگر دونوں جگہ کی روایتوں پر نظر دقیق ڈالی جائے تو واضح ہو جائے گا کہ امام بخاری نے قریب قریب یہ تصریح فرما دی ہے کہ اس موقع پر سورہ مائدہ کی آیت نازل ہوئی ہے۔ اس لئے کہ

عَزَّ وَجَلَّ اٰيَةَ التَّيَمُّمِ ۔ فَتَيَمَّمُوْا فَقَالَ اُسَيْدُ بْنُ الْحُضَيْرِ،

اتاری ۔ اس کے بعد لوگوں نے تیمم کیا ۔ اسید بن حضیر نے کہا اے آل

سورہ نساء میں صرف یہ ہے فانزل اللہ التیمم ۔ اور سورہ مائدہ میں ۔ فنزلت ۔ یا ایھا الذین اٰمنوا اذا قمتم الی الصلٰوۃ فاغسلوا ۔ الایۃ ۔ یہ اس پر نص ہے کہ اس موقع پر، سورہ مائدہ کی آیت نازل ہوئی ۔

اس روایت کے مطابق خود حضرت ام المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا یہ ارشاد ہوا کہ اس واقعہ میں سورہ مائدہ کی آیت نازل ہوئی ۔ نیز مسند حمیدی میں بھی یہ تصریح ہے ۔ اس لئے راجح یہی ہے کہ اس حدیث میں آیت تیمم سے مراد سورہ مائدہ کی آیت ہے ۔

علاوہ ازیں یہاں باب میں امام بخاری نے جو آیت نقل فرمائی ہے اس میں ۔ منہ ۔ ہے ۔ اس سے بھی یہ اشارہ ملتا ہے کہ امام بخاری اس کے قائل ہیں کہ اس حدیث میں ۔ آیت تیمم سے مراد، سورہ مائدہ کی آیت ہے ۔

تیسرا اشکال اور حل ابن عربی نے کہا کہ اس وقت کون سی آیت نازل ہوئی یہ ایسا اشکال ہے جس کا کوئی حل نہیں ۔ اللہ عزوجل نے ان اساطین ملت کو اسلام اور مسلمین کی طرف سے جزائے خیر عطا فرمائے ۔ انکا کفش بردار عرض کرتا ہے ۔ ہم بتا آئے کہ اس موقع پر سورہ مائدہ والی آیت نازل ہوئی اس سے ظاہر ہوگیا کہ صحیح یہ ہے کہ سورہ نساء والی آیت بعد میں نازل ہوئی ۔ اس لئے کہ سورہ نساء کی آیت اگر پہلے نازل ہو چکی ہوتی تو اس وقت لوگوں کے پریشان ہونے کی کوئی وجہ نہیں تھی ۔ تیمم کر کے نماز پڑھ لیتے پریشان کیوں ہوتے ؟ رہ گیا یہ شبہ کہ پھر سورہ نساء میں تیمم کے دوبارہ ذکر کی ضرورت کیا تھی ؟ ۔ یہ شبہ اس وقت لائق لحاظ ہوتا جبکہ قرآن مجید میں کچھ احکام مکرر مذکور نہ ہوتے ۔ کتنے احکام مکرر مذکور ہیں ۔ اسی طرح تیمم بھی دوبارہ مذکور ہوا تو کیا اعتراض ۔ اس سے قطع نظر کرتے ہوئے یہاں ایک خاص فائدہ بھی موجود ہے ۔ سورہ نساء کی آیت پر ایک بار پھر نظر بغور ڈالیں ارشاد ہے ۔

اے ایمان والو نشے کی حالت میں نماز کے قریب نہ جاؤ جب تک جو کہو اسے سمجھنے نہ لگو اور نہ ناپاکی کی حالت میں جب تک غسل نہ کر لو مگر یہ کہ راستہ طے کر رہے ہو ۔ اگر آیت یہیں تک ہوتی اور اس کے بعد تیمم کا ذکر نہ ہوتا تو دو شبہ ہو سکتا تھا ۔ ایک یہ کہ شاید اس نے آیت تیمم منسوخ کر دیا ۔ دوسرا یہ کہ مسافر پر غسل جنابت نہیں ۔ ان دونوں شبہوں کے دفعیہ کے لئے پھر تیمم کا ذکر فرمایا کہ یہ افادہ ہو جائے کہ تیمم کا حکم اب بھی ان لوگوں کے لئے باقی ہے جو پانی پر قدرت نہ رکھتے ہوں ۔ خواہ انھیں غسل کی حاجت ہو خواہ وضو کی ۔ خواہ مسافر ہوں خواہ مقیم ۔

ایضاح البخاری کی لایعنی تقریر یہاں پھر وہی کہنا پڑتا ہے کہ صاحب ایضاح البخاری نے اپنے جی حضوری کہنے والے طلبہ کو دھونس دینے کے لئے اس شق پر بھی نکتہ آفرینی کی ہے ۔ کہ اگر یہ مان لیا جائے ۔ سورہ نساء کی آیت پہلے نازل ہوئی ۔ اور سورہ مائدہ کی بعد میں تو حضرات صحابہ کی پریشانی کا باعث یہ بات ہو سکتی ہے ۔

کہ سورہ نساء کی آیت میں جنابت کا مسئلہ صراحت کے ساتھ نہیں ہے ۔ اس آیت کریمہ میں یہ تصریح نہیں ۔ کہ جنابت کی صورت میں بھی تیمم کیا جا سکتا ہے ۔ بلکہ ایک درجہ میں وہم یہی پیدا ہوتا ہے کہ جنبی کو بہر صورت غسل ہی کی ضرورت ہے ولا

مَاھِیَ بِاَوَّلِ بَرْکَتِکُمْ یَا اٰلَ اَبِیْ بَکْرٍ قَالَتْ فَبَعَثْنَا الْبَعِیْرَ الَّذِیْ کُنْتُ

ابو بکر یہ تمہاری پہلی برکت نہیں۔ عائشہ نے بتایا جب ہم نے اس اونٹ کو اٹھایا جس پر

جُنُباً اِلَّا عَابِرِیْ سَبِیْلٍ حَتّٰی تَغْتَسِلُوْا۔ اس سے شبہ ہوتا ہے کہ مسافر کے علاوہ جنابت کی صورت میں غسل کئے بغیر نماز کے قریب جانے کی اجازت نہیں۔ حَتّٰی تَغْتَسِلُوْا سے معلوم ہوتا ہے کہ اغتسال ضروری ہے صرف مسافر مستثنیٰ ہے۔ جلد ۱۲ ص ۱۶۳۔ اس پر گذارش یہ ہے۔ کہ جس طرح وَاِنْ کُنْتُمْ مَرْضٰی، سے پہلے سورہ نساء میں وَلَا جُنُباً اِلَّا عَابِرِیْ سَبِیْلٍ حَتّٰی تَغْتَسِلُوْا ہے۔ جس سے بقول آپ کے یہ توہم ہوتا ہے کہ مسافر کے علاوہ کسی جنبی کو غسل کے بغیر نماز پڑھنے کی اجازت نہیں۔ اسی طرح سورہ مائدہ میں۔ وَاِنْ کُنْتُمْ جُنُباً فَاطَّھَّرُوْا۔ ہے۔ اس سے آپ کی منطق سے یہ شبہ ہی نہیں یقین حاصل ہوتا ہے کہ کسی بھی جنبی کو غسل کئے بغیر نماز کی اجازت نہیں حتی کہ مسافر ہو جب بھی۔ پھر کوئی مجھے بتائے کہ سورہ مائدہ کی آیت کے نزول سے کیا فائدہ؟ بلکہ الٹے نقصان اس لئے کہ بقول آپ کے، سورہ نساء کی آیت میں مسافر مستثنیٰ تھا۔ اور سورہ مائدہ نے اسے بھی صاف کر دیا۔ یہ ذہن میں رہے کہ سورہ نساء میں حَتّٰی تَغْتَسِلُوْا اور سورہ مائدہ میں فَاطَّھَّرُوْا کے بعد دونوں جگہ الفاظ ایک ہیں۔ ثانیاً۔ جب آپ کو یہ تسلیم ہے کہ سورہ نساء کی آیت سے وضو کے عوض تیمم اور مسافر کے لئے غسل کے عوض تیمم ثابت ہے۔ تو صحابہ کرام کی پریشانی کا باعث کیا تھا۔ وہ سب حضرات سفر میں تھے۔ اگر بالفرض کسی پر غسل واجب تھا تو وہ بھی تیمم کر لیتا۔ ثالثاً۔ آپ کو آپ کے اساتذہ نے بتایا ہی نہیں کہ۔ وَاِنْ کُنْتُمْ مَرْضٰی سے لیکر وَلَمْ تَجِدُوْا مَاءً تک جو کچھ مذکور ہے اس سے یہ بھی ثابت ہے کہ وضو کے عوض بھی تیمم کافی اور غسل کے عوض بھی۔ مسافر کے لئے بھی اور مقیم کے لئے بھی۔ یہ تو گستاخی ہوگی اگر میں یہ کہدوں کہ آپ کے اساتذہ یہ جانتے نہ تھے مگر اتنا ضرور کہوں گا کہ اگر وہ جانتے تھے اور نہیں بتایا تو آپ کے ساتھ بخل سے کام لیا۔ اب آپ ہم سے سنئے۔ لٰمَسْتُمُ النِّسَاءَ میں مُلَامَسَۃ سے مراد جماع ہے جس کی مفصل تقریر گذر چکی اور مخاطب مسافر کے ساتھ مقیم بھی ہے علاوہ ازیں مَرْضٰی اَوْ عَلٰی سَفَرٍ۔ جنبی اور محدث دونوں کو عام ہے خواہ وہ مسافر ہو یا مقیم۔ اس لئے اس افادے میں دونوں آیتیں مشترک ہیں۔ کہ محدث کی طرح جنبی کو بھی پانی پر قدرت نہ ہونے کے وقت تیمم کافی ہے مسافر ہو یا مقیم۔ مگر شیخ الحدیثی کا بھرم قائم رکھنے کے لئے بلا ضرورت شق نکال کر لایعنی تقریر سے دھونس جمانا ضروری ہے؟

چوتھا اشکال اور اس کا حل علم غیب کے منکرین اس واقعے سے یہ دلیل لاتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو علم غیب نہیں تھا۔ اگر علم غیب ہوتا۔ تو ہار کے تلاش کے لئے ایسی جگہ قیام کر کے خود بھی پریشان نہ ہوتے اور صحابہ کرام کو بھی پریشان نہ کرتے۔

جواب یہ ہے۔ کہ ہم حدیث جبریل میں بتا آئے ہیں کہ نزول قرآن کی تکمیل سے پہلے پہلے، جمیع ماکان ومایکون کا علم نہیں تھا۔ جمیع ماکان ومایکون کا علم نزول قرآن کی تکمیل کے ساتھ حاصل ہوا ہے۔ نزول قرآن کی تکمیل سے پہلے ،، قدر معتد بہ ،، علم غیب تھا۔ دو چار باتوں کا نہ جاننا قدر معتد بہ جاننے کے منافی نہیں۔ جیسے ائمہ مجتہدین نے

عَلَيْهِ فَاَصَبْنَا الْعِقْدَ تَحْتَهٗ؏
میں تھی تو ہار اس کے نیچے ملا ۔

بعض مسائل کے بارے میں فرمایا کہ ہم نہیں جانتے ۔ ان چند مسائل کا نہ جاننا ان کے امام بلکہ امام الائمہ ہونے کے منافی نہیں ۔ اس طرح اگر بفرض غلط یہ مان لیا جائے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو یہ پتہ نہیں تھا کہ ہار کہاں ہے ۔ تو یہ اس کے منافی نہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، علم غیب جانتے تھے ۔ ویسے یہ کہنا ہی غلط ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو معلوم نہیں تھا کہ ہار کہاں ہے ۔ میں کہتا ہوں کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو خوب اچھی طرح معلوم تھا کہ ہار کہاں ہے ۔ مگر بتایا کیوں نہیں وہاں قیام کیوں فرمایا ۔ اس لئے کہ حضور کو یہ معلوم تھا کہ تیمم کا حکم یہیں نازل ہوگا ۔ جس میں میری امت کے لئے آسانی ہے ۔

ناظرین غور کریں ۔ یہ ہار حضرت ام المومنین کا اپنا نہیں تھا ان کی بہن حضرت اسمار رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا تھا ان سے مانگ کر لائی تھیں ۔ جیسا کہ اسی بخاری ہی میں ایک حدیث کے بعد ہے ۔ انہا استعارت من اسماء قلادۃ حضرت ام المومنین نے حضرت اسمار سے ہار منگنی لیا تھا ۔ عرب کے ریگستانی علاقے میں یہ ہار ٹوٹ کر گر پڑا ہے وہ بھی رات کے وقت وہ بھی ایک لشکر کے ہمراہ گرنے کے بعد اس پر اونٹوں کے پاؤں پڑنے کا اندیشہ ہے ۔ جس سے زمین میں دھنس کر غائب ہو سکتا ہے ۔ اپنی چیز کے گم ہونے کا اتنا غم نہیں ہوتا ۔ جتنا منگنی کی چیز کے غائب ہونے کا ہوتا ہے جس کی چیز ہے وہ کچھ بھی سوچ سکتا ہے ۔ ان سب کا حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے قلب مبارک پر خاص اثر ہونا ضروری تھا ۔ مگر روایت کے الفاظ دیکھئے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اطمینان سے میٹھی نیند سو رہے ہیں ۔ حضرت صدیق اکبر حضرت ام المومنین کو کیا کیا کہتے ہیں مگر حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نیند میں کوئی خلل نہیں ہوتا ۔ یہ دلیل ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہار کی طرف سے مطمئن تھے ۔ معلوم تھا کہ ہار خود حضرت عائشہ کے اونٹ کے نیچے بحفاظت تمام رکھا ہوا ہے ۔ کہیں غائب نہیں ہے ۔ اس لئے پورے سکون کے ساتھ گہری نیند سوتے رہے اور چونکہ یہ معلوم تھا کہ "آیت تیمم یہیں نازل ہوگی اس لئے قیام فرمایا ۔ غور کریں اس واقعے سے علم غیب کا ثبوت ہوتا ہے مگر کیا کیجئے گا ع ہنر بچشم عداوت بزرگتر عیب است

مسائل ① شادی شدہ لڑکی کی شکایت اس کے باپ سے کرنی جائز ہے اگرچہ وہ اپنے شوہر کے گھر رہتی ہو ② ایسی لڑکی کو بھی باپ تنبیہ و تادیب کر سکتا ہے ۔ اسی طرح بیٹے کو بھی ③ لڑکی اپنے شوہر کے ساتھ جس گھر میں ہو ۔ باپ اس میں جا سکتا ہے بشرطیکہ میاں بیوی دونوں راضی ہوں ④ مذہب صحیح یہ ہے کہ تہجد کی نماز حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر فرض تھی ۔ یہی جمہور کا بھی مذہب ہے ۔ ان کی دلیل یہ ارشاد ربانی ہے ۔

؏ ۔ بخاری جلد اول تیمم ۔ اول حدیث ص۴۸ ایضاً مناقب باب فضل ابی بکر ص۵۱۸ ایضاً جلد ثانی تفسیر سورہ مائدہ باب قولہ فلم تجدوا ماء فتیمموا ۔ دو طریقے ص۶۶۲ ایضاً جلد ثانی محاربین باب من ادب اھلہ او غیرہ دون السلطان ص۱۰۱۲ مسلم جلد اول طہارت باب التیمم ص۱۶۰ نسائی جلد اول طہارت باب بدء التیمم ص۵۹ موطا طہارت باب التیمم ص۲۰

حدیث اعطیت خمسا (۲۳۶)

اَخْبَرَنَا جَابِرُ بْنُ عَبْدِ اللّٰہِ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے ہمیں خبر دی۔ کہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

وَمِنَ اللَّيْلِ فَتَهَجَّدْ بِهٖ نَافِلَةً لَّكَ ط رات میں، سونے کے بعد اٹھ کر نماز پڑھو خاص تمہارے لئے یہ زیادہ ہے۔

بنی اسرائیل ۷۹

تَہَجَّدْ۔ امر کا صیغہ ہے جو وجوب کے لئے ہے۔ اس حدیث سے ثابت ہوا کہ حالت سفر میں حضور پر تہجد فرض نہ تھا۔

⑤ اس سے معلوم ہوا کہ حضرت صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے دل میں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا کتنا احترام تھا، کتنی محبت تھی۔ کہ کوپخے کھانے کے بعد بھی ذراسی حرکت نہ کی مبادا حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نیند میں خلل پڑے۔ ⑥ بارگاہ الوہیت میں حضرت صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی وجاہت معلوم ہوئی کہ اللہ عزوجل نے اتنی بڑی نعمت ان کے ذریعہ سے عطا فرمائی۔ اور بقول حضرت اسید بن حضیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ ایسی برکتیں ان سے بار بار ظاہر ہوئیں۔ ⑦ اس ہار کی قیمت بارہ درہم تھی۔ مگر اس کی تلاش کے لئے پورا لشکر روکا گیا تو معلوم ہوا۔ معمولی قیمت کی بھی کوئی چیز ضائع نہیں ہونے دینی چاہیئے ⑧ سفر میں اگر ساتھیوں کا کوئی سامان غائب ہو جائے تو اس کی تلاش دوسرے رفقاء کو بھی کرنی چاہیئے کوئی تکلیف پہنچے تو اسے دور کرنے کے لئے جدوجہد کرنی چاہیئے اگرچہ اس کے لئے رکنا پڑے۔ ⑨ عورتوں کے ساتھ سفر کرنا جائز ہے اگر امن وامان ہو اور اطمینان ہو ⑩ عورتوں کو زیب وزینت کے لئے زیور پہننا جائز ہے ⑪ عورت منگنی کا زیور پہن سکتی ہے اور مالک کی اجازت کے بعد سفر بھی کر سکتی ہے۔

تشریحات (۲۳۶)

تعداد خصائص یہاں پانچ کا عدد مذکور ہے۔ مسلم میں چھ کا اور تفصیل میں "اعطیت الشفاعۃ" نہیں ہے۔ دو مزید یہ ہیں۔ اعطیت بجوامع الکلم۔ وختم بی النبیون۔ مسلم ہی میں حضرت حذیفہ کی حدیث میں یہ ہے۔ فضلنا علی الناس بثلث۔ جعلت صفوفنا کصفوف الملائکہ۔ وجعلت لنا الارض الی آخرہ نسائی میں یہ زائد ہے۔ واوتیت ہؤلاء الآیات الاخر سورۃ البقرہ من کنز تحت العرش اور ابوداؤد میں ہے واوتیت الکوثر۔ بخاری، مسلم، نسائی میں ہے۔ واوتیت بمفاتیح خزائن الارض اور مسند امام احمد میں یہ اضافہ ہے واعطیت بمفاتیح الارض وسمیت احمد وجعل لی التراب طہورا وجعلت امتی خیر الامم۔ یہ بارہ خصائص ہوئے۔ مگر ان میں بھی حصر نہیں۔ ابوسعید نیشاپوری نے اپنی کتاب۔ شرف المصطفیٰ۔ میں ساٹھ شمار کرائے۔ مگر ساٹھ میں بھی انحصار نہیں۔ جو اس کی قدرے تفصیل دیکھنا

تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ، اُعْطِیْتُ خَمْسًا لَمْ یُعْطَھُنَّ اَحَدٌ قَبْلِیْ، نُصِرْتُ

نے فرمایا مجھے پانچ ایسی چیزیں عطا کی گئیں جو مجھ سے پہلے کسی کو نہیں دی گئیں۔ ایک مہینے کی مسافت تک میرے مخالفوں

بِالرُّعْبِ مَسِیْرَۃَ شَھْرٍ وَجُعِلَتْ لِیَ الْاَرْضُ مَسْجِدًا وَّطَھُوْرًا فَاَیُّمَا

کے دل میں میرا رعب ڈال کر میری مدد کی گئی میرے لئے پوری زمین نماز کی جگہ اور پاک کرنے والی بنائی گئی۔

چاہیے وہ خاتم الحفاظ علامہ جلال الدین سیوطی قدس سرہ کی کتاب۔ خصائص کبریٰ۔ کا مطالعہ کرے۔ مذہب صحیح و محقق یہ ہے کہ مفہوم عدد حجت نہیں۔ اس لئے تین یا پانچ یا چھ کے عدد کے مذکور ہونے کا یہ مطلب نہیں کہ اس سے زائد نہیں۔ بلکہ موقع و محل کے اعتبار سے جتنے کی ضرورت سمجھی ان کو بیان فرمایا۔ مسند امام احمد میں، عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ کی حدیث میں ہے کہ حضور نے غزوہ تبوک کے سال یہ فرمایا تھا۔

لم یعطھن احد داودی اور بعض دوسرے لوگوں نے اس کا مطلب یہ بتایا کہ مراد یہ ہے کہ یہ پانچوں مجموعی طور پر کسی کو نہیں ملیں۔ ان میں سے بعض بعض انبیاء کو عطا کی گئیں مثلاً نوح علیہ السلام تمام اہل ارض کے لیے رسول تھے۔ قبل طوفان بھی بعد طوفان بھی۔ قبل طوفان اس طرح کہ طوفان پوری دنیا کے کافروں پر آیا حالانکہ اللہ عزوجل فرماتا ہے۔

مَاكُنَّا مُعَذِّبِیْنَ حَتّٰی نَبْعَثَ رَسُوْلًا ہم کسی پر عذاب نہیں کرتے جب تک رسول نہ بھیج لیں۔

بنی اسرائیل ۱۵

اور حضرت نوح علیہ السلام کے زمانے میں کہیں اور کسی نبی کی بعثت نہیں ہوئی۔ تو ثابت ہے کہ پوری زمین کے انسانوں کی طرف مبعوث تھے۔ بعد طوفان تو سارے کافر ہلاک ہوگئے صرف اسّی افراد جو مومن تھے بچے جو سب حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کے تھے۔ اس کے علاوہ حدیث شفاعت میں ہے۔ کہ اہل محشر حضرت نوح علیہ السلام سے عرض کریں گے۔ اَنْتَ اَوَّلُ رَسُوْلٍ اِلٰی اَھْلِ الْاَرْضِ۔ اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں ہے کہ وہ سیاحت فرماتے رہتے۔ جہاں نماز کا وقت ہو جاتا نماز پڑھ لیتے۔

مگر صحیح یہ ہے کہ ان میں سے کوئی ایک فضیلت کسی کو نہیں عطا ہوئی۔ حضرت نوح علیہ السلام کی رسالت کے بارے میں قرآن کی نص ہے کہ فرمایا۔

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰی قَوْمِهٖ۔ ھود ۲۵ ہم نے نوح کو ان کی قوم کی طرف بھیجا۔

رہ گیا پوری دنیا پر عذاب آنا ہو سکتا ہے یہ اس وجہ سے ہو کہ دوسری قوموں کی طرف دوسرے انبیاء بھیجے گئے ہوں اور ان قوموں نے انبیاء کو جھٹلایا ہو۔ عدم علم، علم عدم نہیں۔ اور اہل محشر کی عرض کا حاصل یہ ہے کہ آپ پہلے وہ رسول ہیں جو زمین والوں کی جانب بھیجے گئے ہیں یہ نہیں کہ تمام اہل زمین کی طرف بھیجے گئے ان کی قوم بھی تو اہل ارض

رَجُلٍ مِنْ اُمَّتِیْ اَدْرَکَتْہُ الصَّلٰوۃُ فَلْیُصَلِّ وَ اُحِلَّتْ لِیَ الْمَغَانِمُ

میری امت کے جس شخص پر جہاں نماز کا وقت آجائے وہیں نماز پڑھ لے میرے لئے

وَلَمْ تَحِلَّ لِاَحَدٍ قَبْلِیْ وَ اُعْطِیْتُ الشَّفَاعَۃَ۔ وَکَانَ النَّبِیُّ یُبْعَثُ اِلٰی

اموال غنیمت حلال کر دئے گئے مجھ سے پہلے کسی کے لئے حلال نہ تھے۔ اور مجھے شفاعت کبریٰ عطا کی گئی۔ اور پہلے نبی کو خاص انکی

ہی ہے۔ رہ گیا بعد طوفان کا معاملہ تو اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کی اصل بعثت تو ان کی قوم ہی کی طرف تھی۔ یہ اتفاق ہے کہ طوفان میں بقیہ قومیں ہلاک ہوگئیں اور صرف ان کی قوم کے اسّی افراد بچے۔

ایک جواب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کے زمانے میں صرف انھیں کی قوم موجود رہی ہو۔ دوسری قومیں نہ رہی ہوں تو اصل بعثت ان کی قوم کی طرف ہوئی۔ یہ اتفاق ہے کہ انسان انکی قوم ہی میں منحصر تھے۔ رہ گئی یہ بات کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اجازت تھی کہ وہ جہاں چاہیں نماز پڑھ لیں۔ یہ بھی معارض نہیں۔ اس لئے کہ اس سلسلے میں خصوصیت دو چیزوں کا مجموعہ ہے ایک پوری زمین کا مسجد ہونا دوسرے زمین کا پاک کرنے والا ہونا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے لئے زمین کے ہر حصے میں نماز پڑھنے کی اجازت تھی۔ مگر ان کے لئے زمین، طاہر کرنے والی نہیں بنائی گئی تھی۔

نصرت بالرعب سائب بن یزید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ایک حدیث میں یہ تفصیل ہے۔ نصرت بالرعب شھرا اما می و شھرا خلفی۔ ایک مہینہ کی مسافت پر میرے آگے اور ایک ماہ کی مسافت پر میرے پیچھے۔ حضرت ابو امامہ باہلی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث میں ہے۔

یقذف فی قلوب اعدائی۔ یہ رعب میرے دشمنوں کے دلوں میں ڈالا جاتا ہے شارحین نے فرمایا۔ کہ ایک مہینے کی تخصیص اس بنا پر ہے کہ مدینہ طیبہ اور حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اس زمانے کے دشمنوں میں سے کوئی ایک مہینے کی دوری پر نہیں تھا۔ اس کا مفاد یہ ہوا کہ شھرا کی قید احترازی نہیں واقعی ہے۔ اس لئے ایک مہینے کی دوری کی تخصیص نہیں۔ بلکہ مراد یہ ہے کہ میرا رعب میرے ہر دشمن کے دل میں ہے خواہ وہ کتنی ہی دوری پر کیوں نہ ہو۔

اُحلت لی الغنائم غنائم غنیمت کی جمع ہے۔ کشمیہنی کی روایت میں مغانم ہے۔ یہ مغنم کی جمع ہے۔ دونوں کے معنی ایک ہیں۔ یعنی کوئی چیز مفت حاصل کرنا۔ شریعت میں غنیمت اس مال کو کہتے ہیں۔ جو لڑائی میں کافروں سے بطور قہر و غلبہ لیا جائے۔ گذشتہ انبیاء کرام میں کچھ وہ تھے جنھیں لڑائی کی اجازت نہ تھی۔ کچھ وہ تھے جنھیں لڑائی کی اجازت تھی مگر ان کے لئے مال غنیمت حلال نہ تھا۔ آسمان سے آگ آتی اور اسے جلا دیتی۔

اعطیت الشفاعۃ شفاعت کے لغوی معنی دعا کے ہیں۔ اور عرف میں کسی غیر سے کسی غیر کی حاجت کا

قَوْمِهٖ خَاصَّةً وَّبُعِثْتُ اِلَى النَّاسِ عَامَّةً۔ عہ

قوم کی جانب بھیجا جاتا تھا اور میں تمام لوگوں کی طرف بھیجا گیا ہوں۔

سوال کرنا۔ الشفاعۃ پر الف لام عہد کا ہے۔ اس سے مراد۔ شفاعتِ عظمٰی ہے۔ مراد یہ ہیکہ میدان محشر میں جب کوئی کسی کا نہ ہوگا اور نفسی نفسی کا عالم ہوگا۔ اس دن کی سختی سے ہر شخص جان سے عاجز ہوگا اس وقت سختیوں میں کمی کرانا اور حساب و کتاب شروع کرانا مراد ہے۔ یہ وہ شفاعت ہے جو ہر شخص کے لئے ہوگی خواہ وہ مومن ہو یا کافر نبی ہو یا ولی۔ اس شفاعت کبریٰ کے علاوہ اور بھی مخصوص شفاعت کی قسمیں ہیں جو حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ خاص ہیں۔ جو جلد اول میں مذکور ہو چکی ہیں۔ قیامت کے دن حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شفاعت کی خصوصیت یہ ہے کہ جس کے بارے میں بھی شفاعت فرمائیں گے وہ ضرور قبول ہوگی۔ جیسا کہ حدیث شفاعت میں ہے کہ اللہ عزوجل فرمائے گا۔ قل تسمع سل تعطہ۔ اشفع تشفع۔ کہو تمہاری بات سنی جائے گی۔ سوال کرو دیا جائے گا شفاعت کرو تمہاری شفاعت قبول کیجائے گی۔

بعثت الی الناس عامۃ بعثت عامّہ کا مطلب یہ ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نبوت و رسالت اگلے انبیاء کرام کی طرح قوم بستی، ملک یا زمانے کیساتھ خاص نہیں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نبوت و رسالت سارے جہان کے لئے ہے جو حیات ظاہری کے وقت دنیا میں موجود تھے۔ ان کے لئے بھی اور پہلے والوں کے لئے بھی اور قیامت تک جتنے پیدا ہوں گے سب کے لئے۔ خواہ وہ انسان ہوں خواہ جن، خواہ نبی و رسول ہوں خواہ ملائکہ۔ بلکہ اللہ عزوجل کے ماسوا تمام موجودات کے لئے ہے۔ قرآن مجید میں ہے۔

تَبٰرَكَ الَّذِیْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰى عَبْدِهٖ لِیَكُوْنَ لِلْعٰلَمِیْنَ نَذِیْرَا ۙ﴿۱﴾ برکت والی ہے وہ ذات جس نے اپنے (محبوب) بندے پر فرقان اتارا تاکہ وہ سارے جہاں کو ڈرائیں۔

فایما رجل ادرکتہ الصلوٰۃ جس کو جہاں نماز کا وقت ملے پڑھ لے۔ اس سے ثابت ہوا کہ زمین اور زمین کی جنس سے جو چیز ہو اس سے تیمم جائز ہے۔ اس لئے کہ حدیث کا یہ جز۔ سابق پر تفریع ہے۔ یعنی جب پوری زمین نماز کی جگہ بنا دی گئی۔ اور پوری زمین پاک کرنے والی کر دی گئی۔ تو تم جہاں ہو وہیں نماز پڑھو پانی نہ ملے تو زمین تو ہے تیمم کرکے نماز پڑھو۔ زمین کا بہت سا حصہ ایسا ہے جہاں مٹی نہیں صرف پتھر ہے اگر تیمم کو مٹی کے ساتھ خاص کر دیں گے۔ تو یہ تفریع درست نہ ہوگی۔ اس کی صحت کے لئے ضروری ہے کہ یہ مانیں کہ اگر تم کسی ایسی جگہ ہو جہاں مٹی نہ ہو پتھری پتھر ہو تو پتھری سے تیمم کرلو۔ اس لئے کہ یہ بھی زمین ہی کی جنس سے ہے۔ جب پتھر پر تیمم اس لئے جائز کہ زمین کی جنس سے

عہ بخاری جلد اول۔ تیمم ص۴۸۔ بخاری جلد اول صلوٰۃ باب جعلت لی الارض مسجدا وطہورا ص۶۲۔ مسلم جلد اول مساجد باب اول ببعض زیادۃ ونقصان ص۱۹۹۔ ترمذی جلد اول سیر باب ماجاء فی الغنیمۃ ص۱۸۸۔ نسائی جلد اول غسل باب التیمم بالصعید ص۳۷۔

حدیث۔ انها استعارت من اسماء قلادة فهلكت (۲۳۷)

عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ تَعَالَىٰ عَنْهَا أَنَّهَا اسْتَعَارَتْ مِنْ أَسْمَاءَ قِلَادَةً

ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ انھوں نے اپنی بہن حضرت اسمار سے ایک ہار مانگنی لیا تھا

فَهَلَكَتْ فَبَعَثَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ تَعَالَىٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَجُلًا فَوَجَدَهَا

وہ غائب ہوگیا تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک صاحب کو تلاش کرنے کے لئے بھیجا ہار تو انھیں

ہے تو ان تمام چیزوں سے جائز جو زمین کی جنس سے ہوں۔ ہر وہ چیز جو آگ سے جل کر نہ راکھ ہوتی ہو نہ اس کے اثر سے پگھلتی ہو نہ نرم ہوتی ہو وہ جنس ارض ہے جیسے ریت، چونا، سرمہ، ہڑتال، مردار سنگ، گیرو ہر قسم کے پتھر جیسے زبرجد، فیروزہ، عقیق، زمرد وغیرہ۔

تشریحات (۲۳۷)

اسید بن حضیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ یہ اوس کی مشہور شاخ بنی عبدالاشہل کے چشم و چراغ تھے۔ خاندانی رئیس تھے۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مدینہ تشریف لانے سے کچھ دن پہلے، انصار کے دونوں قبیلے، اوس، خزرج میں ایک انیر بہت خطرناک لڑائی ہوئی تھی جو، بُعاث کے نام سے مشہور ہے۔ اس میں ان کے والد، حضیر فارس اوس اور اس کے رئیس تھے۔ عقبہ اولیٰ کے بعد حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ مدینہ طیبہ تبلیغ اسلام کیلئے جب تشریف لائے تو ان کے ہاتھ پر مشرف با سلام ہوئے۔ انھیں کے ساتھ عقبہ ثانیہ میں شریک ہوئے۔ اور حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ہاتھ پر بیعت کی۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جن بارہ نقبار کو منتخب فرمایا تھا ان میں ایک یہ بھی تھے۔ یہ حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی پہلے مشرف باسلام ہوئے۔ یہ بہت عاقل و فہیم صائب الرای بزرگ تھے اور حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سچے جاں نثار انک کے سانحے پر جب حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت ام المومنین کی پاکدامنی بیان کرنے کے بعد یہ فرمایا۔ اس سلسلے میں میری کون مدد کرتا ہے اور حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا۔ میں حضور کی مدد کرونگا۔ یہ مفتری اگر میرے قبیلے اوس کا ہے تو اس کی گردن میں اڑا دونگا اور اگر ہمارے بھائی خزرج کا ہے تو آپ حکم دیں تعمیل ارشاد کرونگا۔ اس پر حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہہ دیا۔ اے اللہ کے دشمن تم نے جھوٹ کہا نہ تم اسے قتل کروگے اور نہ قتل کرسکتے ہو۔ یہ سن کر حضرت اُسید بن حضیر کو یارائے ضبط نہ رہا انھوں نے کہا۔ تم نے جھوٹ کہا خدا کی قسم ہم اسے ضرور قتل کریں گے تم منافق ہو اور منافقین کی حمایت میں لڑتے ہو۔ بدر میں شریک رہے یا نہیں۔ اس میں اختلاف ہے مگر اس کے بعد سارے "مشاہد" میں شریک رہے۔ غزوہ احد کی اس قیامت خیز گھڑی میں جبکہ انتشار عام کیوجہ سے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ صرف چودہ جاں نثار

فَاَدْرَكَتْهُمُ الصَّلٰوةُ وَلَيْسَ مَعَهُمْ مَاءٌ فَصَلَّوْا فَشَكَوْا ذٰلِكَ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ

مل گیا مگر اسی اثناء میں نماز کا وقت آ گیا۔ لوگوں کے ساتھ پانی نہیں تھا بغیر وضو کے نماز پڑھ لی لوگوں نے رسول اللہ

صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاَنْزَلَ اللّٰهُ اٰيَةَ التَّيَمُّمِ فَقَالَ اُسَيْدُ بْنُ

صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے اس کی شکایت کی اس کے بعد آیت تیمم نازل ہوئی اس پر اسید بن حضیر نے

رہ گئے تھے۔ یہ بھی موجود تھے۔ اس غزوے میں انھیں سات زخم لگے تھے۔ انھیں خوبیوں کی وجہ سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اسید اچھا آدمی ہے۔ ام المومنین حضرت صدیقہ نے فرمایا۔ انصار میں تین ایسے بزرگ ہیں جن کے فضل و کمال تک کوئی انصاری نہیں پہنچا۔ اور یہ تینوں بنی عبد الاشہل کے فرد ہیں۔ سعد بن معاذ، اسید بن حضیر اور عباد بن بشیر۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ انکا کافی لحاظ رکھتے تھے۔ اور یہی حال حضرت فاروق اعظم کا بھی تھا۔ جب حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ فتح بیت المقدس کے لئے گئے تو انھیں بھی ساتھ لیا تھا۔

سنہ ۲۰ھ کے شعبان میں وصال ہوا۔ حضرت فاروق اعظم نے جنازے کو کاندھا دیا۔ ان پر چار ہزار دینار قرض تھا جس کی ادائیگی کے لئے حضرت فاروق اعظم کو وصیت کر گئے تھے۔ حضرت فاروق اعظم نے ان کے باغ کے پھلوں کو بیچ بیچ کر چار سال میں سب قرض ادا کر دیا۔ یہ ابھی مفصل گذری ہوئی حدیث (۲۳۵) کی تلخیص ہے مگر اس میں دو باتیں زائد ہیں ایک یہ کہ جو ہار غائب ہوا تھا وہ حضرت اسماء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا تھا۔ دوسرے یہ کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ہار تلاش کرنے کے لئے کچھ لوگوں کو مقرر فرمایا تھا۔ اس لئے ہم نے اس کو علحدہ ذکر کیا۔

باب کی توضیح اس حدیث پر امام بخاری نے یہ باب باندھا ہے۔ جب کوئی پانی اور مٹی نہ پائے۔ ایسے شخص کو فاقد الطہورین کہتے ہیں۔ یہ شخص کیا کرے۔ وضو اور تیمم کے بغیر نماز پڑھے یا نہ پڑھے۔ امام بخاری نے اپنا کوئی فیصلہ نہیں تحریر کیا ہے جیسا کہ عام طور پر ان کی عادت ہے۔ اس سلسلے میں علماء کے مذاہب معتبرہ چار ہیں اول یہ کہ نہ اس حالت میں نماز پڑھے اور نہ اس نماز کی اس پر قضا ہے۔ یہ امام مالک کا مذہب ہے۔ دوم یہ کہ اس حالت میں بھی اس پر نماز پڑھنی واجب ہے۔ نماز پڑھے اور بعد قدرت اعادہ کرے یہ امام شافعی کا مذہب ہے۔ سوم یہ شخص بغیر تیمم اور وضو نماز پڑھے اس کی نماز صحیح ہو گئی۔ چہارم یہ کہ اس وقت بلا نیت نماز کے ارکان ادا کرے اور جب پانی یا مٹی ملے تو وضو یا تیمم کر کے نماز کی قضا پڑھے[1] یہ احناف کا مذہب ہے۔ ہماری دلیل یہ حدیث ہے کہ فرمایا۔ لاصلوٰۃ الا بطھور[2]۔ پاکی کے بغیر نماز ہی نہیں۔ اس لئے فاقد الطہورین کا نماز پڑھنا اور نہ پڑھنا یکساں ہے۔ رہ گئی بلا نیت ارکان نماز کی ادائیگی یہ بالکل ایسے ہی ہے جیسے رمضان میں مسافر، دن میں گھر آیا یا نابالغ، بالغ ہوا یا کافر مسلمان ہوا یا مجنوں کو افاقہ ہوا یا حائضہ پاک ہوئی تو رمضان

---

[1] تنویر الابصار و در مختار۔ [2] رد المحتار جلد اول طہارت باب التیمم ص۱۴۱۔

حُضَیْرٍ لِعَائِشَةَ جَزَاكِ اللّٰهُ خَیْرًا فَوَاللّٰهِ مَا نَزَلَ بِكِ اَمْرٌ تَكْرَهِیْنَهٗ

حضرت عائشہ سے کہا۔ آپ کو اللہ عزوجل بہترین جزا دے۔ خدا کی قسم جب بھی آپ کے ساتھ کوئی ناخوشگوار حادثہ

اِلَّا جَعَلَ اللّٰهُ ذٰلِكِ لَكِ وَلِلْمُسْلِمِیْنَ فِیْهِ خَیْرًا ع

پیش آتا ہے تو اللہ عزوجل اس میں آپ کے لئے اور مسلمانوں کے لئے بھلائی کر دیتا ہے

کے احترام میں بقیہ دن روزہ دار کی طرح رہیں گے نہ کچھ کھائیں گے اور نہ کچھ پیئیں گے۔ یا جیسے حج کسی وجہ سے فاسد ہو گیا تو بھی تمام ارکان حاجیوں کی طرح ادا کرنا واجب ہے۔ اگرچہ اس کو دوبارہ حج کرنا فرض ہے۔ ان نظائر سے معلوم ہوا کہ جہاں مامور بہ پر حقیقۃً عمل ناممکن ہو وہاں ایسی صورت بنانا شرعًا مطلوب ہے گویا مامور بہ ادا کر رہا ہے۔

باب سے مطابقت باب یہ تھا۔ کہ پانی اور مٹی نہ پائے اور حدیث میں ہے کہ وہاں پانی نہیں تھا۔ مٹی موجود تھی۔ اس لئے شبہ ہو سکتا ہے کہ حدیث باب کے مطابق نہیں۔ مگر نظر دقیق سے مطابقت یوں ہے۔ کہ جب تیمم کا حکم نازل ہی نہیں ہوا تھا تو مٹی کا وجود کالعدم تھا۔ بظاہر مٹی تو تھی مگر حقیقت میں یوں کہئے کہ نہیں تھی۔ جب اس وقت اس سے طہارت کا حکم ہی نہیں تھا تو ہونا بیکار تھا۔ اس کو دوسری عبارت میں یوں کہہ لیجئے کہ باب کا مقصود یہ ہے کہ جب کوئی مُطہر نہ ہو تو کیا کرے اور حدیث میں ہے کہ مُطہر نہیں تھا لوگوں نے بلا وضو نماز پڑھی۔ یہ حدیث ہمارے معارض نہیں۔ اس لئے کہ صحابہ کرام نے بغیر حضور کے حکم کے یہ نماز پڑھی تھی۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تو آرام فرما رہے تھے۔ اس لئے صریح ارشاد " لا صلوۃ الا بطھور " کے خلاف صحابہ کا یہ فعل جو حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اذن سے نہیں تھا، معارض نہیں ہو سکتا۔

تطبیق حدیث (۲۳۵) میں یہ ہے کہ ــــــ میں جس اونٹ پر تھی اس کو اٹھایا گیا تو اس کے نیچے ہار ہم نے پایا ــــ اور اس حدیث میں ہے ــــ کہ جن صاحب کو حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے تلاش کے لئے بھیجا تھا انھوں نے پایا۔ بخاری فضل عائشہ اور مسلم میں ہے ــــ صحابہ میں سے کچھ لوگوں کو اسے تلاش کرنے کیلئے بھیجا ــــ ان سب میں تطبیق یہ ہے واقعہ یہی ہے ــــ کہ ہار تلاش کرنے کیلئے چند حضرات کو حضرت اسید بن حضیر کے ساتھ بھیجا تھا۔ جیسا کہ ابو داؤد میں ہے۔ ان سب کے سردار یہی تھے اس لئے اس روایت میں صرف رَجُلًا مذکور ہے ــــ جیسے کہا جاتا ہے کہ حضرت صدیق اکبر نے حضرت خالد بن ولید کو شام جہاد کیلئے بھیجا۔ حضرت خالد بن ولید نے شام فتح کیا۔ اور اس حدیث میں ــــ جمع متکلم ہے۔ ہم نے پایا۔ اس میں حضرت اسید بن حضیر بھی داخل ہیں۔ ان لوگوں کو ہار کہاں ملا یہ اس حدیث میں مذکور نہیں یہ حدیث (۲۳۵) میں ہے کہ اونٹ کے نیچے ملا۔

ع بخاری جلد اول تیمم باب اذا لم یجد ماءً ولا ترابا ص۴۸۔ ایضا جلد ثانی تفسیر باب قولہ وان کنتم مرضیٰ او علیٰ سفر ص۶۵۹۔ ایضا لباس باب استعارة القلائد ص۸۷۲۔ ایضا نکاح باب استعارۃ الثیاب للعروس وغیرہا ص۷۷۶۔ ایضا جلد اول فضائل اصحاب النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم باب فضل عائشہ ص۵۳۲۔ مسلم جلد اول حیض باب التیمم ص۱۶۰۔ ابو داؤد جلد اول تیمم باب التیمم ص۴۴۔ نسائی جلد اول طہارت باب فیمن لم یجد الماء ولا الصعید ص۵۰۔ ابن ماجہ طہارت باب ما جاء فی التیمم ص۴۲۔ دارمی وضوء، مسند امام احمد۔

ت ۷۴ بَابُ التَّیَمُّمِ فِی الْحَضَرِ اِذَا لَمْ یَجِدِ الْمَاءَ وَخَافَ فَوْتَ الْوَقْتِ

جب کوئی آبادی میں پانی نہ پائے اور نماز کے فوت ہونے کا اندیشہ ہو تو اس کے تیمم کا بیان۔ اور

وَبِہٖ قَالَ عَطَاءٌ

یہی عطا نے کہا۔

ت ۷۵ قَالَ الْحَسَنُ فِی الْمَرِیْضِ عِنْدَہُ الْمَاءُ وَلَا یَجِدُ مَنْ یُّنَاوِلُہٗ یَتَیَمَّمُ

امام حسن بصری نے اس مریض کے بارے میں فرمایا جس کے قریب پانی ہو اور کوئی ایسا نہ ہو جو مریض کو دے سکے تو تیمم کرے

ت ۷۶ وَاَقْبَلَ ابْنُ عُمَرَ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ مِنْ اَرْضِہٖ بِالْجُرُفِ

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما اپنی زمین سے واپس ہو رہے تھے جو جرف میں تھی کہ

تشریحات ت ۷۴ ۷۵

مصنف ابن ابی شیبہ میں یہ الفاظ ہیں۔

اذا کنت فی الحضر وحضرت الصلوۃ ولیس عندک ماء فانتظر الماء۔ فان خشیت فوت الصلوۃ فتیمم وصل۔

جب تم آبادی میں ہو اور نماز کا وقت آجائے اور تیرے پاس پانی نہ ہو تو پانی کا انتظار کرو جب نماز فوت ہونیکا اندیشہ ہو تو تیمم کرکے نماز پڑھ لو۔

دوسری تعلیق کے الفاظ اسی مصنف ابن ابی شیبہ میں یہ ہیں۔

ولا یتیمم مادجی ان یقدر علی الماء فی الوقت نماز کے وقت میں پانی ملنے کی جب تک امید ہو تیمم نہ کرے۔

یہی احناف کا بھی مسلک ہے کہ جس کے پاس پانی نہ ہو یا اسے پانی کے استعمال پر قدرت نہ ہو تو وہ تیمم کرکے نماز پڑھ لے اگرچہ وہ مسافر نہ ہو مقیم ہو اگرچہ وہ آبادی میں ہو۔

تشریحات ت ۷۶

یہ اثر موطا امام مالک میں یوں ہے۔

عن نافع انہ اقبل ھو وعبد اللہ بن عُمَرَ مِنَ الْجُرُفِ حَتّٰی اِذَا کَانَا بِالْمَرْبَدِ نَزَلَ

نافع نے کہا کہ یہ اور ابن عمر، جُرف سے چلے جب مربد پہنچے تو وہ اترے اور پاک زمین سے تیمم کیا اور اپنے چہرے اور کہنیوں

عہ مصنف ابن ابی شیبہ، موطا امام مالک۔ طہارت باب العمل فی التیمم صلا

فَحَضَرَتِ الْعَصْرُ بِمِرْبَدِ النَّعَمِ فَصَلّٰی ثُمَّ دَخَلَ الْمَدِيْنَةَ وَالشَّمْسُ مُرْتَفِعَةٌ فَلَمْ يُعِدْ

مربد النعم میں عصر کا وقت آگیا انھوں نے تیمم کر کے نماز پڑھ لی اس کے بعد مدینہ گئے اور ایسے وقت مدینہ پہنچ گئے تھے کہ آفتاب بلند تھا پھر بھی نماز لوٹائی نہیں

حدیث فمسح بوجهه ویدیه ثم رد السلام (۲۳۸)

قَالَ سَمِعْتُ عُمَيْرًا مَوْلَى ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا، قَالَ اَقْبَلْتُ

عبد الرحمٰن اعرج نے کہا میں نے حضرت ابن عباس کے غلام عمیر سے سنا۔ انھوں نے کہا۔ میں اور نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زوجہ

اَنَا وَعَبْدُ اللّٰهِ بْنُ يَسَارٍ مَوْلٰى مَيْمُوْنَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے غلام عبد اللہ بن یسار ابو جہیم بن حارث بن صمہ انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ

فَتَيَمَّمْ صَعِيْدًا طَيِّبًا فَمَسَحَ وَجْهَهُ وَيَدَيْهِ اِلَى الْمِرْفَقَيْنِ ثُمَّ صَلّٰى سمیت ہاتھوں کو ملا۔ پھر نماز پڑھی۔

جرف۔ مدینہ سے تین میل کی دوری پر شام کی طرف ایک گاؤں ہے۔ کہیں جہاد کے لئے جاتے وقت لشکر یہیں جمع ہوتا تھا۔ یہیں حضرت عمر اور دوسرے لوگوں کی آراضی تھی اس کا نام بیر جشم اور بیر جمل بھی ہے۔ مربد النعم کا فاصلہ مدینے سے ایک میل کا ہے[1]

یہی ہمارا مذہب ہے کہ اگر اس میں اور پانی میں ایک میل کا فاصلہ ہو تو تیمم کر کے نماز پڑھ لے اور اگر وقت میں پانی مل جائے تو اعادہ کی حاجت نہیں۔ امام شافعی فرماتے ہیں کہ اعادہ واجب ہے۔

غایت باب تیمم کی آیت حالت سفر میں نازل ہوئی تھی اور سفر میں ایسے مواقع اکثر پیش آتے رہتے ہیں کہ پانی نہ ملے۔ آبادی میں شاید باید ایسا حادثہ پیش آتا ہے۔ اس لئے ضرورت تھی کہ اس کو واضح کر دیا جائے۔ اس باب سے امام بخاری نے یہ افادہ فرمایا کہ ـــــ فلم تجدوا ماءً ـــــ عام ہے۔ خواہ کوئی سفر میں ہو یا حضر میں یا میدان اور جنگل میں جہاں بھی پانی نہ ملے تیمم کر سکتا ہے۔ اعتبار عموم لفظ کا ہوتا ہے۔ خصوص مورد کا نہیں۔

تشریحات (۲۳۸)

ابو جہیم بن حارث بن صمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا قبیلہ خزرج کے چشم و چراغ تھے۔ ان کے والد، حارث بن صمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی صحابی ہیں اور کبار صحابہ میں سے ہیں۔ انصار کرام میں سابقین اولین میں سے ہیں۔ ان میں اور حضرت صہیب رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے مابین حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مواخات کا رشتہ قائم فرمایا تھا۔

---

[1] فتح الباری جلد اول صفحہ ۳۷۴

حَتّٰی دَخَلْنَا عَلٰی اَبِیْ جُھَیْمِ بْنِ الْحَارِثِ بْنِ الصِّمَّۃِ الْاَنْصَارِیِّ فَقَالَ

کی خدمت میں حاضر ہوئے تو ابو جہیم نے بتایا۔ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بیر جمل کی طرف سے آرہے تھے۔ کہ ایک

اَبُوْ جُھَیْمٍ اَقْبَلَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مِنْ نَّحْوِ بِئْرِ جَمَلٍ

شخص حضور سے ملے اور حضور کو سلام کیا نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کے سلام کا جواب نہ دیا۔

فَلَقِیَہٗ رَجُلٌ فَسَلَّمَ عَلَیْہِ فَلَمْ یَرُدَّ عَلَیْہِ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ

یہاں تک کہ دیوار کے پاس تشریف لے گئے اور اپنے چہرے اور

غزوہ بدر میں شرکت کیلئے جارہے تھے مگر روحا پہنچ کر بیمار ہوگئے اس لئے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے انھیں واپس کردیا۔ مگر مال غنیمت سے حصہ دیا۔ غزوہ احد میں شریک ہوئے۔ عثمان بن عبداللہ بن مغیرہ کو انھوں نے ہی قتل کیا تھا اور یہ ان چودہ جاں نثاروں میں سے ہیں جو اس قیامت خیز گھڑی میں بھی حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے گرد حصار بنے رہے جب اور لوگ بدحواسی میں ادھر ادھر منتشر ہوگئے تھے۔ بیر معونہ میں شہید ہوئے۔ صحابہ میں ابوجہیم ایک اور بزرگ ہیں۔ انبجانیہ والے۔ یہ قریشی ہیں انکا نام عامر یا عبیداللہ ہے اور باپ کا حذیفہ۔ ان انصاری کا نام عبداللہ ہے اور باپ کا نام حارث۔ بعض محدثین کو دونوں میں اشتباہ ہوگیا۔ حتی کہ امام مسلم کو بھی۔ اسی لئے اس حدیث کی سند میں انھوں نے ابی جہیم کے بجائے ابی جھم ذکر کردیا ہے۔

بیر جمل۔ گزرچکا کہ جرف کا دوسرا نام بیر جمل بھی ہے۔ راستے میں جو صاحب ملے تھے اور سلام کیا تھا۔ یہ خود راوی حدیث ابوجہیم ہی تھے۔ جیسا کہ امام شافعی نے جو تخریج کی ہے اس میں تصریح ہے۔ مررت علی النبی صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

مسائل اس حدیث سے یہ مسائل مستنبط ہوئے (۱) آبادی میں تیمم جائز ہے (۲) اذکار مستحبہ کیلئے پانی پر قدرت ہوتے ہوئے بھی تیمم کرلینا بہتر ہے (۳) دوسرے کی دیوار پر تیمم جائز ہے جبکہ اس کی اجازت ہو یا معلوم ہو کہ اسے ناگوار نہ ہوگا۔ (۴) پتھر پر تیمم جائز ہے۔ اس لئے کہ مدینہ طیبہ کے مکانات کالے پتھر کے تھے۔ (۵) نماز جنازہ و نماز عیدین کیلئے تیمم جائز ہے اس لئے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے تیمم کرکے جواب اس لئے دیا کہ اگر پانی کا انتظار کرتے یا کسی سے منگاتے اور وضو کرتے تو سلام کا جواب رہ جاتا جس کا کوئی بدل نہیں تھا۔ اس لئے کہ ابوجہیم سلام کرکے آگے بڑھ گئے تھے۔ جب گلی کے موڑ پر پہنچے اور یہ اندیشہ ہوا کہ وہ چلے جائیں گے اور سلام کا جواب رہ جائے گا۔ تو تیمم کرکے جواب دیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ اگر وضو میں مشغولیت کی وجہ سے ایسے فرض اور واجب چھوٹنے کا اندیشہ ہو جس کا کوئی خلف نہ ہو تو تیمم کی اجازت ہے نماز جنازہ اور عیدین کا کوئی بدل نہیں اس لئے اگر وضو میں مشغولیت کیوجہ سے ان کے فوت ہونیکا اندیشہ ہو تو تیمم کی اجازت

حتی اَقْبَلَ عَلَى الْجِدَارِ فَمَسَحَ بِوَجْهِهٖ وَيَدَيْهِ ثُمَّ رَدَّ عَلَيْهِ السَّلَامَ۔

ہاتھوں پر مسح فرمایا (تیمم کیا) پھر سلام کا جواب دیا۔

حدیث۔ عمار رضی اللہ تعالی عنہ فتمعکت (۲۳۹)

عَنْ سَعِيْدِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ اَبْزٰى عَنْ اَبِيْهِ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ

حضرت عبد الرحمن بن ابزی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا۔ ایک شخص، حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ

ثابت ـــ یہ استدلال اس وقت تام ہوگا جبکہ یہ واقعہ ہو کہ سلام کا جواب یا کوئی بھی ذکر بلا وضو جائز نہ ہو مگر واقع میں ایسا نہیں۔ بعض محققین کی یہ رائے ہے کہ شروع میں یہی تھا مگر آیت وضو سے منسوخ ہوگیا۔ یا ام المومنین کی اس حدیث سے کہ فرماتی ہیں۔ کان یذکر اللہ علی کل احیانہ ـــ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہر حال میں اللہ کا ذکر فرماتے تھے۔ یا حضرت ابن عباس کی اس حدیث سے جسمیں یہ فرمایا کہ میں اپنی خالہ حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے گھر سویا تھا اور حضور وضو کرنے سے پہلے سورہ آل عمران کی دس آیتیں اور دعائیں پڑھیں۔ اس خادم کی بھی رائے یہی ہے۔ ورنہ ظاہر ہے کہ اگر حالت حدث میں سلام کا جواب دینا ممنوع نہ ہوتا تو تاخیر نہ فرماتے۔ اس وقت یہی حکم تھا اب منسوخ ہے۔ مگر افضلیت اب بھی باقی ہے۔ ہماری اس تقریر سے باب اور حدیث میں مطابقت بھی ظاہر ہوگئی۔ کہ آبادی اور حضر میں بھی اگر پانی نہ ملے حقیقۃً یا حکماً کی صورت یہ ہے کہ پانی موجود ہے مگر وضو کرنے میں وظیفہ الٰہیہ فوت ہوجائے گا تو تیمم کرلے جیسا کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جواب سلام فوت ہوجانے کے اندیشے سے تیمم کرکے جواب دیا۔ واضح ہو کہ سلام کرنا سنت ہے مگر جواب دینا واجب ہے۔

تشریحات (۲۳۹)

حضرت عبد الرحمن بن ابزی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بنی خزاعہ کے حلیف اور ان کے آزاد کردہ غلام تھے۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی صحبت کا شرف حاصل ہے اور نماز کی اقتدار کا بھی۔ ان کو ان کے آقا نافع بن حارث نے، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد خلافت میں، مکہ معظمہ پر والی بنا دیا تھا۔ اسے جب حضرت عمر نے سنا تو غضبناک ہو کر کجاوے میں کھڑے ہوگئے۔ اور فرمایا۔ تونے اللہ کی آل پر عبد الرحمن بن ابزی کو حاکم بنا دیا۔ نافع نے عرض کیا۔ یہ ان سب میں کتابوں کے سب سے زیادہ عالم اور فقیہ ہیں۔ تو حضرت عمر کا جلال ختم ہوگیا۔ اور فرمایا میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے سنا ہے ـــ کہ اللہ عزوجل اس قرآن کی بدولت ایک قوم کو بلند رتبہ فرمائے گا اور دوسری قوم کو پست ـــ ایک روایت کی بنا پر

عہ بخاری جلد اول تیمم باب التیمم فی الحضر اذا لم یجد ماءً وخاف فوت الوقت ص۴۸۔ مسلم جلد اول طہارت۔ باب التیمم ص۱۶۱۔ نسائی جلد اول طہارت باب التیمم فی الحضر ص۴۹۔ نسائی جلد اول طہارت باب فی من لم یجد الماء ولا الصعید ص۶۱۔

اِلٰی عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ فَقَالَ اِنِّیْ اَجْنَبْتُ فَلَمْ اُصِبِ
کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا ۔ میں جنبی ہو گیا اور مجھے پانی نہیں ملا ۔ اس پر حضرت عمار بن یاسر
الْمَاءَ، فَقَالَ عَمَّارُ بْنُ یَاسِرٍ رَّضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ لِعُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رَضِیَ اللہُ
رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت عمر بن خطاب سے کہا ۔ کیا آپ کو یاد نہیں ۔

بیعت رضوان میں بھی شریک ہوئے ۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے انھیں کوفے کا گورنر بنایا تھا ۔ اخیر عمر میں کوفے آ بسے تھے اور یہیں وصال ہوا[1] ۔ ان کے والد ماجد حضرت ابزی بھی صحابی ہیں ۔ امام بخاری نے انھیں کتاب الوحدان میں ذکر فرمایا[2] فتمعکت ۔ اس کا مصدر ، تَمَعُّکٌ ، ہے تَقَبُّل کے وزن پر اور مادہ معك ہے اس کے معنی ذلیل کرنا اور بیوقوف بنانا ہے باب تفعل میں جانے کے بعد اس کے معنی آتے ہیں ، زمین پر لوٹنے کے اور باب تفعیل میں لٹانے ،، کے دوسری روایت میں ہے فتمرغت فی الصعید کما تمرغ الدابۃ ،، میں زمین پر ایسے لوٹا جیسے چوپایہ لوٹتا ہے ۔ تمرغ کا مادہ روغ ہے ۔ اس کے صلہ اور متعلق کے اعتبار سے مختلف معانی آتے ہیں ۔ راغ الصید شکار کا ادھر ادھر کترانا ۔ الیہ کسی طرف کترا کر نکل جانا ۔ عن الطریق کسی کو دھوکہ دینے کیلئے کترا کر چلنا ۔ باب تفعل میں جانے کے بعد اس کا معنی لوٹنے کے ہے ۔ قرآن مجید میں ہے ۔ فَرَاغَ اِلٰٓی اٰلِھَتِھِمْ ۔ نظر بچا کر ان کے معبودوں کے پاس گیا ۔ فَرَاغَ عَلَیْھِمْ ضَرْبًا بِالْیَمِیْنِ ۔ لوگوں کی نظر بچا کر اپنے ہاتھ سے مارنے لگا ۔

تکمیل

بخاری میں یہ حدیث مختصر ہے بقیہ صحاح میں مفصل یوں ہے ۔

حضرت عبد الرحمٰن بن ابزی رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے کہا ۔ میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں حاضر تھا ۔ ایک شخص آیا اور کہا ہم کبھی ایسی جگہ مہینے دو مہینے رہتے ہیں جہاں پانی (نہانے کیلئے) نہیں ملتا ۔ تو حضرت عمر نے فرمایا میں (اگر ایسی جگہ جنبی ہو جاؤں) تو جب تک پانی نہیں ملے گا نماز نہیں پڑھونگا اس پر حضرت عمار نے کہا اے امیر المومنین کیا آپ کو یاد نہیں ۔ ہم اور آپ اونٹوں میں تھے اور ہم دونوں کو جنابت لاحق ہو گئی ۔ میں زمین پر لوٹا (اور نماز پڑھ لی) پھر ہم نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو میں نے یہ واقعہ ذکر کیا ۔ تو فرمایا ۔ تمہیں یہی کافی تھا کہ اس طرح کر لیتے اور حضور نے اپنے ہاتھوں کو زمین پر مارا پھر ان دونوں کو پھونکا پھر ان دونوں کو اپنے چہرے اور آدھی کلائی تک ہاتھوں پر ملا ۔ یہ سن کر حضرت عمر نے فرمایا ۔ اے عمار اللہ سے ڈر ۔ اس پر حضرت عمار نے کہا ۔ اے امیر المومنین اگر آپ کی منشا ہو تو ۔ بخدا میں کبھی اس کو ذکر نہ کروں ۔ حضرت عمر نے فرمایا ہرگز نہیں ۔ تم جس حال پر ہو تم کو اس پر ہم چھوڑتے ہیں ۔

---

[1] الاستیعاب ، الاصابہ ، اسد الغابہ ۔ [2] اصابہ ۔

تَعَالٰی عَنْهُ اَمَا تَذْكُرُ اِنَّا كُنَّا فِی سَفَرٍ اَنَا وَاَنْتَ فَاَجْنَبْنَا، فَاَمَّا اَنْتَ فَلَمْ

میں اور آپ ایک سفر میں تھے اور ہم دونوں جنبی ہوگئے آپ نے تو نماز نہیں پڑھی لیکن میں

تُصَلِّ وَاَمَّا اَنَا فَتَمَعَّكْتُ فَصَلَّيْتُ فَذَكَرْتُ ذٰلِكَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ

مٹی میں لوٹا اور اس کے بعد نماز پڑھی پھر ہم نے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے اس کو ذکر کیا۔

اختلاف علماء تیمم کے سلسلے میں تین اہم اختلافات ہیں۔ جنبی کو تیمم جائز ہے یا نہیں۔ تیمم کیلئے ایک ہی بار مٹی پر ہاتھ مارنا کافی ہے یا دو بار یا تین بار یا چار بار۔ ہاتھ پر مسح کہاں تک کیا جائے گا۔ پہلے مسئلہ پر آئندہ گفتگو ہوگی۔ بقیہ دو مسائل کے متعلق یہ گذارش ہے۔ پہلا مسئلہ ہمارا مسلک یہ ہے کہ تیمم کیلئے مٹی پر دو بار ہاتھ مارنا ضروری ہے۔ اگر ایک بار ہاتھ مار کر چہرے پر مل لیا تو اس سے ہاتھوں پر مسح درست نہیں۔ اس بارے میں حضرت عمار کی حدیث میں کافی اضطراب ہے۔ کسی میں ایک بار مذکور ہے کسی میں دو بار۔ اس لئے ہمارے ائمہ نے فرمایا کہ ہم کو قرآن حکیم میں نظر دقیق ڈالنی چاہیئے۔ اور دیکھنا چاہیے کہ اس سے کیا مستفاد ہوتا ہے۔

اللہ عزوجل نے پہلے وضو کا ذکر فرمایا۔ پھر فرمایا اگر پانی نہ ملے تو پاک مٹی پر تیمم کرو اور چہروں اور ہاتھوں پر ملو۔ جیسے وضو میں چہرہ دھونے کیلئے الگ اور ہاتھ دھونے کیلئے دوسرا پانی لینا ضروری ہے اسی طرح تیمم میں بھی۔ چہرے کیلئے الگ ہاتھ مارا جائے گا اور ہاتھوں کیلئے الگ۔ علاوہ ازیں اس بارے میں دوسری احادیث مروی ہیں جنہیں دو مرتبہ ہاتھ مارنے کا ذکر صراحتاً ہے۔

① حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت اسلع بن شریک تمیمی سے فرمایا۔

قم فتيمم صعيدا طيبا ضربتين ضربة لوجهك وضربة لذراعيك۔ [1] — اٹھ پاک مٹی پر تیمم کر دو مرتبہ مار کر ایک مرتبہ اپنے چہرے کے لئے اور ایک مرتبہ اپنی کلائی کے لئے۔

② حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا۔

التيمم ضربتان ضربة للوجه وضربة لليدين — تیمم دو مرتبہ مٹی پر ہاتھ مارنا ہے ایک بار چہرے کیلئے ایک بار ہاتھوں کیلئے

دار قطنی نے کہا۔ علی بن طہمان نے اسے مرفوعاً روایت کیا۔ یحییٰ قطان اور ہشیم وغیرہ نے موقوفاً اور یہی صحیح ہے امام طحاوی نے اسے موقوفاً ہی روایت کیا ہے۔ [2]

③ حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے روایت کیا کہ فرمایا۔

---

[1] شرح معانی الآثار جلد اول باب التیمم ص۶۵ طبرانی دار قطنی بیہقی۔ [2] طحاوی جلد اول باب التیمم ص۶۵

وَسَلَّمَ، فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّمَا كَانَ يَكْفِيكَ هٰكَذَا

تو نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا تمہارے لئے یہ کافی تھا۔ یہ فرما کر

التیمم ضربة للوجه، ضربة للذراعین الی المرفقین [1] تیمم یہ ہے کہ (مٹی پر) ایک بار ہاتھ چہرے کیلئے اور ایک بار کہنیوں تک کلائیوں کے لئے مارنا ہے۔

امام حاکم اور امام ذہبی نے کہا یہ حدیث صحیح ہے۔ امام طحاوی اور ابن ابی شیبہ نے اسے موقوفا روایت کیا ہے اور حسب اصول حدیث یہ موقوف بھی مرفوع ہی کے حکم میں ہے۔

دوسرا مسئلہ ہاتھ پر مسح کہاں تک کیا جائے گا۔ اس سلسلے میں بھی احادیث مختلف آئی ہیں اور حدیث عمار میں اضطراب ہے بہت سی احادیث میں مونڈھوں اور بغل تک مسح کا ذکر ہے۔ اس لئے احناف نے تیمم کی اصل وضو پر قیاس کرکے کہنیوں تک مسح کا حکم دیا۔ امام طحاوی نے فرمایا۔ کہ تیمم سے پہلے اللہ عزوجل نے وضو ذکر فرمایا۔ جس میں تین اعضاء کے دھونے اور سر کے مسح کا حکم دیا۔ تیمم میں جن اعضاء کو ساقط کرنا تھا ساقط فرما دیا۔ اگر کہنیوں تک مسح مطلوب نہ ہوتا تو اسے بھی ساقط فرما دیتا۔ اسے ساقط نہیں فرمایا تو معلوم ہوا کہ وہ اپنے اصل پر باقی ہے۔ اسی سے ان احادیث کو بھی ترجیح حاصل ہو گئی جن میں کہنیوں تک مسح کرنے کا صراحۃً ذکر ہے۔ اس حدیث سے معلوم ہوا۔ کہ اگر مٹی پر ہاتھ مارنے کے بعد ہاتھوں پر گرد ہو تو اسے جھاڑ لینا چاہیئے۔ تاکہ چہرے پر گرد نہ لگے۔ اس لئے کہ یہ صورت بگاڑنے کے مرادف ہوگا جو منع ہے۔ اس حدیث سے یہ بھی ثابت ہوا کہ تیمم صحیح ہونے میں غبار کو دخل نہیں۔ کیونکہ اگر غبار کو دخل ہوتا تو حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پھونک کر غبار کو اڑاتے نہیں۔ اس لئے ایسے پتھر پر بھی تیمم جائز ہے جس پر غبار نہ ہو۔ یہ بھی ثابت ہوا کہ جب کسی حادثے میں قرآن و حدیث کا حکم معلوم نہ ہو تو اجتہاد کی اجازت ہے اور اس پر عمل بھی درست ہے حضرت عمر نے اپنے اجتہاد پر عمل کیا اور حضرت عمار نے اپنے اجتہاد پر۔

تیمم میں کہنیوں تک مسح ہے یہی مسلک احناف کا بھی ہے اور امام مالک کا بھی۔ امام شافعی کا قول مشہور بھی یہی ہے۔ اصحاب ظواہر اور امام احمد کا مسلک یہ ہے کہ کہنیوں تک مسح کی حاجت نہیں صرف ہتھیلیوں کا مسح کافی ہے۔ امام بخاری کا بھی بظاہر یہی مسلک معلوم ہوتا ہے۔ ان لوگوں کی مستدل یہی حضرت عمار والی حدیث ہے۔ مگر اس میں اضطراب شدید ہے۔ اسی لئے امام بخاری نے یہ ثابت کرنے کیلئے کہ۔ مسح بهما وجهه وكفيه۔ زیادہ قوی ہے۔ یہ عنوان قائم کرکے۔ باب التيمم للوجه والكفين اس حدیث کی مزید چھ طریقوں سے تخریج کی۔

مگر ماہرین پر ظاہر ہے کہ اس سے اضطراب تو دور ہوا نہیں۔ اس لئے کہ اس کے برخلاف جو لوگ روایت کرتے ہیں

---

[1] بیہقی حاکم فی المستدرک۔

فَضَرَبَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بِکَفَّیْہِ الْاَرْضَ وَنَفَخَ فِیْہِمَا ثُمَّ مَسَحَ بِہِمَا وَجْہَہٗ وَکَفَّیْہِ

نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنی دونوں ہتھیلیاں زمین پر ماریں اور ان پر پھونکا اس کے بعد اپنے چہرے اور ہاتھوں پر ملا۔

ت ۷۷ وَقَالَ الْحَسَنُ یُجْزِیْہِ التَّیَمُّمُ مَالَمْ یُحْدِثْ عہ

وہ بھی ثقہ ہیں۔ جب اضطراب باقی رہا۔ تو لا محالہ ترجیح کیلئے قرآن مجید کی طرف اور دوسری احادیث کی طرف رجوع لازم ہوا۔ اور ہم اوپر بتا آئے ہیں کہ اس لحاظ سے ترجیح احناف ہی کے مسلک کو حاصل ہے۔ ان روایات میں کچھ کچھ زیادتی ہے۔ بطریق حجاج میں یہ بھی زائد ہے۔ "ثم ادناهما من فیه" پھر دونوں ہاتھوں کو اپنے منہ سے قریب کیا۔ بطریق سلیمان بن حرب یہ زائد ہے۔ کنا فی سریة۔ ہم ایک چھوٹے لشکر میں تھے۔ اور بجائے "نفخ" کے "تفل فیهما" ہے۔ ان دونوں میں تھوکا۔ یہاں حقیقۃ تھوکنا مراد نہیں۔ بلکہ مطلب یہ ہے کہ اتنے زور سے پھونکا کہ کچھ لعاب مبارک نکل پڑا محمد بن کثیر کے طریقہ میں بجائے کفیه کے والکفین ہے یہ روایت ابوذر۔ اور کریمہ کی ہے اصیلی کی روایت میں۔ یکفیك الوجه والکفان ہے۔ جو بالکل ظاہر ہے۔ اس لئے کہ یہ فاعل پر معطوف ہے۔ رہ گئی والکفین۔ کی روایت، نصب کے ساتھ۔ اس کی توجیہ یہ ہے کہ واؤ مع کے معنی میں ہے اور۔ والکفین۔ مفعول معہ ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔

تشریح ۷۷ ہمارا اور امام شافعی اور امام مالک اور امام احمد کا تیمم کے سلسلے میں یہ اختلاف ہے کہ ایک تیمم سے ایک سے زائد فرض پڑھنا صحیح ہے یا نہیں اور وقت سے پہلے تیمم کر لیا تو نماز کا وقت ہونے کے بعد اس تیمم سے کوئی بھی نماز پڑھنی درست ہے یا نہیں۔ ہمارے یہاں درست ہے اور امام شافعی وغیرہ کے یہاں درست نہیں۔ یہ اختلاف اس پر مبنی ہے۔ کہ تیمم وضو کا خلف مطلق ہے یا خلف ضروری۔ امام شافعی وغیرہ فرماتے ہیں کہ خلف ضروری ہے۔ اسلئے نماز کے وقت سے پہلے جو تیمم کیا، اس سے وقت ہونے کے بعد کوئی بھی نماز پڑھنی صحیح نہیں اور جس فرض کے لئے تیمم کیا ہے اس کے علاوہ دوسرا فرض پڑھنا درست نہیں۔ اور ہمارے یہاں۔ تیمم، وضو کا خلف مطلق ہے۔ اس لئے جیسے وقت سے پہلے کئے ہوئے وضو سے وقت ہونے کے بعد وقتیہ فرض اور دیگر فرائض بلکہ ہر نماز پڑھنی صحیح ہے اور ایک وضو سے متعدد فرائض پڑھنا صحیح ہے۔ اسی طرح وقت کے پہلے کئے ہوئے تیمم سے بھی وقت آنے کے بعد وقتیہ اور دیگر متعدد فرائض پڑھنا درست ہے نیز ایک تیمم سے چند فرائض بھی درست ہیں۔ یہاں امام بخاری نے جو باب باندھا ہے۔ وہ یہ ہے۔ باب الصعید الطیب وضوء المسلم یکفیه من الماء۔ پاک مٹی مسلمان کا وضو ہے۔ پانی کے بجائے اسے کافی ہے۔

عہ بخاری جلد اول طہارت باب التیمم هل ینفخ فیهما ص۴۸۔ ایضا طہارت باب التیمم للوجه والکفین ص۴۹،۵۰۔ مسلم جلد اول طہارت باب التیمم ۱۶۱۔ ابو داؤد جلد اول طہارت باب التیمم ص۴۶۔ ترمذی جلد اول طہارت باب ماجاء فی التیمم ص۲۱۔ نسائی جلد اول طہارت باب التیمم فی الحضر ص۵۹۔ ایضا جلد اول طہارت باب نوع آخر من التیمم النفخ فیه ص۶۰۔ ابن ماجہ طہارت باب ماجاء فی التیمم ضربة واحدة ص۴۳۔ عہ مصنف ابن ابی شیبہ و عبدالرزاق، و ابو منصور باختلاف الالفاظ۔

ت ۷۸ وَ أَمَّ ابْنُ عَبَّاسٍ وَّهُوَ مُتَيَمِّمٌ ؏

ابن عباس نے تیمم کی حالت میں امامت کی

ت ۷۹ وَقَالَ يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ لَا بَأْسَ بِالصَّلٰوةِ عَلَى السَّبْخَةِ وَالتَّيَمُّمِ بِهَا

اور یحییٰ بن سعید نے کہا، زمین شور (کھاری زمین) پر نماز پڑھنے اور اس سے تیمم کرنے میں کوئی حرج نہیں۔

اس سے یہ افادہ فرمایا کہ اس خصوص میں وہ بھی احناف کے مسلک پر ہیں اور اسی کی تائید میں حضرت حسن بصری کا یہ ارشاد ذکر فرمایا۔ اور یہی ابراہیم، عطاء، ابن مسیب، زہری، لیث، حسن بن حیی اور داؤد بن علی کا مذہب ہے۔ نیز حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے بھی منقول ہے۔ اس کی پوری بحث اصول فقہ اور ہدایہ کی شروح میں مذکور رہے۔

تشریح ۷۸ اس اثر سے امام بخاری اس کی تائید فرمانا چاہتے ہیں کہ۔ تیمم وضو کا خلف مطلق ہے اس لئے کہ اگر خلف مطلق نہ ہوتا۔ خلف ضروری ہوتا۔ تو ضعیف ہوتا۔ پھر ابن عباس وضو کرنے والوں کی امامت نہ فرماتے۔ اس لئے کہ اگر امام مقتدیوں سے ضعیف حالت میں ہو تو امامت درست نہیں۔ جیسے نفل پڑھنے والا فرض پڑھنے والوں کی امامت نہیں کرسکتا۔ تو معلوم ہوا کہ تیمم کرنے والے کی امامت متوضی کے مثل ہے۔ اب ثابت کہ تیمم وضو کا خلف مطلق ہے۔ حضرت ابن عباس نے یہ تیمم جنابت کیوجہ سے کیا تھا اور مقتدیوں میں حضرت عمار بن یاسر بھی تھے۔ اسی طرح حضرت عمرو بن عاص نے بھی جنابت سے تیمم کرکے امامت کی تھی جب حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے اسے بیان کیا تو حضور مسکرائے۔ یہی ہمارا اور امام شافعی امام احمد کا بھی مسلک ہے۔ کہ متیمم متوضی کی امامت کرسکتا ہے۔

تشریح ۷۹ امام شافعی کا مذہب یہ ہے کہ تیمم صرف ایسی مٹی سے درست ہے جو مُنبت ہو۔ یعنی اس میں سبزہ اگانے کی قوت ہو۔ شور زمین میں یہ قوت نہیں اس لئے اس سے ان کے نزدیک تیمم درست نہیں ہمارے یہاں اس سے بھی درست ہے۔ ہمارا استدلال یہ ہے کہ قرآن مجید میں۔ صعید طیب۔ سے تیمم کا حکم ہوا۔ صعید کے معنی "روئے زمین کے ہیں اور کھاری زمین بھی اس میں داخل ہے۔ امام شافعی کا استدلال یہ ہے کہ حضرت ابن عباس نے فرمایا۔ الطیب الصعید الحرث" سب سے عمدہ صعید کھیت ہے۔ مگر علامہ نووی نے فرمایا کہ تیمم کیلئے ارض مُنبت شرط نہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے اس ارشاد سے امام شافعی کا مسلک نہیں ثابت ہوتا کہ کھاری مٹی سے تیمم درست نہیں اسلئے کہ "الطیب الصعید الحرث" کہنا خود بتا رہا ہے کہ "کھیت کے علاوہ بقیہ زمین بھی صعید ہے البتہ کھیت سب سے عمدہ ہے۔ نیز اگر بفرض غلط اس کا یہ مطلب لیا جائے کہ کھیت کے علاوہ بقیہ زمین صعید نہیں تو لازم آئے گا کہ "کھیت کے علاوہ اور کہیں تیمم جائز نہ ہو۔

امام بخاری اس مسئلے میں بھی احناف کے ساتھ ہیں اس لئے یحییٰ بن سعید انصاری کا یہ ارشاد اپنی تائید میں نقل فرمایا۔ کہ کھاری زمین پر تیمم کرنے میں کوئی حرج نہیں۔

؏ ابن ابی شیبہ و بیہقی۔

حدیث :- اشتکی الناس الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من العطش (۲۴۰)

عَنْ عِمْرَانَ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ، قَالَ کُنَّا فِی سَفَرٍ مَّعَ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا۔ ہم نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ ایک سفر (تبوک) میں تھے۔ اور

عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَاِنَّا اَسْرَیْنَا، حَتّٰی کُنَّا فِی آخِرِ اللَّیْلِ وَقَعْنَا وَقْعَۃً وَّلَا وَقْعَۃَ

ہم لوگ رات بھر چلے یہاں تک کہ رات کا آخر ہوگیا تو ہم نے قیام کیا ہم پر ایسی نیند طاری ہوئی کہ اس سے زیادہ میٹھی

اَحْلٰی عِنْدَ الْمُسَافِرِ مِنْھَا فَمَا اَیْقَظَنَا اِلَّا حَرُّ الشَّمْسِ فَکَانَ اَوَّلَ مَنِ اسْتَیْقَظَ

مسافر کے نزدیک کوئی اور نیند نہیں ہوتی (ہم سوتے رہے) ہمیں سورج کی گرمی ہی نے جگایا

تشریحات (۲۴۰)

عمران بن حصین رضی اللہ تعالیٰ عنہ بنی خزاعہ کے فرد ہیں۔ فقہاء صحابہ میں سے ہیں۔ خیبر کے سال ایمان لائے۔ اور متعدد غزوات میں شریک ہوئے۔ فتح مکہ کے دن بنی خزاعہ کا علم انھیں کے ہاتھ میں تھا۔ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے انھیں بصرہ اس مقصد سے بھیجا تھا کہ وہاں لوگوں کو فقہ کی تعلیم دیں۔ یہ وہاں کے قاضی بھی تھے مستجاب الدعوات بزرگ تھے۔ ملٰئکہ حفظہ کی زیارت کرتے تھے۔ فرشتے انھیں سلام کرتے تھے ۵۲ھ میں وصال ہوا۔ بصرہ جائے وصال ہے ان سے ایک سو اسی احادیث مروی ہیں بخاری نے بارہ احادیث لی ہیں۔[1]

لغات اسرینا۔ بعض روایتوں میں سرینا ہے اس کا مادہ سریٰ ہے۔ جس کے معنی رات میں چلنے کے ہیں۔ جلیداً۔ کرم یکرم سے ہے اس کا مصدر جلد اجلادۃ اور جلودۃ آتا ہے۔ اس کے معنی قوی ہونا ہے۔ مسلم میں اجوف جلیداً ہے۔ اجوف کے معنی ہیں جو پیٹ سے آواز نکالے۔ مراد یہ ہیکہ قوی اور بلند آواز تھے۔ مزادتین او سطیحتین مزادۃ۔ اس بڑے مشکیزے کو کہتے ہیں جو دو کھالوں کو سی کر بنایا گیا ہو جسے پکھال کہتے ہیں اور یہی معنی سطیحۃ، کے بھی ہیں۔ مشک صرف ایک کھال کی ہوتی ہے جس میں گردن کی طرف جوں کا توں رکھتے ہیں۔ اور دوسری طرف سی دیتے ہیں۔ مشک چھوٹی ہوتی ہے اور پکھال بڑی اس کیلئے عربی میں دوسرا لفظ راویہ بھی ہے۔ مزادتین اور سطیحتین شک راوی ہے۔ مقصد یہ ہے کہ شیخ نے، مزادتین کہا تھا یا سطیحتین۔ کیا لفظ تھا اس میں راوی کو شک تھا معنی ایک ہی ہیں میں نے

[1] عینی جلد رابع تیمم۔ اصابہ ج ۳۔

فُلَانٌ ثُمَّ فُلَانٌ ثُمَّ فُلَانٌ يُسَمِّيْهِمْ اَبُوْرَجَاءٍ فَنَسِيَ عَوْفٌ ثُمَّ عُمَرُ بْنُ

سب سے پہلے فلاں جاگا پھر فلاں پھر فلاں ابو رجاء انکا نام لیتے تھے، عوف بھول گئے۔ اس کے بعد چوتھے عمر بن

الْخَطَّابِ الرَّابِعُ وَكَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا نَامَ لَمْ

خطاب اٹھے۔ اور نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جب آرام فرما ہوتے تو ہم بیدار نہیں کرتے تھے۔ یہاں تک کہ حضور خود ہی

نُوْقِظْهُ حَتّٰى يَكُوْنَ هُوَ يَسْتَيْقِظُ لِاَنَّا لَا نَدْرِيْ مَا يَحْدُثُ لَهٗ فِيْ نَوْمِهٖ

بیدار ہوتے۔ اس لئے کہ ہم نہیں جانتے تھے کہ سونے کی حالت میں حضور پر کیا حالت درپیش ہے۔

فَلَمَّا اسْتَيْقَظَ عُمَرُ وَرَاٰى مَا اَصَابَ النَّاسَ وَكَانَ رَجُلًا جَلِيْدًا فَكَبَّرَ

جب عمر جاگے اور لوگوں پر جو حالت طاری تھی دیکھا اور یہ نڈر اور جری انسان تھے تو انھوں نے

وَرَفَعَ صَوْتَهٗ بِالتَّكْبِيْرِ فَمَا زَالَ يُكَبِّرُ وَيَرْفَعُ صَوْتَهٗ بِالتَّكْبِيْرِ حَتّٰى

تکبیر کہنی شروع کی اور تکبیر کے ساتھ اپنی آواز بلند کرنے لگے وہ مسلسل تکبیر کہنے لگے اور تکبیر کے ساتھ آواز بلند

صرف تفنن کیلئے مزادتین کا ترجمہ پکھالیں اور سطیحتین کا بڑے مشکیزے، کیا ہے۔ اَمسِ۔ کل گذشتہ یہ حجازیوں کے یہاں مبنی علی الکسر ہے اور تمیمیوں کے نزدیک معرب غیر منصرف ہے۔ عدل اور علمیت کیوجہ سے۔ نفر۔ تین سے لیکر دس سے کم مردوں کی جماعت پر بولا جاتا ہے۔ خُلوف۔ خالف بمعنی مسافر کی جمع ہے جیسے شاہد کی جمع شہود۔ اوکأ۔ بندھن سے مضبوط باندھا۔ عزالی۔ عزلاء کی جمع ہے۔ پکھال اور مشک میں دو منھ ہوتے ہیں ایک اوپر بڑا جس سے پانی بھرتے ہیں ایک نیچے چھوٹا جس سے ضرورت کے مطابق پانی لیتے ہیں۔ عزلاء اسی نیچے والے منہ کو کہتے ہیں۔ وایم اللہ یہ اصل میں اَیْمُنُ اللّٰہ تھا۔ یہ ان الفاظ میں سے ہے جو قسم کیلئے وضع کئے گئے ہیں۔ کبھی نون حذف کر کے ایم اللہ کہتے ہیں۔ شروع کا ہمزہ ہمزۂ وصل ہے۔ ایک یہی ہمزہ وصل ایسا ہے جو مفتوح آتا ہے۔ ایمُ اللہ، مبتدا۔ اس کی خبر قسمی محذوف ہے۔ اور ہمیشہ محذوف رہتی ہے جیسے لعمرک میں۔ عَجْوَۃٌ۔ کھجور کی ایک قسم کا نام ہے جو مدینہ طیبہ کی کھجوروں میں سب سے عمدہ ہوتی ہے۔ اس کا دوسرا نام لینۃ بھی ہے۔ اس کے، احادیث میں فضائل بھی آئے ہیں۔

ما رَزِئنا۔ سَمِعَ یَسْمَعُ سے ہے ہم نے کم نہیں کیا۔ بعض روایتوں میں "رزاء" کو فتحہ بھی آیا ہے۔ العجب فعل محذوف، حَسْبُنِیْ کا فاعل ہے۔ الصِرْمُ۔ وہ چند گھر جو عام آبادی سے الگ اکٹھے بنے ہوں۔

اِسْتَيْقَظَ بِصَوْتِهِ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمَّا اسْتَيْقَظَ شَكَوْا

کرتے رہے یہاں تک کہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بیدار ہوگئے حضور جب بیدار ہوگئے تو لوگوں نے

إِلَيْهِ الَّذِي أَصَابَهُمْ، فَقَالَ لَا ضَيْرَ أَوْ لَا يَضِيرُ ارْتَحِلُوا فَارْتَحَلَ فَسَارَ

حضور سے جو افتاد پڑی تھی اس کی شکایت کی۔ اس پر فرمایا۔ کوئی نقصان نہیں یا فرمایا کوئی نقصان نہ ہوگا۔ یہاں

غَيْرَ بَعِيدٍ، ثُمَّ نَزَلَ فَدَعَا بِالْوَضُوءِ فَتَوَضَّأَ وَنُودِيَ بِالصَّلٰوةِ فَصَلَّى بِالنَّاسِ،

سے چلو۔ وہاں سے چلے تھوڑی دور چل کر اترے اور وضو کا پانی طلب فرمایا۔ پھر نماز کے لئے اذان دی گئی۔ حضور نے

فَلَمَّا انْفَتَلَ مِنْ صَلٰوتِهِ إِذَا هُوَ بِرَجُلٍ مُعْتَزِلٍ لَّمْ يُصَلِّ مَعَ الْقَوْمِ قَالَ

لوگوں کو نماز پڑھائی۔ جب نماز سے فارغ ہوئے (تو دیکھا) ایک شخص الگ ہے سب کے ساتھ نماز نہیں پڑھی۔ اس سے فرمایا

مَا مَنَعَكَ يَا فُلَانُ أَنْ تُصَلِّيَ مَعَ الْقَوْمِ، قَالَ أَصَابَتْنِي جَنَابَةٌ وَّلَا مَاءَ،

اے فلاں سب کے ساتھ نماز پڑھنے سے تجھے کس بات نے روک دیا انھوں نے عرض کیا مجھے جنابت لاحق

قَالَ عَلَيْكَ بِالصَّعِيدِ فَإِنَّهُ يَكْفِيكَ، ثُمَّ سَارَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ

ہوگئی ہے۔ اور غسل کے لئے پانی نہیں۔ فرمایا مٹی سے تیمم کر یہ تمہارے لئے کافی ہے۔ اس کے بعد نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تھوڑی

فی سفر یہ واقعہ کس سفر میں پیش آیا۔ کچھ لوگوں نے کہا کہ خیبر سے واپسی میں بعض حضرات نے کہا حدیبیہ سے واپسی میں۔ بعض ارباب تحقیق نے فرمایا کہ تبوک کے راستے میں یہ واقعہ پیش آیا۔ جیسا کہ حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث میں مذکور ہے جسے امام عبد الرزاق نے اپنے مصنف میں اور بیہقی نے دلائل النبوۃ میں ذکر کیا ہے۔ اور یہی صحیح ہے اس لئے کہ اس واقعے میں تیمم کرنے کا حکم ارشاد فرمایا اور ہم پہلے حدیث (۲۲۵) میں تحقیق کرآئے کہ آیت تیمم غزوہ ذات الرقاع سے واپسی میں نازل ہوئی۔ جو خیبر کے بعد ہوا تھا۔ صحیح اور محقق یہ ہے کہ سفر میں نماز فجر قضا ہونے کا واقعہ متعدد بار ہوا ہے۔ ایک دفعہ خیبر سے واپسی میں جس میں یہ ہے کہ حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جاگتے رہنے کا ذمہ لیا تھا مگر وہ بھی سوگئے۔ اور سب سے پہلے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بیدار ہوئے مسلم اور ابو داؤد میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے [۱]

---

[۱] مسلم جلد اول مساجد باب قضاء الصلوۃ الفائتۃ ص۲۳۸، ابو داؤد جلد اول صلوۃ۔ باب فی من نام عن صلوۃ او نسیہا ص۶۲۔

وَسَلَّمَ، فَاشْتَكَى إِلَيْهِ النَّاسُ مِنَ الْعَطَشِ فَنَزَلَ فَدَعَا فُلَانًا كَانَ يُسَمِّيهِ

دور چلے۔ تو لوگوں نے حضور سے پیاس کی شکایت کی۔ اس پر اتر پڑے اور فلاں کو بلایا۔ ابو رجار اس کا نام

أَبُو رَجَاءٍ، نَسِيَهُ عَوْفٌ وَدَعَا عَلِيًّا، فَقَالَ إِذْهَبَا فَابْتَغِيَا الْمَاءَ فَانْطَلَقَا

لیتے تھے۔ عوف بھول گئے اور علی کو بلایا اور فرمایا تم دونوں جاؤ اور پانی تلاش کرو۔ یہ دونوں چلے تو

فَتَلَقَّيَا امْرَأَةً بَيْنَ مَزَادَتَيْنِ أَوْ سَطِيحَتَيْنِ مِنْ مَّاءٍ عَلَى بَعِيرٍ لَّهَا فَقَالَا لَهَا

انھیں ایک عورت ملی جو پانی سے بھری ہوئی۔ دو پکھالوں یا دو بڑے مشکیزوں کے درمیان اپنے اونٹ پر بیٹھی تھی۔ ان

أَيْنَ الْمَاءُ قَالَتْ عَهْدِي بِالْمَاءِ أَمْسِ هٰذِهِ السَّاعَةَ وَنَفَرُنَا خُلُوفًا

حضرات نے اس عورت سے پوچھا پانی کہاں ہے؟ اس نے بتایا کہ میں پانی کے پاس کل اسی وقت تھی اور ہمارے مرد پیچھے رہ گئے

قَالَا لَهَا انْطَلِقِي إِذًا قَالَتْ إِلَى أَيْنَ قَالَا إِلَى رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ تَعَالَى

ان دونوں نے اس سے کہا ایسا ہے تو چل۔ اس نے پوچھا۔ کہاں دونوں نے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَتِ الَّذِي يُقَالُ لَهُ الصَّابِئُ قَالَا هُوَ الَّذِي تَعْنِيْنَ فَانْطَلِقِي

کی خدمت میں۔ اس نے کہا وہی جنھیں صابی کہا جاتا ہے ان دونوں نے کہا ہاں وہی جنھیں تو سمجھتی ہے

دوسرا حدیبیہ سے واپسی میں اس میں بھی حضرت بلال ہی نے سب کے جگانے کا ذمہ لیا تھا اور خود بھی سو گئے۔ اور فلاں فلاں اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جاگے اسے ابو داؤد نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے[1]۔ تیسری بار کسی اور سفر میں جسمیں یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم راستے سے ہٹ کر سوئے تھے۔ یہ مسلم[2] اور ابو داؤد[3] میں حضرت ابو قتادہ سے مروی ہے۔

کان اول من استیقظ بخاری علامات نبوت اور مسلم باب قضاء الصلوۃ الفائتہ " میں ہے کہ سب سے پہلے حضرت صدیق اکبر اٹھے۔ دوسرا اور تیسرا کون تھا۔ ان کا نام یقینی طور پر معلوم نہ ہو سکا۔ علامہ ابن حجر کا قیاس یہ ہے کہ دوسرے راوی حدیث عمران بن حصین تھے۔ اس لئے کہ وہ حدیث جس طرح بیان کر رہے ہیں وہ بتا رہا ہے کہ انھوں نے سب کچھ دیکھ کر

---

[1] ابوداؤد ص ۶۴ [2] ایضا مسلم ص ۲۳۹ [3] ابوداؤد ص ۶۳۔

فَجَاءَا بِهَا اِلَى رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَحَدَّثَاهُ الْحَدِيْثَ. قَالَ

وہیں چل یہ دونوں حضرات رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں اسے لائے اور واقعہ بیان کیا۔ راوی نے

فَاسْتَنْزَلُوْهَا عَنْ بَعِيْرِهَا وَدَعَا النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِاِنَاءٍ فَفَرَّغَ

کہا۔ اور اسے اس کے اونٹ سے آتارا اور نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے برتن منگایا اور اس میں دونوں

فِيْهِ مِنْ اَفْوَاهِ الْمَزَادَتَيْنِ اَوِ السَّطِيْحَتَيْنِ وَاَوْكَأَ اَفْوَاهَهُمَا وَاَطْلَقَ

پکھالوں یا مشکیزوں کے منھوں سے کچھ پانی انڈیلا اور ان کے منہ باندھ دیئے۔ اور اس کے نیچے کا

الْعَزَالِيَ وَنُوْدِيَ فِي النَّاسِ، اَسْقُوْا وَاسْتَقُوْا، فَسَقَى مَنْ سَقَى وَاسْتَقَى مَنْ

تنگ منہ کھول دیا اور لوگوں میں اعلان کر دیا گیا۔ کہ پانی خود بھی پیو اور جانوروں کو بھی پلاؤ جس کو پینا تھا پیا اور جس نے

شَاءَ وَكَانَ اٰخِرُ ذٰلِكَ اَنْ اَعْطَى الَّذِيْ اَصَابَتْهُ الْجَنَابَةُ اِنَاءً مِنْ مَاءٍ

چاہا جانوروں کو پلایا۔ اور سب کے آخر میں ایک برتن پانی اسے دیا جسے جنابت لاحق ہو گئی تھی اور فرمایا جاؤ اسے اپنے

قَالَ اذْهَبْ فَاَفْرِغْهُ عَلَيْكَ. وَهِيَ قَائِمَةٌ تَنْظُرُ اِلَى مَا يُفْعَلُ بِمَائِهَا

اوپر ڈال لو (نہالو)۔ اور وہ عورت کھڑی وہ سب دیکھتی رہی جو اس کے پانی کے ساتھ کیا جا رہا تھا

بیان کیا ہے۔ اور تیسرے صاحب ذو فجر ہیں جو اس سفر میں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت کر رہے تھے۔
علامہ عینی نے اس پر یہ تعقب فرمایا کہ یہ قیاس اور اندازے سے حدیث میں تصرف ہے۔[1] واللہ تعالیٰ اعلم۔

تطبیق یہاں یہ ہے کہ حضرت عمر نے اٹھکر تکبیر کہنی شروع کی اور علامات نبوت میں ہیکہ سب سے پہلے حضرت صدیق اکبر اٹھے اور تکبیر کہنے لگے۔ مگر دونوں میں منافات نہیں۔ واقعہ یہی ہے کہ صدیق اکبر نے بھی تکبیر کہی مگر ان کی آواز بلند نہ تھی اس سے حضور بیدار نہ ہوئے اور حضرت فاروق اعظم کی آواز بہت بلند تھی۔ اس سے بیدار ہو گئے۔ اس کا لحاظ کر کے یہاں اختصار کر دیا۔ اور علامات نبوت میں پوری بات ذکر کر دی۔

وكان النبي صلى الله تعالى عليه وسلم اذا نام لم نوقظه اس پر ایک شدید اشکال یہ ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا۔
ان عيني تنامان ولا ينام قلبي میری آنکھیں سوتی ہیں اور دل بیدار رہتا ہے۔
پھر حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اس کی اطلاع کیوں نہ ہوئی کہ نماز فجر کا وقت ہو گیا۔ سورج نکلنے والا ہے۔

---

[1] عینی جلد رابع صفحہ ۲۵

وَايمُ اللهِ لَقَدْ اُقْلِعَ عَنْهَا وَاِنَّهُ لَيُخَيَّلُ اِلَيْنَا اَنَّهَا اَشَدُّ مِلْئَةً مِّنْهَا حِيْنَ

اور خدا کی قسم جب ان مشکیزوں سے پانی لینا بند کیا گیا تو ہمیں ایسا معلوم ہو رہا تھا کہ وہ اس وقت زیادہ بھرے

اُبْتُدِئَ فِيْهَا۔ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِجْمَعُوْا لَهَا، فَجَمَعُوْا

ہیں بہ نسبت اُس وقت کے جب ان سے پانی لینا شروع کیا گیا تھا۔ اس کے بعد نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا

لَهَا مِنْ بَيْنِ عَجْوَةٍ وَّدَقِيْقَةٍ وَّسُوَيْقَةٍ حَتّٰى جَمَعُوْا لَهَا طَعَامًا فَجَعَلُوْهُ فِيْ

اس عورت کے لئے کچھ جمع کرو تو لوگوں نے اس کے لئے عجوہ آٹا ستو کھانے کے سامان اکٹھا کر دیا اور ایک کپڑے

ثَوْبٍ وَّحَمَلُوْهَا عَلٰى بَعِيْرِهَا وَوَضَعُوْا الثَّوْبَ بَيْنَ يَدَيْهَا فَقَالَ لَهَا

میں باندھ دیا اور اس عورت کو اس کے اونٹ پر سوار کرا دیا اور کھانے کا کپڑا اس کے آگے رکھ دیا اب حضور نے اس سے فرمایا

اس کا سب سے عمدہ اور نفیس جواب وہ ہے جو استاذی جلالۃ العلم حافظ ملت، حضرت علامہ حافظ ابوالفیض عبدالعزیز صاحب قدس سرہٗ بانی الجامعۃ الاشرفیہ مبارکپور نے دیا۔ ارشاد فرمایا۔ اگرچہ قلب محسوسات اور معقولات دونوں کا ادراک کرتا ہے۔ مگر محسوسات کے ادراک کے لئے حواس کا واسطہ ضروری ہے طلوع فجر محسوس مبصر ہے اس کے جاننے کیلئے آنکھ کا واسطہ ضروری ہے۔ چونکہ چشمان مبارک سو رہی تھیں۔ اس لئے قلب مبارک طلوع فجر کا ادراک نہ کر سکا۔ اس کی حکمت یہ تھی کہ جیسے حالت بیداری میں کبھی کبھار سہو ہو گیا ہے اس مصلحت سے تاکہ سہو کی تلافی اور قضاء کے احکام کا بیان اور اس کی تشریع فعل رسول سے ہو جائے۔ اسی طرح سونے کی وجہ سے نماز کی قضا بھی اسی حکمت کی بنا پر ہے کہ احکام قضاء کا بیان اور اس کی تشریع حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے فعل مبارک سے ہو جائے۔

فارتحلوا وہاں سے کوچ کرنے کی وجہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث میں مذکور ہے کہ۔

هٰذا منزل حضرفيه الشيطان اس جگہ شیطان آگیا۔[1]

فدعا فلان یہ خود راوی حدیث حضرت عمران تھے۔ جیسا کہ ابن زریر کی روایت ہے۔

حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سامنے جو چند سوار تھے ان کے ساتھ مجھے پانی تلاش کرنے کے لئے بعجلت تمام بھیجا۔[2]

اس روایت سے معلوم ہوا کہ صرف حضرت عمران اور حضرت علی ہی نہیں گئے تھے بلکہ ایک جماعت گئی تھی۔ جن کے امیر

---

[1] مسلم صـ۲۳۸ [2] عینی جلد رابع صـ۲۹

تَعْلَمِيْنَ مَا رَزِئْنَا مِنْ مَّائِكِ شَيْئًا وَّلٰكِنَّ اللّٰهَ هُوَ الَّذِيْ اَسْقَانَا۔ فَاَتَتْ اَهْلَهَا

ہم نے تیرے پانی سے کچھ کم نہیں کیا ہاں اللہ ہی وہ ہے جس نے ہمیں پانی پلا دیا۔ اس کے بعد عورت اپنے گھر

وَقَدِ احْتُبِسَتْ عَنْهُمْ۔ قَالُوْا مَا حَبَسَكِ يَا فُلَانَةُ۔ قَالَتِ الْعَجَبُ لَقِيَنِيْ

والوں کے پاس گئی چونکہ اس کے پہنچنے میں تاخیر ہوگئی تھی۔ تو گھر والوں نے پوچھا اے فلانہ تجھے کس چیز نے روکا۔ اس نے کہا

رَجُلَانِ فَذَهَبَا بِيْ اِلٰى هٰذَا الرَّجُلِ الَّذِيْ يُقَالُ لَهُ الصَّابِيْ فَفَعَلَ بِيْ

تعجب انگیز بات ہے مجھے دو شخص ملے اور مجھے ان کی خدمت میں لے گئے جنھیں صابی کہا جاتا ہے۔ تو انھوں نے ایسا

كَذَا وَكَذَا فَوَاللّٰهِ اِنَّهٗ لَاَسْحَرُ النَّاسِ مِنْ بَيْنِ هٰذِهٖ وَهٰذِهٖ وَقَالَتْ

ایسا کیا خدا کی قسم وہ شخص اس کے اور اس کے درمیان سب سے بڑا جادوگر ہے اور اس نے

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ رہے ہوں گے اور ممتاز افراد میں حضرت عمران۔ اس لئے بخاری کی اس روایت میں خصوصیت سے ان دونوں کا تذکرہ ہے۔

فُرُوْع مسلم میں ہے۔ فَتَحَ فی العزلاوین العلیاوین۔ بیہقی اور طبرانی میں ہے فمضمض فی الماء واعادہ فی افواہ المزادتین۔ پانی میں کلی کرکے مشکیزوں کے منہ میں ڈال دیا۔ اس کی برکت سے پانی سب نے پیا۔ جانوروں کو پلایا مگر کم نہ ہوا۔

مسائل اس حدیث سے یہ مسائل اخذ ہوئے ① بزرگوں کا ادب بہرحال لازم ہے۔ وہ سو رہے ہوں تو ان کو مخاطب کرکے پکارنا بھی نہیں چاہئے ② کسی طاعت کے فوت پر افسوس محمود ہے ③ اپنی تقصیر کے بغیر نماز قضا ہو جائے تو کوئی گناہ نہیں ④ سفر میں ساتھیوں کا خیال رکھنا لازم ہے ⑤ پانی پر قدرت نہ ہونے کی صورت میں جنبی کو بھی تیمم کافی ہے ⑥ پوری جماعت کی نماز قضا ہو جائے تو اذان بھی سنت ہے اور جماعت بھی ⑦ شدید پیاس دفع کرنے کیلئے دوسرے کا پانی بالجبر عوض سے لینا جائز ہے۔ ⑧ وضو اور غسل پر پیاس مقدم ہے ⑨ ہبہ وغیرہ اور اس کا عوض زبان سے کہے بغیر لینا دینا جائز ہے ⑩ کفار کے برتن اور پانی اور کھانے کا استعمال جائز ہے جب تک نجاست اور حرمت کا یقین نہ ہو ⑪ فوت شدہ نماز کی ادائیگی میں بقدر ضرورت تاخیر درست ہے ⑫ حضرت فاروق اعظم دینی معاملے میں سب سے زیادہ قوی اور سخت تھے ⑬ استیلاء تام سے حربیوں کا مال مسلمانوں کیلئے حلال ہے۔ استیلاء تام سے مراد یہ ہے کہ وہ مال پورے طور سے قبضے میں آجائے۔ لشکر اسلام یا دارالاسلام میں پہنچ جائے۔

بِاِصْبَعَیْہَا الْوُسْطٰی وَالسَّبَّابَۃِ فَرَفَعَتْہُمَا اِلَی السَّمَاءِ تَعْنِی السَّمَاءَ وَالْاَرْضَ

اپنی بیچلی اور کلمے کی انگلیوں سے اشارہ کیا ان دونوں کو آسمان کی طرف اٹھایا اس کی مراد زمین اور آسمان تھی۔

اَوْاِنَّہٗ لَرَسُوْلُ اللّٰہِ حَقًّا فَکَانَ الْمُسْلِمُوْنَ بَعْدُ یُغِیْرُوْنَ عَلٰی مَنْ حَوْلَہَا

یا وہ یقینا اللہ کے برحق رسول ہیں۔ اس کے بعد مسلمان اس عورت کے ارد گرد کے مشرکین پر چھاپے مارتے رہے

مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ وَلَا یُصِیْبُوْنَ الصِّرْمَ الَّذِیْ ہِیَ مِنْہُ۔ فَقَالَتْ یَوْمًا

اور یہ عورت جس محلے میں تھی اسے چھوڑ دیتے۔ اس پر اس عورت نے ایک دن اپنی قوم سے کہا

لِقَوْمِہَا مَا اَرٰی اَنَّ ہٰؤُلَاءِ الْقَوْمَ قَدْ یَدَعُوْنَکُمْ عَمَدًا فَہَلْ لَّکُمْ

میں سمجھتی ہوں کہ یہ لوگ تم کو بالقصد چھوڑ دیتے ہیں تو کیا اب تمہیں اسلام قبول کرنے کی رغبت ہے

فِی الْاِسْلَامِ فَاَطَاعُوْہَا فَدَخَلُوْا فِی الْاِسْلَامِ قَالَ اَبُوْعَبْدِاللّٰہِ

قوم نے اس کی بات مان لی اور سب اسلام میں داخل ہو گئے۔ ابو عبداللہ نے کہا

قال ابو عبد اللہ صابی کا لفظ دو مادوں سے بنا ہے ایک ''صَبَا یَصْبُوْا'' سے ناقص واوی ہے۔ اس کے لغوی معنی ہیں۔ مائل ہوا۔ قلبی رجحان ہوا۔ اور ایک صَبَأَ یَصْبَأُ یہ مہموز لام ہے اس کے معنی لغت میں ہے۔ ایک دین سے نکلا دوسرے دین میں داخل ہوا۔

اس حدیث میں صابی کا لفظ آیا ہے۔ اس کے بارے میں امام بخاری بتا رہے ہیں کہ اس کے معنی۔ ایک دین سے نکل کر دوسرے دین میں داخل ہونے والے کے ہیں۔ عرب کے جاہل حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ''صابی'' اس بنا پر کہتے تھے۔ کہ حضور نے قریش کے مذہب کے بجائے دین ابراہیمی اختیار فرمایا تھا۔ قرآن مجید میں ''صائبین'' کا لفظ آیا ہے۔ لفظی مناسبت سے امام بخاری، ابو العالیہ کا قول نقل کر کے یہ بتانا چاہتے ہیں کہ یہ اہل کتاب کا ایک فرقہ ہے جو زبور پڑھتا تھا۔ اس کا حاصل یہ نکلا کہ ''صائبین'' اہل کتاب میں سے ہیں۔ اس کی پوری تحقیق اپنے موقع پر آئے گی۔

ع۔ بخاری جلد اول تیمم باب الصعید الطیب وضوء المسلم ص۴۹۔ بخاری جلد اول تیمم ص۵۰۔ بخاری جلد اول مناقب باب علامات النبوۃ ص۵۰۴۔ مسلم جلد اول مساجد باب قضاء الصلوۃ الفائتۃ ص۲۳۸۔ نسائی جلد اول طہارت باب التیمم بالصعید ص۶۱۔ داری وضوء ۶۵۔ مسند امام

صَبَأَ خَرَجَ مِنْ دِيْنٍ إِلَىٰ غَيْرِهِ وَقَالَ أَبُو الْعَالِيَةِ الصَّابِئِينَ فِرْقَةٌ

امام بخاری نے کہا ۔ صَبَا ۔ کے معنی ہیں ایک دین سے نکل کر دوسرے دین میں داخل ہوا اور ابو العالیہ نے کہا۔

مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ يَقْرَءُوْنَ الزَّبُوْرَ ۔ أَصْبُ أَمِلْ ۔

صائبین اہل کتاب کا ایک فرقہ ہے جو زبور پڑھتے ہیں ۔ اَصْبُ کے معنی ہیں میں مائل ہوں ۔

ت ۸۰ وَيُذْكَرُ أَنَّ عَمْرَو بْنَ الْعَاصِ أَجْنَبَ فِي لَيْلَةٍ بَارِدَةٍ

اور ذکر کیا جاتا ہے کہ حضرت عمرو بن عاص کو ایک سرد رات میں جنابت لاحق ہوگئی

سورہ یوسف میں ۔ اَصْبُ ۔ کا لفظ آیا ہے ۔ جو ناقص واوی ہے ۔ اس کے معنی اَمِلْ کے ہیں یعنی میں مائل ہو جاؤنگا ۔ علامہ عینی کی تحقیق یہ ہے کہ اس حدیث میں صابی کا جو لفظ ہے ۔ یہ ناقص واوی ہے ۔ اس لئے کہ اہل عرب جو شخص مسلمان ہو جاتا ۔ اسے مصبُوٌّ ۔ اور عام مسلمان کو صُبَاۃٌ کہتے تھے ۔ جو صابی ناقص کی جمع ہے ۔ جیسے غازی کی غزاۃ قاضی کی قضاۃ اگر یہ مہموز لام ہوتا تو اس کا اسم مفعول مصبوء ہمزے کیساتھ آتا جیسے مقروءٌ اور جمع صُبَّاءُ آتی جیسے قاری کی جمع قرّاء ۔ حدیث میں صابی کی روایت دونوں طرح ہے ہمزے کیساتھ بھی اور بغیر ہمزے کے بھی ۔

اس حدیث میں ایک خاص نکتہ یہ ہے کہ ان صحابیہ بی بی نے حالت کفر میں بھی ، حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شان اقدس میں کوئی گستاخی نہیں کی ۔ بلکہ ادب کا لحاظ رکھا ۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا تو یہ کہا ۔ وہ جنھیں صابی کہا جاتا ہے ۔ خود انھوں نے صابی نہیں کہا ۔ اس کا فائدہ ان کو یہ ملا کہ ایمان نصیب ہوا ۔ اس سے معلوم ہوا کہ کافر بھی اگر محبوبان بارگاہ کا ادب کرتا ہے تو اسے فائدہ پہنچتا ہے ۔

تشریحات ت ۸۰

حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ ۔ مشہور صحابہ کرام میں سے ہیں ۔ سیاست ، حکمرانی ، شجاعت جنگی مہارت اور مشکل سے مشکل معاملے کے حل میں اپنی نظیر نہیں رکھتے تھے ۔ مشہور ہے ۔ دُہاۃ عرب چار ہیں ۔ معاویہ ، مغیرہ ، عمرو بن عاص زیاد بن ابیہ ۔ ان کے بارے میں یہ کہا گیا ہے کہ یہ مشکل اور لاینحل معاملات کو چٹکی بجاتے حل کر دیتے تھے ۔ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سات سال پہلے پیدا ہوئے ۔ اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بعد بیس سال باحیات رہے نوے سال کی عمر پائی ۔ صلح حدیبیہ اور فتح مکہ کے درمیان سنہ ۸ صفر کو سیف اللہ خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ حاضر خدمت

فَتَيَمَّمَ وَتَلَا وَلَا تَقْتُلُوْا اَنْفُسَكُمْ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيْمًا فَذُكِرَ ذٰلِكَ

تو انھوں نے تیمم کیا اور یہ آیت تلاوت کی اپنے آپ کو ہلاک نہ کرو بلاشبہ اللہ عزوجل تم پر مہربان ہے

ہوکر ایمان سے مشرف ہوئے ان کے ساتھ عثمان بن طلحہ بھی تھے۔ یہ لوگ خدمت اقدس میں حاضر ہوئے تو حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا۔ مکہ نے اپنے جگر کے ٹکڑوں کو تمہاری طرف پھینک دیے ہیں۔ انکا بیان ہے کہ میرے دل میں اسلام اسی وقت گھر کر گیا تھا جب میں نجاشی کے یہاں مسلمانوں کو واپس لانے گیا تھا۔ اسلام لانے کے بعد بارگاہ اقدس کے مقربان خاص میں داخل ہو گئے۔ ان کے دل میں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا اتنا احترام اور اجلال تھا کہ کبھی حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف آنکھ اٹھا کر نہیں دیکھتے تھے۔ بارگاہ میں ہمیشہ نگاہ نیچی رکھتے تھے۔ ان کی سرکردگی میں ۸ھ میں ذات السلاسل کی مہم گئی جسمیں حضرت صدیق اکبر اور حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہما ان کے ماتحت تھے۔ اسی غزوے میں وہ واقعہ رونما ہوا جو اس "تعلیق" میں مذکور رہے۔ اخیر عمر مبارک میں انھیں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے عمان کا والی بنا دیا تھا۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال تک اس عہدے پر باقی رہے۔ جب شام کی مہم شروع ہوئی، تو حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے انھیں فلسطین کی مہم پر مقرر فرمایا۔ پھر فلسطین کی فتح کے بعد، ان کو اردن اور فلسطین کا والی بنا دیا اس کے بعد مصر کی فتح پر مامور فرمایا انھوں نے جب مصر فتح کر لیا تو وہاں کا والی بنایا۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی اسی عہدے پر باقی رکھا۔ پھر چار سال کے بعد معزول کر دیا۔ اس کے بعد حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حیات تک یہ فلسطین رہے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کے بعد یہ حضرت معاویہ کے پاس آگئے اور ان کے مشیر خاص اور قوت بازو رہے۔ یہاں تک کہ واقعہ صفین کے بعد جب تحکیم پر اتفاق ہوا تو حضرت معاویہ نے ان کو اپنی طرف سے حکم بنایا۔ دومۃ الجندل کے افسوسناک واقعے کے بعد حضرت معاویہ نے مصر پر ان کو والی بنا دیا۔ اسی حالت میں خاص عید الفطر کے دن ۴۳ھ کو مصر ہی میں وصال فرمایا۔ ان کے صاحبزادے حضرت عبداللہ نے ان کی نماز جنازہ پڑھائی۔ پھر نماز عید پڑھائی۔ فضح کے علاقہ مقطم میں دفن کئے گئے۔ یہ وصیت فرمائے تھے کہ جب مجھے دفن کر چکو تو میری قبر پر اتنی دیر بیٹھے رہنا۔ جتنی دیر میں اونٹ ذبح کر کے اس کا گوشت تقسیم کر دیا جاتا ہے۔ تاکہ مجھے انسیت حاصل ہو۔ ان سے سینتیس احادیث مروی ہیں جن میں سے تین بخاری میں ہیں[1]

سریہ ذات السلاسل یہ واقعہ سریہ ذات السلاسل میں پیش آیا تھا یہ سریہ جمادی الاولی ۸ھ میں ہوا تھا۔ اس کا نام ذات السلاسل اس لئے پڑا کہ یہ قبیلہ جذام کی سرزمین میں ہوا تھا جس کا نام

---

[1] عینی جلد رابع باب التیمم ص۳۴ الاستیعاب، اصابہ۔

لِلنَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَلَمْ یُعَنِّفْ۔

نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے اسے ذکر کیا گیا تو حضور نے انکی سرزنش نہیں کی۔

حدیث ۔ مناظرۃ ابن مسعود و ابی موسیٰ الاشعری فی تیمم الجنب (۲۴۱)

عَنْ شَقِیْقٍ قَالَ کُنْتُ جَالِسًا مَّعَ عَبْدِ اللّٰہِ وَ اَبِیْ مُوْسَی الْاَشْعَرِیِّ رَضِیَ اللّٰہُ

شقیق بن سلمہ نے کہا میں ، حضرت عبداللہ (بن مسعود) اور حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہما کیساتھ

سلسل ہے یہ مدینہ طیبہ سے دس دن کی دوری پر وادی القریٰ کے آگے ہے۔

تکمیل پوری تفصیل یہ ہے۔ جو خود حضرت عمرو بن عاص نے بیان کیا۔ کہ مجھے سریہ ذات السلاسل میں جنابت لاحق ہوگئی۔ سردی کی رات تھی۔ مجھے اندیشہ ہوا کہ اگر نہاؤں تو کہیں مر نہ جاؤں تو تیمم کرکے میں نے صبح کی نماز پڑھائی واپسی پر لوگوں نے، نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے اس کا تذکرہ کیا۔ اس پر حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مجھ سے دریافت فرمایا۔ میں نے وجہ عرض کردی اور یہ آیت تلاوت کی۔

وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَنْفُسَکُمْ اِنَّ اللّٰہَ کَانَ بِکُمْ رَحِیْمًا (نساء) (۲۹) اپنے آپ کو ہلاک نہ کرو بلاشبہ اللہ تم پر مہربان ہے۔ یہ سن کر حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے تبسم فرمایا اور کچھ نہیں کہا[1]

اس حدیث سے یہ مسائل اخذ ہوئے ① محدث ہو یا جنب اگر اسے یہ ظن غالب ہو کہ پانی کے استعمال سے جان چلی جائیگی یا مرض بڑھ جائے گا یا دیر میں اچھا ہوگا تو وہ تیمم کرلے ② جنبی بوجہ عذر شرعی اگر تیمم کرکے نماز پڑھے تو اس کا اعادہ نہیں جیسا کہ امام بخاری کے ذکر کردہ لفظ، لم یعنفہ اور ابوداؤد کے۔ ولم یقل شیئا۔ سے ظاہر ہے ③ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانے میں بھی اجتہاد کی اجازت تھی۔

تشریحات (۲۴۱)

تکمیل۔ اس روایت میں قلب ہے۔ یعنی مکالمے کے نقل میں تقدیم و تاخیر ہوگئی ہے۔ صحیح صورت یہ ہے کہ حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا۔ اے ابو عبدالرحمٰن بتائیے اگر کوئی جنبی ہوجائے اور پانی نہ پائے تو کیا کرے یعنی تیمم کرکے نماز پڑھے۔ یا بلا تیمم کے یا نماز ہی نہ پڑھے۔ حضرت عبداللہ نے فرمایا کہ، یہ

---

[1] ابو داؤد جلد اول طہارت باب اذا خاف الجنب البرد یتیمم ص۴۸

تَعَالٰی عَنْهُمَا فَقَالَ لَهٗ اَبُوْمُوْسٰی لَوْ اَنَّ رَجُلًا اَجْنَبَ فَلَمْ یَجِدِ الْمَاءَ شَهْرًا

بیٹھا تھا کہ ابو موسٰی نے عبداللہ سے کہا اگر کوئی جنبی ہو جائے اور ایک مہینے تک پانی نہ پائے تو کیا وہ تیمم

اَمَا كَانَ یَتَیَمَّمُ وَ یُصَلِّیْ، قَالَ، فَقَالَ عَبْدُاللّٰهِ لَا یَتَیَمَّمُ وَ اِنْ كَانَ لَمْ یَجِدْ

کرے اور نماز پڑھے۔ راوی نے کہا۔ اس پر عبداللہ نے کہا تیمم نہ کرے اگرچہ ایک ماہ تک پانی نہ پائے۔

شَهْرًا فَقَالَ لَهٗ اَبُوْمُوْسٰی فَكَیْفَ تَصْنَعُوْنَ بِهٰذِهِ الْاٰیَةِ فِیْ سُوْرَةِ الْمَائِدَةِ

ابو موسٰی نے کہا۔ سورہ مائدہ کی اس آیت کو کیا کروگے (کہ فرمایا) اگر پانی نہ پاؤ تو پاک مٹی سے

نماز نہ پڑھے۔ تو حضرت ابو موسٰی نے کہا۔ عمار کی اس روایت کو کیا کروگے جو وہ روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے حضرت عمار سے فرمایا۔ تمہیں یہ کافی ہے۔ (تیمم کی طرف اشارہ فرمایا)۔ حضرت عبداللہ نے فرمایا کیا آپ کو نہیں معلوم کہ حضرت عمر نے عمار کے قول پر اطمینان نہیں فرمایا۔ اب حضرت ابو موسٰی نے کہا۔ چلو ہم عمار کے قول کو چھوڑتے ہیں اس آیت کو کیا کروگے۔ اس کا جواب حضرت عبداللہ نہ دے پائے۔ اور یہ کہا۔ اگر ہم جنبی کو تیمم کی اجازت دیدیں تو جب کسی کو پانی ٹھنڈا لگے گا تو غسل نہ کریگا تیمم کرنے لگے گا۔ اعمش نے کہا میں نے شفیق سے کہا۔ حضرت عبداللہ نے اس وجہ سے اسے ناپسند کیا تو شفیق نے کہا۔ ہاں۔ اس میں تھوڑا اختصار بھی ہے پوری تفصیل وہ ہے جو حدیث (۲۳۹) میں گذر چکی ہے کہ حضرت عمار نے حضرت عمر سے یہ کہا مجھے اور آپ کو حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ایک سریہ میں یا اونٹوں کی دیکھ بھال کیلئے بھیجا تھا۔ اور مجھے بھی جنابت لاحق ہوگئی اور آپ کو بھی۔ میں نے تو چوپائے کی طرح زمین پر لوٹ کر نماز پڑھ لی۔ آپ نے نہیں پڑھی۔ جب واپس آکر خدمتِ اقدس میں واقعہ عرض کیا تو یہ فرمایا۔ تمہیں یہ کافی ہے۔ الخ

توضیح باب اس حدیث پر امام بخاری نے۔ دو باب قائم فرمایا ہے۔ پہلا یہ ہے۔
اذا خاف الجنب علی نفسه المرض او الموت او خاف العطش تیمم۔

غسل کرنے سے اگر جنبی کو مریض ہو جانے یا موت کا یا پیاس کا اندیشہ ہو تو تیمم کرے۔ اس کی تائید میں امام بخاری نے، پہلے عمرو بن عاص کا "اثر" ذکر فرمایا جسمیں یہ ہے کہ "حضرت عمرو بن عاص نے اپنے اجتہاد سے ضرر کے اندیشے سے بجائے غسل کے تیمم کرکے نماز پڑھی۔ پھر خدمتِ اقدس میں عرض کیا تو حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اس پر سکوت فرمایا۔ نہ تو انھیں ملامت کی نہ اس پر انکار فرمایا یہ ان کے فعل کی تائید ہے۔ جسے اصطلاح میں تقریر کہتے ہیں۔ اس طرح اس خصوص میں حضور کی بھی اجازت ثابت ہے۔ اس سے معلوم ہوا جب جنبی غسل پر قادر نہ ہو تو تیمم کرکے نماز پڑھے۔ یہی جمہور صحابہ اور امام اعظم امام

فَلَمْ تَجِدُوْا مَاءً فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا طَيِّبًا ، فَقَالَ عَبْدُ اللهِ لَوْ رُخِّصَ
تیمم کرو۔ اس پر عبداللہ نے کہا اگر اس صورت میں تیمم کی اجازت
فِيْ هٰذَا لَهُمْ لَاَوْشَكُوْا اِذَا بَرَدَ عَلَيْهِمُ الْمَاءُ اَنْ يَّتَيَمَّمُوْا الصَّعِيْدَ
دیدی جائے تو لوگوں کو جب بھی پانی ٹھنڈا لگے گا مٹی سے تیمم کرنے لگیں گے

مالک اور شافعی رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا مسلک ہے۔

اس کی توضیح یہ ہے کہ قرآن کریم میں ہے۔ فَلَمْ تَجِدُوْا مَاءً فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا طَيِّبًا۔ اور تم پانی نہ پاؤ تو پاک مٹی سے تیمم کرو۔ پانی نہ پانے کی دو صورتیں ہیں۔ ایک حقیقی کہ واقعی حقیقت میں وہاں پانی نہ ہو۔ دوسرے حکمی کہ پانی ہے مگر پانی کے استعمال پر قدرت نہیں۔ مثلاً دشمن یا درندے کا خوف ہے یا پانی کنوئیں میں ہے اس کے پاس ڈول یا رسی یا کوئی ایسی چیز نہیں جس سے پانی کھینچ سکے۔ یا پانی تھوڑا ہے اگر اسے غسل میں صرف کر دیگا تو اس کی یا ساتھیوں یا جانوروں کی پیاس کا اندیشہ ہے۔ یا پانی کے استعمال پر بظاہر قدرت ہے مگر چونکہ پانی کے استعمال کرنے سے جان جانے کا اندیشہ ہے یا بیمار پڑ جانے کا یا بیماری بڑھ جانے کا اندیشہ ہو تو یہ حقیقت میں پانی کے استعمال پر قدرت نہ ہوئی۔ ان صورتوں میں پانی موجود تو ہے مگر اس کا وجود و عدم برابر ہے اس لئے حکماً گویا پانی موجود نہیں۔ اس لئے ان تمام صورتوں میں تیمم کی اجازت ہے۔ ان تمام صورتوں میں جنب کی تخصیص نہیں۔ بلکہ محدث کا بھی یہی حکم ہے۔

اس باب کی تائید میں امام بخاری نے دوسری دلیل، حضرت عمار کی وہ حدیث پیش کی جو زیر بحث ہے اس حدیث میں جو استدلال ہے وہ اصل میں حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ہے۔ انھوں نے اس پر دو دلیلیں قائم کیں۔ ایک حضرت عمار کی حدیث میں یہ ہے کہ خود حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس صورت میں حضرت عمار کو تیمم کی اجازت دی۔ دوسری دلیل سورہ مائدہ کی آیت تیمم ہے۔ آیت سے استدلال کا حضرت عبداللہ نے کوئی جواب نہیں دیا۔ البتہ حضرت عمار کی حدیث پر یہ فرمایا۔ کہ حضرت عمار کے قول پر حضرت عمر کو اطمینان نہ ہوا۔ حضرت عمر کے اطمینان نہ ہونے کا سبب یہ نہیں کہ وہ حضرت عمار کو جھوٹا سمجھتے تھے۔ بلکہ چونکہ حضرت عمار نے یہ بیان کیا تھا کہ آپ بھی ساتھ تھے۔ کیا آپ کو یاد نہیں۔ اس سے حضرت عمار، حضرت فاروق اعظم کی تائید حاصل کرنا چاہتے تھے۔ مگر چونکہ حضرت فاروق اعظم کو یاد نہ تھا اس لئے فرمایا۔ اے عمار اللہ سے ڈرو۔ حضرت عمر عمار کو جھوٹا نہیں جانتے تھے۔ اس پر قرینہ یہ ہے جب حضرت عمار نے کہا کہ اگر آپ کہیں تو میں آئندہ اسے نہ بیان کروں تو فاروق اعظم نے فرمایا میرا مقصد یہ ہرگز نہیں تمھیں یاد ہے تو تم بیان کرو۔ اگر انھیں جھوٹا جانتے تو ضرور انھیں یہ حدیث بیان کرنے سے روک دیتے۔

قُلْتُ وَإِنَّمَا كَرِهْتُمْ هٰذَا لِذَا قَالَ نَعَمْ فَقَالَ أَبُو مُوسَىٰ أَلَمْ تَسْمَعْ قَوْلَ
میں نے کہا تم نے اس وجہ سے ناپسند کیا ہے انھوں نے کہا ہاں۔ اس پر ابو موسیٰ نے کہا کیا تم نے وہ نہیں سنا
عَمَّارٍ لِعُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ بَعَثَنِيْ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ
جو عمار نے عمر بن خطاب سے کہا تھا۔ مجھے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک کام کیلئے بھیجا

حضرت عمار نے ایکبار اس حدیث کو بیان فرمادیا۔ اس سے فرض تبلیغ ادا ہو گیا تھا۔ اس لئے یہ نہیں کہا جاسکتا کہ انھوں نے کتمان علم کی اجازت مانگی تھی۔

حضرت عمر کس بنا پر جنبی کیلئے غسل کی اجازت نہیں دیتے تھے۔ یہ کہیں منقول نہیں۔ مگر غور کرنے سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ وہ غالباً۔ اس آیت میں۔ اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَاءَ۔ سے مراد لمس بالید، صرف ہاتھ سے چھونا مراد لیتے ہیں۔ اس لئے کہ اگر وہ ملامست سے جماع مراد لیتے تو نص قرآنی کے خلاف کبھی فتویٰ نہ دیتے۔ اب حضرت عمر کا استدلال یہ ہو سکتا ہے۔ کہ فرمایا گیا۔ وَإِنْ كُنْتُمْ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوْا۔ اگر تم جنبی ہو تو خوب پاک ہو لو۔ فَاطَّهَّرُوْا۔ سے بالاجماع غسل مراد ہے۔ اس کے بعد فرمایا۔ اگر تم بیمار ہو یا سفر میں ہو یا عورتوں کو چھوؤ اور پانی نہ پاؤ تو پاک مٹی پر تیمم کرو۔

تو سیاق سے ظاہر ہو گیا کہ تیمم صرف محدث کیلئے ہے۔ اور جنب کیلئے صرف غسل ہے۔

رہ گئے حضرت ابن مسعود تو انھوں نے اپنے فتویٰ کیوجہ خود ہی ظاہر کر دی۔ کہ۔ اگر جنبی کو۔ بجائے غسل کے تیمم کی اجازت دیدی جائے۔ تو جسے بھی پانی ٹھنڈا لگے گا وہ تیمم کرنے لگے گا۔

یعنی یہ اندیشہ ہے کہ اگر جنبی کو پانی نہ ملنے کی صورت میں تیمم کی اجازت دیدی گئی تو لوگ ذراسی باتوں کیوجہ سے بجائے غسل کے تیمم کرنے لگیں گے۔ اور ایسی باتوں کا سد باب ضروری ہے۔ اس لئے جنب کو تیمم کی اجازت نہ ملنی چاہیئے۔ اس حدیث سے ظاہر ہے کہ صحابہ کرام میں حضرت عمر اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہما جنب کو غسل کی اجازت نہیں دیتے تھے۔ مگر امام نووی[1] نے ایک قول نقل فرمایا ہے کہ حضرت عمر نے اس فتوے سے رجوع فرمالیا تھا۔ حضرت شیخ الاسلام نبیرہ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی قدس سرہما نے اپنی شرح[2] میں فرمایا۔ کہ ابن ابی شیبہ میں بسند منقطع یہ مذکور ہے کہ حضرت ابن مسعود نے بھی اپنے فتویٰ سے رجوع فرمالیا تھا۔ اس طرح اب اس پر اجماع ہو گیا کہ جنب کو اگر پانی پر قدرت نہ ہو تو تیمم کر کے نماز پڑھے۔

---

[1] نووی شرح مسلم جلد اول باب تیمم ص۱۶۱ [2] جلد ثانی باب التیمم ص۲۵۴۔

حَاجَةٍ فَاَجْنَبْتُ فَلَمْ اَجِدِ الْمَاءَ فَتَمَرَّغْتُ فِی الصَّعِیْدِ کَمَا تَمَرَّغُ الدَّابَّةُ

تھا تو میں جنبی ہوگیا اور پانی نہ پاسکا تو مٹی میں اس طرح لوٹا تھا جیسے چوپایا لوٹتا ہے۔ میں نے

فَذَکَرْتُ ذٰلِکَ لِلنَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اِنَّمَا کَانَ یَکْفِیْکَ

نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے اس کا تذکرہ کیا تو فرمایا۔ تمہیں صرف یہ کافی تھا کہ ایسے کرلیتے

اَنْ تَصْنَعَ ھٰکَذَا وَضَرَبَ بِکَفِّہٖ ضَرْبَةً عَلَی الْاَرْضِ ثُمَّ نَفَضَھَا ثُمَّ مَسَحَ

اور حضور نے اپنی ہتھیلی ایک بار زمین پر ماری پھر اسے جھاڑا پھر اس مٹی کو

اس حدیث پر امام بخاری نے دوسرا باب یہ قائم فرمایا ہے۔ التیمم ضربۃ۔ تیمم صرف ایکبار ہاتھ مارنا ہے اس پر پوری بحث گذر چکی۔ اس باب کی تائید حدیث کے اس جملے سے ہوتی ہے۔ کہ حضرت عمار نے فرمایا۔ ضرب بکفہ ضربۃ علی الارض۔ حضور نے اپنی ہتھیلی ایکبار زمین پر ماری۔ لیکن اسلوب کلام سمجھنے کی جو لوگ مہارت رکھتے ہیں وہ جانتے ہیں کہ اس وقت حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تیمم کا طریقہ نہیں بتا رہے تھے۔ بلکہ مقصود یہ تھا۔ کہ اے عمار جنابت کے لئے تیمم میں پورے جسم پر مٹی ملنا ضروری نہیں۔ کہ تم لوٹے۔ بلکہ صرف معہود تیمم کرلینا کافی تھا۔ اس کی طرف اشارہ فرمادیا کہ مٹی پر ہاتھ مار کر یوں کرلیتے یعنی جیسے تیمم کیا جاتا ہے ویسے کرلیتے۔ ورنہ اس میں یہ ہے پہلے ہاتھوں کی پشت کو ملا پھر چہرے کو ملا۔ یہ کسی کے یہاں نہیں کہ پہلے ہاتھ پر مٹی ملے پھر اس کے بعد چہرے پر ملے۔ جو جواب اور لوگ اس کا دیں گے وہی جواب ہم، ضربۃ کا دیں گے۔

مَسَائِل اس حدیث سے یہ مسائل مستنبط ہوئے ① محدث کی طرح جنب بھی اگر پانی پر قادر نہ ہو تو تیمم کرکے نماز پڑھے۔ ② حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کتاب اللہ کے مقابلے میں حضرت عمار کی حدیث جو خبر واحد تھی، قبول نہیں فرمایا۔ تو معلوم ہوا کہ کتاب اللہ کے مقابلے میں خبر واحد مرجوح ہے۔ خطابی نے کہا۔ کہ اس حدیث سے ثابت ہوا کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ آیت کریمہ، میں، ملامست، سے جماع مراد لیتے تھے۔ اور اگر وہ ملامست سے مس بالید، مراد لیتے۔ تو انھیں بہت آسان تھا کہ حضرت ابو موسیٰ اشعری کے جواب میں کہہ دیتے۔ کہ اس آیت سے استدلال درست نہیں۔ یہ جنب کے بارے میں وارد ہی نہیں۔ یہ صرف محدث کیلئے ہے۔ لیکن علامہ عینی نے اسے یہ فرماکر مسترد کردیا۔ کہ اگر حضرت ابن مسعود۔ ملامست۔ سے جماع مراد لیتے۔ تو لازم آئے گا کہ وہ نص قرآنی کے خلاف فتویٰ دیتے تھے۔ یہ ان سے مستبعد ہے۔ ہو سکتا ہے وہ۔ ملامست۔ سے مس بالید ہی مراد لیتے ہوں۔ مگر بحث کو طول دینا نہیں چاہتے۔ یا وہ مجمع اس لائق نہ تھا۔ اس لئے وہ جواب نہ دیا۔ دوسرا

بِهَا ظَهْرَ كَفِّهِ بِشِمَالِهِ أَوْ ظَهْرَ شِمَالِهِ بِكَفِّهِ ثُمَّ مَسَحَ بِهِمَا وَجْهَهُ ، فَقَالَ
بائیں ہتھیلی سے داہنے ہاتھ کی پشت پر ملا یا بائیں ہاتھ کی پشت کو اپنی داہنی ہتھیلی سے ملا پھر دونوں کو
عَبْدُ اللهِ أَفَلَمْ تَرَ عُمَرَ لَمْ يَقْنَعْ بِقَوْلِ عَمَّارٍ ؎
اپنے چہرے پر ملا۔ یہ سن کر عبداللہ نے کہا۔ کیا تم نہیں جانتے کہ عمر کو عمار کے قول پر اطمینان نہیں ہوا۔

سبب بیان کر دیا۔ ④ دوران مناظرہ ایک دلیل سے دوسری دلیل کی طرف منتقل ہونا جائز ہے۔ خصوصًا ایسی صورت میں کہ دوسری دلیل۔ بہ نسبت پہلے کے مقابل کو جلد ساکت کرنے والی ہو۔ جیسے کہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے نمرود کے مقابلے میں کیا تھا۔ پہلے فرمایا۔ میرا خدا وہ ہے جو جلاتا ہے اور مارتا ہے۔ اس پر اس نے جب دو قیدیوں کو بلا کر ایک کو قتل کر دیا اور ایک کو چھوڑ دیا اور کہا کہ میں بھی جلاتا اور مارتا ہوں۔ تو حضرت خلیل اللہ نے بحث کو طول نہیں دیا۔ دوسری دلیل ایسی مسکت پیش فرمائی۔ کہ وہ مبہوت ہو کر رہ گیا۔ فرمایا اللہ وہ ہے جو سورج کو پورب سے نکالتا ہے تو اگر خدا ہے تو پچھم سے نکال دے۔

ع۔ بخاری جلد اول تیمم باب التیمم ضربۃ۔ ۵۰ بخاری جلد اول تیمم باب اذا خاف الجنب علیٰ نفسہ المرض او الموت او خاف العطش تیمم۔ ۴۹ مسلم جلد اول طہارت باب التیمم ۱۶۱۔ ابوداؤد جلد اول طہارت باب التیمم ۴۵۔ نسائی جلد اول طہارت باب تیمم الجنب ۶۱۔